عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ
حیاتِ ترمذی
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی قدس سرہ
بانی: جامعہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا)
کے
روح پرور حالات، دینی خدمات نیز اہل علم کے
مضامین و تاثرات پر مشتمل بصیرت افروز تذکرہ
تالیف
حضرت مولانا مفتی سید عبد القدوس صاحب ترمذی مدظلہ العالی
ناشر
جامعہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا)

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حیاتِ ترمذیؒ

سوانح

فقیہ العصر حضرت مولانا **مفتی سید عبد الشکور ترمذیؒ** بانی جامعہ حقانیہ

ابن فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلویؒ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

تلمیذ رشید: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز

خلیفۂ مجاز: شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانیؒ و مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے روح پرور حالات
و دینی خدمات اور آباؤ اجداد کا مختصر تعارف نیز اہل علم کے مضامین
و تأثرات پر مشتمل بصیرت افروز تذکرہ

تالیف:

مولانا مفتی سید عبد القدوس صاحب ترمذی مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

جمع و ترتیب: مولانا محمد شاکر زید مجدہ، فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

نام کتاب............................. حیات ترمذیؒ

تالیف.............................. حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

جمع وترتیب.......................مولانا محمد شاکر صاحب اسلام آباد

کمپوزنگ......................حقانیہ کمپیوٹر سنٹر

ناشر.............................. جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

صفحات.................... 1000

سن طباعت................. محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

قیمت.....................300 روپے

☆☆☆

ملنے کے پتے

☆ مفتی سعید احمد صاحب تریٹ مری ☆ ادارہ غفران نزد چاہ سلطان راولپنڈی

☆ مدرسہ مدینۃ العلوم مقام حیات سرگودھا ☆ مدرسہ اسلامیہ محمودیہ گلشن رحمٰن سرگودھا

☆ جامعہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی سرگودھا ☆ مدرسہ حسینیہ حنفیہ سلانوالی سرگودھا

☆ مدرسہ علوم شرعیہ ٹوبہ روڈ جھنگ ☆ ادارہ اسلامیات 190 انارکلی لاہور

☆ کتب خانہ جمیلی 291 کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن روڈ لاہور

☆ المکتبۃ الاشرفیہ، جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن فیروز پور روڈ لاہور

☆ دفتر مجلس صیانۃ المسلمین جامعہ اشرفیہ لاہور

☆ لجنۃ المصنفین 96 علی بلاک اعوان ٹاؤن لاہور

فہرست مضامین حیات ترمذیؒ

فہرس نقوش وتأثرات

نمبر شمار	مضامین		صفحہ

انتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احقر اپنی اس ادنیٰ سی کاوش کو اپنے جد امجد حضرت مفتی عبد الکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ (مجاز صحبت حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون) کی طرف منسوب کرتا ہے جن کا علمی وروحانی فیض آپ کی فقہی، تصنیفی، تبلیغی وعلمی خدمات نیز عظیم دینی درس گاہ ''جامعہ حقانیہ'' کی صورت میں جاری ہے۔ اور احقر کے والد گرامی حضرت اقدس مفتی عبد الشکور ترمذی قدس سرہ بھی آپ ہی کے جلیل القدر لائق وفائق فرزندارجمند ہیں جنہیں آج امت ان کے گرانقدر کارناموں کی بنا پر یادگار سلف اور فقیہ العصر کے لقب سے یاد کرتی ہے۔

پھر چونکہ احقر کہ یہ کاوش انہی کے فیوضات وبرکات اور ادعیہ صالحہ کا نتیجہ ہے اس لئے یقیناً یہ انتساب اشعار ذیل کا مصداق ہے:

اهدی لمجلسه الکریم وانما	اهدی له ماحزت من نعمائه
کالبحر یمطره السماء وماله	فضل علیه فانه من مائه

فقط

احقر سید عبد القدوس ترمذی غفرلہ ولوالدیہ

یکم محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

حرف اولین

صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

حمداً لک یامن وصف نفسه بالبقاء وحکم علی الخلق بالفناء صل وسلم علی حبیبک سیداھل الاصطفا وعلی آله واھله وصحبه نجوم اھل الاھتداء۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد ناظرین با تمکین کی خدمت میں گذارش ہے کہ:

اس حقیقت کے صحیح ہونے میں ذرہ برابر بھی اختلاف اور کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اس دنیا فانی میں جو بھی آیا ہے وہ یہاں سے جانے کیلئے ہی آیا ہے۔

ہر نفس کیلئے موت کا ذائقہ چکھنا اور ہر جاندار کو فنا کا جام نوش کرنا ضروری ہے ہر فرد بشر چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، امیر ہو یا غریب، اپنا وقت مقررہ پورا کر کے ہر ایک نے اس دارفانی سے کوچ کرنا ہے اولیا اللہ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حتی کہ سرور کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے مکرم واشرف اور حق تعالیٰ کے بڑے محبوب اور سب سے زیادہ برگزیدہ ہستی ہیں وہ بھی عمر مبارک کے تریسٹھ سال پورے کر کے یہاں سے انتقال فرما گئے اس سے اس دنیا کی بے ثباتی اور فنائیت اور بھی زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ **وما احسن من قال :**

ولو کانت الدنیا تدوم لاھلھا لکان رسول اللہ فیھا مخلدا

الغرض کسی کو بھی موت سے مفر نہیں بلکہ یہ ساری دنیا ہی ناپائیدار اور اس عالم آب وگل کا ذرہ ذرہ ہی فناپذیر اور عارضی ہے۔ موت وحیات کا یہ سلسلہ اور دنیائے فانی میں آمدورفت کا یہ تسلسل ابتداء آفرینش سے یونہی چلا آ رہا ہے اسی حقیقت کو کسی نے یوں بیان کیا ہے ؎

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید ز جام دھر مئے کل من علیہا فان

لیکن موت کا تصور عام لوگوں اور اللہ والوں کے نزدیک یکسر مختلف ہے عام لوگ جنہوں نے یہاں کی زندگی کو حق تعالیٰ کی حکم عدولیوں میں گذارا ان کے ذھنوں میں موت اور اس کے بعد پیش آنے والی زندگی کی بھیانک بلکہ وحشتناک صورت بیٹھی ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ موت سے خائف ہیں۔ مگر اللہ والے جنہوں نے اپنی پوری زندگی کو حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق بسر کیا وہ موت کو اپنے محبوب حقیقی کے وصال کا ذریعہ سمجھتے اور لقاء اللہ کا واسطہ تصور کرتے ہیں اور ہمہ وقت لقاً محبوب اور وصال مطلوب کی تمنا میں بے چین و بے قرار رہتے ہیں چونکہ موت کی وادی سے گذرے بغیر یہ دولت میسر نہیں آسکتی اس لئے ان حضرات کیلئے موت نہایت محبوب اور مرغوب ہوتی ہے اور موت کا وقت ان کیلئے سرور و شادمانی اور فرحت و مسرت کی گھڑی بن جاتا ہے۔ بقول عارف ؎

خوشا وقتے وخرم روزگارے　　　کہ یارے برخورداز وصل یارے

جس موت کے نتیجہ میں وصال محبوب کی دولت میسر آجائے بلاشبہ اصل زندگی وہی ہے ؎

زندگانی نتواں گفتن حیاتے کہ مراست　　　زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد

پھر چونکہ یہ حضرات اپنی ذات کو ذات مطلق و ذات حق میں گم کر دیتے ہیں اس لئے خود بھی گویا دائمی حیات حاصل کر کے اس شعر کا مصداق بن جاتے ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　　ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

ایسی مقدس اور روحانی و نورانی ہستیوں کا وجود یقیناً اس دار فانی اور اس کے بسنے والوں کیلئے سراپا رحمت اور باعث طمانیت ہے اور ان حضرات کا دنیا سے اٹھ جانا صرف ان کے متعلقین و احباب کے رنج والم کا سبب ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر ذی شعور اس سے متأثر ہوتا ہے اور بہت سی ایسی آنکھیں بھی اس حادثہ پر اشکبار ہوتی ہیں جن کو بظاہر ارادت و عقیدت کا ان سے کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا، غرضیکہ ان کی جدائی کے غم والم میں عوام و خواص بلکہ ایک عالم غمگین اور سوگوار ہوتا ہے کیونکہ ایسے حضرات کا سانحہ وفات کوئی شخصی یا ذاتی المیہ نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم کا اجتماعی المیہ اور ملت کا قومی نقصان ہوتا ہے۔

وما کان قیس هلکه هلک واحد　　　و لکنه بنیان قوم تهد ما

ایسی ہی جامع علم و عمل اور باکمال علمی و روحانی شخصیات میں سے احقر کے والد ماجد حضرت اقدس فقیہ العصر یادگار سلف مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ کی ذات گرامی بھی

تھی جن کا سانحہ ارتحال ۶/۵ شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ سہ شنبہ کی شب میں پیش آیا جس نے آپ کے اعزہ واقارب متوسلین احباب و متعلقین کے علاوہ ہزاروں افراد کو ہلا کر رکھ دیا ایسے ہی حضرات کی موت کو صحیح معنی میں ''موت العالم'' کہا جاتا ہے اس لئے ایسی موت پر اگر ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل سوگوار ہو تو عین تقاضائے طبیعت اور فطری بات ہے جو شرعاً وعقلاً کسی طرح بھی مذموم نہیں ہے لیکن ایسے حوادثات میں سب سے زیادہ تسلی کا موجب جو امر ہے وہ یہی ہے کہ اس کائنات میں سب سے عظیم ہستی ہمارے نبی اور پیغمبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جب آپ ہی اس جہاں سے رحلت فرما گئے ہیں تو اب کون ہے جو یہاں ہمیشہ رہے گا، بقول عارف مجذوبؒ ؎

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا　　رہے گا تو ذکر نکوئی رہے گا

وقال اللہ تعالیٰ: کل من علیھافان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے لمحات کی قدر نیز اپنی مرضیات پر چلنے اور نامرضیات سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنے وقت پر خاتمہ بالخیر سے سرفراز فرما کر صالحین کے ساتھ ہمارا الحاق فرماویں آمین ثم آمین یارب العالمین۔

سبب تالیف

حضرت اقدس قدس سرہ کے سانحہ ارتحال کے بعد آپ کے احباب ومتوسلین اور خدام ومتعلقین کا تقاضہ ہوا کہ آپ کے حالات طیبہ اور خدمات دینیہ پر مشتمل ایک کتاب مرتب کی جائے اکثر حضرات نے اس سلسلہ میں احقر پر اصرار کیا دل میرا بھی چاہتا تھا کہ آپ کے حالات لکھے جائیں لیکن اپنی علمی وعملی بے بضاعتی اور نااہلی کی وجہ سے قلم اٹھانا مشکل معلوم ہو رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے دل میں یہ صورت ڈال دی کہ مختلف حضرات اکابرین علماء کرام اور اہل قلم سے حضرتؒ پر مضامین لکھوائے جائیں اس طرح آپ کے حالات سے متعلق ایک مجموعہ تیار ہو جائے گا چنانچہ احقر نے اس سلسلہ میں ایک تحریر لکھ کر حضرت والد ماجدؒ کے متعلقین واحباب کو ارسال کی اور ساتھ ہی میں نے سیدی ومرشدی ومربی حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر صاحب دامت برکاتہم کی خدمت عالیہ میں بھی مضمون لکھنے کی درخواست کی حضرت اقدس مدظلہم نے نہ صرف ایک عظیم بابرکت مضمون عنایت فرمایا بلکہ برادر عزیز مولانا محمد شاکر سلمہ (جو دارالعلوم کراچی سے فراغت کے بعد ایک سال

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا میں تخصص کر چکے ہیں) کو بھی حضرت والد صاحبؒ پر لکھنے کیلئے فرمایا برادر موصوف نے بڑی محنت اور لگن سے مضمون لکھا جسے حضرت نے پسند فرمایا اور اس پر کلمات طیبات بھی تحریر فرمائے، جو حیات ترمذیؒ کی زینت ہیں۔

بعض احباب کے تقاضہ پر احقر نے بھی حضرتؒ کے متعلق لکھنا شروع کر دیا خیال تھا کہ حضرت والد صاحبؒ کی ایک جامع سوانح مرتب ہو جائے گی لیکن چند ہی ابواب لکھے تھے کہ معتد بہ مضامین جمع ہو گئے اور احباب کی طرف سے ان کی اشاعت کا تقاضہ بڑھ گیا لہٰذا سر دست ان تمام مضامین کے ساتھ اب وہی نا تمام سوانحی خاکہ ''حیات ترمذیؒ'' کے نام سے ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے بقیہ ابواب میں حضرت کی فقہی خدمات ، مشائخ و معاصرین سے تعلقات ،تبلیغی خدمات وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن کے بغیر یہ سوانحی خاکہ یقیناً نامکمل ہے قارئین دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ ان بواب کی بھی بسہولت تکمیل کرادیں اور اس کتاب کو عوام وخواص کیلئے نافع فرماویں آمین۔

سیرت نگاری کا فائدہ

نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حسب اقتضاء مقام سیرت نگاری کا فائدہ بھی لکھد یا جائے تا کہ پیش نظر کتاب کا اصل مقصد بھی معلوم ہونے کے ساتھ اس کی اہمیت وضرورت واضح ہو جائے اور اس سے استفادہ کا احساس بھی پیدا ہو۔حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ اس عنوان کے تحت یوں رقم طراز ہیں:

اگر چہ سیرت نگاری کے ساتھ کسی شخصیت کا تعارف حاصل نہیں ہوتا پھر بھی فی الجملہ صاحب سیرت کا اجمالی تعارف ہو جاتا ہے اور یہ بھی بجائے خود ایک بہت بڑی تاریخی ودینی ضرورت ہے کیونکہ جن اکابر اہل اللہ کیلئے سوانح کا اہتمام نہیں کیا گیا اور ان کے حالات زندگی کو قلم بند نہیں کیا گیا تو ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے نام کے سوا ان کے اصل حالات اور دینی خدمات سے کوئی بھی آشنا نہیں۔اس لئے سیرت نگاری کسی شخص کے اجمالی تعارف کے علاوہ آئندہ نسلوں میں اس کے ذکر خیر کے باقی رہنے کا سبب بن جاتی ہے اور اس کا دعا ابراہیمی (واجعل لی لسان صدق فی الآخرین) سے مستحسن ہونا ثابت ہے جو صاحب سیرت کیلئے بھی ذکر خیر کا ذریعہ ہوتی ہے اور صاحب سوانح کے متبعین اور متوسلین کیلئے بھی ہدایت وپیروی کے علاوہ انس ومحبت اور سکون کا مؤثر

سبب بن جاتی ہے حق تعالیٰ ہم سب کوسلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے اوران کے اتباع کی توفیق عطافرمائیں نیز اتباع آثارسلف کی برکات سے حصہ وافر نصیب فرمائیں۔آمین

غرض جن لوگوں نے صاحب سوانح کی زیارت ومحبت سے بھی استفادہ کیا ہے ان کیلئے یہ وقائع صاحب سوانح کی یادگاراورتذکرہ کا کام دیتے ہیں لیکن جن لوگوں کوصاحب تذکرہ کی زیارت اورصحبت میسرنہیں آتی ان کیلئے سوانح حیات صاحب سوانح کے تعارف کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور ہدایت ورہنمائی کا کام تو بہرصورت ان سے لیا ہی جاسکتا ہے نیز صاحب سوانح کے حق میں زمانہ دراز تک اس کے ذکرخیر کیلئے ذریعہ ثابت ہوتے ہیں اس لئے سلفاً اورخلفاً حضرات علماء کرام اورمشائخ عظام کےسوانح حیات لکھنے کا معمول ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔حدیث شریف میں ابن مسعودرضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جوکوئی شخص کوئی طریقہ اختیارکرنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیارکرے جوگذرچکے ہیں۔کیونکہ زندہ آدمی پرآزمائش کا اندیشہ لگارہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آئندہ نسلوں کیلئے گزرے ہوئے بزرگوں کا طریقہ اختیارکرنا اسی صورت ممکن ہوسکتا ہے کہ ان کے حالات وواقعات معلوم ہوں لہٰذا حالات وواقعات کا جمع کرنا اورسیرت وسوانح کا مرتب کرنا نہایت ضروری ہے۔.. (تذکرۃ الظفر ص ۴۵)

احقر کا مقصد بھی ان حالات کے جمع کرنے سے یہی ہے کہ یہ سوانح آپ کے تعارف کے ساتھ عوام وخواص کی راہنمائی وہدایت نیز دیرتک آپ کے ذکرخیر کا سبب ثابت ہو۔واللہ الموفق والمعین

اعتراف حقیقت واظہارتشکر

احقر کواس حقیقت کے اعتراف میں ذرابرابر بھی تکلف نہیں کہ یادگارسلف فقیہ العصرحضرت اقدس والدگرامی قدس سرہ جیسی عظیم علمی روحانی اور جامع الصفات عبقری شخصیت کے حالات پرقلم اٹھانے کی مجھ ناکارہ میں بالکل بھی اہلیت وصلاحیت نہیں ہے یہ انہی حضرات کا کام ہے جوخود بھی ان صفات سے متصف ہوں کیونکہ انما یعرف ذالفضل من الناس ذووہ۔

قدرزرزرگربداند　　　　قدرجوہرجوہری

احقر نے تو یہ چنداوراق اس لئے لکھے ہیں کہ صالحین کے ذکر پرحق تعالیٰ کی طرف سے جورحمت برستی ہے اس کا کوئی قطرہ مجھ پرپڑجائے اورمیرا بھی کام بن جائے۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم   بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

باقی جہاں تک تحریر اور عبارت آرائی کا تعلق ہے تو احقر چونکہ ادیب یا صحافی نہیں ہے اس لئے ناظرین سے گذارش ہے کہ وہ عبارت کی تزیین وتحسین سے قطع نظر مقصد کی طرف توجہ رکھیں کیونکہ یہاں لفاظی مقصود نہیں بلکہ !

نہ بنقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ دل خوشم   نفسے بیاد تو می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

پیش نظر ہے۔

مضامین وتاثرات کے حصول کے بعد سب سے بڑا مرحلہ انکی ترتیب وتدوین اور کتابت وتصحیح کا تھا جسے برادر مکرم ومحترم جناب حافظ سید عبدالغفور ترمذی زید مجدہ اور عزیز القدر مولوی محمد صدیق سلمہ اللہ تعالیٰ مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا نے بحسن وخوبی انجام دیا جو ان کے حضرت اقدسؒ اور جامعہ سے خصوصی تعلق ومحبت کا آئینہ دار ہے جزاہما اللہ تعالیٰ خیر الجزأ۔

آخر میں احقر ناکارہ ان تمام حضرات علماء کرام اور اہل قلم واکابرین کا تہہ دل سے ممنون ہے جنہوں نے میری درخواست پر اپنا قیمتی وقت نکال کر حضرت اقدسؒ کے متعلق مضامین تحریر فرمائے، اور احقر کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ جزاھم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزا۔ حق تعالیٰ اس کتاب کو امت کیلئے نافع فرمائیں اور ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

محترم جناب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ (تریٹ مری ضلع راولپنڈی) کا احقر بطور خاص شکر گزار ہے جنہوں نے ازراہ لطف وکرم اس کتاب کی اشاعت اپنے ذمہ لی۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہت بہت جزائے خیر اور نفع دارین سے مشرف فرمائیں۔ آمین

فقط

احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

(ابن حضرت اقدس ترمذی قدس سرہ)

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

یکم محرم الحرام ۱۴۲۴ھ/۵ مارچ ۲۰۰۳ء بروز بدھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام نیک رفتگاں ضائع مکن　　　تا بماند نام نیکت برقرار

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را　　　گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

اسرتی ، جدی ، والدی

یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

کے

آبائے واجداد اور انکی دینی خدمات

رشحات قلم

حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندان ترمذی

یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ وبرداللہ مضجعہ۔
(ابن فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون)

فاضل: از ہرہند جامعہ دارالعلوم دیوبند، بانی: جامعہ حقانیہ تحصیل ساہیوال ضلع سرگودھا

مسترشد: حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ

تلمیذ رشید: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

خلیفہ مجاز: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ و مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

ایک علمی گھرانے کے فرد فرید اور چشم و چراغ تھے۔

اور آپ کا خاندان علمی و نسبی اعتبار سے نہایت بلند مرتبہ پر فائز تھا آپ کے خاندان کی بعض مشہور و معروف علمی شخصیات میں حضرت مولانا عبداللہ شاہ ترمذی اور جناب محمد حسین شاہ صاحبؒ جناب حضرت حکیم محمد غوث شاہ صاحب گمتھلویؒ سرفہرست ہیں۔

اور آپ کے والد ماجد فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ (سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون) مجاز صحبت حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کو اپنے خاندان اور علمی دنیا میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔

اس لیے نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان حضرات کے مختصر حالات تحریر کر دیئے جائیں لہٰذا ذیل میں ان بزرگوں کے مختصر حالات کتاب ''تذکرہ حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ'' مرتبہ احقر سے نہایت اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کئے جا رہے ہیں۔ اس طرح خاندان ترمذی کی دینی علمی خدمات جو تقریباً دو صدیوں پر محیط ہیں اس کی ایک ہلکی سی جھلک قارئین کے سامنے آ جائے گی۔

حق تعالیٰ ان حضرات کی دینی علمی خدمات کو قبول فرمائیں اور اخلاف کو بھی اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

؎ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

جداعلیٰ حضرت محمد عبداللہ شاہ ترمذیؒ

یہ حضرت مفتی صاحبؒ کے جداعلیٰ ہیں جو اپنے علاقہ میں عبداللہ شاہ ترمذی کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت موصوف اپنے وقت کے جید عالم دین درویش منش اور ایک باخدا بزرگ ہستی تھے نسبی طور پر آپ کا تعلق سادات کے گھرانے سے تھا جبکہ روحانی رشتہ میں حضرت شاہ ابوسعید دھلویؒ سے منسلک تھے اس خاندان میں آپ ہی پہلے فرد ہیں جو سرگودھا کے علاقہ سے ہجرت کر کے ہندوستان میں مشرقی پنجاب ضلع کرنال کے قصبہ گمتھلہ گڈھو میں مقیم ہوئے اور پھر یہیں سے آپ کا خاندانی سلسلہ گمتھلہ کے حوالہ سے مشہور ہوا حضرت عبداللہ شاہ ترمذیؒ کا اصل خاندان ترمذ میں اقامت پذیر تھا آپ کے آباؤ اجداد اسی شہر ترمذ میں سکونت کی وجہ سے ہی ترمذ کی نسبت اپنے نام کے ساتھ لکھتے رہے خاندان میں یہ بات مشہور ہے کہ شاہ ہند تغلق شاہ کے زمانہ میں ''ترمذ'' سے سادات کا جو قافلہ ہجرت کر کے ہندوستان (دہلی) میں آیا تھا آپ کے آباؤ اجداد بھی اس قافلہ میں شامل تھے جو عرصہ دراز تک ہندوستان کے مختلف شہروں میں رہائش پذیر رہے آخر میں یہ خاندان پنجاب میں پہونچا اور وہاں سے پھر ہندوستان ہجرت کی لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ترمذ سے سادات کے قافلہ میں آنے والے آپ کے خاندان کے افراد کون تھے مگر یہ بات واضح ہے کہ اس خاندان میں حضرت عبداللہ شاہ صاحب موصوفؒ ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے ضلع کرنال کے قصبہ گمتھلہ گڈھو میں سکونت اختیار فرمائی اس لئے ہم آپ ہی کے حالات اور واقعات سے ہی اسلاف کے تذکرہ کی ابتدا کر رہے ہیں۔

اسم گرامی اور تعلیم وتدریس

آپ کا اسم گرامی محمد عبداللہ اور والد کا نام خیر محمد تھا آپ ۱۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے علاقہ میں ہی حاصل کی پھر وہاں سے مزید تعلیم کا شوق آپ کو دہلی لے آیا، جہاں آپ

نے دینی تعلیم کی تکمیل فرمائی اور ایک یگانہ روزگار ممتاز عالم دین کی حیثیت سے دینی خدمات میں مصروف ہوئے یہ وہ دور تھا جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ (م۱۱۷۶ھ) کے فرزند گرامی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ھ مسند حدیث پر جلوہ افروز تھے دہلی اس زمانہ میں علم حدیث کا مرکز تھا تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کی زندگی کا زیادہ تر زمانہ گمتھلہ گڈھو میں گزرا اور وہیں تدریس کے ساتھ ساتھ رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا طریقت کے سلسلہ میں آپ حضرت شاہ ابوسعید دہلویؒ سے وابستہ تھے اس زمانہ میں چونکہ آج کل کی طرح باقاعدہ درس گاہوں اور مدارس و جامعات کا اس علاقہ میں رواج نہ تھا بلکہ علمی پیاس بجھانے کیلئے طلبہ اساتذہ کرام اور نابغہ روزگار ہستیوں کی تلاش میں دور دراز کا سفر کرتے تھے جہاں انہیں ماحول میسر آتا اور کسی عظیم دینی ہستی پر نگاہ پڑتی ان سے وہ اپنی علمی تشنگی بجھاتے حضرت عبداللہ شاہ صاحب نے بھی باقاعدہ کسی دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالنے کی بجائے اسی سابقہ طریقہ کو پسند فرمایا چنانچہ آپ کی طرف سے تعلیم کیلئے آنے والے طلبہ کو ہدایت تھی کہ فلاں درخت کے نیچے آکر سبق پڑھ لینا طلبہ آپ کے حکم کے مطابق مقررہ جگہ پہنچ جاتے چنانچہ اس طرح کبھی کسی درخت کے نیچے اور کبھی کسی اور جگہ آپ طلبہ کو سبق پڑھاتے تھے۔

مفسر حقانیؒ کا تلمذ

آپ سے علمی پیاس بجھانے والے طلبہ کی تعداد تو کافی ہے لیکن آپ کے مشہور تلامذہ میں مفسر حقانی حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی گمتھلوی ثم دہلویؒ کا اسم گرامی زیادہ مشہور ہے مفسر حقانی نے آپ سے مختلف علوم وفنون میں اکتساب فیض فرمایا موصوف اپنے علمی کارناموں کی بنا پر کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں آپ ایک عرصہ تک گمتھلہ میں مقیم رہے حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ چونکہ گمتھلہ کی ایک عظیم علمی شخصیت تھے اس لئے مفسر حقانی نے آپ سے بھی زانوئے تلمذ طے کئے اور آپ حضرتؒ کے مایہ ناز تلامذہ میں ایک بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا علمی مقام عطا فرمایا تھا تفسیر حقانی جیسی عظیم تفسیر اور النامی شرح حسامی وغیرہ کتب آپ کے تبحر علمی کی واضح دلیل ہیں۔

حضرت مولانا عبداللہ شاہ صاحبؒ درویش منش اور نیک سیرت انسان اللہ تعالیٰ کے ولی اور صاحب کرامت بزرگ تھے خاندان میں آپ کے بہت سے عجیب واقعات وکرامات مشہور ہیں ان میں سے صرف دو واقعے درج کئے جاتے ہیں۔

ایک چور کا واقعہ

ایک چور چوری کیلئے آیا اور آپ کے ہاں سے چوری کی مگر اس کے بعد اندھا ہو گیا اس کو راستہ نظر نہیں آیا تو بہ کی تو بینائی لوٹ آئی یہ آپ کی کرامت تھی اس واقعہ کا بڑا چرچا اور شہرت ہوئی اور لوگوں نے اس سے بڑی عبرت حاصل کی آپ کی زندگی کا یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہو گیا گمتھلہ کا تقریباً ہر فرد اس واقعہ کو جانتا تھا شہر اور علاقہ میں اس کی وجہ سے آپ کی عظمت کا بڑا شہرہ ہوا آپ ایک جید عالم دین کے طور پر تو مشہور تھے ہی اس کے بعد ایک باخدا ولی اللہ صاحب کرامت کی حیثیت سے بھی مشہور ہو گئے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

ایک اور عجیب واقعہ

گمتھلہ کے ایک اور صاحب کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ سیر کیلئے جنگل گیا تو میں دیکھ کر حیران ہو گیا کہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب کے جسم کے تمام اعضا الگ پڑے ہیں دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت کو کسی نے شہید کر دیا ہے فوراً گھر کی طرف لوٹا کہ چارپائی لے جا کر انہیں شہر لے آؤں گھر سے چارپائی اٹھائی کسی کو بتائے بغیر جلدی میں گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت موجود ہیں اور ٹہل رہے ہیں میں نے انتہائی حیرانگی سے پوچھنا چاہا کہ یہ کیا تو آپ نے اشارہ سے مجھے خاموش کرا دیا اور فرمایا کہ تم نے جو کچھ دیکھا وہ سب صحیح ہے لیکن جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی کو یہ واقعہ بتانے کی اجازت نہیں ہے ورنہ تمہارا حشر اچھا نہیں ہو گا چنانچہ اس شخص نے یہ واقعہ حضرتؒ کی وفات کے بعد لوگوں کو بتایا (حضرت حکیم الامت تھانویؒ اسی قسم کے واقعات کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: یہ ذکر کی وہ حالت ہے جس میں محویت غالب ہو جائے اسی وجہ سے بزرگوں کے اعضاء مقطوع پائے گئے حالانکہ فی الواقع صحیح وسالم ہوتے ہیں یہ اثر ان اعضاء میں باطنی ارتباط کے نہ رہنے کا ہوتا ہے۔ ملفوظات ہفت اختر)

ہم عصر شخصیات

آپ کی تاریخ پیدائش سے واضح ہے کہ آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۹۷ھ اور حضرت شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی المتوفی ۱۳۱۷ھ قدس سرہ کے ہم عصر ہیں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ المتوفی ۱۳۴۶ھ سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی ہے حضرت مفتی عبدالکریمؒ فرماتے تھے کہ حضرت سہارنپوریؒ نے مجھ سے خود فرمایا کہ میں تمہارے دادا مولانا عبداللہ

صاحب کوخوب جانتا ہوں اوران سے میری ملاقات بھی ہوئی ہے لیکن افسوس کہ موصوف کے تفصیلی حالات تقسیم ملک کے وقت انقلاب کی نظر ہوگئے یہ تفصیلی حالات آپ کے فرزندگرامی قدر حضرت حکیم محمد غوث صاحب نے اپنے صاحبزادہ حافظ عبدالرحیم کمتھلوی مرحوم سے لکھوا کر احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم کمتھلوی کوشاہ آباد ارسال فرمائے تھے حضرت والد صاحب قدس سرہ کے ارشاد کے مطابق یہ حالات وواقعات شاہ آباد ضلع کرنال کے زمانہ قیام میں انہوں نے بھی مطالعہ کئے تھے مگر تقسیم ملک کے بعد انتقال آبادی کے وقت ضائع ہوگئے۔ذالك تقدير العزيز العليم

شادی اوراولادامجاد

آپ کی شادی موضع اجراڑہ ہوئی سسرال کا نسبی تعلق بھی سادات سے تھا اولاد میں دولڑکے اور تین لڑکیاں تولد ہوئیں لڑکوں میں جناب محمد حسین شاہ صاحب اور جناب حضرت حکیم محمد غوث شاہ صاحب ہیں آپ نے اپنی لڑکیوں کی شادی اپنے برادر زادوں سے کیں جبکہ لڑکوں کی شادی بھی خاندان سادات سے فرمائی جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آرہی ہے۔

وفات اورنماز جنازہ کا عجیب واقعہ

حضرت موصوف اسی (۸۰) سال کی عمر پا کر اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون سن ولادت ۱۲۱۳ھ کے حساب سے ۸۰ سال کی عمر میں وفات کا سن ۱۲۹۳ھ بنتا ہے اور آپ کے صاحبزادہ حضرت حکیم محمد غوث صاحب جن کی ولادت ۱۲۷۵ھ ہے وہ فرماتے تھے کہ میری عمر حضرت عبداللہ شاہ کی وفات کے وقت ۱۸ سال تھی اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سن وفات ۱۲۹۳ھ ہی ہے یہ بات خاندان میں تواتر کی حد تک مشہور ہے کہ آپ نے انتقال سے پہلے خود ہی فرمایا تھا کہ تم میری وفات کے بعد میرا جنازہ تیار کر کے رکھ دینا تم میں سے کوئی بھی شخص جنازہ نہ پڑھائے کیونکہ میرے جنازہ کی نماز پڑھانے کیلئے بروقت خود ہی ایک صاحب پہنچ جائیں گے چنانچہ آپ کے متعلقین نے اس پر عمل کیا اور آپ کی کرامت ظاہر ہوئی کہ عین موقع پر ایک درویش شخص تشریف لائے اور انہوں نے جنازہ پڑھایا اور پھر وہ فوراً ہی غائب ہوگئے اور حاضرین اس پر حیران رہ گئے جنازہ کے بعد قصبہ کمتھلہ گڈھو کے قبرستان میں ایک مخصوص احاطہ میں آپ کی تدفین ہوئی آپ کا مزار وہاں مشہور ومعروف ہے۔

صاحبزادہ حضرت محمد حسین شاہؒ

حضرت مولانا عبداللہ شاہ صاحب کے دولڑکے حضرت محمد حسین شاہ صاحب اور جناب حضرت حکیم محمد غوث شاہ صاحب اور تین لڑکیاں تھیں صاحبزادہ حضرت محمد حسین شاہ صاحب دونوں بھائیوں میں عمر میں بڑے اورنہایت درجہ متقی اور پرہیز گار تھے اللہ تعالیٰ نے آپ میں مختلف اوصاف حمیدہ ودیعت فرمادیئے تھے اپنے اور پرائے سب ہی آپکی تعریف میں رطب اللسان تھے موصوف نے ساری زندگی دینداری اور سادگی میں ہی گزاردی موصوف گمتھلہ میں عیدگاہ کے متفقہ امام تھے سب لوگ آپ کی امامت اور خطابت پر متفق تھے اپنے بعد اپنے صاحبزادہ عبدالحکیم شاہ صاحب کی بجائے اس منصب جلیل کیلیئے آپ کی نگاہ انتخاب اپنے برادرزادہ عبدالرحیم صاحب پر پڑی اور آپ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بعد کیلیئے انہیں اپنا جانشین مقرر فرمایا جو آپ کی کمال دیانت اور تقویٰ کی عظیم دلیل ہے جس پر گمتھلہ کے عوام بہت متاثر ہوئے اور آپ کے فیصلہ کو انہوں نے دل وجان سے قبول کیا۔

اولادامجاد: آپکی اولاد میں عبدالحکیم شاہ صاحب عرف سوندھا خاندان ترمذ وسادات کی مشہور ومعروف شخصیت جن کے فرزند جناب عبدالرحمٰن شاہ صاحب آف حویلی کوٹلہ نزد چکبندی ضلع سرگودھا تھے تقسیم ملک کے بعد پیرجی عبدالرحمٰن شاہ صاحب نے وفات تک یہیں تدریس اور امامت کی خدمات انجام دیں پیرانہ سالی اورضعف کے باوجود امامت اور تعلیم میں مصروف رہے انہوں نے ۹۰ سال کے قریب عمر پائی حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے چالیس روز بعد انتقال ہوا وہیں کوٹلہ حویلی میں ہی تدفین ہوئی۔ بہت ہی سادہ متحمل مزاج نہایت صابروشاکر اور مرنجامرنج طبیعت کے مالک تھے اللہ تعالیٰ انکی خدمات کو قبول فرمائیں اور مغفرت کاملہ سے نوازیں آمین مرحوم کی اولاد میں حافظ محمد حنیف صاحب انکی زندگی میں ہی انتقال کرگئے تھے دوسرے صاحبزادگان حیات ہیں جناب حضرت محمد حسین شاہ صاحب مرحوم صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے انکی بزرگی اور تقویٰ نیز کرامات زبان زد عام وخواص ھیں۔ آپ کا انتقال غالباً ۲۰۳۲ بکرمی میں ہوا۔

جناب حکیم محمد غوث شاہ کمتھلویؒ

حضرت عبداللہ شاہ صاحب ترمذیؒ کی اولاد میں حکیم سید محمد غوث شاہ صاحب ایک نرم دل نیک فطرت اور سادہ طبیعت انسان تھے آپ اپنے برادر جناب حضرت محمد حسین شاہ صاحب سے عمر میں چھوٹے تھے۔

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں ۱۳۵۵ھ میں انتقال فرمایا اس حساب سے آپ کا سن ولادت ۱۲۷۵ھ بنتا ہے۔ آپ کی ولادت کمتھلہ گڑھو میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم بھی آپ نے یہیں حاصل کی۔

فن طب اور ذریعہ معاش

آپ نے فارسی کی تعلیم پر بطور خاص محنت فرمائی اور اس میں خوب مہارت تامہ حاصل کی جس کیوجہ سے آپ بلا تکلف فارسی بولنے اور لکھنے پر قادر اور معروف تھے اس دور میں فن طب چونکہ فارسی عربی زبان میں پڑھایا جاتا تھا اس لئے آپ نے اس زبان میں مہارت کے بعد اپنے طبعی ذوق اور ذہانت کیوجہ سے بڑے شوق کے ساتھ یہ فن سیکھا اور دہلی سے باقاعدہ کورس کے بعد اس کی سند بھی حاصل کی۔ حضرت عبداللہ شاہ صاحب مرحوم کی وفات کے وقت حضرت حکیم صاحب کی عمر اٹھارہ سال تھی اپنی گھریلو مصروفیات وضروریات کی بناء پر آپ درس نظامی کی باقاعدہ تحصیل کی تکمیل نہ فرما سکے بالآخر آپ نے فن طب میں مہارت کے بعد اسی کو اپنے معاش کا ذریعہ بنایا اور اسی میں اشتغال رکھا تاہم اپنی افتادطبع اور خاندانی اثرات کے پیش نظر ہمیشہ علمی ماحول سے وابستہ رہے دین حنیف کا انتہائی لحاظ فرماتے اس لئے آپ کی ساری زندگی شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہونے سے ہی عبارت تھی۔

مطب اور ہمدردی

موصوف نے ہمیشہ ذریعہ معاش کو مقصد حیات بنانے سے گریز کیا آپ میں خدمت خلق کا

انتہائی جذبہ موجزن تھا حتی الامکان کوشش ہوتی کہ نادار مریض کو اپنے پاس سے دوا فراہم کی جائے اور ان کی پوری ہمدردی ہو رحمت وشفقت آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ آپ چونکہ دہلی کے سند یافتہ اور ایک حاذق حکیم ہونے کے ساتھ علمی ذوق کے مالک تھے اس لئے فن طب کے علاوہ دینی کتب کا بھی ایک ذخیرہ آپ کے پاس موجود تھا آپ نے اپنے مطب میں ہی یہ کتابیں جمع کی ہوئی تھیں بوقت ضرورت ان سے استفادہ فرماتے رہتے تھے۔ مطب میں ضروت کی دوا جمع رکھتے اور اپنے تجربات کی روشنی میں مختصر طریقہ سے اہم امراض کا سہل وارزاں علاج فرماتے بحالت سفر بھی اگر کوئی مریض آپ سے رجوع کرتا تو اسے آپ مختصر دوا دے کر مطمئن فرما دیتے طبابت کو بطور پیشہ کے آپ نے نہیں اپنایا بلکہ اصل مقصد ہمدردی خلق تھا جس کو آپ نے ہمیشہ باحسن وجوہ نبھایا۔

خوراک

آپ یوں تو شروع سے ہی کھانے پینے کے زیادہ عادی نہ تھے لیکن فن طب کی باریکیوں سے واقفیت کے بعد اس عادت میں مزید استحکام واحتیاط کا پہلو غالب آ گیا تھا چنانچہ آپ بہت مختصر غذا کھانے کے عادی تھے عام طور پر آج کل اس کا تصور بھی ناممکن ہے ہم آج بھی وہ ہنڈیا دیکھ کر انتہائی حیران ہوتے ہیں جس میں آپ کیلئے دو وقت غذا تیار کی جاتی تھی۔ آپ خود تو کم کھاتے ہی تھے دوسروں کو بھی زیادہ کھاتا ہوا دیکھ کر پریشان ہو جاتے تھے طبیعت میں سادگی رحم دلی اور شفقت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کسی کو زیادہ کھاتے دیکھتے تو رحم دلی سے آپ بے چین ہو جاتے۔

اہل خانہ کو آپ کی اس طبیعت وعادت کا خوب اندازہ تھا اس لئے وہ آپ کے سامنے زیادہ کھانے پینے اور اپنی خوراک کا تذکرہ نہیں کرتے تھے البتہ کبھی کبھار آپ خود پوچھ لیتے تو انہیں اہل خانہ کی خوراک کا علم ہو کر تعجب ہوتا اور پھر وہ انتہائی طور پر قلت طعام کی تاکید کرتے اور احتیاط کیلئے فرماتے تاکہ معدہ درست رہے اور کسی قسم کی مرض بھی لاحق نہ ہو۔

بیعت وارادت

جناب حکیم صاحب مرحوم طریقت میں باقاعدہ طور پر خاندان نقشبندیہ سے منسلک تھے اور جناب شاہ ابوالخیر صاحب سے بیعت تھے شاہ صاحب موصوف کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ شاہ بلال صاحب کو تحریر فرمایا کہ میں آپ کے والد محترم سے بیعت تھا اب ان کی وفات کے بعد آپ

سے رجوع کرنا چاہتا ہوں نیز یہ بھی لکھا کہ میرے بیٹے عبدالحی کو بھی آپ بیعت کرلیں اس پر انہوں نے جواب دیا کہ آپ کیلئے حضرت والد صاحب کی بیعت کافی ہے اور اپنے بیٹے کو آپ خود ہی بیعت کرلیں حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد شاہ بلال صاحب کو آپ نے جو خط لکھا تھا یہ باتیں انہوں نے اسی کے جواب میں تحریر فرمائی تھیں۔

حکیم صاحب مرحوم و مغفور نہایت متدین اور پاکیزہ سیرت عمدہ خصال تھے ہمیشہ پابندی سے اپنے اکابر کے شجرہ کو پڑھتے رہے اور باقاعدگی سے ان کی ہدایات پر عمل پیرا رہے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے تعلق کی وجہ سے بدعات سے نفرت اور اتباع سنت کا جذبہ بھرپور طور پر آپ میں موجود تھا طریقت میں آپ کا تعلق جن حضرات سے تھا ان کی بعض رسومات چونکہ اکابر دیوبند سے مختلف تھیں اس لئے آپ اس سلسلہ میں ان کی اتباع نہیں فرماتے تھے موصوف ایک حاذق طبیب ہونے کیساتھ چونکہ روحانی طبیب بھی تھے اور کئی علاقوں میں آپ کے متعلقین موجود تھے آپ گاہے گاہے انکی خواہش اور اصرار پر سفر فرماتے اور اس میں بھی اپنے معمولات ادا فرماتے تھے اور مسترشدین کو صحیح علمی و روحانی ہدایات فرماتے دوران سفر مختصر سا مطب بھی آپ کے ساتھ ہوتا یوں روحانی اور جسمانی دونوں علاج جاری رہتے تھے۔

﴿ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے تعلق ﴾

آپ کو حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بھی خاص تعلق تھا آپ کے فرزند گرامی حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ چونکہ حضرت کے خاص متعلقین اور مسترشدین میں سے تھے اس لئے بھی آپ کا تعلق حضرت سے بہت گہرا تھا اور خود حضرت اقدس بھی اس تعلق خاطر کی قدر فرماتے تھے آپ اکثر و بیشتر خطوط کے ذریعے اپنے فرزند گرامی کے توسط سے حضرت کو سلام اور دعاء پہونچاتے رہتے تھے اور تھانہ بھون بھی کئی بار تشریف لائے حضرت اقدس کی زیارت کی اور خاص استفادہ کیا۔

﴿ حضرت تھانویؒ کی مبارک باد ﴾

جب آپکے پوتے حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ نے ۱۳۵۵ھ میں بعمر چودہ سال تھانہ بھون کے مدرسہ امداد العلوم میں قرآن پاک حفظ مکمل کیا تو آپ تھانہ بھون تشریف لائے حضرت اقدس سے ملاقات ہوئی آپکو حضرت نے پوتے کے حفظ قرآن پاک پر مبارک باد بھی پیش فرمائی تھی،

﴾ سادگی ﴿

آپ خلقۃ نہایت خلیق اور سادہ مزاج تھے حلیم الطبع اور نرم خو ہونے میں اپنی مثال آپ تھے دوسروں کے تعاون کے بے حد مشتاق تھے حتی المقدور سب سے تعاون و امداد کا معاملہ فرماتے اگر کوئی گھر سے کسی کام کے لئے کہتا تو ذرا تأمل نہ فرماتے، ایک مرتبہ آپ کی اہلیہ محترمہ نے فرمایا کہ میں نے مکئی چھت پر خشک کرنے کیلئے ڈال رکھی ہے مجھے محلّہ میں ایک کام سے جانا ہے اس لئے اوپر بیٹھ جائیں تاکہ کوئی جانور نہ آئے تو آپ بلاتأمل اوپر چلے گئے موصوفہ کام سے فارغ ہوکر آئیں اور اپنے کام میں مصروف ہوگئیں اور انہیں خیال نہ رہا کہ آپ اوپر ہیں شام کو جب مکئی اٹھانے کیلئے اوپر گئیں تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئیں کہ آپ ابھی اوپر ہی ہیں پوچھنے پر فرمایا کہ میں یہ سمجھا کہ ابھی تم واپس نہیں آئیں اس لئے میں یہاں ہی بیٹھا ہوں اس سے آپ کی سادگی کے ساتھ ایفاء عہد کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

﴾ شریعت کی پابندی ﴿

شریعت کے احکام پر عمل آپ کی طبیعت ثانیہ اور آپ اس کو ہر شئی پر ترجیح دیتے تھے حتی کہ گھر کا ماحول بھی اس کے مطابق نہایت سادہ چاہتے تھے دیگر گھروں کی طرح آپ کے اہل خانہ محلّہ میں بے مہابا یا بلاضرورت نہیں جاسکتے تھے چونکہ آپ کو خاندانی طور پر شہر میں ایک عظمت اور مقام حاصل تھا اس لئے عام اہل شہر آپ کی آپ کے گھر کی قدر کرتے تھے اہلیہ محترمہ کا بھی اہل محلّہ پر اپنی نیکی اور تعلیمی خدمات کی وجہ سے ایک خاص اثر تھا اور سب ہی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آپ کے ہاں پردہ کا بہت ہی اہتمام تھا بچوں کو بھی دوسرے گھروں میں بلاضرورت جانے کی اجازت نہ تھی اگر کوئی بچہ بھی اس طرح کسی گھر جاتا تو آپ اسے روک دیتے تھے۔ نامحرم کی خلوت اور سفر کی شریعت میں واضح ممانعت ہے عام طور پر نامحرم کے ساتھ سفر کا رواج تھا اور خالہ زاد تایازاد ماموں زاد سے بے حجابی اور بے پردگی اور خلوت وسفر کا عام رواج تھا لیکن آپ نے اس کو کبھی روا نہ رکھا اور اس سلسلہ میں رسم و رواج کی کبھی پروا نہ کی ایک مرتبہ اہلیہ محترمہ کے چچازاد انہیں لینے کیلئے سواری کے انتظام کے ساتھ ٹمٹملہ پہونچے مگر آپ نے انکے ساتھ بھیجنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ کیا تمہارے ہاں کوئی محرم نہیں ہے نامحرم کے ساتھ میں نہیں بھیج سکتا چنانچہ وہ گاڑی خالی واپس گئی مگر آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

﴿ زبان ﴾

آپ خالص اردو زبان بولتے تھے لیکن جس ماحول سے آپکو سابقہ تھا اس میں خالص اردو کا نام ونشان بھی نہ تھا اسی لئے بول چال میں عجیب وغریب لطائف ظہور پذیر ہو جاتے تھے بعض اوقات عجیب دلچسپ سماں انکی وجہ سے پیدا ہو جاتا تھا۔ اس کی کچھ تفصیل تذکرہ حضرت مفتی عبدالکریمؒ میں موجود ہے

﴿ ایک یادگار خط ﴾

آپ فارسی زبان میں بلا تکلف خط لکھ لیتے تھے اور اکثر و بیشتر اسی زبان میں خط وکتابت اور نسخہ جات تحریر فرماتے تھے اردو زبان بہت ہی اعلیٰ بولتے تھے اور اس میں بھی سلسلہ کتابت جاری رہتا تھا آپ کی اولاد میں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ خانقاہ امدایہ تھانہ بھون میں مقیم تھے اس لیے آپ ان سے بذریعہ خط رابطہ رکھتے تھے اور کبھی کبھی تھانہ بھون تشریف لے آتے تھے آپ کا کتب خانہ اور قلمی ذخیرہ سب کا سب تقسیم ملک کی نظر ہو گیا مگر قدرت الٰہی سے آپ کی ایک قلمی تحریر جو آپ نے بطور خط کے اپنے بڑے صاحبزادہ گرامی حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ کو تحریر فرمائی تھی وہ اب تک بعینہ محفوظ ہے یہ تحریر آپ کے آخری زمانہ کی تحریر فرمودہ ہے آپ اس وقت اپنی صاحبزادی آسیہ مرحومہ کے علاج کے سلسلہ میں انبالہ میں مقیم تھے اس تحریر میں آپ نے اپنے معاملات کی تفصیلات اور قرض سے سبکدوشی کے متعلق ہدایات رقم فرمائی ہیں اور آخرت کی دائمی زندگی کا تذکرہ بھی کیا ہے اور ساتھ ہی اہلیہ محترمہ کی طرف سے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں سلام مسنون کے ساتھ خط وکتابت سے عذر بھی ظاہر فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کا اصلاحی تعلق بھی حضرت اقدس تھانوی سے ہی قائم تھا اس خط کے بعض ضروری حصے ہم ذیل میں بلفظہ درج کر رہے ہیں تاکہ اس کی روشنی میں آپ کے احوال معلوم کرنا آسان ہوں اور ساتھ ہی ان امور کی تصدیق بھی ہو جائے جن کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے۔

﴿ خط کا متن ﴾

برخوردار لخت جگر مولوی عبدالکریم سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) چونکہ عرصہ سے آپ کی خیرت معلوم نہیں ہے اس لئے فکر رہتا ہے میں خط وکتابت سے

لاچار ہوں آپ میرے خط کا انتظار نہ کیا کریں اور اپنی خیریت کی اطلاع دیتے رہا کریں برخورداری ایک عرصہ سے بیمار تھی میں اس کو بغرض علاج انبالہ شہر میں لایا ہوں دوا موافق آ گئی ہے طبیعت روبصحت ہے ان شاء اللہ صحت کی امید ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے اور آپ کو مع متعلقین کے عافیت دارین عطاء فرماوے آمین۔ اپنی خیر وعافیت سے بواپسی ڈاک جلد از جلد مطلع کریں تا کہ اطمینان حاصل ہو۔

(۲) اس سال میرے پاس فصل نہیں ہوئی برخوردار عبدالحی کے پس کچھ کسی قدر وہاں گمتھلہ میں فصل ہوگئی بلکہ اس کو زیادہ کی امید تھی اور میرے ذمہ قرضہ سابقہ ذاتی کے علاوہ جو میں تقسیم کر چکا تھا خانگی اخراجات کے مبلغ ۱۲۰ روپے ہو گئے تھے.................. میں چاہتا ہوں کہ اس قرض کو بھی نصفا نصف کیا جائے جن میں سے میرے ذمہ مبلغ ساٹھ روپے آتے ہیں اور ایک بھینس میرے حصے میں آتی ہے جو قریب قریب قرضہ مذکورہ کے ہوگی اگر میں برسات تک زندہ رہا آپکو کچھ کسی سے جھگڑے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس وقت وہ بھینس قابل فروختگی نہیں ہے اور انسان کی زندگی کا ایک لمحہ کیلئے بھی اعتبار نہیں ہے اگر اس فیصلے سے پہلے خدا میرا خاتمہ بالخیر کر دے آپ کو یہ تکلیف کرنی پڑے گی۔

(۳) باقی تم میں سے جو میری خدمت کرے گا ثواب کا حقدار ہوگا اور میرے نزدیک جیسے تم ہو ویسے دوسرے ہیں۔ برخورداران کی والدہ کی طرف سے اپنے مرشد صاحب مدظلہ کی خدمت میں سلام عرض کر دیں اور خط وکتابت کی مجبوری بیان فرماویں۔ پتہ حسب ذیل ہے۔

انبالہ شہر مسلم راجپوت بورڈنگ ہاؤس معرفت ماسٹر محمد شفیع......حکیم کو ملے۔

خط کے بعض اہم حصے آپ کے سامنے ہیں اگرچہ اس میں تاریخ تحریر درج نہیں ہے لیکن مندرجات سے واضح ہے کہ مرحوم نے اپنی زندگی کے بالکل آخری حصہ میں ہی یہ خط تحریر فرمایا ہے اس سے قرض کی ادائیگی کا اہتمام اور حساب ومعاملات کی صفائی اور حقوق اولاد میں عدل جیسے اہم امور واضح ہیں۔

﴿ شادی خانہ آبادی ﴾

آپ کی دو شادیاں ہوئیں پہلی شادی موضع گنگہیڑی میں ہوئی پہلی اہلیہ کے بطن سے آپ کے ایک ہی فرزند حضرت مفتی عبدالکریمؒ پیدا ہوئے۔ مرحومہ ایک ہی فرزند کے تولد کے بعد انتقال کر گئیں موصوف سفر میں بھی اپنے فرزند کو ہمراہ رکھتے تھے ایک مرتبہ بروٹ پہونچے لڑکا ساتھ تھا وہاں کے ایک گھرانہ سادات میں سے لوگوں نے آپ سے کہا کہ ہم آپ کی شادی کر دیتے ہیں کیونکہ اس

طرح سفر وحضر میں آپ کی تکلیف نا قابل برداشت ہے چنانچہ اسی بنیاد پر انہوں نے شادی کر دی۔
دوسری اہلیہ محترمہ سے دولڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

﴿ اہلیہ ثانیہ کی دینی خدمات ﴾

موصوفہ نے عقد از دواج میں منسلک ہونے کے بعد دینی تعلیم اپنے شوہر نامدار سے حاصل کی قرآن کریم ناظرہ پڑھ کراس کی خوب اشاعت کی تقریباً پورے محلہ کی لڑکیاں آپ کی ہی شاگردہ تھیں دینی مسائل اور تعلیم کا سلسلہ انہوں نے عرصہ دراز تک جاری رکھا سب کے ہاں انکی بڑی قدر تھی اس طرح آپ کا گھر دینی تعلیم کا مرکز تھا جس سے اہل شہر نے خوب دینی استفادہ کیا موصوفہ خود بھی دین کا بہت لحاظ فرماتی تھیں صوم وصلوٰۃ کی خوب پابند تھیں نیکی اور تقویٰ ان کی طبیعت پر غالب تھا۔ان کا اصلاحی تعلق حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ سے قائم تھا جیسا کہ سابقہ خط سے واضح ہے ادھر خود گھر کا ماحول بھی دینی علمی تھا جیسا کہ حضرت حکیم صاحب موصوف کے حالات سے پتہ چلتا ہے،

﴿ سانحہ وفات ﴾

آپ کی وفات رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کی ستائیسویں شب کو ہوئی وفات سے کچھ ماہ قبل آپ اپنے تمام اعزہ واقارب اور رشتہ داروں سے ملاقات کر آئے تھے اسی آخری سفر میں اپنے بڑے فرزند گرامی حضرت مفتی عبدالکریم صاحب کے ہاں تھانہ بھون بھی تشریف لے گئے چلنے پھرنے کے خوب عادی تھے بڑھاپے کے باوجود بینائی خوب تھی کہ بغیر عینک کے سوئی میں دھاگہ ڈال لیتے تھے مرض الوفات میں زیادہ تر آخرت کا ذکر فرماتے اور ساتھ ہی اپنے فرزند عبدالحی اور عبدالرحیم کو تاکید کرتے کہ نمازیوں کو میرے لئے حسن خاتمہ کی دعاء کیلئے کہیں اس مرض میں آپ نے اپنی صحت کیلئے دعاء کی فرمائش نہیں کی بلکہ خاتمہ بالخیر کیلئے دعاء کراتے رہے۔عمر بھی اسی (۸۰) سال سے متجاوز تھی جسم دبلا پتلا نہایت لاغر تھا دن بدن کمزوری بڑھتی جارہی تھی اور دار آخرت کا یہ مسافر بعجلت اپنا تمام سفر طے کر رہا تھا آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ جناب عبدالحی صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ والد صاحب جب نمازیوں سے دعاء کیلئے فرماتے تو مجھے یقین ہوتا کہ اب اس مرض سے یہ جان بر نہ ہونگے کیونکہ انہیں اب صحت کی طلب نہ تھی بلکہ خاتمہ علی الایمان کی حرص اور تمنا تھی جو اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی اور آپ رمضان المبارک کے مقدس مہینہ کی ستائیسویں شب میں جو عنـد الاکثر لیلة

القدر ہے راہی ملک جاوداں ہوئے۔

﴿ اولاد ﴾

پسماندگان میں آپ نے اپنے تین لڑکے حضرت مفتی عبدالکریم صاحب حافظ عبدالرحیم صاحب عبدالحی صاحب گمتھلویؒ اور تین لڑکیاں ایک بیوہ چھوڑی آپ کی اہلیہ کے مختصر حالات ہم پہلے سپرد قلم کر چکے ہیں ذیل میں آپ کے فرزندان گرامی کے مختصر حالات تحریر کئے جارہے ہیں اولاد میں اگرچہ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ سب سے بڑے ہیں لیکن آپ کا ذکر ہم آپ کے دوسرے برادران کے بعد کریں گے، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

حافظ سید عبدالرحیم گمتھلویؒ

یہ آپ کے منجھلے صاحبزادے ہیں جو۱۳۲۲ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گمتھلہ میں حاصل کی اور قرآن کریم بھی یہیں پڑھا پہلے ناظرہ قرآن کریم پڑھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے حفظ کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا موصوف ابتداء عمر سے ہی ایک نیک سیرت اور درویش صفت انسان تھے مرنجا مرنج طبیعت کے مالک تھے سادگی صبر قناعت اور حلم و بردباری جیسے اخلاق فاضلہ میں ساری زندگی گزاردی تحریک خلافت میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور انگریز کی مخالفت کی ہمیشہ بڑی پابندی سے امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیئے عام گذران کیلئے زراعت کو اپنائے رکھا محنت مشقت کے بڑے عادی تھے مشکل سے مشکل کام سے بھی نہیں گھبراتے تھے اور زیادہ تر کوشش کرتے کہ دوسروں کو راحت پہونچائیں کسی کی سخت بات کا پلٹ کر جواب دینا گویا جانتے ہی نہ تھے اہل شہر کو آپ پر حددرجہ اعتماد تھا سب ہی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

جناب حکیم سید محمد غوث شاہ صاحب مرحوم کے بڑے بھائی جناب محمد حسین شاہ صاحب گمتھلہ کی مرکزی مسجد کے امام اور عیدگاہ کے خطیب تھے اپنی وفات سے قبل انہوں نے یہ منصب اپنے برادرزادہ جناب عبدالرحیم صاحب کو سپرد کیا ان کے نزدیک اس عظیم منصب کے آپ ہر طرح سے اہل تھے جبکہ آپ کی اپنی اولاد میں فرزند بھی موجود تھے لیکن انہوں نے دین داری کو ہر رشتہ پر ترجیح دی اور اس عہدہ جلیلہ کیلئے نہایت دیانت داری سے اپنے بھتیجے کا انتخاب کیا اور آپ کا یہ فیصلہ ''حق بحق دار رسید'' کا مصداق ثابت ہوا جس کی سب نے تحسین کی اس سے جناب حضرت عبدالرحیم صاحب مرحوم کی دیانت داری نیکی برادری کی نگاہ میں قدر و منزلت جیسے امور کھل کر سامنے آجاتے ہیں جو آپ کی طبعی شرافت کی اعلیٰ دلیل ہے۔

قرآن کریم سے شغف ومحبت

آپ کوقرآن کریم کی خدمت کا بہت ہی شوق تھا اپنے گھریلو کام مصروفیات کے علاوہ سارا وقت آپ دینی کتب کے مطالعہ اورقرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے میں ہی گذارتے تھے سینکڑوں بچے بچیوں نے آپ سے قرآن کریم مکمل کیا آپ نے ہمیشہ جذبہ اخلاص کے ساتھ بے لوث حسبۃً للہ یہ خدمت انجام دی اہل قریہ گردوپیش علاقہ کے مسلمانوں کوآپ کی ذات سے بہت نفع ہوا، اللہ تعالیٰ نے جواوصاف کاملہ آپ کی ذات میں ودیعت فرمائے تھےان کے پیش نظرسب آپ کا بے حداحترام کرتے تھےاورسب ہی کی نظر میں آپ ایک متقی پرہیزگار کی حیثیت سے نمایاں تھے۔ آپ کوقرآن شریف سے بہت عشق تھا رمضان المبارک میں آپ گھر کے تمام مشاغل اورمصروفیات کے باوجودروزانہ ایک قرآن کریم مکمل فرمالیا کرتے تھے اگرتیس روزے ہوتے توتیس مرتبہ ورنہ انتیس مرتبہ رمضان المبارک میں قرآن کریم پورافرماتے۔

تراویح میں قرآن کریم سننے کا عجیب واقعہ

آپ کے برادر بزرگوار حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ مع اہل وعیال ۱۳۵۵ھ کے آخر سے مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال میں مقیم تھے۔احقر کے والد ماجد قدس سرہ جوآپ کے بھتیجے تھے ۵۵ھ میں قرآن کریم کے حافظ ہوچکے تھے نانا محترم نے تراویح میں قرآن کریم سننے کی خواہش ظاہر کی اوراپنے برادر بزرگوار سے اس سلسلہ میں بات کی جب حضرت والدصاحب قدس سرہ سے اس کا تذکرہ آیا توانہوں نے کہا کہ میں گمتھلہ نہیں جاؤں گا کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہاں کا پانی میٹھا نہیں ہے حضرت موصوف نے فرمایا کہ میٹھا پانی میں خود دور سے لے کرآیا کروں گا اس کا انتظام ہوجائیگا پھردوسری شرط یہ لگائی گئی کہ میں قرآن کریم تراویح میں صرف سات دن میں سناؤں گا انہوں نے اس کوبھی منظور فرمالیا والدصاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ آخر میں میں نے یہ کہا کہ اگر والدصاحب میرے ساتھ گمتھلہ جائیں گے تو میں پھر جاؤں گا مجھے اس بات کا علم تھا کہ وہ اپنی مصروفیات مشاغل کی وجہ سے نہیں جاسکیں گے وہ انکار کردیں گے اوریوں میں وہاں جانے سے بچ جاؤں گا مگرموصوف نے ان کوبھی اپنے ساتھ جانے کیلئے تیار کرلیا اس طرح گمتھلہ جانے کا پروگرام طے ہوگیا۔۲۹ شعبان المعظم کوحضرت اقدس والدصاحب قدس سرہ مع حضرت جدمحترمؒ گمتھلہ کیلئے روانہ ہوئے رمضان

المبارک کا چاند نظر آ گیا گمتھلہ پہونچ کر تراویح شروع ہوگئی والد صاحب فرماتے تھے کہ میں نے پہلی تراویح میں سورہ بقرہ پڑھ دی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر دیکھا تو چچا جان بھی پہونچ چکے تھے وہ ان حضرات کو لینے کیلئے اسٹیشن گئے تھے مگر یہ حضرات دوسرے راستہ سے بروقت گمتھلہ پہونچ گئے تھے اور تراویح بھی شروع کر دی تھی بہر حال اس طرح حسب وعدہ تینوں شرطوں کو آپ نے پورا فرمایا پانی کا انتظام بھی کیا اور اپنے برادر بزرگوار کو بھی ہمراہ رکھا اور قرآن کریم سات دن میں سنا آٹھویں شب وعظ وتقریر کیلئے ان حضرات کا گمتھلہ میں قیام ہوا حضرت والد صاحب قدس سرہ کا قیام اس طرح صرف آٹھ دن پوری زندگی میں اپنے اجداد کے ہاں گمتھلہ میں رہا جس کا سبب آں مرحوم بنے اس واقعہ سے آپ کا عشق بالقرآن الکریم واضح ہے۔

﴿ اولاد امجاد ﴾

آپ کے ہاں کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں مگر سب لڑکے صغر سنی میں وفات پا گئے محض دو لڑکیاں زندہ رہیں جن میں بڑی لڑکی (جو احقر کی والدہ ماجدہ ہیں) تاہنوز حیات ہیں۔ دوسری لڑکی احقر کی خالہ مرحومہ تھیں جنکی شادی حضرت مولانا نذیر احمد صاحب نسینگوی مرحوم خلیفہ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ ساکن فروکہ کے صاحبزادہ جناب محترم سید ظہیر احمد شاہ صاحب سے ہوئی چند سال قبل خالہ محترمہ بھی انتقال کر گئیں غفر اللہ لھا وارحمھا وادخلھاالجنة بغیر حساب آمین۔ دونوں لڑکیاں آپ کے نقش قدم پر رہیں آپ کی تربیت کی وجہ سے ان میں بھی دینداری اور قرآن کریم سے عشق محبت اور لگاؤ آپ کا خاص اثر ہے بطور خاص احقر کی والدہ محترمہ اب تک اسی شو ق وذوق سے دینی خدمات میں مصروف ہیں والحمد للہ علی ذالک۔

﴿ ہجرت ﴾

تقسیم ملک کی تحریک میں آپ نے بھی حصہ لیا اور نظریہ پاکستان کی بڑھ چڑھ کر حمایت کی جب ملک تقسیم ہوا تو آپ نے مع اہل وعیال گمتھلہ سے پاکستان کی طرف ہجرت کی سارے راستہ پیدل سفر طے کیا اور نہایت درجہ صعوبتیں مشقتیں برداشت فرمائیں راستہ میں طرح طرح کے حالات مصائب اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا بہت سے لوگ اس دوران لقمہ اجل بنے جن میں آپ کے لڑکے عبدالسمیع اور آپ خود بھی شامل تھے دن رات کی مشقت جفاکشی اور محنت کی وجہ سے آپ سخت

بیمار ہوگئے اور قصور پہونچ کر آپ کا آخری وقت آپہونچا جس سے کسی صورت میں بھی مفر نہیں نزع کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے ذمہ پانچ چھ نمازیں قرض ہیں ان کا فدیہ دے دیا جائے اور بھائی عبدالکریم کو سلام کہہ دیا جائے پھر جان جان آفریں کے سپرد کر دی آپ کی وفات ۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہوئی غسل تکفین کے بعد جنازہ ہوا اور قصور ہی میں آپ کو دفن کر دیا گیا اور یوں آپ ارشاد باری تعالیٰ ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله و رسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله کا مصدق ہوئے رحمہ اللہ رحمة واسعة و غفرله مغفرة ظاهرة و باطنة آمین۔ پسماندگان میں آپ نے ایک بیوہ دو لڑکیاں ایک لڑکا عبدالسمیع چھوڑا لیکن لڑکا بھی آپ کے بعد انتقال کر گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت سید عبدالحی گمتھلویؒ

حضرت حکیم مولوی سید محمد غوث صاحب کے سب سے چھوٹے فرزند گرامی کا نام نامی عبدالحی تھا موصوف ۱۳۲۵ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گمتھلہ میں حاصل کی برادر بزرگ جناب سید عبدالرحیم صاحب سے عمر میں اڑھائی سال چھوٹے ہیں دونوں بھائیوں نے ابتدائی تعلیم اسکول میں بھی حاصل کی اور قرآن کریم بھی پڑھا قرآن کریم ناظرہ حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ سے پڑھا حاجی محمد شریف صاحب گمتھلوی بھی اس میں آپ کے ساتھ تھے طبعی ذہانت کی بناء پر محض ایک آدھ پارہ ہی استاذ سے پڑھنے کی نوبت آئی پھر اسی کی مدد سے پورا قرآن کریم خود ہی پڑھ لیا۔

تھانہ بھون کے زمانہ قیام کا ایک واقعہ آپ نے یوں سنایا کہ ایک مرتبہ میں اپنی ہمشیرہ کو لیکر خانقاہ کے سامنے کھیل رہا تھا کہ حضرت اقدس تھانویؒ وہاں سے گذرے اور فرمایا کہ یہ کون ہے انہوں نے بتایا کہ یہ میری بہن فرمایا کہ بہن نہ کہو ہمشیرہ کہو۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ میں نے ملا نیاز صاحب کو خانقاہ میں کان پکڑتے اور پٹتے خود دیکھا ہے حضرت اقدس کا رعب اور جلال ہیبت انہیں خوب یاد تھا اور اس قسم کے بہت سے واقعات بھی سنایا کرتے تھے۔ موصوف صوم وصلوٰۃ کے خوب پابند تھے جمعہ کی پابندی خوب سے خوب تر کرتے ابتداء جوانی میں سفر میں جانے کی وجہ سے ایک مرتبہ آپکا جمعہ قضاء ہو گیا تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ تقسیم ملک کے بعد ہجرت کر کے آپ پاکستان آ گئے ہجرت کر کے لاہور پہونچے تو حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کے ہمراہ پورا خاندان ساہیوال ضلع سرگودھا آ گیا۔ یہاں کچھ عرصہ قیام رہا پھر گمتھلہ کے بہت سے لوگ بگھیانہ کلاں ضلع قصور چلے گئے تو آپ بھی ان کے ہمراہ وہیں پہونچ گئے۔ ساری عمر وہاں بھی پڑھنے پڑھانے میں گزاردی قرآن کریم کی بہت خدمت فرمائی بلا مبالغہ سینکڑوں افراد نے آپ سے قرآن کریم پڑھا بہت سے حفاظ بھی تیار ہوئے۔ ابتدائی

بیعت حضرت شاہ ابوالخیر سے کی پھر حضرت شاہ بلال سے منسلک ہوئے آخر میں اصلاحی تعلق حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحبؒ سے قائم کیا جو اخیر تک قائم رہا آپ کو اپنے پیرومرشد سے بہت محبت تھی جامع مسجد کا نام بھی حضرت کے نام پر ''مسجد الخیر'' رکھا حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ آپ کے ہاں بھگیانہ کلاں تشریف بھی لے گئے موصوف نے خیر المدارس کے جلسہ میں ہمیشہ شرکت کی کبھی ناغہ نہ کیا۔

﴿ اولاد ﴾

آپ کی شادی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کئیں لڑکے اور لڑکیوں سے نوازا صاحبزادوں میں جناب عبدالرزاق صاحب، جناب ماسٹر عبدالحق صاحب وفات پا چکے ہیں چھوٹے صاحبزادہ سید عبدالوحید شاہ صاحب حیات ہیں سب صاحبزادگان صاحب اولاد ہیں۔ آپ کی اولاد میں ایک پوتے مسمیٰ حافظ عبدالحمید ولد سید عبدالوحید شاہ صاحب نے ۱۹۹۲ء میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا آپ کی آخرِ حیات میں وہی امامت خطابت کرتے رہے اور آپ کی وفات کے بعد وہی آپ کے جانشین قرار پائے آپ نے ۹۰ سال کی عمر پائی اس لئے آپ کے سامنے پوتے پوتیوں کے علاوہ آپکے پڑپوتے بھی پیدا ہوئے آپ نے ان سب کو دیکھا اللہ تعالیٰ سبکو دیندار بنائے اور دین ودنیا کی نعمتوں سے بہرہ ور کرے اور سب کو دین کا سچا خادم بنائے آمین۔

﴿ وفات ﴾

رجب المرجب ۱۴۱۴ھ میں بھگیانہ کلاں کے قریب تالاب سرائے جلسہ میں شرکت کیلئے آپ وہاں تشریف لے گئے رات کو عشاء کی نماز بھی خود پڑھائی اس کے بعد حسب معمول آرام کیلئے لیٹ گئے صبح فجر سے قبل انتقال کر گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ ؒ نے جنازہ پڑھایا اور ظہر کے بعد تدفین ہوئی جنازہ میں شریک ہونے والوں میں ہر طبقہ کے افراد تھے عوام کی بھی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرماویں اور دینی خدمات کو شرف قبولیت بخشے آمین۔ جناب حکیم محمد غوث صاحبؒ کی نرینہ اولاد میں آپ سب سے چھوٹے تھے لیکن عمر اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب بھائیوں سے زیادہ عطا فرمائی بڑے بھائی حافظ عبدالرحیم صاحب کی عمر صرف ۴۸ سال ہوئی جبکہ سب سے بڑے برادر حضرت مفتی عبدالکریم صاحب نے ۵۳ سال عمر پائی۔ اللہ تعالیٰ سب حضرات کے درجات بلند فرمائیں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں۔ آمین

چاہا خدا نے تو تیری محفل کا ہر چراغ　　　جلتا رہے گا یونہی بجھایا نہ جائے گا

تذکرہ

حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ

فاضل جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور و سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

مجاز صحبت

حکیم الامۃ حضرۃ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

از قلم

صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہم

مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

فقیہ العصر یادگار اسلاف حضرت اقدس مولانا قاری مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ کے والد گرامی قدر فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی نوراللہ مرقدہ فاضل جامعہ مظاہرالعلوم سہارنپور وبانی مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال (ہند) سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون مجاز صحبت حضرت اقدس حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ تلمیذ رشید فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی اور آپکی تبلیغی، تصنیفی، فقہی، سیاسی خدمات جلیلہ کا تذکرہ اور علماء کرام ومشائخ عظام کے تعزیتی پیغامات،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت تھانویؒ کا فیض عام

پاکستان و ہندوستان میں شاید ہی کوئی خطہ اور گوشہ ایسا ہوگا جہاں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا علمی اور روحانی فیض نہ پہنچا ہو جس طرح حضرت والا کی سینکڑوں کتابیں مختلف علوم میں علمی فیض پہنچا رہی ہیں اسی طرح اطراف ملک میں بہت سے خلفاء اور تربیت یافتہ حضرات فیض روحانی پہنچانے میں مصروف ہیں ان سے واسطہ در واسطہ فیض پہنچانے والوں کا سلسلہ تو اس قدر وسیع ہے کہ جس کا شمار ہی مشکل ہے حضرت حکیم الامتؒ کے ان ہی بلا واسطہ تربیت یافتہ اور خاص صحبت یافتہ لوگوں میں سے حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی بھی تھے۔

وطن اور ولادت

حضرت مفتی صاحب کا وطن ضلع کرنال کی تحصیل کیتھل کا مشہور قصبہ گمتھلہ گڈھو تھا ابتدائی عمر میں قرآن شریف اسی قصبہ میں پڑھا اور کچھ نوشت وخواند اردو کی تعلیم بھی اس جگہ حاصل کی اس کے بعد ہمیشہ تعلیم وتدریس کے سلسلہ میں باہر ہی عمر گذاری مگر اپنے آبائی وطن سے تعلق ونسبت ہمیشہ باقی رکھا اسی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ گمتھلوی لکھا کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے قصبہ کے ایک ذیلدار غالباً چوہدری نصیب خان صاحب سے وعدہ کرلیا تھا کہ گمتھلہ کی طرف اپنی نسبت کو ہمیشہ باقی رکھوں گا اور تمام عمر اس وعدہ کا ایفا کرتے رہے۔

حضرت مفتی صاحب کی ولادت باسعادت ۵ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ جون ۱۸۹۷ء آپ کی ننہال موضع گنگھیڑی ضلع کرنال میں ہوئی موصوف کے ماموں کا نام محمد شریف تھا آپ کی عمر ابھی غالباً چار پانچ سال کی ہی ہوگی کہ آپ کی والدہ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا تھا حضرت موصوف فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی والدہ کی شکل وصورت یاد نہیں مگر میں ایک مرتبہ ان کے ساتھ اپنے ننہال گیا تھا تو انہوں نے مجھے فلاں جگہ کھڑا کیا تھا اس کا نقشہ اب تک ذہن میں باقی ہے آپ کے والد ماجد حکیم محمد غوث صاحب دہلی کے تعلیم یافتہ علاقہ کے مشہور ترین حکیم تھے فارسی میں بہت عمدہ ذوق رکھتے تھے

اور دہلی کے مشہور نقشبندی خاندان سے بیعت وارادت کا تعلق تھا جبکہ آپ کے دادا حضرت مولانا عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے فاضل متبحر عالم اور نقشبندی سلسلہ میں صاحب اجازت بزرگ تھے۔ان کے مختصر حالات گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

﴿ تحصیل علوم اور فراغت ﴾

قرآن شریف اور معمولی لکھنا پڑھنا اپنے قصبہ کے پیر جی محمد اسحاق صاحب وغیرہ سے سیکھا اور پھر سہارنپور مدرسہ مظاہر العلوم میں آ کر شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری شارح ابوداؤد کے ظل عاطفت میں علوم دینیہ کی باقاعدہ تحصیل شروع کردی اسی اثناء میں درس نظامی کا کچھ حصہ حضرت حکیم الامتؒ کے زیرسایہ خانقاہ امدادیہ میں کئی حضرات مدرسین مثلاً مولانا انوارالحق امروہوی اور مولانا سید احمد حسن سنبھلی سے بھی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور گاہ بگاہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے استفادہ فرماتے تھے۔دینی علوم کی تکمیل آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں فرما کر ۱۳۳۹ھ میں سند فراغت حاصل کی۔

﴿ مدرسہ عبدالرب دہلی میں تعلیم ﴾

مدرسہ عبدالرب دہلی میں حضرت مولانا عبدالعلی صاحب جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگردوں میں امتیازی شان رکھتے تھے دارالعلوم دیوبند کے مدرس رہ چکے تھے اور حضرت تھانوی قدس سرہ کے اساتذہ میں سے تھے مفتی صاحب نے انکی خدمت میں رہ کر مسلم شریف اور ترمذی شریف حدیث کی دو کتابوں کو دوبارہ پڑھا حضرت مولانا عبدالعلی صاحب کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ تعلیم کے بہت ہی حریص تھے حضرت کے ایک حصہ بدن پر فالج کا اثر ہوگیا تھا مگر پھر بھی پڑھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آج کل طالب علم بہت ہی بے شوق ہوگئے ہیں جمعہ کو پڑھنے نہیں آتے۔حضرت موصوف صاحب جائیداد تھے اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ مہمان نوازی اور طلبہ پر خرچ فرماتے تھے حضرت حکیم الامت تھانویؒ جب دہلی تشریف لے جاتے تو اپنے استاد سے ملاقات کیلئے مدرسہ عبدالرب بھی تشریف لے جاتے تھے اور استاد مکرم ہمیشہ انہیں تحفہ تحائف پیش کرتے۔

﴿ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی قلمی سند ﴾

انقلاب ۱۹۴۷ء میں جہاں بہت سے علمی اداروں کا ضیاع ہوا وہاں مشرقی پنجاب میں بہت

سے قلمی اور علمی نوادرات کا ذخیرہ بھی اس انقلاب کی نظر ہوا، افسوس کہ حضرت مفتی صاحب کے قلمی تربیتی خطوط اور حضرت حکیم الامتؒ سے جو خط وکتابت ہوئی وہ بھی وہاں ضائع ہوگئی مگر اتفاق سے حضرت سہارنپوریؒ کی عطا کردہ سند محفوظ ہے یہ سند حدیث کی صحاح ستہ اور مؤطین کے متعلق حضرت سہارنپوریؒ نے مفتی صاحب کو اس وقت کے مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم مولانا عنایت الٰہی صاحب سے لکھوا کر اس پر اپنی مہر لگا کر عطا فرمائی تھی اس پر تاریخ ۶/رجب ۱۳۳۷ھ مرقوم ہے اس سند کا ایک حصہ درج ذیل ہے:

اما بعد فقد قرأ علی اوائل الصحاح الست والمؤطین لامام دار الھجرة مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ومحمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ اخی فی الدین المولوی السید عبدالکریم گمتھلوی واستجازنی علی حسن ظنہ بی کما اجازنی مشائخی الکرام فاجزتہ بما یجوز لی روایتہ من المنقول والمعقولالخ

تدریس

درس نظامی سے فراغت کے بعد حضرت سہارنپوریؒ کے ایماء سے حضرت مفتی صاحب موضع اجراڑا ضلع میرٹھ کے مدرسہ میں مدرس کی حیثیت سے مامور ہوئے کچھ عرصہ مدرسہ کے طلبہ اور دوسرے مسلمانوں کو مستفید کرتے رہے اس کے بعد مختلف مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دینے اور فتنہ ارتداد کی سرکوبی میں نمایاں خدمات بجالانے کے بعد ۱۳۴۳ھ سے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اپنے پیر ومرشد حضرت تھانویؒ کے زیر سرپرستی تدریسی، تالیفی، اور فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دینے لگے حضرت حکیم الامتؒ کو چونکہ مفتی صاحب پر حد درجہ اعتماد اور اطمینان تھا اس لئے بڑے بڑے اہم کاموں کی انجام دہی پر آپ کو مامور کیا جاتا تھا۔

سفر حج وقیام مدینہ منورہ

آپ نے پہلی مرتبہ غالباً ۱۳۵۳ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا تھا اور تقریباً آٹھ ماہ کے بعد واپسی ہوئی تمام مقامات مقدسہ کی تلاش وجستجو سے زیارت کی پھر ۱۳۵۶ھ میں دوسرے سفر حج میں مع بال بچوں کے جانا ہوا اور ایک سال حجاز میں قیام کے بعد دوسرا حج کر کے واپسی ہوئی دوسرے سفر حج میں آٹھ ماہ مسلسل مدینہ منورہ قیام کا شرف حاصل ہوا۔ اس طرح آپ نے تین حج کئے۔

﴿ مدینہ منورہ میں تدریس ﴾

اور مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ میں حدیث وفقہ کی بڑی کتابوں مسلم شریف اور موطا امام مالک ہدایہ وغیرہ کے درس دینے کا موقع اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمایا حرم نبویؐ کے بعض اساتذہ بھی درس حدیث میں شریک ہوا کرتے تھے ایک مدرس حرم سے ایک مرتبہ آپ نے دریافت کیا کہ آپ تو صاحب مذہب ہیں موطا امام مالکؒ آپ کے امام کی کتاب ہے اس کو تو آپ حنفیوں سے زیادہ سمجھتے ہوں گے پھر آپ ان کے سبق میں کیوں شریک ہوتے ہیں؟ ان عالم صاحب نے فرمایا کہ اپنے مذہب کے خلاف جو بات ہوتی ہے اس کا جواب تو ہم خود دیدیتے ہیں مگر احادیث میں جو تطبیق آپ دیتے ہیں ان کو سننے کیلئے آتا ہوں پھر اس کو جا کر حرم نبویؐ میں طلباء کو سناتا ہوں یہ فن تطبیق جیسا کہ آپ حضرات کو آتا ہے ہمیں نہیں آتا حضرت مفتی صاحبؒ طبعی ذہانت وفطانت کے علاوہ چونکہ کافی طویل زمانہ تک حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے زیر تربیت تعلیمی وتصنیفی کام کرتے رہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علمی ذوق سے ان کو حصہ عطا فرمادیا تھا جو ہر کسی کو صرف کتب بینی سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

﴿ مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال ہند ﴾

حضرت مفتی صاحبؒ نے ۱۳۵۶ھ میں حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے ایماً پر شاہ آباد ضلع کرنال میں دینی تعلیم کیلئے ایک ادارہ قائم فرمایا اس مدرسہ کی ابتدا چونکہ شاہ آباد کی اس مسجد کے حجرہ میں ہوئی جس میں ایک طویل زمانہ تک حضرت اقدس قطب عالم شاہ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ نے قیام فرمایا اس لئے اس مدرسہ کا نام ''قدوسیہ'' تجویز ہوا۔ پھر ۱۳۶۰ھ میں ایک دوسرے محلّہ میں مدرسہ بنایا گیا تو حضرت تھانویؒ نے اس کا نام حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کے نام مبارک پر اس کا نام ''حقانیہ'' تجویز فرمادیا حضرت مفتی صاحبؒ نے ان دونوں مدارس میں اہتمام کے ساتھ تدریس کی خدمات بھی سرانجام دیں اس کے علاوہ راجپورہ ریاست پٹیالہ میں بھی آپ نے ایک ''عربی مدرسہ'' قائم فرمایا اس کے مہتمم ونگران بھی آپ خود تھے۔ یہ سب مدارس تقسیم ہند تک آپ کے اہتمام میں دینی تعلیم دیتے رہے۔

﴿ مدرسہ قاسم العلوم میں بطور شیخ الحدیث تقرر ﴾

۱۳۵۶ھ میں فاضل دیوبند تلمیذ رشید شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

قدس سرہ جناب حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فقیر والی ضلع بہاولنگر میں ''قاسم العلوم'' کے نام سے دینی ادارہ قائم فرمایا۔

۱۳۶۳ھ میں جب پہلی مرتبہ حضرت مولانا موصوف مرحوم نے ''مدرسہ قاسم العلوم'' میں دورہ حدیث شریف کے آغاز کا فیصلہ فرمایا تو صدر مدرس و شیخ الحدیث کیلئے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ چنانچہ اس طرح ایک سال آپ نے اس ادارہ میں حدیث شریف کے بڑے اسباق پڑھائے۔ اس وقت یہ مدرسہ خوب ترقی پر ہے اور ملک کے مشہور و معروف مدارس میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ والحمدللہ علیٰ ذالک۔

ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری بہاولنگر میں ٹبہ عالمگیر تشریف لے گئے حضرت مفتی صاحب چونکہ ان دنوں مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی بہاولنگر کے شیخ الحدیث کی حیثیت سے قریب ہی مقیم تھے آپ بھی حضرت مولانا رائے پوریؒ سے ملنے کیلئے ٹبہ عالمگیر گئے رات کو پہنچے صبح فجر کی نماز کیلئے مسجد میں گئے تو یہ عجیب بات پیش آئی کہ تکبیر مکبر نے کہہ دی مگر کوئی صاحب مجمع میں سے آگے بڑھ کر نماز پڑھانے کیلئے مصلےٰ پر نہ آئے انتظار کے بعد حضرت مفتی صاحب آگے بڑھے اور نماز پڑھا دی نماز کے بعد مولانا رائپوریؒ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ میں نے آوز سے کچھ پہچانا تو تھا کہ مفتی عبدالکریم ہوں گے مگر پھر خیال آیا کہ ایسی سردی میں شب کو کیسے آئے ہوں گے مگر پہچان صحیح نکلی آپ نے ہنس کر فرمایا کہ آج تو بخاری شریف کے باب ''من تأمر بغیر امرأۃ'' پر عمل ہو گیا جب کوئی صاحب نماز پڑھانے کیلئے مصلےٰ پر نہیں پہنچے تو میں نے خود ہی پیش قدمی کی اور نماز پڑھا دی۔

حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق خاطر

حضرت تھانوی قدس سرہ سے آپ کو ایک تعلق تھا چنانچہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے انتقال کے بعد جائے تدفین کے انتخاب کرنے اور آپ کے غسل و کفن میں شرکت کا خصوصی شرف حاصل رہا چنانچہ خاتمۃ السوانح میں تحریر ہے کہ:

حضرت کی وفات کے تھوڑی دیر بعد جناب مولانا شبیر علی صاحب تھانوی برادرزادہ حضرت اقدس کی دوائیں لے کر سہارنپور سے تھانہ بھون تشریف لائے تو وہ اسی وقت حضرت اقدس کے وقف کردہ تکیہ میں

جس کا تاریخی نام ''قبرستان عشق بازاں تھا'' مع جناب مولانا عبدالکریم گمتھلوی کے دفن کی جگہ تجویز کرنے کیلئے تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر دونوں صاحبوں کی رائے بلا اختلاف اسی جگہ کی ہوئی جہاں حضرت اقدس آرام فرما ہیں اور وہ واقعی ہر لحاظ سے ایسا اچھا موقع ہے کہ جس نے دیکھا بہت پسند کیا (خاتمۃ السوانح)

آپ کو حضرت کی وفات کا اتنا قلق ہوا تھا کہ آپ بار بار بے تابانہ بے اختیار کہتے تھے ہائے میرے شیخ، ہائے میرے شیخ۔

﴿ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی شفقت وعنایت ﴾

حضرت رحمہ اللہ بھی آپ سے بیحد محبت کرتے تھے چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ ایک خط میں تحریر فرمایا ''واللہ میں آپ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا ہوں'' حضرت قدس سرہ جب کسی کو اجازت بیعت وتلقین فرماتے تھے تو اکثر اس کا یہ عنوان ہوتا تھا ''بے ساختہ یہ قلب میں آیا کہ آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دیدوں لہٰذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرمائے اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں'' لیکن آپ کے سلسلہ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جو تحریر فرمائی وہ مندرجہ ذیل تھی:

﴿ خلافت نامہ ﴾

مشورۃً آزادی راءے حسب معمول اس وقت بھی بعض احباب کو میں نے اس خدمت کیلئے منتخب کیا ہے کہ وہ شائقین دین کو اپنی معلومات سے نفع پہنچائیں اور ایسی جماعت کا لقب مجاز صحبت رکھا ہے میں نے آپ کو بھی توکلاً اس سلسلے کیلئے تجویز کیا ہے اگر آپ کی مصلحت یا طبیعت کے خلاف نہ ہو امید ہے کہ ایسے طالبین کی طرف توجہ رکھیں گے اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں۔

حضرت قدس سرہ کی اس تحریر کے جواب میں آپ نے جو عریضہ لکھا وہ مع جواب درج ذیل ہے:

مکتوب: بشرف ملاحظہ عالی جناب فیض مآب سیدی ومرشدی حکیم الامہ عندکل غمہ حضرت مولانا صاحب لازال شموس فیوضھم (بازغۃ) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، **جواب:** السلام علیکم

مکتوب: سلام مسنون نیاز مشحون کے بعد معروض خدمت والا درجت ہے کہ کئی روز سے والا نامہ فیض شمامہ شرف صدور لایا تھا جو ہمراہ عریضہ ملفوف ہے شدت بخار وغیرہ کے باعث ارسال عریضہ کہ قوت نہ ہوئی آج قدرے تخفیف ہونے پر عریضہ ہذا مرسل خدمت بابرکت ہے۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ صحت وقوت بخشے۔ **مکتوب:** حضرت والا نے اس ناکارہ کو مجازین صحبت میں شمار فرما کر یہ تحریر فرمایا

ہے ''اگر مصلحت یا طبیعت کے خلاف نہ ہو'' سو اول تو اس ہیچمدان کو مصلحت کا کیا پتہ اور طبیعت کا کیا اعتبار لیکن امتثال امر کیلئے فہم ناقص کے مطابق غور کیا تو حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ نالائق تو نہ پڑھانے کے قابل ہے نہ مسائل بتلانے کے نہ خدمت وعظ کے نہ امامت کے ان سب چیزوں کو حضرت اقدس دامت برکاتہم کی اجازت کے بھروسہ اس غرض سے ٹوٹے پھوٹے طریق پر انجام دے رہا ہوں کہ شاید کسی مسلمان کو نفع پہنچ جائے وہ دعاء یا شفاعت کر دے بس یہی غرض اس امر خطیر کی جرأت دلاتی ہے حسن حال ومآل کیلئے دعاء کی عاجزانہ التجا ہے۔ علم وعمل کے اعتبار سے ظاہری اور باطنی حالت روز بروز ابتری کی طرف دیکھتا ہوں خداوند کریم حال زار پر رحم فرماوے۔ والسلام مع الاکرام

ناکارہ غلام احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ وعافاہ

از مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال، مورخہ ۲۷؍شوال ۶۱ھ

جواب: جس خیال کی بنا پر میں نے یہ تجویز کیا تھا آپ کے جواب سے بحمداللہ اس خیال کی مزید تائید ہوئی باقی دعاء کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ
کی
بعض دینی خدمات کا تذکرہ

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ جس طرح اپنے مرشد کے زیرسایہ گذرا اسی طرح آپ کی سوانح اور دینی خدمات کے تذکرہ کا بھی زیادہ حصہ حضرت حکیم الامتؒ کی سوانح کے ساتھ منضبط ہوکر شائع اور محفوظ ہوگیا ہے ''اشرف السوانح'' کی تالیف کے وقت آپ نے اپنی دینی خدمات کا جو تذکرہ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کو لکھ کر دیا تھا وہ ''مکارم عشرہ'' کے عنوان سے اشرف السوانح جلد سوم میں شامل ہے اس میں سے بعض اہم خدمات کا تذکرہ اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

﴿ پنجاب میں بہنوں اور بیٹیوں کو میراث دلانے کی تحریک ﴾

حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ کی مجلس میں تذکرہ ہوا کہ پنجاب میں وراثت کا قانون شریعت مقدسہ کے خلاف ہے مثلاً بہن اور بیٹی کو حصہ نہیں دیا جاتا حضرت نے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ وہاں کے مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔

احقر (حضرت مفتی عبدالکریم صاحب) نے عرض کیا کہ مشاہیر علماء کرام اگر خاص سعی فرمائیں تو ممکن ہے کہ لوگ سمجھ جائیں ارشاد فرمایا جس قدر کوشش ہوسکے اس میں دریغ نہیں کرنا

چاہئے نفع کی فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے احقر کو اس ارشاد کے بعد کسی قدر ہمت ہوئی اور وطن جا کر اپنے نواح میں اس ضروری مسئلہ کی اشاعت خاص طور سے شروع ہو گئی اور امرتسر لاہور کے بعض جلسوں میں بھی اسی غرض سے شامل ہوا لیکن افسوس کہ اہل جلسہ نے یہ عذر کر دیا کہ لوگ خلاف کریں گے جلسہ کے ناکام ہونے کا اندیشہ ہے کچھ عرصہ کے بعد حضرت اقدس راجپورہ ریاست پٹیالہ کے قریب تشریف لائے اور دوران قیام اس مسئلہ کا تذکرہ آ گیا تو حضرتؒ نے مفتی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس کی اشاعت کیلئے تو اس کی ضرورت ہے کہ پنجاب کا سفر کیا جائے ان شاء اللہ تعالیٰ مصارف کا بندوبست ہو جائے گا اور واپس پہنچتے ہی ۳۰ روپے کا منی آرڈر مفتی صاحب کے نام روانہ فرما دیا اس پر سفر ضروری ہو گیا اور فکر شروع ہو گئی۔

﴿ سفر پنجاب ﴾

لاہور وامرتسر کے سفر سے اس کی بھی سخت ضرورت محسوس ہو چکی تھی کہ مشاہیر علماء کرام کی تحریرات اس مسئلہ کے متعلق ساتھ ہوں اس لئے سب سے پہلے ایک سوال تقریباً چالیس پچاس جگہ بھیجا اور توکلاً علی اللہ سفر بھی شروع کر دیا گیا سرہند وغیرہ سے ہوتا ہوا لاہور پہنچا اور زیادہ کوشش اس کی رہی کہ اہل علم اور اسلامی انجمنوں کو اس جانب توجہ ہو جائے کیونکہ ان کے ذریعے اشاعت بہت سہولت سے ہو سکتی ہے اس طویل سفر میں صرف لاہور میں ایک جماعت ایسی ملی جس کے کارکنوں کو کسی قدر اس مسئلہ کا خیال تھا اور تھوڑی بہت جزوی کوشش کا بھی ارادہ تھا، مگر لوگوں کی مخالفت کے سبب کوئی سبیل نظر نہیں آ رہی تھی چند روز لاہور میں رہنے کے بعد آگے بڑھنا شروع کیا مگر سوال مذکورہ کے جو جوابات آ چکے تھے ان کو چھپوانا بھی ضروری سمجھا گیا اس لئے غالباً وزیر آباد سے واپس آنا پڑا تھانہ بھون میں حاضر ہو کر فتویٰ چھپوایا جس کا عنوان یہ تھا ''ظلم پنجاب کے متعلق خدائی وصیت'' اس کے بعد ارادہ کیا کہ اس کو ہمراہ لے کر پنجاب کا سفر کیا جائے۔

لیکن اطراف آگرہ سے فتنہ ارتداد کی افسوس ناک خبر پہنچی حضرت نے آپ سے فرمایا کہ الاہم فالاہم پر عمل کرنا چاہئے بسم اللہ کر کے آگرہ اور اس کے نواح میں جا کر تبلیغ کا کام کرو مفتی صاحب تو وہاں چلے گئے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماً سے مطبوعہ فتویٰ پنجاب کے شہروں اور قصبوں بلکہ بہت سے دیہاتوں میں بذریعہ ڈاک بھیج دیا گیا۔

﴿ رسالہ غصب المیراث کی تالیف ﴾

ایک رسالہ غصب المیر اث بھی چھپوا کر بذریعہ ڈاک تقسیم کیا گیا، طباعت اور ڈاک کے تمام مصارف کا اہتمام حضرت تھانویؒ نے فرمایا۔

اس رسالہ میں سورۃ النساء کے دوسرے رکوع کی تشریح اور تفسیر کے ضمن میں لوگوں کو شرعی طریقۂ وراثت کی طرف متوجہ کیا گیا اور پنجاب کے ظالمانہ طریقۂ میراث کو بدلنے کی ترغیب دی گئی تھی۔

آپ فرماتے تھے کہ یہ رسالہ ایک سفر میں ریل میں بیٹھے بیٹھے چند گھنٹوں میں لکھا گیا تھا علاقہ ارتداد میں تبلیغ کے ساتھ قانون وراثت کی طرف بھی حضرت حکیم الامتؒ کو برابر توجہ رہی اس فتویٰ اور رسالہ کے ختم ہونے کے بعد پھر دوبارہ کثیر تعداد میں ان کو چھپوا کر تقسیم کیا گیا۔

﴿ جمعیت العلماء کو توجہ دلانا ﴾

جمعیت علماء ہند کو اس طرف توجہ دلانے کیلئے جمعیت کے تین جلسوں میں شرکت کیلئے آپ کو بھیجا گیا دو جلسوں میں تو مختلف وجوہ کی وجہ سے کامیابی نہ ہوسکی مگر تیسری بار کی شرکت اور کوشش پر جلسہ ۱۳۴۳ھ بمقام مرادآباد میں ایک پرزور تجویز منظور ہوگئی۔

﴿ دوبارہ سفر پنجاب ﴾

جب علاقہ ارتداد میں بقدر ضرورت تبلیغ ہوچکی تو حضرت والا نے ایک عریضہ کے جواب میں اصل مضمون کے بعد فرمایا:

''میرا خیال ہے کہ ان قصوں کو چھوڑ کر پنجاب کا سفر تحریک عدل فی المیراث کیا جائے''

اسی وقت سے پنجاب کا سفر کیا گیا اور اس مرتبہ مولانا عبدالمجید صاحب بچھرانوی کو بھی حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کے ہمراہ بھیجا گیا۔ اس سفر میں سہولت بھی رہی اور اثر بھی زیادہ ہوا حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام پنجاب اور سرحد وغیرہ کے علاقہ میں بھی خوب اشاعت ہوئی حضرت اقدس کی توجہ اور دعاء سے بے حد اثر ہوا اور سفر ختم ہونے سے پہلے ہی لوگوں نے قانون بدلنے کی سعی شروع کر دی۔

پاکستان بن جانے کے بعد ۱۹۴۹ء میں جب قانون وراثت کسی قدر شرعی ضابطوں کے مطابق پنجاب میں نافذ ہوا تو آپ خوش ہو کر فرماتے تھے کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی سعی اور کوشش

کا کسی قدر نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے خدا کی قدرت سے پاکستان میں سب سے پہلے پنجاب ہی میں یہ قانون اسمبلی نے پاس کیا جہاں مفتی صاحب نے اس قانون کے نفاذ کیلئے کوشش کی تھی اس کے بعد پاکستان کے دوسرے علاقوں میں بھی یہ قانون جاری ہوا۔

انسداد فتنہ ارتداد

۱۳۴۱ھ میں آگرہ سے ارتداد کی خبر پہنچی کہ وہاں آریہ کوشش کر کے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر رہے ہیں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے حضرت مفتی صاحب کو وہاں بغرض تبلیغ جانے کی اجازت فرمائی حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس کام کیلئے مولانا عبدالمجید بچھرانوی مناسب معلوم ہوتے ہیں حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ اس اختلاف رائے کا فیصلہ مولوی ظفر احمد صاحب کے سپرد ہونا چاہئے مفتی صاحب نے عرض کیا کہ میرے خیال ناقص کی آپ کے سامنے حقیقت ہی کیا ہے جو فیصلہ کی ضرورت ہو لیکن حضرت نے فرمایا کہ یہی مناسب ہے اس میں برکت ہوگی مولانا ظفر احمد صاحب اس وقت کتب خانہ میں تھے ان کو حضرت نے آواز دی اور فرمایا کہ میں اس کو بھیجنا چاہتا ہوں اور اس کے خیال میں مولوی عبدالمجید کو بھیجنا مناسب ہے اور ہر دو رائیوں کی وجہ بھی بیان کر دی مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا کہ میرے خیال میں دونوں کو بھیجنا مناسب ہے اس میں ہر دو وجہ کی رعایت بھی ہو جائے گی نیز ایسے موقع پر تنہا سفر بھی دشوار ہے حضرت اقدس نے نہایت بشاشت سے فرمایا کہ بہتر اور مسکرا کر حضرت مفتی صاحب سے فرمایا کہ دونوں جیت گئے۔

حضرت تھانویؒ نے مناسب نصائح و ہدایات ومزید دعوات کے بعد حضرت مفتی صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب کو رخصت فرمایا اوران اطراف میں پورے دو سال تک دونوں حضرات نے نہایت اہتمام کے ساتھ تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔

تبلیغ کے ساتھ تعلق خاطر

اسی دوران آپ کے ایک دوست نے آپ کو حج کیلئے اپنے ہمراہ لے جانا چاہا آپ کو حج کا بے حد شوق تھا خوش ہو کر حضرت اقدس سے اجازت طلب کی ارشاد فرمایا جس کام میں یہاں مشغولیت ہے وہ حج نفل سے مقدم اور افضل ہے اور بڑے جوش کے ساتھ فرمایا کہ مسعود بک نے فرمایا ہے:

؎ اے قوم بہ حج رفتہ کجا ئید کجا ئید　　　معشوق دریں جاست بیائید بیائید

﴿حضرت والا کے حوصلہ افزا کلمات اور مولانا محمد الیاس صاحب کی معیت﴾

تبلیغی سلسلہ میں حضرت والا زبانی ارشادات اور خطوط میں بھی نہایت مفید ہدایات فرماتے رہتے تھے نیز دعاؤں کے ساتھ حوصلہ افزائی کے کلمات بھی ہوتے تھے چنانچہ ذیل میں چند والا ناموں کے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) السلام علیکم...... حالات سے بہت کچھ امیدیں ہوئیں اور مجھ کو اس سے پہلے بھی آپ جیسے مخلصوں کا جانا اور پھر مولوی محمد الیاس صاحب کا ساتھ ہو جانا یقین کامیابی دلاتا ہے علم غیب تو حق تعالیٰ کو ہے مگر قلب شہادت دیتا ہے کہ ان شاء للہ سب وفود سے زیادہ نفع آپ صاحبوں سے ہوگا۔ بخدمت مولوی صاحب سلام مسنون۔

(۲) السلام علیکم...... آپ کا خط پہنچا کاشف تفصیل حالت ہوا بہت کچھ امیدیں بڑھیں میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ ان شاء اللہ آپ کی جماعت اس بارے میں جس قدر مفید ہوگی شاید دوسری بڑی بڑی جماعتیں اس درجہ مفید نہ ہوں بناء علی ماقال الرومی ؎

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود   ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

کان اللہ معکم و من معکم۔ جمعہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ

ایک والا نامہ میں ایسے ہی مضمون کے بعد تحریر فرمایا: ؎

در سفالیں کاسہ رندان بخواری منگرید
کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

تقریباً ڈیڑھ سال بعد ایک جماعت نے تمام تبلیغی علاقہ یعنی ۲۹ ضلعوں کا مفصل حال لکھ کر شائع کیا اور اس روئیداد میں اس کی تصریح بھی تھی کہ ضلع گڑگانواں کی تحصیل پلول جہاں حضرت مفتی صاحب اور مولانا عبدالمجید کار تبلیغ انجام دیتے تھے فتنہ ارتداد روکنے کیلئے اول نمبر کامیاب رہے تب معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ کی یہ بشارت اور پیش گوئی خدا کے فضل سے بالکل صحیح ثابت ہوئی۔

﴿اجرائے مکاتب﴾

اس اہتمام تبلیغ کے علاوہ اسی تبلیغی علاقہ میں دینی مکاتب بھی قائم کئے گئے جن کی مالی امداد میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے کافی حصہ لیا حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تقریباً سو مکاتب

ایسے ہیں جنکو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے جو اس علاقہ تبلیغ میں جاری کئے گئے تھے۔جن میں سے ۴۱ مدارس کی فہرست ''ماہنامہ النور تھانہ بھون'' میں طبع ہو چکی ہے۔

قیام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

پنجاب کے سفر سے واپسی کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ کے حکم سے حضرت مفتی صاحب تھانہ بھون میں مقیم ہوگئے یوں تو آپ نے تعلیمی زمانہ کا بھی کافی حصہ خانقاہ امدادیہ میں گزارا تھا مگر درسیات سے فراغت کے بعد تقریباً ۲۵ سال تک خانقاہ سے تعلق قائم رہا۔

حیدرآباد سندھ میں قیام اور مناظرہ

اس ۲۵ سال کے عرصہ میں آپ نے حیدرآباد سندھ میں تقریباً ایک سال تک تعلیمی اور تبلیغی امور انجام دیئے اور کچھ مہینے ریواڑی کے عربی مدرسہ میں مدرس ہوکر قیام فرمایا حیدرآباد کے علاقہ میں ایک مرزائی مبلغ نے مسلمانوں کو بہت پریشان اور تنگ کیا ہوا تھا وہ لوگ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں آئے مفتی صاحب مناظرہ کیلئے تیار ہوگئے، راستہ میں موٹر خراب ہوگئی راستہ کچا تھا دیر ہونے سے لوگوں کو پریشانی ہوئی،عشا کی نماز کے بعد حضرت مفتی صاحب اس قصبہ میں پہنچے اور پہنچتے ہی نماز وغیرہ سے فارغ ہوکر مناظرہ گاہ میں مناظرہ شروع کر دیا مناظرہ جامع مسجد کے صحن میں ہو رہا تھا اگلی نشست صبح کو جمعہ سے قبل تھی لوگوں کا خیال تھا کہ رات کے مناظرہ سے صبح کا مناظرہ زوردار رہا شاید مفتی صاحب تھکے ہوئے تھے اس لئے رات کے مناظرہ میں مرزائی مناظر کی سخت گرفت نہیں فرمائی تھی صبح کے مناظرہ میں سخت گرفت فرمائی مفتی صاحب نے فرمایا کہ رات کے مناظرہ میں اگر یہ طرز اختیار کی جاتی تو یہ مناظر صبح کو مناظرہ کیلئے نہ آتا اور بھاگ جاتا اب شاید جمعہ کے مناظرہ کیلئے نہ آئے چنانچہ مفتی صاحب کا اندازہ صحیح نکلا اور وہ مناظر نہ آیا چنانچہ لوگ اس کے گھر گئے مگر اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں آتا ہوں تھوڑی دیر کے بعد لوگ اس کے گھر گئے اور وہ بادل ناخواستہ مناظرہ گاہ میں آیا مناظرہ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں تھا اس نے حمائل شریف کھول کر سورۃ النساء کی مشہور آیتیں پڑھنا شروع کیں مفتی صاحب نے جب جوابی تقریر فرمائی تو حواس باختہ ہوکر بھرے مجمع میں کہنے لگا کہ دعاء کیجئے اور مناظرہ ختم کیجئے مفتی صاحب نے فرمایا کہ مناظرہ تو اپنے وقت پر ختم ہوگا اگر آپ کو جواب نہیں آتا تو چلے جائیں اس نے اجازت کو غنیمت سمجھا اور بڑی ذلت آمیز شکست کے بعد تمام

مسلمانوں کی موجودگی میں جلسہ سے اٹھ کر چلا گیا حضرت مفتی صاحب عصر کے وقت تک وعظ ونصیحت فرماتے رہے حق کی فتح اور باطل کی شکست کا نظارہ سب مسلمانوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا۔

﴿ دوسرا مناظرہ ﴾

ایک مرتبہ انبالہ سے مرزائیوں نے جلسہ کا اشتہار دیا اور اس میں یہ بھی لکھا جو شخص چاہے جلسہ میں اعتراض کرسکتا ہے۔

یہ اشتہار مرزائیوں نے ہی پہنچایا تھا مفتی صاحب تھانہ بھون سے اپنے سسرال جانے کیلئے راجپورہ تشریف لائے تو لوگوں نے یہ اشتہار دیا حضرت مفتی صاحب نے اپنا سفر ملتوی کیا اور انبالہ جلسہ مرزائیوں میں پہنچ گئے حضرت مفتی صاحب نے مقرر کی تقریر پر اعتراضات کئے انہوں نے پہلے تو جواب دینے کی کوشش کی جب گرفت سخت ہوتی گئی تو آخر میں یہ کہہ کر جلسہ برخواست کر دیا گیا کہ ہم لوگ ملازم پیشہ ہیں صبح کو دفتر میں کام کیلئے بھی جانا ہے چونکہ رات کا کافی حصہ گزر گیا ہے اب ہم معذرت خواہ ہیں حضرت مفتی صاحب نے فرمایا بہت اچھا اب جلسہ برخواست کل اسی میدان میں ہم مسلمانوں کی طرف سے جلسہ ہوگا آپ صاحبان کو بھی دعوت ہے ہمارے جلسہ میں آئیں اور دل کھول کر اعتراضات کریں اور ہم سے جواب لیں۔

اگلی شب اسی میدان میں جلسہ ہوا حضرت مفتی صاحب نے ایک تفصیلی تقریر حیات مسیح علیہ السلام پر فرمانے کے بعد فرمایا کہ اب میں صبح تک اسی جگہ ہوں جس کا دل چاہے اعتراض کرے اور جواب لے ہماری طرف سے وقت گذرنے کا عذر نہ ہوگا مرزائیوں میں سے ایک شخص اٹھا اور کچھ اعتراضات کئے مگر مفتی صاحب نے ان کو ایسی بری طرح الجھایا کہ وہ بے بس اور عاجز ہو کر رہ گئے اور یہی کہتے بن پڑا کہ اس کا جواب قادیان سے منگوایا جاسکتا ہے حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کو چھ ماہ کی مہلت دیتا ہوں اس کا جواب منگوا دیجئے مگر انہوں نے شکنجہ سے نکلنے کیلئے یہ راستہ اختیار کیا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کی اس جرأت سے مرزائیوں کے قلوب پر مسلمانوں کا اتنا رعب چھا گیا کہ وہ انبالہ میں تین سال تک جلسہ عام نہ کرسکے اور پھر تمام عمر کیلئے ان کو ایسا سبق ملا کہ انہوں نے یہ لکھنا ہی چھوڑ دیا کہ ہر شخص جلسہ میں اعتراض کرسکتا ہے۔

ریاست الور میں دینی تعلیم کا اجراء

غالباً ۱۳۴۶ھ یا ۱۳۴۷ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کا قیام مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح ضلع گڑگاواں میں تھا آپ ''مدرسہ معین الاسلام'' میں بطور صدر مدرس تقریباً اڑھائی سال مقیم رہے۔ ریاست الور میں دینی تعلیم کو حکماً بند کردیا گیا تھا تمام چھوٹے بڑے مدارس اور مکاتب یک قلم توڑ دیئے گئے تھے اسلامی تعلیم کی کچھ شرائط کے ساتھ صرف اتنی اجازت رہ گئی تھی کہ پاؤ پارہ قرآن مجید اور مالا بدمنہ، اور اردو کی زبانی تعلیم دی جائے اس سے زائد کی کسی صورت میں اجازت نہ تھی۔

اس خبر وحشت اثر کو سن کر حضرت مفتی صاحب نے حضرت تھانوی قدس سرہ کو بتایا اور عرض کیا کہ اس بارے میں سعی تو ممکن نہیں معلوم ہوتی دعاء فرمایئے کہ یہ قانون کسی طرح ٹوٹ جائے حضرت قدس سرہ نے دریافت فرمایا کہ کیا قانونی سعی مثلاً گورنمنٹ سے چارہ جوئی بھی ممکن نہیں حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا کہ اس کی پوری تحقیق نہیں لیکن اگر گنجائش ہوئی بھی تو اس کے مصارف بہت درکار ہوں گے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ سردست مصارف کا جو تخمینہ ہوا ہے اس سے اطلاع دو حضرت مفتی صاحب نے تقریباً ایک سو روپیہ کا اانداز ہ بتلایا حضرت قدس سرہ نے فرمایا ان شاءاللہ خیال رکھوں گا کہ ایک صد روپیہ پیش کردوں تو کلاً علی اللہ کام شروع کردیں۔

حضرت مفتی صاحب نے پہلے تو سخت دشواری کے ساتھ اس ظالمانہ حکم کی نقل حاصل کی پھر دہلی آکر وکلاء اور دیگر اہل دانش سے مشورہ کیا تو معاملہ کی مفصل کیفیت معلوم کی سب نے بالاتفاق یہ کہا کہ اس کے متعلق اب کوئی صورت ممکن نہیں کیونکہ مثل بتارہی ہے کہ خود ریاست کے مسلمانوں کی درخواست پر یہ حکم دیا گیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود مفتی صاحب نے ہمت نہیں ہاری اور برابر کوشش کرتے رہے اور حضرت قدس سرہ نے تھوڑے ہی عرصے میں چند منی آرڈروں کے ذریعے سو روپیہ پہنچادیا حضرت اقدس کی اس توجہ کا فوری اثر یہ ہوا کہ بہت جلد کھلی کامیابی اور مکمل فتح نصیب ہوئی۔

تحفظ مکاتب از تعلیم جبریہ

حضرت مفتی صاحبؒ مکاتب کیلئے دوڑ دھوپ کے دوران دہلی آئے ہوئے تھے کہ اچانک خبر ملی کہ دہلی میں بھی مکاتب ٹوٹ رہے ہیں اب مفصل حال معلوم کرکے تھانہ بھون حاضر ہوئے اور

عرض کی کہ جبری تعلیم کی وجہ سے دہلی میں مکاتب قرآنیہ کو حکماً توڑنے کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے چنانچہ اس وقت تک گیارہ مکتب ٹوٹ چکے تھے جن میں تقریباً ۲۵۰ بچے تعلیم حاصل کرتے تھے حضرت قدس سرہ کو سخت صدمہ ہوا اور حفاظت مکاتب کی خاطر بہت کچھ دعا مانگی۔

﴿ رسالہ جبریہ تعلیم ﴾

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کے فرمانے پر ایک سوال اس کے متعلق لکھ کر حضرت مفتی صاحب نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا حضرت قدس سرہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا بعد ازاں سہارنپور دیوبند اور میرٹھ سے علماء کرام کے دستخط حاصل کر کے دہلی کے علماء سے بھی تصدیق حاصل کی اور سب مجموعہ ''جبریہ تعلیم'' کے نام سے چھپوا کر شائع کیا اس کا بے حد اثر ہوا اور ایک انجمن ''خادم القرآن'' کے نام سے دہلی میں قائم ہوئی جس نے اس معاملہ میں بہت کوشش کی۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت قدس سرہ کی برکت سے خود دہلی میں بہت کامیابی حاصل ہوئی اور اس کے بعد کوئی مکتب ٹوٹ نہ سکا بلکہ ٹوٹے ہوئے مکتب بھی دوبارہ قائم ہوگئے اور دوسرے مقامات پر بھی دہلی کی کوشش کا بہت اثر ہوا خاص طور پر مرادآباد سہارنپور وغیرہ میں بروقت کافی روک تھام ہوگئی آپ نے تحفظ مکاتب قرآنیہ کیلئے جو سعی وجدوجہد کی اس کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ ان شاءاللہ میری نجات کا ذریعہ بن جائیگی۔

﴿ تحریک تقرر قضاۃ ﴾

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو اس کا بہت خیال تھا کہ ہندوستان میں بدستور سابق قاضیوں کا تقرر ہو جائے حضرت قدس سرہ نے مختلف صورتوں سے اس کے متعلق سعی فرمائی حضرت قدس سرہ کے اشارہ پر میرٹھ میں ایک انجمن نصب القضاۃ قائم ہوئی اس نے رسالہ ''القول الماضی فی نصب القاضی'' وغیرہ شائع کر کے لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا۔ ۱۳۴۷ھ میں ایک جلسہ بمقام دہلی منعقد کیا گیا جس میں تمام ممبران اسمبلی اور عمائد شہر دہلی کے علاوہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا محمد علی جوھر نے بھی شرکت کی اور سہارنپور اور دیوبند سے بھی ممتاز علماء کرام تشریف لائے تھے حضرت قدس سرہ نے مفتی صاحب کو اپنی طرف سے شرکت کیلئے بھیجا اس جلسہ کا زیادہ تر مقصد یہ تھا کہ ممبران اسمبلی کو اس بات کی ضرورت کا احساس دلایا جائے جب حضرت قدس سرہ نے آپ کو بھیجنا چاہا تو آپ

نے عرض کیا کہ وہاں بڑے بڑے مشاہیر کا مجمع ہوگا اس لئے کسی بڑے شخص کو بھیجنا مناسب ہوگا۔ اس پر حضرت قدس سرہ نے بڑے جوش سے فرمایا کہ تم بڑوں کے سامنے اپنے کو اسی طرح سمجھتے رہو لیکن جہاں جاؤ گے وہاں سب پر غالب رہو گے۔

عورتوں کی مشکلات کے حل کیلئے حیلہ ناجزہ کی تصنیف

ہندوستان کے اندر شرعی قاضی مقرر نہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو بعض حالات میں سخت مصائب کا سامنا ہو رہا تھا حضرت قدس سرہ نے اس طرف خاص توجہ فرمائی اور چونکہ فقہی شرائط کے مطابق ان مسائل میں ضرورت شدیدہ کی وجہ سے مالکی مسلک کو اختیار کیا گیا تھا اس لئے مدینہ منورہ کے علماء کرام سے مکرر سہ کرر فتاویٰ حاصل کر کے کامل تحقیق کے بعد ان مشکلات کے حل کی نہایت سہل صورتیں تجویز فرمائیں پھر علماء دیوبند سہارنپور سے بار بار مراجعت اور استصواب کے بعد ایک رسالہ ''الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزۃ '' تصنیف فرمایا اس میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مفتی عبدالکریم صاحب کو برابر شریک رکھا حضرت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی سہولت اور احتیاط کی غرض سے اپنے خاص اہل علم اور اہل تقویٰ دوستوں کو اس تصنیف میں برابر شریک رکھا جن کا نام بھی اسی رسالہ میں لکھ دیا ہے حضرت قدس سرہ کی مساعی جمیلہ نتیجہ خیز ثابت ہوئیں اور ممبران اسمبلی نے ایک مسودہ قانون ''انفساخ نکاح اہل اسلام'' کے نام سے اسمبلی میں پیش کر دیا افسوس کہ اس مسودہ میں ضروری قیود و شرائط کو نظر انداز کر دیا گیا حضرت قدس سرہ نے اس مسودہ قانون کی کوتاہیاں مفصل تحریر فرما کر اہل علم کے جلسہ میں روانہ فرما دی تھیں اور مزید وضاحت کیلئے حضرت مفتی صاحب کو شرکت کیلئے بھیجا تھا آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے ساتھ مل کر اس مسودہ قانون کی ہر دفعہ کی شرعی ترمیمات تحریر کر کے طبع کرایا اور مسلم ممبران اسمبلی سے ملاقات کر کے ان کو یہ شرعی ترامیم دیں کہ اس کے مطابق مسودہ میں ترامیم کی جائیں یہ ترمیمات مکمل طور پر قانون تو نہ بن سکیں لیکن فی الجملہ عورتوں کے مصائب میں بہت کمی ہو گئی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت مفتی عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہما کو چونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تصنیف لطیف میں برابر شریک رکھا ہے اس لئے حضرتؒ نے کتاب کے آخیر میں بھی ان دونوں حضرات کا ذکر بڑے بلند و بالا الفاظ میں فرمایا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

وھٰھنا تمت الرسالة والحمدللہ الھادی فی کل مقالة کتبھا الاحقر اشرف علی عفی ذنبہ الجلی والخفی بمشارکة الفاضلین الجامعین للعلم القویم والعمل السمتقیم المولوی محمد شفیع والمولوی عبدالکریم شرفھما اللہ بالاجر العظیم فی اوائل ذی القعدة ۱۳۵۱ من ھجرة النبی الشفیع الکریم علیہ الف الف صلوٰة وتسلیم(حیلہ ناجزہ)

﴿ المختارات ﴾

اس رسالہ میں خیار بلوغ وغیرہ کی صورتوں کے احکام لکھ کر حضرت حکیم الامتؒ اور دوسرے علماء کی تصدیق کے بعد ''حیلہ ناجزہ'' کا تتمہ بنادیا گیا ہے۔

﴿ وفاق المجتھدین عن رفاق المجتھدین ﴾

ایک عالم نے الحیلۃ الناجزہ سے متعلق چند سوالات اور اشکالات لکھ کر تھانہ بھون بھیجے تھے حضرت مفتی صاحب مرحوم نے اس رسالہ میں ان سوالات کے جوابات تحریر کئے ہیں اور ان کے اشکالات کو رفع کیا ہے خط وکتاب کے اسی مجموعہ کا نام ''وفاق المجتھدین عن رفاق المجتھدین'' ہے حضرت حکیم الامتؒ نے بھی اس پر تصدیق تحریر فرمائی تھی۔

﴿ تجدد اللمعہ فی تعدد الجمعہ ﴾

مولانا عبدالخالق صاحب مدنی نے تعدد جمعہ کے عدم جواز کو ثابت کرنے کی غرض سے ایک رسالہ بنام ''القول الجامع'' عربی زبان میں تالیف کیا تھا حضرت مفتی صاحب نے تھانہ بھون سے اس کا جواب تفصیل کے ساتھ لکھا اور تعدد جمعہ کے جائز ہونے کو مفتی بہ قرار دیا اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے بہت عمدہ الفاظ میں تصدیقی کلمات تحریر فرمائے تھے اور حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس پر تحریر فرمایا تھا کہ ''یہ تحریر خاصی استقراء سے لکھی گئی ہے'' حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری نے اس پر مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسے جواب کی بڑے حضرات سے توقع کی جاسکتی تھی۔

﴿ قانون اوقاف ﴾

بعض اوقاف میں متولیوں کی گڑبڑ دیکھ کر ایک مسودہ قانون کونسل میں پیش کیا گیا جب وہ مسودہ رائے عامہ کیلئے شائع ہوا تو حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے حضرتؒ کو اس کی روک تھام کی طرف توجہ دلائی مفصل صلاح ومشورہ کیلئے ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ کو دیوبند

اور سہارنپور کے مہتمم صاحبان مع دیگر حضرات کے ساتھ تھانہ بھون جمع ہوئے صلاح ومشورہ کے بعد قرار پایا کہ حضرت قدس سرہ کی زیرنگرانی اس مسودہ پر تفصیلی نظر کر کے اس کے نقائص کو ظاہر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ ترامیم بھی تجویز کردی جائیں جن کے بعد یہ مسودہ شریعت کے موافق ہوجائے اس کام کے واسطے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب، مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی اور حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلوی صاحب کو تجویز فرمایا ان تینوں صاحبان نے مل کر ہر ایک چیز میں حضرت قدس سرہ کی رائے حاصل کرنے کے بعد اس مسودہ قانون پر تبصرہ لکھا ۲۳ ذی الحجہ کو تبصرہ مکمل ہوکر حضرت قدس سرہ کے دستخط سے مزین ہوا تو یہ قرار پایا کہ ۲۵ ذی الحجہ کو دیوبند میں اجتماع ہو حضرت مفتی صاحب اور دیگر علماء سہارنپور وہاں پہنچے صبح سے عشاء تک تمام تبصرہ پورے غور وخوض کے بعد بالاتفاق منظور ہوگیا اور ۳۰ علمائے کرام کے دستخط ثبت ہونے کے بعد کونسل میں بھیج دیا گیا مسودہ کے مجوز حافظ ہدایت حسین نے ایک خط لکھا کہ اس مسودہ پر مکالمہ کی غرض سے غالباً ۲۲ اپریل ۱۹۳۴ء تھانہ بھون آنا چاہتا ہوں تاریخ مقررہ پر حافظ ہدایت حسین صاحب تشریف لائے ان کے ہمراہ نواب جمشید علی خان صاحب، حاجی وجیہ الدین صاحبؒ اور حاجی رشید احمد صاحب بھی تھے اور دیوبند سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی حضرت مہتمم صاحب اور سہارنپور سے جناب ناظم صاحب اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ تشریف لائے تقریباً ۵ گھنٹے تک مسلسل گفتگو ہوتی رہی حافظ صاحب نے بعض ترامیم کو منظور کرلیا بعض میں کچھ عذر کیا اور بعض کے متعلق غور کرنے کا وعدہ کیا اس کے بعد امحرم کو علماء کرام کا دیوبند میں دوبارہ اجتماع ہوا اس میں علماء سہارنپور کے علاوہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کو بھی دعوت شرکت دی گئی آپ مع مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب کے شریک ہوئے اس جلسہ میں اس مسودہ کے متعلق چند جدید ترامیم بالاتفاق طے ہوئیں اور تبصرہ کے بعد بالاتفاق کونسل کو بھیج دیا گیا۔

﴿ القول الرفیع فی الذب عن الشفیع ﴾

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ ''غایات النسب'' پر جب بعض لوگوں نے شور وغوغا کیا اور بڑے بڑے علامہ بھی اس سے متأثر ہوگئے اور رسالہ کی بعض روایات پر تنقیدات اخبارات میں شائع ہوئیں تو اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحب مرحوم نے دو حصوں میں ایک تحریر لکھی جس میں ایسی تنقیدات کا علمی جائزہ لیا اور درج شدہ عنوان سے اس کو شائع کرایا۔

یہ رسالہ ''الجمعیۃ'' دہلی دسمبر ۱۹۳۴ء میں بھی شائع ہوا تھا۔

﴿ ایک اصلاح ﴾

متذکرہ بالاتحریر میں ایک جگہ اخباری فتویٰ کا لفظ لکھا گیا تھا حضرت حکیم الامتؒ نے جب اس مسودہ کو ملاحظہ فرمایا تو اس کو کاٹ کر اس اس کی جگہ اخبار کا فتویٰ تحریر فرما دیا اور زبانی ارشاد فرمایا کہ اخباری فتویٰ متبذل لفظ ہے اہل علم کو ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہئے۔

﴿ بیان القرآن اور بہشتی گوہر پر نظر ثانی ﴾

حضرت حکیم الامتؒ کے زیر سایہ رہ کر حضرت مفتی صاحب نے درس وتدریس اور افتاء وغیرہ کی گراں قدر خدمات انجام دیں ''بہشتی گوہر'' جو بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ ہے اس پر آپ نے حضرت قدس سرہ کے حکم سے نظر اصلاحی فرمائی تھی گویا اس کو دوبارہ لکھا گیا اور ''بیان القرآن'' پر نظر ثانی میں بھی حضرت قدس سرہ نے آپ کو شریک رکھا تھا۔

﴿ علمی نکتہ ﴾

دیوبند میں ایک بزرگ عالم نے ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ سجدہ تحیۃ کی حرمت ثابت کرنے کیلئے ''بیان القرآن'' میں روایات حدیثیہ سے استدلال کیا گیا لا تسجدوا للشمس و لاللقمر الآیہ سے کیوں نہیں استدلال کیا گیا مفتی صاحب نے فرمایا کہ اس آیت میں سجدہ عبادت کی ممانعت ہے سجدہ تحیہ کی ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ آیت کے آخر میں ان کنتم ایاہ تعبدون ہے اس لئے سجدہ تعظیمی کی حرمت پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا گیا اس کو سن کر وہ بزرگ عالم پھڑک اٹھے اور بہت محظوظ ہوئے۔

﴿ ایک خواب ﴾

انہیں متذکرہ بزرگ عالم نے فرمایا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کی میرے مکان پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فلاں چار پائی پر آرام فرما رہے ہیں چند روز کے بعد مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی میرے مکان پر مہمان ہوئے اور اسی جگہ اسی چار پائی پر قیام ہوا معاً میرے دل میں آیا کہ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ مفتی عبدالکریم صاحب کو فقہ سے بہت مناسبت ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ صحابہ میں تفقہ کے اندر ممتاز شان رکھتے تھے حضرت

تھانویؒ کا ارشاد ''القول الجلیل'' میں ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب کو ہر علم سے مناسبت ہے۔

﴿ تتمہ امدادالاحکام ﴾

زمانہ قیام تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرنگرانی حضرت مولانا صاحبؒ نے فتویٰ کا جو کام کیا تھا حضرت تھانویؒ نے سلسلہ امدادیہ کے تفاؤل کے ساتھ تتمہ ''امدادالاحکام'' نام رکھا تھا جو ''امدادالاحکام'' کے ساتھ چار جلدوں میں دارالعلوم کراچی سے طبع ہو چکا ہے۔

﴿ افادۃ العوام ترجمہ نصوص خطبات الاحکام ﴾

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سال بھر کے جمعوں کے واسطے الگ الگ خطبات کا جو مجموعہ بنام '' خطبات الاحکام لجمعات العام'' تصنیف فرمایا تھا وہ بکثرت آیات واحادیث پر مشتمل ہے اور حضرت مفتی صاحب نے عام نفع رسانی کی خاطر ان خطبات کی آیات واحادیث کا ترجمہ مع ضروری فوائد کے لکھا اور بعض ایسی روایات جن کو حضرت تھانویؒ نے اصل مسودہ میں تحریر فرمایا تھا مگر نظر ثانی کے وقت بغرض اختصار ان کو حذف فرمایا ان کا ترجمہ بھی اضافہ کا عنوان قائم کر کے دیا تھا یہ ترجمہ عنوان بالا سے طبع ہو کر خطبات الاحکام کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

﴿ مسئلہ امارت شرعیہ ﴾

اس کی تفصیل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''معارف شیخ حصہ اول'' میں موجود ہے تفصیل اس میں یا '' تذکرہ حضرت مفتی عبدالکریم رحمہ اللہ'' میں دیکھ لیں حضرت والد صاحب قدس سرہ بھی چونکہ اس اجلاس میں شریک تھے انہوں نے اس کا جو واقعہ سپرد قلم فرمایا ہے وہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے:

حضرت تھانوی قدس سرہ کی وفات کے بعد غالباً مئی ۱۹۴۵ء کے اوائل میں جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے ہندوستان میں امارت شرعیہ کے قیام کی تجویز سامنے آئی تو اس پر غور وفکر کیلئے حسب سابق حضرت مفتی صاحب نے تھانہ بھون کی طرف سے نمائندگی کی اور دیوبند اور سہارنپور کے اکابر علماء سے اس تجویز کے ہر گوشہ پر گفتگو کی اور اس کے مضار ومفاسد کی طرف توجہ دلائی چنانچہ جب جمعیۃ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ایک عظیم اجتماع علمائے کرام کا نصب شدہ خیموں میں ہوا اور یہ تجویز زیر بحث آئی تو علمائے کرام نے اس کے حق میں اپنی اپنی آراء کا اظہار فرمایا مغرب کے بعد تک طویل سلسلہ

تقریر جاری رہا بالآخر حضرت مفتی صاحب نے کھڑے ہوکر اپنی تجویز رکھی کہ یہ تجویز کافی غور وفکر کی محتاج ہے اس پر عمل کرنے میں جلدی سے بہت بڑے بڑے مفاسد پیدا ہوسکتے ہیں اور میں نے دیوبند اور سہارنپور کے علماء سے گفتگو کے بعد یہ محسوس کیا کہ اس تجویز کے حق میں ان کے ذہن بھی پوری طرح صاف نہیں ہیں اس لئے اس پر غور کیلئے وقت دیا جانا ضروری ہے نیز حکومت مسلطہ کے ہوتے ہوئے چونکہ امارت کو قوت وشوکت حاصل نہ ہوگی اس لئے اس سے ایک اختلاف جدید اور مستقل نزاع کا باب کھل جائے گا۔

یہ خاص اجتماع حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی صدارت میں ہو رہا تھا حضرت مدنی نے جب دیکھا کہ یہ سلسلہ بہت طویل ہوگیا ہے تو آپ نے اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں اس جلسہ کو برخواست کرتا ہوں اور ایک سب کمیٹی اس تجویز پر غور کرنے کیلئے مقرر کرتا ہوں اور سب کمیٹی کے ممبران حضرات کے نام تحریر کرنے شروع کر دیئے سب سے پہلا نام مفتی کفایت اللہ صاحب کا تھا اور دوسرا نام حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب کا تھا غالباً گیارہ یا پندرہ علماء کے نام تجویز کئے گئے تھے اور مرادآباد ان کے مشورہ کیلئے مقام مقرر کیا گیا تھا مگر سیاسی حالات نے پلٹا کھایا اور یہ تجویز ختم ہوگئی تقسیم کے بعد مفتی محمد نعیم لدھیانوی صاحب سے ملاقات ہوئی تو ہنستے ہوئے فرمایا کہ تمہارے والد (مفتی عبدالکریم صاحب) نے امارت بنتے بنتے رکوادی۔ (بزم اشرف کے چراغ)

اس اقتباس سے واضح ہے کہ اس اجلاس میں حضرت مفتی صاحبؒ اور آپ کے ہمنوا علماء کرام نے شرکت کے بعد کھل کر اس تجویز کی مخالفت کی حضرت مولانا سعداللہ صاحب سہارنپوریؒ نے بھی کافی زوردار تقریر کی حضرت مفتی صاحبؒ کی تجویز پر تو سارا مسئلہ ہی ختم ہوگیا۔

حضرت مولانا مدنیؒ کا دوسرے نمبر پر آپ کا نام لکھنا اور اس خاص اجلاس میں خصوصی نمائندگی دینا آپ پر حد درجہ اعتماد اور اس مسئلہ میں آپ کے مؤقف کا پورا لحاظ فرمانے کے مترادف ہے بعد میں یہ اجلاس ملکی حالات کی نظر ہوگیا اور یہ مسئلہ حل نہ ہوا شرعی طور پر چونکہ اس کا کوئی جواز بھی نہ تھا اس لئے حضرت مفتی صاحبؒ اور علماء سہارنپور نے اس کی مخالفت میں بڑا حصہ لیا اور بالآخر کامیابی انہیں کو ہوئی۔

امارات شرعیہ کے مسئلہ کی اصل بنیاد حضرت مولانا محمد علی کا خطبہ تھا جس میں انہوں نے اس

کے حق میں خاصے دلائل تحریر فرمائے تھے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ان دلائل کا جواب لکھنا شروع فرمایا اور حضرت مفتی صاحبؒ سے بھی بعض جزئیات میں مشورہ کیا اس سلسلہ کا ایک واقعہ حضرت والد صاحبؒ نے یوں تحریر فرمایا ہے:

﴿ علمی فائدہ ﴾

امارات شرعیہ کا مسئلہ انگریزوں کے عہد حکومت میں کافی دیر سے زیر بحث تھا اس مسئلہ میں غالباً سب سے پہلا خطبہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری صاحب کا ہے جس میں اس امر پر کافی بسط سے دلائل پیش کئے گئے ہیں اسی زمانہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ان دلائل پر غور فرما رہے تھے اور ان دلائل پر کچھ تحریر بھی فرما دیا تھا حضرت مولانا عبدالکریم صاحب جب دیوبند تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحبؒ نے وہ مسودہ آپ کو سنایا اور مشورہ کے بعد ترمیم و اضافات کئے گئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے خطبہ کے استدلال کا تذکرہ فرمایا کہ غزوہ موتہ میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے از خود عَلَم اسلام کو سنبھال کر لشکر اسلامی کی امارت پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں نے اس کو جائز رکھا اس سے انگریز دور اقتدار میں بھی یہی جواز ثابت کیا گیا تھا کہ اگر مسلمان کسی شخص کو راضی ہو کر امیر تسلیم کر لیں تو یہ امارت صحیح ہو جاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے سنتے ہی فرمایا کہ غزوہ موتہ کے اس واقعہ کو ہماری موجودہ حالت سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ استدلال صحیح نہیں ہے بلکہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ غیر مسلم حکومت میں تحت ولایت الکفار مسلمانوں کا کسی کو امیر بنا لینا یہ مسئلہ زیر بحث ہے اور غزوہ موتہ میں امیر جیش کا تقرر جو مجاہدین اسلام کی رضامندی سے ہوا تو مجاہدین حکومت غیر مسلم کے باشندے اور تحت ولایت کفار نہ تھے یہ تو کفار سے برسر پیکار اور دوسرے مسلم ملک کے باشندے تھے برخلاف اہل ہند کے یہ تحت ولایت کفار ہیں اس لئے یہ واقعہ محل نزاع سے محض غیر متعلق ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس جواب سے بہت ہی مسرور ہوئے اور اس کی بڑی قدر فرمائی۔..(بزم اشرف کے چراغ)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ
کے
بعض فقہی افادات

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے بعض فقہی افادات اور اہم فتاویٰ جو خاص اہمیت کے حامل ہیں بطور نمونہ اہل علم کے استفادہ کیلئے پیش خدمت ہیں تفصیل ''تتمہ امداد الاحکام'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿ ایک غیر مسلم شخص متوفی کا ترکہ اور ورثاء ﴾

سوال نمبر ۱۵۸: ایک غیر مسلم شخص مرا اور اس کا ترکہ اس کی بیویوں کو پہنچا اس کے مرنے کے سات سال بعد ایک بیوی کے لڑکی ہوئی جس کو ڈاکٹروں نے اسی کا حمل بتلایا اور گورنمنٹ نے اس کو جائیداد دلوادی پھر اس لڑکی کے ایک لڑکا ہوا اور اس لڑکے کو اس کی نانی نے متبنیٰ کر لیا اس لئے وہ قابض جائیداد کا رہا پھر اس مرنے والے کے ایک دور کے رشتہ دار نے جائیداد کا دعویٰ کیا اور وکیلوں کی معرفت ان ورثاء سے مقدمہ کیا اور محنتانہ وکلاء کا یہ ٹھہرا کہ اگر کامیابی ہوگئی تو کل جائیداد میں سے ۹/۱۶ حصہ وکیلوں کو دیں گے اور اس کا ایک معاہدہ لکھا گیا اتفاق سے اس وقت جائیداد کا مقدمہ خارج ہو گیا اور زبانی وکیلوں سے معاہدہ فسخ کر دیا گیا مگر اس عہد نامہ کی واپسی یا رسید وغیرہ نہیں لی گئی کچھ دن کے بعد اس دعویٰ دار نے اپیل کی اور اس میں کامیابی ہوگئی تو اس رجسٹری شدہ عہد نامہ کی بناء پر وکیلوں نے اس ۹/۱۶ حصہ زمین کا لے لیا اس زمین کو مسلمان مزارع پہلے سے کاشت کرتے چلے آئے ہیں اور

بوجہ موروثی ہونے کے لگان بہت کم ہے اب حسب ذیل سوالات ہیں:

(۱) صورت بالا میں یہ وکیل مالک زمین کے ہوگئے یا نہیں (۲) اگر موروثی کاشتکار زمین پر قبضہ رکھے تو جائز ہے یا نہیں اور ناجائز ہونے کی تقدیر پر آمدنی اس کی موروثی کاشکار کیلئے جائز ہے یا نہیں (۳) اگر یہ کاشتکار زمیندار سے زمین خریدنا چاہے اور بوجہ اپنی موروثیت کے کم دام میں زمین خرید لے تو اس میں گنہگار تو نہ ہوگا اور زمین کا مالک ہوجاوے گا یا نہیں (۴) اور حکومت کے قانون میں موروثی اور مالک اگر مل کر زمین کو فروخت کریں تو روپیہ نصفا نصف ملتا ہے تو کیا یہ روپیہ موروثی کو لینا جائز ہے (۵) قبضہ حرام ہونے کی تقدیر پر گذشتہ قبضہ سے توبہ کا کیا طریق ہے۔

﴿ الجواب من المولوی عبدالکریم کمتھلویؒ ﴾

(۱) وکیل اس زمین کے مالک ہوگئے ہیں خواہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اس معاہدہ کا زبانی فسخ قانوناً معتبر نہیں اور اس عہدنامہ کے مطابق جو زمین لی گئی ہے وہ قانون کے مطابق ہے (۲) موروثی قبضہ کا رکھنا جائز نہیں ہے البتہ جو آمدنی حاصل ہوچکی ہے وہ جائز ہے بوجہ استیلاً کے لیکن اب اس زمین کا واپس کردینا لازم ہے (۳) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو اس کو کم داموں پر خریدنا جائز نہیں ہے اور ان کا قول احوط واسلم ہے البتہ امام محمدؒ کے قول پر یہ صورت جائز ہے پس اگر کوئی ان کے قول پر عمل کرے تو اس کی گنجائش ہے مگر ہے خلاف احتیاط۔

تنبیہ: اس پر معاملہ سود کو قیاس نہ کیا جائے۔

(۴) اس کا حکم بھی مثل نمبر۳ کے ہے (۵) فقط قبضہ اٹھالینا کافی ہے و نیز توبہ کرنا باقی رہا تدارک قبضہ گذشتہ کا، سو اس کی ضرورت نہیں ہے فقط۔

﴿ والدلائل ہذہ ﴾

(۱) فی شرح السیر الکبیر ج ٤ ص ٣٤ وعلی هذا لوغصب بعضهم مالاثم اسلموا واختصموا فی ذالك فان القاضی ينظر فی حكمهم قبل ان يسلموافان علم ان من حكمهم ان الغاصب يملك المغصوب لم يأ مرالغاصب برد شئ الخ ۔اس سے معلوم ہوا کہ اہل حرب جو کچھ موافق قانون غصب وغیرہ کریں سب موجب تملک ہے۔

(۲) منافع کا استیلاً کی وجہ سے مالک ہوجانا تو بالکل ظاہر ہی ہے اور زمین پر قبضہ کا جائز نہ ہونا اس

واسطے ہے کہ مجرد قبضہ کی وجہ سے استیلاً تو ثابت نہیں ہوا جبکہ قانوناً اصل مالک کو مالک قرار دیا جاتا ہے اور عقد اجارہ ختم ہو چکا پس یہ قبضہ نہ کسی عقد شرعی کے تحت میں ہے نہ استیلاً کا تحقق ہوا اس واسطے ناجائز ہے

(۳،۴) فی شرح السیر ایضاً (ج ٤ ص ٢٩) و کذالك لو ادعی المسلم المستامن عبداً فی ید بعضهم باطلاً (ای عند هم) و اقام بینةً فاخذ ه ملکهم من الحربی و دفعه الیه ثم اسلم فهوله لتمام احرازه بحکم ملکهم ولکن ینبغی له ان یرده علی صاحبه لان هذاغدر منه بمنزلة مالو اخذمال بعضهم سرا فا خرجه وهناك یفتی بالرد لانه انما غدر بامان نفسه فهذا مثله اه ۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر استیلاً کی وہ صورت اختیار کی جائے جو قانون سلطان حرب کے خلاف نہ ہو تو پھر امام محمدؒ کے نزدی واپسی کا فتویٰ بھی نہ دیا جائے گا (گو شرعاً وہ صورت ممنوع ہو کیونکہ یہ جزئیہ مذکورہ غصب کے جزئیہ کے بعد ہے) اور امام ابو یوسفؒ کا قول مجھے نہیں ملا مگر امداد الاحکام میں مورخہ ۱۸ صفر ۴۷ھ میں یہ عبارت ہے: واما علی قول ابی یوسفؒ فلا یجوز للمسلم (ای المستأمن) فی دارالحرب مالایجوز فی دارالاسلام ۔اور ربوا میں جو اختلاف ہے وہ اس کا مؤید بھی ہے (۵) هذا کله ظاهر ۔ واللہ اعلم

التصدیق: الجواب الذی کتبہ المولوی عبدالکریم صحیح

اشرف علی ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۲۷)

﴿ تلقین میت کے متعلق ایک سوال ﴾

سوال نمبر ۱۳: جناب مولانا مولوی حکیم ابو العلاء امجد علی صاحب المدرسین دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف اپنی تصنیف ''بہار شریعت'' حصہ چہارم میں لکھتے ہیں۔

(مسئلہ) دفن کے بعد مردے کو تلقین کرنا اہل سنت کے نزدیک مشروع ہے (جوہرہ) یہ جو اکثر کتابوں میں ہے کہ تلقین نہ کی جائے یہ معتزلہ کا مذہب ہے انہوں نے ہماری کتابوں میں یہ اضافہ کر دیا ہے (ردالمختار) [۱] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی

---

(۱) کنز العمال میں اس روایت کو ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے درج کیا ہے اور طبرانی، کبیر، ابن عساکر، ویلمی کی طرف منسوب کیا ہے اور قاعدہ مذکورہ فی الخطبہ کی بنا پر ویلمی و ابن عساکر کی روایت ضعیف ہے اور طبرانی کی اگر وہی سند ہے تو ضعیف ہے اور غالب گمان یہی ہے واللہ اعلم ۔عبدالکریم عفی عنہ

مرے اوراس کی مٹی دے چکوتو تم میں سے ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑا ہوکر کہے یافلاں بن فلان وہ سنے گااور جواب نہ دیگا پھر کہے یافلاں بن فلاں وہ سیدھا کھڑا ہوکر بیٹھ جائے گا پھر کہے یافلاں بن فلاں وہ کہئے گا کہ ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم فرمائے مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی پھر کہے اذکر ماخرجت علیه من الدنیا شهادة ان لااله الااللّٰه وان محمداً عبده ورسوله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم وانك رضیت باللّٰه رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد صلی اللّٰه علیه وسلم نبیاً وبالقرآن اماماً۔ نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی محبت سکھا چکے اس پر کسی نے حضورؐ سے عرض کی اکہ اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہوتو فرمایا حوا کی نسبت کرے رواہ الطبرانی فی الکبیر وایضاً فی الاحکام وغیرہما بعض اجلہ تابعین فرماتے ہیں جب قبر پر مٹی برابر کر چکے اور لوگ واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا ہے کہ میت سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہوکر یہ کہا جائے یا فلاں بن فلاں قل لا الٰہ الا اللہ تین بار، پھر کہا جائے قل ربی اللہ ودینی الاسلام ونبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، لہٰذا عرض ہے کہ یہ مضمون بالا صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں۔

الجواب: حدیث تلقین اموات کی معتبر وصحیح ہے جس کو ردالمختار میں بھی نقل کیا ہے[1] کیونکہ اہل سنت والجماعت لقنوا موتاکم سے حقیقی معنیٰ ارادہ کرتے ہیں اور شیخ کمال الدین ابن الہمام بھی اپنی کتاب فتح القدیر میں تائید بتفصیل کرتے ہیں کہ موتاکم سے مراد حقیقی معنی ہیں درمختار میں ہے وفی الجواهرة انه مشروع عنداهل السنة الخ اور ردالمختار میں ہے اما عند اهل السنة فالحدیث ای لقنو امواتاکم لااله الااللّٰه محمول علی الحقیقة لان اللّٰه یحییه علیٰ ماجاء ت به الآثار وقدروی عنه علیه السلام انه امر بالتلقین بعد الدفن یا فلاں بن فلاں اذکر دینك الذی کنت علیه من شهادة ان لااله الااللّٰه وان محمداً رسول اللّٰه وان الجنة حق والنارحق وان البعث حق وان الساعة آتیة لاریب فیها وان اللّٰه یبعث من فی القبور وانك رضیت باللّٰه رباً وبالاسلام دیناً وبمحمد صلی اللّٰه علیه وسلم نبیاً وبالقرآن اماماً وبالکعبة قبلة وبالمؤمنین اخواناً وقد اطال فی الفتح فی تائید حمل

---

(۱) سخت حیرت ہے کہ بلاحوالہ اور سند کے صحیح لکھ دیا کیا شامی میں نقل کرنے سے اس کا صحیح ہونا لازم آتا ہے؟......................عبدالکریم عفی عنہ

موتاكم فی الحديث علی الحقيقة مع التوفيق بين الادلة علی ان الميت يسمع او لايسمع كماسيأتی فی باب اليمين الخ اگرچہ تلقین بعد تدفین غیر مروج ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک مشروع بلکہ مستحب ہے۔ فقط واللہ اعلم

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

جواب دوم از تھانہ بھون

اقول و باللّٰہ التوفیق

جب ظاہر روایات میں ممانعت موجود ہے تو پھر بعض فقہاء کے قول کی بناء پر اس کو مستحب اور مشروع قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہے اور ممانعت تلقین کی بناء استحالۂ حیات بعد الموت قرار دے کر اس کو معتزلہ کا مذہب اور تلقین کو اہل سنت کا مذہب کہنا بھی تعجب انگیز ہے کیا علاوہ اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی ایک وجہ تو خود فتح القدیر نے کافی سے نقل کی ہے وہ یہ کہ اگر وہ ایمان کے ساتھ مرا ہے تو اس کی حاجت نہیں اور اگر (نعوذ باللہ) کفر پر خاتمہ ہوا تو تلقین مفید نہیں، اور کفایہ شرح ہدایہ میں بھی یہی وجہ لکھی ہے چنانچہ کفایہ کی عبارت یہ ہے:

وقدروی انه عليه السلام امر بتلقين الميت بعد دفنه وزعموا انه مذهب اهل السنة والاول مذهب المعتزلة الاانانقول لافائدة فی التلقين بعدالموت لانه ان مات مؤ منا فلا حاجة اليه وان مات كافراً فلايفيده التقلين اه۔

باقی رہی یہ بات کہ لقنو امواتاکم میں معنی حقیقی مراد کیوں نہیں لئے سواس کی وجہ احقر کہ فہم ناقص میں یہ آتی ہے کہ لفظ موتی سے جس طرح حقیقی معنی مفہوم ہوتے ہیں اسی طرح مجازی بھی مفہوم ہوتے ہیں اور مجازی معنی لینے سے نفع زیادہ کیونکہ اس وقت وجہ تکلیف کے محتضر کو از خود التفات ہونا دشوار ہے اور تلقین سے اس کو توجہ ہو جاتی ہے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر من كان آخر كلام لااله الااللّٰه دخل الجنة کا مصداق بن جاتا ہے بخلاف تلقین بعد الدفن کے کہ اس میں بعض نے تو کوئی نفع تسلیم ہی نہیں کیا جیسا کہ کافی اور کفایہ سے نقل کر چکا ہوں اور اگر وہ نفع بھی تسلیم کیا جاوے جو صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے یعنی استیناس بالذکر تب بھی وہ نفع یقیناً بہت کم ہے اس نفع سے کو جو محتضر کو ہوتا ہے کیونکہ حالت احتضار میں تلقین کرنا عمل کی ترغیب دلانا ہے اور عمل جس درجہ مفید ہے ظاہر

ہے اور محض استیناس عمل کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ خلاصہ جواب اشکال کا یہ ہوا کہ موتی کے مجازی معنیٰ مراد لینا راجح ہیں لہٰذ حقیقی معنیٰ مراد نہیں لئے بلکہ تامل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ حقیقت مہجور ہے اور مجاز متعارف اور حقیقت مہجورہ سے مجاز متعارف مقدم ہوتا ہے کما علم من الاصول اور حقیقت کا مہجور اور مجاز کا متعارف ہونا ظاہر ہے کیونکہ تلقین محتضر ہر امت کا تعامل ہے حالانکہ اس کی دلیل سوائے لقنوا موتا کم کے اور کوئی نہیں ہے اگر مجاز متعارف نہ مانا جاوے تو تلقین محتضر کی کوئی دلیل ہی نہ رہے حالانکہ شامی نے درایہ سے نقل کیا ہے انہ مستحب بالاجماع اھ اور اگر کوئی حقیقت کا مہجور ہونا تسلیم نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ مجاز تو متعارف ہے لیکن ساتھ ہی حقیقت بھی مستعمل ہے اور اس بنا پر حقیقت کو راجح کہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب حقیقت مستعمل ہو اور مجاز متعارف تب بھی صاحبین کے نزدیک تو مجاز ہی مقدم ہوتا ہے البتہ امام صاحبؒ کے نزدیک اس وقت حقیقت اولیٰ ہے سو ان کی طرف سے وہی جواب ہوسکتا ہے کہ تلقین محتضر مفید ہے اور تلقین میت مفید نہیں اور محض استیناس کا فائدہ عمل کے مقابلہ میں معتد بہ نہیں جیسا کہ پیشتر گذر چکا ہے نیز استیناس تلقین پر موقوف نہیں بلکہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے بدون تلقین بھی استیناس ہوتا بلکہ مع شئی زائدای وصول الثواب فلا حاجة الی التلقین الذی هوادون من ایصال الثواب (چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ سے مسلم نے روایت کی ہے ثم اقیموا حول قبری قدر ماینحر جزورو یقسم لحمها حتی استانس بکم، الحدیث وهو الموقوف فی حکم المرفوع) علاوہ ازیں یہاں گو حقیقت مستعمل ہے مگر متعذر رہے اور جب متعذر رہو تو بہر حال مجاز مراد ہوتا ہے اتفاقاً بین الامام وصاحبیہ اور جو اہل علم سماع موتی کا انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک تو تعذر ظاہر ہے اور جو اہل علم سماع موتی کے قائل ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کو تلقین موتی میں متعذر نہ مانیں گے مگر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی متعذر رہے کیونکہ وہ مطلق سماع کے قائل ہیں سماع مفید کا کوئی قائل نہیں ہے اور مقصود سماع مفید ہوتی ہے پس جب سماع مفید کا کوئی بھی قائل نہیں تو تلقین موتی میں حقیقی میت مراد لینا بالاتفاق متعذر رہے۔ فافہم

اور اگر اس روایت کو بطور اشکال لایا جاوے جس میں بعد الدفن کی تصریح ہے تو وہ اگر صحیح ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ روایت بالمعنیٰ ہو اور یہ سب تفصیل صرف درجۂ توجیہ میں ہے ورنہ اصل

مداراس پر ہے کہ جب ظاہر روایت میں تلقین بعدالدفن کی نفی ہے جس کا مقتضا غیر مشروع یا کم از کم غیر مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے بعد ہم مقلدین کو اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں خصوصاً جبکہ اس کے خلاف کوئی روایت نہیں اور جس کو خلاف سمجھا گیا اس کا جواب موجود ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہمارے اکابر کے نزدیک تلقین بعد الموت مشروع نہیں ہے ان کا ظاہر روایت پر عمل ہے اور وہی قوی ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ تطبیق کیلئے دونوں وقتوں میں تلقین کو جائز کہا جاوے تو بہتر ہے کہ مزید نفع ہو تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مجاز وحقیقت کا جمع کرنا جائز نہیں کما تقرر فی الاصول اور عموم مجاز کی یہاں کوئی صورت نہیں ہے چنانچہ خود علامہ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں ولیس یظهر معنی یعم الحقیقی والمجازی الخ اب ایک امر قابل غور اور رہا وہ یہ کہ اگر ظاہر الروایۃ کا محمل یہ قرار دیا جاوے کہ تلقین بعد الموت مسنون نہیں اور طبرانی وغیرہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس کو اباحت پر محمول کیا جاوے اور عجب نہیں کہ زیلعی سے شامی نے جو تین قول نقل کئے ہیں ان میں سے قول ثالث یعنی لایؤمر به ولا ینهیٰ عنه کا یہی منشاء ہو سو بظاہر اس سے کوئی مانع نہیں لیکن اس زمانہ میں تلقین بعدالدفن روافض کا شعار ہے اس واسطے اس کی اجازت نہ دی جاوے گی اور اس کی نظیر فقہ میں موجود ہے کہ باوجود وارد فی الشرع ہونے کے منع کی علت شعار فرق ضالہ قرار دی ہے چنانچہ درمختار کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے: ویجعله (ای الخاتم) لبطن کفه فی یده الیسریٰ وقیل الیمنی الاانه شعار الروافض فیجب التحرز عنه قهستانی وغیرہ۔

فقط واللّٰہ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از تھانہ بھون مورخہ ۵/رجب ۱۳۵۰ھ

﴿کشف الغطاء عن کتابة النساء﴾

لڑکیوں کیلئے جبریہ تعلیم کا قانون بنانا مذہب اسلام کی رو سے جائز ہے یا نہیں اور کیا مسلمانوں کو اس کی مخالفت کرنی چاہئے؟

سوال نمبر ۱۴: بعض ممبران کونسل کوشش کر رہے ہیں کہ صوبہ یوپی میں لڑکیوں کے واسطے بھی جبریہ تعلیم کا قانون بنادیا جائے کیا ایسا قانون مذہب اسلام کی رو سے جائز ہے؟ اگر جائز نہیں ہے تو مسلمان ممبروں کو و نیز دیگر اہل مذہب کو مخالفت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب: یہ تجویز مذہب اسلام کے سراسر خلاف ہے اور اس کا خلاف اسلام ہونا بالکل ظاہر ہے مگر افسوس کہ اس زمانہ میں ظاہر سے ظاہر بات پر بھی دلیل قائم کرنا پڑتی ہے اس لئے مختصر طور پر عرض ہے کہ لڑکیوں کی جبریہ تعلیم میں وہ خرابی بدرجہ اولیٰ ہے جو لڑکوں کی جبریہ تعلیم میں شاہد ہو چکی یعنی اس قانون کو جاری کرنے والے تعلیم قرآن و دینیات کی حتی الوسع بیخ کنی کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے گو قول خداوندی یریدون لیطفؤ نوراللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرن کے مطابق وہ لوگ اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوتے گویا قرآن مجید ان نام نہاد مسلمانوں کی اس بیہودہ سعی کو دیکھ کر یہ کہتا ہے ؎

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز ایسے ہی لوگوں کے بارے میں دربار خداوندی میں شکایت پیش کریں گے یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا ۔ مسلمانوں کو لازم تھا کہ لڑکوں کی تعلیم کو حدود شریعہ میں رکھتے اور اس جبریہ تعلیم کے قانون سے تعلیم قرآن شریف پر کوئی اثر نہ آنے دیتے جیسا کہ ان کو ۱۳۴۶ھ میں ایک مدلل اور مفصل فتویٰ شائع کرکے آگاہ کیا گیا تھا جس پر تھانہ بھون سہارنپور، دیوبند اور دہلی وغیرہ علماء کرام نے متفقہ تصدیقات تحریر فرمائی تھیں (یہ فتویٰ مولانا الیاس صاحب ؒ مقیم نظام الدین دہلی سرپرست انجمن خادم القرآن بازار بلی ماراں دہلی نے چھپوایا تھا اور مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں بھی موجود ہے) مگر افسوس کہ اصلاح کی بجائے اور ایک قدم بربادی اور تباہی کی طرف اٹھانے لگے کہ لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں میں بھی اس زہریلے اثر کو پھیلانے کے متمنی اور ساعی ہیں ۔ ابھی وقت ہے کہ بہت سہولت کے ساتھ مسلمان اس اخلاق اور دین کو تباہ کرنے والے قانون سے محفوظ رہ سکتے ہیں پس ان کو لازم ہے کہ اس وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور جان توڑ کوشش کرکے اس تجویز کو مسترد کردیں ۔ اول تو تعلیم قرآن میں حارج ہونے سے ہی واضح ہے کہ یہ قانون خلاف شرع ہے مذہب اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا دوسرے اس میں اس خرابی کے علاوہ جو لڑکوں کے متعلق بیان کی گئی اور بھی بہت سی خرابیاں موجود ہیں جن میں سے ہر ایک اس کی مستقل دلیل ہے کہ یہ قانون شرع اسلام کے خلاف ہے بطور مشتے نمونہ از خروارے کچھ بیان کی جاتی ہیں ۔

(۱) اسلام میں پردہ کی بے حد تاکید وارد ہے کہ بلاضرورت گھر سے باہر قدم نکالنے ہی کی اجازت

نہیں لقولہ تعالیٰ وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاھلیة الاولی اور حکم ہے ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جب زیور تک کی آواز کا پردہ ضروری ہے تو پھر عورت کی آواز کا پردہ کس قدر ضروری ہوگا اور خود عورت کو کس قدر گہرا پردہ کرنا لازم ہوگا۔ الغرض پردہ کرنا اسلام کا ایک تاکیدی حکم ہے اور آج کل بے علم اور کم فہم لوگوں نے اس پر جوشبہات کئے ہیں رسائل ذیل کے دیکھنے سے ان کا قلع قمع ہوجاتا ہے۔

لطائف رشیدیہ، مؤلفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ، القول الصواب فی مسئلة الحجاب اثبات الستور لذوات الخدور ۔ القاء السکینة فی تحقیق ابداء الزینة ہر سہ از حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم ۔ قول الصواب (جو ایک صاحب نے نو تعلیم یافتہ لوگوں کے مذاق کی رعایت کر کے لکھا ہے) اور ظاہر ہے کہ اس تعلیم میں پردہ ہونا محال ہے گو وہ لوگ جو دھوکہ دینا چاہتے ہیں یا خود دھوکہ میں پھنسے ہوئے ہیں اس کے مدعی ہیں کہ ان زنانہ سکولوں میں پردہ کا کافی زیادہ انتظام ہے مگر ذرا غور کیا جاوے تو واضح ہوجاوے گا کہ اول تو یہ ضرورت ہی شریعت کے نزدیک اس درجہ کی نہیں جس کیلئے گھر سے نکلنے کی اجازت دی جائے اور اگر بالفرض اس کو ضرورت بھی تسلیم کر لیں تو جس درجہ میں شرعاً پردہ ضروری ہے اس کا انتظام اسکول میں ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ اکثر لڑکیاں بے خبری کی وجہ سے پورے پردہ کا خود اہتمام نہیں کرسکتیں بلکہ ان کے سرپرست ان کو ہر موقع پر مناسب ہدایت کرتے رہتے ہیں اسکول میں ان کو کون ہدایت کرے گا خاص کر جبکہ خود استانی صاحبہ بے پردگی اور آزادی کی حامی ہو پردہ کا اہتمام تو درکنار بہت جگہ بیہودہ استانی کی بدولت عفت سوز واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں اسی طرح راستے میں آتے جاتے میں پوری حفاظت کا انتظام برائے گفتن ہی ہوتا ہے اور جس سکول میں استانی غیر مسلم ہو یا غیر مسلم لڑکیاں بھی تعلیم پاتی ہوں وہاں غیر مسلم عورت سے تو پردہ کا محال ہونا ظاہر ہے حالانکہ شریعت مقدسہ میں غیر مسلم عورت سے بھی ہتھیلی اور چہرے کے سوا تمام بدن کا چھپانا فرض ہے کما صرح به الفقهأو المفسرون واستدلوا بقوله تعالیٰ او نساء ھن ۔ اگر کوئی صاحب شبہ کریں کہ جبریہ تعلیم بالغ عورتوں کے واسطے نہیں ہے جو بے پردگی وغیرہ کا اعتراض وارد ہوسکے اس کا جواب یہ ہے کہ نابالغ پر پردہ کا حکم عائد نہ سمجھنا غلط ہے شریعت مقدسہ کی رو سے مراہقہ کا حکم بالغہ کے مثل ہے اور مراہقہ نو سال کی عمر میں شمار کی جاتی ہے

كما صرح به الفقهاء قاطبة بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ سات آٹھ سال کی عمر میں کسی قدر پردہ شروع کیا جاوے تا کہ زمانہ مراہقہ تک عادت ہو جاوے جیسا کہ دیندار خاندانوں میں دستور ہے اور آج کل زمانہ کی نازک حال کو دیکھتے ہوئے یہ ضرورت زیادہ شدید ہو جاتی ہے پس جب سات سالہ بچی کو پردہ میں رکھنے کی ضرورت ہے اور نو سال کی عمر میں بالغہ کے مثل حکم دیا گیا ہے تو پھر کم سنی کا وہ زمانہ کہاں بچا جس میں پردہ کی ضرورت نہ ہو اور تعلیم کے قابل ہو اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ جبریہ تعلیم کا قانون بارہ سال کی عمر تک جاری ہوتا ہے جس کی زد میں یقیناً وہ لڑکیاں آتی ہیں جن پر پردہ فرض ہے بلکہ بہت سی ان میں حقیقتاً بالغ ہوتی ہیں امید ہے کہ اس مختصر تحریر میں غور کر کے حکم خداوندی کو بسر وچشم منظور کریں گے اور ہرگز اس بے حیائی کو گوارا نہ کریں گے جس طرف ان کو یہ پرفتن زمانہ بلا رہا ہے ورنہ دین اور دنیا دونوں کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔

(۲) صحیح حدیث شریف میں ہے لا تنزلوهن الغرف ولا تعلموهن الكتابة وعلموهن المغزل وسورة النور (كنز العمال بحواله هب عن عائشة وسكت عنه سيوطي فهو صحيح عنده ايضاً) اس ارشاد مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی تربیت میں سخت احتیاط کی ہدایت فرمائی ہے اور ان کو کتابت سکھلانے سے منع فرمایا ہے گو بعض خاص مواقع اس ممانعت سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں مگر عام طور پر عورتوں کو کتابت سکھلانے کی ممانعت ہی ہے کیونکہ ان کیلئے اس علم میں نفع کم ہے اور ضرر کا اندیشہ زیادہ اور اسی پر قیاس کر کے ایک علوم غیر ضروریہ مثل جغرافیہ وغیرہ کا حال بھی معلوم ہو گیا اور یہ مضامین جبریہ تعلیم کے نصاب میں لازمی ہیں اس سے بھی صاف واضح ہو گیا کہ یہ قانون مذہب اسلام کے خلاف ہے۔

(۳) مختلف عقائد وخیالات کی استانیاں اور لڑکیاں جمع ہوتی ہیں جس کے باعث لڑکیوں پر کم عقلی کی وجہ سے بہت برا اثر پڑتا ہے جس کا مشاہدہ ہزاروں جگہ ہو چکا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر مسلمان اپنے ہاتھوں اپنی معصوم بچیوں کو بے دین اور بے حیا بنانا چاہتے ہیں تب تو خیر ورنہ ان کے مذہب کی حفاظت اسی میں ہے کہ اس جبریہ تعلیم کے قانون کی سخت مخالفت کریں وما علینا الا البلاغ۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

جواب عین صواب ہے بلکہ بعضے...... مدعیان اسلام فرقے بھی اپنے خاص عقائد کے سبب

فتوے کی رو سے مسلمان نہیں ہیں اگر معلّمہ اس فرقہ کی ہوئی تو مسلمان لڑکیاں اس سے بھی شرعاً ویسا ہی بدن چھپائیں جیسا کافر عورت سے اور اس کی دشواری اوپر معلوم ہو چکی ہے۔

کتبہ اشرف علی ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

﴿ اقامت کے وقت امام اور مقتدی کب کھڑے ہوں ﴾

سوال نمبر ۴۷: امام و مقتدی نماز سے پہلے اپنی جگہ پر صف میں بیٹھے رہیں اور مکبر اقامت میں حی علی الصلوۃ کہے تب امام و مقتدی کھڑے ہو جائیں اور نماز کی نیت کر لیں یہ مسئلہ مفتاح الجنۃ اردو مصنفہ جناب مولوی کرامت علی جونپوری مطبوعہ مطبع احمدی واقع شاہ باغ ص ۴۸، ۴۹ میں تحریر ہے حالانکہ اس وقت تک محققین علماء کرام کا جو احناف میں سے ہیں اس پر عمل ہے کہ شروع اقامت کے وقت امام و مقتدی کھڑے ہو کر صفوف کو ترتیب دیتے ہیں اور کلمہ قد قامت الصلوۃ پر امام و مقتدی نماز کی نیت کرتے ہیں ایک امام مسجد جو علم عربی سے بالکل ناواقف ہیں اس مسئلہ کو کتاب مذکور میں دیکھ کر خود بھی اقامت شروع ہونے سے پہلے اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور مقتدیوں کو بھی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھنے کو مجبور کرتے ہیں اس سے فتنہ وفساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کیا کتب حنفیہ اور احادیث صحیحہ سے امام اور مقتدیوں کا اقامت کے وقت بیٹھا رہنا ثابت ہے اور اگر کتب حنفیہ اور احادیث صحیحہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے تو علماء احناف کا عمل اس کے خلاف کیوں ہے؟ اور ہمیں کس مسئلہ پر عمل کرنا چاہئے؟ جواب بدلائل مرحمت فرمایا جاوے۔

الجواب: شروع اقامت سے کھڑے ہو جانے کا جو معمول ہے وہی بہتر ہے اس کو بدلنے کی ضرورت نہیں اور یہ مسئلہ جو مفتاح الجنۃ میں ہے کتب فقہ میں بھی اس کی اصل مذکور ہے لیکن اول تو فقہا نے اس میں تفصیل لکھی ہے نا معلوم مفتاح الجنۃ میں وہ تفصیل بھی لی ہے یا نہیں تفصیل یہ ہے کہ اگر امام وقت جماعت سے پیشتر ہی مصلے کے قریب بیٹھا ہوا ہے تب تو حی علی الفلاح (بعض حی علی الصلوۃ لکھتے ہیں واللہ اعلم) کہتے ہی سب کھڑے ہو جائیں اور اگر امام جماعت کے وقت پر خارج مسجد سے آیا ہے تو جس صف سے گذرتا جاوے وہ صف کھڑی ہوتی جاوے اور اگر امام صفوف کے سامنے سے داخل ہوا ہو (مثلاً حجرہ میں دریچہ ہو امام اس دریچہ سے آوے) تو سب صفوف امام کو دیکھتے ہی کھڑی ہو جاویں یہ تین صورتیں تو درمختار، عالمگیری وغیرہ میں مصرح ہیں اور ایک چوتھی صورت یہ ہے

کہ امام مسجد میں تو پہلے سے موجود ہے لیکن محراب سے فاصلہ پر ہے سو اس صورت کا حکم بھی تفصیل بالا سے معلوم ہو گیا کہ جن صفوف سے امام آگے ہے وہ صفیں امام کے اٹھتے ہی سب کھڑی ہو جاویں اور جو صفوف امام سے آگے بیٹھی ہیں ان میں جس صف سے امام بڑھتا جاوے وہ کھڑی ہوتی جاوے اسی چوتھی صورت کو علامہ شامیؒ نے درمختار ہی کی عبارت سے مستنبط فرمایا ہے درمختار کی عبارت یہ ہے:

(والقیام) لامام وموتم (حین قیل حی علی الفلاح ان کان الامام یقرب المحراب والافیقوم کل صف ینتهی الیه الامام علی الاظهر)وان دخل من قدام قاموا حین یقع بصرهم علیه۔ اور شامی نے والافیقوم کے تحت میں لکھا ہے: ای وان لم یکن الامام بقرب المحراب بان کان فی موضع آخر من المسجد او خارجه ودخل من خلف (ص۵۰۰ ج۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم ہر حال میں نہیں ہے بلکہ چار صورتوں میں سے صرف ایک صورت میں ہے ونیز یہ کسی نے نہیں کہا کہ امام صاحب ضرور خواہ مخواہ جا کر بیٹھا کریں بلکہ اس مسئلہ کا منشاء صرف یہ ہے کہ اگر اتفاقاً پیشتر سے امام محراب کے قریب بیٹھا ہو تو یہ حکم ہے پس ان امام صاحب نے اس کا اہتمام جو شروع کیا ہے یہ ان کی زیادتی ہے ایسا اہتمام ہرگز نہ چاہئے دوسرے یہ کہ یہ سب آداب میں سے ہیں اور ادب وہ ہے جو اکمال سنت کے واسطے مشروع ہوا ہو اور اس کے ترک پر ملامت وعتاب نہیں ہو سکتا اگر کوئی کرے تو بہتر ہے ورنہ کچھ حرج نہیں کما صرح بہ فی الدر المختار وغیرہ من کتب الفقہیۃ پس مقتدیوں کو مجبور کرنا بالکل بے جا ہے تیسرے یہ بات غور طلب ہے کہ حی علی الفلاح کے وقت کھڑے ہونے کا جو آداب میں شمار کیا ہے تو اس کا مدمقابل کیا ہے عام طور پر لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونا خلاف اولیٰ ہے (مؤلف مفتاح الجنۃ نے یہی سمجھ کر اپنی طرف سے بڑھا دیا کہ امام ومقتدی سب اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں ورنہ کتب فقہ میں اس جملہ کا کہیں پتہ نہیں) حالانکہ یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد بیٹھا رہنا خلاف اولیٰ ہے کیونکہ اقامت کے بعد فوراً نماز شروع کر دینا مستحب ہے اس واسطے اس کے ختم ہونے سے پیشتر کھڑا ہونا آداب میں رکھا گیا تاکہ اس سنت مستحبہ کی تکمیل ہو جاوے پس اس بنا پر اگر اقامت کے شروع ہی سے کھڑے ہوں تو اس میں کوئی حرج نہ ہوگا اور یہ جو احقر نے کہا ہے کہ قیام عند الحیعلۃ کو اولیٰ کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے پیشتر قیام خلاف اولیٰ ہو بلکہ حیعلہ کے بعد جلوس کو خلاف اولیٰ کہنا چاہئے اس کی طرف

مراقی الفلاح کے قول میں اشارہ ہے کیونکہ اس میں یہ دلیل لکھی ہے لانہ امر بہ فیجاب اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود امر کی طرف مبادرت ہے کما صرح به الطحطاوی بقوله فیبادر الیها بالقیام اور ظاہر ہے کہ مبادرت کا مقابل دیر لگانا ہے بعد امر کے نہ کہ امر سے قبل مستعد ہونا پس واضح ہوگیا کہ ہمارا معمول ہرگز خلاف اولیٰ نہیں ہے بلکہ ہم بدرجہ اولیٰ اس کے حکم مبادرت الی القیام پر عامل ہیں و نیز جتنا جلدی کھڑے ہوں گے اسی قدر اہتمام ہوگا تسویۂ صفوف کا پس اس کی کوئی وجہ نہیں کہ قیام قبل الحیعلہ کو خلاف اولیٰ کہا جاوے اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ شرح مراقی الفلاح میں تصریح ہے: و اذا اخذ المؤذن فی الاقامة و دخل رجل المسجد فانه یقعد و لا ینتظر قائماً فانه مکروه کمافی المضمرات قهستانی و یفهم منه کراهة القیام ابتدأ الاقامة و الناس عنه غافلون سو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ جزئیہ اگر تسلیم کیا جاوے تو مخصوص ہوگا اس صورت کے ساتھ جبکہ امام اور قوم بیٹھی ہو کہ اس وقت آنے والے کو سب کی موافقت کرنی چاہئے خلاف کرنا کراہت سے خالی نہیں پس یفهم منه سے جو تصریح کی گئی ہے وہ مخدوش ہے هذا ما عندی و الله اعلم و علمه اتم و احکم۔

اور دوسرا جزء جو سوال میں ضمناً مذکور ہے کہ کلمہ قد قامت الصلوٰۃ پر امام و مقتدی نماز کی نیت کرتے ہیں ہمارے اکابر کا اس پر بھی عمل نہیں ہے بلکہ اقامت پوری ہونے کے بعد نماز شروع کرتے ہیں اور اسی کو بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ اس طرح مؤذن تکبیر تحریمہ میں شامل ہوجاتا ہے اور اقامت کا جواب دینا جو مستحب ہے اس کا بھی موقع امام اور مقتدی سب کو ملتا ہے اور طحطاوی نے اسی کو ترجیح دی ہے لانه قال تحت قول الشر نبلالیة(و) من الادب (شروع الامام) الی احرامه(مذقیل) ای عند قول المقیم(قد قامت الصلوٰة) عند هماو قال ابو یوسف یشرع اذافرغ من الاقامة الخ ای بدون فصل و به قالت الآئمة الثلاثة و هو اعدل المذاهب شرح المجمع و هو الاصح قهستانی عن الخلاصة و هو الحق نهر (ص ۱٦۲) فقط و الله اعلم بالصواب۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۸ جمادی الثانی ۵۱ھ

﴿ جس نے عشاء کی نماز تنہا ادا کی ہو وتر جماعت سے ادا کرے یا تنہا ﴾

سوال نمبر ۲٦: کل بعد عشاء وتر اویح مسئلہ بیان کیا گیا کہ جس شخص نے فرض نماز عشاء جماعت

سے نہ پڑھی ہو(یعنی منفرداً پڑھی ہو)وہ وتر بھی منفرداً پڑھے اور جماعت کی شرکت سلام سے پہلے امام سے مشارکت ہوجانے سے ثابت ہوجاوے گی اس کے بعد بعض لوگوں نے بیان کیا کہ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگرچہ جماعت سے فرض عشاء نہ پڑھے ہوں تب بھی جماعت وتر میں شامل ہو اور وتر جماعت سے ادا کرے اس کے بعد بہشتی زیور دیکھا گیا تو اس میں اس کے حصہ بہشتی گوہر میں مسئلہ بعبارت ذیل درج ہے:

تراویح کا بیان، مسئلہ نمبر ۵: اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہوچکی ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح میں شریک ہو اور اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہوجاویں تو ان کو بعد وتر پڑھنے کے پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے (شامی ص ۷۴۳ ج ۱ مکمل و مدلل بہشتی گوہر ص ۴۰) اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ منفرداً فرض عشاء پڑھنے پر بھی وتر جماعت سے پڑھے بہشتی زیور میں حوالہ مذکور شامی مطبوعہ سندھ ۱۳۹۳ھ سے ہے مگر یہاں وہ شامی نہیں بلکہ مطبوع مصر ہے اس میں جب (مبحث صلوٰۃ التراویح ص ۵۲۳، ۵۲۴) میں دیکھا گیا تو مندرجہ ذیل عبارت ملی (ولوتركوا الجماعة فى الفرض لم يصلو التراويح جماعة)لانها تبع فمصليه وحده يصليها معه درمختار(قوله لانها تبع) اى لان جماعتها تبع لجماعة الفرض فانها لم تقم الالجماعة الفرض فلو اقيمت بجماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده فله ان يصليها مع ذالك الامام لان جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم لعدم المحذورهذا ماظهر لى فى وجهه وبه ظهر ان التعليل المذكور لايشمل المصلى وحده وظهره صحة التفريع بقوله فمصليه وحده الخ فافهم (شامی ص ۶۶۳ ج ۱)

عبارت محررہ سے معلوم ہوا کہ اگر فرض باجماعت نہ پڑھے ہوں تب بھی جماعت میں شرکت کرے جیسا کہ خط کشیدہ عبارت اس کو واضح کررہی ہے۔ اب آگے یہ عبارت ہے:

(ولولم يصلها)اى التراويح(بالامام)اوصلاها مع غيره (له ان يصلى الوتر معه) درمختار (وقوله لولم يصلها الخ) ذكر هذالفرع والذى قبله فى البحر عن القنية وكذافى متن الدرولكن فى التتار خانية عن الثقة انه سئل على بن احمد عمن صلى الفرض والتراويح وحده اوالتراويح فقط هل يصلى الوتر مع الامام فقال لاه ثم رائيت القهستانى ذكر تصحيح ماذكره

المصنف ثم قال لكنه اذالم يصلی الفرض معه لايتبعه فی الوتراه فقوله ولولم يصلها ای وقد صلی الفرض معه لكن ينبغی ان يكون قول القهستانی معه احتراز عن صلاتها منفرداً امالو صلاها جماعةمع غيره ثم صلی الوتر معه لا كراهة تامل (ص۶۶۳ ج اشامی)

اس عبارت مسطورہ سے صاف صاف واضح ہے کہ تراویح چاہے منفرداً پڑھی ہو چاہے اس امام (جس کے پیچھے وتر پڑھنا ہے) کے سوادوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہو وتر اس امام کے پیچھے پڑھے ہوں اگر فرض عشاء منفرداً پڑھے ہوں تو البتہ وتر امام کے ساتھ نہ پڑھے یعنی جماعت سے نہ پڑھے باقی رہا یہ کہ بقی لو تركها الكل يصلون الوتر الخ درمختار(قوله بقی الخ) الذی يظهران جماعة الوتر الخ (شامی ص۶۶۳ ج ۱)اس کواس جزئیہ سے تعلق نہیں۔

اب معروض یہ ہے کہ اگراس وضاحت میں بھی احقر سے غلط فہمی ہوئی ہے اور مسئلہ اس طرح صحیح ہے جس طرح بہشتی گوہر (بحوالہ مذکورہ) میں ہے کہ اگر نماز عشاء منفرداً پڑھی تب بھی وتر جماعت سے پڑھے تو نہایت ادب سے عرض ہے کہ اس کی تصریح اور وضاحت فرمادی جاوے کہ احقر کیلئے شرح صدر کا باعث ہواوراس سے رجوع کر کے مصلیوں کومسئلہ سنادیا جائے یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے محض رفع اشتباہ اور تحقیق حق کیلئے ہے نہ حضور والا کے انتباہ کیلئے پس سوال یہ ہے اگر فرض عشاء اور تراویح دونوں گھر پڑھے ہوں یا اکیلئے کہیں اور پڑھے ہوں اور وہ شخص ایسی جگہ (مسجد یا کسی اور مقام پر) حاضر ہوا کہ وہاں وتر جماعت سے شروع ہوئی تو یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں؟

الجواب: شامی ص ۷۴۷ ج ۱ مطبوعہ سندھ میں اس مسئلہ کا جز واول یعنی ''ان کو بعد وتر پڑھے'' تک ہے اور جز دوم یعنی ''یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے'' اس جگہ اس کا ذکر نہیں بلکہ اس کا ذکر اسی عبارت میں ہے جو سوال میں درج ہے اور مطبوعہ سندھ کے ص ۷۴۱ پر درج ہے مگر شامی میں صفحہ مذکور پر جو عبارت مندرجہ فی السوال ہے اس سے بہشتی گوہر کی تائید نہیں ہوسکتی ولولم يصلها الخ کا خلاف ہونا تو ظاہر ہے ہی لیکن لانه تبع فمصليه الخ سے بھی تائید نہیں ہوتی کیونکہ اس سے فاقد الفرض کیلئے جماعت تراویح میں جواز شرکت ثابت ہوتی ہے نہ کہ جماعت وتر میں كمايظهر بادنیٰ التا مل پس سائل کا استدلال صحیح ہے یعنی جواز شرکت فی الوتر صحیح نہ ہو۔ اب رہی یہ بات کہ جواز شرکت کہاں سے ثابت ہے؟ سواس کے متعلق عرض ہے کہ فتاویٰ عبدالحیؒ میں بعد نقل روایات عدم جواز لکھا ہے لیکن

کدامی وجہ قوی معتد بہ عدم جواز معلوم نمی شود حق جواز معلوم میشود واللہ اعلم۔

حررہ الراجی عفور بہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحئی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

بعدازاں مولوی محمد نعیم صاحب کی تصدیق اس طرح درج ہے: فی غنیة المستملی فی شرح منیة المصی واذالم یصل الفرض مع الامام معن عن الائمة الکر ابلسی انه لایتبعه فی الوتر ولافی التراویح وکذا اذالم یتابعه فی التراویح لایتابعه فی الوتر وقال ابو یوسف اذاصلی مع الامام شیئا من التراویح یصلی معه الوتر وکذااذالم یدرك شیئاً وکذا اذاصلی التراویح مع غیره له ان یصلی الوتر معه وهو الصحیح ذکره ابو ا للیث اه وفی مختصره(ای الصغیری) واذالم یصلی الفرض مع الامام قیل لایتبعه فی التراویح ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل معه التراویح لا یتبعه فی الوتر والصحیح انه یجوز ان یتبعه فی ذالك کلها واللّٰه اعلم بالصواب وعند ه علم الکتاب۔ کتبہ ابوالاحیاء محمد نعیم عفی عنہ ذنبہ العظیم

اب ایک خلجان اور باقی رہا وہ یہ کہ پھر بہشتی گوہر میں اس کو درمختار کی طرف کیوں منسوب کیا گیا؟ جس میں بجائے موافقت کے مخالفت موجود ہے سواصل واقعہ بعد کاوش بسیار یوں معلوم ہوا کہ علم الفقہ جواصل ماخذ ہے گوہر کا اس میں جز واول کا حوالہ درمختار میں موجود ہے اور گوہر میں جز ودوم کا اضافہ کر کے صغیری کا حوالہ بڑھا دیا گیا تھا جو مطبوعہ قدیم میں موجود ہے اور مکمل مدلل میں صغیری کا نام غلطی کاتب کے باعث رہ گیا واللہ اعلم۔ کتبہ عبدالکریم عفی عنہ ۲۰ رمضان ۴۸ھ

﴿ ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا قائلین عدم جواز کا جواب ﴾

سوال: بیع نسیئہ از نرخ بازار یعنی ثمن نسیئہ زائد از قیمت نقد مثلاً بازار میں یداً بید غلہ مکئی یا گیہوں چار پیمانہ یعنی صاع فی روپیہ فروخت ہوتی ہے تو ادھار دو پیمانہ فی روپیہ فروخت کرنا جائز ہے یا کہ نہ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کتاب ہدایہ باب المرابحہ والتولیہ میں ہے:

ومن اشتریٰ غلاماً بالف درهم نسیۃ فباعه بربح مائة ولم یبین فعلم المشتری فان شاء رده وان شاء قبل للأجل شبهاً بالمبیع لایری انه یزادالثمن لأجل الأجل هدایه (ج ۳ ص ۷۴، افتخار)

اس مسئلہ کو قاعدہ کلیہ تصور فرما کے مثلی چیز کو بھی کم از کم نرخ مروج نسیئۃً فروخت کرنا جائز

بتاتے ہیں یہ بیع شراء ان کی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا بحوالۃ الکتاب

جواب مرسلہ سائل

یہ بیع شراء جائز نہیں کیونکہ بعض ثمن بمقابلہ اجل ہوئی اور اُجل مال نہیں ہے جیسا کہ مسئلہ مذکور میں یہ عبارت ذکر ہے۔

وان استهلكه ثم علم لزمه بالف ومائة لأن الأجل لايقابله شئ من الثمن(هدايه) لان الاجل ليس بمال متقوم فلايقابله شئ من الثمن(عينى) لأن الأجل فى نفسه ليس بمال فلايقابله شئ (رد المختار) مقتضى كونه ليس بمال انه لا يصح مقابلة الثمن (التحرير المختار على ردالمختار)

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ اُجل مال نہیں جب اُجل مال نہ ہو تو اس کے مقابلہ میں ثمن جائز نہیں خاص کر یہ جزئیہ نقل کیا جاتا ہے۔ لايجوز بيع الحنطة بثمن النسيئة اقل من سعرا لبلد فانه فاسد واخذ ثمنه حرام(قاضى خان)ا ن بيع الحنطة بنقصان حكم البلد فهو فاسد وان اخذ الثمن بعد مضى المدة فهو حرام لأن الثمن متفاضل بالحكم وهوالربابايضاح اور اُجل کے ذریعے سے زیادہ فی الثمن ربوا میں داخل ہے لقوله تعالىٰ واحل الله البيع وحرم الربوا يعنى احل لكم الأرباح فى التجارة بالبيع والشراء وحرم الربوالذى هو زيادة فى المال لا جل تاخير الأ جل(خازن)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس چیز کا نرخ ایک شہر میں جاری ہو تو ادھار پر اس نرخ مروجہ سے کم پر فروخت جائز نہیں۔

﴿ علماء جو اس مسئلہ کے قائل ہیں ﴾

(۱) جناب من یہ بیع حرام ہے کہ نسیہ مال متقوم نہیں یہ حکم مذکور ہے شرح وقایہ ہدایہ وغیرہ میں اور جو لوگ غلام پر قیاس کرتے ہیں یہ قیاس مع الفاق ہے کہ مقیس علیہ غیر مقدرات سے ہے اور ربوا مقدرات میں جاری ہوتا ہے خادم العلماء محمد عباس عفی عنہ۔

(۲) يزادالثمن لاجل الاجل بعد تسلیم قاضی خان کے صریح جزئیہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا جیسا کہ اُمر مسلم عند الفقہاء ہے۔ نیز قیمتی اور غیر قیمتی اشیاء میں باہمی اتحاد فی الحکم قابل غور ہے۔ البتہ

اختلفا الجنسان فبیعوا قابل بحث ہے۔ عبدالمنان از دفتر جمعیت احناف

(۳) جواب مجیب موافق قاعدہ فقہ بالکل درست ہے اور عزیمت پر مبنی ہے اور جواز کی روایت جس کو مولانا عبدالحی مرحوم نے ہدایہ کی عبارت سے اخذ کیا ہے۔ رخصت کا معنی ادا کرتی ہے، سو میرے خیال میں تقوے کی رو سے ایسی بیع کا ترک بہتر ہے۔ فضل حق

(۴) کتب فقہ کی رو سے جواز ثابت ہوتا ہے جیسے عبارت ہدایہ سے ظاہر ہے مگر اجل کے مقابلہ میں قیمت زائد لینا اگر ربوا نہیں تو شبہ ربوا ضرور ہے پس متقی مسلم کیلئے اجتناب لازم ہے۔

محمد اشرف خطیب جامع مسجد

﴿ الجواب من الخانقاہ ﴾

ادھار لینے کی وجہ سے زیادہ داموں میں گیہوں وغیرہ کا فروخت کرنا سود نہیں سود وہ زیادتی ہے جو اجل کے مقابلے میں ہوا، اور اس صورت میں اجل کا مقابلہ نہیں ہے۔ مقابلہ اجل کا اس طرح ہوتا ہے کہ مثلاً ہر ماہ یا ہر سال کے عوض میں اتنی زیادتی ہوتی رہے گی اور یہاں یہ بات نہیں بلکہ اگر وہ خریدار مدت معینہ سے پیشتر ادا کرے تب بھی اتنی ہی رقم دے گا اور مدت معینہ یا اس سے گذر جانے کے بعد ادا کرے گا تب بھی وہی رقم ادا کرے گا۔ غرض یہ کہ لاجل الاجل اور شئی ہے بمقابلہ الشیٔ اور چیز ہے۔ دونوں میں بین فرق ہے۔ اول صورت ربوا نہیں دوسری ربوا ہے خود صاحب ہدایہ نے خیار رد کی وجہ جزئیہ مرقومہ فی السوال (یعنی من اشتری غلاماًبالف درهم نسيئةً الخ) میں یزادلثمن لاجل الاجل لکھی ہے اور استہلاک کی صورت میں کل ثمن لازم ہونے کی وجہ لأن الأجل لا يقابله شئ من الثمن تحریر کی ہے اس سے صاف واضح ہے کہ مقابلہ اجل اور چیز ہے اور اَجل کو زیادت ثمن کا باعث بنانا دوسری چیز ہے۔ دونوں کو ایک گردانا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ کما لا يخفى على من له ادنیٰ تامل باقی رہا ایضاح اور قاضیخان کا جزئیہ جو مجیب اول نے لکھا ہے یعنی لايجوز بيع الحنطة بثمن النسيئة اس کا جواب جب ہوسکتا ہے جبکہ اس جزئیہ کا موقع بتلایا جاوے یعنی باب فصل وغیرہ لکھیں اس وقت اس میں غور ہوسکتا ہے کہ اس کا کیا محمل ہے۔

مؤید اول نے جو حکم قیاس مع الفارق کا دیا ہے یہ بالکل عجیب ہے مؤید صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ مثلی شئی کی بیع میں تفاضل کو اس وقت ربوا قرار دیا جاتا ہے جب کہ اس کی جنس سے مبادلہ

ہو۔ اور جب غیر جنس سے ہو تو پھر تفاضل کا جواب منصوص علیہ ہے۔ چنانچہ مؤید دوم نے اپنے قول ''البتہ اذا اختلفا الجنسان الخ سے مؤید پر یہی اعتراض کیا ہے پس جب غیر جنس کے ساتھ مبادلہ ہے تو مثلی چیز بھی اموال ربویہ سے خارج ہوگئی اور قیاس اس کا غلام پر صحیح ہے(1) فلیتأمل نیز مؤید صاحب نے یہ خیال نہ کیا کہ تفاضل کے معنی کیا ہیں تفاضل کے معنی یہ ہیں کہ احدالبدلین دوسری چیز سے زائد ہو سو اس کو وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ حنطہ اور دراہم وغیرہ میں ساراۃ شرط نہیں فرماتے اور تفاضل کے وہ معنی جو قول مؤید سے نکلتے ہیں کہ نرخ مقررہ سے اضافہ ہو۔ فہٰذا اختراع لا دلیل علیہ اور مؤید ثالث محض تقوے کے طور پر اس بیع سے منع کررہے۔ فتویٰ کی رو سے اس بیع کو ربوا نہیں کہتے اور مؤید رابع بھی اس صورت کو ربوا نہیں کہتے اور شبہ ربوی کی وجہ نہیں لکھی جو جواب دیا جائے، فقط واللہ اعلم

تنبیہ: یہ سب گفتگو اس میں ہے کہ معاملہ مذکورہ فی السوال سودی معاملہ نہیں ہے البتہ کسی حاجتمند شخص کو غبن فاحش کے ساتھ چیز دینا جس کو وہ مجبوراً لیتا ہو کراہت سے خالی نہیں ہے لا ن النبی صلی اللّٰہ علیه و سلم نهی عن المضطر ۔ واللّٰہ اعلم (مراجعت کی گئی) احقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۱۴ جمادی الاولیٰ ۵۰ھ (امدادالاحکام ص ۳۹۷ ج ۳)

﴿ ایصال ثواب کیلئے تلاوت قرآن پر اجرت لینا حرام ہے ﴾

سوال: صفات مروجہ لایصال ثواب جائز ہے یا نہیں، بر تقدیر ثانی مجوزین عالمگیری کی سند پیش کرتے ہیں کہ کتاب الاجارہ میں جواز لکھا ہے گو مولانا عبدالحئی صاحب اپنے فتاویٰ میں عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، لیکن عمدۃ الرعایۃ میں حاشیہ متعلقۂ باب المہر میں نقل کرتے ہیں: اشبه ذالك مالو استأجر شخص لقرائة القرآن و نحوه فأتى به على قصد كونه للمستاجر وقد صرحوا منه بان ثوابه للمستأجر، برائے عنایت میرے تردد کو رفع فرمایئے نیز صورت مسؤلہ و لا تشتروا الآیة کی تحت داخل ہے یا نہیں۔

الجواب: قرأۃ قرآن عندالقبر اور اس پر اجرت کو عالمگیریہ و جوہرہ میں اگرچہ جائز لکھا ہے جبکہ مدت متعین کر کے معاملہ کیا جاوے لیکن عالمگیریہ وغیرہ کے اس فتویٰ کی علامہ شامی نے تردید

---

(1) علاوہ ازیں از جزئیہ میں غلاماً کی قید احترازی نہیں ہے چنانچہ فتح القدیر میں ''او غیرہ'' موجود ہے اور عینی شرح کنز من اشتری شیئاً ہے ۱۲ منہ

وتغلیظ کی ہے اس لئے صحیح یہ ہے کہ قراۃ قرآن پر اجرت لینا حرام ہے، لکونہ استیجاراً للطاعة وھو لایجوز واستثناء التعلیم والاذان والامامة للضرورة ولاضرورة فیه (صرح به فی ردالمختار ج ۵/۵۲/۵۳) کتبہ احقر عبدالکریم عفااللہ عنہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ
الجواب صحیح ظفر احمد عفااللہ عنہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ (امدادالاحکام ص ۷۵۵ ج ۳)

﴿ حکم اجرت دلال ﴾

سوال: (الف) ایک شخص زید ہے، دوسرا بکر ہے تو زید نے بکر سے کہا کہ ہمارے پاس سودا ہے اور اگر سودا کو تم اپنی معرفت کسی کے ہاتھ فروخت کروادو گے تو تم کو اتنا روپیہ کمیشن دیں گے، تو اس طرح کمیشن لینا درست ہے یا نہیں؟ (ب) اور اگر بکر نے زید سے یہ نہیں کہا، اور بکر نے زید کا سودا فروخت کروادیا تو یہ لینا شریعت میں درست ہے یا نہیں؟

السائل جمال میاں مان پوری محلّہ پھانی کوٹ ڈاکخانہ بنادر گنج ضلع گیا

الجواب: (الف) اس صورت کو عالمگیریہ نے ذخیرہ سے حرام لکھا ہے اور شامی نے بھی تاتارخانیہ سے حرمت نقل کی ہے ولیکن محمد بن سلمہ سے اس میں گنجائش نقل کی ہے ونصہ (تتمہ) قال فی التاتارخانیة: وفی الدلال والسمسار أجر المثل، وماتواضعوا علیه أن فی کل عشرة دنانیر کذافذٰلك حرام علیهم، وفی الحاوی، سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لابأس به وان کان فی الأصل فاسداً لکثرة التعامل، وکثیر من هٰذاغیر جائز، فجوزوه لحاجة الناس الیه کدخول الحمام، وعنه قال: رأیت ابن شجاع یقاطع نساجاً ینسخ له ثیاباً فی کل سنة (ج ۵ ص ۴۱)

(الف) اور حضرت مولانا تھانوی مدظلہم اس صورت میں جواز ہی کو اختیار کرتے ہیں۔

والجواب عن الفساد للجهالة ان هٰذه الجهالة لایفضی الی ان لنزاع، فکانت یسیرة، وهی لایفسد الاجارة والبیع۔ اور اس زمانہ میں اس کی ضرورت بھی بہت زیادہ ہے، پس اس کو جائز کہنا ہی بہتر ہے۔ واللہ اعلم (ب) اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بکر ان لوگوں میں سے ہے جو اس قسم کا کام کمیشن لے کر کرتے ہیں تب تو بکر کے مطالبہ پر زید کو دستور کے موافق کمیشن دینا ضروری ہے ورنہ زید کے ذمہ کچھ واجب نہیں اور یوں اپنی خوشی سے وہ کچھ دیدے تو اس میں کوئی شبہ

ہی نہیں۔ فی الدرالمختار، استعان برجل فی السوق یبیع متاعه فطلب منه أجراً، فالعبرة لعادتهم۔ وقال الشامی تحت قوله (لعادتهم) ای لعادة اهل السوق، فان کانوا، یعملون بأجر، یجب أجر المثل والافلا۔(ج۵ص۲۷) کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون ۲۳ جمادی الأخری ۱۳۵۰ھ (امدادالاحکام ص۵۸۹ ج۳)

﴿مرغی یا بکری نے کسی کا کھیت یا غلہ کھالیا تو مالک پر تاوان آئیگا یا نہیں؟﴾

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکری یا مرغی کسی کا کھیت چر جائے یا وہ غلہ جو سکھلانے کیلئے رکھا گیا ہو، کھا جائے، تو اس کا تاوان جانور والے کو دینا ہوگا یا نہیں؟ بینواتوجروا المستفتی: ولایت حسین

الجواب: فی العالمگیریة (ج۷ص۳۵) وان کانت فی ملك غیر صاحب الدابة فان دخلت فی ملك الغیر من غیر ادخال صاحبها، بأن کانت منفلتة فلاضمان علی صاحبها وان دخلت بادخال صاحبها فصاحب الدابة ضامن فی الوجوه کلها سواءُ کانت واقفة او سائرةو سواء کان صاحبها معها یسوقها أویقودها،أو کان راکبا علیها، أولم یکن معها هکذا فی الذخیرة اه۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بکری وغیرہ کسی کھیت وغیرہ میں خود جا کر نقصان کرے تو مالک پر تاوان نہیں اور اگر مالک خود کھیت میں چھوڑ دے، تو کھیت والا اس سے تاوان لے سکتا ہے، فقط واللہ اعلم احقر عبدالکریم عفی عنہ

از تھانہ بھون ۳ر ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (امدادالاحکام ص۶۳۹ ج۳)

﴿ذی روح کی تصویر کا حکم اور اس سے متعلق چند سوالات﴾

سوال: ذی روح کی تصویر بنانے کا خواہ دستی ہو خواہ عکسی خواہ مجسم مورت ہو خواہ کاغذ اور کپڑے وغیرہ پر ہو) اور اسے رکھنے کا شرعاً کیا حکم ہے (۲) اور جس جگہ میں ذی روح کی تصویر ہو وہاں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے (۳) اور جس گھر میں تصویر یا کتا ہو وہاں فرشتے آتے ہیں یا نہیں (۴) تصویر کے محلل اور مجوز پر شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے اور تصویر کی تحریم میں سلف سے لے کر خلف تک تمام فقہاء اور محدثین اور مفسرین کی تغلیظ وتضلیل کرنے والے کا کیا حکم ہے۔ بینواتوجروا۔

الجواب: تصویر بنانا حرام خواہ وہ تصویر کپڑے پر بنائی جائے یا برتن یا دیوار پر کسی چیز پر

بنانا جائز نہیں ہے خواہ وہ تصویر چھوٹی ہو یا بڑی کمافی الشامی (ص۶۷۷ ج۱) فی البحرو فی الخلاصة وتکره التصاویر علی الثوب صلی فیه اولا انتهی وهذه الکراهة تحریمیة، وظاهر کلام النووی فی شرح المسلم الاجماع علی تحریم تصویرالحیوان وقال وسواءٌ صنعه لما یمتهن او لغیره فصنعته حرام لکل حال لان فیه مضاهاة لخلق اللّٰه تعالیٰ وسواءٌ کان فی ثوب اوبساط اودرهم واناء وحائط وغیرها اه فینبغی ان یکون حراماً لامکروها ان ثبت الاجماع اوقطیعة الدلیل متواترة اه۔ کلام البحرملخصاً(وقال الشامی بحثاً)ان التصویر یحرم لو کانت الصورة صغیرة کالتی علی الدرهم أو کانت فی الیداو مستترة اومها نة وقال ایضاً ص ۶۷۹۔ هذا کله فی اقتناء التصویر فهوغیرجائز مطلقاً لانه مضاهاة لخلق اللّٰه تعالیٰ کما مر۔

پس تصویر بنانا ہرگز جائز نہیں نہ تعظیم کیلئے نہ غیر تعظیم نہ چھوٹی نہ بڑی اور کسی بھی چیز پر بنائی جائے ہر طرح نا جائز ہے (اور عکسی و دستی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ تصویر کا مقصود دونوں طرح حاصل ہے) اور یہ جو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بت یعنی مجسمہ نا جائز ہے اور کاغذ وغیرہ پر تصویر جائز ہے یہ غلط ہے۔

قال النووی فی شرح المسلم ولافرق فی هذا کله بین ماله ظل وماظل له هذاتلخیص مذ هبنا فی المسئلة وبمعناه قال جماهیرالعلماء من الصحابة والتابعین ومن بعد هم وهو مذهب الثوری ومالك وأبی حنفیةؒ وغیرهم وقال بعض السلف انما ینهی عما کان له ظل ولا بأس بالصورالتی لیس لها ظل وهذا مذهب باطل فان استرالذی انکر النبیﷺ الصورة فیه لایشك احدأنه مذموم ولیس له ظل مع باقی الاحادیث المطلقة فی کل صورة (مسلم ص۱۹۱ ج۲)

(۲) اگر تصویر ایسی جگہ لٹکی ہے کہ نمازی کے سر پر ہوتی ہے یعنی چھت میں ہے یا نمازی کے آگے ہے یا اس کے دائیں بائیں یا سجدہ کی جگہ ہوتو نماز مکروہ ہے اور اگر نمازی کی پشت کی جانب ہے کراہت نہیں البتہ اگر پاؤں کے نیچے ہوتو نماز مکروہ نہ ہوگی (گو بنانا اس کا جائز نہیں) اسی طرح اگر تصویر بہت چھوٹی ہو کہ کھڑے ہوئے آدمی کو اس کے اعضاء معلوم نہ ہوں جبکہ وہ زمین پر رکھی ہو یا اس کا سر کٹا ہوا ہو یا کوئی ایسا عضو کٹا ہوا ہو کہ جس کے بدون زندہ نہیں رہ سکتا تو نماز مکروہ نہ ہوگی (وهذا کله من الدرالمختار ص۶۷۷ ج۱)

(۳) جس گھر میں تصویر یا کتا ہو اس میں فرشتے نہیں آتے جیسا کہ مسلم ونووی کی روایت سے ثابت ہے (وهو قول جبريلؑ للنبیؐ انا لاندخل بيتاً فيه كلب وصورة رواه مسلم)

(۴) وہ شخص فاسق ہے کیونکہ کافر جب ہوتا جب حرام قطعی کو حلال جانے کما فی العالمگیریہ ص۲۶۴ ج۳)

انما يكفر اذاكانت الحرمة ثابتة بدليل مقطوع به اماذاكانت باخبارالاحادلايكفر كذافى الخلاصة وفى ثبوت تواتره اوالاجماع على حرمته تامل وان ثبت الاجماع على حرمته ماله ظل ولكن لا يكفرمنكر كل اجماع والتفصيل فى حاشية فيكفر جاحده (ص ۲۲۱،۲۲۲) فبحث الاجماع نورالانوار۔

(۵) اس کا وہی جواب ہے جو نمبر ۴ میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ ۱۴ شوال ۴۳ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۵ شوال ۴۳ھ (امداد الاحکام ص۱۷۳ ج۴)

معلم کس حد تک بچوں کو مار سکتا ہے

سوال: معلم کیلئے متعلموں کو تنبیہاً لہو ولعب سے باز رکھنے کیلئے ضرب شدید لگانا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس حد تک اور کس طریقہ پر، اگر نا جائز ہے تو کس طریقہ پر ان کو تعلیم دی جائے۔

الجواب: فى الدر المختار:(ادعت على زوجها ضربا فاحشاً وثبت ذالك عليه عزركما لو ضرب المعلم الصبى ضربافاحشا)فانه يعزر وفى ردالمختار قوله (ضرباً فاحشاً)قيدبه لانه ليس له ان يضربها فى التاديب ضرباً فاحشا وهوالذى يكسرالعظم اويخرق الجلداويسوده كما فى التاتارخانيةقال فى البحر وصرحوا بانه اذاضربها بغيرحق وجب عليه التعزير اه اى وان لم يكن فاحشاً(ج۳ص۲۹۳)

اس سے معلوم ہوا کہ بلا قصور مارنا تو بالکل جائز نہیں ہے اور قصور پر (قصور کی کمیت وکیفیت کا لحاظ کر کے اس کے مناسب مارنا جائز ہے لیکن اس وقت بھی) حد سے زیادہ مارنا ممنوع ہے اور حد یہ ہے کہ نہ کوئی ہڈی ٹوٹے نہ کھال اکھڑے نہ کھال سیاہ ہو پس اگر اتنا مارا کہ کھال سیاہ ہو گئی یا کھال اکھڑ گئی یا ہڈی ٹوٹ گئی تو سخت گناہ ہوا اس حالت میں خود یہ معلم سزا پانے کے قابل ہے اور قول در مختار۔ له اكراه طفله على تعليم القرآن وادب وعلم سے معلوم ہوتا ہے کہ بے تمیزی کرنا اور سبق

میں کوتاہی کرنا دونوں قصور ہیں جن کی وجہ سے بچوں کو سزا دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ یکم شعبان ۴۸ھ

الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۵؍شعبان ۴۸ھ (امداد الاحکام ص ۴۲۹ ج ۴)

فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کے متعلق ایک وصیت اور اس کا حکم

السوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل کے متعلق از روئے شرع شریف

زید حج بیت اللہ سے مشرف ہوکر مرض اسہال میں چار ماہ کے قریب مبتلا رہ کر دنیا فانی سے کوچ کر گیا مگر دوران مرض میں انتقال ہونے کے قریب تک اس کے ہوش وحواس نہایت درست رہے چنانچہ انتقال کے قریب اپنے والد بزرگوار سے اپنے قصور معاف کرا کرانہیں راضی کیا اور کاغذ قلم دوات منگوا کر اپنی مخفی نقدی وغیرہ مفصل لکھوادی اور اپنی عمر بھر کی فائتہ نمازوں کے فدیہ کے ادا کرنے کی وصیت کی کہ بارہ سالہ نابالغی کے منہا کر کے فلاں سال سے فلاں سال تک کی فائتہ نمازوں کو حساب کر کے ادا کر دینا اور دوران مرض میں بھی کئی بار اس کی ادائیگی کی نسبت تاکید کی تھی اس پر زید مرحوم کے والد نے آخری وصیت نزع کے قریب یہ بھی کہا کہ پچیس سال ہوتے ہیں اور پچیس سال کی نمازوں کے فدیہ کے غلہ کی قیمت اس وقت کے نرخ سے تخمینۃً (ساڑھے بارہ ہزار) روپے ہوتے ہیں۔ اس پر زید نے جواب دیا کہ کچھ پرواہ نہیں کہ میری نقد متروکہ میں سے کل نمازوں کا ادا کر دینا اس کے کچھ عرصہ کے بعد زید کا انتقال ہوگیا زید مذکور نے باپ، زوجہ ایک دختر، ایک پسر ۱۴ سال سے مفقود الخبر وارث چھوڑے ہیں ان میں سے تین موجودہ وارث زید کی نماز ہائے فائتہ کی فدیہ دینے پر بخوشی خاطر راضی ہیں لیکن قبل ادائیگی چند سوال شرعی علماء دین سے دریافت طلب ہیں:

(۱) زید کے عمر نابالغی کے بارہ سال منہا ہوں گے یا ۱۶، ۱۷، ۱۸ حسب فقہ وقانون بلوغ۔

(۲) زید کی وصیت کے موافق اس کے ترکہ نقد میں سے کل نمازوں کا فدیہ ادا کیا جاوے گا یا کچھ کم۔

(۳) غلہ کا نرخ نمازوں کے فوت ہونے کے زمانہ کا لگایا جاوے یا اس زمانۂ ادائیگی کے وقت کا۔

(۴) اس فدیہ کے مصارف کیا ہوں گے۔ بینوا توجروا

نیاز مند: کمترین محمد یٰسین خان

از اسلام نگر ڈاکخانہ رامپور سہارنپور ۳؍اکتوبر ۱۹۲۶ء

الجواب: حامداًومصلیاً

صورت مسؤلہ میں پورے پچیس سالوں کی نمازوں کا فدیہ دیا جاوے۔ اور جب ثلثِ ترکہ سے وصیت پوری ہو سکے تو ورثاء کی رضا مندی شرط نہیں اور اگر وصیت میں حساب غلط ہو جائے یعنی کوئی شخص اپنے ذمہ زائد نمازیں سمجھ کر وصیت کردے باوجودے کہ اس کے ذمہ اتنی نمازیں نہ ہوں تب بھی تمام وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے اور صورت مسؤلہ میں تو حساب کی غلطی بھی ثابت نہیں ہوئی کیونکہ بارہ سال کی عمر میں بالغ ہونا ممکن ہے۔ پس جب میت نے اس عمر سے اپنا بلوغ ظاہر کیا (کیونکہ نابالغی کے بارہ سال منہا کرنے کا یہی مطلب ہے کہ میں بارہ سال کی عمر میں بالغ ہوگیا تھا اس کے خلاف کوئی وجہ نہیں) تو اس کی تکذیب کیسے کر سکتے ہیں نیز صحت وصیت کے واسطے وجوب ضروری نہیں اگر ان نمازوں کے فدیہ کی وصیت کردے جو واجب نہیں تب بھی وصیت صحیح ہے۔ اور مصارف فدیہ کے وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔

قال فی الدر: وفی اوصیت لہ بجمیع مافی ھذاالکیس وھوالف فاذافیہ الفان ودنانیر وجواھر فکلہ لہ ان خرج من الثلث مجتبی۔ انتھی قال الشامی: وکذااوصیت بثلث مالی وھو الف فلہ الثلث بالغاً مابلغ لان قولہ وھو الف غیر محتاج الیہ والوالجیۃوکذااذا وصیت بنصیبی من ھذہ الدار وھوالثلث فاذانصیبہ النصف فھولہ اوبجمیع مافی ھذہ الداروھوکر طعام فاذا فیہ اکثر وعللہ فی المحیط بانہ اضاف الایجاب والتملیك الی الثلث مطلقاً والی جمیع مافی الکیس فصحت الاضافۃ الاانہ غلط فی الحساب فلا یقدح فی الایجاب اھ (ج۵ص۶۵۴) وفی البحر ج۲ص۲۸۵ وقید نا بکونھما ادرکا عدۃً من ایام أخر اذ لو ماتا قبلہ لا یجب علیھما الایصاء لما قد مناہ ولکن لواوصیابہ صحت وصیتھما لانھا لاتتوقف علی الوجوب۔ کذا فی البدائع۔ وقال الشامی تحت قولہ (مصرف الزکوٰۃ)وھو مصرف ایضاً لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذالك من الصدقات الواجبۃ کمافی القھستانی (ج۲ص۹۳) کتبہ عبدالکریم عفی عنہ ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

(امدادالاحکام ص۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳ ج۴)

سیاسی مسلک وخدمات

حضرت مفتی صاحبؒ سیاسی مسلک میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مسلک کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت اور اس کے نظریۂ متحدہ قومیت کے بہت مخالف تھے اسی لئے ایسے امور میں گفتگو کیلئے حضرت تھانویؒ اپنی جانب سے آپ کو ہی بھیجا کرتے تھے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کیلئے جو وفود حضرت تھانویؒ کی جانب سے روانہ کئے جاتے تھے ان میں آپ کو بھی شریک کیا جاتا تھا۔

تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت

آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم نئی نسل کو اس بات سے روشناس کرائیں کہ قیام پاکستان کی تحریک میں علماء کرام نے خصوصاً علماء دیوبند نے اہم کردار ادا کیا ہے افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ آج تک جتنی بھی تاریخی کتابیں ہمارے بچوں کو اسکولوں یا کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں ان میں سے اکثر وبیشتر کتب ایسی ہیں جن میں ان عظیم شخصیتوں کا ذکر تک نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے ہماری نئی نسل یہ سمجھتی ہے کہ علماء کرام نے قیام پاکستان کی تحریک میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا حالانکہ برصغیر پاک وہند بلکہ عالم اسلام کی عظیم دینی ومذہبی شخصیات اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند ،مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانیؒ ، علامہ سید سلیمان علی ندویؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا شبیر علی تھانویؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا اطہر علی سلہٹیؒ ،مولانا مناظر احسن گیلانیؒ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا عبدالکریم گھمتلویؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے شہرہ آفاق علماء دیوبند کے اسماء گرامی ایسے ہیں جن کے

ذکر کے بغیر قیام پاکستان کی تاریخ کا تذکرہ نامکمل ہے۔خود قائداعظم محمد علی جناح بھی اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ دراصل انہی علماء کرام کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے انہیں مسلمانوں کیلئے علیحدہ مملکت حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی ہے اوراسی وجہ سے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی پرچم کشائی مغربی پاکستان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ اور مشرقی پاکستان میں علامہ ظفر احمد عثمانی ؒ کے مبارک ہاتھوں سے کرائی تھی اور یہ چیز تحریک پاکستان کی تاریخ کا جز بن چکی ہے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں سب سے پہلے جس عظیم ہستی نے قوی اوراہم آواز بلند کی وہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی آواز تھی پھران کے بعد دوسرے بزرگ علامہ شبیر احمد عثمانی ہیں جن کی مساعی تحریک پاکستان کے ضمن میں اتنی وقیع اورگراں بہا ہیں کہ کوئی مؤرخ ان کا تذکرہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا اس ضمن میں یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ تحریک پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کے ساتھ ساتھ بے شمار تلامذہ نے بھی شب وروز کام کیا یہ تلامذہ گرامی برصغیر پاک وہند کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے تھے ان سب کا نام بنام تذکرہ کیا جائے تو بلاشبہ ایک عظیم دفتر مرتب ہوسکتا ہے یہاں صرف گذشتہ سطور میں چندممتاز تلامذہ کا نام لیا گیا ہے۔ان کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے تمام خلفاء اپنے شیخ معظم کی طرح تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے دل سے حامی تھے جنہوں نے قیام پاکستان کیلئے شبانہ روز عملی جدوجہد کی۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا طبعی میلان یکسوئی کے ساتھ تصنیف وتالیف، تعلیم وتربیت اور اصلاح امت وہدایت خلق کی طرف تھا اس لئے عملی طور پر سیاسی اور ملکی تحریکوں میں براہ راست حصہ لینے کی نوبت نہیں آئی اور نہ آپ کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے البتہ جب کبھی ملک میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی تو آپ اس کے بارے میں ایک ماہر شریعت عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت سے فقیہانہ نظر بصیرت ڈال کر نتائج وعواقب واضح کرتے اور ملت کی علمی اودینی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہ فرمایا آل انڈیا نیشنل کانگریس شروع میں ایک اعتدال پسند جماعت تھی لیکن بعد میں ظاہر ہوگیا کہ اس کی کاروائیوں سے مسلمانوں کے مفادات کو زبردست نقصان پہنچ سکتا ہے تو حضرت تھانویؒ نے مسلمانوں کومشورہ دیا کہ وہ اس سے الگ رہیں اور اپنے آپ کو تعلم کیلئے وقف کردیں اوران کی دلیل یہ تھی کہ کانگریس میں چونکہ اکثریت غیرمسلموں کی ہے

اس لئے اس جماعت کی اصلاح ناممکن ہے حضرتؒ کے خیال میں کانگریس کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ تھی کہ کچھ مسلمان اس میں شریک تھے۔ فرمایا:

ہندوؤں کی پچاس سالہ مردہ کانگریس کو مسلمانوں نے زندہ کیا جب تک مسلمانوں نے شرکت نہ کی تھی کسی نے کانگریس کا نام نہ سنا تھا اگر خدانخواستہ یہ جماعت ہندوستان میں برسر اقتدار آ گئی تو یہ بھی ہندوستان میں وہی کرے گی جو بالشویک کر رہے ہیں۔

اس زمانہ میں جمعیت علماء ہند کا اجلاس دہلی میں ہوا حضرت مولانا تھانویؒ کو بھی شرکت کی دعوت ملی جواب میں تحریر فرمایا:

واقعات نے مجھے اس رائے پر بہت پختہ کر دیا ہے کہ مسلمانوں خصوصاً علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا بہت ضروری ہے علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنی چاہئے اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی اپنی موت کے مترادف ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ہم کانگریس میں شرکت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے اور ہمارا غلبہ ہو۔ اگر مقصود واقعی یہ ہے تو اس کا حصول مسلم لیگ میں زیادہ آسان ہے کیونکہ مسلم لیگ والے اتباع کیلئے آمادہ ہیں چنانچہ مسلم لیگ کے بڑے بڑے ارکان نے مجھے لکھا ہے کہ ہم حضرات علماء کی رائے کی اتباع کیلئے تیار ہیں اور کانگریسی تو خود اپنا تابع بناتے ہیں ان پر غلبہ پانا مشکل ہے۔

غرضیکہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ ہمیشہ سے مسلمانوں کی الگ تنظیم کے حامی رہے اور کانگریس کی سخت مخالفت کی حتیٰ کہ جب تک مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا اس وقت تک حضرتؒ نے مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیا اور جب مسلم لیگ کانگریس سے الگ ہوئی تب حضرت نے اعلانیہ مسلم لیگ کی حمایت فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ خاص تھے وہ بھی سیاسی مسلک اور سیاسی نظریات میں اپنے شیخ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے مسلک کی سختی سے پابندی کرتے تھے اور کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت اور اس کے نظریہ متحدہ قومیت کے بہت سخت مخالف تھے اسی لئے سیاسی اور دینی امور میں حضرت تھانویؒ آپ سے مشورہ

طلب فرماتے اور کسی جماعت یا سیاسی شخصیت سے گفتگو کیلئے حضرت تھانویؒ اپنی جانب سے آپ ہی کو بھیجا کرتے تھے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کیلئے جو وفود حضرت تھانویؒ کی جانب سے روانہ کئے جاتے تھے ان میں حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ کو بھی شریک کیا جاتا تھا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ منعقدہ ۲۶ ردسمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت تھانویؒ نے ایک تبلیغی وفد روانہ کیا جس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری، مولانا شبیر علی تھانویؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے علاوہ مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ بھی شامل تھے۔

اس وفد نے قائداعظم کو نماز کی تلقین کی اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ کا اجلاس دو بجے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ سب صاحبان نماز پڑھیں قاضی شہر کی امامت میں قائداعظم سمیت کوئی ایک لاکھ افراد نے نماز ادا کی۔

اسی طرح دوسری جنگ عظیم شروع ہونے پر گورنمنٹ نے اسمبلی میں ہندوستان کی طرف سے فوجی امداد دینے کا ایک بل پیش کیا جو ''آرمی بل'' کے نام سے مشہور ہے اس کی کانگریس نے بڑی مخالفت کی مگر قائداعظم نے اس کی حمایت کی اس پر قائداعظم اور مسلم لیگ کے خلاف کانگریس نے آسمان سر پر اٹھالیا اور قائداعظم کو بدنام کرنا شروع کر دیا اس واویلا کا اثر خانقاہ تھانہ بھون تک بھی جا پہنچا اور کانگریس زدہ لوگوں نے آرمی بل کی آڑ میں حضرت تھانویؒ کو قائداعظم سے برگشتہ کرنے کیلئے طرح طرح کی چالیں چلنی شروع کر دیں، مسلسل پروپیگنڈے سے حضرتؒ کو بھی کچھ تشویش ہوئی مگر حقیقت حال سے آگاہ ہوئے بغیر آپ نے کوئی اعلان شائع کرنے سے انکار کر دیا اور ایک وفد جو مولانا شبیر علی تھانویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ پر مشتمل تھا قائداعظم کی خدمت میں دہلی بھیجا کہ ان سے معلوم کرے کہ انہوں نے آرمی بل کی حمایت کن وجوہات کی بنا پر کی۔ وقت مقررہ پر یہ وفد دہلی پہنچ گیا وفد نے قائداعظم سے آرمی بل کی حمایت کی وجوہات دریافت کیں قائداعظم نے تفصیل سے علماء کے اس وفد کو بل کی حمایت کی جو وجوہات بیان کیں ان کی تفصیل ''سیرت اشرف'' میں دیکھی جاسکتی ہیں یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے اپنے پیرومرشد کے سیاسی مسلک کے تحت تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی مکمل حمایت کی اور مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے مطابق

مسلم لیگ کے زعماء کو تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا (ماخوذ از کتاب تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین)

﴿ فائدہ ﴾

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سیاسی افکار و نظریات سے متعلق آپ کے دس مضامین عالیہ پر مشتمل کتاب ''افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ'' کے نام سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مرتب فرمائی تھی اس میں ''علماء کیلئے مشورہ'' کے عنوان سے حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کی ایک قلمی تحریر کو بھی درج کیا گیا ہے۔ جس سے سیاسی مسائل میں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب قدس سرہ کی دلچسپی، اصابت رائے اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا آپ پر اعتماد واضح ہے آپ کی وہ تحریر یہ ہے:

﴿ نقل تحریر قلمی ﴾

جو مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہ کے قلم سے ہے مگر حضرت اقدس کی اصلاحات اس پر ثبت ہیں۔

علماء کیلئے مشورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل علم کا کسی سیاسی جماعت میں با قاعدہ شامل ہونا تو مضرت و مفسدہ دینیہ سے خالی نہیں لیکن ان کیلئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ اشاعت احکام دینیہ کیلئے ایک جماعت بناویں جو نہایت مستعدی اور کامل خلوص و تواضع کے علاوہ نہایت دلسوزی و شفقت کے ساتھ مسلمانوں کو احکام دین کا پابند بنانے کی سعی کرے کیونکہ زیادہ تباہی مسلمانوں کی اسی وجہ سے ہے کہ وہ دین سے دور ہو گئے ہیں اس قسم کی جماعت کیلئے حضرت اقدس کے سوا کسی سے سعی کی امید نہیں لیکن نظم و نسق کا کام الجھن سے بھی خالی نہیں نیز اس جماعت کیلئے مصارف کثیرہ کی ضرورت ہے اور اس کا انتظام بدوں تحریک چندہ دشوار ہے اس واسطے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کوئی معتمد عالم بالکل حضرت اقدس کی منشاء کے موافق خانقاہ سے الگ خود اسی قصبہ میں یا دوسری جگہ (جیسی مصلحت ہو) جماعت قائم کریں اور ان ناظم صاحب کی امداد و نگرانی کے واسطے خاص حضرت سرپرستی فرماویں اور حضرت والا مدفیوضہم اس جماعت پر اعتماد کا اعلان فرماویں اس طرح ان شاء اللہ نفع بے حد ہوگا اور حضرت مدظلہم کی طبیعت پر بار بھی نہ ہوگا۔ انتھیٰ .... (افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۶۶)

ہجرت پاکستان اور سیاسی خدمات

۱۹۴۷ء کے عظیم انقلاب کے نتیجہ میں مسلمانوں نے ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی اس سلسلہ میں انہیں نے کس قدر مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں یہ ایک خونچکاں داستان ہے جس کیلئے دفتر بھی ناکافی ہے اس ہجرت کا مقصد ایک اسلامی ملک میں قیام اور نظام اسلام سے متمتع اور بہرہ ور ہونا تھا اس سلسلہ میں ہر طبقہ نے تحریک پاکستان کی کامیابی کیلئے انتھک جدوجہد اور کوشش کی جس کے نتیجہ میں ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء ۲۶/رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ جمعۃ المبارک کے روز ایک عظیم اسلامی مملکت پاکستان کے نام سے معرض وجود میں آئی۔ انتقال آبادی اور ہجرت کا عمل بڑا ہی صبر آزما مرحلہ تھا مسلمانوں کو اس ہنگامہ سے دوچار ہونے میں بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت مفتی صاحبؒ سفر پر تھے کہ اچانک حالات انتہائی خراب ہو گئے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو راستہ میں شہید کیا جانے لگا راستے میں بدامنی عام ہو گئی آپس میں روابط بھی منقطع ہو گئے شاہ آباد ضلع کرنال سے حضرت والد صاحبؒ نے تھانہ بھون سہارنپور دیوبند وغیرہ خطوط لکھ کر حضرت مفتی صاحب کا پتہ کیا سب جگہ سے یہی جواب ملا کہ اس وقت ان کے بارہ میں علم نہیں کہ وہ کہاں ہیں اس سے اور بھی تشویش بڑھ گئی اسی پریشانی میں قافلہ پاکستان کیلئے روانہ ہوا حضرت والد صاحب مع برادر خورد جناب سید عبدالعلیم شاہ صاحب ٹرین میں سوار ہو کر لاہور پہنچے دسویں محرم الحرام ۱۳۶۷ھ کا روزہ بھی تھا راستہ میں افطار کیا بفضل خداوند کریم قافلہ لاہور پہنچا سامان ہندوستان اسٹیشن پر ہی چھوڑ دیا جو بعد میں ایک نوجوان نے پہنچایا لاہور میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب سے رابطہ کیا اور اپنے والد گرامی کے متعلق دریافت کیا ابھی تک یہاں بھی ان کی کوئی اطلاع نہ تھی کچھ عرصہ کے بعد حضرت مفتی صاحب لاہور پہنچ گئے آپ ہند سے پاکستان تشریف لائے ادھر سے قافلہ کے ذریعہ دیگر اقرباء بھی لاہور میں آملے راستہ میں نانا جان جناب عبدالرحیم صاحب قصور پہنچ کر انتقال فرما گئے اور نانا جی عبدالحی صاحب بھی شدید زخمی حالت میں ہسپتال تھے حضرت مفتی صاحب نے تمام صورتحال کا جائزہ لیا اور سب اقرباء کا پتہ کر کے ان کو تسلی دی اور ان کی سہولت کیلئے کچھ انتظامات فرمائے آپ کچھ دنوں بعد سرگودھا منتقل ہوئے اور یہاں کے علماء سے رابطہ کیا اور ایک مکان بلاک نمبر ۱۸ میں آپ نے لے لیا اس طرح آپ نے سرگودھا رہنے کا فیصلہ فرمایا اور کچھ دنوں بعد اپنے فرزندان گرامی کو بھی

یہیں بلالیا سرگودھا سے پھرآپ ساہیوال تشریف لے آئے۔۲رفروری ۱۹۴۸ءکوساہیوال میں پہلی مرتبہ تشریف آوری ہوئی۔حضرت مفتی صاحبؒ زیادہ تر مہاجرین کی آبادکاری کےسلسلہ میں جدوجہد فرماتے رہے اوراس بارہ میں انہیں خاصی مصروفیات رہیں اکثر وبیشتر سرگودھا قیام فرماتے متعلقہ افسران سے ملاقات وگفتگوبھی رہتی گروٹ اور ساہیوال دوجگہ کیلئے تحریری طور پرآپ کواختیار دے دیا گیا تھا کہ جسے چاہیں ان میں آپ آباد کریں زیادہ تر رائے ساہیوال کی ہوئی چنانچہ آپ کےحکم سے کچھ گھر ساہیوال آ گئے اور یہیں آباد ہوئے۔آپ نے ایک مکان سرگودھا میں لے لیا تھا رہائش اسی میں رہی ساہیوال سے برابر رابطہ تھا یہاں کئی رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مہاجرین کی فلاح وبہبود کیلئے انجمن مہاجرین بنائی جس کے صدرآپ خود تھے سوا سال کےعرصہ میں آپ نے ہر چیز کانقشہ بدل کے رکھ دیا انتہائی محنت اورکوشس سے یہ سب کام سرانجام دیئے آپ کا پروگرام تھا کہ ایک وسیع دارالعلوم بنایا جائے اس کیلئے جگہ کاانتخاب بھی فرما چکے تھے مگر قدرت کومنظور نہ تھا ساہیوال میں ایک جگہ عارضی طور پرآپ نے اس کام کیلئے الاٹ کرالی تھی مگر وہاں کام شروع نہ ہوسکا۔

ساہیوال میں آپ کا قیام منڈی قصاب کےقریب ایک مکان میں تھا جوآپ کی وفات کے بعد اولاد امجاد کوملا۔ساہیوال میں پہلا جمعہ آپ نے تیلیاں والی مسجد میں ادا کیا تقریرآپ کےحکم سے والدصاحبؒ نے فرمائی اور جمعہ پڑھایا حضرت والدصاحب وہاں ڈیڑھ سال تک جمعہ پڑھاتے رہے اس دوران رمضان المبارک میں قرآن کریم مکمل ہونے کے موقع پرحضرت مفتی صاحب کا بیان بھی ہوا جو بہت ہی مفید اور مفصل تھا اس بیان میں آپ نے سید احمد کبیر رفاعی مرحوم کامشہور واقعہ بھی بیان فرمایا تھا تقریباً دوگھنٹہ بیان جاری رہا۔ایک تقریرآپ کی سبزمنڈی میں بھی ہوئی یہ تقریر مرحوم بانی پاکستان قائداعظم کی وفات کے سلسلہ میں تھی۔اسی دوران جناب مولانا عبدالستار صاحب نیازی خلافت گروپ کےسلسلہ میں دورہ کرتے ہوئے یہاں پہنچے حضرت مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے چوک سبزمنڈی میں تقریر کی اس تقریب میں ابتداءً حضرت مفتی صاحب نے بھی شرکت فرمائی لیکن چونکہ ان دنوں آپ علیل تھے اس لئے آخرتک نہ بیٹھ سکے۔

چونکہ آپ سیاست میں بھی خاص مہارت رکھتے تھے اورحضرت اقدس تھانویؒ کی تربیت میں سیاسی خدمات انجام بھی دے چکے تھے یہاں بھی آپ نے اس میں سرگرم حصہ لیا اورمسلم لیگ کی

بھرپور تائید کی دسمبر ۴۸ء میں پہلا الیکشن پرائمری مسلم لیگ کا ہوا اس میں آپ نے خاص دلچسپی لی یونی نسٹ نمائندہ کا آپ نے مقابلہ کیا فریق مخالف کو منہ کی کھانی پڑی اور آپ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اس کی دلچسپ تفصیلات حضرت اقدس والد صاحب سے بارہا سننے کا موقع ہوا یہاں کے مقامی حلقہ میں پرانے حضرات بڑے مزے سے اس کا ذکر کرتے ہیں حضرت مفتی صاحب نے الیکشن کے دن موقع پر ہی فریق مخالف کی درخواست پر اعتراض کر کے یہاں کے خوانین کو مبہوت کر دیا یہ صورت حال ایسی عجیب تھی کہ کسی کو اس کا تصور بھی نہ تھا الیکشن آفیسر نے آپ کے مدلل اعتراض کو تسلیم کرتے ہوئے صلح کی تجویز پیش کی کیونکہ فریق مخالف پر جب اعتراض ہوا تو مسلم لیگ کی طرف سے ہی ایک معزز شخصیت مسلم لیگ کے نمائندہ جناب پیر محمد شاہ صاحب مرحوم کے مقابلہ میں آ گئی حضرت نے فرمایا کہ اب مقابلہ صحیح ہے ہم ڈٹ کر الیکشن میں حصہ لیں گے لیکن صلح کی تجویز مان لی گئی اور صدر مسلم لیگ ضلع سرگودھا ثالث تجویز ہوئے انہوں نے حضرت مفتی صاحبؒ سے معذرت کرتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ مجھے گھریلو مجبوری ہے میں پیر محمد شاہ کے مدمقابل کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتا حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ درست ہے آپ ان کے حق میں فیصلہ لکھ دیں کیونکہ آپ مجبور ہیں لیکن پھر ہمیں بھی اس کے خلاف اپیل کا حق ہوگا ہم اس فیصلہ کو چیلنج کر دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت نے اس فیصلہ کو چیلنج کر دیا جس پر ثالثی فیصلہ توڑ دیا گیا دوبارہ الیکشن ہوا آپ نے پیر محمد شاہ صاحب مرحوم کو کامیاب کرا کے کاروائی لاہور بھیج دی جسے منظور کر لیا گیا یوں آپ نے مسلم لیگ کے نمائندہ جناب پیر محمد شاہ صاحب بخاری کو کامیاب کرا کے پہلی مرتبہ یونی نسٹ اور ان کے حامیوں کو شکست فاش دے کر تاریخ کے ایک نئے باب کی بنیاد ڈال دی جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

غرضیکہ ہجرت کے بعد ساہیوال سرگودھا میں آپ کا قیام تقریباً سوا سال ہوا لیکن اس عرصہ میں آپ نے جو محنت کی وہ حیرت انگیز ہے اپنے مشن میں دن رات آپ نے ایک کر دیا تھا بعض اوقات آپ ۲۳ میل کا طویل سفر ساہیوال سرگودھا پیدل فرما لیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عرصہ حضرت مفتی صاحبؒ کو یہاں عطا فرمایا اس میں گوناں گوں مصروفیات وخدمات کے علاوہ علمی حلقوں میں آپ کی بصیرت وفقاہت اور دانائی کو تسلیم کیا گیا اور یہاں کے کہنہ مشق حضرات میں آپ کا تعارف بہتر طریقہ سے ہوا، اور آپ کے کردار نے ان شخصیات پر گہرا اثر ڈالا۔

سفر آخرت و تعزیتی پیغامات

بالآخر حسب دستور اور مسلمہ قانون الٰہی کل نفس ذائقة الموت، و کل من علیها فان آپ کو بھی موت کا ذائقہ چکھنا پڑا جس سے کسی بشر اور متنفس کو مفر نہیں یہاں آ کر آپ نے جس طرح بے آرامی میں وقت گذارا اس کی روئیداد آپ کے سامنے ہے اس جدوجہد کے نتیجہ میں آپ کی صحت گرتی چلی گئی ڈاڑھی اور سر کے بال بھی مکمل سفید ہو گئے اور بینائی میں بھی کافی فرق پڑ گیا حالانکہ آپ کی عمر ۵۳ سال تھی جبکہ دیکھنے والوں کو ستر اسی سے کم نظر نہ آتی تھی۔

بیماری کا پہلے معمولی سلسلہ شروع ہوا پھر بخار واسہال نے کمزور کر دیا ایک ہفتہ اسی شدید عارضہ میں مبتلا رہے بالآخر بزم اشرف کا یہ چراغ ۸ مئی ۱۹۴۹ء ۹ ؍ رجب المرجب ۱۳۶۸ھ شب گیارہ بجے بجھ گیا۔ یوں آپ نے اپنے پسماندگان کو داغ مفارقت دے کر سب کو یتیم کر دیا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

وفات رات کو ہوئی صبح فجر کے بعد جنازہ گاہ میں آپ کا جنازہ آپ کے لائق فرزند جانشین فاضل دیوبند حضرت مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ نے پڑھائی اسی قصبہ کے قبرستان (جو شفیع قبرستان کے نام سے مشہور ہے) میں آپ کی تدفین عمل میں آئی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

پسماندگان میں دو بیٹے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور عم مکرم ومحترم جناب ماسٹر سید عبدالعلیم ترمذی مدظلہ چھوڑے عم مکرم ومحترم کی عمر اس وقت صرف ۱۳ سال تھی جبکہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی ۲۷ سال۔

آپ کی وفات ایک قومی حادثہ تھا عرصہ تک تعزیت کا سلسلہ چلتا رہا ہر ایک نے رنج وغم کا اظہار اپنے اپنے تعلق کی بنا پر حسب مرتبہ کیا بطور خاص یہ حادثہ آپ کے اعزہ کیلئے نہایت صبر آزما تھا۔ آپ کا تعلق ہندوستان کے دینی علمی مرکز دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

تھانہ بھون سے بہت ہی گہرا تھا۔

پاکستان میں بھی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، سب ہی حضرات سے تعلقات وشناسائی تھی ان حضرات نے بھی آپ کے حادثہ وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا اسی طرح متعلقین میں جہاں یہ خبر وحشت اثر پہنچی وہاں سے تعزیت کی گئی۔

﴿ چند تعزیتی پیغامات ﴾

حضرت مفتی صاحبؒ کی شخصیت علمی حلقوں میں خاصی متعارف تھی آپ کی عادت اگر چہ ہمیشہ یہ رہی کہ کام ہو جائے مگر شہرت نہ ہو اسی لئے آپ ہر طرح کوشش کرتے کہ میرا نام نہ آئے لیکن اس کے باوجود بقول ؎ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ اس سے عیاں ہے کہ برصغیر پاک وہند کے عظیم علمی تاریخی کارناموں کا تذکرہ جب بھی تاریخ میں کیا جاتا ہے تو لازمی طور پر ایک منصف مزاج مؤرخ آپ کے تذکرہ پر مجبور ہو جاتا ہے ذالك فضل اللّٰہ یؤ تیہ من یشاء۔

آپ کی وفات کا حادثہ کوئی ایسا حادثہ نہ تھا جسے عام حادثہ شمار کیا جاتا بلکہ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا اسے سب نے محسوس کیا اور آپ کی وفات کو قومی المیہ قرار دیا گیا۔

تعزیتی سلسلہ کے چند خطوط ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں تا کہ آپ کو برصغیر کے جید علماء کرام کے تأثرات کا آپ کے متعلق علم ہو اور یہ کہ ان کی نگاہ میں حضرت کی کیا منزلت اور قدر تھی۔

﴿1﴾ حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ برادرزادہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ

زندگی بے کیف ہے بے رنگ تیرے بغیر — نام بھی جینے کا گویا ننگ ہے تیرے بغیر
وسعت گردوں سے چشمک زن تھی جسکی وسعتیں — آج وہ دنیا بھی کیسی تنگ ہے تیرے بغیر
تو نہیں ہے تو چمن بھی ہے اک اجڑا سا کھنڈر — برگ گل بھی مجھ کو خشت وسنگ ہے تیرے بغیر

جو سکوں آباد رہتا تھا جو ار قلب میں — آہ وہ صد میل و صد فرہنگ ہے تیرے بغیر
سانس گو رک رک کے آتا ہے پر آتا ہے ابھی — زندگی جینے کا عذر لنگ ہے تیرے بغیر
اب نہ احساس مسرت ہے نہ کچھ احساس غم — دل کے آئینہ پہ بھی اک زنگ ہے تیرے بغیر
یاس کی ظلمت الم کی چارسو تاریکیاں — صبح نور افروز بھی شب رنگ ہے تیرے بغیر

عزیزیم سلمکم اللہ تعالیٰ وعافاکم..............................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل شام تمہارا الم نامہ ملا پڑھ کر دل پر چوٹ لگی تمہاری تنہائی کا خیال آیا اور اشعار بالا زبان پر جاری ہوگئے حسب حال تھے جی چاہا کہ تمہیں بھی سنادوں اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرما کر جوار رحمت میں لے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔والسلام............خستہ جگر شبیر علی تھانوی۔

﴿2﴾ حضرت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ بانی جامعہ دارالعلوم کراچی

آپ کے عنایت نامہ سے حادثہ جانکاہ برادر محترم اخی فی اللہ مولانا عبدالکریم صاحبؒ کی وفات کا معلوم ہوکر عالم آنکھوں میں تاریک ہوگیا حسرت رہ گئی کہ پاکستان میں جمع ہوجانے کے باوجود سال بھر میں کہیں بھی ملاقات نہ ہوسکی اور خط و کتابت بھی منقطع رہی......آہ کہ دفعتاً برادر محترم کی وفات نے ساری امیدوں پر پانی ڈال دیا۔اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

ایسے علماء کی وفات تو درحقیقت ایک قومی حادثہ ہے تنہا آپ کی کیا تعزیت کریں مگر پھر آپ اور آپ کے برادر خورد کی بے کسی کا خیال کر کے دل ڈوبا جاتا ہے اللہ تعالیٰ آپ دونوں بھائیوں کو اپنے فضل ورحمت سے نوازیں اور تمام آفات ومصائب سے محفوظ رکھیں والد محترم کے علم کا حظ وافر عطا فرمائیں۔

حضرت مولانا عثمانی (حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جو حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی اصابت رائے کے مداح اور قائل تھے)اور مولانا احتشام الحق صاحب بھی بہت مغموم ومتأثر ہیں تعزیت فرماتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ اور پسماندگان کو صبر جمیل

عطا فرماویں۔.................................... بندہ محمد شفیع عفی عنہ ۲۲ رجب

﴿3﴾ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ

صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند (ہند)

جناب مولانا عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے وصال کی خبر آپ کے والا نامہ سے معلوم ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ وارضاہ آمین۔

.... ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۵ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

﴿4﴾ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس دارالعلوم دیوبند

آپ کے خط سے حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب کے سانحہ ارتحال کی اطلاع ہوئی سخت صدمہ ہوا مگر صبر کے سوا چارہ کار نہیں مرحوم خیالات کے اختلاف پر سب سے بااخلاق بزرگانہ پیش آیا کرتے تھے۔ میں نے ابوداؤد کے سبق کے بعد ان کیلئے تمام طلبہ سے دعاء مغفرت کرائی اور جس قدر ہوسکا ایصال ثواب بھی کیا۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماوے آمین۔.............................. محمد اعزاز علی غفرلہ از دیوبند ۲۱ رجب ۱۳۶۸ھ

﴿5﴾ مخدوم العلماءؒ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نوراللہ مرقدہ

بانی جامعہ خیر المدارس ملتان

مجی حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کے فوت ہونے کا بے حد صدمہ ہوا حق تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرماویں آپ کو جزائے خیر وصبر جمیل شامل رکھیں از حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب ومولانا عبدالشکور صاحب مضمون واحد تحریر ہے اور سلام مسنون۔

....خیر محمد عفی عنہ از خیر المدارس ملتان شہر ۲ شعبان ۶۸ھ

﴿6﴾ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند

مخدوم ومحترم جناب مفتی صاحب کی وفات سے از حد صدمہ اور قلق ہوا حق تعالیٰ شانہ مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم کو اور آپ کو صبر جمیل اور اجر جزیل کی نعمت سے سرفراز فرمائے آمین ثم آمین۔... محمد ادریس غفر اللہ لہ

﴿7﴾ مخدوم العلماءٔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق ناظم جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور

آپ کے عنایت نامہ سے حضرت مفتی صاحب کے وصال کا حال معلوم کر کے بہت صدمہ ہوا حضرت ممدوح میرے بہت قدیمی محسن ومخلص تھے میرے شریک اسباق تھے مدتوں ایک ساتھ قیام ہوا تھا خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں اللہ آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے   یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

فقط...................................محمد اسعد اللہ

﴿8﴾ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ

سابق سرپرست جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد یو۔پی (ہندوستان)

بندہ مع متعلقین بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت ہے آنعزیز کا خط پہنچا جناب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے ایک خاص ملال ہوا اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائیں آپ صاحبان کو صبر جمیل نصیب ہو یہاں مدرسہ میں ختم قرآن پاک کرا دیا گیا اللہ تعالیٰ قبول فرماویں۔

مولوی سلیم اللہ ومولوی رفیق صاحبان کو اطلاع کر دی بیچارے وہ بھی خاص غمگین نظر آئے اظہار ملال وافسوس کیا۔...احقر مسیح اللہ

قطعات تاریخیہ

از حضرت اقدس مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ سابق مفتی خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون

☆

مفتی عبد الکریم محترم　　فاضل بے مثل اور شیخ عظیم

کر گئے رحلت تو ہے تاریخ یہ　　ذی المکارم مفتی عبدالکریم

۱۹۴۹ء

☆

جناب مفتی عبد الکریم آج　　سوئے ملک عدم ہوتے ہیں راہوار

''مشیخت پایہ'' ہے تاریخ رحلت　　مگر اس وقت ہیں ''مطلوب غفار''

۱۳۶۸ھ　　۱۳۶۸ھ

☆

برائے کتبہ

فردوس مکاں مفتی عبدالکریمؒ

۱۳۸۶ھ

☆

نوٹ: حضرت مفتی صاحبؒ کے تفصیلی حالات کیلئے احقر کی تالیف کردہ کتاب ''تذکرہ حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ '' کی طباعت کا انتظار فرمائیں۔

وہ فقیہ العصر یعنی مفتی عبد الشکور   نسبت علم وہدایت میں وہ مثل کوہ طور
وہ کریم الخلق ابن مفتی عبدالکریمؒ   خانقاہ اشرفیؒ کا وہ گل بوئے شمیم

(عارف تھانوی)

حیات ترمذیؒ

فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

کے

حالات طیبہ اور آپ کی دینی خدمات

مرتبہ

صاحبزادہ مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ
فاضل دارالعلوم دیوبند و بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کے حالات طیبہ، دینی، علمی، فقہی، سیاسی
خدمات نیز سلوک وتصوف اور تزکیہ باطن سے متعلق گرانقدر افادات پر مشتمل مجموعہ۔

کلمات طیبات

مرجع الخلائق حضرت اقدس نواب محمد عشرت علی خان صاحب قیصر مدظلہم (اسلام آباد)

بعد الحمد والصلوٰۃ: عرض ہے کہ ''میخانہ اشرف'' کے دیرینہ بادہ کش سب رخصت ہوگئے باقی جو ہیں وہ بھی پابہ رکاب ہیں۔

جب بھی تصور میں ان کی یاد آتی ہے چشم تر صورت پیمانہ چھلک جاتی ہے

اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو بقاء دوام عطا فرماتے ہیں ۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد زعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اسلاف کے سوانح حیات، ان کے تذکرے، قصص وارشادات، متاخرین طالبین کیلئے نمونۂ تقلید ہوتے ہیں اور ذریعۂ اصلاح اعمال بن جاتے ہیں، چنانچہ ہمارے اکابرین مرحومین کے حالات وواقعات قلمبند کرنے کا سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔ بقیۃ السلف، فقیہ العصر، شیخ کامل، عارف باللہ حضرت مفتی مولانا سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کی باقیات صالحات بصورت ابلاغ رشد وہدایت اصلاح اخلاق واعمال، تصنیفات وتالیفات، درس وتدریس وتعلیمات، مواعظ وملفوظات، تلقین وتذکیر وتقویٰ وطہارت سلوک ومعرفت بہ رضاء حق تا قیامت انشاء اللہ تابندہ وپائندہ رہیں گے۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کو صحبت اہل اللہ میسر نہ ہوسکے وہ اولیاء صادقین کے حالات وواقعات وافادات وغیرہ کا مطالعہ کرتا رہے یہ صحبت کے قائم مقام ہے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی باقیات صالحات کے قبیل سے ان کے پسماندگان میں اولاد صالح بفضلہٖ تعالیٰ خدمت دین میں مشغول ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ تلامذہ وخدام اور منتسبین جنہوں نے حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کے مکتب عشق میں شریعت وطریقت کا سبق پڑھا ہے۔ الحمدللہ مفتی محمد شاکر سلمہ زید علمہ نے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات مرتب کی ہے بحیثیت نقش اول قابل تحسین ہے، استاد مکرم سے عقیدت ومحبت کی آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف سلمہ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور حضرت سید صاحبؒ کے اقوال وافعال سے استفاضہ اور عمل کی توفیق نصیب کرے۔ آمین

راقم بندہ ناچیز محمد عشرت علی خان قیصر عفی عنہ اسلام آباد ۲۰ رصفر ۱۴۲۳ھ

مکتوب گرامی

فقیہ العصر صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم رئیس جامعہ دارالعلوم کراچی

عزیز محترم مولانا سید عبدالقدوس ترمذی صاحب حفظہ اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

راحت نامہ مورخہ ۱۴۲۳/۳/۲۹ھ نظر نواز ہوکر باعث مسرت ہوا۔ آپ کے جذبات محبت سے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے، اس خط سے اور زیادہ ہوئی۔

ہمارے برادر بزرگوار یادگار سلف حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب قدس سرہ کی ''سوانح حیات'' کا کام معلوم ہوکر دل بہت خوش ہوا، واقعی اس کی ضرورت ہے کہ بزرگوں کے حالات وواقعات اور ملفوظات ہی وہ نعمت ہیں جو فیض حاصل کرنے والوں کیلئے ایک درجہ میں ان کی صحبت کے قائم مقام ہوسکتے ہیں۔

آپ نے ناچیز کو بھی حضرت سے متعلق کچھ لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے، خود میرا بہت دل چاہتا ہے لیکن کچھ تو لکھنے کے سلسلے میں شروع ہی سے سست ہوں اور کچھ عرصہ دراز سے مشاغل کے جس سیلاب میں بہہ رہا ہوں وہ لکھنے نہیں دیتا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ناچیز کا جو والہانہ تعلق تھا اور خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مجھ ناچیز سے جو خاص شفقت تھی اس کی ایک طویل وحسین داستان ہے، ایک دور زندگی ہے، اسے الفاظ میں کیسے سمیٹوں، کہاں سے مہلت نکالوں؟ یہ سوچ کر سوائے حسرت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ تاہم کچھ بھی موقع مل گیا اور کچھ لکھ سکا تو انشاء اللہ پیش خدمت کردوں گا، ورنہ میرے اس عریضہ ہی کو حضرت کی ''سوانح حیات'' پر لکھی جانے والی کتاب میں کسی جگہ لگادیجئے کہ اس مبارک کتاب سے کسی درجہ میں تو وابستہ ہوجاؤں۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کامل مغفرت فرماکر درجات عالیہ سے نوازے اور ہم پسماندگان کو صبر جمیل اور فلاح دارین عطاء فرمائے اور کتاب کو مسلمانوں کیلئے زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔

واللہ المستعان .... والسلام .... محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی

۳ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۵/جون ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات حضرت ترمذی قدس سرہ

سرودے رفتہ باز آید نہ آید　　نسیمے از حجاز آید نہ آید

سر آمد روزگارے ایں فقیرے　　دگر دانائے راز آید نہ آید

ولادت باسعادت

حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ کی ولادت باسعادت اپنی ننھیال موضع اردن ریاست پٹیالہ میں ۱۱ر رجب المرجب ۱۳۴۱ھ بمطابق مارچ ۱۹۲۳ء کو ہوئی آپ کی نانی محترمہ نے ''عبدالشکور'' نام رکھا وہ فرماتی تھیں مجھے یہی نام اچھا لگتا ہے چنانچہ سب نے اسی کو پسند کیا اور آپ کو اسی نام سے شہرت حاصل ہوئی آپ کا تاریخی نام ''مرغوب النبی'' ہے جس سے آپ کا سن ولادت ۱۳۴۱ھ نکلتا ہے۔ یاد رہے کہ آپ کے شیخ علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ کا تاریخی نام ''مرغوب النبی'' ہے جس سے حضرت کا سن ولادت ۱۳۱۰ھ برآمد ہوتا ہے تاریخی نام میں اتنا اشتراک واقتران یقیناً نیک فال ہے گذشتہ اوراق میں خاندان وطن اور اہم علمی شخصیات کا ذکر آپ حضرات پڑھ چکے ہیں آپ اسی خاندان ذی شان کے چشم و چراغ تھے ننھیال کا تعلق بھی نسبی اعتبار سے سادات سے تھا اس طرح آپ نجیب الطرفین نسبی حسبی شرافت سے مشرف تھے و ذالك فضل اللّٰه یوتیه من یشاء۔

بچپن اور آغاز تعلیم

ولادت کے بعد دو سال تک آپ کی والدہ محترمہ اپنے والدین کے ہاں موضع اردن ریاست پٹیالہ میں رہیں جب والد ماجد حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی خدمات سے فارغ ہو کر خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں مقیم ہوئے تو پھر آپ بھی والدین کے ساتھ تھانہ بھون قیام پذیر ہو گئے یہ ۱۳۴۳ھ کی بات ہے اس کے بعد ۱۳۴۶ھ میں جب حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ معین الاسلام کیلئے آپ کے والد ماجد کو صدر مدرس تجویز فرمایا اور ایک سال تک ان کا قیام وہاں رہا تو آپ بھی قصبہ نوح میں والد ماجد کے ساتھ رہے اور اسی

مدرسہ میں نورانی قاعدہ سے آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا قاعدہ آپ نے یہیں پڑھا۔

ایک یادگار واقعہ

اس زمانہ کا ایک واقعہ آپ اکثر سنایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ چونکہ مدرسہ کے سرپرست تھے آپ نگرانی کیلئے مدرسہ میں تشریف لاتے اور طلبہ کا امتحان بھی لیتے ایک مرتبہ انہوں نے طلبہ کا امتحان لیا اور مجھ سے بھی فرمایا کہ تم بھی کچھ سناؤ میں نے دوسرے پارہ کا رکوع یاایھاالذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ سنا دیا استاذ محترم بھی موجود تھے وہ بڑے حیران ہوئے حضرت مولانا مرحوم بہت خوش ہوئے اور مجھے ایک روپیہ انعام دیا اس وقت چونکہ ایک دو پیسہ انعام دیا جاتا تھا اس لئے ایک روپیہ بہت بڑا انعام تھا بعد میں استاد صاحب نے فرمایا کہ تم تو قاعدہ پڑھتے ہو تم نے یہ رکوع کیسے سنا دیا تو میں نے کہا کہ آپ جب طلبہ کو اس رکوع کی مشق کراتے تھے میں دور سے سن کر یاد کرتا تھا اس طرح مجھے بھی یہ رکوع یاد ہو گیا اس پر وہ بھی بہت خوش ہوئے آپ اکثر یہ واقعہ سنا کر نہایت خوشی سے فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم باقاعدہ رجسٹرڈ ہیں اور حضرت مولانا کے انعام یافتہ ہیں۔

ابتدائی تعلیم اور ناظرہ وحفظ

آپ کے والد گرامی قصبہ نوح کے مدرسہ معین الاسلام سے پھر خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون تشریف لے آئے آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ امدادالعلوم میں ہوئی پہلے خلیفہ حضرت حافظ اعجاز احمد صاحب تھانوی مرحوم سے آپ نے ناظرہ قرآن کریم پڑھا اور اس کے ساتھ ماسٹر عبدالقادر صاحب بنگالی سے اردو املا اور حساب کی تعلیم حاصل کی اور حضرت مولانا سراج احمد صاحب امروہی سے خانقاہ کا نصاب بہشتی زیور وغیرہ پڑھا ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرنا شروع فرمایا اڑھائی سال کی مدت میں حفظ مکمل ہوا رجب المرجب ۱۳۵۵ھ میں آپ حفظ وناظرہ اور ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوئے اور اس طرح بچپن میں ہی سالہا سال آپ کو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے دربار عالی میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت خلیفہ جی رحمہ اللہ

حضرت خلیفہ جی مرحوم طلبہ کو قرآن کریم خوب پختہ کرانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے جن

خوش قسمت افراد نے آپ سے حفظ کیا ان کو بہت یاد ہوتا تھا چنانچہ حضرت والد صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ جب میرا حفظ مکمل ہوا تو خلیفہ جی نے فرمایا کہ ماشاءاللہ تعالیٰ اسے خوب یاد ہے یہ سارا قرآن کریم ایک ہی دفعہ میں سنا سکتا ہے لیکن عمر چھوٹی تھی اس لئے رمضان المبارک میں سنانے کی بجائے سننا پڑا آپ کے استاذ محترم حضرت خلیفہ اعجاز احمد صاحب تھانویؒ عرصہ دراز سے مدرسہ امداد العلوم میں قرآن کریم کی تدریس کے فریضہ پر مامور تھے اس کے علاوہ بھی وہ بہت سے امور سر انجام دیتے تھے خانقاہ میں مقیم باہر کے حضرات کا کھانا بھی تیار فرماتے اور خانقاہ کے حجروں کا انتظام بھی کرتے تھے خانقاہ کا ماہانہ ترجمان ''النور'' کے اوراق طبع ہو کر آتے تو انہیں بھی رسالہ کی صورت میں مرتب فرماتے غرضیکہ بہت سے کام آپ سے متعلق تھے اس کے باوجود تعلیم میں ذرا کمی نہیں آنے دیتے تھے آپ حفظ کے طلبہ کا سبق خود سنتے اور جب تک سبق خوب یاد نہ ہوتا آگے نہ پڑھاتے منزل بھی اپنی مرضی سے جو پارہ چاہتے سنتے اس لئے طالب علم کو پڑھے ہوئے تمام پارے مکمل یاد رکھنے ہوتے اسے اختیار نہ تھا کہ وہ ترتیب سے روزانہ ایک ایک پارہ سنائے بلکہ حضرت خلیفہ جی کی مرضی پر تھا اس طرح طالب علم کو منزل خوب یاد رہتی تھی تعلیم کے دوران طلبہ کی تربیت اور ان کو طریقہ تدریس بھی سکھاتے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ مجھے آپ نے ''قاعدہ'' پڑھانا خود سکھایا تھا اور پھر مجھ سے قاعدہ پڑھواتے بھی تھے۔

خانقاہ اشرفیہ کا نظام تربیت

مدرسہ امداد العلوم خانقاہ اشرفیہ میں ہی قائم تھا اس لئے وہاں تعلیم کے ساتھ تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا حضرت والد صاحب قدس سرہ اپنے والد ماجد کے ساتھ جس مکان میں مقیم تھے اس مکان کی دیوار حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بڑے مکان کے ساتھ مشترک تھی اور اس میں ایک چھوٹا دروازہ آمدورفت کیلئے کھلا ہوا تھا اس لئے آپ کی آمدورفت حضرتؒ کے ہاں کثرت سے تھی حضرت اقدس حکیم الامتؒ کی خاص شفقت وعنایات بھی آپ پر مبذول رہتی تھیں اور حضرتؒ آپ کی تربیت کا بھی خصوصی خیال فرماتے تھے۔

تربیت کا ایک واقعہ

اس ضمن میں اکثر حضرتؒ اپنا یہ واقعہ بڑے اہتمام سے سناتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت

اقدس حکیم الامت تھانویؒ عشاء کیلئے وضوفرمارہے تھے اور گرمی کے موسم میں ہم کئی بچے حضرتؒ کو دستی پنکھا جھولا کرتے تھے اب اس پر ہماری ضد بن گئی کہ وضو کے بعد حضرتؒ کا لوٹا کون اٹھا کر اس کی مقررہ جگہ پر رکھے میں نے جلدی کی اور لوٹا اٹھانا چاہا مگر فوراً ہی محسوس ہو گیا کہ ابھی ایک پاؤں دھلنے سے رہ گیا ہے حضرتؒ نے بھی اس عاجلانہ خدمت کو محسوس فرمالیا اور اس پر خوب ڈانٹا اور تنبیہ فرمائی جس سے ساری عمر کیلئے سبق مل گیا۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تربیت کا ایک اور واقعہ بھی حضرتؒ نے بارہا سنایا اور اسے یوں قلم بند بھی فرمایا کہ:

ایک مرتبہ حضرتؒ وضوفرمارہے تھے اور اس ناکارہ کا گذر حضرتؒ کے پاس سے حوض کی پٹڑی پر ہوا تو حضرتؒ نے آواز دے کر فرمایا کہ جاؤ دیکھو مولوی شبیر علی اپنے کمرے میں ہیں یہ احقر گیا مولانا شبیر علی صاحب اپنے کمرے میں نہیں تھے میں نے واپس آ کر حضرتؒ سے عرض کیا کہ وہ نہیں ہیں مگر یہ اس انداز سے کہا کہ حضرتؒ اس سے سمجھے کہ مولانا اپنے کمرے میں موجود ہیں فرمانے لگے کہ میرے ساتھ آؤ اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے صحیح طریقہ سے بات نہیں کی دوبارہ واضح طور پر عرض کیا کہ وہ نہیں ہیں تو حضرتؒ نے اس پر خوب تنبیہ فرمائی کہ کلام میں احتیاط بہت ضروری ہے جب دوسرا آدمی بات کو سمجھا نہیں تو کلام مفید کیسے ہوا اس لئے بات صاف کرنی چاہئے تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے آپ کے ہاں ایذا مسلم سے بچانے کا جو اہتمام تھا وہ کسی سے مخفی نہیں حضرتؒ نے یہ تنبیہ سب کے سامنے فرمائی جس سے سب کو سبق مل گیا اس کیلئے اپنی سنتوں کو بھی قدرے تاخیر سے ادا فرمایا اگلے روز پھر اسی طرح ہوا کہ میں وہاں سے گذر رہا تھا حضرتؒ وضوفرمارہے تھے پھر وہی بات ارشاد فرمائی میں نے جا کر دیکھا تو مولانا شبیر علی صاحب اس روز کمرہ میں موجود تھے میں نے آ کر صاف طور پر واضح انداز میں عرض کیا کہ وہ موجود ہیں حضرتؒ خوش ہوئے اور مسرت سے فرمایا کہ ''ہاں یوں بولا کرتے ہیں'' حضرتؒ کے ان الفاظ کی لذت آج تک مجھے محسوس ہوتی ہے پھر فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ ایک کو پن اور رقم دی فرمایا کہ مولوی شبیر علی سے کہو کہ اسے مدرسہ کے حساب میں لکھ لیں اور پھر مجھے آ کر اطلاع بھی کرو میں نے مولانا شبیر علی صاحب سے جا کر ساری بات

حضرتؒ کی نقل کردی انہوں نے وہ رقم رجسٹر میں درج کرلی لیکن ابھی رقم لکھ کر قلم نہیں اٹھایا تھا کہ ازخود فرمایا کہ جا کر بڑے ابا کو بتادو کہ رقم لکھ لی ہے چنانچہ میں نے آ کر عرض کردیا۔اس پر حضرت والدصاحب قدس سرہ اس واقعہ کو سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ دیکھنے میں تو یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اس سے حضرت اقدس تھانویؒ کی بچوں پر شفقت وعنایت ان کو کلام مفید و غیر مفید کا فرق سکھانا نیز کام کرکے اطلاع دینا اس قسم کے بہت سے سبق حاصل ہورہے ہیں مزید یہ کہ شان تربیت کا اہتمام بلیغ باوجود یکہ آپ کے ہاں دو مستقل ملازم وخادم با تنخواہ موجود تھے لیکن آپ نے ان سے یہ کام نہیں لیا بلکہ ایک بچہ کی تربیت کیلئے چوبیس گھنٹے تک اس کام کو مؤخر فرمایا تاکہ اس کی عملی اصلاح ہوسکے اور آئندہ وہ ایسی غلطی نہ کرے اس سے بڑھ کر حضرتؒ کی شفقت وعنایت کیا ہوگی آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کی اس ڈانٹ سے ساری عمر کا سبق مل گیا اور یہ سب حضرتؒ کی تربیت ہی کا نتیجہ ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خاص شفقت

آپ پندرہ سال کی عمر میں جب فارسی کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ نے والد ماجدؒ کے ہمراہ ۱۳۵۶ھ میں حج کیلئے مکہ معظّمہ کا سفر کیا وہاں سے واپسی پر جب حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ خانقاہ تھانہ بھون میں حاضر ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ تھے فرماتے تھے کہ:

خوب یاد ہے کہ گرمی کا زمانہ تھا ظہر کے وضو کیلئے حضرت اقدس حکیم الامت لوٹا اٹھائے ہوئے اپنی سہ دری سے خانقاہ کے کنویں کی طرف تشریف لا رہے تھے اور بدن مبارک پر کرتہ نہیں تھا ادھر سے ہم دونوں باپ بیٹا سہ دری کی طرف جارہے تھے درمیان میں ملاقات ہوگئی حضرت والد صاحبؒ نے معانقہ فرمایا اس ناکارہ نے بھی سلام عرض کرکے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تم نے کیا خطا کی اس ناپاک کو بھی اپنی طرف کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

حضرت تھانوی کی شفقتیں اور عنایتیں ہر وقت آپ کو حاصل رہتی تھیں اور از راہ شفقت وعنایت حضرتؒ تربیت بھی فرماتے تھے کسی کام کی ضرورت محسوس فرماتے تو پچدرہ میں خود تشریف لاکر خلیفہ جی سے فرماتے کہ عبدالشکور کو بھیج دو۔

ایک مرتبہ حضرتؒ نے بلاکر فرمایا کہ عبدالشکور تم لوٹے میں پانی لاؤ اور میں یہ کپڑا دھوتا ہوں تم میرے ناخن پر پانی ڈالو تاکہ متعلقہ حصہ پر ہی پانی رہے اس سے تجاوز نہ کرے حضرت والدصاحبؒ

فرماتے تھے کہ حضرت نے اس طرح ہماری تربیت فرمائی یہ ان کا ہم پر احسان ہے حضرت پیرانی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ جن کو بڑی اماں کہتے تھے وہ بھی شفقت فرماتی تھیں تعویذ وغیرہ کیلئے بھی بھیج دیتیں ایک مرتبہ آپ کو تعویذ کیلئے بھیجا کہ جاؤ بخار کے دو تعویذ لاؤ آپ نے جا کر حضرتؒ سے عرض کر دیا کہ بخار کے دو تعویذ دیدیں حضرتؒ نے پہلے بیٹھے ہوئے صاحب سے فرمایا کہ دیکھا تعویذیوں مانگا کرتے ہیں اس نے حضرتؒ سے تعویذ تو مانگا مگر یہ نہیں بتایا کہ کس چیز کا تعویذ چاہئے حضرتؒ اس کو ڈانٹ رہے تھے جب والد صاحبؒ نے پوری بات بتا کر تعویذ طلب کیا تو حضرتؒ نے اس کو تنبیہ فرمائی، حضرت اقدسؒ کے ہاں اس طرح تعویذ طلب کرنے پر بھی تنبیہ فرمائی جاتی تھی فرماتے کہ جب تم ٹکٹ لینے بابو کے پاس جاتے ہو تو کیا کہتے ہو سہارنپور کا ٹکٹ دیدو وہاں یہ نہیں کہتے کہ ٹکٹ دیدو تو یہاں اتنا کہنا کیسے کافی ہوگا کہ تعویذ دو جس مقصد کیلئے تعویذ چاہئے اس کی وضاحت ہونی چاہئے ورنہ پوچھنے پر وقت ضائع ہوگا اور اس طرح دوسرے کو تکلیف بھی ہوتی ہے حضرتؒ نے سوال وجواب کی اس تکلیف سے بچنے کیلئے ایک مرتبہ طے فرمایا کہ ہر تکلیف سے حفاظت کا میں ایک تعویذ لکھدیا کروں گا اس میں پوچھنا نہیں پڑے گا چنانچہ کچھ عرصہ اس پر عمل ہوتا رہا مگر لوگوں نے اس سے یہ اثر لیا کہ حضرتؒ کو مرض کا خود بخود علم ہو جاتا ہے اس لئے نہیں پوچھتے مولانا شبیر علی صاحب نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ اس سے عوام کے فساد اعتقاد کا اندیشہ ہے حضرتؒ نے سن کر فرمایا کہ استغفر اللہ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ سوال وجواب کی کلفت اٹھالی جائے عوام کے عقائد تو خراب نہ ہوں گے اس لئے پھر دوبارہ یہی طریقہ شروع فرمادیا۔ حضرت حکیم الامتؒ کی شفقت وعنایت کا ایک واقعہ آپ کے نکاح کا بھی ہے جسے نکاح کے عنوان میں ذکر کیا جائے گا۔

﴿ فارسی تعلیم کی تکمیل اور سفر حجاز ﴾

پندرہ سال کی عمر میں آپ نے فارسی کی کتابیں اپنے والد صاحبؒ سے مکمل فرمالیں تھیں اس وقت فارسی کی کتب میں کئی رسائل ایسے پڑھائے جاتے تھے جن کا اب رواج نہیں ہے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک رسالہ ''حمد باری منظوم'' بھی ہمیں پڑھایا گیا تھا جس میں مختلف زبانوں کے الفاظ اور لغات جمع تھیں ایک کاپی پر اس کی مشق بھی کی جاتی تھی اور جن الفاظ کا صرف ایک زبان میں ترجمہ بتایا گیا تھا لغت سے دیکھ کر دوسری زبانوں کے الفاظ بھی اس کاپی میں جمع کئے گئے تھے اس

طرح مختلف زبانوں کا ایک عمدہ مجموعہ تیار کرلیا گیا تھا ''حمد باری'' رسالہ مولانا عبدالسمیع رام پوری نے لکھا تھا ''انوار ساطعہ'' بدعات کی تائید میں انہیں کی کتاب ہے جس کا رد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے ''البراھین القاطعہ'' کے نام سے تحریر فرمایا تھا موصوف حضرت شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ سے بیعت تھے مگر بدعات کی طرف رجحان زیادہ تھا عالم ہونے کے ساتھ بڑے اچھے شاعر بھی تھے ''بیدل'' تخلص رکھتے تھے حضرت والد صاحب قدس سرہ حمد باری کے یہ اشعار اکثر سنایا کرتے تھے اور بڑی تفصیل وتشریح بھی فرماتے تھے:

حمد باری لکھ کے اور نعت رسول — جو لکھے بیدل کرو دل سے قبول

سجدہ ماتھا ٹیکنا جھکنا رکوع — عبد بندہ عاجزی کرنا خشوع

مولانا عبدالسمیع رام پوری کا یہ شعر بھی بہت مشہور ہے جوانہوں نے مولوی کی تعریف میں لکھا ہے:

علم مولیٰ ہو جسے ہے مولوی — جیسے حضرت مولوی معنوی

سنت وبدعت کے فرق اور اس سلسلہ میں مغالطات کے ازالہ کیلئے ''البراھین القاطعہ'' اپنے موضوع پر بہت زبردست کتاب ہے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے جو شخص اس کو سمجھ کر اس کے اصول اور مضامین کو یاد کرلے وہ کبھی بھی بدعت کے معاملہ میں پریشان نہیں ہوسکتا سنت وبدعت کا امتیاز اس کیلئے بہت آسان ہو جاتا ہے حضرت سہارنپوریؒ نے یہ کتاب لکھ کر حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کو سنائی تھی حضرت گنگوہیؒ کی مکمل تائید اسے حاصل ہے حضرت سہارنپوریؒ نے ''البراھین القاطعہ'' میں مولانا عبدالسمیع رام پوری کی کتاب ''انوار ساطعہ'' کو اول سے آخر تک مکمل نقل فرما کر اس کا رد کیا ہے یہ حضرت سہارنپوریؒ کی کمال دیانت داری اور انتہائی انصاف پسندی ہے کہ آپ نے انوار ساطعہ کے صرف اقتباس نقل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا کیونکہ اس سے بعض دفعہ بات پورے طور پر واضح نہیں ہوتی اور جس کا رد کیا جاتا ہے اسے اعتراض کا موقع بھی ملتا ہے حضرتؒ کے اس طرز بدیع سے یہ سب شبہات بھی دور ہوجاتے ہیں اور منصف قاری کے سامنے دونوں پہلو مکمل طور پر آجاتے ہیں اس طرح اسے حق سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ فللّٰہ درہ

پہلے حج کا بصیرت افروز واقعہ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب فارسی کی تعلیم مکمل فرمالی تو احقر کے جد امجد

حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی قدس سرہ کا پروگرام مع اھل وعیال سفر حج کا بن گیا حضرت دادا جانؒ اس سے قبل ۱۳۵۳ھ میں ایک حج کر چکے تھے اس مرتبہ گھر والوں کے ساتھ حج کا ارادہ تھا حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ سے بھی اس بارہ میں مشورہ کیا اور دعا کی درخواست فرمائی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دوٹکٹوں کا انتظام ہوگیا احقر کے چچا محترم کی عمر اس وقت ڈیڑھ سال تھی اس لئے ان کے ٹکٹ کی ضرورت نہ تھی حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ حج کا یہ پروگرام میرے علم میں نہیں تھا اچانک ایک رات حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ تھانہ بھون سے واپسی پر راجپورہ تشریف لے آئے انہوں نے دوران گفتگو ذکر فرمایا کہ تمہارے والدین حج پر جارہے ہیں حضرتؒ کی مجلس میں اس کا تذکرہ ہورہا تھا کہ دوٹکٹوں کا انتظام ہوگیا ہے حضرت والد صاحب نے استفسار فرمایا کہ میرے بارہ میں تذکرہ نہیں ہوا حضرتؒ نے فرمایا نہیں غالباً اس کا انتظام نہیں ہوا ہوگا حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے تشریف لے جانے کے بعد فوراً حضرت والد صاحبؒ نے اس سلسلہ میں کوشش کی اور والدین سے کہا کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں گا انہوں نے عدم انتظام کا عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنا انتظام خود کیا ہوا ہے، آپ کو بچپن میں والدین کی طرف سے جو ایک پیسہ روزانہ ملتا تھا اسے حج فنڈ کے نام سے جمع فرماتے رہے چنانچہ اس وقت جب غلہ کھول کر رقم شمار کی گئی تو کل ۳۵ روپے بنے جبکہ حج کیلئے ایک طرف کا کرایہ بھی ۲۵۰ روپے مطلوب تھا لیکن آپ کی طلب صادق اور سچا جذبہ دیکھ کر والدین مکرمین انتہائی متاثر ہوئے اور آپ کی کیفیت دیکھ کر ان کے دل پر بہت اثر ہوا بالآخر انہوں نے یہی فیصلہ فرمایا کہ ان کو بھی ساتھ ہی لے جانا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہی کوئی سبب اس کا پیدا فرمائیں۔ایک صاحب سے جب اس واقعہ کا تذکرہ آیا تو انہوں نے ڈھائی سو روپے دینے کا وعدہ کرلیا یوں حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کے حج کا سامان بننا شروع ہوگیا اس وقت چونکہ یک طرفہ ٹکٹ بھی مل جاتا تھا اس لئے حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے واپس آنے کی ضرورت نہیں مجھے بے شک وہاں چھوڑ دینا اگر واپسی کا انتظام نہ ہوا تو یہ کوئی ضروری نہیں ہے، میں واپس نہیں آؤں گا بہر حال اس یک طرفہ انتظام سے بھی بہت خوشی ہوئی اور یہ قافلہ راجپورہ سے روانہ ہوا کراچی قیام کے بعد جدہ کا سفر شروع ہوا ایک ہفتہ میں جہاز بخیر وخوبی جدہ پہنچ گیا وہاں سے اونٹ پر مکہ معظّمہ داخلہ ہوا کراچی پہنچے تو یہ عجیب صورت حال پیش آئی کہ دو کمپنیوں کا

کرایہ کے سلسلہ میں مقابلہ ہوگیا اور آمد و رفت کا ٹکٹ ڈھائی سو میں مل گیا اللہ تعالیٰ نے ایسی غیبی مدد اور دستگیری فرمائی کہ اس طرح تمام حضرات کے ٹکٹ بھی ہو گئے اور اس کے باوجود کافی رقم بھی بچ گئی چھ مہینہ آپ کا قیام مکہ معظّمہ میں ہوا حج اور بہت سے عمروں کی دولت بھی حق تعالیٰ نے نصیب فرمائی آپ فرماتے تھے کہ اس سفر میں میں نے تنعیم مسجد عائشہ سے بہت عمرے کئے یہ مکہ معظّمہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہیں سے احرام باندھ کر عمرہ کیا تھا مسافت کے اعتبار سے یہ سب سے چھوٹی میقات ہے فرماتے تھے کہ میں نے اپنے تمام اکابر اور اساتذہ کیلئے الگ الگ عمرے کئے تھے اور مکہ معظّمہ سے تنعیم کا سفر پیدل ہوتا تھا اس وقت سہولتیں بہت کم تھیں سفر پیدل یا اونٹ پر ہوتا تھا ادھر مطاف میں کنکریاں تھیں شدت گرمی کی وجہ سے وہ خوب گرم ہو جاتا تھا جس پر چلنا نہایت دشوار تھا مگر عشق ومحبت اور ایمان کی قوت وحرارت سے یہ تمام مراحل آسان ہو گئے آپ کا یہ حج پندرہ سال کی عمر میں ہوا یہ ۱۳۵۶ھ کا واقعہ ہے اس سال امام الدعوۃ والتبلیغ حضرت شیخ مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مع حضرت مولانا محمد یوسف وحضرت مولانا انعام الحسن صاحب حج فرمایا تھا اس طرح چھ مہینہ تک مکہ معظّمہ میں ان حضرات کی رفاقت کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا حضرت دادا جان قدس سرہ سے چونکہ حضرت اقدس مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا خاص تعلق تھا اس لئے آپ پر خصوصی شفقت وعنایت فرماتے تھے حضرت کاندھلویؒ اور احقر کے دادا حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ نے چونکہ ایک عرصہ دراز تک میوات کے علاقہ میں دعوت وتبلیغ کا کام مل کر کیا تھا اور پھر مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح میں بھی دادا جانؒ ایک سال صدر مدرس رہے اور اسی طرح جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں بھی ان بزرگوں کی جدوجہد مشترکہ ہی تھی اسی لئے حضرت کاندھلویؒ کا آپ پر بے حد اعتماد تھا فرماتے تھے کہ آپ بہت کام کے آدمی تھے لیکن ہمیں اکیلا چھوڑ کر آ گئے حضرت مولاناؒ اکثر اس پر افسوس فرماتے تھے۔

چھ ماہ مکہ معظّمہ میں قیام کے بعد آپ مدینہ منورہ چلے گئے وہاں آٹھ ماہ قیام رہا آپ کے والد ماجد کو مدرسہ علوم شرعیہ میں مدرس رکھ لیا گیا اور آپ بھی اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے ابتدائی عربی کتب والد ماجد سے اور تجوید جناب قاری اسعد صاحب سے پڑھی اور قرآن کریم کی مشق بھی کی شیخ القراءؒ قاری حسن شاعر مسجد نبوی میں المقدمۃ الجزریہ کا درس دیا کرتے تھے آپ کو اس میں

بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی وہاں کے ماحول میں رہنے سے ابتدائی عمر میں ہی آپ کو عربی زبان بولنے اور لکھنے میں خوب مہارت ہوگئی اس لئے آپ بلاتکلف عربی بولتے حتی کہ وہاں کے حضرات حیران ہوکر کہتے ھذا ولد العرب اس زمانہ میں میزان الصرف منشعب پندرہ یوم میں آپ نے مع تمرین مکمل کی اور سفر حجاز سے آپ کی واپسی دوسرے حج کے بعد ہوئی پہلے حج میں والدہ محترمہ اور والد صاحب ساتھ تھے دوسرے حج میں حضرت والد محترم نے فرمایا کہ میں الگ حج کروں گا تم اپنی والدہ کے ساتھ حج کرو اس طرح دوسرا حج والدہ کی معیت میں کیا اس مبارک سفر کی مختصر روئیداد جو آپ نے بارہا بیان فرمائی احقر نے اسے ۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ کو قلم بند کرلیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے:

دوسرے حج کی مختصر روئیداد

مورخہ ۱۴؍ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ (بمطابق ۱۷؍جنوری ۱۹۳۸ء سوموار) راجپورہ سے روانگی ہوئی اور براستہ بھٹنڈا کراچی پہنچے۔ ۲۱؍ذیقعدہ کو کراچی سے المدینہ جہاز میں جدہ روانگی ہوئی سات دن میں یہ جہاز جدہ پہنچا۔ جدہ سے مکہ معظّمہ تک دو یوم لگے راستہ میں ایک منزل پر قیام کیا دوسرے دن یکم ذوالحجہ کو مکہ معظّمہ میں داخلہ ہوا دو دن کا یہ سفر اونٹوں پر ہوا۔ یکم ربیع الاول ۱۳۵۷ھ (بمطابق ۲؍مئی ۱۹۳۸ء) مدینہ منورہ روانگی ہوئی اونٹوں پر یہ سفر بارہ دن میں مکمل ہوا اس طرح ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۵۷ھ کو مدینہ منورہ حاضری ہوئی یہاں رباط ٹونک میں باب المجیدی کے سامنے قیام ہوا ذی القعدہ ۱۳۵۷ھ کے آخر میں حج کے لئے مکہ معظّمہ واپسی ہوئی اور حج کے بعد صفر المظفر ۱۳۵۸ھ میں بذریعہ جہاز الہند کراچی واپسی ہوئی اور وہاں سے راجپورہ آ گئے حج کے لئے یہیں سے روانگی ہوئی تھی۔

مدرسہ علوم شرعیہ میں ابتدائی عربی تعلیم کے بعد آپ کی واپسی کا وقت آ گیا حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مدرسہ کے بانی و مہتمم تھے انہوں نے فرمایا کہ عبدالشکور کو یہیں چھوڑ جاؤ ہم اسے عالم بنا کر بھیج دیں گے آپ اس کے لئے مکمل تیار تھے مگر والدہ محترمہ کے اصرار پر واپس آنا پڑا اسی دوران آپ کی نانی محترمہ کا انتقال ہوا اس لئے آپ کی والدہ کا تقاضہ جلدی واپسی کا ہوا آپ کی نانی اپنی بیٹی کو مسلسل سفر میں رہنے کی وجہ سے ''میری مسافر بیٹی'' کہا کرتی تھیں۔ غفر اللہ لہما

عربی تعلیم

عربی تعلیم کی ابتدا مدینہ منورہ مدرسہ علوم شرعیہ میں ہوچکی تھی وہاں سے واپسی پر راجپورہ

ریاست پٹیالہ کے عربی مدرسہ میں داخلہ لیا یہ مدرسہ آپ کے والد ماجد قدس سرہ کے اہتمام میں چل رہا تھا یہاں آپ نے مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کے برادر صغیر حضرت مولانا سمیع اللہ خان صاحب علی گڑھی سے عربی کتب نحو میں ہدایۃ النحو تک فقہ میں منیۃ المصلی، نور الایضاح منطق میں رسالہ صغریٰ کبریٰ، تیسیر المنطق اور ادب میں مفید الطالبین، روضۃ الادب اور نفحۃ العرب اور صرف مکمل پڑھی جبکہ صرف ونحو میں جناب حضرت مولانا مشتاق احمد چرتھاولی کے بعض رسائل بھی پڑھے اس کے بعد انبالہ چھاؤنی کے مدرسہ معین الاسلام میں حضرت مولانا متین خطیب اور شیخ الہند قدس سرہ کے شاگرد رشید حضرت مولانا مبین صاحب رحمۃ اللہ علیہما سے کتب عربیہ متوسطہ قدوری، کنز الدقائق، کافیہ، شرح جامی، شرح تہذیب، اصول الشاشی، نور الانوار، نفحۃ الیمن پڑھیں۔
سبعہ قراءت کی مشہور و مستند مایہ ناز کتاب ''شاطبیہ'' جو ۱۱۷۳/ اشعار پر مشتمل قراءت سبعہ میں حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے اور علم قراءت کے بدائع ونوادرات کے ساتھ ادب اور لغت عربی کا بھی عظیم شاہکار ہے یہ کتاب بھی آپ نے اسی دوران اپنے والد ماجد سے پڑھی اس میں آپ کے ساتھی حافظ محمد سلیمان بھی شریک تھے اور اس کا سبق ہر ہفتہ جمعہ کے دن ایک روز اس طرح ہوتا کہ کبھی تو آپ شاہ آباد مدرسہ حقانیہ میں جا کر سبق پڑھتے اور کبھی حضرت والد ماجد انبالہ چھاؤنی تشریف لا کر سبق پڑھاتے آپ فرماتے تھے کہ اس طرح ایک سال میں شاطبیہ مکمل ہوگئی اور ہمیں علم قراءت سے خاص شغف اور محبت پیدا ہوگئی حضرت والد مرحوم کا بھی یہی مقصد تھا کہ انہیں شوق پیدا ہوجائے تا کہ پھر یہ اس علم کی باقاعدہ تحصیل کے بعد تکمیل کرسکیں۔

﴿ تکمیل علم قراآت ﴾

انبالہ چھاؤنی میں عربی کی متوسط کتب مکمل ہوئیں صرف نحو، منطق، علم ادب، فقہ وغیرہ میں جب خوب مہارت ہوگئی اور ساتھ ہی شاطبیہ بھی پڑھ لی گئی تو آئندہ سال کی تعلیم کے متعلق آپ کو حضرت والد ماجد کی طرف سے یہی حکم ملا کہ درس نظامی کی تکمیل بعد میں ہوجائے گی شاطبیہ کے بعد اب بہتر یہ ہے کہ اس علم کی باقاعدہ تکمیل کر لی جائے چنانچہ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ میں والد ماجدؒ خود آپ کو لے کر شیخ القراء حضرت قاری محی الاسلام صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے اور فرمایا کہ میں ان کو آپ کے پاس لے کر آیا ہوں آپ انہیں سبعہ پڑھائیں اور اجراء بھی کرادیں شاطبیہ

میں نے ان کو سبقاً پڑھادی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ دوبارہ آپ سے بھی پڑھ لیں حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ مفتی صاحب آپ کے آنے سے بہت خوشی ہوئی میں اگرچہ رمضان المبارک میں پڑھایانہیں کرتا لیکن آپ کی وجہ سے ان کو پڑھاؤں گا آپ چھوڑ جائیں اس طرح آپ وہاں مقیم ہوئے اور حضرت شیخ القرأ نے رمضان المبارک میں بھی آپ کو پڑھایا شاطبیہ بھی دوبارہ مکمل حضرت موصوف سے پڑھی اور بطریق جمع الجمع پورا قرآن کریم الحمد تا والناس سبعہ میں آپ کو سنایا اور شاطبیہ کے طرز پر رموز میں حضرت الاستاذ کے مصحف سے پورا قرآن کریم نقل بھی کیا آپ فرماتے تھے کہ روزانہ چار گھنٹے مسلسل سبق ہوتا تھا حضرت الاستاذ بڑھاپا نقاہت اور ضعف کے باوجود پورے چار گھنٹے ایک ہی ہیئت پر تشریف رکھتے کبھی بھی انہوں نے ہیئت تبدیل نہیں فرمائی قرآن کریم سے انہیں بہت ہی عشق تھا اللہ تعالیٰ نے دینی وجاہت کے ساتھ دنیوی وجاہت سے بھی نوازا تھا۔

حضرت شیخ القرأ قاری محی الاسلامؒ

پانی پت کے آپ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے باطنی اور ظاہری غنا کی دولت سے مشرف تھے طلبہ کو گھر سے کھلا کر پڑھاتے تھے پڑھانے کے اس قدر حریص تھے کہ گھر سے بار بار بلایا جاتا کہ کھانا کھالیں آپ یہ فرما کر ''آؤں'' طلبہ سے کہتے اور سناؤ قرآن کریم سننے میں مشغول ہوجاتے اس طرح انہیں کھانے پینے کی بھی پروانہ ہوتی تھی بعض اوقات ضرورت کیلئے بازار جانا ہوتا تو طلبہ کو ساتھ لیجاتے کہ تعلیم کا حرج نہ ہو آتے جاتے راستہ میں قرآن کریم سنتے رہتے ،ایک مرتبہ گھر سے کہا گیا کہ جانوروں کے چارہ میں ڈالنے کیلئے بھوسہ ختم ہے اس کا انتظام کردیں آپ اپنی زمین پر تشریف لے گئے طلبہ کو ساتھ لیا اور ان سے آتے جاتے اور زمین پر پہنچ کر وہاں بھی قرآن کریم سنتے رہے خادم جو مقرر تھے وہ بھوسہ تیار کر کے لے آئے اس دوران بھی آپ نے قرآن کریم کی تعلیم وسماعت کا مشغلہ جاری رکھا حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب دوسرا رمضان آیا تو میں نے کہا کہ حضرت آپ حفص کے علاوہ کسی دوسری روایت میں قرآن کریم تراویح میں سنائیں فرمانے لگے کہ حاجی جی آج کل لوگوں کو شوق نہیں ہے کون سنے گا حضرت والد صاحبؒ نے وہاں کی بڑی مساجد کے آئمہ اور قرأ سے بات کی وہ چونکہ سب کے سب حضرت کے شاگرد تھے انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور بصد شوق اس کے لئے تیار ہوگئے چنانچہ روایت قالون میں آپ نے اس بڑھاپے اور

ضعف کے عالم میں پورا قرآن کریم تراویح میں بڑے عمدہ لہجہ میں مکمل فرمایا شہر کی تمام مساجد کے امام اور حضرتؒ کے تلامذہ اپنی تراویح میں سے کچھ رکعتیں چھوڑ کر آتے اور باقی تراویح آپ کے پیچھے ادا کرتے حضرتؒ عام طور پر تراویح گھر میں ادا فرماتے اور وہیں قرآن کریم بھی سناتے تھے لیکن حضرت والد صاحبؒ کی فرمائش پر اس مرتبہ پانی پت کی بڑی مسجد میں تراویح میں بروایت قالون قرآن کریم سنایا جس سے سب کو انتہائی خوشی اور مسرت ہوئی یہ حضرت موصوف کی قرآن کریم سے عشق و محبت کی واضح دلیل ہے۔

حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ کو آپ نے بڑی محنت اور محبت و شوق سے پڑھایا ایک منزل جب مکمل ہوئی تو بعض عوارض کی وجہ سے حضرت والد صاحبؒ پانی پت سے واپس شاہ آباد آ گئے تھے پھر صحت ہونے پر دوبارہ حاضری ہوئی اور پہلے سال تقریباً پندرہ پارے مکمل فرمائے اس کے بعد عقل ڈاڑھ نکلنے کی وجہ سے منہ میں سخت تکلیف ہوئی کئی دن تک بولنا بھی بند رہا پانی پت میں ہی علاج ہوا حضرت اقدس قاری صاحبؒ کو بھی اس کا خاص خیال تھا کہ علاج اہتمام کے ساتھ ہو ایک مرتبہ بالا خانہ جس میں حضرت والد صاحبؒ بیماری کی حالت میں مقیم تھے تیمارداری کیلئے خود تشریف لے گئے حضرتؒ کے زینہ کے ذریعہ بالا خانہ پر تشریف لانے کا احساس جب حضرت والد صاحبؒ کو ہوا تو انہوں نے اپنے ساتھی کو زینہ کی طرف اشارہ کیا اس نے فوراً جا کر سہارے سے حضرتؒ کو بالا خانہ پر پہنچایا حضرت نے بہت تسلی دی اور تیمارداری کی، ساتھ ہی فرمایا کہ حاجی جی اللہ تعالیٰ کو یونہی منظور تھا کہ تم سبعہ اس وقت پڑھو جب تمہاری عقل کامل ہو جائے تا کہ سمجھ کر پڑھو اس لئے گھبرانے کی ضرورت نہیں میں نے اپنے لڑکے کو کہہ دیا ہے وہ تمہارے لئے دوا لائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ جلد صحت ہو جائے گی آپ کی شفقت و عنایت کے بہت سے واقعات ہیں اکثر حضرت بڑے مزے لے کر سنایا کرتے تھے،

امام اہل سنت حضرت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ساتھی تھے دونوں حضرات نے حضرت علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ کے شاگرد علامہ عین القضاۃ سے پڑھا تھا آپس میں بہت گہرے تعلقات تھے دسویں محرم کو پانی پت میں جلسہ ہوا کرتا تھا حضرت والد صاحبؒ کے زمانہ طالب علمی میں محرم الحرام کی دسویں کے جلسہ پر حضرت لکھنویؒ تشریف لائے تھے ان کی پہلی مرتبہ زیارت اسی جلسہ میں ہوئی حضرتؒ کا وعظ بھی سنا ان کے بیان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ چاہے کسی بھی

موضوع پر تقریر فرماتے لیکن اپنے بیان میں نماز کا کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور بیان فرماتے تھے چنانچہ دسویں محرم کے اس جلسہ میں بھی انہوں نے رد رافضیت کے ساتھ نماز کے عنوان پر بڑا موثر بیان فرمایا تھا۔

تکمیل سبعہ پر تاریخی تقریب

پانی پت میں دوسرے سال قرآن کریم کا آخری حصہ پڑھا گیا تکمیل کے موقع پر ایک پر وقار مگر سادہ تقریب کا اہتمام بھی کیا گیا حضرت اقدس قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ کے والد صاحب کو بھی اس میں بلا لیا جائے چنانچہ اس تقریب میں وہ بھی تشریف لے آئے حضرت اقدس امام القرأ قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ اور شہر کے تمام قرأ اس تقریب میں شریک ہوئے ''معوذتین'' سبعہ میں پڑھی گئیں ختم کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے مختصر بیان کیا اور اس میں فرمایا کہ میں نے بہت سے طلبہ کو سبعہ پڑھائی ہے لیکن عبدالشکور کو بہت محنت سے پڑھائی اس طرح محنت کے ساتھ بہت کم طلبہ نے پڑھا ہے اس کے بعد اہل خانہ کے مطالبہ پر حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ نے قرآن کریم کی تلاوت خاص انداز میں فرما کر سب کو مسحور کر دیا پھر دعا پر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی سبعہ کی خاص سند بھی آپ کو حضرت الاستاذ نے بڑے وقیع اور شاندار الفاظ والقاب لکھ کر بدست خود عطا فرمائی حضرت قاری محی الاسلام صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سال کی محنت سے قرأت سبعہ کی اسناد کو جمع فرما کر ۱۳۴۷ھ میں شائع فرمایا تھا جس میں آپ نے شیوخ کرام کے اسمائے گرامی کی تصحیح کے ساتھ کنیت لقب اور خطاب کو درست فرماتے ہوئے کئی پشتوں تک ان کے انساب کا اضافہ کیا غیر متصل سندوں کو النشر وغیرہ کتب معتبرہ سے اتصال نقل کیا اسی طرح حضرت علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ سند جو غیر مربوط تھا اس کو مربوط فرمایا محقق جزری کی وہ تمام اسانید جو تیسیر اور شاطبیہ سے متعلق تھیں ان کو بھی اس میں شامل فرمایا غرضیکہ قراءت سبعہ کی اسانید پر مشتمل یہ ایک جامع مستند اور مبارک شجرہ تھا جو آپ ہر اس طالب علم کو عنایت فرماتے جو آپ سے سبعہ قرأت کی تکمیل کرتا تھا حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ کے پاس بھی ایک عرصہ تک یہ محفوظ رہا لیکن ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں جہاں دیگر بہت سے ذخائر اور نوادر ہندوستان میں رہ گئے یہ قیمتی دستاویز بھی ساتھ نہ آسکی حضرتؒ کو اس پر بیحد قلق تھا بعد میں یہ شجرہ حضرت اقدس قاری محی الاسلام صاحب قدس سرہ کی شرح سبعہ پر بے نظیر کتاب شرح سبعہ جلد اول کے ساتھ طبع ہوا تو حضرتؒ نے اس پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا لیکن اس پر

افسوس فرمایا کہ اس شجرہ میں حضرت الاستاذ نے اپنے قلم مبارک سے جو الفاظ میرے لئے تحریر فرمائے تھے ان کی تلافی کی اب کوئی صورت نہیں۔

﴿ سند قراءت ﴾

آپ کی سند قرأت کا ایک حصہ یہ ہے:

شیخ الشیوخ حضرت قاری عبید اللہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الشیوخ حضرت قاری مصلح الدین بن شیخ محمد مقصود عباسی پانی پتی

حضرت قاری محمدیؒ

حضرت شیخ القاری المقری عبدالرحمٰن المحدث پانی پتیؒ

حضرت قاری عبدالرحمٰن اعمٰی رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ القرأ حضرت قاری محی الاسلام پانی پتیؒ

امام القرأ حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتیؒ حضرت مولانا قاری المفتی السید عبدالشکور الترمذیؒ

حضرت اقدس مولانا قاری المفتی السید عبدالشکور الترمذی قدس سرہ

﴿ لہجہ قرأت ﴾

سورہ ق سے کچھ حصہ کی حضرت الاستاذ نے آپ کو مشق بھی کرائی تھی ایک عرصہ تک بے تکلف آپ ان کے لہجہ میں پڑھتے رہے دور سے سننے والا یہی سمجھتا تھا کہ بڑے قاری صاحب تلاوت

فرمارہے ہیں لیکن آخر میں فرماتے تھے کہ اب میں اس لہجہ میں نہیں پڑھ سکتا اس میں تکلف ہوتا ہے ایک دومرتبہ بعض حضرات کی فرمائش پر آپ نے اس لہجہ میں پڑھ کر سنایا تو سامعین حیران رہ گئے۔

عشرہ کی تکمیل

سبعہ کی تکمیل کے بعد حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ سے آپ کے والد ماجد نے مشورہ کیا کہ اب عبدالشکور کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے انہوں نے فرمایا کہ ماشاء اللہ تعالیٰ انہوں نے سبعہ پڑھ لی ہے اکثر اتنا علم بھی کوئی نہیں پڑھتا اور پڑھنے والوں میں بھی سبعہ تک ہی کا دستور ہے اس لحاظ سے تو اب مزید قیام کی ضرورت نہیں لیکن اگر اس کے ساتھ ثلاثہ بھی ہو جائے تو بہت بہتر ہے اس طرح دس متواتر قرأت کی تکمیل ہو جائے گی چنانچہ اس مشورہ کے مطابق آپ نے ثلاثہ حضرت اقدس مولانا القاری المقری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ سے پڑھی ''الدرۃ المضیۃ'' بھی سبقاً سبقاً پڑھا۔ پانی پت سے فراغت کے بعد شاہ آباد ضلع کرنال مدرسہ حقانیہ میں واپسی ہوئی اور اپنے ساتھی کے ساتھ سبعہ میں دور بھی کیا اسی سال رجب المرجب ۱۳۶۲ھ کے مہینہ میں حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا انتقال پر ملال ہوا اس وقت آپ شاہ آباد ضلع کرنال مدرسہ حقانیہ میں مقیم تھے۔

ایک لطیفہ

آپ جب پانی پت مرکز علم قراءت سے سبعہ عشرہ پڑھ کر واپس ہوئے تو ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں آپ نے روایت حفص کے علاوہ کسی اور روایت میں تلاوت کی ایک صاحب جو ابتدائً نماز میں شریک تھے انہوں نے نماز توڑ کر دوبارہ اپنی الگ نماز پڑھی یہ واقعہ معلوم ہونے پر جب ان سے الگ نماز کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے نماز میں قرآن کی جگہ کچھ اور پڑھا ہے اس لئے میں نے نماز توڑ دی جب ان کو تفصیلاً سمجھایا گیا تو بڑے حیران ہوئے کہ مجھے تو آج معلوم ہوا کہ روایت حفص کے علاوہ قرآن کریم کی اور روایات اور قراآت بھی ہیں۔

ایک مسئلہ کی تحقیق کیلئے سفر

حضرتؒ فرماتے تھے کہ پانی پت سے واپس آ کر ایک دفعہ میں پھر حضرت الاستاذؒ کی خدمت میں قراءت بسملہ قبل التوبہ کی تحقیق کے لئے حاضر ہوا تھا بہت خوش ہوئے اور النشر وغیرہ کتب سے اس کی شافی کافی تحقیق بیان فرمائی کتاب النشر کی بہت ہی تعریف فرمایا کرتے تھے علامہ

محقق جزریؒ کا ارشاد کہ ''لوگ کہتے ہیں علم قرأت مردہ ہوگیا'' ان سے کہہ دو کہ میری کتاب نشر نے اس کو زندہ کر دیا اکثر بڑے جوش و جذبات سے پیش فرما کر محقق جزریؒ کی بڑی تعریف فرماتے۔

قاری طاہر صاحب کابلی کا ذکر

پانی پت تعلیم کے زمانہ میں ایک بزرگ قاری طاہر صاحب کابلی بہت متقی اور پرہیز گار تھے حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ اور یہ دونوں تقویٰ میں شہرت رکھتے تھے قاری طاہر صاحبؒ نے ایک مرتبہ والد صاحبؒ سے فرمایا کہ اپنا صندوق دکھاؤ اس میں دو جوڑے کپڑے کچھ ضروری سامان اور کتابیں تھیں کپڑوں کے دو جوڑے دیکھ کر انہوں نے فرمایا کہ میں نے اسی لئے یہ صندوق دیکھا تھا آپ کا تعلق چونکہ سادات کے خاندان سے ہے اس لئے زائد دو جوڑے آپ کے لئے مناسب نہیں زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ایک ہی جوڑا ہو ورنہ زیادہ سے زیادہ دو ہونے چاہئیں کہ ایک پہن لیا ایک دھو کر ڈال دیا اس سے زائد آپ کے شایان شان نہیں حضرت والد صاحبؒ اکثر اس واقعہ کو سنا کر جناب قاری طاہر صاحب مرحوم کی بہت تعریف فرماتے تھے اور ساتھ ہی حسرت سے فرماتے کہ اگر چہ میں ان کی نصیحت اور اس تنبیہ پر عمل تو نہ کرسکا لیکن اب تک مجھے ان کی اس ہدایت کا احساس ہے۔

واقعہ نکاح

آپ جب پانی پت میں پڑھتے تھے اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا سالانہ جلسہ ہوا آپ بھی اس میں شرکت کیلئے پانی پت سے سہارنپور پہنچ گئے ادھر تھلہ سے آپ کے عم مکرم جناب حافظ عبدالرحیم صاحبؒ اور شاہ آباد سے والد محترم حضرت مفتی عبدالکریمؒ بھی سہارنپور تشریف لے آئے جلسہ پر ہی باہم ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی جلسہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہما کا بیان ہوا سہارنپور کا جلسہ آدھے دن کا ہوتا تھا جو حضرات اکابر اس میں تشریف لاتے ان کی مجالس ہوتی تھیں عوام اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان سے مستفید ہوتے بیان ایک دو حضرات کا ہی کرایا جاتا تھا جلسہ کا اشتہار بھی مختصر ہی ہوتا تھا جلسہ کے ختم ہونے پر آپ کے والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی کی طبیعت ان دنوں ناساز چل رہی ہے اس لئے میرا ارادہ ہے کہ میں تھانہ بھون ہو کر شاہ آباد جاؤں گا عم مکرم اور آپ کا پروگرام بھی یہی بن گیا کہ تھانہ بھون ہی چلتے ہیں تا کہ حضرت

اقدس کی زیارت ہوجائے یہ تینوں حضرات تھانہ بھون خانقاہ میں پہنچے حضرت داداجان نے اپنی آمد کی حضرت کو اطلاع کرائی تو حضرت نے فوراً گھر بلوالیا سلام کلام اور مزاج پرسی ہوئی حضرت اقدس نے از خود فرمایا کہ عبدالشکور کا کیا حال ہے اور وہ کہاں ہے عرض کیا گیا کہ بخیریت ہے اور خانقاہ میں ہے حضرت نے فرمایا کہ اس کی شادی ہوگئی ہے یا نہیں عرض کردیا گیا کہ نہیں فرمایا کہ کہیں نسبت ہوگئی ہے اس کا جواب اثبات میں دیا گیا تو فرمایا کہ کہاں؟ چچا کے ہاں، چچا کہاں ہیں؟ خانقاہ میں، حضرت نے فرمایا کہ اب کیا دیر ہے ظہر کے بعد نکاح ہوگا چنانچہ آپ کے عم محترم سے مشورہ ہوا تو انہوں نے اس کو سعادت سمجھتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا حضرت اقدس کی تجویز کے مطابق ظہر کے بعد مجلس میں حضرت نے نکاح پڑھایا اور چھوہارے تقسیم کئے گئے ان دنوں مجلس حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ کے مکان پر ہوتی تھی کئی علماء کرام بھی اس وقت مجلس میں موجود تھے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ بھی ڈھاکہ سے تشریف لائے ہوئے تھے یوں حضرت نے آپ کا نکاح پڑھا آپ اس واقعہ کو سنا کر فرماتے کہ نکاح یوں بھی ہوجاتا ہے لیکن لوگوں نے رسم ورواج کی وجہ سے اس کو مشکل ترین بنا رکھا ہے اگر وہ شادی کے تین نقطے حذف کردیں تو یہ بالکل سنت کے مطابق اور سادی بن جائے گی۔

مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ

پانی پت سے فراغت کے بعد آپ نے شاہ آباد ضلع کرنال مدرسہ حقانیہ میں حسامی، شرح الوقایہ ہدایہ اولین اور قطبی وغیرہ کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں اور پھر شوال المکرّم ۱۳۶۲ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ ہوا یہاں عیدالاضحیٰ تک تعلیم حاصل کی۔

قاسم العلوم فقیر والی میں داخلہ

لیکن آب و ہوا مرطوب ہونے کی وجہ سے عیدالاضحیٰ کے بعد والد محترم نے آپ کو اپنے پاس مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی بلالیا۔

مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ۱۳۵۶ھ میں حضرت مولانا فضل محمد صاحب قدس سرہ نے قائم فرمایا تھا حضرت موصوف حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہ کے عاشق زار اور محبّ جانثار، جامعہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، صاحب علم وفضل اور نہایت متقی پرہیزگار بزرگ اور ولی اللہ فرشتہ صفت انسان کامل تھے فقیر والی جیسی بستی جس میں پینے کیلئے پانی تک کا مہیا ہونا دشوار تھا لق دق صحرا اور

جنگل بیابان جہاں دور دور تک آبادی کا نام ونشان تک ناپید تھا اس میں دینی علوم وفنون کا ایک عظیم ادارہ آپ کی کرامت تھی پھر دارالعلوم دیوبند سے اس کا باقاعدہ الحاق فرمایا اساتذہ کرام اور ممتحنین حضرات وہیں سے تشریف لاتے اس طرح بڑی عظیم المرتبت ہستیوں نے یہاں تعلیم دی اور بڑے بڑے حضرات نے یہاں کے طلبہ کا امتحان لیا یہ مدرسہ قرآن کریم حفظ وناظرہ کے علاوہ پہلے ابتدائی پھر متوسطہ اور انتہائی کتب تک ترقی کرتا چلا گیا حتی کہ ترقی کی منازل طے کرتا ہوا دورہ حدیث تک پہنچ گیا بانی جامعہ حضرت مولانا فضل محمد صاحبؒ پہلے سال دورہ حدیث کیلئے صدر مدرس کی تلاش میں دیوبند پہنچے وہاں مشورہ کے بعد طے ہوا کہ اس کیلئے حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی سب سے زیادہ موزوں شخصیت ہیں چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کے ہمراہ حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ فقیر والی مدرسہ قاسم العلوم پہنچ گئے اور اس طرح یہاں پہلے سال دورہ حدیث کا آغاز ہوا حضرت مولانا ظہور احمد صاحب سابق استاذ دارالعلوم دیوبند بھی فقیر والی میں مدرس تھے حضرت والد صاحبؒ چونکہ مظاہر العلوم سے فقیر والی پہنچ چکے تھے اس لئے عیدالاضحیٰ کے بعد سے شعبان ۱۳۶۳ھ تک آپ نے یہیں تعلیم حاصل کی جلالین شریفین کا سبق والد ماجد کے پاس تھا اور ہدایہ اخیرین مشکوٰۃ شریف اور منطق کے بعض اسباق حضرت مولانا ظہور احمد صاحب کے پاس تھے سالانہ امتحان کیلئے دیوبند سے علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے انہوں نے اعلیٰ نمبروں میں آپ کو پاس کیا حضرت کشمیریؒ کی احقر کے جدامجد سے اس وقت ایک ہی مرتبہ ملاقات ہوئی لیکن وہ ہمیشہ ان کی ذہانت وفطانت کی تعریف فرماتے رہے خاص طور پر ان کے وجیہ اور بارعب چہرہ کا ذکر ضرور فرماتے تھے۔ فقیر والی کے زمانہ تعلیم میں دورہ حدیث میں شریک طلبہ کو آپ علم تجوید کی مشہور کتاب المقدمۃ الجزریہ بھی پڑھاتے اور مسجد جو اس وقت ایک چبوترہ کی شکل میں تھی اس میں نماز بھی پڑھاتے تھے جامعہ قاسم العلوم کا کتب خانہ چونکہ بہت وسیع تھا اس لئے آپ نے اس سے بھی خوب استفادہ کیا حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی خط وکتابت جو ''الفرقان بین موجبات الکفر والایمان'' کے نام سے طبع ہوگئی تھی آپ نے سب سے پہلے وہ اسی کتب خانہ میں ملاحظہ فرمائی اور بھی بہت سی نادر ونایاب کتب کے مطالعہ کا موقع ملا، آپ حضرت بانی مدرسہ کی بہت ہی تعریف فرماتے ان کے خلوص تواضع کسرنفسی کا اکثر ذکر فرماتے تھے حضرت موصوف روزانہ آپ اور

آپ کے برادر صغیر احقر کے عم مکرم جناب عبدالعلیم صاحب اور آپ کے والد ماجد کیلئے گھر سے ناشتہ لاتے اور خوب خدمت فرماتے باوجود عالم فاضل ہونے کے کسی قسم کا تکلف وتصنع نہ تھا۔

دورہ حدیث کے طلبہ میں اس وقت مولوی قطب الدین صاحب کا نام آپ کو یادرہا یہ آپ سے مقدمہ جزریہ بھی پڑھتے تھے۔شعبان المعظم ۶۳ھ میں فقیروالی سے واپسی ہوئی اور آئندہ سال بعض وجوہ سے دورہ حدیث شریف نہ ہوسکا اس لئے پھر وہاں جانا نہ ہوا ۱۳۶۳ھ کا یہ سال آپ کیلئے اس لحاظ سے عام الحزن ثابت ہوا کہ اس سال آپ کی والدہ محترمہ اور ماموں کا انتقال ہوا ربیع الاول ۱۳۶۳ھ میں حضرت والدہ محترمہ انتقال کر گئیں اور پھر یکے بعد دیگرے چار اموات ہوئیں اور یہ گھر ماتم کدہ بن گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تقسیم ملک کے بعد جامعہ خیر المدارس ملتان میں حضرت مولانا فضل محمد صاحبؒ سے ملاقات ہوتی رہی لیکن ان کی زندگی میں فقیروالی کا سفر نہ ہوسکا احقر کی ہمیشہ تمنا رہی کہ آپ کی معیت میں وہاں کا سفر کروں آپ کی بھی خواہش تھی کہ ایک بار پھر مدرسہ کو دیکھوں لیکن وقت گذرتا چلا گیا اور یہ سفر مؤخر ہوتا رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ میں حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ کی معیت میں وہاں کی حاضری نصیب ہوئی جس سے انتہائی مسرت اور خوشی ہوئی حضرت اقدسؒ بھی بے حد خوش تھے جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قاسمی مدظلہم نے بہت اکرام واعزاز فرمایا اور بے پناہ خوشی اور مسرت کا اظہار کیا حضرت کا یہ سفر تقریباً پچپن سال کے بعد ہوا اس وقت مدرسہ اور مسجد بلکہ خود فقیروالی میں حیرت انگیز تبدیلی اور ترقی واقع ہو چکی تھی اس لئے اب وہ درس گاہ اور حجرے نظر نہیں آرہے تھے جن میں آپ نے سبق پڑھا اور آپ کے والد ماجدؒ نے درس دیا اس کے باوجود آپ نے اپنے حافظہ سے اس دور کے نقشہ کی پوری پوری نشاندھی فرمائی اور سب مقامات خود چل کر ہمیں دکھائے اس وقت آپ کی کیفیت دیدنی تھی رجسٹر معائنہ میں اپنے قلم سے جو تحریر آپ نے لکھی اس وقت کے تأثرات کا کسی قدر اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے اسی طرح اس سفر سے قبل آپ نے حضرت مولانا فضل محمد صاحبؒ کی سوانح ''ماہ فضل وکمال'' کو دیکھ کر جو مضمون ''عہد رفتہ کی چند یادیں'' تحریر فرمایا وہ بھی وہاں کے حالات اور آپ کے تأثرات کا آئینہ دار ہے۔فقیروالی کے قریب ٹبہ عالم گیر ہے وہاں حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین تھے حضرت رائپوریؒ وہاں

تشریف لائے فقیر والی سے سب حضرات ملنے گئے آپ اور آپ کے والد ماجدؒ بھی وہاں حاضر ہوئے تھے اس کا واقعہ حضرت جدامجدؒ کے حالات میں درج ہے حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں ہارون آباد بھی ایک امتحان کے سلسلہ میں جانا ہوا تھا لیکن اس کی تفصیلات یاد نہ رہیں۔

﴿ از ہر ہند دارالعلوم دیو بند میں تعلیم کی تکمیل ﴾

شوال المکرّم ۱۳۶۳ھ میں آپ تعلیم کی تکمیل اور دورہ حدیث کیلئے از ہر ہند دارالعلوم دیو بند میں داخل ہوئے جامعہ قاسم العلوم فقیر والی کا الحاق دارالعلوم دیو بند سے تھا اور اس کا امتحان بھی دیو بند کے اساتذہ کرام لیتے تھے اس لئے دیو بند میں داخلہ کا امتحان آپ کا نہیں ہوا حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی عنایت فرمائی آپ کے فارم داخلہ پر جن صاحب نے یہ نوٹ لکھا تھا کہ فلاں کتاب نہیں پڑھی اس لئے اس درجہ میں داخلہ نہیں ہوسکتا انہیں بہت ڈانٹا اور فرمایا کہ وہ کتاب یہ آپ کو پڑھا سکتا ہے آپ نے اس فارم کو پھاڑ دیا اور نیا فارم خود لکھ کر دیا اس طرح آپ کو مطلوبہ درجہ میں داخلہ مل گیا پہلے سال مطول، شرح عقائد، میبذی وغیرہ معقولات کی کتابیں آپ نے حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب اور حضرت مولانا عبدالجلیل صاحبؒ سے پڑھیں۔ میبذی کے امتحان میں آپ تمام جماعت میں اول تھے منطق وفلسفہ پر آپ نے بہت محنت کی تھی درسی کتب کی عربی شروحات بھی آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

شوال المکرّم ۱۳۶۴ھ میں دورہ حدیث شریف میں داخلہ ہوا ترمذی شریف حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے شروع فرمائی پھر آپ تین ماہ کی رخصت پر تشریف لے گئے تو سہ ماہی امتحان تک ترمذی شریف کتاب الصلوٰۃ ختم تک اور بخاری شریف کتاب العلم تک حضرت مولانا فخر الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی بعد ازاں ترمذی شریف جلد اول اور بخاری شریف ہر دو جلد کی تکمیل حضرت مدنیؒ نے کرائی ترمذی شریف جلد ثانی اور شمائل ترمذی حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے پڑھائی مسلم شریف حضرت مولانا شبیر احمد صاحب گلاؤٹھی ابوداؤد شریف حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نسائی شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ طحاوی شریف حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ موطا امام مالک حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور ابن ماجہ و موطا امام محمد دیگر اساتذہ کرام سے پڑھیں۔

آپ نے دوران تعلیم حضرت اقدس مدنی قدس سرہ کی تقریر ترمذی شریف بھی قلم بند فرمائی تھی سارا سال اگرچہ دردشقیقہ میں مبتلا رہے اس کے باوجود بھی سبق کا ناغہ نہیں فرمایا ترمذی شریف کی تقریر آپ نے زیادہ تفصیل سے ضبط نہیں کی خیال تھا کہ بعد میں تفصیل ہو جائے گی مگر ایسا نہ ہوسکا اسی زمانہ میں ایک مرتبہ جلال آباد حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کے ہاں حاضری ہوئی حضرتؒ نے استفسار فرمایا کہ حضرت مدنی کی تقریر کس طرح لکھ رہے ہو آپ نے عرض کیا کہ مختصر نوٹ کی صورت میں لکھ رہا ہوں بعد میں تفصیل کا خیال ہے حضرت نے فرمایا کہ اگر ابھی تفصیل سے ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ عام طور پر بعد میں اس کا موقع نہیں ملتا چنانچہ اسی طرح ہوا آپ کے یہ تقریری نوٹ جس میں حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادی اور حضرت شیخ الادبؒ کی شمائل کی تقریر بھی ہے اس کا مسودہ کہیں کچی پنسل سے لکھا ہوا ہے اور کہیں کانے کی قلم سے اب حال ہی میں احقر نے اس کی تبییض کرالی ہے امید ہے کہ جلد طبع ہو کر عام وخواص کے افادہ کا سبب بنیں گے واللہ الموفق والمعین۔

شعبان المعظم ۶۵ھ میں حضرت مدنیؒ نے بخاری شریف ختم کرائی اور ختم پر تقریب بھی ہوئی آپ فرماتے تھے کہ جس روز بخاری شریف ختم ہوئی حضرت مدنیؒ نے ساری رات سبق پڑھایا آرام بالکل نہیں کیا اور پھر بخاری شریف ختم ہوتے ہی تانگہ میں بیٹھ کر اسٹیشن اور وہاں سے سیدھے بنگال تشریف لے گئے طلبہ اس کے باوجود بھی آپ سے خصوصی سند پر دستخط کرا رہے تھے انہیں اس کا خیال نہیں تھا کہ حضرتؒ کتنے تھکے ہوئے ہیں مگر حضرت کی شفقت وعنایت بے حد تھی کہ انکار نہیں فرمایا حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ مجھے حضرت پر بہت ہی رحم آیا اور تقاضہ کے باوجود میں نے خصوصی سند اس وقت حاصل نہیں کی اور بعد میں اس کا موقع نہیں ملا البتہ سند فراغ پر حضرت اقدسؒ کے دستخط موجود ہیں جو بڑی برکت اور عظیم سعادت کی چیز ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں دوسال تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا موقع ملا ۱۳۶۵ھ میں سالانہ امتحان دیا اور وہاں سے فراغت حاصل کی امتحان میں آپ نے درجہ علیا میں کامیابی حاصل کی آپ کی سند میں آپ کے نام کے ساتھ یہ الفاظ درج ہیں:

''جید الفهم وله مناسبةتامة بالعلوم''

دورہ حدیث شریف کے امتحان میں حاصل کردہ نمبروں کی تفصیل یہ ہے:

بخاری شریف: ۵۰ مسلم شریف: ۵۲ ابوداؤد شریف: ۴۱ ترمذی شریف:

شمائل ترمذی : ۵۰ نسائی شریف:۴۱ ابن ماجہ شریف:۴۷ طحاوی شریف: ۴۲

موطاامام مالک:۴۷ موطاامام محمد:۵۰

﴿ حضرت قاری حفظ الرحمٰنؒ سے تلمذ ﴾

آپ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ القرأ جناب مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر شعبہ قرأت سے طیبہ کا بعض حصہ بھی پڑھا اس طرح ان سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا سبعہ عشرہ کی تکمیل اس سے قبل آپ پہلے ہی کر چکے تھے حضرت مولانا موصوف دارالعلوم کے طلبہ کو طیبہ پڑھاتے تھے آپ بھی اس میں شریک ہوئے اور ایک مرتبہ علمی سوال بھی کیا حضرت موصوف سوال سے ہی سمجھ گئے کہ انہوں نے سبعہ پڑھ لی ہے اسی لئے پوچھا کہ کہاں پڑھی ہے آپ نے حضرت قاری محی الاسلام کا نام بتایا فرمانے لگے تمہارے سوال سے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ تم نے قرأت پڑھ لی ہے باقی تمہارے سوال کا جواب ان طلبا کی سمجھ میں نہیں آئے گا اس لئے سبق کے بعد تمہیں الگ دوں گا چنانچہ سبق کے بعد آپ کو جواب دیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں دس سال سے پڑھا رہا ہوں اس طرح کا سوال کسی نے نہیں کیا حضرتؒ نے ان سے وقت لے کر طیبہ کا کچھ حصہ پڑھا اور ان کے بعض افادات قلم بند بھی فرمائے۔

﴿ سند حدیث ﴾

مسند الہند حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب محدث دھلوی قدس سرہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ

حضرت مولانا عبدالغنی مجددیؒ

حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

حضرت اقدس مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ

حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ

دیگر اسانید
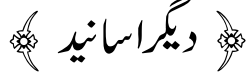
حضرت والد صاحبؒ کی ایک سند تو دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کرام کے ذریعہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دھلوی قدس سرہ تک پہنچتی ہے جو آپ کی سند قرأت ہے اس کے علاوہ بھی آپ نے بعض اکابر محدثین کرام سے اجازت حدیث حاصل فرمائی جن میں حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ اور حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں حضرت حکیم الاسلام سے آپ نے مسلسل بالماٗ والتمر کی اجازت حاصل کی تھی ان کو حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ سے اس کی اجازت حاصل تھی علامہ ظفر احمد عثمانیؒ سے آپ نے بذریعہ خط اجازت حدیث کی درخواست کی تھی حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ''نام لکھ کر بھیج دوں گا'' حضرتؒ کا ثبت جس میں آپ کی اسانید جمع ہیں ''احد عشر کوکبا'' کے نام سے مطبوعہ ہے اجازت حدیث حاصل کرنے والوں کو حضرت نام لکھ کر یہی عطا فرمایا کرتے تھے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے بھی مکتوب گرامی میں لکھوادیا تھا کہ آپ کو اجازت دیتا ہوں۔ اس وقت اپنے دور کے اور بھی محدثین کرام حیات تھے اور علم حدیث میں ان کا بڑا بلند مقام اور شہرت تھی لیکن اول تو حضرت اقدس مدنیؒ کی وجہ سے آپ نے ان سے اجازت نہیں لی دوسرے آپ یہ فرماتے تھے کہ مجھے اس میں حجاب ہوتا ہے کہ کام تو کچھ کیا نہیں اس کے باوجود سند کا مطالبہ کرنا کسی طرح بہتر نہیں یہی وجہ ہے کہ آپ خواہش کے باوجود بھی اس کا مطالبہ نہیں فرماتے تھے۔

تدریس اور ہجرت پاکستان
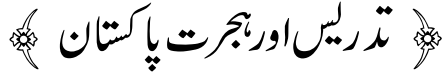
طالب علمی کے زمانے میں بھی آپ بعض کتابیں پڑھاتے رہے کنز الدقائق، کافیہ اور المقدمۃ الجزریہ، سراجی اور منطق وغیرہ کتابوں کے بارہ میں آپ فرماتے تھے کہ میں نے یہ طالب علمی کے زمانہ میں پڑھائی ہیں حتی کہ کنز کے سبق میں آپ کے والد ماجد بھی بیٹھتے تھے اور بعد میں طریق تدریس کی اصلاح بھی فرمایا کرتے تھے جب آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے تو پھر بطور مدرس عربی آپ کا تقرر پہلے مدرسہ عربیہ راجپورہ میں ہوا اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال میں تدریس کیلئے تقرر ہوا یہاں کنز، شرح جامی وغیرہ کتابیں پڑھائیں تقسیم ملک تک آپ یہیں رہے۔

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء ۲۶/ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ جمعۃ المبارک کو پاکستان بن گیا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ نقل مکانی کا تھا اس میں لاکھوں مسلمانوں کی جانیں تلف ہوئیں مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور ایسے دردناک واقعات پیش آئے جن کی تصویر کشی سے قلم عاجز ہے یہ حادثہ قیامت صغریٰ سے کم نہیں تھا جو حضرات ان حالات سے دوچار ہوئے ان کے علاوہ دوسروں کیلئے اس کا اندازہ بھی مشکل ہے ہجرت کا عمل شروع ہوا تو حضرت اقدس والد صاحبؒ مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں مقیم تھے اور احقر کے جدامجد سفر پر تھے ان کے بارہ میں کوشش کے باوجود کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کہاں ہیں ان سخت نامساعد حالات میں اللہ تعالیٰ کے نام پر آپ نے ہجرت کا قصد فرمایا گھر میں جو ضروری کتب اور اہم تاریخی دستاویز تھیں وہ سب ایک دوست کے ہاں امانۃً رکھیں ایک پرانے مہربان کے توسط سے بمشکل ایک سیٹ ٹرین میں ملی چھوٹے بھائی عبدالعلیم اور ماموں زاد بہن، ممانی ان کو سیٹ پر بٹھایا اور خود سارا سفر نہایت تکلیف کے ساتھ کھڑے ہوکر طے کیا راستہ میں رات آگئی قافلہ ایک جنگل میں رک گیا اس روز عاشورہ ۱۳۶۷ھ کا روزہ بھی آپ نے رکھا ہوا تھا جو بمشکل افطار کیا یہ رات بڑے خطرے اور پہرے میں گذری اگلے روز پھر سفر شروع ہوا خدا تعالیٰ نے بخیریت لاہور درالاسلام میں پہنچادیا یہاں پہنچ کر سکھ کا سانس لیا اور اس سے انتہائی خوشی ہوئی کہ حق تعالیٰ نے ایک اسلامی ملک میں قدم رکھنے کی سعادت عطا فرمادی جو بہت بڑی نعمت ہے حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ پہلے ہی لاہور تشریف لاچکے تھے ان سے اپنے والد ماجد کے متعلق دریافت کیا مگر وہ ابھی تک نہیں پہنچے تھے یہ سخت سردی کا موسم تھا اس لئے آپ نے سردی سے بچنے کیلئے بازار جا کر ایک کمبل خریدا واپس والٹن کیمپ میں پہنچے تو تھوڑی دیر گذری تھی کہ اچانک ایک نوجوان نے زوردار آواز میں

السلام علیکم کہہ کر سلام کیا اور آپ کا بستر اور صندوق جو آپ اسٹیشن پر چھوڑ آئے تھے آپ کو دیا اس پر آپ کا نام لکھا ہوا تھا یہ نام پڑھ کر وہ نوجوان اسے پہنچانے کیلئے لاہور آیا کہنے لگا کہ میں نے آپ سے کچھ عرصہ پڑھا ہے آپ میرے استاد ہیں جب میں اسٹیشن پر آیا تو آپ کا سامان دیکھ کر رہ نہ سکا اپنی والدہ اور نئی نویلی دلہن کو میں نے وہیں چھوڑا اور یہ سامان لے کر آ گیا ہوں اب فوراً واپس جا رہا ہوں تا کہ بیوی اور والدہ کی خبر لوں حضرتؒ بہت حیران ہوئے دراصل یہ حق تعالیٰ کی غیبی امداد اور نصرت تھی اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس صندوق میں کپڑوں کے علاوہ غلاف کعبہ کا ٹکڑا اور قرآن کریم کا وہ عظیم تاریخی نسخہ بھی تھا جس میں آپ نے سات قرائتیں رموز میں تحریر فرمائی تھیں ان کے چھوڑنے کا آپ کو بہت قلق تھا اس لئے حق تعالیٰ نے یہ مہربانی فرمائی بہر حال اس نوجوان کی یہ خدمت عظیم قربانی تھی جس کی مثال تلمیذ اور استاذ کے رشتہ میں آج کمیاب ہے حضرت والد صاحبؒ اس نوجوان کا ذکر بڑے دردمندانہ انداز میں فرماتے تھے اس کے اس ایثار کا آپ کی طبیعت پر بہت اثر تھا جب بھی اس واقعہ کا ذکر آتا آپ اس کو بہت ہی دعاؤں سے نوازتے آپ نے وہ کمبل جو بازار سے خریدا تھا وہ اسے دیدیا اور پھر وہ چلا گیا اس کے بعد آج تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ زندہ سلامت دوبارہ ہندوستان پہنچ سکا یا نہیں اور یہ کہ اس کی والدہ اور بیوی کا کیا بنا، واللہ اعلم۔

حضرت والد صاحبؒ کچھ عرصہ لاہور مقیم رہے اس دوران آپ کے والد ماجدؒ بھی لکھنو سے لاہور تشریف لے آئے محلہ گڈھو یعنی آپ کے آبائی گاؤں سے جو قافلہ پیدل ہجرت کیلئے چلا تھا اس میں آپ کے دو چچا اور خاندان کے دیگر افراد بھی شامل تھے لاہور آ کر معلوم ہوا کہ آپ کے بڑے چچا محترم جناب حافظ عبدالرحیم صاحب مرحوم قصور پہنچ کر انتقال فرما گئے ان کا ایک بیٹا عبدالسمیع بھی راستہ میں فوت ہوگیا اور دوسرے چچا جناب عبدالحی صاحب بھی ایک حادثہ کا شکار ہونے کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہیں باقی افراد بحمداللہ تعالیٰ بخیریت لاہور پہنچ چکے ہیں معلومات کے بعد سب سے ملاقات ہوگئی پھر حضرت دادا جانؒ سرگودھا تشریف لے آئے اور قصبہ ساہیوال میں مہاجرین کی آبادکاری کا پروگرام طے کیا چنانچہ کچھ دنوں کے بعد حضرت والد صاحبؒ اور دیگر سب حضرات سرگودھا اور وہاں سے ساہیوال پہنچے ۲؍فروری ۱۹۴۸ء ربیع الاول ۱۳۶۷ھ آپ نے پہلی مرتبہ ساہیوال میں قدم رنجہ فرمایا۔ اس کی کچھ تفصیل حضرت جدامجدؒ کے حالات میں بھی لکھ چکا ہوں۔

ساہیوال میں قیام اور دینی خدمات

آپ جب ساہیوال تشریف لائے تو یہاں زیادہ تر آبادی مقامی حضرات کی تھی جن میں کثرت اہل بدعت اور روافض کی تھی صحیح عقائد کے حضرات چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے تھے شہر اور علاقہ کا پورا ماحول عقائد و اعمال کے اعتبار سے سنت سے کوسوں دور اور رفض و بدعت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھرا ہوا تھا یہاں آپ کا قیام محلّہ منڈی قصاب میں ہوا اس سے پہلے کچھ دن کیلئے جناب عبدالرشید صاحب پٹواری کے مکان پر رہائش رہی جمعۃ المبارک کا دن آیا تو قریبی محلّہ تیلیانوالی کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے کیلئے پہنچے مقررہ امام صاحب غائب تھے ان کے بھائی نے آپ کے والد ماجد سے جمعہ پڑھانے کیلئے عرض کیا انہوں نے آپ ہی کو کہا کہ وعظ کے بعد جمعہ پڑھائیں چنانچہ تعمیل حکم میں آپ نے بیان فرمایا اور یہاں پہلا جمعہ پڑھایا بیان حدیث پاک بدأ الاسلام غریباً و سیعود کما بدأ فطوبی للغربا پر ہوا بعد میں حضرت کے والد ماجدؒ نے فرمایا کہ تم نے ایسی تقریر کی جیسے اپنوں میں کی جاتی ہے مطلب یہ تھا کہ انداز بیان سخت ہونے کی وجہ سے قابل اصلاح ہے۔ اس وقت اس مسجد میں جامع مسجد ہونے کے باوجود نمازیوں کی تعداد محدود اور معدود تھی شہر کی صرف دو مسجدوں میں جمعہ پڑھایا جاتا تھا آئندہ جمعہ سے قبل مسجد کے بااثر حضرات مستقل طور پر خطابت کیلئے آپ کو لینے پہنچ گئے آپ نے والد ماجدؒ کے مشورہ سے اس کو قبول فرمایا اور اس طرح ڈیڑھ سال تک آپ اس مسجد میں جمعہ پڑھاتے رہے ماشاء اللہ تعالیٰ نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا جس کی وجہ سے مسجد کی توسیع کی ضرورت پیش آ گئی اس عرصہ میں آپ کے والد ماجد کا اکثر قیام سرگودھا رہا ساہیوال میں مہاجروں کی آبادی کیلئے انہوں نے بڑی انتھک محنت اور جدو جہد کی اس کیلئے دن رات ایک فرما دیا انجمن مہاجرین کے نام سے ایک جماعت بنائی اس کی صدارت کے عہدہ پر آپ ہی فائز تھے ساہیوال میں ایک دینی ادارہ بنانے کا پروگرام بھی تھا جس کیلئے ابتدائی مراحل انہوں نے طے فرما لئے تھے مگر تکمیل کا موقع نہ مل سکا پاکستان میں آنے کے بعد ان کی حیات مستعار کا صرف سوا سال باقی تھا جو فلاحی اور مسلمانوں کی آبادکاری اور دیگر خدمات میں گذر گیا بالآخر اپنی

زندگی کے لمحات پورے فرما کر ۸رمئی ۱۹۴۹ء ۹ رجب المرجب ۱۳۶۸ھ کو آپ انتقال فرما گئے اور دینی سیاسی تمام تر ذمہ داریاں حضرت والد صاحبؒ پر آ گئیں جن کو آپ نے خوب سے خوب تر طریقہ سے نبھایا جامع مسجد تیلیانوالی میں ڈیڑھ سال خطابت فرمائی رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ میں شہر کی مرکزی مسجد شہانی کے متولی جناب پیر محمد شاہ صاحب مع مولانا فیض احمد صاحب (مولوی عربی) و دیگر معززین شہر آپ کے مکان پر تشریف لائے اور مسجد شہانی کی خطابت و امامت کیلئے اصرار فرمایا حضرت نے فرمایا کہ میں پہلے سے ایک جگہ خطیب ہوں اب وہاں سے الگ ہونا مناسب نہیں ہے اگر آپ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو وہاں کی انتظامیہ سے بات کرلیں ان حضرات نے ان سے رابطہ کیا وہ اس پر راضی نہ ہوئے بالآخر طے پایا کہ رمضان المبارک کے بعد مسجد شہانی میں امامت و خطابت کا کام شروع ہوگا چنانچہ آپ حسب وعدہ رمضان المبارک کے بعد شہر کی مرکزی اور قدیم جامع مسجد شہانی میں بطور امام و خطیب تشریف لے آئے اور سترہ سال تک یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔

مدرسہ قاسمیہ و جامعہ حقانیہ

آپ نے اسی مسجد میں مدرسہ قاسمیہ کے نام سے ایک مدرسہ بھی قائم فرمایا اس میں قرآن کریم کی تعلیم کے علاوہ مشکوٰۃ شریف تک درس نظامی کی کتابیں بھی آپ نے پڑھائیں ۱۹۵۳ء میں جب ختم نبوت کی تحریک چلی تو آپ ملتان جیل میں چلے گئے تین ماہ وہاں رہنے کی وجہ سے مدرسہ بند ہو گیا واپسی پر آپ نے عزم فرمالیا کہ اب مستقل طور پر الگ جگہ لے کر وہاں مدرسہ قائم کیا جائے گا مسجد کے مدرسہ کو عوام مستقل مدرسہ نہیں سمجھتے وہ مسجد کے تابع ہونے کی وجہ سے عوامی توجہ سے محروم ہوتا ہے چنانچہ اسی جدوجہد میں آپ مصروف ہو گئے تا آنکہ صفر المظفر ۱۳۷۵ھ میں محلّہ قلعہ میں واقع ایک مکان کا قبضہ آٹھ سو روپے میں واگذار کرا کر وہاں ''مدرسہ حقانیہ'' کے نام سے یکم ربیع الاول ۱۳۷۵ھ ۱۸راکتوبر ۱۹۵۵ء کو ایک دینی ادارہ کی بنیاد رکھی۔ مدرسہ قاسمیہ اور مدرسہ حقانیہ سے قبل آپ شہر کی مختلف مساجد میں قرآن کریم اور فارسی عربی کتب پڑھاتے رہے اس دور میں بھی بہت سے طلبہ نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا مدرسہ قاسمیہ کے زمانہ میں پڑھنے والے حضرات کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے پھر جب مدرسہ حقانیہ کی ابتدا ہوئی تو آپ کی ساری محنت کا محور یہی قرار پایا شہر کے علاوہ علاقہ کے طلبہ نے بھی اس سے بھرپور استفادہ کیا۔ اہتمام کے علاوہ مشکوٰۃ شریف تک یہاں آپ

کتابیں پڑھاتے رہے اس کے ساتھ افتاء اورتصنیف وتالیف وعظ ونصیحت امامت وخطابت کی خدمات بھی جاری رہیں نیز مدرسہ کے جملہ حساب کتاب کے بھی چالیس سال تک آپ ہی ذمہ دار رہے اپنے ہاتھ سے تمام حسابات مدرسہ کے لکھتے رہے یہاں تاحیات آپ نے جوخدمات سرانجام دیں وہ تاریخ کا ایک سنہری باب اوررہتی دنیا تک آپ کیلئے باقیات صالحات ہیں مدرسہ کی تعلیمی وتعمیری ترقی کے علاوہ اس میں مختلف شعبوں کا قیام اورمتنوع دینی،فقہی،سیاسی،تصنیفی خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہر باب پرایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے یہاں ہم اختصار کے ساتھ آپ کی ان گراں قدرخدمات کومختلف عنوانات کےتحت اپنے اپنے مقام پرذکرکریں گےان شاءاللہ تعالیٰ۔

﴿ تدریسی خدمات ﴾

جیسا کہ پہلے لکھاجاچکاہے کہ حضرتؒ نے طالب علمی کے زمانہ سے ہی تدریس شروع فرمادی تھی یہاں پاکستان میں آکرمدرسہ حقانیہ شروع ہونے تک بھی آپ نے یہ مشغلہ جاری رکھا پھر جب مدرسہ حقانیہ بناتواس میں باقاعدہ سالہاسال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں آپ نے پڑھائیں منطق میں ملاحسن،فلسفہ میں میبذی صدرا،علم العقائدمیں شرح عقائدخیالی،تفسیرمیں جلالین،فقہ میں ہدایہ،اصول فقہ میں توضیح،اصول حدیث میں نخبۃ الفکر،حدیث میں مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابیں آپ کے زیردرس رہیں۔شرح تہذیب،ہدایہ،حسامی،سراجی،جلالین اورمشکوٰۃ شریف آپ کے مشہورسبق تھےحضرت مولاناخیرمحمد صاحب جالندھری قدس سرہ کےمشورہ کےمطابق آپ نے مدرسہ کا نصاب مقررنہیں کیا کہ مدرسہ کوفلاں درجہ تک رکھنا ہے بلکہ حالات کےمطابق جس سال میں جہاں تک ممکن ہواطلبہ کورکھااورپڑھایاگیاموقوف علیہ تک عام طورپرتعلیم کاانتظام رہا۔

﴿ اندازتدریس ﴾

حضرتؒ ہرمشکل سےمشکل کتاب خوش ہوکرپڑھاتے اورطلبہ پرزوردیتے کہ وہ محنت سے مشکل کتاب کوحل کریں پھراس کی مددسےآسان کتابیں خودبخودحل ہوجائیں گی۔آپ حل کتاب کے ساتھ تدریس کے دوران بےشمارعلمی فوائداورافادات سےطلبہ کومستفیدفرماتے ہمیشہ سبق مطالعہ سے پڑھاتے اورسبق میں نہایت جامع مبسوط ومفصل مدلل علمی تقریرفرماتے’’الشی بالشئی یذکر‘‘کےقبیل سے بہت سی اہم ابحاث اورضروری واقعات مختلف علوم وفنون اورکتابوں کےحوالے اکثرآپ کےسبق

میں ضرور آتے صاحب ذوق اور منتہی طلبہ کو اس طریقہ سے بے حد نفع اور فائدہ ہوتا طالب علم صرف نفس کتاب یا ایک فن و علم سے ہی واقف نہ ہوتا بلکہ آپ کے سبق میں اسے تمام علوم وفنون اور متعلقہ ضروری مباحث سے بھر پور آگاہی ہوتی جو باتیں اسے برسوں کے مطالعہ سے نہ ملتیں وہ آپ کے سبق میں ادنیٰ توجہ سے حاصل ہو جاتی تھیں آپ کو طبعاً تحقیق اور تعمق و گہرائی سے خوب مناسبت تھی اس لئے آپ ہر روز طلبہ کو نئے سے نئے افادات اور نکات علمیہ سے بہرہ ور فرماتے جو طالب علم علم کے حصول میں قدرے دلچسپی لیتا آپ اس کی خوب قدر فرماتے تحقیق وجستجو کے دلدادہ طلبہ کو بہت اہمیت دیتے سوالات سے کبھی بھی آپ کی طبیعت نہیں گھبراتی تھی بلکہ اس سے طبیعت میں ایک خاص انشراح اور فرحت پیدا ہوتی اور علم کے سوتے بہہ پڑتے اس طرح آپ بلا تکلف گھنٹوں تقریر فرماتے رہتے حل کتاب پر زور کے ساتھ آپ اس کے حریص تھے کہ طلبہ کو ضروری مباحث قدرے تفصیل سے سمجھائے جائیں اسی طرح آپ سبق میں اپنے اکابر کے حالات وواقعات ان کا تعارف ضرور کراتے اس کے ساتھ دور حاضر کے فتن غلط عقائد ونظریات سے متعارف کرا کر ان کی تردید بھی فرماتے اس طرح تحصیل علم کے زمانہ میں ہی آپ طلبہ کی ایسی پختہ ذہن سازی فرماتے کہ مسلک ومشرب کی پختگی کے ساتھ انہیں اپنے اکابر واسلاف پر حد درجہ اعتماد قائم ہو جاتا تھا جو ہر قسم کے فتن سے حفاظت کا قوی ذریعہ ہے۔

اس علاقہ میں درس نظامی پڑھانے کا جو طریقہ مروج تھا آپ کا انداز تدریس اس سے مختلف تھا جن طلبہ نے شرح تہذیب اور مشکوٰۃ وغیرہ کتابیں پہلے اپنے علاقہ کے علماً سے پڑھیں جب دوبارہ یہ کتابیں ان کو آپ سے پڑھنے کا موقع ملا تو وہ حیران رہ گئے ان کا تأثر یہ تھا کہ ہمیں اب پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ ان کتابوں میں کیا ہے حضرتؒ کی ہمیشہ یہی عادت تھی کہ چاہے ایک طالب علم ہی کیوں نہ ہو وہ کتاب کا حق پورے طور پر ادا فرماتے تھے تحقیق وتدقیق اور مطالعہ کا خوب ذوق تھا بڑی سے بڑی مشکل مباحث اور مسائل کو ایسے انداز سے حل فرماتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی سمجھ جاتا تھا غایت شفقت کی بنا پر ادنیٰ ذہن کے طلبہ پر زیادہ محنت کی عادت تھی۔

﴿ ہدایہ کی خاص اہمیت ﴾

''ہدایہ'' میں آپ کی تقریر بہت عمدہ اور بہت مدلل اور مفصل ہوتی تھی بعض اساتذہ کرام بھی جو اس میں شامل ہوتے ان کا نظریہ تھا کہ اگر اس تقریر کو منضبط کر لیا جائے تو یہ ہدایہ کی بہترین شرح بن

سکتی ہے آپ فتح القدیر عنایہ وغیرہ شروح ہدایہ کے مباحث کی جامع تلخیص مع فوائدزائدہ پیش فرماتے تھے حدیثی مباحث کیلئے فتح القدیر اور حل عبارت کیلئے عنایہ کی تعریف فرماتے فقہ میں ہدایہ آپ کا خاص سبق تھا اس کو بڑی محنت اور خاص ذوق سے پڑھاتے صاحب ہدایہ اوران کی اس عظیم الشان کتاب کی بہت تعریف فرماتے تھے اکثر فرماتے کہ جو شخص محنت سے سمجھ کر ہدایہ کی چاروں جلدیں پڑھ لے اس کو فقہ سے خوب مناسبت بلکہ مہارت پیدا ہو جاتی ہے۔

﴿ درس مشکوٰۃ شریف ﴾

مشکوٰۃ شریف کا درس آپ نے کئی مرتبہ دیا اس میں بھی آپ کا انداز تحقیقی اور تفصیلی ہوتا تھا مرقات شرح مشکوٰۃ، مظاہر حق، اشعۃ اللمعات، التعلیق الصبیح کا مطالعہ فرما کر تقریر کرتے مظاہر حق کے ترجمہ کی بہت تعریف فرماتے تھے مشکوٰۃ شریف چونکہ آپ نے پوری پڑھی تھی اس لئے مکمل پڑھانے کو ترجیح دیتے تھے آپ نے یہ کتاب حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ سے پڑھی اوران کے استاذ اس میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ تھے اس طرح حضرت مولانا گیلانیؒ آپ کے دادا استاذ ہیں، اس علاقہ میں زیادہ تر مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ پڑھایا جاتا تھا لیکن آپ نے ہمیشہ اس کا درس خوب تحقیق کے ساتھ دیا۔ نورالانوار، حسامی میں اصولی ابحاث پر آپ کی تقاریر خاصی علمی اور دقیق ہوتی تھیں لیکن آپ طلبہ کی استعداد کا لحاظ فرما کر انہیں بہت آسان کر کے پڑھاتے اس کی بطور خاص خواہش ہوتی کہ طالب علم کو علم اصول فقہ سے مناسبت ہو جائے حسامی کی شرح حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی دھلوی نے النامی کے نام سے لکھی ہے یہ آپ کے پردادا حضرت عبداللہ شاہ ترمذیؒ کے تلامذہ میں ہیں ان کی اس شرح اور دوسری شرح ''مولوی'' کے مطالعہ کیلئے طلبہ کو متوجہ فرماتے نورالانوار کا حاشیہ جو علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ نے ''قمر الاقمار'' کے نام سے لکھا ہے نورالانوار پڑھنے والوں کو اس کے پڑھنے کی بہت تاکید فرماتے تھے۔

﴿ علم میراث میں غیر معمولی مہارت ﴾

میراث میں ''سراجی'' کا سبق بہت مشہور تھا آپ کو اس کے مسائل ومباحث زبانی یاد تھے صاحب کتاب کی اس فن میں مہارت اور ریاضی میں ان کی حذاقت کی بہت داد دیتے تھے میراث کا علم پڑھنے سے اکثر طلبہ گھبراتے ہیں اس لئے آپ کے ہاں اس کا سبق بہت اہتمام سے ہوتا تھا اس میں

آپ کو چونکہ غیر معمولی مہارت تھی اس لئے نہایت آسان کر کے پڑھاتے اور طلبہ کی بڑی ہی حوصلہ افزائی فرماتے فرمایا کرتے تھے کہ گھبرانا نہیں چاہئے خوب محنت کرو ان شاءاللہ تعالیٰ آسانی ہوگی اور یہ علم بھی ضرور آ جائیگا گھبرا کر چھوڑ دینا صحیح نہیں اس طرح تو کبھی بھی انسان کو علم حاصل نہیں ہوتا بہر حال بڑی محنت اور بڑے ذوق اور بڑی دلچسپی سے آپ سراجی کا سبق پڑھاتے اور تمرین بھی کرایا کرتے تھے بغیر تمرین کے آپ اس کا سبق نہیں دیتے تھے پڑھانے میں کتاب کی ترتیب کی پابندی نہیں فرماتے تھے بلکہ طلبہ کی سہولت اور آسانی کے پیش نظر اپنی ترتیب قائم فرما کر سبق پڑھاتے اس سے کتاب کافی آسان ہو جاتی تھی اس کی شرح شریفیہ جو حضرت علامہ سید شریف جرجانیؒ نے تحریر فرمائی آپ کے سبق میں اس کے بہت سے حوالے آتے اور طلبہ کو بھی اس کے مطالعہ کیلئے فرماتے رہتے تھے۔

میراث کے مسائل کی ضرورت واہمیت اہل علم سے مخفی نہیں ہے اس فن وعلم میں ''سراجی'' درس نظامی کی مشہور کتاب ہے لیکن چونکہ یہ درجہ سادسہ میں ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس سے قبل بھی اس علم کے مسائل سے کسی درجہ میں مناسبت اور واقفیت ہو اس کیلئے قدوری اور کنز الدقائق کی کتاب الفرائض کو ہی محنت سے پڑھا دیا جائے تو ''سراجی'' میں کسی قسم کی دقت نہ ہوگی حضرت والد صاحبؒ سراجی سے قبل قدوری طلبہ کو خود ہی پڑھاتے تھے احقر نے آپ سے جو کتابیں پڑھیں ان میں ان دونوں کتابوں کی کتاب الفرائض بھی شامل ہے۔

﴿ درس نظامی کی افادیت ﴾

علم العقائد میں شرح العقائد کے بارہ میں آپ اس کی تاکید فرماتے کہ اسے مکمل پڑھایا جائے صرف شروع کے چند مباحث پڑھا دینا کافی نہیں ہے کیونکہ بہت سے اہم عقائد کتاب کے آخر میں ہیں جن سے واقفیت ضروری ہے اس لئے آخری حصہ بھی اہتمام سے پڑھانا چاہئے۔ نبراس، تمہید ابوالشکور سالمی، خیالی، شرح المقاصد اور شرح مواقف عقائد عضدی، ملا جلال، حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ علم عقائد وکلام کی تمام کتابیں چونکہ آپ کے مطالعہ میں رہتی تھیں اس لئے ان کتب اور ان کی اہم مباحث کا طلبہ کو آپ تعارف کراتے اور ان کی اہمیت واضح فرما کر ان کو مطالعہ کا شوق دلاتے تھے اکابر علما دیوبند کے عقائد کیلئے ''المہند علی المفند'' کا اکثر حوالہ دیتے اس کے پڑھنے بلکہ یاد کرنے کی بہت تاکید فرماتے فقہ اکبر اور ملا علی قاری کی شرح نیز عقیدہ طحاویہ اور اس کی شرح کے

بعض اقتباس بھی طلبہ کو پڑھ کر سناتے اور عقیدہ طحاویہ اوراس کی شرح کی تعریف فرماتے تھے مختصر المعانی اور شرح جامی دونوں کے بارہ میں آپ کی رائے تھی کہ یہ انتہائی مفید کتابیں ہیں ان کو محنت سے پڑھنا چاہئے مختصر المعانی کیلئے حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ کا حاشیہ اور شرح جامی کیلئے سوال باسولی کا مطالعہ ضروری قرار دیتے تھے سلم العلوم کی شرح ملا مبین کے مداح تھے طالب علمی کے زمانہ سے یہ آپ کے مطالعہ میں تھی اس لئے اسے بہت پسند فرماتے اوراس کی تعریف کرتے طلبہ کو مطالعہ کی تاکید فرماتے تھے غرضیکہ ہرفن اور ہرعلم کی کتاب پر آپ کی نظر تھی اور بلاتکلف اس کو پڑھانے پر آپ قادر تھے نصاب میں تبدیلی کی بجائے طریق تعلیم کی اصلاح پر زور دیتے تھے احقر نے آپ سے قدوری، کنز الدقائق، نورالانوار، حسامی اور سراجی اور ہدایہ وشرح الوقایہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی آپ تصحیح عبارت اور حل کتاب پر بہت زور دیتے اور یہ چیز طالب علم کے ذمہ ہوتی کہ وہ عبارت صحیح پڑھے اور کتاب کو حل کرے اس میں اگر کوتاہی ہوتی تو آپ خوب تنبیہ فرماتے عبارت میں صرف ونحو کے قواعد کا اجرا بھی آپ کے ہاں خوب ہوتا تھا اس لئے ہر طالب علم آپ کے سامنے عبارت نہیں پڑھ سکتا تھا طالب علم کو غلط عبارت پڑھنے پر تنبیہ فرماتے تھے۔ نحو میں ضریری اور نحو میر صرف میں علم الصیغہ اور فصول اکبری پر زور دیتے اکثر فرماتے کہ طالب علم کو تمام علوم وفنون کی ضروری اصطلاحات سمجھا کر پڑھا دینی ضروری ہیں اور طالب علم پر لازم ہے کہ وہ انہیں یاد کرلے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہرفن کی ایک کتاب خوب یاد کرلی جائے پھر پورا فن آسان ہوجاتا ہے اوراس کے مسائل بھی مستحضر رہتے ہیں۔

الغرض درس وتدریس کا مشغلہ آپ نے تمام تر مصروفیات کے باوجود جاری رکھا جب امراض قلب نے گھیر لیا اس وقت مجبوراً ترک کرنا پڑا لیکن اس حالت میں بھی آپ کی خواہش یہی رہتی کہ کوئی نہ کوئی کتاب پڑھاتا رہوں کبھی کبھی ضرور سبق پڑھاتے اکثر فرماتے کہ عالم کو تدریس نہیں چھوڑنی چاہئے اس سے استعداد مضبوط رہتی ہے اور عبارت فہمی میں خوب مدد ملتی ہے۔

سلوک وتصوف اور تربیت باطنی

آپ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ چونکہ روحانی اور نورانی ماحول تھا اس لئے بچپن سے ہی آپ کی طبیعت تقویٰ وطہارت کی طرف مائل تھی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے مدرسہ میں چونکہ تعلیم سے زیادہ تربیت اخلاق پر زور دیا جاتا تھا اور ہر بات پر اصلاح کا اہتمام تھا اس لئے صغر سنی سے ہی عملی تربیت کا آپ کو خوب موقع ملتا رہا۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضرت مجدد الملت حکیم الامت قطب ارشاد شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے از راہ شفقت وعنایت بچپن ہی میں آپ کو بیعت فرمالیا تھا حضرت اقدس کے ہاں تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کی تعلیم پر بہت زور دیا جاتا تھا اور بیعت سے اصل مقصد بھی یہی ہے اس لئے چودہ سال کی عمر تک آپ کو خانقاہ کے مدرسہ میں رہنے اور حضرت سے تربیت حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا اس کے ساتھ حضرتؒ کی مجلس مبارک میں بیٹھنے اور ملفوظات سننے کا مسلسل موقع میسر ہوا حضرتؒ کے چار وعظ سننے بھی آپ کو یاد تھے ان میں ایک وعظ بڑے گھر میں ایک چھوٹے گھر میں ایک حضرت کی بھتیجی صاحبہ کے گھر میں اور ایک خانقاہ میں ہوا یہ سب وعظ صبح کے وقت اشراق کے بعد ہوئے تھے اشرف السوانح کے مکمل ہونے پر ۱۳۵۴ھ میں ''شکر السوانح'' کے نام سے حضرتؒ کا جو وعظ ہوا اس میں بھی آپ شریک تھے اشرف السوانح کی تکمیل پر وعظ کے بعد گلدانے بھی تقسیم ہوئے تھے ان کا لینا بھی آپ کو خوب یاد تھا ۱۳۵۵ھ کے آخر میں اپنے والد ماجدؒ کے ہمراہ جب آپ خانقاہ سے رخصت ہوئے تو اس کے بعد بھی حضرتؒ کی وفات تک اکثر وبیشتر دربار اشرفی میں حاضری اور صحبت کا شرف آپ کو حاصل ہوتا رہا حضرت تھانویؒ کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۲۱/سال تھی آپ کے زمانہ حیات میں یہ سنہری زمانہ یقیناً بڑا مبارک اور انتہائی قیمتی وقت تھا لیکن آپ بڑی حسرت سے فرماتے تھے کہ میں نے اس کی قدر نہ کی ایک تحریر میں اسی احساس کا اظہار آپ نے یوں فرمایا ہے:

اس بحر شریعت اور خضر طریقت کے زیر سایہ رہنے اور زمانہ دراز تک مسلسل مصاحبت ومجالست کی دولت ونعمت کے حصول کے باوجود افسوس ہے کہ اس ناکارہ کی مثال وہی ہوگئی کہ بارہ برس دلی

میں رہے اور بھاڑ جھونکا واقعی جب اپنی استعداد ہی ناقص ہو اور پھر عمل کی جگہ صفر ہو تو مرشد کامل اور خضر طریق کی صحبت سے بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا صحیح ہے یہ نا کارہ بھی ۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل　　　　که خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

کا مصداق بن کر رہ گیا البتہ حسب بشارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ھم القوم الذین لایشقیٰ جلیسھم اس پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے قطب دوراں مجدد زماں حکیم الامت کے جلیس ہونے کی دولت سے نوازا اور صحبت مجلس میں باریابی سے مشرف ومعزز فرمایا امید ہے کہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ کے بقول: میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ محرومی نہیں رہے گی و ماذالك علی اللّٰه بعزیز ۔

﴿ حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ سے اصلاحی تعلق ﴾

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی حیات تک کا زمانہ آپ کے تحصیل علم میں مشغولیت کا زمانہ تھا اس لئے زیادہ وقت تحصیل علم میں گذرا دار العلوم دیو بند سے فراغت کے بعد والد ماجدؒ کی تربیت اور نگرانی حاصل رہی تقسیم ملک کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے یہاں ایک عرصہ تک بہت سے مسائل وحالات میں وقت گذر گیا تا آنکہ ۱۳۸۰ھ میں آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہ سے اصلاح وتربیت کیلئے رجوع فرمایا،اس سلسلے میں آپ نے جو عریضہ ان کی خدمت میں لکھا اس کے اہم اقتباسات یہ ہیں:

﴿ پہلا عریضہ ﴾

اپنے بچپن میں یہ احقر سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوا تھا مگر تعلیم میں مصروفیت کی وجہ سے اصلاحی تعلق کا موقع نہ ملا پھر حضرت والا کا وصال ہو گیا تو حضرت والاؒ کے مجازین میں سے کسی کے ساتھ اصلاحی تعلق کا ارادہ کرتا رہا مگر امروز فردا میں تمام عمر ضائع ہو گئی اور آج تک یہ دولت (اصلاحی تعلق) میسر نہ ہوئی اس ضیاع عمر کا دلی رنج اور افسوس ہے عمر رفتہ پر افسوس کرتے ہوئے جناب والا کی خدمت بابرکت میں اپنا واقعہ بیعت عرض کر کے پھر اپنی غرض عرض کرتا ہوں۔

جناب والا کو معلوم ہے کہ یہ احقر بچپن سے ہی حضرت والدم مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی مرحوم

کے ہمراہ تھانہ بھون رہا وہیں جب احقر کی خالہ مرحومہ اور نانی مرحومہ حاضر ہوئیں اورانہوں نے حضرت حکیم الامت کی خدمت میں درخواست بیعت پیش کی تو اس موقع پر اس احقر نے بھی بڑی اماں (حضرت والا کی اہلیہ کبریٰ رحمہا اللہ) کی سفارش کے ساتھ اپنی درخواست پیش کردی اس وقت حضرت والا بڑے گھر تشریف لائے ہوئے تھے حضرت والاؒ نے اس شرط پر کہ تم اپنی والدہ سے ضد نہ کرو بیعت فرمالیا حضرتؒ جو فرماتے رہے ساتھ ساتھ کہتا رہا اس کے بعد تعلیم میں مشغول رہا اور تمام بداعمالیوں اور خستہ حالیوں کے باوجود اپنے کو حضرت والاؒ سے بیعت سمجھتا رہا۔

یہ واقعہ بیعت اس لئے عرض کیا گیا ہے کہ اگر انتساب الی المقبولین اور سلسلہ میں داخلہ کیلئے یہ بیعت کافی ہے تب تو جناب والا کی خدمت میں اصلاحی تعلق کی ورنہ تجدید بیعت وتعلق اصلاحی دونوں کی درخواست بصد عجز و نیاز پیش ہے للہ اس ناکارہ آوارہ کو اپنے دامن شفقت میں لے کر تربیت فرمائیں نیز دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں آمین۔

حضرت والد گرامی نے یہ عریضہ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ کو تحریر فرمایا تھا حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

السلام علیکم آپ کو بیعت کی ضرورت نہیں اصلاح کے متعلق مشورہ فرماتے رہیں دعا کرتا ہوں۔

حضرت والد صاحبؒ نے اس پر لکھا:

اس اجازت تعلق اصلاح کا دل سے شکر گذار ہوں میں اس لائق کہاں ہوں جو مجھے اس دولت کی اجازت ہو............ میں اس قابل نہ تھا کہ حضرت حکیم الامت کی بارگاہ سے میرا انتساب صحیح ہوتا اوران بداعمالیوں کی حالت میں حضرت والا نے جو اصلاحی مشورہ کی اجازت مرحمت فرمائی یہ اور بھی مجھ ناکارہ آوارہ کے حق میں احسان عظیم فرمایا میں اس کا شکر کس زبان سے ادا کروں............

جناب والا اب اس نااہل کو ذکر اور اس کا طریقہ تعلیم فرمائیں پھر ان شاء اللہ اپنے امراض کا علاج بھی پوچھوں گا............ جامعہ اشرفیہ کے جلسہ پر حاضری کا ارادہ ہے اجازت مرحمت فرمائیں۔ ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ۔

حضرت مفتی صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

برخوردار کے خط سے دل خوش ہوا باقی بوقت ملاقات......دعا کرتا ہوں۔

﴿ دوسرا عریضہ ﴾

اس کے بعد جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ پر حاضری ہوئی تو حضرتؒ نے بارہ تسبیح کا ذکر تعلیم فرمایا اور اس کیلئے قصد السبیل کا حوالہ بھی دیا لاہور سے واپسی پر ایک عریضہ میں اس کا تذکرہ یوں ملتا ہے:

حال: اس ناکارہ نے جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ پر جناب والا سے تعلیم ذکر کی درخواست کی تھی تو جناب والا نے بارہ تسبیح کا ذکر فرمایا تھا اور ذکر کی ترتیب کیلئے قصد السبیل کا حوالہ فرمایا تھا سو حسب مرقوم قصد السبیل بارہ تسبیح کا ذکر جناب والا کی اجازت سے کیا کرتا ہوں اس پر دوام وحضور قلب کی دعا کا محتاج ہوں۔

ارشاد: السلام علیکم۔خیریت سے ہوں گو کمزور ہوں۔الحمدللہ دعا کرتا ہوں۔

حال: تعلیم الدین وتبلیغ دین رسالے بھی اس ناکارہ کے زیر مطالعہ رہتے ہیں اور اپنے عیوب وخصائل ذمیمہ پر ان کے ذریعہ اطلاع حاصل ہوتی رہتی ہے۔

ارشاد: الحمدللہ۔

حضرت والد صاحبؒ نے اس عریضہ میں غصہ کے متعلق تفصیلاً اپنی حالت لکھ کر حضرتؒ سے اصلاح چاہی اور آخر میں لکھا:

حال: میری اس حالت کے متعلق اصلاح کی تجویز تحریر فرماویں باقی صلاح وفلاح دارین کی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔۱۲/شعبان۸۰ھ

ارشاد: آپ کی حالت اچھی ہے وعظ علاج الغضب ملے تو مطالعہ کریں۔دعا کرتا ہوں برخوردار سے دعا چاہتا ہوں۔

ایک موقع پر حضرتؒ نے آپ کی خدمت میں اپنے ایک واقعہ کا ذکر کر کے اس پر معذرت کرتے ہوئے لکھا:

حال: دوسری گذارش یہ ہے کہ اس موقع حاضری پر ایک مجلس میں نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہ ہونے کے متعلق جناب نے فرمایا تو اس پر میں نے ایک روپیہ کے نوٹ کا حکم پوچھا شبہ یہ تھا کہ ایک روپے کے نوٹ پر دوسرے نوٹوں کی طرح خزانہ سے رقم دینے کا وعدہ لکھا نہیں ہوتا تو کیا پھر بھی اس سے

دوسرے نوٹوں کی طرح زکوٰۃ ادانہ ہوگی یا روپیہ کے حکم میں ہوگا اور اس کا دے دینا روپیہ کا دے دینا شمار ہوگا جناب نے اس کا جواب مرحمت فرمایا اس پر گفتگو میں طول ہوگیا حضرت والا نے یہ فرما کر گفتگو ختم کردی کہ یہ مجلس اس بحث کیلئے نہیں ہے اس پر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ واقعی اس ضعف کی حالت میں ایسے مسائل کا تذکرہ مناسب نہ تھا جس سے حضرت والا کی طبیعت پر گرانی ہوئی لیکن شروع میں حضرت والا کی بشاشت وانبساط کی وجہ سے میں نے بے تکلفی میں کلام کو جاری رکھا اور ایک حد پر گفتگو کو ختم نہیں کیا بعد میں مجھے اس پر تنبہ ہوا امید ہے کہ درگذر فرمائیں گے۔ ۲۷ رشعبان ۵۷ھ

ارشاد: درگذر سے کیا عذر ہے۔

حضرت والد صاحبؒ حضرت مفتی صاحبؒ کے اس ارشاد عالی کو بڑے لطف سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضرت نے معذرت کی کتنی قدر کی اور کتنی شفقت اور محبت کا جملہ تحریر فرمایا۔

شروع میں جب آپ ساہیوال میں تشریف لائے تو یہاں کے حالات بہت ناگفتہ بہ تھے مختلف رسومات بدعات کا رواج تھا لوگوں کے عقائد بھی انتہائی خطرناک حد تک تھے قرب وجوار میں انہیں عقائد کا چرچا تھا حاضر ناظر علم غیب وغیرہ عقائد میں انتہائی غلو سے کام لیا جارہا تھا آپ کے بارہ میں سخت مخالفت جاری تھی اسی دور میں یہاں کے حالات پر مشتمل تفصیلی خط حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں لکھا گیا جس میں دعا کی درخواست کے ساتھ بعض تجاویز بھی تھیں اس کے جواب میں حضرتؒ نے تحریر فرمایا:

ارشاد: دعا کرتا ہوں صبر اور خاموشی اور دعا عدم قرض زبان اور قلب دونوں سے بالکل خاموشی اپنے احباب کو بھی یہی مشورہ دو ان مسائل کا تذکرہ بھی اب نہ کرو حق کی تبلیغ ہو چکی ہے ان شاءاللہ کافی ہے اب زمانہ فتنہ کا ہے۔ ۱۱ رشوال ۴۷ھ

ایک والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

برخوردار سلمہ ربہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کے تحریر سے اصول مفیدہ معلوم ہوئے جزاکم اللہ جمعیۃ العلماء کی تجویز ابھی تک یہ ہے کہ کسی جماعت سے اتصال نہ کرے...... آپ کا خط مولانا مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو بھی دکھایا گیا خطیب...... مضر کام کرنے لگے ہیں ہوسکے تو ان کو روکو اور خود ان سے اتفاق نہ کرو۔ محمد حسن

﴿ مزید چند گرامی نامہ جات ﴾

(۱) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ پیر کا اپریشن کر دیا تھا اب الحمدللہ اچھا ہوں درد موجود ہے اور دن بدن صحت میں ترقی ہے۔عبیداللہ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دونوں مدرس ہیں۔

آپ کا دعا گو محمد حسن (موصولہ ۱۷/ربیع الاول ۷۱ھ)

(۲) السلام علیکم۔نومولود کی سعادت کیلئے دعا کرتا ہوں اگر پسند ہو تو عبدالغفور نام رکھ لیا جاوے، محمد حسن

(۳) برخوردار سلمہ ربہ۔السلام علیکم آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ جیل میں رہے اور بچہ کے انتقال کا بھی علم ہوا انا للہ حق تعالیٰ گھر میں صحت عطا فرمائیں اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ فرماویں احقر کو ضعف کافی ہے زندگی کے آخری سانس ہیں دعا فرماویں کہ ایمان پر خاتمہ ہو۔آپ جس وقت تشریف لاویں ملاقات ہو جائے گی۔محمد حسن

(۴) السلام علیکم۔قرض اور مرض کی تخفیف سے دل خوش ہوا حق تعالیٰ پوری کامیابی عطا فرماویں احقر خیریت سے ہے۔

(۵) السلام علیکم۔دعا کرتا ہوں اور برخوردار سے دعا چاہتا ہوں۔

(۶) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ برخوردار کے خط اور پریشانی سے صدمہ ہوا حق تعالیٰ گھر میں صحت عطا فرماوے اور صبر عطا فرمائے اور ہر قسم کی پریشانی سے محفوظ فرماوے۔محمد حسن

(۷) السلام علیکم، برخوردار کے خط سے دل خوش ہوا برخوردار کیلئے اور مدرسہ کیلئے دعا کرتا ہوں، محمد حسن

(۸) السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ برخوردار کے خط سے دل خوش ہوا مدرسہ کے حالات سے خوشی میں ترقی ہوئی دل سے دعا کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔محمد حسن

(۹) السلام علیکم۔لڑکے کی ولادت سے دل خوش ہوا دعا کرتا ہوں نومولود کیلئے اور اس کے باپ کیلئے دعا کرتا ہوں آپ کو جو نام پسند ہوں وہ لکھیں میں ان میں سے انتخاب کر کے لکھدوں گا۔ عبدالنور تو کوئی نام نہیں ہے پہلے؟ دعا کرتا ہوں اور دعا چاہتا ہوں۔۵/مارچ ۱۹۶۱ء

(۱۰) السلام علیکم۔ برخوردار قاری عبدالشکور سلمہ۔والا نامہ سے دل خوش ہوا برخوردار کے کل مقاصد کیلئے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے دعا چاہتا ہوں طبیعت کمزور ہے۔

(۱۱) برخوردار سلمہ ربہ۔السلام علیکم۔خیریت سے ہوں تکلیف میں کافی افاقہ ہے مولانا جلیل احمد

صاحب کا پتہ نہیں وہ کشمیر کے قریب رہتے ہیں۔اہل بدعت کے شر سے حفاظت کی دعا کرتا ہوں۔

محمد حسن جمادی الاولیٰ ۷۱ھ

(۱۲) برخوردار سلمہ ربہ۔السلام علیکم۔بچے کی آمد سے دل خوش ہوا حق تعالیٰ بچے کی والدہ اور بچے کو ہر طرح کے مصائب سے محفوظ فرماویں نام کیلئے قافیہ تو اب عبدالغفور ہے اگر پسند ہو تو تجویز فرماویں،

(۱۳) برخوردار سعادت اطوار عبدالشکور سلمہ۔السلام علیکم آپ کے خط سے دل خوش ہوا الحمد للہ خیریت ہے۔باقی اسباب موت اب کافی ہیں دعا فرماویں کہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

آپ کا دعا گو محمد حسن۔موصولہ ۲۱ر شوال ۷۶ھ

(۱۴) مکرم محترم برخوردار سید عبدالشکور صاحب سلمہ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔احقر خیریت سے ہے برخوردار عبیداللہ بھی خیریت سے ہے۔آپ کے بچے کی موت سے رنج ہوا حق تعالیٰ برخوردار کے والدین کو اجر اور برخوردار کیلئے ذخیرہ آخرت فرماویں اور عبدالصبور کو علم وعمل عطا فرماویں۔احقر محمد حسن

(۱۵) برخوردار سعادت آثار سلمہ ربہ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔نواب سے مل کر فیصلہ کر واور ایک جگہ اور بھی ہے ایک بہت بڑا کارخانہ افریقہ والوں کا ہے وہ بھی ایک قاری جو درسیات سے بھی واقف ہو اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے رکھنا چاہتے ہیں اگر آپ کی رائے ہو تو آکر حال معلوم فرمالیں۔افریقہ والوں کا تعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔محمد حسن از لاہور

﴿ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے اصلاحی تعلق ﴾

حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی وفات سے حضرت والد صاحب کو انتہائی صدمہ ہوا اب پھر شیخ کی تلاش ہوئی اپنے اصلاحی تعلق کیلئے حضرت علامہ ظفر احمد صاحب قدس سرہ سے مشورہ لیا تو آپ نے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ کا اسم گرامی اور پتہ تحریر فرمایا آپ نے ان کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا اس میں اصلاحی تعلق اور تجدید بیعت کی درخواست کی تو حضرت پھولپوریؒ نے اس پر تحریر فرمایا:

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔آپ کے والد صاحب سے میرے خصوصی تعلقات تھے آپ گویا میری اولاد ہیں آپ کی دینی خدمت سے کیا دریغ ہوسکتا ہے اصلاح کیلئے حالات لکھا کریں اور گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے حق تعالیٰ کی ذات حی اور قیوم ہے اپنے

بندوں کو ہر حال میں سنبھالنے کیلئے کافی وافی ہے۔عبدالغنی

تجدید بیعت کرلیا کیونکہ آپ نابالغی میں بیعت ہوئے تھے جوشرعی بیعت نہیں تھی محض برکت کیلئے تھی۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت اقدس کے اس والا نامہ سے بہت تسلی ہوئی اور حضرت سے باقاعدہ اصلاحی مکاتبت شروع ہوگئی حضرت والد ماجدؒ بڑے اہتمام سے اپنے حالات لکھتے اور حضرتؒ نے بھی از راہ شفقت وعنایت بہت توجہ سے جوابات لکھوائے اصلاحی مکاتبت کا یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا اس دوران ایک مرتبہ ہفتہ بھر کیلئے کراچی خانقاہ میں حاضری اور قیام کا موقع بھی ملا اور دوران قیام حضرت اقدسؒ کی خاص عنایات اور شفقتیں بھی نصیب ہوئیں ان اصلاحی خطوط کا ایک حصہ حضرت پھولپوریؒ کے رسالہ ''اصول الوصول'' کے آخر میں طبع بھی ہو چکا ہے جسے افادہ عام کیلئے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے اس میں وہی انداز اختیار کیا گیا ہے جو تربیت السالک میں ہے اصلاح کے طالب کیلئے یہ ایک نمونہ ہے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس مکاتبت سے مجھے بہت نفع ہوا اور باقاعدہ اصلاحی وتربیتی کورس جس طرح حضرت پھولپوریؒ نے کرایا پھر اس کا موقع بعد میں نہیں ملا حضرتؒ نے خوب تربیت فرمائی حق تعالیٰ ان کو بہت بہت جزائے خیر دے اور درجات بلند فرماویں آمین ثم آمین۔

﴿ اصلاحی مکاتبت از حضرت اقدس پھولپوریؒ ﴾

حال: حسد کی حقیقت کیا ہے اور اس مرض کا علاج کس طرح کیا جائے نیز حدیث شریف میں حسد کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ اعمال حسنہ کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو تو بجائے جلانے کے کھا جانے کا جو فرمایا گیا ہے اس میں کیا حکمت ہے۔

اصلاح: کسی شخص کی کسی نعمت کے زوال کی تمنا کا نام حسد ہے علاج یہ ہے کہ جس شخص سے حسد دل میں معلوم ہو اس کی دینی اور دنیوی فلاح کیلئے دعا کرتا رہے اور اس سے خوش اخلاقی سے مل لیا کرے اور لوگوں میں اس کی تعریف بھی کرتا رہے حدیث شریف میں حرق یعنی جلانے کی بجائے اکل یعنی کھا جانے کو جو فرمایا گیا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ نے میرے قلب میں ایک عجیب حکمت وارد فرمائی ہے وہ یہ کہ بعض چیزوں کا آگ جلا کر پہلے سے بھی زیادہ قابل قدر بنا دیتی ہے مثلاً ببول

اور املی کی لکڑی جب اس کو جلا کر کوئلہ بنا لیتے ہیں تو کوئلہ زیادہ بیش قیمت ہوجاتا ہے پس حسد کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسد اعمال حسنہ کو کھا جاتا ہے یعنی کسی درجہ میں اعمال کی نافعیت باقی نہیں رہتی ہے یہ کمال بلاغت ہے۔

حال: اپنی حالت غصہ کے متعلق عرض کرتا ہوں جب کوئی شخص میری کسی حالت کے متعلق پس پشت تذکرہ کرتا ہے اور مجھے معلوم ہوجاتا ہے تو یہ بہت ناگوار ہوتا ہے لیکن باوجود ناگواری کے اگر وہ حالت واقعی قابل اصلاح ہوتی ہے تو اس کی اصلاح کی فکر میں لگ جاتا ہوں مگر اس شخص پر غصہ بھی رہتا ہے مجھے یہی خیال ہوتا ہے کہ میرا یہ خیال شاید تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ غصہ بھی از راہ تکبر ہی ہوتا ہے میرے اس خیال کے متعلق تحریر فرمایا جاوے کہ صحیح ہے یا غلط اور اس حالت کی اصلاح کا کیا طریقہ ہے۔

اصلاح: یہ حالت ناگواری طبعی اقتضاء ہے مگر آپ صبر کریں اور آخرت میں کفارہ سیئات کی امید رکھیں غیبت کرنے والے اپنا نقصان اور برا کرتے ہیں اور آپ کا فائدہ کرتے ہیں تکلیف دہ چیز پر تکلیف ہونا بشریت کا اقتضاء ہے آپ کا علاج یہ ہے کہ آپ معاف کردیا کریں۔

حال: حضرت تھانویؒ کے ارشاد کے موافق نفع کا مدار مناسبت پر ہے اور مناسبت موقوف ہے صحبت شیخ پر مگر استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے صحبت سے محروم ہوں۔

اصلاح: اس راہ میں مصلح سے محبت اور کثرت مکاتبت کے بعد دوری باعث محرومی نہیں ہے مطمئن رہیں۔

حال: حضرت والا کے جواب ''اس راہ میں الخ'' سے نہایت درجہ اطمینان ہوا اس مژدہ جانفزا اور روح افزا سے اس قدر خوشی حاصل ہوئی کہ بیان نہیں ہوسکتا دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جناب والا کو بایں فیوض و برکات خدام والا کے سروں پر تادیر قائم رکھیں اور حضرت والا کو عمر نوح عطا فرمائیں،

اصلاح: آپ کی یہ محبت آپ کیلئے تمام مقامات کی مفتاح یعنی کلید سعادت ہے۔

حال: جب کوئی شخص میری مدح اور تعریف کرتا ہے تو دل خوش ہوتا ہے مگر فوراً اس کی تعریف کرتے وقت خاموشی کے ساتھ استغفار میں لگ جاتا ہوں بعد میں اس شخص کو کہہ دیتا ہوں کہ یہ سب بزرگوں کی توجہات کی بدولت ہیں میرا کمال نہیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے۔

اصلاح: آپ من آنم کہ من دانم کہہ دیا کریں اور فوراً اپنے عیوب اور گناہوں کی سوچ

میں لگ جائیں اور فیصلہ رضائے الٰہی مرنے سے قبل معلوم نہیں پس خلق کے فیصلے پر مطمئن ہونا یا مسرور ہونا بالکل بے اصل ہے اور چوب بوسیدہ پر اعتماد ہے۔

حال: اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس ارشاد جناب والا پر ''من آنم کہ من دانم'' یہ شبہ پیش آیا کہ عقلی طور پر کسی کی مدح سے خوش ہونا تو بے شک چوب بوسیدہ پر اعتماد کا مصداق ہے اور اس کا علاج اپنے عیوب کا استحضار بے شک صحیح اور کافی ہے مگر مدح غیر سے جو طبعی خوشی اور مسرت ہوتی ہے کیا وہ بھی مرض ہے اور اس کا علاج بھی یہی استحضار عیوب ہے یا طبعی خوشی مرض ہی نہیں اگر گراں خاطر نہ ہو تو نفس کے اس غائلہ کا علاج تجویز فرمائیں۔

اصلاح: فوراً طبیعت پر مسرت کا آنا یہ امر طبعی ہے لیکن ساتھ ساتھ استحضار عیوب اور احساس نقصان عبدیت بھی ضروری ہے۔

حال: مدح غیر پر مسرت طبعی اور عقلی کا فرق بھی اس جواب ثانی سے واضح ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مسرت طبعی مرض نہیں بلکہ مدح پر عقلی مسرت اور خوشی مرض ہے جس کا علاج استحضار عیوب ہے کیا میں نے یہ ٹھیک سمجھا ہے اصلاح فرمائیں۔

اصلاح: ٹھیک ہے مگر کمال یہ ہے کہ اس مسرت طبعی پر استحضار نقصان عبدیت اور خوف حق کا ایسا غلبہ معاً پیدا ہو جائے جو اس مسرت کو فوراً مغلوب کر دے اور بے لطف کر دے اور نفس سے کہہ دے کہ معاملہ میاں سے ہے جب وہ خوش ہو جائیں گے تب ہم خوش ہوں گے یعنی قیامت کے دن ان شاء اللہ۔

حال: مداح کو مدح سے اس لئے منع نہیں کرتا کہ ایسے موقع پر معتقد اکثر مدح میں اصرار اور مبالغہ کرنے لگتا ہے اس خیال مذکور کی بناء پر مداح کو منع سے نہ روکنا بہتر ہے یا استحضار عیوب و استغفار کے ساتھ منع کرنا بھی ضروری ہے جو رائے عالی ہو اس پر عمل کیا جائے۔

اصلاح: مداح کو منع کرنے میں اور اس کے اصرار کرنے میں خواہ مخواہ وقت ضائع ہو گا بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ بھائی من آنم کہ من دانم۔

بانگ دھل ہولم از دور بود — بغیب اندرم عیب مستور بود

حال: ایک حالت یہ بھی قابل علاج ہے کہ کسی عبادت کرنے کے بعد اگر کوئی شخص اس پر مطلع ہو جائے تو اس سے بھی خوشی ہوتی ہے اگرچہ دل یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دیکھے نہ ہی دکھلانے کا اہتمام

ہوتا ہے لیکن اگر کوئی دیکھ لے تو خوشی ضرور محسوس ہوتی ہے فہم ناقص میں یہ بات نہیں آئی کہ یہ ریا میں داخل ہے یا حب مدح ہی کی ایک فرد ہے بہر حال کچھ بھی ہو اس کا علاج تجویز فرمایا جاوے۔

علاج: اپنی نیت ہر کام میں رضائے حق کی کر کے کام شروع کر دیں پھر ریا چپک نہیں سکتی کسی کے مطلع ہونے سے اگر خوشی ہو یا زیادہ جوش وخروش پیدا ہو تو اس کی بھی فکر نہ کریں آپ اپنے اختیار سے اپنا معاملہ حق تعالیٰ سے درست رکھیں اور کسی مخلوق کے مطلع ہونے کے وقت یہ خیال کریں کہ اگر ساری مخلوق بھی مجھ سے خوش ہو جائے اور اپنا محبوب بنا لے تو کچھ حاصل نہیں کیونکہ مخلوق نفع وضرر کی مالک نہیں اور اگر میرا اللہ راضی ہو گیا تو سب کچھ حاصل ہے۔

حال: حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اعتراض کرتا ہے تو مجھے اس کے اعتراض کی بالکل برداشت نہیں ہوتی اور اس کے جواب کی فکر رہتی ہے بڑا غصہ بھی آتا ہے اس سے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرے اندر تکبر ہے،

علاج: اعتراض کے وقت طبعی ناگواری میں کوئی حرج نہیں البتہ جواب دینے کی کوشش نہ کریں کہ وقت ضائع کرنا ہے معترض کو حقیقت سے بے خبر سمجھ کر معذور سمجھیں اور اس کیلئے اور اپنے لئے دعا کریں اور اعتراض کیوقت سوچا کریں کہ بہت سے عیوب میرے اندر اور ہیں جن کی اس کو خبر نہیں ہے از آنہا کہ من دانم از صد یک است۔ البتہ وہ اعتراض جو اپنی ذات کے علاوہ دین کو نقصان پہنچانے والا ہے اس کا نرمی سے جواب دے دیا جاوے اور ذاتی معاملہ میں صبر کیا جاوے۔

حال: کسی کا اعتراض تو برداشت نہیں ہوتا لیکن بعض مرتبہ عجز کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ امامت وخطابت کے ترک کر دینے کا دل میں فیصلہ کر لیتا ہوں پھر تطییب قلوب مسلمین کے خیال سے یہ خدمت انجام دینے لگتا ہوں بیک وقت ان دو متضاد خیالات کے ہونے سے فیصلہ نہیں ہو سکا کہ یہ کیا حالت ہے۔

اصلاح: امامت وخطابت حکم الٰہی سمجھ کر کرتے رہیں کیا سرکاری احکام کو جب بھنگی شہر میں مشتہر کرتا ہے تو اپنے کو کچھ سمجھتا بھی ہے۔

حال: رات کے معمولات بعض مرتبہ رہ جاتے ہیں تو کیا ان کا تدارک دن میں ہو سکتا ہے۔

علاج: رات کے معمولات کی کوتاہی کا تدارک دن میں اور دن کے معمولات کی کوتاہی کا تدارک رات میں کر سکتے ہیں مگر یہ تقدم اور تأخر ناغہ کے مقابلہ میں غنیمت ہے استغفار بھی کر لیا کریں،

حال: ذکر اسم تو جاری ہے لیکن ابھی تک مسمیٰ کی ہوا بھی نہیں آئی عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ بانگ ہست و باصدا　　　بے مسمی اسم کے باشد روا
اسم می جوئی مسمی را بجو　　　بے مسمی اسم کے باشد نکو

حضرت دعا فرمادیں اسم بامسمی نصیب ہو۔

اصلاح: اسم ہی کی برکت سے مسمیٰ تک رسائی ہوتی ہے مسمیٰ اپنے بندوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے وھو معکم اینما کنتم اس پر دال ہے لیکن ہمارا نفس خود حجاب ہے جس کے رفع کرنے کا طریقہ مرضیات الٰہیہ کے مطابق عمل کرنا ہے جو عادۃً موقوف ہے ایک معتد بہ مدت تک اطلاع حال اور اتباع تجویز مرشد پر۔

حال: آجکل مالی پریشانیوں میں ہوں براہ کرم کوئی تعویذ عنایت فرمادیں۔

اصلاح: آپ اللّٰھم اکفنی بحلالك عن حرامك واغننی بفضلك عمن سواك سو مرتبہ اول وآخر درود شریف کے ساتھ پڑھ لیا کریں ان شاء اللہ تعالیٰ غیب سے رزق کا سامان ہوگا تعویذ سے زیادہ خود کچھ پڑھنے سے نفع ہوتا ہے تعویذ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی باورچی خانہ میں چلا جاوے تو صرف پلاؤ قورمے کی خوشبو ناک میں پہنچ جاوے گی اور خود ذکر ورد کرنے سے اصل غذا اندر پہنچ جاتی ہے یعنی حق تعالیٰ کے نام پاک کے انوار قلب میں داخل ہوجاتے ہیں اور قلب کو نورانی بنادیتے ہیں

حال: آجکل ایک شبہ دل میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جنتی ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بشارت کے بعد اپنے اوپر نفاق کا شبہ کیوں ہوا اس پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعوذ باللہ یقین نہ آیا۔

اصلاح: اس شبہ کا جواب حق تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمادیا تھا کہ حضرت عمرؓ آخر تک نیک رہیں گے اور نیکی پر وفات پائیں گے اور نیکی میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے کو اچھا نہ سمجھے اور اپنے نفس سے بے فکر نہ رہے اپنے نفس سے ہمیشہ بدگمان رہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب دشمنوں سے بڑھ کر خود تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں موجود ہے۔

حال: جملہ عبادات میں اخلاص حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے۔

اصلاح: اس دھیان سے عبادت کیا کریں کہ حق تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں جب اس دھیان سے غفلت ہوجائے پھر تازہ کرلیا کریں اس دھیان کی مشق اس طرح ہوتی ہے کہ ہر روز دس منٹ یا بیس منٹ باوضو قبلہ رو بیٹھ کر یہ مراقبہ کرلیا کریں کہ حق تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں اور میرے ہر ہر بال سے اللہ اللہ نکل رہا ہے اس دس منٹ کی کوک چوبیس گھنٹہ کیلئے کافی ہوجائے گی یعنی جس طرح گھڑی کو کوک دیتے ہیں تو ۲۴ گھنٹے خود بخود چلتی رہتی ہے اسی طرح دس منٹ کا یہ مراقبہ ۲۴ گھنٹے تم کو باخدار کھے گا اور غفلت سے محفوظ رکھے گا۔

حال: ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ والے اللہ تعالیٰ سے امیدیں بہت رکھتے ہیں برعکس فساق اور گنہگاروں کے کہ یہ امیدیں کم رکھتے ہیں تو دل میں خلجان پیدا ہوتا ہے کہ نیک بندوں کی کیا اپنے اعمال کی مقبولیت پر نظر ہوتی ہے حالانکہ اس راہ میں اعمال پر نظر سخت حجاب اور سبب محرومی ہے۔

اصلاح: نیک بندوں کو حق تعالیٰ سے امیدیں بہت ہونے کی وجہ اپنے اعمال حسنہ پر نظر نہیں ہے کیونکہ جس کی نظر اپنے اعمال پر ہوگی وہ عنداللہ نیک اور مقبول ہی نہیں ہے اللہ والے تو اپنے حسنات سے بھی شرمندہ رہتے ہیں کہ نہ معلوم حق تعالیٰ کی عظمت کے شایان شان مجھ سے عبادت ہوئی یا نہیں بعد نماز فرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا اسی اعتبار سے تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عظمت الٰہیہ کی معرفت تھی۔

بات یہ ہے کہ نیک بندوں کو اعمال صالحہ اور کثرت ذکر سے اپنے اللہ سے انس ہوجاتا ہے اور یہی انس باعث ہوتا ہے ان کی رجا کا جس طرح ایک دوست اپنے دوست سے ہر روز ملاقات کرتا ہے تو اس سے امید بھی ہوتی ہے کہ جب کوئی حاجت لے کر جاؤں گا تو رد نہ فرمائیں گے برعکس اس کے جو ملنا چھوڑ دیتا ہے اس کو اپنے دوست سے شرمندگی اور حجاب ہوجاتا ہے اس مضمون کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے ان الذین آمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ اولٰئک یرجون رحمۃ اللّٰہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدیں رکھتے ہیں۔

حال: آج کل اہل علم کا باہمی اختلاف عوام کیلئے فتنہ بن گیا ہے کاش سارے علماً اتفاق سے رہتے تو عوام کا ایمان محفوظ رہتا۔

اصلاح: نہ ہر اتفاق محمود ہے نہ ہر اختلاف مذموم ہے اصلاح کیلئے انتشار لازم ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قولوا لاالہ الااللّٰہ تو اس سے کفار و مشرکین عرب میں کیا انتشار نہیں پیدا ہوا تھا؟ کیا اس انتشار سے بچنے کیلئے اتفاق علی الکفر محمود تھا؟ اگر ایک شخص نے جعلی سکہ بنایا تو اصلی سکہ پرکھنے والا اس جعلی سکہ بنانے والے سے اختلاف نہ کرے اور مخلوق خدا کو اس کے فریب سے نہ بچائے؟ پس اگر کوئی شخص غیر دین کو دین بنانے لگے اور اہل حق غیر دین کو غیر دین فرمائیں تو کیا برا ہے اہل حق کیا باطل کے ساتھ موافقت کرلیں اہل حق اس وقت کتمان حق کریں یا اظہار حق کریں اس کا آپ خود فیصلہ کرلیں۔

حال: حدیث شریف میں ہے کہ تمام مؤمنین کے ساتھ نیک گمان رکھو براہ کرم اس کا طریقہ ارشاد فرمایئے کہ مجھے کسی مؤمن کے ساتھ بدگمانی نہ ہو۔

اصلاح: اپنے متعلق یہ سمجھیں کہ مجھے اپنے سب گناہوں کا علم درجہ یقین میں حاصل ہے اور جس مؤمن کے ساتھ بدگمانی ہے اسکے سب گناہوں کا ہمیں یقینی علم حاصل نہیں اور یقین کا درجہ گمان سے قوی ہونا ظاہر ہے پس اس مراقبہ سے اپنے ہی ساتھ بدگمانی پیدا ہوجائے گی نیز یہ خیال کرے کہ نہ معلوم خاتمہ کس کا کیسے ہو اور یہ خیال کرے کہ گنہگار مسلمان کا معمولی عمل حق تعالیٰ کو اس درجہ محبوب ہوتا ہے کہ وہ عنداللہ مقبول ہوتا ہے اور بعض عابد زاہد بے سمجھ میں کوئی ایسی برائی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ عنداللہ مبغوض ہوجاتا ہے اس لئے مرنے سے پہلے پہلے اپنے کو تمام مخلوق سے کمتر سمجھے۔

حال: اپنے اذکار اور نوافل سے نفس اپنے کو بڑا بزرگ سمجھتا ہے براہ کرم تواضع کے قلب میں راسخ ہوجانے کی اور کبر و عجب سے نجات کی تدبیر سے مطلع فرمائیں۔

اصلاح: جن اسباب کی بنا پر اپنے کو بڑا سمجھا جاتا ہو ان کو صرف حق تعالیٰ کی عطا و رحمت یقین کریں اور اپنی طرف نسبت نہ کریں ماا صابك من حسنة فمن اللّٰه حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو بھلائیاں تم کو پہنچیں ان کو عطاء حق سمجھو اس عمل پر پھر شکر کی توفیق ہوگی اور شکر سے مزید ترقی ظاہری و باطنی نصیب ہوگی پس مصرف صحیح ہوجانے سے جو چیز کہ ظلمت و حجاب تھی اب وہی چیز سبب نور اور قرب بن جاوے گی۔

حال: معمولات میں بڑی سستی معلوم ہوتی ہے اکثر ناغہ ہوجاتا ہے براہ کرم تدبیر سے مطلع

فرمائیں اور دعا بھی فرمائیں۔

اصلاح: بے ترتیبی سے کام کرنا بھی بالکل ترک سے بہتر ہے۔ کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی، کام میں لگے رہیں جب تک سستی معلوم ہو تو نفس سے یوں کہیں کہ کرنے کا کام تو کرنے ہی سے ہوتے ہیں اور کام شروع کر دیں یہ ہمارے حضرت مرشدی تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ بھائی کرنے کے کام تو کرنے ہی سے ہوتے ہیں میں نے اس ارشاد سے نفع عظیم اٹھایا ہے دل سے دعا کرتا ہوں۔

حال: میرے تعلقات کی کثرت میرے لئے سخت حجاب راہ ہے بعض وقت لوگوں کی خاطر مداراۃ میں مجھ سے بڑی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں .... براہ کرم مداراۃ اور مداہنت کے فرق سے مطلع فرمائیں اور میری نجات وخلاصی کی تدبیر ارشاد فرمائیں۔

اصلاح: مداراۃ کی حقیقت یہ ہے کہ لوگوں سے خوش خلقی اور خوش طبعی اور دلجوئی اس نیت سے کی جائے کہ اس راہ سے یہ لوگ دین کی طرف راغب ہو جائیں یا ان کے شر سے محفوظ رہنے کی نیت ہو، تاکہ فراغ قلب سے دین کی خدمت کی جائے اور دین کے علاوہ ان لوگوں سے کوئی طمع دنیوی مطلوب نہ ہو اور مداہنت کی حقیقت یہ ہے کہ مخلوق کی خوشامد اور چاپلوسی اور خاطر داری ان سے دنیا حاصل کرنے کیلئے کی جائے پس مداراۃ طریقہ انبیاء اور اولیاءؒ کا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ تبلیغ میں مدد ملتی ہے اور مداہنت دنیادار لوگوں کا شیوہ ہے۔ آپ کی خلاصی کی تدبیر صرف یہی ہے کہ کچھ دن کیلئے ان تعلقات سے فارغ ہو کر میرے پاس رہ پڑیں، دل سے دعا کرتا ہوں۔

حال: فنائیت سے مراد کیا ہے اور فنا نفس کی تدبیر کیا ہے۔

اصلاح: فنائیت سے مراد یہ ہے کہ ہر کام حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کرے اور اپنے برے تقاضوں پر عمل نہ کرے فنا نفس کی تدبیر یہ ہے کہ مصلح کی صحبت میں رہ کر اطلاع حال واتباع تجویز پر ایک مدت تک عمل کرے اور ہر حسنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانے یعنی یہ اعتقاد کرے کہ حسنات میرے بس سے باہر ہیں انہیں کی توفیق سے نیکیوں کی توفیق ہو رہی ہے اور برائیوں کو اپنی طرف سے سمجھے۔ مااصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك الآية (پ۵ سورہ نساء)

حال: بعض وقت اپنے احباب سے بالکل الگ رہنے کو جی چاہتا ہے لیکن اس میں شبہ یہ ہوتا ہے کہ شاید میرا نفس اپنے کو سب سے بہتر سمجھنے کے سبب دوستوں سے ملنا ترک کر رہا ہو، لہٰذا حضرت

والاعجب اور کبر سے ناشی استغنأ کا اور غلبۂ توحید سے ناشی استغنأ کا فرق ارشادفرمائیں۔

اصلاح: غلبۂ توحید سے اللہ والوں میں جوشان استغنأ عن الخلق کی پیدا ہوتی ہے اس کیلئے انکسار اور فنائیت وشان تواضع لازم ہے اور تکبر وعجب سے جو استغنأ پیدا ہوتا ہے اس کیلئے خود بینی اور بدخلقی لازم ہے۔

حال: قلب میں اطمینان اور جمعیت نہ ہونے سے ذکر میں دل نہیں لگتا اور اسی وجہ سے ذکر میں ناغہ ہوجاتا ہے اور نفس کہتا ہے کہ جب اطمینان میسر ہوگا تب ذکر کرنا براہ کرم علاج تجویز فرما کر ممنون فرمائیں۔

اصلاح: ذکر سے غفلت اچھی نہیں جمعیت کا انتظار نہ کریں ذکر ہی کی برکت سے جمعیت اور اطمینان بھی ان شاء اللہ میسر ہوجائے گا یہ شیطان کا سخت دھوکا ہے کہ اطمینان حاصل ہونے کے بعد ذکر شروع کروں گا ایک فکر سے دل فارغ ہوگا تو دوسری فکر میں مبتلا ہوگا اسی طرح ایک دن موت آجاوے گی پس جس حال میں ہوں فوراً ذکر شروع کردیں جی کا لگنا امر غیر اختیاری ہے اس لئے آپ اس کے مکلّف نہیں اور جی کا لگانا چونکہ آپ کے اختیار میں ہے اس لئے اس کے آپ مکلّف ہیں۔

﴿ حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ سے اصلاحی تعلق ﴾

حضرت والد صاحبؒ نے حضرت پھولپوریؒ کی وفات کے بعد اپنا اصلاحی تعلق حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ سے قائم فرمایا اس کیلئے آپ نے حضرت علام مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ سے مشورہ فرمایا تھا انہوں نے علامہ عثمانی ہی کا نام لکھا اس سلسلہ میں آپ نے جو پہلا عریضہ حضرت عثمانیؒ کولکھا اس کا ضروری حصہ یہ ہے:

﴿ عریضہ بخدمت حضرت عثمانیؒ ﴾

حضرت پھولپوریؒ کی وفات کے بعد بہت پریشانی ہے بہت سوچا کہ کس سے تعلق تربیت قائم کیا جائے مگر طبیعت نے فیصلہ نہ کیا تقریباً دو سال کا عرصہ ہوگیا اسی پریشانی اور تشویش میں گذرگیا سخت بے چینی اور اضطراب کی حالت ہے اپنی پریشانی کا حال حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں تحریر کیا تو موصوف نے مشورہ تحریر فرمایا کہ میرے نزدیک آپ کیلئے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہ مصلح مفید تر ہیں میری اپنی بھی دلی تمنا اور خواہش یہی تھی کہ حضرت والا اپنی آغوش تربیت میں اس حقیر کو قبول فرمالیں تو شاید کچھ اصلاح ہوکر نجات کی صورت نکل آئے ورنہ برے اخلاق سے

نجات دشوار معلوم ہوتی ہے لہٰذا درخواست ہے کہ حضرت والا اصلاحی تعلق کو قبول فرما کر ممنون احسان فرمائیں آج تک دل میں طبعی طور پر حضرت والا ہی کی طرف میلان رہا مگر عملی طور پر دوسرے حضرات سے اصلاح کا تعلق رکھا اب بھی اسی کشمکش میں مبتلا تھا کہ مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ نے مشورہ بالا سے امداد فرمائی میں حیران ہوں کہ مولانا موصوف نے بغیر اظہار کئے میرے طبعی میلان کو کس طرح محسوس فرمایا اور اس امر کا مشورہ دیا جو میرے لئے سب سے زیادہ مناسب اور مرغوب طبع ہے جزاہم اللہ خیر الجزاء۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے بارہ تسبیح کا وظیفہ تجویز فرمایا تھا بحمد اللہ اس پر عمل کرتا ہوں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ نے بھی اس وظیفہ کو باقی رکھا باقی دعاً برکت کی استدعا ہے ایک حال اب یہ ہوگیا ہے کہ ورد و وظائف میں مجھے اختصار پسند ہے ان سے زیادہ اصلاح اخلاق کی طرف توجہ و اہتمام ہے برکت کیلئے وظائف کی بھی ایک خاص مقدار پر دوام ضروری سمجھتا ہوں حضرت شاہ صاحبؒ کی معرفت الٰہیہ اور حضرت والا کی رحمۃ القدوس آج کل بہت مرغوب و محبوب ہیں ان کے مطالعہ میں بہت وقت گذرتا ہے اور ان کے مطالعہ سے ایک خاص کیفیت انجذاب الی اللہ کی دل میں محسوس ہوتی ہے اصلاحی مشورہ کے ساتھ حضرت والا میری اصلاح کے متعلق خصوصی طور پر دعا بھی فرمائیں۔

اس عریضہ کے جواب میں حضرت علامہ عثمانیؒ نے یہ جواب تحریر فرمایا:

﴿ جواب از حضرت عثمانیؒ ﴾

عزیز من سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، مولانا خیر محمد صاحب نے آپ کے انجذاب کو میری طرف محسوس کیا اس لئے مشورہ دیدیا اب میری رائے یہ ہے کہ آپ تعلق اصلاح کے بارہ میں استخارہ بھی کرلیں استخارہ کے بعد بھی یہی رائے قائم رہے تو اطلاع دیں پھر میں کچھ لکھوں گا۔ آج کل آشوب چشم کی تکلیف ہے اس سے زیادہ لکھنے سے معذور ہوں یہ سطور بھی رفع انتظار کیلئے لکھدی ہیں۔

والدعا والسلام ظفر احمد عثمانی عفا عنہ ۳؍ذی الحجہ ۸۴ھ

اس مکتوب گرامی کے جواب میں حضرت والد ماجدؒ نے تحریر فرمایا کہ:

﴿ مکتوب ﴾

حضرت والا نے تعلق اصلاح کے بارہ میں استخارہ کرنے کا مشورہ تحریر فرمایا اول تو ’’در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست‘‘ مگر حضرت کے مشورہ پر عمل کرنے کیلئے نیز امید برکت و تقویت قلب کی

خاطر استخارہ کے بعد بھی وہی سابقہ رائے قائم ہے اور اسی طرف رجحان ہے کہ حضرت والا ہی سے اصلاحی تعلق قائم کیا جائے اب مکرر درخواست ہے کہ اس تعلق کو قبول فرما کر ہدایات و اصلاحات سے مشرف فرمائیں۔

حضرت علامہ عثمانیؒ نے اس پر یہ تحریر فرمایا:

جواب

عزیز من سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، استخارہ اور استشارہ دونوں ہوگئے تو اب کامیابی کی پوری امید ہے ماخاب من استخار وماندم من استشار آپ کی درخواست قبول ہے اب آپ صحبت کیلئے مولانا خیر محمد صاحب کے پاس حاضر ہوا کریں کہ وہ قریب ہیں اور تعلق اصلاح کیلئے مجھ سے مکاتبت جاری رکھیں اپنے حالات اور معمولات سے برابر اطلاع دیتے رہیں کبھی فرصت اور وسعت ہو تو ایک ہفتہ کیلئے میرے پاس بھی آجائیں مگر آنے سے پہلے اجازت حاصل کرلیں تاکہ میں بھی اس وقت حاضر رہوں من حسن اسلام المرأ ترکہ مالایعنیہ پر عمل رکھیں اور معاصی ظاہرہ و باطنہ سے دور رہیں ایک وقت خلوت کا بھی مقرر کرلیں جس میں یہ کیفیت حاصل ہو ؎

دل ہو وہ جس میں کچھ نہ ہو جلوہ یار کے سوا

واللہ معکم اینما کنتم والسلام۔ ظفر احمد عفا عنہ ۱۲/ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

نوٹ: مولانا خیر محمد صاحب کے پاس جب جاؤ تو یہ خط بھی ان کو دکھلا دینا تاکہ توجہ زیادہ ہو اور میرا سلام بھی عرض کردینا۔

اصلاحی مکاتبت از حضرت علامہ عثمانیؒ

اس کے بعد حضرت عثمانیؒ سے مسلسل اصلاحی مکاتبت رہی اس کا اہم حصہ ہم ذیل میں حال اور ارشاد کے عنوان سے درج کررہے ہیں "حال" کے عنوان سے حضرت والد ماجدؒ کے حالات اور "ارشاد" سے حضرت عثمانیؒ کا جواب لکھا جائے گا۔

مکتوب اول

حال: حضرت والا نے تعلق اصلاح کی درخواست کو شرف قبول بخش کر احسان عظیم فرمایا جزاکم اللہ اب ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی اصلاح کی غرض سے اپنے حالات عرض کرتا رہوں گا اللہ تعالیٰ

حضرت والا کی تجویز فرمودہ اصلاحات پرعمل کی توفیق عطا فرما کر ان کے نفع سے بہرہ ور فرمائیں آمین خدا تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ مجھے معاصی ظاہرہ و باطنہ سے دور رہنے کی ہمت عطا فرماویں اور لا یعنی امور سے محفوظ رکھیں آمین۔

ارشاد: میں بھی دعا کرتا ہوں۔

حال: حسب ارشاد گرامی ایک وقت خلوت کا بھی مقرر کروں گا زیادہ مناسب کونسا وقت ہے اگر مناسب ہو مشورہ فرمائیں میری ناقص رائے میں بعد نماز فجر کا وقت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ارشاد: مناسب ہے۔

حال: اگر حضرت والا کی رائے عالی ہو تو مسجد میں ہی خلوت کے بعد اشراق پڑھ کر آؤں یا کسی اور جگہ بعد نماز فجر خلوت کیلئے آجاؤں۔

ارشاد: اگر مسجد میں خلوت نہ ہو سکے تو دوسری جگہ مناسب ہے۔

حال: اس وقت حسب تعلیم مفتی محمد حسن صاحبؒ بارہ تسبیح کا ذکر کرتا ہوں میں نے اس پر اضافہ کی درخواست حضرت شاہ صاحب پھولپوریؒ کی خدمت اقدس میں پیش کی تھی تو حضرت موصوف نے اجازت بلا تعیین مرحمت فرمائی تھی کہ ذکر معمول میں سے جس ذکر کے متعلق زیادہ دلچسپی ہو اس پر اس وقت اضافہ کر لیا کرو اور چلتے پھرتے سبحان اللہ کا ذکر تجویز فرمایا تھا۔

ارشاد: اسی طرح کیا جائے مگر سبحان اللہ کے ساتھ الحمدللہ و لاالٰہ الااللہ اللہ اکبر بھی شامل کر لیا جائے۔

حال: بعد مغرب صلوٰۃ الاوابین اور بعد فجر صلوٰۃ الاشراق پر پابندی کا خیال رہتا ہے حتی الامکان ان پر عمل ہو جاتا ہے اور تہجد کی توفیق دوامی طور پر نہیں ہوتی مگر بالکلیہ متروک بھی نہیں آنکھ کھل جاتی ہے تو پڑھ لیتا ہوں۔

ارشاد: جب آنکھ نہ کھلے بعد طلوع شمس قضا پڑھیں۔

حال: مدرسہ کی نگرانی بھی میرے ذمہ ہے کچھ خلقتاً ضعیف ہوں زیادہ محنت ہوتی نہیں مطالعہ کتب اور افتاء کے اندر وقت گذر جاتا ہے بس یہ معمولات ہیں ان میں برکت کی دعا فرمائیں۔

ارشاد: دعا کرتا ہوں۔

حال: غصہ کے متعلق اب تک طبیعت میں اعتدال نہیں ہوا کسی ناگوار بات پر غصہ آ کر پھر اس کا اثر مدتوں رہتا ہے پھر جب اس واقعہ کا تذکرہ ہوگا پھر اس پر اتنا ہی غصہ آتا ہے یہ نہیں کہ کچھ مدت کے بعد اس کا اثر ضعیف ہو جائے اس مرض کا علاج تجویز فرمائیں میں خود اس کو برا سمجھتا ہوں اور اس سے پریشان ہوں لیکن ویسے انتقام کا جذبہ بحمد اللہ تعالیٰ نہیں ہوتا بس رنج ہوتا ہے اور غصہ آتا ہے۔

ارشاد: غصہ کے وقت زبان کو قابو میں رکھیں اور اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کا ورد کریں اور جس پر غصہ آیا ہے اس سے اس وقت الگ ہو کر ٹھنڈا پانی پی لیں۔

حال: حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضری ہوگی تو حضرت والا کا گرامی نامہ ان کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔

ارشاد: بہتر۔

حال: دعاء اصلاح کی درخواست پیش خدمت والا درجت ہے۔ ۱۷ر ذوالحجہ ۸۴ھ

ارشاد: دل سے دعا ہے۔ والسلام ظفر احمد عثمانی ۔ **ہدایت** : خط میں دوسرا کاغذ بھی رکھنا کافی نہیں ایک کالم بائیں طرف ہر صفحہ کا جواب کیلئے خالی رکھا جائے۔

﴿ مکتوب دوم ﴾

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ٹنڈو الٰہ یار حضرت علامہ عثمانیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضری کا موقع عطا فرما دیا ایک ہفتہ آپ کا وہاں قیام رہا حضرت کی خاص توجہ اور عنایت نصیب ہوئی مختلف مجالس میں حاضری اور حضرتؒ سے گفتگو کی سعادت حاصل ہوتی رہی ۱۱ر محرم ۸۵ھ کو بعد مغرب حضرت عثمانیؒ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اس سفر وسیلہ ظفر سے واپسی پر آپ نے حضرت کو جو خط لکھا ذیل میں ملاحظہ فرمائیں :

حال: یہ احقر حضرت والا کی خدمت بابرکت سے جدا ہو کر کل شام گھر بحمد اللہ بخیریت پہنچ گیا ہے راستہ میں ملتان حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوا اور حضرت والا کا سلام بھی پہنچا دیا تھا۔

ارشاد: جزاکم اللہ۔

حال: ۱۱ر محرم ۸۵ھ کو بعد مغرب حضرت والا نے جو اس ذرہ بے مقدار کو اپنی عنایات خاصہ

سے نوازا اور لطف وکرم سے مشرف فرمایا اس کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں حضرت والا نے مراقبہ ان ربی یحبنی اور ذکر پاس انفاس کی جو تعلیم دی ہے اس پر عمل کی کوشش کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ دعا ہمت وبرکت کی درخواست ہے۔

ارشاد: دل سے دعا ہے۔

حال: تاریخ مذکور میں جو تیسری بات حضرت والا نے فرمائی ہے کہ میں اپنی طرف سے مجاز بیعت کرتا ہوں اس کے متعلق مؤدبانہ معروض ہے کہ یہ آوارہ ناکارہ بدعمل اس منصب کی اہلیت وقابلیت بالکل اپنے اندر نہیں پاتا۔

ارشاد: اگر اپنے اندر اس کی قابلیت پاتے تو اس کے قابل نہ ہوتے اپنی ناقابلیت کا مشاہدہ ہی میرے قول کی تائید ہے۔

حال: اور اس ذمہ داری کے برداشت کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا اور اس عہدہ کے فرائض کی ادائیگی سے اپنے کو قاصر پاتا ہوں جب سے حضرت والا کی طرف سے یہ آواز کان میں پڑی ہے اس وقت سے ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہوں اور تحیر کا عالم ہے اسی تحیر واستعجاب کی وجہ سے اس وقت بھی زبانی عرض جواب کی ہمت نہیں ہوئی اور تمام راستہ میں بھی اور اب تک اسی قسم کے سوالات ذہن میں آرہے ہیں اور جارہے ہیں کہ نہ معلوم حضرت والا نے کس بنا پر اس نالائق کو یہ خدمت سپرد فرمائی ہے۔

ارشاد: بنا تو میں نے اسی وقت بتلا دی تھی کہ نماز عصر میں یہ خیال آیا اور بقول حضرت حکیم الامت قدس سرہ نماز کے واردات صحیح ہوتے ہیں۔

حال: خدانخواستہ حضرت والا کو میری کسی بات سے دھوکہ تو نہیں ہوگیا استغفر اللہ۔ شیخ عارف صاحب بصیرت ہوتا ہے اس کو ظاہری تصنع سے دھوکہ نہیں دیا جاسکتا وہ اصل اور بناوٹ کو اپنی فہم اور خدا داد فراست سے فوراً محسوس کر لیتا ہے وہ تو صورت دیکھتے ہی اصل ونقل کو پرکھ لیتا ہے مگر پھر بھی وہ انسان ہیں گو کامل انسان ہیں سہو وخطا سے مستثنیٰ نہیں تخمین وظن میں شائبہ خطا ہوتا ہے۔ شاید میرے متعلق ظن میں شائبہ خطا ہو، شاید میرے متعلق ظن میں چوک ہوگئی ہو، ویسے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کے گمان کو انجام کار درست فرمادیتے ہیں اور جس کو جیسا گمان کے مطابق اکثر اس کو ایسا ہی

بنا دیتے ہیں مگر تحلف تو اس میں بھی ممکن ہے گو اکثر واقع نہیں ہوتا لیکن شیخ کے حق میں خطا کا گمان بھی خطا اور سوء ادبی ہے استغفر اللہ العلی العظیم۔ یہ پریشان خیال حضرت والا کی خدمت بابرکت میں معروض ہیں جو مجھے پریشان کررہے ہیں ان سے مخلص کی صورت تجویز فرمائیں۔

ارشاد: ''داد او را قابلیت شرط نیست'' بلکہ ''شرط قابلیت داد اوست'' یہی مخلص ہے۔

حال: ایک خیال تمام خیالات کا قاطع کبھی کبھی یہ قلب پر وارد ہوتا ہے کہ جس طرح میں امامت وعظ تدریس افتاء وغیرہ دینی خدمات اپنے بزرگوں کی اجازت کے بھروسہ پر ٹوٹے پھوٹے طریقہ پر انجام دے رہا ہوں اسی طرح اس دینی خدمت کو بھی حضرت والا کی اجازت کے بھروسہ پر شروع کردوں تو شاید حضرت والا کی اجازت کی برکت سے نفع ہوجائے مگر اس میں پھر ایک وسوسہ ہوتا ہے کہ امور مذکورہ ایسی دینی خدمات ہیں کہ ان کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے اور کتابوں میں اس کے احکام مدون ہیں بخلاف اصلاح باطنی کے کہ اس کا تعلق قلبی کیفیات وحالات سے ہے گو اس کا علاج بھی مدون ہے مگر ان اعمال باطنی کی تشخیص کیلئے بصیرت وحذاقت کی ضرورت ہے جس کا مجھ میں فقدان ہے لہٰذا قیاس مع الفارق ہے احکام ظاہری کی خدمت اور احکام باطنی کی خدمت میں فرق ہے اس کا جواب طبیعت چاہتی ہے مگر سوائے اس کے اور کوئی جواب بن نہیں پڑتا کہ شیخ کا حکم ہے اس پر عمل کرو اس میں چوں وچرا کی گنجائش نہیں میں نے تمام خیالات ظاہر کرکے حضرت والا کا وقت عزیز بھی خراب کیا مگر اس کے بغیر چارہ بھی کیا تھا کہ ؎ نتواں نہفتن درد از طبیباں۔

ارشاد: میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کامل ہوگئے ہیں یا صاحب نسبت ہوگئے ہیں میں نے یہ کہا تھا کہ آپ کو طریق سے مناسبت ہوگئی سو بعض کو بعد کمال کے اجازت دی جاتی ہے بعض کو مناسبت کے بعد بھی اجازت دیدی جاتی ہے اور آپ کیلئے دوسری ہی صورت تھی اگر وارد نہ ہوتا تو اجازت میں کمال رسوخ کا انتظار کرتا مگر وارد کی وجہ سے مناسبت پر ہی اجازت دیدی گئی مجھے امید ہے کہ آپ معمولات پر دوام اور حالات سے اطلاع کا انتظام رکھیں گے تو جلد نسبت احسان بدرجہ تمام حاصل ہوجائے گی۔

حال: اب اگر حکم ہو تو اس کی تسلیم کے بغیر چارہ نہیں ورنہ حضرت میری طبیعت اس پر بالکل آمادہ نہیں اس وقت سے طبیعت پر ایک بہت سخت قسم کی گرانی محسوس ہورہی ہے چاہئے تو کہ جیسے دستار بندی پر علم ظاہری کی سند سے ایک قسم کی فرحت حاصل ہوتی ہے ویسے ہی اس اجازت سے

بجائے خوشی کے طبیعت میں انقباض اور بوجھ ہے۔

ارشاد: بوجھ تو ہونا چاہئے کہ بڑی امانت ہے ایسے ہی شخص سے ادائے امانت کی امید ہوتی ہے۔

والسلام ظفر احمد عفا عنہ ۱۷؍محرم ۱۳۸۵ھ

اس مکاتبت کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں اخذ بیعت کا طریقہ مع خطبہ بیعت لکھنے کی درخواست پیش کی جسے حضرت نے از راہ شفقت شرف قبولیت بخشا اور اپنے دست مبارک سے اخذ بیعت کا طریقہ اور خطبہ تحریر فرما کر ارسال فرمایا۔

مکتوب سوم

حال: کئی روز سے اپنی حالت تحریر کرنے کا ارادہ کر رہا تھا مگر گرمی کی شدت کی وجہ سے ہمت ہی نہیں ہوئی آج قلم لے کر بیٹھا ہوں بحمد اللہ تعالیٰ حضرت والا کی توجہات کے باعث معمولات ذکر وغیرہ پورے ہو جاتے ہیں مگر پہلے کی طرح لذت اور جوش بوقت ذکر نہیں ہے مگر اس حالت کی اطلاع حضرت والا کو دینی ضروری معلوم ہوئی۔

ارشاد: موسم کا اثر بھی ہوتا ہے جب گرمی پریشان کرتی ہے دل بھی پریشان ہو جاتا ہے۔

حال: اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ لذت و جوش کے فقدان پر کچھ غم بھی محسوس نہیں ہوتا بس ایک خلوّسی کی کیفیت ہے طبیعت بالکل سادہ ہے اور پابندی سے ذکر ہو جاتا ہے ورنہ عام طور پر ایسی کیفیات کے نہ ہونے سے ذکر وغیرہ میں دل نہیں لگا کرتا اور اسی وجہ سے ناغہ بھی ہو جایا کرتا ہے مگر اب ایسا نہیں ہے

ارشاد: حالت محمودہ ہے مبارک ہو۔

حال: ایک گاؤں میں جانا ہوا ایک مخلص نے ڈبہ میں گھی تھوڑا سا دیدیا میں نے انکار بھی کیا مگر ان کے اصرار پر مجھے لینا پڑا جب ساہیوال اڈے پر اترا تو وسوسہ آیا کہ ڈبہ اپنے ہاتھ میں لے کر بازار میں جانا مناسب نہیں شہر سے باہر باہر چلنا چاہئے مگر فوراً اپنے اس وسوسہ کو دفع کر کے بازار ہی میں کو چلنا شروع کر دیا اور بحمد اللہ سارے بازار میں پھر یہ خیال نہیں آیا کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے راستہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ کا واقعہ یاد آیا کہ آموں کی گٹھڑی سر پر رکھ کر تمام بازار میں تشریف لے جا رہے ہیں اس سے اور بھی لطف آیا۔

ارشاد: مجھے بھی اس سے خوشی ہوئی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائے مسجد میں پتھر نہیں

اٹھائے خندق نہیں کھودا۔

حال: اسی گاؤں میں جاتے ہوئے موٹر سے اتر کر تھوڑا راستہ پیدل کا ہے گاؤں والوں نے کہا تھا کہ سواری پہنچادیں گے مگر جب موٹر سے اترا تو سواری نہیں لیکن قطعاً خیال نہیں آیا کہ کیوں سواری نہیں آئی بلکہ پیدل چلنا شروع کردیا راستہ میں سواری آتی ہوئی مل گئی تو اس پر بلا تکلف سوار ہوگیا گھوڑی تھی ان سے یہ بھی نہیں کہا کہ وقت پر سواری کیوں نہیں آئی دل میں یہ خیال بھی نہیں آیا۔

ارشاد: اچھی حالت ہے اگر تنبیہ کردیتے وہ بھی درست تھا۔

حال: کل ظہر کے وقت بجلی کے بند ہونے سے مسجد میں گرمی تھی پنکھا بند تھا ایک صاحب از خود پنکھا لے کر ہوا کرنے لگے مجھے بہت شرم آئی میں ان کو منع تو نہ کرسکا مگر دل میں بہت ہی خجلت تھی کچھ ایسے انداز سے وہ یہ خدمت کررہے تھے کہ اگر ان کو منع کیا جاتا تو ماننے کی توقع نہیں تھی اخلاص معلوم ہوتا تھا مسجد میں دو ایک صاحب ایسے ہیں کہ جب وہ ہوتے ہیں میرا جوتا اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر عمر میں وہ بہت بڑے سفید ریش ہیں مجھے بے حد شرمندگی ہوتی ہے منع بھی کیا مگر وہ نہیں رکتے بچنے کی کوشش کرتا ہوں مگر وہ تاک میں رہتے ہیں جب میں فارغ ہوا اور وہ مجھ سے پہلے لپک کر جوتہ اٹھا لیتے ہیں ان کے معمر ہونے کی وجہ سے زیادہ شرمندگی ہوتی ہے مگر وہ باز نہیں آتے سختی سے منع کردوں تو شاید باز آجائیں مگر بہت برا مانیں گے کیا کرنا چاہئے۔

ارشاد: آپ ان کے جوتے اٹھالیا کریں پھر باز آجائیں گے۔

حال: یہ صاحب حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے متوسلین میں سے ہیں حضرت مولانا دومرتبہ ساہیوال تشریف لاچکے ہیں خاصے لوگ ان سے مرید ہیں اگر کوئی کم عمر جوتا اٹھاتا ہے تو اتنا برا نہیں معلوم ہوتا یہ کیسی حالت ہے اصلاح فرمائی جائے۔

ارشاد: اوپر لکھ دیا ہے۔

حال: حضرت والا نے جو بندہ حقیر کو حکم فرمایا تھا کہ سلسلہ میں داخل کرلیا کرو تو حضرت والا سے طریقہ اخذ بیعت بھی معلوم کرلیا تھا مگر اب تک حجاب اس قدر ہے کہ کسی سے بھی حضرت والا کی اجازت کا ذکر نہیں کیا حتی کہ گھر میں اور خاص دوستوں سے بھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے زبان نہیں اٹھتی کیا کیا جاوے۔

ارشاد: خاص خاص احباب کو میرا خط دکھلا دیا جائے اور گھر والوں کو زبان سے کہہ دیا جائے واما بنعمة ربك فحدث پر عمل کی نیت کر لی جائے۔

حال: پہلے جب کوئی سلسہ میں داخلہ کی درخواست کرتا تھا تو عذر کر دیا کرتا تھا تو لوگوں میں مشہور ہے کہ بیعت نہیں کرتا اب اگر حکم ہو اجازت کا ذکر کر دوں ورنہ طبیعت کا تقاضہ تو یہی ہے کہ خاموش رہوں جب خدا تعالیٰ کو منظور ہو گا خود ہی ظاہر فرمائیں گے جیسے ارشاد گرامی ہو گا تعمیل کی جائیگی۔

ارشاد: عام اعلان کی ضرورت نہیں مخلص احباب سے ذکر کر دیا جائے۔

حال: اتنی بڑی ذمہ داری کے سپرد کرنے کے بعد حضرت والا ہی دستگیری فرمائیں گے ورنہ یہ تہی دامن تو ایک قدم بھی اس راستہ میں نہیں چل سکتا اور ''ہر کہ خود گمراہ ست کرا رہبری کند'' کا مصداق ہے اس سلسہ میں حضرت والا سے خصوصی طور پر دعا کا خواستگار ہوں۔

ارشاد: دل سے دعا ہے۔

حال: اللہ تعالیٰ میری اعانت فرمائیں اور سلسلہ عالیہ کی بدنامی کا باعث یہ ناکارہ نہ بنے اور اپنے فضل وکرم سے اکابر کی طرف انتساب کی برکت سے مشرف فرماوے آمین ثم آمین۔ حضرت مجھے بہت ہی ڈر لگتا ہے کہ جب میرے جیسے بدعمل کو لوگ دیکھیں گے کہ بیعت کرتا ہے تو کہیں اکابر کو بدنام نہ کرنے لگیں اور ان سے بدگمانی پیدا نہ ہو جائے حق تعالیٰ مجھے بزرگوں کے بدنام کنندگان میں سے نہ بنائے آمین۔

ارشاد: ایسا اندیشہ رکھنے والوں سے سلسلہ بدنام نہیں ہوتا بلکہ نیک نام ہوتا ہے بے فکر رہیں۔

حال: ہر امر میں دعاء خیر کا ملتجی ہوں۔

ارشاد: دعا کرتا ہوں والسلام۔ ظفر احمد عفا عنہ ۲۸/صفر ۱۳۸۵ھ

﴿ مکتوب چہارم ﴾

حال: حضرت کل صبح نماز کے بعد سے ایک عجیب کیفیت وارد ہے نماز اشراق تک مصلی پر ہی وظیفہ پڑھتا ہوں وظیفہ میں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کا خیال آیا اور اس درجہ اس میں استغراقی حالت پیش آئی کہ طبیعت پریشان ہو گئی ان کی یاد نے اس قدر ستایا کہ گریہ طاری ہو گیا بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اب تک وہی رنج وغم کی حالت ہے جو ان کی وفات کے وقت تازہ تازہ صدمہ میں ہوئی تھی۔

ارشاد: حالت محمودہ ہے اس وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کی کثرت چاہئے تھی تو وہی ثواب ملتا جو وقت وفات کے صبر کا ملتا ہے۔

عرض: پہلے بھی اور کل سے بہت زیادہ حضرت والا دامت برکاتہم کا تصور بندھا رہتا ہے۔

ارشاد: مناسبت کی علامت ہے۔

حال: اور یہ خیال ستاتا رہتا ہے کہ مدرسہ وغیرہ کو چھوڑ کر حضرت والا کی خدمت میں چلا جاؤں کبھی یہ خیال آتا ہے کہ مہینہ دو مہینہ کی رخصت لے کر حضرت والا کی خدمت اقدس میں جا پڑوں مدرسہ کے کام کو بالکل دل نہیں چاہتا بڑی مشکل سے ہمت کر کے کچھ کام کرتا ہوں مسجد میں جمعہ سے قبل وعظ ہوا کرتا ہے اب دل چاہتا ہے کہ اس کو بھی بالکل ترک کر دوں احباب سے اس کا تذکرہ بھی کرتا رہتا ہوں مگر چار پانچ میل تک سے وعظ کی وجہ سے جمعہ میں لوگ شامل ہوتے ہیں ان کے خیال سے بادل ناخواستہ وعظ کہنا پڑتا ہے عجیب ضیق میں ہوں مدرسہ کی تنخواہ لینے کو دل نہیں چاہتا مگر بغیر لئے گذارہ نہیں ہوتا اس لئے مجبوراً لے رہا ہوں۔

ارشاد: یہ حالات سب کو پیش آتے ہیں جبکہ سلوک موافق سنت ہو حدیث بدأ الوحی میں ہے ثم حبب الیہ الخلاء اس حدیث کی شرح رحمۃ القدوس میں دیکھی جائے مگر محبوبیت خلوت کے ساتھ اداء حقوق بھی لازم ہے۔

عرض: میں تو پہلے ہی مدرسہ اور خطابت وغیرہ کی ذمہ داریوں سے گھبرا رہا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی جگہ خلوت میں وقت گذاروں مگر حضرت والا کا ارشاد مزید برآں ہے کہ لوگوں کی تربیت بھی کرو یہ اور ذمہ داری اور بوجھ سر پر پڑ گیا حضرت کیا مجھ جیسے ناکارہ کیلئے پہلے ہی ذمہ داری کے کام کچھ کم تھے جو ایک اور بوجھ ضعیف کاندھوں پر رکھ دیا گیا اس نعمت کی ناشکری نہیں کرتا (والحمد للہ علیٰ ذالک) مگر مجھے تو بوجھ پر بوجھ محسوس ہو کر لرزہ طاری ہو جاتا ہے جب اس کی مشکلات پر نظر کرتا ہوں تو اپنے کو طفل مکتب بھی نہیں سمجھتا یہ منصب عظیم بڑی ہمت وقوت واستقلال چاہتا ہے لیکن چونکہ حضرت والا کا حکم ہے تو انکار کی گنجائش نہیں مگر اوپر کا مضمون بطور شکایت دل میں رہتا ہے وہ عرض کر دیا گیا کہ ۔

نتوان نہفتن درد از طبیباں

ارشاد: میری اجازت کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی بیعت کی درخواست کرے تو فوراً بیعت کر لو

اگر قلب میں داعیہ پیدا ہو بیعت کرو اگر داعیہ نہ پیدا ہو بیعت نہ کرو۔

حال: خط لکھ کر بہت جلدی جواب کا انتظار شروع ہو جاتا ہے اور اس طرح بے قراری ہوتی ہے جس طرح پیاسے کو پانی کیلئے ہوتی ہے۔

ارشاد: اسی لئے جواب جلدی دے رہا ہوں۔

حال: خدا تعالیٰ حضرت والا کی عمر میں برکت عطا فرماویں اور آپ کے سایہ کو ہم نالائقوں کے سروں پر ہمیشہ دائم رکھے ؎ از من دعا و از جملہ جہاں آمین باد

ارشاد: اسی اندیشہ کی وجہ سے تو آپ کو اجازت دیدی ہے کہ شاید میں نہ رہوں تو آپ بے اجازت کے رہ جائیں پھر جب وارد صلوٰۃ بھی مل گیا تو اجازت دیدی گئی۔

حال: ذکر وغیرہ پر بحمد اللہ حسب دستور عمل ہو رہا ہے برکت کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

ارشاد: دل سے دعا ہے۔

حال: آج کل اشرف السوانح حضرتؒ کے ملفوظات اور التکشف زیر مطالعہ ہیں اکثر ان سے ہی وقت گذرتا ہے۔

ارشاد: بہتر۔ والسلام ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ ربیع ۱/۱۳۸۵ھ

﴿ مکتوب پنجم ﴾

حال: حسب ارشاد سامی حدیث بدء الوحی کی شرح رحمۃ القدوس میں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا پہلے بھی رحمۃ القدوس زیر مطالعہ رہی مگر اب بہت لطف حاصل ہوا کل عصر کے بعد چند دوست پاس بیٹھے تھے خلوت کی محبوبیت کا ذکر آ گیا میں نے حضرت والا کے خط کا یہ ارشاد سنایا کہ حدیث بدأ الوحی میں ہے ثم حبب الیه الخلاءُ۔ خط میرے ہاتھ میں ہی تھا کہ میرے ذہن میں والی ربك فارغب آیت کریمہ کا ورود ہوا میں نے حاضرین سے اس پر عرض کیا کہ اس آیت کریمہ سے بھی خلوت کی محبوبیت معلوم ہوتی ہے کہ اس میں تقدیم ما حقہ التاخیر مفید حصر کے قاعدہ سے صرف خدا تعالیٰ کی طرف رغبت اور توجہ الی اللہ کا امر ہے یوں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہی متوجہ الی اللہ رہتے تھے مگر وہ توجہ بواسطہ خلق بھی ہوتی تھی مگر آیت مذکورۃ الصدر میں صرف توجہ الی اللہ کا امر ہے جیسا کہ جار مجرور کی تقدیم کا مقتضیٰ ہے یعنی ایک وقت فراغت کا ایسا ہونا چاہئے جس میں بلا واسطہ خلق صرف توجہ

الی اللہ ہی ہواور دوسری طرف اس وقت میں توجہ نہ ہو یہی خلوت ہے تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اکمل الکاملین ہیں ایک وقت خلوت کا حکم ہو رہا ہے تو دوسروں کو تو اور بھی زیادہ ضرورت ہوگی اس خلوت کی یہ تقریر کچھ ایسے طریقہ پر ادا ہوئی کہ خود مجھے بھی لطف آیا اور سامعین پر بھی اثر تھا۔

ارشاد: علم صحیح مبارک ہو سورۃ مزمل میں اور زیادہ تصریح ہے: واذکر اسم ربك و تبتل اليه تبتيلاً

عرض: اسی اثناء میں یہ بھی عرض کر دیا کہ یہ تقریر مجھے حضرت والا کا خط ہاتھ میں لینے سے موہوب ہوئی اور ذہن اس طرف منتقل ہو گیا تو یہ حضرت والا کے خط کا فیض ہے اور جب ان حضرات کے خطوط کی صحبت اور تلبس کے یہ اثرات اور فیوضات ہیں تو خود ان حضرات کی صحبت کے کیا اثرات اور آثار ہوں گے ؎ خیال کن ز گلستان من بہار مرا

اس پر صحبت صالحین کی ضرورت اور ان کی صحبت جسمانی کی فضیلت اور دین میں اس سے تقویت ورسوخ کا بیان ہوتا رہا۔

ارشاد: یہ آپ کی محبت وحسن ظن ہے۔

عرض: حضرت والا اس میں جس قسم کی کوتاہی محسوس فرمائیں اصلاح فرمائیں۔

ارشاد: اوپر لکھ دیا ہے کہ علم صحیح مبارک ہو۔

عرض: گذشتہ جمعہ ایک دینی مدرسہ کے جلسہ پر تقریر کیلئے حاضری ہوئی تو واپسی پر جلسہ والوں نے اکرام کے نام سے بیس روپے دیئے میں نے اس میں سے دس روپے اٹھا لئے اور یہ کہا کہ بس کرایہ ہی دیدو جلسہ مدرسہ کا ہے ویسا جلسہ نہیں ہے انہوں نے دس روپے کے ساتھ پانچ روپے اور ملانے پر اصرار کیا تو میں نے کہا ان دس میں دو زائد از کرایہ میں نے رکھ لئے ہیں ضرورت پڑ جاتی ہے،

ارشاد: اچھا کیا۔

عرض: یہ تو ہوا واقعہ اب حضرت والا سے استفسار یہ ہے کہ میرا یہ عمل کیسا تھا اور اگر میں وہ ساری رقم لے لیتا تو کیا تھا۔

ارشاد: اچھا نہ تھا۔

عرض: اور یہ جو جواب دیا کہ یہ جلسہ مدرسہ کا ہے ویسا نہیں تو کیا ویسے عام جلسہ پر ایسے اخراجات چونکہ علماء کو دینے کیلئے ہی چندہ والوں کا مطمح نظر ہوتا ہے زائد از کرایہ رقم لینا مناسب ہوتا۔

ارشاد: اگر معلوم ہو جائے کہ دینے والے محبت وخلوص سے دے رہے ہیں تو مضائقہ نہیں اگر شبہ ہو تو زیادہ نہ لیا جائے۔

عرض: یہ تو چندوں میں ہوتا ہی ہے کہ شرما شرمی اکثر دیا جاتا ہے اس کا خیال کیا جاوے تو اصل کرایہ لینے کا جواز بھی مشتبہ معلوم ہوتا ہے مجھے بعض عوارضات مرض وغیرہ کی وجہ سے ان دنوں قرض کا بوجھ محسوس ہو رہا ہے ان عوارضات ہی میں تو قرض ہو گیا ہے اس کا بہت فکر ہے تو میں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ مقررہ آمدنی تو صرف اخراجات کیلئے ہی کافی ہوتی ہے اپنے فضل سے زائد آمدنی عطا فرما تاکہ قرض ادا ہو سکے تو واقعہ مذکورہ کے بعد دل میں یہ خیال وسوسہ کے درجہ میں آتا رہا کہ اگر وہ رقم لے لی جاتی تو قرض ہی میں دیدی جاتی کچھ تو بوجھ ہلکا ہوتا یا فلاں ضرورت عدم گنجائش کی وجہ سے رکی پڑی ہے اس میں ہی اس رقم کو صرف کر دیا جاتا۔

ارشاد: یہ خیال صحیح نہیں وسعت رزق وہی محمود ہے جو مشتبہ نہ ہو۔

عرض: ایک خیال یہ بھی آیا کہ خدا تعالیٰ فرمائیں گے کہ خود ہی تو مانگتا ہے اور جب دیتے ہیں تو لیتا نہیں نخرہ کرتا ہے۔

ارشاد: یہ بھی صحیح نہیں اللہ تعالیٰ کی عطا وہی ہے جو مشتبہ نہ ہو ورنہ امتحان ہے۔

عرض: ان سب خیالات کے بعد دل نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ رقم تمہاری تھی ہی نہیں اگر تمہاری ہوتی تو تمہارے انکار کے باوجود بھی تم کو ضرور ملتی پھر خواہ مخواہ ان خیالات میں کیوں رکھا جائے بس طبیعت کو اس سے سکون ہو گیا۔

ارشاد: یہی درست ہے۔

عرض: اس میں کیا کرنا چاہئے تھا اور اس قسم کے خیالات کا آنا کیا حب مال کی وجہ سے ہوا اور اس کا کیا علاج ہے۔

ارشاد: علاج وہی ہے کہ مشتبہ سے احتیاط کی جائے۔

عرض: حضرت والا کے جواب میں یہ فقرہ کہ ''شاید میں نہ رہوں'' اس سے کلیجہ منہ کو آتا ہے کیا وہ برا وقت بھی آوے گا کہ یہ نالائق ہوگا اور حضرت والا............اس کے تصور سے ہی حالت غیر ہو جاتی ہے اور تصور بھی حضرت کی اس تحریر کے بعد پہلی مرتبہ آ کر روح فرسا اور جانکاہ ثابت ہونے

کیلئے کافی معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ حضرت کی مفارقت کا صدمہ ہم نالائقوں کو نہ دکھاویں اور حضرت والا کو عمر نوح عطا فرماویں اگر ہم نہ رہیں تو کسی کو کیا نقصان مگر حضرت والا دامت برکاتہم کے ساتھ ہزاروں فوائد و منافع وابستہ ہیں اور لاکھوں کے ایمان سنبھالنے کیلئے حضرت کا وجود مسعود باعث ہے وہ دن تاریک ہوگا جس دن یہ فیض جہاں سے بند ہوگا اور شمس ہدایت غروب ہوگا خدائے تعالیٰ ہمیں اس دن کے دیکھنے سے محفوظ رکھے آمین۔

ارشاد: دعا کا مضائقہ نہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں لیکن پھر بھی جو آیا ہے اس کو وہاں جانا ہے اور عمر بھی اسی (۸۰) کے قریب ہوگئی ہے اس لئے مجھے تو فکر لازم ہے۔

عرض: معمولات ذکر دوازدہ تسبیح کا ذکر جاری ہے دعا برکت فرمائیں اگر کسی ذکر کے زیادہ کرنے کا مشورہ ہو تو اس کے متعلق تحریر فرمائیں۔

ارشاد: ذکر بارہ تسبیح پر دوام و رسوخ کے بعد ذکر پاس انفاس بتلایا جاتا ہے ذکر میں اس کا خیال رہے کہ دل سے نکل رہا ہے زبان سے توجہ ہٹالی جائے۔

عرض: حضرت قرض کی ادائیگی کیلئے ضرور خاص طور پر دعا فرمائیں۔

ارشاد: دعا کرتا ہوں یا وھاب یا مغنی بعد عشا کے ۱۴۱۴ مرتبہ اول آخر درود شریف ۳ بار پڑھتے رہیں

عرض: حضرت نے ''فضائل جہاد'' ارسال کرنے کو فرمایا تھا اب تک پہنچا نہیں۔

ارشاد: مگر دوسرے خط سے معلوم ہوا کہ پہنچ گیا اس میں چونکہ علمی سوالات تھے مفتی کے حوالہ کر دیا ہے وہ جواب لکھیں گے۔ والسلام ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ / ربیع ۸۵/۲ھ

مکتوب ششم

حال: اب بحمد اللہ تعالیٰ معمولات اذکار اپنے سابقہ معمول پر آ گئے ہیں اور جمعیت قلبی میں ترقی ہے دوسرے کاموں میں مشغولی کے وقت بھی بحمد اللہ تعالیٰ استحضار معیت الٰہیہ کا رہتا ہے اس میں ذہول کم ہوتا ہے دعا کی حاجت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں ترقی اور استحکام نصیب فرماوے آمین۔

ارشاد: دل سے دعا ہے۔

حال: حضرت میرا معمول ہے کہ نماز صبح کے بعد مصلیٰ پر ہی اشراق تک ذکر میں مشغول رہتا ہوں اور خلوت کیلئے کمرہ میں اگر اس وقت چلا جاؤں تو خیال ہوتا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک

جونماز کی جگہ بیٹھنے کی فضیلت ہے وہ حاصل نہ ہوگی ہاں اگر مسجد کے متعلقات حجرہ وغیرہ میں ہوتا تو پھراس کی فضیلت کا حصول بھی متوقع تھا جیسا کہ رحمۃ القدوس میں حضرت والا نے اس پر کلام فرمایا ہے اب اگر حضرت مشورہ فرمائیں تو معمول کے مطابق کرتا رہوں ورنہ صبح کی نماز کے بعد اپنے مکان پر آکر خلوت میں ذکر اذکار کروں اور وہیں اشراق ادا کروں۔

ارشاد: جہاں زیادہ یکسوئی ہو وہاں خلوت کی جائے۔

حال: صبح کے بعد پھر کسی وقت میں خلوت کیلئے موقع نہیں ملتا ویسے خلوت وتنہائی کو دل بہت چاہتا ہے حضرت والا سے خاص طور پر دعا کی درخواست ہے۔

ارشاد: دل سے دعا ہے۔ ظفر احمد عفا عنہ ۱۸/ج۱۳۸۵/۲ھ

مکتوب ہفتم
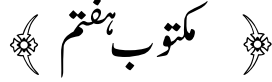
حال: امید ہے کہ حضرت والا کے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے اور صحت وری مزاج اقدس سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

ارشاد: اچھا ہوں مگر آنکھوں میں آشوب چشم کی تکلیف ہے۔

حال: معمولات میں بوجہ ضعف دماغ زیادتی نہیں کرسکا حالانکہ تمنا ہر وقت یہی رہتی ہے البتہ حضرت والا کے فیض اور دعا کی برکت سے اسی معمولی ذکر میں یہ اثر اپنے اندر محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کی قوت بڑھتی جاتی ہے۔

ارشاد: مبارک ہو۔

حال: اور مخلوق سے یکسوئی کو دل چاہتا ہے۔

ارشاد: حب الیہ الخلاً کا نمونہ ہے کوئی وقت خلوت کا مقرر کرلیا جائے یہی کافی ہے فاذافرغت فانصب والی ربك فرغب۔واذكراسم ربك وتبتل اليه تبتيلاً ۔

حال: بلکہ بعض مرتبہ یہ تقاضہ دل میں ہوتا ہے کہ تعلیم وتصنیف ہر کام کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤں مگر ان دینی کاموں کو ڈیوٹی سمجھ کر ادا کرتا ہوں دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرماویں اور اپنے مشائخ کی برکات سے حصہ عطا فرماویں۔

ارشاد: دل سے دعا ہے۔ والسلام ظفر احمد عثمانی ۱۶/صفر ۱۳۸۶ھ

﴿ مکتوب ہشتم ﴾

حال: امید ہے کہ حضرت والا کی طبیعت مبارک اب اچھی ہوگی اور آشوب چشم سے بھی آرام ہوگا

ارشاد: الحمدللہ اب آرام ہے مگر دوا جاری ہے۔

حال: آج میں اپنی پریشانی کا ذکر کررہا ہوں وہ یہ کہ اس جگہ کی پرانی جامع مسجد میں یہ احقر عرصہ اٹھارہ سال سے جمعہ اور جماعت کرارہا تھا اب گذشتہ جمعہ سے مجھے علیحدہ کردیا گیا متولی اس مسجد کے بریلوی طرز کے تھے بعض دوسرے بدعقیدہ لوگوں سے ساز باز کر کے مجھے امامت سے علیحدہ کردیا گو مجھے اس امامت سے کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی اور مالی منفعت اس سے مقصود نہیں تھی مگر اٹھارہ سالہ خدمت کے بعد ان کی بے وفائی سے سخت صدمہ ہے۔

ارشاد: حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد۔ عارف کو پریشان نہ ہونا چاہئے رضا بالقضا اس کا شیوہ ہونا چاہئے۔

حال: دوسری تکلیف یہ ہے جو اس وقت سب سے زیادہ رنج دہ ہے کہ وہ مسجد میرے مکان کے بالکل قریب ہے مجھے مسجد اور جماعت سے محرومی کا ہر وقت قلق ہے کبھی مدرسہ میں جماعت کرا لیتا ہوں کبھی گھر میں۔

ارشاد: اس پر بھی راضی رہنا چاہئے۔

حال: دعا فرمایئے مجھے اطمینان قلب نصیب ہو۔

ارشاد: دعا کرتا ہوں۔ والسلام ظفر احمد عثمانی ۱۱ر ربیع ا/۱۳۸۶ھ

﴿ مکتوب نہم ﴾

حال: گذشتہ ایام میں طبیعت خراب رہی کچھ موسم گرم رہا بعض دوسرے عوارضات پیش آتے رہے لیکن حضرت والا کی برکت سے اب بحمد اللہ حالات بہتر ہوتے جارہے ہیں حضرت والا دعا فرمائیں اطمینان قلبی میسر ہو۔

ارشاد: الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب ۔

حال: گذشتہ ایام میں معمولات پر بھی اثر پڑا اب پھر جب معمول وظائف شروع ہو چکے ہیں دعا استقامت کی درخواست ہے۔

ارشاد: دعا کرتا ہوں۔ ۲/رج/۱۳۸۶ھ

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے اصلاحی تعلق

۱۳۹۴ھ میں حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ انتقال فرما گئے آپ نے حضرتؒ کے بعد اپنا اصلاحی تعلق مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قائم فرمایا حضرت مفتی اعظمؒ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ میں جب لاہور تشریف لائے تو اس وقت حضرت والد ماجدؒ ہم سب کو حضرتؒ کی زیارت کیلئے لاہور لے گئے تھے ایک ہفتہ وہاں قیام فرمایا اور حضرتؒ سے تجدید بیعت بھی کی احقر کو بھی حضرت مفتی اعظمؒ سے برکت کیلئے بیعت کرایا والحمد للہ علیٰ ذالک کلہ۔

حضرت علامہ عثمانیؒ اور دیگر اکابر سے آپ کی اصلاحی خط وکتابت عرصہ دراز تک جاری رہی حتیٰ کہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے آپ کو اجازت بیعت وخلافت سے بھی نوازا حضرت مفتی اعظمؒ نے اسی خط وکتابت کے بھیجنے کیلئے فرمایا لیکن جب آپ نے اپنے مختصر حالات لکھے تو انہی پر اکتفا کرتے ہوئے آپ کو اجازت بیعت وخلافت سے مشرف فرمایا۔

حضرت والد صاحبؒ نے اس کا ذکر یوں فرمایا:

حضرت مفتی صاحبؒ کی طرف سے اس طرح کا ایک عطیہ بغیر استحقاق کے اپنی پوری نااہلیت کے باوجود اجازت بیعت عطا فرمانے کا ہے لاہور کے آخری سفر میں بوقت حاضری تجدید بیعت کا شرف حاصل ہو گیا تھا تربیتی خطوط برائے ملاحظہ ارسال کرنے کیلئے فرمایا تھا مگر حضرت مفتی صاحب کے ضعف کے پیش نظر اپنا مختصر حال متعلقہ تربیت لکھ کر بھیج دیا اس پر حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا: ''بس اس مختصر سے بھی وہ مقصد حاصل ہو گیا جو خط وکتابت کے دیکھنے سے حاصل ہوتا'' کچھ دنوں کے بعد ایک لفافہ حسب ذیل مضمون کا آیا جس پر ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ کی تاریخ درج ہے:

خلافت نامہ

عزیز محترم مولوی عبد الشکور سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت بے ساختہ یہ قلب میں وارد ہوا کہ بنام خدا تعالیٰ آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دے دی جائے آپ اپنی اصلاح کی نیت سے اصلاح خلق کی خدمت شروع کریں تربیت السالک تعلیم الدین، التکشف، التشرف وغیرہ کتب کو مطالعہ میں رکھیں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائیں۔

احقر نے اس کرامت نامہ کے بعد بہت مفصل عریضہ اپنی نااہلی اور آوارگی اور تاثر کے اظہار کیلئے ارسال کیا اس کا ایک فقرہ یہ ہے ''یہ ناچیز اس بارامانت وخدمت کا متحمل نہیں ہے اور بزرگوں کی طرف سے یہ بوجھ ڈالا جارہا ہے یہ خدا کی شان اور محض فضل واحسان ہے اس حیثیت سے کہ یہ عطیہ خداوندی ہے دو رکعت نماز شکرانہ کے طور پر ادا کرنے کی توفیق میسر آ گئی'' اس پر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ارقام فرمایا ''جو حالات پیش آئے وہی متوقع تھے اور اس میں خیر ہے ان شاء اللہ''۔

﴿ تصوف وسلوک میں معمولات ﴾

اپنے جو معمولات حضرتؒ نے احقر کی درخواست پر لکھ کر دیئے وہ یہ ہیں:

اس احقر کی علمی وعملی کوتاہیوں کا حال تو سب پر عیاں ہو گیا ہے، معمولات واوراد ووظائف کے بارہ میں بھی اکثر کوتاہی ہوتی رہتی ہے مگر پھر بھی جو کچھ معمولات رہے یا ہیں ان کو ذیل میں لکھا جاتا ہے شاید کسی کو ان پر عمل کی توفیق ہو جائے اور احقر کیلئے ذریعہ ثواب ونجات بن جائے۔

(۱) دوازدہ تسبیح معمولہ مشائخ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

لاالہ الااللّٰہ ۲۰۰ مرتبہ معمولی جہر اور ہلکی ضرب کے ساتھ ہر دس مرتبہ کے بعد محمد رسول اللّٰہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا۔ الااللّٰہ ۴۰۰ مرتبہ معمولی جہر اور ہلکی ضرب کے ساتھ۔ اللّٰہُ اللّٰہ ۶۰۰ مرتبہ پہلے اللّٰہ کی ہا پر پیش دوسرے پر جزم۔ اللّٰہ ۱۰۰ مرتبہ اللّٰہ کی ہا پر جزم کے ساتھ۔

(۲) اللّٰہ حاضری اللّٰہ ناظری بھی موقع بموقع کہتے رہنا اول وآخر میں اللّٰهم طهر قلبي عن غيري و نور قلبي بنور معرفتك دعاء کرنا۔

(۳) مناجات مقبول، دلائل الخیرات، حزب البحر پڑھنے کا بھی معمول رہا۔

(۴) فجر کی نماز کے سلام کے بعد قبلہ کی طرف منہ رکھتے ہوئے تین مرتبہ استغفر اللّٰہ پڑھنا اس کے بعد لااله الااللّٰه وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئٍ قدير تین مرتبہ۔ اللّٰهم لامانع لمااعطيت ولا معطى لمامنعت ولا ينفع ذالجد منك الجد تین مرتبہ۔

اپنے متعلقین ومتوسلین واحباب کو بھی آپ ان معمولات کی تلقین ان کے حالات کے مطابق فرمایا کرتے تھے جو احباب درس وتدریس میں مشغول ہوتے ان کو فرماتے کہ آپ حضرات انہی کاموں میں ذکر کی نیت کر لیا کریں ان شاء اللہ محرومی نہ ہوگی۔

اصلاح وارشاد اور تزکیہ باطن

حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ نے تصوف وسلوک اور روحانیت کی وادی کو با قاعدہ طور پر طے کیا اور ایسے حضرات مشائخ عظام سے تربیت باطنی کرائی جو اپنے وقت کے مسلمہ شیوخ اور مجدد ملت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے معتمد ترین اور عظیم خلفاء کرام تھے ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ آپ کو منزل تک پہنچایا بلکہ دوسروں کی اصلاح وتربیت کا اہل سمجھ کر خلافت واجازت بیعت سے بھی مشرف فرمایا:

بحمد اللہ تعالیٰ آپ اس راہ کے نشیب وفراز سے پوری طرح واقف تھے اور سالکین وطالبین کی خوب راہنمائی فرما سکتے تھے اہل اللہ سے تعلق اور اصلاح اخلاق کی ضرورت واہمیت پر آپ کے زوردار بیان اور تقاریر اکثر جمعہ او دیگر اجتماعات میں وقتاً فوقتاً بڑے اہتمام سے ہوتی تھیں آپ جب معرفت ومحبت الٰہی پر بولتے اس وقت آپ کی عجیب کیفیت ہو جاتی اور سامعین بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے محبت الٰہی اور اصلاح باطن آپ کا خاص پسندیدہ موضوع تھا قرآن وحدیث کے علاوہ اہل اللہ کے واقعات وحکایات نیز تصوف کے رموز واسرار اور نکات آپ بڑے لطف لے کر بیان فرماتے بسا اوقات ان مواعظ حسنہ سے سننے والوں پر ایسا واضح اثر ہوتا کہ انکے دل کی دنیا بدل جاتی دنیا سے تنفر آخرت سے محبت خداوند عالم سے عشق ومحبت اہل اللہ کی معیت شریعت کی اتباع اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت جیسے امور آپ کے بیان سے دل کی گہرائیوں میں رچ بس جاتے عوام وخواص کے ساتھ طلبہ وعلما کو بھی آپ اصلاح نفس اور تزکیہ باطن کی طرف متوجہ فرماتے ان کو اخلاق رذیلہ کی اصلاح کے ساتھ اخلاق حسنہ اور ملکات فاضلہ کے حصول اور کسی شیخ کامل وعارف باللہ سے اصلاحی تعلق کی طرف ضرور متوجہ فرماتے پیری مریدی اور بیعت کا اصل مقصد چونکہ اصلاح نفس ہی ہے جو فرض عین ہے اور یہ بیعت پر موقوف نہیں کیونکہ بیعت صرف سنت ہے فرض وواجب نہیں عوام نے اس کو ضروری اور لازم سمجھ رکھا ہے اس لئے حضرت اقدس عوام کے اعتقاد کی اصلاح کیلئے عموماً بیعت نہیں فرماتے تھے صرف تزکیہ نفس اور اصلاح نفس پر زور دیتے تھے آپ کا یہ طرز عمل عوام میں مشہور غلط نظریہ کی اصلاح کیلئے تھا باوجودیکہ طریقت میں آپ باقاعدہ اکابر کی طرف سے مجاز اور اس راستہ کے خوب واقف کار

اور ماہر تھے لیکن عرصہ دراز تک عملاً آپ نے صورتاً ورسماً کسی کو بیعت نہیں فرمایا اول تو اس سلسلہ میں آپ کمال اخفاء کے قائل تھے اور یہ آپ کی عادت اور حال تھا اسی لئے اپنی خلافت اور اجازت بیعت وتلقین کا تذکرہ خاص احباب سے بھی نہیں فرماتے تھے اگر کوئی بیعت کیلئے کہتا تو آپ اس کو دوسرے مشہور ومعروف اپنے مسلک کے اصحاب سلسلہ کی طرف راہنمائی فرمادیتے آپ کا یہ معمول تقریباً آخر حیات تک رہا زندگی کے آخری چند سال میں اس معمول میں صرف اتنا فرق آیا کہ اگر کوئی اصرار کرتا تو آپ اسے اصلاحی تعلق کی اجازت عنایت فرماتے بیعت کا معمول نہیں تھا صرف چند حضرات ایسے ہیں جن کو اصلاحی تعلق کے ساتھ ان کے اصرار پر آپ نے بیعت بھی فرمایا البتہ خواتین اس سے مستثنیٰ تھیں ان کو بعد از بیعت وظائف واوراد کی تلقین فردیتے تھے جب انوارالنظر حصہ دوم میں حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ نے اپنے خلفاء اور مجازین میں آپ کا نام شائع کیا تو اس وقت آپ کے بعض احباب کو اس کا علم ہوا مگر اس کے باوجود حضرت عثمانیؒ کی حیات تک آپ نے کسی کو بیعت نہیں فرمایا بلکہ جب حضرت عثمانیؒ نے بزمانہ قیام ٹنڈو اللہ یار آپ کو محرم الحرام ۱۳۸۵ھ میں خلافت عطا کی تو آپ نے واپسی پر ایک خط میں اس خدمت سے معذرت لکھ دی حضرتؒ نے معذرت کو تو قبول نہیں فرمایا مگر اختیار دے دیا کہ دل چاہے تو بیعت کرلیں ورنہ نہیں حضرت والد صاحبؒ نے اسی اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی کو بیعت نہیں فرمایا کوئی زیادہ اصرار کرتا تو فرمادیتے کہ میں نے حضرت عثمانیؒ سے اس سلسلہ میں اجازت لے لی تھی حضرت نے فرمایا تھا کہ دل چاہے تو بیعت کرلیں اور میرا دل نہیں چاہتا اس لئے بیعت نہیں کرتا۔

ایک مکتوب گرامی میں حضرت مولانا عثمانیؒ نے آپ کو اخذ بیعت کا طریقہ اور خطبہ بھی اپنے قلم مبارک سے لکھ کر بھیجا تھا مگر آپ فرماتے تھے کہ مجھے بیعت کرنے سے طبعاً حجاب ہوتا ہے اس لئے عرصہ دارز تک کسی کو بیعت نہیں فرمایا۔

احقر کے خیال میں اس کی ایک وجہ تو عوام کے عقیدہ کی اصلاح اور دوسری بڑی وجہ آپ کی فنائیت ہے اتنے بڑے مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔

چنانچہ جب آپ سے محترم جناب کرنل قاری فیوض الرحمٰن صاحب نے اپنے حالات لکھنے کیلئے درخواست کی تو آپ نے ان کے جواب میں جو مکتوب سامی لکھا اس سے بھی اس کی تائید ہوتی

ہے اس کی ابتدائی چندسطریں پڑھکر یہ حقیقت بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل ہی مٹایا ہوا تھا قاری صاحب موصوف کو سلام مسنون کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

عنایت نامہ ملا اپنے حالات کیا لکھوں میں کیا اور میرے حالات کیا وجود ك ذنب لايقاس بــه ذنب جس کو فنا کا سبق پڑھایا گیا ہو وہ اپنے وجود ہی کو گناہ سمجھتا ہے حالات کا کیا ذکر البتہ اپنے نسبی اور روحانی بزرگوں اور اکابر کا مختصر حال عرض کرتا ہوں اس کے ضمن میں اس ناکارہ آوارہ کے بھی کچھ حالات آ جائیں گے یہ بھی اول تو آپ کی طلب کی بنا پر تطییب قلب مسلم کی بنا پر گوارہ کیا جارہا ہے۔

دوسرے یہ طمع بھی ہے کہ ان مقبولین کے ذکر کے ساتھ اس ناکارہ کا نام بھی آئے گا تو ان کی برکت سے کام بن جائے گا ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ اپنی زندگی کے پچپن سال کی طرف جب نظر کرتا ہوں تو سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ اور نہیں پاتا اس لئے سلسلہ اشرفیہ کی طرف اس ناکارہ کے انتساب سے سلسلہ کیلئے تو سوائے بدنامی کے اور کچھ حاصل نہیں مگر اپنے لئے اس کو ذریعہ سعادت اور وسیلہ نجات تصور کرتا ہوں ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ من آنم کہ من دانم کہنے کا حق بھی اس ناکارہ کو نہیں پہنچتا کہ اس سے بھی ایک گونہ معرفت نفس کا دعویٰ۔

اور پھر حسب ارشاد من عـرف نـفسه فقد عرف ربه معرفت رب کا دعویٰ مترشح ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ فنا کے سبق کے ساتھ دعویٰ کا کوئی جوڑ نہیں (مفتی اعظم نمبر البلاغ)

حضرتؒ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ آپ فنائیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے یہی وجہ ہے کہ شہرت سے آپ کو حد درجہ تنفر تھا اکثر یہی فرماتے کہ مقصد کام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کرتے رہو شہرت اور نام کی کیا ضرورت ہے اگر کام اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہے تو پھر سب کچھ ہے ورنہ شہرت سے کیا ہوگا۔

واقعہ بیعت نواسۂ حضرت عثمانیؒ

چند سال قبل عید الفطر سے اگلے روز کی بات ہے کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے حضرت مولانا قمر احمد عثمانی مرحوم اپنے دونوں بھانجوں میاں مسعود اور میاں سعود کو لے کر ساہیوال تشریف لائے حضرتؒ سے انہوں نے کہا کہ آپ ان دونوں کو بیعت فرمالیں آپ نے عذر کیا میں بیعت نہیں کیا کرتا انہوں نے کہا کہ یہ حضرت علامہ عثمانیؒ کا حکم ہے پھر اس کی تفصیل بتائی کہ خواب میں انہوں نے حضرتؒ کو دیکھا ان سے پوچھا کہ ہم اب کہاں تعلق قائم کریں فرمایا کہ ساہیوال بلکہ ایک بھائی کو تو خواب میں

حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ اور علامہ عثمانیؒ کی زیارت بھی ہوئی اور حضرتؒ نے خواب میں آپ کی طرف اشارہ بھی فرمایا اس تفصیل کو سن کر اور ان حضرات کی طلب کو دیکھ کر آپ نے ان کو بیعت فرما لیا ایسے حضرات کی تعداد بہت کم ہے جن کو آپ نے بیعت فرمایا ورنہ بلا بیعت اصلاحی تعلق کی اجازت فرماتے اور بذریعہ خط ان کو ہدایات دیتے۔

﴿ اصلاحی مکاتیب اور ان کے جواب ﴾

اصلاحی مکاتیب کا جواب آپ حسب معمول جلدی عنایت فرماتے اور جواب ایسا ہوتا کہ سالک کی تشفی ہو جاتی تھی کئی حضرات نے احقر سے ذکر کیا کہ حضرت کے جواب سے کلی تشفی ہو جاتی ہے حضرتؒ مرض کی زبردست تشخیص فرما کر اس کا بہترین علاج تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت اقدس مولا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہ کے خلیفہ حضرت حاجی محمد افضل صاحب مدظلہم (جنہوں نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی نہ صرف یہ کہ زیارت کی بلکہ آپ سے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا اور کئی مرتبہ حضرتؒ کی مجلس وصحبت سے بھی استفادہ کیا) اور حضرت السید عبدالواحد صاحب مقیم ریاض نے بطور خاص اس امر کا اظہار کیا ان دونوں حضرات کی بھی عرصہ دراز تک آپ سے خط وکتابت رہی ہے حضرت حاجی صاحب مدظلہم نے تو یہاں تک بھی ارشاد فرمایا کہ حضرتؒ کے جواب کا طرز بالکل وہی ہے جو حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کا تھا۔ جناب حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب مدظلہم جو پہلے حضرت مخدوم العلماء مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ سے بیعت تھے حضرتؒ کے بعد ان کا اصلاحی تعلق بھی آپ سے تھا ان کے پاس بھی تربیتی خطوط کا ایک ذخیرہ موجود ہے جس سے واضح ہے کہ تربیت وسلوک کے باب میں بھی آپ کو بڑی مناسبت ومہارت تھی۔

علاقہ اور شہر کے عوام میں پیری مریدی کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے آپ کی طبیعت پر اس کا بہت اثر اور عوام کے عقائد واعمال کی اصلاح کا آپ کو بہت فکر تھا آپ نے اگرچہ مروجہ طریقہ بیعت کو نہیں اپنایا لیکن اصل مقصد اصلاح نفس کیلئے عام طور پر آپ عوام وخواص کو متوجہ فرماتے رہتے تھے جب تک حضرت مفتی اعظم پاکستان قدس سرہ حیات رہے آپ نے کسی کو بیعت نہیں فرمایا جب آپ کا نام حضرت مفتی اعظم کے خلفاء میں ماہنامہ البلاغ میں طبع ہوا اسے دیکھ کر بہت سے حضرات نے اصلاحی تعلق کی درخواست کی اور بیعت کی خواہش ظاہر فرمائی لیکن آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا محترم

جناب حافظ قاری محمد اکبر شاہ صاحب بخاری نے چونکہ حضرت مفتی اعظمؒ سے براہ راست اس کی درخواست کی تھی اس لئے حضرتؒ کے حکم پر آپ نے ان کے اصلاحی تعلق کی درخواست کو قبول فرمالیا تھا آخری دور میں عوام وخواص کا بے حد اصرار تھا کہ اصلاحی تعلق کیلئے آپ اجازت عطا فرمادیتے لیکن بیعت بہت کم حضرات کو فرمایا جن حضرات کا اصلاحی تعلق تھا وہ اکثر آپ سے خط وکتابت رکھتے آپ اہتمام سے جواب تحریر فرماتے اس سلسلہ کے بعض مکاتیب بطور نمونہ کے ذیل میں لکھے جاتے ہیں اس سے اصلاحی وتربیتی شان کا کسی قدر اندازہ ہوگا:

﴿ چند اصلاحی مکاتیب ﴾

حال: کوئی کام مجھ سے نہیں ہو رہا حضرت والا نے فرمایا تھا کہ قصد السبیل میں عالم مشغول کے جو معمولات ہیں انہیں کرتے رہیں مگر کیا کروں کچھ مصروفیت ہے اور زیادہ سستی۔

ارشاد: جب موقع ملے کرلیا کریں۔

حال: نہ تو رات کو تہجد پڑھنے کی توفیق ہوتی ہے نہ ہی اہتمام کے ساتھ ذکر کرتا ہوں تھوڑا بہت نماز کے بعد چلتے پھرتے کرلیتا ہوں۔

ارشاد: عشاء کے بعد بنیت تہجد نوافل پڑھ لیا کریں، ذکر جس قدر جس وقت ہو کرلیا کریں بالکلیہ ترک سے بہتر ہے مالایدرك كله لایترك كله۔ اچھا ہے ناغہ کا فکر نہ کریں جس طرح ہو کرتے رہیں،

حال: یہاں طلبہ سے واسطہ پڑتا ہے جن میں کچھ طلبہ خوبصورت ہوتے ہیں اور اچھی صلاحیت کے مالک ہوتے ہیں تو دل ان کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور محبت ہو جاتی ہے ان کا خیال ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتا ہوں مگر پھر بھی پوری طرح کامیابی نہیں ہوتی ذہنی پریشانی بھی ہوتی ہے غیر اللہ کی محبت دل سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی محبت کس طرح پیدا کروں۔

ارشاد: ان کی طرف توجہ کئے بغیر نیچی نگاہ سے کام لیں حکم یغضوا من ابصارهم پیش نظر رہنا چاہئے فکر نہ کرنا چاہئے۔ نکالنے کی کوشش کا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے مشاغل میں اتنا انہماک ہو جائے کہ دوسری طرف توجہ کا موقع ہی نہ رہے پریشانی کی ضرورت نہیں تدبیر اور دعا کی ضرورت ہے تدبیر اوپر لکھ دی ہے۔ رات کو مراقبہ کریں اور نعمائے الٰہیہ کا استحضار کریں ان شاء اللہ فائدہ ہوگا حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مطالعہ رکھیں۔

حال: روزانہ مناجات مقبول کی ایک منزل پاؤیا آدھ پارہ قرآن کریم کی تلاوت بھی ہوجاتی ہے چلتے پھرتے تھوڑا بہت ذکر بھی ہوجاتا ہے۔

ارشاد: وقت مقررہ پر ذکر زیادہ مفید ہے چاہے تعداد کم ہی رہے پابندی سے ہو۔

حال: رات کو سونے سے پہلے دو رکعت تہجد کی نیت سے پڑھنی شروع کی تھی وہ بھی کئی دنوں سے نہیں پڑھی جارہی سستی غالب ہے۔عام طور پر فجر کی نماز بھی جماعت سے رہ جاتی ہے۔

ارشاد: پھر شروع کردی جائے اور ہمت سے کام لیں۔

حال: اس پر افسوس بھی ہوتا ہے مگر میں اپنی اس کمزوری پر قابو نہیں پاسکتا دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائے۔

ارشاد: افسوس سے تدارک کی امید ہے سعی عمل کے ساتھ۔دل سے دعا ہے۔

حال: احقر کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ حضرت والا سے اصلاحی تعلق کیلئے درخواست کروں امید کہ حضرت والا اصلاحی تعلق کو قبول فرما کر احسان عظیم فرماویں گے اگر مناسب سمجھیں تو کوئی تسبیح تجویز فرمادیں۔

ارشاد: بہشتی زیور کا ساتواں حصہ اور تبلیغ دین کا مطالعہ رکھیں اور اپنے امراض کو اس سے ملاتے رہیں تیسرا کلمہ کی تسبیح زیادہ پڑھا کریں ہر نماز کے بعد ایک تسبیح ہوجایا کرے۔

حال: توبہ اور گذشتہ گناہوں کے معاف ہونے کا کیا طریقہ ہے جس سے اطمینان حاصل ہو۔

ارشاد: کثرت استغفار اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نظر۔

حال: انسان حصول علم کے وقت کیا نیت کرے۔

ارشاد: صرف رضاء الٰہی مطلوب ہو۔

حال: نیت کے خالص ہونے کی کیا علامت ہے۔

ارشاد: کسی دنیوی غرض کا خیال نہ ہو حالات اس پر گواہ ہوں۔

حال: ہم درس ساتھیوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہت غصہ آتا ہے تو کیا یہ تکبر کی علامت تو نہیں، حضرت والا سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

ارشاد: حضرت تھانویؒ کا وعظ ''الغضب'' دیکھو اس کا علاج اس میں ہے۔دل سے دعا کرتا ہوں

حال: نماز میں خشوع وخضوع کی کیا تعریف ہے۔

ارشاد: قلب کا سکون نماز میں ہونا۔

حال: کیا نماز میں وساوس کا آنا خشوع وخضوع کیلئے مخل ہے۔

ارشاد: نہیں، وساوس کی طرف توجہ کرنا مخل ہے۔

حال: تعلیم کیلئے مدرسہ میں داخلہ لیا ہے یہ اسباق شروع ہیں۔ جلالین، تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ ہدایہ اخیرین، توضیح تلویح، شرح عقائد، میبذی، حماسہ، حضرت والا سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

ارشاد: حالات معلوم ہوئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ علم باعمل نصیب فرمائیں، والسلام

حال: حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ہے کہ: تکبر میں جب غلو ہوجاتا ہے اور اس کی جڑ پختہ ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی تکبر کرنے لگتا ہے مثلاً دعا میں عاجزی اور خشوع کررہا تھا رونے کی صورت بنا کر گڑگڑا رہا تھا کہ سامنے سے کوئی دوسرا شخص آ گیا تو اب گڑگڑانا چھوڑ دیا کہ دیکھنے والے کی نظر میں سبکی نہ ہو یہ تکبر مع اللہ ہے...... پس مخلوق کیلئے کسی عمل عبادت کو ترک کرنا تکبر ہے (فیض حسن واشرف ص ۱۶۳) عرض ہے کہ اگر صورت بالا میں یہ خیال پیدا ہو کہ دیکھنے والا شخص مجھے بزرگ اور نیک خیال کرے گا جبکہ میں ایسا نہیں ہوں تو اگر اس خیال سے رونے کی حالت کو ترک کرے تو کیا پھر بھی تکبر ہے اور ایسی صورت میں مذکورہ ہیئت کا ترک مستحسن ہے یا اسی پر عامل رہے خواہ دل میں یہ وہمہ پیدا ہو کہ دیکھنے والا مجھے صالح سمجھے گا،

ارشاد: مذکور ہیئت کا ترک کرنا تو حضرت اقدس تھانویؒ کے فرمان کے مطابق تکبر ہے اس لئے اس حالت کو ترک نہ کرے اسی میں بنیت اخلاص مشغول رہے اور اس وہمہ کی طرف التفات نہ کیا جائے، یہ تو ہر عبادت میں رکاوٹ بن سکتا ہے مخلوق کیلئے نہ عبادت کرے اور نہ چھوڑے اپنی حالت پر گامزن رہے۔

حال: احقر کا حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق تھا حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے وصال کے بعد احقر کچھ پریشان تھا کہ اب کس سے تعلق قائم کیا جاوے۔ چنانچہ احقر نے حضرت مولانا...... صاحب سے اسی سلسلہ میں مشورہ لیا تو انہوں نے آنجناب کا نام گرامی منتخب فرمایا اور تھوڑا سا تعارف بھی کرایا جی چاہتا ہے کہ آپ سے اپنی اصلاح کے بارہ میں خط وکتابت شروع کردوں امید ہے کہ آپ مہربانی فرماتے ہوئے اجازت فرمادیں گے۔

ارشاد: بہتر تو یہ ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے متوسلین میں سے کسی خلیفہ مجاز سے اصلاحی تعلق قائم کیا جائے تاکہ وہ مناسبت قائم رہے جو حضرتؒ سے ہوچکی تھی لیکن اگر احقر سے ہی کوئی مشورہ

لینے کو دل چاہتا ہے تو احقر بھی اس خدمت کیلئے اپنی حیثیت کے موافق حاضر ہے مربی اور شیوخ تو واسطۂ فیض ہیں اصل فیض رساں تو حق تعالیٰ جل شانہ ہی ہیں وہ اپنے فیض کے پہنچانے کیلئے جس کو چاہتے ہیں واسطہ بنا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ہی دعا مانگنی چاہئے کہ وہ صحیح راہنمائی فرماویں۔ والسلام

حال: ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہتا ہے اور ہر کام کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کرنے کو جی چاہتا ہے مگر یہ بھی خیال آتا ہے کہ اس حالت میں عجب میں تو مبتلا نہیں۔

ارشاد: عجب نہیں اگر اپنا کمال نہ سمجھا جائے۔

حال: احقر نے اپنے شب و روز کے معمولات اور بسر اوقات آپ کی خدمت میں لف شدہ پرچہ میں لکھے ہیں اب آپ جیسا مناسب سمجھیں ارشاد فرماویں۔

ارشاد: پرچۂ معمولات پڑھ لیا معمولات وظائف ماشاءاللہ کافی وافی ہیں ان پر ہی دوام ہوتا رہے دعا کرتا ہوں۔ البتہ بہشتی زیور کا ساتواں حصہ اور تسہیل قصد السبیل تعلیم الدین خصوصیت کے ساتھ زیر مطالعہ رکھیں اور روزانہ کے معمولات میں ان کے مطالعہ کو شامل کر لیں اور جو مرض قلبی اپنے اندر معلوم ہو اس کا علاج کریں اور مشورہ لے لیا کریں نیز حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور مواعظ بھی ہر روز مطالعہ میں رکھیں چاہے ایک صفحہ ہی کیوں نہ ہو ان کو پڑھتے ہوئے خیال رکھا جائے کہ اپنے اندر ان عیبوں میں سے کونسا عیب یا قابل اصلاح باتوں میں سے کونسی بات پائی جاتی ہے پھر اس کے علاج کا فکر کیا جائے۔

حال: پرسوں رات والدہ کو ایک بڑا خوبصورت خواب آیا کہ حضرت مولانا مفتی......صاحب تقریر فرما رہے ہیں میں بھی بیٹھی سن رہی ہوں دل پر اتنا اثر ہوا ہے کہ بڑی روئی بعد میں ایسا معلوم ہوا کہ میں عرفات کے میدان میں ہوں پھر معلوم ہوا کہ میں جنت میں بیٹھی ہوں میرے پاس ایک بڑا خوبصورت مکان ہے...... بتا رہی تھی کہ یہ خواب نہیں تھا بالکل میں نے اپنی آنکھوں کو مل کر دیکھا تو بھی یہ سب کچھ ہی دکھائی دیا۔

ارشاد: قوت متخیلہ میں جو بات ہوتی ہے وہ جاگنے کے بعد بھی نظر آتی رہتی ہے۔

حال: حضرت جی مجھے کبھی ایسی خواب نہیں آئی حسرت آتی ہے سن کر از حد خوشی بھی ہوئی مگر مجھے اپنی پڑ گئی خدا جانے میرا کیا حشر ہو گا سوچ کر بہت دیر روتا رہا۔

ارشاد: خواب نہ آنے پر پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے بیداری کی حالت خلاف شرع نہیں ہونی

چاہئے وہ بحمداللہ اچھی ہے یہ حشر کی سوچ اور اس پر رونا بھی اچھی حالت کی علامت ہے۔

حال: حضرت جی آج کل میری دوکان کچھ ماند پڑ گئی ہے جس کی وجہ سے کچھ پریشانی ہے۔

ارشاد: اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء وھو القوی العزیز کا وظیفہ صبح کو پڑھتے رہیں۔

حال: عوام میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ نہ تو وہ روزہ رکھتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں بلکہ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں انہیں سمجھاتا ہوں تو کوئی آدمی وہابی وغیرہ بھی کہتے ہیں اور کوئی شکریہ بھی ادا کرتے ہیں ان حالات میں مجھے غصہ بھی آتا ہے اور سمجھانے پر بھی نہ سمجھے تو دل میں اس آدمی کے متعلق اس فعل کی بدولت کچھ حقارت یا نفرت سی معلوم ہوتی ہے حضرت یہ مجھ میں کوئی بیماری ہے تو اس کا علاج فرماویں۔

ارشاد: نہیں بیماری نہیں ہے نرمی سے سمجھاتے رہا کریں مرض کو حقیر سمجھیں مریض کو حقیر نہ سمجھیں یعنی یہ سمجھا کریں کہ یہ معصیت بری ہے مگر یہ شخص برا نہیں شاید اس میں کوئی عمل بہتر ہو اگرچہ یہ عمل بہت گناہ ہے۔

حال: بعض بزرگ مدینہ منورہ سے واپس تشریف لا کر دوسرے بزرگوں کو حضو ﷺ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور انہیں سنتا ہے حضرت جی وہ کونسا عمل ہے جس سے یہ شرف اور سعادت حاصل ہوتی ہے۔

ارشاد: اتباع سنت اور کثرت درود شریف سے امید کی جاسکتی ہے مگر ضروری نہیں ہے یہ محض وہبی عطیہ ہے اس کا حقیقی کوئی سبب نہیں ہے بس کثرت درود اور اتباع سنت پر دوام کرنا چاہئے اور رضا مقصود سمجھنی چاہئے

حال: ان بزرگوں کے متعلق یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ان حضرات کو بعض باتوں کیلئے فرمایا بھی جاتا ہے کہ ایسا کرو ایسا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے بھی مستفید ہوتے ہیں حضرت والا یہ سن کر طبیعت میں از حد رشک آتا ہے اور حسرت بھی۔ اگر مناسب خیال فرماویں تو اس حاضری کی کیفیات کیا ہوتی ہوں گی لکھ کر مشکور فرماویں۔

ارشاد: محبوب جس حال میں رکھیں اسی پر راضی رہنا چاہئے کہ ''بندہ پرور پروری میداند'' خود کوئی تجویز نہیں کرنی چاہئے کہ تفویض کے خلاف ہے ممکن ہے کہ یہ حسرت ہی اس شرف وسعادت کے قائم مقام ہو جائے یا بڑھ جائے پھر بندہ کو کب مناسب ہے کہ کوئی چیز اپنے لئے تجویز کرے البتہ آقا کی طرف سے از خود جو عنایت ہو جائے اس کی قدر کرے اور شکر بجالائے خود کو اس کا حقدار نہ سمجھے نہ مطالبہ

کرنے کا حق سمجھے۔ یہ امور از قسم مکاشفات ہیں ان کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ یہ غیر اختیاری ہیں۔

حال: نماز خصوصاً تسبیح نماز میں عجیب عجیب متشابہ پڑ جاتے ہیں جس سے نماز دوبارہ پڑھنی پڑتی ہے،

ارشاد: جہاں تک ہو سکے سوچ کر جو یاد آ جائے اسی پر بنا کرلیا کریں دوبارہ پڑھنے سے پھر یہی عادت ہو جاتی ہے اور شیطان اسی چکر میں لگائے رکھتا ہے بس جو غالب ظن ہو اس پر عمل کرلیا اور اگر غلبہ نہ ہو سکے تو کم پر عمل کر کے سجدہ سہو کرلیا۔

حال: خیالات کی اتنی بھر مار ہوتی ہے کہ حضرت جی بیان سے باہر ہے۔

ارشاد: ان کا خیال نہ کریں خیالات آتے رہیں پرواہ نہ کریں۔

حال: دل میں خیال آتا ہے زندگی ختم ہونے پر ہے بال سفد ہو گئے بڑے بڑے بزرگوں سے بفضلہٖ تعالیٰ تعلق رہا مگر اب تک تو کتے کی پونچھ کی طرح ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہی۔

ارشاد: نہیں نہیں، یہ سمجھنا انہی بزرگوں کا فیض ہے۔

حال: حضرت جی یہاں ایک صاحب تبلیغی جماعت کے متعلقین سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آج کل بعض علماء کو ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ہے مگر فکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں وہ اپنا فکر تو کریں مگر دوسروں کا فکر نہیں ایسے لوگ یہودی عالم کی طرح بستی والوں کے ساتھ عذاب الٰہی میں تباہ ہوں گے ان حالات میں وہ کہنے والے مجھے بہت برے معلوم ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ بول چال کو جی نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ اپنے تبلیغی چند اصولوں پر ہی اعتقاد رکھتا ہے باقی اس کے نزدیک کچھ نہیں۔

ارشاد: یہ ان کی غلطی ہے نرمی سے سمجھایا جائے۔

حال: یہ کوئی میرے لئے روحانی مرض تو نہیں حضرت جی میں تبلیغی جماعت کو بہت اچھا سمجھتا ہوں کیونکہ ان سے عوام کو کافی فائدہ پہنچا ہے مگر افراط تفریط ان میں بہت ہے۔

ارشاد: علماء کو اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کی فکر بھی ہونی چاہئے اور ہے بھی۔ وعظ و نصیحت اور تعلیم و تزکیہ نفس کا کام بحمد اللہ علماء کرتے ہیں اور تبلیغی جماعت بھی یہی کام کرتی ہے البتہ طریقہ جدا جدا ہے اس میں کوئی حرج نہیں مقصد ایک ہی ہے میری کتاب ''دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت'' ادارہ اسلامیات سے لے کر اس کو خوب سمجھ کر پڑھیں اور دوسروں کو بھی اس کی طرف متوجہ کریں۔

حال: نماز میں تصور یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہیں اور ان کے سامنے میں اب قیام

کی حالت میں ہوں اب رکوع کی حالت میں ہوں اب سجدہ کرر ہا ہوں اور یہ سجدہ میرا اللہ تعالیٰ کے پاؤں پر ہو رہا ہے۔

ارشاد: یہ تصور ٹھیک ہے۔

حال: مگر وساوس پھر بھی درمیان میں کافی آتے رہتے ہیں جس سے اپنے اوپر غصہ بھی آتا ہے اور شرمندگی بھی۔

ارشاد: وساوس کی پرواہ نہ کی جائے یہ شرمندگی بھی تلافی کیلئے کافی ہے۔

حال: جس مکان کو میں نے فروخت کر دیا ہے کرایہ دار اسے خالی نہیں کرر ہا یہ ایک پریشانی ہر وقت دل و دماغ پر مسلط رہتی ہے حالانکہ دل کو سمجھاتا ہوں کہ سب حالات جو درپیش ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو از حد مہربان اور شفیق ہیں مگر پریشانی جوں کی توں رہتی ہے کیا یہ کوئی خلاف شرع یا تفویض کے خلاف ہے اور دعا بھی فرمائیں تا کہ یہ پریشانی دل سے دور ہو۔

ارشاد: یہ طبعی پریشانی پریشانی ہے تفویض کے خلاف نہیں ہے دعا بھی کرتا ہوں۔

حال: ایک صاحب جو کہ نیک آدمی ہے نے قرض لیا تھا وعدہ پر ادا نہ کیا اپنی مجبوری کا اظہار کر دیتے ہیں میں نے پڑھا ہے کہ مقروض کو مہلت دینے سے بہت بڑا اجر ہے۔

ارشاد: یقیناً اجر ملتا ہے۔

حال: اور یہ بھی خیال آتا ہے کہ اتنے دیندار ہونے کے وعدہ غلط کیا۔

ارشاد: شاید پہلے جلدی ادائیگی کی امید ہو پھر عذر پیش آ گیا ہو اس لئے بدگمانی نہ کرنی چاہئے۔

حال: اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔

ارشاد: صبر کرنا چاہئے۔

حال: ارشاد گرامی کے مطابق کتاب ''دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت'' خوب توجہ سے پڑھی بفضلہٖ تعالیٰ تمام شبہات دور ہو گئے۔ الحمدللہ کتاب پڑھنے سے کافی استفادہ ہوا۔

ارشاد: اس کی بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے کتاب کو سمجھ کر پڑھا ورنہ بے سمجھے تو اکثر اس کو تبلیغی جماعت کے خلاف کہتے ہیں دوسروں کو اس کے پڑھنے کی ترغیب دی جائے یہ تو غلو کرنے والوں کی اصلاح کیلئے لکھی گئی ہے اصل کام کی اس میں تائید کی گئی ہے۔

حال: حضرت جی کچھ عرصہ گذر گیا ہے کہ میں نے سنا تھا کہ کراچی میں ایک لڑکی کی فوتگی پر قبر کھودی گئی تو اس میں سانپ ظاہر ہوئے وہ قبر چھوڑ کر دوسری قبر کھودی گئی تو اس میں بھی سانپ تھے لہٰذا تیسری جگہ قبر کھودی گئی تو اس میں بھی سانپ پہلے سے زیادہ تھے تو میت کو کفن سمیت قبر کے اندر پھینک کر جلدی سے اوپر مٹی ڈال دی گئی، جب مجھے یہ واقعہ یاد آتا ہے تو فوراً میری عجیب حالت ہو جاتی ہے کہ خدانخواستہ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ نہ ہو بہت ڈر لگتا ہے۔

ارشاد: ڈرنا اچھا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے رحیم وکریم ہونے کا عقیدہ بھی ہے اس کے رحم وکرم پر نظر کر کے مغفرت کی امید بھی ساتھ ہی ہونی چاہئے ناامید نہ ہو الایمان بین الخوف والرجاء کی حالت ہونی چاہئے۔

حال: کل صبح تہجد کی نماز سے صبح کی فرض نماز تک آنکھوں کے سامنے یہ نقشہ رہا مگر فرض نماز کی دوسری رکعت میں یکدم حالت بدل گئی اور دل کو سکون سا ہوا ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے کہہ دیا ہے کہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہوگا بلکہ جنت کی باغ بہار ہوگی۔

ارشاد: الحمدللہ اسی کی امید رکھنی چاہئے۔

حال: باوجود اس کے پھر بھی ذہن سے خوف اور ڈر نہیں نکلتا اور بلا قصد وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

ارشاد: امید رحمت کے ساتھ یہ نقشہ دل میں رہنا مفید ہے مگر اس کا قصد کر کے مراقبہ نہ کیا جائے کہ اس سے بیماری کا خطرہ ہے۔

حال: دل کو سمجھاتا بھی ہوں کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں توبہ کے بعد وہ معاف کر دینے والے ہیں ضرور معاف کر دیا ہوگا پھر عذاب کیسا پھر بھی خیالات اور وسوسہ دل سے نہیں جاتا۔

ارشاد: اس کی غالب امید ہے اس کا تصور زیادہ سے زیادہ کیا جائے اور خدا تعالیٰ کے رحم وکرم کا نقشہ خوب دل میں جمایا جائے ان شاء اللہ تعالیٰ تسلی وسکون ہو جائے گا۔

حال: کیا توبہ کے بعد بھی بداعمالیوں کے متعلق سوال ہوگا مغفرت سے مراد بالکل معافی اور گناہوں پر لکیر مارنے سے مراد یہی ہے کہ سوال نہ ہوگا۔

ارشاد: ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

حال: یہ خیال بھی آتا رہتا ہے کہ اگر موت کے وقت بھی میرے گناہ میرے ذہن میں رہے اوران کا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آیا تو میرا کیا بنے گا۔

ارشاد: رحمت کا معاملہ ہوگا ان شاءاللہ یہ خطرہ ہی رحمت کا سبب بن جائے گا۔

حال: بدنظری کیا ہے جب گھر سے نکلا جاوے تو سڑکوں پر عورتوں کے گروہ ہوتے ہیں اچانک اور بغیر قصد کے نظر پڑ جاتی ہے۔

ارشاد: بغیر قصد کے نظر معاف ہے قصداً نظر گناہ ہے۔

حال: ان کے دل پر اثرات بھی ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ایک نفرت بھی اور غصہ بھی۔

ارشاد: بس نظر کو نیچا کر کے خود کو بچا لینے کی کوشش کافی ہے۔

حال: بوقت ضرورت بازار جانا ہی ہوتا ہے ان حالات سے بڑی پریشانی ہے۔

ارشاد: نہیں، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اپنی توجہ کو قابو میں رکھیں۔

حال: کیا اچانک نظر پڑنے کے بعد خود بخود بشر ہونے کی صورت میں دل میں کوئی خیال آوے تو اس پر بھی مواخذہ ہوگا۔

ارشاد: نہیں۔

حال: بعض وقت فوری طور پر بڑے عجیب خیالات آتے ہیں جن سے دل ڈرتا بھی ہے اور وہ خیالات آناً فاناً بقصد دور ہو جاتے ہیں۔

ارشاد: بس پھر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

حال: بغرض اپنی اصلاح کے اپنے حضرات میں سے کسی کے پاس رہنا نصیب نہیں ہوا۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکات سے نوازیں ان کے بعد ان کی کتابوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور وہ ان کے قائم مقام ہوتی ہیں۔

حال: اب جی چاہ رہا ہے کہ چند دنوں کیلئے آنجناب کی خدمت میں حاضری دوں۔

ارشاد: حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ملفوظات بالالتزام دیکھتے رہیں ان سے بنسبت میرے پاس رہنے کے زیادہ فائدہ ہوگا اس پر عمل کرتے رہیں۔

حال: بعض دفعہ میری بیوی کہنا نہیں مانتی جبکہ ہر طرح سے اس کو راحت پہنچا کر مجھے راحت

ہوتی ہے اس کو میں نے قرآن پاک حفظ کروایا جبکہ اس کی عمر تقریباً پچاس برس سے زائد تھی سارے خاندان میں یہ واحد عورت ہے جو حافظہ ہے۔

ارشاد: بس آپ کو اس خوشی میں سب باتوں کو برداشت کرنا چاہئے اور صبر پر اجر کا خیال جمانا چاہئے،

حال: اس کے علاوہ احقر اپنی بیوی کو ماہانہ جیب خرچ دیتا ہے تا کہ اس کو اپنی مرضی سے خرچ کر لے،

ارشاد: یہ حسن معاشرت اور بہت اچھی بات ہے۔

حال: ان تمام حالات و معاملات کے باوجود پھر اس کے دل میں میری ذرا بھی قدر نہیں۔

ارشاد: دل میں قدر ہوتے ہوئے بھی بعض دفعہ طبیعت کی کمزوری سے ایسے افعال واقوال صادر ہو جاتے ہیں ان پر زیادہ خیال نہ کیا جائے اور زیادہ سوچا نہ جائے معاملہ کو جلدی سے رفع دفع کر دیا کریں،

حال: پھر ذہنی الجھن میں طرح طرح کے ذہن میں خیال آتے ہیں شیطان بھی اس وقت پوری طرح سے دماغ پر مسلط ہوتا ہے۔

ارشاد: اس کے کہنے پر عمل نہ کیا جائے بجبر اپنے کو کسی دوسرے کام میں لگا لیا جائے۔

حال: مزید یوں کہتی ہے کہ آپ سے دوسرے اپنی بیویوں کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔

ارشاد: اس بحث میں نہ پڑیں جو بہتر سلوک ہو سکے وہ کرتے رہیں۔

حال: حضرت اسے کچھ تو احساس ہونا چاہئے جبکہ اس کا پورا پورا خیال رکھا جاوے۔

ارشاد: نرمی سے ہی احساس ہو سکتا ہے مطالبہ کرنے یا دل کے تقاضہ کرنے سے اپنی طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے یہ نہیں چاہئے۔

حال: اگر اسے کسی قسم کی کوئی خواہش ہو تو صاف صاف کہے کہ مجھے فلاں چیز کی خواہش ہے۔

ارشاد: یہ عورتوں کی کمزوری ہے اور جیسا کسی کو اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے اس کے ساتھ اسی طرح نباہ کرنا چاہئے۔

حال: خاوند پر بیوی کے فرائض اور واجبات کے درجہ میں کیا کیا حقوق ہیں۔

ارشاد: بہشتی زیور اور وعظ ''حقوق البیت'' غور سے پڑھیں۔

حال: ذہن پر بہت بڑا بوجھ ہے کہ میں اتنی کوشش کے باوجود اسے خوش نہیں کر سکا۔

ارشاد: بوجھ نہیں ہونا چاہئے جو کوشش اختیار میں ہے اسے کرتے رہنا چاہئے۔

حال: میری ساری محنت اور کوشش بے کار گئی۔

ارشاد: نہیں اس کا بہت اجر ملے گا ان شاء اللہ۔

حال: خدا جانے میری نماز روزہ وغیرہ بھی عند اللہ مقبول ہیں یا نہیں۔

ارشاد: حسن ظن رکھنا چاہئے کہ قبول ہیں۔

حال: ایک بندہ جس کو راضی کرنے میں میرا اپنا حظ ہے نہیں کر سکا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا حال ہوگا

ارشاد: وہ بہت کریم ہیں اور قدر دان ہیں بہت جلد راضی ہو جاتے ہیں۔

حال: بہت زبان دراز ہے کوئی بات نہیں ہوتی جس کا جواب نہ دے۔

ارشاد: صبر ہی اس کا علاج ہے۔

حال: ان تمام مضامین میں میرے جو جو امراض ہیں ان کا علاج اور دعا فرماویں۔

ارشاد: صبر اور تحمل ہی وہ کلی علاج ہے جس کے سوا دوسرا علاج نہیں ہے باقی خود بھی دعا کرتے رہا کریں اور سوچا کریں کہ اس صورت میں میرے لئے اجر مقدر فرمایا گیا ہے بس یہ مراقبہ جاری رکھیں باقی دعا بھی کرتا ہوں۔

حال: آج کل دنیا سے دل بالکل اچاٹ ہو گیا اور اپنے رشتہ داروں سے بھی ایک قسم کی مایوسی سی ہے اور دل یہی کہتا ہے کہ یہ سب مطلب کے ہیں اور کسی کو میرے ساتھ کوئی انس یا محبت نہیں ہے۔

ارشاد: پھر بھی سب کے حقوق کی ادائیگی کا خیال بہر حال ضروری ہے۔

حال: اپنے آپ کو بالکل ذلیل اور گناہ گار بے عقل کمتر خیال کرتا ہوں نہ زندگی میں کوئی لطف ہے نہ کوئی آرزو عجیب ایک بے ذوق سی حالت ہے یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں اللہ کی ناشکری نہ ہو۔

ارشاد: ایسی کیفیات ہمیشہ نہیں رہا کرتیں خود بخود اس میں اعتدال آ جائے گا۔

حال: بہت سوالات اور خیالات آتے ہیں مگر اللہ کی حکمت کہ جب لکھنے بیٹھتا ہوں تو سب سوالات اور خیالات غائب ہو جاتے ہیں۔

ارشاد: اس میں یہی حکمت ہے اس کی طرف سے فکر مند نہ ہوں۔

حال: روضہ اطہر کے دیوار والی مٹی کو اگر خوب پیس کر سرمہ کی شکل میں استعمال کیا جاوے تو شرعاً ممانعت تو نہیں۔

ارشاد: نہیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جالی مبارک کی مٹی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔

حال: روضہ شریف کی مٹی کے متعلق اگر یہ وصیت کی جاوے کہ موت کے غسل وکفن کے موقع پر میرے سینہ پر مل دی جاوے تو یہ صحیح وصیت ہوگی۔

ارشاد: کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا مگر مقدار معمولی ہو بدن پر زیادہ نہ لگے۔

حال: دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل اور رحمت سے میری بخشش فرمائیں جس کے متعلق مجھے ہر وقت فکر دامن گیر رہتا ہے۔

ارشاد: فکر والوں کی اللہ تعالیٰ امداد فرماتے ہیں دعا بھی کرتا ہوں۔

حال: آجکل مکان کی سخت پریشانی ہے دوکان سے کافی دور ہے بس پر آنا جانا پڑتا ہے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

ارشاد: ان شاء اللہ اجر بھی روزی حلال کمانے کا زیادہ ملنے کی امید ہے۔

حال: محلّہ والوں نے تقاضا کیا کہ ہم خود مکان خرید لیتے ہیں تم اس میں کرایہ پر رہو مگر اس وجہ سے انکار کیا کہ اتنا بڑا احسان بھی ٹھیک نہیں دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ اللہ کی طرف سے ان کے دل میں یہ بات ہے جو کہ ہمارے لئے نعمت ہے اس بے قدری سے اللہ جل شانہ کی ناراضگی نہ ہو۔

ارشاد: احسان لینا جائز تو تھا مگر نہ لینا بہتر ہے۔

حال: جب کبھی اپنی دوکان کے بارہ میں بطور شکر اور احسان کے یہ بات میرے منہ سے نکل جاتی ہے کہ اتنی اتنی رقم بھی ہو جاتی ہے تو دوسرے تیسرے دن ہی آمدن میں کمی واقع شروع ہو جاتی ہے

ارشاد: شاید یہ بات بطور اظہار نعمت کے نہ ہوتی ہو یا اس میں کمی ہوتی ہو اس کا تدارک استغفار سے ہو جاتا ہے۔

حال: اور جب اللہ کے دربار میں عاجزی کے ساتھ توبہ کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ پھر فراخی عطا فرما دیتے ہیں شکر کے متعلق واما بنعمة ربك فحدث اور ولئن شكرتم لازيدنكم ہے تو پھر ایسا کیوں ہوتا ہے۔

ارشاد: تحدث بالنعمۃ اور فخر میں فرق باریک ہے ہوسکتا ہے تحدث بالنعمۃ جس کو سمجھا گیا ہو اس میں فخر کی آمیزش ہو جاتی ہو اور اس کا علم نہ ہوتا ہو۔

حال: تمام معمولات باقاعدگی سے ادا ہورہے ہیں تفکرات کی وجہ سے ذہنی توجہ بالکل نہیں ہوتی

ارشاد: کچھ حرج نہیں اسی طرح کام کرتے رہیں۔

حال: کچھ رقم کراچی کی کمپنی میں پھنس گئی اس کے متعلق فکرمندی رہتی ہے یہ فکرمندی حب مال تو نہیں اگر حب مال ہے تو براہ کرم اس کا علاج فرمائیں اور دعا بھی۔

ارشاد: فکر کی جگہ دعا اور جائز تدبیر کرتے رہیں یہ حب مال نہیں اگر جائز حد تک ہو میں بھی دعا کرتا ہوں۔

حال: شاید یہ دینی کمزوری ہے یا شیطانی وسوسہ ہے کہ ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینی فریضہ ہے اور اس کی ادائیگی میں بالکل آسانی ہونی چاہئے جو بلا تکلف ہو

ارشاد: نماز بھی فریضہ ہے مگر بعض اوقات اس میں تکلف ہوتا ہے اس پر اجر ملتا ہے۔

حال: خود بھی اور دوسروں کو بھی تفویض کی تعریف اور اس پر قائم رہنا کہتا رہتا ہوں مگر آج کل خود کی یہ حالت ہے کہ کسی وقت بھی چین نہیں آتا۔

ارشاد: غیر اختیار طبعی بات ہے تفویض کے خلاف نہیں ہے۔

حال: اصل بات یہ ہے پچھلے دنوں میرے لڑکے نے انٹرویو دیا تھا غیر سرکاری طور پر معتبر ذرائع سے کامیابی کی خبر مل گئی تھی مگر سفارشی آدمی کو کامیاب قرار دے دیا گیا جس سے دل پر بڑا اثر ہے۔

ارشاد: دل پر اثر ہونا چاہئے تھا یہ طبعی بات ہے مگر عقلاً یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اس میں بھی ضرور کوئی حکمت ہے جس کا ہمیں ادراک نہیں ہے بار بار اس کا استحضار ہی اس طبعی اثر کے کم کرنے کا علاج ہے۔

حال: رات کو دس بجے دوکان سے فارغ ہو کر گھر جاتا ہوں گیارہ بجے اگر مہمان وغیرہ آئے ہوں تو ساڑھے بارہ بجے رات کو سو کر پھر ساڑھے تین بجے رات کو اٹھتا ہوں آرام بہت کم ملتا ہے۔

ارشاد: واقعی آرام کم ملتا ہے کم از کم چھ گھنٹے نیند کے ہونے چاہئیں۔

حال: بعض وقت طبیعت بہت اکتا جاتی ہے اور وظائف بوجھ محسوس ہوتے ہیں طبیعت پر بوجھ محسوس ہونے سے میرے ثواب میں تو فرق نہیں آتا یا احقر گنہگار تو نہیں ہوتا۔

ارشاد: نہیں۔

حال: تمام نمازیں جماعت سے ادا کرتا ہوں مگر صبح کی نماز کیلئے بڑی دشواری ہوتی ہے تیسری منزل پر قیام ہے سیڑھیاں اترنا چڑھنا بہت مشکل ہے گھٹنوں میں درد اور نکاہت کافی ہے سانس پھول جاتا ہے۔

ارشاد: جب تک برداشت ہو سکے برداشت کریں اور ہمت سے کام لیں جب ہمت جواب دیدے تو گھر پر جماعت کا انتظام کریں۔

حال: تمام معمولات پورے کر رہا ہوں ایک دو دفعہ ایسا موقعہ آیا کہ کوشش کے باوجود جماعت جاتی رہی جس کا مجھے بہت قلق ہوا۔

ارشاد: کوشش کے باوجود عمل نہ ہو سکے اس کا ثواب ان شاء اللہ مل جائے گا اور قلق سے بھی ثواب ملے گا۔

حال: رات ایک خواب دیکھا کہ ایک بزرگ بڑی شفقت کے ساتھ حمائل شریف جس پر اچھا سا غلاف ہے مجھے دے رہے ہیں اور میں خواب میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ یہ بزرگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی چونکہ اس خواب کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اس لئے احقر اس کو بڑی سعادت اور خوش قسمتی خیال کرتا ہے۔

ارشاد: ٹھیک ہے یہ خوش قسمتی اور سعادت کی بات ہے شاید قرآن کریم کے عطا فرمانے میں اس کی تلاوت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہو، واللہ اعلم۔

حال: میرے لڑکے نے حج کیلئے درخواست دی تھی مگر قرعہ اندازی میں نہیں آئی بڑا صدمہ ہوا ہے اس کیلئے دعا بھی فرمائیں۔

ارشاد: یہ ثواب الگ مل گیا اور وقت پر حج بھی ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ دعا بھی کرتا ہوں۔

حال: ویسے بھی آج کل سب گھر کے افراد بڑے پریشان ہیں کہ میرا لڑکا جو کوئی بھی خواہش اور تمنا کرتا ہے تقریباً مایوسی ہوتی ہے حالانکہ اسے عمر بھر کبھی مایوسی نہیں ہوئی تھی۔

ارشاد: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اس میں بھی حکمتیں ہیں ان کا استحضار کر کے اطمینان حاصل کرنا ضروری ہے کہ اس طرح اس ناکامی میں بھی کامیابی کا پہلو موجود ہے باقی طبعی طور پر رنج ہوتا ہی ہے اس کو حدود پر رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

حال: یہ بات ذہن میں ہے کہ جب والد صاحب نسبت ہو تو ان کی اولاد کو اپنے والد کے

ہوتے ہوئے دوسرے شیخ کی اطاعت یا ضرورت کیسے ہے۔

ارشاد: بعض مرتبہ اصلاح کیلئے روک ٹوک کی ضرورت ہوتی ہے وہ دوسرے شیخ سے حاصل ہوتی ہے یا دوسرے سے مناسبت زیادہ ہوتی ہے۔

حال: حتی الوسع جہاں تک ہو سکے نظریں نیچی رکھتا ہوں مگر پھر بھی اچانک نظر عورتوں پر پڑتی ہے

ارشاد: اچانک نظر معاف جبکہ نظر پھیر لی جائے۔

حال: صحبت شیخ کی حیثیت دین اسلام میں کیا ہے۔

ارشاد: مفید اور باعث برکت ہے مگر شرط لازم نہیں تمام حالات کو سامنے رکھ کر اس کا ارادہ کرنا چاہئے ہمارے حضرت رحمہ اللہ کا بھی یہی طریقہ تھا ہر شخص کے حالات کا جائزہ لے کر اس کی اجازت دیتے تھے۔

حال: کیا ہر مسلمان کو شیخ کی صحبت میں چالیس دن ضرور لگانا چاہئے ورنہ اصلاح کامل نہ ہوگی

ارشاد: نہیں، ضروری نہیں مفید ہے اگر جمعیت خاطر کے ساتھ ہو اور ہر شخص کے حالات جدا ہوتے ہیں

حال: اصلاح کامل سے کیا مراد ہے۔

ارشاد: اصلاح سے مراد ہے ظاہر و باطن کی اصلاح یعنی شریعت کی کامل اتباع پر مداومت اور ہمیشگی حاصل ہو جائے۔

حال: شیخ کے مقابلہ میں دیندار والدین کی کیا حیثیت ہے۔

ارشاد: زیادہ قابل لحاظ ہے۔

حال: کیا متعلقین شیخ کو والدین سے افضل سمجھنا اور ان کو فوقیت دینا بوجہ غلبہ محبت اور عقیدت کے ہو گو اس کے غیر اختیاری درجہ پر ہو صحیح ہے۔

ارشاد: عقیدۃً تو فوقیت والدین کو ہی ہونی چاہئے مگر غلبہ محبت میں کبھی اس پر نظر نہیں رہتی اور مغلوبیت ہو جاتی ہے۔

حال: کیا اپنے شیخ کو معصوم عن الخطاء سمجھنا اور ماننا سالک کیلئے ضروری ہے۔

ارشاد: حسن ظن رکھنا ضروری ہے معصوم نہیں۔

حال: فناء فی الشیخ سے کیا مراد ہے اس سے والدین کے حقوق کی ادائیگی میں فرق تو نہیں پڑتا۔

ارشاد: فناء فی الشیخ سے مراد یہ ہے کہ اس کے معاملات میں اعتراض دل میں پیدا نہ ہو اور اپنی

مرضی کواس کی مرضی میں فنا کر دیا جائے مگر کسی کے حق واجب میں فرق نہیں آنا چاہئے اور نہ ہی کسی کو تکلیف دینی چاہئے۔

حال: یہ خادم ۱۹۵۱ء میں رخصت لے کر گھر آ رہا تھا کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ لاہور کی خدمت میں لکھ کر اجازت طلب کی کہ میں گھر رخصت پر آ رہا ہوں اگر اجازت ہو تو آپ کیلئے ایک سیر بادام لیتا آؤں تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے تین سوال کئے (۱) تنخواہ کتنی ہے (۲) قرضہ کتنا ہے (۳) والدین کو کتنا ماہانہ بھیجتے ہو، احقر نے سب صاف صاف عرض کر دیا تو حضرت مفتی صاحب نے مجھے صرف دو (۲) روپے کے لانے کیلئے فرمایا جبکہ اس وقت بادام کی قیمت غالباً آٹھ (۸) روپے سیر تھی جب پیش کئے تو حضرت نے بھری مجلس میں تعریف فرمائی جس سے مجھے ازحد خوشی بھی ہوئی اور ساتھ ساتھ شرمندگی بھی کہ کیا چیز تھی جس کی حضرت نے اتنی میری دل افزائی فرمائی۔

ارشاد: آپ پر ٹھیک اثر ہوا ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

حال: بعض دفعہ یہ خیال آتا ہے کہ مجھے اپنی فکر کرنی چاہئے اور اپنے دین کی فکر کرنی چاہئے نماز روزہ کرتے جاؤ اور اصلاح ہوتی جاوے بس مجھے اتنا کافی ہے۔

ارشاد: اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کے دین کی فکر بھی ہونی چاہئے۔

حال: اپنے آپ کو مٹانے سے کیا مراد ہے اور یہ کہ اس نے اپنے آپ کو بالکل فنا کر دیا ہے اور مٹا دیا ہے اس سے کیا مطلب اخذ کرنا چاہئے۔

ارشاد: مطلب یہ ہے کہ حق بات کے تسلیم کرنے سے عار نہیں کرتے سر جھکا دیتے ہیں۔

حال: معاشرہ میں رہنے سہنے کیلئے فنا سے کیا مراد ہے اپنے حقوق کے معاملہ میں کیا معاملہ کرنا چاہئے

ارشاد: اپنے حقوق طلب کرنا فنا کے خلاف نہیں ہے۔

حال: جب دوکان سے کچھ اچھے پیسے آ جاتے ہیں تو تمام معمولات میں دل بھی خوب لگتا ہے اور اگر تھوڑے پیسے آتے ہیں تو معمولات میں دل لگنا تو درکنار بلکہ طبیعت میں انقباض اور گھٹن سی محسوس ہوتی ہے اور دل میں مزید تشویش ہوتی ہے اور اپنے آپ پر غصہ بھی آتا ہے۔

ارشاد: یہ طبعی بات ہے اس کا خیال نہ کیا جائے انقباض کے باوجود معمولات پوری طرح ادا کرنے کی کوشش کی جانی ضروری ہے زیادہ غصہ کی بھی ضرورت نہیں بس بے فکری کے ساتھ اپنے

معمولات پورے کر لئے۔

حال: بعض وقت دل کو سمجھا تا ہوں کہ تمام کائنات اللہ جل شانہ کی مشیت اور مرضی سے چل رہی ہے اگر اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہیں تو اس کی رضا میں ہمیں بھی راضی رہنا چاہئے۔

ارشاد: اس کی رضا پر راضی رہنا چاہئے مگر حکم شرعی کے خلاف پر نکیر بھی ضروری ہے۔

حال: نماز میں بعض اوقات ایسا ڈوب جاتا ہوں کہ جس سے شک ہو جاتا ہے کہ شاید میری نماز ہوئی بھی ہے یا نہیں۔

ارشاد: شک نہ کریں پھر زیادہ شک ہوگا۔

حال: احقر نے آج کتاب امداد السلوک میں پڑھا ہے کہ سالک کینہ کو سانپ کی شکل میں خواب میں دیکھتا ہے۔ اکثر مجھے خواب میں سانپ نظر آتے ہیں اور کئی دفعہ ان کو مار دیتا ہوں جہاں تک خیال ہے کہ کسی نے ڈسا نہیں اس سے خیال ہوتا ہے کہ مجھ میں کینہ ہے۔

ارشاد: جب تک عمل کینہ کے موافق نہ ہو کچھ خوف نہ کریں۔

حال: اس کا کیسے علاج کروں ارشاد فرماویں۔

ارشاد: جس سے کینہ کا شبہ ہے اس سے احسان کا برتاؤ کیا جائے۔

حال: حقوق العباد ایک بڑی اہم بات ہے اوروں کے معاملات تو درکنار بیوی کے ساتھ کئی معاملات میں الجھن ہو جاتی ہے۔

ارشاد: چشم پوشی سے ہی کام چلتا ہے دونوں طرف ہی ہونی چاہئے۔

حال: بعض دفعہ بیوی کی زبان سے ایسی بات نکل جاتی ہے کہ میرا دل جل جاتا ہے۔

ارشاد: برداشت ہی اس کا علاج ہے اسی میں خیر اور انجام کار راحت ہے۔

حال: میری کوشش کے باوجود بھی بیوی خوش نہیں رہتی اور زبان سے بھی کہتی کہ میری ساری زندگی مصیبت میں گذری ہے۔

ارشاد: یہ طبعی بات ہے حدیث میں بھی عورتوں کے متعلق ایسا ہی آیا ہے تا کہ مردوں کو برداشت کرنا آسان ہو۔

حال: ان الفاظ سے بڑی کوفت ہوتی ہے آپ براہ کرم یہ ارشاد فرمائیں کہ میں کیسا کروں کہ

جس سے دنیا میں سکون والی زندگی گذرے اور آخرت میں بھی امن میں رہوں اور بیوی کے حقوق میں مجھ سے کسی قسم کا مواخذہ نہ ہو جب کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس وقت ذہن میں ایسی ایسی باتیں آتی ہیں جن کو میں بیان نہیں کر سکتا علاج فرماویں از حد آپ کی شفقت اور مہربانی ہوگی۔

ارشاد: یہ دنیا جائے سکون نہیں ہے اس میں سکون تلاش نہیں کرنا چاہئے اسی طرح یہ زندگی گذر جائے آخرت کا سکون اللہ کرے نصیب ہو اپنی کوشش کے بعد بے فکر ہو جانا چاہئے ان شاء اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ ہوگا بقدر وسعت ہی انسان مکلّف ہے اپنی وسعت کے موافق حقوق کی ادائیگی کے بعد پھر کیوں فکر کیا جائے باقی ہر حال میں کرتے رہیں یہی علاج ہے جو لکھ دیا ہے اس کو بار بار پڑھتے رہیں آپ کی پریشانی کو دیکھ کر فوری جواب لکھ دیا ہے آج ہی آپ کا خط ملا ہے۔

حال: حضرت تھانویؒ کے ''چند نصائح'' کے عنوان پر ایک قطعہ تھا اس میں لکھا ہے کہ ''بزرگوں کی قبور سے گاہ بگاہ استفادہ حاصل کر لیا کرو'' حضرت جی اس استفادہ کے لفظ سے کیا مراد ہے۔

ارشاد: اپنی اپنی استعداد کے مطابق استفادہ ہوتا ہے خواص کو اور طرح اور عوام کو صرف زیارت کا۔

حال: بزرگان دین کی قبر پر کس ارادہ سے جانا چاہئے۔

ارشاد: تذکرہ آخرت کی نیت سے جانا چاہئے۔

حال: جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا استحضار ہوتا ہے تو امید بن جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ضرور بخش دے گا۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا سہارا ہی سب سے بڑا سہارا ہے ان شاء اللہ اسی سے امید ہے کامیابی اور نجات کی۔

حال: اور جب میں اپنے گناہوں کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے خوف کو سوچتا ہوں تو پتہ نہیں کہ میرا کیا بنے گا بڑا فکر لاحق ہوتا ہے۔

ارشاد: یہ فکر ہی سبب نجات ہوگا۔

حال: حضرت جی یہ جو قرآن کریم میں سورۃ ھمزۃ میں تین وعیدیں آئی ہیں ایک عیب نکالنے پر دوسری طعنہ زنی پر تیسرے مال کے جمع کرنے پر اور اس کے گننے پر اس پر بڑا خوف طاری رہتا ہے۔

ارشاد: سورۃ ھمزۃ میں عیب جوئی طعنہ کی مذمت ہے اس سے پرہیز ضروری ہے البتہ ضرورت

میں جائز ہے اور مال کے جمع کرنے پر جو وعید ہے اس سے مراد ہے کہ اس کی محبت اتنی ہو جائے کہ اس کے حقوق ادا کرنے سے مانع ہو جائے ایسی محبت میں گننا اور جمع رکھنا مذموم ہے مطلق جمع کرنا منع نہیں ہے،

حال: اس دفعہ عمرہ کے بعد بیت اللہ شریف کی محبت اور ذہنی دھیان بنسبت مدینہ منورہ کے زیادہ محسوس ہوتا ہے اس معاملہ میں کچھ دل میں خلش سے رہتی ہے۔

ارشاد: بعض طبائع پر توحید کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے مرکز توحید بیت اللہ کی طرف دھیان زیادہ ہونا تقاضائے طبعی ہے کچھ حرج نہیں ہے اور عقلاً وسائط کے ساتھ محبت بھی ذوالواسطہ کے ساتھ ہی محبت ہوتی ہے اس لئے واسطہ توحید کے ساتھ محبت بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی محبت ہے مگر بعض طبائع پر واسطہ سے زیادہ تعلق ہوتا ہے یہ محبت کے رنگ ہیں اور سب میں مصالح ہیں فکر کی بات نہیں ہے نہ اصلاح کی ضرورت۔

حال: حضرت جی میں نے......اخبار لگایا ہوا ہے، جی چاہتا ہے کہ ان کی کسی طرح سے امداد کی جاوے

ارشاد: میرے نزدیک اس زمانہ میں سب اہم اور بنیادی خدمت دین کی دینی مدارس کر رہے ہیں دین کے ہر شعبہ کا مرکز دینی مدرسہ ہی ہے تبلیغ اور جہاد تصنیف وتالیف غرضیکہ ہر نوع کی خدمت انہی مدارس سے انجام پا رہی ہے اس لئے ان کی خدمت ہر طرح سے لازم اور سب سے اہم اور مقدم ہے یہ دینی تعلیم کا شعبہ اتنا اہم ہے کہ عین وقت جہاد بھی اس کے قائم رکھنے کی ہدایت قرآن کریم میں دی گئی ہے فلو نفرلا من کل فرقة منهم طائفة الآية (پ۱۱) کی تفسیر دیکھ لیں اس سے تعلیمی شعبہ کی اہمیت وتاکید کا اندازہ ہوگا۔ اس کے علاوہ دوسری دینی خدمات میں بھی کچھ نہ کچھ حصہ لینا وقتی حاجت کے لحاظ سے مناسب اور کار خیر میں تعاون کا ذریعہ ہے اور موجب ثواب ہے مگر یہ سب وقتی ضروریات ہیں دائمی ضرورت علم دین کا بقاء اور اس کا تحفظ ہے اس میں زیادہ سے زیادہ تعاون کیا جائے اس کے استحکام سے تمام دینی شعبوں میں صحیح طور پر استحکام پیدا ہوگا اور اس کی سمت اور رخ بھی صحیح رہے گا ورنہ الذین ضل سعيهم فی الحيو ةالدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعاالآية کے مصداق ہوگا اگر آپ کا زیادہ تقاضہ ہے تو کچھ مالی امداد کر دی جائے مگر اپنے ملک میں دینی مدارس کو مقدم رکھا جائے اور اس کو ترجیح دی جائے وہاں دوسرے حضرات بھی خدمات میں حصہ لے رہے ہیں اپنے ملک میں نظام اسلام کی کوشش کی جائے جو اس سے بھی اہم ہے باقی دعاء اخلاص کے ساتھ اس کیلئے کی

جائے احقر بھی دعا گو ہے۔

حال: ذکرواذکار معمولات میں خیالات بکھرے رہتے ہیں۔

ارشاد: کشاکشا میں زیادہ ثواب ملتا ہے۔

حال: بعض وقت دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی عبادت اور عمل کا کیا فائدہ۔

ارشاد: بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

حال: بندہ راولپنڈی کا رہنے والا ہے اور الریاض میں آجکل بتوفیقہ تعالیٰ انگریزی پڑھا رہا ہے۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ اس کو باعث خیر بنائیں آمین۔

حال: بندہ کو یہ فکر رہتا ہے کہ معلوم نہیں مرتے وقت اور مرنے کے بعد بندہ کا کیا حشر ہوگا دائمی عذاب سے بہت ڈر لگتا ہے بعض دوستوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھنی چاہئے جب تک معاملہ طے نہ ہو جائے کیسے اطمینان ہو۔

ارشاد: جس کو یہ فکر لاحق ہوان شاء اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حسن خاتمہ اور حشر میں سہولت و یسر کا معاملہ ہوگا اور دائمی عذاب تو کیا عارضی سے بھی محفوظ رکھا جائے گا بلکہ حسب ارشاد ربانی :ولمن خاف مقام ربه جنتٰن وامامن خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ اس کو جنت کی نعمتوں سے مالا مال اور سرفراز کیا جائے گا فروح وريحان وجنة نعيم سے نوازا جائے گا ان بشارتوں کے ہوتے ہوئے فکر کی کیا وجہ ہے یہی عدم اطمینان اور خوف کلید سعادت اور ابدی نجات کا سرمایہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ مگر اس کے ساتھ امید بھی ہو الايمان بين الخوف والرجاء ارشاد سامنے رہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اعتدال پیدا ہو جائے گا جو کہ مطلوب ہے یہ دنیا خوف ورجاء کا مقام ہے اطمینان کی جگہ دار القرار ہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں نصیب ہوگا۔

حال: بندہ کے داماد نے شادی سے پہلے علم دین حاصل کرنے کا خیال ظاہر کیا تھا بندہ خوش تھا کہ وہ عالم دین بن جائیں گے لیکن شادی کے بعد انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا اب وہ نہ دنیاوی علم پڑھنے پر راضی ہیں اور نہ کسب علم دین پر۔ درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعوجاج کی تقویم فرمائیں آمین،

ارشاد: ثم آمین، مناسب ترغیب وتدبیر کے ساتھ كل ميسر لما خلق له پر بھی نظر رہنی چاہئے اس مراقبہ سے زیادہ کڑھن کا علاج مقصود ہے ہر امر میں اعتدال مطلوب ہے وكذالك جعلناكم

امۃ وسطا۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ ویسر لناا مورالدنیا والآخرۃ۔

حال: اللہ تعالیٰ آپ کا بابرکت سایہ امت مسلمہ پر ہمیشہ بہمہ فیوض وبرکات قائم ودائم رکھے آمین،

ارشاد: آپ حضرات کا یہ حسن ظن ہے۔

یظن الناس بی خیرا وانی لشرالناس ان لم یعف عنی

حال: کبھی کبھی بندہ کو والعیاذ باللہ وسوسہ آتا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ عالم فنا ہوجائے اوراس کے بعد کچھ بھی نہ بچے پھر یہ آیت یادکرکے بہت شرم آتی ہے افی اللّٰہ شك فاطر السموات والارض۔

ارشاد: وھوالذی یبدء الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیہ کا بار بار تکراراوردل پر جمانا مفید ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حال: اگرچہ بندہ وساوس کی طرف التفات نہیں کرتا پھر بھی یہ حالت کفر سے مشابہ ہے ھوالذی خلقکم من طین ثم قضیٰ اجلاً واجل مسمیً عندہ ثم انتم تمترون۔

ارشاد: ہرگز نہیں کافرکو معادکا وسوسہ آہی نہیں سکتا وہ تو جزماً منکر ہوتا ہے ان نظن الاظناً وما نحن بمستیقنین آپ کو یقین ہے معادکا جانب مخالف کا صرف وسوسہ ہے وذالك صریح للایمان کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما فی باب فی وسوسۃ فی المشکوٰۃ عن مسلم۔

حال: یہ اور بات ہے کہ حالت فنا بھی بری نہیں۔

ارشاد: مگرنصوص قطعیہ کے خلاف ہے اس لئے مردود ہے اورنعمائے جنت سے محرومی بھی ہے،

حال: زیادہ خوف تو دائمی عذاب اورحساب وکتاب کا ہے۔

ارشاد: بے شک اس سے نجات کی تدابیر عمل میں لاکرفضل باری پرتکیہ ہونا چاہئے۔

حال: بندہ امریکا میں پڑھا شاید بندہ کے وسوسہ کا مصدر ومنشا کافر وملحد امریکہ سے تعلق ہے۔

ارشاد: ایسانہیں اوپرگذرچکا ہے بعض صحابہ کرامؓ کو وساوس آئے اورآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صریح ایمان فرمایا اس لئے یہ شبہ نہ کیا جائے۔

حال: بندہ جب اپنے جسم کی پیچیدگی اوردقت صنع وخلق کو دیکھتا ہے تو خالق کی قدرت کا یقین ہوجاتا ہے۔

ارشاد: یہ یقین ہی توان وساوس کا علاج اورتریاق ہے اس یقین کے ہوتے ہوئے فکر کی کوئی

بات نہیں تمام فرعونی وساوس کے نگل لینے کیلئے یہ عصائے موسوی ہے۔

حال: اللہ تعالیٰ اس ناعاقبت اندیش کو وساوس سے نجات دلا کر بلا دلیل پہاڑ جیسا مضبوط ایمان عطا فرمائے۔

ارشاد: نجات مقصود نہیں اس فکر میں نہ پڑیئے یہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است　　　　کہ ازو حمام تقویٰ روشن تر است

ان وساوس کی بدولت حمام تقویٰ روشن ہوتا ہے۔

حال: اللہ تعالیٰ منافقت سے نجات عطا فرما کر ایمان پر خاتمہ فرمائے۔(آمین)

ارشاد: یہ منافقت نہیں منافست ہے اس منازعت پر ترقی درجات ہے۔

حال: بندہ کی دینی حالت بہت خراب ہے کافر غرب کی محبت دل میں رچی ہوئی ہے ساٹھ سال کی عمر میں صالحات سے تأجیل ہے جیسے عمر بہت لمبی ہو آخری عمر میں عبادت کرلیں گے۔

ارشاد: یہی احساس اصلاح کا مژدہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حال: یہ معلوم نہیں کہ صبح کے وقت شام کی بھی مہلت ہے یا نہیں۔

ارشاد: درست اس کا استحضار مفید ہے۔

حال: کبر حد سے زیادہ ہے۔

ارشاد: مرض کا احساس بھی ایک درجہ علاج ہے۔

حال: بندہ خود رائی کا شکار ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری ہے۔

ارشاد: ناشکری کا اعتراف بھی شکر نعمت ہے۔

حال: نعمتوں کا سوء استعمال ہے، وقت بہت ضائع کرتا ہے حالانکہ صحت وفراغت بہت قدر کی چیزیں ہیں۔

ارشاد: ان احساسات کے ساتھ اصلاح کی امید ہے، واللّٰہ یصلح اعمالکم ۔

حال: بچوں کی تربیت وتعلیم سے غفلت ہے۔

ارشاد: قوا انفسکم واھلیکم ناراً آیت پیش نظر رہنی چاہئے۔

حال: پہلے بچوں کو کتاب سنانے کا معمول تھا آج کل وہ بھی ترک ہے۔

ارشاد: ہمت کر کے معمول جاری کر دیا جائے جب ترک ہو پھر ہمت سے کام لیا جائے یہی سلسلہ قائم رہے تو بس کامیابی ہے۔

حال: حالت ناگفتہ بہ ہے، یہ ضعیف محتاج التفات ہے، لِلّٰہ اس کی عاقبت وعافیت دارین کیلئے دعا فرمائیں۔

ارشاد: ان سب کے باوجود ہمت نہ ہاریں ناامیدی کی کوئی بات نہیں، شکر ہے کہ مریض کو اپنے مرض کا علم واحساس ہے علاج کی توقع ہے۔

حال: جب انسان ہوائی جہاز میں ریزولیشن کرالیتا ہے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ اب وقت گذرتا جائے گا تاریخ موعود پر چل پڑیں گے، بندہ کا زندگی سے بھی اب یہ احساس پیدا ہوگیا ہے کہ اب یہ تھوڑے سے وقت کا مسئلہ ہے۔

ارشا: یہ تصور تو بہتر ہے مگر اعتدال کے ساتھ، اگر غلو ہو جائے تو پھر انسان ہر کام سے رہ جائے اور خود کو بے کار سمجھنے لگے۔ ربنا ماخلقت ھذا باطلاً انسان بھی اس میں داخل ہے۔

حال: بندہ گرمیوں کی چھٹیوں میں آجکل کراچی میں مقیم ہے خدمت مبارکہ میں ایک دو روز کیلئے حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔

ارشاد: اجازت کیا ملاقات کا شوق ہے جب سہولت ہو سکے آجائیں کہ ''خانۂ ماخانۂ تست'' مگر اس ناکارہ کیلئے اتنا دور دراز کا سفر کرنا اور مشقت برداشت کرنا صرف محبت ہی اس کا باعث ہے ورنہ یہ ناکارہ تو اس لائق نہیں کہ اس کیلئے اتنا طویل سفر کیا جائے۔

حال: بندہ جب اپنی حالت پر نظر کرتا ہے تو بہت افسوس ہوتا ہے سوائے زعم وگمان ودعویٰ کے کچھ پاس نہیں۔

ارشاد: یہ احساس ہی ان شاء اللہ تعالیٰ تلافی کا سبب بن جائے گا کیونکہ معاملہ اکرم الاکرمین رب العلمین سے ہے، امید عفو کی ہے۔

حال: بندہ کی حالت بہت شرمناک ہے لیکن اصلاح کا داعیہ بھی پیدا نہیں ہوتا اور لوگوں کو تنافس فی الحسنات میں دیکھ کر خود کو حسرت وندامت پیدا ہوتی ہے لیکن غبطہ مفقود، کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ بندہ کے بھی آنسو جاری ہوتے، کسی پنجابی شاعر نے اس کی تصویر کھینچی ہے ۔

کراں ہائے ہائے تے زاروزاررواں　　　میں تسبیح آ نسواں والی پروواں

ارشاد: بس یہ علاج ہوجاتا ہے یہ غبطہ ہی ہے جس کا احساس نہیں ہے دل سے آنسو جاری ہونا ہی ہے گو آنکھ سے نہیں مگر مقصود حاصل ہے اگرچہ صورت مختلف ہے۔

حال: لیکن قسوۃ قلب کچھ کرنے نہیں دیتی۔

ارشاد: قسوۃ ہوتی تو یہ شکایت نہ ہوتی۔

حال: بندہ موت سے بھی ڈرتا ہے۔

ارشاد: یہ طبعی خوف مضر نہیں۔

حال: اگرچہ وقت قریب ہے تاہم غفلت بہت زیادہ ہے۔

ارشاد: جب اس کا ذکر ہے تو غفلت نہ ہوئی قد اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون میں غفلت کی علامت اعراض کو فرمایا گیا ہے جو الحمدللہ یہاں مفقود ہے۔

حال: درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس ناقص بندہ تک حضرت والا عم فیضہ کا فیض بہ فراوانی پہنچائیں۔

ارشاد: اصل مفیض ذات حق سبحانہ وتعالیٰ ہیں وہ اپنے کسی بندہ کو اپنے فیضان کا واسطہ بنادیتے ہیں مثل چھت کے پرنالہ کے، اللہ تعالیٰ ہم سب کیلئے خصوصی فیضان کے حصول کو آسان بنادے آمین

حال: بندہ میں تقویٰ کی بے حد کمی ہے اس کے ساتھ عدم ذکر کی وجہ سے لاوردلہ، لاواردلہ والا معاملہ ہے۔

ارشاد: اس کمی کے احساس سے ان شاء اللہ تعالیٰ کمی کا تدارک ہوجائے گا کچھ حرج نہیں ہوا احساس کمتری سے وہ کمی پوری ہورہی ہے جو کچھ حاصل تھا وہ جذر قلب میں راسخ ہوا اس کا ظاہر میں احساس نہیں رہا۔

حال: ایک زمانہ میں اپنی کوتاہیوں پر توبہ کرتے وقت رونا آتا تھا اب تو قساوت قلب اتنی ہے کہ زبان سے بتوفیقہ تعالیٰ استغفار وتوبہ کے الفاظ کبھی نکلتے وقت رونے کا خیال تک نہیں آتا، جو لوگ اپنے رب کے وعدہ کا علم ویقین رکھتے ہیں وہ سجدے میں گر کے روتے ہیں جس سے ان کا خشوع بڑھتا ہے۔

ارشاد: پہلے آنکھوں سے رونا آتا تھا اب دل روتا ہے کہ رونا کیوں نہیں آتا، قساوت قلب ہوتی تو اس کے عدم سے غم کیوں ہوتا اور آیت مبارکہ کے مضمون کی تمنا کیوں ہوتی قاسیۃ القلب کا یہ حال نہیں ہوتا اس کو تو پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ پھر یہ حال ہے جو غیر اختیاری ہے اصل مقصود دل کا احساس (یعنی رونا) ہے وہ بحمد اللہ حاصل ہے۔

حال: جس کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہوتی ہے اسے رونا بھی آتا ہے۔

ارشاد: بحمد اللہ رونا آرہا ہے دل سے تمنا کا ہونا رونا ہی تو ہے۔

حال: بندہ کا جو حال ہے اس سے لقائے غی کا خوف پیدا ہوتا ہے۔

ارشاد: ہرگز نہیں یہ خوف ہی تو لقائے غی کیلئے مانع ہے۔

حال: آنسوؤں کا بہنا معرفت حق سے ہوتا ہے۔

ارشاد: اور اس کے فقدان سے افسوس ہونا اس کی تلافی ہے۔

حال: جن کو خشیت ربی حاصل ہے ان کی جلد کا متأثر ہونا اور ان کے قلوب کا ذکر اللہ کی طرف مائل ہونا اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔

ارشاد: یہ احوال ہیں اور مقصود مقام ہے جو دل میں تمکین حاصل کرے اور اس کا مصداق ہو جائے ؎ گم شدن گم کن کمال ایں است وبس۔

حال: بندہ حب جاہ اور تکبر کا شکار ہے۔

ارشاد: حق تعالیٰ کے جلال و عظمت کے سامنے ہماری کیا ہستی ہے بس اس کا استحضار ہی اس کا علاج ہے اس آفتاب کے سامنے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب کے سامنے ہوتی ہے ؎

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید خجل شد چوں پہنائے دریا بدید

حال: پورے دن میں ایک بار بھی بطور ذکر لفظ اللہ زبان سے نہیں نکلتا۔

ارشاد: نکلنے لگے گا ان شاء اللہ تعالیٰ تھوڑی توجہ کی ضرورت ہے۔

حال: توکل کی کمی کی وجہ سے بندہ کو رزق کی طرف سے فکر رہتا ہے۔

ارشاد: فکر توکل کے منافی نہیں بلکہ مامور بہ ہے اور باعث اجر بھی مگر اعتدال کے ساتھ ہو۔

حال: اگرچہ آیت کریمہ ان اللّٰہ ھو الرزاق الخ کے معانی معلوم ہیں لیکن ان معانی کا قلب

پر استیلاً نہیں۔

ارشاد: اس کے یہی معنی ہیں۔

درتوکل می کنی درکارکن ‎ ‎ ‎ کسب کن تکیہ برجبارکن

حال: بندہ کوحضرت والا دامت مکارمہ کے فیوض وبرکات سے وافرحظ عطافرمائیں آمین۔

ارشاد: احقر کے کیافیوض وبرکات ہیں البتہ اکابر کے فیوض وبرکات کا وسیلہ ہوسکتا ہے۔

حال: حضرت والا کا احسان ہے کہ اس بے نوا کو اصلاح کیلئے قبول فرمالیا۔

ارشاد: یہ دونوں کیلئے باعث محبت اور دینی نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

حال: مشت خاک کیلئے اس سے بڑی کیا خوشی ہوگی کہ اس کا تعلق کسی نوری خداوالے سے ہوجائے۔

آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند ‎ ‎ ‎ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

ارشاد: یہ محبت ناشی ہے ورنہ اس ذرہ بے مقدار کے پاس کچھ نہیں اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اہل نظر کی نظر سے احقر کے عیوب مخفی رہتے ہیں اور وہ حسن ظن رکھتے ہیں۔

حال: آجکل اس ضعیف پر تیزی سے بڑھاپا آرہا ہے، گھٹنوں میں درد رہتا ہے۔

ارشاد: بڑھاپا بھی ایک طرح سے جلب رحمت کا سبب ہے اس میں ضعف ہوتا ہے اور ضعف سبب جلب رحمت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اللّٰہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا و شیبہ '' اس کی تشریح میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ ''حق تعالیٰ شانہ کی عجیب قدرت ہے اول بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے اس سے یہ حکمت ہے کہ اگر اول ہی سے مضبوط اور قوی ہوتا تو ماں کے پیٹ سے پیدا نہ ہوسکتا پھر جوانی کے بعد کمزوری پیدا ہوتی ہے اس میں راز یہ ہے کہ روح نکلنے میں تکلیف ہوتی ہے اس لئے موت سے پہلے بڑھاپا آتا ہے کہ روح نکلنے میں سہولت ہو اور جبکہ بڑھاپے میں بھی روح نکلنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے یہ محض اظہار قدرت ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ضعف میں بھی خروج روح سے تکلیف پہنچا سکتے ہیں'' تو یہ بڑھاپا باعث رحمت ہے بوڑھوں کی دنیا میں بھی رعایت کی جاتی ہے ان کی راحت وآرام کا خیال رکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ رحمت کا برتاؤ فرمائیں گے۔

حال: یہ ضعیف کم ہمتی کا شکار ہے دنیا کے کاموں میں بھی اور دین کے کاموں میں بھی۔

ارشاد: یہی اعتراف عجز ان شاء اللہ باعث رحمت خداوندی ہوگا۔

حال: دین کے کاموں میں جلد بازی سے سوائے نماز روزے کے کوئی کوئی نفلی کام نہیں کیا جاتا نہ کبھی ذکر کیا جاتا ہے نہ کبھی نفلی نماز، اشراق، چاشت، اوابین کی پڑھی جاتی ہے نہ کبھی کوئی نفل روزہ رکھا جاتا ہے محض فرض وواجب کی توفیق اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک

ارشاد: پانچ نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ پر دوام ذکر کے قائم مقام ہوسکتا ہے اور سنت مؤکدہ کے بعد نوافل دوسری نفلی نماز کا بدل ایسی حالت میں ہو سکتے ہیں، خصوصا حالت صحت کے اشراق وغیرہ کا ثواب حالت مرض میں بغیر عمل کے ہی ملنے کا وعدہ کیا گیا ہے اس دربار میں مایوسی نہیں اور نہ ہی ناکامی ہے ہر حالت میں کامیابی اور کامرانی حاصل ہے، بے فکر رہیں۔

حال: بندہ سوچتا ہے کہ عنقریب اس ناپاک کے وجود سے یہ زمین پاک ہوجائے گی۔

ارشاد: اس کا استحضار سبب ترقی درجات ہے یہ حالت عمدہ حالات میں شمار ہوتی ہے۔

حال: حضرت والا عمت فیوضہ نے تحریر فرمایا ہے'' دینی اور دنیوی نعمتوں کے حصول کی کوشش اور حصول پر شکر ادا کرنا چاہئے'' بندہ کا خیال تھا کہ دنیا اور اس کی کوشش کے ساتھ از دراً چاہئے لیکن حضرت والا عم فیضہ کے تحریر فرمانے سے پتہ چلا کہ دنیوی نعمتوں کے حصول کی کوشش بھی امر حسن ہے۔

ارشاد: نعماء دنیا نعماء جنت کا نمونہ ہیں صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے''لتکون انموذجا لحریر الجنة '' دنیا کی حریر میں سے معمولی ٹکڑا مرد کو استعمال کرنے کی اجازت کی حکمت یہ ہے کہ جنت کی حریر کا نمونہ ہوجائے تو نعماء دینا کو نعماء آخرت کا نمونہ سمجھ کر استعمال کرنا چاہئے اس اعتبار سے یہ نعماء بھی قابل حصول اور لائق تشکر ہیں۔

حال: بچی کا چھوٹا لڑکا پڑوسیوں کے گھر میں پتھر پھینک رہا تھا بچی نے اسے منع کیا اس منع کرنے پر بچی کے خاوند نے اس بچی کے منہ پر ایک زوردار چپت جڑ دی بچی کی مار سے بندہ کا دل بہت دکھتا ہے۔

ارشاد: دکھنا چاہئے یہ طبعی بات ہے، خاوند کی زیادتی ہے مگر آیت'' لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا'' پر توجہ مرکوز رہے تو طبعی اثر میں شدت نہیں رہے گی۔

حال: بندہ کا جی چاہتا ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی تالیفات میں سے قصد السبیل اور تبلیغ دین پڑھے۔

ارشاد: بہت ضروری مفید کتابیں ہیں ان کو حرز جاں بنانا چاہئے، اصلاح باطن کیلئے کیمیا کا حکم رکھتی ہیں، حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا ''میں نے ساری عمر کا تجربہ اس میں لکھ دیا ہے'' واللّٰہ المو فق والمعین وھو یصلح اعمالنا و بالنا۔

حال: بندہ دینی کتابیں پڑھنے میں بہت کم وقت صرف کرتا ہے اس میں بہت تقصیر ہے، ندامت بھی ہے۔

ارشاد: یہ تو بہت خوش آئند ہے۔

حال: بس وہی حال ہے کہ ایک شخص کا کتا بھوک سے مر رہا تھا وہ شخص غم سے رو رہا تھا پاس ہی روٹی کی بھری ٹوکری رکھی تھی لیکن اسے سستی اتنی تھی کہ روٹی نکال کر کتے کو نہیں دے رہا تھا بس یہی حال اس پر کسل کا ہے۔

ارشاد: مگر اس کو اپنے اس عمل پر ندامت کہاں تھی؟ ھذا ھو الفرق بین حالہ و حالکم فافھم ولاتکسل و کن من الشاکرین۔

حال: یہ ضعیف بعض قلبی میلانات مثل حرص اموال، حسن پسندی، رغبت الی النساء، خوف موت وعدم توکل بصورت انقطاع رزق وغیرہ پر خود کو ملامت کرتا رہتا ہے۔

ارشاد: یہ ملامت بھی علاج کا جز ہے، باقی طبعی میلان میں جب تک قصد کا دخل نہ ہو احداث یا ابقاً میں زیادہ فکر کی بات نہیں گو قابل اصلاح ہے مگر قابل مواخذہ نہیں لعدم دخل القصد فیہ وعدم التوکل بمعنی ترك الاسباب لایؤ اخذ علیہ لانہ لیس مامور بہ بل ترك الاسباب العادیۃ منھی عنہ بمن لایملك نفسہ علیہ۔

حال: طبیعت میں وہ صفا نہیں آتی جس سے اس دنیائے دوں کی کششوں کی طرف التفات نہ رہے۔

ارشاد: پھر تو آدمی فرشتہ بن جائے ویبطل مصلحۃ تخلیق الانسان ۔

حال: مشغولیت اعمال دنیا کے سبب نوافل وذکر بھی بہت کم کیا جاتا ہے، مالک کا شکر ہے کہ

استغفار کی توفیق دے رکھی ہے۔

ارشاد: بس آگ کا دفاع استغفار کے پانی سے ہوجاتا ہے قابل شکر حالت ہے۔

حال: بندہ یوں سمجھتا ہے کہ جیسے نعوذ باللہ من الاثم گناہ ایک فعل ہے اسی طرح استغفار ایک فعل ہے جس کی تاثیر گناہ کو مٹا دینا ہے۔

ارشاد: ٹھیک ہے مگر استغفار کی امید پر اقدام گناہ پر ایسا ہی ہے جیسا کہ حاکم کی مہربانی پر بھروسہ کر کے اقدام جرم پر، ولا یختار ہ عاقل ولا یفعله احد۔

حال: ہمارے خاندان کا دستور ہے کہ جب بچی بالغ ہوجاتی ہے تو وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے کسی بزرگ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیتی ہے، میں نے اس بارہ میں استخارہ کیا ہے اور میرا قلبی رجحان آپ سے اصلاحی تعلق کا ہے ازراہ کرم مجھے اجازت عطا فرمادیں کہ میں اپنے حالات آپ کی خدمت میں لکھ بھیجا کروں۔

ارشاد: اجازت ہے نفع اللّٰہ لکم علی حسن ظنکم بی ویوفقنی وایاکم لمایحب ویرضیٰ ویفید فی اصلاح الظاهر والباطن ۔مطالعة المواعظ والملفوظات لحضرت حکیم الامت التهانوی رحمة اللّٰہ علیه خصوصاتسهیل قصد السبیل وتعلیم الدین والتشرف بمعرفة احادیث التصوف وامثاله وهوالموفق والمعین وبه نستعین۔

حال: مدرسہ کے واجبات پورے کر کے سارا دن قصے کہانیاں پڑھتی رہتی ہوں۔

ارشاد: اس کے بجائے قصص الاکابر لحصص الاصاغر لحضرت التھانویؒ کا مطالعہ کریں۔

حال: قصے پڑھنے سے ہمیں ادبی زبان آگئی ہے جو کہ الحمدللہ ایک طرح کا علمی سبب ہے۔

ارشاد: بس اب ان کی ضرورت نہیں رہی مقصد حاصل ہوگیا۔

حال: چونکہ الحمدللہ ہمارے گھر ریڈیو، ٹی وی وغیرہ نہیں ہے اور بلاضرورت گھر سے باہر بھی نہیں جاتے، بفضلہٖ تعالیٰ شرعی پردہ کرتے ہیں یعنی خالاؤں وغیرہ کے لڑکوں کے سامنے نہیں آتے۔

ارشاد: قابل شکر ہے۔

حال: اس لئے ہمارے پاس وقت گزارنے کیلئے یہی قصے ہی ہیں۔

ارشاد: حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم پڑھا کریں، حیوۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم لمولانا محمد یوسفؒ عربی

زبان میں ہے اس کو پڑھیں۔

حال: مجھے اصلاحی خطوط لکھنے میں بڑی سستی ہوتی ہے کیونکہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔

ارشاد: یہی لکھ دیا کرو کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھوں، اس سے تعلق قائم رہتا ہے اور پھر سمجھ میں بھی آنے لگتا ہے۔

حال: کیف الطریق الی الخلاص من سیطرۃ حب الدنیاعلی القلب اذانی فی الصلوۃ تراودنی وساوس کثیرہ (ترجمہ) حب دنیا سے چھٹکارے کا کیا طریقہ ہے اور یہ کہ دوران نماز وساوس کثرت سے آتے ہیں۔

ارشاد: علاج حب الدنیااستحضار فنائهاوبقا ء الآخرۃ،و کثرۃ الوساوس لایضراذالم تکن عملاوقصداً لان الانسان لایکلف الابمافی وسعه (ترجمہ از مرتب) حب دنیا سے چھٹکارے کا علاج فناء دنیا اور بقاء آخرت کا استحضار ہے، باقی کثرت وساوس مضر نہیں جبکہ قصداً ان کو نہ لا جائے، قصداً سوچنا مضر ہے، بلا قصد جو وسوسہ دل میں آئے وہ اختیاری نہیں ہے اور غیر اختیاری کا انسان مکلّف نہیں ہے۔

حال: مجھے صاف اور اچھے کپڑے پہننا اچھا لگتا ہے۔

ارشاد: لاحرج فیه ان کان لاعلیٰ وجه التکبر (ترجمہ از مرتب) کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ تکبر نہ ہو۔

حال: مجھے وساوس آتے ہیں اس کا علاج کیا ہے۔

ارشاد: لاحول ولاقوۃ کا ورد زیادہ رکھیں۔

حال: انسان کیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مداومت رکھے۔

ارشاد: ہمت اور دعا توفیق سے۔

حال: جب ذکر اللہ کرتی ہوں تو کچھ صفاء القلب محسوس کرتی ہوں۔

ارشاد: یہ ذکر اللہ کی برکت ہے۔

حال: لیکن جب دنیاوی کاموں میں مشغول ہوتی ہوں تو وہ صفاء زائل ہو جاتا ہے۔

ارشاد: زائل نہیں ہوتا دب جاتا ہے محسوس نہیں ہوتا۔

حال: مجھے غصہ جلدی آجاتا ہے اس کا علاج کیا ہے۔

ارشاد: اعوذ باللہ کی کثرت۔

حال: کیا جو آیات قرآنیہ یاد کی ہیں انہیں یاد رکھنا واجب ہے اور بھولنا گناہ ہے۔

ارشاد: خود بخود بھولنا گناہ نہیں ہے کہ بے اختیاری ہے البتہ یاد رکھنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے

حال: مجھے زیادہ ذکر الموت نہیں آتا دعا فرمائیں کہ ذکر الموت میرے قلب میں راسخ ہو جائے۔

ارشاد: کل نفس ذائقۃالموت اورایـنـماتکونوایدرککم الموت ولوکنتم فی بروج مشیدہ جیسی آیات جن میں موت کا تذکرہ ہے ان پر توجہ رہے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے ورد سے رسوخ فی القلب حاصل ہو جائے گا۔

حال: میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھیں اور میری اصلاح کامل فرمائیں اور ہر قسم کے شر وفتنہ سے بچائیں اور بغیر حساب کے جنۃ الفردوس میں داخل فرمائیں۔

ارشاد: دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر قائم رکھیں نماز میں اھدنا الصراط المستقیم بہت زیادہ توجہ سے پڑھا کریں اور ولاتـکـلنی الی نفسی طرفۃ عین کا ورد بھی رکھیں بغیر تعداد۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شر وفتن سے محفوظ رکھیں آمین اللّٰھم ادخلناجنۃالفردوس بغیرحساب۔

حال: فـی الاجازۃتضیع کثیرمن الاوقات فی الفضول ،وفی الاشتغال احیاناً قد اترك بعض الاوراد والادعیۃفھل فی ذالك نقص الایمان ۔

ارشاد: لانقص فی الاشتغال احیانابعض الاوراد والادعیۃ ۔

حال: یـغـنـنی احیاناالتفکرفی حالی وکثرۃ تفریطی وغفلتی،فاعزم علی اصلاح النفس فماتلبث نفسی ان تسوف بالمجاھدۃ ۔

ارشاد: فھـذاانـعـم والتـفـکـر فـی الـحال یصلح حالك وبارك ان شاءاللّٰہ ویکون سببالاصلاح النفس والقلب۔

حال: اری قـلبی فی الـصلوٰۃ غـافـلاومـلبشـابـالوساوس واجد نی وقد ملت المتاع

الدنیاو اذاحاولت رد نفسی وجد ت ذالك عسیراً۔

ارشاد: فاذکری آیۃ فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون وغیرھامن الآیات مثلاوماھذہ الحیوۃالدنیاالالھو ولعب وان الدارالآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون ومامتاع الحیوۃ الدنیاالاقلیل ۔

حال: ھل الوحدۃ خیرفی المدرسۃ ام مصاحبۃ من بہ خیر؟ ۔

ارشاد: الجلیس الصالح خیرمن الوحدۃ والوحدۃ خیرمن الجلیس السوء ۔

حال: حضرت دلی کیفیت اورحالات کیابیان کروں مجھے اپنے دل میں کوئی کیفیت نظرہی نہیں آتی ،سکون کی کیفیت ہے۔

ارشاد: یہ بھی کیفیت ہے مگر کیفیات مقصود ہی نہیں اگرچہ محمود ہیں ۔

حال: معمولات پر پابندی نہیں ہوتی ہے۔

ارشاد: اسی طرح کرتے رہیں۔

حال: فی الحال قرآن کریم درجہ ناظرہ کا شعبہ پڑھارہاہوں ۔

ارشاد: خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ ۔

حال: حضرت مجھ سے دین یاعلم دین کا کوئی کام نہیں ہورہاہے جس کی وجہ سے پریشان ہوں

ارشاد: پریشانی کی کوئی وجہ نہیں قرآن کریم کی خدمت کرتے رہیں۔

حال: جب یہ خیال آتاہے کہ جناب والا جسمانی طورپر کمزورہوگئے ہیں نہ معلوم میرا سلوک ادھورارہ جائے گاتو بہت قلق ہوتاہے۔

ارشاد: نہیں ،اصل مربی اللہ تعالیٰ ہیں وہ حی وقیوم ہیں کوئی اورذریعہ بنادیں گے۔

حال: مجھے وہ طریقہ بتلائیں جس پرعمل کرکے میں آپ کے یہاں سلوک کی تکمیل کرسکوں۔

ارشاد: اطلاع احوال اورپھراتباع۔

حال: ٹوٹے پھوٹے معمولات کرر ہاہوں۔

ارشاد: بڑی نعمت ہے۔

حال: اگرچہ ہمارے کام بھی وقت ضائع کرنے کے برابر ہیں۔

ارشاد: مگر پھر بھی اس کو غنیمت سمجھیں اور اس پر شکر کریں۔

حال: حضرت جب کبھی بازار وغیرہ جانا ہوتا ہے تو لوگوں کی ڈاڑھی منڈی ہوئی اور لباس وغیرہ خلاف سنت دیکھتا ہوں تو دل میں کڑھن اور ناگواری ہوتی ہے۔

ارشاد: یہ تو ادنی ایمان کی علامت ہے فان لم یستطع فبقلبه ولیس وراء ذالك من الایمان مگر دوسرے کی تحقیر دل میں نہ آئے یعنی اپنے اختیار سے۔

حال: نیک لوگ اور خصوصاً اولیاء اللہ اور امور دینیہ سے بے حد محبت ہے۔

ارشاد: بڑی نعمت اور کلید سعادت ہے۔

حال: یہ سلسلہ جناب والا سے تعلق کا اثر ہے۔

ارشاد: اور سلسلہ اشرفیہ امدادیہ کی برکت ہے۔

حال: تعلقات سے دل گھبراتا ہے فضول کسی سے ملاقات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔

ارشاد: اچھی بات ہے مگر خشکی نہ ہو نرمی سے عذر کر دیا جائے اور اس کو اپنے مرض کا علاج سمجھا جائے۔

حال: یوں چاہتا ہوں کہ دل میں صرف حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت ہی رہے انہیں کی عظمت ومحبت دل میں چھائی رہے۔

ارشاد: یہ اصل ہے باقی اہل حقوق کی محبت اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال اور طبیعت کا اقتضاء ہے۔

حال: دل تو بہت چاہتا ہے کہ جناب والا کی خدمت میں زیادہ وقت گذارا جائے اور مثنوی شریف کا درس بھی جناب والا سے حاصل کیا جائے۔

ارشاد: جب تک موقع نہ ہو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کلید مثنوی کا مطالعہ مفید ہے۔

حال: حضرت میرے اندر بدنظری والا مرض ہے جو کبھی ہوتا ہے اس کیلئے علاج کی درخواست ہے۔

ارشاد: قل للمؤمنین یغضو امن ابصار هم الآیه بدنظری پر وعید کا استحضار دائمی اس کا علاج ہے اور دعا توفیق بھی۔

حال: معمولات میں کبھی ناغہ ہو جاتا ہے۔

ارشاد: ناغہ کے بعد پھر شروع کر دیا جائے یہی اس کا علاج ہے۔

حال: وہم والی بیماری ہے طہارت میں وساوس بہت آتے ہیں۔

ارشاد: اس کی طرف التفات نہ کیا جائے جب تک یقین نہ ہو وسوسہ پر عمل نہ کیا جائے۔

حال: قلب میں کوئی کیفیت نہیں ہے جو کہ عرض کروں۔

ارشاد: کچھ حرج نہیں اپنے اختیار سے غلط کیفیت نہ ہو۔

حال: معمولات میں کمی کوتاہی اور ناغہ ہو جاتا ہے۔

ارشاد: اس کی طرف توجہ ضروری ہے۔

حال: لیکن دل میں قلق اور افسوس ہوتا ہے۔

ارشاد: یہی تلافی میں شامل ہے۔

حال: بحمد اللہ تعالیٰ قلب کو حق تعالیٰ کی طرف ایک کھچاؤ محسوس ہوتا ہے۔

ارشاد: اللہ تعالیٰ اس کو حقیقت بنا دیں۔

حال: یادِ حق میں ایک انس محسوس کرتا ہوں۔

ارشاد: اچھی علامت ہے۔

حال: تدریس کا سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ چل رہا ہے۔

ارشاد: قابل شکر ہے۔

حال: حق تعالیٰ نے حدیث کے اسباق پڑھانے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

ارشاد: بڑی نعمت قابل شکر ہے۔

حال: دینی کاموں میں مشغولی بھی حق تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔

ارشاد: ٹھیک ہے یاد کی مختلف صورتیں ہیں۔

حال: آپ کی ہدایت کے مطابق حضرت تھانویؒ کی قصد السبیل مطالعہ کی ہے، نیز بہشتی زیور حصہ ہفتم زیر مطالعہ رہتا ہے۔

ارشاد: قصد السبیل زیر مطالعہ رہنے سے بہت خوشی ہوئی اور اس میں لکھے ہوئے طریقہ کے مطابق عالم مشغول کا دستور العمل شروع کر دیا جائے۔

حال: حضرت جی فوج میں فرنگی تہذیب سے سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے میرا جی نہیں چاہتا کہ اس

ملازمت کو جاری رکھوں۔
ارشاد: ملازمت کا ترک کرنا مناسب نہیں جس قدر ممکن ہو منکرات سے محفوظ رہنے کی سعی کرتے رہیں باقی استغفار کرتے رہیں۔
حال: برے خیال بہت زیادہ آتے ہیں۔
ارشاد: تعوذ اور لاحول ولاقوۃ کی کثرت کریں اور کسی جائز کام میں مشغول رہیں۔
حال: بالکل بیہودہ بات کے اندر جھوٹ بولتا ہوں جس کا کوئی فائدہ نہیں پھر افسوس ہوتا ہے تو استغفار کرتا ہوں۔
ارشاد: یہی علاج ہے، اس کے ساتھ بولتے وقت سوچ کر بولنا چاہئے اور بولنے پر کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔
حال: بعض مرتبہ غیبت ہو جاتی ہے بعد میں افسوس ہوتا ہے۔
ارشاد: یہی اس کا علاج ہے نیز استغفار بھی لازم ہے۔
حال: بعض مرتبہ خاتمہ بالخیر کی بڑی فکر ہوتی ہے نہ معلوم کیا بنے گا۔
ارشاد: الایمان بین الخوف والرجاء کا نام ہے۔
حال: بعض مرتبہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ والوں کے تعلق کی برکت ہے ان شاء اللہ خاتمہ بالخیر ہوگا۔
ارشاد: اچھی امید ہے۔
حال: زیادہ گھبراہٹ کی صورت میں رات کو سوتے وقت اللھم بارك لی فی الموت و مابعد الموت ۲۵ بار پڑھ لیتا ہوں پھر دل کو تسلی ہوتی ہے۔
ارشاد: ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا اور رحیم وکریم ہونے کا استحضار بھی مناسب ہے۔
حال: لطائف کے مقاموں کی تصریح فرمادیں اور خصوصاً چھٹے ساتویں لطیفے کا مقام فرمادیں تو بہت ہی مہربانی ہوگی۔
ارشاد: ہمارے حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف ستہ کا بیان مع ان کے مقامات اس طرح فرمایا ہے کہ فرماتے ہیں کہ: انسان کے جسم میں چھ

جگہیں انوار اور برکتوں سے پر ہیں اور یہی لطائف کہلاتے ہیں، اول لطیفہ قلبی اس کی جگہ بائیں پستان سے دوانگل نیچے ہے اور اس کا نور سرخ ہے اور دوسرے لطیفہ روحی اس کی جگہ داھنے پستان سے دوانگل نیچے ہے اس کا نور سفید ہے، تیسرا لطیفہ نفس اس کی جگہ ناف کے نیچے ہے اور اس کا نور زرد ہے، چوتھے لطیفہ سری اس کی جگہ سینہ کے درمیان ہے اس کا نور سبز ہے، پانچویں لطیفہ خفی اس کا مقام ابرو کے اوپر ہے اس کا نور نیلگوں ہے، چھٹا لطیفہ اخفی اس کا مقام ام الدماغ ہے اور اس کا نور سیاہ ہے آنکھ کی سیاہی کی مانند (ضیاء القلوب ص۴ وص۴۱)

فائدہ (۱) مختلف کشفوں کی وجہ سے لطائف کا بھی رنگ بدل جاتا ہے اور اوپر ذکر فرمایا ہے کہ لطیفہ قلبی کا نور سرخ ہے لیکن بعضوں کے نزدیک زرد بھی ہوتا ہے اور اس میں کوئی تعارض نہیں مختلف وقتوں میں مختلف الوان کا انکشاف ہوسکتا ہے جیسا جس بزرگ کو منکشف ہوا اس کا اظہار فرمادیا مگر اسی لون کا دوام ضروری نہیں ہے اگرچہ اس وجہ سے تحقیق یہی ہے کہ انوار کا پابند نہ ہونا چاہئے، بلکہ مقصود اصلی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے (من حاشیہ ضیاء القلوب بتغیر ما)

فائدہ (۲) قلب، روح، سر، خفی، اخفی انہیں اجزا خمسہ مجردہ یعنی غیر مادیہ کا نام لطائف خمسہ ہے، بعض صوفیہ اپنی اصطلاح میں ان میں نفس کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور مجموعہ کو لطائف ستہ کہتے ہیں چنانچہ آج کل یہی نام مشہور ہے، مگر نفس کو لطائف میں شامل کرنا بوجہ اس کے مادی ہونے کے تغلیباً ہے جیسے قمرین، عمرین، قمر وشمس اور ابوبکر وعمر کو تغلیباً کہا جاتا ہے، مادی کے ایک معنی یہ ہیں کہ مادہ اس کا جزء ہو جیسے بدن انسانی، دوسرے یہ کہ کسی مادی یا خود مادہ میں حلول کر رہا ہو یہاں نفس کو بالمعنی الثانی مادی کہا جاتا ہے، کیونکہ نفس جو قوت داعیہ الی الشر ہے منطبع فی جمیع البدن ہے لہذا مادی ہوگا مگر بعض حضرات اس کو اس وجہ سے تغلیباً لطائف میں شمار کر لیتے ہیں، غرض تصوفی کے سبب لطائف کے ساتھ اس سے بحث ہوتی ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام میں اکثر لطائف خمسہ کا عنوان مذکور ہوتا ہے اور بعض اکابر صوفیاء کے کلام میں لطائف ستہ کا عنوان کا تحقیق بالا سے معلوم ہوگیا کہ ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت مجدد صاحبؒ لطائف تحقیقی قرار دیتے ہیں متأخرین وغیرہ لطائف تغلیبی، اول پانچ ہیں ثانی چھ فلاتعارض بینھمااى بین القولین۔

فائد (۳) جب لطائف خمسہ غیر مادی اور مجردات سے ہیں اور قاعدہ ہے الشئی اذا ثبت

ثبت بلوازمہ تو پھر تجرد کے لوازم بھی مثل عدم تحیز وغیر ثابت ہوں گے کیونکہ حیز ومکان خاص مادہ سے ہیں مگر قدم عقلاً لوازم تجرد سے نہیں ہے البتہ لطائف متمکن ومتحیز نہیں ہوں گے اس لئے کہ تجرد میں اور تجرد متمکن میں تنافی ہے اور بعض صوفیاء کے کلام میں واقع ہے کہ اللطائف فوق العرش یہ محض ایک اصلطلاحی تعبیر ہے بناء علی ان العرش لیس فوقه مکان بل ھو منتھی الامکنة کلھافمعنی کون اللطائف فوق العرش کونھافوق الامکنة کلھایعنی خارجاً عن الامکنةو یلزم منه کونھاغیرمتحیز وغیرمتمکن وھذاقول اھل الکشف والمتکلمون ینکر و نھا ھکذااستفیدمن رسالةالقطائف من اللطائف لحضرة حکیم الامت التھانویؒ قدس سرہ السامی ھذاملحض مافی ھذاالرسالة ان شئت التفصیل فارجع الیھاتجد فیھامالاتجد فی غیرھاو اللّٰہولی الھدایة والیه البدایةو النھایة۔

حال: پچھلے دنوں بوجہ بیماری معمولات میں بہت گر بڑ ہوئی۔

ارشاد: بوجہ بیماری کے معمولات کا اجر ملتا رہتا ہے۔

حال: اب صحت کچھ ہوگئی ہے۔

ارشاد: الحمدللہ۔

حال: لیکن معمولات بحال نہیں ہو رہے۔

ارشاد: ہوجائیں گے ان شاءاللہ۔

حال: تہجد میں بھی بہت سستی ہو رہی ہے۔

ارشاد: کچھ فکر نہیں۔

حال: اب ارادہ ہے کہ پابندی سے شروع کروں۔

ارشاد: مبارک ہو۔

حال: تصور شیخ کا کیا حکم ہے خصوصا نماز میں، میں قصداً نماز میں تصور شیخ کرتا ہوں۔

ارشاد: تصور شیخ کے بارے میں ہمارے اکابر محتاط طریقہ اختیار کرتے ہیں عوام کو اس سے احتراز کرنے کی ہدایت کرتے ہیں البتہ خواص صاحب فہم کو چند شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں۔ بڑی شرط یہ ہے کہ شیخ کے عالم غیب ہونے اور سماع عن البعید کا عقیدہ نہ ہو اور یہ بھی عقیدہ نہ ہو کہ ان

کومیرے حالات کاعلم ہے،صرف یہ تصور جمعیت خاطر اوریکسوئی کیلئے کرایا جاتا تھامقصودنہیں ذریعہ ہے جمعیت خاطر کااوروسیلہ ہےتوجہ الی اللہ کا،اگرکسی کوان شرائط کے ساتھ فائدہ ہوتا ہوتواس کیلئے اجازت ہےمگرعوام چونکہ غلوکرنے لگےاوران شرائط کے پابندنہیں رہتے اس لئے حکماءامت نے اس سے منع کردیانہ اس لئے کہ یہ عمل فی نفسہ ناجائز ہے بلکہ اس سے مفاسد پیداہوگئے اس لئے سداً للذریعہ روک دیا گیااورعام طور سے منع کیا جاتا ہےلیکن خواص کواپنی نگرانی میں شیخ اس کی تعلیم دے سکتا ہے یہ بات اس کی بصیرت پر ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہےکون اہل نہیں اورکس کیلئے مفید ہے کس کیلئے مضر ہے، یہ تونفس ''مسئلہ تصور شیخ'' کے بارہ میں عرض ہے،شیخ کی حیات اوروفات کے بعد ایک ہی حکم ہےاللہ تعالیٰ چاہیں توان کوحالات سے مطلع کردیتے ہیں یہ سمجھنا ناجائز ہے کہ ان کو اختیار حاصل ہوجاتا ہے۔البتہ نماز میں چونکہ اخلاص کی تعلیم ''کانك تراہ '' گویا تو خداکودیکھ رہا ہے ارشادفرما کردی گئی ہےاس لئے اس میں خالص خداتعالیٰ کی طرف توجہ ہونی اوراپنے قلب کواس کی طرف متوجہ کرنا چاہئےنماز میں قصداً کسی دوسری طرف توجہ اورتصوراخلاص اورمقصدنماز وعبادت کے خلاف ہے، غالی صوفیوں کی ایسی ہی غلطیوں اورعبادات میں غیراللہ کی آمیزش کرنے کی وجہ سے ہی اس عمل کوشرک قراردیا گیاہے،اس سے کلی اجتناب کی ضرورت ہے،نماز میں صرف خالصاً اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونی چاہئے قصداً مرشد کا تصور ہرگزنہیں ہونا چاہئے خطرہ ہے کہ یہ شرک کی طرف متبحر نہ ہوجائے اوراخلاص کےخلاف ہونیکا توشبہ ہی نہیں ہے آپ کا یہ قصداً تصورنماز میں بالکل ناجائز ہے،

حال: ذکر کے وقت نیند کاغلبہ ہوتا ہےجس طرح تین ہزارمکمل کرتا ہوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کا پورافائدہ نہیں کہ کبھی بیٹھ کرکبھی کمرہ میں چل پھر کرکرتا ہوں۔

ارشاد: فائدہ سے خالی نہیں مگر بیٹھ کرکرنے سے زیادہ فائدہ ہے۔

حال: ایک مدرسہ کی انجمن نے احقر کوصدر بنالیا تھا جس کا میں بالکل اہل نہ تھااور نہ ہوں مدرسہ کی کوئی خدمت نہیں کرسکتا سوائے دستخط کرنے کے،ایک دفعہ استعفیٰ دیا تھالیکن منظور نہ ہوااس حالت میں احقر کیا کرے۔

ارشاد: اگرحسن نیت سے اپنا مشورہ دیاجائے تو یہ بھی دین کی خدمت ہےان شاءاللہ اس کا بھی ثواب ملے گا بقدرفرصت اس میں شریک رہیں۔

حال: کیا قرآن حدیث سے یہ ثابت ہے کہ کسی نیک اور صاحب کشف ہستی کو با قاعدہ طور پر پیر بنایا جائے، جہاں تک علم دین کا تعلق ہے وہ تو بغیر مرید ہوئے بھی حاصل کر سکتے ہیں تو یہ مرشد کیوں بنایا جاتا ہے۔

ارشاد: طریقت یعنی سلوک واحسان یا تزکیہ نفس بھی شریعت مطہرہ کا ایک حصہ ہے یہ کوئی شریعت سے الگ نہیں ہے، قرآن کریم نے تزکیہ نفس پر بہت زور دیا ہے اور اسی شخص کو کامیاب قرار دیا جس کا تزکیہ یعنی امراض باطنہ سے نفس کو پاک کرلیا ہے چنانچہ ارشاد ہے، قدافلح من تزکی وفی مقام آخر، قد افلح من زکھاو قدخاب من دساھا (پ۳۰) قرآن کریم کی نصوص اوراحادیث طیبہ بطور خاص حدیث جبرئیل سے واضح ہے کہ نفس کی اصلاح فرض ہے اس کی تعبیر طریقت تصوف یا سلوک واحسان سے کی جاتی ہے جس کا آسان عنوان تعمیر الظاہر والباطن ہے یعنی انسان کی ظاہری حالت بھی شریعت کے تابع ہو اور باطنی کیفیت بھی اس کے مطابق ہو، ظاہری باطنی رذائل سے انسان دور اور خصائل سے معمور ہو، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کے فرائض منصبی میں ''ویزکیھم'' کو بطور خاص ذکر فرمایا ہے، عادۃ اللہ یہی ہے کہ جب تک کوئی مزکی نہ ہو تو تزکیہ نہیں ہوتا اسی لئے علماء کرام اور مشائخ عظام کا یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے نفس کے تزکیہ کیلئے کسی ماہر شریعت وطریقت عامل بالسنۃ کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ ان کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر تزکیہ نفس کے مقصد کو حاصل کرلیا جائے ان سے اصلاحی تعلق قائم کرلیا جائے اور اطلاع واتباع کے اصول پر کاربند ہو کر تزکیہ نفس جیسے عظیم مقصد کو حاصل کرلیا جائے چونکہ عام طور پر یہ مقصد کسی ماہر شیخ طریقت اور عارف کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے اس کے حصول میں ان کا انتخاب ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی تعلیمات پر عمل کیا جائے باقاعدہ بیعت ہونا اس کیلئے کوئی شرط نہیں ہے لیکن اس سے برکت کی امید بہت زیادہ ہے اور یہ طریقہ سنت بھی ہے۔شیخ کا صاحب کشف ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی کشف کوئی اختیاری چیز ہے اور یہ کوئی کمالات میں سے بھی نہیں ہے اصل چیز شریعت مطہرہ پر عمل اور اتباع سنت ہے۔ پھر چونکہ عادۃً ایک ہی شخص پر اعتماد سے فائدہ حاصل ہوتا ہے اس لئے کسی ایک ہی شخص کو جس میں مذکورہ صفات ہوں شیخ بنانا چاہئے ہر ایک سے معلومات حاصل کرنا الگ چیز ہے لیکن اصلاح کیلئے یہ ضروری ہے کہ ایک ہی ہستی پر اعتماد کیا جائے۔

حال: مخدومی المکرّم بندہ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے بڑے بڑے عالی درباروں سے محروم رہا اور ایسا محروم دنیا میں شاید کوئی نہیں ہوگا۔ بندہ حضرت اقدس مولانا خیر محمدؒ سے بیعت ہوا حضرت کے بعد حضرت اقدس مولانا سید شمس الحق صاحب افغانیؒ سے بیعت ہوا حضرت افغانیؒ کے بعد خط و کتابت حضرت اقدس مولائی مرشدی ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفیؒ کے ساتھ ہوتی رہی۔ لیکن یہ گنہگار جس جگہ پہلے دن تھا اسی جگہ پر کھڑا ہے یہ صرف میرا اپنا قصور ہے دریا کی فیاضی میں بالکل کمی نہ تھی اب آنجناب سے دست بستہ عرضی پیش کرتا ہوں بندہ پرامید ہے آنجناب کے درفیض سے محروم نہ ہوگا اور اپنے قدموں میں ضرور جگہ عنایت فرماویں گے۔ حضرت اقدس مولانا خیر محمدؒ کے ارشاد فرمائے ہوئے معمول یہ تھے: ۵۰۰ مرتبہ اللہ اللہ، ایک منزل مناجات مقبول اور تہجد کی پابندی اور ایک پارہ تلاوت قرآن پاک۔ حضرت اقدس افغانیؒ کے معمولات تہجد کے بعد ذکر دوازدہ تسبیح اور عشاء کے بعد سورہ الم نشرح ۱۱ دفعہ، سورہ قدر ۱۱ دفعہ، اور مراقبہ۔ اور حضرت اقدس ڈاکٹر صاحبؒ نے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔

ارشاد: حضرات اکابرؒ نے جو معمولات بتلائے ان پر پابندی سے عمل کرتے رہیں اور ''تبلیغ دین'' کا مطالعہ کرتے رہیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ امراض قلب میں سے کونسا مرض پایا جاتا ہے جو مرض محسوس ہو اس کا علاج شروع کردیا جائے اس طرح لگے رہیں ان شاء اللہ مقصود حاصل ہوگا، مقصود صرف احکام شرعیہ پر پابندی سے عمل کرنا اور معاصی سے اجتناب کرنا ہے اور اس کے سوا کچھ مقصود نہیں ہے، احکام شرعیہ میں ظاہری احکام بھی اور باطنی احکام بھی دونوں داخل ہیں اسی طرح معاصی میں ظاہری اور باطنی گناہ داخل ہے۔ نیز حضرت تھانویؒ کی تسہیل قصد السبیل کا بار بار مطالعہ کرتے رہیں باقی دعا ہر حال میں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

حال: بندہ چونکہ بچوں کو قرآن مجید پڑھاتا ہے تو امردلڑکے پڑھنے والے ہوتے ہیں ان کا سامنا ہونا ضروری ہے اس بارے میں ارشاد فرماویں کیا تدبیر کی جائے۔

ارشاد: جہاں تک ہو سکے نگاہ نیچی رکھی جائے یغضوا من ابصارھم اور عقوبت آخرت کا استحضار کیا جائے، حضرت امام ابوحنیفہؒ، کا امام محمدؒ کے ساتھ جو معاملہ رہا اس کو پیش نظر رکھا جائے کہ وہ ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے، البتہ کچھ دنوں مشقت پیش آئے گی پھر لذت آنے لگے گی،

ہمت سے کام لیتے رہیں، کوتاہی ہوجائے تو استغفار کی کثرت سے تلافی کرتے رہیں پس یہی علاج ہےاور دعاء حفاظت وظیفہ ہے۔

حال: طبیعت میں غصہ بہت زیادہ ہے طلباء پر غصہ حد سے زیادہ آتا ہے تو پھر منہ سے ناشائستہ الفاظ بھی نکل جاتے ہیں اس کے بارے میں ارشاد عالی ہو۔

ارشاد: حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا وعظ الغضب زیر مطالعہ رہے بار بار مطالعہ کرتے رہیں اور غصہ کے وقت زبان کو قابو میں رکھیں خواہ کتنا ہی تقاضہ ہو، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کی کثرت رکھیں کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں اور بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں اور یہ مراقبہ کریں کہ جس پر میں غصہ کر رہا ہوں مجھ کو اس پر اتنا اختیار نہیں جس قدر حق تعالیٰ کو مجھ پر اختیار ہے اور مجھ پر اس کا حق بھی بہت ہے اگر وہ میرے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں تو پھر میرا کیا حال ہو۔

حال: بندہ سے بعض اشد غلطیاں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے دل سیاہ ہے معلوم ہوتا ہے کچھ ذکر اذکار کا اثر نہیں ہو رہا۔

ارشاد: اثر ضرور ہوتا ہے محسوس نہیں ہوتا کچھ عرصہ کے بعد محسوس بھی ہونے لگے گا ان شاءاللہ تعالیٰ اور اگر محسوس نہ بھی ہو تو بھی کچھ مضرت نہیں مقصود رضائے حق وہ اخلاص کی وجہ سے حاصل ہے۔

حال: نیکی کی طرف بالکل طبیعت ترقی نہیں کر رہی گناہوں کی طرف میلان اب بھی ہوجاتا ہے۔

ارشاد: کثرت استغفار اس کا علاج ہے میلان ہونا مضر نہیں اس پر عمل کرنا اور قصداً میلان مضر ہے اور جب ایسا ہو تو اس کا علاج بھی توبہ واستغفار ہے۔

حال: گناہ سے ہر دفعہ بہت گریہ زاری سے توبہ کرتا ہوں لیکن پھر ارتکاب ہوجاتا ہے۔

ارشاد: پھر کیا حرج ہے کپڑا میلا ہوتا رہتا ہے پھر اس کو دھوتے رہتے ہیں جب گناہ ہوجائے توبہ کے صابن سے اس کو فوراً دھولیا جائے۔

حال: اب میں نے پختہ توبہ کی ہے توبہ کے الفاظ تلقین فرمادیں تاکہ میں ان کو دھراتا رہوں۔

ارشاد: استغفراللّٰہ ربی من کل ذنب اذنبتہ عمداً او خطاً سراً اوعلانیۃً واتوب الیہ ومن الذنب الذی اعلم ومن الذنب الذی لااعلم انك انت علام الغیوب وستارالعیوب وغفار الذنوب ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم پڑھتے رہا کریں اور استغفراللّٰہ الذی لاالٰہ

الاھوالحی القیوم کا بھی ورد رکھیں۔

حال: رذائل میں سے ایک رذیلہ حُبِّ جاہ ہے کہ بندہ خواہش کرے کہ میں بڑا بنوں تو اب عرض یہ ہے کہ یہ بات بھی برداشت نہیں ہوتی کہ بے عزتی ہوتی رہے، عرض ہے کہ حب جاہ کا مطلب اور اس رزیلہ کا علاج تحریر فرمائیں۔

ارشاد: مطلب تو یہی ہے جو آپ نے لکھا ہے کہ اپنی بڑائی چاہی جائے، علاج اپنی حقیقت کو پیش نظر رکھنا ہے کہ انسان کا ہر کمال اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور یہ کان لم یکن شیئاً مذکورا ہے، دل میں یہ مضمون بس جانا چاہئے کہ میری کچھ حقیقت نہیں ہے میں خود کسی عزت کا مستحق نہیں ہوں ہاں اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو میری لوگوں کے دلوں میں عزت ہے۔

حال: آج ۲۱ رمضان المبارک ہوگئی لیکن کوئی عمل بھی نہ ہوسکا۔

ارشاد: یہ نہ ہوسکنے کا احساس بھی ان شاء اللہ تلافی کردے گا۔

حال: حالت اعتکاف میں اگرچہ تعلیم کا مشغلہ جائز تو ہے لیکن بچوں پر سختی کرنی پڑتی ہے جس کی وجہ سے اصلاح باطنی جس کیلئے اعتکاف کیا جاتا ہے وہ حاصل نہیں ہوتی۔

ارشاد: جو سختی حد اعتدال میں ہو وہ تو بچہ کی اصلاح کیلئے ہے اپنی اصلاح کے خلاف نہیں بلکہ مفید ہے

حال: بندہ سالہا سال سے اعتکاف کرتا ہے لیکن اصلاح نہیں ہو رہی۔

ارشاد: اصلاح کا احساس نہیں ہو رہا اصلاح ہو رہی ہے۔

حال: اس لئے ارادہ کیا ہے کہ ان دنوں میں تعلیم کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔

ارشاد: نہیں جاری رہے۔

حال: شہوت سے جان نہیں چھوٹ رہی دعا کی درخواست ہے۔

ارشاد: جان چھوٹنا مطلوب نہیں اس کے تقاضہ پر عمل نہ کرنا مطلوب ہے۔

شہوت دنیا مثال گلخن است — کہ از و حمام تقویٰ روشن تر است

اگر یہ کشاکشی نہ رہے تو ازدیاد ثواب کیسے ہو، دل سے دعا کرتا ہوں۔

حال: بندہ سے توبہ پر استقلال نہیں ہوتا توبہ ٹوٹتی رہتی ہے۔

ارشاد: ایں درگاہ ما درگاہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

حال: اور ناکامی کا ہی سامنا ہوتا ہے۔

ارشاد: توبہ کی توفیق ہو جانی یہ کامیابی ہے ناکامی نہیں ہے۔

حال: بندہ بدبختی میں اتنا مبتلا ہے کہ کوئی نیکی ہوتی نہیں اور بدکرداریاں ہوتی ہیں باوجودیکہ یہ بات مستحضر ہوتی ہے کہ یہ کام ناجائز ہے، خدا تعالیٰ کے دربار میں کیا جواب دہی ہوگی۔

ارشاد: اس استحضار کے ساتھ اس کی عقوبت کا استحضار اور پھر استغفار بھی ہونا ضروری اور مفید ہے

حال: ذکر کرتے وقت بعض دفعہ تو لذت محسوس ہوتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر بن مو سے اللہ اللہ نکل رہا ہے۔

ارشاد: بڑی نعمت ہے مبارک ہو۔

حال: شاید توبہ میں کچھ کمی واقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے استقامت علی التوبہ نصیب نہیں ہو رہی

ارشاد: توبہ ایسا علاج ہے جس کے بعد مایوسی کی کوئی راہ نہیں ہے جب معصیت ہو جائے تو توبہ ہی اس کا صابن ہے ؎ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ ، بار بار توبہ ٹوٹنے سے مایوسی نہیں ہونی چاہیئے وہ کریم ذات ہے اس کی کریمی پر نظر ہونی چاہیئے۔

حال: معمولات میں ناغے بہت ہوئے اب پھر پابندی کی کوشش ہے۔

ارشاد: کوشش کا ہی بندہ مکلّف ہے۔

حال: حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مطالعہ زیادہ مفید ہے یا تربیت السالک کا۔

ارشاد: مواعظ کا مطالعہ زیادہ کریں یہ زیادہ مفید ہے تربیت السالک منتہی کیلئے ہے۔

حال: نگاہ کی حفاظت کے بارہ میں عرض یہ کہ عورتوں سے تو میں بتوفیق ایزدی نگاہ کو بالکل نیچے کر لیتا ہوں لیکن بچوں کے ساتھ اختلاط بوجہ سلسلہ تعلیم قرآن ہوتا ہے تو اس میں ابتلاء ہو جاتا ہے اس مرض کا علاج اور اس کا طریق ارشاد ہو۔

ارشاد: آنکھ نیچی رکھنا ہی اس کا علاج ہے اور عقوبت کا استحضار بھی اور غلطی ہونے پر فوراً توبہ واستغفار، اگر اس میں تمام عمر بھی گذر جائے تو محرومی نہیں ہے۔

تصنیفات وتالیفات کا تعارف

دین کے مختلف شعبوں میں سے تصنیف وتالیف بھی دین کا ایک مستقل شعبہ ہے اس کے ذریعہ بھی ہمیشہ سے اکابر دین کی خدمت کرتے چلے آئے ہیں لیکن تصنیف وتالیف کی طرف ہر عالم کا رجحان اور ذوق نہیں ہوتا حضرت والد صاحبؒ اگر چہ طبعًا بچپن سے ہی تحریر کا ذوق رکھتے تھے لیکن ایک عرصہ تک آپ کو اس میں اشتغال کا موقع نہیں ملا آپ کی عمر ابھی صرف چودہ سال تھی کہ آپ نے ایک کاپی جس کی جلد بھی خود کی تھی اہم واقعات وحکایات کی تحریر کیلئے تیار فرمائی تھی اس کا تاریخی نام ''عظیم القدر'' رکھا جس سے ۱۳۵۵ھ برآمد ہوتا ہے اس میں ان تمام انبیاؑ کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی بھی درج ہیں جن کا تذکرہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے اس کیلئے اہم عقائد ومسائل اور حضرات علماء کرام ومشائخ کے سن ولادت ووفات اور بعض اہم علمی وتاریخی مضامین کے نام درج ہیں اس سے بچپن کے زمانہ سے ہی آپ کے تحریری ذوق کا پتہ چلتا ہے پانی پت سے فراغت کے بعد علم تجوید وقراآت کے اہم مسائل پر حضرت امام القرأ حضرت قاری فتح محمد صاحب قدس سرہ سے خط وکتابت اور مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی کے زمانہ میں لکھی گئی بعض تحریرات نیز دارالعلوم دیوبند میں اساتذہ حدیث کی تقاریر کا ضبط اور سیاسی وعلمی مسائل میں اپنے والد ماجدؒ سے تحریری مکالمت اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں کفار سے موالات کے مسئلہ پر بھی آپ نے ایک تحریر لکھی تھی حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ نے جب اس مسئلہ پر مضمون کیلئے احقر کے جدامجدؒ سے فرمائش کی تو انہوں نے مولانا موصوف کو آپ کے ہی مضمون کا حوالہ دیا تھا غرضیکہ آپ کی طبیعت میں تحریر سے اچھی خاصی مناسبت شروع ہی سے موجود تھی تقسیم ملک کے بعد پاکستان آنے کے بعد جب ساہیوال میں آپ کا قیام ہوا تو یہاں کی مرکزی شہانی مسجد میں ''مدرسہ قاسمیہ'' کے نام سے آپ نے مدرسہ قائم کیا اس زمانہ میں بھی کچھ تحریریں آپ نے لکھیں جو ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اور ماہنامہ الصدیق ملتان میں طبع ہوئیں ۱۳۷۵ھ میں ''جامعہ حقانیہ'' قائم ہوا درس وتدریس وعظ وتبلیغ افتاء اور اہتمام کی مصروفیات میں آپ اس طرف خاطر خواہ توجہ نہ فرما سکے۔

﴿ رسالہ فضائل جہاد ﴾

۱۳۸۵ھ میں جب علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آپ نے ٹنڈو الہٰ یار سندھ میں قیام کیا تو سب سے پہلا مستقل رسالہ اس وقت آپ نے ''فضائل جہاد'' کے نام سے حضرتؒ کے فرمانے پر لکھا جو حضرت علامہ عثمانیؒ کے نام سے طبع ہوا تھا اس کے پیش لفظ میں علامہ عثمانیؒ نے آپ کا ذکر بھی فرمایا ہے اس کی چند سطریں یہ ہیں:

بعد الحمد والصلوٰۃ: ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ میں ہندوستانی حکومت نے ''رن کچھ'' کے علاقہ میں جارحیت سے کام لے کر پاکستانی علاقہ پر فوجی طاقت سے قبضہ کرنا چاہا پاکستانی فوج نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ منہ توڑ جواب دیا جس سے ہندوستانی فوج کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور پاکستانی فوج نصرت الٰہی سے فاتح اور مظفر و منصور ہوئی جس سے دنیا کے مبصرین جنگ بھی حیرت زدہ ہوگئے ادھر وزیر خارجہ پاکستان نے اعلان کر دیا کہ مسلمانان پاکستان کو جہاد کیلئے تیار رہنا چاہئے تو جی چاہا کہ ایک مختصر رسالہ ''فضائل جہاد'' میں تالیف کر دوں اتفاق سے میرے عزیز مولوی سید عبدالشکور صاحب مہتمم و مفتی مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہی وال ضلع سرگودھا آج کل میرے پاس آئے ہوئے تھے میں نے یہ کام ان کے سپرد کیا کہ کتاب ''ترغیب و ترہیب'' مؤلفہ علامہ ذکی الدین عبدالعظیم منذری سے کچھ احادیث جہاد کی فضیلت میں جمع کر دیں عزیز موصوف نے دو دن کی محنت سے یہ کام سرانجام دے دیا اب وہی حدیثیں ناظرین کے سامنے پیش کی جاتی ہیں...... اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائیں اور اس رسالہ کے ذریعہ سے مسلمانان پاکستان کو جہاد کا شوق و جذبہ عنایت فرمائیں آمین۔ الخ

رسالہ ''فضائل جہاد'' لکھنے کے بعد آپ کی توجہ تصنیف و تالیف کی طرف پہلے کی نسبت بڑھ گئی اور پھر تو کچھ ہی عرصہ میں کئی اہم اور وقیع تصانیف، مضامین، مقالات آپ کی قلم حقیقت رقم سے معرض تحریر میں آئے، جو بیش بہا علمی فوائد و تحقیقات پر مشتمل ہزار ہا صفحات پر محیط ہیں آپ اس خدمت کو حضرت علامہ عثمانیؒ کی ہی کرامت فرمایا کرتے تھے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

سب سے پہلے مستقل رسالہ کی شکل میں مواد جمع کرنے کی خدمت پر حضرت مولانا ظفر احمد قدس سرہ نے ہی مامور فرمایا اور اس شعبہ کی طرف متوجہ کیا اس کے بعد تو حضرت والا کے فیض و توجہ کا اس قدر اثر ہوا کہ احقر کے قلم سے مختلف موضوعات پر مختصر و مفصل اتنی تعداد میں مضامین ظہور میں آئے

کہ اس پر حیرانی ہوتی ہے اور تعجب ہوتا ہے کہ اس بے بضاعت اور ناکارہ کو تصنیف و تالیف کے شعبہ میں اس قدر خدمت کیسے میسر آ گئی یہ مولانا عثمانیؒ کی کرامت ہی ہے کہ اب تک چھوٹے بڑے ۴۳ مضامین لکھے جا چکے ہیں ان میں سے تقریباً ۲۵ طبع ہو چکے ہیں باقی غیر مطبوعہ مسودات کی شکل میں ہیں یہ محض حضرت مولانا عثمانی نور اللہ مرقدہ کا فیض علمی اور ہمت افزائی کا نتیجہ ہے۔

حضرتؒ نے جس قدر تعداد کا ذکر فرمایا ہے یہ تعداد اس وقت تھی جب آپ نے ۱۹۷۷ء میں یہ مضمون لکھا اس کے بعد ۲۳ سالہ مدت میں آپ نے اس شعبہ تصنیف و تالیف میں جو حیرت انگیز خدمت سرانجام دی ہے اس سے یہ تعداد تقریباً ایک سو کے لگ بھگ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوگئی اس طرح کل تصنیفات تقریباً ڈیڑھ صد کے قریب ہیں مختلف شعبوں میں اشتغال کے باوجود اس قدر تصنیفی کام آپ کی کرامت اور حق تعالیٰ کا خاص فضل و احسان اور تائید و توفیق ہی ہے و ذالك فضل اللّٰه یؤتیه من یشاء مزید حیرت اس سے ہوتی ہے کہ اس شعبہ کیلئے آپ نے کوئی خاص وقت یا جگہ متعین و منتخب نہیں فرما رکھی تھی تمام علمی اور فقہی تفسیری تالیفات آپ نے اپنی دیگر بے شمار مصروفیات اور لوگوں کے ہجوم میں ہی تحریر فرمائی ہیں اس کیلئے کبھی آپ کو ذہنی و قلبی فراغت اور یکسوئی میسر نہیں آئی تمام مصروفیات و امراض کے ہجوم میں ہی آپ نے اس سلسلہ کو جاری رکھا جبکہ دوسرے بہت سے امور بھی آپ نے ذمہ لئے ہوئے تھے اور ان کیلئے بھی آپ پورا وقت دیتے تھے سفر و اسفار کا سلسلہ بھی تقریباً آخری بیس سال میں مستقل ہی جاری رہا پھر ان تصانیف میں صرف ایک موضوع سے متعلق ہی آپ نے نہیں لکھا بلکہ ان کے موضوع حسب ضرورت مختلف رہے ہیں۔ بہر حال اب ہم ذیل میں آپ کی تصانیف کا ایک مختصر تعارف ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

۱۔ ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن

حضرت والد صاحب قدس سرہ اکابر علماء دیوبند کے مسلک کو قرآن و سنت کے عین مطابق اور اہل سنت والجماعت کے معتدل مسلک کا ترجمان سمجھتے تھے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''علماء دیوبند کسی نئے فرقہ اور جماعت کا نام نہیں ہے بلکہ اہل سنت والجماعت کے عقائد و نظریات کی ترجمان جماعت کا نام ہی علماء دیوبند ہے اور دیوبندیت اہل سنت والجماعت کا ہی دوسرا نام ہے فقہ حنفی کے راجح ترین اور مفتیٰ بہ مسائل پر ان حضرات کا عمل رہتا ہے ان کو نیا فرقہ قرار دینا صحیح

نہیں ہے جو حضرات ان اکابر کے مسلک اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں وہ دیوبندی نہیں ہیں''

آپ کو اللہ تعالیٰ نے علماءِ دیوبند کے مسلک ومشرب کی مستند ترجمانی کی خاص توفیق سے نوازا تھا عہد حاضر میں مسلک علماء دیوبند اور دیوبندیت کی تشریح وتعبیر میں آپ کی حیثیت ایک معیار تھی حضرات علماء دیوبند سے فیض پانے والے اور ان سے رشتہ تلمذ میں منسلک حضرات میں سے بھی اگر کوئی جمہور کے متفقہ مسلک سے انحراف کرتا تو آپ بغیر کسی رعایت کے اس کا بھرپور تعاقب فرماتے اور مسلک حق کی حقانیت اور اس کے دفاع کا حق ادا فرماتے اور تقریر وتحریر کے ذریعہ میدان میں اتر آتے آپ کی بیشتر تقاریر اور تالیفات ومضامین کا تعلق اسی باب سے ہے اور کتاب ہدایۃ الحیران کی تالیف وتصنیف کا محرک بھی یہی جذبہ تھا۔

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم ایک زبردست عالم دین اور معقول ومنقول کے جامع علماء دیوبند کے فیض یافتہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے شاگرد ڈابھیل کے فارغ التحصیل تھے علماء دیوبند میں ان کو ردشرک وبدعت اور تفسیر قرآن کے حوالہ سے خاص شہرت حاصل تھی وہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے ناظم اعلیٰ بھی تھے اس طرح ان کے احباب اور متعلقین کا ایک وسیع حلقہ تھا عام طور پر انہیں دیوبندی بلکہ علماء دیوبند کا ترجمان سمجھا جاتا تھا جبکہ ان کے بعض نظریات اور مسائل حضرات اکابر علماء دیوبند سے مختلف بلکہ ان سے متصادم تھے جن کی بنا پر سادہ لوح قسم کے حضرات علماء دیوبند سے بدگمانی میں مبتلا تھے وہ ان عقائد ونظریات میں متفرد تھے علماء دیوبند کی ترجمانی نہیں کر رہے تھے یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے جواہر القرآن کے نام سے قرآن کریم کی تفسیر لکھی اور اس میں بعض مقامات پر شذوذ واعتزال کی راہ اختیار کی تو حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ نے اس کے رد میں ''ہدایۃ الحیران'' تالیف فرمائی تاکہ کسی کو دھوکہ نہ ہو اور صحیح صورتحال سامنے آجائے آپ نے ''ہدایۃ الحیران' میں واضح فرمادیا کہ ان مقامات پر مؤلف موصوف کا قلم جادہ حق سے ہٹ گیا ہے وہ مسلک جمہور کے ترجمان نہیں بلکہ ان کے خلاف لکھ رہے ہیں اس لئے جمہور کے مقابلہ میں ان کی بات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس تالیف کا محرک یہ ہوا کہ جامعہ حقانیہ کے ایک مدرس ''ماہنامہ تعلیم القرآن'' (پنڈی) منگواتے تھے اس میں جواہر القرآن کا اشتہار طبع ہوا اس وقت سورہ بقرہ پر مشتمل جلد اول ہی طبع ہوئی تھی انہوں نے اسے منگوا کر مطالعہ کیا اور پھر حضرت کو پیش کر دی کتاب کے شروع

میں بہت سے حضرات کی تقریظات اور تصدیقات درج تھیں ان میں ایک نام آپ کے مرشد و مربی حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کا بھی تھا آپ نے بغور اس کا مطالعہ فرمایا کئی مقامات پر جمہور کے مسلک کی مخالفت اور شذوذ و اعتدال دیکھنے میں آیا تو اس سے حیرانگی ہوئی کہ ہمارے اکابر نے اس کی کیسے تصدیق فرمادی۔ چنانچہ آپ نے سورہ بقرہ کی اس تفسیر کے بعض اہم مسائل جن میں تفرد کی راہ اختیار کی گئی تھی ان کو بغور دیکھا اور ان پر رد لکھ کر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کی خدمت میں ارسال کیا آپ کی یہ تحریر پندرہ صفحات پر مشتمل تھی۔ حضرت عثمانیؒ کی خدمت میں بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر تنقید صحیح ہے تو آپ اس کتاب کی تصدیق سے رجوع فرمالیں تاکہ عوام کو دھوکہ نہ ہو ورنہ میری اصلاح فرمادیں حضرت موصوف نے اس تحریر کو بالاستیعاب ملاحظہ فرما کر آپ کو یہ مکتوب گرامی ارسال فرمایا۔

مکتوب حضرت عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ وکرمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں نے آپ کی تحریر مفتی مدرسہ کے حوالہ کردی تھی انہوں نے موافقت کی تو آج خود بالاستیعاب دیکھی آپ کی گرفت صحیح ہے مگر عام اشاعت سے پہلے مناسب یہ ہے کہ اپنی تحریر اور میری اس تحریر کی نقل مولانا غلام اللہ صاحب کو بھیج دیں اگر وہ ان مقامات مذکورہ کی تصحیح کا وعدہ کریں اور ماہنامہ تعلیم القرآن میں اسی وقت شائع کردیں اور تفسیر کے دوسرے ایڈیشن میں آئندہ اصلاح کا وعدہ کریں تو آپ کو اشاعت عام کی ضرورت نہیں مااريد الاالاصلاح مااستطعت وماتوفيقی الابالله اور اگر وہ پہلو تہی کریں تو آپ اپنی تحریر اور میری تحریر کو شائع کردیں اور اس تفسیر پر پوری طرح نظر ڈالیں جہاں جہاں مسلک حق کے خلاف نظر آئے مجھے اطلاع دیں۔ والسلام ظفر احمد عثمانی عفاعنہ۔ ۳/ جمادی الاولی ۸۵ھ

حضرت علامہ عثمانیؒ نے جواہر القرآن پر لکھی گئی اپنی تصدیق کے بارہ میں یوں وضاحت فرمائی: تفسیر ''جواہر القرآن'' مؤلفہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کو احقر نے پہلے صرف صفحہ ۲۸ تک دیکھا تھا (اور اس کا اظہار اصل تقریظ میں بھی کردیا تھا۔ مرتب) اس لئے اس پر کچھ لکھ دیا تھا اب تفسیر میں بعض مقامات پر مسلک اہل حق کے خلاف تفسیر ہونے کا علم ہوا ہے اس لئے میری تقریظ کو پوری تفسیر کے متعلق نہ سمجھا جائے صرف ۲۸ صفحات کے متعلق ہی سمجھا جائے۔ اس سے واضح ہے کہ حضرتؒ کی تصدیق پوری کتاب کے متعلق نہ تھی صرف ص ۲۸ تک تھی اور آپ نے اس کی تصریح بھی

فرمادی تھی جبکہ جواہر القرآن میں صفحہ ۲۸ تک کی قید کو حذف کر دیا گیا جس سے پڑھنے والوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ حضرت نے پوری کتاب کی تصدیق کردی ہے حالانکہ یہ بات حقیقت کے خلاف تھی حضرت مولانا کے اس اعلان سے حقیقت حال واضح ہوگئی۔ بہر حال حضرت علامہ عثمانیؒ کے ارشاد کے مطابق یہ تحریر حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کو ارسال کر دی گئی اس کے ساتھ حضرتؒ نے انہیں ایک مکتوب بھی لکھا جس کی نقل یہ ہے۔

﴿ مکتوب حضرت مفتی صاحبؒ بنام مولانا غلام اللہ خان مرحوم ﴾

مولانا المحترم زاد مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعدہ گذارش آنکہ آپ کی تفسیر ''جواہر القرآن'' کے بعض مقامات کے متعلق ہونیوالے شبہات کو تحریر کر کے حضرت محدث کبیر فقیہ خبیر مرشدی مولانا الشیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں ٹنڈو الہ یار ضلع حیدرآباد سندھ بھیجا تھا، حضرت والا کی ایک تحریر جواب میں مجھے موصول ہوئی حسب الحکم حضرت موصوف مدظلہم اپنی تحریر کی نقل اور حضرت والا کی تحریر کی نقل آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں جو رائے عالی ہو اس سے مطلع فرمایا جائے...... جناب کو معلوم ہوگا کہ حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تفسیر بیان القرآن کے پہلی مرتبہ شائع ہونے کے بعد اہل علم کے متوجہ کرنے سے حضرت قدس سرہ نے پوری تفسیر پر نظر ثانی فرما کر جا بجا اس میں ترمیمات فرمائیں ہیں مکمل بیان القرآن کا صفحہ ۲ ملاحظہ فرمایا جائے اور ترجیح الراجح کا سلسلہ تو ہر ماہ حضرتؒ ماہنامہ ''النور'' تھانہ بھون میں شائع فرماتے رہتے تھے۔ اہل حق کے نزدیک تحقیق وغور کے بعد اپنی کسی رائے وتحقیق کو تبدیل کر کے اس کا اعلان کر دینا کوئی اجنبی اور معیوب بات نہیں ہے بلکہ یہ امر اکابر کا معمول ہے اور بے نفسی تواضع اور حق پسندی کی بین دلیل ہے واللہ الموفق اللّٰھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ۔ اس تحریر کے پہنچنے کی اطلاع جلد فرماویں تا کہ اطمینان ہو جائے والسلام سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا۔ ۲۵ جمادی الاولی ۸۵ھ

حضرت مولانا مرحوم نے اس کا یہ جواب لکھا:

محترم مولانا عبدالشکور صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا خط ملفوف ملا ہے مفصل جواب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی دامت برکاتہم کی خدمت میں لکھ دوں گا۔

لاشئ غلام اللہ خان ۹ جمادی الاخری ۱۳۸۵ھ

لیکن تین سال کا عرصہ گذرنے کے باوجود جب انہوں نے حضرت علامہ عثمانیؒ کی خدمت میں کوئی جواب نہ لکھا اور نہ ان مقامات کی تصحیح کا وعدہ کیا تو پھر آپ نے حسب ہدایت حضرت مولانا عثمانیؒ تفسیر جواہر القرآن کے بقیہ مقامات پر نظر ڈال کر مزید چار مقامات پر تنقید لکھی اس طرح جواہر القرآن کے کل سات مقامات پر تفصیلی تنقید ''ہدایۃ الحیر ان فی جواہر القرآن'' کے نام سے تحریر فرمائی اور اسے حضرت مولانا عثمانیؒ اور دیگر علماء کرام کی تصدیق وتائید کے بعد شائع فرمادیا اس کی اشاعت کی نوبت اس لئے آئی کہ مولانا مرحوم نے مخلصانہ اصلاحی کوشش سے کچھ بھی اثر نہ لیا اگر وہ ان مقامات کی اصلاح فرما کر سلف کے طریق کے مطابق رجوع کا اعلان فرمادیتے تو پھر اس کتاب کی اشاعت کی نوبت نہ آتی مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا حضرت اقدس والد صاحبؒ کا مقصد اس تمام تر جدوجہد سے کیا تھا وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

اس تمام تر جدوجہد کا مقصد صرف مسلک جمہور اہل سنت اور سلف صالحین پر اعتماد کی حفاظت اور مسلک اکابر کی صیانت (حفاظت) کرنا ہے خاص طور پر علماء دینیہ کے اندر ایسی تفاسیر کے مطالعہ اور اس طرز پر تفسیر وترجمہ پڑھنے سے جو دین میں خود رائی اور مطلق العنانی اور سلف صالحین کی تحقیقات سے بے اعتمادی کا مرض پیدا ہوتا جارہا ہے اس مرض سے ان کو محفوظ کرنا مقصود ہے اس لئے اس تحریر میں اس کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ علمی طریقہ سے تفسیر کے مخدوش مقامات پر تنبیہات تو اچھی طرح کردی جاویں مگر اس کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ مؤلف کے حق میں کوئی لفظ طعن آمیز اور تحقیر وتشنیع کا نہ آنے پائے ان ارید الاالاصلاح مااستطعت وماتوفیقی الاباللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب (ص۱۶۷)

جواہر القرآن پر تقریظات کی حقیقت

مگر یاد رہے کہ جواہر القرآن پر بعض اکابر کی تصدیقات سے اس کے تمام مندرجات کا حق اور صحیح ہونا لازم نہیں آتا حضرت والد صاحبؒ نے ان تقریظات کی حقیقت یوں بیان فرمائی ہے:

اور بعض اکابر نے جو ان کی تفسیر پر تقریظات تحریر فرمادی ہیں اس کی وجہ بھی غالباً مؤلف کا اہل حق کی طرف منسوب ہونا ہی ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ان کو مسلک اہل حق کی کچھ پروانہیں ہے اور نہ وہ اس کے پابند ہیں کہ انکی تفسیر میں کوئی بات سلف صالحین صحابہ کرام اور تابعین عظام کی تفاسیر کے خلاف نہ ہو بلکہ وہ سلف صالحین کی تفاسیر اور مسلک اہل حق کے خلاف اپنے تفردات اور اقوال شاذہ

سے قرآن مجید کی تفسیر میں تصرفات کر کے بزعم خود دین کی خدمت کر رہے ہیں جو کہ بالکل اس شعر کا مصداق ہے۔ ؎

دوستی بے خرد چوں دشمنی است　　حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی است
بر ہوا تاویل قرآں می کنی　　پست وکسر شد از تو معنی سنی

کیونکہ قرآن کی جو تفسیر اور حدیث کا جو مطلب اور معنی صحابہ کرام اور تابعین عظام اور آئمہ دین نے سمجھے ہیں وہی صحیح اور حق ہیں اور ان کے خلاف بیان کردہ ہر مطلب اور معنٰی غلط و باطل اور واجب الرد ہیں (ص ۱۶۰)

﴿ تفسیر بلغۃ الحیران ﴾

ہدایۃ الحیران میں اصل تنقید تو تفسیر جواہر القرآن کے بعض تفردات اور خلاف تحقیق مقامات پر کی گئی ہے مگر چونکہ جواہر القرآن میں اکثر تفردات کو حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر کے مؤلفِ جواہر، بلغۃ الحیران کے مضامین کو زیر بحث لے آتے ہیں گویا ان کے نزدیک بلغۃ الحیران اصل اور ماخذ کے درجہ میں ہے اور جواہر القرآن اس کا نقش ثانی ہے اس لئے ہدایۃ الحیران میں ضمناً و تبعاً بلغۃ الحیران کے بعض مقامات پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

تفسیر بلغۃ الحیران اگرچہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ و حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی طرف منسوب ہے لیکن چونکہ یہ حضرت مولاناؒ کی اپنے قلم سے نہیں ہے بلکہ ان کے درسی افادات کو اپنی زبان اور انداز میں ان کے تلامذہ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا سید نذر محمد شاہ صاحب نے قلم بند کیا ہے اور اس میں اپنی تقاریر بھی درج کر دی ہیں اس لئے اس میں موجود تفردات اور خلاف جمہور مسائل کو یقین اور قطعیت کے ساتھ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا بلکہ جواہر القرآن دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرحوم کے درس ضبط کرنے والے حضرات کے نظریات اور تفردات ہیں اس کی پوری تفصیل قارئین ہدایۃ الحیران کے مقدمہ میں دیکھ سکتے ہیں حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ قرائن و شواہد کی روشنی میں تفصیلی جائزہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں: امور مذکورہ کی بنا پر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ بلغۃ الحیران میں جن مضامین کو مولانا مرحوم کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ تمام کے تمام مضامین بعینہ ہرگز مولانا مرحوم کے نہیں ہیں (۱۷۳)

بلغۃ الحیران کے بعض مقامات پر حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بھی رد لکھا ہے چنانچہ آپ کا رسالہ " تنزيه علم الرحمٰن عن سمة النقصان "بلغۃ الحیران ہی کے ایک مقام کے رد میں ہے اس رسالہ کے آخر میں بلغۃ الحیران کے متعلق حضرت اقدسؒ نے اپنی رائے گرامی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿ رائے گرامی حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ ﴾

میں ایسی کتاب کو جس میں ایسی خطرناک عبارت ہو بعد حاشیہ تنبیہی کے بھی نہ اپنی ملک میں رکھنا چاہتا ہوں نہ اپنے تعلق کے مدرسہ میں اگر عید کے قبل محصول رجسٹری کے ٹکٹ بھیج دیئے جائیں تو ان ٹکٹوں سے ورنہ بعد میں اپنے ٹکٹوں سے خدمت میں بھیج دونگا۔ والسلام خیر ختام

کتبہ اشرف علی عشرین من رمضان ۱۳۵۷ھ (امداد الفتاوٰی مبوب ج ۶ ص ۱۲۷)

﴿ ہدایۃ الحیران ایک نظر میں ﴾

ہدایۃ الحیران ایک مقدمہ سات ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے مقدمہ میں آپ نے کتاب کی وجہ تالیف اور فروعی مسائل کی اہمیت اور فرق باطلہ پر رد کی ضرورت کو بیان فرمایا ہے اس میں اس کے علاوہ بہت سے فوائد بھی ذکر کئے گئے ہیں جو اہل علم کیلئے انتہائی نافع ہیں باقی سات مقامات کی تفصیل یہ ہے:

﴿ مقام اول در تحقیق تعلق واقعہ ذبح بقرہ با واقعہ قتل نفس ﴾

ان کو دو مستقل واقعے کہنا جمہور مفسرین اہل سنت کے خلاف ہے اس میں آپ نے جواہر القرآن میں ذکر کردہ نظریہ کہ قتل نفس اور ذبح بقرہ الگ الگ مستقل دو واقعے ہیں اس کو دلائل سے رد کر کے جمہور کی ترجمانی کی ہے اور ثابت فرمایا کہ یہ دو واقعے نہیں بلکہ ایک ہی واقعہ ہے۔

﴿ مقام ثانی در تحقیق تحویل قبلہ ﴾

اس باب میں احادیث اور مفسرین کے اقوال کے علاوہ دیگر دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ کعبۃ اللہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق قبلہ بنایا گیا اس سے انکار کرنا مفسرین اہل سنت کے اجماع کے خلاف ہے۔ جواہر القرآن میں اس آیت کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی تھی کہ لفظ "تقلب" باب تفعل ہے جس کا خاصہ تکلف ہے......تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم دیکھ رہے ہیں

تکلیف اور ناگواری کے ساتھ آپ کے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے کو کہ کہیں تحویل قبلہ کا حکم نہ آجائے کیونکہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ ابھی تحویل قبلہ نہ ہو اور بیت المقدس ہی قبلہ رہے تاکہ اس معاملہ میں یہودیوں سے موافقت رہے اور شاید وہ اسی وجہ سے ایمان قبول کرلیں (ص۲۷) آیت کا یہ مطلب تمام مفسرین کے بیان کردہ مطلب کے خلاف اور تحریف کے مترادف ہے اس لئے آپ نے دلائل وبراہین کی روشنی میں اس کی بھرپور تردید فرما کر جمہور مفسرین کی تفسیر کا حق ہونا واضح فرمادیا ہے،

﴿ مقام ثالث در تحقیق کیفیت نوم انبیاء علیہم السلام ﴾

جمہور اہل سنت کے نزدیک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند ناقض وضو نہیں ہے اور یہ حضرات انبیاء کرام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ نیند کی حالت میں بھی ان کا قلب مبارک بیدار رہتا ہے نیند کا اثر اس پر نہیں ہوتا صرف آنکھوں پر ہوتا ہے چنانچہ صحیح حدیث میں آپ کا ارشاد گرامی ہے: ان عینای تنامان و لا ینام قلبی شارح حدیث علامہ خطابیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے۔ و کذالك الانبیاء تنام اعینھم و لا ینام قلوبھم اسی لئے جمہور اہل سنت میں نوم انبیاء علیہم السلام کو ناقض وضو قرار نہیں دیا مگر اس کے برعکس تفسیر جواہر القرآن میں اس نظریہ سے اختلاف کیا گیا ہے حضرتؒ نے اس مقام میں جواہر القرآن کے اس اختلاف کا تعاقب فرمایا ہے اور وزنی دلائل کی روشنی میں جمہور کے مسلک کی تائید اور مذکورہ اختلاف کا رد فرمایا ہے۔

﴿ مقام رابع در تحقیق مسئلہ سماع موتی ﴾

جمہور اہل سنت کا اتفاق ہے کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں اور قبور مطہرہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں انبیاء کرام کے سماع کا انکار جمہور اہل سنت کے خلاف ہے اس کے باوجود تفسیر جواہر القرآن میں آیت قرآنی او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا الآیۃ پ۳ رکوع نمبر۳ کے تحت حضرت عزیر علیہم السلام کا واقعہ تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے'' الخ

عام موتی کے سماع کا مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے مگر حضرات انبیاء علیہم السلام کے سماع پر تو اجماع ہے اس کے باوجود جناب مؤلف نے ان کا استثنا بھی نہیں فرمایا بلکہ آیت مذکورہ سے سب کے عدم سماع پر استدلال فرمادیا اس مقام رابع میں اسی مسئلہ پر سیر حاصل کلام فرما کر ثابت کیا گیا ہے

کہ انبیاء کرام کے سماع کا انکار جمہور اہل سنت کے خلاف ہے اس کے ساتھ سماع موتیٰ کی ضروری بحث بھی اس میں آ گئی ہے جس سے واضح ہے کہ عام موتیٰ کے سماع کا مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے لیکن ہمارے اکابر کے ہاں بھی سماع ہی راجح ہے۔

﴿ مقام خامس در تحقیق حیات انبیاء علیہم السلام ﴾

تمام اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو وفات کے بعد عالم برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس کی وجہ سے قبر اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والوں کا صلوٰۃ وسلام آپ سماعت فرماتے ہیں اور یہ کہ یہ حیات مبارکہ اسی جسد اطہر میں ہے جو دنیا میں تھا اور یہ حیات روح مبارکہ کے تعلق سے آپ کو عطا کی گئی ہے لیکن جواہر القرآن میں حضرات شہدأ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کو روحانی اور برزخی حیات قرار دیا گیا ہے جناب مؤلف کے نزدیک ارواح کا ابدان کے ساتھ تعلق کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات واقوال میں نفیاً واثباتاً اس کا ذکر ملتا ہے ان کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام اور بعض کاملین کی ارواح وفات کے بعد عالم برزخ میں مثالی اور برزخی اجسام کے ذریعہ حرکت کرتی ہیں جسم عنصری کے ساتھ ارواح کا کوئی تعلق نہیں ہوتا چونکہ یہ عقیدہ علماء دیوبند جمہور اہل سنت کے خلاف ہے اس لئے اس مقام میں اس کو رد کرتے ہوئے مسلک اہل حق کی ترجمانی کی گئی ہے اس کے ساتھ شہدأ کی حیات جسمانی کو بھی ثابت کیا گیا ہے اور حیات انبیاء کرام کے سلسلہ میں حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی عارفانہ تحقیق کو پیش کر کے مؤلف کے عقیدہ کا ابطال کیا گیا ہے علماء دیوبند کے متفقہ عقیدہ کی بھی خوب وضاحت فرمائی گئی ہے نیز حدیث حوض کے ضمن میں رد بدعت اور قبر میں اعادہ روح کے مسئلہ کی تفصیل بھی آ گئی ہے۔

﴿ مقام سادس در تحقیق اطلاق طاغوت ﴾

آیت قرآنی الم تر الی الذین یزعمون الآیۃ پ۵ رکوع۶ کے تحت جواہر القرآن میں ہے اس طرح الطاغوت سے یہاں کعب بن اشرف مراد ہے (روح ص ۶۷ ج ۵) لیکن عموم کے اعتبار سے طاغوت ہر معبود غیر اللہ پر بولا جاتا ہے اور اس آیت میں بھی عموم الفاظ کے پیش نظر طاغوت کو ہر معبود غیر اللہ پر محمول کرنے کی گنجائش ہے (ص ۲۲۷) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ طاغوت کا

اطلاق عام معنی کے اعتبار سے ہر معبود غیر اللہ پر بولا جاسکتا ہے حالانکہ معبود غیر اللہ میں حق تعالیٰ کے بعض مقبول بندے اور انبیاء علیہم السلام وملائکہ بھی شامل ہیں جن پر اس کے اطلاق کی ہرگز گنجائش نہیں ہے بلکہ ان ذوات مقدسہ پر طاغوت کا اطلاق اجماع کے خلاف ہے اس مقام میں اس کی تحقیق انیق فرمائی گئی ہے اس کے ضمن میں اصولی اور مفید ابحاث بھی آ گئی ہیں اور طاغوت کے معنی میں بعض مفسرین کے قول کل ماعبد من دون اللّٰہ کی تشریح نیز لفظ راعنا کی تحقیق اور طاغوت کا راجح معنی بھی لکھا گیا ہے۔

﴿ مقام سابع مسئلہ استمد اد واستشفاع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ﴾

''جواہر القرآن'' میں ولو انھم اذظلموا انفسھم الآیۃ کے متعلق لکھا ہے کہ اس آیت کا تعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے اسی واقعہ سے ہے اور اب آپ کی قبر سے استمد اد واستشفاع جائز نہیں (ص ۲۲۷) اس عبارت میں جناب مؤلف نے دو باتوں کا دعویٰ فرمایا ہے ایک تو یہ کہ اس آیت کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اسی واقعہ سے ہے جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے دوسرے یہ کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے استمد اد واستشفاع جائز نہیں۔ جمہور اہل سنت چونکہ قبر اطہر سے استمد اد واستشفاع کے قائل ہیں اور اس کا انکار خلاف جمہور ہے اس لئے مؤلف کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے ''ہدایۃ الحیر ان'' کے اس آخری مقام میں اسی موضوع پر سیر حاصل کلام کیا گیا ہے مؤلف کے استدلال کی حقیقت مسئلہ توسل اور استعانت کی تشریح کے ساتھ استشفاع کی تلقین پر بھی بحث فرمائی گئی ہے۔

ان سات مقامات پر اصل کتاب مکمل ہو جاتی ہے کتاب کا آخری مقام چونکہ استشفاع کی بحث سے متعلق ہے اس لئے حضرت والد صاحب قدس سرہ نے کتاب کو اس دعا پر ختم فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھ نا کارہ کو بھی قبر مبارک علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیہ پر حاضری کی دولت عظمیٰ سے نوازیں اور آنحضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں شفاعت کی درخواست پیش کرنے کی توفیق ارزانی فرمائیں اور اس وسیلہ دارین کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرمائیں آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ الطیبین الطاہرین واصحابہ اجمعین۔

حق تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور مزید دو بار روضہ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام

کے ساتھ شفاعت کی درخواست پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا والحمدللہ علی ذالک کلہ۔

﴿ ضمیمہ ہدایۃ الحیر ان ﴾

ہدایۃ الحیر ان میں جواہر القرآن کے ان سات مقامات پر تفصیلی کلام کے بعد آپ نے جواہر کی سورہ بقرہ پر جب دوبارہ بالاستعاب نظر ڈالی تو ان کے علاوہ مزید کچھ مقامات قابل اصلاح وترمیم معلوم ہوئے آپ نے مختصر طور پر ان کے بارہ میں بھی اظہار رائے فرما کر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ کی اصلاحی نظر وتصدیق کے بعد اصل کتاب کا اسکو ضمیمہ بنا دیا اس میں سورہ بقرہ کے ۲۵ مقامات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے مختصر ہونے کے باوجود یہ ضمیمہ بیش بہا علمی فوائد اور تحقیقات پر مشتمل ہے۔

اس ضمیمہ ہدایۃ الحیر ان پر حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ نے ان الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ بندہ نے اس ضمیمہ ہدایۃ الحیر ان کو جو اس وقت سورہ بقرہ کے متعلق ہے حرفاً حرفاً دیکھا ماشاءاللہ اچھا لکھا گیا اور مصنف نے تہذیب وشائستگی سے کلام کیا ہے اور ہر صاحب علم کو اپنے علم کے موافق احقاق حق وابطال باطل کا حق ہے بلکہ بعض دفعہ ضروری بھی ہے اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائیں اور ناظرین کیلئے نافع بنائیں وماذالک علی اللہ بعزیز۔ والسلام ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ ۱۶/ر ج/۱۳۸۸ھ

آپ نے یہ کتاب ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ میں شروع فرمائی اوائل محرم الحرام ۸۶ھ میں اس کو مکمل فرمایا جبکہ مقدمہ اس کے بعد ۲۷ جمادی الاولی ۸۶ھ میں لکھا اور ضمیمہ ۱۰ جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ میں اصل کتاب کے دوسال بعد تحریر فرمایا کتاب کی اشاعت اول ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ ۸ دسمبر ۱۹۶۹ء میں مدرسہ حسینہ حنفیہ سلانوالی ضلع سرگودھا کی طرف سے ہوئی۔

دوسرا ایڈیشن مع اضافات وجواب ''اقامۃ البرھان'' ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے ۱۴۱۷ھ میں شائع ہوا جو ۵۹۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کے نئے اڈیشن میں ''اقامۃ لبرھان'' کے جواب کے علاوہ شروع میں ڈیڑھ صد صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ کا بھی اضافہ کیا گیا جس میں عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی تحقیق اور اس کے انکار کا پس منظر نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہ وہی مقدمہ ہے جو آپ کی تالیف منیف'' حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کی ابتدا میں طبع ہوا ہے اس کو اس کتاب میں بھی افادہ قارئین کیلئے شائع کیا گیا ہے۔

﴿ ہدایۃ الحیران حضرات علماء کرام ومشائخ عظام کی نظر میں ﴾

حضرت والد صاحب قدس سرہ نے جب نہایت محنت اور عرق ریزی سے ہدایۃ الحیران کومکمل فرمالیا تو اسے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ ،حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ کی خدمت میں پیش فرمایاان سب حضرات نے کتاب دیکھ کر پسندیدگی کا اظہار فرمایااوراس پر تصدیق بھی تحریرفرمائی جواس کتاب کے شروع میں موجود ہے۔

﴿ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ ﴾

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریرفرماتے ہیں :عزیزم مولوی عبدالشکور صاحب کی بعض تحریرات متعلقہ''جواہرالقرآن'' بندہ نے دیکھی ہیں امید ہے کہ بقیہ بھی اسی رنگ کی ہوں گی مجھےان کی تحریرات سے اتفاق ہےاگرقوت وفرصت ہوتی تو سب دیکھ لیتامگرامید ہے کہ جونہیں دیکھی وہ بھی قابل اعتماد ہیں ۔اس کے بعد ایک والا نامہ میں تحریرفرماتے ہیں ۔مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ ''ہدایۃ الحیران'' قریب قریب سب ہی دیکھی واقعی اس کی ضرورت تھی باقی لوگوں کا ماننانہ ماننا الگ بات ہے جواپنے قبضہ میں نہیں ہے۔والسلام ظفر احمد عثمانی عفاعنہ یکم ج ۱۳۹۱/۲ھ۔

﴿ حضرت علامہ مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ ﴾

مخدوم العلماء حضرت علامہ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ نے مبسوط تقریظ تحریر فرمائی آخرمیں ہدایۃ الحیران اورجواہرالقرآن ہردوکےمتعلق اپنی رائے گرامی یوں تحریرفرماتے ہیں:

بندہ گناہ گار نے کتاب'' ہدایۃ الحیران فی تفسیرجواہرالقرآن'' تالیف منیف مولانا عبدالشکورصاحب ترمذی بن مولانا سیدعبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا کومن اولہ الیٰ آخرہ سنااہل سنت والجماعت کے موافق پایااورمؤلف جواہرالقرآن نے اکثر جگہ فرقہ ضالہ کی موافقت کی اورجمہوراہل سنت والجماعت کی مخالفت کی ہے لہٰذامؤلف جواہرالقرآن جب تک اس اعتزال وشذوذعقیدہ سے رجوع نہ کریں تب تک کسی شخص کو جواہر القرآن کا مطالعہ جائزنہیں اورجومطالعہ کرچکے ہیں ان کوکتاب ''ہدایۃ الحیران'' کاغورسے پڑھناضروری ہےشایداللہ تعالیٰ ان کوسمجھ دےاوروہ صحیح عقائد پرقائم ہوجائیں وماذالك علی اللّٰه بعزیز اورجوحضرات اس عقیدہ پرقائم ہیں جو''جواہرالقرآن'' میں لکھے ہیں ان کے درس میں شریک

ہونا ممنوع ہے۔ واللّٰہ یھدالسبیل ۔ خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان ۲۵؍رجب ۱۳۸۷ھ

فقیہ ملت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ

حضرت اقدس فقیہ ملت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

احقر نے کتاب ''ہدایۃ الحیر ان فی جواہر القرآن'' کو شروع سے آخر تک حرفاً حرفاً سنا ہے اور مقام نمبر ا اور نمبر ۴ پورا دیکھا بھی ہے ماشاء اللہ حق وتحقیق اور بزرگان اہل دیوبند کی بالغ نظری کے نکات کے اظہار میں اس کو بہت اچھے پیمانے پر پایا اور جو کم نظری یا غلط فہمی مصنف ''جواہر القرآن'' سے ہوگئی تھی مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کیلئے اس کی نشاندھی بہت عمدہ طریقہ پر کی گئی ہے چونکہ اسلام اور اسلامیات کی حفاظت تمام مسلمانوں اور خصوصاً اہل علم کا فرض ہے یہ کتاب اس فریضہ کی ادائیگی کا نمونہ ہے اور یہاں تحقیقات علمیہ ہی کو پیش کیا گیا ہے مؤلف صاحب کی شان میں کوئی قابل اعتراض لفظ نہیں کہا گیا اس لئے امید ہے کہ سب حضرات حق وتحقیق کی نظر سے ہی اس کو دیکھیں گے بلکہ مولانا عبدالشکور صاحب کی اس دیانت اور حق پسندی کی قدر کریں گے کہ انہوں نے حق ظاہر کرنے میں اس کا کوئی خیال نہیں کیا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ خود اپنے ہی عالم کی بات پر تنقید کر رہے ہیں یہ انتہائی حق پرستی ہے کہ ہر خلاف حق بات کی تحقیق کر کے رکھدی جائے خواہ وہ اپنے کی کم فہمی ہو یا غیر کی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحبؒ

حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی وشیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار ضلع حیدرآباد تحریر فرماتے ہیں۔ احقر نے مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی کی دونوں تحریریں جن میں تفسیر جواہر القرآن کی بعض اغلاط پر متنبہ کیا گیا ہے مطالعہ کیا احقر مولانا موصوف کی تائید کرتا ہے ماشاء اللہ کافی بسط سے ان تفردات کا رد کیا ہے جس پر احقر کو روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ تحریر ہی خود صحیح وسقیم کو روشن کرنے والی ہے .... اللہ تعالیٰ مولانا عبدالشکور صاحب کو جزائے خیر دے کہ لوگوں کے سامنے صحیح چیز پیش کر کے غلط فہمی سے بچالیا۔

جرائد میں شائع شدہ تبصرے

کتاب کی اشاعت کے بعد اس پر ملک کے مؤقر اور دینی وعلمی جرائد میں تبصرے ہوئے

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی زیرنگرانی جاری رسالہ ''البلاغ ''اورحضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ کے زیراہتمام ماہنامہ'' بینات'' کراچی کا تبصرہ بطورخاص قابل ملاحظہ ہے چنانچہ حضرت محقق العصر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اس پرتبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہم اپنے علم وفضل کے اعتبار سے ملک کی معروف ہستیوں میں سے ہیں ان کی مرتب کردہ تفسیر'' جواہرالقرآن'' کے نام سے عرصہ سے شائع ہورہی ہے اس تفسیر میں موصوف نے اپنے استاذ مولانا حسین علی صاحب کے تفسیری فوائد کو بھی جمع کیا ہے مولانا حسین علی صاحب کے یہ تفسیری فوائد رد بدعات کی افادیت کے باوجود بعض مقامات پر جمہور اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہیں۔مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی نے جو حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کمتھلوی کے فرزندارجمند ہیں اس کتاب میں ایسے مقامات کی نشاندھی کر کے ان پر تنقید فرمائی ہے فاضل مؤلف کا انداز تنقید عالمانہ باوقار اور سنجیدہ ہے انہوں نے جو کچھ کہا ہے دلائل کے ساتھ کہا ہے اورطنز وتعریض کے انداز سے مکمل پرہیز کیا ہے جو موصوف کی سلامت فکر کی علامت ہے۔

موصوف کی بعض تنقیدیں لفظی نوعیت کی بھی ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جو فروعی عقائد یا فقہی مسائل سے تعلق رکھتی ہیں بہرصورت یہ کتاب علمی افادیت کی حامل اور کئی مفید بحثوں پر مشتمل ہے علماء حق کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ کوئی ان کی غلطی پر سنجیدہ انداز سے متنبہ کردے تو نہ اسے ناگوار سمجھتے ہیں نہ قبول حق سے ہچکچاتے ہیں لہٰذا زیر تنقید تفسیر کے فاضل مرتب سے اس کتاب کا خیر مقدم ہی کیا جانا چاہئے۔ (البلاغ ۱۳۹۱ھ)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں اس طرح تبصرہ فرمایا

زیرنظر کتاب میں مولانا غلام اللہ خان راولپنڈی کی تفسیر'' جواہرالقرآن'' کے سات مقامات پر تفصیلاً ۲۵ مقامات پر اجمالاً اور بقیہ تمام کتاب پر اصولاً تنقید کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ'' جواہرالقرآن'' میں جابجا جمہور مفسرین اور مسلک اہل حق سے انحراف واعتزال پایا جاتا ہے مصنف کی گرفت بڑی مضبوط متین اور برمحل ہے اور انہوں نے تنقید میں ذہانت وفراست سلیقہ مندی اور شرافت نفس کا ثبوت دیا ہے۔مفتی جمیل احمد تھانوی ،حضرت مولانا خیر محمد صاحب ملتان (رحمۃ اللہ علیہما)اورحضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے اس کتاب کو حرفاً حرفاً سن کر اس کی تصویب فرمائی ہے۔ہمارا مشورہ ہے کہ......

جن حضرات کی نظر سے ''جواہر القرآن'' گذری ہوانہیں ''ہدایۃ الحیر ان'' کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

ہمارے اکابر کی خاص روایت یہ رہی ہے کہ جب کسی علمی لغزش پر انہیں متنبہ کیا گیا انہوں نے اس سے فوراً رجوع کرلیا اس کے برعکس زائغین کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بار جو بات ان کے قلم سے نکل گئی اس سے رجوع کرنے کو انہوں نے اپنی توہین سمجھا اور متنبہ کرنے والوں کو اپنا حریف تصور کیا۔ ہمیں توقع ہے کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب اہل حق کی سنت دائمہ پر عمل پیرا ہوں گے اور جواہر القرآن کے جن مقامات کو مخدوش قرار دیا گیا ہے ان سے برأت کا اعلان فرمائیں گیا ور متنبہ کرنے والوں کے ممنون ہوں گے اور یہ ان کی انصاف پسندی عالی ظرفی اور حق پرستی کی دلیل ہوگی واللہ ولی التوفیق (ادارہ)

حضرت مولانا احمد شاہ صاحب چوکیرویؒ

کتاب ''ہدایۃ الحیر ان'' کو طباعت سے قبل بھی کئی علماء نے مسودہ کی شکل میں ملاحظہ کیا اور اس کی تحسین فرمائی بعض حضرات نے نقل کرا کر اس کے تفسیری مقامات کو جلالین کے ساتھ طلبہ کو پڑھایا اور بعض علماء کرام اس کا مسودہ سننے کیلئے ساہیوال تشریف لائے چنانچہ حضرت مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ اس کا مسودہ سننے کیلئے مع مولانا مخدوم نذیر صاحب ساہیوال تشریف لائے اور جامعہ حقانیہ میں اسکا پورا مسودہ حرفاً حرفاً سماعت فرما کر اپنی خاص مسرت کا اظہار فرمایا اور بڑی داد دی آپ کتاب کی جامعیت اور عالمانہ و محققانہ انداز بیان سے بہت متاثر ہوئے خوش ہوکر حضرت والد صاحبؒ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس مسئلہ کیلئے آپ کا سینہ کھول دیا ہے اور یہ کتاب آپ نے بڑی تحقیق سے لکھی ہے۔

خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور جامعہ اشرفیہ میں ملاقات کے موقعہ پر فرمایا کہ آپ نے تنقید میں بڑی احتیاط اور اعتدال کا ثبوت دیا ہے کوئی اور اگر تنقیدی کتاب لکھتا تو وہ فریق مخالف کی تکفیر کر دیتا۔

حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کو رد بدعات میں شہرت کی وجہ سے بہت سے اکابر یہی سمجھتے تھے کہ ان کا اور ہمارا فرق صرف انداز بیان کی حد تک ہے اور طریق کار کا اختلاف ہے ورنہ عقائد و نظریات میں وہ اپنے ہی ہیں اس میں ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہیں اسی حسن ظن کی وجہ

سے ہمیشہ اکابر علماء دیوبند ان کے ساتھ اپنوں جیسا سلوک کرتے رہے عرصہ دراز تک یہی صورت حال جاری رہی جواہر القرآن کے شائع ہونے کے بعد جب اس پر ہدایۃ الحیر ان کے نام سے رد لکھا گیا بہت سے اکابر کو اس وقت معلوم ہوا کہ موصوف کے بعض خیالات وعقائد بھی جمہور سے متصادم ہیں ورنہ اس سے قبل ان کو علی الاطلاق دیوبندیت کا ہی ترجمان سمجھا جاتا تھا چنانچہ ہدایۃ الحیر ان لکھنے کے بعد حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ کو تحویل قبلہ سے متعلق جب جوہر القرآن کی تقریر سنائی گئی تو سنتے ہی فرمایا کہ ''یہ تفسیر نہیں تحریف ہے'' اسی طرح حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ کو جب مسئلہ استشفاع زیر آیت ولو انھم اذ ظلموا الآیۃ جواہر القرآن سے سنایا گیا تو فرمانے لگے کہ آج پتہ چلا کہ انہوں نے مسائل بھی تبدیل کر دیئے ہیں ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ موصوف کا طرز بیان سخت ہے مسائل میں وہ ہمارے ساتھ ہیں مگر آج معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں ہے آپ یہ کتاب لکھیں۔ یہی حال دیگر اکابر کا بھی تھا کہ وہ اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے جواہر القرآن کے مؤلف مرحوم کے عقائد ونظریات سے واقف نہ تھے اسی لئے ان سے حسن ظن فرماتے تھے ہدایۃ الحیر ان کے ذریعہ جب انہیں ان عقائد کا علم ہوا تو انہوں نے کھل کر موصوف کے عقائد ونظریات سے اختلاف فرمایا۔ ہدایۃ الحیر ان سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان کے عقائد ونظریات کی مدلل تردید علماء کرام کے سامنے آ گئی۔

﴿ اقامۃ البرہان کا جائزہ ﴾

مدیر ماہنامہ بینات والبلاغ کراچی کا تبصرہ آپ نے پڑھا جس سے واضح ہے جواہر القرآن پر کی گئی یہ تنقید نہایت علمی سنجیدہ اور متین ہے ان دونوں علماء کرام نے مؤلف جواہر کو رجوع اور تسلیم کا مشورہ بھی پیش فرمایا اور اہل حق کا شیوہ یہی ہے کہ اگر ان کو حق کی طرف رجوع کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ بصد خوشی اس کو قبول کر کے راہنمائی کرنے والے کا شکریہ ادا کرتے ہیں لیکن افسوس کہ یہ مشورہ اور توقع پوری نہ ہوسکی کیونکہ مؤلف جواہر نے اقامۃ البرھان کے نام سے اس کے رد میں کتاب لکھوائی جس میں دل کھول کر اکابر پر تنقید کی گئی اور بلغۃ الحیر ان وجوہر القرآن میں درج شدہ تفردات وخیالات کو صحیح ثابت کرنے کیلئے اس میں پورا زور صرف کیا گیا اور جواہر القرآن کے جن مقامات کو مخدوش اور دلائل کی روشنی میں خلاف مسلک جمہور قرار دیا گیا تھا ان سے رجوع کی بجائے ان کو حق

وصواب ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی جس سے واضح ہوگیا کہ مؤلف جواہر کا مذکورہ عقائد میں علماء دیوبند سے اختلاف ہے وہ ان میں علماء دیوبند اور جمہور کے مسلک کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں اس سے علماء دیوبند کی طرف ان کی نسبت کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے مگر یہاں بھی جناب مؤلف نے اپنی اسی پرانی حکمت عملی سے کام لیا کہ خود کھل کر سامنے نہیں آئے اپنے مسلک کے ہمنوا ایک دوسرے عالم سے یہ کتاب لکھوائی اگر چہ اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ یہ جوابی کتاب موصوف کے حکم اور مشاورت ومشارکت سے لکھی گئی اور اس کے مندرجات سے ان کا اتفاق ہے۔ ہدایۃ الحیر ان میں کی گئی تنقید بڑی مہذب سنجیدہ متین اور عالمانہ تھی مگر اس جوابی کتاب میں جو انداز اور زبان استعمال کی گئی اور اکابر کا جس طرح مذاق اڑایا گیا اس کو ایک مہذب شخص پڑھ کر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مؤلف کتاب نے دلائل کی جگہ سب وشتم سے ہی خانہ پری کی ہے اور پھر بھی کس قدر حیرت ہے کہ اس کا نام ''اقامۃ البرھان'' رکھدیا ''برعکس نام نہند زنگی کافور'' کا محاورہ اس پر مکمل صادق آتا ہے اس کے بعض مقامات کا جواب اگر چہ فی الفور لکھدیا گیا تھا مگر ایک تو اکابر کی رائے تھی کہ جواب الجواب کی ضرورت نہیں ہے حق واضح ہو چکا ہے منصف مزاج حضرات خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حق کس طرف ہے دوسرے خود ہدایۃ الحیر ان میں ان تمام سوالات کا جواب موجود ہے جو اقامۃ البرھان میں اٹھائے گئے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب گجراتی فرماتے تھے کہ ہدایۃ الحیر ان میں دفع دخل مقدر کے طور پر جو کچھ لکھا گیا تھا مؤلف اقامہ نے انہیں کو جواب بنا کر شائع کر دیا جبکہ ان سب کا جواب پہلے سے ہدایۃ الحیر ان میں موجود ہے۔ اس لئے کسی جواب کی ضرورت نہ تھی مگر ایک عرصہ تک فریق مخالف کی طرف سے یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ اقامۃ البرھان کی تحقیق حق اور صحیح ہے اسی لئے جواب نہیں دیا گیا اپنے بھی بہت سے حضرات کا اصرار تھا کہ جواب ضرور ہونا چاہئے ورنہ عوام یہی سمجھیں گے کہ فریق مخالف حق پر ہے اور اقامۃ البرھان لاجواب کتاب ہے حضرت اقدس نے اگر چہ بعض مقامات کا جواب اپنے طور پر تحریر فرما دیا تھا مگر اس کی اشاعت نہیں فرمائی تھی ادھر ہدایۃ الحیر ان کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے جب اس کی اشاعت کا پروگرام بنایا تو اس جدید ایڈیشن میں احقر نے اقامۃ البرھان کا ایک تحقیقی واجمالی جائزہ بھی شامل کتاب کر دیا جس سے اقامۃ البرھان کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے حضرت اقدس چونکہ طبعاً جواب اور جواب الجواب

کو پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے آپ نے اس کا نام توضیح البیان لمافی ہدایۃ الحیران رکھا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ہدایۃ الحیران کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو اقامۃ البرہان کے جواب کی ضرورت نہیں رہتی اس لئے حضرت نے احقر کو یہی فرمایا کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے یہ ہدایۃ الحیران کی توضیح کے درجہ میں ہے اس سے اس کے مضامین کی وضاحت ہو جاتی ہے جس سے جوابی کتاب کی حقیقت بھی خود بخود واضح ہو رہی ہے اس لئے اس کا یہی نام مناسب ہے اس کے نام میں اقامۃ البرہان سے تعرض کی ضرورت نہیں کیونکہ محض جواب الجواب کا کوئی فائدہ نہیں ہے چنانچہ اسی نام سے ہدایۃ الحیران کے آخر میں یہ جواب شائع ہوا حضرتؒ نے اس کو مکمل سماعت فرمایا اور اپنی رائے گرامی بھی تحریر فرمائی جس کے آخر میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

احقر نے اس کو حرفاً حرفاً تمام سنا ہے بحمد اللہ تعالیٰ اپنے اکابر رحمہم اللہ کے مسلک کے موافق پایا ہے اللہ تعالیٰ سب کو اپنے اکابر کے مسلک پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور اس کی مشکلات آسان فرماویں و ماذالك علی اللّٰه بعزیز فقط احقر سید عبدالشکور ترمذی ۲۹ر جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ

۲۔ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

ہم ہدایۃ الحیران کے تعارف میں لکھ چکے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بعد الوفات کا عقیدہ تمام اہل سنت والجماعت کا متفق علیہا عقیدہ ہے جمہور اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ وفات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے جس کی وجہ سے آپ قبر اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سماعت فرماتے ہیں علماء دیوبند اس عقیدہ پر متفق ہیں تمام دیوبندی حضرات اس کے قائل ہیں لیکن ۱۹۵۸ھ سے پاکستان میں بعض مسائل وجہ نزاع بنے ہوئے ہیں اور بعض وہ علماً کرام جو خود کو اکابر دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اکابر دیوبند کی تحقیق سے ان مسائل میں اختلاف وانحراف کر رہے ہیں ان مسائل میں سرفہرست مسئلہ ''حیات الانبیاء'' ہے اور اسی کی فرع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سماع عند القبر شریف اور استشفاع من القبر المنیف کا مسئلہ بھی ہے نیز عالم برزخ اور قبر کے عذاب وثواب کا مسئلہ بھی انہی مسائل میں شامل بلکہ متذکرہ مسائل کیلئے بمنزلہ اصل الاصول کے ہے جن میں اختلاف شدت اختیار کر گیا ہے حتی کہ وہ فریق جو خود کو دیوبندی کہلانے کے باوجود ان مسائل میں علماء دیوبند کی تحقیق سے

متفق نہیں ہے انہوں نے ان مسائل پر علمأ دیوبند کو ان کی تحقیق کے خلاف مناظرہ کے چیلنج کیئے اور اس پر مضامین ورسائل اور کتابیں لکھیں جن میں انتہائی تشدد اور غلو کا مظاہر کیا گیا لیکن جب علمأ دیوبند کے ترجمان حضرات علمأ نے ان سے مناظرہ پر آمادگی کا اظہار فرمایا اور ثالث حضرات نے فریقین سے اپنے مؤقف کی تحریری وضاحت طلب کی تو اس فریق نے اس سے نہ صرف پہلوتہی کی بلکہ تحریری مناظرہ کو بدعت قرار دے کر اس سے راہ فرار اختیار کی جبکہ حضرات علمأ دیوبند کے ترجمان حضرات علمأ نے اس سلسلہ میں اپنے عقیدہ ''محل نزاع'' اور اپنے مسلک کی وضاحت اور اس پر قرآن وسنت اجماع امت کی شہادت سے مضبوط دلائل لکھ کر ثالث حضرات کو ارسال کر دیئے جس کی پوری روئیداد اور اپنے مسلک کی وضاحت پر مشتمل یہ قیمتی دستاویز آپ کو حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ کی اس کتاب کے شروع میں ملے گی یہ ساری بحث مخطوطہ کی صورت میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ریکارڈ میں محفوظ تھی حضرتؒ نے وہاں سے حاصل فرما کر اسے مرتب فرمایا اور پہلی دفعہ یہ تاریخی علمی دستاویز آپ کی اس کتاب کے ساتھ طبع ہوئی جو اس کتاب کی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت ہے اس لئے کہ اس تحریر سے پہلی مرتبہ یہ بات منقح ہوئی کہ اس سلسلہ میں فریق مخالف سے کس بات میں نزاع ہے اور یہ کہ ہمارا مسلک کیا ہے اور فریق مخالف کس قسم کی حیات کا قائل ہے۔

علمأ دیوبند کے مسلک کی وضاحت اور ترجمانی کیلئے ان مسائل پر'' مقام حیات'' اور ''تسکین الصدور'' وغیرہ بڑی محققانہ کتابیں لکھی گئیں حضرت اقدس والد صاحبؒ کی کتاب ''ہدایۃ الحیر ان'' میں بھی ان مباحث پر مدلل کلام فرمایا گیا ہے مگر یہ سب کتابیں طویل اور مفصل ہیں جن سے استفادہ کیلئے علمی استعداد اور بڑے وسیع وقت کی ضرورت ہے جبکہ اس زمانہ میں تفصیلی کتابوں کے مطالعہ کا شوق کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے اور اختصار پسندی کا رجحان بھی غالب ہے اس لئے اس کی ضرورت تھی کہ ان مسائل کے بارہ میں کوئی مختصر جامع کتاب مرتب کی جائے جس سے کم فرصت حضرات بھی استفادہ کرسکیں اور ان کو بھی ان مسائل میں مسلک حقہ اہل سنت والجماعت کو کسی قدر دلائل سے سمجھنے کی اہلیت پیدا ہو جائے اسی مقصد کے تحت حضرتؒ اس موضوع پر کتاب لکھنا چاہتے تھے جس کی تحریک یوں پیدا ہوئی کہ صدر تنظیم اہل سنت والجماعت ملتان جناب حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر آمادہ کیا گیا کہ وہ اس موضوع پر کتاب لکھیں

انہوں نے مواد کی کمی کا عذر فرمایا تو اس کیلئے حضرتؒ کا نام پیش کیا گیا حضرتؒ نے بہت جلد ایک مقالہ تیار فرما کر ان کو بھیج دیا جس کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنی کتاب ''حیات الاموات'' مرتب فرمائی یہ ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء کی بات ہے حضرت والد صاحبؒ چونکہ اس موضوع پر ایک جامع کتاب تیار فرمانا چاہتے تھے اس لئے آپ نے اپنے اس مسودہ کو بنیاد بنا کر موضوع سے متعلق تمام اہم مباحث اور مسائل کو مرتب فرمایا اور ''حیات الانبیاء'' کے نام سے ایک مستقل تالیف وجود میں آ گئی اس کتاب میں حیات اور سماع۔ مسئلہ استشفاع پر تفصیلی بحث کے ساتھ علماءٔ دیوبند کے مسلک کی خوب وضاحت فرمائی گئی ہے اس کے ساتھ فریق مخالف کے شبہات کا شافی جواب بھی لکھا وہ جن آیات سے استدلال کرتے ہیں ان کی صحیح تفسیر بھی لکھدی گئی مسئلہ سماع موتی پر نفیس بحث اور مدلل کلام بھی اس کتاب کا اہم حصہ ہے باریک قلم کے ۲۳۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دو مرتبہ مکتبہ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ لاہور سے طبع ہو چکی ہے کتاب کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس کی ضرورت ہے کہ جلی قلم اور عمدہ کاغذ پر بار بار اس کو شائع کیا جائے۔ ہدایۃ الحیر ان کا انداز خاصہ علمی ہے جبکہ یہ کتاب صرف طلبہ وعلماءٔ کیلئے ہی نہیں بلکہ عوام کیلئے بھی مفید ہے اور اپنے متعلقہ مباحث میں بعض خصوصیات کے اعتبار سے ایک نادر تحفہ ہے کتاب کے آخر میں فقیہ امت حضرت اقدس مولا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی قدس سرہ کا وقیع فتویٰ بھی شامل اشاعت ہے جو اس موضوع پر ایک زبردست علمی شاہکار ہے کتاب کے محاسن دیکھنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں اہل علم اور شائقین اس کیلئے اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

۳۔ تذکرۃ الظفر

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ علمی دنیا میں ایک عظیم مقام کے حامل ہیں حدیث تفسیر وفقہ تمام علوم وفنون پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا۔ حدیث میں اعلاء السنن فقہ میں امداد الاحکام اور تفسیر میں احکام القرآن آپ کی قابلیت اور مقبولیت پر شاہد ہیں ۲۳ ذوالقعدہ ۱۳۹۴ھ میں آپ کی وفات کا حادثہ پیش آنے کے بعد ضرورت تھی کہ آپ کی ایک مفصل سوانح حیات لکھی جائے چنانچہ اس ضرورت کو آپ کے خلیفہ ارشد احقر کے والد ماجد قدس سرہ نے پورا فرمایا اور ایک سال کی شب وروز محنت سے تذکرۃ الظفر کے نام سے ۵۲۸ صفحات پر مشتمل کتاب تحریر فرمادی جس میں درج ذیل نو باب قائم فرمائے۔

باب اول۔خاندانی حالات۔باب دوم۔علمی خدمات۔باب سوم۔تصنیفات وتالیفات۔باب چہارم تبلیغی جدوجہد۔باب پنجم۔مولاناؒ کی اصلاحات۔باب ششم۔سلوک وتصوف اور تربیت باطن۔باب ہفتم۔علمائے عصر اور مشائخ زمانہ کے ساتھ تعلقات۔باب ہشتم مذہب وسیاست۔باب نہم۔سفر آخرت اور مرض وفات کے حالات۔

حضرت والد صاحبؒ نے اس میں حضرت علامہ عثمانیؒ کی خودنوشت سوانح انوار النظر کو اصل بنیاد بنایا ہے اور مختلف رسائل وکتب کے علاوہ خانگی حالات کیلئے حضرت پیرانی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ سے بھی معلومات لیں اور جس رسالہ اور مضمون وکتاب سے آپ کے حالات سے متعلق مواد ملا اس کو جمع فرمایا اس کیلئے آپ نے لاہور ٹوبہ وغیرہ کے متعدد سفر فرمائے اس کی ترتیب میں جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب نے بہت مدد دی حضرتؒ کے لکھے ہوئے پورے مسودہ کو پڑھ کر اسے مرتب فرمایا:

کتاب میں علامہ عثمانیؒ کے حالات اور علمی کمالات فقہی تفسیری دینی خدمات کے علاوہ تحریک پاکستان میں آپ کی سیاسی جدوجہد کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے نیز آپ کی بلند پایہ علمی تصانیف میں اعلاءالسنن، امداد الاحکام اور احکام القرآن کا مفصل تعارف بھی اس تذکرہ میں آ گیا ہے۔کتاب حضرت عثمانیؒ کے صاحبزادگان اور حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کی خصوصی کاوشوں سے شائع ہوئی علمی حلقوں اور حضرت کے متوسلین میں اس کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی حضرت شیخ الحدیثؒ نے پوری کتاب کو سن کر اپنی خاص مسرت کا اظہار فرمایا اور پاکستان کے علاوہ بنگلہ دیش انڈیا سعودی عرب وغیرہ میں اس کے نسخے بھجوائے۔حضرت اقدس مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:

مولانا مفتی عبدالشکور صاحب مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا خلیفہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانویؒ نے حضرت ممدوح کی سوانح عمری تحریر فرمائی متوسلین اور مسلمین پر احسان کیا ایسے زبردست عالم دین اور شیخ کا تعارف کرایا جن کی مثال اس زمانہ میں مشکل ہی ہے............ مفتی صاحب موصوف نے حضرت مولانا کے سیاسی واشرفی مسلک کی بھی خوب وضاحت کی ہے اور مہتمم حقانیہ نے اس کی حقانیت سامنے لاکر رکھدی ہے..................اس مسلک کی تشریح وتوضیح بہت ضروری چیز تھی اللہ تعالیٰ جناب مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور تمام مسلمانوں کو حق کی پیروی کی

توفیق دیں۔ ؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کا تاریخی نام ''مراد نظر بر جواہر ظفر'' (۱۳۹۵۔۱۳۹۵ھ) تحریر فرمایا تھا یہ اس کا سن تالیف ہے اشاعت کی نوبت دو سال بعد ۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء میں آئی اس تذکرہ میں حضرت علامہ عثمانی کے علمی افادات کا حصہ خاصہ کی چیز ہے جس کو علماً کرام نے بہت پسند فرمایا۔ تذکرہ کی تصنیف کے وقت حضرت علامہ عثمانی کی بہت سی کتابیں غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے سامنے نہ تھیں خود اعلاء السنن بھی عربی ٹائپ پر اس وقت تک طبع نہیں ہوئی تھی اسی طرح امداد الاحکام اور احکام القرآن بھی دستیاب نہ تھا اس لئے حضرت کے بہت سے علمی افادات تفسیری حدیثی اور فقہی شہ پارے اس کتاب میں درج نہ ہو سکے اسی طرح بعض حالات اور مضامین و مقالات نیز عربی قصائد بھی بعد میں نظر سے گذرے جن کا ذکر اس وقت تذکرہ میں نہ ہو سکا اس لئے اب ضرورت ہے کہ اس پورے مواد کو سامنے رکھ کر تذکرۃ الظفر کو از سر نو مرتب کیا جائے تاکہ ایک ضخیم سوانح تیار ہو کر طبع ہو سکے واللہ الموفق والمعین۔ حضرت علامہ عثمانیؒ کے احوال اور سوانح کے سلسلہ میں اس وقت تک تذکرۃ الظفر ہی ایک مستند اور بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے بعض حضرات نے اس کو سامنے رکھ کر ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی اس موضوع پر حاصل کر لی ہے والحمد للہ علی ذالک۔

﴿۴۔ تذکرہ حضرت مدنیؒ﴾

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے حالات اور سوانح پر بہت سی کتابیں مضامین و مقالات اور رسائل تحریر کئے گئے ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق آپ کی شخصیت کا تعارف کرایا اکثر تذکروں میں حضرت مدنیؒ کی سیاسی خدمات کو نمایاں کیا گیا جس سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ آپ ایک سیاسی شخصیت کے مالک ہیں اور آپ کی زندگی میں آپ کا یہی وصف غالب ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کہ آپ ایک زبردست عالم فاضل یکتائے روزگار بے مثال فقیہ اور محدث اور عارف باللہ شریعت و طریقت کے جامع اخلاق جمیلہ اوصاف حمیدہ سے متصف ایک کامل انسان تھے سیاسی خدمات بھی بلا شبہ آپ کی زندگی کا ایک حصہ ہیں اور اس باب میں بھی آپ کی خدمات تاریخ کا ایک عظیم باب ہیں لیکن نہ تو یہ آپ کی زندگی کا اصل مقصد تھا اور نہ ہی آپ کی شخصیت اس میں منحصر تھی۔ حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ اکثر اس پر افسوس فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں

نے اتنی عظیم روحانی اور علمی شخصیت کو محض سیاسی حیثیت میں ہی منحصر کر کے رکھدیا جوسراسر ناانصافی ہے ۔حضرتؒ کا خیال تھا کہ حضرت مدنیؒ کا ایک ایسا تذکرہ مرتب ہونا چاہئے جو آپ کے اصلی کمالات کا آئینہ دار اور آپ کی علمی شخصیت سے متعلق حالات پر مشتمل ہو بعض مخلص احباب اور احقر کی درخواست پر آپ نے خود اس موضوع پر قلم اٹھایا پہلے ''تذکرہ حضرت حسین'' پھر ''تذکرہ حضرت مدنیؒ'' کے نام سے آپ نے ایک ضخیم کتاب تیار فرمائی اس میں حضرت مدنیؒ کے مختصر سوانح کے ساتھ آپ کے علمی کمالات وفیوضات اور نادر تحقیقات کا بطور خاص ذکر فرمایا اور ساتھ ہی سیاسی حالات پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے سیاسی اختلاف کا بھی منصفانہ تجزیہ فرمایا یہ بابرکت کتاب طبع ہو کر آئی تو حضرت والد صاحبؒ بہت خوش ہوئے اس سے آپ کی یہ خواہش کہ حضرت مدنیؒ کا علمی تذکرہ طبع ہو پوری ہوئی اور علمأ کرام نے بھی اسے خوب سراہا اور بھرپور انداز میں اس پر تبصرے کئے ۔حضرت والد صاحبؒ کا بچپن حضرت حکیم الامت مجدد ملت تھانویؒ کے دَرْ بار دُرْ بار میں گذرا اور پھر دوسال دارالعلوم دیوبند تعلیم کے زمانہ میں حضرت اقدس مدنی قدس سرہ سے بھی آپ نے استفادہ کیا اس لئے ان دونوں بزرگوں سے آپ کو بہت محبت وعقیدت تھی ہمیشہ ہی ان کا نام بڑے ادب سے لیتے اور ان کی تحقیقات کو پیش فرماتے اکثر اپنے مواعظ ومجالس میں ان کے واقعات سناتے رہتے تھے ۔تھانوی مدنی کے نام سے پیدا کی جانے تفریق آپ کو ہرگز پسند نہ تھی اس سلسلہ میں بھی آپ نہایت معتدل مزاج اور اکابر کے مقام ان کے آداب کا خوب لحاظ فرماتے تھے یہ کتاب بھی آپ کے اعتدال کی عملی شہادت ہے بہت سے اہل علم اور ارباب انصاف نے کتاب پڑھ کر اپنے وقیع خیالات اور اچھے تاثرات کا اظہار کیا اور اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ اشاعت پر زور دیا حضرت والد صاحبؒ کی بھی خواہش تھی کہ اس کی خوب اشاعت کی جائے تا کہ اس کے ذریعہ حضرت مدنیؒ کی علمی روحانی شخصیت کا تعارف ہو اور بعض حضرات میں جو تھانوی مدنی کے نام سے تفریق پائی جاتی ہے وہ ختم ہو یا کم از کم اس میں فرق پڑ جائے ۔ یہ تذکرہ ۴۶۱ صفحات پر مشتمل مکتبہ الاشرفیہ جامعہ اشرفیہ لاہور سے شائع ہوا۔

۵۔ معارف حضرت مدنیؒ

حضرت والد صاحب قدس سرہ نے اس کے ساتھ ہی حضرت مدنیؒ کے مکتوبات اور دیگر کتب سے علمی فقہی مضامین کا بھی ایک مجموعہ تیار فرمایا جو دو ضخیم جلدوں میں تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل

ہے اس کی کمپوزنگ مکمل ہوچکی ہے یہ عظیم مجموعہ معارف حضرت مدنیؒ کے نام سے ان شاء اللہ عنقریب طبع ہوگا اس میں حضرت اقدس مدنیؒ کی نادر علمی تحقیقات کو بڑے سلیقہ سے جمع فرما دیا گیا ہے اہل علم جب ان کو پڑھیں گے تو یقیناً محظوظ ہوں گے حضرت والد صاحبؒ کا منشا اس سے بھی یہی تھا کہ حضرت مدنیؒ کا علمی تعارف زیادہ سے زیادہ سامنے لایا جائے جو بحمد اللہ تعالیٰ آپ کی ان تصنیفات سے بخوبی ہوتا رہے گا۔

﴿۶ تا ۱۰۔ بارہ مہینوں کے فضائل واحکام﴾

احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نوراللہ مرقدہ نے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں ایک رسالہ ''الفضائل والاحکام للشھور والایام'' کے نام سے ۱۳۵۱ھ تالیف فرمایا تھا جس میں بارہ اسلامی مہینوں کے متعلق احکام ومسائل بیان فرما کر مسلمانوں میں مروجہ رسموں کی تردید کی گئی تھی یہ رسالہ پہلے ہندوستان اور پھر پاکستان میں بھی بارہا طبع ہوا ادارہ اسلامیات لاہور نے اس میں حضرت اقدس والد صاحبؒ کے مندرجہ ذیل رسائل کا بھی اضافہ کردیا ہے۔

(۱) السعی المشکور فی احکام العاشور (۲) ارشاد العباد فی عید المیلاد (۳) مسائل وفضائل رمضان المبارک (۴) عیدالفطر وصدقۃ الفطر (۵) عیدالاضحیٰ وقربانی کے احکام۔

اب یہ پورا مجموعہ ''بارہ مہینوں کے فضائل واحکام'' کے نام سے طبع ہورہا ہے اور عوام وخواص اس سے خوب نفع اٹھا رہے ہیں والحمدللہ علی ذالک۔

﴿رسالہ السعی المشکور فی احکام العاشور﴾

السعی المشکور میں دسویں محرم سے متعلق مروجہ رسومات کی اصلاح اور محرم کی شرعی حیثیت کو بیان فرمایا گیا ہے یہ دراصل جمعۃ المبارک پر آپ کی ایک تقریر تھی جس کو بعد میں مرتب کر کے السعی المشکور فی احکام العاشور معروف بہ تحفہ حنفیہ کے نام سے پہلے مستقل الگ شائع کیا گیا تھا۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے اس رسالہ کے بارہ میں اپنی رائے گرامی کا اظہار یوں فرمایا:

آپ کا رسالہ مفیدہ السعی المشکور پہنچا...... آں عزیز کا رسالہ دیکھنے کو دل چاہا ہفتہ تکیہ کے نیچے رکھا رہا کہیں کہیں سے نظر ڈالی دیکھ کر نفس مضمون پھر طرز تحریر و تالیف کو مفید و مستحسن پایا دل سے دعا نکلی

حق تعالیٰ اس کو مسلمانوں کیلئے جاہلانہ رسوم سے نجات کا ذریعہ بنائے اور آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

﴿ ارشاد العباد ﴾

اس رسالہ میں ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو منائی جانے والی عیدالمیلاد کی شرعی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے۔

﴿ مسائل وفضائل رمضان المبارک مع رسالہ تکمیل الاجر فی تعجیل الفطر ﴾

اس رسالہ میں رمضان المبارک کے فضائل ومسائل کو بہت عمدہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے اوران غلطیوں کی بھی اصلاح کی گئی ہے جو رمضان المبارک کے مہینہ میں دینی ناواقفیت کی بنا پر مسلمانوں میں رائج ہوچکی ہیں افطاری کا وقت ہوجانے کے باوجود جو حضرات اس میں تاخیر کرکے اہل تشیع سے مشابہت اختیار کرتے ہیں اس میں خاص طور پر ان کے مستدلات کا رد کیا گیا ہے اور تاخیر افطار کے حق میں لکھے گئے رسالہ ''تبلیغ القوم فی اتمام الصوم'' کا بڑا محققانہ جواب تکمیل الاجر کے نام سے آپ نے لکھدیا ہے اس میں رسالہ مذکورہ کے تمام شبہات کا ازالہ بڑے احسن طریق سے فرما کر ثابت کردیا گیا ہے کہ وقت ہوجانے کے بعد افطار میں تعجیل ہی مستحب ہے آخر میں مسئلہ انجکشن درحالت صوم کو بھی دلائل کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے آپ کا یہ رسالہ بہت عمدہ اور جامع مانع نہایت علمی تحقیقات کا خزینہ ہے محققین علمأ کرام کا پسندیدہ اور مصدقہ ہے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ نے اس پر یوں تصدیق فرمائی ہے۔

میں نے خاص مقامات نشان زدہ سے دیکھا بہت خوشی ہوئی اور دل سے دعا نکلی اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو مقبول اور آپ کی سعی کو مشکور فرمائیں ماشاء اللہ بہت سے فوائد جدیدہ پر مشتمل ہے بعض مقامات کے مطالعہ میں کوئی بات میرے ذہن میں آئی تو آگے چل کر آپ کے الفاظ میں وہی بات پائی گئی فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

آپ کا رسالہ نافعہ مسائل وفضائل رمضان پہنچا اگرچہ وقت نہیں ملتا مگر اسی حال میں رسالہ مختلف مقامات سے خصوصاً مسئلہ تعجیل افطار اور مسئلہ انجکشن فی الصوم کو شوق کے ساتھ دیکھا ماشاء اللہ تحقیقات مفیدہ کا جامع رسالہ ہوگیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور نافع ومفید بنائیں اور مصنف کو ترقیات

ظاہرہ وباطنہ عطا فرمائیں۔

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ یوں رقم طراز ہیں:

احقر نے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کا رسالہ اکثر جگہ سے اور مسئلہ تعجیل افطار کل دیکھا یا سنا ہے الحمدللہ حق مسائل پر مشتمل پایا خصوصاً شیعہ اثر سے جو لوگ افطار میں تاخیر کرنا چاہتے تھے ان کی اصلاح نہایت عمدہ تحقیقی اور مہذب طریقہ سے کی گئی ہے اللہ تعالیٰ حضرت مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور رسالہ کو قبول عام بخشیں۔۲۳ر شوال ۸۵ھ۔

یہ مبارک ومفید رسالہ پہلی مرتبہ مکتبہ صدیقیہ ملتان سے شائع ہوا اور اب عرصہ سے ادارہ اسلامیات لاہور کی طرف سے اس مجموعہ میں طبع ہو رہا ہے۔آپ رسالہ کی تالیف سے سوموار ۲۷ر رجب المرجب ۱۳۸۵ھ میں فارغ ہوئے۔

﴿ عیدالفطر وصدقۃ الفطر ﴾

اس مختصر مضمون میں عیدالفطر وصدقۃ الفطر کے ضروری مسائل واحکام نیز عید کی سنتیں اور اس کے پڑھنے کا طریقہ لکھا گیا ہے۔

﴿ عیدالاضحیٰ وقربانی کے احکام ﴾

اس رسالہ مفیدہ میں عیدالاضحیٰ وقربانی کے احکام وفضائل لکھے گئے حضرت والد صاحبؒ نے فقہ وفتاویٰ کی معتبر کتابوں سے مستند اور ضروری مسائل مع حوالہ کتب اس میں تحریر فرما دیئے ہیں یہ دونوں رسالے ؎ بقامت کہتر وبقیمت بہتر کا مصداق ہیں۔

﴿۱۱۔ دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت ﴾

دین کے مختلف شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ دعوت تبلیغ کا بھی ہے مگر علم دین کی کمی اور ضرورت تبلیغ سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ شعبہ بھی افراط وتفریط سے محفوظ نہیں رہ سکا چنانچہ بعض لوگوں نے تو تبلیغ ودعوت میں اس قدر افراط سے کام لیا کہ اس کو ہر حال میں اور ہر شخص کیلئے فرض قرار دیدیا اور بعض نے اس کی فرضیت واہمیت سے ایسا صرف نظر کیا کہ اپنے تابع فرمان اور زیرنگران کی اصلاح کی طرف سے بھی بالکل بے اعتنائی اور بے توجہی کر لی غرضیکہ افراط وتفریط دونوں قسم کی کوتاہیاں دعوت وتبلیغ کے کام میں بھی پائی جارہی ہیں حد یہ ہے کہ جن اکابر علماء کرام اور مشائخ عظام

نے دین کے مختلف ومتعدد شعبوں میں بڑی بڑی اور گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور انہوں نے اپنی تمام عمریں ہی دینی خدمات میں صرف فرمادی ہیں اور وہ حضرات شب وروز اشاعت دین اور خواص وعوام کی ظاہری وباطنی تعلیم وتربیت کے فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہیں ایسے حضرات پر بھی اسی طرز مخصوص اور نظام خاص کو لازم قرار دیا جاتا ہے اور اس طرز خاص پر عمل پیرانہ ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک تصور کیا جاتا ہے حدود سے تجاوز کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ غیر واجب نظام العمل کو سب پر واجب قرار دیدیا جائے اسی طرح مستحب وسنت کو واجب وفرض قرار دینا بھی تجاوز عن الحدود ہی ہے دعوت وتبلیغ کے آداب واحکام کے ساتھ آپ نے اس کتاب میں مبلغین اور داعیین کو افراط وتفریط سے بچنے کی بطور خاص ہدایت فرمائی اور دین کے تمام شعبوں کی اہمیت وضرورت کو اجاگر فرمایا ہے تاکہ کوئی شخص دین کے کسی بھی شعبہ کو بے کار نہ سمجھے۔

اس رسالہ میں آپ نے اصلاح وتبلیغ کے ایک انوکھے نظام صیانۃ المسلمین کا بھی تعارف کرایا ہے اور فرض عین وفرض کفایہ کی ضروری تفصیل کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانوی قدس سرہ کی جدوجہد کا جامع تذکرہ بھی آگیا ہے آپ نے یہ رسالہ ۱۹۷۸ء ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ میں مکمل فرمایا حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ کو پورا ملاحظہ فرما کر اس پر تقریظ تحریر فرمائی اس میں تحریر فرماتے ہیں:

احقر نے پورا رسالہ پڑھا ہے تبلیغی کاموں میں کوتاہیوں کی نشاندھی کی ہے سب کو ٹھنڈے دل سے کوتاہیوں کی اصلاح کر لینی چاہئے یا کوشش شروع کر دینی چاہئے کہ ایک دن کوتاہیوں کی تلافی کا بھی آجائے گا ورنہ کم سے کم کوتاہی کو کوتاہی تو سمجھیں کہ کبھی توفیق ہوجائے اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام طریقہ ہائے تبلیغ کو قائم دائم رکھیں اور کوتاہیوں سے پاک کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ہی اس کا تاریخی نام ''اسالیب التبلیغات'' رکھا جس سے اس کا سن تالیف ۱۹۷۸ء کے ساتھ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو رہا ہے کہ تبلیغ ودعوت کا کام کسی ایک طریقہ میں منحصر نہیں اس کے بہت سے طریقے ہیں اس رسالہ کا اصل مقصد بھی یہی تھا کہ اس کام میں مشغول حضرات افراط وتفریط سے باز رہیں اور کسی قسم کے غلو کا شکار نہ ہوں۔ یہ ایک خالصۃً علمی دینی اور فقہی واصلاحی کوشش تھی اس کا مقصد دین کے اہم شعبہ دعوت وتبلیغ یا اس کام میں مصروف اہل

حق کی کسی بھی جماعت کی نفی یا مخالفت نہیں تھی جیسا کہ اس کے بغور پڑھنے سے واضح ہے اسی لئے سنجیدہ اور علمی طبقہ نے اس کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا مگر افسوس کہ افراط وتفریط کے دام میں پھنسے ہوئے حضرات نے اپنی اصلاح سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اسے اپنے خلاف قرار دے کر مکروہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہ کتاب تبلیغ کے خلاف لکھی گئی ہے حالانکہ وہ آج تک اس کتاب میں تبلیغ کی مخالفت نہیں دکھا سکے والی اللہ المشتکی۔ کتاب پاکستان کے علاوہ ہندوستان میں بھی طبع ہوئی دعوت وتبلیغ میں مصروف دوستوں کیلئے یہ بہترین راہنما ہے حق تعالیٰ استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

۱۲۔ اصلاح امت کا طریق کار۔ تعلیم وتربیت تبلیغ ودعوت

امت کی دینی اصلاح وتربیت کا کام ہر دور میں حسب حالات تعلیم وتربیت اور تبلیغ دعوت کے ذریعہ انجام دیا جاتا رہا ہے اور ہر زمانہ میں علمأ کرام نے شب وروز کی محنت سے دینی درس گاہوں میں اور مشائخ عظام نے خانقاہوں اور باطنی تربیت گاہوں میں درس وتدریس اور تربیت باطنی کے ذریعہ خلق اللہ کی اصلاح کی، اسی طرح مبلغین اسلام نے بھی وعظ ونصیحت کے ذریعہ سے بے راہوں کو راہ راست پر لانے کی سعی اور کوشش فرمائی اس رسالہ میں تعلیم وتربیت۔ تبلیغ ودعوت کے نظام کی افادیت تعارف اور داعیین الی اللہ کی جدوجہد بطور خاص حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت شاہ محمد الیاس کاندھلویؒ کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے خانقاہ ومدارس کی اہمیت وضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

اصلاح امت کے طریق میں چونکہ تعلیم وتربیت تبلیغ ودعوت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے یہ اس رسالہ کا خاص موضوع ہے بعض توجہ طلب گذارشات اور اصلاحات بھی لکھی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے کوتاہیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے آپ نے یہ رسالہ ۱۴۰۰ھ میں تصنیف فرمایا جو دعوت وتبلیغ کے ساتھ ہی طبع ہو رہا ہے اس میں دینی مدارس کی اہمیت اور تاریخ کے حوالہ سے درج شدہ مواد نہایت مفید اور قیمتی ہے اس لئے اس کی الگ اشاعت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

۱۳۔ دعوت وتبلیغ اور دینی مدارس

دعوت تبلیغ کی شرعی حیثیت کے عرصہ دراز کے بعد ۱۴۱۵ھ میں آپ نے اس کا ضمیمہ بنام ''دعوت تبلیغ اور دینی مدارس''، تحریر فرمایا جس میں تبلیغ کے ساتھ دینی مدارس کی اہمیت اور خواتین کی تبلیغی جماعت کے متعلق خالص علمی اور فقہی نقطہ نگاہ سے کلام فرمایا گیا ہے یہ ضمیمہ الگ شائع ہو رہا ہے کتاب

کے جدید ایڈیشن میں اگراس کے ساتھ بھی طبع ہو جائے تو بہتر ہے۔

۱۴۔ اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام زکوٰۃ وعشر اور خراج کے احکام

حضرت والد صاحبؒ کا ایک مضمون ماہنامہ الرشید لاہور ماہ محرم الحرام ۱۳۹۴ھ میں ''عشر وخراج کے احکام'' کے نام سے طبع ہوا تھا مگر وہ مضمون مختصر تھا اس میں مزید اضافہ کی اشد ضرورت تھی اس لئے آپ نے رجب ۱۳۹۹ھ میں اس پر نظر ثانی فرما کر بہت سے مسائل کا اضافہ فرمایا اس میں زکوٰۃ کے احکام اوراس کے شرعی مصارف نیز اسلامی حکومت کے مالیاتی نظام کا اجمالی خاکہ کا تعارف بھی کرایا گیا اس تالیف عجیب میں بینک میں جمع شدہ رقوم کی زکوٰۃ اور اموال ظاہرہ وباطنہ کی تفصیل اور پراونڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کی تفصیل بھی آ گئی ہے ۔حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حرفاً حرفاً بغور سنا اور جا بجا مشورے پیش فرما کر عبارات میں تغیر وتبدل فرمایا اوراس پر ان الفاظ میں اپنی تقریظ تحریر فرمائی:

میں نے تالیف عجیب ''اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام'' اور زکوٰۃ وعشر وخراج کے احکام کو حرفاً حرفاً سنا اپنے مشورے بھی جگہ جگہ پیش کر کے درست کرایا اور اب اس کو قابل اطمینان سمجھتا ہوں صحیح مسائل کا ایک عجیب مجموعہ عین ضرورت کے وقت مفتی عبدالشکور صاحب نے مرتب فرما کر بہت بڑا کام انجام دیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو مقبول فرمائیں۔

حضرتؒ نے اس میں پاکستان کی عشری اور خراجی زمینوں پر بحث کے ساتھ اراضی نہر علاقہ فیصل آباد وسرگودھا پر بھی کلام کیا ہے آخر میں اسلامی بیت المال اوراس کے مصارف بھی بیان فرمائے ہیں یہ رسالہ دو مرتبہ کتب خانہ جمیلی لاہور سے شائع ہوا ہے مزید اضافات کے ساتھ اب پھر اس کی اشاعت کا ارادہ ہے۔ واللہ الموفق والمعین

۱۵۔ ضمیمہ

رسالہ ''اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام'' میں بعض مسائل قابل تحقیق اور بعض لائق اضافہ تھے حضرتؒ نے ضمیمہ کے طور پر ان مسائل کا اضافہ وتحقیق تحریر فرمائی یہ ضمیمہ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔

۱۶۔ فضائل جہاد

پاکستان میں رن کچھ کے علاقہ میں جب جہاد کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت علامہ ظفر احمد

عثمانی قدس سرہ سے جہاد کی فضیلت پر چالیس احادیث کے لکھنے کی فرمائش کی گئی ان دنوں حضرت والد صاحبؒ ٹنڈو الہ یار میں حضرتؒ کے ہاں مقیم تھے حضرت عثمانیؒ نے آپ کو فضائل جہاد پر چالیس احادیث مع ترجمہ لکھنے کیلئے فرمایا آپ نے علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الترغیب والترہیب سے ۴۶/احادیث مع ترجمہ لکھ کر حضرتؒ کی خدمت میں پیش کردیں آپ نے اس مجموعہ کو پسند فرمایا اور شروع میں پیش لفظ کا اضافہ بھی کیا جس میں حضرت والد صاحبؒ کا نام بھی تحریر فرمایا پھر یہ رسالہ حضرت علامہ عثمانیؒ کے نام ہی سے طبع ہوا۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ تصنیف و تالیف کے میدان میں مستقلاً یہ آپ کی پہلی کاوش تھی جو حضرت مولانا عثمانیؒ کے حکم سے وجود میں آئی اس کے بعد آپ نے اس شعبہ میں بھی خوب کام کیا جس کے نتیجہ میں کئی وقیع تصانیف اور بہت سے مقالات ومضامین آپ کے قلم حقیقت رقم سے لکھے گئے جن کا تعارف اس باب میں کرایا جارہا ہے۔

﴿۱۷۔ مودودی کے نظریات پر تحقیقی نظر﴾

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن کے نام سے بزعم خویش قرآن کریم کی جو تفسیر لکھی ہے اس میں جابجا جمہور اہل سنت کے متفقہ نظریات سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دی موصوف چونکہ باقاعدہ عالم نہیں ہیں اور نہ ہی فقہ اربعہ میں سے کسی ایک فقہ کے پابند ہیں ان کا مبلغ علم اردو کتابوں کے مطالعہ تک محدود ہے اس لئے انہوں نے قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر میں مسلک حق کی پابندی کے بجائے آزادی رائے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے سخت گمراہی پھیلنے کا اندیشہ تھا اس لئے علمائے کرام نے ان کے افکار کی تردید کی حضرت والد صاحبؒ نے بھی اسی وجہ سے موصوف کے نظریات کا تحقیقی جائزہ لے کر ان کے خیالات کی تردید فرمائی ہے اس رسالہ پر حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ کی مبسوط تقریظ بھی ثبت ہے یہ رسالہ ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا مگر اس وقت نایاب ہے دور حاضر میں مودودیت کے بڑھتے ہوئے فتنے کی وجہ سے انتہائی ضرورت ہے کہ اس قسم کے علمی تحقیقی مضامین کی بار بار اشاعت کی جائے تاکہ مسلمان ان فتنوں سے محفوظ رہ سکیں۔

﴿۱۸۔ عقائد علماء دیوبند﴾

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے جب حسام الحرمین کے نام سے حضرات اکابر علمائے دیوبند کے خلاف اپنی تکفیری مہم چلائی اور ان حضرات کی اردو عبارات کے ترجمے خود

اپنی طرف سے کر کے حرمین شریفین کے علمأ کرام کو پیش کیئے ان حضرات نے ان ترجموں پر اعتماد کرتے ہوئے فاضل بریلوی کے تکفیری فتویٰ پر دستخط کر دیئے اس طرح موصوف بزعم خویش اپنی چال میں کامیاب ہوکر واپس ہندوستان لوٹ آئے اور یہاں تکفیری فتاویٰ کی اشاعت سے مسلمانوں کے دومکتب فکر میں کفر واسلام کی خلیج حائل کر دی اور ایک بہت بڑے طائفہ مسلمہ کو بلاوجہ کافر بنادیا جس سے ہرطرف فساد فتنہ پیدا ہوااور مسلمانوں میں بغض وعداوت اور نفرت پھیل گئی ادھر علمأ حرمین شریفین جن کو فاضل بریلوی نے دھوکہ دیا یہی سمجھ رہے تھے کہ جوعقائد مولانا احمد رضانے ان کی طرف منسوب کئے ہیں ان کے یہی عقائد ہیں حالانکہ علمأ دیو بندان عقائد سے بالکل بری تھے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جوان دنوں مدینہ منورہ میں مقیم اور وہاں حرم نبوی میں استاذ تھے جب انہیں اس سازش کا علم ہوا تو آپ نے علمأ حرمین کو اصل صورت حال سے آگاہ کیا اور فاضل بریلوی کے دجل وفریب کا پردہ چاک فرمایا اصل صورت حال معلوم ہونے پر حضرات علمأ حرمین نے اپنی تصدیقات سے رجوع فرمایا اور تکفیر کے فتویٰ سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے فاضل بریلوی کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار بھی فرمایا پھر علمأ دیو بند سے ان کے عقائد کے متعلق صحیح صورت حال کی وضاحت کیلئے ان حضرات نے چند سوالات بھی ارسال فرمائے جس کا جواب اس وقت علمأ دیو بند کے سرخیل حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپویؒ نے تحریر فرمایا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمود حسن صاحب دیو بندیؒ سے لے کر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ دھلویؒ تک تمام علمأ دیو بند کی تصدیقات اس پر ثبت ہیں یہ جوابی رسالہ جو در حقیقت علمأ دیو بند کی متفقہ عقائد کی دستاویزات ہے ''المہند علی المفند'' کے نام سے طبع ہوا حضرات علمأ حرمین شریفین نے اس کو پڑھ کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور بڑی شاندار تقاریظ اس پر تحریر فرمائیں اردو میں یہ رسالہ عقائد علمأ دیو بند کے نام سے طبع ہوتا رہا حضرت والد صاحبؒ اسی المہند کی تلخیص عقائد علمأ دیو بند کے نام سے فرمائی اور اس پر اپنے دور کے بڑے حضرات سے تصدیق بھی حاصل فرمائی اس کے ساتھ اس میں بعض اہم عقائد کا اضافہ بھی فرمایا۔ آپ کا یہ رسالہ پہلی مرتبہ مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کی طرف سے شائع ہوا اور پھر اصل کتاب المہند کے ساتھ طبع ہوا جس کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے احقر نے اس کی مزید تلخیص کی اور اس پر بھی بہت سے علمأ کرام کی تصدیقات حاصل کر کے اس کو خلاصہ عقائد علمأ دیو بند کے نام سے پمفلٹ اور اشتہار کی صورت میں بارہا شائع کیا

اس سے عوام کو علمائے دیوبند کے صحیح عقائد کا علم ہوا اور اہل بدعت نیز مماتیوں نے جو غلط پروپگنڈا کیا تھا کافی حد تک اس کا ازالہ ہوا والحمدللہ علی ذالک۔ اس وقت یہ رسالہ جس پر تمام اکابر علمائے دیوبند کے دستخط ہیں الگ اور المہند کے ساتھ برابر شائع ہو رہا ہے اور عوامی حلقوں میں بھی اس کی طلب روز بروز بڑھ رہی ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اس کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت ہے۔

۱۹،۲۰۔ فیض روحانی از اولیائے ربانی مع تسہیل الارشاد

یہ دراصل علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے رسالہ الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد کا خلاصہ ہے اس میں استمداد کی جائز اور ناجائز صورتیں اور ان کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ استعانت کے اقسام و احکام یاد رکھنے کیلئے یہ رسالہ بہت مفید ہے بعض اکابر بیضاوی کے مقام ایاك نعبد و ایاك نستعین میں اس رسالہ کو پڑھاتے بھی رہے ہیں حضرت مولانا عثمانیؒ نے اس کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت والد صاحب مرحوم کو اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

عزیزم سلمہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اس کا نام خلاصۃ الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد رکھ دیا جائے ماشاءاللہ اچھا خلاصہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور قبول فرمالیں انتہیٰ۔

یہ رسالہ فیض روحانی از اولیائے ربانی کے نام سے ماہنامہ الصدیق ملتان میں اور پھر مستقلاً بھی طبع ہوا حضرت علامہ عثمانیؒ کا رسالہ الارشاد خاصا علمی اور دقیق رسالہ تھا افادہ عام کیلئے اس کی تسہیل کی ضرورت تھی حضرت والد صاحبؒ نے "تسہیل الارشاد" کے نام سے اس کی تسہیل بھی فرمائی مگر اب تک یہ تسہیل شائع نہیں ہوئی خلاصۃ الارشاد مع تسہیل الارشاد اپنے موضوع پر بہت عمدہ تحریرات ہیں یکجا طبع ہو جائیں تو زیادہ بہتر ہے واللہ الموفق والمعین

۲۱۔ ادراک الفضیلۃ

وسیلہ کے مسئلہ پر یہ ایک محققانہ اور جامع مضمون ہے جمہور اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کے مسلک کے مطابق اس میں وسیلہ بالذات اور وسیلہ بالاعمال کے جواز پر دلائل کے ساتھ کلام کیا گیا ہے مدرسہ اشرف العلوم ہرنولی نے اس کو رسالہ کی صورت میں الگ شائع کیا ہے۔

۲۲ تا ۲۵۔ اشرف المعارف

حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی ذات گرامی علم و عمل اور شریعت و طریقت کی

جامع تھی آپ بیک وقت محدث مفسر فقیہ اور معقول منقول کے ماہر تھے حضرت مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی مدظلہم نے حضرت اقدسؒ کی ہمہ پہلو شخصیت پر اہل علم وفضل سے مقالات لکھوا کر انہیں اشرف المقالات کے نام سے دو جلدوں میں مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کی طرف سے شائع فرمایا یہ کتاب ۲۴ مقالات پر مشتمل ہے جن میں تفسیر حدیث اور تجوید وقرأت سے متعلق تین مقالے حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ نے تحیر فرمائے اور کتاب اشرف المقالات پر وقیع علمی مبسوط مقدمہ بھی تحریر فرمایا جو بذات خود ایک مستقل مضمون ہے۔ حضرتؒ کے تحریر فرمودہ یہ تینوں مقالات عجیب وغریب تحقیقات عالیہ اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے بیان فرمودہ نکات پر مشتمل ہیں اپنی افادیت واہمیت کے پیش نظر ان کی الگ اشاعت وقت کا اہم تقاضہ تھا چنانچہ اشرف المعارف کے نام سے حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم نے یہ تینوں مقالات مع مقدمہ الگ شائع فرمادیئے ہیں جو ۳۴۶ صفحات پر مشمل ہیں۔ یہ سب مقالات اہل علم کیلئے ایک عظیم تحفہ ہیں بہت سے علمأ کرام نے ان کو پڑھ کر اپنی خوشی اور مسرت کا ظہار فرمایا ہے بطور خاص حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم نے بڑی تحسین فرمائی۔

﴿۲۶۔ مسلک ومشرب پر تحقیقی نظر﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرات علمأ دیوبند کے وہی عقائد ہیں جو اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقائد ہیں ان کا مسلک ومشرب بھی ان کے عین مطابق ہے مسائل میں یہ حضرات فقہ حنفی کے مفتی بہ مسائل پر عمل پیرا ہیں اہل بدعت بھی اگر چہ اپنے آپ کو اہل سنت اور حنفی کہلاتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ بہت سے عقائد اور مسائل میں اہل سنت سے ہٹے ہوئے ہیں اور فقہأ حنفیہ کے مفتی بہ مسائل سے ان کا عمل مختلف ہے اسی وجہ سے علمأ دیوبند کا ان سے اختلاف رہتا ہے یہ حضرات بھی اس اختلاف کو حدود پر نہیں رکھتے بلکہ اس میں غلو اور تشدد آجاتا ہے جس کی وجہ سے دیوبندی بریلوی دو مکاتب فکر میں باہم جنگ وجدل کا میدان گرم ہو جاتا ہے اور عوام کو اس سے سخت نقصان پہنچتا ہے دونوں جانب کے معتدل حضرات اس نزاع کی کبھی بھی حوصلہ افزائی نہیں کرتے لیکن اکثریت کم علم حضرات کی ہے اس لئے معاملہ بعض اوقات سنگین حیثیت اختیار کر جاتا ہے اس تشویشناک صورت حال کے پیش نظر فریقین کا سنجیدہ طبقہ ہمیشہ ان مکاتب فکر کے مابین قدر مشترک امور پر اتحاد

اوراختلافی امور میں عوام کو راہ اعتدال پر رکھنے کی کوشش کرتا رہا ہے ان دونوں مکاتب فکر میں اصل اتحاد واتفاق تو اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ اعلیٰ حضرت کا فتویٰ تکفیر واپس لیا جائے اور پھر دونوں مکاتب فکر فقہ حنفی کے مفتی بہ اقوال اور روایات پر کار بند ہوں اس طرح یہ خلیج آسانی سے پاٹ سکتی ہے ورنہ ظاہر ہے بدعات ورسومات اور بعض ایسے عقائد جو اہل سنت کے خلاف ہوں ان کو اپنا کر ان سے کیسے اتحاد کیا جاسکتا ہے؟ بعض حضرات نے اسی جذبہ اتحاد کے پیش نظر ''اکابر کا مسلک ومشرب'' نامی رسالہ لکھا اور اہل بدعت میں مروج تمام رسومات وبدعات کو ہی علمأ دیوبند کا مسلک ومشرب قرار دے دیا اور تأثر یہ دیا کہ جو کچھ بدعات بریلوی مکتب فکر میں رائج ہیں علمأ دیوبند بھی ان کو نہ صرف صحیح بلکہ انہیں کرتے چلے آئے ہیں اس طرح گویا دونوں مکاتب فکر میں کوئی فرق نہیں ہے یہ متحد اور متفق ہیں جو حضرات اس میں اختلاف رکھتے ہیں انہیں علمأ دیوبند کا مسلک ومشرب سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ اصل مسلک ومشرب ان کا یہی ہے جس پر بریلوی حضرات کا عمل ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

افسوس کہ جن حضرات نے ہمیشہ بدعات ورسومات کے خلاف جہاد کیا اب انہی رسومات وبدعات کو ان کا مسلک ومشرب قرار دے دیا گیا والی اللہ المشتکی۔ اس رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' سے عوام کے گمراہ ہونے کا سخت اندیشہ تھا اس لئے انتہائی ضرورت تھی کہ اس کا رد لکھا جائے امیر تحریک خدام اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم نے بطور خاص اس ضرورت کا اظہار فرمایا اور حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ سے بالمشافہ اس کا جواب لکھنے کیلئے اصرار فرمایا آپ نے اپنی علالت اور کمزوری نیز دیگر اہم علمی مشاغل کے باوجود اس رسالہ کا جواب لکھا اور اکابر کے مسلک ومشرب کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کر دیا آپ کا یہ رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب پر تحقیقی نظر'' کے نام سے جامعہ خالد بن ولید وہاڑی سے شائع ہوا اس جوابی رسالہ میں آپ نے مذکورہ رسالہ کا تعاقب کرتے ہوئے چند اصول بھی بیان فرمائے ہیں جن سے بدعات ورسومات کی ممانعت واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ آپ اس رسالہ کی تالیف سے ۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ کو فارغ ہوئے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم نے اس پر جو تقریظ تحریر فرمائی اس کے چند جملے یہ ہیں۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب وغیرہ کا بیان کردہ ''مسلک ومشرب'' چونکہ حضرات اکابر دیوبند کے اصلی مسلک ومشرب کے خلاف ہے اس لئے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی زید فضلہم

نے اس مضمون پر قلم اٹھایا اور محکم دلائل و براہین سے تحقیقی انداز میں اس کا ردفرما دیا ہے جزاہم اللہ خیرالجزاً...... یہ رسالہ اصل موضوع میں کافی شافی ہے اللہ تعالیٰ قبول ونافع فرمائیں آمین۔

اپنے موضوع پر یہ رسالہ واقعتاً ایک کسوٹی اور معیار کا درجہ رکھتا ہے اکابر کے مسلک ومشرب کے سمجھنے میں اس سے پوری راہنمائی لی جاسکتی ہے۔

﴿ ۲۷۔تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت اور علمأ دیوبند کا کردار ﴾

آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ نئی نسل کو اس بات سے روشناس کرایا جائے کہ تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت کیا ہے اور یہ کہ اس تحریک میں علمأ دیوبند نے کتنا اہم کردار ادا کیا تھا عام طور پر جو پروپیگنڈا کیا جاتا ہے اس سے اکثر حضرات یہی سمجھتے ہیں کہ علمأ دیوبند نے تحریک پاکستان میں نہ صرف یہ کہ حصہ نہیں لیا بلکہ اس کی مخالفت کی اور پاکستان کی تحریک کوئی مذہبی تحریک نہیں تھی یہ خالصۃً ایک سیاسی مطالبہ تھا حضرت اقدسؒ نے اپنے اس رسالہ میں پاکستان کی شرعی حیثیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ تحریک پاکستان میں علمأ دیوبند کے عظیم کردار کو بھی بیان فرمایا ہے اس رسالہ سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ پاکستان کا مطالبہ سیاسی نہیں بلکہ شرعی بنیاد پر تھا اور علمأ دیوبند کے ایک طبقہ نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان کی خدمات کے اعتراف میں ہی بانی پاکستان نے ان حضرات کو پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کا اعزاز بخشا۔اب بھی ضرورت ہے کہ اس رسالہ کو زیادہ سے زیادہ تقسیم کیا جائے کیونکہ ابھی تک پروپیگنڈے کا سلسلہ برابر جاری ہے اس لئے قوم کے سامنے صحیح صورت حال کا لانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

﴿ ۲۸۔اسمبلی کی ذمہ داری ﴾

چونکہ پاکستان کے آئین میں یہ طے ہے کہ اس ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور یہ کہ یہاں کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور جتنے قوانین اسلام کے خلاف موجود ہیں ان کو بدل دیا جائے گا جس کیلئے ''نظریاتی کونسل'' کی سفارشات کو بھی اہمیت دی جائے گی اس سلسلہ میں چونکہ اسمبلی بھی ایک مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے اس لئے حضرت والد صاحبؒ نے یہ رسالہ تحریر فرما کر ارکان اسمبلی کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا کہ وہ آئین کے مطابق تمام قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کیلئے اپنی ذمہ داری پوری کریں اور اسلامی نظریاتی کونسل نے جن قوانین

کو نافذ کرنے کی سفارش کی ان کو اسمبلی فی الفور منظور کرکے ملک میں ان کے نفاذ کی راہ ہموار کرنے میں اپنا کردار ادا کرے آپ کا یہ مضمون مختلف رسائل میں بھی شائع ہوا اور تمام ارکان اسمبلی کو بھی پہنچایا گیا پھر الگ بھی طبع ہوا اس رسالہ میں آپ نے ۲۲ رنکات اوران قوانین کا بھی ذکر کیا ہے جو اسلام کے مطابق ہیں اوران کو نافذ بھی کردیا گیا ہے اسمبلی اگر اپنی یہ آئینی ذمہ داری پوری کرے تو بلاشبہ تمام قوانین اسلام کے مطابق نافذ ہو سکتے ہیں واللہ الموفق والمعین۔

۲۹۔ سفر نامہ تھانہ بھون و دیوبند

۱۴۰۰ھ مارچ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجتماع منعقد ہوا جس کا مقصد سو سالہ خدمات کا تعارف اور فضلأ دارالعلوم کو دستار فضیلت عطا کرنا تھا اس عظیم الشان تاریخی اور عالمی اجتماع میں شرکت کیلئے دنیا بھر سے علمأ کرام اور دیگر حضرات نے شرکت کی لاکھوں افراد پر مشتمل یہ مبارک اجتماع تین دن تک جاری رہا اس دوران ایک میلہ کا سا سماں تھا ہر طرف انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دیتا تھا عالم اسلام کے ممتاز علمأ کرام اور نامور شخصیات کی تقاریر ہوئیں مختلف مما لک نے اپنے وفود اور نمائندے بھی بھیجے بھارت کی حکومت نے بھی مہمانوں کو خوش آمدید کہا پاکستان سے علما کا قافلہ ایک اسپیشل ٹرین میں روانہ ہوا حضرت اقدس والد صاحبؒ کے ساتھ خوش قسمتی سے احقر بھی اس مبارک وخوشگوار سفر میں شریک تھا تین دن دیوبند میں قیام رہا اجتماع کے پروگرام میں شرکت کے علاوہ وہاں کے اہم مقامات مقابر اور مساجد کی بھی زیارت کی اس کے بعد نانوتہ اور تھانہ بھون جلال آباد کا بھی ایک مختصر دورہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی وہاں سے واپسی پر حضرت والد صاحبؒ نے اس سفر کی روئیداد تحریر فرمائی جس میں اس عظیم الشان تاریخی اجتماع کے حالات کے ساتھ اکابر کے مبارک حالات کا تذکرہ بھی آ گیا ہے اس طرح یہ محض ایک سفر کی روئیداد نہیں بلکہ اکابر کے حسین تذکرہ پر مشتمل ایک تاریخ بھی ہے کراچی مکتبہ نعمانیہ نے اسے عرصہ ہوا شائع کیا تھا اب تقریباً نایاب ہے۔احقر نے بھی واپسی پر سفر نامہ لکھا تھا مگر اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔

۳۰۔ تعلیم قرآن کی ضرورت واہمیت

اس رسالہ میں قرآن کریم کی تعلیم کی ضرورت واہمیت کو تفصیلاً بیان فرمایا گیا ہے جو لوگ قرآن کریم کی تعلیم کو غیر اہم یا معمولی سمجھ کر اپنے بچوں کو قرآن کریم نہیں پڑھاتے یا اس تعلیم کیلئے ان

کو وقف نہیں کرتے ان کی اس کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے اس کے علاوہ تلاوت قرآن کریم جو مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد ہے اس کی اہمیت پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے بعض حضرات کا یہ قول کہ الفاظ پڑھنے کا کیا فائدہ ہے اس کا مدلل رد کیا گیا ہے اپنے موضوع پر یہ نہایت جامع اور عمدہ رسالہ ہے مدرسہ فتحیہ سلانوالی نے اسے شائع کیا ہے۔

﴿ ۳۱۔ دینی مدارس اور جبریہ تعلیم ﴾

بحیثیت مسلمان ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو سب سے پہلے دین کی تعلیم دے انہیں ابتداً سے ہی قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم دلوائے ظاہر ہے کہ یہ فریضہ اسی صورت میں ادا ہوسکتا ہے کہ ابتدائے عمر میں بچوں پر کسی اور تعلیم کو جبراً لازم نہ کیا جائے چونکہ گورنمنٹ کی طرف سے بعض اوقات اس قسم کے احکامات صادر ہوتے رہتے ہیں جن سے جبریہ تعلیم کے پروگرام کا پتہ چلتا ہے جس سے دینی مدارس سے ان کا تصادم واضح ہے اس لئے آپ نے اس موضوع پر یہ رسالہ لکھ کر ثابت کیا ہے کہ یہ قانون ناجائز ہے مسلمانوں کو اس کا پابند کرنا درست نہیں ہے برطانیہ دور حکومت میں بھی اس طرح کا قانون بنایا گیا تھا جسے اس دور کے علمائے کرام نے منسوخ کرایا اس کا تذکرہ بھی آپ نے اس رسالہ میں فرمایا ہے۔

﴿ ۳۲۔ تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن ﴾

حکیم الامت مجدد ملت حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تفسیر بیان القرآن ایک بے نظیر تفسیر ہے وقت کے اجلہ علمائے کرام اور نابغہ رزگار ہستیوں نے اس کی افادیت وجامعیت کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے یہ ساری تفصیل حضرت والد صاحبؒ نے اپنے مقالہ ''حضرت حکیم الامت کی تفسیری خدمات'' میں بیان فرمادی ہے اس موضوع پر یہ مقالہ ایک خاصہ کی چیز ہے اہل علم اس کی طرف ضرور مراجعت فرمائیں۔

بیان القرآن جب پہلی مرتبہ شائع ہوا تو اہل علم کے متوجہ کرنے سے معلوم ہوا کہ بعض مقامات پر نظر ثانی کی ضرورت ہے چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ کی مشارکت سے بیان القرآن پر نظر ثانی فرمائی اور کئی مقامات پر اصلاح وترمیم فرما کر مکمل بیان القرآن کے نام سے ۱۳۵۲ھ میں اسے شائع کرایا اور اس جدید ایڈیشن میں بعض نئے

مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا اس کے باوجود ترجمہ میں کہیں کہیں بعض حروف کا ترجمہ رہ گیا جس کی طرف مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم نے حضرت حکیم الامتؒ کو متوجہ کیا حضرت نے ان سب حروف وکلمات کا ترجمہ تحریر فرمادیا مولانا دریا آبادی کی کتاب ''نقوش وتأثرات'' کے سینکڑوں صفحات پر یہ ترجمہ منتشر ومتفرق طور پر موجود ہے ضرورت تھی کہ اسے بیان القرآن کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا جائے حضرت والد صاحبؒ نے بڑی محنت سے اس تمام منتشر مواد کو جمع اور مرتب فرمایا اور ''تتمۃ البیان فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے بیان القرآن مطبوعہ مکتبہ الحسن لاہور کے ساتھ بطور تتمہ اس کے دو حصے طبع ہوئے۔ آپ نے اس کے شروع میں ایک وقیع پیش لفظ بھی تحریر فرمایا جس میں بیان القرآن کی افادیت اور تتمۃ البیان کی ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے بیان القرآن کے ساتھ اور الگ اس کی مکمل اشاعت کی اب بھی ضرورت ہے آپ کے اس رسالہ پر علامہ ظفر احمد عثمانی حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہم کی تائیدی تحریر بھی موجود ہے۔

۳۳۔ حضرت حکیم الامت تھانوی اور مجلس صیانۃ المسلمین

مجلس صیانۃ المسلمین ایک اصلاحی تحریک اور جماعت ہے جس کو وقت کے مجدد اور حکیم الامۃ نے امت مسلمہ کی اصلاح کیلئے ۱۳۴۹ھ میں قائم فرمایا تھا حضرت حکیم الامت کے ہزاروں متوسلین اس سے وابستہ ہیں قیام پاکستان کے بعد اب اس کا دفتر جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہے جبکہ مستقل مرکز سندر بستی لاہور میں قائم ہے اس جماعت کی ضرورت اور افادیت پر حضرت والد صاحبؒ نے یہ رسالہ جناب حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہ کی فرمائش پر لکھا جو مجلس کی طرف سے ہی شائع ہوا۔

۳۴۔ علامہ افغانیؒ کی تفسیری خدمات

حضرت علامہ شمس الحق افغانی عالم اسلام کی ایک عظیم علمی شخصیت تھے ان کی علمی دینی خدمات پر ان کی وقیع علمی کتابیں شاہد عدل ہیں ان کے صاحبزادہ گرامی نے ''نقوش افغانی'' کے نام سے آپ کے حالات وکمالات پر مشتمل کتاب شائع کی ہے جس میں تفسیری خدمات سے متعلق حضرت اقدس والد صاحبؒ کا مفصل علمی اور محققانہ مقالہ بھی شامل ہے یہ مقالہ مستقل مضمون ورسالہ کی حیثیت رکھتا ہے اس سے حضرت علامہ افغانیؒ کی علم تفسیر میں خدمات پر سیر حاصل روشنی پڑتی ہے۔

حضرت والد صاحبؒ نے علامہ افغانیؒ کی کتاب علوم القرآن کے تعارف کے ساتھ اس کی بعض عبارات کی ایسی توضیح وتشریح بھی فرمائی ہے جس سے اس پر کیئے جانے والے اعتراضات وشبہات ختم ہو جاتے ہیں۔

پھر مختصراً ان کی دیگر کتب کا بھی جامع تعارف کرادیا ہے ''احرف سبعہ'' کی بحث اس کتاب کا اہم حصہ ہے۔آخر میں حضرت افغانیؒ کے بعض مکتوبات بھی شامل مقالہ ہیں یہ مقالہ اہل علم کیلئے بہت کام کی چیز ہے۔

﴿ ۳۵۔ السداد لمن تخبط فی عقوبۃ الارتداد ﴾

مرتد کی سزا اسلام میں قتل یہ مجمع علیہ مسئلہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لیکن جب حکومت پاکستان سے اس سزا کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا تو مخالفین نے پروپیگنڈا شروع کر دیا اور ارتداد کی سزا پر شبہات واعتراضات کئے حضرت والد صاحبؒ نے یہ مضمون اسی زمانہ میں تحریر فرمایا جو ماہنامہ ''الحق''اکوڑہ خٹک میں شائع ہوا

﴿ ۳۶۔ مقام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ﴾

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ترجمان السنۃ کی روشنی میں آپ نے یہ مقالہ تیار فرما کر ''الحق''میں شائع کرایا حال ہی میں ماہنامہ ''لولاک'' نے بھی اسے شائع کیا ہے۔

﴿ ۳۷۔ اسلام میں معاشی مسئلہ کا اخلاقی حل ﴾

معاش کا مسئلہ انسان کیلئے ایک بہت بڑا چیلنج ہے اسلام نے اس کا جو اخلاقی حل پیش کیا ہے اس مضمون میں اسے بیان کیا گیا ہے ماہنامہ الحق نے اسے اپنے رسالہ میں شائع کیا

﴿ ۳۸۔ سرمایہ داری اشتراکیت اور اسلام ﴾

اسلام نے مسلمانوں کو معیشت کا جو نظام عطا کیا ہے اس میں انتہائی توازن کے ساتھ عدل وانصاف کے فلسفہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے اس کے برخلاف سرمایہ داری اور اشتراکیت یہ دونوں نظام افراط وتفریط کا شکار اور اسلام کے نظام معیشت سے متصادم ہیں۔

اس مضمون میں ان دونوں نظاموں کے تقابلی جائزہ کے ساتھ اسلام کے نظام معیشت کی حقانیت کو واضح کیا گیا ہے آپ کا یہ مضمون ماہنامہ البلاغ کراچی نے دو قسطوں میں شائع کیا

﴿ ۳۹۔ عشر وخراج کے احکام ﴾

عشر وخراج کے احکام کی پوری تفصیلات حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی کتاب ''نظام آراضی اورانورالسراج'' میں موجود ہیں آپ نے یہ مضمون اسی کی روشنی میں تحریر فرما کر ماہنامہ الرشید ساہیوال میں شائع کرایا

﴿ ۴۰،۴۱۔ اسلام میں جہاد کا مقصد اور مقام۔فضائل جہاد مختصر ﴾

ان رسائل میں جہاد کے مقصد اور مقام کے ساتھ جہاد کے فضائل کو مختصر طریقہ پر بیان کیا گیا ہے

﴿ ۴۲۔ حالات حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ ﴾

دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس خدامست درویش ولی کامل استاذالکل حضرت مولانا مملوک علی کے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے یہ مختصر حالات ہفت روزہ ''خدام الدین'' میں شائع ہوئے۔

﴿ ۴۳۔ مسئلہ عصمت انبیاء کرام علیہم السلام ﴾

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا مگر بعض متجددین نے اس میں بھی رائے زنی سے کام لیا حضرتؒ نے یہ مضمون انہی کے رد میں تحریر فرمایا ہے جو خدام الدین کی آٹھ قسطوں میں شائع ہوا

﴿ ۴۴۔ رویت ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت ﴾

آپ کا یہ مضمون کئی قسطوں میں ہفت روزہ الجمعیت پنڈی نے شائع کیا اس میں رویت ہلال کے فیصلوں کی شرعی حیثیت پر کلام کیا گیا ہے

﴿ ۴۵۔پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں مرکزی جمعیت کے راہنماؤں کا حصہ ﴾

اس موضوع پر آپ کا یہ مضمون ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور نے شائع کیا یہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے۔

﴿ ۴۶۔ علامہ عثمانیؒ کی سیاسی خدمات ﴾

علامہ ظفر احمد عثمانی تھانویؒ نے تحریک پاکستان میں جو نمایاں خدمات انجام دیں وہ تاریخ کا سنہری باب ہیں آپ کی سیاسی خدمات پر مشتمل یہ مضمون ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور نے شائع کیا۔

۴۷۔ فتویٰ کی حقیقت اوراس کی شرعی حیثیت

۱۹۷۰ء میں سوشلزم کے خلاف جب ملک کے مقتدر علماء کرام نے کفر کا فتویٰ دیا تو مخالفین نے اس فتویٰ کی حیثیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی حضرتؒ نے یہ مضمون اس فتویٰ کی تائید اور مخالفین کے اعتراض کے جواب میں تحریر فرمایا اوران کے استدلال کے مسکت جواب دیئے یہ مضمون بھی ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور میں ہی طبع ہوا

۴۸۔ اتباع سنت اور صوفیائے کرام

صوفیاء کے بارہ میں عوام میں یہ تأثر پایا جاتا ہے کہ یہ حضرات سنت کی پابندی نہیں فرماتے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک صوفی نہیں بن سکتا جبتک کہ وہ سنت کی اتباع نہ کرے آپ نے اس مضمون میں صوفیاء کرام کے ان واقعات کو بیان فرمایا ہے جس سے سنت کا اتباع واضح ہے ماہنامہ الصدیق ملتان میں شائع ہوا

۴۹۔ علماء کی عزت امرا کی نظر میں

مسلمان حکمران اور سلاطین کے ہاں علمأ کرام کی کیا وقعت اور عظمت تھی اس مضمون میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے ماہنامہ الصدیق ملتان نے ہی شائع کیا

۵۰۔ دعوت الی الخیر کے آداب

دعوت الی الخیر مسلمانوں کی ایک اہم ذمہ داری ہے لیکن اس کے آداب وشرائط کیا ہیں اس میں ان سے بحث کی گئی ہے ماہنامہ ''الخیر'' ملتان کے آغاز پر آپ نے یہ مضمون مدیر الخیر کی فرمائش پر تحریر فرمایا تھا جو اس میں شائع ہوا۔

۵۱۔ دینی مدارس کا نصاب

۱۹۷۹ء میں حکومت پاکستان نے جب دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی کا پروگرام بنایا تو اس موقع پر آپ نے یہ مضمون الحق میں شائع کرایا۔

۵۲۔ شخصی ملکیت اور اسلام

قومی ملکیت اور اسلام کے نام سے ماہنامہ بینات کراچی میں ایک مضمون شائع ہوا جس سے یہ تأثر مل سکتا تھا کہ اسلام میں شخصی ملکیت درست نہیں ہے آپ نے اسی لئے شخصی ملکیت اور اسلام

کے نام سے مضمون لکھا اوراس میں دلائل سے ثابت فرمایا کہ اسلام میں شخصی ملکیت کا بھی تحفظ موجود ہے ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ ماہنامہ بینات کراچی ہی میں آپ کا یہ مضمون شائع ہوا۔

۵۳۔ تذکرۃ الشیخ

برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کی ہستی عالم اسلام کی عظیم شخصیت ہے آپ قرآن وسنت کے ماہر اورعلم حدیث کے زبردست فاضل اوراپنے دور کے بہت بڑے عالم اورولی کامل تھے عرصہ دراز تک آپ نے حدیث پاک کا درس دیا شیخ الحدیث کا لقب آپ کی ہستی کیلئے جز ولا ینفک کی حیثیت اختیار کرگیا تھااورآپ بجا طور پر اس کے مصداق تھے درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف اصلاح وارشاد کا سلسلہ بھی آپ نے برابر جاری رکھا آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد لاکھوں سے بھی متجاوز ہے بہت سے حضرات نے آپ کی سوانح حیات مرتب فرمائی حضرت والد صاحبؒ نے بھی ''تذکرۃ الشیخ'' کے نام سے ایک مقالہ آپ کے حالات پر تحریر فرمایا تھا جس میں آپ کی عبقری شخصیت کا تعارف کسی قدر جامعیت کے ساتھ آ گیا ہے یہ مقالہ ماہنامہ البلاغ کراچی کی گیارہ قسطوں میں طبع ہوا۔

۵۴۔ تذکرۃ المتینؒ

حضرت والد صاحبؒ نے انبالہ چھاؤنی کے زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا متین الخطیبؒ سے بھی تعلیم حاصل کی تھی اس مضمون میں ان کے حالات وواقعات بیان فرمائے ہیں۔یہ مضمون ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی میں طبع ہوا۔

۵۵۔ ذکر طیبؒ

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق یہ مضمون جناب حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری کی کتاب میں طبع ہوا۔

۵۶۔ ذکر خیر یاد شریف

مخدوم العلماءٔ والصلحاءٔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ اورآپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق یہ مضمون بھی جناب حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری کی کتاب میں شائع ہوا۔

۵۷۔ حالات حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ

کتاب ''تذکرہ خطیب الامت'' میں خطیب ملت کی ذات اوران کے علمی وسیاسی افکار اورنظریات سے متعلق حضرت کا یہ مضمون بہت ہی مفیداورمعلومات افزا بلکہ دافع شبہات ہے۔

۵۸۔ خودنوشت

جناب قاری فیوض الرحمٰن صاحب اورحافظ محمد اکبرشاہ بخاری صاحب کی فرمائش پرحضرت نے اپنے حالات تحریرفرمائے تھے یہ دوالگ الگ مضمون ہیں پہلامضمون البلاغ کے مفتی اعظم نمبر میں اوردوسرا ہفت روزہ لولاک ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا آپ کی سوانح اورحالات زندگی کیلئے یہ دونوں مضامین متن کا درجہ رکھتے ہیں۔

۵۹۔ اتحادملت کا چارنکاتی فارمولا

جمعیت علمأ پاکستان کے راہنما مولانا عبدالستار نیازی مرحوم نے دیوبندی بریلوی نزاع کے خاتمہ کیلئے مذکورہ عنوان سے ایک فارمولا اخبارات میں شائع کرایا حضرت والدصاحبؒ نے یہ مضمون اس کے جواب میں تحریرفرمایا جس میں ان دونوں مکاتب فکر کے مابین حقیقی خاتمہ کا فارمولا پیش کرنے کے ساتھ موصوف کے فارمولا میں جوسقم تھا اسے بھی بیان فرمایا گیا ہے آپ کا یہ مضمون اس وقت کے قومی اخبارات نے بھی شائع کیا تھا یہ ۱۹۸۳ء کا واقعہ ہے۔

۶۰۔رہائش اورتعمیرات کی شرعی حیثیت

روزنامہ نوائے وقت نے ایک صاحب کا مضمون شائع کیا جس میں انہوں نے تعمیرات کے عدم جواز پرزوردیا تھا حضرتؒ نے اپنے اس مضمون میں شرعی نقطہ نگاہ سے اس کا تعاقب فرمایا اورروزنامہ نوائے وقت ہی میں یہ مضمون شائع کرایا۔

۶۱۔ حالت احرام میں پردہ کا حکم

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں انہوں نے حالت احرام میں خواتین کے پردہ پرگفتگو کرتے ہوئے موجودہ حالات میں گنجائش پر زوردیا موصوف کا یہ مضمون چونکہ ماہنامہ دارالعلوم کے ادارتی صفحات میں شائع ہوااس لئے خطرہ تھا کہ اسے مسلک دیوبند کی ترجمانی نہ سمجھ لیا جائے حضرتؒ نے اس کا علمی محاسبہ فرمایااورحالت احرام

میں پردہ کی شرعی حیثیت کو ثابت فرمایا آپ کا یہ مضمون بھی ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں ہی شائع ہوا۔

۶۲۔ اسلام میں جہاد اور علم دین کا مقام

جہاد اور علم دین دونوں ہی دین کے اہم شعبے ہیں ان میں سے کسی کی بھی اہمیت اور ضرورت کا انکار نہیں کیا جاسکتا آپ نے اس مضمون میں جہاد کی اہمیت کے ساتھ علم دین کی ضرورت کو بھی واضح فرمایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جہاد کی وجہ سے علم دین کی ضرورت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔

۶۳۔ حضرت مفتی اعظم کی تفسیری خدمات

معارف القرآن عہد حاضر کی بے نظیر تفسیر ہے اس میں علوم قرآن اور احکام اسلامی کو بڑے سلیس اور شگفتہ انداز میں بیان فرمایا گیا ہے جسے نو تعلیم یافتہ طبقہ بھی سمجھ سکتا ہے پیش نظر مضمون میں اسی تفسیر کی تاریخ اور اس کی افادیت کو بیان فرمایا گیا ہے جدید مسائل کے حل پر حضرت مفتی اعظمؒ نے جو کلام فرمایا ہے اس کی بھی کچھ مثالیں اس مضمون میں آ گئی ہیں معارف القرآن کے علاوہ تفسیر سے متعلق دیگر مضامین اور مسائل کا جامع تعارف بھی اس مقالہ میں کرادیا گیا ہے حضرت علامہ محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے بقول ایک صاحب کے سوصفحہ کے مضمون میں بھی وہ بات نہیں آئی جو اس مضمون میں آ گئی ہے اپنے موضوع پر زبردست مضمون ہے البلاغ کے مفتی اعظم نمبر کی زینت ہے۔

۶۴۔ اشرف البیان فی علوم القرآن

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ میں بھی تفسیر قرآن کریم سے متعلق عجیب وغریب مضامین اور نکات پائے جاتے ہیں جو آپ کی تفسیر بیان القرآن کے علاوہ ہیں حضرت والد صاحبؒ نے مواعظ سے ان تفسیری نکات کو جمع فرماکر ''بیان القرآن'' میں شامل فرمادیا اس طرح حضرت حکیم الامتؒ کے تفسیری افادات یکجا جمع ہونے سے یہ مجموعہ بڑی اہمیت کا حامل بن گیا آپ نے اس کا نام اشرف البیان رکھا یہ سلسلہ بہت طویل تھا اور پھر اس وقت سارے مواعظ بھی آپ کے ہاں نہ تھے اس لئے یہ سورہ بقرہ کے مضامین پر مشتمل ہے اور ابھی تک زیور طبع سے بھی آراستہ نہیں ہوا۔

۶۵،۶۶،۶۷۔ العقیدۃ المرضیہ فی الحیاۃ البرزخیہ، حیات اور سماع، تزکیۃ الصدور

حیات برزخی اور مسئلہ سماع موتی کی تفصیلات ودلائل پر مشتمل یہ رسائل آپ نے بڑے محققانہ انداز میں تحریر فرمائے ہیں اور مباحث متعلقہ کے تمام پہلوؤں پر کلام کیا ہے بعض حضرات

حیات فی البرزخ اور سماع موتی کا کلیۃً انکار کرتے ہیں آپ نے ان کے موقف کے ابطال اور اہل حق کے نظریہ کے اثبات کیلئے یہ تینوں رسائل تحریر فرمائے ہیں۔

﴿ ۶۸۔ تبصرہ بر کتاب معاویہ و یزید ﴾

محمود احمد عباسی کی رسوائے زمانہ کتاب پر بہت سے حضرات نے رد لکھا ہے ان کے نظریات چونکہ اہل حق کی تحقیق سے متصادم تھے اس لئے آپ نے بھی ان کی تردید میں یہ رسالہ تحریر فرمایا اور اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے متعلق اہل سنت کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے باطل افکار اور نظریات کی تردید فرمائی اس کتاب پر حضرت مولانا محمد احمد صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق بھی ثبت ہے مگر یہ کتاب اب تک شائع نہیں ہوسکی۔

﴿ ۶۹۔ مرزائیوں کے متعلق ججوں کے فیصلے ﴾

اس مضمون کا موضوع نام سے ظاہر ہے ایک عالم آپ سے اشاعت کیلئے اسے لے بھی گئے تھے مگر غالبًا یہ شائع نہ ہوا۔

﴿ ۷۰۔ تقریر ترمذی شریف ﴾

آپ نے چونکہ دورہ حدیث شریف دارالعلوم دیوبند میں کیا اس لئے ترمذی شریف اور بخاری شریف حضرت شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی اس دوران آپ نے ترمذی شریف کی تقریر بھی قلم بند فرمائی مگر یہ مفصل تقریر نہ تھی بلکہ مختصر نوٹ تھے اس وقت یہی خیال تھا کہ ان کی تفصیل بعد میں ہوگی مگر افسوس کہ آپ کو بعد میں اس کا موقع نہیں ملا آپ کی حیات مبارکہ میں احقر نے اس تقریر کی تبییض مکمل کرالی تھی تا کہ اس پر نظر ثانی اور تفصیل کا کام آسانی سے ہوسکے لیکن اس وقت ایسا نہ ہوسکا اب یہی خیال ہے کہ جتنا حصہ محفوظ ہے اسے ہی افادہ کیلئے شائع کر دیا جائے اس لئے اب اس پر کام ہو رہا ہے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ جلد ہی یہ منظر عام پر آ جائیگی۔ واللہ الموفق والمعین

﴿ ۷۱۔ خدمت دین کے دو شعبے خلافت ظاہرہ و باطنہ ﴾

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق آپ نے ان دونوں شعبوں کی تفصیل پر مشتمل یہ مضمون عرصہ ہوا تحریر فرمایا تھا جو اب تک شائع نہیں ہوا۔

۷۲۔ آیت للفقراالذین احصرو افی سبیل اللہ الآیۃ کی تفسیر

آیت مذکورہ کی تفسیر پر یہ عجیب وغریب مضمون بڑے نفیس مباحث ونکات پر مشتمل ہے۔

۷۳۔ تاریخ مدارس دینیہ

دینی مدارس کی تاریخ سے متعلق یہ مضمون بہت سی معلومات پر مشتمل ہے ماہنامہ ''الرشید'' لاہور نے دارالعلوم دیوبند نمبر میں اشاعت کیلئے منگوایا تھا لیکن یہ مضمون اب تک طبع نہیں ہوا۔

۷۴۔ مرکزیت کوفہ

ماہنامہ الخیر ملتان نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نوراللہ مرقدہ کی جامع شخصیت پر ایک تاریخی علمی فقہی مبسوط نمبر نکالنے کا ارادہ ظاہر کیا اور مختلف حضرات اہل علم سے مضامین لکھوائے حضرت اقدسؒ سے مرکزیت کوفہ پر مضمون لکھنے کی فرمائش کی آپ نے بڑا مفصل اور جامع مقالہ تیار فرما کر مدیر الخیر کو ارسال فرمایا جس میں کوفہ کی مرکزیت کو ثابت فرمایا گیا ہے لیکن یہ مضمون ابھی تک شائع نہیں ہوا۔

۷۵۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضور اکرم ﷺ کی نظر میں

علماء دیوبند کو حق تعالیٰ نے اپنی اور اپنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت نصیب فرمائی ہے اس کی مثال نہیں ملتی یہ حضرات صحیح معنوں میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق اور دیوانے تھے حضرات اکابرین میں حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کو جو جامعیت اور عظمت عطا فرمائی گئی وہ کسی سے مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا تعلق ومحبت اور عشق آپ کی تحریرات کتب اور بیانات نیز عملی زندگی سے عیاں ہے۔

۷۶۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

ترجمان القرآن کے نام سے مولانا آزاد کی تفسیر مشہور ومعروف ہے موصوف نے کئی مقامات پر جمہور کے مسلک کی مخالفت اور فرق ضالہ کی موافقت کی ہے اور کئی ایسے نظریات تفسیر کے نام پر پیش کر دیئے جو نہ صرف جمہور اہل سنت کے مخالف بلکہ اہل اسلام کے بھی خلاف ہیں کئی اہل علم نے مولانا آزاد کے ان افکار کا رد کیا ہے حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ نے ان سب مضامین کو سامنے رکھ کر اس سلسلہ میں ایک جامع مقالہ تحریر فرمایا ہے جس میں ان کے تفردات ونظریات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے یہ کتاب ابھی تک مسودہ کی شکل میں ہے طباعت کی نوبت نہیں آئی۔

۷۷۔ فتاویٰ امداد السائل فی الاحکام والمسائل

یہ آپ کے ان فتاویٰ کا عظیم شاہکار ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً جامعہ حقانیہ کی مسند افتاء سے جاری فرمائے تمام فتاویٰ کا ریکارڈ تو نہیں رکھا جا سکا تاہم جو فتاویٰ محفوظ ہو سکے ہیں ان کی تعداد تقریباً پانچ ہزار کے لگ بھگ ہے تیس رجسٹروں میں یہ فتاویٰ غیر مرتب طور پر موجود تھے احقر نے ان کی تبویب کرادی ہے تحقیق ومراجعت کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مجموعہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر طالبین اور سائلین کی پیاس بجھائے گا فقہ وفتاویٰ سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص مناسبت اور اس میں زبردست مہارت عطا فرمائی تھی خداداد صلاحیتوں اور موروثی تفقہ کی بنا پر فتاویٰ میں آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا طبعی ذہانت وفطانت جودت فکر تحقیق اور تعمق آپ کی عادت ثانیہ تھی ملک کی مقتدر شخصیات اور نامور فقہاً اور ارباب جامعات ومدارس بھی آپ سے راہنمائی حاصل فرماتے تھے عوام وخواص سب ہی آپ سے استفادہ کرتے اور آپ ہر ایک کو بھرپور انداز میں مطمئن فرماتے بعض سوالات کی اہمیت کے پیش نظر آپ نے جواب میں مستقل رسائل تصنیف فرما دیئے ہیں جو اہل علم کیلئے نادر تحفہ ہیں بہرحال یہ عظیم علمی تاریخی فقہی تفسیری مجموعہ ہزارہا صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس میں بیش بہا علمی تحقیقات موجود ہیں علمی تصنیفی اور فقہی خدمات میں آپ کا یہ اہم کارنامہ ہے۔

۷۸۔ تکملہ احکام القرآن

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سیدنا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو مسائل واحکام بیان فرمائے ہیں وہ قرآن وسنت کے مطابق اور انہی سے ماخوذ ومستنبط ہیں جبکہ اجماع امت اور قیاس کی حجیت بھی اپنی جگہ پر مسلم ہے فقہ حنفی میں کتب ظاہر الروایۃ اور مفتی بہ مسائل بھی کتاب وسنت اجماع امت اور قیاس صحیح سے ماخوذ ہیں لیکن ایک طبقہ جو فقہ حنفی سے بلاوجہ مخالفت رکھتا ہے اس کا پروپیگنڈا یہی ہے کہ فقہ حنفی کے مسائل قرآن وسنت کے خلاف ہیں اس پروپیگنڈا سے عوام تو عوام خواص بھی اچھے خاصے متأثر ہو کر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید یہ حقیقت ہے جبکہ یہ محض افتراً اور سراسر جھوٹ ہے فقہاً احناف نے بہت سی کتابوں میں ان مسائل کے دلائل بھی بیان فرما دیئے ہیں اس کے باوجود غیر مقلدین نے عوام میں یہی تأثر دیا کہ احناف کے مسائل محض عقلی اور قیاسی ہیں قرآن وحدیث کے دلائل سے خالی ہیں وقت کے مجدد اور حکیم الامتؒ نے فقہ حنفی کے مسائل کو حدیث سے ثابت کرنے

کیلئے اپنے خواہرزادہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم فرمایا انہوں نے بیس سال کی محنت شاقہ سے ''اعلاء السنن'' کے نام سے زبردست کتاب اس موضوع پر بیس ضخیم جلدوں میں تیار فرما کر امت پر احسان عظیم فرمایا کتاب الطہارت سے لے کر کتاب الفرائض تک تمام ابواب کی مؤید احادیث کو مع عظیم الشان شرح کے آپ نے اس کتاب میں جمع فرمادیا یہ نہایت عظیم کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک فقہ حنفی کے مسائل کی تائید کرتا رہے گا۔

اسی سلسلہ کی دوسری کڑی ''احکام القرآن'' ہے اس کی تالیف بھی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے سپرد فرمائی تھی اس کا موضوع حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے مسائل کو قرآن سے ثابت کرنا تھا علامہ عثمانیؒ کے ڈھاکہ جانے کی وجہ سے حضرت حکیم الامتؒ نے قرآنی احزاب کی ترتیب پر اس کی تالیف کو اپنے درج ذیل احباب واصحاب پر تقسیم فرمادیا۔ منزل اول ودوم۔ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ ۔ سوم وچہارم ۔ حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ، پنجم وششم ۔ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ ہفتم ۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ ۔ حضرت علامہ عثمانیؒ نے ایک منزل تین جلدوں میں مکمل فرمائی تھی لیکن آپ کو دوسری منزل کی تالیف کا موقع نہ ملا آپ کی وفات کے کافی عرصہ بعد جب حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ چوتھی منزل کی تکمیل فرمارہے تھے آپ کے صاحبزادہ گرامی فاضل اجل حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم شیخ الحدیث ومہتمم دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے اصرار پر اس دوسری منزل کی تکمیل کا کام حضرت والد صاحبؒ نے شروع فرمایا اور سورۃ مائدہ سے سورۃ براۃ کے ختم تک کی یہ منزل چار سال کے عرصہ میں مکمل فرمائی یہ ۱۳۳۳ صفحات اور ۱۷۷۶ احکام پر مشتمل ہے حضرت علامہ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی تالیف کردہ منزل سابع چونکہ بہت مختصر تھی کئی آیات ایسی تھیں کہ ان سے اس میں احکام کا استنباط ہی نہیں کیا گیا تھا حضرتؒ نے اس کا تکملہ بھی تحریر فرمایا جو ۷۵۰ صفحات اور ۴۸۸ مسائل پر مشتمل ہے ادارہ اشرف التحقیق لاہور نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ کی تالیف کردہ منزل سوم کو تین جلدوں میں شائع کر دیا ہے اس دوسری منزل اور چوتھی منزل کی کمپوزنگ ہو چکی ہے تصحیح کے مراحل سے فراغت کے بعد یہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ مع تکملہ منزل سابع ادارہ کی طرف سے عنقریب ہی طبع ہوں گی برادر محترم جناب مولانا قاری خلیل احمد تھانوی زید مجدہم بڑی محنت سے اس

کتاب کی تصحیح وترقیم اور تحقیق ومراجعت اور فقہی ترتیب پر احکام کی ترتیب کا کام کررہے ہیں ان کی خصوصی توجہ اور حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم کی بھرپور نگرانی میں یہ کام تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کررہا ہے والحمدللہ علی ذالک۔

حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ کو اس بات سے بہت ہی خوشی تھی کہ حضرت حکیم الامت مجدد ملت تھانوی قدس سرہ کی خواہش کے مطابق یہ تفسیر مکمل ہوئی اور اس میں انہیں بھی شرکت کی سعادت عطا ہوگئی اکثر فرماتے کہ علامہ عثمانیؒ میرے شیخ اور حضرت کاندھلویؒ میرے استاذ محترم ہیں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں کے علمی کام میں شرکت کی سعادت عطا فرمائی ہے یہ حضرات اصاغر کو اکابر سے ملانے والے ہیں اللہ کرے کہ آخرت میں بھی ان کے ساتھ الحاق ہوجائے۔حضرت والد صاحبؒ نے کمزوری بیماری شدید ضعف اور کثرت مشاغل کبرسنی کے عالم میں دن رات محنت فرما کر یہ تفسیر لکھی یہ حق تعالیٰ کی خاص توفیق اور کرم تھا ورنہ اس عمر میں ایسے علمی تحقیقی کام کا کرنا آسان نہ تھا و ذالك فضل اللّٰہ یوتیه من یشاء۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے احکام القرآن کی تالیف کیلئے جب علامہ عثمانیؒ کے علاوہ دیگر احباب کو بھی اس میں شامل کرنا چاہا تھا تو ان حضرات میں ایک نام احقر کے جدامجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی کا بھی تھا مگر انہوں نے اپنے دیگر مشاغل اور اسباب کے جمع نہ ہوسکنے کی وجہ سے اس سے معذرت کردی تھی لیکن حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس عظیم کام میں ان کی شمولیت ہو حضرت حکیم الامتؒ کی بھی یہی خواہش تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا کیا کہ حضرت والد صاحبؒ سے اتنے بڑے کارنامہ کا تیسرا حصہ مکمل کرادیا اس طرح ؎ می دہد یزداں مراد متقیں ، حضرت تھانویؒ کی خواہش بھی پوری ہوئی اور "پدر نہ کند پسر تمام کند" کا مقولہ بھی صادق ہوگیا والحمدللہ علیٰ ذالک۔

تکملہ احکام القرآن کی تالیف کے دوران اگرچہ آپ کی خواہش یہی ہوتی کہ دوسرے کام نہ ہوں مگر بعض ناگزیر حالات میں آپ اور بھی بہت سے امور انجام دیتے رہتے اور بہت سے مقالات ومضامین بھی اس کے علاوہ آپ نے تحریر فرمائے پھر یہ سارا کام آپ نے محض حسبۃً للہ کیا اصرار کے باوجود کسی قسم کا کوئی معاوضہ اس پر قبول نہیں فرمایا تکملہ احکام القرآن جب لکھا گیا تو اس کی خوشی میں آپ نے جامعہ حقانیہ میں جلسہ کیا جس میں دیگر علمائے کرام کے علاوہ تھانہ بھون سے

مولانا نجم الحسن صاحب نے بھی شرکت کی اس وقت آپ کی مسرت اورخوشی دیدنی تھی آپ بار بار فرماتے کہ تھانہ بھون سے اس میں مولانا کی شرکت سے مجھے بہت خوشی ہے آپ نے اپنے ایک متصل مضمون میں احکام القرآن کا مفصل تعارف کراتے ہوئے اسے تھانہ بھون کا ایک عظیم کارنامہ قرار دیا ہے آپ کا یہ مضمون احکام القرآن کے علمی تعارف کے حوالہ سے بہت جامع اورعمدہ ہے ماہنامہ ''الصیانۃ'' لاہور نے اسے کئی قسطوں میں شائع کیا تھا۔

تکملہ احکام القرآن میں آپ نے بعض مقامات پر اہمیت کے پیش نظر ایک ایک عنوان پر مستقل رسائل بھی تحریر فرما دیئے ہیں مثلاً ما اھل به لغیر اللّٰه اور آیت قرآنی و کنت علیهم شهیدا مادمت فیهم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم کی تفسیر پر آپ نے پورا ایک رسالہ لکھدیا ہے اسی طرح اوربھی بعض مقامات پر کافی تفصیلی کلام فرمایا ہے مفسرین کرام کی تحقیقات کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر کے علمی افادات کوبھی جابجا اس میں درج فرمایا ہے اور پھر اصل موضوع استنباط احکام پر بطور خاص توجہ مبذول فرمائی حتی کہ سورۃ مائدہ کے صرف ابتدائی دو رکوع سے ۵۹۰ مسائل کا استنباط فرمایا امید ہے کہ یہ پوری تفسیر ۱۵ جلدوں میں مکمل ہوگی اس وقت تک اس کی صرف آٹھ جلدیں طبع ہوئی ہیں پانچ ادارۃ القرآن کراچی سے اور ۳ جامعہ اسلامیہ لاہور سے ادارہ اشرف التحقیق بقیہ جلدیں بھی جلد ہی منظر عام پر لا رہا ہے اعلاءُ السنن کی طرح یہ کتاب بھی ان شاءاللہ عالم اسلام میں فقہ حنفی کی تائید میں ایک زبردست علمی شاہکار ہوگی اللہ تعالیٰ تمام بزرگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اوران کی قبور کو نور سے بھر دے جن کی محنت ومساعی شب وروز کی جدوجہد سے یہ کتاب لکھی گئی جزاهم اللّٰه تعالیٰ جزاً بمایلیق بشأنه

۷۹۔ سلمان رشدی اور گستاخ رسولؐ کی سزا

سلمان رشدی جیسے شقی اور بد بخت نے جب حضور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں گستاخی کی تو سب نے اس کے مرتد اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا انگلینڈ سے اس سلسلہ میں آپ کے پاس بھی سوال آیا اس کے جواب میں آپ نے پورا مقالہ لکھدیا جو اس وقت ماہنامہ الحسن لاہور کے خاص نمبر میں شائع ہوا۔

۸۰۔ عورت کی حکمرانی کی شرعی حیثیت

مسلمانوں کے اعمال بد کی پاداش میں پاکستان میں جب ایک بے دین عورت وزارت عظمی

کے عہدہ پر فائز ہوئی تو اس وقت عورت کی حکمرانی پر گفتگو چلی اس کے حق میں دلائل دیئے گئے جبکہ بعض علمأ نے اس موقف کی تردید بھی کی حضرت اقدس نے اس پر شرعی نقطہ نگاہ سے کلام فرمایا اور عدم جواز کو ثابت فرما کر اس کے جواز پر پیش کردہ شبہات کا شافی جواب تحریر فرمایا آپ کا یہ تفصیلی مضمون الحسن لاہور نے کئی قسطوں میں شائع کیا اس مضمون میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کی تحریرات کی وضاحت بھی فرمائی گئی ہے اور بعض حضرات نے ان بزرگوں کی عبارات کا جو غلط مفہوم لیا تھا اس کی اصلاح بھی کردی گئی ہے۔

۸۱۔ تعارف احکام القرآن

اس مقالہ میں آپ نے تفسیر احکام القرآن کا مکمل تفصیلی اور تاریخی و علمی تعارف کرایا ہے ''الصیانۃ'' لاہور نے کئی قسطوں میں اسے شائع کیا۔

۸۲۔ شریعت بل پر تحقیقی نظر

سابق وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے اسمبلی میں شریعت بل کے نام سے جو مسودہ پیش کیا اس میں جو خامیاں تھیں آپ نے اس کا شرعی جائزہ لے کر اس پر یہ تحقیقی مضمون لکھا ماہنامہ ''الصیانۃ'' لاہور میں طبع ہوا۔

۸۳۔ تائید شریعت بل

سابق سینیٹر جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے اسمبلی میں ''شریعت بل'' کے نام سے جو مسودہ پیش فرمایا مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان نے بھی اس کی تائید اور اسے عام استفادہ کیلئے الگ شائع کیا۔

آپ نے اس پر تائیدی دستخطوں کے ساتھ ابتدا میں اس کی تمہید بھی تحریر فرمائی۔

۸۴۔ روشنی کا مینار

۱۲ / مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی اس کی تائید میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شیخ الاسلام پاکستان نے روشنی کا مینار کے نام سے خطبہ ارشاد فرمایا جو کتاب خطبات عثمانی میں موجود ہے حضرت والد صاحبؒ نے اسے سامنے رکھ کر قرارداد مقاصد کی اہمیت پر یہ مضمون مرتب فرمایا اور اخبارات میں شائع کرایا۔

۸۵۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جہاد پر ایک طبقہ ہمیشہ یہ اعتراض کرتا چلا آیا ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت کے خلاف ہے اس مضمون میں آپ نے ثابت فرمایا کہ جہاد وقتال شان رحمت کے عین مطابق ہے ماہنامہ الھدٰی ہرنولی میں یہ مضمون طبع ہوا۔

۸۶۔ حضرت تھانویؒ اور سرسید

جناب پروفیسر احمد سعید صاحب نے اپنے ایک مضمون میں یہ تأثر دیا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سرسید احمد خان کے مداح تھے اس سے اس شبہ کا خطرہ تھا کہ حضرتؒ ان کے عقائد ونظریات سے بھی متفق تھے جب کہ یہ حقیقت کے خلاف ہے حضرت والد صاحبؒ نے تصویر کے دوسرے رخ اور حقیقت حال سے پردہ اٹھانے کیلئے یہ مضمون لکھ کر ''البلاغ'' کراچی میں شائع کرایا۔

۸۷۔ تحریک پاکستان میں مسٹر اور ملا کا کردار

تحریک پاکستان کے موقع پر اہل علم کے دو طبقے تھے ایک اس کی مخالفت میں تھا اور دوسرا حمایت میں خود علمأ دیوبند میں بھی دو گروہ تھے ان میں سے بھی ایک طبقہ نے پاکستان کی مخالفت کی جبکہ دوسرے طبقہ نے بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ لیا اور اس کیلئے بے مثال قربانیاں دیں اس کے باوجود مسٹر حضرات یہ طعنہ دیتے ہیں کہ ملاں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی حالانکہ علی الاطلاق ان کا یہ کہنا تاریخی حقائق کے سراسر خلاف ہے حضرت والد صاحبؒ نے اپنے اس مضمون میں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں مسٹر کے کردار کو اجاگر فرما کر تاریخی حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ تحریک پاکستان میں مسٹروں میں بھی زبردست اختلاف تھا سارے مسٹر اس کے حامی نہیں تھے ان میں بھی دو گروہ تھے ایک حمایت میں تھا اور دوسرا زبردست مخالفت میں اگر اس کے باوجود مسٹر پاکستان کے حامی ہیں تو پھر ملا کو کیوں مخالف قرار دیا جاتا ہے ماہنامہ الصیانۃ لاہور کی دو قسطوں میں یہ مضمون شائع ہوا۔

۸۸۔ دینی مدارس دین کے قلعے اور سرچشمے ہیں

اس مضمون میں مدارس کی افادیت اور جامعیت کو بیان کیا گیا ہے ماہنامہ الصیانۃ لاہور میں شائع ہوا،

۸۹۔ اصلاح مفاہیم پر ایک تحقیقی نظر

جناب سید علوی مالکی نے ''مفاہیم یجب ان تصحح'' کے نام سے عربی میں ایک کتاب لکھی

اوراس پر پاکستان کے بھی بہت سے مقتدر علماً کرام سے تصدیقات حاصل کرلیں کتاب کی اشاعت کے بعد اس کا اردو ترجمہ طبع ہوا اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ علوی مالکی نے بہت سے عقائد ونظریات میں علماً دیوبند اہل سنت والجماعت کی مخالفت کی ہے کئی اہل علم نے ان کے نظریات کا تعاقب کیا حضرت والد صاحبؒ نے بھی ان کی تردید میں اور مسلک اہل حق کی ترجمانی میں یہ مقالہ تحریر فرمایا اور ماہنامہ حق چار یار لاہور کی چار قسطوں میں اسے شائع کرایا۔

۹۰۔ شریعت بل اور اسلامی فرقے

ایک صاحب نے اخبار میں مضمون شائع کیا کہ پاکستان میں کئی فرقے موجود ہیں ان کے ہوتے ہوئے شریعت بل کیسے نافذ ہوسکتا ہے حضرتؒ نے اس مضمون میں اس شبہ کا جواب تحریر فرمایا ہے۔

۹۱۔ ترجمہ قرآن کریم اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

حکومت پاکستان نے ترجمہ قرآن کریم کو جب اپنے تعلیمی اداروں میں بعض جماعتوں کیلئے لازم قرار دیا اس وقت آپ نے یہ مضمون لکھا کہ صرف لفظی ترجمہ پڑھنا کافی نہیں ہے اور اس کو پڑھ کر یہ سمجھنا کہ ہمیں قرآن پاک کی مراد کا علم ہوگیا ہے سخت خطرناک ہے یہ مضمون الصیانۃ میں طبع ہوا

۹۲،۹۳۔ نفاذ شریعت اور اسمبلی کی ذمہ داری

نفاذ شریعت اور ہمارے مطالبات

یہ دونوں مضامین وقت کی اہم ضرورت ہیں آپ نے ارکان اسمبلی اور حکومت کو اپنی ذمہ داری پورا کرنے کا مطالبہ فرمایا۔

۹۴۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کی بیعت کا واقعہ

ایک صاحب نے اس واقعہ کو بڑے عجیب انداز سے بیان کیا تھا ان کا انداز آپ کو پسند نہ تھا اس لئے آپ نے اس کی صحیح تعبیر اور رعایت لفظی اور تقاضاء ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو بیان فرمایا ہے،

۹۵۔ مدیر نوائے وقت کے نام کھلا خط

محترم جناب مدیر روزنامہ نوائے وقت پاکستان نے اپنے اداریہ میں تحریک پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا کہ علماً دیوبند نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی آپ نے اس کا جواب لکھنا شروع فرمادیا دوسرے دن کے اخبار میں اگرچہ انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ علماً دیوبند کے

ایک طبقہ نے اس تحریک کی حمایت بھی کی تھی تاہم حضرت والد صاحبؒ نے اپنا مضمون مکمل فرمایااوراس میں حضرت مدنی قدس سرہ پر کئے گئے اعتراض کا بھی مدلل اورشافی جواب لکھ کرمدیر نوائے وقت کے نام ارسال کیاماہنامہ الصیانۃ نے بھی اس کوشائع کیا۔

﴿ ۹۶۔ فضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ﴾

دراصل یہ آپ کا ایک درس ہے جو ماسٹر منظور حسین صاحب نے قلم بند کر کے ماہنامہ ''حق چار یار''میں شائع کرایاصحابہ کرام کی عظمت اوران کی شان کواس میں عجیب انداز سے بیان فرمایاہےنہایت عمدہ اوروجدآفریں مضمون ہے۔

﴿ ۹۷۔ ایٹمی دھماکہ اورہماری ذمہ داری ﴾

جب سابق وزیراعظم میاں محمدنوازشریف کی حکومت نے ایٹمی دھماکہ کیااس وقت آپ نے یہ مضمون لکھااورمسلمانوں کوان کی ذمہ داری یاددلائی۔

﴿ ۹۸۔ خلاصہ کتاب انکشاف حقیقت ﴾

مولاناخلیل احمد بدایونی علمأ بریلی سے تعلق رکھتے ہیں اس کے باوجودانہوں نے علمأ دیوبند کے خلاف مولانااحمدرضاخان کےفتویٰ کاشرعی تجزیہ کیااوردلائل کی روشنی میں ثابت کیا کہ اعلی حضرت کا یہ فتویٰ غلط ہے یہ کتاب کافی طویل ہے حضرتؒ نے افادہ عوام کیلئے اس کا خلاصہ کردیاہےجس سے عام لوگ بھی آسانی سےاسے پڑھ سکتے ہیں۔

﴿ ۹۹۔ حجیت حدیث ﴾

حکیم الاسلام حضرت قاری محمدطیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجیت حدیث پرایک مبسوط مضمون تحریرفرمایاتھاجوعلامہ شبیراحمدعثمانیؒ کی کتاب ''فضل الباری شرح بخاری'' کی جلد اول میں شائع ہواہےحضرتؒ نے اس مضمون میں اس کی تلخیص فرمائی ہے۔

﴿ ۱۰۰۔ احکام میت وجنازہ ﴾

اس رسالہ میں جنازہ اورمیت سے متعلق شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں اورساتھ ہی اس سلسلہ میں مروجہ رسومات کی تردیدبھی مدلل انداز میں فرمائی گئی ہے۔

﴿ ۱۰۱۔ فسق یزید ﴾

یزید کےفسق پرعلماء اہل سنت اورعلمأ دیوبند میں اختلاف نہیں ہےاس کے باوجوداس کے

فسق سے انکار کیا جارہا ہے آپ نے اس رسالہ میں اسی موضوع پر کلام کیا ہے یزید کے فسق کو دلائل سے ثابت فرمایا ہے۔

﴿ ۱۰۲ تکفیر روافض ﴾

یہ مضمون دراصل ایک مفصل سوال کے جواب کے طور پر آپ نے تحریر فرمایا تھا جس میں اس مسئلہ کے مالہ وماعلیھا پر مدلل روشنی ڈالی گئی یہ ایک علمی اور فقہی وتحقیقی بحث ہے اس میں آپ نے تکفیر کی بنیادوں پر بھی اصولی کلام فرمایا ہے۔ ابھی تک یہ مضمون طبع نہیں ہوا۔

﴿ ۱۰۳۔ مسئلہ امارت شرعیہ ﴾

جمعیت علمأ ہند کے سوالات پر دارالافتأ دارالعلوم کراچی کی جانب سے جو تحریر لکھی گئی تھی یہ اس کا مفصل جواب ہے جس میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ بغیر ولایت سلطانیہ کے مسلمانوں کے اپنے طور پر قاضی بنانے سے کوئی شخص شرعی قاضی نہیں بنتا۔

﴿ ۱۰۴۔ تسہیل رسالہ التقصیر فی التفسیر ﴾

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے اصول تفسیر سے متعلق یہ رسالہ بعض حضرات کی تفسیری اغلاط کی نشاندھی کے سلسلہ میں تحریر فرمایا تھا مگر اس کی عبارت خالص اصطلاحی اور علمی ہے حضرتؒ نے اس کی تسہیل فرمائی ہے۔

﴿ ۱۰۵۔ لفظ ہدایت کے متعلق مضمون ﴾

﴿ ۱۰۶۔ حضرت تھانوی کی اہلیہ صغریٰؒ ﴾

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی اہلیہ صغریٰ اپنے دور کی ولیّہ اور صاحب نسبت مستجابۃ الدعوات بزرگ خاتون تھیں ان کی شفقتیں اور عنایتیں ہمیشہ آپ کو حاصل رہیں ایک مرتبہ انہوں نے بڑا اکرم فرمایا کہ ساہیوال بھی تشریف لائیں ۱۳۸۱ھ میں انہوں نے لاہور میں انتقال فرمایا حضرت والد صاحبؒ نے یہ مضمون ان کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

﴿ ۱۰۷۔ عقیدہ حیات انبیا کرام علیہم السلام ﴾

حضرت مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رسالہ پر آپ نے جو مبسوط

پیش لفظ لکھا یہ عنوان اس کا ہے۔

﴿ ۱۰۸۔ تحقیق الجمعۃ فی القریٰ ﴾

دیہات میں جمعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے اس پر آپ کا یہ رسالہ اب تک غیر مطبوعہ ہے حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ کی تصدیق وتائید بھی اس رسالہ پر موجود ہے۔

﴿ ۱۰۹۔ حالات جناب حکیم محمد شریف الدین کرنالی مرحوم ﴾

مدرسہ حسینیہ حنفیہ سلانوالی کے ناظم جناب حکیم شریف الدین مرحوم حضرت مدنیؒ کے متوسلین میں سے تھے بڑے درویش منش اور حلیم الطبع منکسر المزاج متواضع شخصیت کے مالک تھے اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کا بڑا جذبہ اور سلیقہ ان کو عطا فرمایا تھا حضرت والد صاحبؒ سے ان کے خاص تعلقات تھے یہ مضمون ان کے حالات سے متعلق ہے جس میں آپ نے ان سے اپنے تعلق کا اظہار اور بعض واقعات کا ذکر فرمایا ہے۔

﴿ ۱۱۰۔ عہد ماضی کی چند یادیں ﴾

حضرت والد صاحبؒ نے موقوف علیہ کا درجہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر میں پڑھا تھا اس دور میں حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ کے مہتمم وسرپرست اور حضرت مفتی عبد الکریم گمتھلوی صدر مدرس وشیخ الحدیث تھے حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے باخدا اور درویش متواضع بزرگ تھے ان کی شفقتیں اور عنایتیں ہر وقت طلبہ پر مبذول رہتی تھیں حضرت والد صاحبؒ سے خاص شفقت وعنایت کا معاملہ فرماتے تھے احقر کے دورہ حدیث شریف کے ساتھی مولانا ظفر اللہ شفیق صاحب زید مجدہم نے ماہ فضل وکمال کے نام سے آپ کے حالات زندگی اور مدرسہ کی تاریخ پر ایک بہترین کتاب لکھی ہے جس سے آپ کے فضل وکمال ودینی خدمات کا مکمل تعارف ہو جاتا ہے۔ حضرت والد صاحبؒ نے اس کتاب کو دیکھ کر یہ مضمون تحریر فرمایا تھا جس میں عہد رفتہ کے بعض حالات وواقعات اور حضرت موصوف سے اپنے تعلق کا ظہار فرمایا ہے۔

﴿ ۱۱۱۔ ۱۹۴۶ء کی ایک تقریر پر تبصرہ ﴾

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۶ء میں جو تقریر فرمائی تھی یہ اس پر غیر جانبدارانہ اور بے لاگ تبصرہ ہے۔

﴿ ۱۱۲۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور تحریک خلافت ﴾

تحریک خلافت کیا تھی اور یہ کہ حضرت اقدس تھانویؒ نے اس سے کیوں اختلاف کیا ہے اوراس کی حقیقت کیا تھی یہ مضمون اسی موضوع پر لکھا گیا ہے۔

سطور بالا میں جن تالیفات مضامین اور مقالات کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے ان کی تعداد سو سے زائد ہے ان کے علاوہ بھی آپ نے کئی مضامین اور مختلف کتابوں پر تبصرے وتقاریظ اور پیش لفظ تحریر فرمائے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

﴿ بعض دیگر تصنیفات ﴾

۱۔لحف نساء کی تحقیق ۲۔عورت کی سربراہی سے متعلق مدیر الخیر کے نام مکتوب گرامی ۳۔مکتوب بنام سابق صدر پاکستان ۴۔مکتوب بنام غلام حیدر وائیں ۵۔دوعدد مکتوب بنام سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف صاحب ۶۔عبارات اکابر ۷۔مکتوب مولانا محمد از ہر شاہ قیصر بابت تحقیق ذبح گاؤ در ہندوستان ۸۔پیش لفظ کتاب کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ ۹۔اصلاح تسامحات کتاب غیر مقلدین کے ساتھ ۱۰۔تقویۃ الایمان کے مصنف کی تحقیق ۱۱۔استحکام پاکستان کانفرنس سے متعلق تحریر ۱۲۔بہشتی زیور کی جدید ترتیب سے متعلق رائے ۱۳۔غلبہ اسلام کانفرنس میں صدارتی خطبہ ۱۴۔ضرب مومن کو انٹرویو ۱۵۔اقرأ ڈائجسٹ کیلئے انٹرویو ۱۶۔مکتوب بنام مدیر حق چاریار ۱۷۔جمعہ کی اذان اول اور ثانی میں وقفہ کی تحقیق ۱۸۔نواز شریف کی حکومت سے مطالبات ۱۹۔جمہوریت کی اصلاح ۲۰۔پیش لفظ کتاب مفتی اعظم ۲۱۔پیش لفظ کتاب مجلس صیانۃ المسلمین کا تاریخی پس منظر ۲۲۔پیش لفظ کتاب تعلیمات اسلام ۲۳۔رائے گرامی بر کتاب المفطرات فی مجال التداوی ۲۴۔پیش لفظ کتاب تحریک پاکستان اور علماءٔ کرام ۲۵۔تقریظ رسالہ فضائل حفظ القرآن ۲۶۔تصدیق بر رسالہ دفاع امیر معاویہ ۲۷۔القول المستند ۲۸۔اسلامی نظریاتی کونسل کیلئے راہنما اصول۔

علاوہ ازیں بھی حضرت اقدس کے بعض مضامین اور رسائل غیر مطبوعہ صورت میں موجود ہیں اس طرح تصنیف وتالیف کے شعبہ میں آپ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے حق تعالیٰ نے دیگر شعبوں کی طرح اس شعبے میں بھی گرانقدر خدمات کیلئے آپ کو موفق فرمایا تھا بحمد اللہ تعالیٰ آخر دم تک

آپ اس میں مشغول رہے کئی مضامین رسائل اور کتابیں آپ کی طبع ہوگئی ہیں اور کچھ تشنہ طباعت ہیں یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ آپ کی علمی فقہی اور علمی تحریرات کو مرتب کر کے شائع کیا جائے تا کہ امت کو اس سے استفادہ کا موقع ملتا رہے اسی طرح مختلف جرائد میں طبع شدہ مضامین کو بھی یکجا کرنے کی ضرورت ہے تالیفی کام کی وسعت کا تقاضا ہے کہ اس کیلئے مستقل ایک سلسلہ قائم کیا جائے تا کہ وقتاً فوقتاً آپ کی تالیفات کو شائع کیا جائے واللہ الموفق والمعین۔

﴿ مقدمہ احکام القرآن ﴾

تکملہ احکام القرآن کا تعارف آپ گذشتہ سطور میں پڑھ چکے ہیں اس کی ایک کڑی مقدمہ احکام القرآن بھی ہے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے یہ مقدمہ مخدوم العلما حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کے سپرد فرمایا تھا لیکن حضرت موصوفؒ کو اس کے لکھنے کیلئے فرصت نہ مل سکی اس لئے یہ کام نامکمل رہا حضرت والد صاحبؒ نے تکملہ احکام القرآن کے بعد مقدمہ احکام القرآن کی تالیف بھی شروع فرمادی تھی اور اس کی تکمیل کیلئے بہت فکرمند بھی تھے اصول الجصاص بھی اس کیلئے تلاش کرائی لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی تالیف آپ کے ہاتھوں منظور نہ تھی اس لئے یہ مختصر سا مسودہ یوں ہی تشنہ تکمیل رہ گیا ناظرین دعا فرماویں کہ حق تعالیٰ حضرت اقدسؒ کی خدمات کو قبول فرمائیں امت کیلئے نافع بنائیں اور تاقیامت ان کا فیض جاری رہے اور جو رسائل تشنہ تکمیل یا منتظر طباعت ہیں اللہ تعالیٰ غیب سے مدد و نصرت فرما کر ان کو بھی مکمل کرادیں وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

﴿ حقوق طبع محفوظ نہ کرانا ﴾

یہاں یہ یاد رہے کہ حضرتؒ کی بہت سی تحریرات اور کتابیں بار بار طبع ہو رہی ہیں اور مختلف ادارے انہیں شائع کر رہے ہیں لیکن حضرتؒ نے ان میں سے اپنی کسی کتاب کے حقوق طبع محفوظ نہیں کرائے آپ کا مقصد صرف تبلیغ اور پیغام دین کا پہنچانا اور پھیلانا تھا آپ نے کبھی بھی ان سے مالی منفعت حاصل نہیں فرمائی بلکہ خرید شدہ کتب میں سے بھی اکثر کتابیں ہدیہ فرد یتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ میں بغیر قیمت کے جو کتاب کسی کو دیتا ہوں اس میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے ایصال ثواب کی نیت کر لیتا ہوں فرحمۃاللّٰہ علیه وعلی ابیه وجده ومشائخه واساتذته واحبابه واولاده وجمیع المسلمین والمسلمات الا حیأ منهم والاموات آمین۔

سیاسی خدمات

سیاست بھی دین کا ایک اہم شعبہ ہے لیکن اس کا دین کے ماتحت رہنا ضروری ہے علماء کرام شرعی نقطہ نگاہ سے اس میں ہمیشہ مسلمانوں کی نہ صرف راہنمائی فرماتے رہے بلکہ بقدر ضرورت واستطاعت اس میں حصہ بھی لیتے رہے حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ نے جیسے دین کے دوسرے شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اسی طرح اس شعبہ میں بھی آپ کی خدمات وراہنمائی کا دائرہ بڑا وسیع ہے اگرچہ اصل توجہ آپ نے قرآن وسنت کی تعلیمات کے پھیلانے اور مسلمانوں کی دینی اصلاح میں صرف فرمائی لیکن اس کے ساتھ ملکی وسیاسی حالات سے بھی آپ پورے طور پر باخبر رہے اور ضرورت پڑنے پر شرعی اصول کے تحت اپنا دینی فریضہ سمجھ کر مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی بھی فرماتے رہے چنانچہ ایک مضمون میں آپ رقم طراز ہیں:

ایک خادم دین ہونے کی حیثیت سے میرا اصل فریضہ مسلمانوں کی دینی اصلاح کا فرض انجام دینا ہے جس میں مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی بھی شامل ہے کیونکہ سیاست بھی دین کا ہی ایک حصہ ہے اس حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے میں نے ہمیشہ تحریک پاکستان میں بھی اور بعد میں نظریہ پاکستان اور اس کی حامی جماعت ہی کی حمایت کی ہے اور جس اسلامی دوقومی نظریہ پر پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تھی اس کی ہی حمایت کرتا رہا ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ اس اسلامی دوقومی نظریہ کے بغیر پاکستان کی بقا مشکل معلوم ہوتی ہے (جامعہ حقانیہ ص ۵)

اگرچہ ہمارے باب کا اصل موضوع آپ کے سیاسی افکار ونظریات اور سیاسی خدمات ہیں لیکن موقع کی مناسبت سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مذہب وسیاست کا تعلق اور اس کا مفہوم نیز علماء کا سیاست سے تعلق اور اس سلسلہ میں حضرات علماء کرام بالخصوص اکابرین علماء دیوبند کی سیاسی خدمات کا مختصر تذکرہ بھی کر دیا جائے اس کے بعد ہم آپ کی تحریرات اور بیانات کی روشنی میں سیاست سے متعلق آپ کے افکار ونظریات اور خدمات کا تعارف پیش کریں گے ۔یاد رہے کہ یہ مضمون تذکرۃ الظفر اور حضرت والد صاحبؒ کی دیگر تحریرات سے ماخوذ ہے۔

﴿ مذہب وسیاست ﴾

سیاست کا مذہب سے کیا تعلق ہے اور اسلام میں سیاست کا کیا درجہ ہے؟ اس سوال کے جواب کیلئے پہلے سیاست کے معنی اور مفہوم کو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد بتلایا جائے گا کہ اس کا مذہب اور اسلام سے کیا تعلق ہے۔

﴿ سیاست کے لفظی اور اصطلاحی معنی ﴾

سیاست کے لفظی معنی دیکھ بھال یا نگہبانی کے ہیں لفظ سائیس اسی لفظ سیاست سے ماخوذ ہے جس کے معنی نگران کے ہیں لیکن سیاست کے اصطلاحی معنی ملکی دیکھ بھال اور نظام ملکی کیلئے تدابیر پر غور کرنے اور اس کیلئے قوانین وضع کرنے کے ہیں کتب حکمت وفلسفہ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل کی طرح سیاست مدنیہ بھی حکمت علمیہ کی ایک قسم کا نام ہے جس میں بہت سے انسانوں کی بود وباش اور رہنے سہنے کی ضروریات ومصالح اور کسی ایک شہر یا ملک کی دیکھ بھال اور تدبیر ملک داری کو عرف عام میں سیاست کہا جاتا ہے۔سیاست کے اس صحیح مفہوم معلوم ہوجانے کے بعد واضح ہوگیا ہوگا کہ عام طور پر ملک میں جو سیاست مروج ہے اور اس نقطہ کو سن کر عام ذہنوں میں جو معنی آتے ہیں مکر وفریب اور دغا بازی اور عیاری وچالا کی یہ یورپین سیاست ہے شرعی سیاست سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے......(اور اسی سیاست سے علماء کرام نے اپنے متعلقین کو الگ رہنے کی ہدایت فرمائی ہے)

﴿ سیاست کی تقسیم ﴾

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ تدبیر ملک داری اور ملک کا نظام جس کو سیاست کہا جاتا ہے اس کے دو حصے ہیں ایک سیاست کا علمی حصہ اور اس کے احکام شرعیہ ہیں سیاست کا یہ حصہ شریعت کا جزء اور اس کا حصہ ہے چنانچہ کتاب السیر حدیث وفقہ کا ایک مستقل جزء اور باب ہے درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے ذریعہ ہر دور میں علماء نے اس کو باقی اور قائم رکھا ہے اور شریعت کے اس حصہ کی عملی طور پر حفاظت کی ہے سیاست کا یہی وہ حصہ ہے جس سے ہر عالم کو واقف ہونا چاہئے اور اس کی واقفیت حاصل کرنا عالم کے فرض منصبی میں شامل ہے دوسرا حصہ سیاست کا ملک داری کے نظام اور اس کو قائم رکھنے کی تجرباتی تدابیر ہیں جو ہر زمانہ میں حالات وواقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر وتبدل

سے بدلتی رہتی ہیں پھر چونکہ تجربہ کا دارومدار حالات وواقعات کے پیش آنے اوران سے واقفیت حاصل ہونے پر ہے اس لئے تجرباتی تدابیر میں علماً کے حالات مختلف ہوسکتے ہیں اور یہ عین ممکن ہے بلکہ واقع ہے کہ کسی عالم کوایسے حالات سے دلچسپی اورواسطہ نہ ہونے یا کم ہونے کی وجہ سے ان کا تجربہ کم ہواوردوسرے کوایسے حالات اورواقعات سے زیادہ دل بستگی اوروابستگی ہونے کے سبب زیادہ تجربہ حاصل ہوتجربہ کی یہ کمی بیشی حالات اورواقعات کی واقفیت کی کمی بیشی پر مبنی ہوتی ہےاور ہر عالم کا حالات وواقعات سے واقفیت حاصل کرنا اورتجربہ کار ہونا اگر چہ ضروری نہیں ہے لیکن چونکہ دنیا کی کوئی تجویز وتدبیراورکسی شخص کا کوئی عمل اوراس کی رائے ایسی نہیں ہوسکتی جوشریعت کی حدود سے باہراور مذہب کی گرفت سے آزادہواورجس کا حکم شرعی جائز یاناجائز ہونا شریعت سے معلوم نہ کیاجاسکتاہواس لئے عالم شریعت کیلئے ہرعمل اور ہرتجویز وتدبیر سے متعلق شرعی حکم کاعلم رکھنااوراس سے واقفیت حاصل کرنا بھی ضروری ہےاورشریعت کی ان تدابیراورتجاویز پرعمل کرنے والوں کیلئے بھی علماً شریعت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہےاوران پرلازم ہے کہ وہ عمل کرنے سے پہلے علماً شریعت سے معلوم کریں کہ یہ تدابیروتجاویزازروئے شریعت ومذہب قابل عمل اور جائز ہیں یانہیں۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسےفن طب میں اصلاح احوال بدن کی تدابیر مدون کی گئی ہیں اورحفاظت میں ان تدابیر کی عملی طور پر مشق کرائی جاتی ہےمگرظاہر ہے کہ ان طبی تدابیر کا جاننے والا جب تک کسی طبیب کے پاس رہ کرمطب نہیں کرے گااوران تدابیر پرعمل نہیں کرے گااس وقت تک فن طب کا عالم ہونے کے باوجوداس میں تجربہ کارنہیں ہوسکتا۔

اصلاح احوال بدن کی تدابیر کاعلم حاصل کرنااور پھرمطب میں ان تدابیر پرعمل کرنا اگر چہ طبیب کے فرائض میں داخل ہے اور بحیثیت طبیب وہ اس پرعمل پیرا ہونے کا مکلّف ہے مگران طبی تدابیر کے متعلق جوازاورعدم جواز شرعی کی تحقیق کرنا عالم شریعت کا فرض منصبی ہےاورطبیب کے ذمہ لازم ہے کہ وہ ان تدابیر پرغورکرنے سے پہلے ان کے جوازاورعدم جواز کوکسی ماہرشریعت سے معلوم کرے ایسا ہی سیاست مدنیہ یعنی نظام ملکی کی ان تدابیراورتجاویز کا حال ہے جن کاتعلق واقعات اورتجربات سے ہے کہ ہرعالم کیلئے ایسی سیاسی تدابیر میں تجربہ کارہونا ضروری نہیں ہےاورنہ ہی اس قسم کے تجربات کا حاصل نہ ہونا کسی عالم کے حق میں نقص میں شمارکرنے کے لائق ہے کیونکہ ایسے تجربات

میں مہارت حاصل کرنے کے ذرائع دوسرے ہیں جن کا خلاصہ ایسے امور سے طبعی مناسبت کے علاوہ وقائع خاصہ سے سابقہ پڑنا ہے لیکن ایسے تجربات رکھنے والوں پر بہرحال لازم ہے کہ ان تجربات کی بناپر جن تدابیر وتجاویز پر عمل کرنا ملکی مصالح کیلئے مفید اور زیرغور ہوان پر عمل کرنے سے پہلے ان کے بارے میں علمأ شریعت سے استصواب کریں اوران کے جواز اورعدم جواز کی تحقیق کریں۔

سیاسی جماعت کا کام

نظام ملکی کو قائم رکھنے والی اور سیاسی تدابیر میں تجربہ کاروں کی جماعت کا ایک کام تو یہ ہے کہ وہ اپنی سیاسی بصیرت اور تجربات کے پیش نظر ایسی تدابیر پر غور وفکر کے بعد جو تجاویز اس کو قابل عمل اور مفید معلوم ہوں ان کے متعلق علمأ شریعت سے شرعی احکام معلوم کرکے اس کے مطابق عمل پیرا ہوں۔

علمأ کا اصل کام

اور جماعت علمأ کا عام حالات میں ملکی سیاسیات سے متعلق اصل کام تو یہی ہے کہ وہ ان تدابیر کے شرعی احکام اوران کے جواز وعدم جواز کی تحقیق کرکے ان کے بارہ میں یہ فیصلہ کرے کہ فلاں تدبیر اور تجویز از روئے شریعت جائز اور قابل عمل ہے اور فلاں تدبیر اور تجویز شرعاً ناجائز اور نا قابل عمل ہے جب معلوم ہو گیا کہ ان دونوں جماعتوں کا دائرہ عمل الگ الگ اور فرائض جدا جدا ہیں کہ ایک جماعت کا کام تدابیر کی تحقیق کرنا اوران میں سے جائز تدابیر کو بروئے کار لانا اور ملک میں عملی طور پر ان کا نافذ کرنا ہے اور دوسری جماعت علمأ کا اصل کام ان تدابیر کے بارہ میں شرعی احکام بتلانا ہے تو اب یہ کس قدر حقیقت ناشناسی کی بات ہے کہ ایک جماعت کے فرائض پر دوسری جماعت کو مجبور کیا جاتا ہے اور ایک جماعت کی ذمہ داریوں کو دوسری جماعت کے سر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

استثنأ کی حالت

البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی موجود نہ ہو کہ وہ علمأ سے احکام شرعیہ دریافت کرکے عمل کیا کرے اور جو سیاسی جماعت موجود ہو وہ نظام ملکی کی تدابیر پر عمل پیرا ہونے میں حدود شریعت سے تجاوز کر جاتی ہو تو پھر ایسے وقت میں علمأ کے ذمہ یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ یا تو ایک ایسی جماعت بنائیں جو علم احکام میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر سیاست اور تدابیر امور مملکت کا تجربہ بھی رکھتی ہو اور وہ جماعت علمی اور عملی طور پر سیاست کی جامع ہو یا پھر موجودہ جماعت

میں سے کسی جماعت کو اس پر آمادہ کریں کہ وہ علماً شریعت سے احکام معلوم کر کے ان کی ہدایت پر عمل کرنے کی پابندی کرے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی جماعت کا انتظام کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس پر قدرت واستطاعت حاصل ہو کیونکہ انسان احکام شرعیہ اور ادائے فرض کا اپنی استطاعت وقدرت کے موافق ہی مکلّف ہوتا ہے۔

﴿ قرآنی دلیل ﴾

قرآن مجید میں نص ہے کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی موجود ہونے کے جہاد کرنے کیلئے ایک مستقل بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تھی اس سے صاف معلوم ہوا کہ خود ہر نبی کیلئے بھی سیاسیات میں تجربہ اور مناسبت لوازم میں سے نہیں تا بہ دیگراں از علماً ومشائخ چہ رسد ورنہ ایسی درخواست رد کر دی جاتی۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ کسی نبی میں نقص ہونا جائز نہیں ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ ایسے تجربات اور مناسبت کا نہ ہونا نقص نہیں ہے بہر حال نبی کے ہوتے ہوئے ان سے یہ کام لینا اثبات مدعاً کیلئے کافی ہے کہ کمال نبوت کیلئے سیاسی تجربہ لازم نہیں ہے۔ اور امور تجربیہ کا علم اگر چہ اپنے آثار نافعہ کے ایک اعتبار سے کمال ہے مگر اس کے فقدان سے نقص لازم نہیں آتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کمال اور نقص متناقض نہیں ہیں کہ کمال کا رفع نقص کے وضع کو مستلزم ہو بلکہ متضاد ہیں دونوں کا رفع اور درمیان میں واسطہ کا ہونا جائز ہے۔

چنانچہ بعثت عامہ کمال ہے مگر اس کا عدم بھی نقص نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود کمال جامعیت اور سیاست میں ماہریت کے بھی غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کی تدبیر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوئی قصہ تابیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی انتم اعلم بامور دنیاکم ایسے تجربوں پر محمول ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسے تجربے اور تدبیریں اپنی ذات میں دنیوی امور ہیں گو مباح ہیں عارض سے دین ہو جاتے ہیں اس لئے ان کا نہ جاننا کسی درجہ میں کمال مقصود میں قادح نہیں۔ (ماخوذ از رسالہ رفع الشبہات علی السیاسیات من الآیات)

﴿ خلاصہ تحقیق ﴾

اوپر کی تحقیق سے ایک تو یہ بات واضح ہوگئی کہ سیاسیات میں عملی حصہ یعنی تدابیر تجربہ چونکہ اپنی ذات میں دنیوی امور ہوتے ہیں اور اصل میں شریعت کا جز نہیں ہیں مگر عارض سے دین ہو جاتے

ہیں اس لئے ان امور میں تجربہ کی بالقصد تحصیل اوران کے معلوم کرنے کیلئے جد وجہد کرنا اوراس میں عملی حصہ لینا دوسرے امور دنیوی کی طرح ایک عالم شریعت کے اصل فرائض اوراس کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے ہاں جب کوئی جماعت بھی اس کام کوشریعت کے موافق انجام نہ دے رہی ہوتو پھراس عارض کی وجہ سے وقتی طور پر یہ ذمہ داری بھی علماً کی جماعت پر ہی عائد ہوجاتی ہے البتہ ایسے سیاسی تجربات کے جواز عدم جواز کی تحقیق کرنا ہرحال میں عالم شریعت کے ذمہ اوراس کا فرض منصبی ہے اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ان تدابیر سیاسیہ پرعمل کرنے والوں کیلئے علماً شریعت سے کسی وقت بھی استغناء نہیں ہے بلکہ ان پرعمل کرنے کیلئے علماً کی طرف رجوع کرنے کی ان کو ہروقت احتیاج اورضرورت ہے۔

دوسری بات اس تحقیق سے یہ معلوم ہوئی کہ علماً کا اصل وظیفہ اوران کا فرض منصبی احکام شریعت کی تحقیق وتنقیح کرنا ہے اس لئے علماً کی جو جماعت احکام شریعت کی تحقیق وتنقیح میں مصروف عمل ہوگی اوراس وجہ سے وہ ان امور سیاسیہ میں مشغول نہیں ہے تو وہ جماعت علماًاپنے اصل فرض منصبی کی ادائیگی میں لگی ہوئی ہے اس لئے ازروئے شریعت نہ تو وہ کسی کوتاہی عمل کی مرتکب ہورہی ہے اورنہ ہی عملی طور پر کسی نقص میں مبتلا ہے۔

علماًاور سیاست

تاریخ اسلام کے اوراق سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ابتدا اسلام سے ہی ہمیشہ علماً کی جماعت نے سیاست میں حصہ لیا ہے اور کتاب وسنت کے عالم ہونے کی حیثیت سے حضرات علماً کرام نے اسلام کے دوسرے شعبوں کی طرح اس کے شعبہ سیاست میں بھی رہبری اورنگرانی کا فریضہ انجام دیا ہے اورلادینی سیاست کے غلط رجحان اورگندی سیاست کی آلائشوں سے مسلمانوں کومحفوظ رکھنے کی کوشش علماً کرام کا اہم کارنامہ ہے البتہ سیاست میں حصہ لینے اورملکی خدمات میں شرکت کرنے کا ہمیشہ اورہر دور میں ایک ہی طرز نہیں رہا بلکہ زمانہ اورحالات کے مطابق علماً کرام کی طرف سے ہردور میں اس کیلئے مختلف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام ابوحنیفہ، علامہ ابن تیمیہ اورحضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے اکابرامت نے اپنے اپنے زمانہ میں جس طرح علم

وفضل میں امت کی پیشوائی اور امامت فرمائی ہے اسی طرح ان حضرات نے اسلام کے نظام حکمرانی اور امور سیاست میں بھی راہنمائی فرمائی ہے مگر اس راہنمائی میں سب کا ایک ہی طریق کار اور ایک ہی طرز عمل نہیں رہا۔ بعض حضرات نے اگر اپنے خطبات اور مکتوبات کے ذریعہ حکمرانوں اور بادشاہان اسلام کی راہنمائی اور نگرانی فرمائی ہے تو دوسرے بعض حضرات نے کاروبار حکومت میں دخیل کار اور نظام ملکی میں عملی طور پر شریک ہو کر بھی کارہائے حکومت کی ذمہ داری کو سنبھالا ہے اور سلاطین وقت کی طرف سے عہدہ ہائے جلیلہ اور منصب عظیمہ پر فائز ہو کر اپنی قدرت واستطاعت کے مطابق صورت حال کے درست کرنے کی کوشش اور سعی کی ہے۔

محدث جلیل امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ عبدالملک کے زمانہ سے لے کر خلیفہ یزید بن عبدالملک کے زمانہ حکومت تک کاروبار مملکت میں شریک رہنا اور جناب امام شعبی کا ان ہی عبدالملک کی طرف سے عہدہ سفارت قبول کر کے قیصر روم کی طرف جانا اور حضرت امام ابو یوسف کا خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے قاضی القضاۃ کے عہدے کو قبول کرنا پھر پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن حزم ظاہری کا وزارت کے اہم عہدے کو برداشت کرنا اور اسی طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن سے بعض علماً کرام کا طرز عمل واضح ہو رہا ہے کہ انہوں نے شعبہ سیاست ملکی دانی میں عملی طور پر حصہ لے کر اصلاح احوال کی کوشش فرمائی ہے۔

لیکن بعض اکابر علماً کرام نے کاروبار حکومت اور سیاست میں عملی حصہ نہیں لیا بلکہ صاحب اقتدار امرأ اور سلاطین اور جن کے ہاتھ میں زمام اختیار تھی ان کی علمی راہنمائی اور اصلاح کی طرف توجہ فرمائی اور اس طریقہ سے حکمرانوں کی سیاست کا رخ لادینی سیاست سے دین ومذہب اور دینی سیاست کی طرف تبدیل کرنے کی بار آور سعی فرما کر اپنا فرض خدمت اسلام اور اصلاح امت کیلئے انجام دیا اس کی مثال ہندوستان کی سیاست میں اکبر کے ملحدانہ خیالات کی اصلاح کیلئے مجدد صاحب کے مکاتیب کا بہت بڑا حصہ اس زمانہ کے امرأ اور صاحب جاہ ومنصب لوگوں کے نام ایسی ہی اصلاحات پر مشتمل ہے۔

سیاست کے بارہ میں علماً کرام کے اس مختلف طرز عمل اور طریقہ کار کے اختیار کرنے کے باوجود ان سب کا مشترکہ نقطہ نگاہ ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ مملکت میں قرآن وسنت اور احکام اسلام کا اجرأ

ہواور نظام ملکی کو تبدیل کر کے اس میں اسلامی طرز سیاست جاری کیا جائے اس کے سوا ان حضرات کے پیش نظر اور کچھ نہیں تھا صرف اقتدار پر قبضہ کرنا اور سیاست برائے سیاست ان کا مقصد اور مشغلہ نہیں تھا اور نہ وہ سیاسی امور میں اس طرح منہمک اور سیاست کے پیچھے اس طرح لگے ہوئے تھے کہ شب وروز اسی کا ذکر وفکر ہو اور رات دن اسی کی ادھیڑ بن کے سوا ان کا کوئی مشغلہ ہی نہ ہو بلکہ یہ حضرات اپنے علمی اور اصلاحی مشاغل میں مصروف رہتے تھے اور دوسرے شعبوں کے ساتھ حسب ضرورت نظام ملکی کی اصلاح میں بھی حصہ لیتے رہتے تھے اور پھر کبھی یہ اصلاح صرف عملی راہنمائی کی حد تک محدود رہتی تھی اور کبھی ضرورت واقع ہونے پر عملی طور پر بھی سیاست میں شرکت کی جاتی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے جانشین حضرات شاہ عبدالعزیز شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین وغیرہ نے قرآن وحدیث کی تعلیم اور تزکیہ نفس کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح کرنے اور سیرت وکردار کے عملی نمونے تیار کرنے میں اپنی عمریں صرف فرمادیں اور اپنی کتابوں میں ملکی سیاست کے بھی ایسے اصول وقواعد بیان کر دیئے جن کو دیکھ کر یورپ کے فلاسفہ بھی حیران وششدر رہ گئے اسی طرح ان حضرات نے سیاست ملکی کے بارہ میں بھی ایسی علمی راہنمائی فرمائی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے مگر عملی طور پر نظام ملکی میں دخیل کار ہونے کا موقع حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے مذکورہ جانشینوں کو میسر نہیں آیا البتہ بعد میں اسی خاندان کے ایک نسبی فرزند مولانا شاہ محمد اسماعیل دھلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ اور دسرے روحانی فرزند حضرت سید احمد شہید نے وقت آنے پر مسلمانوں میں جہادی روح پھونک دی اور پھر تلوار لے کر بنفس نفیس میدان کارزار میں اتر آئے اور کفار سے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد فرما کر اللہ کے راستہ میں شہید ہوگئے اسی طرح حسب ضرورت وحالات کے تقاضہ کے پیش نظر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اپنے پیرومرشد اور ولی کامل حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے زیر کمان ۱۸۵۷ء میں حکومت برطانیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

﴿ برصغیر کی سیاست میں علماءٔ کا کردار ﴾

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس برصغیر پاک وہند میں اسلامی حکومت کے بقا اور استحکام کیلئے اور پھر سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد اس کے قائم کرنے اور مسلمانوں کے استقلال کیلئے علماء حق کی

مساعی جمیلہ اوران کی جدوجہد کا سلسلہ از بس طویل ہے علمائ دیوبند نے غیر اسلامی اقتدار کے مٹانے میں شاندار اور نمایاں حصہ لیا پھر تحریک پاکستان بلکہ قیام پاکستان کے بعد بھی اس کی تعمیر وترقی میں نہ صرف یہ کہ حصہ ہی لیا بلکہ ہر موقع پر قیادت وامامت کے فرائض انجام دیئے اور پاکستان کی مخالف قوتوں کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہے علمائ دیوبند کے زریں کارناموں اور ملی وملکی خدمات کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں اور وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں:

ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت مجددصاحبؒ کا سیاسی کردار

مغلیہ سلطنت کے شہنشاہ اکبر کی پھیلائی ہوئی لامذہبیت کی وجہ سے جب مسلمانان برصغیر کا مستقبل تنگ وتاریک نظر آرہا تھا اور مسلم قومیت کو ہندو اکثریت میں جذب کرنے کیلئے متحدہ قومیت کا سرکاری سطح پر پرچار کیا جارہا تھا تو اس وقت بھی علمائ حق کے سرخیل حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مذہب اور مسلم قومیت کیلئے اکبر کی گمراہ سیاست کو چیلنج کیا اگرچہ حکومت کی لادینی طاقتوں نے وقتی طور پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کو زنجیروں میں جکڑ دیا اور قید وبند کی صعوبتوں سے آں ممدوح کو دوچار ہونا پڑا لیکن آخر کار حق اور روحانیت کی طاقت باطل نظریات پر غالب آئی اور حق کے سامنے باطل کا سر جھکا اور جہانگیر باایں ہمہ سطوت وقوت حلقہ ارادت میں داخل ہوا اور جہانگیری سیاست اور قیادت کا رخ صحیح سمت میں تبدیل ہوکر مذہب اور مسلم قومیت کا تشخص اور امتیاز از سرنو قائم ہوا پھر اسی گھرانے میں شاہ جہاں جیسا پختہ مسلمان اور اسلامی جذبات کا پیکر ظاہر ہوا اور عالم گیر جیسا عالم باعمل اور متقی سلطان پیدا ہوا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا مذہب ومسلم قومیت کیلئے یہ عظیم کارنامہ ہے اگر آپ اس وقت حکومت وقت کے باطل نظریات کے سامنے کلمہ حق بلند نہ فرماتے تو برصغیر میں اکبری متحدہ قومیت کے اس طلسم ہوش رُبا سے تمام مسلمانان ہند متاثر ہوجاتے اور مسلم قومیت کا علیحدہ تصور بھی شاید ہی باقی رہتا اور اکبر کے بعد ہی ہندوستان میں رام راج کا قیام عمل میں آجاتا خدانخواستہ اگر اکبری متحدہ قومیت کا یہ جادو سرچڑھ جاتا تو مسلم وغیر مسلم کی تفریق مٹادی جاتی پھر دوقومی نظریہ جس پر آگے چل کر مسلمانان ہند نے پاکستان کے مطالبے کی بنیاد قائم کی ہے کہاں باقی رہتا درحقیقت دوقومی نظریئے

کا تحفظ اور بقا میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا کردار تمام مسلمانان ہند پر ایک احسان عظیم کی حیثیت سے تاریخ عالم کے صفحات پر ثبت ہے شاید اسی کی طرف علامہ اقبال مرحوم نے اشارہ کیا ہے ۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا جس کو خبر دار

﴾ حضرت شاہ اسماعیلؒ و سید احمدؒ شہید کا علم جہاد بلند کرنا ﴿

پھر جب انگریزوں کی سیاست سکھوں کی چیرہ دستیوں اور مرہٹوں کی نبرد آزمائیوں سے سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو رہا تھا اور دھلی کی شاہجانی جامع مسجد کے بلند میناروں کے بالمقابل اغیار کا جھنڈا لہرا رہا تھا مسلمانوں کی اسلامی غیرت مجروح ہو رہی تھی اور ہر طرف سے مسلمان قوم بے بسی اور بے کسی کے عالم میں مظلومانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئی تھی اس وقت خاندان ولی اللٰہی کے چشم و چراغ سید اسماعیل شہید اور اسی خاندان کے فیض یافتہ سید احمد شہید نے علم جہاد بلند کیا اور ہندوستان کے مسلمانوں میں اسلامی جہاد کی روح پھونکی حضرت سید احمد شہید سندھ کے راستے کابل پہنچے جس راستے سے اس قافلے کا گذر ہوتا لاکھوں مسلمان پروانوں کی طرح اللہ کی راہ میں جاں نثاری اور جاں بازی کیلئے تیار ہو جاتے اس مجاہد فی سبیل اللہ نے کابل کی سرحد کی طرف سے سکھوں سے جہاد کیا اور سرحد کا کافی بڑا علاقہ سکھوں سے آزاد کرا کر اس پر قبضہ کر لیا اور اس میں اسلامی قانون جاری کر دیا گویا برصغیر میں انگریزوں کے تسلط کے بعد پہلی دفعہ صوبہ سرحد کے اس علاقہ میں اسلامی سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور احکام خداوندی کا اجرأ اور حدود کا نفاذ ہوا اور برصغیر میں پاکستان کی داغ بیل ڈالی گئی۔

﴾ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علمأ کا کردار ﴿

۱۸۵۷ء میں حکومت برطانیہ کے خلاف جو جنگ لڑی گئی اس میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی کی سرپرستی میں حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی شہید مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ نیز دوسرے اکابر علمأ دیوبند و تھانہ بھون نے مجاہدانہ حصہ لیا اور تھانہ بھون سے شاملی تک کے علاقہ میں اسلامی حکومت قائم کر لی لیکن حکومت دھلی کی ناکامی کی وجہ سے یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا اور فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔

۱۹۱۲ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے افغانستان شام

اورترکی سربراہان مملکت اوران کے گورنروں انور پاشااورغالب پاشا سے اپنے نمائندوں مولانا عبیداللہ سندھی وغیرہ کے ذریعہ اورخودبھی حجاز مقدس کا سفرکر کے ان سے ملاقات کی اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے اوراسلامی حکومت کے قیام کامنصوبہ بنایالیکن بعض لوگوں کی جاسوسی کی وجہ سے وہ اسکیم بارآور نہ ہوسکی۔

ادھرشریف مکہ نے حکومت برطانیہ کے مطالبے کے سامنے سرتسلیم خم کر کے شیخ الہند مولانا محمودحسن کوحکومت برطانیہ کی حراست میں دے دیابالآخرمولانا محمودحسن دیوبندی مولاناحسین احمد مدنی مولانا عزیرگل حکیم نصرت حسین اورمولوی وحیداحمد برادرزادہ مولانامدنی کوجزیرہ مالٹا (مصر) میں تقریباً چارسال کے قریب قیدوبند کی مشقتوں کوبرداشت کرناپڑارہائی کے بعدبھی ان حضرات نے ملکی سیاست اورانگریزوں سے ہندوستان کوآزاد کرانے میں بڑھ چڑھ کرحصہ لیااورکارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت شیخ الہند جب دینا سے رخصت ہوگئے توان کے نامورتلامذہ اورجانشینوں مولانا انورشاہ کشمیری محدث دارالعلوم دیوبند علامہ شبیر احمدعثمانی صدرمہتمم دارالعلوم دیوبندمولاناسید حسین احمد مدنی صدرمدرس دارالعلوم دیوبنداورمولاناعبیداللہ سندھی وغیرہ حضرات نے ملکی سیاسیات میں بھرپورحصہ لیاعلمأ دیوبند کے سیاسی کارناموں اورمجاہدانہ کاوشوں سے چشم پوشی ایک زندہ حقیقت کوجھٹلانا ہے حالانکہ علمأ دیوبند کی ایک جماعت تحریک آزادی ہند میں اپنی صوابدید کے مطابق حصہ لے رہی تھی اورقربانیاں پیش کررہی تھی تو دوسری طرف ایک جماعت حکیم الامت مولانااشرف علی تھانوی کی سرپرستی میں مسلمانوں کےعلیحدہ تشخص اورقومی امتیاز قائم کرنے اوران کے حقوق کے تحفظ کیلئے کوشاں اورساعی تھی۔

﴿ تحریک پاکستان میں حکیم الامت تھانویؒ کا کردار ﴾

حضرت حکیم الامت تھانوی اس برصغیر میں مسلمانوں کیلئے ایک علیحدہ وطن کے قیام کے خواہشمندرہے جس زمانہ میں مسلمانوں کیلئے علیحدہ مرکز اورمستقل نظام حکومت کاکہیں ذکراذکار نہیں تھااس وقت بھی حضرت تھانوی اپنی خواہش کااظہارفرماتے رہتے تھے کہ مسلمانوں کیلئے علیحدہ وطن کاقیام ان کے تمدن ومذہب کے تحفظ کیلئے ضروری ہے برصغیر سے بقول مولاناعبدالماجد دریاآبادی

مسلمانوں کیلئے علیحدہ مملکت کا تصور سب سے پہلے حضرت حکم الامت تھانوی کے یہاں سنا گیا مولانا دریا آبادی لکھتے ہیں:

پاکستان کا تخیل خالص اسلامی ریاست کا خیال سب آوازیں بہت بعد کی ہیں پہلے پہلے اس قسم کی آوازیں یہیں تھانہ بھون میں کانوں میں پڑیں (حکیم الامت نقوش وتاثرات)

حضرت تھانوی کی دلی تمنا اور دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ حکومت عادلہ مسلمہ قائم فرمادیں اور میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں (اسعد الابرار ص ۱۳۷)

یہ ۱۹۲۸ء کی بات تھی جس میں حضرت تھانوی نے پاکستان کی اسکیم اور اس کیلئے نظام اسلام شرعی عدالتوں کا قیام وغیرہ کا نقشہ تیار فرمادیا تھا بعد میں علامہ اقبال مرحوم نے اپنے خطبہ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد منعقدہ ۲۹/دسمبر ۱۹۳۰ء میں اسی تخیل کا اظہار کیا پھر مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں اس کا بطور ملی نصب العین کے مسلم لیگ کی طرف سے قرارداد پاکستان کی صورت میں مطالبہ کیا گیا جب تک مسلم لیگ نے کانگریس سے علیحدہ ہوکر مسلم قوم کے تشخص اور مسلمانوں کے قومی استقلال کا مطالبہ نہیں کیا اس وقت تک حضرت تھانوی نے مسلم لیگ کی بھی تائید نہیں فرمائی جب مسلم لیگ نے ۱۹۳۸ء میں جھانسی الیکشن میں کانگریس کا مقابلہ کیا اس وقت حضرت تھانوی نے کانگریس کو ووٹ نہ دینے کا تار جھانسی بھجوا کر مسلم لیگ کی حمایت فرمائی جس پر مسلم لیگ کو کامیابی ہوئی اور اس کی خوشخبری سنانے کیلئے مولانا شوکت علی اور مولانا مظہر الدین یکم اپریل ۱۹۳۸ء کو تھانہ بھون آئے اور وہاں عظیم جلسہ ہوا جلسے میں حضرت حکیم الامت کے حکم سے مولانا ظفر احمد عثمانی نے تقریر فرمائی اور حضرت کا تائیدی بیان پڑھ کر سنایا اس جلسہ میں حضرت تھانوی کے خلیفہ مولانا حافظ جلیل احمد شروانی بانی مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان بھی شریک تھے پھر ۴/جون ۱۹۳۸ء کو بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کیلئے علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا شبیر علی تھانوی مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی مفتی خانقاہ تھانہ بھون کو بھیجنا حضرت تھانوی نے تجویز فرمایا مگر یہ وفد بوجہ عذر پیش آجانے کے اجلاس میں شریک نہ ہوسکا البتہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ۱۶/۱۷ دسمبر ۱۹۳۸ء کو مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری کی قیادت میں دوسرا وفد شریک ہوا جس میں مولانا شبیر علی تھانوی ،مولانا ظفر احمد عثمانی ،مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری اور مولانا عبدالجبار ابوھر منڈی وغیرہ حضرات شریک تھے اس وفد میں

مسٹر محمد علی جناح کو حضرت تھانوی کا پیغام پہنچایا اور زبانی گفتگو بھی کی اگلے روز اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے حضرت تھانوی کا تاریخی پیغام پڑھ کر سنایا۔

بہر حال حضرت تھانوی قائداعظم کو وقتاً فوقتاً اپنے مفید اصلاحی مشوروں سے بھی بذریعہ خط اطلاع دیتے رہتے تھے اور یہ باہمی خط و کتابت کا سلسلہ حضرت کے آخر وقت تک جاری رہا آج بھی حضرت تھانوی کا ایک خط بنام قائداعظم اسلام آباد میں ان کے کاغذات میں محفوظ ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے موقع پر تیسرا وفد حضرت تھانوی نے آرمی بل سے متعلق مسلم لیگ کے موقف کی وضاحت کیلئے بھی قائداعظم کے پاس بھیجا تھا جس میں مولانا شبیر علی تھانوی ،مولانا ظفر احمد عثمانی ،اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب شامل تھے،سہارنپور کے ایک حلقہ میں یوپی اسمبلی کیلئے مسلم لیگ اور کانگرس میں مقابلہ ہوا اس الیکشن میں بھی حضرت تھانوی نے مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دینے کی ترغیب دی چنانچہ مسلم لیگ کے امیدوار مولوی منفعت علی سہارنپور یوپی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی کا مسلم لیگ کی تائید میں ایک تفصیلی فتویٰ تنظیم المسلمین کے نام سے ۱۳۵۶ھ میں شائع ہوا جو امداد الفتاویٰ جلد ۴ کے ص ۶۲۵ سے ۶۳۱ تک پھیلا ہوا ہے حضرت تھانوی نے شرح صدر کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہونے اور اس کی اصلاح میں کوشش کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

دیوبندی حلقے کے سرخیل اس وقت چونکہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ تھے انہوں نے واضح طور پر مسلم لیگ کی تائید و حمایت فرمائی تھی اس لئے حضرت تھانوی کے لاکھوں عقیدت منداور ہزاروں متوسلین جن میں سینکڑوں کی تعداد علماء کرام کی ہی تھی سب نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مطالبہ پاکستان کی ہر طرح سے تائید و حمایت کی خصوصیت سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ،مولانا ظفر احمد عثمانی ،مفتی محمد شفیع دیوبندی ،مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری ،مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری ،علامہ سید سلیمان ندوی ،مولانا مفتی محمد حسن امرتسری ،مولانا خیر محمد جالندھری ،مولانا اطہر علی سلہٹی ،مولانا شاہ وصی اللہ اعظمی ،مولانا قاری محمد طیب قاسمی ،اور مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات نے حکیم الامت تھانویؒ کے اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے جس کا ذکر ۱۹۲۸ء میں کیا تھا تحریک پاکستان میں سب سے زیادہ حصہ لیا ان حضرات نے ہندوستان کے چپے چپے اور گوشے گوشے

میں اپنی تقریروں اور عملی جدوجہد کے ذریعہ تحریک پاکستان کو مقبول عام بنانے اور پروان چڑھانے میں جس شاندار کردار کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے ان حضرات کی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کا اعتراف خود قائداعظم مرحوم اور لیاقت علی خان مرحوم نے بار بار کیا اور اسی لئے قائداعظم نے پاکستان کی پہلی پرچم کشائی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں کرائی تھی۔

سرحد اور سلہٹ ریفرنڈم میں کامیابی انہی حضرات کی کاوشوں کا نتیجہ تھی اگر ان حضرات کی حمایت مسلم لیگ کو حاصل نہ ہوتی تو بظاہر حالات مسلم لیگ کو کامیابی کا حاصل کرنا سخت دشوار اور بہت مشکل تھا ان حضرات نے مسلم لیگ میں ایک نئ روح پھونک دی تھی جس کا قائداعظم سمیت تمام زعماء لیگ کو کھلا اعتراف تھا اور یہ اعتراف حقیقت ان لوگوں کیلئے تازیانہ عبرت اور سرمہ بصیرت ہے جو پاکستان کی تحریک میں علماً دیوبند کے کردار کی نفی کرتے اور ان کی جدوجہد کو جھٹلاتے ہیں۔
(تحریک پاکستان اور علماً دیوبند ص۲۲)

حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ کے اس تاریخی اور اہم مضمون سے واضح ہے کہ علماً دیوبند نے تحریک پاکستان میں نمایاں حصہ لیا اور بھرپور کردار ادا کیا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر یہ حضرات اس تحریک میں عملی حصہ نہ لیتے تو پاکستان کا معرض وجود میں آنا ناممکن تھا۔

﴿ آج کی ایک اہم ضرورت ﴾

لیکن آج اس بات کی اہم اور اشد ضرورت ہے کہ ہم نئ نسل اور جامعات و مدارس کے فضلاً کو اس بات سے روشناس کرائیں کہ قیام پاکستان کی تحریک میں علماً کرام بالخصوص علماً دیوبند نے کتنا اہم کردار ادا کیا ہے ہماری تاریخ کا نہایت افسوسناک پہلو یہ ہے کہ آج تک جتنی بھی تاریخی کتابیں ہمارے بچوں کو اسکول کالج یا دینی اداروں میں پڑھائی جاتی ہیں ان میں اکثر و بیشتر کتب ایسی ہیں جن میں ان عظیم ہستیوں کا اجمالی یا تفصیلی تذکرہ تو کیا نام تک نہیں لکھا گیا جس کے نتیجہ میں نئ نسل یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ علماً کرام نے قیام پاکستان کی تحریک میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا۔

حالانکہ برصغیر پاک و ہند بلکہ عالم اسلام کی عظیم دینی و مذہبی شخصیت اور دارالعلوم دیوبند کے سرپرست مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی شیخ الاسلام علامہ

ظفر احمد عثمانی علامہ سید سلمان ندوی مفتی محمد حسن امرتسری مولانا شبیر علی تھانوی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری حضرت مولانا اطہر علی سلہٹی حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی قدس سرہم جیسے شہرہ آفاق علماء دیوبند کے اسماء گرامی ایسے ہیں جن کے تذکرہ کے بغیر قیام پاکستان کی تاریخ کا تذکرہ بالکل نامکمل اورادھورا ہے۔

اس مسلمہ حقیقت کا اندازہ اس بات سے لگانا آسان ہے کہ خود بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح بھی اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ دراصل انہی علماء کرام کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے انہیں مسلمانوں کیلئے علیحدہ مملکت حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی ہے اسی وجہ سے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی پرچم کشائی مغربی پاکستان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مشرقی پاکستان میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے مبارک ہاتھوں سے کرائی تھی اور یہ چیز پاکستان کی تاریخ کا جز بن چکی ہے۔

تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں سب سے پہلے جس عظیم ہستی نے آواز بلند کی وہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کی عظیم واہم شخصیت تھی آپ کے بعد دوسرے بزرگ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ہیں جن کی انتھک محنت اور مسلسل جدوجہد اس سلسلہ میں اتنی وقیع اور گرانقدر ہیں کہ کوئی مؤرخ ان کا تذکرہ کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

تحریک پاکستان میں علامہ کے ساتھ آپ کے بہت سے تلامذہ نے بھی شب وروز کام کیا اور آپ کے یہ شاگردان رشید برصغیر پاک وہند کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے تھے جن کے تفصیلی احوال وسوانح پر یقیناً ایک ضخیم کتاب مرتب کی جاسکتی ہے۔اسی طرح حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تمام خلفاء کرام بھی اپنے پیر ومرشد شیخ معظم ومکرم کی طرح تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے دل سے حامی تھے چنانچہ ان حضرات نے اس سلسلہ میں حتی المقدور بڑھ چڑھ کر عملی حصہ لیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک عظیم اسلامی مملکت نصیب فرمادی جس میں مسلمانوں کو ہر طرح سے آزادی......سکون اور چین کا موقع مل گیا اور ساتھ ساتھ اسلامی نظام کے نفاذ کا بھی راستہ ان کیلئے ہموار ہوگیا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی کا طبعی میلان یکسوئی کے ساتھ تصنیف وتالیف تعلیم وتربیت اور

اصلاح امت وہدایت خلق کی طرف تھا اس لئے عملی طور پر سیاسی اور ملکی تحریکوں میں براہ راست حصہ لینے کی نوبت نہ آئی اور نہ آپ کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے البتہ جب بھی ملک میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی تو آپ اس کے بارہ میں ایک ماہر شریعت عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت پر فقیہانہ نظر بصیرت ڈال کر نتائج وعواقب واضح کرتے اور ملت کی علمی و دینی راہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہ فرمایا۔آل انڈیا نیشنل کانگریس شروع میں ایک اعتدال پسند جماعت تھی لیکن بعد میں ظاہر ہوگیا کہ اس کی کاروائیوں سے مسلمانوں کے مفادات کو زبردست نقصان پہنچ سکتا ہے تو حضرت تھانویؒ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اس سے الگ رہیں اور اپنے آپ کو تعلیم کے لیے وقف کر دیں اور ان کی دلیل یہ تھی کہ کانگریس میں چونکہ اکثریت غیر مسلموں کی ہے اس لئے اس جماعت کی اصلاح ناممکن ہے حضرتؒ کے خیال میں کانگریس کی مقبولیت کی اصل وجہ یہ تھی کہ کچھ مسلمان اس میں شریک تھے جس کا حضرت کو انتہائی قلق تھا اس لئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

ہندوؤں کی پچاس سالہ مردہ کانگریس کو مسلمانوں نے زندہ کیا جب تک مسلمانوں نے شرکت نہ کی تھی کسی نے کانگریس کا نام نہ سنا تھا اگر خدانخواستہ یہ جماعت ہندوستان میں برسر اقتدار آ گئی تو یہ بھی ہندوستان میں وہی کرے گی جو بالشویک کر رہے ہیں۔

جس زمانہ میں جمعیت علماً ہند کا اجلاس دھلی میں ہوا حضرت اقدس کو بھی شرکت کی دعوت ملی تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا:

واقعات نے مجھے اس بات پر پختہ کر دیا ہے کہ مسلمانوں خصوصاً علماً کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے علماً کو خود ہی مسلمانوں کی تنظیم کرنی چاہئے اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی اپنی موت کے مترادف ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ہم کانگریس میں شرکت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے اور ہمارا غلبہ ہو اگر مقصود واقعی یہ ہے تو اس کا حصول مسلم لیگ میں زیادہ آسان ہے کیونکہ مسلم لیگ والے اتباع کیلئے آمادہ ہیں چنانچہ مسلم لیگ کے بڑے بڑے ارکان نے مجھے لکھا ہے کہ ہم حضرات علماً کی رائے کی اتباع کیلئے تیار ہیں کانگریسی تو خود اپنا تابع بناتے ہیں ان پر غلبہ پانا مشکل ہے۔

الغرض حضرت اقدس ہمیشہ سے مسلمانوں کی الگ تنظیم کے حامی رہے اور کانگریس کی سخت مخالفت کی حتی کہ جب تک مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا اس وقت تک حضرت نے اس کا ساتھ نہیں دیا جب یہ کانگریس سے الگ ہوئی تب آپ نے اعلانیہ مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔

﴿ آپ کے والد ماجدؒ اور آپ ؒ کا سیاسی نظریہ ﴾

اس تفصیل سے واضح ہے کہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کے اشتراک کے زبردست مخالف اور تقسیم ہند دوقومی نظریہ کے زبردست مناد اور داعی تھے آپ کے لاکھوں متوسلین نے اسی وجہ سے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

احقر کے جد امجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی قدس سرہ چونکہ حضرت اقدس حکیم الامت قدس سرہ کے حامی متعلقین ومتوسلین اور نہایت معتمد ترین احباب میں سے تھے اس لئے ان کا سیاسی مسلک وموقف بھی وہی تھا جو ان کے مرشد ومربی حضرت حکیم الامتؒ کا تھا چنانچہ اسی لئے انہوں نے بھی تحریک پاکستان میں کھل کر حصہ لیا تحریریں لکھیں اور تقاریر فرمائیں نیز مسلم لیگ کے عمائدین سے ملاقاتیں بھی کیں۔حضرت اقدس والد صاحبؒ بھی اسی نظریہ کو صحیح اور حق سمجھتے تھے اس لئے دارالعلوم دیوبند میں رہنے کے باوجود وہ اسی پر قائم رہے۔ وہاں کے طلبہ کا اکثریتی ماحول اگرچہ اس نظریہ کا حامی نہ تھا مگر اس کے باوجود آپ کھل کر اپنے نظریہ کا پرچار فرماتے تھے آپ کے حامی ساتھیوں میں حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کا بھی یہی طرزعمل تھا اس مسلک سے تعلق رکھنے والے طلبہ کی تعداد بہت قلیل تھی لیکن اکابرین دارالعلوم کو ان کا بخوبی علم تھا۔

﴿ عجیب واقعہ ﴾

حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب ۱۹۴۵ء اکتوبر میں جمعیت علماء اسلام کی کلکتہ میں بنیاد رکھی گئی اور اس اجلاس میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو اس کا صدر اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو نائب صدر منتخب کیا گیا تو صدارت کی دعوت کیلئے علامہ کی خدمت میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تشریف لائے تھے اس وقت میں ان کے ساتھ علامہ عثمانیؒ کے مکان پر حاضر ہوا تھا وہاں سے واپسی پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ مولانا حسین احمد کہاں ہوں گے میں نے عرض کیا کہ دارالحدیث میں پڑھا رہے ہیں فرمایا کہ چلو ان سے مل لیتے ہیں حالانکہ یہ عین سیاسی اختلاف کا دور تھا مگر اس کے

باوجود حضرت مدنیؒ سے ملنے کیلئے دارالحدیث میں پہنچے حضرت نے کھڑے ہوکر مصافحہ کے بعد معانقہ فرمایا اور اپنے پاس بٹھالیا خیریت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد حضرت مولانا اسٹیشن واپس ہوگئے اور میں انہیں سوار کراکے دارالحدیث پہنچ گیا۔

اس زمانہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دیوبند مقیم تھے اکثر بعد عصر ان کے مکان پر مجلس ہوتی آپ اس میں شرکت فرماتے تھے ایک مرتبہ حضرت علامہ عثمانیؒ مسلم لیگ کی طرف سے بھیجے گئے دعوت نامہ کا ذکر فرمایا اور آپ نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا تھا پڑھ کر سنایا اس میں اکبرالہ آبادی مرحوم کے اشعار بھی تھے حضرت والد صاحبؒ نے حضرت سے وہ والا نامہ لے کر اس کا وہی حصہ نقل کر لیا تھا بعد میں آپ کا یہ مکتوب گرامی ''انوار عثمانیؒ'' میں طبع ہوگیا تھا۔

ایک اہم سوال استعانت بالکفار کا شرعی حکم

دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں ملک کے سیاسی حالات کے پیش نظر طلبہ کے مابین اکثر یہ سوال زیر بحث تھا کہ استعانت بالکفار کی شرعی حیثیت کیا ہے اور یہ سوال اس وقت زیادہ شدت سے پیدا ہوا جب جمعیت علماء ہند کے اکابر نے تقسیم ہند سے قبل کانگریس سے اشتراک کیا اور دونوں نے مل کر ۱۹۴۵ء کے الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کیا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ چونکہ پہلے ہی اس کے عدم جواز کا فتویٰ تحریر فرماچکے تھے جیسا کہ آپ کے رسالہ ''شق الغیض عن حق علی وحسین'' مندرجہ ''بوادرالنوادر'' کے دیکھنے سے واضح ہے لیکن علماء دیوبند کی ایک بڑی جماعت نہ صرف اس کی شدومد سے حامی تھی بلکہ عملی طور پر بھی اس نے کانگریس سے اشتراک کیا ہوا تھا علماء کرام کے اس باہمی اختلاف کی وجہ سے عوام وخواص علماء اور طلبہ میں خاصا اضطراب واختلاف پایا جاتا تھا۔ طلبہ میں بھی بحث ومباحثہ کا بازار گرم رہتا تھا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے نزدیک کانگریس میں شرکت کفار کی متابعت کے مترادف تھی اس لئے حضرتؒ نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا لیکن اس پر یہ شبہ کیا جارہا تھا کہ جب کانگریس نے مذہب کے تحفظ کو اصولاً منظور کررکھا ہے اور دوسرے فریق کو کانگریس سے مخالفت کا بھی حق حاصل ہے تو پھر اس اشتراک کو متابعت قرار دے کر ناجائز کہنا اور غیر مجتہد فیہ قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے اس اشکال کی بنا پر حضرت تھانویؒ کے فتویٰ عدم جواز کو محل نظر قرار دیا جارہا تھا حضرت والد صاحبؒ نے اپنے ایک مکتوب بنام والد ماجد حضرت مفتی عبدالکریم

صاحب گمتھلویؒ میں بھی اس اشکال کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

مکتوب بنام حضرت والد صاحبؒ

قبلہ وکعبہ ام جناب والد صاحب مدظلہم العالی لازالت شموس فیوضکم بازغۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معروض خدمت والا درجت آنکہ ایک عرصہ سے استعانت بالکفار کے متعلق اہل علم حضرات میں تحریراً وتقریراً جو اختلاف چل رہا ہے اس کے سننے اور دیکھنے کی نوبت آتی رہتی ہے ان مضامین کے اکثر اجزا کا تو فیصلہ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ دعویٰ میں غلو اور استدلال کی غلطی کا پتہ چل جاتا ہے کبھی اپنے تتبع سے بھی دریافت کر لینے سے لیکن ایک اشکال ہنوز اچھی طرح رفع نہیں ہوا وہ یہ کہ کانگریس نے مذہب وغیرہ کے تحفظ کو اصولاً منظور کر رکھا ہے اور کبھی کسی تجویز شدہ عمل میں وہ خلاف کر دیتے ہیں تو اراکین جمعیت اس پر نہ عمل کرتے ہیں نہ سکوت بلکہ نکیر اور احتجاج کرتے ہیں پھر اس صورت کو صرف اس بناء پر کہ داخلہ یعنی ممبری کانگریس میں انفرادی اور بلاشرط ہے اس شرکت کو ایسی کھلی متابعت قرار دینا جس میں اجتہاد واختلاف رائے کی گنجائش نہ ہو اس میں ہنوز تامل ہے موجودہ نتائج اور آئندہ عواقب پر نظر کر کے اس شرکت کے عدم جواز کا راجح ہونا تو محتاج دلیل نہیں رہا مگر یہ اشکال کسی درجہ تک باقی ہے کہ جو حضرات نیک نیتی سے مصالح دینیہ حاصل ہونے کی خاطر اتباع باطل سے کلی احتراز کرتے ہوئے کانگریس میں شامل نہیں ان کے شمول کو خلاف شرع اور معصیت کس بنا پر قرار دیا جاوے جبکہ روایات حدیث وفقہ سے بعض حالات میں ممانعت معلوم ہوتی ہے اور بعض حالات میں اجازت، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مدار مسلمانوں کی مصلحت پر ہے، اس لئے یہ خلجان ہے کہ کیا مصلحت اور منفعت میں رائے کا اختلاف کیوں نہیں ہو سکتا، اگر ہو سکتا ہے تو جو حضرات اس شرکت کو نافع سمجھ کر شرکت کر رہے ہیں وہ گنہگار کیوں ہوں گے اجتہادی خطا کے سبب معذور کہا جاوے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جناب کی طویل علالت طبع اور ہجوم مشاغل کو دیکھتے ہوئے ایسی تکلیف دینا مناسب نہیں مگر مسئلہ کی اہمیت اور اشکال کی قوت کے باعث مجبوراً تکلیف دہی کی جرأت کرتا ہوں امید کہ اس مسئلہ کو قریبی فرصت میں کسی قدر تفصیل وبسط کے ساتھ سپرد قلم کر کے ممنون فرماویں گے۔... والسلام مع الاکرام

اس مکتوب گرامی میں جس انداز سے مذکورہ اشکال کا ذکر کرتے ہوئے جمعیت علماء ہند کے اکابر کی کانگریس کے ساتھ اتحاد واشتراک کو جائز اور مجتهد فیہ قرار دینے کی سعی کی گئی ہے وہ آپ کے سامنے ہے واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر اس اشکال کو درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ اختلاف فروعی اجتہادی اور راجح مرجوح کا اختلاف ہوگا جس میں دنوں جانب حق اور صواب کی گنجائش ہوگی اور پھر اس صورت میں کسی بھی فریق کو بالیقین مخطی اور عاصی وگنہگار قرار نہیں دیا جاسکے گا لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اشکال اگرچہ بظاہر بہت جاندار اور قوی ہے لیکن درحقیقت یہ ایک مغالطہ پرمبنی ہے جو استعانت کے مفہوم کو پورے اور صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اگر استعانت کا مفہوم اور کانگریس سے اشتراک کی حقیقت سامنے رکھی جائے تو پھر یہ اشکال خود بخود ختم ہو کر حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے فتویٰ کی حقانیت سامنے آجاتی ہے۔ بہرحال حضرت والد صاحبؒ نے زبانی زد عام خواص اور مشہور اشکال کا ذکر جب اپنے والد ماجدؒ سے کیا تو انہوں نے اس کے جواب میں ''القول المختار فی تحقیق الاختلاط بالکفار'' کے نام سے ایک مفصل ومبسوط اور تحقیقی جواب تحریر فرمایا جس میں سوالات کا مفہوم اور کانگریس سے اشتراک کے عدم جواز کو دلائل سے ثابت فرمایا۔ افسوس کہ حضرت جدامجد قدس سرہ کا یہ پورا مضمون اس وقت دستیاب نہیں ہے لیکن جتنا حصہ مل سکا اسے ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔لان مالا یدرك كله لایترك كله۔

﴿ جواب از حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ ﴾

المسمیٰ بہٖ

القول المختار فی تحقیق الاختلاط بالکفار

نور چشم قاری عبدالشکور دام بالبہجۃ والسرور

السلام علیکم

مسرت نامہ موصول ہوا اب تک پوری تفصیل سے جواب لکھنے کی قوت اور فرصت نہیں زیادہ تاخیر ہونے کی وجہ سے متوسط جواب درج ذیل ہے، اول تو ان شاء اللہ تعالیٰ اسی سے تشفی ہو جائے گی اگر کسی جزء میں شبہ رہ جائے تو مکرر دریافت کرلیں۔

موالات کفار کی حرمت تو آیات کثیرہ میں موجود ہے اور موالاۃ کا مفہوم صرف قلبی دوستی میں

منحصر نہیں بلکہ مناصرت یعنی اعانت واستعانت کو بھی شامل ہے جیسا کہ مفسرین نے تصریح کی ہے۔

تفسیر ابوالسعود میں ہے:

نهوا عن موالاتهم (الیٰ قوله) وعن الاستعانة بهم فی الغزو وسائر الامور الدنية (ص۲۲۶ ج۱)

جصاص میں ہے:

فتضمنت هذه الآية النهی عن اتخاذ الكفار اولياء وانصارا والاعتزاز بهم والالتجاء اليهم (ص۳۵۲ ج۲)

نیز ۵۵۲ میں ہے:

فيه نهی عن الاستنصار بالمشركين لان الاولياء هم الانصار۔

اور نیسابوری میں ہے:

وهو الركون اليهم والمعونة والمظاهرة لقرابة اوصداقة قبل الاسلام اوغير ذالك (الی قوله) فهذالا يوجب الكفر الانه منهی عنه......ای يجره الی استحسان طريقته والرضاء بدينه۔

پس جب موالات میں مناصرة داخل ہے تو تمام آیات جو حرمت موالاة پر دال ہیں وہ اعانت واستعانت بالکفار کی حرمت پر بھی صراحۃً دلالت کرتی ہیں اس دلالت کی صحت وصراحت بلکہ قطعیت میں کوئی شبہ نہیں جو مزید استدلال کی ضرورت باقی رہے مگر ولی اور موالات کے لفظ سے زیادہ صریح لفظ بھی قرآن مجید میں موجود ہے اس کو ذکر کر دینا بھی مزید تقویت کا باعث ہے:

قال اللّٰه تعالیٰ: فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث وجد تموهم ولا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا الاالذين يصلون الی قوم بينكم وبينهم ميثاق قال صاحب الروح ای جائيوهم مجانبة كلية ولاتقبلوا منهم ولاية ونصرة ابدا والاستثناء من الضمير فی قوله سبحانه فخذوهم واقتلو هم (الی قوله) ولا يجوزان يكون استثناء من الضميرفی لا تتخذوا وان كان اقرب لان اتخاذ الولی منهم حرام مطلقا (مثله فی تفيسر ابی السعود) (ج۳)

پس قرآن مجید سے تو اعانت واستعانت دونوں کی ممانعت حرمت علی الاطلاق صریح طور پر

ثابت ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے، اب روایات حدیث پر نظر ڈالنا چاہئے سو روایت عائشہ میں (غزوہ بدر میں) مسلم وغیرہ میں لانستعین بمشرك موجود ہے۔

قالت خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الی بدرحتی اذاکان بحرة الوبرة ادرکه رجل من المشرکین کان یذکر منه جرأة ونجدة فسر المسلمون به فقال یارسول اللّٰہ جئت لا تبعك واصیب معك فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اتؤ من باللّٰہ ورسوله قال لا قال فارجع فلن استعین بمشرك قالت فمضی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم حتی اذاکان بالبیداء ادرکه ذالك الرجل فقال له رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اتؤمن باللّٰہ ورسوله قال نعم قال فانطلق متفق علیه ورواه الجوزجانی ومغتی (ص ۴۵۷)

اسی طرح امام احمدؒ نے حبیب سے روایت کی ہے:

روی احمد باسناده عن عبید الرحمن بن حبیب قال اتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وهو یرید غزوة فاذا رجل من قومی ولم نسلم فقلنا انا نستحی ......بشهد قومنا مشهد الانشهده معه قال فاسلمتم قلنا لاقال لا نستین بالمشرکین علی المشرکین قال فاسلمنا وشهد نامعه۔قال فی الفتح رواه الحاکم وقال صحیح الاسناد

اورغزوہ احد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایالانستعین بمن لیس علی دیننا۔

ان روایات میں کوئی حالت مستثنیٰ نہیں اس لئے بہت حضرات اس طرف گئے ہیں کہ کسی حال میں بھی کفار سے استعانت جائز نہیں چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

وابن المنذر وجماعة لایجو زون ذالك اور مغنی میں ہے:لایستعان بمشرك وبهذاقال ابن المنذروالجوزجانی وهذااختیار ابن المنذرو الجوزجانی فی جماعة من اهل العلم۔ اور محلی میں ابن حزم نے کہا قال جوز جانی ابو سلیمان لایستعان بهم(ص ٤٣٣ ج٧)

اور جن راویتوں میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں کفار کو شریک فرمالیا تھا ابن المنذ ران کی بابت فرماتے ہیں:

والذی ذکر انه استعان بهم غیر ثابت (ص ۴۵۷ ج ۱۰)

نیز علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے:ولاشك ان هذه لاتقادم احادیث المنع فی القوة

فکیف تعارضها اور گوابن حزم نے کہا ہے:رویناہ عن الزهری من طرق کلها صحاح عنه لیکن ابن ہمام نے فرمایا ہے:ان یحی بن القطان کان لایری مراسیل الزهری وقتادة شیئاً ویقول هی بمنزلة الریح اوصفوان۔

ابن امیہ کی غزوہ ہوازن میں جو شرکت آئی ہے اس کا طحاوی کی طرف سے یہ جواب کہ حضور نے امر نہیں فرمایا تھا...... اس کی بابت حافظ ابن حجر کا...... بالکل درست ہے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ صفوان اس وقت مؤلفۃ القلوب میں تھا اس کو حصہ بھی مؤلفۃ القلوب کے سہام میں سے دیا گیا جبکہ مغنی کی روایت میں تصریح ہے کہ (ص ۴۵٦ ج ۱) اور پھر قریب ہی وہ ایمان ہی لے آیا تھا۔

اور بعض حضرات نے جواز استعانت پر ان الله لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر سے استدلال کیا ہے اس کی بابت علامہ عینیؒ وغیرہ نے کہا ہے:لاتعارض لان المشرك غیر المسلم الفاجر یعنی اس سے استعانت بالفاسق کا جواز ثابت ہوگا نہ استعانت بالکافر کا۔مگر امام سرخسیؒ نے جو روایت لی ہے اس میں فاجر کی جگہ باقوام لا خلاق لهم فی الآخرة ضعیف (عزیزی) وارد ہوا ہے اس سے کفار کا مراد ہونا متبادر ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو اس استدلال میں بھی ایک قوی شبہ ہے اول تو اس تائید سے تائید تکوینی کا احتمال غالب ہے نہ تشریعی کا دوسرے مآل اور انجام اس شخص کا فجور کی طرف ہو گیا تھا استعانت کے وقت اس کا فجور ظاہر نہ تھا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے:

ولایعارضه قوله صلی الله علیه وسلم نستعین لانه محمول وکفر علی من یظهر الکفر (فتح ص ۳٦۴ ج ۷)

حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے اس گرانقدر علمی مضمون میں مذکورہ اشکال کا جو جواب دیا گیا ہے اس سے کانگریس کے ساتھ اشتراک کی عدم صحت بالکل عیاں ہے اہل علم اس مسئلہ کی پوری تفصیل کیلئے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے رسالہ ''ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی حدود شرعیہ'' کی طرف رجوع فرمائیں اس دور کے حالت کے پیش نظر اسلامی وشرعی نقطہ نگاہ سے حضرت مفتی اعظمؒ نے جو فتویٰ جاری فرمایا تھا حضرت اقدس تھانویؒ کے تمام متوسلین نے اس کو تسلیم کرتے ہوئے تحریک پاکستان کی حمایت کی اور اس میں بھر پور کردار ادا کیا جس کے نتیجہ میں ۲٦ رمضان المبارک ۱۳٦٦ھ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان

معرض وجود میں آئی اس کیلئے مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں وہ تاریخ کا ایک عظیم حصہ اور سنہری باب ہے چونکہ یہ مملکت اسلام کے نام پر قائم ہوئی تھی اس لئے لاکھوں مسلمانوں نے اپنا وطن چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کی احقر کے آبأ واجداد بھی انہیں حضرات میں شامل تھے۔

ہجرت کے بعد حضرت والد صاحبؒ کا قیام پہلے لاہور پھر ساہیوال ضلع سرگودھا میں ہوا۔ ۲ فروری ۱۹۴۸ء کو آپ ساہیوال پہنچے اور پھر یکم جنوری ۲۰۰۱ء تک یہیں زندگی بسر فرمائی۔

﴿ ساہیوال کا پچاس سالہ دورحیات ﴾

اس دوران جیسے آپ نے دین کے دیگر شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دیں اسی طرح بوقت ضرورت سیاسی میدان میں بھی نہ صرف حصہ لیا بلکہ قائدانہ کردار ادا کیا جس پر ساہیوال کی پچاس سالہ تاریخ گواہ ہے۔ آپ کی سیاسی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع وعریض ہے ساہیوال کی تاریخ میں سیاسی طور پر جو نشیب وفراز آئے اور اسی طرح وطن عزیز میں اس طویل عرصہ کے دوران کیا کیا سیاسی انقلاب بپا ہوئے۔ حکمرانوں نے اسلامی نظام کے متعلق کیا رویہ رکھا کون کونسی تحریکات چلیں۔ جمہوریت کے نام پر کیا کچھ ہوتا رہا علماء کرام نے اس سلسلہ میں کیا کردار ادا کیا ان حالات سے آپ پورے طور پر واقف اور باخبر تھے اور ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے تھے کہ وطن عزیز کے استحکام میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو اور یہ ملک ہر لحاظ سے مضبوط ومستحکم رہے اور اس کے قیام کا جو اصل مقصد ہے یعنی نفاذ اسلام وہ پورے طور پر حاصل ہو جائے۔

اس سلسلہ میں آپ نے تقریری وتحریری طور پر جو گرانقدر یادگار تاریخی خدمات سرانجام دی ہیں اس کی تفصیل کیلئے مستقل ایک کتاب کی ضرورت ہے سردست یہاں ہم آپ کی بعض ایسی تحریرات اور مضامین پر اکتفا کرتے ہیں جن سے آپ کے سیاسی افکار ونظریات پر قدرے روشنی پڑتی ہے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو آپ کی سیاسی خدمات پر کسی وقت بسط وتفصیل سے لکھا جائے گا اور پورے طور پر آپ کی سیاسی جدوجہد کی تاریخ مرتب کی جائے گی قارئین کرام بھی دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ جلد اس کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

چند اہم سیاسی افادات

ساہیوال کے پچاس سالہ قیام میں آپ کا سیاسی طرزعمل کیا رہا؟ اس کیلئے آپ کی تحریر سامی کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

رسالہ ''تعارف جامعہ حقانیہ'' کے پیش لفظ میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

ساہیوال کے پچاس سالہ قیام میں جب بھی انتخابات کا مرحلہ پیش آیا پرائمری مسلم لیگ سے لے کر صوبائی اور قومی اسمبلی کے انتخابات تک مسلم لیگ کے ساتھ ہی تعاون کیا اور جس نظریہ کو اسلامی نقطہ نظر سے پاکستان کے حق میں مفید سمجھا اس سے ہی مسلمانوں کو آگاہ کیا۔

یہی طرزعمل ''جامعہ حقانیہ'' کے ساتھ وابستہ مسلمانوں کا رہا کہ انہوں نے اس علاقہ میں اسی نظریہ کے حامل افراد کی تائید کی اور جامعہ حقانیہ سے راہنمائی حاصل کی۔ کیونکہ میں نے ہمیشہ سیاسی حالات حاضرہ کو بھی مذہبی نگاہ سے ہی دیکھا ہے اس لئے سیاسی معاملات میں بھی عوام کی مذہبی حیثیت سے ہی راہنمائی کی جاتی ہے یہی اسلامی حیثیت پاکستان کی بنیاد ہے اسی نام پر پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تھا اور اسی حیثیت کے قائم رکھنے کیلئے میں اس نظریہ کی حامل جماعت ''مسلم لیگ'' کی حمایت کرتا ہوں کہ اس نے پاکستان کے مطالبہ کے وقت اسلام کے نام کو استعمال کیا تھا۔

میں نے سیاسی خدمات سے بھی نہ کوئی مفاد حاصل کیا نہ کوئی عہدہ قبول کیا کیونکہ میری سیاست ''نظریاتی'' ہے ''مفاداتی'' نہیں میری پچاس سالہ تاریخ بحمداللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے مخالف بھی اس کے اعتراف پر مجبور ہیں (ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء)

ہمارے روحانی پیشوا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی ۱۹۳۹ء میں اسی بنأ پر مسلم لیگ کی حمایت کا فتویٰ دیا تھا کہ وہ اسلام اور اسلامی نظام کا نام لیتی تھی اور اس کے خیالات کی اصلاح بھی ممکن تھی۔

پھر ۱۹۴۵ء میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد بھی اسی ''دوقومی نظریہ'' کی حمایت کیلئے رکھی گئی تھی

جمعیت کے اکابر ومشائخ متوسلین اور متعلقین نے تحریک پاکستان کیلئے جو قربانیاں دیں وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔

اسی پلیٹ فارم سے ہمارے بڑوں نے مسلم لیگ کی بھرپور تائید کی اور تحریک میں حصہ لیا میرے والد ماجد اور میرا تعلق شروع سے ہی اسی جماعت سے تھا اس تائید کا مقصد الگ اسلامی مملکت کا حصول اور اس میں نفاذ اسلام تھا اس لئے اب مسلم لیگ کو چاہئے کہ وہ پاکستان میں اسلام کا نظام جلد از جلد جاری کر کے اپنے وعدہ کو پورا کرے۔

میں نے جناب محترم محمد رفیق تارڑ صدر پاکستان اور جناب میاں محمد نواز شریف صاحب وزیر اعظم پاکستان کے نام کھلے خطوں میں اسی لئے اسلامی نظام کے قیام کا مطالبہ کیا ہے یہ دونوں خط شائع ہو چکے ہیں پہلے بھی یہ مطالبہ ہر مکتب فکر کی طرف سے ہوتا رہا ہے۔

بہر حال جامعہ کے اس شعبہ کی خدمات کا تعلق خالصتاً اسلامی نقطہ نگاہ سے ہے اس لئے کبھی اس پر کوئی مفاد جامعہ کیلئے بھی نہیں اٹھایا گیا (تعارف وتاریخی پس منظر جامعہ حقانیہ ص ٦)

مضامین وافادات

اس وقت کی جو تحریرات افادہ عام کیلئے پیش خدمت ہیں ان میں:

''پاکستان کا پس منظر''۔''سرکاری نفاذ شریعت بل پر تبصرہ''۔''جناب وزیر اعلی، وزیر اعظم، اور صدر مملکت کے نام خطوط''۔''نفاذ شریعت بل''۔''نفاذ شریعت اور ہمارے مطالبات''۔''شریعت بل اور اسلامی فرقے''۔''جمہوریت اور ووٹ کی شرعی حیثیت''۔ بطور نمونہ مشتے از خروارے شامل ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ حضرت اقدسؒ عوام کے علاوہ خواص بلکہ ملک کے سربراہ اور صدر تک کو بھی ملکی سالمیت اس کے بقاً وتحفظ اور ملک میں اسلامی نفاذ کیلئے وقتاً فوقتاً راہنمائی فرماتے اور ہدایات دیتے رہتے تھے۔

پاکستان کا پس منظر

بعدالحمدوالصلوٰۃ: عرض آنکہ آج پچاسویں یوم آزادی کے موقع پر آپ حضرات کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور مختصراً چند گذارشات پیش خدمت ہیں امید کہ توجہ سے سنی جائیں گی۔

کانگریس کا نظریہ تھا کہ ہندوستان کو تقسیم نہ کیا جائے بلکہ ہندو مسلم دونوں مل کر اپنی اپنی اکثریت واقلیت کے ماتحت حقوق لے کر ہندوستان کی حکومت چلائیں اور مرکز ایک رہے۔

مسلمانوں کی اکثریت اور سواد اعظم جناب قائداعظم مسٹر علی جناح صاحب مرحوم کی قیادت میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر پاکستان کا نعرہ بلند کررہا تھا اور ہندوستان کی تقسیم کا دعویٰ کررہا تھا اس کا نعرہ تھا: **مسلمانوں کا نعرہ:** بٹ کے رہے گا ہندوستان...... لے کے رہیں گے پاکستان

مسلمانوں کی اکثریت کا نظریہ تھا کہ ہندوستان کے ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ایک علیحدہ نظام ہو جس میں مسلمان اپنے کلچر اور تہذیب، اپنی ثقافت اور اپنی ملت کو خود مختارانہ حیثیت سے فروغ دے سکیں، یعنی صوبہ سرحد، پنجاب مع شمول مشرقی پنجاب، سندھ، بنگال، آسام کو علیحدہ کر کے اس کا نام پاکستان رکھا جائے اور ریاست کشمیر بھی مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ سے پاکستان میں شامل ہو۔ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر ہندوستان کو مشترکہ طور پر آزادی ملی اور مرکز ایک رہا تو چونکہ مرکز میں بوجہ کثرت آبادی ہندوؤں کی اکثریت رہے گی، اس لئے اس وقت پورے برصغیر میں چوتھائی مسلمان کو انگریزوں کی حکومت سے آزاد ہو کر ہمیشہ کیلئے غیر مسلموں کی ماتحتی میں رہنا پڑتا اور اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے بھی غیر مسلموں کے رحم وکرم پر ہی انحصار کرنا پڑتا کوئی طاقت ایسی نہ ہوتی جس کی امداد سے مسلمان اپنے حقوق کا بزور تحفظ کر سکتے۔ جمہوریت میں حکومت اسی کی ہوتی ہے جس کی مرکز میں اکثریت ہوتی ہے، تو ایک مرکز کا لازمی نتیجہ غیر مسلموں کی حکومت کا قیام اور مسلمانوں کو ان کا محکوم اور تابع ہونے کی صورت میں نکلتا، اس لئے مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ صوبوں کی حکومتوں کی طرح مرکز میں بھی جن صوبوں کی اکثریت مسلم ہے ان کا مرکز علیحدہ ہو اور جن صوبوں کی

آبادی غیر مسلموں پر مشتمل اوران کی اکثریت ہے وہاں غیر مسلم مرکز ہو۔

اس پر برطانیہ حکومت نے کئی کمیشن اور فارمولے پیش کئے ان میں ''کرپس فارمولا'' مشہور ہے جس کو برطانیہ نے اپنے نمائندہ بنا کر بھیجا اور مسلم لیگ اور کانگریس میں مفاہمت کی کوشش کی، شملہ میں ان کے اجلاس ہوتے رہے اور ایک حد تک اس پر تقریباً اتفاق ہو رہا تھا کہ جواہر لال نہرو نے ایسا بیان دے دیا جس سے مسلم لیگ کو ان کے وعدوں پر اطمینان نہ رہا اور پھر مطالبہ پاکستان منوانے کیلئے ۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء میں مرکزی اور صوبائی تمام ہندوستان میں انتخاب کرائے گئے جس میں عوام مسلمانوں کے علاوہ علماء کرام اور مشائخ عظام نے بھی بھرپور حصہ لیا اور کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی اور برطانیہ کو مطالبہ پاکستان تسلیم کرنا پڑا۔

مسلم لیگ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان لاہور میں منظور کر چکی تھی، ۳ جون ۱۹۴۷ء کو اس کا اعلان سرکاری طور پر کر دیا، اور ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو کراچی اور ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم ادا کی گئی اور مسلمانوں کو ایک خطہ میں علیحدہ مملکت حاصل ہوگئی۔

قائداعظمؒ نے علماء کے اعزاز کے طور پر دونوں حصوں میں علماء کرام سے پہلی پرچم کشائی کی رسم ادا کرائی، کراچی میں ان کی موجودگی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ڈھاکہ میں شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے یہ رسم ادا فرمائی۔

یہ خداداد مملکت پاکستان خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہے، جو مسلمانوں کی اکثریت کی محنتوں اور جانی مالی قربانیوں سے حاصل ہوئی، ہر مکتب فکر کے علماء ومشائخ اور عوام مسلمانوں کی جدوجہد اور ووٹوں سے اس کا حاصل ہونا ممکن ہوا۔

جس وقت یہ پاکستان معرض وجود میں آیا اس میں ان خالص مسلمانوں کے ووٹ استعمال کئے گئے اور ان صوبوں کے مسلمانوں نے بھی اس کیلئے اپنے ووٹ دیئے جن کو یہ یقین نہ تھا کہ ہمارا صوبہ پاکستان میں شامل نہیں ہوگا مگر ان کی تمنا یہ تھی کہ برصغیر میں ایک مسلمان حکومت کا قیام عمل میں آرہا ہے، ان کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے اور ان کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری بھی پاکستان پر ہی عائد ہوتی ہے، اور لیاقت نہرو معاہدہ میں ایک حد تک مسلم لیگ نے یہ ذمہ داری پوری کرنے کی کوشش بھی کی، مگر بعد میں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ ملک کا ایک بہت بڑا حصہ علیحدہ ہوگیا ۱۹۴۷ء میں

جو مسلم سلطنت (پاکستان) قائم ہوئی سب سے بڑی سلطنت تھی اب پچاس سال کے پورے ہونے پر ۱۹۴۷ء میں وہ شاید دنیا کی تیسری مسلم سلطنت بن گئی۔

اس کی حفاظت ہر مسلمان کی ذمہ داری اور شرعی فرض ہے، اس کے استحکام کیلئے مسلمانوں کو ہر قسم کی قربانیوں کیلئے تیار ہی نہیں بلکہ عملی مظاہرہ کرنا چاہیئے، اور اسلاف خصوصاً مسلم لیگ کے حق میں دعاء کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائیں وہ ہمیں اتنی بڑی سلطنت بنا کر دے گئے کہ اس میں ہم جس طرح چاہیں اسلامی احکامات کو نافذ کر سکتے ہیں اور شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ ہی مسلم لیگ کا منشور تھا۔

آج کا دن خوشی کا بھی اور احتساب کا بھی ہر شخص کو اپنا احتساب کرنا چاہیئے کہ وہ اس خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت کی کس قدر خدمت کر رہا ہے اور اس کے استحکام اور پائیداری کیلئے کتنی محنت کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس خوشی کے ساتھ اس کی حفاظت کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

امید ہے کہ میری سمع خراشی کو معاف فرمایا جائے گا اور اس پر غور کر کے عمل کیا جائے گا حاضرین خصوصاً اے۔ سی صاحب اور ایس۔ ایچ۔ او، اور دوسرے عمائدین حکومت اور معزز سامعین کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میری گذارش کو شرف قبول عطا فرمایا اور غور سے سنا۔

اسلام.................................. زندہ باد

پاکستان.............................. پائندہ باد۔

والسلام

سید عبدالشکور ترمذی

سرکاری نفاذ شریعت بل پر مختصر تبصرہ

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے دفتر (واقع جامعہ اشرفیہ لاہور) میں مجلس صیانۃ المسلمین کے علماء کرام کا اجتماع ہوا، جس میں حکومت کی طرف سے قومی اسمبلی میں پیش کردہ شریعت بل پر غور وفکر کیا گیا جس پر مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کی مرکزی شوریٰ کے ممتاز رکن اور جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کے مہتمم مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہم نے حسب ذیل تجزیہ وتبصرہ فرمایا جس کو علمائے مجلس نے بالاتفاق منظور کیا۔ پھر اس تبصرہ کو متحدہ علماء کونسل کے اجلاس میں جو جامعہ رضویہ غوثیہ ماڈل ٹاؤن لاہور میں ۵ مئی کو منعقد ہوا جس میں ہر مکتبِ فکر کے علمائے کرام ودانشور حضرات دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث نے شرکت فرمائی، ان کے سامنے پیش کیا گیا ان سب حضرات نے بھی اس تبصرہ و تجزیہ کو سراہا اور اس کی تائید کی اور بالاتفاق یہ طے پایا کہ حکومت کو چاہئے کہ سینٹ کا منظور کردہ شریعت بل ہی قومی اسمبلی میں منظوری کیلئے پیش کیا جائے۔ (وکیل احمد شیروانی)

ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے جو پورے غور وخوض کے بعد قائم کی گئی ہے کہ اس سرکاری بل کے ذریعے ملک میں نفاذِ شریعت کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

(۱) الف:

اس کے دیباچہ کی تفصیلات میں ابہام کے علاوہ اس بل کا آئین کے کسی بھی دفعہ سے تعلق ظاہر نہیں کیا گیا جو کہ بل کا قانونی اور بنیادی سقم ہے جبکہ سینٹ سے منظور شدہ بل کا دیباچہ تفصیل سے اور آئین کی شق نمبر ۳ الف سے متعلق ہے۔

ب:

سرکاری بل کے دیباچہ میں یہ عبارت درج ہے:

''اور چونکہ یہ ضروری ہے کہ قرآن پاک اور سنت کے احکام کی مطابقت میں قوانین وضع

کئے جائیں اور تسلیم شدہ طریقے کے ذریعہ پاکستان کے عوام کی خواہشات اور آرزوؤں کا پتہ چلایا جائے اور ہر لحاظ سے ان کے فیصلہ کو نافذ کیا جائے جو اسلامی اصول قانون کا بنیادی ستون ہے''

یہ عبارت شریعت اور آئین کی شق نمبر۳ قرارداد مقاصد کے خلاف ہے اس عبارت میں اسمبلی کو حاکمیت اعلیٰ کی قطعی حیثیت دیدی گئی ہے، حالانکہ آئین کی رو سے اسمبلی قانون سازی میں اسلامی حدود کی پابند ہے جیسا کہ قرارداد مقاصد آئین کی شق نمبر۲ الف میں درج ہے کہ:

''جہاں جمہوریت آزادی مساوات رواداری اور سماجی انصاف کے اصولوں کے وہی مفہوم جو اسلام کے مطابق ہوں گے وہی قابل قبول اور قابل عمل ہوں گے''

سرکاری بل کے دیباچہ سے اس عبارت کو حذف کرنا ضروری ہے۔

(۲) اس بل میں اس کے نفاذ کیلئے عدالتوں کا تعین ان کی ذمہ داریوں، اختیارات اور ذرائع نفاذ کا ذکر نہیں کیا گیا اس بل سے نفاذ شریعت کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، یہ ایک غیر مؤثر دستاویز بن کر رہ گیا ہے کیونکہ آئین میں ترمیم کرکے شریعت کو سپریم لاء کا درجہ دیا جارہا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جب تک بل میں نفاذ شریعت کیلئے سپریم کورٹ کی ہائی کمان کے درجہ میں شرعی عدالتوں کے قیام کی ضمانت نہیں دی جاتی اور بقیہ تمام عدالتوں ٹربیونلز اور مقتدر اداروں کو شرعی عدالت کے تابع نہیں کیا جاتا اور ان عدالتوں اور اداروں میں شریعت کی تعبیر وتشریح کیلئے ماہرین علوم اسلامی کو شامل نہیں کیا جاتا اس وقت تک نفاذ شریعت کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

(۳) اس سرکاری بل میں شریعت کی تعبیر وتشریح کو قرآن وسنت کے مسلمہ اصول وقواعد کے مطابق مسلمہ فقہاء کے مدون ومرتب کردہ قوانین سے قطع نظر کرکے ہر کس وناکس کیلئے قرآن وسنت کی من مانی تشریح وتعبیر کا دروازہ کھولا گیا ہے، ایسی صورت میں عدالتوں کے فیصلے اور نفاذ شریعت ایک مذاق بن کر رہ جائیں گے۔

(۴) اس بل میں نفاذ شریعت کیلئے کسی طریق کار کی تعیین نہیں کی گئی اس لیے ضروری ہے کہ عدالتوں کے ذریعہ طریقِ کار اور جامع لائحہ عمل کو اس بل میں شامل کرکے شریعت کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔

(۵) سرکاری بل میں شریعت کے خلاف احکامات جاری کرنے پر پابندی کی شق بھی نہیں رکھی گئی

جس سے صدر مملکت، وزیر اعظم، وزراء اعلیٰ اور گورنروں کو شریعت کے خلاف احکامات جاری کرنے کا موقع فراہم ہوتا ہے اس کے علاوہ ان حکام کو شریعت کے مطابق احکامات دینے کے بارے میں عدالتوں کے سامنے جوابدہ بھی نہیں بنایا گیا۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان دونوں اہم شرعی اور آئینی باتوں سے چشم پوشی کی گئی ہے سرکاری بل میں صدر، وزیر اعظم، گورنر، وزراء اعلیٰ اور عمال حکومت کا پابند شریعت ہونا بھی شرط قرار نہیں دیا گیا، اس طرح شریعت مطہرہ کے نفاذ کا اختیار فساق و فجار، بدکردار عمالِ حکومت کے حوالہ کرنے کی آزادی دے دی گئی عمال حکومت کے نیک ہونے اور کبائر سے اجتناب کی شرط لگانی نہایت ضروری ہے۔

(۶) سرکاری بل کی شق نمبر ۸ میں اسلامی معیشت کیلئے سفارشات مرتب کرنے کیلئے تین سال کی مدت دی گئی ہے ان کے علاوہ اس بل میں توسیع کا لامحدود اختیار اسمبلی کو ہوگا اس طرح اسلامی معیشت نافذ نہ کرنے کا اچھا خاصہ ہتھیار اس سرکاری بل میں فراہم کر دیا گیا ہے اس لئے تین سال کی مدت اور اسمبلی میں اس کی توسیع کا اختیاری دونوں کا حذف کرنا ضروری ہے۔

(۷) اس بل کی شق نمبر ۱۸ میں ہے:

''اس ایکٹ کے آغاز سے پہلے یا بعد کے کسی قومی ادارے اور کسی بیرونی ایجنسی کے درمیان عائد کردہ یا عائد کی جانی والی ذمہ داریاں اور کئے گئے یا کئے جانے والے معاہدے مؤثر لازم اور قابل عمل رہیں گے''

حالانکہ اس ایکٹ کے آغاز نفاذ سے پہلے یا بعد کے کسی بھی معاہدہ کے مؤثر رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے فوری طور پر سب معاہدات غیر مؤثر ہونے چاہئیں۔

البتہ بیرونی ملک کے ساتھ پہلے سے کئے گئے معاہدوں کی پابندی ناگزیر مجبوری ہوسکتی ہے لیکن نئے معاہدوں کو بھی مؤثر اور قابلِ عمل قرار دینا قطعاً جائز نہیں اس کی اجازت دینے کے معنیٰ تو یہ ہوں گے کہ غیر شرعی سودی معاہدے اور ذمہ داریاں قبول کرنے کی کھلی چھٹی شریعت بل کے نام پر دی جارہی ہے، جبکہ سود کے بارے میں قرآنی حکم کے مطابق سود کے جاری رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کا اعلان ہے۔

بیرونی ملکوں سے سودی قرضوں کے بجائے شرکت کے اُصول پر معاہدے کئے جاسکتے ہیں اور پہلے معاہدوں کو بھی اسی اُصول کے مطابق کرانے کی کوشش کی جانی چاہئے اس لیے شریعت بل میں شریعت کے خلاف آئندہ بیرونی سودی قرضوں کے معاہدات کرنے کی آزادی حکومت کو نہیں دی جانی چاہئے اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔

جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اپنی شہادت سے کچھ عرصہ قبل ایک اسلامی اقتصادی کمیٹی تشکیل دی تھی جس میں گورنر اسٹیٹ بنک اور اقتصادیات کے ماہرین کے علاوہ فقہ کے ماہرین بھی شامل تھے اس کمیشن کی ذیلی کمیٹی نے آٹھ مہینہ کی مسلسل کوشش اور محنت سے ایک جامع رپورٹ تیار کی تھی جس میں بنک کا نظام سود سے بالکل پاک ہوسکتا ہے اس کمیشن سے بنکوں کے سربراہوں اور اعلیٰ سطح کے صنعت کاروں، تاجروں سے بھی مشورہ کیا۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ اس کو نافذ کرنے میں کوئی عملی دشواری نہیں ہے۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ اس جامع رپورٹ کے مطابق جلد از جلد ملک سے سود کا خاتمہ کیا جائے۔

یہ تبصرہ مختصر طور پر اس سرکاری بل کی بعض اصولی فروگزاشتوں کی نشاندہی کیلئے پیش کیا جارہا ہے اس بل کا شقوار مکمل جائزہ یہاں پیش نظر نہیں ہے۔

حکومت سے مطالبہ

ہم حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے پیش کردہ شریعت بل ۱۹۹۱ء کو مندرجہ بالا فروگذاشتوں کی وجہ سے موجودہ صورت میں نافذ کرنے کی ہرگز کوشش نہ کی جائے۔

ایک کھلا خط

بنام سابق وزیر اعلیٰ پنجاب

مکرمی جناب غلام حیدر روائیں صاحب جنرل سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ (وزیر اعلیٰ پنجاب)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ...مزاج گرامی

اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوتا رہا کہ آپ کا کنونشن علماءِ پنجاب اور اس سے پہلے کنونشن مشائخ، بحیثیت مجموعی کامیاب رہا، اس پر آپ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ آپ نے صوبائی کنونشن میں کہا ہے کہ:

مسلم لیگ علماء ومشائخ کو اپنی سیاست کیلئے استعمال نہیں کرے گی بلکہ نظام اسلام کے نفاذ کیلئے ان سے رہنمائی حاصل کرے گی (نوائے وقت ص ۷۔ ۴؍صفر ۱۴۱۳ھ۔

ہم دل سے دعا کرتے ہیں کہ وعدہ کے مطابق آپ اور آپ کی جماعت مسلم لیگ پاکستان میں نظام اسلام کے قیام اور پاکستان کے استحکام کیلئے علماء کرام اور مشائخ عظام کی رہنمائی میں کام کرتی اور کامیابی حاصل کرتی رہے۔ اس وعدہ کا تقاضا ہے کہ ملک میں آئینی طور پر اسلام کو سپریم لاء قرار دیا جائے اور شریعت بنچ کے فیصلہ کے مطابق فی الفور سود کے خاتمہ کا عملی مظاہرہ کیا جائے اور سپریم کورٹ کی اپیل کو واپس لیا جائے۔

تحریک پاکستان میں علماء کرام کا حصہ

آپ کو معلوم ہوگا کہ تحریک پاکستان میں علماء کرام اور مشائخ عظام نے مسلم لیگ کے ساتھ بھرپور مثالی تعاون کیا اور مسلم لیگ کو ہر طرح سے کامیابی سے ہمکنار کیا۔

آج پھر اگر عمائدین مسلم لیگ مقصد پاکستان نظام اسلام کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کیلئے عملی اقدام کریں تو علماء اور مشائخ سمیت پوری ملت اسلامیہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں گے، مگر افسوس کے ساتھ اس تلخ حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے اکثر رہنماؤں نے

قیام پاکستان کے اس عظیم مقصد کو فراموش کر کے اپنی ذاتی اغراض و مفادات کے پیش نظر اپنی ملی اور سیاسی جماعت مسلم لیگ کو اس کے اصلی مقصد سے ہٹا کر اس کو غلط راستے پر ڈال دیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے اور حصے بخرے کر دیئے۔

﴿ ٹولیوں میں بٹی ہوئی مسلم لیگ کی شیرازہ بندی کی ضرورت ﴾

اب اس کی سخت ضرورت ہے کہ تمام مسلم لیگیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے اور ٹولیوں میں بٹی ہوئی مسلم لیگ کی شیرازہ بندی کی جائے جب تک اس ملی جماعت کی اجتماعیت اور مرکزیت قائم نہ ہوگی اس وقت تک مخالفین پر پوری طرح اس کا رعب قائم نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس سے مطلوبہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں، مشائخ عظام اور علماء کرام کو بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا یہی مؤثر اور واحد ذریعہ ہے کہ مسلم لیگ کی شیرازہ بندی کر کے اس کو اس کے مقصد یعنی نظام اسلام کے حصول کی طرف لگا دیا جائے اور اس کا بھولا ہوا سبق اس کو یاد دلایا جائے اس کے بغیر علماء کرام کا مسلم لیگ کی حمایت پر اجتماع قطعاً ناممکن ہے۔

﴿ ہمارے اکابر علماء کرام نے ہمیشہ مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی ﴾

ہمارے اکابر علمائے کرام حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ اور دیگر سینکڑوں علمائے کرام نے ہمیشہ تحریک پاکستان کا ساتھ دیا اور صوبہ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں خصوصیت کے ساتھ مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی اور بحمد اللہ مسلم لیگ کو کامیابی حاصل ہوئی۔

جناب لیاقت علی خان مرحوم جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کے حلقہ انتخاب ۱۹۴۶ء میں خصوصیت کے ساتھ مؤخر الذکر تینوں بزرگوں اور ان کے ہزاروں معتقدین نے کانفرنسیں اور جلسے کئے، خدا کے فضل سے لیاقت علی خان مرحوم اس اقلیتی حلقہ انتخاب میں کانگریسی امیدوار سعید احمد کاظمی ایڈووکیٹ کے بالمقابل کامیاب ہوئے۔

﴿ لیاقت علی خان مرحوم کا خراجِ تحسین اور اعترافِ حقیقت ﴾

حضرات علماء کرام کی کارکردگی کا اعتراف اس چٹھی سے بھی ہوتا ہے جو جناب لیاقت علی خان

مرحوم نے آل انڈیا مسلم لیگ دریا گنج دہلی کے دفتر سے بنام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جاری کی تھی جو درج ذیل ہے:

چٹھی نمبر ۵۰۵ ۱۷ دسمبر ۱۹۴۵ء

محترم مقام زاد اللہ مکارمکم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت رہی۔ آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشۂ عزلت سے نکل کر میدان عمل میں سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بے حد مؤثر ثابت ہوا۔

اس کامیابی پر میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں خصوصاً اس حلقۂ انتخاب میں جہاں ہماری لیگ نے مجھے کھڑا کیا تھا۔

آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دیئے، بہر حال اب اس سے بھی سخت تر معرکہ سامنے ہے (صوبائی اسمبلی کے انتخاب کی طرف اشارہ ہے) لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوی امید ہے کی دشمنان ملت اس معرکے میں بھی خاسر و نامراد رہیں گے امید ہے کہ اس عرصہ کیلئے (ڈھاکہ یونیورسٹی) سے رخصت مل جائے گی اور آپ کی تقریریں اور تحریریں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتد بہ حد تک ختم کر سکیں گی۔

....والسلام مع الاحترام، لیاقت علی خان (تذکرۃ الظفر ص ۳۷۹)

قائد ملت لیاقت علی خان کا حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو خراج تحسین درحقیقت سب ہی علماء کرام کی خدمات کا اعتراف تھا اور ان لوگوں کیلئے جو یہ کہتے ہیں کہ ''پاکستان کیلئے قربانیاں دینے والوں میں مُلّا کہیں نظر نہیں آیا'' اور اس طرح وہ پاکستان سے علماء کا اثر و رسوخ مٹانے کے درپے ہیں سرمۂ بصیرت اور تازیانۂ عبرت بھی ہے''

حضرت تھانویؒ کے متوسلین کی حمایتِ مسلم لیگ

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور ان کے متوسلین کی حمایت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی تھی اس کا اعتراف اس وقت کے تقریباً تمام عمائدین مسلم لیگ کو تھا مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے پاکستان الیکشن کے سلسلہ میں ڈھاکہ یونیورسٹی سے رخصت لے کر تقریباً چار ماہ تک

ہندوستان کا مسلسل طوفانی دورہ کیا تھا ہر روز جلسہ ہوتا تھا بلکہ ایک دن میں کئی کئی جلسے ہوتے تھے صبح کو کسی جگہ شام کو کسی جگہ رات کو کسی جگہ اوران کا بہت بڑا اثر ہوا تھا ایسے ہی بیانات اور طوفانی دوروں سے ہوا کا رخ بدلا تھا تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تذکرۃ الظفر (تالیف احقر)

رسمِ پرچم کشائی

علماء کرام کی اسی حمایت اور خدمت کا اعتراف تھا کہ قائداعظم نے کراچی میں پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کی رسم حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے ادا کرائی تھی۔

دستورِ اسلامی کی تدوین میں علماء کرام کا تعاون

قیام پاکستان کے بعد اسلامی آئین کی تدوین کے سلسلہ میں علماء کرام نے جو مسلم لیگی حکومت کے ساتھ تعاون کیا اور جو نمایاں خدمات انجام دیں اس کی تفصیل طویل ہے، مختصر یہ کہ ہمارے اکابر علماء قائدین مسلم لیگ کو اس سلسلہ میں ہمیشہ توجہ دلاتے رہے ہیں۔

۱۱ر جون ۱۹۴۷ء کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ وغیرہ کی ملاقات دہلی میں قائداعظم سے ہوئی۔ قائداعظم سے پاکستان میں آئینِ اسلام نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا پھر ۱۹۴۸ء میں قائداعظم کے دورۂ مشرقی پاکستان کے موقع پر بھی ان کو اس طرف توجہ دلائی گئی۔

قراردادِ مقاصد سے بھی پہلے

قرارداد مقاصد سے بھی پہلے ۱۹۴۸ء میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی زیر ہدایت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر حمیداللہ حیدرآبادی وغیرہ نے تین مہینہ کی محنت میں پاکستان کیلئے دستوری خاکہ مرتب کیا تھا۔ عوام اور علماء کرامؒ دونوں کی امیدیں قائداعظم سے وابستہ تھیں، مگر ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، علامہ عثمانیؒ نے پاکستان کے دستور کو قرآن وسنت کے ڈھانچے میں ڈھالنے کیلئے جو ابتدائی کام کرایا تھا اس کو شدید دھچکا لگا۔

کانفرنس جمعیۃ علماء اسلام

پھر بھی علامہ عثمانیؒ نے ۹،۱۰ر فروری ۱۹۴۹ء کو ڈھاکہ میں ایک عظیم کانفرنس بلائی اور اس سلسلے میں بصیرت افروز خطبۂ صدارت پڑھا اور حکومت پر آئین اسلام کیلئے زور دیا۔

﴾ قرارداد مقاصد کی منظوری ﴿

چنانچہ انہی کوششوں کے نتیجہ میں مارچ ۱۹۴۹ء میں قائد ملت وزیراعظم لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے پہلی دستور ساز اسمبلی سے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو بڑی جامع تاریخی قرارداد مقاصد منظور کرالی جس کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے بعد میں آئین پاکستان کا حصہ قرار دیدیا اس قراداد کے مسودہ تیار کرنے اور اس کے منظور کرانے میں دوسرے علماء کرام کے علاوہ شیخ الاسلام مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی محنت اور عرق ریزی کا بڑا دخل تھا۔

﴾ بنیادی اصولوں کی کمیٹی ﴿

لیاقت علی خان مرحوم نے قرارداد مقاصد منظور کرانے کے بعد آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل کرائی تھی جس کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور کا قرآن وسنت کے مطابق خاکہ تیار کرے مگر وہ خاکہ قرآن وسنت کے مزاج کے مطابق تیار نہ ہوسکا۔

﴾ ۲۲ نکاتی متفقہ دستور ﴿

اس لئے ۱۹۵۱ء میں مولانا احتشام الحقؒ نے ہر مکتبہ فکر کے علماء کو کراچی میں جمع کیا جس میں ۳۳ علماء کرام کے دستخطوں سے بائیس نکاتی دستور متفقہ طور پر بنا کر حکومت کو بھیج دیا گیا۔

﴾ بورڈ آف تعلیماتِ اسلام ﴿

قراداد پاکستان کی منظوری کے بعد پاکستان کا دستور کتاب وسنت کے مطابق بنانا اصولاً لازمی ہوگیا تھا اس عظیم کام کیلئے ماہرین کی ضرورت تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے تھے مگر انہوں نے ۱۹۴۹ء میں جس بورڈ کی تجویز پیش کی تھی ارباب حل وعقد نے اس کی منظوری دیدی اور اس بورڈ کی صدارت کیلئے نظر انتخاب حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ علامہ سید سلیمان ندوی سابق قاضی القضاۃ بھوپال (انڈیا) پر پڑی جناب لیاقت علی خان وزیراعظم اور خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ کی کوششوں کے باوجود جب وہ یہاں آنے پر آمادہ نہ ہوئے تو پھر وزیراعظم نے مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو بھوپال بھیجا اور انہوں نے سید صاحب کو تعلیمات اسلامی بورڈ کی صدارت اور دستور اسلامی میں تعاون پر آمادہ کیا۔ چنانچہ جون ۱۹۵۰ء میں سید سلیمان ندوی صاحب پاکستان آ گئے یہ بورڈ مفتی محمد شفیع صاحبؒ سید سلیمان صاحبؒ وغیرہ چھ

افراد پر مشتمل تھا اور ۹ راگست ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۴ء تک تقریباً ساڑھے چار سال نہایت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ دستور پاکستان کیلئے سفارشات پیش کرتا رہا لیکن افسوس کہ اس بورڈ کی تمام سفارشات کسی بھی دور کے آئین میں نہ تو روبہ عمل لائی گئیں اور نہ ہی انہیں ارباب حل وعقد نے شائع کیا البتہ ۱۹۵۶ء اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں کسی حد تک ان کی جھلک موجود ہے (البلاغ مفتی اعظم نمبر)

لاء کمیشن

بورڈ آف تعلیمات اسلام کا تعلق تو صرف دستور کی حد تک تھا موجودہ قوانین کو اسلامی ڈھانچہ میں ڈھالنے کیلئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حکومت پر زور دیا تو ۱۹۵۰ء کے آخر میں لاء کمیشن بنایا گیا جسٹس رشید اور جسٹس میمن ماہر قانون کی حیثیت سے اس بورڈ میں شریک تھے۔ حضرت سید صاحب نے اپنی رکنیت کیلئے یہ شرط رکھ دی تھی کہ ماہر اسلامی قانون کی حیثیت سے مفتی محمد شفیع صاحب کو بھی کمیٹی کا رکن بنایا جائے چنانچہ آپ کو اس کی رکنیت بھی قبول کرنی پڑی۔ (البلاغ مفتی اعظم نمبر)

واقعہ یہ ہے کہ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں خصوصاً ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے عشرہ میں قائداعظم اور علماء کرام اور مشائخ عظام کی مشترکہ قیادت ورہنمائی میں مسلمانان ہندوستان نے عظیم مثالی مملکتِ پاکستان حاصل کی اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک طرف تو پاکستان کا باقاعدہ تصور علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ صدارت الٰہ آباد ۱۹۳۰ء میں مسلمانوں کو دیا اور مسلم لیگ نے اس کو اپنا مطمح نظر اور مقصد بنا کر مسلمانانِ ہند کو اس کیلئے تیار کیا تو دوسری طرف بقول علامہ عبدالماجد دریا آبادیؒ ۱۹۲۸ء کے لگ بھگ میں اسلامی مملکت کا تصور اسلامی احکامات کے نفاذ کیلئے حکیم الامت علامہ اشرف علی تھانویؒ بھی دے رہے تھے (دیکھو آپ بیتی عبدالماجد دریا آبادی ص ۳۳)

مسلم لیگ کی کانگریس سے علیحدگی

مسلم لیگ کی بنیاد ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں رکھی گئی اور اس وقت سے اس کی قیادت مختلف ہاتھوں میں آتی رہی جیسا کہ ہر سیاسی جماعت کا یہی حال ہوتا ہے کچھ دنوں کانگریس کے ساتھ بھی اس کا اشتراکِ عمل رہا مسلم لیگ نے کانگریس سے علیحدہ ہو کر دوقومی نظریہ کی بنیاد پر پہلا الیکشن غالباً ۱۹۳۸ء میں جھانسی میں لڑا اور کامیابی حاصل کی جس کی مبارکبادی کیلئے مولانا شوکت علی وغیرہ عمائدین مسلم لیگ تھانہ بھون حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں آئے تھے حضرت تھانویؒ ہمیشہ سے ہی مسلمانوں کی

علیحدہ تنظیم اور دوقومی نظریہ کے سختی سے حامی تھے اس خوشی میں شہر میں جلسہ عام بھی کیا تھا اس میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اپنا تائیدی مفصل بیان حضرت کی طرف سے دیا اور پھر حضرت تھانویؒ اور ان کے متوسلین ہمیشہ تحریر وتقریر سے مسلم لیگ کی تائید کرتے رہے، حضرت تھانویؒ قائداعظم کے نام خطوط بھی ارسال کرتے رہے، بعض وفود میں میرے والد ماجد مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ کا اسم گرامی بھی دوسرے علماء کے ساتھ تجویز ہوا تھا جس کی تفصیل بہت طویل ہے اور مطبوعہ ریکارڈ دفتر مجلس صیانۃ المسلمین جامعہ اشرفیہ لاہور میں موجود ہے۔

﴿ پاکستان تمام مسلمانوں کی مجموعی مساعی کا ثمرہ ہے ﴾

غرضیکہ تحریک پاکستان میں علماء کرام مسلم لیگ کے ساتھ دوش بدوش کام کرتے رہے اور بھر پور حصہ لیتے رہے اس لئے یہ پاکستان تمام مسلمانوں کی مجموعی مساعی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کسی ایک دو شخصیت اگرچہ اس کا کردار کتنا عظیم اور اس کی خدمات کتنی ہی بلند کیوں نہ ہوں، کی سعی کا ثمرہ نہیں کہلایا جاسکتا اور نہ ہی اس کو کسی شخصیت کی ذاتی جاگیر قرار دیا جاسکتا ہے اس لئے کسی کے شخصی افکار وخیالات اور عقائد پر اس کے نظام کی بنیاد بھی نہیں رکھی جاسکتی بلکہ ایسا کرنا یا کہنا اس کے وسیع دائرے اور اس کی وسیع حیثیتِ عمل کو تنگی میں تبدیل کرنا ہے۔ بہر حال مسلم لیگ کے زعماء سے باادب گذارش ہے کہ پاکستان کی وسعت اور ہمہ گیر نفع کیلئے اس کو کسی شخص یا ذاتی تخیل کا مرہون منت نہ قرار دیا جایا کرے اور تقریروں اور تحریروں میں ایسے الفاظ سے پرہیز ہی مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے کسی کی ذاتی جاگیر کی بوآتی ہو اور اس سے مخالفین غلط فائدہ اٹھاسکتے ہوں۔

﴿ قرآن وسنت پر مبنی نظام ﴾

قرآن وسنت پر مبنی نظامِ اسلام یقیناً مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کافی ہے مگر ہمیں اپنی ضرورتوں کو قرآن وسنت کے موافق بنانے کی ضرورت ہے نہ کہ قرآن وسنت کو اپنی ضرورتوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنا، یہ کام ماہرین علوم اسلامیہ کا ہے، ہر شخص کا اس میں دخل دینا اور رائے زنی کرنا اس سے اختلاف کی خلیج تو وسیع ہوسکتی ہے مگر مسئلے کا حل نہیں ڈھونڈا جاسکتا کیونکہ مسئلہ اس فن کے ماہرین سے ہی حل ہوسکتا ہے اس کیلئے آئینی طور پر نظریاتی اسلامی کونسل قائم ہے پھر نہ معلوم ہر شخص کے بیانات سے اختلاف کی خلیج کیوں وسیع کی جاتی ہے۔

﴾ خلاصہ گذارش ﴿

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مسلم لیگ استحکام پاکستان کے ساتھ اسلامی نظام کیلئے علماء کرام اور مشائخ عظام کی رہنمائی میں ہمہ تن مصروف ہوجائے اور اس کا ہر ممبر اور ہر رکن اس کیلئے جد و جہد کرے اس کیلئے قانونی طور پر درج ذیل امور پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

(۱) آئینی طور قومی اسمبلی سے اسلام کو سپریم لاء قرار دیا جائے اور اس میں کسی قسم کا استثناء اور شرط کو روا نہ رکھا جائے۔ (۲) شریعت بنچ کے فیصلہ کے مطابق فوری طور پر عملاً سود کا خاتمہ کیا جائے اور سپریم کورٹ سے اپیل کو واپس لیا جائے۔ (۳) اسلامی نظریاتی کونسل نے آج تک جتنا کام کیا ہے اس سب کو بروئے کار لانا اور اس سب پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۴) علماء کرام اور مشائخ عظام کی شرعی رہنمائی کو شرعی امور میں اہمیت اور فوقیت دی جائے صرف رسمی طور پر رائے کا حاصل کر لینا ہی کافی نہ سمجھا جایا کرے بلکہ جس طرح ہر محکمہ میں اس محکمے کے ماہرین کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے اسی طرح شرعی امور میں علماء کرام کی رائے کو سب سے زیادہ اہمیت دی جایا کرے اور بطور اصول کے اس کو مسلم لیگ کے راہنما اصول میں شامل کیا جائے۔

یہ عریضہ تحریک پاکستان اور اس میں اسلام کی مختصر تاریخ بھی ہے اور آزادی کے موقع پر تحفۂ مبارکبادی کے ساتھ آئندہ کیلئے لائحہ عمل تجویز کرنے کا خاکہ بھی، امید ہے کہ آپ اس پر ضرور غور فرمائیں گے مجھے اندازہ ہے کہ آپ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہمہ وقت بہت مصروف رہتے ہیں مگر یہ عریضہ آپ کی ذمہ داریوں میں آپ کیلئے مددگار ثابت ہوگا، اس لئے اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکال کر ایک نظر اس پر ڈال لی جائے'' کنونشن میں حاضری کی بجائے احقر نے اس عریضہ کو اہمیت دی ہے اور اس کیلئے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکالا ہے اور اس کی عام اشاعت کا بھی ارادہ ہے۔

والسلام مع الاکرام

سید عبدالشکور ترمذی

مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال، ضلع سرگودھا

و رکن مرکزی شوریٰ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان

جواب

از پرائیویٹ سیکرٹری برائے سابق وزیر اعظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Prime Minister's Secretariat (Public)

Islamabad.

نمبر۔ ۹۲/۰۸۹۱۷

مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۹۲ء

محترم جناب ترمذی صاحب السلام علیکم!

عزت مآب جناب وزیر اعظم صاحب کے نام آپ کے وزیر اعلیٰ پنجاب کو لکھے گئے خط کی کاپی موصول ہوئی۔ نیک خواہشات اور نفاذ اسلام کیلئے سچے جذبے اور تڑپ رکھنے کیلئے وہ آپ کے تہہ دل سے ممنون ہیں۔

تحریک و تعمیر پاکستان میں علماء کرام کی خدمت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ ملک و قوم کی خدمت اور نظام اسلام کے نفاذ کیلئے حکومت کو ان کی راہنمائی کی ضرورت رہے گی۔ ہمیں امید ہے کہ علماء و مشائخ فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر ملک کی ترقی و خوشحالی کیلئے حکومت کی مدد کریں گے۔ والسلام

آپ کا خیر اندیش

(خیام قیصر)

پرائیویٹ سیکرٹری برائے وزیر اعظم

جناب سید عبدالشکور ترمذی مفتی و مہتمم

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا)

ایک خط

بنام جناب الحاج میاں محمد نواز شریف صاحب سابق وزیر اعظم پاکستان

بخدمت گرامی جناب وزیر اعظم پاکستان

محترم المقام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؟

میں نے ۳۰/اپریل ۱۹۹۷ء کے نوائے وقت میں آپ کی تقریر دلپذیر پڑھی جو آپ نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی طرف سے ''برصغیر میں مطالعہ قرآن'' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کی تھی۔ ماشاءاللہ لائق تحسین اور بہترین تقریر تھی اس میں کیا شک ہے کہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق اگر تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑ لیں اور سب اس پر عمل کریں تو یہ بدامنیاں قتل وغارت کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتیں مگر صورت حال یہ ہے کہ کوئی جگہ بھی محفوظ نہیں یہاں تک کہ عدالتیں اور اللہ کے گھر بھی محفوظ نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رسی ''قرآن کریم'' کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر ہی ہو رہا ہے۔

قیام پاکستان کیلئے بے مثال قربانیوں کے واقعات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں مگر افسوس صد افسوس کہ جس دوقومی نظریہ اور اسلامی احکام کے نفاذ کیلئے یہ قربانیاں دی گئی تھیں اور ہر مکتبہ فکر کے مسلمان مطالبہ پاکستان پر متفق ہو گئے تھے قیام پاکستان کے بعد احکام اسلام کے نفاذ کی بجائے جن افراد کے ہاتھوں میں پاکستان کی زمام اختیار تھی انہوں نے نفاذ اسلام میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور دوقومی نظریہ کو پس پشت ڈال کر آج تک قیام پاکستان کا اصل مقصد نظام اسلام پورا نہیں ہونے دیا۔ کیا مسلمانوں نے بے مثال اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ سیکولر سٹیٹ بنانے اور ہندو مسلم سے مل کر متحدہ مخلوط انتخاب کیلئے کیا تھا؟ کیا یہ سب کچھ اس میں نہیں ہوا اور کیا آج

بھی اس کی کوششیں نہیں ہورہی ہیں اور کیا یہ آئین کے خلاف نہیں ہے۔آپ مجھ سے زیادہ ان امور سے واقف ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رسی کو چھوڑ کر ہی ہوا ہے چھوڑنے والا کوئی بھی ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ اجتہادی اختلاف رحمت ہے اور یہ ارشاد بھی عین حق ہے کہ اجتہاد تفصیلات کو طے کرنے کا نام ہے جن پر قرآن وسنت نے محض اصولی رہنمائی فرمائی ہے۔(نوائے وقت مذکورہ ص ۱۱)

اس سے واضح ہے کہ قرآن وحدیث میں جن احکام کی تصریح آ گئی ان میں اجتہاد جائز نہیں۔ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں مہارت حاصل ہوئے اور اساتذہ سے پڑھے بغیر یہ قوت اجتہاد پیدا نہیں ہوسکتی اسی طرح ذخیرہ احادیث پر اچھی طرح سے دسترس حاصل کئے بغیر یہ قوت کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔حضرات آئمہ کرام میں یہ قوت قرآن کریم اور حدیث میں مہارت حاصل کر کے ہوئی اور چالیس سال قرآن وسنت کی ورق گردنی کے بعد اس درجہ پر پہنچے۔اب غور کیا جائے کہ صرف ناظرہ قرآن کریم کے ساتھ ترجمہ پڑھنے سے کیا درجہ اجتہادی حاصل ہوسکتا ہے۔

یہ تو ایسا ہی ہے کہ پرائمری پاس لڑکا ایک ماہر قانون جج کے سامنے اپنی رائے پر اصرار کرے جس عمر میں قرآن کریم ناظرہ پڑھا جاتا ہے وہ قرآن کریم کے رموز ودقائق کے سمجھنے کی نہیں ہوتی اور نہ اس میں اتنی استعداد ہوسکتی ہے کہ حدیث کو بھی پڑھے۔اب اس کے ہاتھ میں صرف لفظی ترجمہ ہوگا اور دوسرے یہ کہ وہ اجتہادی امور سے یکسر ناواقف ہوگا مگر ترجمہ کے بل بوتے پر ماہرین قرآن وسنت کے مقابلے پر نبرد آزما ہوگا اور یہ:

''دادن تلوار است دردست راہزن'' کا مصداق ہے۔

جس نے ترجمہ نہیں پڑھا وہ اس میں دخل بھی دینے کی ہمت نہیں کرسکتا اور جس نے ترجمہ تو پڑھ لیا مگر اس کو یہ معلوم نہیں اور نہ یہ موقع معلوم کرانے کا ہے کہ یہ حکم تفصیل طلب ہے اور اس کی تفصیل دوسری آیت وحدیث میں آئی ہے وہ بے جا اس میں دخل اندازی کا مرتکب ہوگا۔یہ بات بھی صحیح ہے کہ کتنا ہی بلند مرتبہ متقی اور عالم کیوں نہ ہو غلطی کا مرتکب ہوسکتا ہے۔(نوائے وقت مذکورہ)

مگر یہ بھی مسلمہ حقیت ہے کہ اول تو اس کی غلطی معلوم کرنے کیلئے بھی بہت بڑے علم کی ضرورت ہوگی اس درجہ کا عالم بلکہ اس سے بھی بڑے مرتبے والے کا ہی یہ منصب ہے کہ وہ اس کی غلطی

کی گرفت کرے۔ اس امکان کی وجہ سے ہر کس و ناکس کو یہ حق نہیں حاصل ہو جاتا کہ وہ بڑے سے بڑے عالم کی غلطی کو پکڑ لیا کرے یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک بڑے فاضل جج صاحب جس نے باقاعدہ قانون کا کورس پڑھا ہو اور پھر کسی سینئر وکیل کے پاس عرصہ تک عملی ٹریننگ بھی کی ہو مگر امکان اب بھی ہے کہ جج صاحب سے غلطی ہوگئی ہو لیکن ان کی غلطی کو اس سے اونچے درجے کا جج ہی پکڑ سکتا ہے ہر کس و ناکس اس کو نہیں پکڑ سکتا اور نہ ہر شخص کو اس کا حق پہنچتا ہے مگر معلوم نہیں قرآن و سنت کے معاملہ میں یہ اصول کیوں بھلا دیا جاتا ہے کہ ایک بڑے عالم جس نے پورا کورس دینیات کا پڑھا ہو اور پھر اپنے سے ماہر علماء کی خدمت میں سالہا سال علم دین کی خدمت بھی کی ہو مگر اس کے مقابلے میں معمولی ترجمہ اور اردو تفسیر کے مطالعہ کے بعد خود کو اس کے مقابلے کا سمجھنے لگ جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کیا علماء کی علم دین پر اجارہ داری ہے لیکن یہ نہیں غور کیا جاتا کہ کیا ملک کے قوانین اور لاء پر وکلاء کی اجارہ داری ہے؟

حالانکہ انہوں نے باقاعدہ اس کو حاصل کیا ہے اور اس میں ان کو رائے زنی کا حق ہے یہ مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی فن کو جس نے باضابطہ پڑھا اور سیکھا ہو جس نے لاء کے بارے میں اور جس نے میڈیکل کالج میں علم حاصل کیا ہے اس کو ڈاکٹری کے بارے میں اور جس نے انجینئرنگ کالج میں علم حاصل کیا ہو وہ اسی شعبے میں رائے دینے کا حق رکھتا ہے دوسرے شعبے میں رائے زنی کا حق نہیں ہوتا اس پر اجارہ داری کا سوال نہیں بلکہ اس کے جاننے اور مہارت کا سوال ہے۔

اسی وجہ سے اسلامی نظریاتی کونسل میں ایسے دو عالموں کا ہونا آئین میں ضروری قرار دیا گیا ہے جو علم کا پورا کورس پڑھنے کے بعد بھی پندرہ سال تک اس علمی میدان میں تجربہ رکھتا ہو مگر اس آئین کا حلف اٹھانے والے اس شرط کی پابندی نہیں رکھتے جس کو چاہتے ہیں نظریاتی کونسل کا رکن بنا لیتے ہیں ایسے تجربہ کاروں کو جنہوں نے باقاعدہ دینی علوم کا کورس پڑھا ہو اور پھر اپنے سے زیادہ بڑے علماء کی صحبت میں رہے ہوں ان کا اختلاف پیش آمدہ نئے امور میں حنفی شافعی کی مثل اختلاف کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور رحمت بھی ہو سکتا ہے۔ اس اختلاف سے فرقہ بندی کی نوبت نہیں آسکتی۔

چونکہ ان اصولوں اور ضابطوں پر عمل کے بغیر ہی اختلافی مسائل میں رائے زنی کی جاتی ہے اس لئے اسی سے فرقہ بندی اور نزاعات پیدا ہوتے ہیں دراصل یہ جھگڑے اور اختلاف بے علمی اور جہالت کا شاخسانہ ہیں۔

علمی اختلافات بے علمی زبان میں کبھی بھی باعث جدال نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس سے فرقہ بندی ہوتی ہے آپ کا معیشت کو سود سے پاک کرنے کا اعلان بڑا ہی خوش آئند ہے اور اس کی خاطر عملی اقدام تجویز کرنے کیلئے ایک کمیٹی کام کر رہی ہے مگر اس کمیٹی کے قیام کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔

نظریاتی کونسل جو آئینی ادارہ ہے اس سلسلے میں اس کی سفارشات پہلے ہی سے موجود ہیں اور آپ کو معلوم ہوگا غالباً ۱۹۹۲ء میں چودہ پندرہ چیدہ چیدہ علماء کرام نے مولانا محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحبان کی دعوت پر دارالعلوم کراچی نمبر۱۴ میں بینکاری کے بارے میں ایک متفقہ فارمولا مرتب کر کے وزارت داخلہ کو پہنچا دیا تھا۔

اس مجلس میں بینک افسران نے بھی شرکت کی تھی اور مشورے دیئے تھے اس سے استفادہ کرنا نہایت ضروری ہے اس سلسلے میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سے رابطہ کیا جانا ضروری ہے۔

ہم اس دعا پر ان گذارشات کو ختم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نظام اسلام کے جلد از جلد قیام کی توفیق عطا فرمائیں اور اس سلسلہ کی رکاوٹوں کو دور فرمائیں نیز معاشی خوشحالی کے اسباب بھی فراہم فرمائیں۔ آمین

مکتوب گرامی

بنام سابق صدر پاکستان

بخدمت گرامی مکرمی ومحترمی جناب محمد رفیق تارڑ صاحب صدر پاکستان دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی؟

گذارش آنکہ ۲۳ مارچ ۱۹۹۸ء کو جو تقریر آپ نے جلسہ مسلح افواج کی مشترکہ پریڈ میں کی ماشاءاللہ بہترین تقریر تھی مگر ضرورت اس کی ہے کہ تقریر کے ساتھ آپ کی حکومت کا عملی کارنامہ بھی سامنے آئے اور جس مقصد کیلئے پاکستان کا قیام عمل میں آیا تھا وہ مقصد حاصل ہو۔

قیام پاکستان سے پہلے قائداعظم اور دوسرے زعماء مسلم لیگ کے اعلانات برابر اس قسم کے ہوتے رہے ہیں کہ مسلمان اپنے لئے ایک قطعہ زمین الگ اس لئے چاہتے ہیں کہ وہاں اسلامی احکام جاری کر کے مسلمان اسلامی طرز زندگی کو اپنا سکیں اور مسلمانوں کا مذہب، تمدن، کلچر، ثقافت اور زبان محفوظ رہے۔ پاکستان بننے کے بعد قرارداد مقاصد میں اسی مقصد کو اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے مگر افسوس سے کہا جاتا ہے کہ یہ اعلانات اور بیانات پچاس سال گذرنے کے بعد بھی اب تک شرمندہ ایفاء نہیں ہوسکے، بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسلامی طرز زندگی اپنانے کی بجائے غیر اسلامی معاشرت اور طرز زندگی کو پاکستان میں فروغ دیا جارہا ہے اور دیانت وامانت، خداترسی، اخلاقی، معاشرتی پہلو سے عام طور پر پاکستانی مسلمان بجائے ترقی کے تنزلی کی طرف جارہے ہیں۔ ضرورت ہے اس وعدے اور مقصد پاکستان کو جلد سے جلد پورا کیا جائے تاکہ علامہ اقبال کے بقول ؎

گر ہمی خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

کے مطابق اسلامی زندگی حاصل ہو سکے اور اس قول کا عملی ظہور ہو۔

اس وقت پاکستان سخت نازک دور سے گذر رہا ہے بیرونی اور اندرونی مخالف طاقتیں سر اٹھا رہی ہیں وہ طرح طرح کے حیلے بہانوں سے چاہتی ہیں کہ پاکستان نہ صرف یہ کہ کمزور ہو جائے بلکہ پاکستان کا وجود ہی خطرہ میں پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کا حامی و ناصر ہو اور مخالفین کی نظر بد سے محفوظ رکھے آمین۔

اس وقت پاکستان کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوم کے تعاون کی سخت ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس کے احکام پر مکمل طور سے عمل کیا جائے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:
''ا ن تنصر اللّٰہ ینصر کم و یثبت اقدامکم'' اگر تم اللہ کی (یعنی اس کے دین کی) مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

احکام الٰہیہ کی حفاظت اور مملکت اسلامیہ میں ان کی اشاعت اور نفاذ پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا وعدہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ نصرت خداوندی حاصل کرنے کیلئے اسلام کا نفاذ ضروری ہے۔

تحریک پاکستان میں قائد اور زعماء مسلم لیگ نے اسلام کے نفاذ کا وعدہ کیا تھا اور پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا نعرہ لگایا تھا اللہ تعالیٰ کی مدد اور قوم مسلم کے تعاون سے دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آ گیا تھا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اسلام کے نام پر کس طرح پہونچی کہ اس کا تصور بھی عالم اسباب میں مشکل تھا، انگریز اور ہندوؤں کی بھرپور مخالفت کے باوجود اتنی بڑی اسلامی سلطنت کا وجود میں آ جانا اسلام کے نام کی برکت سے ہی ہوا تھا۔

اس نام کی وجہ سے ان مسلمانوں نے بھی پاکستان کے حق میں ووٹ دیئے جن کو یقین تھا کہ ان کا صوبہ پاکستان میں نہیں آئے گا مگر ان لوگوں نے اسلام کے نام پر ہی پاکستان کے حق میں ووٹ دیئے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی جنگ ''دوقومی نظریہ'' کی جنگ تھی مخلوط اور جداگانہ انتخاب کی جنگ تھی اسی بنیاد پر پاکستان قائم ہوا اور ان مسلمانوں نے بھی اس کے حق میں ووٹ دیئے جو پاکستان میں شامل نہیں ہو سکتے تھے۔

یہ بھی اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ انڈین کا قیام اور نیشلسٹ مسلمانوں کی ملی جلی کوششوں سے وجود میں آیا ہے۔ لیکن پاکستان کا وجود خالص مسلمانوں کی مساعی اور قربانیوں

سے عمل میں آیا ہے۔ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہوا اب اس کا بقاء اور تحفظ کا مدار بھی اسلام کے نفاذ پر ہی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان میں جلد اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کیا جائے تاکہ اس کی برکات سے سب اہل وطن شادکام ہوں اور ملک میں امن قائم ہو سکے۔

آپ جیسے محبّ اسلام اور محبّ پاکستان صدر اور مسلم لیگ کی حکومت کے دور میں بھی اگر اسلام کا نفاذ عمل میں نہ آیا تو پھر قوم مسلم کی مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہے گی اور شاید مسلم لیگ کو ایسا سنہری موقع میسر نہ آئے جیسا کہ اب اس کو حاصل ہے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں آمین۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ اگر دوقومی نظریہ اور جداگانہ انتخاب کو نظر انداز کر کے مخلوط انتخاب کو جاری کر دیا گیا تو پاکستان ایک حقیقی اسلامی ملک کس طرح کہلائے گا اس لئے انتخاب جداگانہ ہی ہونے چاہئیں کیونکہ پاکستان کی بنیاد ہی جداگانہ انتخاب پر ہے آج اگر مخلوط انتخاب تسلیم کر لیا جائے تو کل اس سے آگے بھی پاکستان مخالف نظریات کا مطالبہ کیا جا سکے گا اس لئے پاکستان کے بنیادی نظریات کو پامال کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دینی چاہئے۔

بعض اہل نظر کے نزدیک تو سقوط مشرقی پاکستان کے دوسرے اسباب کے ساتھ ایک بڑا سبب پاکستان کے دوقومی نظریہ اور جداگانہ انتخاب کو نظر انداز کر کے مخلوط انتخاب بھی ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مکتوب کے مندرجات پر خصوصی توجہ فرمائیں گے۔

فقط والسلام مع الاکرام

خیر اندیش دعا گو

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

صدر مجلس صیانۃ المسلمین ساہیوال، سرگودھا

جواب

ازسابق صدر پاکستان محمد رفیق تارڑ صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پریذیڈنٹ سیکرٹریٹ (پبلک)

ایوان صدر اسلام آباد

1198/2/Coard/98

23/ May /1998

مکرمی مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ ۲۴ر ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ بنام صدر پاکستان موصول ہوا۔

آپ کے خیالات ملک وملت کا قیمتی سرمایہ ہیں اور پوری قوم کی ترجمانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح معنوں میں اپنا بندہ بنائے اور اپنے احکامات اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیروکار بنائے اس کے سوا یقیناً نجات نہ ہے۔

مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ کے مذکورہ بالا خط کیلئے شکریہ ادا کروں۔

خیر اندیش

(عباس اختر)

ڈائریکٹر (کوارڈ)

مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب

بانی و مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

نفاذ شریعت بل

اسمبلی کی ذمہ داری اور علماء کا کردار

بعد الحمد والصلوٰۃ: وزیر اعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف کا ۲۸ ر اگست ۱۹۹۸ء کو قومی اسمبلی میں یہ اعلان کہ "قرآن وسنت ملک کا سپریم لاء ہوگا" مسلمانوں کی دلی آرزوؤں اور تاسیس پاکستان کے مقصد کے عین مطابق ہے وزیر اعظم کا موجودہ ماحول میں یہ اعلان یقیناً ان کی جرأت مندی کا ثبوت اور مبارک بادی کا مستحق ہے ہم اس اعلان پر وزیر اعظم اور صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں اور صدقِ دل سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ارباب بست وکشاد کو ہمت وتوفیق عطا فرمائیں کہ وہ اعلان کے تقاضوں کو پورا کریں اور پاکستان میں جلد از جلد قرآن وسنت کے مطابق قوانین کا نفاذ کر کے صحیح معنیٰ میں پاکستان کو اسلامی حکومت بنانے کا شرف بھی حاصل کریں جیسا کہ انہوں نے ایٹمی دھماکہ کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمت اور توفیق عطا فرمائیں اور غیبی مدد ونصرت سے نوازیں آمین۔

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۴ ر اگست ۱۹۴۷ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی سلطنت وجود میں آئی۔ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان خصوصاً پنجاب کے رہنے والے مسلمان سکھوں اور ہندوؤں کی بربریت اور وحشیانہ مظالم کا جس قدر شکار ہوئے وہ تاریخ پاکستان کا ایک نہایت المناک اور خونی باب ہے جو تاریخ کے صفحات کو رنگین کئے ہوئے ہے۔ اس خداداد مملکت پاکستان کی خاطر لاکھوں مسلمان ترک وطن اور ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور انہوں نے اس کیلئے جان، مال اور عزت وناموس غرضیکہ ہر طرح کی قربانیاں دیں اور ہزاروں خاندانوں کی بربادیاں برداشت کیں۔ پاکستان کے وجود کا مقصد یہ تھا کہ قرآن وسنت کی اساس پر مبنی اسکا نظام اور قانون اسلامی ہو اور اس مملکت خداداد کے کروڑوں مسلمان اسلامی نظام کی برکات اور اسکے ثمرات

سے بہرہ ور ہوں، اسی لئے علماء اور مشائخ کے طبقہ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اس سلسلہ میں سب سے پہلے عملی جدوجہد کا آغاز اس وقت ہوا جب شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے رفقائے کار علماء کرام کے مشورہ سے ''قرداد مقاصد'' کا مسودہ تیار کیا اور اس قرارداد کو وزیراعظم لیاقت علی خان مرحوم کے ذریعہ ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا اور ۱۲/ مارچ کو اس کی منظوری دے دی گئی اس موقع پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بحیثیت رکن دستور ساز اسمبلی میں ولولہ انگیز تقریر کی جو ''روشنی کا مینار'' کے نام سے طبع ہوئی، پھر ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء کو ایک بورڈ آف ''تعلیمات اسلامی'' کی تجویز پیش کی ارباب حل وعقد نے اس کی منظوری دے دی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں اس بورڈ نے ۹ اگست ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۴ء تک دستور پاکستان کیلئے سفارشات مرتب کیں اس کے اراکین میں سید سلیمان ندویؒ صاحب کے علاوہ مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، ڈاکٹر حمید اللہ، پروفیسر عبدالخالق صاحب سابق مشرقی پاکستان، ظفر احمد انصاری بھی شامل تھے۔ اس بورڈ کا تعلق دستور کی حد تک تھا موجودہ قوانین سے اس کا تعلق نہ تھا ۱۹۵۰ء کے آخر میں علامہ سید سلیمان ندوی کی تجویز پر مروجہ قوانین کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کیلئے ایک لاء کمیشن بھی مقرر کیا گیا، جسٹس رشید، جسٹس میمن بحیثیت ماہر قانون اور سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع ماہر احکام اسلامی کی حیثیت سے دو سال تک اس میں کام کرتے رہے مگر اس وقت کے ارباب بست وکشاد کی طبع نازک پر اسلامی بورڈ کی سفارشات گراں گذریں ان کو سربستہ راز بنا کر رکھ دیا گیا اور شائع کرنے کی اجازت نہیں دی گئی نہ اس پر عمل کیا گیا۔ پھر ۱۹۵۱ء میں مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کی مساعی سے کراچی میں مختلف مکاتب فکر کے ۳۱ علما کرام کا نمائندہ اجتماع ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ جنوری کو منعقد ہو کر متفقہ طور پر اسلامی مملکت کے ۲۲ راہنما اصول مرتب کر کے حکومت کو دیئے اور بلاشبہ مختلف مکاتب فکر کے اتحاد واتفاق کی بیمثال یادگار قائم کر دی۔ اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں عوامی سطح پر ہمیشہ اشکالات ہوتے رہتے ہیں شروع ہی سے ایک طبقہ اسلامی نظام کے بجائے ''سیکولرازم'' کے نفاذ کے بارہ میں کوشاں رہے اور اب بھی اس کی یہی کوشش ہے اور اس طبقہ کی اکثریت ایسے عناصر پر مشتمل ہے جو قیام پاکستان اور تقسیم ملک کا مخالف تھا علماء نے ہمیشہ ان اشکالات کے تسلی بخش جوابات دیئے ہیں اور اسلامی نظام کے سیاسی، معاشی اور اقتصادی فوائد سے آگاہ کیا اب بھی علماء کرام نفاذ شریعت کی ہر رکاوٹ

کودور کرنے میں مصروف ہیں۔آخر کار عام مسلمانوں اور علماء کی دیرینہ کوششیں کسی حد تک بارآور ہوئیں اور ۲۱ راپریل ۱۹۷۳ء کوایک ایسے آئین کا اعلان کیا گیا جس کی دفعہ ۲۲۷ میں اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ ملک میں جوبھی قانون سازی ہوگی وہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگی اور قرآن وسنت کے متصادم کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا۔

اس آئین کی دفعہ نمبرا میں ملک کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' قرار دیا گیا ہےاس آئین میں یہ بات بھی قابل اطمینان ہے کہ اس کے دفعہ نمبر۲ میں کہا گیا ہے کہ اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہوگا۔لیکن جب تک ملک کے تمام قوانین کوآئین کے دفعہ ۲۲۸ کے تقاضہ کے مطابق اسلامی نہ بنایا جائیگا اور ملک میں غیراسلامی قوانین نافذ کرنے کی کھلی چھٹی حاصل رہے گی تو ظاہر ہے کہ اس وقت تک یہ الفاظ بےمعنیٰ ہی رہیں گے۔اس دفعہ ۲۲۸ میں ایک اسلامی کونسل قائم کرنے کو کہا گیا ہے جس کے فرائض میں ایسی سفارشات پیش کرنی ہیں جس پر عمل کرکے موجودہ قوانین کو بتدریج اسلامی قوانین میں ڈھالا جاسکے۔اس اسلامی کونسل میں سپریم کورٹ یاہائی کورٹ کے دوججوں کے ساتھ کم ازکم چار ایسےافراد ہوں گے جوکم ازکم پندرہ سال تک اسلامی ریسرچ کرتے رہے ہوں گے یااس کا درس دیتے رہے ہوں گے۔لیکن افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ۲۵ سال کا عرصہ گذرجانے کے بعد باوجود اس آئین کے مذکورہ دفعات کےتقاضہ کےمطابق ملک میں اسلامی قوانین کا نفاذ نہ ہوسکااور مسلمانوں کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی زیادہ تر اس کی وجہ یہ تھی کہ اب تک جوادارے حکومت کی طرف سے قائم ہوتے رہے ہیں ان کےارکان کے انتخابات میں عام طور پر سہل انگاری سے کام لیا جاتا رہاہےاوراس مقصد کیلئے ایسے افرادمنتخب کئے جاتے رہے ہیں جونہ قرآن وسنت کو ہی کماحقہ سمجھتے تھے اور نہ ہی اسلامی شریعت کےمزاج سے واقف تھےاسلامی علوم میں ان کا علم صرف سرسری مطالعہ کی حدتک محدود تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن وسنت سے ناواقف اور مزاج ناشناس لوگوں نے اجتہاد کے نام پر مغربی افکار سے مرعوب ہوکراسلام میں تحریف کا دروازہ کھول دیا۔ یہ کام ایسےافرادہی ٹھیک طریقہ سےانجام دے سکتے ہیں جوایک طرف توتعلیمات اسلام سے پوری طرح واقف ہوں اوراسلام کےمزاج شناس ہوں دوسری طرف وہ عصرحاضر کے مسائل کوبھی صحیح طور پر سمجھتے ہوں اوراس دور میں مسلمانوں کو جوعملی مشکلات پیش آسکتی ہیں سلامت فکراور دینی بصیرت کے ساتھ ان کا اسلام کے مطابق صحیح حل دریافت

کر سکتے ہوں یہ نہ ہو کہ اسلام کے مطابق کرنے کے بجائے اسلام کو بھی اپنی منشاء اور تقاضائے وقت کے مطابق کرنے لگیں کیونکہ اصل معیار قرآن وسنت ہے نہ کہ اپنی خواہشات اور تقاضائے وقت۔

موجودہ دور میں اسلامی قانون کی تدوین اور اسکی تشریح وتعبیر ایک انتہائی نازک کام ہے اور یہ صرف ایسے اہل علم افراد ہی ٹھیک ٹھیک انجام دے سکتے ہیں جو ایک طرف تو تعلیمات اسلام سے پوری طرح واقف ہوں اور انہوں نے اپنی عمر کا کافی حصہ تعلیمات اسلام کی واقفیت حاصل کرنے میں لگایا ہو دوسری طرف وہ عصر حاضر کے مسائل کو بھی کماحقہ سمجھتے ہوں۔

اسلامی قانون کی تدوین کے سلسلے میں سب سے زیادہ آئینی ذمہ داری اسلامی نظریاتی کونسل پر عائد ہوتی ہے اس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ ایسی سفارشات پیش کرے جن پر عمل کر کے موجودہ قوانین کو بتدریج اسلامی انداز میں ڈھالا جا سکے (دفعہ ۲۳۰ آئین ۱۹۷۳ء) اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہماری اسمبلی ان سفارشات سے راہنمائی حاصل کر کے مروجہ تمام قوانین کو اسلامی طرز پر ڈھالنے کا فرض انجام دے کر خدا تعالیٰ اور مسلمانوں کے سامنے سرخروئی حاصل کریں۔

دستور اسلامی کے سلسلہ میں علماء کی ایک ملاقات

دستور اسلامی کے سلسلہ میں خواجہ ناظم الدین سابق وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے اکابر علماء کو دعوت نامے جاری کئے گئے تھے ۱۹ ر نومبر ۱۹۵۶ء کو دس علماء کرام کراچی پہنچے جن میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے علاوہ مولانا مفتی محمد حسنؒ بھی شریک تھے پرائم منسٹر ہاؤس میں گفتگو ۹ بجے رات سے ۲ بجے تک جاری رہی خواجہ ناظم الدین کے علاوہ اسپیکر اسمبلی مولوی تمیز الدین، سردار عبدالرب نشتر اور دوسرے مرکزی وزراء اور سیکرٹری اس گفتگو میں شریک رہے، دستور اسلامی کے نفاذ کے سلسلہ میں اشکالات اور خدشات کے تسلی بخش جوابات علماء کی جماعت کی طرف سے دئے گئے آخر خواجہ ناظم الدین نے علماء کو یقین دلایا کہ علماء اور عوام کی خواہش کے مطابق آئین بنایا جائے گا اس کے بعد ۲۲ دسمبر ۱۹۵۶ء کو جو دستوری خاکہ اسمبلی میں پیش ہوا وہ کافی حد تک اسلامی تھا اور ملک کا نام بھی ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' تجویز کیا گیا تھا۔

۱۹۵۶ء میں آئین پاس ہوا اسے ناکام بنانے کیلئے سازش ہوئی گورنر جنرل کے ذریعہ دستور یہ توڑ دی گئی ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء لگا دیا گیا، دستوری تصورات بھی رخصت ہی ہو گئے اور نفاذ

اسلام کیلئے علماء کا فیصلہ کن کردار دستوری شکل اختیار نہ کر سکا اور اس سلسلہ کی علماء کی تمام محنتوں اور کوششوں پر پانی پھیر دیا گیا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے دستوری اور قانونی طور پر بہت کچھ کیا مگران پر نظام اسلام کے مخالف طبقہ کا یہی اعتراض رہا کہ ان کے پیچھے ووٹ کی نہیں ''مارشل لاء'' کی طاقت ہے نہ معلوم یہ کونسا اسلامی قانون تھا کہ مارشل لاء کے تحت بننے والے اسلامی قانون دستور کا حصہ بننے اور عمل کے قابل نہیں جبکہ نظریہ ضرورت کے تحت مملکت کے تمام قوانین قابل عمل تھے۔

پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں نے بھی نفاذ اسلامی کی اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے گریز جاری رکھا جس کی اسلام پسندان سے توقع رکھتے تھے ''قرارداد مقاصد'' کو دستور کا حصہ اگرچہ سپریم کورٹ کے ایک فیصلہ کی روشنی میں ہی بنایا گیا تھا لیکن بعد میں سپریم کورٹ نے اسے دستور کی محض ایک شق قرار دے کر اس کے اثرات کو محدود کر دیا۔

شرعی سزائیں

صدر ضیاء الحق مرحوم کے زمانہ میں پہلی بار ملک میں حدود شرعیہ کو بطور قانون نافذ کیا گیا تمام ممالک اسلامیہ میں سعودی عرب کے بعد یہ امتیاز غالباً صرف پاکستان کو ہی حاصل ہے کہ اس میں حدود شرعیہ کے نفاذ کا قانون موجود ہے جو صدر مرحوم کا بڑا ہی قابل فخر اور جرأت مندانہ اقدام تھا اس پر عمل نہ ہونے کی بڑی وجہ تفتیش جرائم اور عدالتی طریق کار میں شرعی تبدیلی کا نہ ہونا ہے۔

جس فضا میں مخالف اسلام قوتوں نے حدود شرعیہ کے خلاف پروپیگنڈا کر کے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا وہاں صدر مرحوم نے پروپیگنڈا کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالآخر قوانین حدود نافذ کر کے اس بحث ہی کو ختم کر دیا کہ اس دور میں حدود شرعیہ واجب العمل نہیں ہیں۔

اس وقت بھی ضروری ہے کہ وزیراعظم پاکستان مغربی تہذیب کے دلدادہ مخالف پروپیگنڈا کا قطعاً اثر قبول نہ کریں اور ہمت سے کام لے کر مکمل طور پر نظام اسلام کو عملاً نافذ کر دیں۔

شرعی سزاؤں کا فائدہ

شریعت نے جو سزائیں جرائم کی مقرر کی ہیں، چوری، زنا، زنا کی تہمت، شراب نوشی یا اسی طرح کی اور سزائیں جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں بڑی سخت سزائیں ہیں۔ آج کل کے پڑھے لکھے نئی تہذیب کے رنگ میں رنگے ہوئے نعوذ باللہ اس کو وحشیانہ بھی بتلاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مجرم کو جب

تک سخت سزا نہ ملے اس وقت تک وہ گناہ کرنے سے نہیں بچ سکتا اور عبرت حاصل نہیں ہو سکتی اگر سزا ہلکی ہو تو پھر وہ سزا ہی کیا ہوئی اس سے گناہ سے بچانے کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

علامہ ابن القیم نے فرمایا کہ جس ملک میں یہ شرعی سزائیں جاری ہیں وہاں یہ جرائم بند ہو جاتے ہیں اور جہاں سستی ہو وہاں بڑھ جاتے ہیں، غرض جتنی سخت سزائیں ہوں گی اتنے ہی جرائم کم ہوں گے۔

شرعی سزائیں رحمت ہیں اور آسمانی سزاؤں کا کفارہ ہیں

ایک تو ان سزاؤں سے جرائم رک جائیں گے دوسرے یہ کہ تقدیری سزائیں یعنی دردناک عذاب سے اللہ پاک نجات دلائیں گے، یہ تو سزائیں رحمت ہیں کہ آخرت کے عذاب سے وہاں اللہ پاک تمہارا انتظار نہیں کرتے بلکہ وہ خود اس کو سزا دیتے ہیں اور اللہ کی ہر چیز عظیم ہے ان کی سزا بھی عظیم ہے اس لئے وہ بھی اور ہر خاص و عام اس سزا میں شریک ہو جائیں گے اور پھر آخرت کی سزا نہ معلوم کیسی ہو؟ اللہ پاک محفوظ رکھیں ان آسمانی سزاؤں میں ایک سخت مصیبت یہ ہے کہ اس مجرم پر ہی نہیں بلکہ ساری بستی پر آتی ہے اور ظاہر ہے کہ عذاب بھی سخت ہوگا (ماخوذ از مجالس مفتی اعظم)

اب حالات یہ ہیں کہ جنرل ضیاء الحق کی مقرر کردہ وفاقی شرعی عدالت ملکی قوانین کا اسلام کی روشنی میں جائزہ لے رہی ہے بلکہ لے چکی ہے عائلی قوانین کو بھی دستوری تحفظ حاصل نہیں رہا سپریم کورٹ کے شرعی بنچ کے ایک فیصلہ کے تحت انہیں چیلنج کیا جا سکتا ہے البتہ معاشی ڈھانچے کی ترتیب بلاسود نہیں ہو پائی (نوائے وقت ۸ ستمبر ۱۹۹۸ء)

اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئرمین کی رپورٹ کے مطابق اس کونسل کا کام بھی قریب قریب پایہ تکمیل تک پہنچ چکا ہے اسمبلی کو سپریم کورٹ کے شرعی بنچ کے فیصلوں کے ساتھ اس سے استفادہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ ہماری تمام ارکان اسمبلی سے پرزور گذارش ہے کہ وہ اپنی آئینی ذمہ داری کے ادا کرنے میں ہر ممکن سعی اور کوشش سے کام لیں جو آئین کی دفعہ ۲۲۷ کی رو سے ان پر عائد ہوتی ہے جس میں یہ ضمانت دی گئی ہے کہ ملک میں جو بھی قانون سازی ہوگی وہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگی اور قرآن وسنت کے متصادم کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا۔

اسمبلی سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ جلد سے جلد اس دفعہ کے تقاضہ کے مطابق ملک میں اسلامی قوانین کو نافذ کرے اللہ تعالیٰ توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین۔

نفاذ شریعت اور ہمارے مطالبات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نفاذ شریعت کے بارہ میں ایک انتہائی غلط اور خطرناک نظریہ یہ ہے کہ شریعت کے نفاذ کو عوام کی مرضی کے تابع سمجھا جاتا ہے، اگر عوام چاہیں گے تو اس کا نفاذ ہوگا ورنہ نہیں اس نظریہ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مملکت کے چلانے میں ''جمہوریت'' کو مرکزیت کا درجہ دیدیا گیا نعوذ باللہ اسلام بھی وہی معتبر ہوگا جو جمہوری طریقہ سے آئے گا حالانکہ شریعت اسلام اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اسے تسلیم کرکے اس پر خود بھی عمل کریں اور ملک میں بھی اس کو نافذ کریں، یہ ریاست کی ذمہ داری ہے اس سے کوئی راضی ہو یا ناراض، اسلام عوام کی پیروی کیلئے نہیں بلکہ قیادت اور رہنمائی کیلئے آیا ہے قرآن کریم میں ہے''اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کے تابع ہوجائے تو آسمان اور زمین میں فساد پھیل جائے''(پ۱۸)

اب بھی یہی صورت حال پیش آرہی ہے کہ ''حق'' کو عوام کی خواہشات کے تابع کیا جاتا ہے اس لئے دنیا میں امن کی بجائے فساد پھیلا ہوا ہے۔اسلام ایسے ماحول میں آیا تھا کہ اس کے اردگرد فساد اور بدامنی کا دور دورہ تھا، اور عوام کی اکثریت تو کیا پورا معاشرہ ہی اس کو ناپسند کرتا تھا اور ہر طرف اس کی مخالفت ہورہی تھی اگر عوام کی مرضی پر اسکے نفاذ کا فیصلہ کیا جاتا یا اس کے نفاذ کیلئے ماحول کے سازگار ہونے کا انتظار کیا جاتا تو پھر تو ایسے ماحول میں اسلام نافذ ہی نہیں ہونا چاہئے تھا ہمارے ان جمہوریت پسند حضرات کو یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ماحول اور بگڑے ہوئے معاشرہ کو درست کرتا ہے جیسا کہ ابتداء اسلام میں ہوا اس کے نفاذ کیلئے'' ماحول اور معاشرہ کے درست ہونے کا انتظار کرنا اور اسلام کو عوام کی مرضی اور جمہوریت کے تابع قرار دینا'' درحقیقت اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت اور اسکی معیاری حیثیت کے انکار کے مترادف ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر اسلام کو صحیح اور مکمل طور پر نافذ کیا جائے گا تو اس کے نتیجہ میں بہت سارے لوگوں کے ذاتی مفاد پر زد پڑے گی، اس لئے جو لوگ ملکی مسائل کو اپنے ذاتی مفادات کے دائرہ

میں رہ کر سوچنے کے عادی ہیں اور اپنے ذاتی مفادات کو ملکی مفادات پر ترجیح دیتے ہیں وہ لوگ یقیناً نفاذ اسلام کی مخالفت کریں گے۔اس کے علاوہ ہمارے ملک میں ابتدائے قیام پاکستان سے ہی ایسا طبقہ موجود ہے جو نظریاتی طور پر اسلامی قانون کے بجائے لادینی طرز زندگی (سیکولر نظام) کو پاکستان میں نافذ کرنے کی خواہش رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ ملک کو انڈیا کی طرح سیکولر سٹیٹ قرار دیا جائے اس لئے وہ طبقہ نفاذ اسلام کے ہر اقدام کی شروع سے ہی کسی نہ کسی حیلے بہانے سے مخالفت کرتا رہتا ہے۔
مگر اس مخالفت کے باوجود پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان مرحوم اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ علماء کرام کی کوششوں کی وجہ سے ۱۹۴۹ء میں اسمبلی نے ''قرارداد مقاصد'' منظور کی اور سیکولر سٹیٹ قرار دینے والوں کو شکست ہوئی ''یہ قرارداد مقاصد'' دستور پاکستان کا اساسی حصہ ہے، اس کے بعد ۱۹۵۶ء اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی اسلامی شقیں منظور کی گئیں، پاکستان کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' اور اس کا سرکاری مذہب ''اسلام'' قرار دیا گیا جس سے اس کے سیکولر سٹیٹ ہونے کا تصور ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا۔ یہ مذہبی حلقوں اور اسلام پسند عوام کی دلی تمناؤں اور کوششوں کا نتیجہ اور مقصد پاکستان کے عین مطابق اسلامی نظام کی طرف اقدامات تھے، پھر اسی سلسلہ میں جنرل ضیاء الحق مرحوم نے بعض اقدامات کئے جو اسلامی نظام کی طرف ایک اچھی پیش رفت تھی آج ہم قرارداد مقاصد وغیرہ کی وجہ سے ہی حکومت سے یہ مطالبہ کرنے کی پوزیشن میں ہیں کہ اسلامی شریعت کا نفاذ کیا جائے خدانخواستہ اگر شروع میں ہی ملک کو سیکولر سٹیٹ قرار دیدیا جاتا تو آج کس بنیاد پر مطالبہ کیا جاتا اس لئے ان اقدامات کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے اور نفاذ شریعت کی تکمیل کیلئے ان اقدامات کی روشنی میں کوشش جاری رکھنی چاہئے۔اب بھی تقریباً صورت حال یہی ہے کہ سیکولر سٹیٹ کے حامی وزیراعظم محمد نواز شریف کے اس اعلان کی کئی حیلے بہانوں سے مخالفت کررہے ہیں کہ ''قرآن وسنت پاکستان کا سپریم لاء ہوگا'' لیکن ہمارے صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ اور وزیراعظم محمد نواز شریف نیز دیگر وزراء اور اراکین قومی اسمبلی کو اس مخالفت سے مرعوب ہوکر اس اعلان سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہئے اگر وزیراعظم کو بھاری اکثریت حاصل ہونے کے باوجود نفاذ شریعت کا عمل روک دیا گیا تو اس طرح کا موقع شاید پھر ہاتھ نہ آسکے اور مخالفین سے یہ امید رکھنی بے سود ہے کہ وہ نفاذ شریعت کے حق میں رائے دیں گے اور ''نفاذ شریعت'' پر اتفاق رائے ہوجائے گا اس لئے اس کے انتظار میں اس بل کو

مؤخر نہ کیا جائے عجیب بات یہ ہے کہ حکومت کے تمام کاروبار بلکہ خود حکومت کا قیام بھی ''کثرت رائے'' پر انجام پا رہے ہیں اور صدر پاکستان اور وزیر اعظم کا تقرر بھی ''اکثریت'' سے ہو جاتا ہے اور وہ اکثریت بھی قانونی ہی ہوتی ہے اس کا حقیقی اکثریت ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ جتنی حکومتیں بنتی رہی ہیں ان میں حکومتی پارٹی کو مجموعی طور پر ۴۰ فیصد ووٹ بھی شاید ہی کبھی حاصل ہوئے ہوں، عام طور پر ۳۸ فیصد یا اس سے بھی کم حاصل شدہ ووٹوں سے پارٹیاں برسر اقتدار آتی رہی ہیں۔

اب یہ کیسا عجیب طرز عمل ہے کہ دنیا کی ہر بات کے نفاذ کیلئے کثرت رائے کافی ہوتی ہے مگر شریعت کے نفاذ کیلئے سب کا اتفاق ضروری سمجھا جا رہا ہے اور اس کیلئے سب ممبران کے اتفاق کا انتظار کیا جا رہا ہے جس کا حصول بظاہر حال ناممکنات میں سے معلوم ہوتا ہے، کیا تحریک پاکستان کے وقت قیام پاکستان پر سب مسلمانوں یا ان کے نمائندوں کا اتفاق حاصل تھا؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں تھا البتہ مسلمانوں کی اور ان کے نمائندوں کی غالب اکثریت قیام پاکستان کے حق میں تھی اور پاکستان کے قیام سے اکثر مسلمانوں کا مقصد اس میں شریعت کا نفاذ ہی تھا، اس طرح نفاذ شریعت کے حق میں یہ قانونی ''کثرت رائے'' قیام پاکستان کے وقت ہی حاصل ہو چکی تھی، اگر اس حصہ کو بھی سیکولر سٹیٹ ہی بنانا تھا تو یہ مقصد اس حصہ کو ہندوستان ہی میں شامل رکھنے سے بھی حاصل ہو جاتا اس حصہ کو علیحدہ کرنے کا پھر کیا حاصل ہے؟

پھر قیام پاکستان کے بعد ''قرارداد مقاصد'' اور آئین کے ذریعہ بھی نفاذ شریعت کے حق میں ''قانونی'' اکثریت وقتاً فوقتاً حاصل ہوتی رہی ہے، اب اس سے اختلاف کرنا اور اسے اختلافی مسئلہ بنانا کسی طرح جائز اقدام نہیں کہلایا جا سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ نفاذ شریعت کو اختلافی مسئلہ نہیں بنانا چاہئے صحیح ہے اختلاف کرنے والوں کو اس سے اختلاف نہیں کرنا چاہئے اور موافقت کی کوشش بھی مستحسن اقدام ہے لیکن کسی کی مخالفت کی وجہ سے نفاذ شریعت اور قرآن وسنت کو پاکستان کا سپریم لاء قرار دینے کے عمل میں رکاوٹ شرعاً اور سیاسۃً کسی طرح جائز اقدام نہیں ہے۔

اس لئے فوری طور پر قرآن وسنت کو پاکستان کا سپریم لاء قرار دے کر نفاذ شریعت کے عمل کو اسکی روشنی میں تیز تر کر دینا چاہئے۔

﴿ ہمارے مطالبات ﴾

نفاذ شریعت کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کے شرعی بینچ کی اصلاحات کے علاوہ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ:

(۱) قرارداد مقاصد جو کہ آئین کا حصہ ہے اس کی روشنی میں ۱۹۷۳ء کے آئین کو دیکھا جائے اور قوانین وضع کیے جائیں

(۲) ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۳ء میں ملک کے تمام مکاتب فکر علماء نے جمع ہو کر جو ۲۲ دستوری نکات متفقہ طور پر مرتب کر کے حکومت کو پیش کیے تھے قوانین کو وضع کرتے ہوئے ان کو ملحوظ رکھا جائے ان کے ذریعہ فرقہ ورانہ اختلافی مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے جس کو بلاوجہ ہوّا بنا کر پیش کیا جاتا اور نفاذ شریعت کیلئے رکاوٹ بنایا جاتا ہے۔

(۳) اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل جدید کی جائے جس میں آئین ۱۹۷۳ء کے مطابق ایسے جید علماء اور ماہر علوم اسلامیہ کو شامل کیا جائے جن کا علمی تحقیقاتی تجربہ کم از کم پندرہ سال کا ہو، اور اس کونسل کی سفارشات کو مؤثر قرار دیا جائے جس طرح کہ دوسرے شعبوں میں ان کے ماہرین فن کی رپورٹوں پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جو کام کونسل کے اصول کے مطابق صحیح طور پر ہو چکا ہے جلد از جلد اسمبلی میں پیش کر کے منظور کر دیا جائے۔

(۴) سود سے متعلق حکومت اپنی اپیل واپس لے اور علماء کرام نے اس کے متبادل اسلامی معیشت کا جو مسودہ حکومت کو بنا کر دیا ہے اسے نافذ کرے۔ فقط

سید عبدالشکور ترمذی

۲ رستمبر ۱۹۹۸ء

شریعت بل اور اسلامی فرقے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوائے وقت ۸/ رجمادی الثانیہ۱۴۱۹ھ،۳۰/ستمبر ۱۹۹۸ء میں اداریہ کے نیچے کے کالم میں ایک مضمون بعنوان ''نفاذ شریعت مذہبی پیشوائیت اور روشن خیالی'' شائع ہوا ادارہ کی طرف سے اس سلسلہ میں مختلف مؤقف رکھنے والے اہل علم سے کہا گیا کہ وہ اپنی رائے دلائل کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند گذارشات درج ذیل ہیں سب سے پہلے اس مضمون کا ایک اقتباس اور پھر اس سے متعلق گذارشات ملاحظہ فرمائیں۔

اس مضمون میں مجوزہ پندرھویں ترمیم کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے '' نئے نفاذ شریعت بل یا دستور میں پندرھویں ترمیم کی رو سے آرٹیکل۲ الف کے بعد حسب ذیل نیا آرٹیکل شامل کر دیا گیا ہے ۲ب قرآن وسنت کی برتری اس کے جزو(ا) قرآن پاک اور پیغمبر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہوگا۔تشریح: کسی مسلمان فرقے کے پرسنل لاء پر اس شق کے اطلاق میں قرآن وسنت کی عبارت کا مفہوم وہی ہوگا جو اس فرقہ کی طرف سے توضیح شدہ قرآن وسنت کا ہے'' اس کے بعد یہ سوال کیا ہے کہ '' قرآن وسنت کے احکام کی تشریح کا یہ طریق کار قرآن پاک کی کس نص حکم یا احکام سے ماخوذ ہے کہ یہ اسلام کچھ فرقوں پر مشتمل ہے یا فرقے اسلام کا جزو لاینفک ہیں اور ان سب کے اپنے اپنے پرسنل لاء ہیں یعنی ان کی اپنی اپنی ذیلی شریعتیں ہیں'' سو اس کے متعلق عرض ہے کہ:

(ا) قرآن وسنت نے جن احکام کو تفصیل وتشریح کے ساتھ بیان کیا ہے ان احکام پر بغیر کسی اختلاف کے امت میں عمل جاری ہے ان احکام کا ''اعتصام بحبل اللّٰہ'' میں داخل ہونا واضح ہے اس میں اختلاف کرنا ''لاتفرقوا'' سے ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس سے پہلے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے مراد احکام دینیہ کا اعتقادی اور ان کو عملی طور لازم پکڑنا ہے اور مقصود یہ ہے کہ تم سب اعتصام اختیار کرو اور اس میں تفرق مت کرو کہ کوئی اعتصام اختیار کرے کوئی نہ کرے۔

(۲)　لیکن جن احکامات میں قرآن وسنت نے اجمالی درجہ میں اشارات دیئے ہیں اور جن مسائل میں کئی صورتیں محتمل ہیں اور قرآن وسنت میں ان سب کی گنجائش دی گئی ہے۔ تو یہ قرآن وسنت کی عطاء کردہ سہولت اور آسانی سے استفادہ کرنا ہے اگر ایک ہی صورت متعین اور لازم کردی جاتی تو امت پر تنگی لازم آتی جس کی قرآن وسنت میں نفی کردی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے ''اور تم پر دین کے بارہ میں تنگی نہیں کی گئی'' نیز حدیث میں ہے ''دین آسان ہے'' اسی آسانی اور سہولت سے استفادہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے کئی فرقے پائے جاتے ہیں اور ہر فرقہ نے قرآن وسنت کے ارشارات سے ہی اپنا مسلک متعین کیا ہے وہ اس فرقے کی اپنی من مانی اسلام کی تعبیر وتشریح نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت کے اجمال اور ابہام کی اسلامی قواعد کی رو سے تبیین اور تعیین ہے اور اس سے واضح ہو گیا ہوگا کہ قرآن وسنت کی تشریح کا یہ طریق کار قرآن پاک سے ماخوذ ہے اور یہ حقیقت ہے جسے زیر بحث آئینی پندرھویں ترمیم میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کہ ملک میں مسلمانوں کے کئی فرقے پائے جاتے ہیں اب اگر قانون سازی کیلئے ان کے اختلاف کو بالکلیہ ختم کرنا ضروری قرار دیا جائے تو اسلامی قانون کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مسلمانوں میں فرقوں کے فروعی اختلافات قرآن وسنت کے اشارات اور قواعد عربیہ کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں یہ کسی شخصی رائے کے اختلاف سے پیدا نہیں ہوئے ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن وسنت ہر اسلامی فرقہ کے نزدیک احکام کا ماخذ ہے اس میں کسی فرقہ کا اختلاف نہیں ہے پھر ان میں بعض احکام تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں اور بعض میں اجمال وابہام سے کام لیا گیا ہے اور اس کی تعیین وتفصیل امت کے سپرد کردی گئی کہ قواعد عربیت اور لغت، اسلوب بیان، سیاق وسباق کو سامنے رکھ کر مراد کی تعیین کرلے تو ایسی صورت میں قرآن وسنت کی مراد کی تعیین میں اختلاف پیدا ہونا ناگزیر تھا اور اس اختلاف کی بنیاد پر مختلف فرقوں کا وجود بھی امت میں ضروری تھا۔ صحابہ کرامؓ سے یہ اجتہادی اختلاف چلا آرہا ہے اب یہ لکھنا حقیقت کے خلاف ہے کہ ''اس کی تشریح کی رو سے احکام خداوندی کو پابند کیا جارہا ہے کہ جب وہ ایک فرقے کے ہاں جائیں تو ان کا ایک مفہوم ہو اور دوسرے فرقے کے ہاں جاکر قرآن وسنت کے احکام کا مفہوم اس کی ذیلی شریعت کے مطابق دوسرا ہو نعوذ باللہ قرآن وسنت کے احکام کو ذیلی شریعتوں کے تابع کردیا گیا ہے''۔ (نوائے

وقت مذکور)اس لئے کہ مختلف فرقوں نے جو مختلف احکام سمجھے ہیں ان کا ماخذ قرآن وسنت ہی ہیں اور یہ مختلف احکام ان کے تابع ہیں، مگر اس کو الٹ سمجھ لیا گیا اصل کو تابع اور تابع کو اصل بنادیا گیا اور لکھ دیا گیا کہ ''نعوذ باللہ قرآن وسنت کے احکام کو فرقوں کی ذیلی شریعتوں کے تابع کر دیا گیا ہے'' یہ الٹ پلٹ کا کرشمہ ہے اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے ایسے دماغ قرآن وسنت کو کس انداز سے سمجھنے کی قابلیت وصلاحیت کے حامل ہیں اصل سوال کے جواب میں یہی گذارش کافی ہے اس میں غور کے بعد اصل سوال کا جواب حاصل ہوجاتا ہے کہ قرآن وسنت کے احکام کی تشریح کا یہ مجوزہ طریق کار نصوص قرآن وسنت سے ہی ماخوذ ہے۔

اب دیکھئے قرآن وسنت کے مستنبط اور اخذ کردہ مختلف احکام کو ایک پروفیسر صاحب کے واقعہ کی مثال دے کر کس طرح مذاق اڑایا جارہا ہے جس سے پروفیسر صاحب کی رائے گرامی کی بھی تضحیک ہورہی ہے اور ان کے منصب کی کس طرح بے توقیری ہورہی ہے کہ انہوں نے مختلف آراء کو سن کر ان کی تصدیق کے بعد فرمایا: بھائی میں کیسے ایک ہی بات پر اڑا رہوں اور اپنا نقصان کرلوں'' گویا پروفیسر صاحب کی رائے اپنے نفع کے پیچھے پیچھے چلتی تھی صحیح غلط کی پروانہیں تھی اس واقعہ میں مختلف انسانی آراء کا ذکر ہے اسلامی فرقوں کے اختلاف میں ایسا نہیں ہے اس کے پیچھے قرآن وسنت کے دلائل ہوتے ہیں محض وہ شخصی اور ذاتی رائے نہیں ہوتی ہمارے مضمون نگار معلوم ہوتا ہے اسلامی فرقوں کے اختلاف کی حقیقت ہی سمجھے ہوئے نہیں ورنہ وہ مثال میں ایسا واقعہ ہرگز پیش نہ کرتے جس کی بنیاد محض اثباتی رائے ہو۔اسلامی فرقوں کے اختلاف موجب نزاع نہیں ہیں سعودی عرب میں تمام مسلمہ فرقے موجود ہیں مگر وہاں کسی طرح کا فرقہ ورانہ جنگ وجدال نہیں ہے۔عام قانون ایک فقہ کے مطابق ہے شخصی مسائل ہر مکتب فکر کے شخصی قانون کے مطابق ہی طے کئے جاتے ہیں اور سب کا آپس میں اتفاق ہے یہ جنگ وجدال اور فرقہ ورانہ تعصّبات برطانیہ کی حکومت اور اس کی سیاست اور نظام تعلیم کے ثمرات واثرات ہیں اب بھی برطانوی سیاست اور نظام تعلیم نے مسلمانوں میں تفریق کی بنیادیں قائم کررکھی ہیں اور فرقہ ورانہ اختلاف کو بے ضرورت اچھالا جارہا ہے۔

شروع مضمون میں تو یہی لکھا گیا تھا'' میں اپنی گذارشات کو مجوزہ آرٹیکل ۲ب کی شق (ا)

میں محدود رکھوں گا'' (نوائے وقت مذکور) مگر اپنی اس تحریر میں وہ اس پر قائم نہیں رہ سکے شاید رہا نہیں گیا اور علماء کی غلطیوں کا شمار ضروری سمجھا گیا لکھتے ہیں:

''گذشتہ ایک سو سال میں سینکڑوں ایسے مسائل پیدا ہوئے جہاں علمائے کرام نے تبدیلی کے عمل کو اپنانے سے انکار کر دیا مگر جلد ہی انہیں العصر کے فیصلہ کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا سائنسی ایجادات کے استعمال سے انکار، انگریزی اور جدید علوم سے اجتناب لاؤڈ سپیکر، ٹیلی فون، تصویر انتقال خون، ٹیکہ، آنکھوں اور دیگر اعضاء کی پیوندکاری، ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کس کس محاذ پر مولوی نے مخالفت نہیں کی اور پھر اسے شکست نہیں ہوئی (نوائے وقت مذکور)

ہمیں افسوس ہے کہ مضمون نگار کو ہمارے علماء کرام کی علمی تحقیقات کے بارہ میں یا تو بالکل ہی معلومات نہیں ہیں یا پھر بہت ناقص معلومات ہیں اوپر کے عنوانوں میں سے تقریباً ہر عنوان پر دوسرے علماء کرام کے علاوہ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سابق صدر دارالعلوم کراچیؒ کے مستقل رسائل موجود ہیں ان رسائل سے قرآن وسنت کی روشنی میں ان ایجادات کے استعمال کا شرعی حکم واضح ہو جاتا ہے بلا جواز مولوی کے ذمہ مخالفت کا الزام لگایا جا رہا ہے اور اگر دلیل سے مخالفت ہو تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ ٹیلی فون کے استعمال کے جواز میں تو ہمارے علم میں کسی عالم نے تردد نہیں کیا البتہ لاؤڈ سپیکر کے نماز میں استعمال کا جواز اختلافی رہا ہے مگر اس کی بناء سائنس دانوں کا اختلاف تھا کہ اس آلہ کے ذریعہ امام کی اصل آواز قوی ہو کر دور تک پہنچتی ہے یا برقی قوت سے دوسری آواز پیدا ہو کر پہنچتی ہے انصاف سے دیکھا جائے تو یہ دراصل سائنس دانوں کا اختلاف تھا جن کی تحقیق پر بعض لوگ آنکھ بند کر کے قرآن کی تشریح وتفسیر کو مبنی کرنا چاہتے ہیں صحیح بات تو یہ ہے کہ سائنسدانوں کی کسی تحقیق کو حرف آخر نہیں کہا جا سکتا جو تحقیق آج ہوئی ہے عین ممکن ہے کہ وہ تحقیق کل صحیح نہ رہے اس سے ترقی ہو جائے اور دوسری تحقیق اس کے بالکل متضاد سامنے آ جائے اس لئے اس سائنسی تحقیق پر قرآن وسنت کی تفسیر وتشریح کو مبنی قرار دینا ایسا ہوگا جیسا کہ ریت کے تودہ پر عمارت استوار کرنا۔ انتقال خون کو ضرورت کی جگہ جائز قرار دیا گیا ہے البتہ اعضاء کی پیوندکاری بوجہ تکریم انسانیت کے منع قرار دی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں تکریم انسانیت کی تعلیم دی گئی ہے اور مردہ انسان اسلام کی نگاہ میں مکرم اور لائق تکریم ہیں اگر اعضاء انسانی کی پیوندکاری کی اجازت دیدی جائے تو

اعضاء کی بازاروں میں بیع وشراء شروع ہوجائے گی اور انسان کی کوئی قدر نہ رہے گی۔

تصویر سازی بت سازی کی طرح توحید کے خلاف ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دی جاتی ہے ٹی وی اور وی سی آر زیادہ تر اسی تصویر اور ناجائز پروگرام کی وجہ سے ممنوع ہیں اور گھر گھر میں فحاشی اور عریانی بے حیائی کو فروغ دینے کا آلہ ہونے اور ماں بہو بیٹی اور چھوٹے بڑے میں فرق کو مٹانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ریڈیو کے صحیح پروگرام جائز ہیں۔

جب مضمون نگار مذہبی پیشوائیت کو اپنی روشن خیالی کے ساتھ ہم آہنگ دیکھ رہے ہیں اور اس کا اقرار بھی کر رہے ہیں پھر نامعلوم اعتراض کیوں ہے؟ ''العصر'' کے فیصلہ کے سامنے سرنگوں ہونے کی بات صحیح نہیں ان حضرات کے فتاویٰ دلائل کے تابع ہوتے ہیں جب جواز کے دلائل مل گئے تو قائل ہوگئے ضد نہیں کی جب تک شرعی بنیاد پر جواز کے دلائل نہیں ملے تو عدم جواز پر قائم رہے۔

اسی طرح انگریزی علوم سے بلکہ اس کی غیر اسلامی تہذیب اور کفریہ عقائد اور آثار خبیثہ سے نفرت کی جاتی ہے بحیثیت زبان انگریزی بھی ایک زبان ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف'' (پ۲۱) مولوی نے نہیں بلکہ ہر صحیح مسلمان نے انگریزی کی مخالفت کی سوائے ان لوگوں کے جن کا انگریز کے ساتھ طرز معاشرت اور معاملات میں اتفاق تھا اب ۵۱ سال ہوگئے ان کے دلوں سے انگریز اور انگریزیت کی محبت نہیں نکلی یہودی کے دلوں میں جس طرح گاؤ سالہ کی محبت جم گئی تھی اسی طرح ان لوگوں کے دلوں میں انگریزی معاشرت اور تہذیب کی محبت گھر کر گئی ہے وہ نکلنے ہی میں نہیں آتی، انکا جسم انگریزوں سے آزاد ہوگیا مگر ان کا دل اور معاشرت انگریزیت میں ڈوبا ہوا ہے لارڈ میکالے کے منصوبہ کو پروان چڑھا رہے ہیں اسی لئے پوری قوم آج اس کے نتائج بد سے پریشان ہے۔ ؎

اندکے باتو گفتم غم دل ترسیدم   کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

بلا وجہ صرف مولوی کو انگریزی کا شدید مخالف قرار دیا جا رہا ہے حالانکہ ہر صاحب دل مسلمان اس کا مخالف تھا اور ہے اور وجہ اس کی اوپر لکھ دی گئی کیا مولوی کوئی قوم ہے اس کو خواہ مخواہ نشانہ بنایا جاتا ہے کیا یہ تفرقہ بازی نہیں اور لا تفرقوا کے خلاف نہیں؟ ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے۔

علامہ اقبال مرحوم ہمیشہ روایت پرست علماء علامہ سید سلیمان ندویؒ علامہ سید محمد انور شاہ

کشمیریؒ جیسے علماء کرام اور پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اور مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ وغیرہ اکابر سے ملاقات رکھتے اور ان کی تحریروں سے استفادہ کرتے رہے اس کا بھی ذکر ہونا چاہئے یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے اس کو کیا اس لئے چھپایا جاتا ہے کہ کہیں مسٹر اور مولوی میں اتفاق ہو کر تفرقہ بازی کا ہمارا منصوبہ ناکام نہ ہو جائے۔ اس لئے نفرت اور تفرقہ پھیلانے والے الفاظ استعمال کئے جا رہے ہیں جو بیان کے قابل نہیں۔

مضمون میں لکھا ہے ''اللہ تعالیٰ نے غنیم کے مقابلہ میں تیاری کیلئے گھوڑے پالنے کی ہدایت کی ہے اگر خدائی احکام کی لغوی تعمیل پر زور دینے والا کوئی مولوی آج بھی ضد کرے کہ ہمیں جنگ کی تیاری کیلئے گھوڑے ہی پالنے چاہئیں تو آپ اسے کیا جواب دیں گے؟ (نوائے وقت مذکور)

مگر مضمون نگار نے صرف اعتراض کر دیا ہے یہ نہیں بتلایا کہ اس میں کیا حرج ہے آج بھی بعض مقامات ایسے ہیں جن کو گھوڑوں کے بغیر فتح نہیں کیا جا سکتا اس لئے ایک دستہ گھوڑے کا جنگ میں رکھا جاتا ہے اور حدیث میں ہے کہ ''قیامت تک کیلئے خدا نے گھوڑے کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے'' ابھی افغانستان کے جہاد میں صوبہ فاریاب پر ۷۰۰ جنگی گھوڑوں سے حملہ کیا گیا ہے جہاں ٹینک اور بکتر بند گاڑی بھی کار آمد نہیں'' (ضرب مومن ۳۰ جولائی ۱۹۹۸ء ملاحظہ کیا جائے)

دوسرے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''مقابلہ کی قوت جمع کرو'' میں میزائل اور ایٹم بم سب کے بنانے کا حکم ہے اور قوت کے جمع کرنے کی تعمیل میں میزائل اور ایٹم بم بنانا سب داخل ہیں مضمون نگار زبردستی گھوڑے پالنے کی ہدایت میں میزائل کو داخل کرنا چاہتے ہیں۔ مفتی اعظم مرحوم فرماتے ہیں آج کے مسلمان کو بقدر استطاعت ایٹمی قوت ٹینک اور لڑاکا طیارے آب دوز کشتیاں جمع کرنا چاہئے کیونکہ یہ سب ایسی قوت کے مفہوم میں آتی ہیں'' (معارف القرآن ج ۴ ص ۲۷۲)

اب کون ضدی مولوی ہوگا جو گھوڑے پالنے کی ہدایت اور لغوی تعمیل پر زور دے کر میزائل ایٹم بم بنانے سے منع کرے گا جبکہ قوت جمع کرنے کے حکم میں ایٹم بم، میزائل وغیرہ سب داخل ہیں قرآن فہمی کا یہ عجیب نمونہ ہے قوت کو جمع کرنے اور گھوڑے پالنے کا حکم الگ الگ دو کلمات میں دیا گیا ہے گھوڑے پالنے کے حکم میں ایٹم بم اور میزائل کو داخل کرنا نہ معلوم کیوں ضروری قرار دیا گیا؟ اور لغوی تعمیل پر زور دینا کیوں ممنوع ہو گیا؟ جبکہ گھوڑے پالنے کے حکم پر آج بھی عمل کیا جانا جنگی مقاصد میں

معین وممد ہوتا ہے شاید روشن خیالی کی کوئی قسم یہ بھی ہوگی؟ اس کے بعد مضمون نگار اپنا اصلی مدعا بیان کرتے ہیں اور مذہبی پیشواؤں سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر دستور میں نئی ترمیم کے بعد قرآن وسنت کے مقدس احکام کی تشریح کا فریضہ فرقہ پرستی کے مذہبی پیشواؤں کے سپرد کیا گیا تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا ہم روشن خیالی کی جانب آگے بڑھنے کے بجائے جہالت کی تاریکیوں میں گم ہوکر رہ جائیں گے'' (نوائے وقت مذکور)

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ مضمون نگار کو معلوم ہونا چاہئے کہ آئینی طور پر قرآن وسنت کے احکام کی تشریح اور سفارش کا فریضہ نظریاتی کونسل کے سپرد ہے جس میں ہائی کورٹ کے ججوں کے ساتھ چار ''فرقہ پرست مذہبی پیشوا'' بھی شامل ہیں اور اس کے اسلامی ہونے نہ ہونے کا فیصلہ وفاقی شرعی عدالت کے جج صاحبان کے سپرد ہے یہ انتظام پہلے ہی آئین میں موجود ہے۔ اب مجوزہ پندرھویں آئینی ترمیم میں مزید تجویز کیا گیا ہے کہ کسی مسلمان فرقے کے ''پرسنل لاء'' پر اس شق کے اطلاق میں قرآن وسنت کی عبارت کا مفہوم وہی ہوگا جو اس فرقے کی طرف سے توضیح شدہ قرآن وسنت ہوگا اس تجویز کے سوا فرقوں کے رفع نزاع اور کوئی صورت متصور نہیں ہے جبکہ ان فرقوں کو مٹایا نہیں جا سکتا۔

مضمون نگار نے بھی فرقہ پرستی کے مذہبی پیشواؤں کے سپرد کرنے کی مخالفت تو کردی مگر اس کے بالمقابل کوئی تجویز پیش کرنے سے قاصر رہے، صرف ''مذہبی پیشوائیت'' کے خلاف اپنی نفرت کے اظہار کرنے اور تفرقہ پیدا کرنے پر اکتفا کیا گیا اس سے فرقوں کا اختلافی مسئلہ حل ہوگیا یا ملک میں سے فرقہ بندی ختم ہوکر کسی ایک فرقہ کو تمام فرقوں نے قبول کرلیا؟ مضمون نگار آخر قرآن وسنت کی تشریح کا حق کس کو دینا چاہتے ہیں ملکی قانون کی تشریح میں اختلاف ہوجاتا ہے تو اس کے ماہرین ہی کو حق ہوتا ہے کہ وہ اس میں اپنی رائے دیں یا ہر کس وناکس کو اس میں دخل دینے کا حق حاصل ہوتا ہے؟ شریعت کو ایسا کیوں سمجھ لیا گیا ہے کہ اس میں دخل دینے اور اس کی تشریح کا ہر شخص کو حقدار سمجھا جاتا ہے چاہے وہ قرآن وسنت کے احکام کی ابجد سے بھی واقف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فہم سلیم اور عقل مستقیم عطاء فرمائیں اور قرآن وسنت کے منشاء کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین

سید عبدالشکور ترمذی مہتمم جامعہ حقانیہ

ساہیوال سرگودھا ۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ

جمہوریت اور ووٹ کی شرعی حیثیت

﴿ عرضِ حال ﴾

واقعہ یہ ہے کہ برطانوی طرز کی مروجہ جمہوریت نہ تو عقل ہی کے مطابق ہے اور نہ ہی اسلامی طرزِ حکومت کے، علامہ اقبال نے اس کے خلافِ عقل ہونے کو واضح کرتے ہوئے کہا تھا، ؂

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے

اسی لئے علامہ نے اس سے دُور رہنے اور ''پیر دانا'' عقل مند شخص کی پیروی اور حکم ماننے کو کہا تھا، وہ کہتے ہیں۔ ؂

بترس از طرزِ جمہوری اسیر پیر دانا شود
کہ از مغز دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

مطلب واضح ہے کہ فکرِ انسانی کے لئے عقل کی ضرورت ہے اور بے عقلوں کے ذریعہ اگرچہ گنتی میں وہ بہت زیادہ ہوں فکرِ انسانی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے بندوں کو گننے والی طرزِ جمہوریت کے ذریعہ فکرِ انسانی اور عقل کی بات حاصل ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک کی اکثریت اسلامی تعلیم اور (صحیح) سیاسی شعور دونوں ہی سے تقریباً محروم ہے اور دنیوی تعلیم میں بھی پسماندہ ہے، ملک میں مشکل سے ۱۵ فیصد تعلیم یافتہ ہونگے، اور ان میں اکثر و بیشتر اسلامی تعلیمات سے افسوسناک حد تک ناواقف ہیں۔ صرف نظریاتی اور رسمی طور پر ہی اسلام کے معتقد ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر ان میں ایک طبقہ سرے سے اسلامی تعلیمات پر ایمان و یقین ہی نہیں رکھتا وہ کھلے بندوں اس اسلامی حکومت میں بھی اسلامی مسلمات کے خلاف موقع بہ موقع زبانی اور تحریری طور پر آواز بلند کرتا رہتا ہے۔ ادھر عوام میں اگرچہ عام طور پر اعتقاد کی حد تک تو دین کا احترام اور شعور موجود ہے اور کسی قدر عملی زندگی بھی اسلامی ہے مگر علمِ دین کی کمی اور اخلاقی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے

اپنے ذاتی اغراض اور برادریوں کے مفادات ان کے پیش نظر ہیں، یا پھر صوبائی، لسانی وغیرہ کئی قسم کی گروہ بندیوں اور تعصّبات کے شکار ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایسی صورتِ حال میں اس مروجہ برطانوی طرزِ جمہوریت کو نفاذِ اسلام کے لئے زینہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس طرز کی جمہوریت کے ذریعہ تبدیلیٔ اقتدار کا مقصد تو شاید حاصل ہوسکتا ہو۔ مگر نفاذِ اسلام کا مقصد اس سے حاصل ہونے کی صورت ماضی کے تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے نظر نہیں آتی۔ صورتِ حال یہ ہے کہ اسلام کے نام کو محض تبدیلی اقتدار کے بہانے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے نفاذِ اسلام اور شریعتِ اسلامی کی ترویج عام طور پر ان لوگوں کے پیش نظر نہیں ہوتی۔

نفاذِ اسلام کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ اسلامی نظریات کی حامل تمام جماعتیں مل کر براہ راست اسلام کے نفاذ کو اپنا مقصد بنائیں۔ اور اس کے لئے مؤثر لائحہ عمل تجویز کریں، پھر اس کے روبہ عمل لانے کے لئے خلوصِ دل سے متفقہ عملی جدوجہد کریں۔

اس جمہوریت کے ذریعہ جس کی بحالی کے لئے پاکستان میں بڑے زور وشور سے تحریکیں بھی چلتی رہی ہیں نہ تو مقصد قیام پاکستان ''اسلامی نظام کا نفاذ'' حاصل ہوا، اور نہ ہی ملکی سالمیت اور استحکام کے اعتبار سے ہی کوئی بہتر صورت پیدا ہوئی۔ بلکہ ملک اپنی سالمیت اور استحکام کے اعتبار سے نہ صرف برسوں پیچھے چلا گیا، ملک کا بہت بڑا حصہ بھی ٹوٹ کر اس سے جدا ہوگیا اور بنگلہ دیش بن گیا یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ اسلام زندگی گذارنے کا ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ عقائد وعبادات سے لے کر معاشی اور سیاسی تمام مسائل کا بہترین اور تجربہ شدہ حل اس میں موجود ہے۔ اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ اسلام کو مکمل طور پر نافذ کیا جائے، اور مروجہ خلافِ عقل جمہوریت کو چھوڑ کر اسلام کا سیاسی نظام ملک میں رائج کیا جائے۔ اس طرح جتنی جمہوریت اسلام میں ہے نفاذ اسلام کے ساتھ وہ خود بخود حاصل ہو جائے گی، کسی دوسری جگہ سے اس کی بھیک مانگنے اور پیوندکاری کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس مروجہ (برطانوی طرز کی) جمہوریت میں اصلاحات کئے بغیر اس پر عمل کرنے سے اسلام کے احکام پر پوری طرح عمل نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر اس میں امیدوار بننے اور ووٹ کے استعمال کرنے کا حق ۲۱ سال کے ہر بالغ مرد وعورت کو مساوی طور پر دیا گیا ہے جبکہ اسلامی احکام کی رو سے اس معاملہ میں مرد وعورت میں امتیاز رکھا گیا ہے (کہ عورت کو مرد کے مقابلہ

میں کمزور قرار دیا گیا ہے)اور عورت اسلام کی رو سے سر براہِ مملکت نہیں بن سکتی ،مگر اس جمہوریت میں اس پر پابندی لگانے کو جمہوریت کے خلاف سمجھا جاتا ہے،اس طرح کے اور بھی بہت (سے) اسلامی احکام ہیں (مثلاً فاسق وفاجر کے ووٹ کو دیندار اور شریف آدمی کے برابر درجہ دینا) جن پر اس جمہوریت کے ساتھ عمل نہیں کیا جاسکتا۔

خوب سمجھ لیجئے ! اسلام ایسی قومیت کی تشکیل کرتا ہے جو وطن ،نسل ، رنگ پیشہ وغیرہ سے بالاتر ہو۔اس طرح کی اسلامی قومیت صرف رشتۂ اسلام ہی سے قائم ہوتی ہے ،نسبی اور وطنی قومیتیں اگر اس سے متصادم ہوں تو اسلامی قومیت کو مقدم رکھا جانا لازمی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی یہی حقیقی قومیت ہے ، دوسری قومیتیں محض انتظامی معاملات میں نظم قائم رکھنے اور تعارف (پہچان) کے فائدہ کے لئے ہیں۔ ان بنیادوں پر قائم کی گئی قومیتوں کو اسلامی قومیت کے مقابلہ میں ترجیح دینا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ایسی ہی وطنی عصبیت اور قومیت کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا۔ ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

دنیا کے تمام مسلمان اسلامی رشتہ سے بھائی بھائی ہیں ، پاکستان اسی بنیاد پر بنا تھا ، کانگریس نے متحدہ قومیت اور ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگایا تھا ، مسلم لیگ کا نعرہ مسلم مسلم بھائی بھائی کا تھا اسی دوقومی نظریہ (مسلمان ایک قوم ، غیر مسلم دوسری قوم ہے) پر مسلمانوں کا الگ ملک پاکستان بنا تھا ، یہی نظریۂ پاکستان ہے ، اسی نظریہ پر پاکستان کا وجود قائم ہے۔اگر اس دوقومی نظریہ اور اسلامی قومیت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی اور قومیت اور صوبائی تعصب کو ہوا دی گئی تو پھر پاکستان کی بقاء بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے پاکستان میں دشمنانِ ملک وملت نے پھر وطنی اور صوبائی قومیت کے ان بتوں کی طرف لوگوں کو دعوت دینی شروع کر دی ہے اور ان دشمن عناصر نے پاکستان کی بنیاد کو اُکھاڑنے کا تہیہ کرلیا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان اس فتنۂ قومیت کے مقابلہ میں اپنی آواز بلند کرے ، اور ایسی جماعتوں کا ساتھ دے جو نظریۂ پاکستان کی حامی اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی جماعتوں کو کامیاب فرمائیں جن سے استحکامِ پاکستان کے ساتھ نفاذِ اسلام کا مقصد بھی حاصل ہو سکے ، آمین۔اب انتخابات قریب ہیں اس لئے ضروری سمجھا

گیا کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے ووٹ، ووٹر، اور امیدوار کی شرعی حیثیت سے متعلق چند گزارشات پیش کر دی جائیں، امید ہے کہ تمام مسلمان ان گزارشات سے رہنمائی حاصل کر کے ان پر عمل کریں گے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطاء فرمائیں۔

پاکستان میں عرصۂ دراز سے برطانوی طرزِ جمہوریت رائج ہے، اس جمہوریت کے جو نتائج ملک میں انتشار وافتراق، افراتفری، اور گھر گھر جھگڑے اور فساد کی صورت میں ہمارے سامنے آرہے ہیں وہ اتنے تکلیف دہ اور بدترین ہیں کہ شاید ہی دنیا کے کسی اور ملک میں جمہوریت کے اتنے بدترین نتائج ظاہر ہوئے ہونگے اور شاید ہی کسی اور ملک کو اس نام نہاد جمہوریت سے اتنا شدید نقصان پہنچا ہو ،اس کا کسی قدر تذکرہ پہلے آچکا ہے۔لیکن چونکہ ملک کو قہراً وجبراً اس جمہوریت میں مبتلا کر دیا گیا ہے اور ہماری مرضی کے بغیر ہمیں اس رائج الوقت جمہوریت کے ذریعہ حکومت بنانے پر مجبور کر دیا گیا ہے اب چونکہ ہمارے لئے اس کے بغیر چارۂ کار نہیں رہا۔اس لئے مجبوراً اس کو اختیار کیا جارہا ہے، پھر بھی اس میں شرعی نقطۂ نظر سے جس قدر بھی اصلاحات ممکن ہوسکیں ہمیشہ سے اس کے لئے کوششیں جاری رہیں۔اور اب بھی پہلے کی طرح کوشش جاری ہے۔

اس سلسلہ کی سب سے پہلی بنیادی اصلاح جو جمہوریت میں کی گئی وہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی کوشش سے وزیر اعظم لیاقت علی خان مرحوم کے ذریعہ قومی اسمبلی میں پاس ہونے والی قرار دادِ مقاصد سے ہوئی، مقصد یہ ہے کہ اس آزاد مغربی جمہوریت میں بڑی اہم اور بنیادی اصلاح تو قرار دادِ مقاصد کے ذریعہ شروع ہی میں کر دی گئی تھی۔اور اب اس کے آئینِ پاکستان میں شامل ہونے سے وہ آئینی اصلاح ہوگئی اس میں مغربی جمہوریت کے برخلاف تصریح ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ صرف اَللّٰہ رُبُّ الْعٰلَمِیْن کا ہے جبکہ مغربی جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کا تسلیم کردہ ہے۔مغربی جمہوریت کا یہی وہ بنیادی تصور ہے جو اس کو غیر اسلامی بنا دیتا ہے، انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود میں رہتے ہوئے نظامِ حکومت چلانے کا مجاز قرار دیا گیا ہے۔اس کو مطلق العنان خود مختار نہیں بنایا گیا جیسا کہ مغربی طرزِ جمہوریت میں یہ اختیار دے دیا گیا ہے، البتہ جن چیزوں کی تعلیم قرآن وسنت نے نہیں دی ان امور کے اندر جمہور اہل الرائے سے مشورہ لیا جا سکتا ہے ۔قرار دادِ مقاصد کے ذریعہ یہ بات پوری طرح واضح کر دی گئی کہ اقتدارِ اعلیٰ صرف اَللّٰہ رُبُّ الْعٰلَمِیْن

کا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے تحت نظام حکومت چلانے کی ضرورت ہے۔ اس طرح مغربی طرز کی آزادانہ جمہوریت کی آئین پاکستان کی رو سے بنیادی طور پر اصلاح کردی گئی ہے۔

دوسری اصلاح دستور کی حد تک یہ بھی کردی گئی ہے کہ امیدواروں اور ارکانِ اسمبلی کی شرائطِ اہلیت مقرر کردی گئی ہیں (مثلاً دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳) یہ بھی اصلاح کی طرف ایک اچھا قدم ہے، اگر ان شرائط کی پابندی کی جائے اور انتخاب کرانے والی مشینری ان پر سختی سے عمل کرائے تو موجودہ بہت سی خرابیوں سے نجات حاصل ہوسکتی ہے۔

ان کے علاوہ اس جمہوریت میں تیسری اس اصلاح کی ضرورت ہے کہ خود ووٹر کے اندر بھی کچھ شرائطِ اہلیت مقرر کردی جائیں، ووٹ دینے کے لئے ووٹر کا صرف ۲۱ سال کی عمر وغیرہ کا ہونا ہی کافی نہیں ہے، ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں ووٹ کی پرچی دے کر اس سے اس فیصلہ کی توقع رکھنا فضول ہے کہ وہ ایسے افراد یا ایسی جماعت کو ووٹ دے گا جو اسلام اور ملک کے لئے مفید ہے۔ عام طور پر ہمارے ووٹر کو نہ تو کسی جماعت کے منشور کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی منشوروں کا تقابلی مطالعہ کرنے اور ان میں ترجیح دینے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے۔ اور ہر ۲۱ سالہ بالغ اس کا فیصلہ کرہی کیسے سکتا ہے کہ نظریاتی، معاشی، معاشرتی، وفاقی پالیسی کے اعتبار سے کونسی جماعت کا منشور سب سے زیادہ بہتر ہے اور اسلامی نظریات کے موافق کس کا منشور ہے۔ جب تک ووٹر کے علم و عمل کے لحاظ سے شرائطِ اہلیت مقرر نہیں ہوں گے ان خرابیوں کی اصلاح بہت مشکل ہے۔

اب انتخابات کا زمانہ قریب ہے......... اس لئے (سرِ دست) کوئی آئینی اصلاح تو نہیں کی جاسکتی، البتہ ووٹروں کو اپنے ووٹ کی شرعی حیثیت کی طرف توجہ دلائی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں، امید ہے کہ ہمارے ووٹر اگر ان گزارشات کو پیشِ نظر رکھیں گے تو پاکستان کے مقصدِ قیام ''نفاذِ نظام اسلام'' کے حصول میں مفید ہوگا اور ان کا ووٹ صحیح جگہ پر استعمال ہوگا۔ اکثر ہوتا یہ ہے کہ امیدوار ہر قسم کے معیار سے آزاد ہوکر اپنی دولت کے بل بوتے پر ہر قسم کا لالچ اور رشوت دے کر یا خاندان اور برادری کے اثر و رسوخ کے ذریعے اور زبان، نسل وغیرہ کی عصبیت کی بنیاد پر ووٹ حاصل کرتے ہیں۔ اور اس طرح پورے حلقے کے نمائندے منتخب ہوکر اسمبلیوں میں جا بیٹھتے ہیں، اور ہر قسم کی بدعنوانی کا ارتکاب کرنے کے باوجود اس کا نام جمہوریت رکھا جاتا ہے۔ اس

لئے اس کے قیام اور تحفظ کے لئے ایڑی چوٹی تک کا سارا زورصرف کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس پر اصلاحی تنقید کو بھی جمہوریت دشمنی کا نام دیا جاتا ہے اور اصلاح کی ہر بات کو رجعت پسندی کہہ کر ٹھکرا دیا جاتا ہے۔

دوسری طرف ووٹر بھی اکثر و بیشتر اس کو اپنا ذاتی اور برادریوں کا معاملہ سمجھتے ہیں اور اس کو اپنے ذاتی مفادات اور مقاصد کے تابع ہار جیت کا کھیل اور خالص دنیاوی مفادات حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ کر ووٹ دیتے ہیں، حالانکہ یہ ایک دینی معاملہ اور حکومت کی تشکیل کا بنیادی پتھر ہے، اسی بنیاد پر آئندہ حکومت کے کاموں کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے اور نفاذِ اسلام کے کام کا انحصار ہے، لکھے پڑھے دیندار مسلمانوں کو بھی اس طرف توجہ نہیں ہوتی کہ یہ کھیل صرف ہماری دنیا کے نفع ونقصان تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے ساتھ طاعت ومعصیت اور گناہ وثواب بھی لگا ہوا ہے، اور اس کے اثرات وثمرات اس دنیا کے بعد بھی عذابِ جہنم اور درجاتِ جنت کی صورت میں ظاہر ہوں گے اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ انتخابات میں امیدوار کی اہلیت اور ووٹ کی شرعی حیثیت کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کر دیا جائے۔ ممبری کا امیدوار گویا اس کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ اس کام کی قابلیت اپنے اندر رکھتا ہے جس کا وہ امیدوار ہے، دوسرے یہ کہ وہ امانت ودیانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہ ہو وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہوتا ہے تو ایسا شخص جھوٹا مدعی ہے اور ملک وملت کی خرابی کا سبب بننے کے ساتھ خیانت کا مجرم ہو کر عذابِ جہنم کا مستحق بن جاتا ہے۔ اب جو شخص بھی کسی مجلس کی ممبری کا خواہشمند ہو اگر اس کو کچھ بھی آخرت کی فکر ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس ممبری کے بعد اس کے ساتھ جس قدر مخلوقِ خدا کا تعلق ہے ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر ہے اور وہ دنیا اور آخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے۔

کسی امیدوار ممبری کو ووٹ دینے کی حیثیت شہادت (گواہی) کی ہے کہ وہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اس کے متعلق اس کی شہادت (گواہی) دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت وامانت سے بھی یہ شخص متصف ہے۔ اور اگر واقع میں یہ شخص اس کام کے قابل نہیں اور نہ اس میں دیانت وامانت کی صفت ہے تو اس کا ووٹ دینا جھوٹی شہادت ہے، جو سخت گناہِ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں جھوٹی شہادت (گواہی دینے) کو شرک کے گناہ

ِ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے۔

جس حلقہ میں چند امیدوار کھڑے ہوں اب ووٹر کی شرعی ذمہ داری ہے کہ امیدوار کی قابلیت اور دیانت کو دیکھ کر اپنا ووٹ (شہادت وگواہی) استعمال کرے قابلیت اور دیانت کو چھوڑ کر غلط جگہ اپنا ووٹ استعمال کرنا خود کو جھوٹی شہادت کے سخت ترین گناہ میں مبتلا کرنا ہے۔ اس لئے ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع (لالچ) اور خوف یا برادریوں وغیرہ کے تعصب کی بنیاد پر گٹھ جوڑ اور اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے ووٹ دے کر اپنے آپ کو آخرت کے عذابِ عظیم کا مستحق نہ بنائے۔

ایک حیثیت ووٹ کی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے اور دوسروں کو آمادہ کرتا ہے کہ اس کو ووٹ دیں (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّکُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّکُنْ لَّهٗ کِفْلٌ مِّنْهَا (القرآن پ ۵)

یعنی جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا حصہ بھی لگتا ہے۔ اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نااہل فاسق وظالم کی سفارش کر کے اس کو خلقِ خدا پر مسلّط کرے

تیسری حیثیت ووٹ میں وکالت کی بھی ہے کہ ووٹ دینے والا امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے پھر چونکہ یہ وکالت شخصی حق میں نہیں بلکہ حقوقِ مشترکہ عامہ میں ہے۔ اس لئے اگر کسی نااہل کو نمائندگی کا ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو حقوقِ عامہ کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نااہل بددیانت شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش اور ناجائز وکالت بھی ہے، اور اس کے تباہ کن ثمرات اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔ جس طرح نااہل بددیانت آدمی کو ووٹ دینا گناہِ عظیم ہے اسی طرح قابل اور نیک آدمی کو ووٹ دینا ثوابِ عظیم ہے۔

قرآنِ کریم نے سچی شہادت کو واجب ولازم قرار دیا ہے۔ ''کُوْنُوْا قَوّٰامِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ'' دوسری جگہ ارشاد فرمایا'' وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ''(ان) آیات میں (شہادت قائم کرنے اور گواہی دینے کا صاف طور پر) حکم ہے (اور ساتھ ہی اس کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے) کہ سچی شہادت چھپانا گناہ ہے (چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے)'' وَلَا تَکْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ یَّکْتُمْهَا

فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ''ان تمام آیات میں مسلمانوں پر یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ سچی گواہی کو ضرور ادا کریں (اس سے جان نہ چرائیں) آج کل انتخابات میں جو خرابیاں پیش آرہی ہیں۔ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک اور دیندار حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ووٹ عموماً ایسے آتے ہیں جو چندٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں، یا وہ برادریوں اور قومیتوں کے تعصّبات کا شکار ہوتے ہیں۔اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنٰی میں قابل اور دیانتدار معلوم ہو اُسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم ہے۔

اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنٰی میں قابل اور دیانت دار نہ معلوم ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور دیانت کے لحاظ سے دوسرے کی نسبت سے بہتر ہو تو ''مَنِ ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ فَلْیَخْتَرْ اَھْوَنَھُمَا'' (جو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو اس کو چاہئے کہ اس کو اختیار کرے جو ان دونوں میں کم درجہ کی ہو) کے اصول پر اس کو ووٹ دے۔جیسا کہ فقہاء کرام نے نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ نجاست (کم ناپاکی) کو، اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ ظلم (کم ظلم) کو تجویز کیا ہے۔غرضیکہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا (اور ووٹ نہ دینا) بھی حرام اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام اور اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام اور اس کو ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا منافع کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔پیسوں اور ذاتی مفادات کے معاوضہ میں ووٹ دینا بدترین رشوت اور سخت گناہ ہے۔ جو جماعت یا امیدوار نظامِ اسلام کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت کا گناہ ہونے کے ساتھ اسلام اور ملک سے بغاوت بھی ہے۔

﴿ ضروری تنبیہ ﴾

اگر جماعتی انتخابات ہو رہے ہوں تو جماعتی منشور اور اس کے نظریات قابلِ لحاظ ہوتے ہیں۔ایسی صورت میں ذاتی شخصی حالات کی زیادہ اہمیت پیشِ نظر نہیں رہتی جبکہ اس کا ظنِ غالب (غالب گمان) ہو یا قانونی پابندی لگادی گئی ہو کہ کامیاب ہونے کے بعد اپنی جماعت کے نظریات کے ساتھ وابستہ اور اس کی حمایت کرتا رہے گا اور آزاد امیدوار چونکہ کسی منشور اور جماعت کا پابند نہیں ہوتا اس لئے کامیابی کے بعد اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں کا

ساتھ ضرور ہی دے گا۔ کیونکہ وہ کسی قانونی پابندی سے اس پر مجبور نہیں، اس کو اختیار ہوتا ہے کہ جس جماعت کے ساتھ مل جائے اور اپنا ذاتی نفع حاصل کر لے، اس لئے آزاد امیدوار کو ووٹ دینا نتیجہ کے لحاظ سے اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے، اس لئے اس کو ہرگز ووٹ نہ دیا جائے۔ البتہ اگر کوئی حلقہ ایسا ہو کہ اس میں اسلامی نظریات کی حامل جماعتوں کی طرف سے کوئی امیدوار کھڑا ہی نہیں کیا گیا تو پھر اس (آزاد امیدوار) شخص کی ذاتی صلاحیت و دیانت داری کے لحاظ سے (اس سے) یہ عہد لے کر کہ کامیابی کے بعد اسلامی نظریات کی حامل جماعت کی حمایت کرتا رہے گا اس کو ووٹ دیا جا سکتا ہے۔ ماضی میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ مروجہ طریق انتخاب کی بدولت تقریباً ۶۲ فیصد ووٹ مخالفت میں پڑنے کے باوجود یکجا نہ ہونے کی وجہ سے بے وقعت ہوتے رہے اور تقریباً ۳۸ فیصد ووٹ ایک جگہ ہونے کے سبب سے حکمرانی کی سند بن جاتے رہے۔ گذشتہ الیکشن ۱۹۸۸ء میں ایک رپورٹ کے مطابق ۶۰ فیصد لوگوں نے ووٹ نہیں ڈالے یعنی جتنی بھی پارٹیاں تھیں ان میں سے کسی کو بھی ساٹھ فیصد لوگوں نے اپنے ووٹ کا اہل نہیں سمجھا بقیہ چالیس فیصد ووٹروں نے ووٹ ڈالے اور ان میں سے ۳۳ فیصد ووٹ حاصل کرنے والی جماعت ملک کے تمام اختیارات کی مالک بن گئی حالانکہ ۴۰ فیصد کا ۳۳ فیصد ووٹوں کا تناسب ۱۳ فیصد تھا، یعنی ۸۷ فیصد ووٹر اس پارٹی کے حق میں نہیں تھے۔ کیونکہ انھوں نے ووٹ نہیں ڈالے اور اگر ڈالے بھی تو کسی اور پارٹی کے حق میں ڈالے لیکن ۱۳ فیصد ووٹ جو موصول ہوئے اتنے ووٹ چونکہ دوسری پارٹیوں میں سے کسی کے حصہ میں نہیں آئے، اس لئے وہ (تیرہ فیصد ووٹ حاصل کرنے والی) جماعت حاکم بن بیٹھی (ہفت روزہ تکبیر) اب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا، کہ مروجہ برطانوی جمہوریت کے یہ نتائج کس قدر ملک وملّت کے لئے تباہ کن ثابت ہو رہے ہیں، اس لئے اس طریقِ انتخاب میں اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔

سید عبدالشکور ترمذی

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

(ماہنامہ الصیانۃ لاہور، صفر ربیع الاول ۱۴۱۴ھ ستمبر ۱۹۹۳ء)

چند واقعات وارشادات

﴿ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں حاضری ﴾

۱۹۹۲ء رجب ۱۴۱۲ھ میں حق تعالیٰ نے اپنے فضل خاص اور کرم سے اس احقر نا کارہ کو پہلی مرتبہ اپنے والد ماجد قدس سرہ کے ہمراہ عمرہ کی سعادت عطا فرمائی ہم نے یہاں حاضر ہو کر مغرب کی نماز مسجد حمزہ رضی اللہ عنہ میں ادا کی پھر اس کے بعد بیت اللہ شریف میں حاضری دی جدہ سے جناب حاجی ضیاء الدین صاحب نے وصول کر لیا تھا اس لئے مکہ معظّمہ میں قیام کا انتظام انہوں نے دار الھجرہ مسفلہ میں خود ہی کر دیا احقر نے پاکستان سے اپنی آمد کا پروگرام بذریعہ خط حضرت مولانا شمیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کر دیا تھا جب احقر مدرسہ صولتیہ کا راستہ معلوم کر کے وہاں حاضر ہوا حضرت موصوف سے ہی ملاقات ہوگئی میں نے نام بتایا اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا تو فوراً میرا خط نکال کر دکھایا اور بڑی تیزی سے فرمانے لگے کہ اب تک تم کہاں تھے میں تمہارے انتظار میں تھا اور ابا کہاں ہیں میں نے تفصیل بتائی تو فرمایا کہ ان کو لے کر آنا چنانچہ اگلے روز حضرتؒ کے ہمراہ وہاں حاضری ہوئی حضرت مولانا موصوف بہت ہی خوش ہوئے اور بڑا زبردست استقبال فرمایا کافی دیر تک دونوں بزرگوں میں تبادلہ خیال ہوتا رہا پھر فرمایا کہ آپ دار الھجرہ میں ٹھہر گئے ہیں لیکن کل کو کھانا آپ ہمارے ہمراہ تناول فرمائیں آئندہ روز پھر یہاں آنا ہوا بڑی پر تکلف دعوت فرمائی پورے مدرسہ کی عمارات کتب خانہ وغیرہ دکھایا اساتذہ کرام سے بھی تعارف کرایا حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے جس جگہ بیٹھ کر حضرت قاری عبداللہ صاحب مکیؒ سے مشق کی تھی وہ جگہ اور حضرت شیخ الطائفہ حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ کا حجرہ بھی دکھایا دوران گفتگو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ۱۳۲۸ھ میں یہاں حضرت قاری عبداللہ صاحبؒ سے مشق کی تھی اس طرح حضرت موصوف بھی ان کے شاگرد ہیں اس پر مولانا موصوف نے کہا کہ یہ حوالہ کہاں ملے گا مجھے یاد نہیں حضرت والد صاحب مرحوم نے سفر نامہ حجاز حصہ دوم مؤلفہ

حضرت مولانا عثمانیؒ کا حوالہ دیا اس پر وہ بہت خوش ہوئے کہ حضرت اقدس تھانوی کے علاوہ حضرت مولانا عثمانیؒ بھی مدرسہ صولتیہ کے تلامذہ میں سے ہیں حضرت والد صاحب کی طبیعت قدرے ناساز تھی اس لئے ان کے واسطے جوشاندہ کا بھی اہتمام تھا احقر کو بھی بڑی محبت وشفقت سے بہت سی ہدایات سے نوازا اور عربی کے نئے نصاب کا ایک سیٹ دینے کیلئے وعدہ فرمایا چونکہ ان دنوں حضرت والد صاحبؒ ''احکام القرآن'' کا تکملہ لکھ رہے تھے اس لئے والد صاحب نے کتب خانہ سے بعض تفاسیر لے کر ''احکام القرآن'' کا کچھ حصہ صولتیہ میں تحریر فرمایا اس سے بھی حضرت مولانا شمیم صاحبؒ بہت خوش ہوئے پھر ہم حرم میں حاضر ہوئے حضرت نے دوران طواف اس حصہ کو اپنے ساتھ رکھا اور اس کی تکمیل باب کعبہ کے سامنے فرمائی بحمداللہ تعالیٰ بعد میں یہ حصہ مکمل ہو گیا اور اب عنقریب ان شاءاللہ تعالیٰ طبع ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ تمام مراحل آسان فرما کر اس کی جلد اشاعت کرادیں اور امت کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق دیں آمین۔ مدرسہ صولتیہ میں اس طرح یہ پہلی حاضری تھی اس کے بعد ہم مدینہ منورہ حاضر ہوئے وہاں سے واپسی پر عمرہ کے فوراً بعد جدہ اور وہاں سے اگلے روز پاکستان کا سفر ہوا جس کی پوری تفصیل احقر کے سفر نامہ میں موجود ہے مدرسہ صولتیہ میں جب حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم تھے اس وقت حضرت جد امجد حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی قدس سرہ بھی حج کیلئے مکہ معظّمہ حاضر ہوئے تھے حضرت مولانا محمد سلیم صاحب سے بھی ان کا تعلق تھا جیسا کہ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے نام ان کے مکتوب تحریر کردہ از مکہ مکرمہ سے واضح ہوتا ہے یہ مکتوب گرامی انہوں نے بازار منیٰ سے تحریر فرمایا تھا جو مفتی اعظم نمبر میں موجود ہے اس طرح اس مدرسہ اور اس کے اکابر سے ہمارا بہت دیرینہ تعلق ہے والحمدللہ علی ذالک۔ حضرت والد صاحبؒ ۲۰ رجب ۱۴۲۱ھ میں جب آخری مرتبہ عمرہ کیلئے تشریف لائے تو جناب محترم حشیم صاحب نے بڑی پر تکلف دعوت فرمائی تھی اس کے بعد حضرت کا خصوصی بیان بھی یہاں ہوا تھا ان حضرات کے اسی تعلق کا یہ کرشمہ ہے کہ احقر اس وقت یہاں مقیم ہے اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر دے اور ہمیں ان تعلقات کا لحاظ اور حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

سبعہ عشرہ میں فیض

حضرت اقدس والد صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب

دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں جمع تھے قاری احمد میاں تھانوی نے تلاوت کی اور سبعہ میں بہت عمدہ پڑھا جب ان کی تلاوت ختم ہوئی تو مولانا نے فرمایا بھائی ہم نے تو سبعہ نہیں پڑھی تھی ہمارے ساتھیوں میں مفتی عبدالشکور صاحب نے سبعہ عشرہ پڑھی ہے لیکن انہوں نے کسی کو نہیں پڑھائی اس طرح اس شعبہ میں ان کا فیض آگے نہ بڑھ سکا اور کوئی حلقہ تلامذہ پیدا نہ ہوا حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ مجھے ان کی اس بات سے اتفاق کے ساتھ احساس بھی ہوا کہ اس شعبہ میں ضرور خدمت کرنی چاہئے تھی چونکہ ان کی بات درست تھی اس لئے میرے پاس اس کا جواب نہ تھا مگر قاری احمد میاں نے کہا کہ مجھے اس طرف حضرت ہی نے لگایا ہے اور میں ان کا شاگرد ہوں اور بحمد اللہ تعالیٰ میرے اس وقت سینکڑوں شاگرد اس شعبہ میں موجود ہیں جو بالواسطہ حضرت ہی کے شاگرد ہیں اس طرح قرأت میں بھی حضرت کا فیض جاری ہے والد صاحب اس پر بہت خوش ہوئے اور ہنس کر فرمانے لگے کہ بھائی آج تم نے ہمارا خوب دفاع کیا حضرت مولانا بھی اس پر خوب محظوظ ہوئے۔

رموز میں سبعہ قراآت کا لکھنا

عرصہ دراز کی بات ہے کہ ریڈیو پاکستان پر پندرہ روزہ محفل قراءت آتی تھی جسے ہم بڑے شوق سے سنتے تھے حضرت والد صاحب بھی بڑے شوق و رغبت اور توجہ سے اس کو سماعت فرماتے تھے اور اچھا پڑھنے والوں کو داد بھی دیتے ان کی بہت تعریف فرماتے بطور خاص حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ کی تلاوت کو بہت ہی پسند فرماتے ان پڑھنے والوں میں ہمارے محترم مخدوم زادہ جناب مولانا قاری احمد میاں تھانوی بھی تھے یہ بھی اچھا پڑھتے تھے پھر چونکہ ماشاءاللہ ان کا سانس زیادہ تھا اس لئے ایک ہی دفعہ میں کئی آیات پڑھ جاتے تھے ہمیں ان کی تلاوت زیادہ پسند تھی حضرت بھی خوشی کا اظہار فرماتے تھے اکثر لاہور میں مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جانا ہوتا تھا جہاں قاری احمد میاں بھی مقیم تھے اس لئے ایک مرتبہ حضرتؒ نے ان سے فرمایا کہ بھائی احمد میاں تم بہت اچھا پڑھتے ہو لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے سبعہ پڑھی ہے یا نہیں انہوں نے نفی میں جواب دیا تو حضرت نے ان کو اس کی ترغیب دی اور سبعہ پڑھنے پر زور دیا ساتھ ہی فرمایا کہ میں نے رموز میں سبعہ لکھی ہے اور یہ مصحف میرے پاس موجود ہے تم سبعہ پڑھو میں تمہیں وہ نسخہ بھی دیدوں گا موصوف نے آمادگی کا اظہار کیا حضرتؒ کے اصرار سے وہ اچھے خاصے متأثر ہوئے اور حضرتؒ نے بھی ان کو اپنی متاع عزیز قرآن کریم

کا وہ نسخہ جوانہوں نے رموز میں بزمانہ طالب علمی وقیام پانی پت میں تحریر فرمایا تھا ان کو بھجوادیا قاری صاحب اس وقت دارالعلوم دینیہ میں تجوید کے رئیس تھے اوران کے تلامذہ کا بڑا وسیع حلقہ تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے بڑی ہمت فرمائی کہ حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ سے شاطبیہ پڑھی پھر چار سال مدینہ منورہ میں سبعہ عشرہ کی تکمیل بڑے ماہر وجید قراء سے کی حتی کہ حق تعالیٰ نے ان کو علمی وفنی طور پر اوراس کے ساتھ حسن صوت وجودت قرأت میں استاذ کا مقام عطا فرمایا اس وقت پاکستان میں ہی نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی وہ اس حوالہ سے ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں انہوں نے حضرت والد صاحبؒ کے عطا کردہ نسخہ قرآن کریم کی بہت قدر فرمائی بڑے غور سے اس کو بار بار پڑھااور مدینہ منورہ میں بھی اس کو ساتھ رکھا حتی کہ تقریباً اٹھارہ سال تک یہ نسخہ ان کے پاس رہا اور آخر حیات میں حضرت والد صاحب قدس سرہ نے ان سے واپس لیا جامعہ حقانیہ میں انہوں نے کئی مرتبہ تلاوت کی ایک دفعہ حضرت والد صاحب قدس سرہ کو سبعہ عشرہ میں سنا کر اجازت بھی حاصل کی حضرتؒ نے ان کو حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی اور حضرت استاذ القرأ جناب قاری محی الاسلام صاحبؒ حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب صدر شعبہ تجوید وقرأت دارالعلو دیوبند کے حوالہ سے سبعہ عشرہ کی اجازت عطا فرمائی مجھے موصوف نے کئی مرتبہ فرمایا کہ اگر حضرتؒ سے اجازت لکھوا کر بھی دیدی جائے تو زیادہ بہتر ہے حضرتؒ کی سند میرے لئے یادگار اور باعث برکت ہوگی مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا انا للہ وانا الیہ راجعون قاری محمد شفیق صاحب پانی پتی حال مدرس دارالعلوم جھنگ جس زمانہ میں ام القریٰ ابوظہبی میں تھے انہوں نے بھی حضرت اقدسؒ سے سبعہ عشرہ کی اجازت حاصل کی تھی اور حضرتؒ نے انہیں اجازت نامہ لکھ کر بھیجا تھا اس کی نقل احقر کے پاس بھی محفوظ ہے۔

تہجد کیلئے بیدار ہونا

حضرت والد صاحب قدس سرہ کا اصلاحی تعلق جس زمانہ میں حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری نور اللہ مرقدہ سے رہا اس دور میں ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں کراچی حاضری ہوئی خانقاہ میں قیام تھا کھانا حضرت کے ہاں سے آتا تھا رات کو تہجد ونوافل کا اہتمام بھی فرماتے تھے ایک صاحب جو حضرت پھولپوریؒ کے متوسلین میں سے تھے انہوں نے رات کو تہجد میں اٹھنے کیلئے گھڑی (ٹائم پیس) رکھی ہوئی تھی حضرت والد صاحبؒ تہجد کے وقت پر اکثر از خود ہی بیدا ہو جاتے تھے ایک مرتبہ ان سے فرمایا کہ رات

کو آپ نوافل کیلئے مجھے بھی اٹھا دیں ایسا نہ ہو کہ تہجد قضا ہو جائے آپ چونکہ گھڑی لگاتے ہیں اس لئے اس کا خیال رکھیں انہوں نے کہا کہ آپ تو خود ہی گھڑی ہیں آپ کو کسی قسم کے الارم کی ضرورت نہیں ہے

حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ

حضرت والد صاحب قدس سرہ جب حج پر مکہ معظّمہ آئے اس زمانہ میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقیم تھے اپنے والد گرامی کے ساتھ ان سے ملنے گئے فرماتے تھے کہ ان کے ہاں ہر چیز ایک مرتب انداز میں رہتی تھی بڑے سلیقہ سے ہر چیز کو رکھا ہوا تھا حتی کہ پانی اور چائے کیلئے بھی پینے والے کی طلب کے مطابق الگ الگ مقدار کے برتن اور چمچے تیار تھے ان حضرات کو بھی ان کی طلب کے مطابق پانی بنا کر پیش فرمایا پینے والے سے پہلے ہی دریافت فرماتے تھے کہ ایک چمچ شکر کا شربت پینا ہے یا کم و پیش پھر اس کی طلب کے مطابق برتن لے کر خاص مقدار میں پانی ڈالتے اور شکر ملا کر دیا کرتے تھے۔

مولانا شفیع الدینؒ کے جنازہ میں شرکت

حضرت مولانا شفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت اقدس شیخ الطائفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے خلیفہ تھے جس دور میں یہ حضرات حج کیلئے آئے اسی زمانہ میں انہوں نے انتقال فرمایا حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ان کے جنازہ میں بھی میں نے شرکت کی ہے اس وقت باب ابراہیم پر حضرت مولانا عبیداللہ سندھی بیٹھا کرتے تھے ان کی زیارت بھی یہیں کی وہ سر ننگا رکھتے تھے حضرت مولانا سیف الدین صاحبؒ کی زیارت بھی یہیں ہوئی اس زمانہ میں حرم میں چار مصلے ہوتے تھے ہر ایک مسلک کا مصلیٰ الگ الگ تھا۔

بیت اللہ سے عقیدت و محبت

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخری مرتبہ عمرہ کیلئے حرمین شریفین کا سفر کیا تو جدہ پہنچ کر طبیعت سخت خراب ہوگئی ہمارے کرم فرما میزبان جناب قاری محمد رفیق صاحب نے خوب تیمارداری کی کئی دن میں طبیعت سنبھلی ضعف بے حد تھا اس کے باوجود طواف اور سعی خود ہی پیدل فرمائی ساتھیوں نے بیحد اصرار کیا کہ شرعاً اس وقت آپ کیلئے سواری کی گنجائش ہے اس لئے آپ پیدل نہ چلیں تکلیف بڑھنے کا اندیشہ ہے لیکن اس کو قبول نہیں فرمایا جناب لئیق احمد راؤ صاحب اور جدہ سے

جناب خالد قدوائی صاحب حضرت کے ساتھ تھے احقر کو فرمایا کہ تم آزاد ہو بے فکر ہو کر طواف اور سعی کر لو میں ان کے ساتھ کر لوں گا احقر طواف سے فارغ ہوا تو میرا خیال تھا کہ ابھی بمشکل طواف کا ایک شوط مکمل فرمایا ہوگا کیونکہ کمزوری بہت تھی اور قدرے رش بھی تھا میں اس انتظار میں رہا کہ طواف مکمل فرمالیں تو پھر سعی مل کر ہوگی کافی وقت گذر گیا مگر مطاف میں یہ حضرات نظر نہ آئے مجھے پریشانی ہوئی اور یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں طبیعت خراب نہ ہوگئی ہو اسی فکر میں مختلف مقامات کا چکر لگا کر دیکھتا رہا کافی دیر گذر گئی کوئی سراغ نہ ملا تو بے چینی زیادہ ہوگئی پھر اچانک عزیزم اسامہ سلمہ پر نظر پڑی تو وہ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ آپ کہاں ہم سب آپ کے انتظار میں ہیں میں نے کہا کہ حضرت کہاں ہیں انہوں نے کہا کہ سعی کا آخری چکر کر رہے ہیں بحمد اللہ تعالیٰ بخیریت ہیں اور سعی بھی خود فرما رہے ہیں یہ سن کر میری جان میں جان آئی لیکن بڑی حیرت ہوئی یہ سب کچھ کیسے ہوگیا پھر وہاں سے صفا پر آ کر سعی شروع کی اور جلدی جلدی سعی مکمل کی حضرتؒ سعی سے پہلے ہی فارغ ہو چکے تھے کچھ دیر کیلئے باب کعبہ کی محاذات میں سامنے بیٹھ کر کعبہ شریف کو عجیب انداز سے دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ عجیب شان ہے بیت اللہ شریف کی کہ سب دنیا اس پر لٹو ہے آواز بھرا گئی اور بے خود آنسو نکل آئے ہم پر بھی بڑا اثر ہوا پھر دعا کر کے وہاں سے نکلے اور حلق کرا کے جدہ پہنچ گئے۔

﴿ حضرت تھانویؒ کی تفسیری خدمات پر مقالہ ﴾

حضرت والد صاحب قدس سرہ ایک مرتبہ لاہور سمن آباد جناب ڈاکٹر مطیع الرحمٰن مرحوم کے ہاں قیام پذیر تھے کہ اچانک مولانا عبدالقادر صاحب آزاد اور مولانا فضل الرحیم صاحب وغیرہ تشریف لے آئے مولانا آزاد نے کہا کہ حضرت میں حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کی تفسیری خدمات پر پی ایچ ڈی کر رہا ہوں حکومت سے اس کی منظوری مل گئی ہے مجھے ماہنامہ الحسن کے حکیم الامتؒ نمبر سے آپ کا مضمون پڑھ کر معلوم ہوا کہ اس موضوع پر آپ نے تفصیلی مقالہ تحریر فرما رکھا ہے میری درخواست یہ ہے کہ آپ وہ مقالہ مجھے عنایت فرما دیں تاکہ میں اپنا کام مکمل کر سکوں دوسرے حضرات نے بھی ان کی سفارش کی اور یہ بھی کہا کہ ہم اس سلسلہ میں ساہیوال آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے پھر معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف فرما ہیں تو یہاں حاضر ہوگئے حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ میرا یہ تفصیلی مقالہ مجلس صیانۃ المسلمین کے دفتر میں مولانا وکیل احمد صاحب کے پاس ہے آپ ان سے مل کر وہ

حاصل کرلیں اوراس سے استفادہ کریں مجھے کوئی انکارنہیں ہے بلکہ خوشی ہوگی یہ حضرات بہت ممنون ہوئے اور بصدخوشی مل کرواپس ہوئے بعد میں مولانا آزاد نے مجلس کے دفتر سے حضرت اقدس کے مقالہ کی کاپی حاصل کی اوراس کی بنیاد پر پی ایچ ڈی کا مقالہ تیارکیا جس کوحکومت نے منظورکرکے انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری جاری کردی ہے موصوف نے اپنے مقالہ میں بھی حضرت سے استفادہ کا ذکرکیا ہے یہ واقعہ۱۹۸۹ء کے لگ بھگ کا ہے۔

﴿ حقوق طباعت محفوظ نہ کرانا ﴾

مکتبہ مدنیہ لاہور کے بانی جناب انواراحمد صاحب مرحوم المہند شائع کرنا چاہتے تھے اس کے آخر میں حضرت اقدسؒ کا خلاصہ بھی عرصہ سے ادارہ اسلامیات لاہوروالے حضرات شائع کررہے تھے انواراحمد مرحوم نے اس خلاصہ کی اشاعت کیلئے حضرت سے اجازت لینے کیلئے ساہیوال آنے کا پروگرام بنایا حضرتؒ جب لاہورتشریف لے گئے توکسی طرح ان کوبھی معلوم ہوگیا تو وہ سمن آباد پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ ''المہند'' کا خلاصہ افغانستان کے علماء نے بہت پسند کیا ہے ان کا تقاضہ ہے کہ میں المہند کومع خلاصہ کے طبع کروں اس لئے آنجناب سے اس کی اشاعت کیلئے اجازت مطلوب ہے حضرت نے ان کو بڑی خوشی کے ساتھ اجازت دی اوران کی حوصلہ افزائی فرمائی احقر نے خلاصہ کیلئے حضرت قاضی مظہرحسین صاحب مدظلہم کا لکھا ہوا پیش لفظ بھی انہیں دیا مرحوم نے اس کے اضافے کے ساتھ المہند کے آخر میں یہ خلاصہ شائع کیا جومکتبہ مدنیہ سے اب بھی طبع ہورہا ہے اس کے بعد موصوف نے کتاب ''بارہ مہینوں کے مسائل'' بھی شائع کی اورمفیدالوارثین کا وہ نسخہ جس میں حضرت اقدسؒ کی تحریر بھی شامل اشاعت ہے یہ بھی شائع کی اگرچہ اس کیلئے انہوں نے اجازت نہیں لی مگرحضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ میری طرف سے اپنی تصانیف پراشاعت کی پابندی نہیں ہے اگرچہ اخلاقاً اجازت لینا بہتر تھا۔

﴿ شیخ یحیٰ صاحب کا اجازت حاصل کرنا ﴾

گذشتہ سے پیوستہ سال حضرت اقدسؒ نے عمرہ کیلئے سعودی عرب کا سفرفرمایا زیادہ تر قیام کمزوری اورشدید بیماری کی وجہ سے جدہ میں جناب قاری محمدرفیق صاحب کے ہاں ہی رہا وہاں شیخ یحیٰ صاحب ملاقات کیلئے تشریف لائے وہ اکابرین سے ملاقات وزیارت کے علاوہ اجازت حدیث کے بڑے مشتاق رہتے ہیں حضرت اقدس سے بھی صحاح ستہ کے اوائل سنا کراجازت حدیث حاصل

کی اس کے علاوہ سبعہ عشرہ میں سنا کر اس کی اجازت بھی لی حضرت نے خود بھی سبعہ میں ان کو سورہ فاتحہ سنائی اس روز رجب المرجب ۱۴۲۱ھ کی گیارہ تاریخ تھی ہجری حساب سے حضرت اقدسؒ کی عمر مبارک کے اَسّی سال مکمل ہو رہے تھے شیخ یحیٰ کو اس کا علم ہوا تو وہ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے ہذا یوم مبارک۔ علم قرأت میں حضرت والد گرامی کی سند بہت عالی ہے اس وقت حضرت شیخ القرأ قاری محی الاسلام صاحب قدس سرہ پانی پتی کے تلامذہ میں حضرت والا کے علاوہ کوئی شاگرد زندہ نہیں تھا آپ کے مایہ ناز شاگرد امام القرأ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مہاجر مدنی یہاں دیار عرب میں مشہور تھے اور شیخ بھی ان کو خوب جانتے تھے اس لئے انہوں نے حضرت اقدس کی بہت قدر کی اور اجازت حدیث کے ساتھ اجازت قرأت کو اپنے لئے بہت ہی باعث سعادت اور موجب افتخار سمجھا۔

﴿ ایک خاص دعاء ﴾

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جامعہ حقانیہ اور مساجد میں قران کریم مکمل ہوتا ہے اس پر حضرت اقدس قدس سرہ وعظ فرماتے تھے جس سے سامعین کو بہت نفع ہوتا اور سنانے والے طلباء کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی اور اس طرح مختلف مساجد میں ایک مرتبہ سالانہ حاضری اور ہر محلّہ میں تبلیغ بھی ہو جاتی حضرت اقدس کے یہ بیانات نہایت مفصل اور مدلل اور عین مقتضائے حال کے مطابق ہوتے تھے انہوں نے ان بیانات کے ذریعہ بڑی محنت سے عوام کے عقائد و اعمال کی اصلاح کیلئے ذہن سازی فرمائی انہی بیانات اور آپ کی محنت و کوشش کا نتیجہ تھا کہ ہر محلّہ سے عوام مسائل کیلئے آپ کی طرف رجوع اور آپ پر اعتماد کرتے تھے بہر حال یہ سلسلہ شروع سے ہی قائم تھا اور آپ اس کو بڑی خوبی سے نبھاتے اس مصروفیت کی وجہ سے آپ اعتکاف بھی نہ فرما سکے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اسی مصروفیت کے باعث اعتکاف بھی نہ کر سکا حالات کے پیش نظر اس سلسلہ کی اہمیت نفلی اعتکاف سے کہیں زیادہ تھی الغرض اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ حضرت اقدس محلّہ قصاب مسجد عثمانیہ میں بیان کیلئے تشریف لے گئے اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ احقر جامعہ اشرفیہ لاہور سے دورہ حدیث کے بعد ساہیوال پہنچ چکا تھا حضرتؒ سے قبل کچھ دیر کیلئے ان کے حکم سے بیان بھی کرتا تھا چنانچہ اس موقع پر بھی حضرت کے حکم سے احقر نے وہاں بیان کیا جس کو سامعین کے علاوہ حضرت اقدسؒ نے بیحد پسند فرمایا اپنے وعظ میں اس کا بطور خاص ذکر کیا اور اس روز آیت قرآنی الحمد للّٰہ الذی وھب لی علی

الکبر اسمعیل واسحق الایة پر بیان کیااس میں آپ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ عبدالقدوس نے جب پہلی مرتبہ حقانیہ مسجد میں قرآن کریم سنایا تو میں اس کیلئے دعاء کیا کرتا تھا جس کے الفاظ میں نے یہ تجویز کیے تھےایدك اللّٰہ بروح القدس حضرت حسان رضی اللہ عنہ کفار کی ہجو کا جواب دے کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع فرماتے تو ان کیلئے مسجد نبویؐ میں ممبر لگایا جاتا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور کفار کو جواب دیتے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوکران کو یہ دعا دیا کرتے تے اللھم ایدہ بروح القدس روح القدس سیدالملائکہ حضرت جبرئیل امین کا لقب ہے حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ میں نے اس کیلئے دعاء کے واسطے یہی جملہ منتخب کیا ہوا ہے رفع اللّٰہ درجاته فی اعلیٰ علیین آمین

﴿ قبر پر کتبہ کا شرعی حکم ﴾

حضرت مدنی قدس سرہ نے ترمذی شریف کے درس میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر فرمایااور ساتھ ہی یہ کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے مدینہ منورہ ہجرت کے بعد سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوااور بقیع الغرقد میں پہلی قبران ہی کی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خود دفن فرمایااور پھر پتھر کا ایک ٹکڑا منگا کر قبر کے سرہانے رکھااور فرمایا ''لاعلم قبراخی ''اس سے قبر پر پتھر لگانے کا جواز معلوم ہوتا ہے حضرت والد صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا حضرت اس حدیث سے وضع حجر کا جواز معلوم ہورہا ہے نہ کہ نصب کا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصب نہیں کیا تھا حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ مقصود قبر کی معرفت ہے جس طرح بھی حاصل ہونصب سے یاوضع سے دونوں طرح صحیح ہے۔

﴿ حضرت تھانویؒ کی فقہی بصیرت ﴾

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ ایک مرتبہ وعظ کیلئے کہیں تشریف لے گئے حضرت جدامجدؒ بھی ہمراہ تھے دوران سفر نماز کا وقت ہوا جنگل بیابان میں ایک کنواں نظر پڑا حضرت جدامجدؒ وہاں پہنچے اس پر ڈول رکھا ہوا تھا لیکن یہ معلوم ہونا مشکل تھا کہ ڈول پاک ہے یانہیں اس لئے حکیم الامتؒ سے عرض کیاکہ حضرت ڈول تو رکھا ہے مگراس کے متعلق علم نہیں کہ کیسا ہے حضرتؒ نے فرمایاکہ مولوی صاحب یہ جنگل ہے آپ اس وقت خانقاہ میں نہیں جنگل میں کھڑے ہیں لہٰذا جب تک اس کے ناپاک ہونے کا قطعی علم نہ ہواس کو پاک ہی سمجھا جائے گا بلاشبہ وتردد اس سے پانی نکال لیجئے یہ پاک ہے یہاں

تدقیق و تحقیق کی حاجت نہیں ہے۔

﴿ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید ﴾

۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء کو پاکستان کے وزیراعظم محمد نواز شریف کو برطرف کر کے جنرل پرویز مشرف صاحب نے اقتدار پر قبضہ کرلیا جو حضرات میاں صاحب کی پالیسیوں سے دلبرداشتہ تھے انہوں نے سکھ کا سانس لیا تقریباً ہر ایک طبقہ کے افراد نے اس عمل کو سراہا مگر حضرت اقدسؒ اس پر خوش نہ تھے فرماتے تھے کہ نواز شریف کی پالیسیوں سے اختلاف اپنی جگہ پر مگر اس کا یہ حل نہیں ہے کہ اس کو الگ کر کے اقتدار پر قبضہ کرلیا جائے اس سلسلہ میں عجیب وغریب خیالات کا اظہار حضرات علماء کرام کی طرف سے سننے میں آ رہا تھا مگر حضرت اپنی سیاسی بصیرت کی بنا پر ایک خاص نقطہ نظر رکھتے تھے اس لئے انہیں اس سے اختلاف تھا انہی دنوں آپ کبیر والا دارالعلوم میں تشریف لے گئے وہاں کے حضرات علماء سے آپ نے یہی فرمایا کہ تمہیں کچھ عرصہ کے بعد رحم اللہ النباش الاول کہنا پڑے گا چنانچہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ اس سلسلہ میں حضرتؒ کا نقطہ نگاہ سو فیصد درست اور صحیح تھا قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید ایسے حضرات ہی کے متعلق کہا گیا ہے۔

﴿ کتب فقہ پر وسیع وعمیق نظر ﴾

حضرتؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں سرگودھا حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائپوریؒ کی خدمت میں حاضر تھا کئی علماء کرام بھی تھے ایک عالم نے غراب کا مسئلہ بیان کیا کہنے لگے کہ ہدایہ میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے بھی اس کو تناول فرمایا ہے لہٰذا اس کے حلال ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے بدعتی بلا وجہ شور کرتے ہیں۔

والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یہ تو صحیح ہے کہ غراب زرع اور زاغ معروف حلال ہے لیکن یہ صحیح نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تناول فرمایا ہے وہ کہنے لگے کہ ہدایہ میں اسی طرح لکھا ہے آپ نے ہدایہ منگوا کر ان سے فرمایا کہ اس میں آپ دکھائیں انہوں نے ایک عبارت پیش کی جس میں ارنب اور غراب کی حلت کا ذکر تھا اور نیچے یہ عبارت تھی وقد اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عبارت غراب کے تحت تھی حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کا تعلق ارنب سے ہے غراب سے نہیں آپ کو اس سے مغالطہ ہو گیا ہے اس پر وہ بڑے حیران ہوئے اور غور کے بعد اس کو تسلیم کرلیا۔

﴿ ہدایہ کی ایک عبارت ﴾

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی ایک مرتبہ جامعہ حقانیہ میں تشریف لائے اور احقر سے فرمایا کہ ہدایہ لاؤ میں نے ایک مقام شیخ سے پوچھنا ہے میں نے ہدایہ ان کو دیدی انہوں نے عبارت نکالی جس میں تھا نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلوٰة بعد الصلوٰة حضرتؒ سے استفسار فرمایا کہ اس عبارت کا کیا مطلب ہے حضرت والد صاحبؒ نے عبارت سنتے ہی اس کی تشریح فرمادی جس کو سن کر موصوف حیرت واستعجاب سے حضرتؒ کی طرف تکنے لگے حضرتؒ نے پوچھا کہ کیا شبہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ بالکل صحیح تشریح فرمائی ہے کوئی شبہ نہیں رہا لیکن میں اس پر حیران ہوں کہ آپ نے عبارت سنتے ہی اس قدر صحیح مطلب بغیر کسی تاویل کے کیسے بیان فرمادیا میں نے بہت سے حضرات سے اس کا مطلب دریافت کیا مگر عبارت حل نہ ہوسکی بالآخر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اس کو حل فرمایا تھا اور ماشاء اللہ آپ کی تشریح بھی بعینہٖ اسی کے مطابق ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ سب والد صاحبؒ کی برکت ہے۔

﴿ امداد الفتاویٰ کی ایک عبارت ﴾

لاہور دار العلوم الاسلامیہ میں ایک مرتبہ حضرت اقدسؒ تشریف فرما تھے کہ ایک عالم نے امداد الفتاویٰ جلد سوم کی عبارت جس میں ادھار اور نقد کی صورت میں ثمن کی کمی بیشی کا جواز لکھا ہے پر ایک اشکال کیا کہ یہ سود معلوم ہوتا ہے حضرتؒ نے اس کو کیسے جائز لکھ دیا حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ آپ نے غور نہیں کیا اس کی دو شقیں ہیں حضرتؒ نے دونوں میں فرق کیا ہے اس عبارت کا یہی مطلب ہے اس کو غور سے سمجھنا چاہئے حضرتؒ کی تقریر سے مسئلہ بے غبار ہو گیا اور اس عالم کی بھی تسلی وتشفی ہوگئی۔

﴿ تکفیر روافض پر ایک فتویٰ ﴾

حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب نے کبیر والا سے ایک مرتبہ امداد الاحکام جلد دوم میں مطبوعہ فتویٰ متعلقہ تکفیر روافض کے متعلق استفسار کیا کہ اس فتویٰ پر لکھا ہے کہ یہ آخری تحقیق ہے اور اسی کے بعد کے حاشیہ پر حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہاں تک کے سب فتاویٰ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بالالتزام ملاحظہ فرمائے ہیں جس سے واضح ہے کہ یہ فتویٰ حضرت تھانویؒ کی منشا کے مطابق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روافض کے متعلق حضرت کی تحقیق بھی علی الاطلاق تکفیر

کی تھی جبکہ امداد الفتاویٰ میں علی الاطلاق تکفیر کی نفی ہے۔ حضرت نے اس کی تحقیق کیلئے احقر کو حکم دیا احقر نے اس کی مکمل تحقیق لکھ کر خدمت میں پیش کی تو بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور اس تحریر پر وقیع انداز میں تصدیق وتوثیق فرمائی کیونکہ اس بارہ میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی اور حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہما نے بھی احقر کو اس کی تحقیق کیلئے بارہا حکم فرمایا تھا اس لئے میں نے وہ تحریر ان حضرات کی خدمت میں بھی بھیج دی تھی جس پر انہوں نے بھی بڑے جاندار انداز میں تحسین وتصویب فرمائی۔

﴿ ایک آیت کی تشریح ﴾

صد سالہ اجتماع دار العلوم دیو بند مارچ ۱۹۸۰ء جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ میں منعقد ہوا حضرت اقدسؒ کے ساتھ احقر کو بھی اس میں شرکت کا شرف ملا والحمد للہ علی ذالك، اجتماع کی ایک نشست میں مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑا جاندار اور نہایت فکر انگیز اور مؤثر خطاب کیا جس کا نقش دل پر اب تک قائم ہے حضرت موصوف نے آیت قرآنی واذکروا اذانتم قلیل مستضعفون فی الارض کو جس سیاق وسباق میں پیش کیا حضرتؒ نے فرمایا کہ اس پر غور کی ضرورت ہے اس آیت کا مفہوم اس طرح نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت اپنے سفر نامہ تھانہ بھون و دیو بند میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''تقریر کے دوران مولانا ندوی نے ابتدائی دور میں اسلام کے ضعف کی حالت پر آیت مبارکہ یریدون لیطفؤا نور اللّٰہ بافواھھم کو بھی بطور استشہاد کے پیش فرمایا اور اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ اسلام اس قدر ضعیف تھا کہ مخالفین اس کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے تھے تو میں نے اپنے ساتھی مولانا شمس الرحمٰن کو اشارہ کیا کہ اس آیت کا یہ مطلب فہم ناقص میں نہیں آرہا اس آیت مبارکہ کا مطلب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین اسلام کو ضعیف سمجھتے تھے اور اس کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے تھے مگر وہ قوی اور مضبوط ہے اس کو پھونکوں سے نہیں بجھایا جاسکتا مخالفین نے اسلام کے بارے میں جو نظریہ قائم کیا ہے وہ غلط ہے اسلام ضعیف نہیں ہے کہ اس کو پھونکوں سے بجھایا جاسکے بہر حال آیت مبارکہ میں اس کی قوت کا ذکر فرمایا گیا ہے اور مخالفین اسلام نے اس کو ضعیف سمجھ کر پھونکوں سے بجھانے کا ارادہ کیا تھا ان کی تغلیط کی گئی ہے (ص ۱۰)

﴿ شرح فقہ اکبر کی ایک عبارت ﴾

ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ کے ہمراہ حضرت اقدس والد

صاحب ضلع قصور تشریف لے گئے وہاں ایک مدرسہ کا امتحان تھا اس میں بھی شرکت فرمائی اس کے بعد مولوی غلام دستگیر صاحب کا کتب خانہ دیکھنے کیلئے گئے فرماتے تھے وہاں شرح فقہ اکبر کا ایک قلمی نسخہ دیکھا اس میں ابوین کریمین کے متعلق عبارت ماتاعلی الکفر کے حاشیہ پر مولوی غلام دستگیر نے لکھا تھا ایک ما نافیہ کاتب سے چھوٹ گئی ہے اصل میں ماماتا تھا اس سے اس کی ذہانت کا علم ہو رہا تھا حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے اس وقت فرمایا تھا کہ اصل قصور غلام دستگیر قصوری کا ہی تھا مولوی احمد رضا تو اس میں اس کے بعد شامل ہوا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ کا مناظرہ مولوی غلام دستگیر سے ۱۳۰۶ھ میں بہاولپور میں ہوا تھا اس نے ''تقدیس الوکیل عن توهين الرشيد والخليل '' کے نام سے ایک کتاب بھی ہمارے اکابر کے خلاف لکھی تھی مولوی احمد رضا خان صاحب نے اپنی تکفیری مہم اس کے بعد چلائی ہے مولوی غلام دستگیر کا یہ عندیہ کہ شرح فقہ اکبر کی اصل عبارت میں ایک ''ما'' نافیہ رہ گیا ہے احقر نے ایک مرتبہ اس کی تحقیق کی تو یہ بات صحیح ثابت ہوئی اس کی تفصیل یہ ہے کہ احقر ۲۰۰۰ء رجب المرجب ۱۴۲۱ھ میں اپنے حضرت والد صاحب قدس سرہ کے ہمراہ عمرہ کیلئے مکہ معظّمہ حاضر ہوا تو جدہ میں اپنے میزبان محترم جناب قاری محمد رفیق صاحب کے ہاں علامہ زاہد الکوثریؒ کی ایک تالیف جس میں ان کی مختلف تحریرات کو جمع کیا گیا ہے نظر سے گذری اس میں شرح فقہ اکبر پر بھی علامہ موصوف کا ایک بسیط تحقیقی مقدمہ تھا اس میں انہوں نے بعد از تحقیق یہی ثابت فرمایا ہے کہ اصل میں یہاں ایک ''ما'' رہ گئی اور اس کی دلیل کے طور پر کتاب کے دو قلمی نسخے بھی ذکر فرمائے جو انہوں نے خود ملاحظہ فرمائے جن میں اصل عبارت موجود تھی احقر نے حضرت اقدسؒ کو یہ بات سنائی اور علامہ کی عبارت بھی ان کی خدمت میں پیش کی فرمانے لگے کہ مولوی غلام دستگیر نے تو پتہ نہیں کس بنیاد پر یہ بات کہی تھی مگر علامہ زاہد الکوثریؒ کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صحیح ہے حضرت کو اس تحقیق سے بہت خوشی ہوئی،

﴿ حضرت والد صاحبؒ کی برکت ﴾

ایک مرتبہ حضرت اقدس قدس سرہ لاہور جناب مرحوم ڈاکٹر مطیع الرحمٰن صاحب کے ہاں سمن آباد میں مقیم تھے طبیعت ناساز تھی آنکھ کے اپریشن کا مسئلہ تھا ان دنوں لاہور میں حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی مدظلہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے ان کو معلوم ہوا تو ڈاکٹر صاحب موصوف کے مکان پر تشریف لے آئے اور

کافی دیر تک ملفوظات ارشاد فرماتے رہے ڈاکٹر عبدالرحمٰن خالد بھی لندن سے آئے ہوئے تھے بڑے خوش اور محظوظ ہوئے جناب حافظ رانا فیض احمد صاحب بھی حیات تھے ان کو بہت ہی خوشی ہوئی سب نے یہی کہا یہ حضرت کی برکت ہے ورنہ ہمارے ہاں یہ حضرات کیوں تشریف لاتے۔

﴿ اجازت سند حدیث ﴾

حضرت اقدس والد صاحب جناب میاں مسعود صاحب کی لڑکی کے نکاح میں ٹوبہ ٹیک سنگھ تشریف لے گئے وہاں مولانا سلمان صاحب عباسی سے بھی ملاقات ہوئی انہوں نے دوران گفتگو کہا کہ میں نے اجازت حدیث کیلئے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا تھا حضرتؒ نے جواب میں اپنا ثبت ارسال فرما دیا مزید کچھ تحریر نہیں فرمایا وہ میرے پاس موجود ہے کیا اس طرح حضرت کی طرف سے اجازت ہوگئی حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے بھی ایک عریضہ میں اس کی درخواست کی تھی کہ مجھے اجازت عنایت فرمائی جائے حضرت نے تحریر فرمایا کہ اس طرف آنا ہوا تو نام لکھ کر دے دوں گا آپ بتائیں یہ اجازت ہے یا نہیں انہوں نے کہا کہ اجازت تو ہوگئی اگرچہ تحریر کی نوبت نہ آئی ہو حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ کو بھی اجازت ہوگئی ہے ثبت بھیجنا اجازت ہے نام لکھنا ضروری نہیں تھا۔ فقط............................ احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

نزیل حال المدینۃ المنورۃ زادھا اللہ تنویراً وتکریماً ۴ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

﴿ جمعہ کی اذان اور تقریر ﴾

فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ جمعہ کے روز اذان اول کے بعد بیع وشرا خرید وفروخت منع ہے جیسا کہ ہدایہ میں بھی ہے لیکن اکثر یہ ہوتا ہے کہ مسلمان اذان اول کے بعد بھی بیع وشرا کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے گنہگار ہوتے ہیں مسئلہ بتانے اور سمجھانے کے باوجود بھی وہ نہیں رکتے اس گناہ سے بچنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر محلّہ میں جہاں جمعہ ہوتا ہے اذان اول وقت شروع ہونے کے باوجود دیر سے دی جائے اور دوسری اذان اس کے پانچ دس منٹ بعد ہو اس طرح خرید وفروخت کا سلسلہ دیر تک بلا کراہت جاری رہ سکتا ہے اور اذان اول ہونے پر اس کو تھوڑی دیر کیلئے بند کرنا بھی آسان ہے دوسرے یہ کہ پہلی اذان اپنے وقت پر ہی ہو لیکن دوسری اذان زیادہ دیر میں نہ دی جائے بلکہ ان دونوں میں زیادہ سے زیادہ بیس منٹ یا آدھ گھنٹہ کا وقفہ رکھا جائے تاکہ اس دوران عوام کے

دینی فائدہ کیلئے وعظ بھی ہو سکے اس طرح وہ مختصر وقت کیلئے کاروبار بند کر کے گناہ سے بھی بچ سکیں گے اور دینی معلومات سے بھی انہیں مستفید ہونے کا موقع مل جائے گا حضرت والد صاحب قدس سرہ کو اس میں دوسری صورت پسند تھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ شہر کے تمام خطباء کو جمع کر کے ان سے یہی طے کر لیا جائے کہ وہ اذان اول کا بروقت اہتمام کریں اور اس کے بعد تقریر کا دورانیہ کم رکھیں تا کہ دوسری اذان جلد ہو سکے اور جمعہ میں چونکہ ہر موسم میں تعجیل سنت ہے اس پر بھی اس طرح عمل ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ بوجوہ اسکی نوبت نہ آسکی اس سلسلہ میں یہ موقف کہ وعظ پہلے ہو جائے اور اذان اول تاخیر سے دی جائے حضرت کو پسند نہ تھا وہ فرماتے تھے اذان اول کو اپنے وقت پر ہونا چاہئے اس کو دیر سے دینے کا رواج ڈالنا طریق سلف کے خلاف ہے احقر نے بارہا عرض کیا کہ جمعہ پر مروجہ طریقہ وعظ کا چونکہ پہلے نہ تھا لہٰذا اگر جمعہ سے قبل اس کو بند کر دیا جائے اور جمعہ اول وقت میں پڑھا کر وعظ بعد میں ہو تو کیا یہ بہتر نہیں ہے اس طرح اذان اول اور جمعہ دونوں بروقت ہوں گے خرید و فروخت کی ممانعت کی خلاف ورزی بھی نہ ہو گی جس نے وعظ سننا ہو گا بعد میں وہ بھی تسلی سے وعظ سن لے گا حضرتؒ اس کا جواب یہی فرماتے کہ اگر چہ فی نفسہ یہ زیادہ بہتر ہے مگر لوگوں کو علمائے کرام کے بیان سننے اور دین کی طرف اتنی رغبت نہیں ہے کہ وہ بعد میں مستقلاً اس کیلئے وقت دیں گے اسی طرح بہت سے حضرات قریب اور دور سے اہتمام کر کے پہلے پہنچتے ہیں کہ جمعہ سے قبل مختصراً وقت میں وہ کچھ دین کی باتیں سن لیں لہٰذا اب زیادہ بہتر یہی ہے کہ جمعہ سے قبل ہی بیان ہو لیکن یہ بیان مختصر اور ضروری امور پر مشتمل ہونا چاہئے زیادہ طویل اور لمبا بیان نہ ہو باقی رہا جمعہ سے قبل بیان کا جواز تو اس بارہ میں حضرتؒ نے بعض صحابہ کے حوالہ سے ذکر فرمایا کہ وہ جمعہ سے قبل بیان فرماتے تھے چنانچہ مستدرک میں اس کی تصریح ہے تو جمعہ سے قبل بیان بھی بے اصل نہیں ہے اور بضرورت اگر سنن سے فارغ ہو کر قبل خطبہ کچھ بیان ہو جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

جمعہ کی اذان ثانی

حضرت والد صاحبؒ ایک مرتبہ سیال شریف تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ نے ذکر فرمایا کہ ایک صاحب اس پر زور دیتے ہیں کہ جمعہ کی دوسری اذان خطیب کے سامنے دینے کی بجائے مسجد کے دروازے پر دینی چاہئے کیونکہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان نے اس کو

دلائل سے ثابت فرمایا ہے یہ صاحب مجھ پر بہت زور دیتے ہیں اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے میں ان کو کیا جواب دوں حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ بات ان کی صحیح نہیں ہے فقہاءؒ نے اس کے متعلق ''**امام الامام**'' کی تصریح کی ہے رہا اعلیٰ حضرت کا معاملہ تو انہوں نے جس روایت کا سہارا لیا ہے ان کا استدلال اس روایت سے صحیح نہیں ہے آپ کے استاذ حضرت علامہ معین الدین اجمیریؒ نے اعلیٰ حضرت کے رد میں ''القول الاظهر فيما يتعلق بالاذان عند المنبر'' کے نام سے ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں ان کا زبردست رد ہے خواجہ صاحب اس سے بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے بس میری تسلی ہوگئی میرے استاد بہت بڑے فاضل تھے ان کی بات بالکل صحیح ہے ان کے مقابلہ میں مولانا احمد رضا صاحب کی بات کو میں تسلیم نہیں کرسکتا اب میں اس شخص کو یہی جواب بتادوں گا حضرت والد صاحب نے ان کو مزید بتایا کہ مولانا فاضل بریلوی کی طرف سے حضرت اجمیری کے رسالہ کا جواب ان کے صاحبزادہ نے لکھا جس میں اس رسالہ کے جواب دینے کی کوشش کی گئی اور مولانا اجمیریؒ پر اعتراضات کئے گئے حضرت مولانا موصوف نے ''تجلیات انوار المعین'' کے نام سے اس کا زبردست جواب لکھا اور مولانا احمد رضا صاحب کے ایک ایک استدلال اور اعتراض کا شافی کافی جواب تحریر فرمایا اور بڑے وزنی دلائل سے ثابت کیا کہ دوسری اذان خطیب کے سامنے ہی ہونی چاہئے نہ کہ مسجد کے دروازے پر علاوہ ازیں فاضل بریلوی پر بھی خوب جرح کی اور ان کے بعض مخصوص خیالات وعادات کا رد فرمایا خواجہ صاحب موصوف اس تفصیل سے مزید خوش ہوئے اور بڑی مسرت اور اطمینان کا اظہار فرمایا ''تجلیات انوار المعین'' احقر کو بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا حضرت مولانا اجمیریؒ کے زوردار علمی قلم نے جہاں مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو خوب منقح فرمایا ہے وہیں اعلیٰ حضرت کی بھی بہت زبردست تردید فرمائی ہے فاضل بریلوی کے خصائل وعادات کی صحیح عکاسی اور تصویر کشی اس سے بڑھ کر ممکن نہیں ہے فللّٰہ درہ، نیز حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''تنشيط الاذان'' کے نام سے اس پر کلام فرمایا ہے اور'' بذل المجهود شرح ابی داؤد'' میں ان الفاظ کے ساتھ اس رسالہ اور واقعہ کا ذکر فرمایا ہے:

وهذا الحديث استدل به على كراهة الاذان فى المسجد وقالوا ان باب المسجد كان خارجا منه فاذن عليه فيكره الاذان فى الداخل وقد صرح به صاحب

العیون ناقلاعن شیخه صاحب غایة المقصودو تمسک به رئیس اهل البدعة فی زمانناااحمد رضاالبریلوی وازا ع الفتن والشرور فی هذه المسئلة وکتبت فیهاالکتب والرسائل ولی فیها رسالة وجیزة کتبت فیها هذه المسئلة وما یتعلق بها وبحثت فیها من هذاالحدیث والروایات الفقهیة فارجع الیها(ج۲ص۱۸۰)

﴿ قرآن کریم سے استنباط ﴾

لاہور کے سفر میں ایک مرتبہ جامعہ اشرفیہ کے استاذ حدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی تو وہ گھر لے گئے وہاں حضرت علامہ محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کے تحریرفرمودہ احکام القرآن کے تکملہ کا ذکر آیا حضرت والدصاحبؒ فرمانے لگے کہ حضرت کاندھلویؒ نے اپنا حصہ نہایت اختصار سے تحریرفرمایا ہے اہل علم کے مشورہ سے آج کل اس کا تکملہ میں لکھ رہا ہوں حضرت مولاناؒ نے بعض آیات کے تحت خوب کلام فرمایا ہے اور بعض آیات کے تحت کچھ تحریر نہیں فرمایا مثلاً سورۃ جمعہ کے دوسرے رکوع میں دس مسئلے لکھے ہیں لیکن پہلے رکوع کی کسی آیت پر نہیں لکھا حضرت صوفی صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رکوع میں کوئی فقہی مسئلہ مستنبط نہیں ہوتا آپ نے اس پر کیا لکھا ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ احکام القرآن کا موضوع عام ہے علم کلام کا موضوع بھی اس میں شامل ہے اور فقہ کا بھی پہلے رکوع کی آیت وآخرین منهم لما یلحقوابهم سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عموم بعثت معلوم ہورہی ہے جو علم کلام کا مسئلہ ہے اور آیت قل یا ایهاالذین هادوا ان زعمتم الآیۃ سے تمنی موت کے فقہی مسئلہ کا استنباط ہورہا ہے جس کے تحت تمنی موت کے احکام لکھے جائیں گے کہ موت کی تمنا کہاں جائز ہے اور کہاں نہیں اور طاعون سے فرار کا کیا حکم ہے حضرت صوفی صاحب مدظلہم اس پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ماشاء اللہ تعالیٰ دونوں مسئلے خوب ہیں واقعۃً ان پر کلام کی ضرورت تھی۔

﴿ لعان صرف سبب تفریق ہے ﴾

دیوبند میں بزمانہ طالب علمی اکثر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملتا رہا کئی مرتبہ حضرت کے ساتھ سیر پر جانے کا موقع بھی ہوجاتا تھا حضرت والدصاحبؒ نے سنایا کہ ایک مرتبہ لعان کے مسئلہ پر حضرت مفتی صاحب سے میں نے کچھ پوچھا حضرت نے اس کی

تفصیلات بتائیں اور ساتھ بدائع الصنائع کا حوالہ دیا کہ اس میں اس پر عمدہ تفصیل ہے اور حاصل کلام کے طور پر فرمایا کہ لعان سبب تفریق ہے خود مفرق نہیں ہے حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ حضرتؒ کا یہ جملہ دیکھنے میں تو مختصر ہے لیکن پورے باب کا حاصل اور خلاصہ اس میں آ جاتا ہے کیونکہ لعان کے باوجود بھی جب تک قاضی زوجین میں تفریق نہ کردے اس وقت تک عورت کو دوسری جگہ نکاح جائز نہیں ہے اس سے واضح ہے کہ لعان خود مفرق نہیں ہے جبکہ بادی النظر میں لعان کو ہی مفرق سمجھ لیا جاتا ہے حضرت مفتی اعظمؒ کا یہ ارشاد حضرت والد صاحبؒ کو اس قدر یاد تھا کہ اکثر پورا واقعہ کے ساتھ وقت اور جگہ بھی بتایا کرتے تھے اور یہ کہ اس جملہ نے ساری عمر بہت فائدہ دیا فللّٰہ درہ وعلی اللہ اجرہ۔

﴿ قریہ کبیرہ کی تعریف ﴾

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بعض فقہاؑ نے جواز جمعہ کیلئے قریہ کبیرہ کی تعریف میں کہا ہے: مالا یسع اکبر مساجدہ یہ حد تام نہیں ہے کیونکہ اگر اس تعریف کو لیا جائے تو پھر تو مکہ معظّمہ میں بھی جمعہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ وہاں کے رہنے والے مسجد الحرام میں نہیں سما سکتے اس لئے یہ تعریف رسم کے درجہ میں ہے اس کو حد نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت امام شافعیؒ سے غالباً یہی تعریف منقول ہے جبکہ امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ سے منقول تعریف نہایت جامع اور غایت احتیاط پر مبنی ہے۔

﴿ مسئلہ تکفیر میں احتیاط ﴾

تکفیر کے مسئلہ میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے اس سے کوئی بھی اہل علم بطور خاص ارباب افتاء ناواقف نہیں ہیں حضرت علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق نے تو کلمات کفر نقل فرما کر تصریح فرمائی ہے: ولقد الزمت نفسی ان لاافتی بشئی منھا حضرت والد صاحب قدس سرہ اکثر صاحب بحر کی یہ عبارت ایسے موقع پر پڑھ کر سناتے تھے اور اس مسئلہ میں احتیاط کی تاکید فرمایا کرتے تھے علامہ ابن نجیمؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ۹۹ وجوہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی تو مفتی پر واجب ہے کہ متکلم کی تکفیر نہ کرے بلکہ جو اسلام کی وجہ ہے اس کی طرف میلان کر کے اسلام کا فتویٰ دے ان کے الفاظ یہ ہیں فعلی المفتی ان یمیل الیہ حضرت فرماتے تھے کہ اسلام کی جس وجہ کا احتمال ہے اس کی طرف میلان مفتی کا تبرع نہیں ہے بلکہ کلمہ علیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واجب اور اس پر

لازم ہے لان الاسلام یعلو ولا یعلی علامہ ابن نجیمؒ کے حوالہ سے اکثر حضرت یہ ہدایت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ احقر نے عرض کیا کہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے لکھا ہے کہ اس کے باوجود افسوس یہ کہ صاحب البحر نے خود بھی بعض مقامات پر اس کے خلاف کیا ہے پھر البتہ ملا علی قاری کی انہوں نے تعریف کی ہے کہ تکفیر کے معاملہ میں ان کی احتیاط قابل داد ہے پھر احقر نے علامہ لکھنوی کی اصل عبارت حضرت کو پڑھ کر سنائی اس پر بہت خوش ہوئے فرمایا کہ مولانا لکھنویؒ نے صحیح فرمایا ہے ان کی گرفت صحیح اور اصول کے مطابق ہے اہل علم کی ضیافت طبع کیلئے وہ عبارت ذیل میں تحریر کی جاتی ہے علامہ لکھنویؒ شرح فقہ الاکبر کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: قلت جزی اللّٰہ القاری خیر الجزاحیث حقق ماھو المختار عند ارباب الاتقاء وانی اتعجب من ارباب الفتاویٰ کیف لا یحطاطون فی امر التکفیر مع قولھم من کان فی کلامہ الاواحد محملا یوجب تکفیرہ لا یکفر وقد التزم صاحب البحر الرائق ان لا یفتی بشئ من الفاظ التکفیر المنقولة فی الفتاویٰ الاانہ خرج عن التزامہ ونسی ماقد مت یداہ فی بعض المسائل کمسألة تکفیر الروافض فانہ مال الی تکفیر ھم بقولھم سب الشیخین کفر وامثالہ ولم یفھم ان ھذہ الامورالتی صدرت عنھم انما ھی لشبھة عرضت لھم فتکون مانعة من التکفیر کما حققہ ابن الھمام فی تحریر الاصول وغیرہ وقد التزمت ان بعون اللّٰہ تعالیٰ ان لاافتی بشئ من الفاظ التکفیر المنقولة فی الفتاویٰ فی موضع من المواضع ان شاء اللّٰہ تعالیٰ ولولاانہ یجوز حمل کلامھم علی التھدید والتشدید وھولکلامھم محمل سدید لکان اطلاق الفقھأ علیھم غیر سدید فان الفقیہ من یتد برو یتفکر لامن یمشی علی الظاھر ولا یتد برولنعم ماخطر بخاطری۔

(احکام القنطر ص ۷۹ رسائل الکنوی ج ۱)

اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

احقر نے ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کے بارہ میں سوال کیا جس پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے مستقل رسالہ ”تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس“ تحریر فرمایا ہے حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ یہ اثر صحیح ہے اور حضرت نانوتویؒ نے اس کی جو شرح

فرمائی ہے وہ علمی اوراداق ہے معترضین نے بلا سمجھے اس پر اعتراض شروع کر دیئے حالانکہ حضرتؒ نے جو مضمون بیان فرمایا ہے وہ اس میں متفرد نہیں ہیں بعض دیگر اہل اللہ سے بھی یہ منقول ہے اثر ابن عباسؓ سے متعلق مزید فرمایا کہ اس کا انکار صحیح نہیں ہے بعض حضرات نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے یہ خلاف تحقیق ہے پھر فرمایا کہ اس اثر کی صحت سے متعلق مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے بہت عمدہ کلام کیا ہے اوراصول حدیث پر اس کی صحت کو ثابت کیا ہے نیز اس کی مفید شرح بھی انہوں نے فرمادی ہے جس سے حضرت نانوتویؒ کی تائید ہوتی ہے حضرت مولانا لکھنویؒ کے اس پر تین رسائل ہیں ''الآیات البینات علی وجودالانبیاء فی الطبیات'' دافع الوسواس فی اثر ابن عباس'' زجرالناس علی انکاراثر ابن عباس'' پہلے دو رسالے اردو زبان میں ہیں تیسرا رسالہ جو سب سے آخر ۱۲۹۲ھ میں لکھا وہ عربی میں ہے اس رسالہ ''زجرالناس'' میں انہوں نے افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل مسلک کو اختیار فرمایا ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں: سلکت فیها مسلکا متوسطا مجتنبا عن افراط فرقة وتفریط فرقة فان سعت فی ابطال الاثر المذکور وحکمت علیها لضعف والوضع ونحوذالك من اباطیل الامور وفرقة مالت الی تقویته من حیث الاسناد فسره بتفسیر ادی الی الفساد وانالست براض لابهذا ولا بذالك بل اخترت الطریق الوسط فیما هنالك (ص۳) اس کے بعد دو باب قائم فرما کر اس پر مبسوط کلام کیا ہے پہلے باب میں اس اثر پر کئے جانے والے تمام شبہات کا کافی وافی شافی جواب تحریر فرمایا ہے اوراس کی اسنادی حیثیت کے بارہ میں یہ فیصلہ فرمادیا کہ شاذ ہونے کے باوجود یہ اثر صحیح ہے یا حسن۔ سندی بحث کا خلاصہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے: فظهر من هذاظهور الشمس فی وسط السماء ان من تکلم فی صحة الاثر الذی نحن فیه بشذ وذه اشتبه علیه المردود بالمقبول فکلامه مردود غیر مقبول کائنامن کان لمخالفته شهادة البرهان فلینظرالی ماقال ولا ینظر الی من قال جن حضرات نے اس اثر کے قبول کرنے سے انکار کیا تھا ان کے اقوال کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد فرماتے ہیں: وهذه کلماتهم فی عدم قبول الاثر المذکور وقد علمت ان شیئا منهالایصلح لان یقبل واحد منها بقول منصوروهناك کلمات اخرتسمیتها بالخرافات احری وهی من المذکورات اخزی لانضیع الوقت بذکرها والرد علیها۔

حضرت مولاناؒ نے دوسرے باب میں اثر مذکور کے معنی پر بحث کرتے ہوئے تین مسلک

ذکر فرمائے ہیں اور تیسرے مسلک جس کو مسلک التحقیق سے تعبیر فرمایا اسی کو مختار اور احسن واہیٰ قرار دے کر آخر میں تحریر فرماتے ہیں فظھر ان اثرابن عباس ممالاغبار علیه لاسندا ولا متنا ولا مبنی ولا معنی۔ حضرت علامہ عبدالغنی مجددی دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس رسالہ کی تصدیق ان الفاظ میں فرمائی ہے وماکتبه الفاضل القوی مولاناالشیخ عبدالحی احری للقبول۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ واقعۃً یہ تحقیق احریٰ للقبول ہے مخالفین خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں ابھی چند سال قبل ایک عالم نے جو معقول ومنقول میں اچھی شہرت رکھتے ہیں اثر مذکور پر چند اعتراض لکھ کر ارسال کئے تھے بزعم خویش وہ ان سوالات کو لاینحل سمجھتے تھے لیکن حضرت علامہ لکھنویؒ کے رسالہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ان تمام سوالات سے تعرض فرما کر ان کا مسکت جواب تحریر فرمادیا ہے ہمارے اکابر پر منجملہ دیگر اعتراضات کے ایک اعتراض چونکہ یہ بھی شد و مد سے کیا جاتا ہے اس لئے حضرتؒ بڑے اہتمام سے اس کا رد فرمایا کرتے تھے احقر نے بھی اس لئے قدرے اس کی تفصیل لکھ دی ہے تفصیل کیلئے اہل علم مذکورہ رسائل کا مطالعہ فرمائیں۔

﴿ مسئلہ فاتحہ خلف الامام ﴾

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں ابوداؤد شریف کا سبق پڑھا رہے تھے اور مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر بحث چل رہی تھی حضرت مفتی صاحبؒ نے حنفیہ کے مسلک کو دلائل سے ثابت فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ امام کے پیچھے جہری اور سری دونوں نمازوں میں مقتدی کیلئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے ایک طالب علم نے کہا کہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے اپنے رسالہ ''ام الکلام'' کے حاشیہ پر لکھا کہ حنفیہ کے ہاں سری نماز میں مقتدی کیلئے فاتحہ خلف الامام کی گنجائش ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سری نماز میں مقتدی کیلئے فاتحہ پڑھنا ناجائز نہیں ہے حضرت مفتی صاحبؒ نے فوراً فرمایا کہ بھائی مولانا عبدالحی صاحب کون ہیں کس صدی کے عالم ہیں اور کہاں رہتے ہیں اب ان سوالات سے طالب علم پریشان ہوگیا اور اس کو کچھ جواب نہ بن پڑا جبکہ حضرتؒ کا منشا یہ تھا کہ حضرت مولانا لکھنویؒ اگرچہ ایک متبحر اور محقق عالم ہیں مگر وہ تیرھویں، چودھویں صدی کے عالم ہیں مجتہد نہیں ہیں اور ہم اس مسئلہ میں امام اعظمؒ کے مقابلہ میں مجتہد عالم حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی تسلیم نہیں کرتے تو مولانا لکھنویؒ کا قول حضرت امام صاحبؒ کے مقابلہ میں کیسے تسلیم

کرلیں گے؟ سائل نے یہ نہیں سوچا کہ وہ حضرت موصوف کا مقابلہ کس سے کر رہا ہے اس لئے اس نے یہ سوال کر دیا ورنہ اگر وہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا تو اسے ہرگز اشکال نہ پیش آتا اور نہ ہی وہ یہ معارضہ کرتا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ واقعۃً حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ بڑے کام کی بات اور کارگر اصول وضابطہ بیان فرمادیا ہے ورنہ عام طور پر طلبہ اور عام لوگ اس قسم کے مغالطہ کا شکار ہو جاتے ہیں کہ فلاں عالم یا بزرگ کا یہ ارشاد فلاں امام کے خلاف ہے اس ضابطہ سے معلوم ہوا کہ بعد کے علماء کرام کے اقوال شاذہ کی بناء پر متقدمین مجتہدین کے مسلک سے معارضہ درست نہیں ہے اس ضابطہ کی روشنی میں بہت سے سوال خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

﴿ تفسیر بیان القرآن ﴾

حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی عظیم شاہکار علمی تفسیر ''بیان القرآن'' کا لوہا علمی دنیا میں مسلم ہے حضرت تھانویؒ نے اڑھائی سال کی مدت میں اس کو بارہ جلدوں میں مکمل فرمایا یہ نہایت مختصر اور جامع تفسیر ہے اس کی قدر صحیح معنیٰ میں وہ حضرات پہچان سکتے ہیں جو اس میدان کے شناور اور ماہر ہیں سطحی نظر سے دیکھنے والوں کے نزدیک تو شاید حضرتؒ کے مختصر تفسیری نوٹ اور بین القوسین مختصر سی عبارت کی اتنی اہمیت یا قدر نہ ہو مگر ماہرین علم تفسیر کے ہاں اس کی قدر مسلم ہے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ ظہر کی نماز کا وضو فرما رہے تھے جب آپ قدم مبارک دھونے لگے تو والد صاحب (حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ) کو آواز دی مولوی عبدالکریم جب وہ حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ مولوی عبدالکریم بیان القرآن کے بین القوسین کی مختصر سی عبارت کو عام طور پر معمولی سمجھا جاتا ہے عام لوگوں کو اس کی قدر نہیں ہوسکتی اس کی قدر اس کو ہوگی جسے تفسیر میں کوئی اشکال پیش آجائے اور دس بارہ تفاسیر دیکھ کر بھی وہ حل نہ ہو بلکہ اس کی گاڑی اٹک جائے اور پھر بین القوسین کی اس مختصر سی عبارت سے اس کی گاڑی چل پڑے ایسے شخص کو اس کی صحیح معنیٰ میں قدر ہوسکتی ہے۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے ''گاڑی اٹک جائے'' یہ حضرت والا کے الفاظ مبارک تھے جواب تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور حضرتؒ کا یہ ارشاد مبارک سو فیصد درست ہے واقعۃً بیان القرآن کی قدر اسی شخص کو ہوسکتی ہے جس کی گاڑی اٹک جائے اور دوسری تفاسیر سے نہ چل سکے اور پھر حضرتؒ کے تفسیری نوٹ سے وہ چل پڑے۔

﴿ حیلہ ناجزہ کی تالیف ﴾

مسلمان خواتین کی مشکلات کے حل کیلئے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ'' تیار کرائی جس میں مفقود الخبر ،متعنت ، مجنون کی بیوی کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں بعض مسائل میں فقہ مالکی پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے بنیادی طور پر اس کتاب کی تالیف میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نگرانی میں حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اور حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ نے اہم حصہ لیا علماء دیوبند وسہارنپور نے بھی اس میں نمایاں شرکت فرمائی پانچ سال کی محنت سے کتاب تیار ہوکر طبع ہوئی ان مسائل ومشکلات کے حل میں اس کتاب سے آج تک راہنمائی حاصل کی جارہی ہے بحمد اللہ تعالیٰ اس کا نفع برابر جاری وساری ہے حضرت والد صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ جب کتاب مکمل ہوئی تو ان دونوں حضرات نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ اس پر دستخط فرمادیئے جائیں حضرت نے فرمایا کہ یہ تو آپ حضرات نے لکھی ہے آپ ہی دستخط کریں میری شرکت اس میں برائے نام تھی ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو کچھ ہوا آنجناب کی سرپرستی اور نگرانی وہدایات پر ہی ہوا ہے ہر جزو میں جناب کی شرکت برابر رہی ہے ہم خدام نے تو امتثال امر کے طور پر ہی اس میں شرکت کی سعادت حاصل کی ہے اصل تو آنجناب ہی کی توجہ اس میں کارفرما رہی جناب ہی کی طرف اس کی نسبت ضروری ہے اس لئے حضرت ہی دستخط فرمادیں حضرتؒ نے رسالہ مسودہ لےکر اس کے آخر میں یہ عبارت تحریر فرمائی: وھـنـاتمت الرسالة والحمدللّٰه الهادی فی كـل مـقـالة كتبهـا احـقر اشرف علی عفی عنه ذنبه الخفی والجلی بمشاركة الفاضلین الـجـامـعیـن للعلم القویم والعمل المستقیم المولوی محمد شفیع والمولوی عبدالكریم شرفهما اللّٰه تعالیٰ بالاجر العظیم (الخ)

جب ان حضرات نے یہ عبارت پڑھی تو ان کی حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی حضرت اقدسؒ نے اپنے قلم مبارک سے ان کے متعلق جو کلمات تحریر فرمائے تھے وہ ان کیلئے نہایت درجہ اعزاز اور باعث سعادت اور موجب فرح تھے بلاشبہ ان کیلئے یہ بہت بڑی سند ہے کیونکہ حضرتؒ کے ہاں خلاف حقیقت تو دور کی بات ہے مبالغہ کا بھی گذر نہ تھا حضرتؒ جب یہ کلمات مبارکہ تحریر فرما کر گھر تشریف لے گئے تو ان دونوں حضرات میں اس پر گفتگو ہوئی حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے

فرمایا کہ بھائی تم حضرت کے زیادہ قریب تھے اس رسالہ میں شرکت کا زیادہ موقع تمہیں ملا اس لئے قافیہ میں حضرت والا نے آپ کا نام لکھا اور کلام میں مقصود قافیہ ہی ہوتا ہے حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے فرمایا کہ: لنا القافية ولكم التقديم اور الفضل للمتقدم بھی مسلم ہے یہ جواب بھی چونکہ قافیہ پر تھا اس لئے اس سے مزید لطف دوبالا ہو کر محفل کشت زعفران بن گئی۔

حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت اقدس تھانویؒ اس کتاب کی تکمیل پر ان حضرات سے اتنے خوش تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں میرے لئے بمنزلہ عینین ہیں ایک کے شروع میں ع ہے یعنی عبدالکریم اور ایک کے آخر میں ہے یعنی محمد شفیع۔ محقق العصر علامہ محمد تقی عثمانی مدظلہم نے بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے حوالہ سے حضرتؒ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے ملاحظہ ہو البلاغ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ۔

سجدہ تحیۃ کی حرمت

ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ نے یہ واقعہ سنایا کہ دیوبند میں ایک بزرگ عالم نے حضرت والد صاحبؒ سے فرمایا کہ سجدہ تعظیمی کی حرمت ثابت کرنے کیلئے بیان القرآن میں روایات حدیثیہ سے استدلال کیا گیا ہے آیت قرآنیہ لا تسجد وا للشمس سے کیوں نہیں استدلال کیا گیا؟ حضرت والد صاحبؒ نے جواب میں فرمایا کہ اس آیت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ اس آیت میں سجدہ تحیۃ کی ممانعت نہیں ہے بلکہ سجدہ عبادت کی ممانعت ہے سجدہ تحیۃ کہ ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی کیونکہ آیت کے آخر میں ان كنتم اياه تعبدون سے واضح ہے کہ یہاں سجدہ عبادت کا ذکر ہے یہی وجہ ہے کہ بیان القرآن میں اس آیت سے سجدہ تحیۃ کی ممانعت پر استدلال نہیں کیا گیا یہ تقریر اور جواب سن کر وہ بزرگ عالم پھڑک اٹھے اور بہت محظوظ ہوئے۔

تعدد جمعہ کا حکم

فقہاً حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق جس شہر یا قریہ کبیرہ میں شرعاً جمعہ ہوتا ہو وہاں جمعہ کا تعدد بھی جائز ہے بعض حضرات تعدد جمعہ کے عدم جواز کے قائل ہیں حضرت والد صاحبؒ نے واقعہ سنایا کہ مرادآباد میں ایک عالم جناب حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ نے تعدد جمعہ کے عدم جواز پر ایک رسالہ ''القول الجامع'' کے نام سے عربی میں تحریر کیا تھا اس میں تعدد کے عدم جواز کو ثابت کیا گیا تھا حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ نے جواب کیلئے یہ رسالہ تھانہ بھون حضرت تھانویؒ

کی خدمت میں بھیجا حضرتؒ نے اس کے جواب کیلئے والد صاحبؒ کو مامور فرمایا چنانچہ انہوں نے نہایت تفصیل سے اس کا جواب لکھا اور تعدد جمعہ کو مفتی بہ اور جائز قرار دیا حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ''نعم الجواب وہو عین الصواب'' کے وقیع الفاظ سے اس کی تصدیق و تحسین فرمائی حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی اس کو پسند فرمایا اور اپنے تصدیقی کلمات میں لکھا کہ ''یہ تحریر خاصی استقراء سے لکھی گئی ہے'' حضرت مولانا مرتضٰی حسن صاحبؒ نے بھی اس کو بہت پسند فرمایا ''تجدد اللمعہ فی تعدد الجمعہ'' کے نام سے اس کو شائع فرما کر مراد آباد وغیرہ میں تقسیم کیا حضرت چاند پوریؒ نے حضرت والد صاحبؒ سے فرمایا کہ مولوی صاحب مٹھائی کھلاؤ تم نے ایسا زبردست جواب لکھا ہے کہ اس کی توقع بڑے حضرات بطور خاص حضرت گنگوہیؒ سے کی جا سکتی تھی۔

﴿ تھانہ بھون میں ایک علمی مجلس ﴾

حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے سب سے پہلے حضرت مدنیؒ اور حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دھلویؒ حضرت مولانا سجاد حسین بہاریؒ کی زیارت تھانہ بھون میں کی تھی یہ تینوں حضرات حضرت اقدس تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے والد صاحبؒ کی عمر اس وقت ۱۲ سال کے قریب تھی ان حضرات کی تشریف آوری ''حیلہ ناجزہ'' کے بعض مسائل پر گفتگو کیلئے ہوئی تھی حضرت جدامجد نے اس کا واقعہ حیلہ ناجزہ کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے حضرت مولانا سجاد بہاریؒ کو حیلہ ناجزہ بغرض تصدیق بھیجی گئی تو انہوں نے یصیر القاضی بتراضی المسلمین پر زور دیا اور پنچایت کی صورت کو بلاضرورت مذہب غیر کے اختیار کرنے کی وجہ سے صحیح قرار نہ دیا اس کے بعد ایک مکتوب گرامی بھی تحریر فرمایا اور پھر خود تھانہ بھون تشریف لائے اس کی تفصیل حضرت جدامجدؒ نے یوں تحریر فرمائی ہے ''اس کے بعد ایک خط میں تقلد قضا من الکافر پر اشکال لکھ کر بھیجا کہ یہ خلاف ہے نص قرآنی لن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا کے، اس کا جواب یہاں سے لکھا گیا کہ تقلد من الکافر ولایت سلطانیہ کی بنا پر نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نصب قاضی کا فریضہ مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے وہ اس کو قوت تنفیذ ہاتھ میں نہ ہونے کے سبب ادا نہیں کر سکتے مگر جب حکومت کافرہ نے کسی کو قاضی یا والی بنا دیا تو عدم قدرت کا مانع مرتفع ہو گیا لہٰذا اس کی تعبیر یوں کی جائے گی کہ سلطان یا والی کافر نے جو کسی کو عہدہ قضا وغیرہ سپرد کیا دراصل وہ سپردگی اہل اسلام کی جانب سے ہے (جس پر عامہ مسلمین کا سکوت بھی

دال ہوسکتا ہے۔مولانا)اورحکومت کافرہ صرف پیام رساں ہے اوراس منظوری وپیام رسانی کی شرط رفع مانع یعنی قوت تنفیذ حاصل ہونے کے واسطے ہے۔حاصل یہ ہے کہ حکومت کافرہ کی طرف سے جو تقرر قاضی کا ہوا ہووہ تولیت قضانہیں بلکہ تولیت قضا کی شرط ہے پس اس تقریر سے اہل اسلام پر کفار کی ولایت کا شبہ بحمد اللہ بالکل رفع ہوگیا فتد بروتشکر۔نیز یہاں کے جواب میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اس کی نظیر تقلد قضامن الباغی المتغلب ہے اوراس میں شمس الآئمہ نے یہی توجیہ کی ہے جو ابھی مذکور ہوئی ''عبارت شمس الآئمہ'' تتمہ رفاق کے حاشیہ میں مذکور ہے۔

بعدازاں مولانا سجاد صاحب غالباً جمادی الاولیٰ ۵۳ھ میں تشریف لائے مولانا کفایت اللہ صاحب وغیرہ بھی ہمراہ تھے اس وقت بھی مولانا سجاد صاحب نے نصب القاضی من العامہ کو صحیح قرار دینے کی بہت سعی فرمائی اور تقلد قضامن الکافر پر اشکال مذکور کا اہتمام سے اعادہ فرمایا حضرت حکیم الامت مدظلہم نے احقر سے ارشاد فرمایا کہ غالباً یہاں سے کچھ جواب بھی تو لکھا گیا تھا احقر نے تتمہ امداد الاحکام جلد دوم میں تلاش کر کے وہ جواب سنایا جس میں ہر دو مسئلہ یعنی نصب القاضی من العامہ کی عدم صحت اور تقلد قضامن الکافر کی صحت پر کافی تقریر ہے اس کو سنتے ہی مولانا حسین احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ اس باب میں اب کوئی اشکال نہیں رہا مولانا کفایت اللہ صاحب نے اول تو اس فرمانے پر حیرت سے سوال کیا پھر مختصر مکالمت کے بعد خود بھی تسلیم کرلیا اس کے بعد احقر کو تکان ہوگیا ان دنوں احقر بیمار تھا اس لئے حضرت اقدس مدظلہم سے اجازت کیلئے عرض کیا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وقت بھی کافی گذر چکا ہے اور ضروری گفتگو بھی ہوچکی اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو اشکالات ہوں ان کو قلم بند فرمادیا جائے ان میں اطمینان سے غور کیا جاوے گا اس پر ان حضرات نے چند سوالات تحریر فرمادیئے ان میں سے بعض کا جواب تو ہو چکا تھا اور بعض کو مدینہ منورہ بھیجنا مناسب خیال کیا گیا اور وہاں سے جواب آنے پر تتمہ کی شکل میں شائع کردیا گیا ملاحظہ ہو فتاویٰ مالکیہ کے ختم پر عنوان الاستفتاء بالمرۃ الخامسۃ (احقر عبدالکریم عفی عنہ)

حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب یہ حضرات خانقاہ میں تشریف لائے تو حضرت تھانویؒ نے مجھے فرمایا کہ اپنے اباجی کو بلا کر لاؤ اور اپنا عصا دے کر فرمایا کہ وہ بیمار ہیں ان سے کہنا کہ اس کے سہارے آجائیں چنانچہ میں حضرت کا عصا لے کر والد صاحبؒ کے پاس گیا اور انہیں حضرت

کا ارشاد سنایا تو وہ عصا کے سہارے مجلس میں پہنچ گئے یہ سب حضرات مجلس میں تشریف فرما تھے سب کی پشت پر تکیئے موجود تھے مگر کسی نے بھی تکیہ استعمال نہیں کیا سب حضرات بلا تکیہ لگائے بیٹھے تھے والد صاحبؒ چونکہ بیمار تھے حضرتؒ نے جب زیادہ کمزوری محسوس فرمائی تو اپنے ہاتھ سے تکیہ والد صاحبؒ کی طرف بڑھایا مگر انہوں نے تکیہ استعمال نہیں کیا کافی دیر تک یہ مجلس اسی طرح جاری رہی باوجود معاصر ہونے کے حضرت کے ساتھ ان حضرات کا غایت ادب واحترام ہم جیسوں کیلئے درس عبرت ہے۔اس محفل کی گفتگو کا حاصل حضرت جدامجدؒ کے حوالہ سے پہلے تحریر کر چکا ہوں حضرت والد صاحب بارہا بڑے شوق سے یہ واقعہ سنایا کرتے تھے اور فرماتے تھے اس محفل میں ان حضرات کی نشست وگفتگو کے انداز کا اب تک طبیعت پر اثر ہے معاصرین کے ساتھ اس طرح کا معاملہ اب بہت کم دیکھنے میں آتا ہے حضرت مولانا سجاد صاحب بہاریؒ کی یہ اولین وآخرین زیارت تھی اس کے بعد پھر ان کی زیارت کا موقع نہیں ملا۔

تحفظ مدارس دینیہ

برطانیہ کے دور حکومت میں جب جبریہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور مکاتب قرآنیہ کو حکماً توڑا گیا حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ مکاتب کی بحالی کیلئے دوڑ دھوپ کے دوران دہلی آئے ہوئے تھے ان کو وہاں اچانک خبر ملی کہ دہلی میں بھی مکاتب توڑے جا رہے ہیں اور اس وقت تک گیارہ مکاتب ٹوٹ چکے ہیں جن میں تقریباً ۲۵۰ طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے حضرت تھانویؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کو اس کا بہت صدمہ ہوا آپ نے حفاظت مکاتب کی خاطر بہت کچھ دعاء کی اور حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے اس سلسلہ میں جو فتویٰ سوال وجواب کی صورت میں مرتب کیا آپ نے اس کی بھرپور تائید فرمائی بعد ازاں اس کی تائید علماء دیوبند وسہارنپور اور میرٹھ سے حاصل کر کے الگ رسالہ کی صورت میں بھی اس کو شائع کیا گیا جس کا بے حد اثر ہوا ایک انجمن خادم القرآن بھی قائم ہوئی جس نے اس معاملہ میں بہت کوشش کی خدا کا شکر ہے کہ حضرت اقدس تھانویؒ کی برکت اور آپ کے مخلص معاونین کی برکت سے دہلی میں بھی بہت کامیابی حاصل ہوئی اور اس کے بعد کوئی مکتب نہ ٹوٹ سکا بلکہ ٹوٹے ہوئے مکتب بھی دوبارہ قائم ہوگئے اور دوسرے مقامات پر بھی اس سلسلہ میں بروقت کافی روک تھام ہوگئی۔حضرت والد صاحبؒ بارہا اس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے

کہ اس سلسلہ میں حضرت والد صاحبؒ نے تحفظ مکاتب قرآنیہ کیلئے جو سعی اور جد وجہد فرمائی تھی اس کے بارہ میں فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ میری نجات کا ذریعہ بن جائے گی، حضرت اقدس شیخ الحدیث جناب مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ نے اس سے متعلق اپنی کتاب ''آپ بیتی'' میں جو واقعہ ذکر فرمایا ہے حضرت والد صاحبؒ اکثر اس کو بھی سناتے تھے، سرگودھا کی آخری تقریر میں بھی آپ نے اس کو بیان فرمایا تھا یہ واقعہ بڑا دلچسپ اور تاریخی حیثیت کا حامل ہے آپ بیتی سے ہی پیش خدمت ہے۔

ایک تاریخی واقعہ

تقسیم سے پہلے انگریزوں کے زمانہ میں جبریہ تعلیم کا بڑا زور تھا میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ اور حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ دونوں اس کے سخت مخالف تھے اور حضرت مدنی قدس سرہ اس کے موافق تھے حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنے مدرسہ کے مفتی مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی مرحوم کو اسی کام پر لگا رکھا تھا اور ان کو چچا جان قدس سرہ کی ماتحتی میں دے رکھا تھا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی اپنی مساعی جمیلہ تو ممبران وغیرہ کے نام خطوط اور وفود کی تھی اس زمانہ میں ایک رسالہ اس ناکارہ نے قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم تالیف کیا تھا اور چچا جان و مولانا عبدالکریم صاحب کی مساعی اس کے خلاف جلسے وغیرہ کرنے کی تھی جگہ جگہ جلسے کرایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ دونوں دوپہر کے وقت تشریف لائے کھانے کیلئے دستر خوان بچھ چکا تھا چچا جان نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس ایک کام کیلئے آئے ہیں میں نے عرض کیا کہ ارشاد فرماویں فرمایا کہ دہلی میں ایک بہت بڑا جلسہ جبریہ تعلیم کے خلاف کرنا ہے اور حضرت مدنی کی صدارت میں کرنا ہے تجھے دیوبند جانا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور لیکن حفظ کا استثناء تو میری سمجھ میں آتا ہے ناظرہ کا سمجھ میں نہیں آتا اس لئے کہ حفظ پر تو دوسرے کام سے ضرور اثر پڑتا ہے لیکن ناظرہ میں کچھ تاخیر ہو جاوے اور اس کے ساتھ وہ لوگ اردو حساب بھی پڑھ لیں تو اس میں آپ کا کیا حرج ہے؟ چچا جان نے فرمایا کہ مناظرہ مت کر و چلو میں نے عرض کیا کہ وہاں تو مجھے ہی بولنا پڑے گا پہلے کچھ سمجھ تو لوں مولوی عبدالکریمؒ نے فرمایا کہ حضرت تھانوی نے دونوں کا استثنا کرنے کیلئے فرمایا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت تھانوی کون بزرگ ہیں کہاں رہتے ہیں؟ یہ سنکر ان کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا یہاں سے اٹھ کر چچا جان سے کہنے لگے اس کے تو

عقائد خراب ہوگئے ہیں چچا جان نے انہی کے سامنے مجھے یہ فقرہ سنایا میں نے کہا تعجب ہے مولوی صاحب آپ اتنے اونچے ہوکر بھی یہ بات نہ سمجھے حضرت تھانوی زادمجدہم کا ارشاد میرے اور آپ کیلئے حجت ہے لیکن جن سے بات کرنے جارہے ہوان کی حیثیت تو معاصر کی ہے اور لیگ و کانگریس کی وجہ سے آپس کے تعلقات جیسے ہیں وہ آپ کو معلوم ہیں اور مجھے بھی ان کیلئے یہ چیز حجت نہیں بنے گی کہ مولانا تھانوی نے فرمایا ہے کوئی دلیل بتلاؤ جوان کو سمجھائی جاوے اتنے میں گاڑی کا وقت ہوگیا اور ہم لوگ ۲ بجے والی سے دیوبند گئے چچا جان آگے آگے ان کی بائیں جانب ذرا پیچھے کو میں اور میری بائیں طرف چچا جان کے پیچھے مولوی عبدالکریم صاحب، حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کے دروازے پر جب پہنچے تو حضرت اپنے مردانہ مکان کی سہ دری سے باہر تشریف لا رہے تھے ملاقات پر بہت ہی اظہار مسرت کے ساتھ مجھ سے فرمایا کہ دہلی سے آ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا یہ حضرات سہارنپور سے آ رہے ہیں اسی گاڑی سے دہلی سے آئے تھے اور مجھے ساتھ لے کر بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے ہیں بہت تیز لہجے میں فرمایا کیا حکم ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ لوگ دہلی میں ایک بہت بڑا جلسہ حضور کی صدارت میں جبریہ تعلیم کے خلاف کرنا چاہتے ہیں، غصہ آ گیا فرمایا کہ میں ہرگز صدارت نہیں کروں گا تم لوگ سب کو جاہل رکھنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا حضرت جی آپ ساری دنیا کو عالم بنادیں ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ جو قرآن پاک پڑھ رہے ہیں ان کو جبراً نہ لیں حضرت نے کھڑے کھڑے فرمایا کہ قرآن پاک کا انتظام آپ لوگ خارج وقت میں کریں قرآن شریف کا بہانہ کرکے یہ لوگ تعلیم سے ہٹ جاتے ہیں میں نے عرض کیا تشریف تو رکھیئے بیٹھ کر بات کریں گے کمرے میں تشریف لے گئے میں نے عرض کیا کہ خارج اوقات میں حفظ قرآن کیسے ہوسکتا ہے سارے دن محنت کرکے بھی مشکل سے ہوتا ہے فرمایا کہ میں نے تو جیل میں یاد کیا تھا، میں نے عرض کیا کہ آپ یہی ریزولیشن پاس کرادیجئے کہ جس کو قرآن پاک حفظ کرنا ہے وہ جیل میں چلا جائے اس پر ہنس پڑے میں نے عرض کیا کہ حضرت جلسہ تو ہوگا اور جناب کی صدارت میں ہوگا۔ اللہ جل شانہ بہت ہی بلند درجات عطا فرمائے ان کی شفقتیں محبتیں یاد کرکے رونے کے سوا کیا ہوسکتا ہے ایسا خوش دلی سے استقبال فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کیا اسی گاڑی سے چلنا ہے؟ میں نے عرض کیا ابھی نہیں ابھی تو آپ سے منظوری لینی ہے اور ڈائری میں تاریخ لکھوانی ہے اس کے بعد یہ لوگ دہلی جا کر جلسے کا انتظام کریں گے حضرت نے

ڈائری نکالی اوراس میں مولانا الیاس صاحب کا جلسہ نوٹ فرمالیا اور تاریخ بتلا دی اس کے بعد پھر جوش میں فرمانے لگے میں حفظ کا استثنٰی تو کہوں گا مگر ناظرہ کے استثناء کی کوئی وجہ نہیں میں نے عرض کیا کہ مضمون کی آپ پر کوئی پابندی نہیں جو چاہے آپ ارشاد فرمائیں چچا جان نے کچھ بولنا چاہا میں نے کہا کہ نہیں یہ واقعی ہے کہ آپ پر مضمون میں کوئی پابندی نہیں چاہے آپ یہی فرمادیں کہ جس کو حفظ کرنا ہے وہ جیل میں جائے۔قرار یہ پایا کہ فلاں تاریخ کو چار بجے کے ایکسپریس سے یہ ناکارہ سہارنپور سے سوار ہوگا اوراسی گاڑی سے دیوبند سے حضرت مدنی سوار ہوں گے اورنو بجے رات کو دہلی میں جلسہ ہوگا جب دہلی کے پلیٹ فارم پر پہنچے تو سارا پلیٹ فارم لوگوں سے بھرا ہوا تھا شیخ الاسلام زندہ باد، جمعیت علماء زندہ باد، کانگریس زندہ باد کے نعروں سے پورا اسٹیشن گونج رہا تھا اور میں سارے راستے یہ سوچتا چلا گیا کہ اگر حضرت نے حفظ کے عدم استثناء کا اعلان کردیا تو اور مصیبت آجائے گی اسٹیشن پر مجمع کے درمیان میں حضرت الحاج مفتی کفایت اللہ صاحب بھی موجود تھے ان کو دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا اس لئے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس سیہ کار کی بات کی بہت ہی وقعت تھی اس لئے کہ بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کی ممبری میں جمعیت کے مشوروں میں وقف بل کے مسئلے میں اس کی نوبت آئی کہ جب میری رائے مفتی صاحب کے خلاف ہوئی یا تو انہوں نے میری رائے خوش دلی سے قبول فرمائی یا بڑی فراخدلی سے یہ لکھ دیتے کہ بعض مخلص اہل علم کی رائے یہ ہے، وقف بل کے مسودے میں بھی یہ لفظ میری رائے کے ساتھ بغیر نام کے چھپا ہوا ہے اتفاق سے مفتی صاحب اسی ڈبے کے قریب تھے جس میں یہ ناکارہ اور حضرت مدنی تھے، حضرت مدنی قدس سرہ تو استقبال والوں کے مصافحے میں ایسے پھنسے کہ کوئی حد نہیں اور چاروں طرف سے مجمع ان پر گرنے لگا اور میں نے مفتی صاحب کو بہت ہی غنیمت سمجھا اوران کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کو کھینچ لیا اور میں نے عرض کیا کہ استثنٰی ناظرہ اور حفظ دونوں کا کرنا ہے اور یہ حضرت حفظ کیلئے تو تیار ہیں مگر ناظرہ کو نہیں مانتے۔مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہنے لگے کہ نہیں استثنٰی تو دونوں ہی کا ہونا چاہئے میں نے بھی کہا کہ ہاں بغیر اس کے کام نہیں چلے گا جلسے میں جا کر تقریر شروع ہوجائے گی راستہ میں ہی نمٹ لیں، حضرت مدنی قدس سرہ کی عادت شریفہ تھی جس کا بارہا مشاہدہ خود بھی کیا کہ مفتی صاحب کی بات حضرت کے یہاں بہت وقیع اور اہم سمجھی جاتی تھی بارہا میں نے دیکھا

کہ حضرت نے اپنی رائے پر مفتی صاحب کی رائے کو ترجیح دی مفتی صاحب میرے کہنے پر آگے بڑھے اور میں ذرا فصل سے پیچھے پیچھے کہ حضرت کی نظر مجھ پر نہ پڑے اور یہ نہ سمجھیں کہ یہ کہلوا رہا ہے۔ مفتی صاحب نے اسٹیشن کے زینے پر حضرت کے قریب ہو کر کان میں یہ کہا کہ حضرت استثناء حفظ اور ناظرہ دونوں کا کرنا ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اگر کسی نے بات کرتے ہوئے دیکھا ہوگا تو اس کو اندازہ ہوگا کہ کس طرح گردن ہلا کر بات فرمایا کرتے تھے۔ میرے سامنے تو وہ منظر خوب ہے حضرت نے نہایت جوش میں فرمایا کہ نہیں ناظرہ کے استثناء کی کوئی وجہ نہیں مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرت پہلے چند پارے ناظرہ پڑھ کر ہی تو حفظ میں لگتے ہیں جب وہ ناظرہ میں اور کام میں لگ جائیں گے تو پھر ان کو حفظ کا وقت کب ملے گا حضرت نے فرمایا کہ بہت اچھا سیدھے جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے جلسہ کی شروعات بہت پہلے سے ہو چکی تھیں سیدھے ممبر پر تشریف لے گئے اور جاتے ہی وہ زوردار تقریر اپنی مہربان گورنمنٹ کے خلاف کی کہ لطف آ گیا اور کہا کہ ہمارے دین کو برباد کرنا چاہتی ہے اور ہمارے قرآن کو ضائع کرنا چاہتی ہے اس کو ہمارے مذہب میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے ہم اپنے قرآن پاک کی تعلیم کو کسی طرح ضائع نہ ہونے دیں گے ناظرہ کا بھی استثناٗ کرنا ہوگا اور حفظ کا بھی استثناٗ کرنا ہوگا چچا جان بہت ہی حیرت اور سوچ میں یہ سمجھے کہ راستہ میں کوئی گفتگو مجھ سے ہوئی ہوگی غرض بہت زوردار جوش وخروش گورنمنٹ برطانیہ کو گالیاں دے کر اور ایک ریزولیشن قرآن پاک کی تعلیم خواہ حفظ کی ہو یا ناظرہ کی ہو جبریہ تعلیم سے مستثنیٰ ہونا نہایت ضروری ہے تقریباً ڈیڑھ بجے تک جلسہ اور اس کے بعد مختصر سا کھانا نوش فرما کر علی الصباح دیوبند تشریف لے آئے اور آ کر بخاری کا سبق پڑھا دیا بعد میں چچا جان نے مجھ سے پوچھا کہ تمہاری کوئی گفتگو ریل میں ہوئی ہوگی میں نے کہا بالکل نہیں (آپ بیتی ص ۱۴۸)

خوش طبعی کا ایک واقعہ

فرمایا کہ: خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ایک مرتبہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ جمع تھے حضرت والد صاحب مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ کو شریک فرما کر ان حضرات نے حلوہ تیار فرمایا کچھ احباب اور بھی تھے سب نے مل کر حلوہ تناول کیا حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس وقت تشریف فرما نہ تھے اس لئے ان کا حصہ رکھ دیا گیا جب یہ

سب حضرات اپنا حصہ کھا کر فارغ ہوئے تو حضرت مفتی صاحبؒ بھی پہنچ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ سب حضرات حلوہ کھا چکے ہیں تو فرمانے لگے کہ آپ حضرات نے یہ کیا کیا کہ میرے بغیر حلوہ کھالیا جبکہ مشہور یہ ہے کہ حلوہ تنہا نہ باید خورد تو آپ نے تنہا کیوں کھایا حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کا حصہ رکھا ہوا ہے ہم نے آپ کا حصہ نہیں کھایا چنانچہ وہ حصہ انہیں پیش کر دیا گیا جب حضرت مفتی صاحبؒ اکیلے کھانے لگے تو حضرت والد صاحبؒ جو انتہائی بے تکلف دوست تھے فرمانے لگے کہ مفتی صاحب ہم بھی آپ کے ساتھ کھائیں گے آپ اکیلے نہیں کھا سکتے کیونکہ آپ نے خود ہی فرمایا ہے کہ حلوہ تنہا نہ باید خورد یہ کہکر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے اس سے پوری محفل کا لطف دوبالا ہو گیا

﴿ ہدایۃ الحیران اکابر کی نظر میں ﴾

مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں نے ''ہدایۃ الحیران'' کے نام سے تفسیر ''جواہر القرآن'' کا رد لکھنا شروع کیا تو اس زمانہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لاہور تشریف لائے میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا ہدایۃ الحیران کا مسودہ میرے ساتھ تھا میں نے موقع دیکھ کر عرض کیا کہ مجھے تھوڑا سا وقت چاہئے آپ کو جواہر القرآن کا کچھ حصہ سنانا چاہتا ہوں حضرت نے حسب سابق از راہ شفقت وقت عنایت فرمایا تو میں نے جواہر القرآن سے آیت ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وك الآية کی تفسیر سنائی جس میں مؤلف نے لکھا ہے کہ اس آیت کا حکم شان نزول کے اسی واقعہ سے ہے اب حضور علیہ السلام کی قبر سے استشفاع واستمداد جائز نہیں ہے میں نے اس کے رد میں جو کچھ لکھا تھا ابھی وہ نہیں سنایا تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نہایت تعجب سے فرمانے لگے کہ اب تک ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا اور ان حضرات کا صرف طریق کار میں فرق ہے ہمارا طریقہ نرم اور سہل ہے ان کا سخت اور تشدد پر مبنی ہے اس سے زیادہ فرق نہیں ہے لیکن آج معلوم ہوا کہ انہوں نے مسائل بھی بدل دیئے ہیں، فرمانے لگے کہ پہلے میری رائے یہ تھی کہ آپ اس کے رد میں اتنی محنت نہ کریں آپ بیمار بھی ہیں اور اس میں بہت وقت لگے گا میرے خیال میں اس کا رد اتنا اہم نہ تھا لیکن اب میری رائے یہ ہے کہ آپ اس کا رد لکھیں کیونکہ مسائل کی تبدیلی گوارا نہیں ہے حضرت والد صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت کو ابتدا سے ہی مجھ پر شفقت تھی بہت خیال فرماتے تھے اس لئے ہدایۃ الحیر ان کے حق میں

نہ تھے لیکن جب میں نے ان کی تفسیر کا نمونہ سنایا تو پھر فرمانے لگے کہ واقعتہً اس کے رد کی ضرورت ہے دراصل ان اکابر کو اس قسم کے مضامین پڑھنے کی فرصت کہاں ملتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ مسلک کے خلاف لکھنے پر جس قدر انہیں کوفت ہوسکتی ہے وہ ددوسروں کو ہرگز نہیں ہوسکتی غالبًا اسی مجلس میں یہ بات بھی آئی کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ طالب علم آٹھ سال تک ہمارے مدارس میں پڑھتا ہے مختلف اساتذہ کرام علمأ عظام سے علم حاصل کرتا ہے جو علم وعمل کے پہاڑ معقول اور منقول کے ماہر ہوتے ہیں ہمارے ہی مدارس طلبہ کو ہر قسم کی سہولتیں بھی فراہم کرتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دو مہینے کسی دوسری جگہ دورہ تفسیر پڑھنے سے ان کا ہم مسلک ہوجاتا ہے اس کا ذکر بڑے تعجب کے انداز میں کیا گیا حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں طالب علم کو صرف کتاب پڑھائی جاتی ہے جس فن اور موضوع کی کتاب ہے استاد طالب علم کو وہی پڑھا دیتا ہے ہدایہ پڑھانے والا بس ہدایہ پڑھا رہا ہے اور جلالین والا جلالین، کتاب تو محنت سے پڑھا دی جاتی ہے جس میں محنتی طالب علم ماہر بن جاتا ہے لیکن مسلک نہیں پڑھایا جاتا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد علوم وفنون میں تو خوب ماہر ہوتا ہے مگر مسلک، مزاج اور ذوق کا اسے کچھ پتہ نہیں ہوتا دوسرے حضرات ایک دو ماہ میں صرف تفسیر نہیں پڑھاتے بلکہ اس مختصر وقت میں تفسیر تو پڑھانا ممکن ہی نہیں بلکہ وہ حضرات تفسیر کے نام پر اپنا مسلک پڑھاتے ہیں طالب علم کے ذہن میں اپنے نظریات اور مسلک ڈالا جاتا ہے اسی کی خصوصی تربیت اس کو دی جاتی ہے اس لئے اس مختصر سی مدت میں وہ انہی کا ہوجاتا ہے جو چیز آٹھ دس سال کے عرصہ میں اسے نہیں ملی تھی وہ دو ماہ میں مل گئی یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ طالب علم کو صرف کتاب نہیں پڑھانی چاہئے بلکہ کتاب کے ساتھ اس کو اکابر کا مسلک ومشرب ان کے عقائد ونظریات بھی پڑھائے جائیں اور اکابر کا ذوق ومزاج بھی سکھایا جائے اس کیلئے ملک کے بڑے ادارے اگر اہتمام کریں تو جلد فائدہ کی امید ہے

﴿ علامہ شمس الحق افغانیؒ ﴾

حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ کی زیارت ہوئی ان سے جواہر القرآن کے ایک مقام جو تحویل قبلہ کے متعلق تھا میں نے پڑھ کر سنایا مؤلف مذکور نے اس میں لکھا تھا کہ تحویل قبلہ کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور منشا کے خلاف تھا آپ اس

وقت یہ نہیں چاہتے تھے کہ تحویل کا حکم آ جائے انہوں نے تقلب میں باب تفعل کی خاصیت تکلف سے یہ استدلال کیا حضرت افغانیؒ یہ سن کر حیران ہوئے فرمانے لگے یہ تحریف ہے قرآن کریم کے سیاق و سباق اور احادیث کے صراحۃً خلاف ہے اور یہ قرآن کریم کی صریح تحریف ہے حضرتؒ والدصاحب نے اس نظریہ کی ہدایۃ الحیران میں تفصیلاً تردید فرمائی ہے حضرتؒ کی تالیفات میں اس کی قدرے تفصیل موجود ہے قارئین وہاں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

﴿حضرت مولانا احمد شاہ چوکیرویؒ﴾

حضرت مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ساہیوال تشریف لائے مولانا نذیر احمد مخدوم بھی ان کے ساتھ تھے حضرت والدصاحبؒ سے فرمانے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے تفسیر جواہر القرآن کے رد میں کوئی کتاب تحریر فرمائی ہے میں اس کو سننے آیا ہوں آپ وہ کتاب مجھے سنائیں، حضرت والدصاحبؒ نے ہدایۃ الحیران کا مسودہ ان کو سنایا حضرت موصوف نے بڑے غور سے اس کو سنا اور جابجا مقامات پر بہت داد دی اور مخدوم صاحب کو بھی بطور خاص بعض مقامات پر متوجہ کیا کتاب سن کر فرمانے لگے کہ حق تعالیٰ نے آپ کے سینہ کو اس کیلئے کھول دیا اس لئے آپ نے بہت شاندار رد لکھا ہے انہوں نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا ولی اللہ صاحب کے حوالے سے بیان فرمایا کہ حضرت الاستاذ فرماتے تھے کہ حیات کا مسئلہ علم عقائد کی کتابوں میں نہیں ہے اس کا کیا جواب ہے؟ حضرت والدصاحبؒ نے فرمایا کہ عذاب وثواب حیات پر متفرع ہے اور کتب عقائد میں عذاب قبر کو اہل سنت کے عقائد میں بڑی اہمیت سے بیان کیا جاتا ہے اس لحاظ سے حیات فی القبر سے کتب عقائد کو خالی نہیں کہا جا سکتا۔

﴿حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم﴾

حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور جس زمانہ میں دارالعلوم کبیر والا میں مدرس تھے ان کو معلوم ہوا کہ حضرت والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر جواہر القرآن پر رد لکھا ہے اور خلاف جمہور اقوال کی تردید فرمائی ہے حضرت صوفی صاحب مدظلہم نے ایک طالب علم کو ساہیوال حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ وہ ہدایۃ الحیران کا مسودہ نقل کر کے لائے چونکہ اس زمانہ میں فوٹوسٹیٹ وغیرہ کی سہولتیں کم تھیں اور یہ کتاب طبع بھی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس

طالب علم نے پوری کتاب کا مسودہ ہاتھ سے نقل کیا اور حضرت صوفی صاحب مدظلہم کی خدمت میں پیش کیا حضرت نے اس کو تفسیر جلالین کے طلبہ کو پڑھایا اس جماعت میں مولانا غلام یاسین حال مخدوم پور پہوڑاں، مولانا قاری خان محمد صاحب حال خطیب آرمی پنڈی کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہم حال شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا بھی شامل تھے۔ ان حضرات نے طبع ہونے سے قبل ہی سبقاً ان تفسیری مقامات کو پڑھ کر یاد کرلیا تھا، حضرت صوفی صاحب مدظلہم نے اس لئے اس کا اہتمام فرمایا کہ جلالین کے طلبہ تفسیر کو سمجھنے کی چونکہ استعداد رکھتے ہیں اس لئے وہ جواہرالقرآن کے تفردات اوران کی تردید کو بھی خوب سمجھ سکیں گے اورانہیں جمہور اہل سنت کے مسلک کے ساتھ دوسرے فریق کے تفسیری تفردات کا بھی بخوبی علم ہوجائے گا اس طرح وہ اپنے اکابر کی پیروی میں صحیح مسلک پر قائم رہتے ہوئے گمراہی سے بچ جائیں گے۔

﴿ تصدیقات اکابرؒ ﴾

''ہدایۃ الحیران فی جواہرالقرآن'' لکھنے کے باوجود حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ سے جامع مسجد سراج العلوم سرگودھا میں عرض کیا کہ آپ اس کو دیکھ لیں اوراس پر کچھ تحریر فرمادیں تاکہ مجھے اطمینان ہوجائے حضرت درخواستی مجھے الگ لے گئے اور فرمایا کہ بھائی ہم سیاسی لوگ ہیں ہمارے لکھنے سے مسئلہ سیاسی رنگ اختیار کرجائے گا آپ اس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے لکھوائیں ان کے لکھنے کے بعد کتاب کی حیثیت مسلم ہوجائے گی اہل علم علماء طلبہ اور عوام سب کو ان حضرات پر اعتماد ہے۔ حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت درخواستی کی بات پسند آئی چنانچہ اس کے بعد میں نے یہ کتاب ان حضرات کو پیش کی اوراس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور حضرت مفتی محمد وجیہ صاحب اور حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ سے تصدیق لی۔

﴿ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ﴾

حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے حضرت والد صاحبؒ بھی حاضر ہوئے ان دنوں حضرت مولاناؒ ''ہدایۃ الحیران'' کا مسودہ سماعت فرمارہے تھے حضرت مفتی عبدالستار صاحب اور شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہما

اس کتاب کا مسودہ حضرت کو سناتے تھے حضرتؒ نے اول سے آخر تک حرفاً حرفاً اس کو سن کر اس پر تصدیق تحریر فرمائی اس ملاقات میں حضرت والد صاحبؒ کے طرز تحریر پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا فرمانے لگے کہ آپ نے جواہر القرآن کے تفردات کا رد بہت احتیاط سے کیا کوئی اور لکھتا تو ان کی تکفیر کرتا۔

﴿ رسالہ فیض روحانی ﴾

دار العلوم کبیر والا کے استاذ معقول و منقول کے جامع اور فاضل دیوبند حضرت مولانا علامہ منظور الحق رحمۃ اللہ علیہ جو نہایت محقق عالم اور قابل مدرس تھے حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ دار العلوم میں ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے رسالہ ''فیض روحانی از اولیائے ربانی'' پر بڑی خوشی کا اظہار کیا فرمایا کہ اس رسالہ میں استعانت کی اقسام اور احکام کو سہل انداز سے جمع کیا گیا اور تمام قسموں کا اچھا انضباط کر دیا گیا ہے جو اہل علم کیلئے بھی بہت مفید ہے میں تفسیر بیضاوی کے مقام ایاك نعبد و ایاك نستعین کی تقریر و تشریح میں اسی رسالہ سے استعانت و استمداد کی اقسام طلبہ کو پڑھاتا اور لکھواتا ہوں ماشاءاللہ تعالیٰ آپ نے اس کو بہت آسان فرما دیا ہے۔ حضرت والد صاحبؒ نے استمداد کی کل آٹھ قسمیں اس میں بیان فرمائی ہیں اور پھر ان کی تفصیل فرما کر ہر ایک قسم کا حکم بھی بیان فرما دیا ہے۔

﴿ رسالہ فضائل جہاد ﴾

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں رن کچھ کے علاقہ میں جہاد کی مہم شروع ہوئی تو آرمی کے بعض حضرات نے جو حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کے متوسلین میں سے تھے حضرت سے فضائل جہاد پر رسالہ لکھنے کی فرمائش کی حضرت والد صاحبؒ اس زمانہ میں حضرت عثمانیؒ کے ہاں دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں مقیم تھے حضرتؒ نے انہیں حکم فرمایا کہ آپ فضائل جہاد پر رسالہ مرتب کریں چنانچہ حضرتؒ نے ابو المنذری کی کتاب ''الترغیب والترہیب'' حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی سے لی یہ اس زمانہ میں وہاں استاذ حدیث تھے اس کتاب میں جہاد کے فضائل پر احادیث مع ترجمہ کے جمع فرمائیں حضرت عثمانیؒ نے چالیس احادیث کا فرمایا تھا اس رسالہ میں ۴۶ احادیث جمع ہو گئیں حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت عثمانیؒ کو پیش کیں اور عرض کیا کہ ۴۰ کی بجائے ۱۴۶ احادیث جمع ہو گئیں ہیں فرمایا کہ بھائی زیادہ ہی ہوئیں کم تو نہیں اس لئے بہتر ہے پھر حضرت عثمانیؒ ہی کے نام سے یہ رسالہ طبع ہو کر فوج میں تقسیم ہوا حضرتؒ نے تمہید میں حضرت والد صاحبؒ کا اسم گرامی بھی تحریر

فرمادیا ہے مستقل عنوان کے تحت حضرت والد صاحبؒ کا یہ پہلا مضمون اور رسالہ تھا اس کے بعد بحمد اللہ تعالیٰ بہت سے مقالات و مضامین اور کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں۔

حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کی للّٰہیت

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی بڑے عالم فاضل اور نہایت درجہ بارعب شخصیت کے مالک تھے اصل گنجال کے رہنے والے تھے بڑے ہی زیرک ذہین تھے ایک ماہ میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا اور چار سال میں تمام کتابیں انہوں نے پڑھ لی تھیں امرتسر میں حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت استفادہ کیا حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے مجھ سے خود بیان فرمایا کہ ہم امرتسر پڑھتے تھے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری امتحان کیلئے تشریف لائے امتحان کے بعد پوچھا کہ دورہ حدیث کہاں پڑھنے کا خیال ہے تو ہم نے دیوبند کا ذکر کیا اور عرض کیا کہ حضرت آپ سے پڑھنے کا ارادہ ہے فرمایا کہ نہیں پہلے امینیہ میں مفتی محمد کفایت اللہ سے پڑھو اس کے بعد دیوبند میں مجھ سے پڑھنا تب فائدہ ہوگا چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ایسا ہی کیا فراغت کے بعد اپنے علاقہ میں کام شروع فرمایا یہاں کا سارا ماحول بدعات و رسومات اور رسم و رواج کا پابند تھا تشدد کی وجہ سے اہل علم بھی مناظرہ بازی کے چکر میں رہتے تھے ایک دوسرے کی تردید مخالفت گویا ہر روز کا مشغلہ تھا کچھ عرصہ کے بعد امرتسر ایک مرتبہ حاضری ہوئی حضرت الاستاذ جناب مفتی محمد حسن صاحبؒ نے فرمایا کہ کیسے حالات ہیں آپ نے حالات عرض کر دیئے اور ماحول کی ناسازگاری کے ساتھ اہل بدعت کو بہت برا بھلا کہا حضرت مفتی صاحبؒ نے اس سے منع فرمایا انہیں بڑی حیرانی ہوئی کہ حضرت تو خود ان کے متعلق اتنے سخت تھے اب کیسے نرمی فرما رہے ہیں حیرت سے پوچھنے لگے کہ حضرت جب ہم پڑھتے تھے اس زمانہ کا وہ واقعہ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک روز اخبار آیا اس میں جلی عنوان سے سرخی تھی کہ اہل بدعت کے فلاں امام کا انتقال ہو گیا تو آپ نے سرخی پڑھ کر فی النار وسقر کہہ کر اخبار پھینک دیا تھا اب یہ تبدیلی کیسے آ گئی آج آپ بالکل عجیب بات فرما رہے ہیں حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں بھائی تمہاری بات ٹھیک ہے یہ واقعہ اسی طرح تھا لیکن اس وقت تک ہم تھانہ بھون نہیں گئے تھے اپنے عیوب پر نظر نہ تھی وہاں جا کر اپنے عیوب پر نظر پڑی تو اب ؎

''جہاں میں کوئی برا نہ رہا'' والا معاملہ ہو گیا۔

﴿ سعی کے چکر ﴾

ایک مرتبہ حضرت والد صاحبؒ سر گودھا بلاک نمبرا جامع مسجد میں تشریف لے گئے ایک عالم فاضل دیوبند جو بہت سادہ نہایت صالح اور دُرویش تھے طلبہ کو قدوری کا سبق پڑھا رہے تھے حضرتؒ بھی وہاں بیٹھ گئے اس وقت کتاب الحج کا سبق ہو رہا تھا سعی بین الصفا والمروہ کا ذکر آیا تو اس میں سعی کے سات چکروں کا مسئلہ حضرت مولاناؒ نے طلبہ کو سمجھایا ایک طالب علم نے سوال کیا کہ صفا اور مروہ کی سعی میں آنے جانے کو ایک چکر شمار کریں گے یا دو تو انہوں نے فرمایا کہ آنے جانے سے ایک چکر ہوگا اس طرح گویا چودہ چکروں سے سعی مکمل ہوگی حضرت والد صاحبؒ کو حیرانگی ہوئی کہ یہ کیسے فرمادیا بعد میں ان سے استفسار فرمایا کہ آنے جانے کو آپ نے ایک چکر کیسے فرمادیا انہوں نے جواب میں طواف کا ذکر کیا کہ وہاں طواف حجر اسود سے شروع ہو کر حجر اسود پر مکمل ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی صفا سے شروع ہو کر صفا پر ہی سعی مکمل ہوسکتی ہے کہ آنے جانے کو ایک چکر قرار دیا جائے حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر کتاب کی عبارت ''یبدأ بالصفا ویختم بالمروۃ'' کیسے صحیح ہوگی یہ اسی وقت صحیح ہوسکتی ہے جب صفا سے مروہ جانے کو ایک چکر اور واپسی کو دوسرا چکر شمار کریں اسی دوران حضرت مفتی......صاحبؒ تشریف لے آئے ان سے ذکر آیا تو انہوں نے حضرت مولاناؒ کی تائید فرمائی حضرت والد صاحبؒ کو اس سے اور بھی حیرت ہوئی لیکن جب ان سے گفتگو ہوئی تو فرمانے لگے کہ چچا جان سے پوچھتے ہیں سب وہاں چلیں حضرت مولانا احمد دین صاحب فقہ میں بڑے ماہر شامی کے حافظ اور متبحر عالم تھے چنانچہ سب وہاں پہنچے حضرت مفتی صاحبؒ نے صورت مسئلہ سامنے رکھی تو انہوں نے سنتے ہی حضرت والد صاحبؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سچ کہتا ہے حضرتؒ فرماتے تھے کہ اصل وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اس وقت تک حج نہیں کیا تھا اور حج کے مسائل میں اس طرح کے شبہات پیش آتے رہتے ہیں کیونکہ یہ عملی چیز ہے جب تک انسان عمل نہ کرے اس وقت تک اس کا سمجھنا مشکل ہے

﴿ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھویؒ ﴾

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھویؒ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم تعلیمات بھی رہے ہیں ایک مرتبہ جامعہ حقانیہ میں ساہیوال تشریف لائے رات کو مدرسہ میں قیام فرمایا تعلیمی

حالات وکوائف کا جائزہ جامعہ کی عمارت اور تعلیمی ماحول دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور معائنہ کے رجسٹر میں سب سے اولیں رائے گرامی بھی تحریر فرمائی حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہاں اس ماحول میں جو بدعت اور رفض کا گڑھ تھا مدرسہ کا قیام آسان نہیں تھا حضرتؒ بھی سارے حالات سے باخبر تھے اس لئے مدرسہ کی ترقی کو دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے اور میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے کہ بھائی آپ مدرسہ بنانے میں یہاں کیسے کامیاب ہوگئے آپ تو بالکل قریب ہیں مجھے تو یہ حضرات تئیس میل دور سرگودھا میں بھی تنگ کرتے رہتے ہیں پھر بہت سی دعائیں دیں حضرتؒ فرماتے تھے کہ یہ دراصل بزرگوں کی دعاؤں کے اثرات اور ان کے طریق کار کی برکت تھی ورنہ ایسے ماحول میں واقعۃً مدرسہ کا بنانا بہت ہی مشکل تھا و ذالك فضل الله يؤتيه من يشأ والله ذو الفضل العظيم حضرت مفتی صاحب موصوف نے ہدایۃ الحیر ان سن کر اس پر تقریظ وتصدیق تحریر فرمائی تھی مگر کتاب کے ساتھ شائع نہیں ہوئی حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ آپ نے یہ تقریظ بہت سخت لکھدی تھی غالبًا دوسرے فریق کی تکفیر تک کردی تھی جبکہ پوری کتاب میں یہ احتیاط کی گئی تھی کہ کتاب اور کلام کا رد کیا جائے نہ کہ متکلم اور مؤلف کا اس لئے میں نے اس کو شائع کرنا مناسب نہ سمجھا اگرچہ حضرت موصوف نے بڑی محنت سے کتاب کو دیکھ کر تصدیق فرمائی تھی اس میں کافی حوصلہ افزا کلمات بھی تھے مگر تفصیل بالا کے پیش نظر اس کو شائع نہیں کیا گیا۔ حضرت مولانا مرحوم اگرچہ پکے حنفی تھے مگر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حرمت مصاہرت کے مسئلہ میں حضرت امام اعظم کے مسلک کا راجح ہونا معلوم نہیں ہوتا ان کا خیال یہی تھا کہ اس مسئلہ میں حضرت امام شافعیؒ کا قول زیادہ صحیح ہے لیکن یہ صرف خیال کی حد تک ہی تھا فتویٰ آپ نے کبھی امام صاحبؒ کے مسلک کے خلاف اس مسئلہ میں نہیں دیا۔ موصوف حضرت والد صاحبؒ سے بہت شفقت فرماتے تھے حضرت جد امجد مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ سے بھی ان کے بہت تعلقات تھے تقسیم ملک کے بعد جب یہ حضرات سرگودھا پہنچے اسی وقت سے آپ کے ساتھ تعلق خاص قائم ہوگیا تھا مختلف امور اور مسائل پر کافی حد تک تبادلہ خیال رہتا تھا حضرت جد امجدؒ کا خیال تھا کہ ضلع سرگودھا میں دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک عظیم ادارہ بننا چاہئے اس کیلئے آپ نے ابتدائی درجہ میں کوشش بھی فرمائی تھی حضرت مفتی صاحبؒ بھی اس کام میں آپ کے ساتھ تھے حضرتؒ کے بعض فتاویٰ پر حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ کی تصدیق بھی موجود ہے آپ کی وفات کے بعد

حضرت موصوف نے احقر کے حضرت والد صاحبؒ سے برابر شفقت ومحبت کا تعلق رکھا فقہ اور علمی مسائل میں ان کا حضرت پر بہت اعتماد تھا ان کے ہوتے ہوئے مسئلہ نہیں بتاتے تھے بلکہ آپ کے حوالہ کر دیتے تھے کتب خانہ کی چابی حضرت والد صاحبؒ کے حوالہ فرمادی تھی حضرتؒ جب چاہتے سرگودھا جا کر کتب خانہ سے استفادہ فرماتے ملاقات ہوتی تو گھنٹوں گفتگو کیلئے کھڑے رہتے اور بہت محبت سے واقعات وحالات سناتے ایک مرتبہ بدائع الصنائع کی جلدوں پر بات چلی کہ یہ کتاب کتنی جلدوں میں ہے بعض حضرات کا خیال تھا کہ ۸ ہیں حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں ۷ ہیں اور کتب خانہ میں فلاں جگہ ہیں اس پر یہ حضرات بڑے خوش ہوئے۔

﴿ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ﴾

چند سال قبل کی بات ہے ایک صاحب نے جو عقائد میں علماء دیو بند سے سخت اختلاف رکھنے کے باوجود دیو بندی ہونے کے مدعی ہیں ''علماء پاکستان کے نام کھلا خط'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں دعویٰ تھا کہ وفات کے بعد روح کا قبر میں جسم کے ساتھ تعلق نص قرآنی اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا الایة کے خلاف ہے جو شخص اس کا قائل ہے وہ نص کا منکر ہے اس نے اسی قسم کی لایعنی تقریر بزعم خویش لاجواب سمجھ کر شائع کر دی اور عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار پر ایک اشتہار بھی لکھا جس میں مختلف عبارات کو توڑ مروڑ کر اپنے مفید مطلب بنانے کی سعی لاحاصل کی گئی تھی کئی حضرات اہل علم نے اس کا جواب لکھا اور اس رسالہ میں پیش کردہ تمام مستدلات کے شافی اور مسکت جواب تحریر فرمائے احقر کو خوب یاد ہے کہ دارالعلوم کبیر والا کے جناب حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہم جامعہ حقانیہ تشریف لائے حضرت اقدس والد صاحب نوراللہ مرقدہ کو انہوں نے اپنا لکھا ہوا جواب سنایا حضرتؒ نے بغور سن کر بعض مقامات پر مشورے پیش فرما کر تصدیق فرمائی اسی دوران حضرت مفتی صاحب نے اسی سلسلہ میں ایک اشتہار کی عبارت کا ذکر کیا کہ وہ ملی نہیں اسی لئے اس کا جواب نہیں لکھا گیا اشتہار میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ کے حوالہ سے لکھا تھا کہ آپؒ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات کے قائل نہیں ہیں کیونکہ وہ کسی کو اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر وہ زندہ ہوتے اور تمہارے یہ حالات دیکھتے تو ہرگز راضی نہ ہوتے'' معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نہیں ہیں حضرت والد ماجدؒ نے

سنتے ہی فرمایا کہ یہ عبارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نہیں ہے کیونکہ ''حضرت ایشاں'' کا جملہ بھی یہی بتا رہا ہے کہ حضرت مجدد صاحب یہ بات کسی اور کے متعلق فرما رہے ہیں نہ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اگر آپ کے متعلق عبارت ہوتی تو سرور عالم وغیرہ اس طرح کا کوئی جملہ ہوتا جو حضرت مجدد صاحبؒ کا اکثر معمول ہے پھر فرمانے لگے میرا یہی خیال ہے لیکن مکتوبات بھی دیکھ لینے چاہئیں چنانچہ ہم سب مکتوبات دیکھنے میں مشغول ہوگئے جو حوالہ اشتہار میں تھا وہاں تو یہ عبارت نہ ملی ادھر مکتوبات کا سلسلہ کئی جلدوں اور حصوں پر محیط ہے بظاہر عبارت کا ملنا خاصا مشکل تھا لیکن حضرت اقدسؒ کو مکتوبات سے بہت مناسبت اور تعلق تھا اس لئے جلدی ہی یہ عبارت مل گئی دیکھنے سے اسی حقیقت کی تصدیق ہوئی جو حضرتؒ نے عبارت سنتے ہی فرمائی تھی واقعۃً اس عبارت کا تعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں تھا حضرت مجدد صاحبؒ دراصل اپنے پیرزادگان خواجہ عبیداللہ وغیرہ کو اپنے اس مکتوب گرامی میں تحریر فرما رہے تھے کہ آپ حضرات نے حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے بعد جو بعض غیر شرعی امور اور بدعات شروع کردی ہیں یہ انتہائی افسوس ناک ہیں اگر حضرت والا (یعنی آپ کے والد بزرگوار) زندہ ہوتے اور وہ یہ سب کچھ دیکھتے تو ہرگز اس کو برداشت نہ فرماتے انـــاللّٰہ وانا الیہ راجعون، یہ تھی حقیقت اس حوالہ کی جس پر اتنے شور زور سے دعویٰ کیا جارہا تھا کسی نے صحیح کہا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　　جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

حضرت والد صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور ہم سب کو بطور خاص حضرت مفتی صاحب کو بہت ہی حیرت ہوئی کہ اس شخص نے کس قدر تلبیس سے کام لیا لیکن اس تلبیس کا پردہ چاک حضرت اقدس نے فرمایا ورنہ کافی مشکل پیش آرہی تھی۔ فللّٰہ درہ وعلی اللہ اجرہ.

شخص مذکور نے اشتہار میں یہ اعلان بھی کیا تھا کہ حوالہ غلط ثابت کرنے والے کو اتنا انعام، میں نے حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ اب تو آپ یقیناً انعام کے مستحق ہوگئے ہیں اس سے ضرور انعام لینا چاہئے کیونکہ اس کا حوالہ بدیہی البطلان اور غلط ہے اس پر کافی دیر تک گفتگو کے بعد یہ مجلس برخاست ہوئی۔

جامعہ کی انکوائری کا واقعہ

۱۹۷۰ء کی بات ہے کہ پورا ملک سوشلزم کی لپیٹ میں تھا ملک کے سیاسی افق پر بے دین لوگ

طلوع ہونے کی سوچ رہے تھے ان کی سعی اور کوشش اس کیلئے تیز تر تھی انتخابات کے نام پر ہر جگہ ہنگامے تھے ہر پارٹی استحقاق کی مدعی تھی اہل علم اور ہمارے بزرگوں نے باطل قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مسلمانوں کو اس فتنہ سے بطور خاص آگاہ کیا حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ نے بھی مرکزی جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے ہر ممکن اس کے خلاف کام کیا کئی مضامین بھی قلم بند فرمائے اور فتاویٰ بھی لکھے اور بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب بھی فرمایا ملک کی بدقسمتی کہ انتخاب کے نتیجہ میں وہی پارٹی غالب آ گئی جو دین دشمن تھی اس نے انتقامی کاروائی کا آغاز کیا حضرت کا اسم گرامی بھی چونکہ اس سلسلہ میں نمایاں اور سرفہرست تھا اس لئے جامعہ حقانیہ کی بھی انکوائری ہوئی پنڈی سے بعض ذمہ دار افراد حضرت مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحب صدیقی مہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا کے توسط سے ساہیوال پہنچے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت قاری صاحبؒ بہت گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ پنڈی سے افسران انکوائری کیلئے آئے ہیں پریشانی اور تشویش کی بات ہے حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں کوئی پریشانی نہیں ہے افسران حضرات بھی پہنچ گئے انہوں نے مختلف سوالات کئے جن کا حضرت نے بڑے حوصلہ سے جواب دیا ایک صاحب نے سوال کیا کہ یہ مدرسہ کیسے چل رہا ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ آپ یہاں بیٹھئے آپ کو بھی پتہ چل جائے گا کہ کیسے چل رہا ہے لوگوں کو آپ پر اعتماد ہوگا تو چندہ دیں گے ورنہ نہیں پھر یہ سوال ہوا کہ اگر حکومت مدرسہ کو تحویل میں لیلے تو آپ کا کیا طرز عمل ہوگا حضرتؒ نے فرمایا میرا اسی وقت استعفیٰ ہوگا میں آپ حضرات کی ماتحتی میں ایک منٹ بھی کام نہیں کروں گا اور آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مدرسہ دیوار اور عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ ہم جہاں بیٹھ کر پڑھائیں گے وہی مدرسہ ہوگا ایک افسر نے آخر میں حضرتؒ سے ان کی تنخواہ کا سوال کیا انہیں میں سے ایک صاحب نے کہا کہ علماء حضرات اپنی تنخواہیں صحیح نہیں بتاتے حضرتؒ غصہ میں اٹھے الماری سے تنخواہ کا رجسٹر نکال کر آپ نے ان کے سامنے پھینک کر مارا اور فرمایا وہ حرام خور تنخواہ بتاتے ہوئے ڈرتا ہے جو ایک پیسہ کا کام کر کے سو روپے لے جو سو کا کام کر کے ایک پیسہ لے وہ تنخواہ بتاتے ہوئے کیوں ڈرے گا حضرت قاری جلیل الرحمٰن صاحبؒ نے ان سے کہا کہ مفتی صاحب مدرسہ میں بہت سے کام خود کرتے ہیں حساب و کتاب خود لکھتے ہیں تدریس کرتے ہیں فتویٰ لکھتے ہیں امامت اور خطابت بھی ہے مدرسہ کا اہتمام بھی ہے اس کے علاوہ مصنف بھی ہیں مضامین

ومقالات اور کتابیں بھی تصنیف فرماتے ہیں اس کے باوجود تنخواہ ایک عہدہ کی بھی پوری نہیں لیتے انہوں نے جب تنخواہ دیکھی تو حیران رہ گئے کہ واقعۃً یہ تو ادنیٰ درجہ کے ملازم کی تنخواہ کے برابر بھی نہیں ہے پھر اتنے عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود یہ تنخواہ درحقیقت تنخواہ ہی نہیں ہے آپس میں کہنے لگے کہ بھائی وزیر صاحب کو کسی نے غلط شکایت کی ہے یہ ایسے حضرات نہیں ہیں حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے جب انہوں نے انکوائری مکمل کرلی تو میں نے ان سے کہا کہ کوئی اور بھی اگر آپ کا سوال ہو تو آپ پوچھ لیں کہنے لگے کہ نہیں ہمیں اطمینان ہوگیا ہے اس کے بعد ان سے پانی چائے کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی فرمایا کہ پہلے میں نے اس لئے آپ سے پانی وغیرہ کا نہیں پوچھا کہ آپ اس کو کہیں رشوت نہ سمجھ بیٹھو اب چونکہ آپ کا کام مکمل ہوگیا ہے لہٰذا اب مہمان ہونے کی حیثیت سے اخلاقاً ضروری ہے کہ میں آپ کی قدرے خاطر تواضع کروں یہ حضرات پھر کافی دیر تک مجلس میں بیٹھے رہے اور بڑے محظوظ اور متأثر ہوکر گئے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی بھی اس کے بعد معلوم نہیں کیا کہ انہوں نے کیا رپورٹ کی کسی نے سچ کہا ہے ؎

آں را کہ حساب پاک ست از محتسب چہ باک

﴿ تفسیر بلغۃ الحیران ﴾

خانقاہ سراجیہ کندیاں کے سابق سجادہ نشین حضرت مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری لدھیانویؒ

؁ حضرت العلامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے ان کے شیخ حضرت مولانا احمد خان قدس سرہ نے اپنے بعد اپنا جانشین انہی کو بنایا تھا باوجودیکہ یہ ان کی برادری قبیلہ خاندان میں سے نہ تھے حضرتؒ نے محض دینی بنیاد پر ان کی اہلیت کی وجہ سے انہی کا انتخاب فرمایا یہ آپ کی للّٰہیت کی دلیل ہے حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے زمانہ میں خانقاہ سراجیہ حاضر ہوا ڈاکٹر رانا مطیع الرحمٰن مرحوم کے والد مولانا فیض احمد صاحب میرے ساتھ تھے اسٹیشن پہنچ کر باقی سفر ہم نے پیدل کیا جب خانقاہ پہنچے تو حضرت مولانا موصوف بڑی سادگی سے ریت پر ہی تشریف فرما تھے سلام کے بعد تعارف ہوا حضرت والد صاحبؒ کو خوب جانتے تھے ان کا نام سن کر بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا اور کافی دیر تک باتیں فرماتے رہے اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ آئیں میں تمہیں یہاں کا کتب خانہ دکھاتا ہوں خانقاہ کا کتب خانہ بہت عظیم ہے جو بیش

بہا علمی نوادرات اور مخطوطات پر مشتمل ہے حضرت مولانا احمد خان صاحبؒ نے بڑے ذوق وشوق سے کتابیں جمع فرمائیں یہاں کتابوں کی انتہائی نگہداشت اور قدر کی جاتی ہے بعض معمولی کتابوں کی جلد اتنی اعلیٰ ہے کہ شاید اصل لاگت سے بھی زیادہ پھر کتب خانہ کی حسن ترتیب بلاشبہ دل کش اور قابل داد ہے دور دور سے لوگ آ کر استفادہ کرتے ہیں مختلف علوم وفنون پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کتب خانہ ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ حضرت مولاناؒ نے کتب خانہ خود دکھانا شروع کیا دیکھ کر بہت خوشی ہوئی لیکن یہ دیکھ کر انتہائی تعجب ہوا کہ ایک کتاب بلا جلد ایک الماری میں رکھی ہوئی ہے حضرت مولانا سے میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے تمام کتابوں کی اتنی اعلیٰ جلد ہے مگر ایک کتاب بغیر جلد کے ہے ہنس کر فرمانے لگے کہ تمہیں پتہ ہے کہ کونسی کتاب ہے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا لاؤ میں دکھاتا ہوں کہ یہ کیا کتاب ہے حضرت والد صاحبؒ کتاب اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے گئے فرمانے لگے کہ مولوی صاحب یہ حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں والوں کی کتاب تفسیر بلغۃ الحیران ہے اس میں چونکہ بہت سے مقامات پر جمہور کے مسلک کے خلاف لکھا گیا ہے اس لئے ہم نے اس کی جلد نہیں کرائی کہ خواہ مخواہ کوئی اسے دیکھ کر پڑھنا شروع کردے پھر اس کے چند مقامات نکال کر دکھائے جہاں تفسیر میں تفرد اختیار کیا گیا ہے حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ کتاب کا تعارف پہلے بھی تھا کیونکہ امداد الفتاویٰ میں حضرت اقدس تھانویؒ نے اس کا رد فرمایا تھا مگر کتاب دیکھنے کا موقع نہ تھا پہلی مرتبہ کتاب یہیں دیکھی اور اتنی تفصیل کے ساتھ۔ حضرت مولانا نے بھی اس کا تعارف کرا کر بہت سے قابل اصلاح وتوجہ مقامات کی نشاندہی فرمائی اس کے بعد جواہر القرآن کے نام سے اسی کو بنیاد بنا کر مولانا غلام اللہ خان صاحب نے تفسیر لکھی اس کی پہلی جلد پر ''ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن'' کے نام سے حضرت والد صاحبؒ نے رد لکھا۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب نے ایک مجلس میں تقویۃ الایمان کے ذکر آنے پر فرمایا کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی بہ نسبت ان کی دوسری کتاب ''ایضاح الحق الصریح'' زیادہ بہتر ہے اس کا انداز اس سے بہتر اور مؤثر ہے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے اس پر عرض کیا کہ حضرت یہی بات اس کے متعلق حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی فرمائی اس پر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم نے حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان خود پڑھا ہے میں نے کہا

کہ دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ میں طبع ہوا ہے اور میں نے خود پڑھا ہے اگر دارالعلوم کی فائل یہاں ہو تو کتب خانہ میں تلاش کرنے سے یہ بیان جلد مل جائے گا خادم سے فرمایا کہ کتب خانہ کھول دو والد صاحبؒ نے جلد ہی یہ حوالہ تلاش کر کے حضرت کو سنایا اس پر بہت دعائیں دیں۔

مولانا عبدالہادیؒ کا ارشاد

حضرت مولانا عبدالہادی صاحبؒ شیخ الہند حضرت علامہ محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ کے خاص متعلقین میں سے تھے حضرت شیخ الہندؒ ایک زمانہ تک مالٹا کی جیل میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے کے بعد رہا ہو کر جب دیوبند تشریف لائے تو اسٹیشن پر استقبال کیلئے بے پناہ ہجوم تھا حضرت مولانا عبدالہادی بھی وہاں موجود تھے انہوں نے حضرت کی دور سے زیارت اور دیکھنے کو کافی سمجھا ظاہر ہے کہ اتنے بڑے ہجوم میں حضرت تک پہنچنا ان کیلئے ممکن نہ تھا اچانک حضرت شیخ الہند کی نظران پر پڑ گئی آپ نے زور سے آواز دی ''عبدالہادی'' لوگوں نے نام سنا تو سب نے راستہ دے دیا اس طرح حضرت موصوف کیلئے راستہ بن گیا اور بسہولت حضرت شیخ الہند کی خدمت میں حاضر ہو گئے مصافحہ کیا اور زیارت سے مشرف ہوئے پھر حضرت سے عرض کیا کہ جس طرح آپ نے یہاں یاد رکھا وہاں بھی یاد رکھنا اللہ والوں کی نگاہیں آخرت پر ہوتی ہیں ان کو ہر وقت وہیں کا فکر رہتا ہے اس لئے یہ عرض کیا فرماتے تھے کہ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ حضرتؒ نے مجھے کیسے دیکھ لیا اور کس طرح اچانک ناامیدی کے باوجود میں ان تک پہنچ گیا اس سے یہ امید بھی ہوئی کہ حق تعالیٰ آخرت میں بھی ان حضرات کے طفیل ہم پر اسی طرح رحم فرمائیں گے اور ان کے ساتھ جنت میں جمع فرمادیں گے۔ وما ذالك على الله بعزيز

سبق آموز ارشاد

کراچی کے مدرسہ مظاہر العلوم کھڈہ میں حضرت اقدس شیخ العالم شیخ الہندؒ کے شاگرد حضرت مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقیم تھے یہ بڑے حضرات میں سے تھے اور کراچی کا یہ مدرسہ بڑا پرانا مدرسہ تھا ایک مرتبہ حضرت اقدس والد صاحبؒ کراچی تشریف لے گئے مظاہر العلوم مدرسہ بھی جانا ہوا حضرت مولاناؒ کی زیارت بھی کی انہوں نے سوال کیا کہ آپ کیا کرتے ہیں حضرت والد صاحبؒ نے جواب میں یہ جملہ عرض کیا ''متعلمی بصورت معلّمی'' اس پر بہت خوش ہوئے فرمانے لگے کہ یہ بالکل صحیح ہے انسان ساری عمر طالب علم ہی رہتا ہے کبھی باقاعدہ متعلم کی صورت میں اور کبھی معلم

اور استاد کی صورت میں اس میں کوئی شک نہیں بلا شبہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عمر کے کسی حصہ میں بھی طلب علم ختم نہیں ہوتی اس لئے انسان ہمیشہ طالب علم ہی رہے گا۔

﴿ تدریس ہدایہ ﴾

احقر کے جد امجد حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ عرصہ ریواڑی (ہند) میں بھی تدریس کی ہے وہاں کسی مدرسہ کے استاذ درمیان سال میں چلے گئے تھے اہل مدرسہ نے حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے مدرس کیلئے درخواست کی تو حضرت اقدس نے حضرت جد امجد کو بھیج دیا حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس مدرسہ میں ایک جماعت ہدایہ کی بھی تھی حضرت والد صاحبؒ نے جب ان سے عبارت پڑھوائی اور فرمایا کہ اس کا ترجمہ کر کے مطلب بھی بیان کرو تو وہ طلبہ پریشان ہو گئے کہنے لگے کہ ہم نے تو کبھی اس طرح سبق نہیں پڑھا حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ اب آئندہ سبق اسی طرح ہو گا عبارت تم خود پڑھو گے اور مطلب بھی خود ہی بتاؤ گے چند دن اس میں دقت ہو گی اس کے بعد کوئی پریشانی نہ رہے گی لیکن اس طریقہ سے تمہیں کتاب آجائے گی طلبہ نے اس پر چند یوم عمل کیا تو واقعۃً ان کو بہت نفع ہوا حتی کہ انہوں نے کہا کہ حضرت ہم نے جو حصہ پہلے پڑھا ہے ہم وہ بھی دوبارہ آپ سے پڑھنا چاہتے ہیں اس طرح ان کو خوب نفع ہوا اور کتاب خود بخود حل ہوتی چلی گئی۔

﴿ مدینہ منورہ میں تدریس ﴾

مدینہ منورہ کی پہلی حاضری حضرت والد صاحبؒ کی ۱۳۵۶ھ میں اپنے والد صاحبؒ کے ساتھ ہوئی حضرت اقدس مدنیؒ کے برادر جناب حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ میں مدرسۃ العلوم الشرعیہ بنا رکھا تھا حضرت جد امجد جب وہاں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ ہم آپ کے منتظر تھے اچھا ہوا کہ آپ پہنچ گئے ہیں آپ کیلئے ہم نے مدرسہ میں جگہ خالی رکھی ہوئی ہے لہٰذا اب آپ پڑھانا شروع کر دیں چنانچہ کچھ اسباق انہوں نے عطا فرمائے ان میں بعض کتابیں ایسی تھیں جو ہندوستان میں نہیں پڑھائی جاتی تھیں اسلئے حضرت جد امجد نے کہا کہ حضرت یہ فلاں فلاں کتابیں ہمارے ہاں نہیں پڑھائی جاتیں اس لئے میں نے نہیں پڑھیں ان کو میں کیسے پڑھاؤں گا انہوں نے فرمایا کہ مولوی صاحب عالم کیلئے پڑھا نہ پڑھا برابر ہوتا ہے اس لئے ان کتابوں کا پڑھانا

آپ کیلئے مشکل نہیں ہے چنانچہ ان کے حکم پر حضرتؒ نے سب کتابیں پڑھائیں اور حضرت مولانا کا ارشاد درست ثابت ہوا حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ عالم کیلئے پڑھی بے پڑھی کتابیں برابر ہوتی ہیں لیکن اب فرق یہ ہے کہ پہلے بے پڑھی کتابیں بھی پڑھی ہوئی شمار ہوتی تھیں عالم اپنی استعداد اور مطالعہ سے بے پڑھی کتابیں بھی پڑھا سکتا تھا اب پڑھی ہوئی بھی بے پڑھی کی طرح ہوجاتی ہیں یہ تعلیم میں انحطاط اور تنزل کی وجہ سے ہے اس لئے ضرورت ہے کتاب کو محنت سے پڑھا جائے اگر مشکل کتابیں سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو پھر سب کتابیں آسان ہوجاتی ہیں آج کل مشکل کتابیں پڑھنے اور ان کو سمجھنے کا رواج نہیں رہا اس لئے جو کتابیں نہیں پڑھیں ان کو حل کرنا مشکل ہوتا ہے۔

درس میں علماء حرم کی شرکت

حضرت والد صاحب نوراللہ مرقدہ نے کئی مرتبہ یہ واقعہ سنایا کہ جب مدینہ منورہ کے قیام میں حضرت والد صاحبؒ مؤطا امام مالکؒ پڑھاتے تھے تو آپ کا سبق حرم نبویؐ میں ہوتا تھا آپ سبق کی تشریح اور تقریر عربی میں فرماتے تھے حرم نبویؐ کے بعض اساتذہ حضرات بھی سبق میں شریک ہوتے تھے حضرت والد صاحبؒ نے ان سے ایک مرتبہ فرمایا کہ موطا امام مالکؒ آپ کے مذہب کی کتاب ہے اسے آپ ہم سے زیادہ بہتر طریقہ سے سمجھتے ہیں ہم چونکہ مذہب حنفی کے پیروکار ہیں اس لئے ہم زیادہ نہیں سمجھ سکتے آپ یہاں سبق میں شریک ہوتے ہیں اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوتا ہے انہوں نے جواب میں کہا کہ ہمیں یہاں کافی فائدہ ہوتا ہے یہ تو صحیح ہے کہ ہم اپنے مذہب کو آپ حضرات سے زیادہ سمجھتے ہیں لیکن احادیث میں تعارض کی صورت میں تطبیق کا جو فن آپ کے پاس ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہے یہاں ہم وہ سننے آتے ہیں آپ تعارض کی صورت میں جو تطبیق دیتے ہیں اس کو ہم جا کر اپنے طلبہ کو اپنے سبق میں بیان کرتے ہیں۔ یہ ان حضرات کے غایت درجہ انصاف اور قدر دانی کی بات تھی یہ حضرات دوسرے مذہب کے ساتھ بھی ادب واحترام کا معاملہ فرماتے تھے حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ احناف کا قول یہ حضرات **قال سادتنا الحنفیه** کہہ کر پیش کرتے تھے لیکن اب ادب واحترام کا دور ختم ہوگیا ہے۔ فالی اللہ المشتکی من دید الزمان المملو من الشرو الطغیان

شان تفقہ

حج کے موقع پر طواف کے بعد ایک صاحب نے حضرت دادا جان قدس سرہ سے سوال کیا کہ

حضرت مطاف میں بعض حضرات کی قبور مطہرہ بھی ہیں جب لوگ طواف کرتے ہیں سب اپنے پاؤں سے ان قبور مطہرہ پر چل رہے ہوتے ہیں جو یقیناً بے ادبی ہے حضرت نے جواب میں فرمایا کہ نہیں کوئی بے ادبی کی بات نہیں ہے اسلئے کہ حضرات انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمارے روحانی باپ اور والد ہیں ہم ان کی اولاد ہیں اور اولاد اپنے ماں باپ کے سینوں پر پھرا ہی کرتی ہے اس جواب سے وہ سائل بڑے مطمئن اور مسرور ہوئے واقعۃً یہ بڑا عاشقانہ جواب تھا خشک عالم ایسا جواب ہرگز نہیں دے سکتا۔

روضۂ اطہر کا ادب

بہت عرصہ کی بات ہے کہ حضرت والد صاحب قدس سرہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک اسلامی ملک کے سربراہ نے روضۂ اطہر پر حاضر ہونے کیلئے مدینہ منورہ کے گورنر کو اطلاع دی انہوں نے سلطان کے استقبال کیلئے بڑا اعلیٰ انتظام کیا اسی طرح روضہ اطہر پر حاضری کیلئے بھی جگہ خالی کرانے کا اہتمام کیا گیا سلطان مدینہ منورہ پہنچے تو کافی دور کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام عرض کیا لوگوں کو بڑی حیرانی ہوئی کہ ان کو زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کا موقع تھا پھر دور سے کیوں انہوں نے سلام عرض کیا ان کو تو زیادہ سے زیادہ قریب ہوکر سلام عرض کرنا چاہئے تھا جب ان سے پوچھا گیا تو وہ کہنے لگے کہ اگر اس سے بھی دور کھڑے ہوکر میں صلوٰۃ وسلام عرض کرسکتا تو اس سے بھی دور کھڑا ہوجاتا کیونکہ میرے جیسے گناہگار کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا ادب کے خلاف ہے حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مجھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔

مدینہ منورہ کی حاضری کے موقع پر ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت والد صاحبؒ سے کہا کہ روضۂ اطہر کی جالی چومنے سے یہاں کے لوگ سختی سے منع کرتے ہیں اس بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے منع تو ہم بھی کرتے ہیں اور یہ حضرات بھی مگر وجہ منع میں فرق ہے یہ حضرات اس لئے منع کرتے ہیں کہ ان کے ہاں یہ شرک ہے اور ہم اس لئے منع کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں یہ ادب کے خلاف ہے کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتنا قرب ہمارے لئے مناسب نہیں۔

النور اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے

حضرت مولانا...... چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ہمارے ہاں تشریف لائے حضرت والد صاحبؒ انہیں گھر لے گئے نیچے کی منزل میں تخت پر تشریف فرماتھے احقر کے بڑے بھائی عبدالنور کو

حضرتؒ نے ان کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے نام پوچھا حضرت نے عبدالنور نام بتایا اس پر انہیں حیرانگی ہوئی فرمانے لگے عبد کی اضافت نور کی طرف کیسی ہے کیا نور اسمأ حسنیٰ میں سے ہے حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں ''النور'' حق تعالیٰ کا نام ہے اور اسمأ حسنیٰ میں شامل ہے پھر انہیں مشکوٰۃ شریف سے حق تعالیٰ کے نام میں النور دکھایا تو وہ بہت خوش ہوئے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔

حضرت رائپوریؒ کی والد صاحبؒ پر شفقت

فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں میرے والد صاحبؒ کبھی کبھی حاضر ہوتے تھے حضرت کے ہاں سادات کا بڑا احترام تھا اس لئے ان کے حاضر ہونے پر حضرت رائے پوریؒ بڑے اکرام اور شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے پہلے ان کیلئے بیٹھنے کا خاص انتظام فرماتے اس زمانہ میں خاص نشست کیلئے موڑھا بچھایا جاتا تھا چنانچہ حضرتؒ کے حکم سے پہلے وہ بچھایا جاتا پھر والد صاحبؒ کو حضرتؒ اس پر بٹھاتے تھے اور یہ بھی فرما رکھا تھا کہ جب یہ آئیں مجھے فوری اطلاع کی جائے انہیں انتظار نہ کرایا جائے یہ حضرت رائپوریؒ کی حضرت والد صاحبؒ پر غایت شفقت تھی چنانچہ جب بھی انہیں رائپور جانے کا اتفاق ہوتا ہمیشہ اسی اکرام واعزاز کا معاملہ ان کے ساتھ کیا جاتا..................................فقط ۲۰ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ ۱۳ جون ۲۰۰۱ء

نوٹ: مورخہ ۱۰ رشوال المکرّم ۱۴۱۵ھ کو حضرت مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی، مولانا عبدالدیان سلیمی لاہور سے حضرت اقدس کی خدمت میں بغرض تیمارداری ساہیوال پہنچے دوران مجلس حضرت کے بعض ارشادات قلم بند کر لئے گئے جو ذیل میں درج ہیں۔

اہل اللہ سے تعلق

بحمد اللہ تعالیٰ اب میری صحت کافی بہتر ہے آپ حضرات کے آنے سے بہت خوشی ہوئی میں اس لحاظ سے اپنی بیماری کو بہتر سمجھتا ہوں کہ حضرات علمأ کرام عیادت کیلئے آرہے ہیں ان سے ملاقات ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماویں اور سب حضرات کو خوش رکھیں جزائے خیر سے نوازیں۔ اہل اللہ سے نسبت اور وابستگی بڑی نعمت اور دولت ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس والد ماجد مفتی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے وابستگی عطا فرمادی یہ محض ان کا کرم ہے اس کی ادنیٰ اہلیت بھی میں اپنے اندر نہیں پاتا حضرت حکیم الامتؒ کے دربار میں

رہنے کی ہی یہ برکت تھی کہ وہاں بہت سے اہل اللہ علماء کرام ومشائخ عظام کی زیارتیں نصیب ہوگئیں چونکہ حضرتؒ کی ذات گرامی سب کیلئے مرجع تھی اور سب ہی بڑے چھوٹے وہاں حاضر ہوتے تھے اس لئے بلا استحقاق مفت میں ہی ان کی زیارتیں ہوگئیں اگر حضرتؒ کے ہاں قیام نہ ہوتا تو پھر میں اس عمر میں ان حضرات کی زیارتیں کیسے کرسکتا حضرت مدنیؒ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، نائب امیر شریعت بہار مولانا سجاد حسین صاحبؒ کی زیارت سب سے پہلے تھانہ بھون میں ہی ہوئی اس وقت میری عمر بارہ سال کی ہوگی یہ حضرات ''حیلہ ناجزہ'' کے بعض مسائل پر گفتگو کیلئے تھانہ بھون تشریف لائے تھے حضرت والد صاحبؒ نے بھی تھانہ بھون میں ان حضرات کی تشریف آوری کا تذکرہ ''حیلہ ناجزہ'' کے حاشیہ پر فرمایا ہے یہ ۱۳۵۴ھ کی بات ہے میں اس زمانہ میں مدرسہ امداد العلوم میں قرآن کریم حفظ کرتا تھا مجھے ان حضرات کی زیارت ان کا دیکھنا آپس میں گفتگو کرنا خوب یاد ہے اصل مسئلہ زیر بحث کیا تھا اس وقت یہ معلوم نہ تھا کیونکہ عمر چھوٹی تھی بعد میں ''حیلہ ناجزہ'' دیکھنے سے پتہ چلا۔

صحابہ کرامؓ کی عظمت

اصل چیز یہ ہے کہ علم کے ساتھ تعمق بھی ہو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو علم کے ساتھ تعمق اور گہرائی بطور خاص عطا فرمائی گئی تھی اور یہ اعلیٰ درجہ کا وصف ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صحابہ کرام کی تعریف میں اوسعھم علماً کی بجائے اعمقھم علماً فرمایا ہے حضرات صحابہ کرامؓ کو یہ شرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی بدولت نصیب ہوا بعد کے حضرات علم میں ترقی کرسکتے ہیں مگر شرف صحبت چونکہ ان کو حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے کسی ادنیٰ درجہ کے صحابی کے برابر بھی نہیں ہوسکتے صحابہ کرامؓ کو آپ سے اعلیٰ درجہ کی محبت اور عشق تھا جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو فنائیت پیدا ہوجاتی ہے جو کلید سعادت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر صحابی میں یہ وصف موجود تھا بعد کے لوگ صحابہ کرامؓ کی زیارت اس لئے کرتے تھے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے یہ عشق اور محبت کی بات ہے اگر اصل محبوب نہ ملے تو اس کے دیکھنے والوں ہی کو ہی دیکھ لیا جائے جیسا کہ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اس مرتبہ حاجی محمد افضل صاحب خلیفہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے ملاقات ہوئی عصر کی نماز کے بعد وہ خود ہی مسجد حسن میں بطور خاص تشریف لائے اور فرمایا کہ میں یہاں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے تعلق اور نسبت رکھنے

والوں کا اجتماع ہے اس لئے حضرتؒ کے دیکھنے والے بھی اس میں ضرور موجود ہوں گے اب حضرتؒ تو موجود نہیں ہیں لیکن ان کے دیکھنے والوں سے ہی ملاقات کر لی جائے موصوف نے بڑی کام کی بات فرمائی یہ وہی عشق وفنائیت کا مقام ہے جس کا ذکر پہلے کیا جارہا تھا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ جب پاکستان اپنے گاؤں تشریف لائے تو لوگ ان کی زیارت کرنے آتے تھے کہ انہوں نے حضرت حکیم الامتؒ کی زیارت کی ہے یہ محض نسبت کا لحاظ اور محبت کی بات ہے۔

حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ

حضرت اقدس تھانویؒ کے خلفاءؒ میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے بعد فنائیت کی شان حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ میں تھی حضرت اپنی اولاد کو بھی اسی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے جامعہ اشرفیہ کو بھی انہوں نے اسی طرز پر قائم رکھا حتیٰ کہ وصیت بھی فرمائی کہ حضرت تھانویؒ سے خوب تعلق رکھنے والے اساتذہ کو جامعہ میں رکھا جائے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو اپنے شیخ سے کس قدر عقیدت ومحبت تھی

حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو بڑا علم اور فقہ سے بڑی دلچسپی اور خاص مناسبت عطا فرمائی تھی حکیم الامت حضرت تھانوی کے مدرسہ میں جن حضرات نے فتاویٰ کا کام سیکھا اور فتاویٰ لکھے حضرت مفتی صاحب کا شمار بھی انہیں میں ہوتا تھا حضرت حکیم الامتؒ کے آخری دور حیات میں مفتی صاحب نے وہاں فتاویٰ کا کام کیا حضرت کو ان پر بہت خاص اعتماد تھا بہت سے کاموں میں حضرت نے ان کو شریک رکھا مسودہ قانون وقف، احکام القرآن کی تالیف اور فتاویٰ لکھنے میں حضرت کا ان پر اعتماد بہت بڑی بات ہے حضرت مفتی صاحبؒ نے فتاویٰ کا کام بہت ہی محنت سے کیا تقسیم ملک کے بعد پاکستان جامعہ اشرفیہ میں اس کام پر بہت ہی محنت فرمائی ایک ایک مسئلہ پر رسالہ بلکہ کتاب تحریر فرما دی افسوس کہ ان کے فتاویٰ کا ریکارڈ محفوظ نہیں ہے ورنہ امت کیلئے یہ بہت بڑا علمی وفقہی ذخیرہ اور ان کیلئے صدقہ جاریہ ہوتا۔ اب ان کے فتاویٰ کی جمع کا کام شروع ہوا ہے خدا کرے کہ تکمیل ہو جائے اور طبع ہو کر مسلمانوں تک جلد پہنچ جائے حضرت مفتی صاحب کی وفات سے بہت بڑا خلا ہو گیا ہے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو جن حضرات سے خاص تعلق اور اعتماد تھا ان کا سلسلہ حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات پر ختم ہو گیا۔

﴾ اماجی پیرانی صاحبہؒ ﴿

احقر کا بچپن تھانہ بھون میں گذرا حضرت اقدس تھانویؒ کے گھر بھی خوب آنا جانا تھا حضرت اماں جی پیرانہ صاحبہؒ بھی بڑی شفقت فرماتی تھیں ان کی عنایات کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا چنانچہ ایک مرتبہ ٹوبہ سے واپسی پر براستہ ساہیوال سرگودھا تشریف لے جارہی تھیں ساہیوال پہنچ کر فرمانے لگیں کی یہاں عبدالشکور بھی تو رہتا ہے ان کے گھر چلنا ہے چنانچہ گھر پر قدم رنجہ فرما کر احسان عظیم فرمایا احقر کو اس دن جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے مجھے یوں محسوس ہوا کہ حضرت تھانویؒ تشریف لے آئے ہیں یہ ''کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسید'' والی بات تھی اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے درجات کو بلند فرماویں اوران کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ پھر مولانا وکیل احمد صاحب سے فرمایا کہ آپ کی والدہ صاحبہ بھی چونکہ تھانہ بھون میں مقیم تھیں اس لئے ہم بچپن میں آپ کے گھر بھی بے تکلف چلے جاتے تھے آپ کی والدہ بھی ہم پر بہت شفقت فرماتی تھیں حضرت پیارے میاںؒ نے حضرت والد صاحبؒ سے پڑھا بھی تھا اس لئے وہ خاص محبت فرماتے تھے اصل چیز یہی اللہ والوں سے تعلق ہی ہے اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی ہمیں اس کا نفع عطا فرمائیں۔ آمین

﴾ اعتذار ﴿

از مؤلف

احقر حیات ترمذیؒ یہاں تک ہی لکھ پایا تھا کہ اس کی طباعت کا مرحلہ آن پہنچا اس لئے سردست مجھے انہیں چند ابواب پر ہی اکتفا کرنا پڑا۔

میں نے پیش لفظ میں بھی عرض کر دیا تھا کہ حضرت والد گرامی قدس سرہ کی یہ مکمل سوانح حیات نہیں ہے بلکہ چند ابواب پر مشتمل ایک ناتمام سوانحی خاکہ ہے جسے اس وقت: ع ''مالایدرک کله لا یترک کله'' کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔

چونکہ کتاب کے کئی ابواب ابھی تشنہ تکمیل ہیں اس لئے قارئین ان کی تکمیل کیلئے خصوصی دعا فرماویں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ''حیات ترمذیؒ'' آئندہ ایڈیشن میں اپنے پورے ابواب پر مشتمل ہوگی۔ واللہ الموفق والمعین۔ فقط دعاجو: احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ ولوالدیہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا یکم محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

حضرت فقیہ العصرؒ کے فقہی افادات

جمع وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب مدظلہ ادارہ غفران، راولپنڈی

حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی فقہی خدمات وافادات پر تفصیل سے لکھنے کا خیال تھا لیکن وقت کی کمی کی بنا پر فی الحال احقر اس عنوان پر کچھ نہ لکھ سکا، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کسی وقت اس عنوان پر تفصیل پیش کی جائے گی، سردست حضرتؒ کے فقہی افادات کے عنوان سے برادرم جناب مولانا مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم کا مقالہ ہدیہ قارئین ہے جو انہوں نے حضرت اقدسؒ کے فتاویٰ اور مختلف رسائل وتحریرات کی روشنی میں مرتب کیا ہے اس میں حضرتؒ کے افادات فقہیہ کی ایک جھلک آ گئی ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے اللہ تعالیٰ نافع اور قبول فرمائیں۔ آمین　　　　احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ ۲۱۔ ذوالحجہ ۲۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے مشہور خلیفہ اور جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ کے صاحبزادے، جید عالم دین، حدیث وفقہ اور اسلامی علوم میں گہری نگاہ رکھنے والے عظیم المرتبت عالم، برصغیر پاک وہند میں علوم اسلامیہ کے تاریخی مرکز دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید ہیں۔ ہند کے ظلمت کدوں میں دین اسلام کی روشن تعلیمات اور صحیح عقائد کی ابدی صداقتوں کا چراغ روشن کرنے والے علمائے دیوبند یعنی اہل سنت والجماعت کے عقائد کی وضاحت اور اکابر واسلاف کے مسلک ومزاج کی تشریح اور فقہ وتفقہ کے میدان میں حضرت ترمذی رحمہ اللہ ایک سند کا درجہ رکھتے تھے،

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریباً نصف صدی تک فقہ اور تفقہ کی عبادت اور خدمت میں مصروف رہے، اور اس دوران آپ نے نہ صرف بے شمار الجھے ہوئے اور پیچیدہ فقہی مسائل کو حل فرمایا، بلکہ بڑے بڑے مفتیانِ کرام کی الجھنوں کو بھی دور فرمایا، آپ کے فقہی مسائل اور فتاویٰ کی تعداد تو ہزاروں میں ہے، جن کو کسی مختصر مقالہ میں جمع نہیں کیا جا سکتا، اور یہ کام تفصیل طلب بھی ہے یہاں آپ کے بعض تحقیقی، علمی اور فقہی فتاویٰ اور تحریرات کو درج کیا جاتا ہے، تاکہ آپ کی فقہی بصیرت اور علمی مقام کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔ مگر یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ کوئی باضابطہ فتاوٰی کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ اس تحریر میں صرف حضرت والا رحمہ اللہ کی فقہی تحقیقات و خدمات اور آپ کے فتوٰی نویسی کے انداز اور آپ کے طریقِ استدلال کی ایک جھلک دکھلانا مقصود ہے، تمام تحقیقات فقہیہ کو جمع کرنا مقصود نہیں ہے لہٰذا یہاں حضرت کی تحریرات و تحقیقات کو ہی بعینہٖ نقل کیا جائے گا، البتہ افہام وتفہیم کیلئے صرف بوقت ضرورت اور بقدرِ ضرورت ترمیم پر اکتفاء کیا ہوگا۔ یاد رہے کہ یہ تمام افادات حضرتؒ کے غیر مطبوعہ فتاویٰ اور بعض مطبوعہ رسائل و مضامین سے ماخوذ ہیں اور ان سب کے عنوانات احقر کی طرف سے ہیں۔

﴿۱۔ وطن اقامت کے سفرِ شرعی سے باطل ہونے کی تحقیق﴾

(وطن الارتحال لایبقیٰ ببقاء الاثقال)

یہ مسئلہ ملک کے اہلِ علم اور مفتیانِ کرام کے درمیان زیرِ بحث تھا کہ اگر انسان کسی دوسری جگہ میں جا کر اقامت اختیار کر لے، اور پھر کسی وقت اس جگہ سے سفر کرے یا اپنے وطن آ جائے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس اقامت والی جگہ واپسی کی نیت ہو، تو کیا ایسی صورت میں وطنِ اقامت کی حیثیت ختم ہو جائے گی یا نہیں۔ اور اگر ختم ہو جائے گی تو اس میں کیا شرائط ہیں؟ اس بارے میں بعض اہلِ علم حضرات کی رائے یہ تھی کہ جس جگہ کو ایک دفعہ وطنِ اقامت بنا لیا جائے تو اس کی حیثیت اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک وہاں سے اپنا ساز و سامان لے کر انسان منتقل نہ ہو جائے، اور بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ اگر وہاں واپسی کی نیت ہے تو ساز و سامان کے ساتھ منتقل ہونے سے بھی اس کی حیثیت ختم نہ ہوگی۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ وطن اقامت اپنے وطن میں جانے اور سفر شرعی سے ختم ہو جاتا ہے۔ فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ کے پاس یہ تمام آراء مع

دلائل ارسال کی گئیں تو آپ کے یہاں سے اس سلسلہ میں درجِ ذیل تفصیلی وتحقیقی جواب تحریر فرمایا گیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: فقہائے کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ وطنِ اقامت سفرِ شرعی سے مطلقاً (یعنی ہر حال میں) باطل ہوجاتا ہے، سفرِ شرعی سے واپسی پر اگر اُس پہلے موضع اقامت (اقامت والی جگہ) میں پندرہ یا اس سے زیادہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ ہو تو نماز قصر کے ساتھ ادا کرنی ہوگی۔ کتبِ فقہ وفتاویٰ میں کہیں بھی یہ قید نہیں ہے کہ ''وطنِ اقامت سفرِ شرعی سے اُس وقت باطل ہوگا جب اُس سفر کے ساتھ اپنے سامان وغیرہ کو بھی منتقل کرلے'' فقہاء نے وطنِ اقامت کے بُطلان کے لئے سفرِ شرعی کو تو ذکر فرمایا ہے، مگر وطنِ اقامت کی وطنیت کو ختم کرنے لئے اس قید کا ذکر نہیں کیا، بلکہ سفرِ شرعی سے وطنِ اقامت کے علی الاطلاق باطل ہونے کو بیان فرمایا ہے، عام کتبِ فقہ وفتاوٰی میں یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے، اکابرینِ کرام کے فتاوٰی بھی اسی کے مطابق ہیں۔ الدرالمختار ردالمحتار، عینی شرح کنز، فتاویٰ عالمگیریہ، مراقی الفلاح، ہدایۃ، فتح القدیر، فتاوٰی تاتارخانیہ، الجوہرۃ النیرۃ وغیرہ کتب کے دیکھنے سے یہ بات واضح ہے، نیز امدادالفتاوٰی، فتاوٰی دارالعلوم دیوبند، کفایت المفتی، اور فتاوٰی رحیمیہ وغیرہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ صاحبُ البحرالرائق علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ نے بغیر کسی تقیید کے اس مسئلہ کو یوں بیان فرمایا ہے:

واما وطن الاقامة فهوالوطن الذى يقصد المسافر الاقامة فيه وهو صالح لها نصف شهر وهو ينتقض بواحد من ثلاثة بالاصلى لانه فوقهٔ وبمثلهٖ وبالسفر لانهٔ ضدهٔ(البحر الرائق ج ٢ ص ١٣٦) علامہ نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ایک مثال سے اس طرح فرمائی ہے:

مثالهٔ قاهرى خرج الى بلبيس فنوى الاقامة بها نصف شهر ثم خرج منها فان قصد مسيرة ثلاثة ايام وسافربطل وطنهٔ ببلبيس حتى لومربهٖ فى العود لايتم وان لم يقصد ذالک وخرج الى الصالحية فان نوى الاقامة بها نصف شهر اتم بها وبطل وطنهٔ ببلبيس حتى لوعاد اليه مسافرًالايتم وان لم ينوالاقامة لم يبطل وطنهٔ ببلبيس حتى يتم اذا دخله (بحر ج ٢ ص ١٣٦)

اس مثال میں وطنِ اقامت کے باطل ہونے کے لئے فقط سفرِ شرعی کو ہی ذکر فرمایا گیا ہے ،اس میں سفرِ شرعی کے ساتھ کسی اور قید کا کوئی ذکر نہیں ہے۔اسی طرح مجمع الانہر میں بھی بغیر کسی قید کے وطنِ اقامت کے لئے سفرِ شرعی کو مبطل قرار دیا گیا ہے، چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے:

(و)یبطل (وطن الاقامة)......(بمثلہٖ)لان الشئ یرتفض بمثلہٖ حتی لو نوی الاقامةفی بلد ثم راح منه واقام فی بلد آخر واتی البلد الاول قصر مالم ینوالاقامةثانیاً (والسفر)ای یبطل وطن الاقامة به لانه ضد الاقامةفلا یبقی معه حتی لونوی الاقامة فی بلد ثم سافرثم اتی ذالک قصر مالم ینوھا (والاصلی)ای یبطل وطن الاقامةبه لانه اقوی من وطن الاقامةحتی لونوی الاقامة ثم دخل وطنه الاصلی ثم دخل ذالک البلد قصر ما لم ینوھا(مجمع الانھر ج ا ص ۱٦۴)

معلوم ہوا کہ سفرِ شرعی وطنِ اقامت کے لئے علی الاطلاق مبطل ہے،فقہائے کرام اس میں کسی قید کو ذکر نہیں فرماتے اور نہ ہی انہوں نے اس کو کسی شرط سے مشروط کیا ہے،فلہٰذا صحیح یہی ہے کہ سفرِ شرعی سے وطنِ اقامت باطل ہو جائے گا، چاہے موضعِ اقامت سے سامان وغیرہ کو منتقل نہ بھی کیا ہو اوراس جگہ واپس آ کر اگر پندرہ یوم ٹھہرنے کی نیت نہ کی تو نماز میں قصر کرے گا ،اس مسئلہ کی تفصیل کتبِ محولّہ بالا میں اسی طرح موجود ہے۔رہا محیط سرخسی رحمہ اللہ کا جزئیہٗ ذیل ''**ولو کان لهٗ اھل بالکوفة..... کوطن الاقامة یبقی ببقاء الثقل وان اقام بموضع آخراھ**(بحر ج ۲ ص ۱۳٦)'،تو اس سے اگر چہ بادی النظر (ظاہری نظر) میں معلوم ہوتا ہے کہ محض سفرِ شرعی وطن اقامت کے لئے مبطل نہیں ہے بلکہ وہ سفر مبطل وطن اقامت ہوگا جس میں ارتحال مع الثقل (ساز وسامان سمیت کوچ کرنا) ہو،لیکن محض اس جزئیہ کی بنا پر یہ استدلال کہ سفر سے وطنِ اقامت کا بطلان ارتحال مع الثقل سے مقید ہے خلافِ دأبِ فتویٰ ہے، کیونکہ ظاھرالروایۃ اور تمام متون میں یہ قید کہیں بھی مذکور نہیں ہے،لہٰذا فتویٰ ''مفتیٰ بہٖ'' پر دیا جائے گا ،نہ کہ اس کے خلاف اس جزئیہ پر، جب کہ خود صاحبُ البحر الرائق اس کو نقل فرما کر بعد میں وطنِ اقامت کے بطلان کو بیان فرماتے ہوئے اس قید کا کہیں ذکر نہیں فرماتے اگر یہ قید واقعی مؤثر ہوتی تو وہ بھی اور دیگر فقہائے کرام بھی اس کو ضرور ذکر کرتے ،ان کا معرضِ بیان میں اس کو ذکر نہ کرنا اس کے عدمِ لحاظ کا بیان ہے۔پھر اس میں یہ احتمال

بھی موجود ہے کہ جس سفر کا اس میں ذکر کیا گیا ہے ممکن ہے وہ سفرِ شرعی نہ ہو، بلکہ سفرِ شرعی سے کم ہو، اگر یہ صورت تسلیم کر لی جائے تو یہ جزئیہ ظاھر الروایۃ کے خلاف نہ ہوگا، اور اس کا بھی وہی مفہوم ہوگا جو اس مسئلہ کے متعلق متون اور شروح میں مذکور ہے، اور یہی زیادہ بہتر ہے کہ اس جزئیہ کی ایسی تاویل کی جائے کہ یہ ظاہر الروایۃ کے موافق ہو جائے بہرحال نہ یہ جزئیہ مفتیٰ بہ ہے اور نہ ہی اس احتمال مذکور کے ہوتے ہوئے اس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ ارتحال مع الثقل مبطل وطنِ اقامت ہے **کما لایخفیٰ علٰی من لهٔ ادنیٰ مسکة بالفقه** ۔حضرات فقہاء نے وطنِ اصلی اور وطنِ اقامت کے بطلان کے مابین جو فرق بیان فرمایا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ارتحال کی شرط وطنِ اصلی کے بطلان کے لئے ہے، نہ کہ وطنِ اقامت کے بطلان کیلئے، کیونکہ اگر وطنِ اقامت کے بطلان کے لئے بھی اس شرط کو ضروری قرار دیا جائے تو شرعی سفر سے وطنِ اصلی اور وطنِ اقامت کے بطلان کے مابین کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔ جبکہ فقہ کی تمام کتب میں تصریح ہے کہ وطنِ اصلی سفرِ شرعی سے باطل نہیں ہوتا اور وطنِ اقامت سفرِ شرعی سے باطل ہو جاتا ہے۔ فقہاء کرام کا بیان کردہ فرق مابین الوطن الاصلی ووطن الاقامہ بھی اسی بات کا مقتضی ہے کہ سفرِ شرعی مطلقاً وطنِ اقامت کیلئے مُبطِل ہے بقاءِ ثقل یا عدمِ بقاءِ ثقل پر اس کا مدار نہیں ہے۔ بدائع الصنائع کی عبارت ''**ووطن الاقامة ینتقض بالسفر ایضاً الخ**''، میں بھی سفر کے ساتھ سامان وغیرہ کے منتقل کرنے کی کوئی قید نہیں ہے، لہٰذا اس عبارت کی بناء پر سفر کو نقلِ ثقل سے مقید کرنا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ صاحبِ بدائع نے اس میں نقلِ ثقل کو وطنِ اقامت کے بُطلان کی علت نہیں بنایا۔ حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک تیسرے فریق کی تحقیق صحیح اور حق ہے کہ '' وطنِ اقامت مطلقاً سفرِ شرعی سے باطل ہو جاتا ہے'' یہ تحقیق فقہ حنفی کے متون وشروحِ حواشی ظاہر الروایۃ کے بالکل مطابق ہے اور ہمارے اکابر حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ سے لے کر حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ تک سب اس پر متفق ہیں بحر اور بدائع کی عباراتِ مذکورہ جن سے فریق اول نے استدلال کیا ہے وہ سب اِن (اکابر) کے سامنے تھیں، مگر کسی نے ان کو بنیاد بنا کر یہ فتویٰ نہیں دیا کہ بقاءِ ثقل کے ہوتے ہوئے سفرِ شرعی سے وطن ِاقامت باطل نہیں ہوتا، پھر فقہاء کرام جس سفرِ اقامت کا ذکر کر رہے ہیں اس کو آج کل کے سفر اقامت سے ادنیٰ واضعف قرار دے کر موجودہ ملازمین کے وطنِ اقامت سے اس کو مستثنیٰ قرار دینا بھی

خلافِ دلیل ہے، کیا فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے دور میں صرف ایسا ہی سفر پیش آ تا تھا جس میں آ دمی کوقرار نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں صرف حاجت کے لئے مختصر قیام ہوتا تھا اور وہ ممتد ہوجاتا تھا؟ یہ مفروضہ خلافِ عقل اور بلادلیل ہے، بالفرض اگر اسے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو بھی فقہاء ایسے بے شمار مسائل بیان فرماتے ہیں جو ممکنۃ الوقوع ہوں، کیا اُس دور میں ہمارے زمانہ کے اِس وطن اقامت کا امکان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا؟ اس قسم کی باتیں فقہاء کرام سے اس دور میں اعتماد اٹھانے کے لئے کافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر ان حضرات کے دور میں یہ صورت نہ تھی، تو ہمارے زمانہ کے ممتاز فقہاء کرام کے زمانہ میں تو اس کا عام شیوع تھا، انہوں نے اس کو کیسے نظرانداز فرمادیا؟ پس فقہاء کے کلام میں مذکور وطنِ اقامت کو آج کل کے ملازمین کے وطنِ اقامت سے الگ قرار دے کر اس کا حکم مثل وطن ِاصلی بیان کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور میں کثرت سے یہ صورتِ حال پیش آتی تھی، مگر وہاں کے اکابر نے طلبہ اور ملازمین کے لئے کبھی یہ فتویٰ نہیں دیا کہ وطنِ اقامت سفر سے بغیر نقلِ ثقل کے باطل نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے فتاویٰ میں کہیں بھی اس کی تصریح نہیں ہے ،حالانکہ آج کل کے ملازمین کا وطن اقامت بھی یہی ہے جو اُن حضرات کے دور میں ملازمین کا تھا۔ حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ کی عبارت سے فریق ثانی کی رائے کی علی الاطلاق تائید نہیں ہوتی کیونکہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی عبارت کے سیاق وسباق سے کچھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ وطنِ اصلی سے متعلق ہے، اِس کا وطن اقامت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ **ھٰذا ماعندی ولعل عند غیری حسن من ھذا. واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب**

کتبہ احقر سید عبدالقدوس ترمذی، غفرلہ جامعہ حقانیہ

ساہیوال سرگودھا ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ

اقول وباللہ التوفیق نعم التحقیق وبالقبول حقیق ونعم الجواب وھو عین الصواب:

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے فتویٰ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں تصریح ہے کہ تزوج کے بعد اہل (گھر والوں) کا مکہ میں رکھنا اس (اقامت) کا سبب تھا (لہٰذا) صرف تزوج سے (کوئی مقام) وطنِ اصلی نہیں بنتا۔ آگے حضرت عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''وطنِ اصلی وہ ہے جس میں تعیش مع الاہل ہو اور وہاں سے ارتحال ونقل اہل کا قصد نہ ہو''

(امدادالاحکام ج اص۶۰۳) حضرت عثمانی رحمہ اللہ کا مطلب واضح ہے کہ جن حضراتِ علماءِ کرام نے صرف تزوج سے (کسی مقام کا) وطن اصلی (ہونا) قرار دیا ہے، اس کو بھی حضرت عثمانی رحمہ اللہ وہاں ہمیشہ قیام کے قصد کی شرط کے ساتھ مقید کر رہے ہیں، پھر وطنِ اقامت کو محض ''ثقل'' کی وجہ سے باقی رہنے کو کیسے صحیح کہا جا سکتا ہے؟ حضرت عثمانی رحمہ اللہ کا منشاء اس (سے ان لوگوں کے) قول کا رد ہے ،جنہوں نے محض تزوج کو وطن اصلی قرار دیا ہے۔اس کا تعلق وطن اقامت سے نہیں ہے،تو سراجیہ کے مذکورہ جزئیہ کا تعلق بھی وطن اصلی ہونے یا نہ ہونے سے ہوگا۔حضرت مولانا عثمانی کے نزدیک وطن ہونے کے لئے تزوج کے ساتھ وہاں ہمیشہ زوجہ کے رکھنے کا قصد بھی ضروری ہے،صرف تزوج کافی نہیں ہے۔اس جزئیہ سے فریق ثانی کا یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ وطن اقامت بھی سفرِ شرعی سے باطل نہیں ہوتا، یہ استدلال بے محل اور غیر صحیح ہے۔دوسرے مدارس کے مدرسین وغیرہ ملازمین اور طلباء کے وطن اقامت سے تو اس کو بالکل ہی تعلق نہیں ہے، کیونکہ یہ جزئیہ تزوج سے متعلق ہے اور وہ بھی جب کہ ہمیشہ وہاں زوجہ کو رکھنے کا قصد ہو۔اگر ملازمین مدارس تو بغیر زوجہ کے ہی وہاں قیام پذیر ہوتے ہیں، پھر اگر زوجہ وغیرہ بھی ان کے ساتھ ہوں تو بھی ہمیشہ رہنے کا قصد نہیں ہوتا بلکہ تابقاءِ ملازمت وہاں رہنے کا قصد ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ملازمین کا معاہدہ ملازمتِ سنویہ (سالانہ ملازمت) ہے علی التابید (ہمیشہ کے لئے) نہیں ہے۔اور یہ بھی معلوم ہے کہ ایک ماہ پیشگی تنخواہ دے کر جب چاہیں اہل ِمدارس (ان کو) علیٰحدہ کر سکتے ہیں تو اب ہمیشہ کا قصد اگر ہو بھی تو وہ غیر مقبول ہوگا ''لِاَنَّـهُ يُكَـذِّبُـهُ الـظَّـاهِـرُ ''اور طلباء کا حال تو اس سے بھی اَدوَن (کمزور) ہے،ان کی حالت تو یہ ہے کہ ان کا کوئی معاہدہ ہی اہل مدارس سے نہیں ہے، دورانِ سال میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، مدارس عربیہ اور کالجوں، یونیورسٹی کے طلباء کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے،ان کو وہاں مقیم قرار دے کر سفرِ شرعی سے بھی ان کے وطن کو باطل قرار نہ دینا بالکل ہی غلط ہے مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور سراجیہ کے جزئیہ سے تو اس مختلف فیہ مسئلہ پر روشنی پڑتی تھی کہ وطنِ اصلی صرف تزوج ہی سے ہو جاتا ہے یا اس میں تابید ِقیام کے قصد کی بھی شرط ہے،مولانا عثمانی نے اس شرط کو لازم قرار دے دیا اور قاضی خان کی عبارت میں بھی اس کی تصریح ہے:**المسافر اذاجاوزعمران مصره (الی قوله) ان كان ذلك وطنا اصليا بان كان مولده وسكن فيه اولم يكن مولده ولكنه تاهل به وجعله**

دارًاالخ۔اس میں’’ تـأهل ‘‘کے بعد جملہ’’دارًا‘‘ کی قید سے واضح ہو رہا ہے کہ صرف تزوج سے وطنی اصلی نہیں بنتا بلکہ’’وجعلـه دارًا ‘‘ سے مقید ہے تو وطن اقامت جو اس سے اضعف ہے صرف ’’تعیش مع عدمِ قصدِ تابیدِ التعیش‘‘ سے وطن کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ فقہائے کرام نے’’وطن‘‘ کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ایک وطنِ اصلی دوسری وطنِ اقامت تیسری وطنِ سکنٰی ،اب وطنِ اقامت کی دو قسمیں بنا کر جو دونوں کے احکام جدا جدا بیان کئے جا رہے ہیں وہ درحقیقت فقہاء کے بیان کردہ وطنِ اقامت میں ہی آ گئے ہیں،مطلب یہ ہے کہ وطن اقامت چاہے صرف پندرہ روز کے قیام کے قصد سے بنا ہو، یا زیادہ عرصہ کے قصدِ قیام سے، جب اس میں علی التابید قیام کا قصد نہیں ہے تو وہ وطن اقامت ہی ہے اس کو وطن اقامت میں شامل نہ کرنا اور کوئی تیسری قسم بنانا درست نہیں ہے۔قیام علی التابید کے قصد کے بغیر سب قسم کا قیام (جو پندرہ یوم یا اس سے زائد ہو) وطن اقامت ہے،اس سے وطن اقامت کی کوئی قسم خارج نہیں ہے، جو سفر شرعی سے باطل نہ ہوتی ہو،اب یہ کہنا کہ’’فقہاء کرام نے ایک قسم کے وطن اقامت کا حکم بیان نہیں کیا‘‘(جو کہ اِس زمانہ میں ملازمت وغیرہ کی وجہ سے پایا جاتا ہے)غلط اور فقہائے کرام پر الزام ہے، جبکہ پندرہ یوم سے زائد کی قید میں اس کا بیان صراحۃً کر دیا گیا ہے۔ اور بدائع کی عبارت میں وطن اقامت کی عمومی حالت کا بیان ہے یہ علتِ مطردہ نہیں ہے، اگر کوئی شخص کسی جگہ پندرہ روز بغیر کسی حاجت کے قیام کرے،تو کیا وہ اس کا وطن اقامت نہیں بنے گا؟ ہر جگہ یہ علت جاری نہیں ہے۔اس کی بنیاد پر وطن اقامت کی کسی نئی قسم کے اختراع کا جواز نہیں بنتا، وہ تو عام طور پر فقہائے کرام کی عبارتوں میں جو وطن اقامت کی بحث آ رہی ہے اس کی تعلیل کر رہے ہیں ہر قسم کے وطن اقامت کی تعلیل نہیں کر رہے ہے کہ اس کے بغیر دوسرا وطن اقامت ہوتا ہی نہیں ۔اور البحر الرائق کی عبارت کو بھی مـادون السـفـر الشـرعـی پر محمول کر لیا جائے کہ اس سے وہ دوسری عباراتِ فقہاء سے متعارض نہ رہے، اگر اس پر محمول نہ کیا جائے تو وہ قولِ ضعیف ہوگا جس پر فتوٰی درست نہ ہوگا لانـه خـرق لـلاجماع وهو مخالف للفتوٰی ۔خلاصہ یہ ہے کہ تیسرے فریق کی رائے کہ ہر قسم کا وطن اقامت سفر شرعی سے علی الاطلاق باطل ہو جاتا ہے، صحیح اور قابل فتوٰی بلکہ اسی پر فتوٰی واجب ہے،اور یہی ہمارے اکابر رحمہم اللہ اور جمہور فقہائے کرام کا مفتٰی بہ مسلک ہے۔اگر اس کے خلاف کسی عبارت کا مفہوم نظر آئے تو اس کی تاویل کر کے اس کے موافق بنانا لازم ہے، نہ کہ اس

ضعیف یا مؤول (قول) کے موافق (فتویٰ دے کر) جمہور کی صاف عبارتوں کو توڑ مروڑ کر اس (ضعیف یا مؤول قول) کے موافق بنایا جائے۔ **ھٰذا ماعندی ،والعلم عنداللہ اللطیف الخبیر**

العبد الضعیف ،سید عبدالشکور ترمذی ۲۱ /جمادی الاخریٰ /۱۴۱۵

﴿۲۔ جمعہ کے دن چھٹی کا حکم﴾

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن تعطیل (چھٹی) ہونی چاہئے اور یہ مستحب اور باعث برکت و باعث ثواب ہے ،اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن تعطیل کرنا بدعت ،گناہ اور شریعت کے خلاف ہے۔ اگر چھٹی کرنی ہو یا کاروبار بند کرنا ہو تو پہلی اذان کے بعد کیا جائے ،اس سے پہلے نہیں آپ مدلل طریقہ سے تحریر فرما دیں کہ کس کی بات صحیح ہے؟ اور شریعت کے مطابق ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: جمعہ کے دن جامع مسجد میں بہت جلدی جانا اور صبح سے ہی وہاں پہونچنا شرعاً مستحب اور قربت ہے۔ حدیث شریف میں اس کا ثواب بتلا کر اس کی ترغیب اور فضیلت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے آدابِ جمعہ میں فرمایا ہے: **الرابع البکور الی الجامع....ویدخل وقت البکور بطلوع الفجر وفضل البکور عظیم** (شرح الاحیاء ج۳ ص۲۴۵)

جب صبح صادق سے ہی جامع مسجد میں جانا باعث ثواب اور موجبِ قربت ہے، تو پھر جمعہ کے دن کاروبار بند کر کے ہی یہ فضیلت حاصل کی جا سکتی ہے اور عام تعطیل کر کے ہی تبکیرِ مستحب اور سویرے جانے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے امام غزالی رحمہ اللہ نے ایسے تمام اشغال اور کاموں سے فارغ رہنے کو آداب جمعہ میں شمار فرمایا ہے۔ جن میں مشغول ہو کر جمعہ میں سویرے جانے کی فضیلت حاصل کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں **ویفرغ قبلہ من الاشغال التی تمنعہ من البکور الی الجمعۃ** (شرح الاحیاء ج۳ ص۲۷۰)

تبکیرِ مستحب کے بھی اگر چہ درجات ہیں اور ہر درجہ کا علیٰحدہ ثواب وارد ہوا ہے، مگر افضل درجہ صبح کے وقت جامع مسجد جانا ہی ہے، اور یہ درجہ کاروبار اور اشغالِ دنیا میں مصروفیت کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتا، اس لئے جمعہ کے دن صبح سے ہی تعطیلِ عام اور کاروبار بند کرنا مستحب ہوگا۔ البتہ اذانِ جمعہ کے بعد کاروبار بند کرنا لازم اور واجب ہوگا، جس کا آیتِ جمعہ میں ذکر ہے، اور شریعت کا مشہور حکم

ہے،مگر اذان جمعہ کے بعد کاروبار بند ہونے کے وجوبی حکم سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ اذان سے قبل کاروبار کرنا واجب ہے، اور یہ کہ کاروبار بند کرنا مستحب بھی نہیں ہے۔ایسا سمجھنا حدیث **تبکیر الی الجمعہ** کے خلاف ہے۔مقصد یہ ہے کہ اذانِ جمعہ کے بعد تو کاروبا بند کرنا واجب ہے۔اور اذانِ جمعہ کے قبل اگرچہ وجوبی حکم نہیں ہے، لیکن اس کا استحبابی حکم اوپر ثابت کر دیا گیا ہے، اس لئے اگر اذانِ جمعہ کے قبل استحبابی حکم سمجھ کر تعطیل کی جائیگی تو درست ہے۔تحریر بالا سے واضح ہو گیا ہوگا کہ اذان جمعہ سے قبل کی تعطیل بدعت اور گناہ اور شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک مستحب اور کارِ ثواب ہے گو واجب بھی نہیں ہے، واجب صرف اذان جمعہ کے بعد نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک ہے۔ فقط واللہ اعلم، سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ، ساہیوال ضلع سرگودھا، ۸/ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ۔

۳۔ جمعہ کی اذان اول اور قیامِ جمعہ میں وقفہ

(حکم الوقفۃ بین الندآءِ والخطبۃ)

سوال یہ تھا کہ جمعہ کے دن اذان اول کے بعد اکثر مساجد میں خطبہ شروع ہونے تک آدھے سے ایک گھنٹے تک وقفہ ہوتا ہے اور اس درمیان بیان بھی ہوتا ہے، شرعاً اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جس کا درج ذیل تفصیلی جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: جمعہ کے خطبہ سے پہلے تقریر کا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثبوت ملتا ہے جیسا کہ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے اپنی تقریر میں آنخضرت ﷺ کی احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ جب امام خطبہ کے لئے آتے تو وہ اپنی تقریر موقوف کر دیا کرتے تھے (مستدرک ج ا ص ۱۰۸ و ج ۳ ص ۵۱۲) **قال الحاکم رحمہ اللہ والذھبی رحمہ اللہ صحیح** (از راہ سنت، مولانا محمد سرفراز خان صاحب)

اسی طرح اسی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کا جمعہ کے دن خطبہ سے قبل وعظ کہنا منقول ہے (ص ۲۸۸ **وقالا صحیح**) اور ''الاصابۃ فی تذکرۃ الصحابۃ ج ا ص ۱۸۴'' میں ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی تھی کہ جمعہ کے دن اس سے قبل کہ میں خطبہ کے لئے آؤں تقریر کر سکتے ہو۔ مستدرک حاکم اور اصابہ میں

ذکر کردہ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول خطبۂ جمعہ سے پہلے تقریر ووعظ کہنے کا تھا۔

اور یہ بھی صحیح احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ زوالِ شمس کے بعد جلد نماز جمعہ ادا کر لیتے تھے اور یہی طریقہ خلفاء راشدین کا تھا کہ نماز جمعہ زوال کے بعد جلد پڑھی جاتی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے: **عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی الجمعہ حین تمیل الشمس...... وعنہ ایضا قال کنا بفکر بالجمعہ ونقیل بعد الجمعہ (ص ۱۲۳ ج ۱)**

وفی مصنف لعبد الرزاق (۱۲۵.۳)عن عطاء قال بلغنی ان عثمان کان یجمع ثم نقیل الناس بعد الصلوٰۃ وفی مصنف لابن ابی شیبہ (۲ . ۱۶) اخبرنا محمد بن سعد الانصاری عن ابیہ قال کنا نجمع مع عثمان بن عفان ثم نرجع فنقیل وفیہ ایضا: :(۱۸.۲) عن ابی رزین قال کنانصلی مع علی رضی اللہ عنہ الجمعہ فاحیانا نجد فیئا واحیانا لم نجدہ اور فقہائے کرام کی عبارات سے بھی راجح یہی معلوم ہوتا ہے۔

وفی الشامیہ لکن جزم فی الاشباہ من فن الاحکام انہ لایسن لھا الابراد وفی جامع الفتاوی لقاری الھدایہ قیل انہ مشروع لانھا تودی فی وقت الظھر وتقوم مقامہ ، وقال الجمھور لیس بمشروع لانھا تقام بجمع عظیم فتاخیرھا مفض الی الحرج ولاکذلک الظھر وموافقہ الخلف لاصلہ من کل وجہ لیس بشرط اہ (۱.۳۶۷)

اب یہ تو ظاہر ہے کہ جب تک اذان اول جس کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی ہے اس وقت تک تو یہ تقریر اور وعظ یقیناً اذان اور خطبہ سے پہلے ہی ہوتی تھی۔ کیونکہ اذان ِ ثانی اور خطبہ کے درمیان تقریر ووعظ کی نفی صراحۃً اوپر کی روایات سے ہورہی ہے، ان میں تصریح ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے آتا تھا تو یہ تقریر ووعظ موقوف کر دیا جاتا تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں جمعہ میں تکبیر کا لحاظ بھی بہت تھا اکثر لوگ جمعہ میں تکبیر کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے صبح سے ہی مسجد میں آجاتے تھے تو ان کے لئے وعظ وتقریر اذان سے پہلے ہی مناسب تھی۔ لیکن جب

لوگوں میں سستی ہوئی تو اذان اول زوال کے وقت لوگوں کو وقت جمعہ بتلانے کے لئے شروع کی گئی تو اب جب کہ زوال کے وقت اذانِ اول کی ابتداءِ زوراء پر ہوئی اور اذان ثانی **عندالمنبر** خطبہ سے قبل ہونے لگی تو معلوم نہیں اس وقت یہ تقریر وعظ اذان علی الزوراء سے پہلے ہوتی تھی یا بعد میں۔ لوگوں کے تکاہل اور سستی کو مدنظر کرتے ہوئے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریر ووعظ اذان علی الزوراء کے بعد ہوتی ہوگی کہ اب تکبیر کی فضیلت کی تحصیل پر لوگ اتنے حریص نہیں رہے تھے کہ اذان سے پہلے خود بخود جمع ہو جاتے ہوں اس لئے ان کو جمع کرنے اور وقت جمعہ کے اعلان کے لئے ہی تو یہ اذان علی الزوراء مشروع ہوئی۔

جب لوگوں کا اجتماع اذان کے بعد ہی ہوتا ہو تو پھر اجتماع سے پہلے تقریر ووعظ کا کوئی فائدہ مقصود نہیں ہے۔ اور اذان سے پہلے اجتماع کا معمول جب زمانِ خیر القرون میں کم ہو گیا تھا تو اب اس کے لئے لوگوں کو تیار کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا، اس لئے ''البلاغ'' (ملاحظہ ہو ماہنامہ البلاغ کراچی شوال ۱۴۱۵ھ) کی یہی تجویز متعین اور سلف کے عمل کے موافق ہے کہ ''اذان اول کے فوراً بعد تقریر شروع ہو جائے اور مختصر تقریر کے بعد خطبہ کے لئے اذان دی جائے اور پھر خطبہ اور نماز پڑھ لی جائے (ص ۵۳)

دوسری تجویز کہ اذان اول تقریر کے فوراً بعد ہو اور اس کے بعد صرف اتنا وقت ہو کہ جو لوگ ابھی مسجد میں نہیں آئے وہ مسجد میں آ کر سنتیں پڑھ سکیں اور اس کے بعد اذان ثانی اور خطبہ ونماز ہو، یہ طریقہ علاوہ اس کے کہ معروف نہیں اور اس پر ہر جگہ اور ہر مسجد کے لوگوں کو جمع کیا جانا مشکل ہے۔ اذان اول سے پہلے لوگوں کا مسجد میں آنا ہی حرص اور دنیا میں انہاک کے زمانہ میں از بس دشوار ہے۔ سلف کے معمول کے بھی خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور اذان اول کی مشروعیت سے جو ایذان اور جمعہ کی دعوت تھی اس کے بھی خلاف ہے جمعہ کے لئے اصل داعی اذان ہی ہے اور ''**اذا نودی للصلوٰۃ**'' پر ہی ''**فاسعوا الی ذکر اللہ**'' مرتب ہے اس تجویز ثانی میں اصل داعی وعظ وتقریر ہوگی لوگ اس کے لئے جمع ہوں گے پھر اس صورت میں تقریر ووعظ کا اذانِ اول کے ساتھ اتصال ہوگا جو معمول سلف کے خلاف ہے ان کا معمول تقریر ووعظ کا اذان خطبہ سے پہلے اور اس کے ساتھ اتصال کا تھا، پھر اس صورت میں اذان کا اپنے اصل وقت سے موخر کرنا ہے کیونکہ اس کا اصل وقت ''عندالزوال'' ہے۔

اس تجویز میں پہلے تقریر ہوگی اس کے بعد اذان اول ہوگی ، اذان اول کو اپنے وقت زوال پر ہی کہنا چاہئے اس کو اپنی جگہ سے ہٹانا نہیں چاہئے ۔ جمعہ کی اذان اول کا وقت زوال سے متصل بعد ہے اس پر عملی توارث چلا آ رہا ہے کتب حدیثیہ فقہیہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے ۔ المغنی لابن قدامہ (ج۲ص۲۹۷) میں ہے۔

(۱) **ویبدا وجوب السعی الیھا............عندالحنفیة بالاذان الاول عندالزوال** (بحواله الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۱۲۸۱) حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے سعی کا وجوب زوال کے وقت اذان اول سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: **ویجب السعی ویترک البیع بالاذان الاول والواقع عقیب الزوال** (ص ۱۷۱ ج ۱) جمعہ کے لئے سعی اور ترک بیع زوال کے بعد اذان اول سے واجب ہوتی ہے۔

(۳) فتح الباری میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وتبین بما مضی ان عثمان احدث لاعلام الناس بدخول وقت الصلوٰة** .... (ص۳۹۴ج۲) سابقہ کلام سے ظاہر ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان اس لئے شروع کی کہ لوگوں کو نماز کے وقت کے شروع ہونے کی اطلاع ہو جائے۔

(۴) معارف السنن میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وبالجملة هذا الاذان کان قبل التأذین بین یدی الخطیب وکان فی اول وقت الظهر متصلا بالزوال** (ج ۴ ص ۳۹۶)

اذان اول خطیب کے سامنے اذان سے پیشتر اور ظہر کے اول وقت میں زوال کے ساتھ متصل ہوتی تھی (از انورِ مدینہ لاہور) مذکور بالا حوالہ جات میں فتح الباری کی عبارت سے واضح ہے کہ اذان اول کی مشروعیت کی غرض ہی یہ بتلائی گئی ہے کہ لوگوں کو نماز جمعہ کے داخل ہونے کی اطلاع ہو جائے اور دوسرے حوالوں میں بھی اس اذان کو "عندالزوال" "عقب الزوال" کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جس سے واضح ہو رہا ہے کہ اس اذان کا اصل وقت زوال کے فوراً بعد متصل ہی ہے، کیونکہ عرف میں "عند" اور "عقب" کو گھنٹہ کے بعد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا ہے اور علامہ بنوری رحمہ اللہ نے تو "فی اول وقت الظهر متصلا بالزوال" لکھ کر کسی احتمال کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔

اس لئے جن مساجد میں اذان اول کواس کے اصل وقت سے موخر کر کے کہنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس کوختم کر دینا ضروری ہے کیونکہ یہ عمل توارث اور تصریحات سلف کے خلاف ہونے کے ساتھ اس اذان کی غرض مشروعیت کے بھی خلاف ہے کمامر اس لئے پہلی تجویز پر عمل کرنا چاہئے اذان اول ظہر کے وقت شروع ہوتے ہی کہہ دی جایا کرے اور پندرہ بیس منٹ کا وقفہ نمازیوں کے مسجد میں آنے اور وضوء وغیرہ کے لئے مختص کر دینے کا اعلان کر دیا جائے۔اس کے بعد آدھ گھنٹہ مختصر ضروری وقتی مسائل پر مشتمل وعظ ہو جایا کرے، پھر اذان ثانی خطبہ اور نماز ہو جایا کرے، لمبی چوڑی تقریروں اور بے ضرورت مضامین بیان کرنے کا جو رواج ہو گیا اس کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ کرنے اور توجہ دلانے کی ضرورت ہے نہ یہ کہ اصل وعظ وتقریر ہی کو بند کر دیا جائے، یا عمل توارث سلف سے ہٹ کر نیا طریقہ جاری کیا جائے۔

آج کل تعلیم یافتہ طبقہ اور مغربی تہذیب کا دلدادہ گروہ چاہتا ہے کہ ہر ہفتہ جو کلمہ خیر عام مسلمانوں کے کانوں میں خطبہ جمعہ سے پہلے پڑجاتا ہے اس کا موقع نہ رہے حالانکہ ان مواعظ سے بہت بڑے طبقہ کی اصلاح ہو رہی ہے اور بکثرت مسلمان اس سے استفادہ کر کے اپنے عقائد واعمال کی اصلاح کرتے ہیں اور یہ بھی ہفتہ وار تبلیغ عام اور عوامی اصلاح کا پروگرام ہے، مگر ہر چیز میں حدود شریعت کی پابندی اور اعتدال کا لحاظ ضروری ہے اور غلو سے احتیاط کرنا لازم ہے، خطباء اور مبلغین وواعظین کو اپنے منصب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اگر حدود شریعت میں رہتے ہوئے ہمارے خطباء اس پر عمل کریں تو یہ''**یتفولنا بالمواعظه**'' پر امتثال کا ذریعہ ہوسکتا ہے آزاد طبقہ اس کوختم کرنا چاہتا ہے۔اور کئی قسم کے اعتراضات سے اس عملِ خیر پر قدغن لگانا چاہتا ہے اصل یہ ہے کہ وہ علماء کرام اور خطباء عظام کی بات سننا گوارا نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں اور ہمیں اپنی اور سب مسلمانوں کی اصلاح کی توفیق نصیب فرمائیں۔ واللہ اعلم (ماہنامہ الصیانۃ لاہور ص۵۴تا۵۸مئی۱۹۹۵ء)

﴿۴۔حج کے دوران قصر واتمام اور منیٰ کا مکہ سے الحاق﴾

(حکم القصر فی سفر الحج)

سوال یہ تھا کہ کوئی شخص سفر کر کے حج سے چند دن پہلے مثلاً چار پانچ روز قبل مکہ مکرمہ پہنچا اور

پھر وہاں سے منیٰ عرفات اور مزدلفہ وغیرہ گیا اور حج کے اعمال سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ میں پندرہ دن سے زیادہ قیام کیا تو کیا اس کو سفر کے آغاز سے کب تک قصر نماز ادا کرنی ہوگی؟ اور کیا اب منیٰ مکہ شہر کا حصہ بن چکا ہے، یا اس سے علیحدہ موضع شمار ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں دارالعلوم کراچی سے ایک تفصیلی جواب تحریر کیا گیا تھا، جو حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کی خدمت میں بغرض استصواب ارسال کیا گیا تھا، اس پر حضرت رحمہ اللہ نے درج ذیل جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء میں سفر سے متعلق ایک استفتاء کا جو جواب لکھا گیا ہے وہ بغرض استصواب احقر کے پاس آیا ہے، اس کے متعلق گزارش ہے کہ: جواب میں مذکور کتب فقہ کی عبارات کی روشنی میں صورتِ مسئولہ کا جواب واضح ہے کہ شخص مذکور اپنے شہر کی حدود سے نکلنے کے بعد منٰی، مزدلفہ اور عرفات سے واپس ہوکر دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچنے تک مسافر رہے گا۔ اور دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچنے پر مقیم ہوجائے گا جبکہ پندرہ روز یا اس سے زائد مکہ مکرمہ میں قیام کی نیت کر لی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچ ذوالحجہ کو حج کے لئے مکہ مکرمہ جانے والا شخص اگر چہ وہاں پندرہ روز یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت بھی کر لے مگر یہ نیت اقامت معتبر نہیں ہے اس لئے کہ پہلے ہی سے یہ بھی متعین ہے کہ ۸ ذوالحجہ کو منٰی وغیرہ میں جانا اور پھر مزدلفہ عرفات سے واپسی کے بعد منٰی میں قیام کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی ایک جگہ پندرہ روز قیام نہیں پایا جاتا جو کہ نیت اقامت کے لئے شرط ہے۔ اب اگر مکہ مکرمہ کی آبادی منٰی کی آبادی سے اس طرح متصل ہوگئی ہو کہ دونوں کے درمیان نہ تو زرعی زمین ہو اور نہ ہی ایک غلوہ کی مقدار خلا ہو۔ تو منٰی میں جانے سے حکمِ قصر نہیں لگایا جائے گا اور اگر درمیان میں زرعی زمین ہو یا اتنا فاصلہ ہو تو مکہ مکرمہ کی عمارات سے خروج کے بعد حکم قصر شروع ہوجائے گا اس لئے کہ دو بستیوں کے درمیان مزروعہ زمین کا ہونا یا غلوہ کی مقدار خلاء کا ہونا (جس کی تحدید ایک سو پچاس گز سے کی گئی ہے) علامتِ انقطاع ہے ایسی دو بستیوں کو مستقل علیٰحدہ علیٰحدہ دو بستی کہا جائے گا، اور اگر چہ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے فناءِ مصر مطلقاً خواہ متصل ہو یا منفصل بحکم مصر ہے اور جس طرح فناء متصلہ میں جمعہ صحیح ہے اسی طرح فناء منفصلہ میں بھی جائز ہے مگر حکم قصر میں وجود مزارع یا بقدر غلوہ خلاء

الحاق بالمصر سے مانع ہے۔مطلب یہ ہے کہ مصر اور فناء کے درمیان وجود مزارع اور خلاء کا پایا جانا صحت جمعہ کے لئے مانع نہیں ہے بلکہ فناء منفصلہ میں بھی جمعہ صحیح ہے اور فناء منفصلہ بحق جمعہ بحکم مصر ہے۔مگر حکم قصر میں فناء متصلہ تو حکم مصر میں ہے لیکن فناء منفصلہ مصر سے خارج ہے اس لئے قصر کے لئے فناء متصلہ سے تو خروج ضروری ہے مگر فناء منفصلہ سے خروج ضروری نہیں ہے۔فناء متصلہ سے خارج ہوتے ہی حکم قصر کے لئے خروج عن المصر متحقق ہوجاتا ہے اور حکم قصر لازم ہوجاتا ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت قوله الدر المختار (من خرج من عمارة موضع اقامة) واشار الى انه يشترط مفارقة ماكان من توابع موضع الاقامة كربض المصر وهوماحول المدينه من بيوت ومساكن فانه فى حكم المصر وكذاالقرى المتصلة فى الصحيح بخلاف البساتين ولو متصلة بالبناء لانها ليست من البلدة ولو سكنها اهل البلدة فى جميع السنة او بعضها ولايعتبرسكنى الحفظة والاكره اتفاقا امداد **واما الفناء وهوالمكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وان انفصل بغلوة اومزرعة فلا كمايا تى بخلاف الجمعة فتصح اقامتها فى الفناء ولو منفصلابمزارع لان الجمعة من مصالح البلد بخلاف السفر كماحققه الشرنبلالى فى رسالته وسيأتى فى بابها والقرية المتصله بالفناء دون الربض لايعتبرمجاوزتها على الصحيح كمافى شرح المنية** (شامی ج۲ص۱۲۱)

جب ثابت ہوگیا کہ وجود مزارع اور بقدر غلوہ خلاء الحاق بالمصر سے مانع ہے اور بحق قصر فناء منفصلہ کا حکم مصر کا نہیں ہے۔اور مکہ مکرمہ سے منٰی کا ایسا اتصال جس میں نہ کوئی کھیت ہو اور نہ بقدر غلوہ خلاء ہو ثابت نہیں ہے۔اس لئے مکہ مکرمہ اور منٰی دو الگ الگ شہر قرار پائیں گے اور اس لئے حج کو جانے والا شخص جب تک ۸ ذوالحجہ سے پندرہ یوم پہلے مکہ مکرمہ نہ پہنچے اور پندرہ یوم وہاں قیام کی نیت نہ کرے اس وقت تک وہ مسافر ہی رہے گا مقیم نہ ہوگا۔

لہٰذا مکہ مکرمہ اور منٰی میں اقامت کی نیت کرنے کی مثال ایسی نہیں ہوئی کہ مسافر کسی شہر کے مختلف مقامات میں پندرہ دن رہنے کی نیت کرلے بلکہ یہ موضعین مستقلین میں نیت اقامت کی مثال

ہے۔اور دونوں شہروں کی بلد یہ ایک ہونے کی وجہ سے یا شہری ضروریات دوسرے شہر تک پہنچ جانے سے اگر فناء مکہ ہونے کا ثبوت ہو بھی جائے پھر بھی منٰی اور عرفات کا الحاق مکہ مکرمہ سے نہ ہوگا جبکہ درمیان میں بقدر غلوہ خلاء پایا جائے۔ کیونکہ فناء اور توابع میں اقامت کی نیت معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ فناء متصلہ ہو اور توابع کے درمیان میں کھیت اور بقدر غلوہ خلاء بھی نہ ہو، صرف فناء میں ہونا کافی نہیں ہے جیسا کہ معروضہ احقر شامی کی عبارت سے واضح ہے۔اب رہا یہ کہ درمختار کی عبارت ذیل سے'' اوکان احدهما تبعا للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنها الخ '' اور اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے''کا لقرية التى قربت من المصر بحيث يسمع النداء''(شامی ج۲ص۱۲۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر سے قریب ایسا قریہ جس میں شہر کی آواز سنائی دیتی ہو وہ شہر کے تابع اور مصر کے حکم میں ہی ہے اور دونوں میں پندرہ یوم کی نیت سے مقیم ہو جائے گا اس کے متعلق گذارش ہے کہ اول تو یہ مرجوح قول ہے۔راجح یہ ہے کہ اگر وہ بستی مستقل نام رکھتی ہو اور فنائے شہر کی آبادی نہ ہو تو اس بستی والوں پر جمعہ کا پڑھنا اور شہر میں آنا فرض نہیں ہے، اگر چہ شہر کی اذان بھی وہاں سنائی دیتی ہو۔دوسرے یہ کہ اس عبارت کو قریہ متصلہ من المصر پر محمول کیا جا سکتا ہے۔یعنی فناء متصلہ میں جو ایسا قریہ ہو جس میں شہر کی اذان سنائی دیتی ہو اس کے رہنے والوں پر جمعہ بھی واجب ہے اور اس میں حکم قصر بھی نہ لگایا جائے گا کیونکہ حکم قصر کے لئے قریہ متصلہ سے خروج شرط ہے نہ کہ منفصلہ سے۔ **هذا ماعندی ولعل عند غيری احسن من هذا.** فقط۔واللہ اعلم۔

احقر سید عبدالشکور ترمذی ۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

تتمۃ الجواب: **قدروى ابوداؤد عن عبدالله بن عمر وعن النبی ﷺ قال الجمعه على كل من سمع النداء اه وفى رواية الدرالمختار وشرط لافتراضهاتسعة تختص بها بمصر واما المنفصل عنه فان كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد الخ وصحح فى مواهب الرحمن قول ابى يوسف بوجوبها على من كان داخل حدالاقامة الخ: وعلله فى شرح المسمى بالبرهان بان وجوبها مختص باهل المصر والخارج عن هذا الحدليس اهله اه .وفى الشامية (ج ٢ ص ١٥٣)قلت وهوظاهر المتون .وفى المعراج انه اصح ماقيل .....وفى التتارخانيه ثم ظاهر**

روایة اصحابنا لاتجب الاعلی من یسکن المصراومایتصل به فلاتجب علی اهل السواد ولوقریباً وهذا اصح ماقیل اه وبه جزم فی التجنیس قال فی الامداد تنبیه قدعلمت بنص الحدیث والاثروالروایات عن ائمتناالثلاثة واختیارالمحققین من اهل الترجیح انه لاعبرة ببلوغ النداء ولابالغلوة والامیال فلاعلیک من مخالفة غیره وان صحح اه اقول وینبغی تقیید مافی الخانیة والتاترخانیه بما اذالم یکن فی فناء المصرلمامرانها تصح اقامتها فی الفناء ولومنفصلا بمزارع فاذاصحت فی الفناء لانه ملحق بالمصریجب علی من کان فیه ان یصلیها لانه من اهل المصر کمایعلم من تعلیل البرهان والله الموفق (شامی ج ۲ص ۱۵۳ .ایچ ایم سعید،کراچی)

وفی اعلاء السنن :وعلی هذافالجواب عن الحدیث ان اباداوٗد قدرجح وقفه حیث قال: روی هذا الحدیث جماعة عن سفیان (الثوری) مقصوراً علی عبدالله بن عمرو ولم یرفعوه وانما اسنده قبیصة اه(۱ : ۴۰۹) قلت وقبیصة هذا هوابن عقبة من رجال الجماعة صدوق ربما خالف کمافی التقریب (ج۲ ص ۱۷۲) فلایعتمد علی تفرده وفی اسناده محمد بن سعید الطائفی قال المنذری : وفیه مقال کمافی ’’عون المعبود ‘‘وفی ’’ تهذیب التهذیب‘‘(۹. ۱۹۱) قال ابن ابی وارة محمد بن سعید ثقة. وثقه البیهقی اه وفی ’’التقریب ‘‘ص ۱۸۳ صدوق وفی السند ابوسلمة بن نبیه عن عبدالله هارون وهما مجهولان کمافی التقریب ص ۴۱۱ ص ۲۵۶)فالحاصل :ان الحدیث لم یثبت رفعه باسناد یحتج به والموقوف ایضا ضعیف لجهالة الرجال واما مافی العزیزی(۲:۱۹۷) قال عبدالحق : الصحیح وقفه اه فمعناه ان الوقف اسلم حالاً من الرفع .لانه صحیح فی اصطلاح المحدثین .قال الشوکانی فی ’’النیل‘‘ : وقدورد (الحدیث)من حدیث عبدالله بن عمرومن وجه آخر اخرجه الدارقطنی من روایة الولید عن زهیر بن محمد قال العراقی لکن زهیر روی عن اهل الشام مناکیر . والولید مدلس وقدرواه بالعنعنة فلایصح (۱) ورواه الدارقطنی ایضاً من روایة محمد بن الفضل عن حجاج ومحمد بن الفضل

ضعيف جدا، والحجاج هوابن ارطاةمدلس مختلف فی الاحتجاج به انتهی کذا فی ”بذل المجهود “(۲:۱٦۵)

(۱) قلت فلایصح تجوید.ابن حجر(الهیثمی) هذا الشاهد کما نقله عنه فی ”بذل المجهود “فان عنعنة الولید ضعیفة بالاتفاق (حاشیه اعلاء السنن ج ۸ ص ۳۸ مطبوعه ادارة القرآن والعلوم الاسلام)

وهذا الجواب عن الحدیث المذکور باعتبار السندواما الکلام علیه باعتبار المعنٰی فان المراد بالنداء المذکور فی الحدیث هوالنداء الواقع بین یدی الامام فی المسجد لانه الذی کان فی زمن النبوة لاالواقع علی المنارات وهذاالندء لایسمعه جمیع من فی البلد فضلاعن اهل القری القریبة منه .اللهم الاان تکون القریة متصلة البنیان بالمصر.ولا خلاف فی الوجوب علی اهلها وانما الکلام فی المنفصلة عنه قریبة منه ایضاً فتعلیق السعی علی سماع النداء یسقط عمن کان فی المصرالکبیراذالم یسمعه .وهذا بخلاف الایة وقدحلی التراقی فی شرح الترمذی عن الشافعی ومالک واحمد بن حنبل .انهم یوجبون الجمعة علی اهل المصروان لم یسمعوا النداء اه وقد ادعی فی البحرالاجماع علی عدم اعتبار سماع النداء فی موضعها(اعلاء السنن ج ۸ ص ۳۸و ۳۹)

فالحدیث مع ضعفه متروک العمل بظاهره :فلایجوزالاحتجاج به ولایصح ایراد علی الحنفیة بوجه (من الاعلاء ملخصا)

وبهذا التفصیل ثبت ان ظاهر الروایة عن اصحابنا ان الجمعة لاتجب الاعلی من یسکن المصر اومایتصل به یعنی به فناء المصر فلاتجب علی من یسکن القریة واهل السواد ولو قریباً اذا کان منفصلا عنه ولاعبرة ببلوغ النداء ومافی الشامیة ان لاعبرة بقدر غلوة فالمراد منها ان الفناء بنفسها لیست مقیدة بقدرغلوة لان التعریف احسن من التحدید لانه لایوجد ذالک کل مصروانماهوبحسب کبرالمصروصغره الخ (شامی ص)

ولـكـن يـعتبـر الـفـصل من المصر بقدر غلوة في حكم القصر وانما اطلق الـكـلام فـي هـذا الـمـقـام لكونه زلة الاقدام مقر كالافهام الاعلام .وقد تمت تتمة الـجـواب بعون الملك الوهاب .والصلٰوة والسلام على رسوله .واله والاصحاب .كتبهـا الاحـقـر الراجي بعفوربه الغفور المدعو بعبدالشكور الترمذي عفى عنه ذنبه الـجـلـي والـخفي في سلخ ربيع الاول سنة تسع بعدار بعمائة والف الهجرة النبويه على صاحبها الف الف صلٰوة وتحية.......

﴿۵۔ سید کوزکوٰۃ دینے کا شرعی حکم﴾

(اعطاء الزکوٰة للساداة)

اس دور میں سید قوم سے تعلق رکھنے والے غریب شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بعض اہل علم کے درمیان اختلاف تھا، حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کے سامنے دونوں فریقوں کی رائے پیش کی گئی، جس کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت نے درجِ ذیل جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: احناف کا مفتیٰ بہ مذہب یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینے سے ادا نہ ہوگی خواہ دینے والا بھی بنی ہاشم ہی میں سے ہو۔ درمختار میں ہے۔ولا الٰى بني هاشم الخ ثم ظاهر المذهب اطلاق الـمـنـع وقـول العيني والهاشمي يجوزله دفع زكوته لمثله صوابه لايجوزنهر. شامی میں ہے (قوله اطلاق المنع) يعني سواء في ذالك كل الازمان وسواء في ذلك دفع بـعضهم لبعض ودفع غيرهم لهم (شامی ص۳۵۰ ج۲)وفـي الترمذي ان الصدقة لاتحل لناوان موالي القوم من انفسهم قال وهذاحديث حسن صحيح (ترمذی ص۸۳ ج۱) اس صحیح حدیث کو ابوداؤد شریف میں بھی روایت کیا گیا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ وانـالاتـحل لنا کی تشریح میں لکھتے ہیں، وانـا اي بـنـي هاشم ..واما اٰل النبي ﷺ فـقـال اكـثـر الـحنفية وهوالمصحح عن الشافعية والحنابلة وكثير من الزيدية انها تجوزلهم صدقة التطوع دون الفرض قالوالان المحرم عليهم انما هواوساخ الناس ذلک هـوالـزكوٰة لاصدقة التطوع (بذل المجہود ص۴۹، ۵۰ ج۳) فقہ حنفی اور حدیث شریف

کی ان واضح تصریحات سے ثابت ہورہا ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ حلال نہیں ہے، ان کو ادا نہ کی جائے اور اس کی وجہ یہی ظاہر ہورہی ہے کہ زکوٰۃ میل کچیل ہے، بنی ہاشم کی کرامت وعزت کی وجہ سے ان کو یہ مال دینا درست نہیں، **لان حرمة الصدقة على بني هاشم كرامة من الله تعالىٰ لهم ولذريتهم الخ** (فتح القدیر ص۲۵ ج۲)

باقی رہا یہ کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ اقدس میں سادات کا وظیفہ بیت المال سے دیا جاتا تھا، یا خمس میں ان کا حصہ مقرر تھا، اور اب چونکہ یہ وظیفہ اور خمس نہیں دیا جاتا، اس لئے بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ یہ صحیح نہیں، کیونکہ بنی ہاشم کو منع زکوٰۃ کی علت اس کا اوساخ الناس ہونا ہے اور وہ ہر زمانہ میں موجود ہے، اس لئے ان کے لئے ہر زمانہ میں زکوٰۃ ممنوع ہوگی۔ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **وان سلمنا على التنزل حمل الكلام على ان ذلك حكمة لاعلة فان العلة هي كون الزكوٰة من اوساخ الناس وان سلمنا على التنزل كونه علة ايضالايثبت المطلوب فانها علة لاهل التشريع لالبقائه اى شرع هذا الحكم اولالهذه العلة وان لم يشترط بقائه لها كمافي الرمل فزوال العوض لايستلزم عودالمعوض لاسيما وقد اجمعت الاحاديث على ذلك ولم يزدحديث في خلافه فافهم وحقق** (اعلاء السنن ص۹۵، ۹۶، ج۹)

اور مسلم شریف کی روایت میں صدقات کے اوساخ الناس ہونے اور اسی وجہ سے آلِ محمد پر حرام ہونے کی تصریح موجود ہے۔ **عن عبدالمطلب بن ربيعةقال قال رسول الله ﷺ ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لاتحل لمحمد ولاٰل محمد رواه مسلم** (مشکوٰۃ شریف ص۱۶۱)

اور یہ وجہِ منع قرآن کریم کی آیتِ کریمہ ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ بِهَاوَتُزَكِّيْهِمْ '' سے بھی مؤید ہے۔ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

انما سماها اوساخا لانها تطهراموالهم ونفوسهم قال تعالى خذمن اموالهم صدقة تطهرهم فهي كغسالة الاوساخ (مرقاۃ ص۱۶۵ ج۴)

بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کی حرمت کو آنحضرت ﷺ نے اس حدیث شریف میں اوساخ

الناس سے معلل کیا ہے، اس حرمت کی علت تفویضِ خمس کو قرار نہیں دیا، اب خمس کے ملنے کو قیاس سے علت قرار دینا نص کے مقابلہ میں قیاس کرنا ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔ پھر علت قرار دینے کے بعد بھی اس علت کے ارتفاع سے حکم کا ارتفاع لازم نہیں آتا، جیسا کہ اعلاء السنن کی عبارتِ بالا میں گذر چکا ہے، البتہ خمس کی مشروعیت کو حکمت کہا جاسکتا ہے اور حکمت کے ارتفاع سے حکم کا ارتفاع لازم نہیں ہے۔ بہر حال بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، ان کی خدمت ہدیہ اور صدقاتِ نافلہ سے کی جاسکتی ہے، جو کہ ان کے لئے حلال ہیں، اور یہ خدمت باعثِ ثواب ہے، اور احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس باب میں یہی تھا کہ بنی ہاشم کے حاجت مندوں کی خبر گیری ہدایا سے کرتے تھے، اور صدقاتِ واجبہ بنی ہاشم کو آپ نہیں دیا کرتے تھے۔ اس لئے فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ بنی ہاشم کے بارے میں صدقات کے دینے کے تذکرہ میں صدقۂ نافلہ مراد لیتے ہیں، چنانچہ امام طحاوی نے حدیث ابن عباس جس میں **فتصدق بها علی ارامل بنی عبدالمطلب** کے الفاظ تھے، یہی مطلب بیان کیا ہے، اور اس حدیث ابن عباس پر بحث فرماتے ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں۔ **فلهذا جعلنا ماکان تصدق به رسول الله ﷺ علی ارامل‌هم من جهة الهبات وان سمی ذلک صدقة وهو الذی ینبغی ان یحمل تاویل ذلک الحدیث الاول علیه** (طحاوی شریف ص ۳۳۰، ج۱)

اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس سے بھی روایتِ ذیل نقل فرماتے ہیں **قال دخلنا علی ابن عباس فقال مااختصنا رسول الله ﷺ بشئی دون الناس الا بثلاث اشیاء اسبّغ الوضوء وانّا الانأکل الصدقة وّان لا ننزی الحمر علی الخیل (طحاوی شریف ص ۲۹۷ ج ۲)**

امام طحاوی فرماتے ہیں۔ **فهذا ابن عباس یخبر فی هذا الحدیث ان رسول الله ﷺ اختصهم ان لایأکلوا الصدقة فلیس یخلو الحدیث الاول من ان یکون علی ماذکرنا فی الفصل الاول فیکون ماابا ح لهم فیه غیر ماحرم علیهم فی هذا الحدیث الثانی ویکون معنی کل واحد منهما علی ماذکرنا اویکون الحدیث الاول یبیح مامنع منه هذا الحدیث الثانی ناسخاله لان عبدالله ابن عباس یخبر فیه**

بعد موت النبی ﷺ انهم مخصوصون به دون الناس فلایجوزان یکون ذلک الاهو قائم فی وقته ذلک (ص۳۳۰، ج۲)

امام طحاوی کی اس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی پہلی حدیث سے بنی عبدالمطلب کے حاجتمندوں پر صدقہ کی حلت کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں حرمت کا اب دونوں حدیثوں میں تطبیق کی یا تو یہ صورت ہے کہ جس صدقہ کی اباحت ثابت ہے وہ صدقہ دوسرا ہے، یعنی وہ ہبہ تھا اس کو صدقہ کے لفظ سے صرف تعبیر کر دیا گیا اور جس صدقہ کی حرمت دوسری حدیث سے ثابت ہو رہی ہے وہ حقیقی صدقہ تھا۔ یا پھر یوں کہا جائے کہ پہلی حدیث مُبیح ہے اور دوسری حدیث مُحرم ہے، تو اس صورت میں یہ حدیث حلت کی ناسخ ہوگی، اس لئے کہ دوسری حدیث کو عبداللہ ابن عباس نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بیان فرمایا ہے، اب ضروری ہے کہ یہ حرمت حضرت عبداللہ ابن عباس کے وقت قائم ہو، اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد نسخ کی کوئی صورت نہیں ہے، اس کے علاوہ جب مبیح اور محرم میں اجتماع ہوتا ہے تو قواعد کی رو سے ترجیح محرم کو دی جاتی ہے، اس لئے بھی صدقات کی حرمت بنی ہاشم کے لئے ثابت ہے۔ غرضیکہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی روایت میں **فتصدق بها علی ارامل بنی عبدالمطلب** کے ظاہری الفاظ سے جو بنی ہاشم پر زکوٰۃ کے جواز کا شبہ ہوتا تھا اور بعض لوگوں نے صدقات کی اباحت بنی ہاشم کے لئے اس حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی جیسا کہ فلاں مقام کے مفتی صاحب نے اس کو ثابت کرنا چاہا ہے اس کا ابطال امام طحاوی نے اچھی طرح کر دیا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ جس بات کی تردید امام طحاوی نے اسی جگہ کر دی ہے اس سے کیونکر استدلال کیا جا رہا ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ حرمت اُس زمانہ میں تھی مگر اب نہیں رہی، اس کی تردید اوپر کر دی گئی ہے، کہ علتِ حرمت اس کا اوساخ الناس ہونا ہے اور یہ علت مال زکوٰۃ میں ہمیشہ موجود ہے اس لئے حرمت بھی ہمیشہ رہے گی کسی زمانہ میں بھی بنی ہاشم پر زکوٰۃ حلال نہیں ہوسکتی۔

امام طحاوی رحمہ اللہ خود بھی علتِ حرمت اوساخ الناس ہونا ہی ارقام فرماتے ہیں چنانچہ اس اعتراض کے جواب میں کہ خمس میں سے بنی ہاشم کو حصہ دیا جاتا ہے اور وہ بھی صدقات میں سے ہوتا ہے، فرماتے ہیں۔ **قدیجوزان یکون ذلک من سهم ذوی القربی الذی فی الخمس**

وذلک خارج من الصدقات المحرمة علیهم لانه انما حرم علیهم اوساخ الناس والخمس لیس کذلک (ص۳۳۱، ج۱)

حاصل یہ ہے کہ بنی ہاشم پر وہ صدقات حرام ہیں جو اوساخ الناس ہیں اور جو اوساخ الناس نہیں وہ صدقات ان کے لئے حرام نہیں ہیں اور خمس ایسے صدقات میں سے نہیں ہے جو اوساخ الناس ہوتے ہیں، اس لئے خمس کا مال بنی ہاشم کے لئے حلال ہے۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ امام طحاوی کے نزدیک بنی ہاشم پر حرمت زکوٰۃ کی علت اس کا اوساخ الناس ہونا ہے، لاغیر۔ واللہ اعلم۔ **ھٰذا ھو التحقیق وبالقبول حقیق وباللہ التوفیق۔** فقط سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ مدرسہ عربیہ حقانیہ

ساہی وال ضلع سرگودھا ۱۲؍محرم الحرام ۱۴۰۴ھ

۶۔ قربانی کے جانور میں عمر اور دانتوں کی شرعی حیثیت

سوال: ہمارے علاقے میں ایک مسئلہ کی وجہ سے تنازعہ پیدا ہو گیا ہے، کئی علماء سے رابطہ کیا لیکن کسی نے تسلی بخش جواب نہیں دیا، احباب کے مشورے سے آپ سے استفتاء حاصل کرنا طے ہوا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے دیہاتی علاقے میں عام طور پر مشہور تھا کہ جانور کی قربانی جائز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوندا ہو، یعنی سامنے کے دو دانت نکلے ہوں، اور اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو (جو فقہاء نے بیان فرمائی ہے، مثلاً بکرا بکری وغیرہ میں ایک سال اور گائے، بھینس وغیرہ میں دو سال اور اونٹ میں پانچ سال) لیکن وہ جانور دوندا نہ ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ ہم نے لوگوں میں تبلیغ کی کہ اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو جائے لیکن وہ دوندا نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ عمر پوری ہونا شرط ہے، دوندا ہونا شرط نہیں، مگر ہمارے علاقے میں بعض غیر مقلد حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں مسن اور ثنیٰ کا لفظ آیا ہے، ثنیٰ ثنایا سے ہے اور ثنایا کے معنٰی سامنے کے دو دانت ہیں، لغات اور اشعۃ اللمعات میں بھی یہی ہے کہ ثنیٰ وہ جانور ہے جس کے سامنے کے دانت گر گئے ہوں۔ آپ اس سلسلہ میں مدلل جواب سے مستفید فرمائیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: قربانی کے جانوروں میں حکم کا مدار عمرِ خاص پر ہے، مگر چونکہ اس عمرِ خاص میں

اکثر دانت بھی نکل آتے ہیں اس لئے اکثر اہل سنت نے طلوع سے تفسیر کردی ہے، اور بعض اہل لغت نے فقہاء کی اختیار کردہ تفسیر کو بھی ذکر کیا ہے اور عمرِ خاص سے تفسیر کی ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے عمرِ خاص کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ مجمع البحار میں ''ثنیہ'' کی تفسیر دانتوں کے بجائے عمرِ خاص سے ہی کی گئی ہے (مجمع البحار ج ۱ ص ۱۶۶) اور اسی مجمع البحار میں ''ثنیه من المعز'' کی تفسیر میں لکھا ہے ''وعنداحمد من المعزفی الثامنة'' (ج ۱ ص ۱۶۶) اور (ج ۱ ص ۱۸۱) پر ''جذع من الضأن'' کی تفسیر میں ہے ''ومن الضأن ماتمت له سنة وقیل اقل منها'' اسی طرح مختار الصحاح میں ہے ''وقیل فی ولدالنعجة انه یجذع فی ستة اوتسعة اشهر'' (ص ۱۱۲) اور یہ بعینہٖ وہی تفسیر ہے جس کو فقہاءِ حنفیہ نے اختیار فرمایا ہے۔ ان حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اہل لغت نے بھی یہ تفسیریں کی ہیں جن کو فقہاءِ حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔ اب رہا یہ شبہ کہ بعض عباراتِ کتبِ لغت سے ان عمروں سے زیادہ کا ثبوت ملتا ہے جن خاص عمروں کا فقہاءِ حنفیہ نے اعتبار کیا ہے۔ تو اس کا حل یہ ہے کہ فقہاءِ حنفیہ نے جن عمروں پر مدارِ حکم رکھا ہے اور ثنی وجذع کی تفسیر جس خاص عمر سے کی ہے اس کا اعتبار کر کے ثنی اور جذع کے ہر فرد پر حکم کا اطلاق ہوجاتا ہے۔ اور جس جس فرد پر ثنی اور جذع کا اطلاق لغۃً ہوتا ہے۔ اطلاقِ حدیث سے وہ حکم سب افراد کو شامل ہوجاتا ہے، اور اگر زیادہ عمروں سے تفسیر کا اعتبار کیا جائے تو چھوٹی عمروں والے اس حکم سے خارج ہوجائیں گے۔ حالانکہ باطلاقِ حدیث وہ بھی لغۃً ثنی وجذع کہلانے کی وجہ داخل ہیں۔ بہرحال دانتوں کے نکلنے پر مدارِ حکم نہیں ہے، لیکن چونکہ اکثر ان عمروں میں دانتوں کے نکلنے کی عادت ہے، اس لئے دانتوں کا ذکر بھی کردیا جاتا ہے، درحقیقت مدارِ حکم خاص خاص عمروں پر ہے، دانت نکلے ہوں یا نہ نکلے ہوں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت زکوٰۃ غنم میں ''ودر چہل گاہ مسن است کہ دوسال تمام کردہ ودر سال سوم درآمدہ است'' (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۹)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے نزدیک مسن کی تفسیر عمرِ خاص یعنی دوسال کے استکمال سے ہی معتبر ہے۔ اور ''لاتذبحوا الا مسنة'' کی شرح میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے مسنه اور ثنیٰ کے اتحاد کا دعویٰ فرمایا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ثنی کی تفسیر بھی استکمال سنتین سے معتبر ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''وجائز است از جمیع ایں اقسام ثنی بثائے مثلثہ وہمیں

مراد است بمسنہ کہ در بحدیث مذکورہ است واں از ابل آنچہ تمام کردہ پنج سال کامل داد پانھادہ در ششم۔ واز بقرہ آنچہ استکمال کردہ دوسال راواز غنم خواہ ضاٗن باشد یا معز یک سالہ ھٰکذا فی الہدایہ'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ص ۶۰۸)

مقصد یہ ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ عمرِ خاص کے ساتھ تعریف میں صاحب ھدایہ وغیرہ تمام فقہاء کے ساتھ متفق ہیں۔ اور جس عبارت کا حوالہ سوال میں دیا گیا ہے، مسنہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمائی ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ اس عمر میں اکثر دانت نکل آتے ہیں۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے کہ ''وجہ تسمیۃ بمسنۃ آنست کہ وی می انداز ددندان پیش را کہ آنرا ثنایا گویند دریں عمر'' (اشعۃ اللمعات ج۱ ۶۰۸)

''دریں عمر'' کا لفظ صاف بتلا رہا ہے کہ عمر خاص کا اعتبار کیا جاتا ہے، ورنہ شیخ رحمہ اللہ کی تصریحات کے خلاف ہوگا۔ چنانچہ'' **الجذع یوفی ممایوفی منه الثنی**'' کی شرح میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ **ثنی** ایک سالہ بکری کو کہتے ہیں، فرماتے ہیں'' ثنی از معز یک سالہ گویند'' (اشعۃ ج ۱ص ۶۱۲)

جب اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ قربانی کے جانوروں کی عمروں کی تعیین اور فقہاءِ کرام کے **ثنی** اور **مسنہ** کے بیان کردہ معنیٰ کتبِ لغت سے ثابت ہیں، تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حدیث کے کئی الفاظ سے عمر کا تعین کیا گیا ہے کہ وہ حدیث کے الفاظ مسنہ اور ثنی ہی ہیں۔

حسبِ تصریح لغت ان کے معانی تعیینِ عمر کے ساتھ بھی آئے ہیں، جیسا کہ گذرا، اس لئے تعیینِ عمر کے ساتھ ان الفاظِ حدیث کے معانی کو خلاف لغت سمجھنا اور ان کے لغوی معانی دانتوں کے نکلنے کے ساتھ خاص سمجھنا درست نہیں ہے۔ مدارِ حکم اگر کسی خاص دانت پر رکھا جائے، تو اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ بالفرض اگر کسی جانور کے کسی عارضہ کی وجہ سے یہ خاص دانت بہت زیادہ عمر کے باوجود بھی نہ نکلیں تو کیا اس کی قربانی کو اس لئے ناجائز قرار دیا جائے گا کہ اس کے وہ دانت نہیں ہے۔ اور اگر کسی عمر تک پہونچنے کے بعد بغیر ان خاص دانتوں کے نکلے بھی اس جانور کی قربانی دے دی جائے گی۔ تو پھر ان خاص دانتوں پر مدارِ حکم نہ رہا، بلکہ عمر خاص پر مدار ہوگیا۔ **ھذا ماسنح لی الاٰن**، واللہ اعلم..سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ۲۲رذی القعدہ ۱۳۹۷ھ

۷۔ چھ ماہ کے مینڈھے کی قربانی کی تحقیقِ انیق

(شمول الحکم لعموم الغنم)

سوال: چھ ماہ کا مینڈھا اگر اتنا فربہ،موٹا تازہ اور قد آور ہو کہ سال والے کے برابر ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں ایک مولوی صاحب نے مختلف دلائل کے ساتھ تحریر کیا تھا کہ چھ ماہ کی مذکورہ اجازت صرف دنبہ میں ہے اور مینڈھے میں نہیں،اور ضأن کا لفظ صرف دنبہ پر بولا جاتا ہے بھیڑ اس میں شامل نہیں،حضرت فقیہ العصر نے اس کا درجِ ذیل مدلل ومحقق جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: احقر کے سامنے اس امر کا استفتاء پیش کیا گیا ہے کہ فقہاء کے نزدیک ضأن کے لفظ میں بھیڑ بھی شامل ہے،یا اس کا اطلاق صرف دنبہ پر ہی کیا گیا ہے۔اس بارے میں واضح ہو کہ لغت کی معتبر کتابوں کے علاوہ فقہاء کی تصریحات سے بھی یہ بات واضح ہے کہ ضأن کا لفظ اون والے جانور میں عام ہے بھیڑ ہو یا دنبہ یعنی ذوات الالیۃ ہو یا غیر ذوات الالیۃ ہو دونوں اس میں شامل ہیں، اور دونوں پر ہی اس کا اطلاق کیا گیا ہے،لغت کی کتابوں میں ضأن کا معنی ذاتِ صوف (اون والی) اور معز کا معنی ذاتِ شعر (بالوں والی) لکھے ہیں،اور ضأن کو خلاف المعز بتلایا ہے۔

المنجد میں ہے (الضأن) تا .ذوالصوف خلاف المعز من الغنم (ص۴۹۴) الفائق میں ہے۔ **مثل قراء ھذا الزمان کمثل غنم ضوائن ذات صوف عجاف** (ج۲ص ۴۹) اس عبارت کے بعد مجمع البحار میں ہے ’’**ھو جمع ضائنة وھی الشاة من الغنم خلاف المعز**‘‘ (ج۲ص۲۷۷)

مختار الصحاح میں ہے ضأن (**الضائن) ضدالماعز والجمع (الضأن) والمعز کراکب ورکب وسافر وسفرالخ** (ص۳۹۹) قاموس میں ہے (**الضائن) خلاف الماعز من الغنم** (ج۲ص۲۲۴)

صراح میں ہے **ضأن ضائن** پیش نر **خلاف ماعز والجمع ضأن خلاف معز مثل**

راکب ورکب (ص ۵۱۷)

قرآن کریم میں بھی لغت عرب کے موافق ضـأن کو معز کے مقابل ذکر فرمایا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے **من الضأن اثنین و من المعز اثنین**۔ اس کا ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ دھلوی فرماتے ہیں۔ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو۔ شاہ عبدالقادر دھلوی رحمہ اللہ نے بھی بعینہٖ یہی ترجمہ فرمایا ہے۔ حضرت شاہ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ حدیث شریف **لاتـذبحوا الامسنة الاان یعسر علیکم فتذبحوا اجزعة من الضأن** کے تحت تحریر فرماتے ہیں غنم دو صنف است معز کہ آنرا بز گویند و ضأن کہ آنرا میش خوانند (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۰۸) اس سے بھی واضح ہے کہ معز کو بکری اور ضأن کو بھیڑ کہتے ہیں۔ اور یہ کہ معز وضأن غنم کی دو قسمیں ہیں ضأن معز کا قسیم اور بالمقابل ہے۔ مولانا قطب الدین دھلوی رحمہ اللہ شاگرد حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ حدیث مذکور کے ترجمہ میں اس طرح لکھتے ہیں:

پس ذبح کرو جذعہ دنبہ یا بھیڑ سے۔ آگے اس کے فائدہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔ ان اقسام میں مسنہ ہونا شرط ہے قربانی کے لئے مگر دنبہ اور بھیڑ کا اگر جذعہ بھی ہو تو درست ہے (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۷۶) اس میں تصریح ہے کہ لفظ ضـأن بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہے اور دونوں کا جذعہ قربانی میں درست ہوتا ہے۔

لغت عرب اور قرآن کریم نیز شارحین حدیث کی مذکورہ تصریحات کے ہوتے ہوئے یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتی کہ ضـأن کے لفظ کا بھیڑ پر اطلاق نہیں کیا جاتا، اس لئے بھیڑ کا جذعہ قربانی میں درست نہیں ہے اور اس سے صرف دنبہ مراد ہے۔

رہا یہ شبہ کہ شاید فقہاء کرام کی کوئی اپنی اصطلاح ہو کہ وہ ضـأن سے مراد صرف دنبہ لیتے ہوں اور بھیڑ کو اس میں شامل نہ کرتے ہوں جیسا کہ صاحبِ شرح وقایہ کے ضأن کی تعریف ''**ماتکون له الیة**'' اور علامہ شامی کے ''**ھو ماله الیة**'' کے ساتھ کرنے سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھیڑ کو ضـأن سے خارج کر کے اس کو دنبہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے تو یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ باب زکوٰۃ الغنم میں فقہاء کرام نے ضـأن کو عام معنی میں استعمال فرمایا ہے اور اس سے بھیڑ دنبہ دونوں ہی مراد لئے ہیں۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ ضـأن اور معـز کی تعریف ان الفاظِ ذیل سے فرماتے ہیں جو کہ مذکورہ بالا لغوی تعریف کے بالکل موافق ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں۔ ''**والضـأن ماكان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر قهستانی**'' (شامی ج۲ص۲۵)

ان الفاظ سے صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ ضـأن اون والے جانور میں عام ہے اور یہ لفظ بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام اور شامل ہے اور معانی لغویہ کے علاوہ فقہاء کرام نے اپنی کوئی خاص اصطلاح اس بارے میں وضع نہیں فرمائی

اسی طرح شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ نے ماتن کے لفظ ''**ضـأنـاً اومعزاً**'' پر لکھا ہے ''**الـغـنـم جـنـس وهـذان نـوعـان منه فالضأن بفتح الـضـادالـمـعـجـمة وبـعـدها الهمزة ويجوز تخفيفها بالفارسية ميش ومنه ماله الية والمعز بالفتح بالفارسيه بز** (ج ۱ ص ۲۱۳)

ضأن اور معز کی یہ وہی تعریف ہے جو اوپر کتب لغت سے لکھی گئی ہے اس میں ''**ومـنـه ماله الية**'' کا خط کشیدہ لفظ خصوصیت سے قابل لحاظ ہے جس سے یہ مستفاد ہو رہا ہے کہ ضــــأن اصل میں بھیڑ کے لئے ہے۔ جس کو فارسی میں میش کہتے ہیں اور چکتی والا دنبہ اس کی ایک قسم ہے شاید اس کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ اور شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے ضأن کا ترجمہ بھیڑ سے کیا ہے۔

نیز ہدایہ کے بین السطور میں مولانا مرحوم رحمہ اللہ نے ماتن کے قول'' **ويجزی من ذلک كـلـه الثـنـی فصاعداً الاالضأن فان الجذع منه يجزی** '' کے تحت تحریر فرمایا ہے ضأن بالفتح میش خلاف معز۔۱۲۔ یہ تعریف بھی تعریفِ لغوی کے موافق ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ فقہاء کرام کے نزدیک ضأن سے صرف ذات الیہ چکتی والا دنبہ ہی مراد ہوتا ہے اور یہ ان کی اپنی کوئی خاص اصطلاح ہے تو اس سے ایک یہ محذور لازم آئے گا کہ کتب فقہ میں باب زکوٰۃ الغنم کے اندر بھیڑ کی زکوٰۃ کا تذکرہ ہی نہ رہے بلکہ لازم آئے گا کہ بھیڑ سے زکوٰۃ کا وظیفہ شرعی ہی ساقط ہو جائے۔ اور بھیڑ حکم زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پائے کیونکہ فقہاء نے زکوٰۃ غنم کو بیان کرتے ہوئے نصاب ''**الـــغـــنـــم ضأنااو معزا الخ** '' درمختار کے الفاظ سے غنم کی صرف دو نوعوں، ضأن اور معز کو ہی بیان کیا ہے، فقہاء

کے قول مذکور ضأنًا اور معزًا میں اگر ضأن کو چکتی والے دنبہ کے ساتھ خاص کر کے بھیڑ کو اس میں شامل نہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ معز کے لفظ میں بھیڑ کے شامل ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے تو پھر بھیڑ کی زکوٰۃ کا حکم کس لفظ سے معلوم کیا جائے گا دوسرے یہ کہ بعینہ اس دلیل سے بھیڑ کی قربانی کا جواز بھی، قطع نظر جذع یا مسنۃ ہونے کے فقہاء کے کلام سے ثابت نہ ہو سکے گا، اس لئے کہ قربانی کا جواز بھی اسی لفظ غنم یا شاۃ سے ہی فقہاء نے بیان کیا ہے اور ثابت ہو چکا کہ غنم منحصر ہے مذکورہ دونوعوں، ضأن اور معز میں ،ان دونوعوں کے علاوہ تیسری کوئی اور نوع غنم کی فقہاء کے نزدیک بھی نہیں ہے، تو اب بھیڑ کی قربانی کا جواز کون سے لفظ سے ثابت کیا جائے گا؟ بہر حال یہ بات کسی طرح بھی قابل تسلیم نہیں ہے کہ فقہاء کرام نے ضأن سے صرف چکتی والا دنبہ مراد لیا ہے اور بھیڑ کو اس سے خارج کر دیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ جن حضرات کے کلام میں ضأن کی تعریف ''ماله الية'' سے کی گئی ہے، اس میں تاویل کر کے اس کو دوسرے فقہاء کرام کے موافق ہونا ثابت کیا جائے، بلکہ خود ان کے کلام کو موافق ومتحد کیا جائے، اور بظاہرِ نظر جو ان کے کلام میں مخالفت محسوس ہوتی ہے اس کو رفع کیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ضأن کی جو تعریف ''مالـه الية'' کے ساتھ کی گئی اس کو تعریف ببعض الاصناف قرار دیا جائے جیسے کوئی کہے ''الـمـرأة من لهاثديان ناهدان'' اور ''ماله الية'' کی قید کو قید اتفاقی سمجھنا چاہئے نہ کہ احترازی، مقصد یہ ہے کہ اس تعریف میں ایک نوع کا قصور ہے یہ تعریف جامع اور تمام افراد کو شامل نہیں ہے۔

شاید ان حضرات نے بعض پہاڑی علاقوں میں ہونے والے دنبوں کا حال دیکھ کر یہ تعریف فرمادی ہے کیونکہ پہاڑی علاقوں میں اکثر چکتی والے دنبے ہوتے ہیں اور اس طرف اشارہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے اس طریقہ اختیار کرنے سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے ''مـالـه الية'' کی قید کو ''منح الـغـفـار'' کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد اس کا مفہوم نہیں بتلایا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اس قید کو اتفاقی سمجھا ہے ورنہ اس کا مفہوم مخالف بھی ذکر فرماتے، جیسا کہ ''صـح الـجـذع مـن الضان'' میں متن کی قید ''من الضان'' کا مفہوم ''لايـجـوز الجذع من المعز'' وغیرہ بلا خلاف کہہ کر بتلایا ہے، بلکہ سے دیکھا جائے تو مـن الـضـان کی قید کا جو مفہوم علامہ نے بتلایا ہے وہ ضـأن کو مـالـه الية کی قید سے مقید کرنے کو رد کرتا ہے، اس لئے کہ علامہ موصوف نے الـضـان کے مقابلہ میں

معز کو ذکر فرما کر ''جذع من المعز '' کا عدم جواز بتلایا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک مطلق ضأن مقابل معز ہے یہ بات نہیں ہے کہ صرف ضأن ماله الية مقابل معز ہے اور ضأن غير ماله الية کے حکم میں ہے، اگر ایسا ہوتا تو لا یجوز الجذع من المعز وغیرہ کے ساتھ ضأن غیر مالہ الیۃ کے جذع کا عدم جواز بھی ذکر کرتے ، کیونکہ حسبِ تصریحِ علامہ موصوف بھی ایک قسم ضأن کی غیر مالہ الیۃ بھی ہوتی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ''صح الجذع من الضأن '' کے حکم میں وہ شامل ہے یا نہیں؟ لفظ ضأن کے اطلاق میں تو وہ لغۃً وفقہاً شامل ہے کما مر تفصيلهٔ ، اب اگر وہ اس حکم سے خارج تھی تو اس کے بتلانے کا اس سے بہتر موقعہ اور کون سا تھا۔ صرف ''جذع من المعز '' کے عدم جواز کا ذکر کرنا اور ''جذع ضأن غير ماله الية '' کا عدم جواز بیان نہ کرنا صاف بتلاتا ہے کہ ضأن اپنے اطلاق پر ہے اور اپنی دونوں صفتوں ماله الية و غير ماله الية کو شامل ہے اور منح الغفار کی ذکر کردہ قید ''ماله الية ''محض اتفاقی ہے اور اگر اس پر اصرار کیا جائے کہ ضأن کا لفظ اصطلاح فقہاء میں دنبہ پر بولا جاتا ہے اور بھیڑ مینڈھا پر اس کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ اور ''صح الجذع من الضان ''میں دنبہ کا حکم ہی بیان کیا گیا ہے تو سوال یہ ہے کہ ''صح الجذع من الضان '' سے تو دنبہ کے جذع کا حکم معلوم ہو گیا اور ''لايجوز الجذع من المعز'' وغیرہ سے علامہ نے بکری اونٹ گائے کے جذع کا حکم بیان فرما دیا کیونکہ وغیرہ سے علامہ کی مراد بقر اور ابل کا جذع ہی ہے ان ہی دونوں کے جذع کی تفصیل اس مقام پر انہوں نے بیان کی ہے لیکن ان میں سے کسی عبارت سے بھی بھیڑ مینڈھا کے جذع کا حکم معلوم نہیں ہوتا تو کیا اس کے جواز وعدم جواز سے کتب فقہ بالکل خالی ہیں؟ اور ''صح الثنى فصاعداً من الثلاثة '' کے تحت جو علامہ نے فرمایا ہے ''اى الاتية وهى الابل والبقر بنوعيه والشاة بنوعيه ''اس میں شاۃ کی دونوعوں سے یقیناً وقطعاً ضأن اور معز مراد ہیں۔ اور مقصد یہ ہے کہ اونٹ گائے بھینس اور بکری بھیڑ دنبہ اجناس ثلاثہ کے تمام اقسام میں ثنی کی قربانی صحیح ہے۔ اور یہ حکم اجناس ثلاثہ کا مشترکہ حکم ہے ضأن بھی اپنی دونوں صنفوں دنبہ بھیڑ کے ساتھ اس میں شریک ہے البتہ ضأن کے لئے ایک مخصوص حکم الگ بھی تھا جس میں معز ابل اور بقر شامل نہیں تھے ، اس کو ''وصح الجذع من الضان '' سے علیٰحدہ بیان کر دیا گیا۔ اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ دنبہ کا حکم بھیڑ سے علیٰحدہ ہے اور ''و الشاة بنوعيه ''میں معز کے ساتھ ضأن کی صرف ایک صنف بھیڑ ہی

داخل ہےاوراس کی دوسری صنف دنبہ خارج ہےخلاف حقیقت ہے، بلکہ جس طرح ''وصح الجذ ع من الضأن ''میں دنبہ بھیڑ دونوں کا حکم بیان کیا گیا ہےاسی طرح '' و ا لشـاۃ بنو عیہ ''میں بھی معز کے ساتھ ضأن کی دونوں صنفوں بھیڑ دنبہ کو شریک کیا گیا ہےاوراگر'' ضـأن مـالـہ الیۃ '' کے ساتھ خاص کر کے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ضأن دنبہ کے ساتھ خاص ہےتو پھر''والشاۃ بنو عیہ ''میں معز کے ساتھ دوسری نوع کون سی مراد ہوگی؟ کیونکہ اس اصطلاع کی بناء پر ضأن صرف مـالـہ الیۃ کو کہتے ہیں اوراس کا حکم پہلے بیان ہو چکا ہے۔تو اب ''والشـاۃ بـنو عیہ '' میں دوسری کون سی نوع مراد ہےاگر بھیڑ کومرادلیا جاوےتو وہ کیوں؟ وہ نہ تو ضأن ہے کیونکہ اس کو''مالہ الیۃ '' کی قید سے خارج کر دیا گیا ہےاس اصطلاح پراس کو ضأن نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی معز کا اطلاق بھیڑ پر کیا جا سکتا ہے پھر تو علامہ کا بـنو عیـہ فرمانا ہی صحیح نہیں بنتا اس اصطلاح پر تو ان کو بـنو عـہ کہنا مناسب تھا۔درحقیقت یہ سمجھنا ہی صحیح نہیں کہ ضأن کے بارے میں فقہاء کی کوئی اپنی خاص اصطلاح ہے اس کے لغوی فقہی معنٰی متحد ہیں اور یہ لفظ دنبہ و بھیڑ دونوں کو عام ہے۔اور''جذع من الضأن '' سے دنبہ اور بھیڑ دونوں کے جذع کی قربانی کا جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔تحریر بالا سے اس بات کا غیر صحیح ہونا بھی ثابت ہوگیا کہ اگر ضأن کے لغوی معنی کا اعتبار کریں یعنی''مـالـہ الصوف ''تو دنبہ اور مینڈھا بے شک دونوں اس میں داخل ہوں گے لیکن لغت میں جذع کا اطلاق یک سالہ بھیڑ بکری پر آتا ہے،اوراگر شرعی معنی کا اعتبار کریں تو جذعہ بے شک چھ ماہ پر بولا جاتا ہے لیکن ضأن کا اطلاق دنبہ پر آتا ہے۔کیونکہ اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ ضأن کے لغوی اور شرعی معنی میں کوئی فرق نہیں ہے غور کرنے کی بات ہے کہ ضأن کے شرعی معنی اگر''مالہ الیۃ ''ہوں تو علاوہ متذکرہ محذورات کے لزوم کے کیا معز کے شرعی معنی''مـالہ الصوف '' کے ہوں گے؟اور بکری کی طرح بھیڑ پر بھی معز کا اطلاق درست ہوگا''وھٰـذالـم یـقل بہ احد من الـفقھاولم ینقل من احدھم ''اور جذعہ کی جس تعریف کو کتب فقہ میں نقل کیا گیا اس کی تائید کتب لغت سے بھی ہوتی ہےاس لئے یہ تعریف جس طرح فقہی ہے لغوی بھی ہے،مجمع البحار میں ہے''ومـن الـضـأن مـاتـمت لہ سنۃ وقیل اقل منھا'' (ج ا ص ۱۲)اور مختار الصحاح میں ہے۔''وقیل فی ولدالنعجۃ انہ یحدث فی ستۃ اشھر اوتسعۃ اشھر '' (ص ۱۱۲)معلوم ہوا کہ بعض اہل سنت نے جذع کی یہ تفسیر بھی کی ہے جس کو فقہاء نے اختیار فرمایا ہےاور حنفیہ نے اس تفسیر کو اس لئے اختیار

فرمایا ہے کہ حدیث شریف میں جولفظ جذع وارد ہے وہ چونکہ مطلق ہے اس لئے وہ اپنے اطلاق پر رہے اور جذعہ کا اطلاق لغۃً جس جس فرد پر آتا ہو ان سب کو شامل ہو جائے ''جذعه من الضأن'' کا کوئی فرد اس حکم سے خارج نہ رہ جائے۔ پس نہ تو ضأن میں ذات الیۃ کی قید لگا کر اس کو مقید کرنا درست ہے اور نہ جذع میں کسی خاص قسم اور عمر کے جذعہ کی قید ملحوظ ہے بلکہ لغۃً جس جس فرد پر ضأن اور جذع کا اطلاق ہوتا ہے ان سب کو یہ حکم شامل ہوگا۔ لہٰذا فقہی اصطلاح کے نام پر ''جذع من الضأن'' کی صحت کو صرف ذات الیۃ دنبہ کے ساتھ خاص سمجھنا درست نہیں ہے۔ ضأن کے معنی کی تحقیق کے بعد اب حدیث مذکور ''لاتذبحوا الامسنة الخ'' کے ظاہر پر پیش آنے والے اس شبہ کا ازالہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''جذع من الضأن'' کی قربانی جواز حالت مجبوری میں ہے اور تاوقتیکہ تنگی اور مجبوری نہ ہو ''جذعه من الضأن'' درست نہیں، فقہاء کرام کی عبارات میں اس کو مطلق بیان کیا گیا ہے تنگی کی حالت کے ساتھ اس کو مقید نہیں کیا گیا۔ ہدایہ کی عبارت ہے ''ويجزى من ذالک كله الثنى فصاعداً الاالضأن فان الجذع منه يجزى'' (ج۴ص۴۴۹)

اس میں حالت اضطرار اور تنگی کی قید نہیں لگائی گئی اور فقہ کی دوسری معتبر کتابوں میں بھی اضطرار اور مجبوری کی قید کا ذکر نہیں دیکھا گیا اس لئے ایک حنفی مقلد کے لئے فقہ حنفی کے خلاف اس قید کے لگانے کا جواز سمجھ میں نہیں آتا اور ہدایہ میں حدیث مذکور کے ذکر کرنے کے بعد دوسری حدیث ''نعمت الاضحية الجذع من الضأن'' کو دیکھ لینے کے بعد تو اس شبہ کا ازالہ حدیث سے بھی ہو جاتا ہے اور شاید اس شبہ کے ازالہ کی غرض سے صاحب ہدایہ نے پہلی حدیث کے بعد اس حدیث کا ذکر کیا ہو اور پہلی حدیث کے ذکر پر اکتفاء نہ کیا ہو، شارحین حدیث نے بھی ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی یہ صورت اختیار فرمائی ہے کہ حدیث اول کو استحباب پر محمول فرمایا ہے اور دوسری حدیث کو جواز پر ''مظاہر حق'' میں ہے ''حدیث کی ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسنہ بہم نہ پہنچے یا قیمت اس کی میسر نہ ہو تو جذعہ درست ہے اور نہیں تو نہیں، لیکن فقہاء کے نزدیک یہ محمول ہے استحباب پر یعنی مستحب یوں ہی ہے کہ اگر مسنہ بہم پہونچے تو جذعہ نہ کرے اور اگر بہم نہ پہنچے تو کرے، پس اگر میسر ہوتے ہوئے بھی جذعہ کرے گا تو درست ہے'' (ج۱ص۴۷۶)

علامہ نووی فرماتے ہیں ہیں قال الجمهور هذا الحديث محمول على

الاستحباب والافضل وتقديره يستحب لكم ان لاتذبحوا الامسنة فان عجزتم فجذعة ضأن .....وقد اجمعت الامة على انه ليس على ظاهره لان الجمهوريجوزون الجذع من الضأن مع وجود غيره وعدمه(شرح مسلم ج۲ص۱۵۵)

شارحینِ حدیث کی ایسی صاف اورواضح تصریحات کے ہوتے ہوئے صرف اپنی رائے سے جذع من الضأن کی قربانی کے جواز کوصرف مجبوری کی حالت کے لئے بتلانا کیسے درست ہوسکتا ہے؟'' هذا ما اردنا ايراده فى هذاالباب، والله اعلم بالصواب، واليه المرجع والمآب ،كتبه الاحقرالافقرالى الله المغفور المدعو بعبدالشكور الترمذى عفى عنه ذنبه الجلى والخفى خادم الطلبة فى المدرسة العربيه المسماة بحقانيه فى بلدة ساهيوال من مضافات سرجودها.۲۶/ذوالقعدہ۱۳۹۱ھ

﴿۸۔حاکمِ وقت کوقصاص معاف کرنے کا اختیار﴾

(ابراء الحاكم عن قصاص المسلم)

سوال یہ تھا کہ اگرکوئی شخص جان بوجھ کرکسی کوقتل کردے اورعدالت عالیہ سے قصاص کا حکم نامہ بھی جاری ہوجائے ،لیکن حاکم وقت سے معافی کی استدعا کر کے خلاصی حاصل کر لی جائے تو کیا حاکم وقت کے بری کردینے سے قصاص کا حکم ختم ہوسکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: قتل عمد میں جبکہ تمام شرائط پائی جائیں جن میں سے بعض کاتعلق قاتل سے ہےاوربعض کاتعلق مقتول سے ہےاوربعض کا خودقتل سے اوربعض کامقتول کے ولی سے ہے،قصاص واجب ہوتا ہے پھراگرمقتول کا کوئی وارث معلوم ہوتو قصاص کا حقدار وارث ہی ہوگا۔جیسے اس کے مال کا حقدار وارث ہی ہوتا ہے، کیونکہ قصاص ایک حقِ ثابت ہےاوروارث تمام لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہوتا ہے ،لہٰذا قصاص کا حق اسی کوحاصل ہوگا۔اگر وارث ایک ہےتو وہ قصاص کا حقدار ہوگا اوراگرمتعدد ہوں تو وہ سب شرکت کے طور پراس کے مستحق ہوں گے جیسے اس کی میراث کے وہ سب حقدار ہوتے ہیں۔بدائع میں ہے،فان كان له وارث فالمستحق للقصاص هوالوارث كا لمستحق للمال لانه حق ثابت والوارث اقرب الناس الى الميت فيكون له ثم ان

کان الوارث واحدا استحقه وان کان جماعة استحقوه علی سبیل الشرکة کالمال الموروث عنه (ج۷ص۲۴۲) اوراگرمقتول کا کوئی وارث معلوم نہ ہوتو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اورامام محمد رحمہ اللہ کےقول کے مطابق سلطان اس کے قصاص کا مستحق ہوگا۔ وان لم یکن لہ وارث ولالہ مولی العتاقة ولالہ مولی الموالاة کاللقیط وغیرہ فالمستحق ھو السلطان فی قولھما (بدائع ج۷ص۲۴۳)

لھما ان الکلام فی قتیل لم یعرف لہ ولی عندالناس فکان ولیہ السطان لقولہ علیہ الصلوٰة والسلام السلطان ولی من لاولی لہ (بدائع ج۷ص۲۵۵) قرآن کریم میں ہے ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلایسرف فی القتل (الایۃ پ ۱۵) اس آیت کریمہ سے بھی واضح ہورہا ہے کہ اصل حق قصاص کا ولی مقتول کو حاصل ہے کیونکہ ولی کیلئے اصل اورحقیقی ولایت حاصل ہے۔ سلطان اس کا حکماً ولی ہے جس کا کوئی حقیقی ولی نہ ہو۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس کا کوئی ولی نہ ہواس کا ولی سلطان ہے غرضیکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ مقتول کا ولی اس کے قصاص کا اصل حقدار ہے اس کے ہوتے ہوئے سلطان کو ولایتِ قصاص حاصل نہیں ہے، بلکہ ولی کی ولایت سلطان کی ولایت میں مانع ہے۔ اس لئے سلطان قصاص کے معاف کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ معافی کی شرط یہ ہے کہ صاحبِ حق کی طرف سے ہو کیونکہ معافی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا حق ساقط کررہا ہے، اور جو شخص صاحب حق نہ ہواس کے حق کو ساقط کرنا امرِ محال ہے۔ لہٰذا غیر صاحب حق کی طرف سے قصاص کی معافی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کا تو یہ حق ہی نہیں ہے اور جس کا حق ہے وہ معاف نہیں کررہا۔ تو پھر یہ معافی کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔ بلکہ اگر مقتول کا کوئی ولی معلوم نہ ہوتو بھی سلطان کو معافی کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اگرچہ وہ مقتول کا ولی ہوگا جیسا کہ حدیث بالا سے ثابت ہورہا ہے مگر اس کو استیفاء قصاص کا تو حق ہوگا، لیکن معاف کرنے کا حق نہ ہوگا البتہ دیت پر مصالحت کرانے کا حق امام کو حاصل ہے بدائع میں تصریح ہے کہ۔ وللامام ان یصالح علی الدیة الاانہ لایملک العفو لان القصاص حق المسلمین بدلیل ان میراثہ لھم وانما الامام نائب عنھم فی الاقامت وفی العفو اسقاط حقھم اصلاوراسأ وھذا لایجوز ولھذالایملکہ الارث والحدوان کانا یملکان استیفاء القصاص ولہ

ان یصالح علی الدیة کمافعل سیدنا عثمان رضی الله عنه (ج ۷ ص ۲۴۵) معلوم ہوا کہ ولی نامعلوم ہونے کی صورت میں بھی امام کو قصاص کے معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مقتول کے قصاص کا حق تمام مسلمانوں کو حاصل ہے اور امام مسلمانوں کی طرف سے بطور نیابت کے قصاص کے وصول کرنے کا تو مجاز ہے اس کو مسلمانوں کے حق کو معاف کر کے ساقط کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ میں ان کے بیٹے عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کو اپنے باپ کا قاتل سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔ جب یہ معاملہ حضرت عثمان کے دربار میں پیش ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیت دے کر مصالحت کرادی اور بھی روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قول اناولیه اعفوعنه واؤدی دیته۔ کا جیسا کہ صاحب بدائع نے اس کی وضاحت کی ہے واراد بقوله اعفوعنه وأؤدی دیته الصلح علی الدیة (ج ۷ ص ۲۴۵) خلاصہ یہ ہے کہ امام کو معافی کا اختیار نہیں ہے، اگر ولی مقتول معلوم ہو تو اس کو مصالحت پر رضامند کیا جا سکتا ہے کہ وہ قصاص کے بجائے دیت لینے پر راضی ہو جائے اور دلائل کا ذکر مزید وضاحت کے لئے کیا جاتا ہے، ذیل میں ملاحظہ ہو، امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الاصل ج ۴ ص ۵۱۹ میں ہے واذاقتل الرجل عمداً ولیس له ولی الاالسلطان فللامام ان یقتص من قاتله ان شاء ولیس له ان یعفولانه لایملک ذلک فان صالحه علی الدیت فهوجائز امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ وحق استیفاء القصاص یکون الی الولی کماقال الله تعالیٰ فقد جعلنا لولیه سلطانا .... ولان من لایعرف له ولی فالامام ولیه کماقال ﷺ السلطان ولی من لاولی له واذاثبت ان السلطان هوالولی تمکن من استیفاء القصاص فکان للامام ان یستوفی القصاص ان شاء وان شاء صالح علی الدیة ..... ولیس له ان یعفو بغیر مال لانه نصب لاستیفاء حق المسلمین لالأبطاله (مبسوط ج ۱۰ ص ۲۱۹) ہدایہ میں ہے۔ وموجب ذالک الماثم .... والقود .... الاان یعفوالاولیاء او یصالحوا الاان الحق بهم (ج ۴ ص ۵۴۳) علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں وصرحوافی کتاب الجنایات ان السلطان لایصح عفوه عن قاتل من لاولی له وانما له القصاص

والصلح وعلله فی الایضاح مابزنصب ناظمه اولیس من النظر للمستحق العفو الخ اس کی شرح میں علامہ حموی فرماتے ہیں: لان الحق للعامۃوالامام نائب عنھم فیھا ھوانظر بھم ولیس من النظر اسقاط حقھم مجانا (قولہ وانما لہ القصاص والصلح)ای الدیۃ (الاشباء والنظائر ص ۱۴۵) نیزعلامہ ابن نجیم''الولایۃ الخاصۃ اقوی من الولایۃ العامۃ کے تحت لکھتے ہیں وللولی الخاص استیفاء القصاص والصلح والعفو مجانا والامام لایملک العفو (الاشباہ والنظائر ص ۱۷۸)

آیت مذکورہ:ومن قتل مظلوماً کے تحت امام جصاص لکھتے ہیں وفی فحوی الایۃ مالایدل علی ان المراد القود دون ماسواہ لانہ قال (ومن قتل مظلوماً فقدجعلنا لولیہ سلطانا فلایسرف فی القتل انہ کان منصوراً) یعنی واللہ اعلم السرف فی القصاص بان یقتل غیر قاتلہ اوان یمثل بالقاتل فیقتل علی غیر وجہ المستحق من القتل وفی ذلک دلیل علی ان المراد بقولہ سلطانا القود(احکام القرآن ج۱ص۱۵۷) بخاری شریف میں حضورا کرم ﷺ کاارشادگرامی ہے ومن قتل لہ قتیل فھو بخیر النظرین امایودی واما ان یقاد اھل القتیل (ج۱ص۲۲)علامہ عثمانی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وقال المھلب وغیرہ یستفاد من قولہ ''فھوبخیر النظرین ''ان الولی اذا سئل فی العفوعلی مال ان شاء قبل ذلک وان شاء اقتص وعلی الولی اتباع الاولی و لیس فیہ مایدل علی اکراہ القاتل علی بذلہ الدیۃ کذافی فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۸۴، (اعلاء السنن ج ۱۸ ص ۷۶)

محلی میں ہےعن عمر بن الخطاب قال لایمنع السلطان ولی الامام ان یعفو ان شاء اویاخذالعقل ان اصطلحوا علیہ ولایمنعہ ان یقتل ان ابی الاالقتل بعدان یحق القتل فی العمداہ(اعلاء السنن ج ۱۸ ص ۱۱)

حاصل یہ ہے کہ ولی مقتول کوقصاص کاحق حاصل ہے اگرچہ سلطان اس کےحق کے وصول کرنے میں مانع ہوکیونکہ ولی کی ولایت خاصہ ہےاورسلطان کی ولایت عامہ ہےاورولایت خاصہ اقوی ہوتی ہے بنسبت ولایت عامہ کےاس لئے جب تک ولی کو راضی نہ کیا جائے اس وقت تک

سلطان کو نہ تو دیت لینے کا حق حاصل ہے اور نہ ہی قصاص کے معاف کرنے کا اس کو اختیار ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **قال قتل رجل فی عهد رسول الله ﷺ فدفع القاتل الی ولیه الخ** (ترمذی ج ۱ ص ۱۶۹) ابوداؤد شریف میں ہے **کنت عند النبی ﷺ اذجیئی برجل قاتل فی عنقه النسعة قال فدعا ولی المقتول فقال اتعفو قال لاقال افتاخذ الدیة قال لا قال افتقتل قال نعم قال اذهب به فلما کان فی الرابعةقال اماانک ان عفوت عنه یبوء باثمه و اثم صاحبه قال فعفا عنه الحدیث** (بذل المجهود شرح ابوداؤد ج ۵ ص ۱۶۳)

آنحضرت ﷺ نے قاتل کو مقتول کے ولی کے سپرد کر دیا اور اس کو قصاص لینے کا اختیار دے دیا اور جب تک ولی مقتول نے قصاص کو معاف نہیں کر دیا اس وقت تک قاتل کو خود معافی عطاء نہیں فرمائی اور نہ ہی ازخود بغیر رضامندی کے قصاص کے بجائے دیت دینے کا حکم فرمایا۔

اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ ولی کی رضامندی کے بغیر امام کو قصاص و دیت کے معاملہ میں از روئے شریعت کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

ولی کا اصل حق قصاص ہے اور اگر قاتل کی رضامندی ہو تو ولی اس سے مال پر بھی صلح کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو قصاص اور مال کے بغیر بھی صلح کر سکتا ہے مگر امام کو قصاص کے معاف کرنے یا قصاص کی جگہ دیت دینے یا مراحم خسروانہ کے طور پر معافی دینے کا شرعاً اختیار حاصل نہیں ہے، البتہ امام اگر ولی مقتول کو قصاص کے معاف کرنے یا دیت دینے کی ترغیب دے کر اس کو معافی یا دیت دینے پر راضی کرے تو یہ مستحسن امر ہے جیسا کہ حدیث ابوداؤد مذکور سے ثابت ہو رہا ہے۔لیکن بغیر ولی مقتول کی رضامندی کے معافی کا اختیار امام کو حاصل نہیں ہے اور ولی مقتول جب قصاص کا مطالبہ کرتا ہے۔اور شرعی طریقہ پر قصاص کا حق ثابت بھی ہو چکا ہے۔تو پھر امام کو اس کے حق کو وصول کرنے میں مانع نہیں ہونا چاہئے۔جیسا کہ اعلاء السنن کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گذر چکا ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ ،**ومن قتل عمداً فقود یدیة فمن حال بینه وبینه فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین**.(الجصاص ج ۱ ص ۱۵۰)

اور دوسری حدیث میں ہے کہ ولی مقتول کے معاف کرنے کے سوا قتل عمد کی سزا قتل ہے

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ العمد قودالاان یعفوولی المقتول(الجصاص ج ۱ ص ۱۵۰)

یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے **والمراد بالعفو العفو عن القصاص(اعلاء السنن ج ۱۸ ص ۷۵)**

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب.

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ،۳۰رذوالحجہ۱۴۰۸ھ

۹۔ پورے رمضان کا نفلی اعتکاف اور اجتماعی ذکر ودرود کا حکم

(ترک التداعی عن الاعتکاف الاجتماعی)

سوال یہ تھا کہ بعض جگہ پورے رمضان کے مہینہ کا اجتماعی اعتکاف ہوتا ہے، اور اس میں ذکر ودرود شریف کی اجتماعی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ اس پر دارالعلوم کراچی سے ایک جواب لکھا گیا تھا جو حضرت فقیہ العصر کی خدمت میں غور کرنے کیلئے پیش کیا گیا، جس پر حضرت رحمہ اللہ نے درج ذیل جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سلمہٗ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا مرسلہ خط ملا اور اس سے پہلے دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے جاری ہونے والا ایک فتویٰ بابت اجتماعی ذکر ودرود کی مجالس اور پورے ماہ رمضان المبارک کا نفلی اعتکاف جو ہر سال بعض مقامات میں ہورہا ہے بھی ملا تھا، احقر کے فہم ناقص میں جو کچھ آیا ہے وہ عرض ہے اس پر غور کرلیا جائے۔

(۱) جس عبادت کو شریعت نے کسی خاص کیفیت وہیئت کے ساتھ مقید نہیں کیا اور اس کیلئے کسی خاص اہتمام اور اجتماع کی ترغیب نہیں دی اس کے لئے کوئی خاص طریقہ مقرر کرنا اور اس کو شریعت کا حکم سمجھنا یا اس کو اہتمام اور اجتماع سے اداء کرنا احداث فی الدین اور بدعت میں داخل ہے۔

عن النبی ﷺ قال لاتختصو لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولاتختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصوم احدکم (مسلم ج ۱ ص ۳۶۱)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی فضیلت کی وجہ سے جمعہ کی رات کو نماز وغیرہ کیلئے اور

دن کو روزہ کے لئے خاص کرنا منع ہے۔ مشہور فقیہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **لان ذکر اللہ اذا قصدبه التخصیص بوقت دون وقت اوبشی ء دون شی ء لم یکن مشروعا حیث لم یر د به المشر ع لانه خلاف الشر ع (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹)**

جب شریعت نے ذکر اللہ کو کسی خاص وقت کے ساتھ یا جہر واخفا اور اجتماع وانفراد، کسی خاص کیفیت اور ہیئت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا تو اس کو اپنی طرف سے کسی خاص وقت یا کسی خاص کیفیت کے ساتھ متعین کر دینا غیر مشروع ہوگا کیونکہ اس کے متعلق شریعت میں کوئی تخصیص نہیں آئی لہٰذا وہ خلاف شرع ہوگا، فتاویٰ بزازیہ میں جہر بالذکر کا مسئلہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **عن فتاویٰ القاضی انه حرام لماصح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی ﷺ جهرا وقال لهم ماراکم الامبتدعین (شامی ج ۵ ص ۳۸۰)**

حموی میں ہے: **فی فتاویٰ لقاضی الجهر بالذکر حرام وقدصح عن ابن مسعود رضی اللہ عنه انه سمع قوماً اجتمعوا فی مسجد یهللون ویصلون علیه الصلوٰۃجهرا فراح الیهم وقال ماعهدوا ذالک علی عهده علیه الصلوٰۃ والسلام وما اراکم الامبتدعین فمازال یذکر ذالک حتی اخرجهم من المسجد .**

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اجتماعی ذکر کرنے والوں کو اس طرح درود شریف پڑھنے والوں کو مبتدع فرمایا اور اس کی یہ وجہ یہ فرمائی کہ **ماعهدوا ذالک علی عهده** ﷺ یعنی یہ کیفیت ذکر درود شریف پڑھنے کی آپ کے زمانہ مبارک میں نہ تھی اس احداث ہیئت جدیدہ کی وجہ سے اس طرح پڑھنے والوں کو مبتدع قرار دیا۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ مسجدوں میں اجتماعی ذکر اور درود شریف پڑھنا بدعت ہے۔

چاشت کی نماز صحیح احادیث کے ساتھ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت کی ہے لیکن آپ ﷺ کے زمانہ مبارک میں اجتماعی ہیئت سے خاص اہتمام اس کے لئے نہیں ہوتا تھا بلکہ **کیف مااتفق** جہاں جہاں بھی کوئی ہوتا تھا وہاں ہی وہ نماز چاشت اداء کر لیتا تھا۔ جب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس نماز کے لئے مسجدوں میں اجتماع اور خاص اہتمام سے دیکھا تو ان کے اس فعل کو بدعت قرار دیا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر دونوں مسجد میں داخل ہوئے **فاذا عبداللہ بن عمر جالس الی حجرة عائشه والناس یصلون الضحی فی المسجد فسألناه عن صلوٰتھم فقال بدعة (بخاری ج ۱ ص ۲۳۸ ومسلم ج ۱ ص ۴۰۰)**

چنانچہ اس حدیث کی شرح میں حضرت امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں **مراده ان اظهارها فی المسجد والاجتماع لها هو بدعة لاان اصل صلوٰة الضحی بدعة .**

(۱) نماز تہجد کی فضیلت حدیثوں میں آئی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز تہجد کو جماعت کے ساتھ پڑھا ہے لیکن اس کے لئے اجتماع کرنا مکروہ ہے چنانچہ حضرت مجدد رحمہ اللہ ایسے ہی لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں، نماز تہجد والجماعت گذارندہ از اطراف وجوانب دراں وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند وبجمعیۃ تمام اداء میخایند واین عمل مکروہ است بکراہتہ تحریمہ جمع از فقہاء کہ تداعی شرط کراہتہ داشتہ اند جواز جماعت نفل اینقید بناحیہ مسجد ساختہ زیادہ درسہ کس را باتفاق مکروہ گفتہ اند (مکتوبات حصہ سوم ص۱۰)

(۲) نفلی عبادات کے لئے تداعی اور اہتمام سے ان کی دعوت دینا مکروہ ہے اور مواظبتِ فعلی بھی تداعی میں داخل ہے اس طرح اجتماع بغیر تداعی بھی مکروہ ہے۔ **وفی الا مدادویحصل القیام بالصلوٰة نفلاً فرادی من غیر عدد مخصوص وبقراء ة القرآن والاحادیث وسماعها الخ**

اشاربقوله فرادی ای ماذکره بعد فی متنه من قوله ویکره الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد وتمامه فی شرحه وصرح بکراهة ذالک فی الحاوی القدس وقال وما روی من الصلوٰت فی هذه الاوقات یصلی فرادی غیر التراویح قال فی البحرومن هنایعلم کراهته الاجتماع علی صلوٰة الرغائب التی تفعل فی رجب فی اول جمعة منه (شامی ج ۱ ص ۶۴۲)ویمکن ان یقال الظاهر ان الجماعة فیه غیر مستحبة ثم ان کان ذالک احیاناً کمافعل عمر کان مباحا غیر مکروه وان کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لانه خلاف المتوارث وعلیه یحمل ماذکره القدوری فی مختصره وماذکرفی غیر مختصره یحمل علی

الاول اه قلت ويؤيده ايضا مافی البدائع من قوله ان الجماعة فی التطوع ليست بسنة الافی قيام رمضان اه فان نفی السنية يستلزم الكراهة نعم ان كان مع المواظبة كان بدعة فيكره (شامی ج ١ ص ٦٦٢)

وتر حالانکہ من وجہٍ نفل ہیں پھر بھی ان کی جماعت علیٰ سبیل المواظبۃ بدعت اور مکروہ ہے، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وتر کی جماعت ثابت بھی ہے درمختار کے قول **علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد كمافی الدرر**: پھر مغرب سے تداعی کی یہ تعریف لکھی ہے۔ **هوان يدعو بعضهم بعضاً كما فی المغرب وفسره الوافی بالكثرة وهو لازم معناه** (شامی ج ا ص ۶۶۴)

معلوم ہوا کہ بعض کا بعض کو دعوت دینا تو تداعی کے حقیقی معنی ہیں اور بغیر بلائے مجمع کثیر بھی اس تداعی میں داخل اور اس کے لازمی معنی ہیں اس پر بھی کراہت کا حکم لگایا جائے گا۔ جبکہ درمختار میں اوپر تصریح کی گئی ہے کہ چار افراد کی اقتداء مکروہ اور تداعی ہے۔ اس وجہ سے اگر ایک دو نے جماعت شروع کی بعد میں زیادہ آدمی آ گئے تو اب بعد میں آنے والوں پر کراہت ہوگی **بقی لو اقتدى به واحد او اثنان ثم جاء ت جماعة اقتدوا به قال الرحمتی ينبغی ان تكون الكراهة علی المتاخرين اه** (شامی ایضا)

تداعی کے معنی صرف دعوت دینے کے ہی نہیں کثرت سے بھی تداعی ہو جاتی ہے اور اعلان وغیرہ جس سے کثرت ہوتی ہو سب تداعی میں داخل ہیں:

ہر سال پورے ماہ مبارک کے نفلی اعتکاف میں کئی مفاسد اوپر کی عبارات کو ملحوظ رکھ کر عرض ہیں، کہ ہر سال اس پر مواظبۃ کرنا مکروہ ہے پھر اس کا اعلان ماہناموں وغیرہ میں ہوتا ہے یہ بھی تداعی ہے اور مکروہ ہے عوام اس کا اجتماع اہتمام سے کرنے لگے ہیں شاید آ گے چل کر یہ **التزام مالايلتزم** میں داخل ہو جائے، فہمیدہ و سمجھدار لوگ اس کو نفل ہی سمجھتے ہیں مگر عوام اس کو بھی سنت ہی سمجھیں گے اور جس طرح ضررِ لازمی سے بچنا ضروری ہے متعدی ضرر سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

اگر نبی کریم ﷺ سے ایک مرتبہ پورے ماہ مبارک کا اعتکاف ثابت بھی ہو تو پھر بھی اس کو سنت قرار دینا اور اس پر مواظبت کا عمل کرنا مکروہ ہوگا جیسا کہ غیر رمضان میں وتر کی جماعت کا بیان

اوپر گزر چکا ہے۔لیلۃ القدر کی تلاش کے لئے اگر حضور ﷺ نے ہر عشرہ کا الگ اعتکاف کیا ہوتو یہ صورتِ متنازعہ سے غیر متعلق ہوگا کہ اس میں پورے ماہ مبارک کا مسلسل اعتکاف کیا جاتا ہے پھر بڑا مفسدہ یہ بھی پیش آرہا ہے کہ نفل اعتکاف کی سہولتوں (مثلاً بغیر ضرورت مسجد سے نکلنا وغیرہ) سے سنت اعتکاف کرنے والے بھی مستفید ہونے لگتے ہیں اور عوام میں یہ امتیاز مشکل ہوتا ہے۔کہ اس اعتکاف کا اتنا حصہ سنت ہے اور اتنا حصہ نفل اور دونوں کے احکام مختلف ہیں خصوصا جبکہ پورے مہینہ کا اعتکاف نفلی ہی کرلیا گیا ہوتو سنت اعتکاف کرنے والوں کو عشرہ اخیرہ میں بڑا خلجان ہوگا کہ اس میں یہ نفلی اعتکاف کرنے والے آزادنہ چلتے پھرتے ہیں اور ٹیلی فون وغیرہ بھی مسجد سے باہر جا کر استعمال کرتے ہیں۔اور شوال کی چاندرات سے پہلے ہی وہ دوسری جگہ کا سفر بھی اختیار کر لیتے ہیں اس سے یقیناً خلجان ہوگا اور بھی اس قسم کے استفتاء آئے۔پھر اس میں ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ عشرہ اخیرہ کے سنت اعتکاف کو ترک کر کے پورے مہینہ کے نفلی اعتکاف کو اختیار کرلیا گیا ہے جو نفل کو سنت پر عملاً ترجیح ہے جو کسی طرح بھی بغیر خاص وجہ کے شرعاً پسندیدہ نہیں ہے۔

ایسے مفاسد کے ہوتے ہوئے اس مسئولہ صورت کے جواز پر فتویٰ دینا سمجھ میں نہیں آتا۔یہ تداعی اور اعلان ہی نفلی عبادت کے لئے اس کے منع کرنے کے لئے کافی ہیں کوئی اور مفسدہ ہو یا نہ ہو احقر کے نزدیک تو کسی بزرگ کے انتقال پر مدارس میں اجتماعی قرآن خوانی بھی اس ذیل میں آتی ہے اگر انتقال کے اعلان سے ہو اور اگر پہلے سے کسی اور وجہ سے جمع ہیں تو پھر بھی بہتر تو یہی ہے کہ علیحدہ علیحدہ ہوکر قرآن کریم کی تلاوت کریں تاکہ دیکھنے والوں کو اجتماع للقرآءۃ کا شبہ نہ ہو لیکن اس صورت میں چونکہ اجتماع للقراءۃ نہیں ہے اس لئے گنجائش معلوم ہوتی ہے ترغیب کے لئے تو اجتماع ضروری نہیں ہے۔انفراداً بھی قراءۃ کی جاسکتی ہے اور یہی ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا معمول تھا،ترغیب کے جواز سے اجتماع کا جواز لازم نہیں آتا:

اس ذکر و درود شریف کے پڑھنے میں اگر اجتماع ہوتا ہے تو اس کا حکم پہلے گذر چکا اور اچھی طرح واضح ہو چکا کہ یہ مکروہ اور بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اجتماعی ذکر کرنے والوں اور درود شریف پڑھنے والوں کو مبتدع فرمایا اور ہیئت جدیدہ کے احداث کو اس کی علت قرار دیا، اس صورت میں یہ اجتماع

اوراحداث ہیئت جدیدہ دونوں موجود ہیں تو اس کا جواز کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔اورحضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کی تاکید فرمانے سے اجتماعی ذکر کا ثبوت تو لازم نہیں آ تاانفراداً ذکر اللہ کی کثرت بتلائی جائے تو بھی مقصود حاصل ہے۔جیسا کہ مظاہر علوم سہارنپور اور خانقاہ تھانہ بھون میں عمل تھا یہی طرز خانقاہ رائے پور کا رہا ہے،ان خانقاہوں میں اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی ذکر کی ہمیشہ بکثرت تلقین ہوتی رہی اوراس پر عمل رہااورمشائخ کے بعض طرق میں جو ذکر بالجہر مروج ہے یا تو شاذلیہ طریقہ میں اجتماعی ذکر مروج ہے وہ بطور علاج کے ہے وہ سنت نہیں ہے اس کو سنت سمجھنا بدعت ہے۔

جب اس طریقہ پر ذکر سے پہلے فضائل ذکر کا بیان ہوگا اس کے بعد اس طریقہ پر ذکر ہوگا تو لازماً سامعین اس ذکر کو ان فضائل کا مورد اور سنت سمجھیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ پر ذکر سنت نہیں ہے بلکہ کسی شیخ کا تجویز کردہ علاج ہے،اس مغالطہ سے بچانا ضروری ہے اور چونکہ یہ طریقہ ہمارے اکابر مذکورہ کے موافق نہیں اور نہ ہی یہ سنت ہے اگرچہ بعض سلسلوں میں رواج پذیر ہے لیکن چونکہ اس میں سنت ہونے کا مغالطہ بھی ہوتا ہے اس لئے قابل ترک ہے انفرادی طور پر ذکر اللہ کی خوب تلقین کی جائے اور حسب فرصت اس کی تعلیم دی جانی چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو نبی کریم ﷺ کی سنت کے اتباع اوراپنے اکابر کی اتباع کی توفیق عنایت فرمائیں آمین ان اریــدالاالاصــلاح مااستطعت وماتوفیقی الاباالله علیه توکلت والیه انیب.

کتبه الاحقر الافقر الی اللهالغنی السید عبدالشکور ترمذی

خادم الطلبه فی المدرسة الحقانیه بساهیوال

من مضافات سرجودها المرقوم ۲۶/جمادی الاولی/ ۱۴۱۳ھ

﴿۱۰۔ بینک میں جمع شدہ رقم کی حیثیت اوراُس کی زکوٰۃ﴾

بینک کے مختلف کھاتوں میں جو رقم رکھوائی جاتی ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اوراس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ نیز بینک کی طرف سے زکوٰۃ کی کٹوتی کے بارے میں کیا احکامات ہیں؟ یہ تمام وہ سوالات تھے جن کے بارے میں ایک دور میں سخت تشویش تھی۔حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ نے اس بارے میں جو تحقیق فرمائی وہ درجِ ذیل ہے:

بینک اور مالیاتی اداروں میں جمع شدہ اموال شرعاً بینکوں اوراداروں کے مالکوں کے ذمہ

قرض ہوجاتے ہیں ۔ کیونکہ بینک اورادارے والے ان اموال میں تصرف کرتے ہیں اور یہ اموال بعینہٖ محفوظ نہیں رہتے اور چونکہ یہ قرض کی پہلی قسم دین قوی ہے اس لئے جب نصاب کا 1/5 حصہ وصول ہوگا اس وقت اس کی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ اس سے پہلے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی البتہ اگر کوئی شخص اپنی رضامندی سے وصولی سے پہلے ہی اس قرضے کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہے جو بینکوں اوران اداروں کے مالکوں کے ذمہ اس کا جواب ہے تو بھی جائز ہے مگر اس کی ادائیگی میں جبر کرنا درست نہیں ، اس لئے کہ یہ دین قوی ہے اور دین قوی کی زکوٰۃ کا ادا کرنا نصاب کے 1/5 حصے کے وصول ہونے سے پہلے واجب نہیں ہوتا ، اور بینکوں اور اداروں سے اس قرضے کی زکوٰۃ وصول کرنا بھی درست نہیں کیونکہ قرض مقروض کا مال ہوتا ہے اور مقروض کے مال میں سے قرض خواہ کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ لے لینے سے قرض خواہ کی طرف سے زکوٰۃ ادا نہیں بنتی ہاں اگر کوئی شخص بینک اور دوسرے اداروں کے مالکوں کو اپنے اس قرض کی زکوٰۃ ادا کرنے کا وکیل بنادے اور یہ اختیار دیدے کہ وہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر اس کے اس قرضے سے جو اس کے ذمہ ہے زکوٰۃ منہا کر کے زکوٰۃ فنڈ میں دے دیا کرے تو قرض خواہ کی طرف سے اس کے قرضے کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی بشرطیکہ ادائیگی زکوٰۃ کے وقت قرض خواہ مجنون یا مقروض نہ ہوگیا ہو۔

بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ منہا کرنے کا شرعی رو سے صرف یہی طریقہ درست اور صحیح ہوسکتا ہے۔ قرض خواہوں کے وکیل بنائے بغیر ان کی طرف سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ اموال بینکوں اور اداروں کی ملکیت میں داخل ہیں قرض خواہوں کی ملک نہیں رہے۔ بدائع الصنائع میں ہے۔ **ان المستقرض بنفس القبض صار بسبيل من التصرف فى القرض من غير اذن المقرض بيعاً وهبتاً وصدقة وسائر التصرفات واذا تصرف نفذ تصرفه ولا يتوقف على اجازة المقرض وهذه امارت الملك وكذا مأخذ الاسم دليل عليه فان القرض قطع فى اللغة فيدل على انقطاع ملك المقرض بنفس التسليم (ص ۳۹۶ ج ۷)**

اس سے واضح ہوگیا ہوگا کہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا مسئلہ قرض خواہ کے قرض کی زکوٰۃ مقروض کے مال سے وصول کرنے کا ہے جسے عام طور پر

اس جگہ نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور بینک اکاؤنٹس کے اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی بحث شروع ہو جاتی ہے حالانکہ اس بحث کا یہاں کچھ تعلق نہیں کیونکہ یہ اموال خواہ ظاہر ہوں یا باطن بینکوں اور دوسرے مالیاتی اداروں کے مالکوں کے ذمہ قرض ہو کر ان کی ملک میں داخل ہیں قرض خواہ کی ملک ہی نہیں رہے چونکہ قرض مقروض کی ملک ہوتا ہے قرض خواہ کی ملک نہیں ہوتا۔ البتہ قرض کی واپسی مدیون کے ذمہ میں واجب ہوتی ہے اور قرض خواہ کو اپنے قرضے کی واپسی کے مطالبے کا حق حاصل رہتا ہے مگر قرض دے دینے اور مقروض کے قبضہ کر لینے کے بعد قرض خواہ کا کوئی تعلق اس مال سے نہیں رہتا جیسا کہ بدائع کی عبارت میں اس کی تصریح گزر چکی ہے۔ جو رقم بینک میں بطورِ امانت (کرنٹ) کے رکھی جاتی ہیں بینک والوں کے اس میں تصرف کر لینے اور اس کے بعینہٖ محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے شرعاً وہ رقم بھی امانت نہیں رہتی اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو سیونگ اکاؤنٹ میں رکھی ہوئی رقم کا اوپر لکھا گیا ہے۔

البتہ جو رقم وغیرہ لاکر کی مد میں رکھی جاتی ہے وہ چونکہ بعینہٖ محفوظ اور باقی رہتی ہے، اس لئے وہ جمع کرانے والے کی ملک میں داخل رہتی ہے اور بینک والوں کے پاس وہ بطور امانت کے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام جمع شدہ اموال ان میں تصرف کرنے کی وجہ سے قرض ہو جاتے ہیں اگرچہ ان کو امانت کے طور پر رکھا گیا ہو کیونکہ تصرف کرنے سے امانت امانت نہیں رہتی فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے

المودع اذا خلط الودیعة بماله او ودیعة اخری بحیث لایتمیز ضمن کذا فی السراجیه (ص ۲۱۲ ج ۲)

بینک اکاؤنٹس میں بعض اموال ایسے شخص کے بھی ہو سکتے ہیں جو زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخ سے پہلے انتقال کر چکا ہو چونکہ اس کے انتقال کے ساتھ ہی اس کا وہ وکالت نامہ جو اس نے ادائے زکوٰۃ کے لئے دیا تھا ختم ہو گیا اور یہ اموال اس کے وارثوں کا قرضہ بن گئے اور وارثوں میں سے ہر ایک کا صاحبِ نصاب اور عاقل بالغ ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی ان ورثاء کی طرف سے بینک وغیرہ کے مالکوں کو ادائے زکوٰۃ کا وکیل بنایا گیا ہے۔ اس لئے انتقال کرنے والے شخص کی توکیل با دائے زکوٰۃ کے باوجود بینک والوں کو اس کے قرضے سے زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں ہوگا۔

سود کے نام سے جو رقم کھاتہ دار کے نام پر جمع کی جاتی ہے چونکہ اس پر قبضہ کرنے سے پہلے وہ کھاتہ دار کی ملک میں داخل نہیں ہوتی اس لئے اس پر اس رقم کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوتی اور اس

رقم میں سے اڑھائی فیصد کٹوتی کو زکوٰۃ کا نام دینا بھی درست نہیں ہے اور وصولی سے پہلے حلال مال کے ساتھ حرام مال کے مخلوط ہونے کی بحث بھی قبل از وقت ہے چونکہ کھاتہ دار کے اس رقم کو وصول کرنے کے بعد ہی یہ رقم سود اور حرام ہوتی ہے اور وصول شدہ کل سودی رقم کا مالک پر واپس کرنا واجب ہے اور اس کی وصولی سے پہلے یہ رقم بینک کی ملکیت میں داخل ہے جس مد میں وہ چاہے اس کو خرچ کرسکتا ہے مگر کھاتہ دار کو ادا نہیں کرسکتا اس کو دینا سود ہوگا لیکن اگر وہ رقم بینک کی ملک نہ ہو یا ملک تو ہو مگر ملکِ خبیث ہو تو اس کا پہلے مالک پر واپس کرنا واجب ہوگا (اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام ص۲۴ تا ۲۷)

﴿۱۱۔ پراویڈنٹ فنڈ اور اموال باطنہ کے اموالِ ظاہرہ بننے کی تحقیق﴾

پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے سرکاری ملازم کیلئے جو رقم مختص ہوتی ہے، اس پر اضافی شرح سود میں داخل ہے یا نہیں؟ نیز اموالِ باطنہ کب اموالِ ظاہرہ بن جاتے ہیں، یہ تحقیق وقت کی اہم ضرورت تھی حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھا کر اپنی تحقیق رقم فرمائی، جو حسبِ ذیل ہے:

اس فنڈ میں جو روپیہ ملازم کے نام پر جمع ہوتا ہے اس کی کئی قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو ملازم کی تنخواہ کا جز اور اس کی خدمت کے معاوضہ کا حصہ ہے جو ملازم کے قبضہ میں آنے سے پہلے وضع کرلیا گیا ہے پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری یعنی ملازم کو پورا اختیار تھا چاہے پوری تنخواہ لے لے یا کچھ حصہ کٹوا دے اب اگر ملازم نے کہہ کر کچھ رقم کٹوائی ہے تو ایسا ہوگا جیسا کہ لے کر قرض دے دی ہو تو اب یہ دین قوی ہوگا اور اس پر دین قوی کا حکم لگایا جائے گا جو کہ گزر چکا اور اس پر جو محکمہ اتنی ہی رقم دے گا اس اور اس نئی رقم کا سود یہ دونوں محکمہ کی طرف سے عطیہ ہوں گے کیونکہ یہ نئی رقم وصولی سے پہلے اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی البتہ کٹوائی ہوئی رقم کا سود حرام ہے۔ دوسری قسم اختیاری یعنی ملازم کو پوری تنخواہ کے لینے کا اختیار نہیں اور اس کی تنخواہ کا ایک جز جبراً وضع کرلیا گیا ہے۔ تنخواہ کا یہ جز ملازم کی ملک میں داخل نہیں ہوا کیونکہ اس کو اس کے وصول کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اس جزِ تنخواہ پر جو رقم محکمہ کی طرف سے بڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح سود کے نام سے جو رقم اس میں شامل کی جاتی ہے یہ سب رقمیں عطیہ ہونگی سود نہیں ہونگی۔ کیونکہ سود وہ ہوتا ہے جو کسی شخص کی مملوکہ رقم پر بطور معاوضہ کے مالک کو دیا جاتا ہے اور یہ جزِ تنخواہ ملازم کی ملک میں داخل نہیں ہے اس لئے اس پر اضافہ سود نہیں ہے۔ اس فنڈ کی تمام رقومات سوائے اس صورت کے کہ جس میں لازم نے باختیارِ خود اپنی تنخواہ کا جز وضع کرایا

ہو کہ وہ دین قوی میں داخل اوراس پر سودحرام ہے۔تمام رقومات کا زکٰوۃ کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ جب تک وہ وصول نہ ہوں اوروصولی کے بعداس پر حقیقتاً یا حکماً سال نہ گزرجائے زکٰوۃ فرض نہیں ہوتی نہ ہی پچھلے سالوں کی زکٰوۃ ادا کرنی لازم ہے۔

اموالِ باطنہ کے اموالِ ظاہر بننے کیلئے حسب تصریحات فقہائے کرام اموال باطنہ کامرو ر علی العاشر اورشہر سے باہر لے جانا یاہونااورحکومت کی زیرحمایت آجاناضروری ہے۔بدائع میں ہے:وکذا المال الباطن اذا مربه التاجر علی العاشر کان له ان یاخذ فی الجملة لانه لماسافربه فاخرجه من العمران صار ظاهرا اوالتحق بالسوائم (ج ۲ ص ۳۵)اور بحرالرائق میں ہے:ولاشک ان السوائم تحتاج الی الحمایه لانها تکون فی البراری بحمایة السلطان وغیرها من الاموال اذا اخرجه فی السفراحتاج الی الحمایة بخلاف الاموال الاباطنة اذا لم یخرجها المالک من المصر لفقد هذا المعنی .

درمختار میں ہے:الافی السوائم والاموال الباطنه بعداخراجها من البلد لانها بالاخراج التحقت بالاموال الظاهره (شامی ج ۲ ص ۳۱۲)

فقہائے کرام کی ایسی عبارات سے واضح ہے کہ مرورعلی العاشر سے مراد یہ ہے کہ تاجر اپنے مملوکہ مال کوساتھ لے کر عاشر کی حفاظت اور ذمہ داری کی بناپر چوروں اورڈاکوؤں سے مامون ومحفوظ ہوکرسفر کر سکے اورحکومت کے زیرحمایت آجانے کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی پولیس وغیرہ انتظامی مشینری صرف اس کی حفاظت کی ذمہ دار ہو۔یعنی چوروں اورڈاکوؤں سے بوجہ خوف حکومت کےامن وحفاظت حاصل ہواوروہ مال بدستور مالک کی ہی ملک میں رہے۔

مال کے زیرحمایت آجانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مال مالک کی ملک سے خارج ہوکر حکومت کے زیرضمانت آجاتا ہےظاہر ہےعاشر پر سے گزرنے والا مال نہ تو مالک کی ملک سے خارج ہوتا ہےاورنہ ہی حکومت کی زیرضمانت ہوتا ہے۔صرف حکومت کی ولایت وحمایت میں آجاتا ہے۔ اسی طرح اموال کا حکومت پرصرف ظاہر ہوجانااس کواموال ظاہرہ میں داخل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔بلکہ اموال کا شہر سےخارج ہوکرحکومت کی حمایت میں داخل ہوناضروری ہے۔ہدایہ میں ہے۔ ومن مر علی عاشربمائة ودرهم واخبره ان له مائة اخری فی منزله وقدحال علیها

الحول لم یزکی التی مر بهالقلته و مافی بیته لم یدخل تحت الحمایه (ص ۱۹۸)

اسی واسطے شہر میں موجود اموال کو کسی نے اموال ظاہرہ قرار نہیں دیا اور نہ ہی قرض دینے سے اموال باطنہک ۱۱ اموال ظاہرہ میں داخل ہونا اصول شرعیہ کی رو سے درست بنتا ہے۔ اب بینکوں اور مالیاتی اداروں میں جو رقوم جمع کرائی جاتی ہیں۔ جب کہ ان کا قرض ہو کر ان بینکوں اور اداروں کے مالکوں کی ملک ہونا ثابت ہو گیا اور یہ اموال جمع کرانے والوں کی ملک سے خارج ہو گئے تو ان کی نسبت سے ان اموال کے ظاہر اور باطن ہونے کی بحث بے موقع ہو جاتی ہے کیونکہ فقہائے نے جن اموال کے ظاہر اور باطن ہونے کی بحث کی ہے ان سب اموال میں اصل مالکوں کی ملک باقی رہتی ہے جب کہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں میں ایسا نہیں ہے (اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام ص ۲۷ تا ۳۰)

﴿۱۲۔ انجکشن سے روزہ کے عدم فساد کی تحقیق﴾

طبی میدان میں جدید طریقے اور علاج و معالجے کی نت نئی صورتیں ایجاد ہونے کے بعد بے شمار مسائل کی تحقیق کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ تھا کہ روزہ کی حالت میں انجکشن اور ٹیکہ لگوانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں بعض لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس کی وجوہات بھی انہوں نے بیان کی تھیں، لیکن حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ نے اس موقف کو غیر درست قرار دیا اور درج ذیل مدلل و محقق مضمون اس بارے میں تحریر فرمایا: بعض اہل علم نے تو انجکشن سے روزہ کے فاسد ہو جانے کا فتویٰ دیدیا اور اس کی وجہ یہ لکھی کہ:

(۱)...... ٹیکہ سے غذا وغیرہ جو کھانے پینے سے حاصل ہوتی ہے وہی حاصل ہو سکتی ہے۔ (۲)...... ٹیکہ سے زبان پر ذائقہ آ جاتا ہے۔ (۳)...... احتقان پر اور سعوط پر اس کا قیاس بہت قریب ہے۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جتنے دلائل اوپر پیش کئے گئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا وغیرہ بدن میں پہنچائی جاتی ہے تو وہ جوف عروق (رگوں کے اندر) میں پہنچتی ہے اور خون کے ذریعے شرائین یا اَوْرِدَہ میں اس کا سریان ہوتا ہے تو جس جس جگہ خون کا دوران ہوگا صرف اسی جگہ میں خون کے ساتھ دوا بھی پہنچے گی اور عروق میں کوئی منفذ (راستہ) جس سے ہو کر دوا وغیرہ معدہ میں پہنچ جائے البتہ مسامات کے ذریعہ چھن کر دوا کا

اثر معدہ میں پہنچتا ہے۔لیکن فسادصوم کے لئے دوا وغذا کا جوفِ معدہ میں بذریعہ منفذ کے پہنچنا شرط ہے۔مسامات کے ذریعہ بدن میں پہنچنا مفسدصوم نہیں۔کیونکہ مسامات کے ذریعہ دوا کا اثر ہی پہنچتا ہے جوہر نہیں پہنچتا۔اور اگر جوہر کا پہنچنا ثابت ہوتو بھی مفسد نہیں،کیونکہ بذریعہ منفذ نہیں پہنچا۔اسی لئے فقہاء نے ہر زخم پر دوا ڈالنے کو مفسد صوم نہیں کہا بلکہ **جائفه** اور **آمة** کی قید لگائی ہے۔کیونکہ ان ہی دو قسم کے زخموں کے ذریعہ دوا جوف بطن اور جوف دماغ میں پہنچتی ہے۔اگر جوف عروق میں دوا کا پہنچنا مفسدصوم ہوتا تو جوف عروق کے اندر تو جائفه اور آمة کے علاوہ دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔دلیل اس کی یہ ہے کہ درمختار میں ہے(**اوداوی جائفة او آمة) فوصل الدواء حقيقة الى جوفه ودماغها** س پر علامہ شامی لکھتے ہیں: **اشار الى ان ماوقع فى ظاهر الروايته من تقييد الافساد بالدواء الرطب مبنى على العادة من انه يصل والافالمعتبر حقيقة الوصول حتى لوعلم وصول اليابس افسداوعدم وصول الطرى لم يفسدوانما الخلاف اذالم يعلم يقينا فافسدبالطرى حكما بالوصول نظرا الى العادة ونفياه كذاافاده فى الفتح(ص ۱۴۰ ج ۲)**

اور جوفِ دماغ میں دوا کے پہنچنے کے بعد بذریعہ منفذ اس کا جوف معدہ میں پہنچ جانا عادت اکثریہ ہے۔ **قال فى البحروفى التحقيق ان بين الجوفين منفذا اصليا فما وصل الى جوف الرأس يصل الى جوف البطن . (ص ۱۴۰ ج ۲)**

حاصل یہ کہ فسادصوم کا اصل مدار جوف معدہ میں کسی غذا ودوا کے پہنچنے پر ہے۔اسی وجہ سے **حقنه** اور **قطور** (کان میں دوا ڈالنا)اور **سعوط** (ناک میں دوا ڈالنا) کو بھی مفسد صوم تبعاً **لجوف المعده** کہا گیا ہے،کیونکہ ان کے ذریعے دوا جوف معدہ میں پہنچ جاتی ہے۔

شامی میں ہے: **قلت ولم يقيدوا الاحتقان والاستعاط والا قطار بالوصول الى الجوف لظهوره فيها والافلا بد منه حتى لوبقى السعوط فى الانف ولم يصل الى الرأس لايفطر ويمكن ان يكون الدواء راجعا الى الكل تامل (ج۲ص۱۴۰)**

اور بدائع میں ہے: **وما وصل الى الجوف اوالى الدماغ عن المخارق الاصليه كا الانف والاذن والدبربان استعط اواحتقن اواقطرفى اذنه فوصل الى الجوف اوالى**

الـدما غ فسد صومه اما اذا وصل الى الجوف فلاشک فيه لوجود الاكل من حيث الصورة وكذا اذا وصل الى الدماغ لان له منفذاالى الجوف فكان بمنزلة زاوية من زوايـا الـجوف واما ماوصل الى الجوف اوالى الدماغ من غير مخارق الاصلية بان داوى الـجـائـفـه والا مة فـان داواها بدواء يا بس لايفسد لانه لم يصل الى الجوف ولاالى الدماغ ولوعلم انه وصل يفسدا(ازامدادالفتاویٰ ج۲ص۱۳۱)

جب حقنہ اورسعوط میں دوا معدہ کے اندر بذریعہ منفذ پہنچتی ہے اوراسی پر افطار کا مدار ہے تواب انجکشن کا حقنہ اورسعوط پر قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ انجکشن کے ذریعے دوا معدہ میں بواسطہ منفذ کے نہیں پہنچتی اوراگرکسی انجکشن کے بعداس کا ذائقہ زبان پرآ جاتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کبھی سرمہ وغیرہ کے آنکھ میں لگانے کے بعداس کا اثر حلق میں آجاتا ہے۔مگر یہ اثر مسامات کے ذریعے آتا ہے۔آنکھ اورحلق کے درمیان میں کوئی منفذ نہیں ہے اورمسامات کے ذریعہ کسی چیز کا صرف اثر ہی پہنچ سکتا ہے جو ہر شے نہیں پہنچ سکتا اورمفسد صوم جو ہر شے کا بذریعہ منفذ پہنچنا ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (قـولـه وان وجـدطـعـمـه فـى حـلـقه)اى طعم الكحل اوالدهن كمافى السراج وكذا لوبزق فوجد لونه فى الاصح بحر قال فى النهر لان الموجود فى حلقه اثـر داخـل مـن الـمسـام الـذى هـو خـلل البدن والمفطر انما هو الداخل من المنافذ لاتفاق على ان من اغتسل فى ماء فوجدبرده فى باطنه انه لايفطر(ص ۱۳۴ ج ۲)

اور ہدایہ میں ہے:لانه ليس بين العين والدماغ منفذ والدمع يتر شح كالعرق والداخل الـمسـام لاينافى كمالواغتسل بالماء البار د (هدايه ص ۱۹۷ ج ۱) اوراس کے حاشیہ میں ہے: لانـه لـيـس بيـن الـعيـن والـدمـا غ مـنفذ فماوجد انما هواثره لاعينه حاشيه (ص ۱۹۷ ج ۱)

اس جگہ اس مسئلہ پر بھی تنبیہ کرنا ضروری معلوم ہوا جو بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں آنکھ کے اندرتر دوا کے ڈالنے کو منع سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے، آنکھ میں تر یا خشک کسی قسم کی دوا روزہ کے لئے مفسد نہیں ۔ کیونکہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے دماغ میں نہیں پہنچتی ۔اس لئے کہ حسبِ تصریحات فقہاء آنکھ اوردماغ کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

(بارہ مہینوں کے فضائل واحکام ص۲۲۴ تا ۲۲۷)

﴿۱۳۔مروجہ کوّے کی حلت وحرمت کی تحقیق﴾

(فصل الخطاب فی مسئلة الغراب)

سوال: فتاویٰ رشیدیہ میں زاغ معروفہ (کوے کی مشہور قسم) کوحلال کہا گیا ہے،اس زاغ معروفہ سے کون سازاغ مراد ہے؟ کیا یہی زاغ مراد ہے جوکہ عام طور پر دیواروں پر بیٹھ کے کائیں کائیں کرتا ہے، یا اورکوئی، اگر اور ہے تو کون سا؟ اور ہدایہ جلد رابع ''فصل فیما یحل اکلہ'' میں جو کہا گیا ہے ''ولابأس باکل العقعق الخ''،اس عقعق سے کون سا کوا مراد ہے اورعلماء دیوبند میں فتاویٰ رشیدیہ کے فتویٰ سے کوئی اختلاف بھی ہے یانہیں۔تسلی بخش جواب عطافرما کر میرے قلب کومطمئن فرمائیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: فتاویٰ رشیدیہ میں زاغ معروفہ سے مراد وہی دیسی زاغ ہے جوان بستیوں میں پایا جاتا ہے،جیسا کہ تذکرۃ الرشید میں اس کی صراحت کردی گئی ہے۔تذکرہ کی عبارت حسبِ ذیل ہے ''کتب فقہ میں تعیین اقسام غراب میں الفاظ مختلف ہیں مگر جب یہ فیصلہ خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ مداراس کی خوراک پر ہے پس یہ کوا جوان بستیوں میں پایا جاتا ہے اگر یہ عقعق نہ ہو،تو بھی اس کی حلت میں شبہ نہیں ہے،اس لئے کہ جب وہ خلط کرتا ہے اورنجاست وغلہ ودانہ سب کچھ کھاتا ہے تو اس کی حلت بھی مثل عقعق کے معلوم ہوگئی۔خواہ اس کوعقعق کہا جائے یا نہ کہا جاوے،فقط واللہ اعلم۔رشید احمد گنگوہی'' (تذکرہ الرشید ج۱) حضرت گنگوہی کے تذکرہ میں درج شدہ اس تحریر سے واضح ہے کہ غراب کی حلت وحرمت کا مداراس کی خوراک پر ہے اور یہ زاغ معروفہ چونکہ غذا میں خلط کرتا ہے، نجاست اورغلہ دونوں کوکھاتا ہے،اس لئے اس کی حلت مثل عقعق کے ہوگی اس لئے کہ عقعق کی بھی یہی حالت کتب فقہ میں لکھی ہے کہ وہ نجاست اورغلہ دونوں میں خلط کرتا ہے کبھی نجاست کھاتا ہے،کبھی غلہ دانہ کھاتا ہے۔غراب کی حلت وحرمت کے بارہ میں خوراک پر مدار ہوتا ہے اورعقعق کے نجاست اورغلہ میں خلط کرنے کے باوجود حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا حلال ہونا فقہاء کی متعدد کتب میں موجود ہے۔ہدایہ اوراس کی شرح عنایہ کی درج ذیل عبارتوں سے یہ امر واضح ہے،ان

پرغور کیا جاوے۔ ہدایہ میں ہے ولابأس بغراب الزرع لانه یأکل الحب ولایأکل الجیف ولیس من سباع الطیر ولایؤکل الابقع الذی یاکل الجیف وکذاالغداف قال ابوحنیفة لابأس باکل العقعق لانه یخلط فاشبه الدجاجة وعن ابی یوسف انه یکره لان غالب اکله الجیف (ج ۴ص ۴۴۰) اورعنایہ میں ہے واصل ذلک ان مایاکل الجیف فلحمه نبت من الحرام فیکون خبیثاعادة ومایأکل الحب لم یوجد ذلک فیه وما خلط کالدجاج والعقعق فلابأس باکله عندابی حنیفة وهوالاصح لان النبی ﷺ اکل الدجاجة وهی ممایخلط (ج ۸ص ۴۱۹)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حلت وحرمتِ غراب کا مدار خوراک پر ہے۔ اس قاعدہ پر بنا کرتے ہوئے صاحب عنایہ نے غراب کے اقسام ثلاثہ اوران اقسام کی حلت وحرمت کوان الفاظ سے بیان فرمایاہے۔ واما الغراب الاسود والابقع فهوانواع ثلاثه نوع یلتقط الحب ولایأکل الجیف ولیس بمکروه ونوع منه لایأکل الاالجیف وهوالذی سماه المصنف الابقع الذی یأکل الجیف وانه مکروه ونوع یخلط یاکل الحب مرة والجیف اخری ولم یذکره فی الکتاب وهوغیرمکروه عندابی حنیفة مکروه عندابی یوسف (ج۸ص۴۱۹) ہدایہ اوراس کی شرح عنایہ کی عبارت سے یہ بات صاف واضح ہے کہ اصل مدار حلت وحرمت کا خوراک پر ہے، اسی لئے عقعق کی حلت کی علت صاحب ہدایہ نے لانه یخلط سے بیان فرمائی ہے۔

اب اگر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے زاغ معروفہ کا حکم بوجہ اس کے غذا میں خلط کرنے کے مثل عقعق کے تحریر فرمایا ہے تو یہ اصل مذکور فی العنایہ کے عین موافق اور قاعدہ مقررہ کے بالکل مطابق ہے۔ عقعق کی حلت میں اگر چہ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اختلاف ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول اس کے متعلق حلت کا ہے اور وہی اصح ہے، چنانچہ عنایہ کی عبارت بالا میں بھی اس کے متعلق وهوالاصح گذرا ہے اور درمختار میں ہے (والا صح حله) اور شامی میں ہے: الاولی ان یقول علی الاصح وهوقول الامام (شامی ج۶ص۳۰۸، ایچ ایم سعید کراچی) پھر چونکہ عقعق بوجہ غذا میں خلط کرنے کے مثل دجاجہ کے حلال ہے اور زاغ معروفہ بھی غذا میں مثل عقعق کے خلط کرتا

ہے تو وہ بھی مثل دجاجہ کے حلال ہوگا اور اس کا اکل بھی بغیر جبس کے دجاجہ کی طرح مکروہ تنزیہی ہوگا۔ یہ تو مسئلہ کی تحقیق ہے۔ اس کے بعد اگر کسی شخص کے نزدیک حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قولِ حلت کے برخلاف امام ابو یوسف کا قول مختار ہے اور وہ عقعق کو حرام سمجھتا ہے اور اس وجہ سے اس کے نزدیک زاغ معروفہ بھی حرام ہے تو وہ یقیناً خلاف اصح اور مرجوح قول کو اختیار کر رہا ہے، ایسی صورت میں اصح اور راجح قولِ امام پر فتویٰ دینے والوں پر اعتراض کرنے کا کسی کو کیا حق ہے؟ پہلے بھی اس مسئلہ پر شور و غل اٹھ چکا ہے مگر دلائل صحیحہ کے سامنے ایسے شور و غل ہمیشہ بے اثر ہوتے ہیں۔ تذکرہ الرشید کے حاشیہ میں ہے ''مخالفین کا جب اس مسئلہ پر غوغا زیادہ ہوا تو ستر سے زیادہ علماء کی مواہیر ایک رسالہ بنام فصل الخطاب .... شائع کیا گیا۔ نیز ایک حاجی نے علماء حرمین سے اس کی حلت کا فتویٰ لیا، سنداً مکی فتویٰ منتخب و ملخص نقل کرتا ہوں۔ وھو ھذا . **الحمدللہ وحدہ رب زدنی علماً الغراب المذکور حلال من غیر کراھة عندابی حنیفة رحمه اللہ وھو الاصح وھو المسمی بالعقعق بتصریح فقھائنا رحمھم اللہ تعالیٰ . واصاب من افتی بحله وجواز اکله وکیف یلام الحنفی علی اکل ماھو حلال عندامامه من غیر کراھة والاصل فی حل الغراب وحرمته الغذاء وکونه ذامخلب لابصورته ولونه کمایدل علیه تصریحات فقھائنا فی غالب ومعتبرات المذھب کمافی البحرالرائق والدرالمختار والعنایة وغیرھا فیما نصه جامع الرموز اشعار بانه لواکل کل من الثلاثة الجیف والحب جمیعاً حل ولم یکرہ والاول اصح فثبت مماصرح به علمائنا ان الغراب بانواعه سواءً کان عقعقاً اوغیرہ اذاکان یجمع بین جیف وحب یجوز اکله عندامامنا الاعظم رحمه اللہ تعالیٰ، واللہ اعلم قاله مضمه وامربرقمه عبداللہ بن عباس بن صدیق الحنفی مفتی مکة المشرفة . الان** (مہر) اس مضمون کا بالفاظ وعبارات دیگر علماء مدینہ منورہ کا فتوی موجود ہے، جس کو طوالت کے باعث درج نہیں کیا گیا'' (تذکرہ الرشید ج اص ۱۷۸) اب رہا کہ صاحب ہدایہ کے قول ''**لابأس باکل العقعق** میں **عقعق**'' سے کون سا کوّا مراد ہے؟ تو صاحب عنایہ کی عبارتِ بالا میں ''**ولم یذکرہ فی الکتاب**'' اور کتاب الحج میں خود صاحبِ ہدایہ کے ''**اماالعقعق غیر مستثنیٰ لانه لایسمی غرابا الخ**'' (ہدایہ ج ا

ص۲۸۲) فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ کے نزدیک عقعق غراب کے اقسام میں سے نہیں ہے، اس لئے ان کے نزدیک اس عقعق سے غراب کے علاوہ کوئی اور پرندہ مراد ہے۔ صاحب عنایہ کے مذکورہ قول **ولم یذکرہ فی الکتاب** پر اگرچہ محشی نے علامہ زیلعی کے قول سے یہ اعتراض کیا ہے کہ غراب کی یہ نوع جو غذا میں نجاست اور غلہ کا خلط کرتی ہے یہی تو عقعق ہے اور عقعق کا ذکر کتاب ہدایہ میں موجود ہے، اس لئے شارح عنایہ نے **ولم یذکرہ فی الکتاب** سے جو اس کے کتاب ہدایہ میں موجود ہونے کی نفی کی ہے وہ صحیح نہیں ہے **قال الزیلعی فی شرح الکنز ونوع یخلط بینھما وھو ایضاً یوکل عندابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی وھو العقعق فعلی ھذا لایصح قول الشارح ولم یذکرہ فی الکتاب (محقق سعدی جلبی، فتح القدیر** ج۸ ص ۶۲) لیکن جب صاحب ہدایہ کے نزدیک عقعق کو غراب نہیں کہا جاتا اور انہوں نے کتاب الحج میں ''**اما العقعق غیر مستثنیٰ لانہ لایسمی غراباً الخ**'' فرما کر عقعق کے غراب ہونے کی صراحۃً نفی کردی ہے۔ تو اب عقعق کے ذکر سے غراب کی تیسری قسم کا ذکر ان کے نزدیک کیسے لازم آ گیا، لہٰذا شارح عنایہ کا قول '' **ولم یذکرہ فی الکتاب**'' صحیح رہا۔ اور محقق محشی نے اس پر جو اعتراض وارد کیا تھا وہ رفع ہو گیا۔ یا محشی کی طرف سے یہ کہا جاوے کہ اگرچہ صراحۃً کتاب میں اس نوع کا ذکر نہیں کیا گیا، مگر عقعق کے ذکر سے ضمناً اس کا ذکر بھی ہو گیا، کیونکہ عقعق بھی خلط کرتا ہے اس لئے شارح کا قول **ولم یذکرہ فی الکتاب** علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔ فافہم۔ حقیقت یہ ہے کہ عقعق کے بارے میں یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ غراب کے اقسام میں سے ہے یا یہ پرندہ کی کوئی اور قسم ہے۔ تو اب جن لوگوں نے اس کو غراب نہیں کہا انہوں نے تو غراب کے اقسام بیان کرتے ہوئے **نوع یخلط** سے خلط کرنے والی نوع کا بیان کر کے چھوڑ دیا اور اس کا نام عقعق نہیں بتلایا۔ اور جن لوگوں نے اس کو غراب کی قسم سمجھا ہے انہوں نے غراب کی تیسری قسم جو خوراک میں خلط کرتا ہے بیان کر کے اسی نوع کا نام عقعق رکھ دیا اور اس کو ''**وھو العقعق**'' کہہ دیا۔ جیسا کہ زیلعی کی عبارت مذکورہ میں ہے۔ اور شامی میں عنایہ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے **والاخیر وھو العقعق کمافی المنح** (شامی ج۶ ص۳۰۵، ایچ ایم سعید کراچی) اور درمختار میں ہے **(والعقعق) وھو غراب یجمع بین اکل جیف وحب** اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں **قولہ والعقعق وزن**

جعفر طائر نحوا الحمامة طويل الذنب فيه بياض وسوادوهونوع من الغربان يتشأم به ويعقعق بصوت يشبه العين والقاف ط عن المكی (شامی ج٦ص٣٠٨،)

غیاث اللغات میں ہے ''عقعق بفتح ہردوعین مہملہ طائرے است سیاہ وتیز پرواز'' (ص ٣٤٧) منتخب اللغات میں ہے ''عقعق بفتح ہردوعین مرغیست سیاہ وسفید کہ آوازش بلفظ عق می ماندوآنراعکہ وزاغ دشتی گویند'' (ص٣٣٢)

صراح میں ہے ''عقعق مرغیست ازجنس کلاغ ابلق دم دراز دانہ خوار۔عکہ عقعقہ بانگ وے'' (حاشیہص ٣٨٦) اورغیاث اللغات میں عکہ کے تحت لکھتے ہیں ''بالفتح وتشدید کاف نوعی ازکلاغ وآن ابلق بوداز برھان ودرموید نوشتہ کہ مرغیست کہ آنراعقعق نیز گویند'' (ج٣ص٣٤٨) قاموس میں ہے ''والعقعق طائر ابلق سواد وبياض تشبه صوته العين والقاف '' (ج٣ ص٢٧٥) المنجد میں ہے ''(العقعق) طائرعلى شكل الغراب اوهوالغراب '' (ص٥٦ ٣طبع بیروت) منجد کی عبارت میں صاف تصریح ہے کہ عقعق کے بارے میں اختلاف ہے کہ غراب کی شکل کا یہ کوئی پرندہ ہے یا یہ غراب ہی کی کوئی قسم ہے۔

بہرحال عقعق غراب ہو یا بشکل غراب کوئی اور پرندہ ہو،صاحب ہدایہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک اس کی حلت اصح ہے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا۔اب زاغ معروفہ اگر عقعق ہے تو **فهوالمراد**،ورنہ عقعق کے مثل اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔جس طرح عقعق حلال ہے زاغ معروفہ بھی اسی طرح حلال ہے۔کیونکہ حلت کا حکم عقعق کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر خلط کرنے والے زاغ کا یہی حکم ہے اس عدم تخصیص پر عنایہ کی عبارت بالا ناطق ہے۔اس لئے کہ اس میں **نوع يخلط ولم يذكره فى الكتاب وهو غير مكروه عندابى حنيفة** سے ہر خلط کرنے والے زاغ پر عندالامام غیر مکروہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، ولم یذکرہ فی الکتاب اس بارہ میں نص ہے کہ نوع یخلط سے مراد عقعق نہیں ہے کیونکہ عقعق کا ذکر تو کتاب ہدایہ میں اسی جگہ موجود ہے اب اگر نوع یخلط سے مراد عقعق کو لیا جاوے تو پھر ولم یذکرہ فی الکتاب سے اس کی نفی کرنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔تامل فانہ دقیق وبالتامل حقیق۔

مشہور اور معروف ارباب فتاویٰ میں سے کسی کا فتویٰ،فتاویٰ رشیدیہ کے خلاف دیکھنے میں

نہیں آیا، بلکہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں (ج ۲ ص ۱۶۲) پر اس کی تائید موجود ہے۔ وہ سوال وجواب درج ذیل ہے:

سوال نمبر ۲۷۸/۴۰۰۷: فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۴۵ پر مولانا نے لکھا ہے زاغ معروف یعنی کوا کو کھانا ثواب ہے اس کو پڑھ کر بے چینی ہوئی اس کا جواب مدلل تحریر فرمایا جاوے۔

الجواب: اصل بات یہ ہے کہ کوا جو ہمارے یہاں عام طور پر ہوتا ہے اور جو دانہ وغیرہ بھی کھا جاتا ہے اور بعض نجاسات بھی کھا لیتا ہے اس کا حکم مرغی کا سا ہے یعنی حلال ہے شامی وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور فتاویٰ رشیدیہ میں جو ثواب لکھا ہے وہ ایک وقتی وجہ سے لکھا گیا ہے یعنی جس جگہ لوگ اس کو حرام سمجھتے ہوں وہاں اس کا کھانا ایک حکم شرعی کی تبلیغ واظہار حق کا حکم رکھے گا، اور ظاہر ہے کہ اس میں ثواب ہے۔ باقی کوے کی حلت سو یہ فقط فتاویٰ رشیدیہ کا لکھا ہوا نہیں ہے بلکہ حنفیہ کی تمام کتابوں شامی، درمختار، بدائع، عالمگیریہ وغیرہ میں موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ کتبہ محمد شفیع غفرلہ۔

البتہ شکار پور سندھ کے علماء کی تحریر زاغ معروفہ کی حرمت پر احسن الفتاویٰ مؤلفہ مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی (رحمہ اللہ) میں دیکھی گئی ہے اور اس تحریر کا جواب بھی احسن الفتاویٰ میں بہت مفصل اور مدلل طریقہ پر دیا گیا ہے جس پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ کی بھی تصدیق موجود ہے **من شاء التفصیل فلیراجعه.**

اس تحقیق وتفتیش کے بعد گذارش ہے کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ زاغ معروفہ کی حلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اور اس کی حلت کے اصح ہونے کے باوجود اس بارہ میں نزاع وتکرار نہ کیا جاوے کیونکہ بعض امور اگرچہ فی نفسہٖ صحیح اور درست ہوتے ہیں مگر ان کے اظہار میں فتنہ ہوتا ہے تو ایسے امور میں اجمال وابہام مناسب ہوتا ہے، بشرطیکہ اس امر کا شرعاً اظہار ضروری نہ ہو اور **مانحن فيه** میں ایسا ہے اور اگر اس امر کا شرعاً اظہار ضروری ہو تو پھر فتنہ کی پرواہ نہیں کی جاوے گی اور اس کا ضرور اظہار کیا جاوے گا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا بھی یہی طریقہ تھا کہ جن مسائل غیر ضروریہ میں فتنہ کا اندیشہ ہوتا تھا اس کے اظہار کو عموماً پسند نہیں فرماتے تھے تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے ''جن مسائل غیر ضروریہ کے اظہار میں فتنہ کا اندیشہ اور عوام کے ابتلاء کا واہمہ ہوتا آپ طبعاً اس کے بیان سے متنفر اور محترز تھے، ہاں بحیثیت تبلیغ خواص کے مجمع میں اس کو ظاہر فرماتے مگر اس کے ساتھ ہی

یہ بھی ارشادفرمایا کرتے تھے کہ عوام میں اس کا چرچا نہ ہو، ورنہ مخلوق ڈوبے گی (ج ۲ ص ۱۷۶)

چنانچہ مسئلہ زاغ کے بارہ میں بھی حضرت گنگوہی کا یہ ارشاد تذکرۃ الرشید میں منقول ہے کہ جب حضرت کی مجلس میں کسی شخص نے کووں کے غلہ کو نقصان پہونچانے کی شکایت کی تو مولوی ولایت حسین صاحب نے کہا کہ فقہ کی کتابوں میں تو اس کوے کو حلال لکھا ہے حضرت نے اس کو سن کر مسکراتے ہوئے فرمایا ہے ''ہاں کھانا کسی طرح تو کم ہوں'' اس کے بعد ارشاد فرمایا ''بعض مسائل فی نفسہ حق ہوتے ہیں مگر ان کی اشاعت میں فتنہ ہوتا ہے'' (تذکرہ ج ۲ ص ۱۷۷) جب حضرت گنگوہی اس مسئلہ کی اشاعت میں فتنہ تصور فرماتے ہیں تو پھر اب اس کی اشاعت کرنا کیسے درست ہوگا۔ ہاں اگر خواص کے مجمع میں اس کا ذکر ہو اور جس طرح اہل فتاویٰ نے تحقیق کی ہے جس کا کسی قدر نمونہ اس جواب میں بھی گزرا ہے۔ تو اس طرح سنجیدگی کے ساتھ عالمانہ طرز پر تحقیقِ مسئلہ کے لئے گفتگو ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارناالباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه . اللھم اذا اردت بقوم فتنة فتوفنا غير مفتون ،ھذا آخر ما اردنا ايراده فی مسئله الغراب وهوبعون الله تعالیٰ فصل الخطاب، والله تعالیٰ اعلم بالصواب واليه المرجع فی کل باب .**

کتبه الاحقر سيد عبدالشکور الترمذی عفی عنه ذنبه الجلی والخفی

المبتلی، بالتدريس والفتویٰ بمدرسة عربيه حقانيه،

ساہیوال ضلع سرگودھا۔ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

۱۴۔ تحکیم کی شرعی حیثیت

(الحُکم الشرعی للحَکَم الرسمی)

بے شمار مقامات پر جھگڑے اور نزاع ہو جانے کی صورت میں کسی شخص کو فیصلہ کرنے کے لئے حَکَم بنالیا جاتا ہے، اور پھر وہ اپنا فیصلہ سنا دیتا ہے، اس سلسلہ میں بہت سی خرابیاں اور مفاسد بلکہ پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں، حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ نے مسئلہ کی اہمیت اور نزاکت کے پیشِ نظر اس موضوع پر تفصیلی مضمون تحریر فرمایا، جو کہ ذیل میں درج ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فریقین کی رضامندی سے حکمِ شرعی اور قواعدِ تحکیم سے واقف کسی شخص کے شرعی فیصلہ پر رضامند ہونا ''تحکیم'' ہے، اور فیصلہ سے پہلے ہر شخص کو (فریقین میں سے) ثالثی سے انکار کرنے کا حق شرعاً حاصل ہے۔ اور اگر فیصلہ خلاف شرع ہو تو انکار کرنا بھی درست ہے، کسی (ثالث) کو جبر کرنے کا حق نہیں کہ مجھ سے ہی فیصلہ کراؤ، فریقین کی رضامندی اور صواب دید پر یہ موقوف ہے کہ جس واقف حکمِ شرع سے چاہیں متفق ہو کر فیصلہ کرالیں، فیصلہ ہونے تک دونوں کا فیصلہ کرانے پر متفق ہونا ضروری ہے، البتہ فیصلہ کے بعد کسی فریق کو فیصلہ سے انکار وانحراف جائز نہیں، جب تک اس فیصلہ کا شرع کے خلاف ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ قواعدِ شرع اور اصولِ تحکیم کے موافق جو ثالثی فیصلہ ہوگا وہ واجب التسلیم اور مثل قاضی کے شرعی فیصلہ ہوگا، ''**والحکم کالقاضی**'' کے یہی معنٰی ہیں کہ ثالث کے فیصلہ کو قاضی کے فیصلہ کی طرح تسلیم کرنا واجب ہے مگر قاضی کو حکومت کی طرف سے قوتِ تنفیذ حاصل ہے، وہ جبراً اپنا فیصلہ نافذ کرنے کا اختیار رکھتا ہے، بخلاف ثالث کے کہ اس کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے، وہ صرف حکم بتلاتا ہے، جبراً نافذ نہیں کرسکتا۔ اسی لئے بعض امور میں ثالثی جائز ہی نہیں، مثل حدود وقصاص کے کہ ان کے نفاذ پر حکومت کے سوا کوئی قادر نہیں اور تعزیر شرعی میں بھی اگر قانونِ حکومت مانع ہو تو اس میں بھی ثالث کو قانون کے خلاف حکم جاری نہیں کرنا چاہئے کہ وہ حکم نافذ نہ ہوسکے گا اور ثالث پر مواخذہ کا خطرہ ہوگا، اس سے بچنا بھی لازم ہے۔ اس زمانے میں اکثر مشہور مقامات پر تحکیم شرعی کی صحیح حیثیت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کو بالکل قاضی کے حکم کی طرح ہر معاملہ میں سمجھتے ہیں اور حَکَم وثالث ایسے معاملات میں بھی بنالیا جاتا ہے جن میں شرعاً ثالثی کی اجازت نہیں ہوتی۔

دوسرے حَکَم وثالث خود کو بااختیار حاکم کی طرح سمجھنے لگتا ہے اور ''عدالت شرعیہ'' کا نام دے کر لوگوں کو دھوکہ دینے لگتا ہے کہ یہ بھی بااختیار ادارہ ہے کہ اس سے روگردانی کرنی شرعاً جائز نہیں ہے اور فریقین میں سے کوئی فیصلہ کے لئے حاضر نہ ہو تو اس پر جبر کیا جاتا ہے، اس کو نوٹس دیا جاتا ہے۔ حالانکہ شرعاً اس کا ثالث کو کوئی حق نہیں ہے۔ فیصلہ سے پہلے ہر فریق کو فیصلہ کرانے سے انکار کا حق ہے اب فریقین کی مرضی کے بغیر اس کو فیصلہ کرانے پر مجبور کرنا اس کے شرعی حق میں مداخلت کرنا اور رکاوٹ ڈالنا ہوگا، جو کہ ناجائز ہے، مگر اچھے اچھے لکھے پڑھے لوگ اس میں مبتلاء ہیں اور مشہور مقامات پر یہ ظلم کیا جارہا ہے کہ فریقین کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ فیصلہ ہمارے ہی سے کرائیں اور جو فریق حاضر

نہیں ہوتا اس کو حاضر کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے جاتے ہیں اور طرح طرح سے مطعون کیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ ثالثی کی شرعی حیثیت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اور اس میں اکثر یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ ہماری حیثیت مثل قاضی کے ہے اور ہمارے فیصلے کی جگہ ''شرعی عدالت'' ہے، حالانکہ ثالث نہ ہر حکم میں مثل قاضی کے ہوتا ہے، اور نہ فیصلہ کے مقام کی حیثیت شرعی عدالت کی ہے، فیصلہ ہونے سے پہلے ہر وقت اس سے انکار کرنا شرعاً جائز ہے۔ اور فیصلہ کے بعد بھی اس کا جبری نفاذ ثالث کے اختیار میں نہیں ہے اور یہ بالکل ظاہر اور مسلم ہے، مگر یہ لوگ عوام مسلمانوں سے ان کی بے علمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو باور کراتے ہیں کہ ہماری عدالت ''شرعی عدالت'' ہے، اس کے وہی احکام ہیں جو شرعی عدالت کے ہوتے ہیں۔ یہ بالکل دھوکہ اور فراڈ ہے، کیونکہ شرعاً اس کی حیثیت صرف ثالثی کی ہے، اس کو ''عدالتِ عالیہ شرعیہ'' ظاہر کرکے خواہ مخواہ مسلمانوں کو غلط راہ پر ڈالنا اور ان کی ناواقفیت سے غلط طور پر فائدہ اٹھانا ہے۔ البتہ فریقین کی رضامندی سے ثالثی کے شرائط کے ساتھ ثالث کے شرعی فیصلہ کو تسلیم کرنا واجب ہے، فیصلہ کے بعد اس سے کسی فریق کا انکار کرنا ناجائز ہے، اب فریقین کے لئے اس کو تسلیم کرنا شرعاً ضروری ہے۔

اس تفصیل سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی ہوگی جو ہر معاملہ میں ثالثی کو جائز سمجھتے ہیں یا خود کو مثل قاضی کے جبری فیصلہ کا حق دار تصور کرکے فریقین یا ایک فریق کو نوٹس جاری کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں یہ بالکل خلافِ شرع ہے، اگر فریقین اپنی رضامندی سے معتبر شرائط کے ساتھ کسی کو ثالث بنالیں اور وہ شرعی قواعد کے تحت فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ شرعی ہوگا، اور اس کا تسلیم کرنا واجب ہوگا۔ مگر خواہ مخواہ کسی شخص کا فریقین کی رضامندی کے بغیر خود ثالث بنالینا اور اس کو ''عدالتِ شرعیہ'' قرار دے دینا اور لوگوں کو جبری نوٹس جاری کرنا اصولِ تحکیم کے خلاف اور ناجائز ہے۔

یہ اس غلطی کی اصلاح کے لئے عرض کیا گیا ہے جو عام طور پر معاملۂ تحکیم میں پیش آرہی ہے کہ حَکَم خود کو حاکم بااختیار اور (خود کو) مطلق العنان سمجھتے ہیں اور جبراً فیصلہ کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں، کسی معاملہ میں فریقین کو کسی عالم، متقی، واقفِ احکامِ شرعیہ کے ثالث بنانے کی ترغیب دیں اور شرعی فیصلہ کرنے کی بقدرِ استطاعت کوشش کرنی مأمور بہٖ ہے، وتعاونوا علی البر والتقویٰ. مگر فریقین کی رضامندی کے بغیر کسی خاص جگہ کے لئے کسی فریق کو مجبور کرنا اور کسی خاص جگہ کا حق سمجھنا ناجائز ہے

اور تعدی حدود اللہ میں داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضی کے مطابق اپنے تمام معاملات کو احکام شرعیہ کے مطابق حل کرانے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ الاحقر السید عبدالشکور الترمذی المبتلٰی بالفتوٰی بالجامعة الحقانية فی ساهيوال من توابع سرجودها ۲۷ر شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ

﴿ ۱۵۔کافر حربی سے سودی معاملہ کرنا ﴾

کافروں کے ملک میں مسلمان کا کافر شخص سے سودی معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بعض فقہاء کی عبارات سے مختلف شبہات پیدا ہوتے تھے، جن کو حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا، سوال میں ذکر تھا کہ (۱) دارالحرب کی جامع تعریف نہیں ملتی (۲) اور اگر کسی ملک کے دارالحرب ہونے میں اختلاف ہو تو اس کا کیا حکم ہے اور اگر کوئی حربی مستامن ہو کر دارالاسلام میں آئے تو اس سے سودی معاملہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ (۳) اور اگر کوئی شخص مثلاً انگلینڈ میں رقم جمع کرا کر پاکستان آجاتا ہے اور وہاں سے اس رقم پر سود حاصل کرتا رہتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے وغیرہ حضرتؒ نے خداداد فقاہت اور بصیرت کی روشنی اس کا میں درجِ ذیل مدلل ومحقق جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: احقر کے نزدیک دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریف یہ ہے جس کو حضرت شاہ صاحب عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنے طویل فتویٰ میں بحوالہ کافی نقل فرمایا ہے کہ ’’المراد بدار الاسلام بلاد يجرى فيهاحكم امام المسلمين ويكون تحت قهره وبدارالحرب بلاد يجرى فيها امر اعظيمها وتكون تحت قهره ا نتهى ؟‘‘ (كذافى فتاوى عزيزى ص ۴۵۴)

(۲) اگر کسی ملک کے دارالحرب ہونے میں اختلاف نہ ہو پھر بھی احتیاطی فتویٰ عدمِ جواز کا ہوگا، اس لئے کہ طرفین اور امام ابو یوسف کا اختلاف ایسے ہی دارالحرب کے سود میں ہے جس کا دارالحرب ہونا اختلافی نہ ہو، بلکہ یقیناً دارالحرب ہو، دارالحرب میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وامام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے مسلمان کو جو کہ دارالاسلام کا رہنے والا ہو اور امن لے کر کچھ مدت کے لئے دارالحرب میں گیا ہو جس کو اصطلاح میں مسلم مستأمن کہا جاتا ہے حربی سے سود لینا جائز ہے اور امام ابو یوسف

رحمہ اللہ نیز ائمہ ثلاثہ امام مالک رحمہ اللہ وامام شافعی وامام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک دارالحرب میں بھی سود لینا جائز نہیں حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اپنے رسالہ ''رافع الضنک عن منافع البنک''، میں اس کے عدمِ جواز کو بڑی تفصیل سے مدلل طریقہ پر تحریر فرمایا ہے اور روایۃً ودرایۃً یہی مذہبِ ابو یوسف رحمہ اللہ راجح اور باعتبار دلیل قوی ہے، اسی پر فتویٰ دینا چاہئے ؟ **لان الاعتبار بقوة الدليل كمافى رسم المفتى والدليل على ماقلنا. اولاً: مافى نصب الرايه قال عليه الصلوٰة والسلام .المسلم والحربى فى دارالحرب قلت غريب والسند البيهقى فى المعرفة فى كتاب السير عن الشافعى قال ابويوسف انما قال ابوحنيفه هذا لان ......حدثنا عن مكحول عن رسول الله ﷺ انه قال لاربابين اهل الحرب اظنه اواهل الاسلام قال الشافعى وهذاليس بثابت ولاحجة انتهى كلامه** (ج۴ص۴۴)

ثانیاً: **قوله تعالىٰ يَاَ اَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَذَرُوْامَابَقِىَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْن.** (الاٰیۃ پ۳) یہ ربو حرمتِ ربوٰ سے بھی پہلے کا اہل حرب کے ذمہ باقی تھا اور حرمت سے پہلے ہی اہل حرب سے معاملات ربا کے ہوئے تھے پھر بھی اس کے وصول کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور بقیہ سود کے لینے سے منع فرمادیا گیا بلکہ نہ لینے کو ایمان کی شرط قرار دیا گیا، تو نزولِ حرمت کے بعد سود کے لینے کی اجازت کیسے ہوگی؟

ثالثاً: **قوله تعالىٰ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (الاٰية)** سود کی حرمت قطعی، مطلق، مؤبد ہے، خبرِ واحد سے اس کی تخصیص اصولاً درست نہیں ہے، پھر وہ خبر واحد بھی غیر ثابت ہے، کمامر، اس میں انقطاع ہے، مکحول صحابی نہیں ہے، اس کے واسطہ کا صحابی ہونا متعین نہیں ہے، اب رہا یہ کہ طرفین کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ دارالحرب میں مسلم مستأمن اور حربی کے درمیان ربوٰ نہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے۔ **ولاربوٰ بين حربى ومسلم مستأمن ولوبعقدفاسد اوقمارثمة لان ماله ثم مباح فيحل برضاه مطلقا بلاعذرخلافاً للثانى والثلاثه** (شامی ج۵ص۱۸۶)

اس کا مطلب کیا ہے؟ تو اگر اس کی تشریح وہ کی جائے جو بدائع نے کی ہے تو پھر اس قول کی ان آیات قرآنیہ اور احادیث صریحہ دربارہ حرمت ربوا کے ساتھ تطبیق کی کیا صورت نکل سکتی ہے؟

قال فی البدائع ولهما ان مال الحربی لیس بمعصوم بل هومباح فی نفسهٖ الاان المسلم المستأمن منع من تملکه من غیررضاه لماخبرمن العذروالخیانة فاذابدل باختیاره ورضاه فقدزال هذا المعنی فکان الاخذ استیلاء علی مال مباح غیر مملوک وانه مشروع مفید للملک کالاستیلاء علی الحطب والحشیش وبه تبین ان العقد هنالیس بتملک بل هوتحصیل التملک وهوالرضا لان ملک الحربی لایزول بدونه ومالم یزل ملکه لایقع الاخذ تملکا اذا زال فالملک بمسلم یثبت بالاخذ والاستیلاء لابالعقد فلایتحقق الربا لان الربا اسم یستفاد بالعقد (البدائع الصنائع ج ۵ ص ۹۲)

حاصل یہ ہے کہ مسلم مستأمن جو مال عقود فاسدہ کے ذریعہ دارالحرب میں حربی سے حاصل کرتا ہے اس پر ربوا کا اطلاق نہیں ہوتا اور طرفین کے نزدیک اس میں ربوا متحقق نہیں ہوتا اس لئے کہ طرفین کے نزدیک تحقق ربوا کے لئے بدلین کا معصوم ہونا شرط ہے اگر ایک بدل بھی غیر معصوم ہوگا تو ان کے نزدیک ربوا متحقق نہ ہوگا بخلاف امام ابو یوسف کے کہ ان کے نزدیک بدلین کا معصوم ہونا شرط نہیں بلکہ ایک بدل بھی اگر معصوم ہوگا تو ان کے نزدیک ربوا متحقق ہوجائے گا۔قال فی البدائع:

واما شرائط جریان الربا ان یکوناالبدلان معصومین فان کان احدهماغیرمعصوم لایحقق الربا عندناوعندابی یوسف هذا لیس بشرط ویتحقق الربا وعلی هذا الاصل یخرج مااذادخل مسلم دارالحرب تاجراً مباح حربیادرهما بدرهمین اوغیر ذلک من سائر البیوع الفاسدة فی حکم الاسلام انه یجوزعندابی حنیفه ومحمد وعند ابی یوسف لایجوز (ج۵ص۱۹۲)

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک چونکہ دارالحرب میں حربی کا مال غیر معصوم اور حطب وحشیش کی طرح مباح ہے اس لئے اس پر استیلاء سے ملک حاصل ہوجاتی ہے لیکن چونکہ مستأمن مسلمان کو حربی کے مال کو بغیر اس کی رضامندی کے لینے سے منع کردیا گیا ہے اس لئے اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کسی عقد کی ضرورت ہے تو درحقیقت عقد موجب ملک نہیں بلکہ موجب ملک اخذ واستیلاء ہے اور عقد صرف تحصیل رضا یعنی شرط تملک کے حاصل کرنے کے لئے

ہے، یہ بات بدائع کی عبارتِ بالا سے واضح ہے، بدائع کی تحقیق مذکور کے پیش نظر طرفین کا مسلک آیات واحادیث کے خلاف نہیں رہا اور تطبیق کی یہ صورت نکل آئی کہ آیات واحادیث کا مفاد حرمت ربوا ہے اور طرفین کا مسلک یہ ہے کہ دارالحرب میں ربوا متحقق نہیں تو جس چیز سے ربوا کی حرمت منصوص ہے اس کی حلت کے قائل حضرات طرفین نہیں ہیں کہ نصوص سے تعارض لازم آنے کا شبہ ہو سکے، بلکہ یہ حضرات اس چیز کے دارالحرب میں وجود کا اور اس کے تحقق کا انکار کر رہے ہیں اور یہ بات درمختار کی عبارت کے سیاق سے بھی ظاہر ہورہی ہے کہ **لا ربا بین سید و عبد** کے ذکر کرنے کے بعد **ولا بین حربی ومستأمن** کو ذکر کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح عبد (غلام) اور اس کے مولیٰ (آقا) کے مابین ربوا کا تحقق نہیں ہوتا اسی طرح مسلم مستأمن اور حربی کے درمیان بھی ربوا کا تحقق نہیں ہوتا، اسی طرح طرفین اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا اختلاف اس میں نہیں ہے کہ دارالحرب میں ربوا جائز ہے یا نہیں بلکہ اس میں ہے کہ دارالحرب میں ربوا کا تحقق ہے یا نہیں، حضرات طرفین کا مسلک یہ ہے کہ دارالحرب میں حربی کا مال غیر معصوم ہے اس لئے وہاں ربوا کا تحقق ہی نہیں، یہ بات نہیں ہے کہ ربوا کا تحقق ہوا اور پھر جائز ہو، امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ربوا کا تحقق وہاں بھی ہوتا ہے، جب ان کے نزدیک دارالحرب میں بھی ربوا کا تحقق ہوتا ہے اور حربی کے مال کا غیر معصوم ہونا ربوا کے تحقق کے لئے مانع نہیں ہے تو ان کے نزدیک عقود فاسدہ سے حاصل شدہ اموال حرام ہونگے اور مسلمان مستأمن اور حربی کے درمیان عقد ربوا سے جو مال حاصل ہوگا وہ حرام ہوگا۔

قال العلامة ظفر احمد العثمانی والعمومات لم تتعرض للمكان اصلاً ولو سلم فمعنا ها ان الربا اذا تحقق فهو حرام فی كل مكان واما انه يتحقق فی كل مكان فلادلالة للعمومات على ذالک اصلاً كمالايخفی على من له مسكة وليس معنى مرسل مكحول ان الربا يجوز فی دارالحرب بعد تحققه وانما معناه انه لايتحقق بين المسلم والحربی هناک فلا منافاة بينه وبين العمومات المتواترة الواردة فی الربا فلايرد على ابی حنيفه تخصيص المتواتر العام بمرسل من الاحاد (اعلاء السنن ج ۴ ص ۳۵۶) وفی الحاشيه (ج ۱۴ ص ۳۵۶) على قول البدائع فلايتحقق الربا فلايرد على ابی حنيفة تخصيص عمومات الرباوهی متواترة

بمرسل مکحول وھو من الاحاد لان العمومات لم تتناول مااخذبالاستیلاء وانما تعم مااخذبالعقد فافھم وایضاً فانھا انما تتناول الرباوھذا لیس بربا ۱۲

اس تطبیق وتوجیہ کی غرض یہ ہے کہ حضرات طرفین کی طرف جو مذہب منسوب ہے وہ بھی خلاف دلیل نہیں مسئلہ مجتہد فیھا ہے دلائل جانبین کے پاس ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ طرفین کے دلائل قوی ہیں اوران کا جواب نہیں دیا گیا بلکہ خود حضرت العلام مولانا ظفر احمد عثمانی نے ہی اپنے مضمون مسئلہ سود قمار وغیرہ بین مسلم وحربی میں ''جو بجواب مولانا مناظر احسن گیلانی لکھا گیا تھا'' بڑی وضاحت کے ساتھ ان سب دلائل پر کلام فرمایا چنانچہ **ان مال الحربی** میں **بمعصوم الخ** پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں؟ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام نے نفوس واموال کی دو قسمیں قرار دی ہیں ،معصوم اور غیر معصوم مگر سوال یہ ہے کہ غیر اسلامی علاقہ میں ان کا معاہدہ کر کے خواہ یہ معاہدہ زبان سے ہو یا حال سے مسلمان کا داخل ہونا اگر اہل حرب کے اموال کو معصوم نہیں کرتا تو نفوس کو معصوم کیونکر کر دیتا ہے، حالانکہ نصوص میں اموال ونفوس دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہے **عصموا منی ومائھم واموالھم** اگر عقد امان سے عصمت اموال تو بحالہ مرتفع رہی اور عصمت نفوس مرتفع نہ ہوئی اس مضمون میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ حربی دارالاسلام میں امن لے کر داخل ہوتو اس کی جان ومال سب کچھ معصوم ہو جائے اور اس کے ساتھ عقد ربا حرام ہو اور اگر مسلمان دارالحرب میں امن لے کر جائے تو ان کے حق میں اہل حرب کے نفوس تو معصوم ہوں اور اموال معصوم نہ ہوں اس لئے میں نے کہا تھا کہ جن حالات میں حربی معصوم الدم ہو اس وقت اس کا مال اس کی ملک ہے اس کو اس درجہ مباح کہنا کہ عقد ربا سے حقیقت ربا متحقق نہ ہو بعید از قیاس ہے مگر آپ نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتلائی کہ معصوم الدم کا مال کیوں معصوم نہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ حق مستأمن میں مال حربی کا غیر معصوم ہونا تسلیم نہیں یہ مقدمہ ممنوعہ ہے، اس تطویل کلام کا مقصد یہ ہے کہ جانبین میں کلام بہت طویل ہے اور اجتہادی مسائل میں جس جانب کو ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے اس میں بھی احتیاط ہے وہی دلائل کی رو سے قوی ہے، ہمیں اس پر فتویٰ دینا چاہئے ،اس بحث سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اجتہادی امور میں سے کسی جانب کو ترجیح دینے کے لئے کسی قدر وسعت علم کے ساتھ دقت نظر کی بھی ضرورت ہے معمولی اور سطحی علم اس کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے اپنی علمی سطح پر بھروسہ

کر کے دوسری جانب فتویٰ دینا خطرہ سے خالی نہ ہوگا ہمارے اکابر نے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق فتویٰ دیا ہے اور باعتبار دلیل کے وہی قوی اور راجح معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں بھی مسلمان مستأمن کے لئے ربوا جائز نہیں ہے، اس لئے فتویٰ اسی پر ہوگا البتہ علمی افادہ کے طور پر دوسری جانب کے بعض دلائل کا ذکر بھی ہوگیا اور انکا جواب بھی معلوم ہوگیا یہ صرف علمی بحث ہے جو طلبہ کے لئے مفید ہے یہ فتویٰ نہیں ہے۔

(۳) جن علماء کرام کے نزدیک کافر حربی کے مستامن دارالاسلام میں آنے کی صورت میں ربوا جائز ہے اس کی بناء چونکہ ان کے نزدیک مال حربی کا غیر معصوم ہونا ہے اور حربی کی رضامندی سے اس کا مال جس صورت سے بھی حاصل ہو اس کا لینا جائز ہے، بشرطیکہ خیانت کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو اس علت کا تقاضہ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انگلینڈ میں رقم جمع کرا کر پاکستان میں آنے کے بعد بھی اس رقم پر جو زیادتی وصول ہو وہ سود نہ کہلائے، کیونکہ یہ عقد بھی دارالحرب میں ہوا ہے اور مسلم مستأمن جو مال عقودِ فاسدہ کے ذریعہ دارالحرب میں حربی سے حاصل کرتا ہے اس پر ان حضرات کے نزدیک ربوا کا اطلاق نہیں ہوتا مگر چونکہ ملک ثابت ہوتی ہے اخذ واستیلاء سے، نہ کہ عقد سے، جیسا کہ بدائع کی عبارت **فالملک للمسلم یثبت بالاخذو الاستیلاء لا بالعقد** (ج۵، ص ۱۹۶) سے ثابت ہو رہا ہے اور اخذ واستیلاء دارالحرب میں ہوا نہیں اس لئے اس صورت میں اس رقم پر اضافہ کی وصولی پاکستان میں جائز نہیں ہونی چاہئے درمختار کے قول،'' **لان مالہ ثمۃ مباح فیحل برضاہ مطلقا** ''(ج۵، ص۱۸۶) میں ثمۃ کی قید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حربی کا مال مستأمن کے لئے دارالحرب میں مباح ہے غیر دارالحرب میں نہیں اور عقود فاسدہ سے حلت اخذِ مالِ حربی کی بنا اباحت مالِ حربی پر تھی جب غیر دارالحرب میں یہ بنا اباحت مال حربی مقصود ہے تو اس عقد فاسد کی وجہ غیر دارالحرب میں حربی کے مال کا اخذ وصول جائز نہ ہوگا، یاد رہے کہ اہل حرب کے ہدایا وغیرہ کے مباح ہونے سے اس پر اشکال صحیح نہ ہوگا کیونکہ ان کے لئے ہبہ وغیرہ حصول ملک کا کوئی دوسرا سبب موجود ہوگا اور اس صورت میں حربی کی رضا کے تحقق کے لئے عقد فاسد شرط بن رہا ہے اگر چہ جواز ربا فی دارالحرب کے قائلین کے نزدیک یہ عقد صورتاً عقد ہے حقیقتاً عقد نہیں ہے مگر تحصیل رضا حربی کیلئے ان کے نزدیک بھی یہ شرط ہے اور حلت اخذ ربا اس سے مشروط ہے پاکستان میں رہتا ہوا ایک مسلمان

وہاں کے بنک میں رقم جمع کرا کر اگر سود لے تو اس کے لئے بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا کیونکہ اختلافی مسئلہ'' **لاربوا بين الحربي ومسلم مستأمن في دار الحرب** '' کا ہے دارالاسلام کا رہنے والا مسلمان دارالاسلام میں رہتے ہوئے حربی کے ساتھ کسی کے نزدیک بھی معاملہ ربا کرنے کا مجاز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ دارالاسلام میں مسلمان کے لئے حربی سے بھی سودی معاملہ کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ درمختار میں ہے'' **الحاصل ان الربا حرام الافي هذه الست مسائل** ''(شامی ج۵ص ۱۸۷) اور الاشباہ والنظائر میں ہے'' **الربوا حرام الا في مسائل بين حربي ومسلم ثم وبين المسلمين ولم يخرجاالينا الخ** ''(ص۳۰۱) فقط واللہ اعلم سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مدرسہ عربیہ حقانیہ، ساہیوال ضلع سرگودھا، ۲۹ رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ

﴿۱۶۔نماز کے بعد ذکر بالجہر کا حکم﴾

(حكم الجهر المفرطة بعدالصلوٰة المكتوبة)

بعض اہل بدعت کی طرف سے ایک تحریر شائع کی گئی تھی، جس میں نماز کے بعد آوازِ بلند ذکر کو ثابت کیا گیا تھا، اور اس میں یہ حدیث ذکر کی گئی تھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں جب میں ذکر کو سنتا تھا تو معلوم کر لیتا تھا کہ لوگ جماعت سے فارغ ہو گئے ہیں (بحوالہ بخاری) حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کی خدمت میں اس تحریر کو ارسال کیا گیا، جس کے جواب میں حضرت نے درجِ ذیل مضمون تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: بخاری شریف کی حدیثِ مذکور گو سند کے اعتبار سے اس کے سب راوی معتبر ہیں، مگر فرض نماز سے فارغ ہوتے وقت لوگوں کے ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنے پر حنفیہ کے اصول پر اس حدیث کو دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ حضرت ابنِ عباس سے روایت کرنے والے ان کے غلام ابوعبیدہ ہیں ان کے شاگرد عمرو بن دینار نے ان کے سامنے ان کے حوالہ سے یہ حدیث پڑھی تو ابوعبیدہ نے انکار کر دیا کہ میں نے تم کو یہ حدیث نہیں سنائی (بذل المجہود شرح ابی داؤد ج۲ ص۱۳۴) استاد کے انکار سے شاگرد کی انہی کے حوالہ سے روایت دلیل بننے کے قابل نہ رہی اور اگر کوئی دلیل قرار دے تو بقول ابن بطال اور علامہ عینی یہ عمل حضور ﷺ کے آخری زمانہ میں منسوخ ہو چکا تھا، اسی لئے صحابہ رضی

اللہ عنہم نے اور خود ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس پر عمل نہیں فرمایا۔ اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ ابنِ بطال نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن عباس کا یہ فرمانا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ تھا، خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حدیث کے بیان کرتے وقت خود ایسا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اُس وقت عمل تھا۔ ورنہ اس فرمانے کے کہ (حضور ﷺ کے زمانہ میں تھا) کوئی معنی نہ ہونگے۔ امام نووی شافعی شارح مسلم بھی اس روایت کے تحت لکھتے ہیں کہ: تمام اصحابِ مذاہب جن کے مذہبوں کا آج اتباع کیا جاتا ہے اس پر متفق ہیں کہ ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا مستحب نہیں (شرح مسلم ج ا ص ۲۱۷) ابن بطال بھی کہتے ہیں کہ تمام اہل مذاہب کہ جن کے مذہبوں کا اتباع کیا جاتا ہے اور ان کے علاوہ تمام علمائے اسلام سوائے ابنِ حزم کے (جو کہ ظاہری غیر مقلد ہیں) بلند آواز سے تکبیر و ذکر کے مستحب نہ ہونے پر اتفاق رکھتے ہیں۔

امام مالک سے روایت ہے کہ یہ نو ایجاد عمل (یعنی بعد کی پیداوار) ہے۔ تفصیل کے لئے علامہ عینی حنفی کی شرح بخاری دیکھنی چاہئے، علامہ عینی حنفی کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ذکر سے مراد اس حدیث میں تکبیر ہو، اس لئے کہ بخاری کی ایک اور روایت میں بجائے ذکر کے تکبیر کا لفظ ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ یہ واقعہ جس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں شاید ایامِ تشریق کا ہو جن میں تکبیریں بلند آواز سے کہی جاتی ہیں۔ بہرحال اگر یہ حدیث دلیل بننے کے قابل بھی ہوئی تو بھی اس سے دوام اور ہمیشگی کے ساتھ اس عمل کا کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ اور تمام امت کے نزدیک اس سے مستحب ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا، سوائے ایک غیر مقلد ابن حزم ظاہری کے۔ اسی لئے علامہ نووی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مطلب امام شافعی کے حوالہ سے یہ بیان کیا ہے کہ کچھ عرصہ تک لوگوں کو تعلیم دینے اور ان کے سکھلانے کی غرض سے ذکر بالجہر ہوتا رہا، نہ یہ کہ انہوں نے اس پر دوام کیا (شرح مسلم ج ا ص ۲۱۷)

اسی طرح علامہ ابن حجر فتح الباری میں (ج ۲ ص ۲۵۹) پر لکھتے ہیں:

مختار بات صرف یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں ذکر آہستہ کریں، ہاں مگر جب تعلیم اور سکھلانے کی ضرورت ہو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے

امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب مہذب سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا پڑھنا آوازِ بلند یہ تعلیم امت کے لئے تھا اور افضل آہستہ ہی پڑھنا ہے۔ خواہ یہ خطا ہو یا کچھ اور، ہاں تعلیم (سکھانے) کے لئے بلند آواز سے جائز ہے سیکھ جانے پر آہستہ افضل ہے (اشعۃ اللمعات ج ۲)

تفصیلِ بالا سے سوال نمبر ۱ کا جواب بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ محدثین اور فقہاء کو اس حدیث میں کیا کلام ہے؟ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یا تو یہ حدیث شریف سرے سے دلیل ہی ہونے کے قابل نہیں ہے یا منسوخ ہے یا یہ واقعہ تکبیر تشریق کا ہے۔ اسی لئے تمام امت نے اس پر عمل نہیں کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا عمل کیا؟ اس کا پتہ اس واقعہ سے ملتا ہے جس کو علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اس بنا پر نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں (شامی ج ۵ ص ۳۵۰)

خیر القرون میں بلند آواز سے ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ آہستہ ذکر کرتے تھے اسی کے مطابق فقہاء نے عمل کرنا بتلایا ہے، البتہ تعلیم کے لئے اگر کسی ذکر کو چندے بلند آواز سے کیا جاوے تو اس میں گنجائش ہے، دوام اور ہمیشگی کے ساتھ ایسا کرنا پوری امت کے نزدیک غیر مستحب ہے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو حاشیہ مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ کی شرح لمعات کے حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی چھوٹی عمر پر محمول کیا ہے کہ وہ چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے یا آخری صفوف میں ہوتے تھے اور امام کی آواز ان تک نہیں پہونچتی تھی۔ واللہ اعلم

باقی احادیث میں بہت اذکار ہیں جن کا پڑھنا نمازوں کے بعد ثابت ہے مثلاً: **لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک له له الملک وله الحمد وهوعلی کل شئ قدیر .لاحول ولا قوة الابالله لاالہ الاالله ولانعبد الاایاه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لااله الاالله مخلصین له الدین ولوکره الکٰفرون** (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۸۸)

مگر اس قسم کی احادیث سے ثابت شدہ اذکار کو علماء ذکرِ خفی پر محمول فرماتے ہیں، فتاویٰ

بزازیہ میں ہے:'' **المذکر اذا دعا بدعاء الماثورة جهراً وجهر القوم كی يتعلموا فلابأس واذا تعلموهم يكون جهرهم بدعة** '' ''تعلیم دینے والا جب دعاء ماثورہ سے آواز بلند دعاء کرے اور لوگ سیکھنے کے لئے آواز سے پڑھیں تو حرج نہیں لیکن جب سیکھ جائیں تو اس وقت ان کا اونچی آواز سے پڑھنا بدعت ہے'' اسی لئے حنفیہ کے یہاں نماز کے بعد کی دعاء بھی آہستہ مستحب ہے۔ مفتی مالکیہ شیخ محمد علی کے رسالہ ''**مسلک السادات الی سبیل الدعوات** '' میں ہے، ''خوب سمجھ لو کہ مذاہب اربعہ میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نماز کے بعد آہستہ دعا مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے'' (امداد الفتاوٰی ج ا ص ۵۴۹)

امام مسلم نے کتاب الذکر کے باب ''آہستہ آواز سے ذکر مستحب ہونے میں'' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث درج کی ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے لوگ بلند آواز تکبیر کہنے لگے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو نہ تم کسی بہرے کو پکار رہے ہو نہ کسی غائب کو، تم تو سمیع وقریب کو پکار رہے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے یہ روایت بخاری میں بھی ہے اور اس میں سمیع وبصیر کے الفاظ بھی ہیں۔

طبری کا قول ہے کہ اس حدیث میں ذکر ودعا سے آواز بلند کرنے کا مکروہ ہونا ثابت ہے تمام علماء سلف وخلف صحابہ اور تابعین کا قول ہے اسی پر سب کا عمل رہا ہے۔ آخر پونے چودہ سو سال تک کے مسلمان اونچی آواز سے نمازوں کے بعد بالالتزام ذکر کیوں نہیں کرتے تھے؟ اس کا کوئی جواز تو ہوگا اگر اونچی آواز سے ذکر کرنا حضور ﷺ کی سنت ہوتی تو یہ سب حضرات کیوں چھوڑ دیتے خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام تو ہرگز اس کو کبھی ترک نہ فرماتے۔ اگر یہ لوگ جو اس کو سنت کہتے ہیں واقعی حنفی ہوتے تو اس مسئلہ میں فقہ حنفی کی کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیتے جہاں پر فرض۔ واجب، سنت، مستحب اور ہر مکروہ تحریمی وتنزیہی تک لکھا ہوا ہے۔ اگر ایسا کرنا سنت یا مستحب ہوتا تو اس کا ذکر فقہ حنفی کی معتبر کتب میں ضرور ہوتا مگر افسوس کہ آج کل بعض لوگ خود کو حنفی کہلانے والے فقہ حنفی کو چھوڑ کر نئے غیر مقلد بن رہے ہیں اور حدیث یا آیت سے غلط استنباط تراش کر امام ابوحنیفہ کے تنقیح شدہ مذہب کے خلاف نئی بدعت میں لوگوں کو مبتلا کر رہے ہیں اور نمازوں کے بعد ہمیشہ اونچی آواز سے ذکر ودرود شریف کو سنت کہہ کر تمام علماء احناف اور فقہائے امت کو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین اور کل

مسلمانوں پر پونے چودہ سو سال تک ترکِ سنت کی تہمت لگا رہے ہیں، مزید براں ذکر کرنے والے کے لئے اس کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کے ذکر کی وجہ سے کسی کی نماز یا تلاوت یا نیند میں خلل نہ ہو۔ اور بہت زیادہ بلند نہ ہو۔ جیسا کہ شامی (ج ۵ ص ۹۶ اور ج ۵ ص ۳۵۰) میں ہے اب جو طریقہ نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کا مروج ہے اس میں آواز بھی زیادہ بلند ہوتی ہے اور مسبوق لوگوں کی نماز میں بھی خلل واقع ہوتا ہے، اس وجہ سے بھی یہ مروجہ طریقہ ممنوع اور ناجائز ہے۔

ماجلس قوم مجلسالم یذکر اللہ فیہ الخ سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ کوئی مجلس ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ سے خالی نہیں ہونی چاہئے اس میں بلند آواز اور آہستہ آواز دونوں برابر ہیں تو اب حدیث سے اونچی آواز سے ذکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ پر استدلال کرنا بالکل ناجائز ہوگا۔ بلند آواز سے ذکر کرنا صرف انہی مواقع میں جائز ہے جہاں شرع میں وارد ہوا ہے جیسا کہ اذان اور تکبیر تشریق وغیرہ، اور جن مواقع میں شرع نے بلند آواز کرنے کا حکم نہیں فرمایا ایسے تمام مواقع میں آہستہ ذکر کا کرنا مستحب ہے تمام امت کا تعامل اس کی دلیل ہے۔

روضۃ الریاحین کے حوالہ سے جو حدیث نقل کی گئی ہے اور اس میں ''**رفع بھا صوتہ**'' کے الفاظ ہیں، اس کی سند اگر صحیح ہو تو اس میں ہیئت اجتماعی کے ساتھ ذکر کا بیان نہیں ہے اور نماز کے بعد کی تخصیص بھی نہیں ہے اور دوام وہمیشگی کا ذکر بھی نہیں ہے۔

تمام امت کے تعامل اور ائمہ اربعہ کے مذاہب کے موافق جب نمازوں کے بعد اذکار کا اخفاء اور آہستہ پڑھنا مستحب ہے، تو اس پر ہی عمل کیا جاوے گا، اور روضۃ الریاحین کی اس حدیث میں نمازوں کے بعد کا ذکر نہیں سمجھا جائے گا۔ اگر اس میں نمازوں کے بعد کا ذکر ہوتا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر کیوں نہ عمل کرتے۔

آیت قرآنی ''**وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ الخ**'' سے تو بلند آواز سے ذکر کرنے کی نفی ہو رہی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے ''اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کرو اور اونچی آواز سے کم آواز کے ساتھ'' اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے شیخ ابن ہمام حنفی نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تو کسی لفظ سے اور کسی وقت بھی منع نہیں کیا جا سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بدعت کے طریقہ پر کرنے

سے منع کیا جاتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا بدعت ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے خلاف ہے ''وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ''لہٰذا اونچی آواز سے انہی مقامات ومواقع میں پڑھنے کا حکم خاص ہوگا جہاں شریعت سے ثابت ہے اور اضحیٰ یعنی ایام تشریق میں ثابت ہے'' (ج ۲ ص ۴۱)

کنز الدقائق کی شرح ''بحر الرائق'' میں ہے کہ:

اللہ اکبر آہستہ کہنا افضل ہے جہازوں میں خوف کے وقت اور تلوار بازی کے کھیل کے وقت ، ایسے میں بھی درود شریف آہستہ افضل ہے'' (ج ۲ ص ۱۷۲)

مدخل میں ہے'' نمازوں کے بعد اونچی آواز سے ذکر ودعا کرنے سے بہت بچیں، اگر یہ جماعت کے ساتھ ہوگا تو بدعت میں سے ہوگا (فتاویٰ لکھنوی ج ا ص ۲۳۵) فقط واللہ اعلم

سید عبد الشکور ترمذی عفی عنہ

ساہیوال ضلع سرگودھا۔ ۲۱ / ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

﴿ ۱۷۔ مروجہ فاتحہ کا حکم ﴾

(الفاتحة المروجة فى التعزية الشرعية)

سوال یہ تھا کہ تعزیت کے لئے لوگ آئیں جائیں اور ہاتھ اٹھا کر کہیں کہ دعا اور فاتحہ پڑھو اور اس کو ضروری خیال کریں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور سوال میں کفایت المفتی کے حوالے سے ایک سوال وجواب کو بھی تحریر کیا گیا تھا، جس سے مروجہ فاتحہ کے جائز ہونے کا بظاہر شبہ ہوتا تھا، حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ نے اس کا درج ذیل جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: میت کے لئے زبانی مغفرت کا حکم ''غفر اللہ لہ'' اور اس کے اعزہ کے لئے صبر کی تلقین کا حکم ہے، باقی مروجہ طریقہ خلافِ سنت ہے اور بدعت ہے، اس کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے، مگر اچھے طریقے پر سمجھائیں، اور نرمی سے کام لیں ورنہ بجائے اصلاح کے فساد ہونے کا خطرہ ہے۔

مروجہ طریقہ فاتحہ'' کہ لوگ آئیں اور کہیں کہ فاتحہ پڑھو اور لوگ ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھیں'' کفایت المفتی میں اس طریقہ کا ذکر نہیں ہے، اس میں یہ کہاں ہے کہ آنے والا کہے'' کہ فاتحہ پڑھو اور لوگ ہاتھ اٹھا کر

فاتحہ پڑھیں'' بلکہ اس میں آنے والے کے لئے تعزیت کا وہی طریقہ لکھا ہے اور وہی الفاظ لکھے ہیں جو پیچھے لکھے گئے ہیں، الفاظ مسنونہ میں **غفر اللہ لمیتکم** دعا کے بعد الفاظ بھی شامل ہوں۔ درمختار میں لکھا ہے'' **ویقول عظم اللہ اجرک واحسن عزاک وغفر لمیتک** (شامی ج ا ص ۸۴۳) تعزیت کرنے والا ان الفاظ کے ساتھ تعزیت کرے، کفایت المفتی میں بھی تقریباً اسی طرح لکھا ہے جو درمختار سے ابھی نقل کیا گیا ہے، اس میں اس مروجہ طریقہ کا کوئی ذکر نہیں ہے (۱) مروجہ طریقہ میں آنے والا ہر قسم کا ہوتا ہے، جنازہ میں شریک ہونے والا بھی ہوتا ہے حالانکہ کفایت المفتی میں ایسے اشخاص کے لئے لکھا ہے جو اتفاق سے جنازہ میں شریک نہ ہوئے ہوں (۲) دوسرے مروجہ فاتحہ میں آنے والا آ کر فاتحہ کے لئے کہتا ہے، حالانکہ اس طرح کہنے کا کفایت المفتی میں کوئی ذکر نہیں ہے، (۳) تیسرے یہ کہ مروجہ فاتحہ میں جب واپس ہوتا ہے تو پھر فاتحہ کہتا ہے، اس کا بھی قطعاً کوئی ذکر کفایت المفتی میں نہیں ہے اور نہ تو تعزیتِ مسنونہ میں یہ بات شامل ہے بلکہ دوسری مرتبہ تعزیت کرنا مکروہ ہے، جیسے کہ درمختار میں ہے کہ'' **ویکرہ التعزیۃ ثانیاً**'' (شامی ج ا ص ۸۴۲) اس سے مروجہ طریقہ کا مکروہ ہونا زائد بھی معلوم ہوگیا، حالانکہ اس مروجہ فاتحہ میں کئی کئی مرتبہ تعزیت کے لئے لوگ آتے ہیں، جو ایک مرتبہ تعزیت کر چکے ہیں وہ بھی بار بار تعزیت کرنے آتے ہیں، حالانکہ اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، جیسا کہ ابھی نقل کیا گیا ہے (۴) چوتھے یہ کہ اس طریقہ کو لازم سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ کفایت المفتی میں صاف صاف لکھا ہے کہ ان میں سے کسی کو لازم قرار دینا درست نہیں۔

اب غور کر لیا جائے کہ کیا لوگوں نے عملاً فاتحہ کے اس طریقہ کو لازم قرار دے رکھا ہے یا نہیں؟ انصاف کی بات یہی ہے کہ عمل میں اس کو لازم ہی سمجھا جاتا ہے، اس لئے بھی بدعت ہے: اب رہا یہ بیچ کا طریقہ'' کبھی ہاتھ اٹھا لے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے'' اس سے بھی لازم قرار دینے والوں کی تائید ہوتی ہے اور اس طرح اصلاح نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ طریقہ جاری رہے گا، اصلاح تو اس کے چھوڑ دینے سے ہی ہوسکتی ہے اس لئے اب اس کا چھوڑنا ضروری ہے، اگرچہ فی نفسہٖ جائز بھی تھا مگر'' **التزام مالا یلزم**'' کے قاعدہ سے منع ہوگیا۔ تعزیت کا جو طریقۂ مسنونہ لکھا ہے اس کے لئے تین دن شریعت میں ہیں، مگر بعض بڑے لوگوں کے مرنے پر اس سے زیادہ دن بھی بیٹھتے ہیں اور اس میں کھانے وغیرہ کھلانے کا اہتمام بھی ہوتا ہے، جو کہ شرعاً منع ہے، تین دن سے زیادہ بیٹھنا بھی منع ہے اور تعزیت کے لئے جانے

والوں کو تین دن کے اندر اہل میت کے گھر میں کھانا وغیرہ بھی ناجائز ہے، البتہ اگر زیادہ دور سے آنے والے ہوں تو ان کے لئے طعام وغیرہ کی گنجائش ہے، اسی طرح شہر سے باہر والوں کو تین دن کے بعد بھی تعزیت کے لئے جانا جائز ہے، مگر اہل میت کے یہاں طعام وغیرہ جائز نہیں، الّا یہ کہ مجبوری کی صورت ہو، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اس مروجہ طریقہ میں یہ سب ناجائز امور بھی شامل ہیں، اس لئے بھی ناجائز ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں (**وبالجلوس لها**) **ای للتعزیة واستعمال لاباس هنا علی حقیقته لانه خلاف الاولی کماصرح به فی شرح المنیة وفی الاحکام عن خزانة الفتاویٰ الجلوس فی المصیبة ثلاثة ایام للرجال جاء ت الرخصة فیه ولا تجلس النساء قطعاً اه** (شامی ج۲ص۲۴۱، ایچ ایم سعید کراچی) اس میں تصریح ہے کہ تین دن بیٹھنے کی گنجائش صرف مردوں کے لئے ہے، عورتوں کو بیٹھنا منع ہے اور تین دن کے بعد مردوں کو بھی منع ہے۔ **وتکره بعدها الالغائب** (شامی ایضاً) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو بھی تعزیت کے لئے بیٹھنا خلاف اولیٰ ہے اور عورتوں کے لئے تو ناجائز ہے ہی ۔تعزیتِ مسنونہ یہ ہے کہ جیسا موقع ہو گھر میں یا کسی بھی جگہ اہل میت سے تعزیت کر دی جائے، خصوصیت کے ساتھ اس کے لئے بیٹھنا خلاف اولیٰ ہے اور مسجد میں اور گھر کے دروازہ کے سامنے بیٹھنا مردوں کے لئے بھی مکروہ ہے، مگر اس مروجہ طریقہ میں اس کا بھی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ شامی میں ہے **وفی الظهیریة ویکره الجلوس علی باب الدار للتعزیة لانه عمل اهل الجاهلیة وقدنهی عنه وما یصنع فی بلادالعجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطریق من اقبح القبائح اه** (شامی ج۲ص۲۴۱، ایچ ایم سعید کراچی) دیکھئے اس عبارت میں گھر کے دروازہ پر تعزیت کے لئے بیٹھنے کو جاہلیت کا طریقہ بتلایا گیا ہے اور ممنوع قرار دیا گیا ہے، اسی طرح بلادعجم میں جو فرشوں کا بچھانا اور راستوں پر تعزیت کے لئے قیام کو قبیح ترین رسم قرار دیا گیا ہے، اس تحریر پر غور کرنے سے مروجہ طریقہ کے قبائح پر اچھی طرح روشنی پڑ سکتی ہے، انصاف درکار ہے۔ فقط واللہ اعلم

احقر سید عبدالشکور ترمذی غفرلہٗ

مدرسہ حقانیہ، ساہیوال۔ ۶؍صفرالمظفر ۱۴۱۴ھ

﴿۱۸۔ مخصوص مجالس کیلئے تداعی﴾

(ترک التداعی فی المجالس الانواعی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین تداعی یعنی دعوت دے دے کر بلا کر یہ اجتماعات کرنے جائز ہیں یا نہیں یا تداعی کے لئے کوئی شرط جس سے بعض کو بعض سے فرق ہو سکے (۱) تداعی سے مجلس ذکر مسلسل مقرر کرنا (۲) تداعی سے مجلس درود (۳) تداعی ہر سال اجتماعی اعتکاف (۴) دعائے طویل علاوہ نماز کے (۵) ختم قرآن (۶) ختم درسِ بخاری (۷) دعاء کے لئے ختم بخاری (۸) ابتدائے درس بخاری (۹) تداعی سے جماعتیں تہجد، اوابین اشراق، چاشت، صلوٰۃ التسبیح، سنن مؤکدہ وغیر موکدہ (۱۰) جماعت تراویح، استسقاء، لیلۃ البراءۃ، کسوف میں اوران مذکورہ میں فرق کا سبب (۱۱) تداعی سے لیلۃ القدر، البراءۃ، شب عید الفطر، شب عید الاضحیٰ کی بیداری اور شب معراج، ۲۷ رجب کی اجتماعی عبادت درست ہیں یا مکروہ یا گناہ، عورتوں کا مسجد آنا (۱۲) کیا ان کا اعلان عام تداعی نہیں ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: درمختار میں ہے (ولایصلی الوتر و)لا(التطوع بجماعة خارج رمضان) أی یکره ذلک علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد کما فی الدر.......وفی الاشباه عن البزازیه : یکره الاقتداء فی صلوٰة رغائب وبراءة وقدر الخ . علامہ شامی لکھتے ہیں (قوله علی سبیل التداعی) هوان یدعوبعضهم بعضا کمافی المغرب وفسره الوافی بالکثرة وهولازم معناه (شامی ص ۴۸، ۴۹ ج ۲)

نیزواحیاء لیلة العیدین والنصف من شعبان والعشر الاخیر من رمضان والاول من ذی الحجة پر بحث کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں وفی الامدادویحصل القیام بالصلوٰة نفلافرادی من غیر عذر مخصوص وبقراءة القرآن والاحادیث وسماعها والتسبیح والثناء والصلوٰة والسلام علی النبی ﷺ الحاصل ذلک فی معظم اللیل الخ : اشاربقوله فرادی الی ماذکربعد فی متنه من قوله ویکره الاجتماع علی احیاء لیلة من هذا للیالی فی المساجد وتمامه فی شرحه وصرح کراهة ذلک فی الحاوی القدسی وقال ماروی من الصلوٰة فی هذا الاوقات یصل فرادی غیر التراویح قال فی البحر ومن هنا یعلم کراهة الاجتماع علی صلوٰة

الـرغـائـب التی تفعل فی رجب فی اول جمعة منه وانها بدعة وما یحتاله اهل الروم من نـذرهـا لتـخرج عن النفل والکراهة فباطل اه قلت وصرح بذلک فی البزازیة کـمــاسیـذکـره الشـارح آخـر البـاب الخ (شامی ص۶۴۲ ج۱) پھر آخر باب میں بزازیہ کی عبارت اس طرح نقل کی ہے ولا ینبغی ان یتکلف الالتزام مالم یکن فی الصدر الاول کـل هـذا التـکلف لاقامة امرمکروه وهو اداء النفل باالجماعة علی سبیل ا لتداعی فـلـو تـرک امثال هذه الصلوٰت تارک لیعلم الناس انه لیس من الشعائر فحسن اه وظاهره انه بالنذرلم یخرج عن کونه اداء النفل بالجماعة (شامی ج۱ ص۶۶۴)

شرح منیۃ کبیری میں تحیۃ الوضوء۔تحیۃ المسجد اور بعد المغرب کے نوافل، استخارہ کی نماز اور صلوٰۃ التسبیح،صلوٰۃ الحاجۃ نیز چاشت اور تہجد کی نماز کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:فـالـصلوٰة خیر مـوضـوع مـالـم یلزم منها ارتکاب کراهة واعلم ان النفل بالجماعة علی سبیل التداعی مـکـروه عـلـی مـاتـقدم ماعدا التراویح وصلوٰة الکسوف والاستسقاء فعلم ان کلا من الـصـلـوـة الـرغـائـب لیـلـة اول جـمعة من رجب وصلوة البراء ة لیلةالنصف من شعبان وصلوٰة القدر لیلة السابع والعشرین من رمضان بالجماعة مکروهة (کبیری ص۴۱۱)

فقہاء کرام کی ایسی عبارات سے ثابت اورواضح ہے کہ تراویح ،صلوٰۃ الکسوف ، صلوٰۃ الاستسقاء کے علاوہ تمام نوافل میں تداعی کے ساتھ جماعت مکروہ اور ممنوع ہے، یہاں تک کہ وتر کی جماعت بھی صرف رمضان میں ہے غیر رمضان میں وہ بھی مکروہ ہے،جبکہ تداعی کے ساتھ ہو ،اس سے معلوم ہوگیا کہ تہجد،اوابین،اشراق،چاشت،صلوٰۃ التسبیح،سنن مؤکدہ وغیر مؤکدہ اور شبِ معراج ۲۷/رجب کی اجتماعی عبادات بوجہ تداعی کے مکروہ ہیں ،مجلس ذکر اور مجلس درود شریف بھی اجتماعی طور پر تداعی کے ساتھ اگر ہوگی ،تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا ،اس لئے کہ یہ مجلس مستحب اور نفل عبادت میں داخل ہے اور نفل عبادت کے لئے تداعی اوراعلان کا مکروہ ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے اعتکاف اگر نفلی ہوتو پھر اس کا حکم واضح ہے کہ اس کے لئے تداعی مکروہ ہوگی ،اعتکاف سنت مؤکدہ عشرہ اخیرہ رمضان المبارک میں اگر یہ خیال کیا جائے کہ یہ صرف شہر رمضان المبارک کی مخصوص عبادت ہے اور وہ بھی صرف عشرہ اخیرہ کی تو تراویح کی طرح اس کے لئے تداعی اوراعلان درست ہوگا

اور مکروہ نہ ہوگا اور دوسری سنت مؤکدہ یعنی نماز سے اس کو بھی امتیاز ہوگا، کہ وہ ہر روز ہیں، اس لئے ان میں جماعت میں حرج ہے، بخلاف اعتکاف سنت مؤکدہ کے، کہ اس میں حرج نہیں ہے۔ مگر جب یہ دیکھا جائے کہ شارع علیہ السلام نے اعتکاف کے لئے تداعی نہیں فرمائی اور اہتمام والتزام کے ساتھ خود اعتکاف کرنے کے باوجود دوسروں کو صرف ترغیب ہی فرمائی ہے، اجتماعی اعتکاف پر عمل نہیں فرمایا تو معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کے نزدیک اس میں انفرادیت کی شان پسندیدہ ہے، اہتمام کے ساتھ اجتماعیت پسندیدہ نہیں ہے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اعتکاف کے خیموں کا مسجد سے ہٹادینے (جیسا کہ بخاری شریف ص۲۷۲ ج۱، پر مروی ہے) کی توجیہات شارحین نے مختلف کی ہیں مگر اس توجیہ کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس طرح کی اجتماعیت کی شان اعتکاف میں پسندیدہ نہیں ہے اور وہ تداعی سے خالی عام طور پر نہیں ہوتی حالانکہ اس واقعہ میں تداعی نہیں پھر حسب اعلان وتداعی اور اہتمام والتزام کی صورت ہوتو وہ کیسے پسندیدہ ہوگی، اس لئے تداعی کو مکروہ کہا جائے گا، یہی حکم دعاء طویل وقصیر کا ہے جو علاوہ نماز کے ہو اور اس کے لئے تداعی اور بلاوا ہو، ورنہ نماز کے تابع ہوگی اور جائز ومسنون ہوگی، یا وعظ کے تابع ہوکر جائز ہوگی۔ درس بخاری ختم بخاری ہو، یا ابتداء، چونکہ از قبیل تبلیغ احکام اور مامور بہ کا فرد ہے اس لئے اس کے لئے تداعی جائز ہے، البتہ ختم قرآن پر محض دعا کے لئے تداعی کو بغیر وعظ وتبلیغ کے مکروہ کہا جائے گا۔

نماز تراویح وغیرہ اور تہجد وغیرہ میں فرق کا سبب اصل میں تو شارع علیہ السلام سے ثبوت ہونا نہ ہونا ہے، تراویح وغیرہ میں ثبوت جماعت کا خلاف قیاس ہوا ہے، اس لئے ان میں جماعت جائز اور مسنون ہے اور تہجد وغیرہ میں نہیں ہوا ہے، اس لئے مکروہ ہے، کیونکہ نفلی عبادت میں اصل انفراداً ان کا اداء کرنا ہے، اجتماعی ادائیگی جس جگہ ثابت ہے اسی جگہ اس پر عمل کیا جائے گا، دوسری جگہ اس پر قیاس کر کے عمل نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ مقیس علیہ خود خلاف قیاس ہے قیاس کا تقاضہ نفل عبادت میں تنہائی اور انفرادیت ہے، اس سے عدول کے لئے کسی نص کی ضرورت ہوگی اور ویسے حکمت کے طور پر وجہ فرق میں شاید یہ کہا جاسکتا ہو کہ کسوف اور استسقاء کی نماز کا سبب عام ہے، اور وقت بھی ان کا دن ہے جس میں اجتماع میں حرج نہیں ہے۔ بخلاف خسوف کے کہ وہ رات کا وقت ہوتا ہے اسمیں اجتماع میں تنگی ہوتی ہے اس لئے کسوف اور استسقاء میں اجتماعیت کو مشروع فرمایا گیا اور خسوف میں

اپنی اصل پر انفرادر ہا، البتہ تراویح میں رات کا وقت ہونے کے باوجود اجتماعیت کی مشروعیت میں شاید یہ ملحوظ ہو کہ وہ شہری عبادت ہے ایک مہینہ اس پر عمل زیادہ دشوار نہیں ہے اور روزمرہ کی سنن مؤکدہ سے اس کو ہی فرق ہوگا۔

الحديث الصحيحين فعليكم بالصلوٰة فى بيوتكم فان خير صلوٰة المرأفى بيته الاالصلوٰة المكتوبة واخرج ابوداؤد صلوٰة المرأ فى بيته افضل من صلوته فى مسجدى هذا الاالمكتوبة هذا ماعندنا . والله اعلم.

کتبہ الاحقر السید عبدالشکور الترمذی عفی عنہ

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا ۲۵/ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ

۱۹۔ تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت

(القول البليغ فى حكم التبليغ)

سوال موجودہ طرز کی تبلیغی صورت کے متعلق تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ تبلیغی سفر میں تبلیغ والے بیت اللہ سے بھی زیادہ اجر بتلاتے ہیں، کیا یہ اجر طلب علم وغیرہ میں بھی ہے، یا صرف اس طرز کی تبلیغ میں ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: موجودہ طرز پر تبلیغ عوام کے لئے مفید اور نافع ہے، مگر اس میں غلو اور تشدد کسی طرح مناسب نہیں، تبلیغ ایک اس مروجہ صورت میں منحصر نہیں ہے جس طرح بھی ہو تبلیغ مقصود ہے، اور اس کا یہی موجودہ طرزِ خاص مقصود نہیں۔ اگر کسی کو تجربہ سے اس وقت یہ طرزِ خاص نافع معلوم ہوا اور اس پر عمل کرے تو کچھ حرج نہیں، کیونکہ جو اصل تبلیغ ضروری ہے یہ طرز خاص بھی اسی کی ایک جزئی اور اس کا ایک فرد ہے اور اگر کسی دوسرے طریق پر اصلاحِ عوام میں مشغول ہو تو بھی تبلیغ کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ کسی طرح اس پر ملامت وطعن مناسب نہیں۔ تبلیغ کو اسی ایک طرز خاص میں منحصر سمجھ لینا غلط اور حد سے تجاوز ہے، جو کہ قابلِ اصلاح ہے، زمانہ کے حالات کے مطابق اگر کسی بزرگ نے تبلیغ کے مفہوم کلی کے ادا کرنے کی ایک خاص صورت تجویز فرمائی ہو جو کہ فی حدِ ذاتہٖ مستحسن ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تبلیغ کے دوسرے طریقے جو اس خاص طریقہ سے پہلے مروج تھے سب ناجائز ہو گئے اور ان دوسرے طریقوں سے تبلیغ کرنا ادائے فرضِ تبلیغ کے لئے ناکافی ہو گیا۔ بلکہ جس صورت سے بھی

احکام پہونچا دیئے جائیں فریضۂ تبلیغ ادا ہو جائے گا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سفرِ تبلیغ بھی فرماتے تھے، قبائل میں تبلیغ کے لئے اور نومسلموں کو احکامِ اسلام کی تعلیم کے لئے حضور ﷺ صحابہ کرام کی جماعتوں کو بھیجتے تھے، بیرِ معونہ کا واقعہ جس میں (۷۰) ستر صحابہ شہید ہوئے وہ تبلیغ کے لئے ہی روانہ فرمائے گئے تھے، مگر بہت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین مسجد نبوی میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور جو وہاں آتا تھا ان کو تعلیم دیتے تھے۔ تو دونوں کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہیں، مساجد میں حلقۂ درس کا قیام عہدِ نبوی ﷺ اور بعد میں بھی جاری تھا۔ اور تبلیغ کی یہ بھی ایک بہترین صورت تھی جس کی ترقی یافتہ شکل اس وقت مدارسِ دینیہ ہیں۔

غرضیکہ خطابِ خاص کے ذریعہ تعلیمِ احکام اور تبلیغ کا رواج بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد و زمانہ میں جاری تھا۔ اور عام خطاب کے ذریعہ بھی جس کو وعظ کہتے ہیں، تبلیغ ہوتی تھی۔ حضر اور سفر میں تبلیغ ہوتی رہتی تھی، نہ تو عام طور سے تبلیغ کرنے والے خاص خطاب سے تبلیغ کرنے والوں پر طعن کرتے تھے، نہ بالعکس، ہر شخص اپنا اپنا کام کر رہا تھا۔ اب یہ بات اس زمانہ میں عام ہوگئی ہے کہ ہر شخص جس طرز کو اختیار کرتا ہے اس طرز پر سب کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ اور حق کو اسی ایک طریق میں منحصر کر دیتا ہے، یہ غلو اور زیادت فی الدین ہے، یہ تو اس وقت ہے جبکہ موجود طرز سے کسی واجب شرعی کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو اور اگر اس قسم کے سفر سے کسی واجبِ شرعی کے ضیاع کا خوف ہو تو پھر اس سے اجتناب ضروری ہے، جیسا کہ ایسی حالت میں علم دین کی طلب کے لئے بھی سفر کی اجازت نہیں دی گئی۔ واللہ اعلم۔ باقی کسی خاص عمل میں خاص وجہ سے فضیلت کا آ جانا ممکن ہے، اس کو فضیلت جزئی کہتے ہیں۔ جب تبلیغ کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں تو اگر یہ اجر ثابت ہوا تو سب صورتوں کے لئے ہوگا میرے خیال میں یہ عرض سب سوالوں کے جواب کے لئے کافی ہوگی، اگر کوئی بات قابل جواب رہ گئی ہو پھر پوچھ لیں۔ اور دوسرے محققین زمانہ سے بھی استفسار کر لیں، مثلاً مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ وغیرہ۔ فقط ۲۳ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

۲۰۔ تبلیغی اور دیگر دینی کاموں کی حیثیت

(نسبة الخدمات التبليغية بالخدمات الدينية)

سوال یہ تھا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی خدمات ان کی وفات کے بعد بھی تبلیغی جماعت کی شکل میں جاری وساری ہیں، لیکن دوسرے اکابرینِ دیوبند کی خدمات ان کی زندگی تک محدود تھیں، کیا ان لوگوں کی سوچ صحیح ہے، اوراس طرح اکابرینِ دیوبند کی خدمات میں مقابلہ کرنا درست ہے؟

اس کے جواب میں حضرت نے درجِ ذیل تحریر مرتب فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ (بانیِ تبلیغی جماعت) کی دینی تعلیم اورتربیتِ اخلاق کی ابتداء قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے دربار گوہر باز سے ہوئی، پہلی بیعت کا شرف بھی حضرت گنگوہی سے ہی حاصل ہوا۔ حضرت گنگوہی کے فیض صحبت اور پھر بعد میں حضرت مولانا خلیل احد سہارنپوری رحمہ اللہ کی تعلیم وتربیت نے مولانا محمد الیاس صاحب کو شریعت وطریقت کا جامع اورظاہر وباطن کا مصلح اورمربی بنادیا۔ اوراللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان دونوں شیوخ اورمربیوں کے فیوضات کومولانا مرحوم کے ذریعہ عالم اسلام کے بڑے حصہ میں پہنچادیا تبلیغی جماعت کی کاوشیں اورکوششیں بارآور مثمر ہوئیں اورلاکھوں مسلمانوں کواس جماعت کے ذریعہ اپنی اصلاح کے مواقع میسر ہوئے، یہ تمام تر ان کے شیوخ اورمربیوں کا ہی فیض ہے، حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوری نے تو خاص اس تبلیغ کے سلسلہ میں میوات کا دورہ فرمایا تھا اورایک بہت بڑے جلسہ قصبہ نوح تحصیل ہول ضلع گڑگانوہ (انڈیا) میں بنفس نفیس شرکت فرمائی تھی، اوراس وقت اس جلسہ سے اس خاص طرزِ تبلیغ کی ابتدا ہوئی تھی اوراس کے بعد بھی تمام ہمعصر اکابر نے اس کے استحسان اورعمومی نفع کی تائید فرمائی، اس طرح یہ جماعت تمام اکابر دیوبند کی مشترکہ مساعی جمیلہ اورکوششوں کا نتیجہ اورثمرہ ہے اگر چہ بطورِ بانیِ اول ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی طرف اس کی نسبت بجا طور پر ہورہی ہے، لیکن حقیقت میں ان کے تمام ہمعصر اکابر علماء اورمشائخ رحمہم اللہ کی توجہاتِ عالیہ اوردعواتِ صالحہ اس کارِ تبلیغ میں شامل حال رہی ہیں، خاص کر محدثِ کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اورآں موصوف کے تعلیم یافتہ اورتربیت حاصل کرنے والے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مدرسین اورمنتظمین نے ہمیشہ اس جماعت کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اوراس کو

اپنی جماعت اوراس کے کام کواپنا کام سمجھا،حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی کتابوں اورتحریروں سے جس قدر اس تحریکِ تبلیغ کو تائید اورتقویت حاصل ہوئی وہ سب کومعلوم اورمشہور ہے، شیخ الحدیث کی تعلیم وتربیت بھی شیخِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے زیرسایہ ہی ہوئی ،حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات کے بعد اس جماعت کے سرپرست اورروح رواں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ہی تھے جن کی وجہ سے ان کے ہزاروں شاگردان ِ کرام علما اورصلحا اس کام کواپنا کام سمجھتے رہے اورسمجھتے ہیں اوراس کے لئے ہرطرح سے معاون ومددگار رہے ہیں ۔ بہرحال حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اوران کے ہمعصر علما وصلحا خصوصاً مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فضلاء اورنظماء کی مشترکہ مساعی اس جماعت کے فروغ اوراس کی ترقیات کے اسباب میں ان سب حضرات کی کوششوں اوراخلاص سے بحمد اللہ اس جماعت کے نفع کوقبولیت عامہ سےنوازا اورتمام عالم میں اس کو پھیلا دیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اورحضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے پیش نظرعلوم اسلامیہ کی نشرواشاعت تھی ،دارالعلوم (دیوبند) اورمظاہر العلوم (سہارنپور) وغیرہ مدارس قائم کئے جانے کا مقصد یہی تھا۔ بحمد اللہ ان حضرات کے بعد بھی ان کی یہ تحریک جاری رہی اور ملک کے تمام گوشوں اورحصوں میں دینی مدارس کا قیام عمل میں آیا اورروز بروز اس تحریک میں ترقی ہورہی ہے۔حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے شعبۂ تصوف اوررسومِ مروجہ کی اصلاحات کی طرف خصوصی توجہ فرمائی ،اللہ کے فضل وکرم سے یہ تحریک بھی اپنے نقطۂ عروج پر پہنچی اوراس کے ثمرات وفوائد بھی ظاہر ہوئے ہزاروں بندگان خدا کی ظاہری اور باطنی اصلاح اس سے ہوئی اورہوتی جارہی ہےاوراب تک حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا فیض جاری اورساری ہے،لیکن چونکہ اس اصلاحی شعبہ کا تعلق زیادہ ترخواص بلکہ اخص الخواص کے ساتھ تھا اورخواص کے ذریعہ عوام تک اس کے اصلاحی فوائد پہنچتے تھے اورپہنچ رہے ہیں اس لئے سطحی نظر میں ان فوائد میں کمی محسوس ہوتی ہے،ورنہ درحقیقت یہ اصلاحی تحریک دن بدن ترقی پذیر ہے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو تبلیغی جماعت کی بدعت کے کاموں سے علیحدگی اورسنت کے کاموں کی طرف توجہ حضرت تھانوی کا ہی فیض ہے اوران کی ہی اصلاحی تحریک ردِ بدعت کا مرہونِ منت ہے،اس طرح تبلیغی جماعت بھی گویا حضرت تھانوی وغیرہ حضرات اکابر

کے مسلک اوران کی علمی اوراصلاحی تحریکات کی انجام دہی میں مصروف اوران حضرات کے مقاصد دینیہ کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے اوراس جماعت کے ذریعہ ان سب اکابر کی تحریکیں قائم اوران کے فیوضات وبرکات خاص اورعام تک پہنچ رہے ہیں مگر چونکہ اس جماعت کا فیضان عمومی اورعوامی ہے اس لئے اس کا پھیلاؤ سب کونظر آجاتا ہےاوردوسرے شعبوں کی خدمات خصوصی اور باطنی ہیں ان کا شیوع سب کے سامنے نہیں آتا ،الحمدللہ اکابر علماء دیوبند کی ہر ہر شعبہ میں خدمات باقی روز افزوں ترقی قابل قدراورغنیمت کبریٰ ہیں اللہ تعالیٰ قبول ومنظور فرماویں۔ والسلام

احقر سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

۷؍شوال المکرّم ۱۴۰۶ھ

﴿۲۱۔تبلیغی جماعت سے متعلق سوالات وجوابات﴾

(ازالة التنكير عن جماعة التبليغ)

تبلیغی جماعت سے متعلق عوام وخواص کی طرف سے بے شمار سوالات اٹھتے ہیں،اوران کے جواب میں عموماًافراط وتفریط پیدا ہوجاتی ہے، بلکہ زیادہ تر سائل کے سوال سے متاثر ہوکر جواب کا رخ بھی اسی طرف پھیر دیا جاتا ہے،لیکن حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ ہمارے اُن اکابر علماءِ کرام ومفتیانِ عظام میں شمار ہوتے تھے جوصرف زمانے اورمعاشرے کے حالات سے متاثر ہوکر کسی چیز پر شرعی حکم نہیں لگاتے بلکہ بیک وقت دونوں طرف نظر رکھتے ہیں اوران حالات میں تزکیۂ نفس ہوجانے کی وجہ سے نفسانی اورشیطانی خواہشات اورآمیزش سے بھی بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ ہوتے ہیں ۔ برکفِ جامِ شریعت برکف سِندانِ عشق چنانچہ حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کی خدمت میں تبلیغی جماعت سے متعلق دس سوالات ارسال کئے گئے تھے۔جن کے حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ نے محققانہ ومعتدلانا جوابات تحریرفرمائے تھے، یہ جوابات مع سوالات کے ذیل میں درج ہیں۔

سوال:.......میں بذاتِ خود تبلیغی جماعت کا مؤید ہوں ،لیکن بعض سوالات ابھرتے ہیں ،جن کا آنجناب سے جواب مطلوب ہے۔

تبلیغی تحریک فرض عین ہے یا فرض کفایہ، یا واجب سنت ومستحب وغیرہ ،اگرفرض عین ہےتو

جولوگ چلہ، چار مہینے، سال وغیرہ نہیں لگاتے ان کے بارے میں تارکِ فرض عین ہونے کی وجہ سے شرعاً کیا حکم لاگو ہوگا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب:......حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کی تبلیغی تحریک میں تعلیم وتعلم اور اصلاح وصلاح کے دونوں پہلوؤں کی رعایت ہے، اگر حدودِ شرعیہ اور شرائط وآداب کو ملحوظ رکھ کر اس میں حصہ لیا جائے تو منجملہ دوسرے طرقِ تبلیغ کے یہ طریقہ بھی مفید اور مستحسن ہے اور اس کے ثمرات وفوائد ظاہر وباہر ہیں لیکن تعلیم وتعلم یا اصلاحِ اخلاق کے لئے ہر مسلمان پر گھر سے باہر نکلنا اور سفر کرنا فرض نہیں ہے، بس اس قدر ضروری اور فرض ہے کہ دینی ضروری علم حاصل کرے اور اپنے اخلاق کی درستگی کی کوشش میں لگا رہے، اس کا جو طریقہ بھی میسر ہو اس پر عمل کرنے سے یہ فرض ادا ہوجائے گا، فرائض کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور واجبات کا واجب اور سنن ومستحبات کا سنت ومستحب ہوگا البتہ جس شخص کے لئے دوسرا طریقہ اپنی دینی ضروریات کے سیکھنے کا میسر نہ ہوسکے، اس کے لئے اسی طریقہ کو فرائض وواجبات کی حد تک سیکھنے کے لئے ضروری قرار دیا جائے گا اور باقی کے لئے مستحب وسنت اور ہر مسلمان پر بقدر اس کے علم کے لازم ہے کہ وہ اپنے توابع اور متعلقین اہل وعیال کو تبلیغ دین کرتا رہے اور احکامِ شریعت بتلاتا اور اس پر عمل کی تاکید کرتا رہے اور ہر وقت "**کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته**" کو پیشِ نظر رکھ کر اپنی مسئولیت کا خیال رکھے اپنے گردوپیش اور اپنے ماحول میں بقدرِ استطاعت احکامِ دین کی تبلیغ اور اصلاحِ اخلاق کی سعی اور کوشش میں لگا رہے، اس مذکورہ خاص شکل کے علاوہ تبلیغ کی یہ خاص صورت نہ فرض عین ہے، اور نہ ہی فرض کفایہ، البتہ قواعدِ شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ایک مستحب اور مستحسن عمل ہے، جو شخص فکرِ معاش سے فارغ ہوکر اور حقوقِ اہل وعیال کا انتظام کر کے اس پر عمل کرنا چاہے وہ ایک مستحب اور مستحسن عمل کرتا ہے، جو نہیں کرتا اس پر شرعاً کوئی مؤاخذہ نہیں ہے، بشرطیکہ دوسرے طریقہ سے وہ اس فرض کی ادائیگی میں ساعی اور کوشاں رہتا ہے۔

سوال:......مقررین، خطباء واعظین، بالخصوص مدرسین ومفتیانِ کرام جو ہمہ وقت دین کی خدمت میں مشغول ہیں، ان کا اپنے اپنے منصب کو چھوڑ کر جماعت کے ساتھ چلہ، چار ماہ وغیرہ لگانا کیسا ہے؟ جبکہ ان کے اس اقدام سے علاقے کے لوگوں، عوام اور بالخصوص مدارسِ عربیہ کے طلباء کا نقصان ہوتا

ہو، نیز تبلیغی جماعت کے ذمہ دار شخص کا یہ کہنا کہ آج کل تبلیغ کے کام میں جس قدر رکاوٹ دینی مدارس کی طرف سے ہو رہی ہے کسی اور کی طرف سے نہیں ہو رہی، کیا علماء کا دین پڑھانا اور طلباء کا دین پڑھنا تبلیغ میں رکاوٹ ہے؟

جواب:......اگر عوام کو نقصان نہ ہوتا ہو اور نہ طلباء کے اسباق وغیرہ میں حرج ہوتا ہو کہ دوسرا متبادل انتظام ہو یا تعطیلات کا زمانہ ہو، اور مدرسین وغیرہ کو قواعد کے مطابق رخصت مل جاتی ہو تو جماعت میں چلہ لگانا مستحسن ہے، مگر فرض ولازم نہیں ہے، جبکہ وہ بھی تبلیغ وتعلم دین کے کام ہی میں لگے ہوئے ہیں اور نہ ہی یہ دینی تبلیغ وتعلیم کا کام اور مدارسِ عربیہ تبلیغ کے کام میں رکاوٹ ہیں، بلکہ ان ہی مدارس عربیہ کے فضلاء نے اس تبلیغی طریقہ کی بناء رکھی اور ہمیشہ سرپرستی فرمائی اور ہزاروں علماء اور طلباء اس میں عملاً شریک رہے اور اب بھی شریک ہوتے ہیں اور جو علماء شریک نہیں ہوتے وہ بھی اس کے استحسان بلکہ بعض صورتوں میں اس کی عملی شرکت کو فرض قرار دیتے ہیں، پھر دینی مدارس کو تبلیغ میں رکاوٹ سمجھنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ یہ خیال بالکل حقیقت کے خلاف ہے اگر کسی مدرسے والے نے کسی جزئی غلطی کی اصلاح کے لئے کہا یا لکھا تو اس کو مخالفت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، وہ بھی تبلیغ کا ممدّ ومددگار رہی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اصولِ تبلیغ کے خلاف اس تبلیغ میں جو غلطی شامل ہوگئی ہے وہ اس میں نہ رہے اور اپنے صحیح اصولوں کے مطابق اہلِ تبلیغ کاربند رہیں۔ واللہ الموفق والمعین

سوال:......تبلیغی جماعت کے ساتھ چلہ، چار مہینے وغیرہ لگانے کو کسی عالمِ دین یا شیخ طریقت کی زندگی کا میزان قرار دینا کیسا ہے؟ نیز چلہ، چار مہینے لگانے والے عامی شخص اور ضروریاتِ دین سے ناواقف انسان کو تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت نہ لگانے والے عالمِ دین پر ترجیح دینا اور اس غیر عالم ناواقف سے بیان وغیرہ کرانا کیسا ہے؟

جواب:......کسی عالم دین یا شیخ طریقت کے علم یا بزرگی کے لئے تبلیغی چلہ کو معیار اور میزان قرار دینا تو صحیح نہیں، البتہ اگر کسی ایسے غیر عالم کو عالم پر بیان وغیرہ میں ترجیح دی جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے جس کو اس طرح کے بیان کا زیادہ تجربہ ہو اور عالم کو تجربہ نہ ہو پھر بھی اس عالم کی تحقیر کا کوئی پہلو دل میں یا زبان وعمل سے ظاہر نہ ہو، کیونکہ یہ اکرامِ مسلم اور اکرام علم کے خلاف ہے۔

سوال:......مشائخ طریقت جو ترویجِ سنت اور دین کا کام کرتے ہیں، یہ تبلیغ دین ہے یا نہیں؟ ان کی

تبلیغی مساعی کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کا کام انفرادی ہے، امت کی اجتماعی فکر نہیں، کیا حیثیت رکھتا ہے؟ نیز تبلیغی جماعت کے ساتھ نکلنے والے مشائخ طریقت کے مریدین کو یہ کہنا کہ پیر کے بتائے ہوئے وظائف کے ساتھ فلاں فلاں تسبیح بھی پڑھ، کس حیثیت کا حامل ہے؟

جواب:......مشائخِ طریقت اور علماءِ امت جو ترویجِ سنت اور اشاعتِ دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ یقیناً تبلیغِ دین اور اس سے بڑھ کر اصلاح و اخلاق اور تربیت و تزکیہ نفوس میں داخل ہے، ان حضرات کے نفوسِ قدسیہ کی برکت سے ہزار ہا اللہ کے بندے تربیت اور تعلیم کے جوہر سے آراستہ اور مزین ہوتے ہیں، یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کے صحیح اور حقیقی جانشین اور وارث ہیں یہ کام بھی اجتماعی ہے، البتہ صورت دوسری ہے لیکن صورت مقصود نہیں ہوتی حقیقت پر نظر رکھنی چاہئے، مشائخ طریقت کی خانقاہوں اور مدارسِ دینیہ کے فیض یافتہ طلباء و علماء کا جم غفیر بھی بہت بڑی جماعت ہے، اور رجال سازی کا جو کام مشائخِ طریقت اور علماء شریعت کے ذریعہ سے انجام پا رہا ہے، وہ کسی دوسرے طریقے سے انجام نہیں پاسکتا، ان ذرائع سے خاص جماعت تیار ہوتی ہے جس سے پھر عام جماعت تعلیم و تربیت حاصل کرتی ہے اور اس طرح امت کی اجتماعی اصلاح کا سامان فراہم ہوجاتا ہے علمِ صحیح اور تربیتِ اخلاق کے بغیر امت کی انفرادی یا اجتماعی کسی طرح کی فکر بھی بارآور و مثمر نہیں ہوسکتی، اور تربیت اخلاق اور علم کا حصول ان ہی مشائخ طریقت اور علماء شریعت کے دامن سے وابستگی پر موقوف ہے۔ تسبیحات و وظائفِ مشائخ کا معاملہ طبیب کے نسخہ کی تجویز کی مانند ہے، ایک وقت میں دو طبیبوں کے نسخہ پر عمل کرنا ہر عاقل کے نزدیک مفید نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی عاقل اس کو تجویز کرسکتا ہے، اس لئے جس شخص کو اس کے مربی اور شیخ نے جو وظیفہ بتلا رکھا ہے، اس کے لئے وہ مفید ہے، اس کو اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے شخص کی رائے پر عمل کرنا مفید نہ ہوگا، اور نہ دوسرے شخص کو اس بارے میں اپنے رائے دینی چاہئے، جیسا کہ ایک طبیب کے علاج کے وقت دوسرے طبیب کو دخل دینا مناسب نہیں ہے، غالباً یہ اہلِ تبلیغ کے اصول کے بھی خلاف ہے۔ واللہ اعلم

سوال:......مَردوں کا تبلیغ میں جانا اور اپنے اہلِ وعیال کے نان و نفقہ کا انتظام بھی نہ کرنا بلکہ ان کو غیر محرم کے حوالے کر کے جانا کہاں تک درست ہے؟

جواب:......اس طرح تبلیغ میں جانا درست نہیں نان و نفقہ اور شرعی محرم کا انتظام کر کے جانا چاہئے

اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جن واقعات سے اس کے خلاف کا شبہ ہوتا ہے، اس شبہ کا ازالہ اسی عنوان سے احقر کی کتاب ''دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت'' (ص ۶۹ تا ص ۷۱) میں ذکر کر دیا گیا، بغور ملاحظہ کیا جائے۔

سوال:......کیا عورتوں کا جماعت کی شکل میں تبلیغ کے لئے اپنے محارم کے ساتھ ایک شہر سے دوسرے شہر جا کر محلّہ محلّہ، بستی بستی جانا درست ہے؟ جبکہ شریعت نے عورتوں کو محارم کے ساتھ مساجد میں جماعت میں شریک ہونے سے منع فرمایا ہے اور تمام فقہاء اور مفتیان کا اسی پر فتویٰ ہے، از روئے شریعت وضاحت فرمادیں؟

جواب:......عورتوں کی تعلیم وتبلیغ کا محفوظ طریقہ یہی ہے کہ قرب وجوار کی عورتوں کو جمع کر کے اور پردہ کا لحاظ کر کے دینی کتابوں کو پڑھا اور سنا جائے اور کبھی کبھی متشرع دیندار بزرگ عالم سے باپردہ گھروں میں وعظ کہلا دیا جایا کرے۔ اس سے زیادہ اس پُرفتن زمانہ میں اجازت دینا فتنوں کو دعوت دینا ہے، اسی لئے حکماءِ امت نے نماز کی جماعت میں شرکت سے عورتوں کو منع کر دیا ہے۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جماعت تو سنتِ مؤکدہ ہے اور تبلیغ فرض ہے اس لئے ایک سنت عمل یعنی جماعت پر، ایک فرض عمل یعنی تبلیغ کا قیاس صحیح نہیں ہے، یہ شبہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ تعلیم وتعلم اگرچہ مرد وعورت سب پر فرض ہے، جس کی تفصیل پہلے نمبر کے جواب میں گزر چکی ہے، لیکن جب عورتوں کی تعلیم وتعلم کا مامون ومحفوظ دوسرا طریقہ موجود ہے اور اس طریقہ سے وہ فرض ادا ہو سکتا ہے، تو پھر اس مامون طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا فرض نہیں رہا، بہت سے بہت مستحب ومستحسن ہی ہوتا، مگر اب اس میں مفاسدِ زمانہ کی وجہ سے استحباب واستحسان نہیں رہا، اس طرح یہ طریقہ بھی سنت جماعت کی نظیر بن گیا، اور اس کا قیاس سنت جماعت پر صحیح ہوگا۔

سوال:......تبلیغ کی غرض سے کوئی کام شریعت یا سنت کے خلاف کرنا یا کوئی خلافِ شرع وضع اختیار کرنا تا کہ لوگ تبلیغی جماعت کے سات منسلک ہو جائیں کیسا ہے؟ نیز سنن ومستحبات پر عمل کرنے والوں کو یہ کہنا کہ تمہیں سنتوں کی پڑی ہوئی ہے اور امت کے فرائض وواجبات ترک ہو رہے ہیں، ان انفرادی اعمال کو چھوڑ دو اور اجتماعی فکر اپناؤ، یہ بات کہاں تک درست ہے؟

جواب:......تبلیغ کی غرض سے کوئی خلاف شرع وضع اختیار کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ دوسروں کی

اصلاح سے اپنی اصلاح مقدم ہے،قرآن کریم میں ہے ”قوا انفسکم و اھلیکم نار اط “ اس لئے خلاف شرع اپنے لئے وضع اختیار کرنا ناجائز ہے اورخود کو ناجائز کا مرتکب اور سزا کا مستحق بنا کر دوسروں کو سزا سے بچانے کا اہتمام کرنا خلافِ شرع اور آیتِ بالا کے مضمون کے خلاف ہے اس میں خودکو اور اپنے متعلقین کو بچانے کا سزا سے حکم ہے، بعض حالات اور زمانہ میں دوسروں کی تبلیغ و اصلاح سے توچشم پوشی کی اجازت ہے، مگر ہر شخص اپنی اصلاح کا ہر وقت مکلّف ہے، الّا یہ کہ استطاعت نہ ہو اور مجبور ہو جائے تو اس وقت تا استطاعت مکلّف نہ رہے گا۔قرآن کریم کی آیت ”اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم “ (الایة) میں بھی ہر عمل کے ساتھ دوسروں کو نیکی کا حکم کرنے پر ردفرمایا گیا ہے،تو پھر قصداً عمل نہ کرنا اور بد عملی اختیار کرنا کس قدر مذموم اور قابل رد ہوگا، سنن و مستحبات پر عمل کرنا باعث خیر اور موجب ازدیادِ برکت ہے، اس کو حقیر نظر سے دیکھنا اور زبان سے بھی اس سے بے پرواہی کا اظہار کرنا نہایت درجہ قابل اصلاح بات ہے۔امت کے جو فرائض و واجبات ترک ہو رہے ہیں ان پر توجہ دینے کی بھی ضرورت ہے اور حتی المقدور ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا ضروری ہے، مگر سنن و مستحبات پر عمل کرنا اجتماعی اصلاح اور اجتماعی فکر کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ان پر مداومت سے عمل کرنا موجبِ اصلاح اور اجتماعی فکر کے لئے لازم ہے، جو شخص ان پر ہمیشہ عامل رہتا ہو اس کے تبلیغی کام میں زیادہ برکت کی امید اور اس کا فکر زیادہ مؤثر اور مفید ہے، بہرحال یہ انفرادی اعمال اجتماعی فکر میں معین و مددگار ہیں، نہ کہ مضر اور مانع ، بلکہ ان اعمال کا ترک اور استخفاف عجب نہیں کہ بے برکتی کی وجہ سے اجتماعی اصلاح کے لئے مانع اور مضر ہو اور دیکھنے والا یہ خیال کر کے تبلیغ میں کام کرنے سے رک جائے کہ جب دعوت دینے والوں کا عمل ان کے قول کے خلاف ہے تو پھر ہماری حالت بھی قابل اصلاح نہیں ہے، کیونکہ ہمارے اندر بھی عمل کی کوتاہی ہے اور عمل کی ضرورت تبلیغی جماعت میں بھی نہیں ،تو اس کے ساتھ شرکت وعدم شرکت دونوں یکساں ہے، اور اگر شرکت کرتے بھی تو پھر اس کی نظر میں عمل کی کوئی اہمیت نہ ہوگی، وہ شریک جماعت ہوکر بھی اپنی پہلی ہی بے عملی پر قانع رہے گا۔

سوال:......زید کا قول ہے کہ کسی کو تبلیغی جماعت کے ساتھ جوڑنے کے لئے ہر ممکنہ جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرنا چاہئے ، اگر کسی کا دوست سینما جا رہا ہے تو اس کے ساتھ چلا جائے اور راستہ میں اسے دعوت دین دیتا رہے حتی کہ ٹکٹ خرید کر سینما ھال میں اس کے ساتھ بیٹھ جائے اور اسے دعوت دیتا

رہے، جب فلم شروع ہونے لگے تو ٹکٹ پھاڑ کر یہ کہتا ہوا اٹھ کر باہر آ جائے کہ میں فلم دیکھنے نہیں آیا تھا تمہیں دین کی دعوت دینے آیا تھا، زید کا یہ قول کیا حیثیت رکھتا ہے؟ جبکہ اس پرفتن دور میں عام طور پر اس درجہ کی صلاحیت نہیں ہوتی کہ نفس وشیطان کے مکر کے خلاف بھرپور مزاحمت کی جائے، کیا اس طرح اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر تبلیغ دین جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:......زید کا قول غلط ہے اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے کہ خود بدعملی اور گناہ کا کام کر کے دوسروں کو نصیحت کرنا شرعاً مذموم اور قابل رد ہے۔ قرآن مجید میں اس پر نکیر اور مذمت آئی ہے، تبلیغی جماعت میں جوڑنے کے لئے ہر جائز طریقہ سے کوشش کرنی چاہئے، ناجائز طریقہ سے نہیں اور کسی غلط کام کے لئے ساتھ رہنا اور اس کے لئے ٹکٹ خریدنا وغیرہ سب ناجائز ہے اور لوگوں کو دل کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں شخص کس نیت سے آیا ہے وہ ظاہری حالت کو دیکھتے ہیں اور بدگمان ہوتے ہیں، عام مسلمانوں کو بدگمانی میں ڈالنا بھی منع ہے، حدیث شریف میں آیا ہے ”**اتقوا مواضع التهم**“ یعنی تہمت و بدگمانی کے موقع سے بچو۔ اس لئے یہ مذکورہ طریقہ ناجائز ہے اور ٹکٹ خریدنے میں مالی تعاون بھی ہے جو کہ ”**ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان**“ کے خلاف ہے اور ممنوع ہے۔

سوال:......کیا سنن ومستحبات سے عاری شخص بھی دعوت وتبلیغ کا کام کرنے کا اہل ہے جبکہ متبع سنت اور عالم دین موجود ہو؟

جواب:......متبع سنت اور عالمِ دین تبلیغ کے لئے زیادہ موزوں اور زیادہ مفید ہے اس کو ترجیح دینی چاہئے، لیکن اگر کسی ایسے شخص کو بھی تبلیغ کے لئے کھڑا کر دیا گیا جو سنن ومستحبات سے عاری ہے، مگر فرائض وواجبات پر عامل ہے اور وہ اپنی اس کوتاہی پر قانع نہیں ہے، بلکہ اس کو کوتاہی سمجھتا ہے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔

سوال:......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی کتاب ”تبلیغی نصاب“ جو مختلف فضائل کے رسائل کا مجموعہ ہے، ان کی زندگی میں اسی نام سے شائع ہوتی رہی، ان کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے اس کا نام بدل دیا، نیز اس کتاب میں سے ایک رسالہ موسومہ ”فضائل درود شریف“ نکال دیا، اس کی وجہ یہ معلوم ہوئی تاکہ منکرین حیات النبی، بھی تبلیغی جماعت میں شامل ہوسکیں؟ کسی مصنف کی اجازت کے بغیر اس کی تصنیف کا نام بدلنا اور اس کتاب کا جز خارج کرنا کیا

حیثیت رکھتا ہے؟

جواب:......تبلیغی نصاب کا مجموعہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے کئی رسالوں کا مجموعہ ہے، یہ ایک کتاب کا نام نہیں ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے زمانہ میں یہ مجموعہ جن رسالوں پر مشتمل تھا بہتر تو یہی تھا کہ انہیں رسالوں پر مشتمل رہتا، تاکہ اس کی افادیت اور نافعیت میں فرق نہ آتا اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہوتا رہتا، اس لئے اس مجموعہ میں سے فضائل درودشریف کو خارج کردینا پسندیدہ نہیں ہے اور اگر منکرین حیات النبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی رعایت ہے تو پھر اور بھی برا ہے، کسی غلط عقیدہ کی رعایت کر کے صحیح عقیدہ کی اشاعت وتبلیغ سے رک جانا یا رکاوٹ پیدا کردینا ہرگز پسندیدہ بات نہیں ہے اور تجربہ یہ ہے کہ ایسے وقتی مصالح سے کوئی آدمی دھوکہ میں نہیں آسکتا، ہر شخص کو معلوم ہے کہ یہ رسالہ فضائلِ درودشریف حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا ہے اور سالہا سال تک تبلیغی نصاب کا جز ہوکر شائع ہوتا رہا لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے اس کو پڑھا اور سنا ہے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کا یہی عقیدہ ہے جو اس کتاب میں درج ہے وہ تبلیغی جماعت کے بانیوں میں شامل ہیں، پھر اس رسالہ کو تبلیغی نصاب سے خارج کردینے یا اس کو برسرِ عام پڑھنے کی ممانعت سے تبلیغی جماعت کے بانیوں اور سرپرستوں کے عقیدہ میں فرق نہیں آسکتا، اور کوئی شخص بھی یہ غلط بات ان حضرات کی طرف منسوب نہیں کرسکتا کہ وہ درودشریف کے منکر یا حیاتُ النبی علیہ السلام کے منکر ہیں، کسی انفرادی یا اجتماعی عمل یا عقیدہ کو جماعت کے بانیوں اور سرپرستوں کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا، بعد والے اپنے عقیدہ اور عمل کے خود ذمہ دار ہیں، البتہ موجودہ ذمہ دارانِ جماعت کو بھی ایسے امور میں احتیاط کے دامن کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنا چاہئے، جن سے بدگمانی یا غلط گمانی پیدا ہوسکتی یا کی جاسکتی ہو، کسی مصنف کی اجازت کے بغیر اس کی کتاب کا نام بدلنا درست نہیں کہ اس سے خلافِ واقعہ نسبت لازم آتی ہے، اور غلط گوئی کے زمرہ میں یہ بات آتی ہے کہ جو نام مصنف نے نہیں رکھا وہ غلط طور پر اس کی طرف منسوب کردیا گیا، اسی طرح اس کی کتاب کا کوئی جز بھی اس کی اجازت کے بغیر نکالنا کتاب کو ناقص کرنا پھر ناقص کو مکمل باور کرانا ہے، جو کہ ناجائز اور دھوکہ دہی ہے، مگر تبلیغی نصاب ایک کتاب نہیں ہے کئی رسالوں کا مجموعہ ہے اس کی یہ حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی حضرت مصنف رحمہ اللہ نے اس کا نام تبلیغی نصاب رکھا، اہل مطابع نے اس نام سے ان رسائل کو جمع کردیا تھا پھر

حضرت مصنف رحمہ اللہ نے بھی اس پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا تھا، اس لئے بہتر تھا کہ وہی نام اور وہی رسائل کا مجموعہ اس میں جوں کے توں باقی رہتے جس طرح حضرت مصنف کی حیات مبارکہ میں طبع ہوتے رہے تھے، باقی ایک مستقل رسالہ کا کسی مجموعہ سے علیٰحدہ کردینا اور کسی ایک کتاب کے ایک جز اور حصہ کا خارج کردینا دو علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں ہیں ایک کو دوسرے کے ساتھ خلط نہیں کرنا چاہئے اور عدل وانصاف کا دامن ہر صورت اور ہر وقت مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا چاہئے۔ فقط **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**، هـذامااردت ایرادهٔ مختصراً فی هذا الجواب، یشفیك انشاء اللّٰه فی هذا الباب، خذهـذا ودع عنك الجدال، واترك القيل والقال، ان اريدالا الاصلاح ماستطعت وماتوفيقى الابالله عليه توكلت واليه انيب ،اللهم ارناالحق حقا وارزقنا اتباعه ،وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه ،آمين برحمتك ياارحم الراحمين كتبه الراجى رحمة ربه الغفور،الاحقر السيد عبدالشكور الترمذى عفى عنه الذنوب والقصور فى يوم النشور خادم الافتاء فى المدرسة العربيه الحقانيه فى قريه ساهيوال فى مضافات سرجودها ٢٦/رجب المرجب ١٤٠٦ھ

۲۲۔ عورتوں کا تبلیغ کیلئے سفر کرنا

(خروج النساء للتبليغ)

خواتین کو تبلیغی جماعت میں جانے نہ جانے کے بارے میں کئی آراء تھیں، حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ خواتین کے مروجہ طریقے پر تبلیغی جماعت میں نکلنے کے حق میں نہیں تھے، اس بارے میں حضرت نے ایک تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایا تھا، جو ذیل میں درج ہے۔ علماءِ کرام اس موضوع پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرسکتے ہیں۔ عورتوں میں تبلیغ احکام کی بے حد ضرورت ہے اگر اپنے مکان پر ان کو احکام دین سکھانے اور کتاب سنانے کا انتظام کردیا جائے جہاں سب پردہ کے ساتھ جمع ہو جایا کریں، نبی کریم ﷺ نے عورتوں کی درخواست پر ان کو ہفتہ میں ایک مکان میں اجتماع کے لئے فرمایا تھا، سنت سے یہی ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کو یا کسی دوسری عورت کو تبلیغ کے لئے دوسرے شہر میں بھیجا ہو، حالانکہ اس وقت اس زمانہ سے بھی زیادہ احکام کی تبلیغ کی ضرورت تھی، کیونکہ وہ ابتدا اسلام کا زمانہ تھا اور احکام سیکھنے کے مرد اور عورت سب ہی محتاج تھے۔ اصل یہ ہے کہ عورتوں کو گھروں میں رہنے کا حکم ہے بغیر حاجت باہر جانے کی

اجازت نہیں ہے۔قرآن کریم میں ہے۔**وقرن فی بیوتکن الایۃ**اورقرار پکڑو اپنے گھروں میں۔
تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت ''یُدنِینَ عَلَیہِنَّ من جَلَابِیبِہِنَّ'' کی تفسیر
میں اس طرح مروی ہے قال علی ابن ابی طلحہ عن ابن عباس امراللّٰہ نساء المومنین اذا خرجن
من بیوتھن فی حاجۃ ان یغطین وجوھھن من فوق رؤوسھن بالجلابیب الخ (ج ۳ ص ۵۱۸)

اللہ تعالیٰ نے مومنین عورتوں کوحکم دیا ہے جب کسی ضرورت سے اپنے گھر سے نکلا کریں
اپنے چہروں کواپنے سروں کےاوپر چادر سے ڈھانپ لیا کریں۔اس میں ''**اذا خرجن من بیوتھن**''
کی قید قابل لحاظ ہے۔حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا کس قدر موجب فضیلت ہے
لیکن ارشاد ہے۔''صلوٰۃ المراۃ فی بیتھا افضل من صلواتھا فی حجرتھا وصلاتھا فی مخدعھا
افضل من صلاتھا فی بیتھا''(ابوداؤد)عورت کا گھر میں نماز پڑھنا گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے
افضل ہے اور(گھر کے اندر) کوٹھری میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔
ایک روایت میں ہے''لاتمنعوا اماء اللّٰہ مساجد اللّٰہ ولکن لیخرجن وھن تفلات وفی روایۃ
وبیوتھن خیر لھن (ابوداؤد باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص ۸۴)

اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو لیکن وہ بلا زینت نکلا کریں۔اور ایک روایت میں
ہے،اوران کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔ایک دفعہ کچھ عورتیں جمع ہوکر آئیں اورعرض کیا کہ مرد جہاد
کر کے فضیلت میں ہم سے بڑھ گئے آپ کوئی عمل ایسا بتایئے جس سے جہاد جیسی فضیلت حاصل ہو۔
ارشاد ہوا''من قعد منکن فی بیتھا فانھا تدرك عمل المجاھدین فی سبیل اللّٰہ''جوتم میں سے اپنے
گھر میں بیٹھی رہے اس کو جہاد جیسا اجر ملے گا۔جہاد جیسی عبادت اور خدمت ملک وملت کے مقابلہ میں
بھی عورتوں کو گھر میں بیٹھے رہنے کا حکم ہوا۔ترمذی شریف کی روایت ہے''عن النبی ﷺ ان المرأۃ
عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطن ''عورت پردہ کی چیز ہے جب وہ نکلتی ہے تو شیطان نظر اٹھا کر
اس کو دیکھتا ہے(ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ج ۱۲)اس مسئلہ پر ہم''دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت''میں تفصیل
سے لکھ چکے ہیں،مزید کچھ باتیں مختصر طریقہ پر یہاں بھی عرض کردی گئیں ہیں ان پر اہل علم اورارباب
فتاویٰ کو زمانہ کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے غور فرمانا چاہئے۔کہ ایمانی حکمت اور دینی بصیرت کا کیا
تقاضہ ہے؟اس کے بعد کوئی فقہی رائے قائم فرمانی چاہیئے جب زمانہ اقدس میں بھی عورتوں کے لئے

مساجد کی نسبت گھر اور اس کا بھی اندر کا حصہ نماز کے لئے بہتر تھا، اور زمانہ اقدس کے بعد متصل ہی حالات زمانہ پر نظر کرتے ہوئے عورتوں کو مسجد کے اندر جماعت میں شامل ہونے سے منع کر دیا گیا تھا، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ عن عائشہ رضی اللّٰہ عنہا قالت لو ادرك رسول اللّٰہ مااحدث النساء لمنعهن كما منعت نساء بنی اسرائيل الخ (ج۱ص۱۲۰)

اگر رسول خدا ﷺ یہ حالت دیکھتے جو عورتوں میں پیدا ہوگئی تو ان کو مسجد آنے سے ضرور روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔ تو اب جب کہ حالات زمانہ کے بگاڑ اور فساد میں غلبہ ہوتا جارہا ہے تبلیغ کے لئے گھروں سے نکلنا اور دوسرے شہروں میں جانا کیسے جائز ہوگا؟ شارح بخاری علامہ عینی رحمہ اللہ اپنے زمانہ نویں صدی ہجری کی عورتوں کے حالات ومنکرات بیان کر کے لکھتے ہیں: اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کو دیکھتیں تو نہایت شدت سے انکار کرتیں اب پندرہویں صدی کی عورتوں کی آزادی اور بے احتیاطی کی تو انتہاء ہو چکی ہے قسم قسم کے لباس آ چکے ہیں سرخی پوڈر کی وہ عام وبا پھیل چکی ہے کہ شاید کوئی مقدس گھرانہ بھی محفوظ نہیں رہا ہوگا۔ اگر لباس فاخرہ اور خوشبو پوڈر لگائے ہوئے عورتیں تبلیغ میں بھی جاتی ہوں تو پھر اس کے منع ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ اور زینت کی یہی وہ خرابی عورتوں میں آ گئی تھی جس کی وجہ سے عورتوں کو مسجد جانے سے منع کر دیا گیا تھا حالانکہ ان کو جو اجازت دی گئی تھی وہ بلا زینت جانے کی جانے سے منع کر دیا گیا تھا حالانکہ ان کو جو اجازت دی گئی تھی وہ بلا زینت جانے کی اجازت دی گئی تھی، ارشاد تھا، ''ليخرجن وهي تفلات'' وہ بلا زینت نکلا کریں۔ ہر گھر میں یا محلّہ میں دینی مسائل سکھانے اور دینی کتابوں کے پڑھنے اور سنانے کی تجویز کا اوپر ذکر آ چکا ہے اور فرض تبلیغ کی ادائیگی کے لئے وہ کافی ہے اور وہ سنت سے بھی ثابت ہے اور مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم کی سوانح یوسفی (ص۶۲۷) میں بھی اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اس پر ہی عمل کرنا چاہئے اور عورتوں کا تبلیغی سفر محرم یا شوہر کے ساتھ بھی نہ ہونا چاہئے اس میں خطرات اور مفاسد کثیرہ کا قوی احتمال ہے۔ اب یہ شبہ بھی باقی نہیں رہا کہ عورتوں کو حاجت کے لئے تو محرم یا شوہر کے ساتھ سفر شرعی کی بھی اجازت ہے تو پھر تبلیغ کے لئے کیوں اجازت نہیں؟ اس لئے کہ جب ہر محلّہ یا گھر میں اس ضرورت کو پورا ہونے کا انتظام ہو جائے گا تو اب ضرورت کا ہی تحقق نہیں رہا اس لئے یہ سفر بغیر ضرورت کے ہوگا اور درست نہ ہوگا اگر چہ محرم یا شوہر ہی کے ساتھ ہو۔ دوسرے

سفر بمقدار سفر شرعی بغیر ضرورت ناجائز ہی ہوتے ہیں مگروہ دنیوی سفر ہوتے ہیں ان کو کوئی دینی سفر کہہ کر شرعی سفر اور موجب ثواب نہیں سمجھتا ان پر تبلیغی سفر کا قیاس کرنا درست نہیں ہے، دینی مدارس میں تعلیم کے لئے جانے پر بھی اس کا قیاس نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس تعلیم کا انتظام ہر جگہ نہیں ہوسکتا اور جس جگہ اس کا انتظام ہو یا ہوسکتا ہے تو اس سفر کا بھی یہی حکم ہوگا کہ بے ضرورت اور ناجائز ہے۔ھذا ماعندی والعلم عنداللّٰہ اللطیف الخبیر (ماہنامہ الصیانۃ لاہور ص ۶ و ۱۳ صفر ۱۴۱۶ھ جولائی ۱۹۹۵ء)

۲۳۔ شجرۂ طریقت کی صحت وثبوت

(لقاء البصری بالعلی)

سوال یہ تھا کہ ہمارے اکابرین کی کتابوں میں عموماً اور بالخصوص صوفیائے عظام کی کتابوں میں جگہ جگہ جہاں کہیں طریقت کے شجرۂ نسب دیئے ہیں، وہاں حضرت حسن بصریؒ کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک خلافت وبیعت کا سلسلہ تحریر کیا گیا ہے، لیکن ایک پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب میں یہ بات درج کی ہے کہ حضرت حسن بصری کی حضرت علی سے بیعت اور سند حدیث محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔تو کیا تاریخی شواہد سے حضرت حسن کی ملاقات حضرت علی سے ثابت ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضرت حسن بصری کی ملاقات بلکہ روایتِ حدیث بھی ثابت ہے، کتبِ تاریخ اور اسماء الرجال کے حوالوں سے یہ بات ثابت ہے اس کے خلاف جو حوالہ جات ہیں وہ تحقیقی نہیں ہیں، اسی لئے صوفیائے عظام کی کتابوں میں شجرہ طریقت صحیح اور درست ہیں، حضرت حسن بصری کی بیعت حضرت علی سے ثابت ہے، اس کے علاوہ صوفیاءِ عظام کے بہت بڑے طبقہ کا اس بیعت کے ثبوت پر اتفاق خود اس کے ثبوت کی مستقل اجماعی دلیل ہے، اگر کوئی دلیل بھی نہ ہوتی تو یہ بھی اس کے ثبوت کے لئے کافی دلیل ہے، صوفیاء کرام کا اتنا بڑا طبقہ ایسی غلط بات پر کسی طرح اتفاق نہیں کرسکتا۔اسماء الرجال کی مستند کتاب تہذیب التہذیب، ترجمہ حسن بصری کے ذیل میں لکھا ہے۔

قال ابن سعد ولدلسنتين بقيت من خلافة عمرو نشأبوادالقرى و كان فصيحا رأى عليا (ص۲۶۳) وفيه روى عن ابى بن كعب وسعد بن عبادة وعمربن الخطاب ولم يدركهم وعن ثوبان عماربن ياسر وابى هريرة وعثمان بن ابى العاص ومعقل بن سنان ولم يسمع منهم وعن

عثمان وعلی الخ (ص ۲٦۴) اس میں حضرت عثمان اور حضرت علی سے بلا واسطہ روایت کا ثبوت ہے ،اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایتِ حدیث کسی واسطہ سے ثابت ہوتی تو جس طرح ابی ابن کعب وغیرہ سے روایت کے ذکر کے بعد **ولم یدرکھم** سے ملاقات کی نفی کردی گئی تھی اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کی ملاقات کی نفی بھی کردی جاتی ،اس جگہ ملاقات کی نفی نہ کرنا روایتِ بلا واسطہ پر دلالت کرتا ہے اور پہلے ابن سعد کی روایت میں رؤیت کی تصریح ورای عـلیـــا سے کی گئی ہے، امام ابو زرعہ سے منقول ہے کہ ''رأى بالمدينة وخرج على الى الكوفة والبصرة ولم يلقه الحسن بعدذالك '' (تہذیب التہذیب ص۲٦٦ ج۲) اس سے واضح ہورہا ہے کہ مدینہ منورہ میں حسن بصری کی حضرت علی سے ملاقات ہوئی ہے پھر حضرت علی کوفہ تشریف لے گئے اور یہ بھی ثابت ہے (اور اوپر کی ابن سعد کی روایت سے بھی ثابت ہے) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی ولادت کے وقت حضرت عمر کی خلافت کے آخری دوسال باقی تھے تو حضرت علی کے کوفہ منتقل ہونے کے وقت غالب یہ ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بالغ ہوں گے اور اس عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث کا نہ سننا اور آپ سے فیض نہ پانا بہت ہی مستبعد ہے، علمی شوق ورغبتِ زمانہ میں یہ بات قابل تسلیم نہیں ہوسکتی کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے نہ تو ملاقات وصحبت ہوئی اور نہ ہی روایت اور فیض حاصل ہوسکا۔ تہذیب الکمال کے حاشیہ میں ایک سوال کے جواب میں حضرت حسن بصری کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ''انی فی زمان کماتری (وكان فی عمل الحجاج) كل شيئی سمعتنی اقول قال رسول اللہ ﷺ فھو من علی بن ابی طالب غيرانی فی زمان لااستطيع ان اذكر عليا اه (ازنوادر ص ۸۸) خلاصہ یہ ہے کہ رؤیت اور روایت دونوں ثابت ہیں اور محدثین کے ارشادات سے بھی ثابت ہیں اس لئے سلسلہ تصوف کے اتصال اور فیضِ باطنی مسلسل ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ مدرسہ عربیہ حقانیہ

ساہی وال ضلع سرگودھا ۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ

وھھنـا تمت المقالةوالحمدللہ الھادی فی كل مقالة العاصم من كل غواية وضلالة فی البداية والنهاية وصلی اللہ تعالٰی علی افضل المخلوقات سيدنا ومولانا محمدصلی اللہ عليه وسلم،

محمد رضوان ادارہ غفران، چاہ سلطان راولپنڈی مورخہ ۲۰؍جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

زریں وصایا

حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ نے اپنے احباب و متعلقین اور عام مسلمانوں کی دینی خیر خواہی کے پیش نظر جو وصایا تحریر فرمائی تھیں وہ ذیل میں پیش خدمت ہیں۔ امید ہے کہ قارئین ان کو حرز جاں بنائیں گے۔ حضرتؒ نے اپنی تالیفات کے بارہ میں جو وصیت تحریر فرمائی تھی اہل علم کے مطالعہ کیلئے وہ بھی شائع کی جارہی ہے۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وصیت کی ضرورت واہمیت

ہر فرد بشر پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس کے مقرر کردہ ظاہری اور باطنی احکام پر تمام عمر عمل کرتا رہے اور حتی المقدور تعمیل احکام خداوندی میں سستی اور کوتاہی نہ کرے اور جب بھی کوتاہی ہو جائے استغفار و طلب عفو کے ساتھ اس کا فوراً تدارک کرتا رہے اور قاعدہ شرعیہ کے موافق حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرے اور حقوق اللہ سے بھی زیادہ اہم حقوق العباد کو سمجھے اور جہاں تک ہو سکے انکی ادائیگی کا فکر واہتمام زیادہ سے زیادہ کرتا رہے اور جو حقوق اپنے ذمہ ہوں ان کی یادداشت رکھے اور تحریر بھی کرلے بلکہ انکی ادائیگی کی وصیت بھی کردے تاکہ ورثاء ادا کردیں اگر خود ادا نہ کرسکا ہو۔

وسیلۂ نجات

احقر سراپا عجز و قصور عبدالشکور ترمذی عفی عنہ ذنبہ الجلی والخفی کی عمر ۶۲ سال سے متجاوز ہو چکی ہے اور یہ سرمایہ عمر بے کارگی اور ناکارگی میں ضائع ہو گیا کوئی خدمت دینی قابل ذکر ہو سکی ہے اور نہ کوئی عمل وسیلۂ نجات نظر آتا ہے بس اس کی رحمت محضہ پر ہی بھروسہ ہے وہی اپنی بے پایاں رحمت سے عفو و درگذر سے کام لیں گے اور جس طرح میرے گناہوں پر دنیا میں پردہ پوشی فرماتے رہے ہیں

امید ہے کہ آخرت میں بھی اپنی شان ستاری سے تمام کوتاہیوں اور گناہوں پر پردہ ڈال کر روز قیامت کی رسوائی اور ذلت سے بچائیں گے۔اللھم لا تخزنی یوم یبعثون یوم لاینفع مال و لابنون۔

﴿ اس امت کی طبعی عمریں ﴾

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے اکثر آدمیوں کی عمریں ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی اس لئے ساٹھ سال کے بعد کی عمر کو زائد اور غنیمت سمجھنا چاہئے اور فکر آخرت میں اس کو زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا چاہئے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک سانس کو اطاعت اور فرمانبرداری میں صرف کرنے کی سعی اور کوشش کرنی چاہئے کہ شاید: ہمیں نفس نفس واپسیں بود۔

﴿ اتباع صحابہ کرامؓ وسلف صالحینؒ ﴾

احقر کے دل میں کئی روز سے تقاضہ ہورہا تھا کہ سنت کے موافق چند کلمات بطور وصیت کے لکھوں آج یہ چند حروف مختصر لکھ رہا ہوں اللہ تعالیٰ ان کو احقر اور سب ناظرین کیلئے نافع اور مفید بنائے یہ ناچیز احقر تمام مسلمانوں اور اپنے تمام متعلقین اور اپنی سب اولاد کو یہ وصیت کرتا ہے کہ وہ سلف صالحینؒ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے طریقہ مرضیہ پر اپنے عقائد اور اعمال کو اختیار کریں بدعات سے پرہیز رکھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ ؐ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع و پیروی کو سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت سمجھیں اور یہ اتباع صحابہ کرامؓ کی اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے کہ ان کے حق محبت کا ہر دم لحاظ رکھا جائے اس لئے ان کی شان کا پاس و ادب نہایت ضروری سمجھیں۔

﴿ اتباع سنت اور اکابر دیوبندؒ ﴾

اس زمانہ شر وفتن اور بدعات ومخترعات کے وقت میں سب اتباع سنت اکابر دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ اسرارہم وغیرہم کی تحقیقات اور مسائل پر عمل کرنے میں منحصر ہے ان میں سے خصوصیت سے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے فتاویٰ اور تحقیقات ہر وقت اور ہر موقع میں مشعل راہ بنانے ضروری ہیں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے اپنی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پیش آمدہ ضرورت میں کام لیا جاسکتا ہے شادی ہو یا غمی ہر حالت کے بارہ میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں

سے احکام معلوم کر کے ان کے موافق عمل کیا جانا ضروری ہے حضرات اکابر دیو بندؒ نے جس طرح سلف صالحینؒ کے طرز پر قرآن وسنت کو سمجھا اور توحید وسنت کی اشاعت کی ہے وہی اصلی توحید وسنت ہے اس کے علاوہ جو توحید وسنت ہے وہ طریقہ سلف صالحینؒ کے موافق نہیں ہے اس سے اجتناب لازم ہے۔ آج کل توحید وسنت کے نام پر اکثر معتزلہ اور خوارج کے عقائد کو پیش کیا جارہا ہے ان سے بچنا بہت ضروری ہے سلامتی کی راہ اتباع سلف صالحینؒ میں ہے اور اس زمانہ میں اکابر دیو بند رحمہم اللہ تعالیٰ سلف صالحینؒ کا نمونہ ہیں انہیں حضرات کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑنا چاہئے اور تمام بدعات سے پرہیز کرنا چاہئے خواہ وہ عقائد کے رنگ میں ہوں یا اعمال ورسومات کے رنگ میں ہوں۔

حقوق العباد کی اہمیت

حقوق اللہ سے بھی زیادہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کو اہم اور مقدم سمجھنا چاہئے کسی کا قرضہ ذمہ ہو تو اس کی ادائیگی کی فکر اور مرنے کے بعد اس کی ادائیگی کی وصیت کرنی ضروری ہے کسی کی امانت پاس ہو تو اس کی واپسی کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ وراثت کو بھائی بہنوں اور دوسرے شرعی وارثوں میں شرعی حصہ کے مطابق تقسیم کر کے اس پر قبضہ کرانا ضروری ہے اس میں آج کل بہت غفلت برتی جاتی ہے۔ احقر کے ذمہ جو حقوق مالیہ ہوں تجہیز وتکفین اور تدفین کو سنت کے مطابق عمل میں لانے کے بعد ترکہ میں سے پہلے وہ ادا کئے جائیں اور حقوق غیر مالیہ کا تمام مسلمانوں سے معافی کا خواستگار ہوں لِلّٰہ معاف کر کے احسان فرمائیں اور اجر کے مستحق ہوں۔

وراثت کی شرعی تقسیم

بعد ادائے دیون وغیرہ حقوق مالیہ کے ترکہ عین شریعت کے مطابق تمام شرعی وارثوں میں تقسیم کیا جائے اس میں بالکل سستی نہ کی جائے نہ رسم ورواج کا لحاظ کیا جائے تلاوت قرآن کریم اور کلمہ شریف وغیرہ سے انفراداً ہر روز ثواب پہنچاتے رہیں اجتماعی قرآن خوانی وغیرہ خلاف سنت ہے اس سے اجتناب کیا جائے۔

ایصال ثواب

یہ احقر اپنی اولاد کو خصوصیت سے وصیت کرتا ہے کہ ان تمام امور مذکورہ پر سختی سے عمل کیا جائے اور سنت کے مطابق تمام امور تجہیز وتکفین وغیرہ کو عمل میں لایا جائے اور مالی ایصال ثواب بھی بطریق

سنت بعد تقسیم وراثت اپنے اپنے حصہ میں سے کیا جائے مروجہ رسومات سے مکمل اجتناب کیا جائے احقر کی اولاد میں جو جو عالم اور مسائل سے واقف ہوں ان پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے اور خصوصیت سے ان کو مذکورہ وصیت کی جاتی ہے۔

﴿ اللہ تعالیٰ کے احسانات ﴾

اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات میں اس احقر پر بہت بڑا احسان مدرسہ عربیہ حقانیہ کا قیام ہے اس مدرسہ کی وجہ سے احقر کی اولاد اور دوسرے مسلمانوں کو بہت زیادہ دینی نعمتیں اور فوائد حاصل ہوئے علم دین بہت بڑی اور لازوال نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے اس مدرسہ کو بظاہر اسباب اس نعمت کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے ہم خد تعالیٰ کی اس نعمت کا حق اور شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں جن مقامات پر ایسے دینی ادارے اور مدارس نہیں ہیں وہاں کی دینی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہوتی ہے کوئی ضروری مسئلہ بتانے والا ہی وہاں دستیاب نہیں ہوتا۔ دوسری نعمت مسجد حقانیہ کی اس قصبہ میں تعمیر ہے اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو اہل حق کی آواز کے عام مسلمانوں تک پہنچانے کا ذریعہ اور مرکز بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو تا ابد قائم رکھے اور دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازیں۔ آمین

﴿ خادم دین ہونا باعث سعادت ہے ﴾

میرے بعد ہر مسلمان کو عموماً اور جس کے ہاتھ میں ان کا نظم ہو اس کو خصوصاً وصیت کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو مدرسہ اور مسجد کا خدمت گار سمجھے اگر کوئی خدمت اہتمام تدریس یا خطابت و امامت سپرد ہو تو اس کو کار ثواب سمجھ کر محنت و محبت سے انجام دیا جائے اس کو عہدہ یا ذریعہ معاش نہ سمجھے بلکہ مسلمانوں کا حق سمجھ کر ان کی دینی خدمت کو ادائیگی حق تصور کرے اور خود اپنے لئے باعث سعادت سمجھے اور اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں ذخیرہ سمجھے دنیا میں تنخواہ وغیرہ جو کچھ حاصل ہو اس کو اپنی دینی خدمت کا صلہ و اجر نہ سمجھے بلکہ جس وقت کا نفقہ سمجھے اس لئے کام کے لحاظ سے تنخواہ کا مستحق و طالب نہ بنے بلکہ ضرورت کے مطابق بقدر کفاف وصول کرے جب اللہ کی رضا کیلئے اس کے دین کے کام میں بندہ لگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے خزانۂ غیب سے وہ کچھ دیتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا

﴿ ذریعہ نجات ﴾

آخر میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اپنے دین کو بچانے کیلئے علم دین کی تحصیل اور خدمت کو ضروری

سمجھیں اور مدارس دینیہ کی خدمت کو ذریعہ نجات سمجھیں اور بزرگان دین کی تحقیقات اور کتابوں کو مشعل راہ بنائیں اپنی عقل اور فہم پر ناز نہ کریں دین صرف کتابوں سے نہیں آتا بلکہ بزرگوں کی مجالست اور مصاحبت دین کے حاصل کرنے کیلئے نہایت ضروری شرط ہے اس لئے آخر میں یہ وصیت خصوصیت سے کرتا ہوں کہ اگر اس زمانہ قحط الرجال میں کوئی قریب جگہ بزرگ مجالست ومصاحبت کیلئے نہ مل سکے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات ومواعظ کو حرز جاں بنالیں اور شب وروز ان کا مطالعہ کرتے رہیں ان شاء اللہ دینی مزاج کے صحیح کرنے میں بہت نافع ثابت ہوں گے۔اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ. آمین.......................... سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۱۵/ذوالقعدہ ۱۴۰۳ھ یوم الخمیس ۷/بجے صبح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصیت

برائے اصلاحی مضامین وتحقیقات وتالیفات احقر

یہ احقر ناکارہ عنفوان شباب سے ہی حضرت والد گرامی مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ (سابق مفتی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون) کے ظل عاطفت میں تدریس وافتاء کا کام کرتا رہا حضرت والد مرحوم کے بعد بھی یہ سلسلہ بحمداللہ اب تک جاری ہے اس کے ساتھ ہی تالیفات کا سلسلہ بھی اور علماء کرامؒ کے جوابات تحقیقات کا کام بھی اس احقر ناقص العلم والفہم سے ظہور میں آتا رہا ہے، والحمدللہ علیٰ ذالک۔اپنے علم وفہم کے مطابق جہاں تک ممکن ہوا ان تالیفات اور فتاویٰ میں اس کی کوشش کی گئی ہے کہ اپنے اکابر علماء دیوبندؒ کے مسلک کے خلاف کوئی بات نہ لکھی جائے ان کو تحقیقات کہنا برائے نام ہے حقیقت میں یہ اکابرؒ کی تحقیقات وفتاویٰ کی نقل ہیں احقر اسی کو اپنا منتہائے کمال اور انتہائی علمی عروج سمجھتا ہے کہ ان اکابر حضراتؒ کی تحقیقات کو سمجھنے اور ان کے نقل کرنے میں غلطی نہ کرے مگر اس کیلئے بھی علم وفہم کے علاوہ ذہانت وتیقظ کی ضرورت ہے جس سے یہ احقر تہی دامن ہے اور عمر کا بڑا حصہ ایک

ایسے قصبہ میں گذارا جہاں اہل علم کا فقدان تھا اس لئے علمی مسائل میں مشوروں اور مفاہمت کا بھی موقع میسر نہیں آیا جہاں تک ممکن ہوسکا مرشدی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ومرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا خیر محمد صاحب اور مفتی جمیل احمد صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ سے استفادہ کرتا رہا لیکن پھر بھی اپنے علم وفہم پر اعتماد نہیں ہے اس لئے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی مشایعت میں یہ احقر اپنے تمام متعلقین سے مشورۃ عرض کرتا ہے کہ: احقر کی تمام مؤلفات پر دوسرے محقق علماء سے تنقید کرا کر عمل کریں خصوصاً اگر احقر کے فتاویٰ کی کسی وقت اشاعت کی نوبت آئے جس کا نام حضرت شیخ الطائفہ کے اسم گرامی سے تفاؤل ہے اور اس کام کی نوعیت کے پیش نظر ''امداد السائل'' رکھا ہے جس کے لغوی معنیٰ کے ساتھ مناسبت بھی ظاہر ہے یہ کوئی تحقیقات کا مجموعہ نہیں ہے صرف دینی مسائل میں سائل کی رہبری وامداد ہے تو ان کی تنقید ضرور کرالی جائے ،امداد الفتاویٰ، امداد الاحکام ، امداد المسائل امداد المفتین کے ناموں سے میرے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ کے مجموعے بحمد اللہ تعالیٰ شائع ہورہے ہیں احقر کیلئے فتاویٰ میں یہی نام مناسب معلوم ہوا، اللہ تعالیٰ اس کو اور تمام تالیفات وتحریراتِ احقر کو نافع اور حسن قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین، اگر احقر کی کسی کتاب یا فتویٰ میں غلطی ہوتو احقر کو مطلع کردیا جائے نیز اگر کوئی مضمون اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحقیقات کے خلاف لکھا گیا ہوتو ترجیح اکابرؒ کی تحقیقات کو سمجھی جائے گی غلطی پر مطلع کرنے والے کا احقر پر احسان عظیم ہوگا۔

تنبیہ: اگر میری کسی تحریر میں کسی غلطی پر میری حیات کے بعد اطلاع ہوتو برخوردار مولوی عبد القدوس سلمہ کو مطلع کردیا جائے امید ہے کہ اس پر مطلع ہوکر رجوع کا اعلان کردیں گے اور متعلقہ تحریر میں اصلاح کردیں گے میں ان کو اس کی وصیت کرتا ہوں۔ برخوردار سلمہ کئی سال سے فتاویٰ کے کام میں احقر کے ساتھ ہیں کافی حد تک ان کو اس کام اور احقر کے طرز واسلوب سے مناسبت ہوگئی ہے اگر اسی طرح کام میں لگے رہے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کافی مناسبت اور مہارت پیدا ہوجائے گی اور وہ میری غلطیوں پر مطلع ہوکر ان کی اصلاح کرسکیں گے۔ واللہ الموفق والمعین۔ آخر میں سب منتفعین اور ناظرین کرام سے دعا حسن قبول وحسن توفیق وحسن خاتمہ کی درخواست ہے۔

کتبہ: احقر العباد سید عبد الشکور ترمذی عفی عنہ ذنبہ الجلی والخفی

۷ ؍ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یک زمانہ صحبت با اولیاً   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت

مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ

کے

ملفوظات طیبہ وارشادات عالیہ

یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ کی مجلس میں ملفوظات کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا اور آنے والے حضرات ان سے جی بھر کر مستفید ہوتے تھے ان ملفوظات میں آپ جہاں علمی، فقہی نکات بیان فرماتے وہیں تزکیۂ نفس اور آداب معاشرت سے متعلق قیمتی ہدایات کا ذکر بھی فرمایا جاتا تھا اور حضرات مشائخ عظام واکابرین کرام کا ذکر خیر تو بطور خاص تقریباً ہر مجلس کا جز ولاینفک تھا اگر حضرت کی یہ تمام مجالس منضبط ہوتیں تو بلا مبالغہ اس کی کئی جلدیں بنتیں مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔ تاہم بعض حضرات نے اپنے طور پر جو ملفوظات قلم بند کئے ان کا ایک حصہ بطور نمونہ ہدیہ ناظرین کیا جارہا ہے۔ تفصیل کیلئے ناظرین ''ملفوظات فقیہ العصر'' کا انتظار کریں (مرتب)

ملفوظات وارشادات

جمع وترتیب: مولانا محمد ظفر اللہ مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☆ فرمایا کہ: ایک دفعہ میں اباجی کے ساتھ تھانہ بھون کے اسٹیشن پر بیٹھا ہوا تھا میں نے والد صاحب سے ایک سوال کیا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی میں کیا فرق ہے؟ اباجی نے فرمایا کہ حضرت مدنی وسیع النظر ہیں اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دقیق النظر ہیں اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی وسیع النظر بھی ہیں اور دقیق النظر بھی ہیں یعنی جامع ہیں بڑا دلچسپ فرق بیان فرمایا۔

ایک صاحب فیصل آباد سے آئے اور جمعہ پڑھ کر یہاں مدرسہ میں آ گئے انہوں نے کہا کہ حضرت حنظلہ نکاح کے بعد جہاد پر چلے گئے اور ان کی شہادت ہوگئی دوسری جگہ ہے کہ ان کی اولاد ہوئی تو فرمایا کہ حنظلہ دو ہیں ایک حنظلہ بن مالک جو غسیل الملائکہ ہیں یہ فوراً فوت ہو گئے اور دوسرے حنظلہ بن ربیع ہیں یہ کاتب وحی تھے اور تادیر زندہ رہے حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔

☆ فرمایا کہ: ماں شریک بہن بھائی کا حصہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کیونکہ یہ رشتہ ماں کی طرف سے کمزور ہے تو ابتداء میں للذکر مثل حظ الانثیین فرمایا، بعد میں فرمایا کہ اگر اولاد نہ ہو تو پھر ماں شریک بہن بھائی کا حصہ باقاعدہ ذکر فرمایا ہے کہ ماں شریک بھائی بہن بھی بمنزلہ اولاد کے ہیں مرنے والا جب مرتا ہے تو خود بخود مرنے والے کا مال ورثاء کو مل جاتا ہے یہ اضطراری طور پر ان کو مل جائے گا اگر چہ اختیاراً نہ دیں اللہ تعالیٰ ان کو ہر حال میں دے گا۔

☆ فرمایا کہ: میری والدہ صاحبہ خود روٹی گھر سے پکا کر طلباء کو دیتی تھیں شاہ آباد ضلع کرنال میں جو مکان تھا اس قدر تنگ تھا کہ بمشکل دو چار پائیاں آتی تھیں لیکن وہیں طلباء کی روٹی پکتی تھی اس مکان کے در و دیوار سورج کی گرمی اور گھر کی آگ سے اس قدر گرم ہو جاتے تھے کہ رہنا مشکل ہو جاتا۔ میری

والدہؒ صاحبہ کا انتقال ہوگیا اور میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا تو حضرت والدؒ صاحب خود کھانا پکاتے تھے حتیٰ کہ جب میں آتا تو مجھے بھی پکا کر کھلاتے تھے۔اور اگر کوئی کہتا کہ چچا جی آپ کی شادی کردیں فرماتے تھے اپنی روٹی خود پکالیتا ہوں، یہ تھے مفتی تھانہ بھون۔

☆ فرمایا کہ: حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ رزق القاضی جو ہے قاضی کو رزق وصول کرنا چاہیے ، چاہے پھر واپس ہی کردے۔قاضی اس لئے لے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ قاضی کا حق ہے اور وہ بیت المال سے اس کا رزق ہے پھر اگر استطاعت ہوتو واپس ہی کردے۔معاشرت سادہ ،مہمان نوازی سادہ ہوتو طبیعت میں انشراح اور خوشی ہوتی ہے اور تکلف میں گرانی ہوتی ہے۔

☆ فرمایا کہ: خواجہ ضیأ الدین صاحب خواجہ قمرالدین سیالوی کے والد دیوبند تشریف لے گئے لیکن پڑھا نہیں تبرکات کی زیارت بھی کی چندہ بھی دیا تقریر بھی کی تھی علامہ انورشاہ صاحب نے اکرام کیا اور پہلے علامہ نے تقریر کی۔اجمیر شریف کی شوریٰ کے ممبر تھے راستہ میں جاتے آتے دیوبند گئے ، اجمیر شریف میں مولانا معین الدین اجمیری کا مدرسہ تھا۔

☆ فرمایا کہ: پٹنہ کے اجلاس میں جو مسلم لیگ کا تھا اس اجلاس میں حضرت تھانویؒ کی طرف سے مولانا ظفر احمد عثمانی ،مولانا شبیر علی صاحب اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری تشریف لے گئے ،اور حضرت نے پیغام لکھ کر بھی بھیجا اس میں محمد علی جناح نے ان حضرات کو بہت وقت دیا اور کہا یہ دنیا دار لوگ تو اپنے فائدے کیلئے آتے ہیں تم لوگ فقط دین کیلئے آئے ہو،نماز کا وقت ہوا تو باقاعدہ ظہر کی نماز کیلئے اعلان محمد علی جناح نے کیا کہ اب نماز کیلئے تیاری کرلو اجلاس ملتوی کردیا۔حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے نماز پڑھائی تو تمام نے نماز پڑھی اور محمد علی جوہر کے سوال پر کہ مذہب کے اندر سیاست کا کیا عمل دخل ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں عقائد ،اعمال اور سیاست اس میں داخل ہیں ترکوں نے سیاست کو چھوڑا تو ہلاک ہوگئے ،محمد علی کو بات سمجھ میں آ گئی۔

☆ فرمایا کہ: حکومت نے تعلیمات اسلام بورڈ بنایا تھا۔اس میں علامہ شبیر احمد عثمانی ،مولانا سید سلیمان ندوی کو بھوپال سے بلایا گیا،مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی تھے چار سال تک کام کیا فرماتے تھے کہ استعفیٰ ہر وقت جیب میں ہے کہ کام دین کا سمجھ کر کرنا ہے(مولانا احتشام الحق کو بھیجا اور سید صاحب کو بلایا،سید صاحب کو اسلامی بورڈ کا صدر بنانا تھا) لیاقت علی نے ایک بیان دیا جو بورڈ کے

خلاف تھا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا ظفر احمد عثمانی جو اراکین میں سے تھے تر دید ی بیان دیا زبردست تردید کی کہ لیاقت علی غلط کہتا ہے۔

☆ فرمایا کہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان جب اسلام کیلئے بنایا گیا تھا اور اب نام تو اسلام کا ہے نہیں لہذا پاکستان کی کیا ضرورت ہے۔لیکن یہ غلط بات ہے جتنا کچھ حصہ بن گیا غنیمت ہے کچھ تو اسلام کی بات کہہ سکتے ہیں۔

☆ فرمایا کہ: جب میں ابتداءً ہدایہ پڑھاتا تھا تو میں نے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو خط لکھا اور عرض کیا کہ حضرت ہدایہ پڑھاتا ہوں دعا بھی فرماویں اور یہ بھی فرماویں کہ کونسی شرح دیکھوں تو حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے فرمایا کہ روایت کیلئے فتح القدیر دیکھا کرو اور درایت کیلئے ہدایہ کا حاشیہ عنایہ دیکھا کرو۔فتح القدیر روایت کو اچھی طرح حل کرتا ہے اور درایت کو عنایہ عمدہ حل کرتا ہے

☆ فرمایا کہ: اختلاف اچھی چیز ہے لیکن اختلاف سمجھ کی بنیاد پر ہو اور سمجھ کی بنیاد پر کیا جاتا ہے لیکن اختلاف دیانتداری سے ہونا چاہئے ،عناد اور ضد نہیں ہونی چاہئے ، اگر ضد اور عناد ہو تو اس کا علاج بھی ہے،حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ فرماتے تھے کہ آسمان سے چار کتابیں نازل ہوئیں اور پانچواں ڈنڈا بلکہ حضرت نالی دار جوتا فرماتے تھے، یہ بہترین معالج ہے۔حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی طبیعت میں مزاح تھا۔

ایک لطیفہ: ایک آدمی نے اپنے آپ کو شیشہ کا تصور کیا ہوا تھا کسی کو ہاتھ لگانے نہیں دیتا تھا سلام تک نہ لیتا تھا میں شیشے کا ہوں ٹوٹ جاؤں گا،حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ وہاں تشریف لے گئے اور موٹا سا لحاف لے کر اس کے اوپر چڑھ گئے اور لحاف کے اوپر کچھ ٹوٹے ہوئے شیشے بھی رکھ لئے اور اس کو خوب مارا کبھی پاؤں پر کبھی پیٹھ پر تو وہ چیخ و چلا رہے ہیں۔تھوڑی دیر کے بعد چھوڑا تو حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ بس اب آپ کا شیشہ اتر گیا ہے اب نہیں ٹوٹے گا۔

☆ فرمایا کہ: اختلاف امتی رحمة آئمہ اربعہ کا اختلاف مجموعی طور پر رحمت ہے،لوگ کہتے ہیں یہ لڑائی جھگڑا ہے۔اختلاف کی بنیاد بلاغت وفصاحت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ لفظ قروا، کسی نے اس کا معنی طہر لیا اور کسی نے حیض مراد لیا تو یہ بلاغت کی علامت ہے۔

☆ فرمایا کہ: حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) نے بڑی عمر میں کتابیں

پڑھنا شروع کیں اور باقاعدہ عالم تھے سہارنپور میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ سے پڑھتے رہے انگریزی کے بڑے ماہر تھے حضرت تھانویؒ سے تعلق ہو گیا تھا اصل وطن گورداسپور تھا بعد میں منڈی بہاوالدین آ گئے تھے، میرے والد صاحبؒ یعنی مفتی عبدالکریم گمتھلوی جب پہلی دفعہ حج پر تشریف لے گئے تو مولانا ولی محمد صاحب بھی ساتھ تھے وہیں حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ کے علمی کمالات اوراعلیٰ تحقیقات دیکھ کر کہنے لگے کہ مفتی صاحب تو مدقق ہیں محقق تو ہیں ہی۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی جب اطباء کے مشورہ سے رنگون چلے گئے تھے کیونکہ حضرت کو آنکھوں کی تکلیف تھی تو اطباء نے دریائے ساحل پر رہنے کیلئے مشورہ دیا تو حضرت مولانا عثمانی وہاں تشریف لے گئے اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پڑھاتے بھی رہے اپنے استاد کی جگہ پر۔ تو ان دنوں میں رنگون سے ایک اخبار انگلش میں نکلتا تھا اس میں بہت اچھے اچھے مضامین آنے لگے تو حضرت نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیا آدمی ہے، تو بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا ولی محمد صاحب ہیں جو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے مضامین کا انگلش میں ترجمہ کر کے اخبار میں بھیج دیتے ہیں۔

☆ فرمایا کہ: لوگ اپنی عورتوں سے مہر معاف کراتے ہیں یہ غلط کام ہے ہاں البتہ معاف کرانے سے معاف ہو جاتا ہے، قران میں فان طبن لكم عن شئى منه نفساً کہ اگر عورت طیب نفس سے معاف کر دے تو وہ علیحدہ بات ہے آگے تب ہی تو فرمایا کہ فكلو ه هنيأ مريئاً کہ خوشگوار اور محبت سے کھاتے پیتے رہو محبت بڑھے گی۔

☆ فرمایا کہ: حضرت تھانویؒ نے پھر سے والد مرحوم کو میراث کے تقسیم کرنے کیلئے مقرر کیا تھا فرمایا تھا ہو سکتا ہے کہ والد صاحب نے مہر معاف کرا دیا ہو اور پھر ان کے ورثاء تک پہنچایا، حتی کہ مولانا محمد زکریا صاحب کو میراث دے کر بھیجا کاندھلہ میں تھے حضرت نے فرمایا کہ اگر چہ یہ رقم بہت ہی کم ہے لیکن اگر قبول کر لیں تو میری اعانت ہو گی انہوں نے کہا کہ حضرت کا تو ایک پیسہ بھی ہمارے لئے سعادت ہے، حضرت مولانا عیسیٰ صاحب کا نکاح حضرت سید سلیمان صاحب نے مہر فاطمی کے اوپر پڑھا تھا تو حضرت تھانوی کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ ملک سلیمان سے بھی اونچا ہے۔

☆ فرمایا کہ: حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید سے ایک مسئلہ پوچھا (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے

چچا تھے) کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہے تو کیا کرنا چاہئے ۔لوگ گھبراتے ہیں مسئلہ پوچھتے ہوئے، حضرت شاہ اسمٰعیل شہید نے فرمایا کہ اس تصویر کوتوڑ دو کیونکہ تصویر آخر تصویر ہی ہے ۔لیکن سننے والے کے دل میں کھٹکا طاری ہوتا ہے اور شرعی مسئلہ بھی یہی ہے، لیکن وہی سائل حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس گیا اور یہی سوال کیا تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو کیا کیا گیا؟ تو اس نے کہا کہ غسل دیا گیا اور کفن دیا گیا اور دفن کر دیا گیا، تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ وہی معاملہ اس تصویر کے ساتھ کر دو کہ دفن کر دو عجب جواب ہے اس کے اوپر حضرت حکیم الامتؒ نے محاکمہ فرماتے ہوئے کہا کہ حضرت شاہ اسمٰعیل کا جواب تام تھا اور حضرت شاہ عبدالعزیز کا جواب عام تھا مطلب اس کا یہ ہوا کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے جواب سے فائدہ تو تام ہوا لیکن عام نہ تھا فقط اسی سامع کو فائدہ ہوا اور حضرت شاہ عبدالعزیز کا جواب عام تو تھا لیکن فائدہ تام نہیں تھا کیونکہ اس سے تصویر کی نفرت تام دل سے نہیں نکلی ہر چیز کے اندر اعتدال ہونا چاہئے ۔

☆ فرمایا کہ: حدیث میں ہے من رانی منکراً منکم فلیغیرہ بیدہ آپ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ اگر کوئی منکر دیکھو تو ہاتھ سے تبدیل کر دو ۔اب تغیر کی تین صورتیں ہیں لیکن ہر کیلئے استطاعت شرط ہے، اب استطاعت سے کیا مراد ہے، تو اس سے شرعی استطاعت مراد ہے کہ منکر کی تبدیلی کے بعد کوئی نتیجہ نہ نکلے جو برداشت سے باہر ہو اولاً تغیر بالید ہے اگر تغیر بالید کے ساتھ استطاعت نہ ہو تو تغیر باللسان ہے اور اگر تغیر باللسان سے بھی استطاعت نہ ہو تو پھر دل سے تغیر کرے یعنی دل سے ارادہ کرے اس کے بدلنے کا پھر تغیر کے جو یہ تین درجات ہیں یہ احوال کے اوپر منحصر ہیں ۔

☆ فرمایا کہ: حضرت مدنیؒ اپنے متوسلین کو فرماتے تھے کہ حضرت تھانویؒ کے مواعظ دیکھا کرو مکتوبات ملفوظات پڑھا کرو ۔اور فرماتے کہ حضرت تھانویؒ کو میں اپنے بڑوں میں سمجھتا ہوں ۔حضرت مدنیؒ چار بھائی تھے، سید احمدؒ، حسین احمدؒ، صدیق احمدؒ، محمود احمدؒ، محمود احمدؒ کے بیٹے ہیں حبیب احمد میں ان کے ساتھ مدینہ منورہ میں پڑھتا رہا ہوں ۔حضرت مولانا سید احمد کی بیٹی حضرت مولانا محمود احمد کے لڑکے مولانا حبیب احمد کے گھر تھی، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب یہ استاد بھی تھے حضرت مدنیؒ کے، سب سے زیادہ فیض حضرت مدنیؒ کا پھیلا لیکن تصوف میں جو قدم رکھتا ہے وہ حضرت تھانوی کی تعلیمات وتصنیفات کے بغیر نہیں چل سکتا ۔حضرت مدنیؒ آخر عمر تک پڑھاتے رہے لوگ حضرت مدنیؒ

کی سیاست بیان کرتے رہتے ہیں لیکن جو علمی کمالات ہوتے ہیں وہ کوئی نہیں بیان کرتا، علمی کمالات مخفی ہوگئے ہیں، دنیادار لیڈروں کی طرح تعارف نہیں ہونا چاہئے، ان حضرات کا تعارف علمی رنگ میں ہونا چاہئے ادب آداب کا خاص خیال ہونا چاہئے۔ امام شافعی کے دلائل بھی ہم پیش کرتے ہیں امام احمد بن حنبل وغیرہ کے دلائل بھی بیان کرتے ہیں اور جوابات بھی حضرت امام صاحبؒ کی طرف سے دیتے ہیں، تو ادب سے جواب دیتے ہیں اور پھر اگر بڑوں کی بات کا سہارا ہوتو ہم یوں کہتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ نے یوں فرمایا ایسا طور طریق ہونا چاہئے تقابل اور تصادم والا طریقہ نہیں ہونا چاہئے

☆ فرمایا کہ: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مجھ سے پوچھا کہ مدرسہ کا کیا حال ہے، عرض کیا کہ حضرت گھٹنوں چل رہا ہے حضرت نے فرمایا کہ اسی میں خیر ہے کھڑے ہونے میں خطرہ ہی خطرہ ہے، حضرت والد صاحبؒ فرماتے تھے میرے نزدیک نورانی قاعدہ پڑھانا اور بخاری شریف پڑھانا اگر اخلاص کے ساتھ ہوتو برابر ہے مقصود تو ثواب ہے اور ثواب خلوص پر ملتا ہے۔

☆ فرمایا کہ: مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ صاحب اپنے وطن کاملپور تشریف لائے حضرت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے اور حضرت تھانوی وفات پا چکے تھے تو لوگ دور دراز سے سفر کر کے مولانا عبدالرحمٰنؒ کی زیارت کیلئے آتے ،لوگ کہتے تھے کہ انہوں نے حضرت تھانویؒ کی زیارت کی ہے اور پھر حضرت کے خلیفہ ہیں، حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ سہارنپور میں شیخ طریقت تھے محدث سہارنپوری کے نام سے مشہور تھے۔

☆ فرمایا کہ: حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا اپنا ذاتی مکان دارالعلوم میں نہ تھا مدرسہ کے مکان میں رہا کرتے تھے اسی طریقہ سے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جب کراچی تشریف لائے تو اپنا ذاتی مکان نہ تھا البتہ دارالعلوم دیوبند میں دومنزلہ ذاتی مکان تھا۔

ملفوظات وارشادات

جمع وترتیب: مولانا مفتی محمد شاکر صاحب زید مجدہ

﴿ ہدیہ کے اصول ﴾

ایک مجلس میں حدیث تہادوا تحابوا کے متعلق فرمایا کہ تم بھی اور ہم بھی مولوی حضرات یہ حدیث پڑھتے پڑھاتے اور سنتے سناتے ہیں مگر صحیح طور اس کی طرف توجہ نہیں رہتی حضرت تھانویؒ نے اسے خوب سمجھا بلکہ اس پر عمل کر کے دکھایا ہے حضرت تھانویؒ ہر ایک سے ہدیہ نہیں وصول کرتے تھے بلکہ اسکے کچھ اصول مقرر تھے اسکے مطابق وصول فرماتے اور پھر جس کو ہدیہ دینے کی اجازت تھی اسکی آمدنی پوچھتے تھے کہ کتنی ہے اور حقوق واجبہ کیا ہیں اور ماہانہ کتنا خرچ ہے اس خرچ اور حقوق واجبہ کی ادائیگی کے بعد جو رقم بچتی تھی اس میں سے کچھ رقم ہدیہ دینے کی اجازت تھی۔ فرمایا کہ ہدیہ دینا زیادہ سے زیادہ مسنون ومستحب ہے مگر اولاد اور زوجہ کے حقوق کا ادا کرنا واجب ہے لہٰذا پہلے حقوق واجبہ کی ادائیگی ہے اس کے بعد مستحب کا درجہ ہے آج کل ہم مستحب عمل کی وجہ سے واجب عمل کو چھوڑ دیتے ہیں یہ صحیح نہیں حضرت حکیم الامتؒ نے اسی کی اصلاح فرمائی ہے پھر خاص انداز میں آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ خانقاہ تھانہ بھون میں تو شریعت پر اس طرح عمل کرایا جاتا تھا مگر افسوس کہ اب اس کی کوئی مثال نہیں ملتی پھر فرمایا کہ ایک ہے حدیث کو پڑھنا سمجھنا اور ایک ہے اس پر عمل کرنا حضرت تھانویؒ نے پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اس پر عمل کر کے امت کو دکھایا پھر فرمایا آج کل اپنے شیخ کو ہدیہ دینا ہم نے لازم سمجھ لیا ہے اور یہ فساد عقیدہ کی وجہ سے ہے اس لئے اس کی اصلاح ضروری ہے۔

﴿ اکابر کے حالات کی اہمیت ﴾

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ آج کل جو فتنے اٹھ رہے ہیں ہم اپنے اکابر سے دور ہوتے جا رہے ہیں عقائد اور اعمال کے اعتبار سے اسکی جہاں اور وجوہات ہیں ان میں سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے

اکابر کے سوانح اور حالات زندگی نہیں پڑھتے جن موضوعات پر اکابر نے کتابیں لکھیں ان کو پڑھنا تو دور کی بات ان کتابوں کے نام تک بعض حضرات نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی فتنہ اٹھتا ہے عام طور پر ذہن خالی ہوتا ہے جس کی وجہ سے جلد اس فتنے سے متاثر ہو جاتے ہیں اس کے بعد حضرتؒ نے ایک خاص انداز میں فرمایا کہ مولوی حضرات مطالعہ کیوں نہیں کرتے کتابیں کیوں نہیں پڑھتے مطالعہ کرنے کا شوق، ذوق ختم ہو گیا اس لئے یہ تنزل ہوتا جا رہا ہے اور اکابر کا تعارف کرانے والے بھی بہت کم لوگ ہیں جو ان کے مسلک، مشرب کا تحفظ کر رہے ہیں پھر مسکرا کر فرمایا جب کوئی ایسا مسئلہ ہوتا ہے تو اس بوڑھے کے پاس بھیج دیتے ہیں گویا بدنامی کیلئے میں ہی رہ گیا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ نے جس طرح اکابر کے مسلک، مشرب کا تحفظ اور دفاع کیا یہ حضرت والا ہی کا کمال اور طرہ امتیاز تھا کہ اپنے اور غیروں کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر حق بات بیان کرتے رہے اور اکابر کے مسلک، مشرب کو اجاگر کرتے رہے اس معاملے میں بالکل تسامح چشم پوشی سے کام نہیں لیا بلکہ بہت جرأت دلیری کے ساتھ ساری زندگی اس مشن کو جاری رکھا اس میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں برتی۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

﴿ حلالہ کا شرعی حکم ﴾

ایک مجلس میں غیر مقلدین کا ذکر آیا کہ وہ اس حدیث سے استدلال کر کے لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہ کو مطلقاً حرام کہتے ہیں اور کہتے کہ اس طرح حلالہ نہیں ہوتا ہے حضرت اقدسؒ نے فرمایا اس حدیث کے الفاظ ''المحلل'' سے معلوم ہو رہا ہے کہ حلالہ ہو جائیگا یہ اور بات ہے کہ وہ حلالہ کا طریقہ غیر شرعی ہے تو یہاں لعنت فعل پر فرمائی ہے حلالہ کی نفی نہیں فرمائی پھر فرمایا کہ یہ لوگ بے سمجھ ہیں اور یہ ساری خرابیاں بے سمجھی سے پیدا ہوتی ہیں مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا میں (جس کے حضرت اقدسؒ سرپرست تھے) ایک مجلس کے دوران فرمایا کہ غیر مقلدین حضرات کو ہماری نمازوں کی کیوں فکر پڑی ہوئی ہے ہماری نمازوں کی فکر نہ کریں بلکہ اپنی نمازوں کی فکر کریں (کتنی پیاری سیدھی سادھی بات بیان فرمائی کہ وہ ہماری نمازوں کی فکر نہ کریں کیونکہ لڑائی جھگڑا اسی بات سے ہوتا ہے کہ حنفیوں کی نماز سوۃ الفاتحہ اور رفع یدین کے بغیر نہیں ہوتی جب وہ اسکی فکر چھوڑ دیں گے تو لڑائی جھگڑا نہیں ہوگا)

﴿ بچوں کا سلام ﴾

ایک مرتبہ ایک صاحب اپنے بچے کو لے کر آئے اور اپنے بچوں سے کہا کہ ہاتھ سے سلام

کرو بچہ آہستہ سے چل کر حضرت اقدسؒ کے قریب آ گیا حضرت نے سر پر ہاتھ پھیرا پھر ہنس کر فرمایا کہ بچوں کا سلام یہ ہوتا ہے کہ وہ چل کر آ جائے اور بڑا اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر دے اور پیار کر دے حضرت اقدسؒ نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ نے اپنے متعلقین میں سے ایک آدمی کو فرمایا کہ بھائی اپنے بچے کو بھی خانقاہ میں لایا کرو تو وہ ایک دن اپنے بچے کو لائے جیسے دستور ہے کہ آدمی جب کہیں مہمان ہوتا ہے تو اسکو بہت سمجھا کر لاتا ہے اصلاحی بیان کے بعد حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ بھائی بچے کو لے کر نہیں آئے حالانکہ بچہ سامنے دبکا ہوا بیٹھا تھا اس نے کہا کہ حضرت بچہ یہ ہے آپ نے فرمایا بچوں والی کوئی حرکت تو دیکھی نہیں حضرت اقدسؒ نے فرمایا حضرت تھانویؒ ہر معاملہ میں اصلاح فرمایا کرتے تھے اور اس واقعہ میں یہ اصلاح تھی کہ بچے کو اتنا ڈرایا دھمکایا نہ جائے جس سے بچے کی فطری حرکات بھی ساکن ہو جائیں۔ حضرت اقدسؒ کا واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت اقدسؒ کے پوتے حضرت کے دفتر میں آئے تو حضرت نے فوراً بچوں کو پیسے دیئے (بندہ قریب ہی بیٹھا ہوا تھا) ہنس کر فرمایا یہ بچوں کا ٹیکس ہے اسے وصول کرنے آئے تھے میں اس میں تاخیر نہیں کرتا فوراً دے دیتا ہوں بلکہ پہلے سے کھلے پیسے رکھتا ہوں حضرت اقدسؒ بچوں پر بھی بہت شفیق اور مہربان تھے۔

حج کی دعا

ایک مرتبہ حج کی دعا کا ذکر آیا حضرت اقدسؒ نے فرمایا خواہ کتنی ہی سہولتوں کا انتظام کر لیا جائے پھر بھی مشکل ہے مشقت طلب کام ہے پھر فرمایا حج کے شروع میں جو یہ دعاء سکھائی گئی ہے اللھم یسرہ لی اس سے معلوم ہوا کہ مشکل ہے تب ہی تو یہ دعا سکھائی گئی ہے فرمایا کہ حج عاشقانہ عبادت ہے ایک مرتبہ حج کے مسائل کا تذکرہ آیا اردو میں معلم الحجاج کی تعریف فرمائی کہ یہ کتاب مستند ہے اس کے مصنف حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب مفتی مظاہر العلوم سہارنپور کا تعارف کروایا خصوصاً کتاب معلم الحجاج کے حاشیہ کی تعریف فرمائی اور اسکے محشی حضرت مولانا قاری شیر محمد سندھیؒ کا تعارف کرایا حضرت نے فرمایا تھا کہ وہ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔

کتاب مناسک حج

ملا علی قاریؒ کی کتاب ''مناسک حج'' کے بارہ میں فرمایا کہ حج کے مسائل اور احکام کے بارہ میں سپریم کورٹ ہے اس لئے حج کے کسی مسئلہ کی تحقیق درکار ہو تو اس کو ضرور دیکھنا چاہیے پھر ملا علی

قاریؒ کا واقعہ بھی اپنی زبان مبارک سے سنایا کہ ایک مرتبہ ملاعلی قاریؒ طواف کرنے لگے تو بائیں طرف سے طواف شروع کیا تو ایک بچے نے ٹوکا کہ بابا جی طواف کرنے سے پہلے ملاعلی قاریؒ کی کتاب مناسک حج کا مطالعہ کر لیتے تو فرمایا کہ میں ہی ملاعلی قاری ہوں اس سے اس دربار کی عظمت واضح ہے۔

﴿ حضرت تھانویؒ کی بچوں پر شفقت ﴾

حضرت اقدسؒ نے فرمایا حضرت تھانویؒ کے ہر کام میں حکمت اور تجدید ہوتی تھی ہم چھوٹے تھے حضرت تھانویؒ کو بڑے ابا کہا کرتے تھے جیسے بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ کھیلتے کھیلتے بڑوں کے پاس چلے جاتے ہیں اور بڑے شفقت و محبت سے کوئی چیز عنایت کرتے ہیں حضرت تھانویؒ کے پاس بادام بغیر چھلے ہوتے تھے تو جو بچہ حضرت تھانویؒ کے پاس آتا حضرت اس کو ایک بادام عنایت کر دیتے بچے بادام لے کر چلے جاتے پھر تھوڑی دیر کے بعد یا اگلے روز لینے آتے ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ سے عرض کیا بڑے ابا آپ بادام چھیل کر اسکی گریاں کیوں نہیں رکھتے ہیں حضرت تھانویؒ نے جواب عنایت فرمایا میں اگر اس کی گریاں نکال کر رکھوں گا تو تم جلدی جلدی کھا کر آؤ گے دوبارہ مانگو گے اب لے جاتے ہو کہیں مشقت سے توڑو گے اس کے بعد کھاؤ گے اس میں کچھ دیر تو لگے گی بادام کو ثابت رکھنے کی یہ تھی حکمت۔

﴿ اذان کے بعد دعا کی فضیلت ﴾

حضرت اقدسؒ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کے حوالے سے فرمایا کہ احادیث میں جو آیا ہے کہ جس شخص نے اذان کا جواب دیا پھر درود شریف پڑھا اور اذان کے بعد کی دعا پڑھی اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس میں یہ نکتہ ہے کہ اس کا خاتمہ بالایمان ہوگا کیونکہ شفاعت کیلئے ایمان پر خاتمہ ہونا ضروری ہے کتنا اہم نکتہ ہے یہ ہیں علماء ربانیین جو کہ احادیث طیبہ کے رموز و اسرار جانتے ہیں اور بیان فرماتے ہیں دوسروں کی نظر صرف نقوش پر ہوتی ہے ان حضرات کی نظر ان کے معانی اور رموز پر ہوتی ہے۔

﴿ مولوی کی تعریف ﴾

ایک مرتبہ فرمایا مولوی میں ی نسبت کی ہے کہ اس میں اللہ کی طرف نسبت ہے اور کتنی اچھی نسبت ہے لیکن آجکل ہم اپنے آپ کو مولوی کہلاتے ہوئے شرماتے ہیں یہ نام پسند نہیں کرتے پھر حضرت اقدسؒ نے حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے حوالہ سے فرمایا کہ مولوی کی دو تعریفیں

ہیں۔(الف) مولوی وہ ہے جس کو اللہ کی معرفت اور پہچان ہو اگر اصطلاحی مولوی ہونے کے باوجود اس کو اللہ کی معرفت حاصل نہیں تو وہ حقیقت میں مولوی نہیں ہے پھر فرمایا حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اصطلاحی عالم مولوی نہیں تھے صرف کافیہ تک پڑھا ہوا تھا لیکن اللہ کی معرفت ان کو حاصل تھی اس لئے وہ عالم گر تھے۔(ب) مولوی اصل میں وہ ہے جو ہدایہ کی صحیح عبارت پڑھ کر اسکا ترجمہ اور صحیح مطلب بیان کر سکے پھر حضرت اقدسؒ نے ہدایہ کی اہمیت بیان کی کہ یہ کتاب انسان کو فقیہ بنا دیتی ہے جس میں دلائل عقلیہ، نقلیہ کے ساتھ مسائل کا استنباط کیا گیا ہے فرمایا کہ میں نے عبدالقدوس کو یہ کتاب پوری سبقاً سبقاً پڑھائی ہے اور کتاب میں جو بحث آتی اس سے متعلق جو مباحث کسی اور کتاب میں ہوتی تو وہ بھی حوالہ دکھاتا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ ایک بحث کئی کتابوں میں ہے اور وہ مقامات یاد ہو جائیں پھر فرمایا کہ آج کل یہ انداز پڑھانے کا ختم ہوتا جارہا ہے اس وجہ سے علم میں بھی انحطاط ہے۔

﴿ عوام پر شفقت ﴾

ایک مرتبہ دوپہر کے وقت ایک دیہاتی مسئلہ پوچھنے کیلئے آیا حضرت اقدسؒ آرام فرمارہے تھے بندہ نے اس دیہاتی کو واپس کرنا چاہا حضرت اقدسؒ نے اصلاح فرمائی کہ نہ جانے کیا مسئلہ درپیش ہے اور کہاں سے آیا ہے اس کو آنے دو اگر ہم اتنی پابندی لگائیں گے تو یہ آنا چھوڑ دیں گے اور کہیں غلط لوگوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں میں نے عرض کیا اگر یہاں پر کچھ قواعد اور ٹائم ٹیبل لکھ کر آویزاں کر دیا جائے جس سے آنے والا پڑھ کر آئندہ اس کے مطابق آئے ہنس کر فرمایا پھر ایک آدمی مستقل چاہیے جو ان کو قواعد پڑھائے کیونکہ یہ تو ان پڑھ لوگ ہیں۔

﴿ نصاب درس نظامی کی اہمیت ﴾

ایک مجلس میں منطق کے متعلق فرمایا کہ یہ علم علوم عالیہ کیلئے ذریعہ ہے اس لئے اگر اس کو علم عالی جو کہ مقصود ہے کے سمجھنے کیلئے پڑھے تو اس میں بھی اجر ہے لیکن آج کل اس کے پڑھنے پڑھانے کو فضول سمجھا جاتا ہے ہمارے فہم میں خرابی پیدا ہو گئی ہے کہ منطق کو نکالا جارہا ہے اس کو نکالنے کی بجائے اپنے فہم کی اصلاح کی جائے اگر یہی طریقہ رہا تو پھر آہستہ آہستہ اور کتابیں بھی نکالی جائیں گی کہ ان کے پڑھنے کا اب کوئی فائدہ نہیں تو اس طرح رفتہ رفتہ ان کی جگہ دوسری کتابیں آجائیں گی جس سے درس نظامی کا مقصد اصلی فوت ہو جائے گا۔

حضرت اقدسؒ فرمایا کرتے تھے یہی وہ نصاب ہے جو ہمارے اکابر نے پڑھا جس سے وہ وقت کے محدث، مفسر، مجدد، صوفی، مدرس، مبلغ، مؤرخ، خطیب مجاہد، دنیا کے پیشوا، مقتدا، راہنما بنے دنیا کیلئے مثالی نمونہ بن کر اصلاح وتربیت کا کام کیا شرک وبدعت اور رسومات کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ساری زندگی حق وباطل میں فرق بیان کرتے رہے ہر میدان میں باطل کا مقابلہ کیا وہی نصاب ہم مدرسوں میں پڑھتے پڑھاتے ہیں لیکن ہم میں وہ شان نہیں ویسے مدرس، ویسے رجال پیدا نہیں ہو رہے تو اس سے معلوم ہوا کہ کمی نصاب میں نہیں ہے بلکہ ہمارے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے اخلاص، تقویٰ اور تربیت میں ہے اس لئے اس کے تدارک کی ضرورت ہے نہ کہ نصاب کے بدلنے کی دیکھئے حضرت اقدسؒ کی دوراندیشی اور دقت نظری کہ نصاب بدلنے سے کام نہیں چلے گا اصل یہ ہے کہ طریقہ تدریس کو بدلا جائے۔

﴿ حالات حاضرہ پر نظر ﴾

حضرت اقدسؒ تمام حالات حاضرہ سے باخبر رہتے تھے آنے جانے والوں سے بھی حالات پوچھتے رہتے خصوصاً مدارس اور اہل مدارس کی پالیسیوں پر گہری نظر رکھتے وقتاً فوقتاً اصلاح بھی فرماتے اور اہل مدارس کو محبت وشفقت کے ساتھ اپنے قیمتی صلاح مشوروں سے نوازتے رہتے ارباب حکومت کو بھی اپنی بساط کے مطابق زبانی، تحریری یادداشت بھیجتے رہتے حضرت فرماتے ہمارا کام تو ہے ان کو صحیح راستہ سے آگاہ کرنا، ماننا نہ ماننا عمل کرنا نہ کرنا ہماری ذمہ داری نہیں ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگئے باقی لٹھ تو ہمیں مارنا نہیں آتا حالات سے آگاہی کیلئے حضرتؒ اخبار کا مطالعہ فرماتے خبریں بھی سنتے تھے۔

﴿ فتاویٰ شامیہ کا ذکر ﴾

فتاویٰ شامیہ کے بارے میں فرمایا کہ فتاویٰ میں اس کی سپریم کورٹ کی حیثیت ہے لہذا اگر فتاویٰ کی کتابوں میں تضاد ہو جائے تو اصولاً ترجیح شامیہ کو ہوگی الا فی بعض المواضع اور فرمایا کہ مفتی کو سب سے پہلے شامی دیکھنا چاہیے اور جزئیات کو یاد کرنے کی بجائے اس کی عبارت اور اسکی قیودات کو سمجھے کیونکہ قیودات سے بھی بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں پھر ایک عالم کے بارے میں فرمایا کہ ان کو شامی زبانی یاد تھی اور میں کئی دفعہ ان کو ملا ہوں بڑی شفقت سے پیش آتے اور مجھے اپنا بھتیجا کہتے تھے۔ اردو فتاویٰ میں شامی کی عبارت آجائے تو پھر بھی حوالہ اصل کتاب سے دیکھ کر لکھو کیونکہ عموماً

کتابت میں عبارت کی کمی بیشی ہوجاتی ہے۔ الحمدللہ میری اب تک یہی عادت ہے کہ میں اردو فتاویٰ میں درج شدہ عربی عبارت پر اعتماد کر کے نقل نہیں کرتا بلکہ اصل کتاب کی طرف مراجعت کرتا ہوں۔

اعتدال کی ضرورت و اہمیت

ایک مرتبہ فرمایا جتنے فتنے پیدا ہوتے ہیں یہ نتیجہ ہوتے ہیں غلو فی الدین کا افراط، تفریط سے انسان گمراہ ہوجاتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو معتدل امت بنایا پھر فرمایا کہ ہر کام میں اعتدال پیدا کرو وگرنہ بگاڑ پیدا ہوگا اور و کذالك جعلنکم امة وسطاً میں وسط سے مراد اعتدال ہے اور اس گئے گذرے دور میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ اکابر کے دامن کو تھام لو تو امن و عافیت میں رہو گے۔

صحابہ کرامؓ کی فضیلت

ایک مرتبہ رقت کے انداز میں فرمایا کہ صحابہ کرامؓ مظہر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے اور اس سے اندازہ لگائیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی صفات کے حامل تھے اور آپ کی کیا شان تھی پھر فرمایا کہ جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے کی تائید وحی سے ہوئی تھی یہ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عکس و پرتو اور صحبت کی برکت تھی جیسے کہ حضرت عمرؓ کو کہ وہ ملہم من اللہ تھے مگر اس کو اپنا کمال نہ سمجھتے تھے بلکہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت اور اثر سمجھتے تھے۔

صرف ونحو کی ضرورت

فرمایا کہ قد نری تقلب وجھك فی السماء (الایہ) میں تقلب باب تفعل ہے اور باب تفعل کی خاصیت تکلف ہے یہاں اس کے معنیٰ کیا ہونگے تکلف سے کیا مراد ہے اس کی پوری تفصیل صرف کے علم پر موقوف ہے جو ہدایۃ الحیران میں مفصل موجود ہے اس کے بعد فرمایا کہ علماء کو چاہیے قرآن مجید کی آیات میں نحو، صرف کا طالبعلموں سے اجراء کرائیں اور اسی سے مدد لینی چاہیے اس سے آیت کا مفہوم واضح ہوتا ہے اور خوب لذت بھی حاصل ہوتی ہے۔

اسلوب تحریر

ایک مرتبہ بندہ ناچیز کو مخاطب ہوکر فرمایا میرے ذہن میں جب کوئی نیا مضمون آتا ہے تو اسکو شروع کردیتا ہوں اگرچہ پہلے سے بھی ایک مضمون لکھ رہا ہوتا ہوں تو پھر آہستہ آہستہ سارے مضمون مکمل ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ منجانب اللہ واردات ہوتے ہیں اگر نیا مضمون شروع نہ کیا جائے تو پھر یہ مضمون

ذہن سے نکل جاتا ہے۔ پھر فرمایا اگر مضمون شروع کر کے میں نے اسے مکمل نہیں کیا تو بعد والے اس کو پورا کر لیں گے پھر ہنس کر فرمایا کہ ہمارے اوپر ہی تو سارے کام فرض نہیں بعد والوں کا بھی فریضہ ہے۔

﴿ ارشاد حضرت مفتی اعظم پاکستان ﴾

ارشاد فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے جب نیا مضمون دو تصنیفوں کے درمیان یا کوئی نیا کام دو کاموں کے درمیان ذہن میں آئے تو اس کو دو تصنیفوں اور دو کاموں کے درمیان گھسا دو انشاء اللہ تینوں کام ہو جائیں گے۔ حضرت اقدسؒ کا اسی پر عمل تھا حضرتؒ جب بھی کوئی تحریر یا مضمون شروع فرماتے تو تخصص کے طلباء کو بلا کر اس کا خاکہ اور وہ مضمون سمجھاتے اور اصلاح و تربیت فرماتے۔

﴿ تقلید کی ضرورت و اہمیت ﴾

فرمایا سب گمراہیوں اور فتنوں کا سبب عدم تقلید ہے امن اور سکون اکابر کی تقلید میں ہے جس شخص نے اکابر کی تقلید تمام مسائل وعقائد میں کی وہ راہ راست پر رہا اور جس شخص نے اکابر کی تقلید مسائل وعقائد میں نہیں کی وہ بھٹک گیا فرمایا کہ ایک ہے ہماری سمجھ اور ایک ہے بڑوں کی سمجھ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے خیر اسی میں ہے کہ اکابر کے طریقہ ومسلک کو اپنایا جائے۔

﴿ صدقہ میں اخلاص کی اہمیت ﴾

فرمایا ایک آدمی ایک لاکھ میں سے ایک ہزار روپے صدقہ کرتا ہے اور ایک غریب آدمی کل پونجی ایک ہزار میں سے ایک روپیہ صدقہ کرتا ہے تو دونوں اجر میں برابر ہیں تناسب کے اعتبار سے دونوں ایک درجہ میں ہیں بلکہ اس غریب آدمی کے ایک روپے دینے میں زیادہ اخلاص معلوم ہوتا ہے ایک آدمی نے حضرت تھانویؒ کو دو آنہ دیئے اور کہا کہ ایک آنہ آپ کیلئے ہدیہ ہے اور ایک آنہ واپس کر دیں حضرت تھانویؒ نے اس ایک آنہ کی بہت قدر فرمائی اور حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بتاؤ کیا اس ایک آنہ میں ریاء ہو سکتی ہے۔

﴿ چندہ کا طریق کار ﴾

فرمایا کہ آجکل طریقہ یہ ہے کہ جو آدمی مدرسہ میں بھاری رقم ہدیہ دیتا ہے ہم اس کا اعزاز و اکرام اور احترام کرتے ہیں امراء طبقہ کا بہت خیال آؤ بھگت کرتے ہیں لیکن جو شخص قلیل رقم چندہ دیتا ہے ہم اس کا اکرام احترام نہیں کرتے بلکہ اس کی طرف صحیح طریقہ سے التفات بھی نہیں کرتے۔

حضرت اس کو پسند نہیں فرماتے تھے بندہ نے دیکھا کہ حضرت اقدسؒ کے ہاں آنے جانے والے امیر، غریب، سب برابر تھے اوران کے ساتھ یکساں برتاؤ فرمایا کرتے تھے بلکہ حضرت اقدسؒ نے فرمایا جو ایک روپیہ، دوروپیہ چندہ دیتے ہیں اس میں بہت بڑی برکت ہے اوراس کے لینے میں دل پر بوجھ بھی نہیں ہوتا اوراس میں برکت بھی خلوص کی وجہ سے زیادہ ہوتی ہے۔ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت اقدسؒ کے دفتر میں رسید رکھی ہوئی تھی نہ اس کیلئے باقاعدہ کوئی آدمی تھا نہ کوئی مستقل دفتر حضرت اقدسؒ کے پاس کوئی بھی طالب علم یامدرسہ کا استاذ موجود ہوتا وہی رسید کاٹ دیتا اور وہ پیسے حضرت کی نشست کے قریب رکھ دیتا۔اب تک بھی اسی پرعمل ہورہا ہے والحمدللہ علیٰ ذالک۔

استاذ محترم مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم نے بندہ کو سنایا کہ حضرت اقدسؒ شروع شروع میں باہر سے آنے والوں مہمانوں کو مدرسہ کا تعارف کرایا کرتے تھے جیسا کہ اہل مدارس کا دستور ہے ایک مرتبہ تعارف کرانے کے بعد ایک مہمان نے مدرسہ کیلئے کچھ رقم دی تو دوسرے مہمان نے کہا اس وقت میرے پاس رقم نہیں ہے میں بعد میں پہنچادوں گا بس اسکے بعد حضرت اقدسؒ نے مدرسہ کا تعارف کرانا چھوڑ دیا۔فرمایا استغفراللہ لوگوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ یہ تعارف چندہ کیلئے ہے حالانکہ ہمارا مقصد تو صرف یہ تھا کہ دیکھنے والا خوش ہوکر دعا کرے گا۔

عالم کے وجود کی برکت

فرمایا کہ عالم کا وجود بھی اہل علاقہ کیلئے نعمت ہوتا ہے کہ اس سے بہت سے فتنے دور ہوجاتے ہیں پھر حضرت اقدسؒ نے اپنی مثال دی کہ شروع شروع میں جب ہندوستان سے پاکستان آنا ہوا تو سرگودھا کے مضافات میں قادیانیوں کا فتنہ عام تھا کہ علاقے کے علاقے قادیانی بن رہے تھے ایک بستی والوں کے پاس قادیانی مبلغ گئے تو انہوں نے کہا کہ بھائی دین کے بارہ میں ہم نہیں جانتے ہمارے قریب قصبہ ساہیوال میں ایک عالم قاری عبدالشکور ہیں تم ان کو قائل کرو تو ہم خودبخود قادیانی ہوجائیں گے حضرت نے فرمایا دیکھا ظاہری اسباب میں عالم کا وجود بھی فتنوں سے بچنے کیلئے نعمت ہوتا ہے۔

جہاں جہاں ہمارے اکابر علماء رحمہم اللہ تعالیٰ موجود نہیں تھے ان علاقوں کی طرف فتنوں نے رخ کیا اوراپنی لپیٹ میں لے لیا اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے اوران کی قدر کرنے کی توفیق عنایت فرمائے (آمین)

﴾ تربیت واصلاح کی ضرورت ﴿

فرمایا آج کل اصلاح کو فساد سمجھا جاتا ہے مصلح کو مخالف سمجھا جاتا ہے حالانکہ ان کو اپنا محسن سمجھنا چاہئے اور اپنی اصلاح کر لینی چاہئے لیکن آج کل جہالت کی انتہاء اور بگاڑ یہاں تک ہو چکا ہے جو اصلاح کرتا ہے غلطیوں کی خیر خواہی کے ساتھ نشاندہی کرتا ہے اس کے خلاف پروپیگنڈہ ہوتا ہے لیکن حضرت اقدسؒ نے ہر موقع ہر جماعت کی بلاخوف لومۃ لائم اصلاح فرمائی اپنا ہو یا غیر جب بات شریعت اور دین کی ہوتی تو کسی کی پرواہ کیے بغیر اچھے انداز میں ضرور اصلاح فرماتے۔

﴾ حضرتؒ کا تکیہ کلام ﴿

حضرت اقدسؒ کا تکیہ کلام یہ ہوتا تھا کہ یہ بے سمجھی کی باتیں ہیں۔ جب جلال میں ہوتے تو فرماتے یہ پاگل پن کی باتیں ہیں۔ جب حضرت اقدسؒ کوئی خلاف معمول بات بتلاتے تو فرماتے عجیب بات ہے۔ جب ایسے آدمی کے بارے میں بتلایا جاتا جو ادھر ادھر کی بات کرتا ڈھنگ کی بات نہیں کرتا تو ہنس کر فرماتے یہ مزیدار آدمی ہے۔

﴾ حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات ﴿

ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کا روز مطالعہ کیا کرو انشاءاللہ مواعظ اور ملفوظات کی بھی وہی تاثیر محسوس کرو گے جو حضرت تھانویؒ کی صحبت کی تاثیر تھی۔

﴾ دعاء کی اہمیت ﴿

حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمرہ کے سفر پر جارہے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصتی کے وقت فرمایا اے عمر! اپنے بھائی کو دعاؤں میں یاد رکھنا حضرت اقدسؒ نے جس انداز سے سنایا تھا اس کا لطف کچھ اور ہی تھا کہ آنکھیں آبدیدہ تھیں بلکہ حاضرین مجلس بھی آبدیدہ تھے فرمایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور تواضع کی اعلیٰ مثال ہے اور پھر پیارے نبیؐ نے بھائی کے الفاظ کے ساتھ مخاطب فرمایا اور بھائی کے لفظ میں محبت ہی محبت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ یہ جملہ مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔

﴾ طریقہ تدریس ﴿

درسی کتاب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ پہلے کتاب کے مسائل یاد کرائے جائیں پھر مختصر تشریح

کی جائے کہ نفس کتاب حل ہوجائے اگر بحث دوسری کتاب میں بھی ہوتو اس کتاب کا مکمل تعارف اور وہ مقام یاد کروایا جائے لیکن زیادہ طویل نہ ہو کہ اصل مقصد ہی فوت ہوجائے۔

﴿ مال اللہ کی نعمت ہے ﴾

حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ پیسوں کی قدر فرماتے کہ کبھی بھی بائیں ہاتھ سے پیسے نہیں پکڑے ہمیشہ دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور فرماتے کہ یہ پیسے رزق کے حصول کا ذریعہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جس کی قدر کرنی چاہئے۔فرمایا کہ حضرت تھانویؒ نے کبھی بھی چارپائی کی پائنتی کی طرف کھانا رکھ کر نہیں کھایا بلکہ خود پائنتی کی طرف بیٹھتے اور کھانا سرہانے کی طرف رکھ کر تناول فرماتے۔

﴿ عدل ومساوات ﴾

فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کی خانقاہ میں ایک ترازو لٹکا ہوا تھا (جس کا نام میزان عدل تھا) چونکہ حضرت تھانویؒ کی دو بیویاں تھیں اس لئے جو چیز بھی آتی آدھی آدھی کر کے تول کر برابر برابر دونوں گھروں میں بھیج دی جاتی یہاں تک کہ دو تربوز آتے تو ہر ایک کو آدھا آدھا کاٹ کر ہر تربوز دونوں گھروں میں بھیجتے اور فرماتے ہوسکتا ہے ایک تربوز میٹھا ہو اور دوسرا پھیکا ہوا گر ایک کے پاس زیادہ میٹھا چلا گیا تو ناانصافی ہوجائیگی واقعۃً میزان عدل تمام مریدین متعلقین متوسلین کیلئے بہترین سبق تھا۔

﴿ تعویذ کے متعلق اصلاح ﴾

حضرت اقدسؒ نے فرمایا تھانہ بھون میں ہر چیز کیلئے اصول تھا اور اس پر سختی کے ساتھ عمل کرایا جاتا تھا اور ہر چیز کیلئے ایک طریقہ تھا اسی طرح تعویذ لینے کیلئے بھی طریقہ تھا تعویذ کے وقت بتانا ضروری تھا کہ میں نے فلاں کام یا فلاں مرض کیلئے لینا ہے اگر کوئی آدمی آ کر کہتا کہ مجھے تعویذ دے دیں تو حضرت تھانویؒ اصلاح فرماتے اور ڈانٹتے کیا مجھے غیب کا علم ہے کہ کس کام کیلئے تعویذ لینا ہے اور اس میں ایذاء بھی ہے کہ دوبارہ پوچھنا پڑے گا کہ کس کام کیلئے تعویذ چاہئے اس میں وقت بھی ضائع ہوگا اس لئے خود ہی بتانا چاہئے کہ فلاں چیز کا تعویذ چاہئے حضرت اقدسؒ نے فرمایا حضرت تھانویؒ کی ساری تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے قول وعمل سے کسی کو ایذاء (تکلیف) مت پہنچاؤ۔

حضرت اقدسؒ نے فرمایا اصلاح میں شفقت کا پہلو غالب ہونا چاہئے اور ایسی تدبیر اختیار کریں کہ بگڑا ہوا شخص راہ راست پر آجائے۔

مدرس درجہ حفظ کیلئے نصیحت

حضرت اقدسؒ نے مدرس درجہ حفظ کے متعلق فرمایا کہ ایک مدرس کو کم از کم پانچ سال تک ایک جگہ رہ کر پڑھانا چاہئے تا کہ کچھ بچے حافظ بن جائیں۔

کیونکہ عموماً ایک پکا حافظ پانچ سال میں تیار ہوتا ہے تاکہ اس کا پودا لگ جائے وہ پودا (حافظ) اس کیلئے صدقہ جاریہ ہوگا۔اسی لئے حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ میں حتی الامکان کوشش کرتا ہوں کہ بلا وجہ شرعی کسی مدرس کو فارغ نہ کروں۔

درس قرآن کریم کی ضرورت

حضرت اقدسؒ سے کسی نے پوچھا آج کل فتنے پیدا ہورہے ہیں انکا علاج کیا ہے حضرت اقدسؒ نے جواب میں فرمایا کسی فریق کی زور شور کے ساتھ تردید کی بجائے اپنا درس قرآن مثبت انداز میں شروع کردیں تو انشاءاللہ فتنے کا زور ٹوٹ جائے گا۔اور جو کام ہمارے کرنے کا ہوتا ہے(یعنی درس قرآن) وہ کرتے نہیں جو نہیں کرنے کا (لڑائی جھگڑا بحث مباحثہ) وہ کرتے ہیں آج کل ہمارے بعض علماء نے درس قرآن چھوڑ دیا حالانکہ لوگوں کی اصلاح کا صحیح طریقہ درس قرآن ہے اور یہ صحیح تبلیغ بھی ہے۔

مروجہ مناظرہ

فرمایا آج کل مناظرہ کا جو طریقہ چل رہا ہے یہ مناظرہ نہیں بلکہ جدل ہے کیونکہ مناظرہ کی شرائط نہیں پائی جاتیں بلکہ ان مناظروں میں حق بات خلط ملط ہو جاتی ہے حق بات کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا ہے پھر حضرت اقدسؒ نے دارالعلوم دیوبند کے ایک استاذ کا واقعہ سنایا جنہوں نے حضرت تھانویؒ سے فرمائشیں کی تھیں کہ آپ بھی اہل باطل سے مناظرہ کیا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے علوم وفنون سے نوازا ہے تو آپ بآسانی اہل باطل کو شکست دے سکتے ہیں حضرت تھانویؒ نے ایک جملہ سے ہی ان کی اصلاح فرمادی کہ اگر مجھے دوسری جانب حق نظر آئے گا تو میں اس کو قبول کرلوں گا اس کے بعد سے انہوں نے مناظرہ کرنا چھوڑ دیا ان مناظروں میں آدمی آپس کی ضد کی وجہ سے فریق مخالف کی حق بات کو بھی قبول نہیں کرتا بلکہ انکار کر دیتا ہے اس لئے حضرتؒ کو اس متعارف مناظرہ سے مناسبت نہ تھی بلکہ آپ اس کو مضر سمجھتے تھے۔

ملفوظات طیبات

جناب محترم محمد رمضان صاحب امام مسجد چانڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☆ فرمایا کہ گذشتہ رات بہت بابرکت رات تھی خدا تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرما کر اعلان فرماتے ہیں کہ ہے کوئی میرا بندہ جو کچھ چاہے میں عطا کروں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس رات کو عبادت کرو اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھو اللہ تعالیٰ اس رات کو بنو کلب کی بکریوں کے جسم پر جتنے بال ہیں ان بالوں کی مقدار بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ اثنائے گفتگو کسی آدمی نے عرض کیا کہ جناب اس رات کو لوگ چراغاں کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ ہندو لوگ اپنے میلوں میں جس کو ہولی دیوالی کہتے ہیں رات کو میلوں اور گھروں گلی کوچوں میں چراغاں کرتے ہیں جاہل مسلمانوں نے بھی دیکھا دیکھی اس رات کو چراغاں کرنا شروع کر دیا ہے یہ رسم ہندوستان سے آئی ہے یہ رسم ہندوانہ رسم ہے اس کو ختم کرنا بہت ضروری ہے اس کو جائز سمجھنا بہت ہی خطرناک ہے یہ ایک قبیح رسم ہے۔

☆ درجہ کتب کے طلبہ کو حضرت رح نصیحتیں فرما رہے تھے فرمایا کہ چہل قدمی کیلئے جنگلوں میں جایا کرو تفریح کا مقصد وہاں حاصل کیا کرو بازاروں میں نہ پھرو بازاروں میں تفریح نہیں ہوتی بلکہ تفریح ہوتی ہے یہ روحانیت کو زخمی کرتی ہے ایسا زخمی کرتی ہے جس کا علاج مشکل ہے۔ رات کو سبق یاد کرنے کے بعد سو جایا کرو باتیں نہ کیا کرو کتابوں کے مطالعہ میں ایسا گم ہو جایا کرو جس طرح کتابوں کا کیڑا کتابوں کو لگا رہتا ہے گویا کہ اس کا دھیان کسی طرف نہیں اسی طرح تمہارے دل کی توجہ بھی مطالعہ کے دوران کسی طرف نہ ہو استاد کی تقریر کو توجہ سے سنا کرو اگر کوئی اشکال ہو تو فوراً پیش کیا کرو کیونکہ اس میں دو اہم فائدے ہیں ایک یہ کہ جب اشکال پیش ہوگا تو استاد بہترین راہنمائی کرے گا اور آگے کام کرنے کیلئے طالب علم کا ذہن تیار رہے گا وہ اشکال ذہن میں رکاوٹ نہ بنے گا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ

استاد کے علم میں اضافہ کا سبب بنے گا مثلاً جب آپ اشکال پیش کریں گے تو اگر استاد کو حل کرنے میں اس وقت مشکل ہوگی تو وہ ضرور کتاب گردانی کریگا اس اشکال کا جواب ڈھونڈے گا تو کئی چیزیں اس کے سامنے آتی جائیں گی اور علم میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ استاد ماں کی مثال ہے اور طالب علم بچے کی مثال ہے جس طرح بچہ چھاتی کو منہ لگاتا رہے گا تو دودھ جاری رہیگا بچہ چھاتی کو منہ لگانا چھوڑ دے تو دودھ بند ہو جائے گا اسی طرح اگر طالب علم استاد سے کچھ نہ پوچھے اور استاد بھی طالب علموں سے کنجوسی کرتا رہے تو علم سے استاد بھی خالی ہو جائے گا اور طالب علم کو بھی کچھ نہ حاصل ہوگا۔

☆ احقر راقم سے ہمارے ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایک دن میرا جی چاہا اور میں حضرت مفتی صاحبؒ کو ملنے گیا تو میں نے عرض کیا کہ جناب جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے دست اقدس کو بوسہ دوں تو حضرت نے فرمایا بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں مگر جب آپ بوسہ دیں گے تو کہیں میرے دل میں یہ نہ آ جائے کہ میں بہت بڑا آدمی بن گیا ہوں لوگ میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہیں یہ بات میری بربادی کا سبب بن جائے گی اس لئے میں بوسہ نہیں دینے دیتا۔

☆ اصلاحی درس میں آیت و لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق پر بیان فرما رہے تھے فرمایا کہ قتل دو قسم کا ہے ایک نفسانی قتل اور روحانی قتل۔ عرب کے لوگ اولاد کو روزی کی تنگی کی وجہ سے قتل کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے یہ نفسانی قتل تھا فی زمانہ جو اولاد کو قتل کیا جارہا ہے وہ دونوں قسم پر مشتمل ہے نفسانی بھی اور روحانی بھی گویا کہ ایسا کرنے والے دو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے قیامت کے دن ایسا کرنے والوں کا برا حشر ہوگا نفسانی قتل جس کی حکومت بھی سرپرستی کر رہی ہے یعنی اسقاط حمل وغیرہ روحانی قتل یہ ہے کہ اولاد کو دین کی تعلیم نہ دینا اور دین کے مطابق تربیت نہ کرنا لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ اگر بچہ قرآن حفظ کرے گا اور دینی تعلیم حاصل کرے گا تو کھائے گا کہاں سے؟ کیوں بھائی مولوی کہاں سے کھاتے ہیں مولوی تو آپ لوگوں سے زیادہ کھاتے ہیں اور زیادہ آرام کرتے ہیں یہ دینی تعلیم کی برکت ہے ضروری علم حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے حدیث میں العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ سے مراد دنیوی علم نہیں بلکہ اس سے قرآن وحدیث کا علم مراد ہے لوگوں نے اس فرق کو سمجھا نہیں قرآن وحدیث کا علم علم ہے اور کالجوں کا علم ہنر ہے۔ علماء کالجوں کی تعلیم کو منع نہیں کرتے مگر یہ ضرور کہتے ہیں کہ دین کا بھی ضروری ضروری علم

ضرور حاصل کرواوراولاد کو بھی دینی تعلیم دلاؤاور یہ علم مدرسوں اور خانقاہوں سے حاصل ہوتا ہے اسکولوں کالجوں سے نہیں۔

☆ ایک مرتبہ میں نے قرأت کے متعلق مسئلہ پوچھا حضرت اقدس نے مسئلہ بتانے کے بعد فرمایا کہ رمضان میں تم کو ایک نصیحت کرتا ہوں تمام عمر یاد رکھنا کہ فقہ کا مسئلہ فقیہ سے پوچھا جائے اور قرآن مجید کے متعلق جو مسئلہ ہو وہ قاری سے پوچھا جائے کیونکہ قرآن مجید میں جتنی نظر قاری کی ہوگی اور کی نہیں ہوتی قرأت کے مسائل عام عالم نہیں جانتے۔

☆ اثنائے گفتگو فرمایا کہ جاہلیت اتنی عام ہوگئی ہے کہ ایک دن کا واقعہ ہے میرے پاس کسی علاقہ کا ایک امیر کبیر آدمی ملاقات کیلئے آیا میں کام کرر ہا تھا اس آدمی نے بہشتی زیور اٹھالیا اور پڑھنے لگ گیا کچھ دیر کے بعد جو میں نے دیکھا وہ زار وقطار رور ہا ہے میں نے اسے دلاسہ دیا اور پوچھا بھائی کیا بات ہے کیوں روتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ جناب کیا بتاؤں میری بہن کی شادی فلاں رشتہ دار سے ہے جس کے پانچ چھ بچے ہیں بہشتی زیور کے اس مسئلہ سے تو وہ رضاعی بہن بھائی ہیں اب میں کیا کروں؟ علاقہ اور رشتہ داروں میں ہماری بہت عزت ہے میں نے کہا کہ جاؤ اور بہن کو اس سے علیحدہ کردو جاہلیت کی وجہ سے یہ بیماری عام پھیل گئی ہے کہ حرام وحلال کی تمیز ہی نہیں رہی۔

☆ فرمایا کہ میرے نزدیک ذبح فوق العقدہ حلال ہے بشرطیکہ دوسری رگیں کٹ جائیں ذبح میں چار رگوں کا کاٹنا ہوتا ہے چار میں سے تین بھی کٹ جائیں تو بھی ذبیحہ حلال ہے اور اگر دو کٹ جائیں اور دورہ جائیں تو پھر ذبیحہ حرام ہے اور وہ چار رگیں یہ ہیں نرخرہ، مری، دوشہ رگیں جو نرخرہ اور مری کے دائیں بائیں ہوتی ہیں بس ان کو کاٹنا ضروری ہے ذبح فوق العقدہ سے بھی یہ سب کٹ جاتی ہیں، رہی نرخرہ کی حد تو یہ سانس کی نالی ہے یہ گلے پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس میں منہ بھی شامل ہے باقی رہی مری اگر وہ رہ بھی جائے اور باقی تین رگیں کٹ جائیں تب بھی حلال ہے۔

☆ فرمایا کہ بدعات کے پھیلانے میں زیادہ کردار امام مسجدوں، خطیبوں اور پیروں کا ہے کیونکہ ان کو لوگ دیتے کچھ نہیں اس لئے یہ بدعات پھیلاتے ہیں۔ جو آدمی محلّہ یا شہر کی مسجد میں بیٹھ کر بچوں کو قرآن مجید اور نماز پڑھاتا ہے اور مسجد کی دیکھ بھال کرتا ہے اگر وہ مزدوری کر کے کھائے تو یقیناً یہ کام مسجد والا وہ نہیں کر سکے گا اس لئے اہل محلّہ پر ضروری ہے کہ اس کے گذارہ کیلئے ضرور کچھ مقرر کریں

ورنہ بدعات پھیلائے گا اور بدعت ایک ایسی برائی ہے جس کو روکنا بہت مشکل ہے بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کو یہ نیکی سمجھ رہا ہے بدعتی سے مؤمنانہ نور سلب کرلیا جاتا ہے اور وہ سنت مطہرہ اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا سے محروم ہوجاتا ہے۔

☆ فرمایا کہ عام طور پر اللہ والوں کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوتی رضائے خداوندی علم سے حاصل نہیں ہوتی یہ نور علیحدہ ہے ہاں علم سے یہ نور اور زیادہ ہوگا یہ نور اللہ والوں کے قدموں میں رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ سفر خاصا مشکل ہے اس میں راہنمائی کی اشد ضرورت ہے اگر کوئی آدمی اس راستہ میں قدم رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوجاتے ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لنهدينهم سبلنا و ان اللّٰه لمع المحسنين کہ ہم اس کیلئے راستے کھول دیتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہیں ایک آدمی واضح اور سیدھی سڑک پر کھڑا ہے تو جہاں تک اس کی نظر ہے وہاں تک تو اس کو سڑک کھلی نظر آئے گی جہاں نظر کی حد ختم ہوگی وہاں سے اس کو سڑک بند نظر آئے گی تو اس نے کہنا ہی ہے کہ سڑک آگے بند ہے میرا جانا مشکل ہے جب وہ اس سڑک پر چلے گا پھر اس پر واضح ہوجائے گا کہ سڑک تو کشادہ ہے میری نظر کی حد کم ہے۔ ہاں سڑک پر چلنے کے کچھ قواعد وضوابط ہوتے ہیں جو قانونی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے جب تک ان کو سمجھا نہ جائے تو واضح سڑک پر بھی چلنا مشکل ہے الدین يسر کے تحت شریعت مطہرہ ایک آسان اور واضح سڑک ہے مگر اس کے بھی قواعد وضوابط ہیں جو بہت بڑی قانونی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے سڑک پر چلنے کیلئے کسی ماہر قانون دان کی ضرورت ہے اور اس قانون کے ماہر اللہ والے ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو فرمایا فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون کہ اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو اور فرمایا الرحمن فسئل به خبيراً رحمان کی شان اللہ والوں سے پوچھو سبحان اللہ کیا عجیب انداز ہے اس دور تاریک میں تو مرشد کی اشد سے اشد ضرورت ہے مگر اس کی ضرورت کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں اس لئے گمراہی زیادہ ہے تو یہ بھی اللہ والوں کے بغیر مشکل ہے اللہ والے ہی بتاتے ہیں کہ توبہ اس طرح کی جائے۔ طلب بہت عمدہ چیز ہے طلب اگر ہو تو مشکل سے مشکل بھی مطلب حاصل ہوجاتا ہے ؎

حال قال ہوجائے گا سب پیدا　　　　پہلے دل میں ہو طلب پیدا

☆　فرمایا کہ حکمت دو قسم کی ہوتی ہے روحانی، ابدانی۔ اللہ والے دلوں کے حکیم ہوتے ہیں او روح کی بیماریوں کا علاج فرماتے ہیں جیسے بدن بیمار ہوتا ہے اسی طرح روح بھی بیمار ہوجاتی ہے جو بیماریاں بدن کو لگتی ہیں وہی بیماریاں روح کو بھی لگتی ہیں بدن کیلئے فالج ہے تو روح کیلئے بھی فالج ہے بدن کو ٹی بی بیماری گھیرتی ہے تو روح کی بھی ایک ٹی بی ہے اگر بدن کو صحیح علاج نہ پہنچے تو مردہ ہوجاتا ہے اسی طرح روح کی بیماری کا علاج نہ کیا جائے تو روح بھی مردہ ہوجاتی ہے۔ مرشد روح کا حکیم ہوتا ہے مرض کی تشخیص اور علاج کرتا ہے بدن کی غذا مٹی ہے جو آپ کھائیں گے انگور، میوہ، آم، سبزیات جو بھی غذا ہو جس شکل میں ہو سب مٹی ہے اور بدن کی جو دوا ہوگی وہ بھی مٹی ہوگی کیونکہ ہر شی مٹی سے پیدا ہوتی ہے روح کی غذا عبادت ہے اور روح کی بیماری کا علاج بھی عبادت سے ہے۔

☆　فرمایا کہ محبت مال و جاہ کی ظلمت نے ہم کو اندھا کردیا ہے ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ والوں کے ساتھ وابستہ رہیں ہماری مثال ایسی ہے کہ کسی کے پاس گھوڑے پر سوار مہمان آئے اور میزبان گھوڑا پکڑے اور گھوڑے کی خوب آؤ بھگت کرے اور گھوڑے ہی کے دانہ پانی میں مشغول رہے اور مہمان کی کچھ پرواہ نہ کرے نہ پانی پوچھے نہ بٹھائے کھلائے تو بتایئے کہ میزبان عقل مند سمجھا جائے گا اور مہمان میزبان پر خوش ہوگا؟ اسی طرح روح سوار ہے اور بدن سواری ہے روح امانت خداوندی ہے اور ہماری مہمان ہے ہم نے سواری کو خوب پالا پوسا ہے اور سوار کی پرواہ ہی نہیں کی اصل تو چاہئے تھا کہ سوار کی خدمت کرتے تاکہ کچھ حاصل ہوتا روح کی حفاظت حصول رضائے حق کا ذریعہ ہے جو اصل مقصد ہے

☆　اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے یٰایھاالذین اٰمنوا اتقوااللّٰہ و کونوامع الصادقین کہ اے ایمان والو صادقین کے ساتھ رہو اس سے مراد اللہ والے ہیں اللہ والوں کے ساتھ لگنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتے ہیں اور جس طرح ابدانی حکیموں کا طریق علاج مختلف ہیں مثلاً کوئی ٹیکے سے علاج کرتا ہے کوئی گولی سے کرتا ہے کوئی شربت سے کرتا ہے کوئی کڑوی چیز سے کرتا ہے کوئی میٹھی چیز سے کرتا ہے اسی طرح روحانی حکیموں یعنی اللہ والوں کا بھی طریق علاج مختلف ہے اس مختلف علاج کی وجہ سے سلسلوں نے جنم لیا ہے لیکن سب کا مقصد ایک ہی ہے جس سلسلہ سے کوئی وابستہ ہو اس کو باپ تصور کرے اور دوسرے سلسلوں کو چچوں کی حیثیت دے کر احترام کرے چشتی، نقشبندی، سہروردی، قادری

وغیرہ سب سلسلے حق ہیں اور سب کا مقصد ایک ہی ہے گو طریق اصلاح مختلف ہے آج کل تو ہم اللہ والوں کے ہاتھ میں ہاتھ دینا واجب سمجھتے ہیں کیونکہ یہ دور ظلماتی دور ہے۔ سب سے بڑی بات انسان کا انسان بننا ہے حضرت تھانویؒ کے پاس کوئی بیعت کی غرض سے آتا تو فرماتے اگر آپ نے انسان بننا ہے تو یہاں ٹھہرو اگر صرف کرامتوں کی خواہش ہے تو کہیں اور چلے جاؤ۔ اللہ والے کے پاس صرف بیٹھنا ہی بہت بڑی عبادت ہے فرمایا ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ صد سالہ تو فرمادیا مگر میں کہتا ہوں صد ہزار سالہ بھی لفظ ہو تب بھی کم ہے جو گوہر نایاب ان مبارک محفلوں اور مجالس سے ملتے ہیں اور کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتے اللہ والے کی نظر میں بہت تاثیر ہے۔ ایک شخص عین رمضان شریف میں مرتد ہو گیا اور روزہ بھی ختم کر دیا دوستوں عزیزوں نے شام کو افطار کیلئے کہا تو اس نے کہا کہ میں تو بھائی ان چیزوں سے منکر ہو گیا ہوں دوسرے دن دوست اس کو پکڑ کر شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی خدمت میں لائے حضرت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ہاں بھائی بتاؤ کیا شبہات ہیں؟ حضرت کو اس جوان کی حالت منکشف ہو گئی تھی اس جوان نے عرض کیا کہ جناب آپ کے ہاتھ مبارک پر توبہ کرتا ہوں جو شبہات تھے سب دور ہو گئے حالانکہ بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی تو اس طرح اللہ والوں کا اثر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک شخص بدن پر ہاتھ نہ رکھنے دیتا تھا وہ کہتا تھا کہ بھائی میرا بدن تمام شیشے کا ہو گیا ہے تم لوگوں کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹتا ہے وہ شخص حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا حضرت نے ایک دن اس کو فرمایا کہ ادھر آؤ وہ آیا کسی اور خادم کو فرمایا کہ اس کو لٹا دو اوپر اس کے لحاف ڈال دو اور لحاف کے اوپر شیشے کوٹ کر ڈال دو اور اس کو سمجھ نہ آنے دینا خادم نے اسی طرح کر دیا حضرتؒ نے ایک ڈنڈا لیا اس سے مرید کو اوپر سے مارنا شروع کیا اس مرید نے آہ و بکا شروع کر دی اور شور مچا دیا کہ ہائے میرا تمام بدن ٹوٹ گیا ہے حضرتؒ نے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا بھائی اٹھو دیکھو آپ کے بدن سے میں نے تمام شیشہ اتار دیا اب تم بالکل ٹھیک ہو اس نے دیکھا تو شیشے کے ٹکڑے نیچے بکھرے پڑے تھے اسے اپنے بدن کے صحیح ہونے کا یقین ہو گیا اور وہم دور ہو گیا۔ واقعی اللہ والے بہت حکیم ہوتے ہیں۔

☆ فرمایا کہ اللہ والے رمضان شریف میں بہت کم سوتے ہیں ان کا مقصد سنت مطہرہ کے

مطابق برکات وانوار حاصل کرنا ہوتا ہے کیونکہ یہ برکتوں سے بھرپور مہینہ سال میں ایک دفعہ عطا ہوتا ہے اس میں جو غافل ہوا وہ مارا گیا فلاں بزرگ جب بالکل ضعیف ہو گئے تھے تو انہوں نے دو حافظ رات کیلئے اور دو حافظ دن کیلئے مقرر فرمائے تھے جوان کو قرآن مجید سناتے رہتے تھے۔حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کے ہاں بہت عجب معمولات تھے تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد بیس مرتبہ درود شریف پڑھا جاتا تھا۔

☆ فرمایا کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں معراج ہوا آیات ربانی کا خوب مشاہدہ فرمایا جس براق پر تشریف لے گئے جہاں اس براق کی نظر پڑتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا تھا اس معراج کے دو حصے ہیں پہلا حصہ سیر زمینی ہے دوسرا حصہ سیر سماوی ہے۔زمینی سیر مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک ہے جو کئی مہینوں کی مسافت ہے مسجد اقصیٰ سے سماوی حصہ شروع ہوتا ہے وہاں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانوں کی سیر کی مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو باجماعت نماز پڑھائی وہ تہجد کی نماز تھی یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ نفلوں کی جماعت تو شرعاً مکروہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں کرائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تہجد کی نماز امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرض تھی فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفلوں کی اقتدا درست ہے لہٰذا یہ شبہ نہ رہا۔

حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے بہت عجیب نکتہ بیان فرمایا ''اعیــــاھــم'' کے معنی عاجز کردینے کے ہیں یعنی معراج میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عاجز کردیا اور ''اعیــاھــم'' میں الف سے مراد آسمان اول پر حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور عین سے مراد آسمان دوم پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ، اور یا سے آسمان سوم پر حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔اور الف سے آسمان چہارم پر حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور ھا سے آسمان پنجم پر حضرت ھارون علیہ السلام ہیں۔اور میم سے آسمان ششم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔

☆ فرمایا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امام الانبیاء بھی ہیں اول بھی ہیں، آخر بھی ہیں معلم الانبیاء بھی ہیں، سیدالانبیاء بھی ہیں، فخر الانبیاء بھی ہیں، امام الانبیاء اس وجہ سے ہیں کہ تمام نبیوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز باجماعت پڑھائی مسجد اقصیٰ میں۔اول اس وجہ سے ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم کی روح مبارک کی حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمائی۔ آخر سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں سے بعد میں آئے اور آخری نبی ہیں۔ معلم الانبیاء اس وجہ سے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو اکٹھا کر کے فرمایا الست بربکم تو تمام لوگوں کی روحوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں کی طرف توجہ کی وہاں سے کیا جواب ملتا ہے اور تمام نبیوں کی روحوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کی طرف توجہ کی وہاں سے کیا جواب ملتا ہے جب حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بـلـی کی صدا بلند کی تو تمام نبیوں نے سن کر بـلـی کہا پھر باقی تمام روحوں نے بـلـی کہا اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معلم الانبیاء ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے افضل بھی ہیں اور تمام کے سردار بھی ہیں خواہ سماوی ہو یا ارضی ہو یا خاکی ہو یا نوری ہو یا ناری ہو کسی اللہ والے نے خوب فرمایا ؎

یاصاحب الجمال و یاسید البشر — من وجھک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقه — بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سید ہونے میں کوئی شک نہیں نہ ہی کسی دلیل کی ضرورت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخر الانبیاء بھی ہیں تمام نبیوںؑ کو دنیا میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فخر تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کیلئے حضورؐ سے پہلے لوگ بھی ترستے تھے قیامت کے دن بھی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حضورؐ پر فخر ہوگا اور تمام کی نظر حضورؐ پر ہوگی اس نفسا نفسی کے عالم میں شفاعت کا سہرا حضورؐ کے سر ہوگا اسے شفاعت کبریٰ کہتے ہیں۔

☆ فرمایا کہ عالم ہو جانا اور چیز ہے کامل ہونا اور چیز ہے بڑے بڑے علم کے پہاڑ بھی اپنی اصلاح کیلئے اللہ والوں کے قدموں میں دیکھے گئے ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم تھے انہوں نے بھی فرمایا کہ مولوی ہرگز نہ ہوسکا مولانا روم جب تک حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں نہ گیا لوگ کہتے ہیں کہ اللہ والے ملتے نہیں لوگ غلط کہتے ہیں اللہ والوں کے بغیر دنیا قائم ہی نہیں رہ سکتی متلاشی حق کو مقصد ضرور حاصل ہو جاتا ہے جو تلاش ہی نہ کرے وہ لاعلاج ہے بیعت کا مقصد فکر آخرت ہے آج کل تو اکثر پیری مریدی صرف دنیا کی غرض سے ہے۔ حضرت

تھانوی نوراللہ مرقدہ کے ہاں جو بیعت کیلئے جاتا تھا تو پہلے اپنی شرائط اس کے سامنے رکھتے تھے اور شرائط کا پابند بناتے تھے پھر بیعت کرتے تھے بیعت کرنے کے بعد فرماتے کہ کچھ عرصہ میرے پاس رہو کھنا وغیرہ اس کا اپنا ہوتا تھا البتہ رہائش کیلئے کمرہ دیدیتے۔

☆ فرمایا کہ سب سے پہلے ایمان کامل ہونا ضروری ہے اور ایمان کامل کی شرط ہے کہ عقائد صحیح ہوں آج کل عقیدوں میں بڑا فساد ہے فساد کی کئی وجوہات ہیں۔ بنیادی دو بڑی وجہیں ہیں (۱) علم سے دوری اور علماء سے نفرت (۲) نفس پروری اور دنیا کی حرص۔ ہر چیز میں غلو ہے افراط وتفریط کا بازار گرم ہے اعتدال مٹتا جارہا ہے ہمارے بزرگ اعتدال پسند تھے اور اعتدال پر ہی قائم رہے۔ خالق اور مخلوق میں فرق ہونا ضروری ہے کچھ لوگ اس کا خیال نہیں رکھتے مثلاً ایک ہے عالم الغیب ہونا یہ خاصہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ایک ہے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے غیب کا جاننا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے انبیاء علیہم السلام جو غیب کی خبریں دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے دیتے ہیں جس کی ہزاروں مثالیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ ولی اللہ کو جو غیب کی خبر ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے مرید کی جو حالت مرشد پر منکشف ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے عالم الغیب والشہادۃ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

☆ فرمایا کہ عابد اور عالم میں بہت فرق ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر زیادہ بھاری ہے ہزار عابد سے شیطان کو عابد سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی ایک عالم سے ہوتی ہے بہت سے لوگ ایک عالم کی وجہ سے راہ راست پر ہوتے ہیں اور شیطانی مکائد سے بچ جاتے ہیں، عالم اگر غافل بھی ہو تب بھی عابد سے افضل ہے اور عالم غافل سے مراد فرائض وواجبات کا خیال نہ رکھتا ہو نہیں بلکہ اس سے مراد وہ عالم ہے جو نفلی عبادات کا خیال کم رکھتا ہے۔

عبادت ایک نور ہے اور اگر عبادت بالعلم ہو تو نور علیٰ نور ہے دینی مدرسہ کا ایک طالب علم پڑھائی کو چھوڑ کر بھاگ گیا اور کسی پہاڑی علاقے میں جانکلا کیا دیکھتا ہے کہ ایک پہاڑی کے دامن میں چھوٹی سی وادی میں لوگ اکٹھے ہو رہے ہیں اس طالب علم نے پوچھا کہ یہاں تو لوگ کیوں اکٹھے ہو رہے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ بھائی اس غار سے کئی دنوں کے بعد ایک اللہ والا جس کے نکلنے کی آج تاریخ ہے نکلتا ہے اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتا ہے اسلئے یہ لوگ زیارت کیلئے اور وعظ ونصیحت کی

سعادت حاصل کرنے کیلئے اکٹھے ہور ہے ہیں وہ طالب علم بھی ٹھہر گیا وہ اللہ والا نکلا اس نے ایک آنکھ پر پٹی باندھی ہوئی تھی اور ناک کا ایک حصہ بھی بند کیا ہوا تھا اس اللہ والے نے جو کہنا تھا کہا اس کے بعد وہ طالب علم اس اللہ والے کے قریب ہو گیا اس نے اس اللہ والے سے پوچھا کہ جناب میں مسافر ہوں ایک عرض ہے جو آپ سے کرنا چاہتا ہوں اگر اجازت ہو تو اس اللہ والے نے فرمایا کہ کہو بیٹا کیا بات ہے طالب علم نے عرض کیا کہ جناب آپ نے پٹی کیوں باندھی ہوئی ہے؟ اللہ والے نے فرمایا کہ بیٹا میں نے صرف اتنا کچھ دیکھنا ہے جتنا کچھ مجھے ضرورت ہے وہ ایک آنکھ بھی کام دے سکتی ہے دوسری آنکھ فضول استعمال سمجھ کر میں نے پٹی لگا دی ہے اسی طرح ناک پر بھی لگائی ہے سانس کا کام ناک کا ایک حصہ بھی کر سکتا ہے طالب علم نے عرض کیا کہ جناب آپ جو وضو کرتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ جہاں پٹی ہے وہاں پانی نہیں پہنچ سکتا اس اللہ والے نے فرمایا بیٹا میں عالم نہیں ہوں تیری مہربانی تو نے اس اہم مسئلہ کی طرف میری توجہ مرکوز کی لہٰذا تم مہربانی کرو میرے پاس رہو اور عالموں سے مسئلے پوچھ پوچھ کر مجھے بتاتے رہو وہ طالب علم اس اللہ والے کے پاس رہ گیا۔ اور کچھ اللہ والے عالم نہیں ہوتے مگر عالم گر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصطلاحی عالم نہیں تھے مگر عالم گر تھے حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قرآن مجید کا مفہوم میں پہلے بھی جانتا تھا مگر جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے تعلق جوڑا تو قرآن مجید کی ہر آیت میں تصوف نظر آتا ہے یہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی فیض ہے۔

☆ فرمایا کہ اللہ والے دنیا سے دور رہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الدنیا جیفة و طالبها کلاب دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔ اللہ والے ہر وقت اپنے نفس پر دھیان رکھتے ہیں کیونکہ نفس کو قابو رکھنا بڑی ہمت کی بات ہے اللہ والوں نے ہمیشہ ترک دنیا کا درس دیا اور ترک دنیا ان کا شیوہ رہا ہمارے بزرگ بہت اللہ والے تھے اور دنیا سے دور رہتے تھے۔ پیران پیر حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو وقت کے حاکم نے بہت بڑی پیش کش کی تھی لیکن انہوں نے ٹھکرا دی اور فقر و فاقہ کو ہی پسند فرمایا۔

ملفوظات وارشادات

جمع وترتیب: محترم جناب ماسٹر منظور حسین صاحب ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ استاذ کا احترام ﴾

فرمایا کہ زمانہ طالب علمی میں جب ہم تھانہ بھون کی خانقاہ میں قرآن مجید جناب خلیفہ اعجاز احمد رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد حضرت مولانا ممتاز احمد تھانویؒ نائب مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور) سے پڑھتے تھے تو خانقاہ میں ایک پانچ درہ تھا اس میں ایک موٹی سی چٹائی پر بیٹھ کر پڑھتے تھے تو جہاں ہمارے استاد خلیفہ صاحب بیٹھا کرتے تھے جب چھٹی ہوجایا کرتی اور ہم وہاں سے گذرتے یا چلتے پھرتے تو اپنے استاد کی بیٹھنے کی جگہ پر کبھی پاؤں نہ رکھتے تھے اگر اس جگہ استاد صاحب موجود ہی نہ ہوتے پھر بھی ادب کی وجہ سے اس جگہ پاؤں نہ رکھتے اور اگر جھاڑو وغیرہ دیتے تو دور سے ہی ہاتھ لمبا کر کے اس جگہ کو صاف کر لیتے تھے کیونکہ استاد صاحب کے بیٹھنے کی جگہ پر بھی پاؤں رکھنے کو بے ادبی سمجھتے تھے،

﴿ خصوصی احسان ﴾

مدرسہ معین الاسلام انبالہ چھاؤنی مشرقی پنجاب میں حضرت مولانا محمد متین صاحب خطیب رحمۃ اللہ علیہ سے قدوری، کافیہ، اصول الشاشی کا کچھ حصہ اور کنز الدقائق، شرح جامی، نور الانوار، نفحۃ الیمن کا اکثر حصہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی انبالہ چھاؤنی میں احقر کا شب کا قیام ایک دوسرے مدرسہ میں تھا دوپہر کے کھانے کیلئے وہاں جانے میں تکلیف ہوتی تھی استاد صاحب مرحوم الخطیب نے از راہ ذرہ نوازی یہ عنایت فرمائی کہ دوپہر کا کھانا اپنے گھر پر اس ناکارہ کو کھلاتے اور ہر طرح سے راحت وآرام کا خیال رکھتے تعلیم وتربیت اور طعام وقیام کی سہولتوں کے علاوہ اس احقر پر حضرت مرحوم کا خصوصی بڑا احسان یہ تھا کہ مدرسہ معین الاسلام کا کتب خانہ جو حضرت مرحوم کی درس گاہ بھی تھی احقر

کیلئے کھلا چھوڑ دیا کرتے تھے آں محترم کی اس عنایت سے موسم گرما کی دوپہر میں وہاں کتابوں کے مطالعہ کرنے کا موقع مل جاتا تھا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بعض کتابوں کے مطالعہ کا شرف پہلے پہلے ان کی اس عنایت کی بدولت میسر آیا مناظرہ عجیبہ اور مذہب آریہ کی تردید میں انتصار الاسلام قبلہ نما، جواب ترکی بترکی کا مطالعہ کرنا یاد ہے مرزائیت اور اس کی تردید میں بھی کئی کتابوں کے مطالعہ کی نوبت آئی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں ایضاح الادلہ، اوثق العریٰ فی توضیح احسن القریٰ وغیرہ بہت سی کتابیں مطالعہ سے گذریں ان کتابوں سے حضرات اکابر کی شخصیتوں کا کسی قدر تعارف ہوا اور حضرات اکابر کے علوم کی عظمت اور تحقیقات کی وقعت دل میں بیٹھ گئی اور ہمیشہ کیلئے اعتماد قائم ہو گیا اسی اعتماد نے الحمدللہ تمام عصری فتنوں سے حفاظتی قلعے کا کام دیا۔

حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ

اسی زمانہ میں حضرت مولانا محمد متین صاحب مرحوم کو تقریباً تین ماہ کا طویل سفر حیدرآباد دکن کا پیش آ گیا تو حضرت مولانا محمد مبین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد حضرت الخطیب مرحوم) سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا حضرت مولانا مرحوم انبالہ شہر میں مقیم تھے سبق پڑھانے پابندی سے تشریف لاتے سبق کے دوران زمانہ حاضر کے فتنوں کی نشاندھی فرماتے اور بعض مرتبہ خاکساری فتنے کے بانی علامہ مشرقی کی کتاب ''تذکرہ'' اور اس کی بعض دوسری کتابوں کے اقتباسات سنا کر اس کی تحریف قرآن اور گمراہی پر روشنی ڈالتے اسی طرح سرسید کی ''تفسیر القرآن'' اور رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' سے بھی عبارتیں سنا کر ان کی اغلاط پر متنبہ فرماتے غرضیکہ صرف کتابوں کی ہی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ طلباء کا دینی ذہن بھی پختہ بناتے تھے اور زمانہ حاضرہ کے فتنوں سے آگاہ بھی فرماتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ نے شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ قدس سرہ کی زیر نگرانی مدرسہ مظاہر العلوم میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہ سے بھی خصوصی تربیت اور اعتماد کا درجہ حاصل تھا آپ کی تقریر اختلافی مسائل میں نہایت جامع ہوتی تھی حنفی مسلک کی دلیل بیان کرتے وقت اگر معارضہ میں کسی طالب علم نے قرآن کریم کی کسی آیت کا حوالہ دے دیا تو اس وقت حضرت مولانا کی حالت قابل دید ہوتی تھی بڑے انشراح اور انبساط کے ساتھ آیت کا مطلب بیان فرماتے جس سے اشکال حل ہو جاتا پھر جوش میں آ کر فرماتے یہ حنفیوں کی

دلیل اس قدر مضبوط ہے کہ اگر پہاڑ سے ٹکراؤ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا مگر دلیل نہیں ٹوٹے گی کبھی فرماتے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقابلے میں جب کوئی شخص قرآن کریم کو پیش کرتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ شخص قرآن کریم کا صحیح مطلب نہیں سمجھا اور اس کی گہرائی میں نہیں پہنچ سکا جس امام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال تک تمام شب قرآن کی تلاوت کی ہے اس سے یہ آیت مخفی نہیں رہ سکتی اگر اس آیت سے ان کے خلاف مسئلہ مستنبط ہوتا تو وہ کبھی بھی اسکے خلاف اپنا مسلک نہ بناتے غرضیکہ حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ کے افادات سے اوائل عمر میں ہی فقہ حنفی کے تعمق اور گہرائی کے بارے میں جو گہرا تاثر قائم ہوا بحمداللہ عمر کے ہر حصے میں بڑھتا چلا گیا حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ کا یہ احسان عظیم ہے جو مجھ نالائق پر مبذول رہا جس کا حق یہ عاجز کسی طرح اور کبھی ادا نہیں کرسکتا اللہ تعالیٰ آں مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، آمین۔

تقویٰ اور توکل

احقر (منظور حسین) نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے مختلف عنوانات کے تحت مسودات رکھے ہوئے ہیں اگر مدرسہ کے چندہ میں سے کچھ رقم مختص کر کے ان کو چھپوا دیا جائے اور کتب کی آمدنی کو مدرسہ ہی کی مد میں جمع کرلیا جائے جس سے رقم بھی بڑھے گی اور اشاعت دین وتبلیغ دین بھی ہوجائے گی اور مسودات بھی چھپ کر ضائع ہونے سے محفوظ ہوجائیں گے تو اس پر فرمایا کہ بات ٹھیک ہے اور ہمارے کئی علماء نے ایسا کیا بھی ہے لیکن میرا دل اس سے مطمئن نہیں اگر اللہ کو منظور ہوا تو چھپ جائیں گے پہلے بھی تو کچھ کتب چھپ چکی ہیں اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوگا ہوتا رہے گا، ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ مدرسہ میں لوگ طلباء کیلئے بکرے دے جاتے ہیں بعض دفعہ ایک بکرا ہوتا ہے اور طالب علم زیادہ ہوتے ہیں جس سے ان کو ایک ایک بوٹی آتی ہوگی کیوں نہ اس طرح کرلیا جائے کہ اس کو فروخت کر کے اسی قیمت سے بڑا گوشت خرید کر پکا لیا جائے جو زیادہ بھی ہوگا اور طلباء کیلئے کافی ہوجایا کرے گا تو فرمایا کہ اللہ رب العزت ان طلباء کو جب چھوٹا گوشت کھلانا چاہتا ہے تو میں کیوں ان کو بڑا گوشت کھلاؤں جو ان کی قسمت میں ہے وہی کھائیں گے فرمایا کہ ایک جگہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ قدس سرہ نے لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ایک بزرگ سے مدرسہ کیلئے دعا کرنے کی خاطر عرض کیا ان بزرگ نے فرمایا مولوی صاحب

خدا ساری مخلوق کو پال رہا ہے کیا وہ آپ کے اس چھوٹے سے مدرسہ کو نہیں چلائے گا حضرت تھانویؒ نے فرمایا اس کے بعد تسلی ہوگئی میں نے بھی ان کے ان الفاظ پر بھروسہ کر کے دل میں یہی سوچ رکھا ہے کہ اللہ ہی کا کام ہے اسی کے دین مبین کی خدمت ہے وہی امداد فرمائیں گے اس لئے نہ کبھی چندہ کی اپیل کی ہے اور نہ ہی مدرسہ کا کوئی سفیر ہے اور اللہ کے فضل سے موجود چاہے کچھ بھی نہ ہو لیکن کوئی بڑے سے بڑا کام بھی شروع کر دیا تو دل میں ذرا تشویش نہیں ہوتی اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے ہیں۔

﴿ بزرگوں کی دعاؤں کا اثر ﴾

فرمایا کہ مجھے بزرگوں کی دعاؤں سے بڑا فائدہ پہنچا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھویؒ شروع میں تشریف لائے ان کا دو مرتبہ آنا ہوا ایک بار آئے تو میں نے چار پائی صحن میں باہر ڈلوائی پنکھا بھی مانگ کر لگوایا مدرسہ کے معائنہ رجسٹر میں افتتاحی تحریر انہی کی ہے رجسٹر میں سب سے پہلے انہوں نے اپنی رائے لکھی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ تم نے یہاں کیسے مدرسہ بنا لیا یعنی اہل بدعت کے ماحول میں ہمارا تو وہاں سرگودھا ہی میں ان سے تصادم رہتا ہے اور تم یہاں اکیلے بیٹھے ہو میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ حضرات کی دعائیں ہیں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحبؒ ان حضرات کی دعاؤں سے بیٹھا ہوں ورنہ یہ لوگ تو ایک دن بھی نہ ٹکنے دیتے۔

﴿ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تعلیم ﴾

دوسرا مجھے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تعلیم سے بڑا فائدہ پہنچا ہے عقائد کے پھیلانے میں اور مدرسہ کی مالی حالت میں ایک تو یہ کہ ''اپنا عقیدہ چھوڑو نہیں دوسروں کو چھیڑو نہیں'' اس سے مجھے بڑا فائدہ ہوا کہ میں نے کبھی ان لوگوں کی برے الفاظ سے مخالفت نہیں کی ان کی مسجدوں میں سترہ برس تک امامت کراتا رہا ہوں ان کی بدعات سے بھی پرہیز رکھا، کبھی کسی تیجے، چالیسویں میں شامل نہیں ہوا نہ کسی کی فاتحہ کیلئے گیا ہوں ان بدعات ورسومات کی تردید بھی کی لیکن اچھے انداز سے۔

فیشن پرستی کی وبا

ایک مرتبہ کسی اخبار کے ایک ایڈیٹر صاحب آئے کہنے لگے میں لاہور سے آیا ہوں آپ سے ایک بات کرنی ہے میں پڑھا رہا تھا میں نے کہا بیٹھو کہنے لگا میں تو بیٹھ نہیں سکتا وہ پتلون پہنے ہوئے تھا میں نے کہا وہاں آخری کمرہ میں چلے جاؤ جب میں پڑھا لوں گا تو آ کر تم سے بات کروں گا یہاں میرے پاس کرسی تو ہے نہیں خیر چلا گیا جب میں نے سبق پڑھا لیا تو اس کے پاس گیا اس سے پوچھا کہنے لگا میں ایڈیٹر ہوں مدرسوں کے کوائف اکٹھے کر رہا ہوں شائع کرنا چاہتا ہوں اس لئے معلومات کیلئے آیا ہوں میں نے کہا کہ دفتر چلو وہاں کاغذات رکھے ہیں اگر کوئی کاغذ دیکھنا ہوا تو دیکھ لیں گے کہنے لگا میں تو وہاں بیٹھ نہیں سکوں گا میں نے استاد غلام رسول صاحب سے کہا کہ اسے لنگی دو انہوں نے لنگی لادی لنگی باندھنے کے بعد ان کو یہاں اپنے پاس اکرام سے بٹھایا خیر وہ سوالات کرتے رہے میں جوابات دیتا رہا وہ لکھتے رہے اس کے بعد وہ چلے گئے، مولوی تو آزاد ہے انہی کپڑوں میں جہاں چاہے چلا جائے اب ہماری اس لباس میں ہی خدا کے دربار میں حاضری ہوتی ہے ایک دفعہ ڈی سی کے پاس جانا تھا شاہی مسجد کے خطیب منظور شاہ صاحب کہنے لگے کہ پگڑی باندھ لو میں اسی طرح چلا گیا میں نے کہا جب اس لباس میں خدا کے دربار میں جاتے ہیں تو اور کونسی جگہ اس لباس کیلئے مانع ہوگی؟ لوگوں نے خوامخواہ اپنے کو فیشن کا قیدی بنا رکھا ہے جس سے آئے دن اخراجات بڑھ رہے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تربیت کا اثر

حضرت مفتی صاحبؒ نے ملا نیاز صاحب کا واقعہ سنایا کہ یہ آبھہ گاؤں کے پٹھان تھے ان پڑھ تھے مگر اللہ نے رخ دین کی طرف پھیر دیا حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے جوانی میں قرآن پڑھا اور حضرت کے ہاں ہی ملازم ہو کر ساری زندگی وہیں خدمت کی تو ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک مولوی صاحب حضرت تھانویؒ کے مہمان ہوئے تو آپ نے ان کیلئے گھر سے کھانا بھیجا مولوی صاحب کے پاس جب کھانا آیا تو پاس ایک اور مہمان بیٹھے تھے مولوی صاحب نے ان کو بھی دعوت دی کہ آیئے کھانا کھائیں اس پر فوراً ملا نیاز صاحب نے ان کو ٹوکا کہ حضرت یہ کھانا آپ کے کھانے کیلئے ہے آپ کی ملک نہیں اس میں سے آپ کسی کو دے نہیں سکتے تو وہ مولوی صاحب حیران رہ گئے کہ یہ ان پڑھ ہے اور اتنے باریک مسائل سے آگاہ ہے بس یہ حضرت تھانویؒ کی تربیت کا اثر تھا کہ

سن سن کر اور دیکھ دیکھ کر ان کو بھی مسائل یاد ہو گئے ۔

ملا نیاز صاحبؒ کی سادگی

ملا نیازؒ بہت ہی سادہ طبیعت کے تھے پاکستان بننے پر تشریف لائے تو ساتھ ایک بوری مٹی کے ڈھیلوں کی لے آئے بارڈر پولیس نے تلاشی لینا چاہی تو کہا بھائی یہ مٹی ہے ہندوستان سے لایا ہوں مجھے پیشاب کی حاجت زیادہ ہوتی ہے یہ ڈھیلے استعمال کرتا ہوں سوچا تھا کہ لاہور بڑا شہر ہے وہاں یہ ہوں گے یا نہ اس لئے ساتھ لے آیا ہوں ۔ میں بچوں سمیت لاہور ملنے کیلئے گیا کیونکہ تھانہ بھون میں ان کا مکان اور ہمارا مکان متصل تھا خانقاہ اشرفیہ میں اور میری عمر چھوٹی تھی مجھے اچھی طرح جانتے تھے میرے ساتھ عبدالصبور تھا پوچھا عبدالشکور یہ بچہ کون ہے؟ میں نے کہا میرا لڑکا عبدالصبور ہے تو فرمایا اچھا اچھا یہ چھوٹا عبدالشکور ہے اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے بہت ہی سادہ طبیعت کے مالک تھے،

طریقہ تبلیغ و اصلاح

فرمایا کہ میرا طریقہ ہمیشہ سے یہاں اصلاحی رہا ہے اور میں نے نہ تو اپنے موقف کو چھوڑا ہے اور نہ ہی مخالفین کو کبھی برے لفظوں سے مخاطب کیا ہے بلکہ اصلاحی طریقہ سے قرآن وسنت کی روشنی میں اکابرؒ کی اتباع میں طریقہ تبلیغ اختیار کیا ہے اگر میں یہاں ایسی شدت اختیار کرتا جیسا کہ زمانہ حال کے متشدد توحیدی اختیار کئے ہوئے ہیں تو میں تو یہاں سے کب کا کہیں اور چلا جاتا یہ لوگ مجھے یہاں ایک دن بھی نہ ٹکنے دیتے کیونکہ ان کی اکثریت تھی اور یہاں ان کا پیر خانہ تھا لیکن ہمارے مثبت رویہ کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ہمارا اس شہر میں اتنا بڑا مدرسہ ہے اتنی بڑی مسجد ہے اور اتنی بڑی عید گاہ ہے ان لوگوں نے اس شہر میں میرے مقابلہ میں تین مدرسے بنائے لیکن بزرگوں کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی دیکھو آج ایک مدرسہ بھی ان کا بالمقابل نہیں ہے اور ان کے سب لوگ یہاں سے مسائل پوچھ کر جاتے ہیں آخر یہ ہمارے طرز عمل ہی کا ثمر ہے کہ مہاجرین سے زیادہ مقامی حضرات مسجد حقانیہ میں جمعہ پڑھنے آتے ہیں جب سیال والوں کا شیعوں کے ساتھ جھگڑا ہوا تو میں نے یہاں جامع مسجد حقانیہ میں احتجاجی جلسہ کیا مسجد اندر باہر سے بھری ہوئی تھی حالانکہ سردی کا موسم تھا سیال شریف سے خواجہ قمرالدین سیالوی صاحب خود تشریف لائے میں نے ایک گھنٹہ تقریر کی وہ نیچے بیٹھے سنتے رہے میں نے علماء دیوبند کی تاریخ بیان کی اور کہا کہ یہ خواجہ صاحب بیٹھے ہیں آپ حضرات کے سامنے، انہوں نے

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے حدیث کی سند لی ہے اور میں نے شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی سند لی حضرت مدنیؒ اور حضرت سندھی دونوں حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں تو ہمارے دادا استاد ایک ہیں اگر یقین نہ آئے تو ان سے دریافت کرلیں اور پھر میں نے حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مدنیؒ اور حضرت سندھیؒ کے مجاہدانہ کارناموں کو بیان کیا اس کا یہ اثر ہوا کی میری تقریر کے بعد خواجہ قمر الدین صاحب خود کھڑے ہوئے اورانہوں نے اقرار کیا کہ واقعی قاری صاحب (یعنی حضرت مفتی صاحبؒ) نے جو کچھ فرمایا یہ صحیح ہے یہ عالم ہیں ان کا اور ہمارا اختلاف علمی ہے جسے مل بیٹھ کر حل کریں گے اور کسی کو درمیان میں ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں اس کا عوام پر یہ اثر ہوا کہ جب بھی کسی کو کسی مسئلہ کے پوچھنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ بلا جھجک یہاں آتے ہیں اور مسائل پوچھتے ہیں تو ہمارا کیا نقصان ہو گیا بلکہ ان کے لوگ نزدیک آئے تو ہم نے ان کو مسائل سمجھائے آج وہی لوگ جو ایک وقت ہمارے ساتھ کلام کرنا صحیح نہیں سمجھتے تھے ہمارے یہاں آتے ہیں مسئلے پوچھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اس جھگڑا میں یہاں تک ہوا کہ ہم سیال شریف گئے تو میں نے چوہدری علی شیر مرحوم کو کہا تھا کہ جہاں ان کے آدمی آگے کھڑے ہوں تم نے خود بندوق لے کر سب سے آگے کھڑا ہونا ہے چنانچہ وہ مقبول شاہ صاحب کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑے رہے کہ پہلی گولی آئے تو مجھے لگے ہم نے شیعوں کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیا ہے تو دین سمجھ کر دیا ہے کیونکہ اصل دشمنی تشیع سے تھی اور رہے یہ تو اپنے ہی ہم مسلک ہیں فقہ ایک ہے، مذہب ایک ہے اگر کسی بات میں اختلاف ہے تو پیار سے دور ہوگا نہ کہ کفر وشرک کے فتوے دینے سے بلکہ اس سے تو ضد بڑھے گی اور خاک اصلاح ہوگی۔

علماء کا ایک اجتماع

ان دنوں خواجہ قمر الدین صاحب نے سرگودھا میں علماء کا اکٹھ کیا وہاں ان کے علماء دوسرے اضلاع سے بھی آئے ہوئے تھے مجھے خواجہ صاحب نے کہا آپ نے حضرت مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا محمد امیر صاحب بندیالوی کو بلاک نمبر 18 سے لانا ہوگا کیونکہ اور تو آجائیں گے لیکن یہ حضرات مشکل سے آئیں گے میں نے حامی بھر لی کہ میں لے آؤں گا لیکن ان دنوں میں نے ایک کتاب بنام ''ہدایۃ الحیران'' مولوی امیر صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کے خلاف لکھی ہوئی

تھی وہاں تعلقات اچھے نہ تھے لیکن چونکہ شیعوں کے خلاف علماء کا اجتماع تھا اس لئے میں نے حامی بھر لی کہ یہ ہمارا مشترکہ مسئلہ تھا، خیر میں سرگودھا گیا تو میں نے اپنے ساتھ رانا ولی محمد صاحب کو بھی لیا اور کار لے کر بلاک نمبر 18 پہنچے کار ہم نے مدرسہ کے دروازہ پر کھڑی کی اور آدمی اندر بھیجا کہ مولوی محمد امیر صاحب سے کہیں کہ جلدی آئیں ایک جگہ جانا ہے آدمی پہنچا تو وہ جیسے بیٹھے تھے ٹوپی اوڑھی اور آ گئے آتے ہی پوچھا کہ کہاں جانا ہے؟ میں نے کہا وقت کم ہے اندر آ یئے راستے میں بتادوں گا خیر انہوں نے بھی انکار نہ کیا کار میں بیٹھ گئے میں نے بتایا کہ یوں معاملہ ہے وہاں اکٹھ ہے آپ کو لانے کا میں نے ذمہ لیا تھا تو اب وہاں خواجہ قمر الدین صاحب کے ہاں جا رہے ہیں وہاں پہنچے تو خواجہ صاحب حیران رہ گئے خیر اجتماع ہوا مشورے ہوئے جب اختتام ہوا تو سب لوگ جانے لگے تو ایک آدمی آئے کہ خواجہ صاحب نے کہا ہے کہ آپ حضرات ابھی ٹھہریں، ہم چار پانچ علماء کو ٹھہرا لیا کہ چائے پی کر جانا ہم کو دوسرے کمرے میں بلایا وہاں دستر خوان بچھا دیا گیا یہاں مولوی محمد امیر صاحب بیٹھے ساتھ میں پھر حامد علی شاہ صاحب پھر پیر کرم شاہ صاحب سامنے خواجہ قمر الدین صاحب اور چار پانچ علماء تھے وہاں پھر ایک لطیفہ ہوا سب سے پہلے پیالیاں سامنے خالی رکھی گئیں جب مولوی محمد امیر صاحب کے سامنے پیالی رکھی گئی تو انہوں نے الٹی کر دی حامد علی شاہ دیکھ رہے تھے میں بھی دیکھ رہا تھا خیر جب چائے دی گئی ساتھ بسکٹ کیک وغیرہ تھے تو حامد علی شاہ نے کہا مولوی صاحب یہ گیارھویں کی چائے نہیں ہے میں نے جھٹ کہا جناب اگر تیرھویں کی بھی ہو تو آج ہم پئیں گے اور ان کی پیالی میں نے سیدھی کر دی اور خود بسکٹ اور کیک مولوی محمد امیر صاحب کو پکڑائے اب تو انہیں کھانا ہی پڑا چائے پی خواجہ صاحب نے ہمارا شکریہ ادا کیا میں نے کہا جناب شکریہ کی کیا بات ہے یہ تو ہمارا اپنا دینی فریضہ تھا جو ہم نے ادا کیا اس طرح وہ مجلس ختم ہوئی۔

﴿ مدرسہ حقانیہ میں تشریف آوری ﴾

جب خواجہ قمر الدین صاحب کا شیعوں سے جھگڑا ختم ہوا تو ایک دن میں یہیں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا دروازہ بند تھا کتاب دیکھ رہا تھا باہر سے دروازہ کسی نے آہستہ سے کھٹکھٹایا تو میں نے کوئی توجہ نہ دی تھوڑی دیر بعد پھر آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو میں نے جب اٹھ کر باہر دیکھا تو خواجہ صاحب کھڑے ہیں اور صحن لوگوں سے بھرا ہوا ہے خیر میں نے اندر بلایا وہ اندر آ گئے کہنے لگے آپ

نے اس جھگڑے میں ہمارا کافی تعاون فرمایا ہے آپ کا شکریہ ادا کرنے کیلئے آیا ہوں میں نے کہا حضرت یہ ایسی کونسی بات تھی اپنا دین اور اپنا کام سمجھ کر ہم نے یہ فریضہ ادا کیا ہے باتیں ہوتی رہیں ''احیاء العلوم'' کی شرح رکھی تھی اسے اٹھایا اور کہا اچھا یہ کتاب یہاں بھی رکھی ہے میں نے کہا کہ اس کی ساری جلدیں موجود ہیں کہنے لگے واہ بھائی واہ، انہوں نے شاید یہ سمجھا ہوا تھا کہ ان دیوبندیوں کو تصوف سے کیا نسبت حالانکہ جہاں علماء دیوبند مجدد، محدث ومفسر اور مفتی تھے وہاں صوفی بھی اعلیٰ درجہ کے تھے اور تصوف میں بھی ان کو کمال حاصل تھا۔

غیر مسلک والوں سے حسن اخلاق

فرمایا: کہ میرا طریقہ تبلیغ مجمع کے جذبات کو ابھارنے کا نہیں ہے میں تو فتنہ کی جڑ پر کلہاڑا چلاتا ہوں یہاں پر بریلوی حضرات اگر کوئی ایسی بات کہہ دیں تو میں بھی ان کے بڑوں کو جب وہ یہاں آتے ہیں طریقہ سے وہی بات کہہ دیا کرتا ہوں ابھی رمضان شریف میں حاجی صاحب وغیرہ آئے تھے تو میں نے صاف کہہ دیا تھا حاجی صاحب ہمارا آپ کا اختلاف مسلک کا ہے اور رہے گا نہ آپ کے روکے کوئی آدمی رکے گا اور نہ میرے کہنے سے رکے گا نہ آپ کے کہنے سے کوئی مسلک بدلے گا نہ میرے کہنے پر، یہ تو انسان کی اپنی تحقیق اور اعتماد ہے جس پر اعتماد ہوگا اس کی بات مانے گا سب بولے جی ٹھیک ہے، میں نے کہا لیکن اختلاف شرافت سے ہونا چاہئے بدتمیزی سے نہیں سب نے میری ہاں میں ہاں ملادی میں نے کبھی تہذیب سے گری ہوئی بات کسی سے نہیں کی خودخواجہ صاحب سے اکثر باتیں ہوئیں لیکن تہذیب کے دائرہ میں ان کے ساتھ کئی دفعہ مسلک کے بارے میں بات ہوئی لیکن کبھی میری بات سے ناراض نہیں ہوئے اور نہ ہی غصہ کیا اور بات بھی میں نے ہمیشہ اپنی ہی منوائی اور انہیں ہمیشہ اعتماد بھی رہا۔

تحذیرالناس کی عبارت پر مکالمہ

سارے علاقہ میں کوئی ایسا عالم نہیں تھا جو ان کے سامنے بات کرسکتا لیکن میری کئی بار بات ہوئی اچھے ماحول میں ہوئی اور ہر بار میں نے بات اپنی ہی منوائی لیکن تعلقات میں کشیدگی نہیں آئی کیونکہ میں بات کتاب سے کرتا تھا اور دوسرے علماء بغیر کتاب کے باتیں کرتے تھے ایک مولوی...... صاحب نے ایک دفعہ بات کی تو انہوں نے چلنے ہی نہ دی اور انہیں خاموش کرادیا۔

حسین آباد میں مقیم آپ کے شاگرد مولوی عبدالشکور صاحب نے دریافت کیا کہ کبھی عقائد کے بارے میں بھی بات ہوئی تو فرمایا ہاں ایک مرتبہ جب یہ آپ کے محلّہ حسین آباد کا قصہ ہوا تھا میں اور چند اور لوگ تانگوں پر وہاں گئے تھے تو حضرت خواجہ صاحب مولوی نوردین چک منگلہ والے کے جواب میں ایک خط لکھ رہے تھے انہوں نے کہا کہ میں نوردین کو یہ خط لکھ رہا ہوں آپ بھی سنیں وہاں اس وقت کافی لوگ موجود تھے خط پڑھتے رہے ایک جگہ فرمایا کہ دیوبندی تو ختم نبوت کے منکر ہیں میں نے کہا حضرت یہ آپ نے کیا لکھ دیا حالانکہ دیوبندیوں میں سے تو کوئی ختم نبوت کا منکر نہیں، تو جھٹ کہا مولانا قاسم نانوتویؒ نے تحذیرالناس میں نہیں لکھا؟ میں نے کہا حضرت تحذیرالناس آپ کے پاس ہے؟ کہا ہے، میں نے کہا ذرا منگوانا تا کہ میں بھی تو دیکھوں خیر انہوں نے لائبریری سے کتاب منگوائی میں نے کہا حضرت ذرا اس جگہ سے پڑھئے جہاں حضرت نانوتویؒ نے ختم نبوت کا انکار کیا ہے تو انہوں نے کتاب کھول کر پڑھنا شروع کیا مجھے تو علم تھا کہ انہوں نے یہاں سے پڑھنا ہے تھوڑا پڑھ کر خاموش ہو گئے میں نے کہا حضرت آگے پڑھئے تا کہ معلوم تو ہو کہ مصنف کا مدعا کیا ہے؟ میرا مطلب تھا کہ جو لوگ یہاں ہیں سب سن لیں دو تین صفحے جب انہوں نے پڑھ لئے تو میں نے کتاب کے اس صفحہ پر ہاتھ رکھ کر کتاب بند کر کے کہا کہ حضرت فرمایئے مصنف ختم نبوت کو ثابت کر رہا ہے یا انکار کر رہا ہے؟ تو خواجہ صاحب کے بھائی خواجہ فخرالدین صاحب جھٹ بول اٹھے کہ ختم نبوت کو ثابت کر رہا ہے تو میں نے کہا کہ بس آپ کی بات خود بخود غلط ہو گئی کہ حضرت نانوتویؒ ختم نبوت کے منکر ہیں خواجہ صاحب ہنس پڑے پھر انہوں نے وہ خط مولوی نوردین کو آج تک نہ لکھا وہیں بند کر دیا کیونکہ بات سمجھ میں آ گئی اور پھر انہوں نے وہ تحریر دی جو رسالہ ''ڈھول کے پول'' میں شائع ہوئی ہے اگر میں کتاب کے بغیر بات کرتا تو وہ بالکل نہ مانتے۔

خواجہ صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا انہیں دو شوق تھے ایک شکار اور دوسرا کتب کا مطالعہ، اس لئے جب ان کو کتاب دکھائی جاتی تو فوراً مان جاتے کبھی ضد نہ کرتے۔

﴿ مسجد گول چوک سرگودھا کی تعمیر ﴾

ایک مرتبہ جب گول چوک مسجد سرگودھا کی تعمیر شروع ہوئی تو (خواجہ صاحب نے) اس پر اعتراض کیا کہ غلط ہے اوپر مسجد نیچے دوکانیں، کیونکہ مسجد نیچے تک ہوتی ہے، تو میں بھی وہاں موجود تھا تو میں

نے کہا کیا حضرت آپ کے کتب خانہ میں شامی ہے؟ فرمایا ہاں کونسی جلد چاہئے؟ میں نے کہا تیسری جلد منگوایئے انہوں نے منگوائی میرا مسئلہ تو دیکھا ہوا تھا میں نے وہ صفحہ کھول کر آگے کر دیا کہ ذرا یہ پڑھیئے خواجہ صاحب نے پڑھا تو اس مسئلہ کے مطابق مسجد صحیح بن رہی تھی کیونکہ اگر شروع ہی سے اس کی تعمیر اس طرح رکھی جائے تو جائز تھی اور اگر بنی ہوئی مسجد کے بعد اس کے نیچے دکانیں وغیرہ بنائی جاتیں تو وہ ناجائز تھا انہوں نے پڑھ کر فرمایا اچھا شامی میں یہ مسئلہ ہے تو ٹھیک ہے، فوراً مان گئے۔ پھر ان کے بھائی خواجہ فخر الدین صاحب نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں ابا جی کے ساتھ ہندوستان اجمیر گیا تھا تو وہاں بھی میں نے ایک مسجد دیکھی تھی کہ اوپر مسجد ہے اور نیچے تالاب ہے تو پھر انہوں نے بھی تصدیق کر دی۔

اگر میرا مطالعہ نہ ہوتا تو کیسے یہ باتیں ان سے منوالیتا انہوں نے بھی کتاب دیکھ کر ضد نہیں کی میں نے بھی طریقہ سے بات کی بات ایک ہی ہوتی ہے ایک آدمی اس کو کرتا ہے تو غصہ آتا ہے اور دوسرا کہتا ہے تو محسوس ہی نہیں ہوتی۔

ختم نبوت کنونشن میں شمولیت

اسی طرح ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور محمڈن ہال میں ختم نبوت کے سلسلہ میں احرار والوں نے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی صدارت میں کنونشن بلایا تو مولانا ابوالحسنات بریلوی کا رقعہ لے کر مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانی والے خواجہ صاحب کو دعوت دینے آئے اور مجھے ساتھ چلنے کو کہا میں نے مولوی فضل حسین خواجہ خطیب مسجد تیلیاں والی کو ساتھ لیا اور سیال شریف گئے مولانا عبدالرحمٰن صاحب احراری مبلغ ختم نبوت نے رقعہ دیا رقعہ پڑھتے ہی غصہ سے بولے اگر عطاء اللہ شاہ وہاں جائے گا تو میں وہاں نہیں جاؤں گا کیونکہ وہ پیروں کو برا بھلا کہتے ہیں انہوں نے وہاں گولڑہ شریف والوں کو یوں کہا تونسہ شریف والوں کو یوں کہا، پتانہیں کہاں کہاں کے واقعات بیان کئے جو کچھ ان کے دل میں تھا کہتے رہے کئی باتیں غصہ کی بھی کیں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو غصہ آتا آخر احراری تھے اور احراری بولنے کے تو ماہر ہوتے ہی ہیں میں انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کرتا کئی بار وہ بولنے کو تیار ہوئے تو میں نے ان کا گھٹنا دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا کیونکہ ہم وہاں لڑنے تو گئے نہیں تھے ہم نے تو ان کو ساتھ لانا تھا جب قریباً آدھ گھنٹہ تک وہ اپنی بھڑاس نکال چکے اور میں نے

دیکھا کہ اب ان کا غصہ کچھ نرم ہوا ہے تو میں نے کہا کہ خواجہ صاحب شاہ صاحب نے جو کچھ کہا ہے ظاہر ہے آپ نے اپنے کانوں سے نہیں سنا بلکہ لوگوں نے آپ کو آ کر کہا ہے کہ شاہ صاحب نے یوں کہا اور اسی طرح آپ کے بارہ میں بھی شاہ صاحب کو لوگ بتاتے رہتے ہیں کہ خواجہ صاحب یوں کہتے ہیں یوں کہتے ہیں جس طرح آپ کے دل میں ہے اسی طرح ان کے دل میں بھی ہے تو بہتر ہے آپ خود وہاں تشریف لے چلیں تو بالمشافہ بات ہوجائے گی اور حقیقت معلوم ہوجائے گی اس لئے وہاں ضرور چلیں اور میں بھی چلوں گا فوراً بولے آپ بھی جائیں گے؟ میں نے کہا ہاں میں بھی جاؤں گا کہنے لگے اچھا تو میں بھی چلوں گا اور فوراً دعوت نامہ پر دستخط کردیئے اور دو خط بھی لکھ دیئے ایک مجلس ختم نبوت والوں کے نام اور ایک مولانا ابوالحسنات کے نام کہ میں آپ کے ہاں قیام کروں گا وغیرہ، وہاں سے واپس آئے تو مولانا عبدالرحمٰن صاحب احراری بہت خوش تھے کہتے تھے میں تو مایوس تھا آپ نے ایسے انداز سے بات کی کہ فوراً دعوت قبول کرالی پھر خواجہ صاحب ۱۳ر جولائی ۵۲ء کو وہاں پہنچے اور میں بھی پہنچا حضرت عطاءاللہ شاہ صاحبؒ نے استقبال کیا، اور شاہ صاحبؒ بغلگیر ہوکر ملے اور خواجہ صاحب نے وہاں بڑی جامع اور اچھی تقریر کی اور کہا کہ ہم ختم نبوت والوں کے ساتھ ہیں اور تحریک ختم نبوت کو کامیاب بنائیں گے۔

﴿ تحریک ختم نبوت کا تذکرہ ﴾

مولوی عبدالشکور صاحب ساکن محلّہ حسین آباد نے کہا کہ خواجہ صاحب نے ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ساتھ نہیں دیا تھا تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ ساہیوال کی جامع مسجد میاں لال والی میں جلسہ ہوا تو خواجہ صاحب تشریف لائے اور میں بھی خود وہاں چلا گیا خواجہ صاحب تقریر ختم نبوت کے بارہ میں کر رہے تھے ان کے بعد میں نے تقریر کی بازار اور مسجد سب لوگوں سے بھری ہوئی تھی میں نے کہا کہ خواجہ صاحب محلّہ حسین آباد تشریف نہیں لائے تھے اگر اس وقت بھی تشریف لاتے تو شیعوں کا ۳ من کا گھوڑا کبھی نہ گذرتا اب اگر خواجہ صاحب نے ختم نبوت والوں کا ساتھ دیا اور مجھے یقین ہے کہ ساتھ دیں گے تو ان شاء اللہ تحریک ختم نبوت کامیاب ہوگی کیونکہ لاکھوں مرید ان کے ہیں اور سارے مشائخ بھی ان کی بات مانتے ہیں اور میں نے یہ بھی بتایا کہ خواجہ صاحب لاہور بھی ختم نبوت کنونشن میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں پر بھی بڑی جامع تقریر فرما کر تحریک ختم نبوت کو کامیاب

بنانے کا وعدہ فرمایا تھا اور اب ان شاء اللہ ان کے ملنے سے تحریک ضرور کامیاب ہوگی میں نے لاہور کنونشن کے بارے میں لوگوں کو بتایا جس کا خواجہ صاحب نے ذکر نہیں کیا تھا خواجہ صاحب نے کھڑے ہوکر میری تصدیق کی اور اعلان کیا کہ ہم ہر ممکن طریقہ سے تحریک ختم نبوت کا ساتھ دے کر اسے کامیاب بنائیں گے اور خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے لوگوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے لیکن جب تحریک ختم نبوت شروع ہوئی اور حکومت نے راتوں رات سارے ملک میں چیدہ چیدہ علماء کو گرفتار کرلیا سرگودھا میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو رات ہی میں مسجد کا گیٹ توڑ کر گرفتار کیا چودہ آدمی بڑے بڑے گرفتار ہوئے، تونسہ شریف کے گدی نشین سرگودھا آئے ہوئے تھے جب انہیں پتہ چلا تو سیال شریف چلے آئے ہمیں بھی صبح پتہ چلا کہ رات گرفتاریاں ہوگئی ہیں میں دوپہر کو سیال شریف پہنچا تمام گدی نشین اکٹھے تھے میں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ مشائخ کی طرف سے صاحبزادہ فیض الحسن صاحب تو تحریک میں شامل ہیں آپ کا کیا ارادہ ہے؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تونسہ شریف سے صاحبزادہ صاحب آئے ہیں کہ ہم تمام گدی نشینوں کو اکٹھا کر کے مشورہ کریں گے میں نے کہا جناب صاحبزادہ فیض الحسن صاحب تمام گدی نشینوں کے نمائندہ اور لیڈر ہیں ان کی تو گرفتاری ہوگئی اور آپ مشورہ کی سوچ رہے ہیں یہ تو ایسے ہوا کہ فوج کا جرنیل تو لڑ رہا ہے اور فوج ابھی مشورہ کرے کہ لڑے یا نہیں؟ تو سب خاموش ہوگئے آخر خواجہ صاحب کے چچا صاحبزادہ سعد اللہ صاحب نے کہا قاری صاحب یہ بات نہیں کہ ہم تحریک میں شامل ہونے کے بارہ میں سوچ رہے ہیں بلکہ ہم یہ مشورہ کریں گے کہ سب مل کر تحریک کیلئے گرفتاریاں دیں اس لئے مشورہ ہونا ہے میں نے کہا ٹھیک ہے ہم تو جاتے ہیں اب اس فیصلہ کے متعلق میں خود معلوم کرنے آؤں یا آپ بتائیں گے؟ تو انہوں نے کہا نہیں ہم ہی آپ کو بتائیں گے آپ کے آنے کی ضرورت نہیں پھر ہم چار ماہ جیل میں رہ کر بھی آگئے لیکن انہوں نے کچھ نہ بتایا۔

﴿ حضرتؒ کا ایک تاریخی خطاب ﴾

اسی طرح ۱۹۵۱ء میں محلّہ حسین آباد میں جب شیعہ سنی اختلاف ہوا تو ہم نے موچیوں والی مسجد (مسجد گلزار مدینہ) میں گیارھویں محرم کو جلسہ کرنے کا پروگرام بنایا کہ اگر آج ہم نے جلسہ رکھ لیا تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہ جلسہ ہوا کرے گا ورنہ اگر آج نہ ہوا تو پھر ہمیشہ کیلئے رہ جائے گا رات کو خواجہ قمر الدین

سیالوی صاحب ہمارے پاس آئے مجھے اور منظور شاہ کو گھر سے بلوایا اور کہنے لگے کہ آپ صبح محلّہ حسین آباد میں جلسہ نہ کریں کیونکہ فساد کا خطرہ ہے میں نے کہا جناب خواجہ صاحب اگر صبح ہم نے جلسہ نہ کیا تو سرکاری رپورٹ میں لکھا جائے گا، رپورٹ میں صرف شیعوں کے جلسہ کا ذکر ہوگا اور ہمارے جلسہ کا نہ ہوگا لہٰذا صبح ضرور جلسہ ہوگا اس لئے آپ کو بھی آنا ہوگا کہا میں صبح آؤں گا آپ جلسہ ضرور کریں خیر اس وقت بسیں نہیں چلتی تھیں موچیوں نے سیال شریف تانگہ بھیجا کہ جا کر خواجہ صاحب کو لے آؤ لیکن تانگہ خالی واپس آیا اور خواجہ صاحب نہ آسکے اور بھی کوئی مولوی نہ آیا تھا مجھے ہی پھر بولنا پڑا میں نے چھ گھنٹے لگاتار تقریر کی صبح سے ظہر تک اور ظہر کی نماز کے بعد سے عصر تک اکیلے نے تقریر کی کافی پولیس تھی ڈی۔سی صاحب غالباً عبدالحمید تھے پوچھتے تھے یہ مولوی ہے کہاں کا؟ وہ بھی ہندوستان سے ہمارے ہی علاقہ کا تھا سب کہتے تھے یہ تو کوئی ان تھک مولوی ہے وہ دن اور آج کا دن ہر سال گیارھویں محرم کو اہل سنت کا جلسہ اسی مسجد میں ہو رہا ہے اگر اس دن وہاں جلسہ نہ کیا جاتا تو پھر اہل تشیع کا جلوس نکلتا رہتا۔

﴿ سیال شریف میں قیام کی دعوت ﴾

فرمایا کہ شروع شروع میں جب ہم یہاں ساہیوال آئے تو خواجہ قمرالدین سیالوی صاحب نے کہا کہ آپ ہمارے پاس سیال شریف میں بطور مفتی اور مدرس کام کریں میں بھی آپ سے استفادہ کروں گا تو میں نے عذر کر دیا انہوں نے سیال شریف میں مستقل رہائش کی پیش کش بھی کی اور کہا کہ اگر یہاں قیام مشکل ہے تو گاڑی کا بھی انتظام ہے آپ آسانی سے اس پر روزانہ آسکتے ہیں لیکن میں ساہیوال کے حالات کی وجہ سے کہیں بھی قیام نہیں کر سکا۔

﴿ ریل میں نماز پڑھنا ﴾

۷/اپریل ۱۹۸۲ء کو جہلم کے سالانہ جلسہ پر جاتے ہوئے ریل کے ڈبہ میں ہی حضرت مفتی صاحبؒ نے جماعت فرمائی اور بعد نماز فرمایا کہ ایک مرتبہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں، میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو گاڑی پر سوار کرانے کیلئے گیا تو حضرت نے گاڑی کے اندر ہی نماز ادا فرمائی حالانکہ گاڑی چلنے میں ابھی وقت تھا باہر بھی ادا فرما سکتے تھے اور فرمایا کہ گاڑی سے باہر نماز پڑھنے کی بہ نسبت اندر پڑھنے سے زیادہ سکون ہوتا ہے اور یہ فکر نہیں رہتی کہ کہیں گاڑی نہ چل پڑے پھر حضرت مولانا

ظفر احمد صاحبؒ کا ہی ایک واقعہ سنایا کہ انہوں نے مجھے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ مولانا محبّ الدین صاحب مہاجر مکیؒ سعودی عرب سے ہندوستان تشریف لائے ان کی زیارت کیلئے اسٹیشن پر گئے ان سے ملاقات ہوئی تو وہ کلاس ون میں سفر کر رہے تھے مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے فرمایا میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ بزرگ اتنے بڑے درجہ میں کیوں سفر کر رہے ہیں حالانکہ بزرگوں کو تو سادگی چاہئے چونکہ وہ حضرت صاحب کشف تھے اس لئے باتوں میں ہی فرمایا کہ بھائی اس درجے میں اس لئے سفر کیا ہے کہ نماز پڑھنے میں آسانی رہے اس درجہ میں رش کم ہوتا ہے اس لئے آسانی سے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

﴿ حضرت تھانویؒ کا مقام ﴾

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے خود مجھے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے ان حضرت مولانا محبّ الدین سے حضرت تھانویؒ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے حضرت گنگوہیؒ مجدد تھے اب ان کے بعد حضرت تھانویؒ اس دور کے مجدد ہیں اور وہ ایک تفسیر لکھ رہے ہیں جو جامع ہوگی کیونکہ اب وہ مقام علم پر ہیں جو کہ تصوف میں سب سے بڑا مقام ہے۔

﴿ مناظرہ جھوک دابیہ ﴾

فرمایا کہ جھوک دابیہ میں شیعہ سنی مناظرہ خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی نے کرایا تھا میں بھی دوسرے روز اس میں چلا گیا میں سیدھا ہی گہنہ خان کی مسجد میں گیا جب علامہ دوست محمد قریشی صاحبؒ اور مولانا سید احمد شاہ صاحب کو پتہ چلا کہ میں آیا ہوں تو وہیں مسجد میں چلے آئے اور پہلے دن کے مناظرہ کے متعلق بتانا شروع کیا اور کہا کہ کل کو باغ ''فدک'' کے مسئلہ پر مناظرہ ہونا ہے جب خواجہ قمر الدین صاحب کو معلوم ہوا تو وہ بھی وہیں مسجد میں چلے آئے اور کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ تشریف لائے ہیں علامہ دوست محمد صاحبؒ نے فرمایا ابھی میٹنگ ہونی ہے آپ بھی تشریف لائیں اور اپنے مشوروں سے نوازیں تاکہ ایک مسودہ تیار ہو جائے میں بھی مشورہ میں حاضر ہوا وہاں بات چلتی رہی آخر میں سید احمد شاہ صاحبؒ نے ایک بات فرمائی کہ یہ بھی نوٹ کرلیں میں نے کہا کہ اس کو رہنے دیں آخر علامہ دوست محمد صاحبؒ نے فرمایا اچھا لکھ لیتا ہوں مناسب موقع پر اگر ذکر آیا تو خیر ورنہ نہیں پھر مناظرہ ہوا علامہ دوست محمد صاحبؒ نے خوب مناظرہ کیا گو شیعوں کا مولوی اسماعیل بڑا

ہوشیار تھا مگر علامہ صاحب نے اس کی ایک نہ چلنے دی آخر اس نے فدک کے متعلق بخاری کی روایت پیش کی جس میں امام زہری راوی ہیں تو قریشی صاحب نے کہہ دیا کہ شیعہ کتب کی رو سے وہ شیعہ ہے شیعہ اسے اپنا امام مانتے ہیں لیکن مولوی اسماعیل نے سنیوں کی کتب کے حوالے دینے شروع کر دیئے خیر مناظرہ ختم ہوا۔

مناظرہ کے بعد ایک دفعہ فروکہ علامہ قریشی صاحبؒ تشریف لائے اس وقت وہاں تانگے جاتے تھے میں بھی ساتھ ہولیا راستہ میں میں نے علامہ قریشی صاحبؒ سے ابن شہاب زہریؒ کے واقعہ اور مناظرہ جھوک دایہ کی بات چھیڑ دی میں نے ان سے کہا کہ ہمارے پاس اور دلائل کیا کم ہیں جب آپ ابن شہاب کو شیعہ کہہ رہے ہیں تو سنی کتب میں ایسی احادیث بھری پڑی ہیں جو ابن شہاب سے مروی ہیں اس لئے میرا مشورہ یہی تھا کہ یہ حوالہ پیش نہ کیا جائے لیکن آپ نے مجبوراً پیش کر دیا مولوی اسماعیل ہوشیار اور چالاک تھا اس نے اس بات کو خوب اڑایا دیوبند سے فتویٰ لیا اور اسے شائع کیا علامہ صاحبؒ نے میرے مؤقف کو تسلیم کیا پھر ایک بار سید احمد شاہ صاحب چوکیرویؒ آئے تو میں نے وہی بات ان سے بھی کی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے تو الزاماً جواب دیا تھا میں نے کہا شاہ صاحب جب مخالف ہماری کتاب سے دلیل دے رہا ہے تو ہمیں اپنی کتب سے اس کا رد کرنا ہے نہ کہ مخالف کی کتب سے جواب دینا ہے اس وقت ہم نے الزاماً جواب نہیں دینا بلکہ تحقیقی جواب دینا ہے چونکہ اس سے قبل شاہ صاحب اپنی کتاب ''تحقیق فدک'' میں ابن شہاب کے بارہ میں الزامی طور پر لکھ چکے تھے کہ وہ شیعہ ہے تو انہوں نے فرمایا کہ آئندہ کے ایڈیشن میں ان شاء اللہ اس کو ختم کر دوں گا احقر (ناقل) نے عرض کیا کہ حضرت شاہ صاحب نے اگلے ایڈیشن میں ابن شہاب کے بارے میں لکھ دیا ہے کہ ''بعض احباب کے اصرار پر الزامی جواب کو میں نے چھوڑ دیا ہے اب تحقیقی جواب حاضر ہے'' تو حضرت مفتی صاحبؒ نے بہت خوش ہو کر فرمایا کہ ہماری محنت کارگر ہوئی اور شاہ صاحبؒ بھی مخلص تھے انہوں نے اس بات کو مان کر اپنی کتاب سے نکال دیا یہ ان کی نیک نیتی کی دلیل ہے جو کم لوگوں میں پائی جاتی ہے

﴿ کتاب حیات الاموات کی اشاعت کا واقعہ ﴾

فرمایا کہ ایک مرتبہ سرگودھا میں حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحبؒ کی تقریر تھی تو چونکہ شاہ صاحب عموماً مولانا غلام اللہ خان صاحب کے مدرسہ کے جلسہ پر تقریر کرنے جاتے رہتے تھے اس

لئے میں نے حضرت مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحب (ضلعی خطیب سرگودھا) کی معرفت ان سے بات کی میں نے کہا کہ آپ ان لوگوں کے سٹیجوں پر جاتے ہیں گو آپ کا عقیدہ صحیح ہے لیکن عوام کو دھوکہ ہوتا ہے بہتر ہے آپ نہ جایا کریں یہ سن کر ان کے چہرے پر بل آیا اور فرمایا میں تو غلام اللہ خان صاحب کو مجاہد فی سبیل اللہ سمجھتا ہوں خیر ہم موقع دیکھ کر خاموش ہو گئے اب مزید بات کرنی فضول تھی لیکن دل میں بہت دکھ ہوا خیر ایک بار جب علامہ عبدالستار صاحب تونسوی تشریف لائے تو میں نے ان سے وقت لیا میں نے کہا کہ اس وقت آپ بھی ہوں گے اور سید نور الحسن شاہ صاحب بھی اور آپ کے دفتر تنظیم اہل سنت ملتان میں ہی بات ہوگی خیر انہوں نے وقت دے دیا میں ایک دن پہلے ہی مدرسہ خیر المدارس ملتان پہنچ گیا وہاں حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری صدر مدرس جامعہ ہذا اور چیدہ چیدہ علماء کو اس بارے میں بتایا دوسرے روز بعد دوپہر ہم دفتر تنظیم اہل سنت میں گئے وہاں سید نور الحسن شاہ صاحب کو بھی بلوایا گیا وہاں مماتیوں کا یہ مسئلہ پیش ہوا حضرت علامہ عبدالستار صاحب مدظلہ نے شاہ صاحب سے بات کی اور باقی حضرات نے بھی شاہ صاحب سے کہا تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے آپ حضرات جو بات پاس کریں مجھے منظور ہے خیر طے یہ ہوا کہ شاہ صاحب مسئلہ حیات پر ان کے خلاف کتاب لکھیں تب سابقہ تقریروں کی تلافی ہوگی شاہ صاحب نے عذر کیا کہ میرے پاس اس بارہ میں مواد نہیں ہے تو مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ نے میرا نام لے کر فرمایا کہ یہ آپ کو مواد فراہم کریں گے تو پھر شاہ صاحب نے حامی بھر لی دو ہی دن میں میں نے اس موضوع پر مواد اکٹھا کیا اور مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ ہی کی وساطت سے شاہ صاحب کو پہنچا دیا گیا مفتی صاحب موصوف خود شاہ صاحب کو دے آئے پھر شاہ صاحب نے ''حیات الاموات'' نامی رسالہ لکھا جس کے شائع ہونے کے بعد مولوی غلام اللہ خان صاحب نے شاہ صاحب کے خلاف ملتان آ کر تقریر کی اور شاہ صاحب نے بھی عہد کیا کہ آئندہ میں بھی غلام اللہ خان صاحب سے نہ بولوں گا اور نہ کلام کروں گا۔

مولانا سید عنایت اللہ گجراتی سے ایک ملاقات

فرمایا کہ سید عنایت اللہ گجراتی سے میری پہلی ملاقات سلانوالی حکیم شریف الدین کرنالوی مرحوم کے مدرسہ میں ہوئی تھی اس وقت ان کے عقائد کھل کر سامنے نہ آئے تھے بہت بعد میں جامعہ

خیرالمدارس میں انہوں نے اپنا عقیدہ ظاہر کیا جس کی اسی سٹیج پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ نے تردید فرمائی تو حکیم شریف الدین صاحبؒ نے شاہ صاحب سے کچھ باتیں شروع کر دیں باتوں باتوں میں مسئلہ سماع موتی شروع ہوا تو حکیم صاحب نے شاہ صاحب کو ''فتاویٰ رشیدیہ'' سے دکھایا کہ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ نے مسئلہ سماع موتی کو مختلف فیہ لکھا ہے اور آپ سماع موتی کو شرک کہتے ہیں اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ بھی اجماعی ہے اس پر شاہ صاحب نے اور تو کچھ نہیں کہا بس اتنا کہا کہ ''کیا کہیں جی بس بزرگ جو ہوئے'' ان کے اتنا کہنے پر بھی مجھے اتنا دکھ ہوا کہ یہ شخص حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بزرگ بھی مان رہا ہے اور ان کے خلاف اپنی تحقیق پر بھی ڈٹا ہوا ہے۔

میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ سے عقیدت

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام کے سالانہ جلسہ پر جاتے ہوئے راستہ میں ریلوے ملازم محمد بشیر صاحب اسی ڈبہ میں سوار ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ کی باتیں بڑی توجہ سے سنتے رہے حضرت نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں کہاں جا رہے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں ریلوے میں ملازم ہوں میرا اصلاحی تعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ سے رہا ہے اور ہندوستان سے حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے گاؤں کا ہوں یہ سنتے ہی حضرت مفتی صاحبؒ اس شخص سے لپٹ گئے اسے سینے سے لگایا، اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور رونے لگ گئے اور ہم بھی یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے پھر فرمایا کہ تم تو ہمارے دادا پیر کے شہر کے ہو جو حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی نوراللہ مرقدہ کے پیر تھے پھر فرمایا کہ میں بچپن میں اس گاؤں میں اکثر جایا کرتا تھا جب دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا تو وہاں کے ایک دوست حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ کراچی والوں کے گھر جایا کرتے تھے اور کھچڑی کھایا کرتے تھے فرمایا وہاں کے بیر اور سہارنپور کے گنے بڑے مشہور تھے بیر اتنے بڑے ہوتے تھے کہ چاقو سے چھیل کر ہم کھاتے تھے جیسے سیب اس طرح کافی باتیں ہوتی رہیں پھر اگلے اسٹیشن پر وہ اتر گئے۔

دین تجارت کا ذریعہ نہیں

فرمایا کہ بعض علماء نے اب دین کو تجارت کا ذریعہ بنالیا ہے حالانکہ پہلے بزرگوں میں یہ بات نہ تھی خود ہمارے زمانہ کے بزرگ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ساہیوال تشریف لائے میں کار

پر جھنگ تک چھوڑنے گیا جب اسٹیشن پر گئے میں نے ٹکٹ خریدنا چاہا لیکن مولانا نے ٹکٹ اپنی جیب سے خریدا مجھے نہ خریدنے دیا اور آج یہ دور ہے پہلے فیس مقرر کی جاتی ہے ایک مرتبہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ ساہیوال مدرسہ کے جلسہ پر تشریف لائے تقریر کے بعد فرمایا کہ اب کیا حکم ہے میں نے عرض کی جیسے مناسب سمجھیں اگر آج جانا ضروری ہے تو ٹھہرنے کی تکلیف نہیں دیتا ورنہ ٹھہر جایئے تو انہوں نے واپسی کا اظہار فرمایا میں نے اجازت دے دی جاتے وقت کرایہ پیش کیا انہوں نے دیکھا بھی نہ جو مشکل سے دو آدمیوں کا کرایہ تھا بعد میں شمشاد نے کہا آپ نے ذرا اصرار نہ کیا ٹھہرنے کا میں نے کہا ان سے کوئی اجنبیت تو تھی نہیں انہیں ضروری جانا تھا اس لئے مخل نہ ہوا ۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب شجاع آبادی تشریف لائے حضرت مولانا عبدالستار تونسوی ان کو راستہ میں چھوڑ گئے انہیں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی حوالہ چاہیئے تھا وہ میں نے بتایا رات کو ان کی تقریر ہوئی تقریر کے بعد ہی انہوں نے جانے کا اظہار کیا جب جانے لگے تو میں نے جیب سے پیسے نکال کر انہیں دیئے انہوں نے بھی بغیر دیکھے جیب میں رکھ لئے نہ میں نے دیکھا کہ کتنے تھے گھر واپس آیا تو مجھے یاد آیا کہ میری جیب میں تو صرف دس روپے تھے جو میں نے مولانا صاحب کو دیئے اور مجھے یہ احساس ہوا کہ اگر راستہ میں ان کو کرایہ میں پورے نہ ہوئے تو انہیں خوامخواہ میری وجہ سے پریشانی ہوگی اس خیال سے بڑی پریشانی لاحق رہی اور شرمندگی بھی پھر میں نے بعد میں ان کے نام پیسے منی آرڈر کئے انہوں نے وصول کر لئے لیکن اس بات کا اظہار تک نہ کیا۔ فرمایا کہ مجھے خود کئی بار جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، علوم شرعیہ جھنگ جلسوں پر جانا ہوتا ہے لیکن اکثر کرایہ نہیں لیتا ایک دفعہ ہرنولی گئے انہوں نے کرایہ پیش کیا تو ان کے اصرار پر صرف ایک آدمی کا کرایہ لیا۔

مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کا اخلاص

فرمایا حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ بڑے خطیب تھے زبان پر ایک سحر تھا ساری رات تقریر فرمایا کرتے اللہ تعالیٰ نے غضب کی خطابت عطا فرمائی تھی انگریزوں کے خلاف جہاں تقریر ہوتی آگ لگا دیتے تھے آج لوگ نقالی کرتے ہیں لیکن وہ تو خدائی عطیہ تھا جو ان کو عطا ہوا آج تک کوئی ان کا ناقل نہ بن سکا ایک مرتبہ سرگودھا میں ختم نبوت کا جلسہ ہوا حضرت مولانا محمد علی

جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی جامع تقریر فرمائی صبح ہوگئی سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے بھی تقریر کرنی تھی انہوں نے فرمایا کہ بس محمد علی جالندھریؒ کی تقریر ہوگئی مقصد پورا ہوگیا بس دعا کر کے چل دیئے ایک وہ وقت تھا اور ایک آج وقت ہے کہ مقررین ناراض ہوتے ہیں کہ تقریر کرانی نہ تھی تو پھر وقت کیوں لیا تھا پہلے لوگوں میں اور آج کے لوگوں میں اخلاص کا بڑا فرق تھا پہلے حضرات اخلاص سے کام کرتے تھے فرمایا ایک مرتبہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یو۔پی میں تقریر فرمائی علامہ مرحوم کو علماء دیوبند میں سے تقریر کا بڑا ملکہ تھا وہاں تعلیم یافتہ لوگوں میں چار گھنٹے بیان ہوا بعد میں حضرت تھانویؒ کی تقریر تھی لیکن حضرت نے فرمایا کہ بس مولوی شبیر احمد کی تقریر ہوگئی لیکن مجمع بہت تھا لوگوں نے اصرار فرمایا تو آپ نے اسی آیت کی تشریح فرمائی اور فرمایا کہ مولوی شبیر احمد صاحب نے علم پر تقریر کی ایک پہلو رہ گیا عمل والا پھر اس پر پانچ گھنٹے بیان فرمایا اور فرمایا اصل مثال تو یہ ہے کہ ''پدر نہ کند پسر تمام کند''، لیکن آج مثال الٹی ہوگئی اس کا عکس ہوگیا۔

حضرت شاہ صاحب بخاریؒ کی دکھ بھری بات

فرمایا ایک بار حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی ملاقات کیلئے حاضر ہوا اور ان سے وہ آخری ملاقات ثابت ہوئی نماز مغرب کے بعد جب گھر جانے لگے تو راستہ میں ملاقات ہوئی میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو کر باتوں باتوں میں فرمایا کہ جب یہ زبان چلتی تھی تو سب اپنے تھے کوئی کہیں کھینچ رہا ہے کوئی کہیں آج سب چھوڑ گئے بجز مولانا محمد علی جالندھریؒ کے انہوں نے وفا کا حق ادا کر دیا پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ شام کے بعد فقیر و گدا اگر بھیک مانگنے کیلئے نکلتے ہیں تو میں بھی شام سے عشاء تک اللہ تعالیٰ سے بھیک مانگتا ہوں یہ وقت میرا دعا کا ہوتا ہے سبحان اللہ کیا حضرات تھے۔حضرت شاہ صاحب کی اس بات سے بڑا دکھ ہوا پھر فرمایا کہ خطیبوں کے ساتھ ان کی آواز سے محبت ہوتی ہے جب تک آواز رہتی ہے لوگ محبت کرتے ہیں جب آواز نہ رہی تو لوگوں نے چھوڑ دیا لیکن خطباء و مقررین کے بالمقابل اساتذہ و مشائخ کی لوگ بڑھاپے میں بھی خدمت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور ہاتھوں پر اٹھائے پھرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دیتے ہیں اب شاہ صاحب سے بڑا کوئی خطیب پاک و ہند میں نہیں ہوسکتا جب ان کا یہ حال تھا تو دوسروں کا کیا ہوسکتا ہے؟

حضرت شاہ صاحبؒ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں

فرمایا کہ جب حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو حضرت شاہ صاحب بخاریؒ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کو ساتھ لے کر حضرت تھانوی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضرت پہلے شاہ صاحب کشمیریؒ سر پرستی فرماتے تھے وہ تو اللہ کو پیارے ہو گئے اب حاضر ہوا ہوں کہ مجلس احرار کی آپ سر پرستی فرمائیں اور دعاء بھی فرمائیں حضرت تھانویؒ نے حامی بھر لی اور فرمایا کہ میں جس کام کا ہوں ضرور کروں گا پھر شاہ صاحب نے ٹوپی اتاری اور سر جھکا کر عرض کیا حضرت پھر شفقت کا ہاتھ سر پر پھیر دیں حضرت تھانویؒ نے شفقت کا ہاتھ سر پر پھیرا شاہ صاحبؒ نے کچھ ہدیہ پیش کرنے کی اجازت چاہی تو حضرتؒ نے اجازت فرمائی تو دوڑ کر گئے اور دوسرے کمرہ سے لوکاٹوں کا ٹوکرا لا کر پیش کیا۔

بعد میں مولانا خیر محمد صاحبؒ نے جب شاہ صاحب سے پوچھا کہ شاہ صاحب آپ دوڑ کر کیوں گئے تھے تو فرمایا بھائی حضرتؒ کا مزاج شاہانہ ہے میں نے سوچا جلدی پیش کر دوں کہیں بعد میں حضرتؒ انکار ہی نہ فرمادیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ اور مولانا خیر محمد صاحبؒ

ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے خود مجھے فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ شاہ صاحب سے کہا کہ آپ پنجابی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھیں کیونکہ شاہ صاحب قرآنی آیات کا ترجمہ وتفسیر بڑے اچھے پیرائے میں فرماتے تھے حالانکہ مولانا خیر محمد صاحبؒ خود جامع کمالات واوصاف شخصیت تھے ان کو علم بھی تھا کہ شاہ صاحب نے دورہ حدیث نہیں کیا۔

ایک بار شاہ صاحبؒ نے تقریر فرمائی تو اس میں کوئی جملہ فرمادیا بعد میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت میں نے تقریر میں یہ جملہ کہا ہے درست ہے یا نہ؟ تو مولانا نے فرمایا بھائی معلوم نہیں کہیں دیکھا نہیں کئی دنوں کے بعد کسی تفسیر کا مطالعہ کر رہا تھا تو بالکل وہی جملہ اس میں پایا مولانا خیر محمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بعد میں شاہ صاحبؒ کو بتایا تو وجد میں آ گئے۔

اور فرمایا کہ شاہ صاحب بخاری اتنے بڑے مقرر ہونے کے باوجود ان کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے پاکستان میں اپنا مکان تک نہیں لیا تھا بلکہ کرایہ کے مکان میں ساری زندگی گذار دی۔

علامہ دوست محمد قریشیؒ کے محبت کے واقعات

فرمایا علامہ دوست محمد قریشی مرحوم بڑی محبت فرماتے تھے جب کبھی اس علاقہ میں تقریر کیلئے تشریف لاتے تو آتے ہوئے یا جاتے ہوئے ضرور مل کر جاتے ایک دفعہ موضع خشکن میں یا کہیں اور آئے واپسی پر جلدی تھی اور وقت کم تھا مدرسہ کے دروازہ تک آئے اور فرمایا شاہ صاحب السلام علیکم بس اب میں جارہا ہوں جلدی ہے میں نے سوچا ادھر ہی سے ہو کر زیارت کرتا جاؤں میں بھی اڈہ تک ساتھ ہولیا راستہ میں باتیں ہوتی رہیں ایک مرتبہ موضع آہیر سرخرو جارہے تھے تو سڑک پر ہی تانگہ رکوا کر آئے اور خیریت پوچھی میں نے بھی کمرہ بند کیا اور ان کے ساتھ آہیر سرخرو تک چلا گیا آخر وہ اتنی محبت کرتے تھے ہم کیوں نہ کریں ایک بار میرے ساتھ آئے میں بھی ان کے ساتھ آیا تھا ہم یہاں مغرب کے بعد مدرسہ میں پہنچے آتے ہی فرمایا بس جو کچھ گھر میں پکا ہو لیتے آئیں تکلف نہ کریں تو بچے بھی جو کچھ پکا تھا لے آئے سالن میں روٹی چور کر کے خوب سیر ہو کر کھائی بعد میں فرمایا کہ آج میں نے گھر کی طرح کھانا کھایا ہے ایک دفعہ تشریف لائے اور آتے ہی خود گھر بچہ بھیج کر کہلوایا کہ مونگ کی دال پکا دیں مجھے معلوم ہی نہ ہوا میں نے پوچھا کیا کھائیں گے تو فرمانے لگے میں نے گھر کہلوا دیا ہے جب کھانا آیا تو خوب پیٹ بھر کر کھایا اور یہ بھی فرمایا کہ روز گوشت کھا کھا کر جی بھر گیا تھا یہ تو اپنا گھر تھا اس لئے اپنی پسند کا سالن بنوالیا مفتی صاحبؒ نے فرمایا بتاؤ جی ایسے مہمان سے کیا تکلیف ہوگی جو تکلف نہ کرے وہ تو جتنے دن رہے کوئی تکلیف ہی نہ ہوگی ایک دن افسوس کرتے ہوئے فرمایا یہ تھا بے لوث محبت کرنے والے کا ذاتی برتاؤ لیکن اب ایسے حضرات بہت کم ہیں۔

پیر جی عبداللطیف صاحبؒ

بزرگوں کے تذکرہ کے دوران بتایا کہ ایک پیر جی عبداللطیف صاحب تھے پاکستان آ کر وفات پائی لاہور میں ان سے ملاقات ہوئی ان کا اباجیؒ کے ساتھ کافی تعلق تھا انہوں نے پہلا حج اباجیؒ کے ساتھ کیا تھا مجھے الگ لے جا کر فرمایا کہ میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں اور بات یہ ہے کہ دوسرے حج پر جب میں گیا اس وقت آپ کے والد مفتی عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا تھا مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر پر درود وسلام کی حاضری کے بعد جب میں واپس ہونے لگا تو میں نے وہاں مفتی صاحبؒ کو مسجد نبویؐ میں دیکھا میں نے ان کو پہچان لیا اور دل میں بہت خوشی ہوئی کہ ان سے یہاں

ملاقات ہوگئی اس وقت ان کی وفات کا بالکل احساس نہ ہوا یاد ہی نہ رہا میں خوشی میں دوڑ کر ان کے پاس پہنچا انہوں نے چادر اوڑھی ہوئی تھی میں نے چادر کا پلہ پکڑ کر مولانا کو مخاطب کیا بس پلہ تو میرے ہاتھ میں رہا لیکن مولانا غائب اب مجھے جتنی خوشی ہوئی تھی اتنی ہی مجھ پر حیرانگی اور افسوس ہوا پھر یاد آیا کہ ان کا تو پاکستان میں انتقال ہو چکا سوچتا ہوں مگر اس کا حل میرے ذہن میں نہیں آیا اب آپ ہی بتا ییئے؟ میں نے کہا کہ حضرت یہ آپ کا ان سے تعلق اور لگاؤ تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی فرحت وخوشی کیلئے ان کی مثالی صورت آپ کو دکھا دی اور یہ ناممکن نہیں ہے صوفیا نے اس کی بڑی تفصیل لکھی ہے حضرت مجددؒ نے بھی اپنے مکتوبات میں اس پر بڑا کلام کیا ہے اس لئے تجدد امثال کی اصطلاح صوفیاء کے ہاں مشہور ہے عام لوگوں کو اس کی حقیقت معلوم نہیں وہ اسی کو حاضر وناظر بنا دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے

﴿ قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴾

قاری رحیم بخش رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے دین کی بڑی خدمت کی پاکستان بننے سے پہلے ہی ملتان آ گئے تھے مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ نے اپنی مسجد میں رکھ لیا پھر ان کے مجلس ختم نبوت میں لگنے کی وجہ سے آپ ہی نے خطابت اور پڑھانا شروع کر دیا حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ نے ایک مرتبہ مجھے لکھا کہ مدرسہ میں ایک قاری کو رکھنا چاہتے ہیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں نے یہاں کی صورت حال لکھ بھیجی پھر بعد میں انہوں نے قاری رحیم بخش صاحب مرحوم سے بات کر لی اور آپ وہاں آنے لگ گئے مسجد کا تعلق بھی نہ چھوڑا اور مدرسہ میں بھی پڑھاتے رہے کتابیں بھی بہت لکھیں قرآن مجید کی خوب خدمت کی کئی علماء ان کے شاگرد ہیں کئی شاگرد تو بالکل ان کی جانشینی کر سکتے ہیں اور ان پر ان کا رنگ غالب ہے مثلاً مولانا قاری طاہر صاحب پر تو بالکل مولانا کا رنگ غالب ہے وہ خوب خدمت کر رہے ہیں۔

﴿ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ ﴾

فرمایا کہ: حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت تھانہ بھون میں ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کو مناظرہ کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا آج کل کے مناظرین مولانا منظور نعمانی وغیرہ انہیں کے شاگرد ہیں ان کا بہت بڑا کتب خانہ تھا بعض کتب دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں نہ تھیں لیکن ان کے پاس تھیں ان کی طبیعت ظریفانہ تھی ایک مرتبہ مولانا عبدالحق صاحبؒ جوان کے

شہر کی شاہی مسجد کے خطیب تھے انہوں نے کوئی تحریر لکھی تو وہ مولانا چاند پوریؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت اقدس میں دیکھنے کیلئے بھیجی حضرت نے اسے اباجیؒ کے پاس بھیج دیا کہ اس پر لکھ دیں چونکہ حضرت تھانوی اکثر اباجی کو لکھنے کیلئے فرما دیا کرتے تھے اباجی نے اس پر لکھ کر بھیج دیا بعد میں جب ایک بار خانقاہ میں تشریف لائے تو آتے ہی والد صاحبؒ سے مطالبہ کیا کہ مٹھائی کھلائیں اباجیؒ نے مسکرا کر دریافت فرمایا کہ بھائی کیسی مٹھائی، تو فرمایا کہ تم نے جو جواب لکھ کر بھیجا تھا اس کی چونکہ مجھے توقع نہ تھی کہ ایسی تحریر آپ لکھیں گے بلکہ مجھے تو یہ توقع تھی کہ ایسا جواب حضرتؒ ہی لکھ سکتے ہیں آپ نہیں لیکن آپ کی تحریر پڑھ کر میں حیران رہ گیا اس لئے آپ سے مٹھائی مانگ رہا ہوں۔

﴿ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا مجاہدہ ﴾

فرمایا کہ جس روز ہمارا بخاری شریف کا ختم کا دن تھا اس روز صبح کو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ نے درس حدیث شروع فرمایا نماز ظہر تک پھر ظہر سے عصر تک پھر مغرب تک پھر مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک پھر عشاء کی نماز کے بعد صبح تک درس دیتے رہے نماز کے بعد پھر درس حدیث شروع فرمایا قریباً آٹھ بجے تک درس دیا حالانکہ آپ بوڑھے بھی تھے درس کے ختم پر بعض شاگردوں نے آپ سے اپنی خصوصی سندوں پر دستخط بھی کرائے آپ نے سفر پر شاید ڈھاکہ جانا تھا باہر تانگہ تیار تھا میں نے حضرت کی تکلیف کی وجہ سے یہ خیال کر کے آپ کل سے لگاتار درس دیتے رہے او اب سفر بھی کرنا ہے اپنی سند پر دستخط نہ کرائے اور سوچا بعد میں کرالوں گا لیکن قدرت خداوندی کہ پھر بعد میں کوئی ایسا موقع ہی میسر نہ آیا اور حضرت سے خاص سند حاصل نہ کر سکا اگر چہ دارالعلوم دیوبند کی سند پر حضرتؒ کے دستخط موجود ہیں۔

﴿ خدمت کے آداب ﴾

ایک روز پوچھا کوئی بچہ ہے مدرسہ میں، چونکہ عید کی چھٹیاں تھیں میں نے دیکھا تو کوئی بچہ نہیں تھا میں نے اندازہ لگایا کہ حضرت پانی منگوانا چاہتے ہیں میں نے عرض کی کہ پانی منگوانا ہے تو میں لا دوں فرمایا ہاں جب میں پانی کا جگ بھر کر لایا تو فرمایا گلاس میں پانی ڈال دو میں نے پانی ڈالنے کیلئے جگ لانا چاہا تو فرمایا نہیں، گلاس کو وہاں رکھ کر اس میں پانی ڈالو یہاں پانی دری پر گرے گا تو میں نے وہیں گلاس کو رکھ کر پانی ڈالا اس پر فرمایا کہ خدمت کرنے کے بھی آداب ہیں اگر ان کے مطابق خدمت

کی جائے تو راحت ہوتی ہے ورنہ تکلیف اور پریشانی کا باعث بنتی ہے اس لئے ہر ایک سے خدمت کا کام نہیں لیتا اور یہ حضرت مرشدی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تربیت کا اثر ہے وہاں کے حالات آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہیں وہاں ہر چیز کا نظم تھا حضرت نے ہر کام پر آدمی مقرر کئے ہوئے تھے اگر ان کا کام کوئی دوسرا کرنے لگتا تو وہ ٹوک دیتے تھے ایک دفعہ کوئی صاحب حضرت حکیم الامت کے پاس بیٹھے پنکھا جھول رہے تھے پنکھا چھت میں لگا ہوا تھا اور اس کی رسی کو وہ آہستہ آہستہ کھینچ رہے تھے وہاں بجلی کے پنکھے نہ تھے بلکہ حضرت نے خانقاہ میں بجلی لگوائی ہی نہ تھی مسجد میں بھی تیل کے لیمپ جلتے جن کے اوپر شیشی لگی ہوتی ہے خیر وہ پنکھا جھول رہے تھے ایک اور آدمی نے ان سے رسی لے کر پنکھا کھینچنا شروع کیا تو ہوا میں فرق پیدا ہوا کیونکہ جس طرح وہ پہلے چلا رہے تھے وہ حضرت کی منشاء کے موافق تھا دوسرے آدمی کے رسی کھینچنے سے فرق پیدا ہو گیا تو چونکہ حضرت لکھ رہے تھے نظر اٹھا کر دیکھا تو دوسرا آدمی جھول رہا تھا فرمایا تم نے پنکھا جھولنے کی اجازت لی ہے اس نے کہا نہیں فرمایا پھر اس سے کیوں لے کر جھولنے لگے۔ حضرت فرماتے کہ پنکھا چلانے کے بھی آداب ہیں بغیر آداب کے سیکھے یہ چلانا بھی طبیعت میں تکدر پیدا کر دیتا ہے کیونکہ کبھی ہوا تیز ہوگی اور کبھی کم کبھی اتنی تیز کہ ٹوپی بھی اڑ جائے اور کاغذوں کی کھڑ کھڑ جس سے لکھنے میں یکسوئی میں فرق آئے اور کبھی اتنا آہستہ کہ ہوا ہی نہ ہو بلکہ درمیانی رفتار ہو جس سے طبیعت میں خلفشار پیدا نہ ہو بلکہ آسانی سے کام ہو جائے۔

حضرت تھانویؒ کا نظام الاوقات مقرر فرمانا

اسی لئے حضرت نے انتظامی کاموں کیلئے نظام الاوقات بنا کر لگایا ہوا تھا کہ اس کے مطابق میرا دن کا یہ نظام ہوگا فرماتے تھے کہ اوقات مقرر کر لینے سے کام زیادہ ہوتا ہے اس لئے میں نے اپنے اوقات کو مقرر کیا ہوا ہے کہ اس وقت یہ کام ہوگا اور اس وقت یہ اور اس پر پابندی بھی فرماتے تھے۔

شروع شروع میں حضرتؒ کے ہاں مہمانوں کے کھانے کا انتظام ہوتا تھا حضرتؒ خود اپنے سامنے مہمانوں کو کھلاتے تھے فرماتے میرے مہمان ہیں جی چاہتا ہے کہ میرے سامنے ان کی خدمت ہو پھر چاہے کھانا لانے اور کھلانے والا کوئی ہو کچھ عرصہ یونہی سلسلہ چلتا رہا پھر ہوا یہ کہ کبھی کوئی مہمان کہیں چلا جاتا تو اس کا انتظار کرنا پڑتا اس طرح حضرتؒ کے اپنے نظام الاوقات میں فرق پڑنا شروع ہوا تو حضرتؒ نے باقی خانقاہوں کے طرز عمل کے خلاف یہ کہہ دیا کہ بھائی اس سے میرے اوقات میں

خلل آتا ہے اس لئے ہر آدمی اپنا انتظام کھانے کا خود کرلے۔

اس پر خلیفہ اعجاز احمد صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں کھانا پکادوں گا خرچ ان حضرات کا ہوا کرے گا تو اس طرح کھانا پکانے لگ گئے دو چار پیسے میں ایک آدمی پیٹ بھر کر کھالیتا لیکن حضرتؒ نے خلیفہ جی سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر دیوبند سے کوئی طالب علم آئے یا حضرتؒ دیکھتے کہ یہ غریب مہمان ہے تو خلیفہ جی سے فرما دیتے کہ ان سے پوچھ لو کب تک رہیں گے اس وقت تک ان کو کھانا دیتے رہو اس کے پیسے میں ادا کردیا کروں گا اس طرح حضرتؒ نے حق مہمان بھی ادا فرمایا اور اپنے اوقات کی بھی حفاظت فرمائی۔

حضرت تھانویؒ کا دل کو اللہ کیلئے فارغ رکھنا

فرمایا حضرت تھانویؒ اکثر اپنے پاس کاغذ اور پنسل رکھتے تھے جہاں کوئی بات یاد آئی لکھ لی رات کو سوتے تو سرہانے کے نیچے پنسل اور کاغذ رکھ لیتے جب کبھی آنکھ کھلی کوئی بات یاد آئی تو تکیہ کے نیچے سے پنسل کاغذ اٹھایا لیمپ جلایا اور نوٹ کرلی حضرتؒ شام کے بعد ہمیشہ ایک ہاتھ میں لالٹین ایک میں چھڑی لے کر گھر جاتے پنسل کاغذ جیب میں ہوتا ایک دفعہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آئے ہوئے تھے انہوں نے حضرتؒ سے کوئی بات پوچھنی تھی آپ کے ساتھ گھر تک چلے گئے حالانکہ حضرتؒ کے ساتھ کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی دروازے کے پاس پہنچے تو جیب سے کاغذ پنسل نکالی اور لکھنے لگے لکھ کر جیب میں ڈال لیا اور فرمایا کہ ایک مسئلہ یاد آیا تھا دل کا بوجھ کاغذ پر ڈال دیا دل کو اس سے فارغ کردیا دل تو اللہ کی یاد کیلئے ہے بس اس کو میں اللہ کیلئے فارغ رکھتا ہوں جب کوئی بات یاد آئی فوراً نوٹ کرلی اور دل کی لو اللہ سے لگائے رکھنے کیلئے اس کو فارغ کرلیا۔

حقوق العباد کا فکر

فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ نے اپنی اہلیہ سے ایک روپیہ قرض لیا شام کو جب گھر گئے تو اہلیہ سے فرمایا لو اپنا روپیہ لے لو انہوں نے کہا ایسی کیا بات ہے صبح کو لے لوں گی رات کو اہلیہ تو جلدی سوگئیں لیکن حضرت تھانویؒ کی قرض کی تشویش کی وجہ سے نیند اچاٹ ہوگئی کیونکہ حضرت پر حقوق العباد کا رنگ غالب تھا اس لئے یہی فکر رہی کہ یہ بیوی کا حق ہے آخر مجبور ہو کر ان کو جگایا اور فرمایا کہ تم تو آرام سے سوگئی لیکن میری نیند اڑ گئی یہ لو اپنا روپیہ اور میرے دل کو فارغ کرو جب اس نے روپیہ لیا

تب آپ سوئے اس سے واضح ہے کہ حضرت تھانویؒ کو حقوق العباد کا کتنا خیال تھا۔

﴿ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا مقام ﴾

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ کیلئے تو دل میں تقاضا ہوا کرتا تھا کہ آپ ولی ہیں باقی ولیوں کیلئے تو دلیل کی ضرورت پڑتی ہے لیکن ان کیلئے تو دل بغیر دلیل کے تسلیم کر لیتا تھا حضرت تھانوی نے تعلیم کے زمانے میں حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کیلئے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا پہلے تعلیم مکمل کر لو تو دل پر اثر ہوا ایک خط حاجی صاحبؒ کی خدمت میں شکایتاً لکھا کہ آپ ان حضرت سے سفارش فرما دیجئے کہ مجھے بیعت فرمالیں اور خط بھی حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ بھیج دیا کیونکہ اس زمانے میں آپ حج کیلئے جارہے تھے حضرت حاجی صاحب کی نظر تو کمزور ہوگئی تھی آپ نے شاید انہیں سے پڑھوایا یا کسی اور سے تو اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ہم آپ کو بیعت کئے لیتے ہیں جب کبھی موقع ملے تو یہیں آجانا حضرت تھانویؒ تعلیم سے فارغ ہوئے تو ابا جان نے کچھ پیسے تجارت میں آپ کے حصہ کے ڈلنے چاہے کہ بعد میں کام آویں گے اور ان دنوں ان کی حج کی بھی تیاری تھی آپ نے ابا جی سے دریافت فرمایا کہ پیسے میرے ہیں یا امانت ابا نے فرمایا تمہارے ہی ہیں تو اس پر آپ نے عرض کیا کہ میں تو ان سے حج کروں گا بعض علماء نے بھی سمجھایا لیکن آپ مصر رہے آخر ابا جی کے ساتھ حج پر روانہ ہوئے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی والد صاحب حج کے بعد واپس آنے لگے تو حضرت تھانویؒ چونکہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں رہنے لگ گئے تھے اور حضرت نے فرمایا بھی تھا لیکن والد صاحب نے فرمایا کہ واپس ہندوستان چلو دلگیر بھی ہوئے اور جا کر حاجی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ ابا جی واپس جارہے ہیں اور مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتے ہیں حضرت حاجی صاحبؒ نے فوراً فرمایا نہ نہ ابا کے ساتھ چلے جاؤ انکار نہ کرنا ان کا حق سب سے پہلے ہے ہاں پھر کبھی ان شاء اللہ موقع ملے تو چلے آنا اور اس طرح دعاء فرما کر تسلی بھی فرمائی کہ پھر ان شاء اللہ ضرور آؤ گے تو دوسری مرتبہ والد صاحب کے انتقال کے بعد چھ ماہ حضرتؒ کی خدمت میں رہے یہ تو تھا شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحبؒ کا برتاؤ حقوق والدین کے بارہ میں لیکن آج اس کا خیال نہیں کیا جاتا ماں باپ کو ناراض کر کے دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی خدمت کا کوئی خیال نہیں، فرمایا کہ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ کی مجلس میں بیٹھنے سے ہی مسئلے حل ہو جاتے

تھے اور حضرت حاجی صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت گنگوہیؒ کو ہی اپنا بڑا سمجھا اور اصلاحی تعلق کی اجازت بھی لی فرماتے صرف دو مرتبہ حضرت گنگوہیؒ سے سوال کرنے کی نوبت آئی ہے ورنہ اکثر حاضری سے ہی مسائل میں شرح صدر ہو جاتا ایک مرتبہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت وسیلہ کی کیا حقیقت ہے؟ حضرت کی نظر چونکہ کمزور ہوگئی تھی آواز نہ پہچانی فرمایا کون پوچھ رہا ہے؟ عرض کیا اشرف علی تو صرف اتنا فرمایا تم بھی اس مسئلے کو پوچھتے ہو؟ بس خاموش ہوگیا اب دوبارہ عرض کرنے کی جرأت نہ تھی واپس آیا تو راستہ ہی میں تھا کہ وسیلہ کے مضمون کے متعلق دل میں شرح صدر ایسا ہوا کہ گھر پہنچ کر اس پر رسالہ لکھ دیا اور ایک مرتبہ عرض کیا کہ یاجوج ماجوج جو مخلوق ہے یہ خدا کو بھی مانتی ہے یا نہیں؟ تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ ہاں مانتی ہے اور فوراً فرمایا کہ حدیث سے ثابت ہے حدیث میں جو آتا ہے کہ وہ روزانہ پہاڑ کی دیوار چاٹتی ہے حتیٰ کہ شام کو معمولی رہ جاتی ہے تو کہتی ہے کہ کل کو یہ ختم ہو جائے گی دوسرے دن جب آتی ہے تو وہ دیوار پھر اسی طرح ہو جاتی ہے پھر شام تک چاٹ کر کہتی ہے کہ کل کو ختم کر دیں گے وہ بالکل معمولی رہ جاتی ہے لیکن صبح پھر ویسی ہی ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو اس دیوار کا توڑنا منظور ہوگا تو وہ قوم کہے گی ان شاء اللہ کل کو ختم ہو جائے گی تو دوسرے دن وہ دیوار ختم کر کے باہر آ جائے گی تو اس سے معلوم ہوا کہ جب وہ ان شاء اللہ کہے گی تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو مانتی ہے ورنہ ان شاء اللہ نہ کہتی تو حدیث سے اس کا برجستہ ثبوت پیش کر دیا حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں میں حیران رہ گیا۔

حضرت مولانا سیف الرحمٰنؒ کا واقعہ بیعت

حضرت تھانویؒ کے نظم کے بارے میں فرمایا کہ وہاں ہر ایک چیز کا نظم تھا مریدین آتے تو ان کیلئے حجرے اور کھانے کا انتظام تھا دال، چھوٹا گوشت، بڑا گوشت جو پسند ہوتی وہی کھانا اسے مل جاتا اور سارے دن تقریباً چار آنے خرچہ ہوتا حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب حضرتؒ کے خلیفہ ہوئے ہیں یہاں کوٹھیالہ سیداں کے رہنے والے تھے انہوں نے مجھے خود فرمایا کہ میں جب حضرتؒ کی خدمت میں زیارت کیلئے حاضر ہوا تو جب خانقاہ میں داخل ہوا تو ایک خادم ملے پوچھا کہاں سے آئے ہو پھر مجھے استنجا خانے اور ڈھیلوں وغیرہ کی جگہ دکھائی اور کہا کہ کیا کھاؤ گے چار آنے لگیں گے میں حیران رہ گیا کہ پیروں کے ہاں تو لنگر ہوتے ہیں یہاں تو قیمت دینی پڑتی ہے مجھے بہت خوشی ہوئی میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ حضرتؒ سے بیعت ہوں گا جب ملاقات ہوئی تو حضرت نے سوال کیا کیسے

آئے ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت مرید ہونے کیلئے آیا ہوں پوچھا کتنے دن ٹھہرو گے؟ میں نے سوچ کر عرض کیا حضرت مجھے اپنی اصلاح کیلئے کتنے دن ٹھہرنا مناسب اور بہتر ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کم از کم چھ ماہ رہو میں نے کہا حضرت بہتر میں انتظام کرلوں گا پھر فرمایا کہ کتنے پیسے پاس ہیں؟ میں نے بتایا اتنے ہیں پھر فرمایا اس کے بعد کیا کرو گے عرض کی حضرت کچھ کتابیں مطالعہ کیلئے لایا ہوں ان کو بیچ دوں گا اور گذارہ کرلوں گا حضرتؒ نے جب طلب صادق دیکھی تو فرمایا کہ اگر پھر بھی کچھ کمی رہ جائے تو مجھے بتادینا میں انتظام کردوں گا حضرتؒ کے ہاں ان چیزوں کا بڑا انتظام تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ خانقاہ میں کسی کو تکلیف نہ ہو اور ہر شخص آزادی سے رہے خیر میں وہاں رہنے لگ گیا حضرتؒ نے وظائف بتائے ایک منزل قرآن مجید اسی (۸۰) ورق حضرت کے مواعظ اور چوبیس ہزار مرتبہ اللہ اللہ کرتا ایک بار فرمایا کیا کرتے ہو؟ تو عرض کیا حضرت یہ معمول ہے فرمایا اور بڑھاؤ میں نے پھر زیادہ وقت نکال کر چھتیس ہزار کیا ایک دو ماہ کے بعد پوچھا مولانا کہاں تک پہنچے عرض کیا چھتیس ہزار تک تو فرمایا ابھی تھوڑا ہے اور بڑھاؤ تو میں نے اور جلدی اٹھنا شروع کیا اور بڑھا کر اڑتالیس ہزار تک اللہ اللہ روزانہ کرتا کئی دنوں کے بعد خود پوچھا تو عرض کرنے پر فرمایا ہاں کچھ ہے تو اس سے اندازہ لگائیں حضرتؒ خود کتنی بار اللہ اللہ کرتے ہوں گے حضرت مولانا سلطان محمود کوٹھیالہ شیخاں کے تھے شیخ الحدیث تھے حدیث پڑھاتے تھے بیعت ہونے کیلئے حاضر ہوئے تو حضرت سے وظیفہ پوچھا حضرتؒ نے فرمایا کہ تم بس حدیث پڑھایا کرو تو انہوں نے آخری عمر تک حدیث پڑھائی ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر کئی سال حدیث پڑھائی۔

﴿ ایک چور کی طلب صادق ﴾

اسی طرح ایک چور طلب صادق لے کر حاضر ہوا اور عرض کی ساری عمر چوریاں کرتے گذر گئی اب توبہ کی نیت سے حاضر خدمت ہوا ہوں آپ بیعت فرمالیجئے فرمایا بھائی جس جس کی چوری کی ہے سب کا مال واپس کرو کہنے لگا حضرت غریب آدمی ہوں کس کس کے ادا کروں گا میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں فرمایا پھر ان سے معاف کراؤ کہنے لگا حضرت ٹھیک ہے لیکن مجھے اتنے آدمیوں کا پتہ ہی نہیں کہ کن کن کی چوری کی کیونکہ ساری عمر ہی اس کام میں گذری فرمایا جو جو یاد آتے جائیں لکھواتے رہو خیر انہوں نے کئی آدمیوں کے نام لکھوائے حضرتؒ نے فرمایا اب ان سے معاف کراؤ کہنے لگا

حضرت کوئی سفارشی رقعہ لکھ دیں تا کہ میری امداد ہو اور دعاء بھی فرمائیں آپ نے رقعہ لکھا کہ یہ غریب آدمی ہے توبہ کرنا چاہتا ہے بدوں آپ حضرات کے معاف کئے توبہ نہ ہو سکے گی آپ معاف کر دیں تو معافی ہو جائے گی اور آپ سے اللہ راضی ہو جائے گا اور اس سے فرمایا جس کے پاس جانا اس سے تنہائی میں بات کرنا تا کہ کوئی گواہ بنے خیر وہ جس مسلمان کے پاس گیا حضرت کی سفارش اور اس کی منت سے ترس کھا کر اسے معاف کر دیا ایک بنیا تھا حضرت کو آ کر اس نے بتایا کہ حضرت جب اس بنئے کے پاس گیا چونکہ اس کے پانچ سو روپے میں نے نکالے تھے ڈرتے ڈرتے اس کے پاس گیا کہ یہ ہندو ہے یہ حضرت کی سفارش کو کیوں مانے گا لیکن آپ کا رقعہ پڑھتے ہی اس نے کہا یہ بزرگ کی سفارش ہے جا ان کیلئے معاف کیا جب سب سے معاف کرا چکا تو پھر حاضر خدمت ہوا کہ حضرت معاف کرا آیا ہوں حضرتؒ نے فرمایا جا اتنے خطوط لا ان کو لکھ کر تصدیق کروں گا وہ خطوط لے کر حاضر ہوا حضرتؒ نے لے کر رکھ لئے اور ان کی رقم دے دی اور فرمایا کہ اگر نہ گیا ہوتا تو خطوط لاتا جب اس کی طلب صادق دیکھی تو اسے توبہ کرا کر بیعت فرمایا۔

﴿ ایک غیر مقلد عالم سے مکالمہ ﴾

بچپن میں جس وقت میں مشکوٰۃ شریف میں پڑھتا تھا سرہند شریف جانے کا اتفاق ہوا ایک حافظ جی ساتھ تھے میں تو ناواقف تھا ان سے کہا اگر یہاں کوئی عالم دین رہتے ہوں تو ان کی ملاقات وزیارت کیلئے چلیں تو وہ ایک عالم کے پاس لے گئے جو بہت ضعیف العمر تھے اور ان کے واقف بھی تھے لیکن تھے اہل حدیث مسلک کے ان کے پاس بیٹھے رہے انہوں نے خود ہی نصیحت فرمانی شروع کر دی اور فرمایا کہ دیکھو اب تم پڑھ رہے ہو اور پڑھنے کے بعد عملی زندگی اختیار کرنی ہے تو میری یہ نصیحت ہے کہ سنتوں کو نہ چھوڑنا ہر عمل سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا اور سنت کی اہمیت پر مفصل بیان فرمایا آخر میں فرمایا کہ پتہ ہے یہ آج کل بدعات کس لئے زیادہ ہو رہی ہیں میں نے عرض کیا حضرت آپ ہی فرمائیں ہمارا نہ تو تجربہ ہے نہ مشاہدہ تو فرمانے لگے کہ یہ تقلید کی وجہ سے ہے دیکھو یہ سب بدعات مقلدین میں ہیں عرس گیارہویں تیجا چالیسواں وغیرہ وغیرہ جب انہوں نے تقلید پر اعتراض کیا تو مجھے بھی بولنا پڑا پہلے تو میں خاموشی سے سنتا رہا پھر میں نے عرض کیا حضرت ایک بات کی اجازت ہو تو عرض کروں فرمایا ہاں ضرور میں نے کہا کہ حضرت آپ کا مشاہدہ و تجربہ ہم سے زیادہ ہے

لیکن ایک بات ہے کہ فقہ میں تو ان بدعات کا کہیں ذکر نہیں ہے اگر یہ لوگ فقہ پر عمل کرتے تو ان بدعات سے بچ جاتے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ تقلید چھوڑنے کی وجہ سے ہے اگر فقہ میں تقلید کرتے تو ان سے بچ جاتے میرا جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا بچہ ہوشیار معلوم ہوتا ہے دیر تک ہنستے رہے میرے ساتھی حافظ جی بہت خوش ہوئے پھر انہوں نے کوئی بات نہ فرمائی اور نہ ہی میری تردید کی حالانکہ وہ عالم تھے لیکن انہوں نے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

تبرکات اکابر کی برکت

۲۹رصفر ۱۴۰۳ھ ۱۶ دسمبر ۸۲ءکو بعد عصر مولانا عبدالحی صاحب مدظلہ مدرسہ عربیہ حقانیہ میں تشریف لائے اور پندرہ بیس منٹ تک مختصراً بیان فرمایا بعد درس دفتر میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم سے مجلس ہوئی جس میں حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی بزرگوں کے تبرکات کے اثرات کی بات پر حضرت مفتی صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کو کسی بزرگ نے اپنا کرتہ عطا فرمایا حضرتؒ اسے پہنتے اور فرماتے کہ یہ کرتہ پہنتا ہوں تو گناہ کا وسوسہ بھی نہیں آتا بزرگوں سے تبرک لینے پر باتیں ہوئیں تو حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی تسبیح حضرت مولانا عبدالحی صاحب کو پیش فرمائی اور فرمایا حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ بزرگوں سے تبرک لینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کوئی چیز استعمال کیلئے پیش کرے اور عرض کرے حضرت اسے استعمال فرما کر تبرکاً عطا فرما دینا اس ادب میں بزرگوں کو کسی قسم کی تکلیف بھی اٹھانی نہیں پڑتی اس پر مولانا نے فرمایا حضرت میں تو سمجھا تھا کہ آپ نے تبرکاً مجھے عطا فرمادی حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا نہیں میں آپ سے تبرکاً لینا چاہتا تھا اس لئے حضرتؒ کے بتائے ہوئے طریقہ پر پیش کر رہا ہوں مولانا نے تسبیح رکھ لی دوسرے دن دوپہر کا کھانا مدرسہ ہی میں تھا کھانے کے بعد فرمایا یہ حضرت آپ کی تسبیح تعمیل حکم میں حاضر ہے حضرت مفتی صاحبؒ نے وہ تسبیح نہیں لی بلکہ فرمایا اب یہ آپ ہی کی ہے۔

رات کو حضرتؒ نے احقر کو ''بیان القرآن'' کا نسخہ دیا اور فرمایا کہ مولانا صاحب کو پیش کر کے فرمانا کہ رات کو اگر وقت ملے تو دیکھ لیں ان کو رات تھکاوٹ تھی دوسرے احباب دیر تک بیٹھے رہے دیکھ نہ سکے صبح کی نماز سے قبل چند ورق دیکھے صبح جب مدرسہ میں حاضر ہوئے تو فرمایا رات اس عذر سے نہ دیکھ سکا لیکن صبح کی نماز سے قبل دو تین صفحات تعمیل حکم میں دیکھے ہیں پھر حضرت مفتی

صاحبؒ نے ''تتمۃ البیان'' کا تعارف کرایا اور غرض تصنیف بتائی جس کو مولانا نے سنا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا یہ بہت اچھا کیا ہے آپ نے علماء کیلئے ذخیرہ جمع فرمادیا ہے پھر حضرت مفتی صاحبؒ نے سوانح شیخ الحدیث صاحب مرحوم ''تذکرۃ الشیخ'' کا مسودہ دکھایا اور فرمایا کہ اس کی تصحیح کر کے کراچی بھیج دیا گیا ہے اس میں حضرت شیخ کی تعلیم وتدریس اور مدارس وخانقاہوں اور طلباء کیلئے آپ کے ارشادات اور تبلیغ کیلئے اصلاحات حضرت کے ارشادات کی روشنی میں جمع فرمادیئے ہیں۔

﴿ حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ کی بے نفسی ﴾

۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ/۹ جنوری ۸۳ء کو ایک امام مسجد صاحب کو نصیحتوں کے دوران فرمایا کہ آج اگر کسی کو کوئی دین کی خدمت کا موقع ملتا ہے تو اس کا نفس پھولتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں لوگوں کی کوئی بات برداشت نہیں ہوتی اس پر حضرت والد صاحب کا واقعہ یاد آیا کہ برسہا برس لگاتار تھانہ بھون میں مفتی رہے حضرت تھانویؒ کی نگرانی میں دین کی خدمت کی فتاویٰ وغیرہ لکھے حضرت تھانویؒ نے آپ کو خلافت عطا فرمائی اور مجاز صحبت بنایا تو اس پر بے نفسی ملاحظہ ہو کہ حضرتؒ کی خدمت اقدس میں لکھا کہ حضرت اگرچہ میں اس کا اہل نہ تھا لیکن جس طرح آپ نے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے پڑھاتا ہوں، فتویٰ لکھنے کا حکم دیا ہے دیتا ہوں پڑھانے کا حکم دیا ہے پڑھاتا ہوں اسی طرح آپ کا حکم سمجھ کر بیعت بھی کرلیا کروں گا آپ کے حکم کی تعمیل ہی سمجھوں گا یہ تھی بے نفسی ان لوگوں کی کسی قسم کی بڑائی یا فخر نہیں کیا حالانکہ برسہا برس تک خدمت انجام دیتے رہے تھے۔

﴿ کرایہ لینے میں احتیاط ﴾

۲۰ جنوری ۸۳ھ بعد عصر کی مجلس میں فرمایا کہ میں جہلم کے جلسہ پر گیا تو فرسٹ کلاس کا کرایہ خرچ ہوا بغیر پوچھے عبدالصبور صاحب نے ٹکٹ لے لئے جلسہ سے واپسی پر حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے قاری شیر محمد صاحب کے ذریعہ کرایہ دیا تو میں نے کہہ دیا کہ گن لو کتنے ہیں انہوں نے کہا اتنے ہیں میں نے کہا یہ تو زیادہ ہیں ہمارا اتنا کرایہ خرچ نہیں ہوا اس لئے میں تو اتنا لوں گا جتنا آتے وقت خرچ ہوا تھا اس سے زائد نہیں لوں گا خیر قاری شیر محمد صاحب مان گئے باقی واپس کردیئے اور صرف کرایہ واپسی کا لیا اسی طرح جب ہم اکوڑہ خٹک گئے وفاق المدارس کی طرف سے تو سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیا راولپنڈی تک ریل سے اور وہاں سے بس کے ذریعے اکوڑہ پہنچے لیکن ہمارے کئی ساتھی

فرسٹ کلاس اور ہوائی جہاز کے ذریعہ اکوڑہ پہنچے ہمارا تو یہ حال تھا کہ شرم محسوس ہورہی تھی اتنا کرایہ مدرسہ پر پڑرہاہے اب مولوی حضرات حیلہ تو نکال ہی لیتے ہیں لیکن اگر تقویٰ ہوتا پھر اتنا خرچ نہ ہوتا اگر اپنے کام کیلئے اپنے کرایہ پر جاتے تو پھر ایسا نہ ہوتا۔

﴿ بچپن کی ایک تحریری کاوش ﴾

فرمایا کہ میں نے چھوٹی عمر میں اڑھائی برس میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا والد صاحبؒ نے مجھے فرمایا قرآن مجید میں تلاش کرو کتنے انبیاء کے نام آئے ہیں میں نے کوشش کی تمام پاروں کو پڑھا تلاش کیا تو پچیس انبیاء کے نام ملے پھر فرمایا کہ یہ دیکھو سب سے زیادہ کس نبی کا نام آیا ہے تو تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کا ذکر اللہ نے سب انبیاء سے زیادہ قرآن مجید میں کیا ہے پھر والد صاحبؒ نے فرمایا اچھا جہاں جہاں انبیاء کا جن جن آیات میں ذکر آیا ہے ان سب کو مع آیات لکھو ایک کاپی میں میں نے ان آیات اور ناموں کو بچپن میں جمع کیا تھا ابھی میں نے کتابیں پڑھنی شروع نہ کی تھیں حفظ کے بعد سب سے پہلے والد صاحبؒ نے یہی مجھ سے لکھائے تھے بڑی محنت سے ایک کاپی میں لکھے تھے۔

﴿ اطاعت شیخ کی برکت ﴾

فرمایا کہ حضرت والد محترم کو ایک شخص نے حج بدل کی دعوت دی حضرت والد صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں مشورہ کیلئے عریضہ لکھا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ جس کام پر یہاں لگے ہوئے ہو یہ حج بدل سے افضل ہے بس حضرتؒ کا اشارہ سمجھ کر والد صاحبؒ رک گئے بعد میں اس کی برکت یہ ہوئی کہ تین حج کئے مع اہل خانہ کے پھر وہاں ایک سال قیام بھی ہوا اور اباجیؒ نے آٹھ ماہ وہاں پڑھایا بھی میں نے بھی وہاں پر پڑھا۔

ایک مرتبہ مجھے بھی حج بدل کیلئے ایک صاحب نے بھیجنا چاہا جب فارم پر کرنے لگے اس میں لکھنا تھا کہ کوئی حج نہیں کیا ہوا تو احقر نے یہ کہہ کر فارم نہ بھرا کہ الحمدللہ میں نے تو اس سے پہلے دو حج کئے ہوئے ہیں اب جھوٹ کیوں لکھوں اس سے بہتر ہے کہ فارم ہی نہ بھروں۔

مجلس حضرت شیخ ترمذیؒ

جمع وترتیب: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

مورخہ ۱۳ رشعبان المعظم ۱۴۱۳ھ کو جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کا سالانہ جلسہ تھا اس موقع پر حضرت اقدس مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کے خاص متوسل محترم جناب ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب مدظلہم اوران کے بیٹے جناب ڈاکٹر حفیظ الحق صاحب زیدمجدہم تشریف لائے حضرت اقدسؒ سے ان کی جو مجلس ہوئی حسن اتفاق کہ ڈاکٹر صاحب نے اسے ٹیپ کرلیا تھا اسی مجلس کی تلخیص محترم جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کی عنایت سے پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☆ فرمایا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ چائے پیتے تھے اور حضرت والد صاحبؒ نہیں پیا کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ اور ابا جی مرحوم نے اکٹھے ہی بیٹھ کر کھانا کھایا کھانے کے بعد چائے آ گئی تو ابا جیؒ نے فرمایا کہ بھائی میں آپ کا ہم مشرب نہیں ہوں ہم اکل ہوں یعنی میں چائے نہیں پیتا آپ اکیلے پئیں۔

☆ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سات گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے ان میں سے وہ شخص بھی ہے جو اللہ کے لئے محبت رکھے اور حدیث شریف میں یہ لفظ ہیں: **اذا اجتمعا علیه وتفرقا علیه** کہ جب اکٹھے ہوتے ہیں پھر بھی محبت ہوتی ہے اور جب جدا ہوتے ہیں تب بھی محبت پر جدا ہوتے ہیں، اس میں عجیب حکمت ہے کہ صرف سامنے ہی محبت نہ ہو بلکہ بعد میں بھی اس کا ظہور ہو جیسا کہ سلام کے بارہ میں بعض علماء نے عجیب نکتہ لکھا ہے کہ جب آدمی آئے تو السلام علیکم کہے گویا کہ اس نے سلامتی کی ضمانت دے دی کہ میری طرف سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے اور جب جائے تب بھی السلام علیکم کہے یہ کس لئے گویا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ باہر بھی تم مجھ سے سلامتی میں ہو باہر جا کر بھی میں کوئی ضرر تمہیں نہ دوں گا تعلیم شریعت بڑی ہی حکیمانہ ہے۔

☆ حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تو الف ، با پڑھانے میں اور بخاری شریف پڑھانے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں کو اللہ کیلئے پڑھانا ہے۔

☆ فرمایا کہ یہاں آجکل نقل فتاویٰ کا بیسواں رجسٹر چل رہا ہے، بڑا افسوس ہوتا ہے کہ بعض جگہ نقل فتاویٰ کا کچھ بھی اہتمام اور انتظام نہیں ہوتا۔ یہ مجموعہ ماشاء اللہ اچھا خاصہ بن گیا ہے، آہستہ آہستہ تبویب بھی ہوجائے گی۔ اباجیؒ کے فتاویٰ ''امدادالاحکام'' کے نام سے اب شائع ہورہے ہیں مولانا ظفر احمد صاحبؒ کے فتاویٰ بھی اس میں ہیں دو جلدیں شائع ہوچکی ہیں اور یہ فتاویٰ وہ ہیں جو تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے سامنے لکھے گئے ہیں اور بہت سی جگہ حضرت کی تصدیق بھی ہے ''امدادالاحکام'' نام حضرت ہی کا تجویز کیا ہوا ہے دو جلدیں شائع ہوچکی ہیں شاید دو جلدیں اور ہوجائیں۔(۱)

☆ تصنیف وتالیف کا کام بھی الحمدللہ یہاں ہورہا ہے کچھ رسالے میں نے لکھے کچھ عبدالقدوس سے بھی لکھوائے اس طرح اس کو بھی سکھایا ہے اب اخیر میں جو اللہ تعالیٰ نے نعمت عطا فرمائی وہ ''احکام القرآن'' ہے یہ میرے بزرگوں اور استاذوں کا شروع کیا ہوا کام ہے اس میں حصہ لینے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دے دی۔ اس کا زیادہ اصرار مولوی مشرف علی صاحب نے کیا مجھ میں تو اس کی ہمت نہیں تھی بس اللہ نے کروادیا، پانچ پارے تو مستقل میرے ذمہ تھے جو تیرہ سو صفحات میں مکمل ہوئے ہیں اب مولوی مشرف صاحب اور مولوی تقی عثمانی صاحب کہنے لگے کہ حضرت مولانا ادریس صاحب نے جو سورۃ ق سے آخری حصہ لکھا ہے وہ مختصر ہے اس میں کچھ تفصیل اور اضافہ کرنا چاہئے تو اس بہانہ سے کچھ وقت قرآن پاک میں لگ جائے گا، سورۃ ق سے شروع کردیا ہے، باقی اشاعت کا سلسلہ جو ہے وہ یہ کہ اب تک مدرسہ کی طرف سے کوئی کتاب شائع نہیں کی کیونکہ اس میں مالیات کا معاملہ ہوتا ہے دوسرے دوست مسودات لے کر شائع کردیتے ہیں بعض کتابیں کئی کئی مرتبہ چھپ چکی ہیں ''دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت'' ایک کتاب ہے اس میں دعوت وتبلیغ کے بارہ میں اصول لکھے ہیں یہاں تو کئی مرتبہ چھپی ہی ہے ہندوستان والوں نے بھی چھاپ دی ہے مجھے پتہ ہی نہیں تھا چھپا ہوا ایک

(۱) فتاویٰ امدادالاحکام کا یہ عظیم مجموعہ چار جلدوں میں مکمل ہوا اور مکتبہ دارالعلوم کراچی سے طبع ہورہا ہے۔

نسخہ ملا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور بزرگوں کی برکت ہے ''تذکرۃ الظفر'' لکھا تو حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدینہ منورہ میں تھے ان کو میں نے یہ بھیجا تو حضرت شیخ الحدیث صاحب نے خط لکھا کہ میں نے یہ سارا سنا ہے پھر فرمایا کہ مجھے کچھ نسخے بھیجو تو بہت سی جگہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنی طرف سے یہ تقسیم فرمایا، تو یہاں پر آہستہ آہستہ کام ہوتا رہا ہے جو ہو گیا اس پر شکر ادا کرنا چاہیئے

☆ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ نماز کے بارہ میں فرمایا کہ نماز تو بوڑھے جیسی پڑھنی چاہیئے یعنی آہستہ آہستہ اور وضو جوانوں جیسا کرو۔

☆ بڑے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہو گئی تھی بلکہ میری بیعت بھی حضرت سے ہے حضرتؒ طالب علم کو بیعت نہیں کرتے تھے مگر اماں جی کی وجہ سے شفقت فرمائی تھی میری نانی نے سفارش اور درخواست کی تھی۔

تھانہ بھون میں جو حضرتؒ کی خانقاہ تھی اس کے چار گھر کرایہ پر چڑھتے تھے، تو اباجیؒ نے جو گھر کرایہ پر لیا ہوا تھا وہ حضرتؒ کے مکان سے ملا ہوا تھا اور درمیان میں دیوار کے اندر کھڑکی تھی جس سے آدمی سیدھا کھڑے ہو کر گذر سکتا تھا ہمارا حضرتؒ کے ہاں آنا جانا تھا اور گھر والوں کا بھی بلکہ ترکاری بھی ایک دوسرے سے لے لیتے تھے حضرتؒ کے سالن میں مرچیں بہت زیادہ ہوتی تھیں جس وجہ سے ہم بھی مرچیں زیادہ کھانے لگ گئے تھے ایک پاؤ گوشت میں ایک پاؤ مرچ ڈالتے تھے مصالحہ کے مرچیں اس کے علاوہ ہوتی تھیں چونکہ ایک دوسرے سے ترکاری لے لیتے تھے جس کی وجہ سے ہم بھی مرچیں زیادہ کھانے لگ گئے مگر جب ہم عرب میں گئے تو وہاں سب نے مرچیں چھوڑ دیں سوا سال تقریباً وہاں رہے، اباجیؒ والدہ اور چھوٹا بھائی عبدالعلیم ہم چار نفر تھے اباجیؒ کو علوم شرعیہ مدینہ منورہ میں انہوں نے استاد رکھ لیا۔ مدرسہ علوم شرعیہ حضرت مولانا مدنیؒ کے بھائی حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ کا مدرسہ تھا میں بھی اس میں پڑھتا تھا۔

☆ یو۔پی کے علاقہ میں پان بہت کھاتے تھے اسی طرح چائے بھی بہت پیتے تھے مگر حضرت حکیم الامت تھانویؒ عادت کے طور پر نہ پان کھاتے تھے نہ ہی چائے پیتے تھے ہمارے گھر میں بھی چائے پان کا استعمال نہ تھا البتہ مستورات آتی تھیں ان کے لئے علیحدہ انتظام کر رکھا تھا، میں دارالعلوم دیوبند دو سال رہا ساتھی بہت چائے پیتے تھے مگر میں نے عادت کے طور پر کبھی نہیں پی یعنی

عادت نہیں تھی اور یہ حضرت ؒ کی وجہ سے تھا کیونکہ حضرت ؒ کا اپنا یہ معمول نہیں تھا اور مولانا ظفر احمد صاحبؒ و مولانا شبیر علی صاحبؒ خوب پان کھاتے تھے اور چائے بھی پیتے تھے۔

☆ جب حضرت تھانویؒ گھر تشریف لے جاتے تو دروازہ پر اندر داخل ہونے سے پہلے آواز دے کر فرماتے کہ آ جاؤں، اندر سے آواز آتی کہ آ جاؤ پھر اندر جاتے، کوئی بچہ آتا کہتا کہ آ جاؤ تو نہ جاتے کہ بچے کا کیا اعتبار ہے اسے کیا معلوم کہ آنا ہے یا نہیں، الحمد للہ میری بھی عادت اب تک گھر میں یہی ہے، میں بھی کبھی آواز دیئے بغیر گھر نہیں جاتا، گھر میں چھوٹے بچے ہیں میں جب کہتا ہوں کہ آ جاؤں تو سب کہتے ہیں آ جاؤ جی، آ جاؤ جی مگر میں ان کے کہنے پر نہیں جاتا۔

☆ تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ کی سہ دری میں حضرتؒ بیٹھا کرتے تھے ایک مرتبہ کسی نے منی آرڈر بھیجا اور لکھا کہ رسید بھیج دیں پہلے بھی بھیجا تھا اس کی رسید نہیں آئی اب اگر رسید نہیں آئی تو آئندہ نہیں بھیجوں گا حضرتؒ نے منی آرڈر پر لکھ کر واپس کر دیا کہ میں ابھی سے بند کرتا ہوں۔

☆ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ نے مجھے رقم دے کر فرمایا کہ یہ وہاں مولوی شبیر علی کو لکھوا دو اور لکھوا کر مجھے پھر آ کر بتانا، میں گیا اور جا کر کہا تو مولانا شبیر علی صاحب نے لکھا اور ابھی قلم نہیں اٹھائی تھی فرمایا کہ جا کر حضرت کو بتا دو کہ لکھ دیا ہے اب میں کسی کو یہاں کام کہتا ہوں تو کام تو کرتے ہیں مگر آ کر بتاتے نہیں میں انہیں لڑتا ہوں کہ بتاتے کیوں نہیں۔

☆ ایک دفعہ حضرت تھانویؒ نے مجھے فرمایا کہ یہ میری لاٹھی لے جاؤ تمہارے ابا جی بیمار ہیں انہیں کہو کہ اس لاٹھی کے سہارے سے آ سکتے ہو تو آ جاؤ، جب میں چلنے لگا تو فرمایا کہ دیکھو زیادہ نہیں کہنا اور آ کر پھر بتانا۔

میں گیا اور جا کر کہا کہ حضرتؒ نے یہ لاٹھی دی ہے اور بتایا تو فرمایا کہ ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا مگر تھوڑی دیر کے بعد آؤں گا میں نے آ کر حضرت سے عرض کر دیا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تشریف لائے ہوئے تھے، مولانا شبیر علی صاحبؒ کے مکان پر ان کو ٹھہرایا تھا تاکہ سہولت رہے کسی مسئلہ پر غور کرنا تھا تو مجلس کافی لمبی ہونے لگی تکیئے لگے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ کوئی بھی حضرتؒ کے سامنے تکیہ لگا کر نہیں بیٹھا ہوا تھا، جب زیادہ دیر ہوگئی تو ابا جیؒ چونکہ بیمار تھے تو حضرتؒ نے اپنے ہاتھ سے تکیہ

آ گے کو کیا اور والد صاحب کی پشت کے ساتھ لگا دیا، شیخ کی اپنے مرید اور شاگرد کے ساتھ اتنی شفقت دیکھنے میں نہیں آئی حضرت والد صاحبؒ نے جانے کی اجازت چاہی تو حضرت نے فرمایا کہ ضروری گفتگو ہو چکی ہے اس لئے سب ہی چلتے ہیں جو امور طے ہوئے ان پر غور کر لیا جائے چنانچہ اسی پر یہ مجلس برخواست ہوگئی۔

☆ اکابر کی تحقیقات اور ملفوظات بہت قیمتی ہوتے ہیں کہ پوری عمر کے علم وعمل اور ساری روحانیت کا نچوڑ ہوتے ہیں۔

حضرت حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہیؒ فرماتے تھے کہ حدیث جبرئیل میں ایمان اسلام، احسان تین چیزوں کا ذکر ہے، ایمان کا تعلق عقائد سے ہے اور اسلام کا اعمال سے ہے (نماز روزہ وغیرہ) اور احسان کا تعلق اصلاح باطن سے ہے احسان کا مادہ حسن ہے یعنی خوبصورت کرنا، تمام عبادات اخلاق کے درست ہونے کے بعد حسین بنتی ہیں، حضرت حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حدیث جبرئیل کی ان تین چیزوں کی تین بزرگوں نے بہت تشریح فرمائی عقائد کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب بیان فرمایا، قبلہ نما، انتصار الاسلام جواب ترکی بترکی اپنی ان کتابوں میں آریوں، ہندوؤں عیسائیوں کا خوب تعاقب کیا، ایمانیات وعقائد کو خوب واضح فرمایا دوسری چیز اسلام، جس کا تعلق اعمال سے ہے، فقہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خدمت فرمائی احسان وتصوف کے شعبہ کی اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بے مثال خدمت کی اس کی نظیر نہیں ملتی، تصوف کی حقیقت کو خوب واضح کیا تصوف میں بہت سی رسومات اور بدعات شامل ہوگئی تھیں انہیں واضح فرمایا ان تینوں حضرات کی تحقیقات اور خدمات کو جمع کیا جائے تو حدیث جبرئیل کی شرح ہو جاتی ہے۔

اور اس حدیث جبرئیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ھٰذا جبرئیل اتاکم لیعلمکم دینکم** گویا کہ پورا دین اس حدیث میں بند ہے۔ افسوس کہ ہم نے اپنے اکابر کو دیکھا نہیں، پہچانا نہیں، ان کی خدمات کو نہیں دیکھا۔

☆ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں بہت مشکل ہیں ایک زمانہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ میں یہ تجویز پیش فرمائی تھی کہ مولانا شبیر احمد

صاحب (اس وقت فتحپور میں پڑھاتے تھے) کودارالعلوم میں بلایا جائے اورانہیں حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کی تسہیل پر لگایا جائے بڑے حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ میں شوریٰ میں یہ طے کروایا تھا اور حضرت شیخ الہندؒ حضرت تھانویؒ کے بھی استاد تھے، جب میں پڑھتا تھا اس زمانہ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تقریر دلپذیر'' کے بارہ میں طے ہوا تھا کہ مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبیر والا والے انہیں چونکہ معقولات سے مناسبت ہے یہ پڑھایا کریں، توضیح وتلویح کے درجہ والوں کو پڑھانا تجویز ہوا تھا۔

☆ فرمایا کہ الحمدللہ اکابرؒ سے محبت اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالی ہے اور یہی ہمارا سرمایہ ہے اس محبت کی وجہ سے بہت سے فتنوں سے اللہ تعالیٰ نے بچا کر رکھا، اہل سنت والجماعت کی صحیح تعبیر اور صحیح مزاج ان حضرات سے ہی حاصل ہوتا ہے مطالعہ سے علم حاصل ہوتا ہے ذوق نہیں بنتا، ذوق مجلس سے بنتا ہے آج کل اس کی بہت کمی ہوگئی ہے، طلباء علماء سب کے لئے مجلس ضروری ہے۔

☆ ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی جن حضرات نے زیارت کی ہوئی ہے ان کے لئے یہ بہت بڑی نعمت ہے، حضرتؒ اپنی مجالس ومواعظ اور ملفوظات وغیرہ کے ذریعہ سے بحمداللہ اب بھی حیات ہیں، ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی بھی کوئی بات حضرتؒ کی یاد آ جاتی ہے تو روح تازہ ہوجاتی ہے۔

☆ حضرتؒ کی وفات کے بعد جب وہاں ضرورت ہوئی کہ حضرتؒ کے خلفاء میں سے کسی سے عرض کیا جائے کہ یہاں حضرتؒ کی خانقاہ میں تشریف رکھے تو کبھی کسی کا نام زیرغور آیا کبھی کسی کا نام آیا آخر حضرت خواجہ صاحب کو جوش آ گیا تو فرمانے لگے ؎

ضرورت ہی کیا ہے کسی جانشین کی
جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی یہیں کی

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی جو خصوصیت ہے وہ اصلاح نفس اور احسان وسلوک ہے۔

☆ علم اور پڑھنے پڑھانے میں حافظہ اور محنت اور مواقع کا اعتبار ہے، میں نے حضرت والد صاحبؒ سے سنا کہ مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور کا حافظہ بہت اونچا تھا ایک مرتبہ وضو فرمارہے تھے کسی نے کہا کہ حضرت شاطبیہ پڑھادیں فرمایا کہ وضو کرتے وقت پڑھ لیا کرو کیونکہ میرے پاس صرف اتنا ہی وقت ہے، اتنا علم کا استحضار تھا۔

☆ ہمارے ایک استاذ تھے تھانہ بھون میں خلیفہ اعجاز احمد صاحبؒ مفتی ممتاز احمد تھانوی صاحبؒ کے والد تھے، قرآن پاک میں نے انہیں سے حفظ کیا تھا وہ ایک بات سنایا کرتے تھے کہ الف، ب، ت پڑھاتا ہوں اس کے بعد سپارہ اور اس کے بعد قرآن پاک پڑھاتا ہوں اس کے بعد بچہ صرف ونحو پڑھے گا اور بخاری شریف پڑھے گا، اب کہا جائے گا کہ فلاں مدرسہ کا فاضل ہے وہاں کا پڑھا ہوا ہے اور جس نے حروف تہجی پڑھائے تھے اور یہاں تک پہنچنے کا ذریعہ بنا تھا اس کا کوئی نام نہیں لیتا، اگر وہ بنیاد نہ بناتا تو بخاری شریف تک کیسے پہنچتا اور ایک عجیب مثال دیا کرتے تھے کہ عمارت کا جو حصہ اوپر ہوتا ہے اور نظر آتا ہے سارے اسی کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت عمدہ ہے اور اس معمار کی تعریف کرتے ہیں اور جو بنیاد مٹی کے اندر چھپی ہوئی ہے وہ کسی کو نظر نہیں آتی اور نہ اس کی کوئی تعریف کرتا ہے اور جس مزدور نے اس عمارت کی بنیاد میں پتھر کو دبایا اور کوٹا ہے اور دھوپ میں کھڑے ہو کر پسینہ پسینہ ہوا ہے اس بیچارے کا کوئی ذکر نہیں ہے، یہ قرآن کریم کے مکتب بنیادیں ہیں انہیں یونہی نہ سمجھو ان شاء اللہ ان معلمین قرآن کریم کا مرتبہ بہت اونچا ہوگا احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ بنیادی کام ہے

☆ فرمایا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کا اثر جیسے حضرت والد صاحبؒ پر تھا ایسا حضرتؒ کے چند خلفاء پر تھا بلکہ ایک حیثیت سے جو اثر والد صاحبؒ پر تھا کسی پر نہ تھا اس لئے کہ بچپن سے پڑھا بھی وہیں تھا اور پڑھایا بھی وہیں تھا اتنی طویل صحبت حضرتؒ کے خلفاء میں مولانا ظفر احمد صاحبؒ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ حضرتؒ کے بھانجے تھے حضرتؒ نے ان کو پڑھایا بھی تھا، ہم چونکہ نابالغ تھے اس لئے حضرتؒ کے گھر جاتے تھے الحمدللہ حضرت والد صاحبؒ کے طفیل حضرت تھانویؒ کی مزاج شناسی نصیب ہوئی۔

☆ یہاں جب ہم آئے تھے تو بالکل اجنبی تھے پہلی تقریر اس ساہیوال میں میری بدأ الاسلام غریباً وسیعود کمابدأ حدیث پر ہوئی تھی اباجی مرحوم بیمار تھے ایک مسجد میں ہم جمعہ کی نماز پڑھنے گئے کوئی نہیں جانتا تھا غریب کے معنی بھی اجنبی کے ہیں میں نے اسی حدیث پر تقریر کی۔

☆ حضرت والد صاحبؒ اپنے ہم عمروں میں صف اول کے مفتی بھی تھے، مدرس بھی تھے اور حضرت تھانویؒ کے معتمد علیہ نمائندہ بھی تھے جہاں حضرتؒ نہیں جاتے تھے وہاں حضرت والد صاحبؒ کو نمائندہ بنا کر بھیجا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اخبار میں ایک مضمون شائع ہوا تو حضرت تھانویؒ نے

حضرت والد صاحبؒ کوفرمایا کہ اس کا جواب لکھو حضرت والد صاحبؒ نے ایک تحریر لکھ کر حضرت تھانویؒ کو سنائی حضرتؒ نے بعینہ اس کو قبول فرمایا یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحبؒ کو حضرت تھانویؒ کی مزاج شناسی نصیب فرمائی اس تحریر میں ایک جگہ اباجیؒ نے لکھا تھا ''اخباری فتویٰ'' حضرت تھانویؒ نے اس کو بدلا اور لکھا ''اخبار کا فتویٰ'' اور فرمایا کہ اخباری فتویٰ کے لفظ میں تحقیر ہے فتویٰ کا جواب مقصود ہے نہ کہ اس کی تحقیر۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو حضرت والد صاحبؒ سے خاص تعلق تھا چنانچہ ایک خط میں حضرت تھانوی نے اباجیؒ کے متعلق لکھا کہ ''واللہ میں آپ کو اپنی اولاد سمجھتا ہوں''۔

☆ کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' جب لکھی گئی تو چار سال اس کتاب کی تحقیق میں لگ گئے تھے مدینہ منورہ سے جوابات منگوائے گئے تھے جن کا واسطہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جب مسودہ مکمل ہوگیا تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت والد صاحب نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ حضرت یہ مسودہ مکمل ہوگیا ہے آپ اس پر دستخط فرمادیں حضرت نے فرمایا کہ یہ تو تم نے لکھا ہے تم ہی اس پر دستخط کرو، عرض کیا کہ حضرت آپ کے فرمانے سے کیا، سب کچھ آپ کا فیض ہے، ہم نے تو صرف ترتیب ہی دی ہے، آج کل ذرا سا کوئی کام کرلے تو کہتا ہے کہ میرا نام آنا چاہیئے اور وہاں یہ تھا کہ نام نہ ہو کام ہو، یہ مزاج حضرتؒ نے بنایا تھا، تو ان حضرات نے بڑی معذرت کی جس پر حضرت نے فرمایا کہ اچھا لاؤ، تو حضرت نے حضرت والد صاحب اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دونوں کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھا حضرت اقدس تھانویؒ کے الفاظ یہ تھے:

کتبها الاحقر اشرف علی عفی عنه ذنبه الخفی والجلی بمشارکة الفاضلین الجامعین للعلم القویم و العمل المستقیم المولوی محمد شفیع والمولوی عبدالکریم شرفهما اللّٰه تعالٰی بالاجر العظیم. تو ان کی شرکت کو حضرتؒ نے اپنے دست مبارک سے لکھا کتنی بڑی سعادت ہے پھر جب وہاں سے یہ دونوں حضرات اٹھے تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مزاحاً فرمایا کہ حضرتؒ نے قافیہ میں تمہیں رکھا ہے اور قافیہ اصل مقصود ہوتا ہے، تو حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ: **لنا القافیة ولکم التقدیم،**

☆ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے درجہ کے عالم تھے عرب وعجم کے

استاد تھے، تھانہ بھون میں جب حضرت تھانویؒ کے ہاں جاتے تھے وہاں کوئی شخص اگر حضرت مدنیؒ سے بیعت ہونے کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ تھانہ بھون میں حضرتؒ کے سامنے میں بیعت نہیں کرتا اور بعض کو خود حضرت مدنیؒ دیو بند سے بیعت کرانے کے لئے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں لے کر آتے تھے مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ مولانا عبدالباری ندویؒ دونوں کو حضرتؒ کی خدمت میں لے کر آئے ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دین ادب کا نام ہے اور اس کی عملی تصویر ہم نے اپنے بزرگوں میں دیکھی ہے۔

☆ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کے بعد تمام لوگوں سے مصافحہ کیا بہت دیر لگ گئی مصافحہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آج مسلمانوں سے مصافحہ کر کے بہت خوشی ہوئی ہے کیا کوئی بھی ان میں بخشا ہوا نہیں ہوگا اور اس کو میرا ہاتھ لگا ہے تو کیا مجھے ساتھ نہیں لے جائے گا۔ اللہ اکبر، اس سے حضرتؒ کی کسر نفسی اور تواضع کا عالم واضح ہے۔

☆ فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ سیر کیلئے باہر تشریف لے گئے اتفاقاً خواجہ صاحب بھی ساتھ تھے گندم کا کھیت تھا کچھ پکی تھی کچھ کچی تھی، جو کچی ہوتی ہے وہ سبز ہوتی ہے اور جو پک جاتی ہے وہ خشک اور سفید ہو جاتی ہے، فرمایا کہ کامل اور ناقص کی مثال اس پکی اور کچی فصل کی طرح ہے اور اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ جب تک یہ کھیت میں ہے اس وقت تک خطرہ ہی خطرہ ہے کہ کہیں آندھی نہ آ جائے، بارش نہ پڑ جائے، سیلاب نہ آ جائے جب درست کر کے گھر میں لے گئے اور کوٹھی میں ڈال دی تو اب یہ محفوظ ہو گئی، اسی طرح انسان بھی خطرہ ہی خطرہ میں ہے جب تک قبر کی کوٹھی میں نہ جائے گا سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین

☆ حدیث شریف میں آتا ہے: ان اعمال بنی آدم وقولھم یوزن کہ بنی آدم کے اعمال اور اقوال کو تولا جائے گا گِنا نہیں جائے گا، حدیث میں آتا ہے کہ صرف ایک ہی پرچہ لاالٰہ الااللہ کا ہوگا جس سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا تو یہ تعداد سے نہیں ہوگا بلکہ کیفیت سے ہوگا نہ معلوم کس یقین سے اس نے لا الہ الا اللہ پڑھا تھا کہ جس نے میزان کو بھر دیا۔

☆ فرمایا کہ اس زمانہ میں بہت فتنے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم علماء حق کے احصار میں ہیں اگر ان بزرگوں سے تعلق نہ ہوتا نہ معلوم ہم بھی کتنے فتنوں میں مبتلا ہوتے۔

ایک یادگار مکالمہ

باہم اتفاق اور اختلاف سے اجتناب کامیابی کا ضامن ہے

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ پاکستان کی چندان شخصیات میں سے تھے جن کے تقویٰ وتدوین اور رسوخ فی العلم، تفقہ اور تصلب فی الدین پر مکمل اعتماد کیا جاسکتا تھا وہ مصلح امت تھے اپنی خانقاہ کے ذریعے سینکڑوں بندگان خدا کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا۔ وفات سے چند ماہ قبل ضرب مومن کے سیار نمائندہ مولوی محبوب الرحمٰن نے حضرت رحمہ اللہ سے امت مسلمہ کو درپیش اجتماعی مسائل کے حوالے سے ایک معرکۃ الآرا انٹرویو کیا۔ اس انٹرویو کا ایک حصہ بطور خاص شامل اشاعت ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے نمائندہ ضرب مومن کو نہایت وسعت قلب کے ساتھ مختلف سوالات کے جوابات دیئے، یہ جوابات حضرت کے درد دل اور سوز دروں کے آئینہ دار ہیں۔ علم وتقویٰ، تدبیر وحکمت کی بھرپور جھلک ان میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ادارہ ضرب مومن حضرت کے اس پیغام حق کو امت تک پہنچا کر مسرت محسوس کررہا ہے۔

﴿ ملاقات مولوی محبوب الرحمٰن صاحب ﴾

ضرب مومن: حضرت بحیثیت مجموعی ہم انتشار کے دور سے گذر رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں پر کڑا وقت آیا ہوا ہے۔ خاص طور پر حرمین شریفین غیروں کی نظر میں ہے اور وہ تقریباً ان کے چنگل میں آنے والا ہے جیسا کہ بیت المقدس ان کے چنگل میں جاچکا ہے تو اس سلسلے میں ہمیں کیا کردار ادا کرنا چاہیئے؟ دین کا کام کرنے والوں کیلئے حضرت کا کیا پیغام ہے؟

حضرت ترمذی: یہ ظاہر ہے کہ اجتماعی کام بغیر اجتماعیت کے نہیں ہوسکتا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یاایھاالذین اٰمنوا اذالقیتم فئة فاثبتوا واذکراللّٰہ کثیرالعلکم تفلحون ''واطیعو اللّٰہ ورسولہ ولاتنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم ''یعنی جب غیروں سے مقابلہ ہوتو ان آیات میں چار چیزوں کا حکم دیا گیا۔ جو کام بھی شروع کرنا ہو اس میں ثابت قدمی ہونی چاہیئے جس کا مطلب یہ ہے کہ نصب العین سے نہ ہٹنے پائے بلکہ اس پر جمار ہے اس کیلئے اللہ کا ذکر کیا جائے کیونکہ ذکراللہ میں برکت ہے اور اس

کی برکت سے ثابت قدمی اور استقلال نصیب ہوتا ہے اور دل مضبوط ہوتا ہے اس لئے ذکر اللہ کی کثرت ہونی چاہئے ،اطیعو اللہ و رسولہ یعنی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہو، حلال اور حرام کی تمیز کرے ہر برائی سے بچا جائے اور نیکی کی طرف رغبت کرے ،اس امر میں روحانی پہلو سے رہنمائی کرنی مقصود ہے۔آگے جو فرمایا و لاتنازعوا تو اس میں سیاسی پہلو سے رہنمائی مقصود ہے۔یعنی اتفاق سے رہنا، اکٹھے رہنا، اور باہم اختلاف سے اجتناب کرنا، یہ سیاسی پہلو سے مضبوط بناتا ہے اور اسی میں کامیابی مضمر ہے جو تنازع سے بچنے کی صورت میں ہی مل سکتی ہے اور اگر تنازع ہوگا تو پھر بزدلی اور اجتماعی قوت کا انتشار اس کا نتیجہ ہوگا۔دشمن سمجھے گا یہ تو کانھم بنیان مرصوص (سیسہ پلائی دیوار) کی بجائے الگ الگ بکھرے ہوئے گروہ ہیں۔لہٰذا اگر یہ باہم مضبوطی سے مل جائیں تو بنیان مرصوص ہیں، جیسے ایک دھاگہ کوئی قوت نہیں رکھتا بلکہ کمزور تر ہوتا ہے لیکن بہت سارے دھاگے مل جائیں تو وہ مضبوط رسی بن جاتی ہے،اسی لئے فرمایا تنازع سے بچو اور کرنے کے کام یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت بجالاؤ اور جب اطاعت والا امر زندہ ہوگا تو تنازع کا خود بخود خون ہوجائے گا کیونکہ تنازع ہوتا ہی وہاں ہے جہاں اطاعت نہ ہو جہاں اللہ رسول کی اطاعت ہوگی وہاں تنازع قطعاً نہیں ہوگا (اس کیلئے) دوسروں کو الزام دینے سے گریز کیا جائے ،اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اپنا محاسبہ خود کیا جائے ''بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ۔ترجمہ (بلکہ انسان خود اپنی حالت پر مطلع ہے) انسان کو خود دیکھنا چاہئے کہ میرے اندر کیا کوتاہی ہے اور پھر اسکا مداوا کرے۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان کی فطرت ہے کہ اس کے سامنے اپنی اچھائیاں اور دوسروں کی برائیاں ہوتی ہیں حالانکہ اپنی برائیاں اور دوسروں کی اچھائیاں دیکھنی چاہئیں اور یہ کام انتہائی مشکل بھی ہے اور بہت بڑی کمزوری ہے جو اطاعت کے خلاف ہے۔نصرت خداوندی کا وعدہ نصرت دین کے ساتھ ہے اور نصرت دین سے مراد اطاعت ہی ہے لہٰذا جب اطاعت نہ ہوگی تو نصرت خداوندی کہاں سے آئے گی۔میری گذارش تو دوستوں، عزیزوں سے ہمیشہ یہی رہی ہے کہ پہلے اپنے آپ کو سنبھالو اپنی کوتاہیاں دور کرو ان شاء اللہ سب کام صحیح ہوجائیں گے۔اس کے برعکس اپنی اصلاح چھوڑ کر دوسروں کی فکر میں مگن رہے تو انتشار کی خلیج مزید وسیع تر ہوتی چلی جائے گی ۔آپ دیکھیں ہمارے اکابر نے اس نیت سے تحریک پاکستان کا ساتھ دیا تھا کہ ہم یہاں اسلام کی باغ و بہار دیکھیں

گے ۔ہمیں دوسرے لیڈروں سے بحث نہیں ہے ان کی نیت تو اس وقت بھی خراب تھی اور یہ سب کو معلوم تھا کہ وہ کس قماش کے لوگ ہیں، لیکن پھر بھی ہمارے اکابرین نے اسلام کی آبیاری کیلئے اس خطۂ زمین کی آرزو کی تھی لیکن آج تک ہم باہمی تنازعات کی وجہ سے اس مقصد کو حاصل نہیں کر سکے اور اس کیلئے ہم سے کوئی منظّم کوشش نہ ہو سکی، جس مقصد کیلئے پاکستان بنا وہ مقصد ابھی تک حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی اب تک کسی نے خلوص کے ساتھ عملاً اسلام نافذ کرنے کی کوشش کی، جزوی طور پر اگرچہ بہت کچھ ہوا جیسے بعض اسلامی دفعات قانون میں آ گئیں، لیکن اصل مقصد سے ہم محروم ہیں، اور یہ صرف تقریر کر لینے یا اخبارات اور رسائل میں لکھ دینے ہی سے حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کیلئے ایک منظّم مجتمع اور ہمہ گیر جدوجہد کی ضرورت ہے جس کے نتیجے میں ہمارا اسلامی نظام مضبوط ہوگا جو ہمارے ہندوستانی مسلمانوں اور کشمیر کے مسلمانوں کی مضبوطی کا بھی ضامن ہے۔ ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں اور حکومت کی طرف دیکھتے ہیں کہ وہ اسلام کا نفاذ کرے گی تو ہم عمل کریں گے حالانکہ وہ تو بے دین حکومت ہے ۔وہ ایسا کبھی نہیں کرے گی اور ہم اس انتظار میں ہیں ۔ جو چیزیں ہماری دسترس میں نہیں ہیں، اگر ان پر عمل کرنے سے قاصر ہیں تو کم ازکم ان چیزوں پر عمل کرنا لازمی ہے جن کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے ۔یعنی اصل مقصد تو یہی ہے کہ معاشرہ میں مکمل اسلامی نظام قائم کیا جائے، لیکن جس چیز میں رکاوٹ نہیں ہے اس پر تو خود عمل کریں اور ساتھ ساتھ اپنی دینی اجتماعی قوت کو فروغ دیں۔

یادرکھیں مادی قوت دینی قوت کے تابع ہے، لہٰذا اول الذکر کے ساتھ ساتھ مؤخرالذکر پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے ۔میں نے ایک مرتبہ مفتی رشید احمد صاحب (وہ میرے ساتھ بہت محبت کرتے ہیں دوست تو میں نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ بڑے آدمی ہیں، البتہ محبت بہت کرتے ہیں اور ہماری باہم بے تکلفی بھی ہے کیونکہ وہ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ سے بیعت ہیں اور میں بھی انہی سے بیعت ہوں) سے میں نے کہا کہ آپ کے بزرگوں نے پاکستان کا ساتھ دیا تھا۔ ان کا مقصد اسلامی نظام کا نفاذ تھا اور اس وقت آپ دنیا بھر کے مسلمانوں کیلئے کام کر رہے ہیں اور یہ بالکل درست ہے اور ضرور کرنا چاہئے، لیکن آپ یہ بتائیں کہ آپ کے بزرگوں کا جو مقصد تھا اس کو حاصل کرنے کیلئے آپ کیا کر رہے ہیں اور اب تک کیا لائحہ عمل اختیار کیا ہے؟ مسکرا کر فرمانے لگے موضوع

تو آپ نے بہت اچھا چھیڑ دیا اور اس کیلئے کام کرنا بھی چاہئے آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں بتائیں کیا کرنا چاہئے؟ مشورہ ہوا تھا کہ علماء کی شوریٰ بلا کر لائحہ عمل طے کیا جائے۔

یہ بات میں نے اس لئے سنائی کہ ہمیں بھی یہ فکر ہے اور ہونی چاہئے، لیکن اس کی عملی صورت یہ ہے کہ اپنے نفس سے شروع کیا جائے اور اس کو مارا جائے، اسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع کیا جائے۔ ہمارے ہاں ایک جماعت بنتی ہے تو اس کے بعد دو تین اور بن جاتی ہیں (یہ کیوں ہے؟) اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس نہیں مرا، فلاں صدر کیوں ہے، فلاں سیکرٹری کیوں ہے، ہم بس انہیں چکروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ چند دن پہلے میرے پاس حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ تشریف لائے ہوئے تھے میں نے ان سے ہنستے ہوئے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کے ۷۲ فرقے ہوں گے، کیا یہ سارے دیوبندیوں میں ہی ہوں گے، آخر ہمارے اوپر یہ مصیبت کیوں ہے؟ یہ کتنی اچھی جماعت کہلاتی تھی اور واقعی دنیا میں اس جیسی جماعت کوئی نہیں ہے۔ لیکن ہم نے آج کیا کر رکھا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ کے حوالے سے فرمایا کہ اتفاق کی بنیاد تواضع ہے جب ہر کوئی اپنے آپ کو دوسرے سے کم تر سمجھے گا تو اختلاف ہی نہیں ہوگا۔ لیکن ہمارے طرز عمل سے اختلاف بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہ محض تکبر کا نتیجہ ہے، حالانکہ ایک عقیدہ ایک مسلک و مشرب ایک استاذ، ایک درس گاہ، لیکن اتفاق پھر بھی ناپید ہے۔ اختلاف صحابہ میں ہوا تھا لیکن ہرقل رومی کی بات کا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنا پیارا جواب دیا تھا ''میرے بھائی کے خلاف اگر کچھ اقدام کیا تو اس کے حق میں سب سے آگے مجھے پاؤ گے'' ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں، سمجھتے ہیں، دیکھتے ہیں، پھر بھی عمل نہیں ہوتا، اگر کوئی قوت جامع ایسی نہیں ہے جو طاقت سے اس اختلاف کو ختم کر دے تو کم از کم اخلاقاً ہی ہم سب کو اس پہلو پر فکر کرنی چاہئے۔

ان حضرات سے رابطہ رکھنا ضروری ہے جو صاحب عزت و صاحب قدر ہیں اور جن کا معاشرہ پر اثر و رسوخ ہے اور ان سے اس کام کے کرنے کی درخواست کی جائے، دیوبند میں دوستوں نے تقریر کرنے کیلئے انجمن بنائی۔ میں نے کہا ارشاد خداوندی ہے ''الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ (ترجمہ: یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں) یہاں ان مکنا ہم کے بعد آگے اقاموا الصلوٰۃ واتوا زکوٰۃ کو تو کرتے

نہیں ہیں۔بس صرف ان مـکناهم پراٹکے ہوئے ہیں اور وہ بھی حاصل نہیں کر سکے۔میں اپنے خیال میں عرض کرتا ہوں کہ فی الحقیقت پاکستان کو مظبوط رکھیں، اس کی مضبوطی سے افغانستان اور کشمیر دونوں مظبوط ہوں گے اور پاکستان اسلامی نظام سے مضبوط ہوگا اور عملاً جب تک یہ مظبوط نہیں ہوجاتا ہم بھی بالکل محفوظ نہیں ہوں گے۔ابھی ہماری حکومت جیسی کیسی بھی ہے، لیکن اس کی حمایت سے افغانستان کی حالت بہت اچھی ہے۔ورنہ امریکہ تو اپنے مفاد کے پیش نظر وہاں سے روس کا انخلاء چاہتا تھا اور بس! جب وہ نکلا تو اس نے بھی آنکھیں بدل لیں لیکن ہم اگر امارت اسلامی کو نہ مانیں باین وجہ کہ روس کا انخلاء امریکہ کے عمل دخل کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا تو یہ بات ہمارے اپنے نقصان میں جائے گی، اسی طرح پاکستان کے اسلامی استحکام کی طرف ہم اگر باین وجہ توجہ نہ دیں کہ یہ تو انگریزوں نے بنایا ہے تو یہ بھی ہماری سنگین غلطی ہوگی، لہٰذا ہم پاکستان کو ایک اسلامی ملک تسلیم کرتے ہوئے خیر کے پہلو کی طرف خاص توجہ دیں۔

ضرب مومن: اس وقت ہمارے اسلامی مراکز حرمین شریفین کے نزدیک کفار کی فوجیں براجمان ہیں عربستان میں ان کے بری، بحری وفضائی اڈے اور چھاؤنیاں بن چکی ہیں تو کیا ایسی صورت میں ان کا مکمل قبضہ نہیں ہوجائے گا؟ اس کیلئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

حضرت ترمذی: ظاہر ہے یہ تو بہت خطرناک بات ہے اس کیلئے ہمارے اپنے ملک کا استحکام اور تمام مسلم ممالک کی متحدہ اور مشترکہ پالیسی ہونی چاہئے کیونکہ یہ تمام مسلمانوں کا مشترکہ مسئلہ ہے اس لئے تمام ممالک مل کر سعودی حکومت پر زور ڈالیں لیکن المیہ یہ ہے کہ باوجودیکہ وہ اسلامی ملک ہے اور حکومت بھی اسلام کے نام پر ہے مگر وہ بھی تو آپ کا ساتھ نہیں دے رہی ہے اس لئے ہم سب کو اس بارے میں سوچ و بچار کرنی ہوگی کیونکہ حرمین شریفین کا تحفظ سب کی ذمہ داری ہے یہ حرمین شریفین کے تقدس کے منافی ہے کہ کوئی غیر مسلم فوج وہاں ٹھہرے۔

ضرب مومن: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسامہ بن لادن ایک فرد واحد ہی تو ہے دفع مضرت کے اصول کے تحت اس کو کفار کے حوالے کر دینا چاہئے اس سلسلے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

حضرت ترمذی: نہیں بالکل نہیں! اسامہ کو کفار کے حوالے کرنا کسی طرح بھی درست نہیں، ملک کے تحفظ کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں، افغانستان کا تحفظ صرف اسامہ کے حوالے

کرنے پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو کفار کی ایک ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔

ضرب مومن: اسلامی تاریخ جنگوں سے بھری پڑی ہے کیا کوئی اسی مثال ہے کہ مسلمانوں نے کسی بے گناہ مسلمان کو کفار کے حوالے کر کے اپنا تحفظ کیا ہو اور اس کو کفار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہو؟

حضرت ترمذی: نہیں نہیں، بالکل نہیں! اور انہیں ہم اپنے اختیار سے کیونکر حوالے کریں ہم تو حوالے کرنے کے بعد بھی محفوظ نہیں ہو سکتے کیونکہ جیسے میں نے بتایا نا کہ یہ تو کفر کی ایک ضد برائے ضد ہے اصل بات تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت ان کو نہیں بھاتی۔

ضرب مومن: لیکن بعض مسلم ممالک بھی اسی پر زور دے رہے ہیں؟

حضرت ترمذی: ان کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کیونکہ کل وہ کفار کسی اور چیز کا مطالبہ کر بیٹھیں گے تو پھر؟

اگر اسامہ کو حوالے کر دیا جائے تو پھر جہاد کا کیا مقصد رہے گا، حکم ہے کہ اگر ایک بالشت زمین بھی کافروں کے تسلط میں چلی جائے تو اس کیلئے بھی لڑنا ضروری ہے چہ جائیکہ اتنے بڑے مجاہد کو حوالے کر دیا جائے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جن کی یہ رائے ہے ان کو حوالے کر دیا جائے۔

ضرب مومن: اس وقت طالبان کی حکومت قائم ہو چکی ہے ہمارے ہاں جتنی بھی جماعتیں و مدارس ہیں ان سب کی کیا ذمہ داری ہے تاکہ ریاست اسلامی قائم ہو؟

حضرت ترمذی: ہر شعبے والا اپنی حیثیت کے اعتبار سے امارت اسلامیہ کے ساتھ تعاون کرے ظاہر ہے سب کیلئے ایک ہی طریقہ تو نہیں ہو سکتا اس لئے جو جتنا اور جس قدر تعاون کر سکتا ہے کرے اپنی استطاعت کے مطابق، جیسے قرآن کی آیت سے بھی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین اور جہاد کا حکم ساتھ ساتھ دیا ہے ایک تفقہ فی الدین میں لگا ہوا ہے دوسرا جہاد میں اور یہی تقسیم کار ہے ، ایک دوسرے سے مل کر کام چلایا جائے بقدر استطاعت بایں طور کہ ہر شعبہ اپنی اپنی جگہ قائم رہے۔

ضرب مومن: مقصد یہ ہے کہ اس وقت ہماری قوت ایک بڑے کام کی طرف نہیں ہو رہی بلکہ اپنے اپنے حلقے میں بس محدود سی ہو کر رہ گئی ہے اور ہر ایک کا رجحان تقریباً کلی طور پر اپنے ہی محدود حلقہ تک ہے تو اس بکھری ہوئی قوت کو کس طریقہ سے ایک متحدہ پلیٹ فارم پر لایا جائے تاکہ ہماری صفیں مضبوط ہوں؟

حضرت ترمذی: اپنی اپنی جگہ ہر شعبہ رہے اور متعلقہ شعبے کو بھی فعال رکھا جائے مگر اس اجتماعی کام میں بھی شریک ہوں جیسے ایک درخت کی ہر ہر شاخ کی حفاظت ضروری ہے مگر اس سے بڑھ کر جڑوں کا تحفظ انتہائی اہم ہے، آپ نے جو انفرادی کام بتائے ہیں ان کے ساتھ اجتماعی کام کو بھی آگے بڑھانا ان کیلئے کوئی مانع نہیں ہے اپنی جگہ ان کو بھی کریں اور اس کو بھی کریں ان میں کوئی تضاد تھوڑا ہی ہے ،عملاً اگرچہ ایسا نہیں ہو رہا لیکن اس کمزوری کو دور کیا جائے ، کیونکہ ان سب میں کوئی تعارض وتضاد نہیں ہے اصل کو اصل اور فرع کو فرع کے درجہ میں رکھ کر سب کا تحفظ اور سب کیلئے کام کیا جائے اور اپنی اس کمزوری کو دور کیا جائے ،ہم نے ان امور کے درمیان جو تعارض وتضاد کے پردے حائل کر رکھے ہیں انہیں چاک کر کے دین کے ہر شعبے کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے۔ایک مشترکہ کام کا ہونا ضروری ہے جس میں سب حصہ لیں اس کیلئے کوئی نظم تشکیل دیا جائے کہ ہر فرد کردار ادا کر سکے ایسے یہ نہ ہو کہ وہ (مجاہد) بھی ایک طرف رہیں اور یہ (علماء) بھی ایک طرف لگے رہیں الاہم فالاہم کے اصول پر عمل ہو۔

لہٰذا پہلے خود متحد ہو کر کسی ایک فارمولے کے تحت منظّم اقدام کیا جائے اور بالخصوص جہاد سے منسلک حضرات کو سب سے پہلے اس کا عملی مظاہرہ کرنا ہوگا پھر ان شاء اللہ ہماری بات بھی مؤثر ہوگی اور ہمارے کام کا بھی کوئی نتیجہ نکلے گا ورنہ پہلی صورت میں جب اپنی طاقت اندر ہی سے منتشر ہوگی اور اس کے حصے بکھرے ہوں گے تو آگے یہ آواز کیسے مؤثر ثابت ہوگی اس میں یہ پہلو انتہائی قابل غور ہے اس پر عمل درآمد ہو جائے تو ان شاء اللہ آگے راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے والذین جاھدوا فینالنھدینھم سبلناوان اللّٰہلمع المحسنین''

ترجمہ: (جو اللہ کے دین کیلئے کوشش کرے گا اللہ اس کیلئے راستے کھول دیں گے اور بے شک وہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔)

(بشکریہ: ہفت روزہ ضرب مومن جلد۵ شمارہ ۸۔۲۱ تا ۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ)

حقانیہ سے حقانیہ تک

صاحبزادہ حضرت مولانا سید عبدالصبور ترمذی مدظلہم

حضرت اقدس فقیہ العصر مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ مدرسہ حقانیہ ساہیوال سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اجلاس ۱۴۰۲ھ میں شرکت کیلئے اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے تھے اس سفر میں آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا سید عبدالصبور ترمذی مدظلہم بھی ہمراہ تھے۔ سفر سے واپسی پر موصوف نے اس تمام سفر کی مختصر روئیداد قلم بند کر لی تھی۔ افادۂ عام کیلئے ''حقانیہ سے حقانیہ تک'' کے نام سے پیش خدمت ہے (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر روئیداد سفر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

برائے شرکت اجلاس وفاق المدارس العربیہ پاکستان

احقر ہمراہ حضرت والد صاحب مدظلہ العالی چھ بجکر چالیس منٹ پر مدرسہ حقانیہ ساہیوال سے ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ شب آٹھ بجے بذریعہ بس سرگودھا مدرسہ مدینۃ العلوم میں نو بج کر پندرہ منٹ پر پہنچا رات کو وہاں قیام رہا، چار بجے صبح اسٹیشن پر روانگی ہوئی بذریعہ ریل کار روانہ ہوئے سوار کرانے کیلئے مولوی محمد رمضان اور عزیزم عبدالودود اسٹیشن تک آئے ملکوال اسٹیشن پر ہلکا سا ناشتہ کیا ریل کار راولپنڈی پونے بارہ بجے پہنچی اسٹیشن پر استقبال کیلئے حاجی ظفر صاحب موجود تھے وہ اپنے ہمراہ لے گئے کھانے سے قبل ظہر کی نماز قریب ہی مسجد میں ادا کی بعدازاں حاجی صاحب مذکور کے ہاں کچھ کھانا کھایا اور گھر میں دعا اور بچوں پر دست شفقت رکھ کر روانہ ہو گئے اکوڑہ خٹک کیلئے روانگی ہوئی ویگن پر حاجی صاحب سوار کرا گئے ۵۰-۳ پر راولپنڈی سے روانگی ہوئی نماز راستہ میں خیرآباد کینٹ میں ادا کی،

ویگن دارالعلوم اکوڑہ خٹک کے سامنے پہنچی۔ ٦ بجے شام استقبالیہ واراکین نے استقبال کیا اور شناختی کارڈ اور اندراج کے بعد حضرت کا سامان اٹھا کر ایک صاحب موجودہ دفتر اہتمام تک لائے بعد نماز مغرب حضرت کو قیام گاہ پر پہنچایا گیا اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب سے مصافحہ ومعانقہ کے بعد خصوصی قیام گاہ پر پہنچایا گیا، سب سے پہلے مولانا سلیم اللہ خان صاحب ملے اور خوش طبعی سے فرمایا کہ آپ کراچی نہیں پہنچ سکتے اور یہاں پہنچ گئے، حضرت نے برجستہ جواب دیا کہ آپ یوں کہیں کہ ہم آپ کو یہاں بھی بلا سکتے ہیں حضرت کے کمرے میں مولانا سلیم اللہ خان صاحب، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا قاری اسعد تھانوی ملاقات کیلئے تشریف لائے اور عشاء تک مسائل حاضرہ خصوصاً مسئلہ ختم نبوت کے متعلق ترمیم پر گفتگو جاری رہی اور اس ترمیم کا اچھی طرح جائزہ لیا گیا، حضرت نے قاری اسعد صاحب کو فرمایا کہ آپ جسٹس تنزیل الرحمٰن سے ملیں اور آگاہ کریں اور جو اس کیلئے صدر صاحب کر سکتے ہیں اس پر ان کو وفد کی شکل میں مجبور کیا جائے۔ عشاء کے بعد آرام کیا گیا۔

۲۸ / مارچ ۸۲ء حضرت والد صاحبؒ نے فجر کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام کیا ناشتہ کے بعد وفاق کے اجلاس شوریٰ وقت مقررہ جامع مسجد اکوڑہ خٹک دارالعلوم حقانیہ میں پہنچے، گیارہ پچپن تک اجلاس جاری رہا اور حضرت بغیر کسی سہارے کے بیٹھے رہے، اس دوران بڑے روح افزاء مناظر دیکھنے میں آئے مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث ومہتمم مدرسہ مذکور کی زیر صدارت کاروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا بعد ازاں پشتو زبان میں نظم پیش کی گئی اس کے بعد ناظم اعلیٰ وفاق نے اپنی تقریر میں وفاق کی گذشتہ کاروائی اور آئندہ وفاق کی تنظیم پر شرکاء پر زور دیتے ہوئے شرکائے شوریٰ کی دور دراز علاقوں سے سفر کر کے ان کی آمد پر خوش آمدید کہا اور قبل ازاں میزبان کے حسن انتظام اور انتظامیہ کے کام کو سراہا ابھی حضرت کا بیان جاری تھا کہ حضرت مولانا عزیر گل صاحب جو حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ مالٹا میں اسیر رہے اور اس اجلاس میں وہ مہمان خصوصی تھے تشریف لے آئے، بیان ختم ہو گیا بعد ازاں محترم میزبان حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی طرف سے خطبہ استقبالیہ ان کے لائق فرزند مولانا سمیع الحق صاحب نے پڑھ کر سنایا جس میں مہمانوں کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کیلئے ایسے جامع مانع اور وقیع الفاظ استعمال کئے گئے جو آب زر سے لکھنے کے قابل تھے، استقبالیہ الفاظ میں ایسے موتی جڑے تھے جو گویا حضرت موصوف کے اخلاص اور تقویٰ کی عملی تصویر

تھی ۔ جواب استقبالیہ میں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ نے استقبالیہ کو بے مثال اور وفاق کیلئے مشعل راہ قرار دیا اور فرمایا کہ مولانا نے وفاق کو ایسی تجاویز دی ہیں جن پر عمل کر کے وفاق کو چار چاند لگ جائیں گے ۔ مولانا مذکور کی تائید میں نامور شخصیات نے تائیدی جملے ارشاد فرمائے ۔

حضرت والد صاحب (مدظلہ) کو بھی دعوت دی گئی آپ نے بھی چند منٹ تقریر میں فرمایا کہ استقبالیہ میں جن تجاویز کا ذکر ہے اگر ان پر صرف ایک سال عمل کیا جائے تو وفاق کی موجودہ حالت ترقی پذیر ہو جائے گی ۔ دیگر حضرات نے بھی استقبالیہ کو سراہا اجلاس ختم ہونے سے پہلے بعض حضرات نے مولانا عزیر گل صاحب کی خدمت میں سند حدیث ملانے کیلئے ایک حدیث پاک پڑھنے کیلئے عرض کیا، کافی اصرار کے بعد مولانا موصوف نے دھیمی آواز میں فرمایا کہ یہ مصنوعی باتیں ہیں چنانچہ اس پر مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے عرض کیا کہ اکابر کو انکار کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، تو مولانا موصوف نے قدرے بلند آواز سے فرمایا کہ میں اکابر سے نہیں، مولانا رفیع عثمانی نے جراءت کر کے حاضرین پر گویا احسان کیا۔ حالانکہ پروگرام کے مطابق دعا کیلئے مولانا عزیر گل صاحب کا نام تھا مگر حضرت نے اس قدر عجز وانکساری کی باوجودیکہ حضرت شیخ الحدیث مصر تھے کہ دعا فرماویں حضرت انکار ہی فرماتے رہے بالآخر حضرت شیخ الحدیث نے ہی دعائیہ کلمات پڑھے اور سب غائب وحاضر امت مسلمہ کیلئے دعا فرمائی اور یوں یہ پہلی نشست اختتام پذیر ہوئی ۔ بعدازاں مولانا عزیر گل صاحب سے مصافحہ کرنے سے گو منع کیا جا رہا تھا مگر علماء اور صلحا کا ایک جم غفیر اس اعلان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت سے مصافحہ کی سعادت حاصل کر رہے تھے ، حضرت والد صاحبؒ نے ادباً مصافحہ نہ کیا مگر احقر کو اجازت دی کہ اگر موقع مل جائے تو تم بھی مصافحہ کرلو اور اللہ کے فضل سے احقر کو یہ سعادت اسی جم غفیر میں دو مرتبہ حاصل ہوئی ، پہلا مصافحہ حضرت والد صاحب کی طرف سے اور ایک احقر نے خود اپنی طرف سے کیا، ظہر کی اذان سے پہلے کھانے کا اعلان ہوا حضرت والد صاحب نے اس وقت کھانے کو اپنے لئے خلاف معمول قرار دیا اور فرمایا اگر چائے کا ایک کپ میسر آ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کیلئے خصوصی اہتمام نہ کیا جائے ، چند منٹ آرام کیا اور ظہر کی نماز کے بعد اجلاس میں شرکت سے قبل ایک قریبی سٹال پر چند مخلصین کی دعوت پر چائے نوش فرمائی ۔ اجلاس کی دوسری نشست عصر تک جاری رہی اس میں زیادہ وقت ناظم اعلیٰ وفاق نے بیان کیا، نماز عصر کے بعد حضرت کی قیام گاہ پر علماء

ملاقات کیلئے آنا شروع ہوگئے جنہوں نے مسئلہ حیاۃ النبیؐ کی حقیقت اور معترضین کے اشکال کو بڑے تحقیقی انداز میں پیش کیا، اسی دوران مولانا قاری عبدالسمیع سرگودھا سے تشریف لے آئے اور ان کیلئے فوری طور پر قیام گاہ کا انتظام نہ ہوسکتا تھا چنانچہ ان کو حضرت کی قیام گاہ پر لایا گیا تو حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ آپ بخوشی یہاں قیام فرمائیں کمرہ میں جگہ موجود ہے، حضرت والد صاحبؒ نے موصوف کے والد مکرم حضرت مفتی محمد شفیع سرگودھوی کا ذکر شروع کیا اور فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم سے جب ملاقات ہوتی بڑی چاہت سے ملتے اور اٹھنے کے بعد بھی گھنٹوں کھڑے رہتے اور سلسلہ کلام جاری رکھتے، جب حضرت مفتی صاحب کے اساتذہ کا ذکر آیا تو ان میں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور) امرتسری کا ذکر بھی آیا، اور اس پر حضرت والد صاحبؒ نے ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا، کہ جب حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ سے بیعت ہونے کیلئے گئے، تھانہ بھون پہنچے تو حضرت نے پوچھا کہ آپ نے حدیث کہاں سے پڑھی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے عرض کیا فلاں عالم کے پاس، وہ اتفاقاً غیر مقلد تھے، اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ سے حدیث پڑھو، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ایک سال دورۂ حدیث حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ سے دارالعلوم دیوبند میں دورہ پڑھا بعد ازاں بیعت کی غرض سے تھانہ بھون پہنچے، اتفاق سے حضرت مفتی صاحب کی دو بیویاں تھیں ایک اٹک میں اور ایک امرتسر میں، حضرت تھانویؒ نے فرمایا آپ کی بیوی جو ہمراہ نہیں اس کے حقوق کی کیا صورت ہے، حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت انہوں نے (بیوی نے) اپنے حقوق مجھ پر معاف کر دیئے ہیں، حضرت تھانویؒ نہ صرف عالم دین اور مکمل متبع سنت تھے بلکہ حقیقتاً حکیم الامت تھے، فوراً کہا کہ کیا آپ نے اپنی بیوی کو یہ مسئلہ بھی بتلا دیا ہے کہ وہ اپنے حقوق جب چاہیں واپس لے سکتی ہیں، حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا حضرت یہ تو نہیں بتلایا، فرمایا کہ انہیں پورا مسئلہ بتاؤ، اس طرح حضرت مفتی محمد حسن صاحب مرحوم حضرت کی بیعت ہوئے اور موصوف کو خلافت بھی عطا ہوئی۔ احقر نے بچپن میں اس وقت حضرت مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کی زیارت کی جب حضرت نیلا گنبد لاہور میں قیام فرما تھے اور جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ زیر تعمیر تھا، اب جامعہ اشرفیہ کا شمار حضرت کی برکت سے ملک کے نامور اداروں میں

ہوتا ہے اللہ تعالیٰ علم کے اس سرچشمہ اور صدقۂ جاریہ کو قائم دائم رکھیں اور حضرت مفتی صاحب کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشیں۔آمین ثم آمین

مغرب کا وقت ہوا اور حضرت والد صاحب مسجد میں تشریف لے گئے بعدازاں قیام گاہ پر علماء کرام تشریف لے آئے جن میں قاضی عبداللطیف کلاچی ممبر مجلس شوریٰ (ضیاء الحق مرحوم) اور حضرت مولانا عبدالمجید کہروڑ پکا قابل ذکر ہیں، یہ ملاقات عشاء تک جاری رہی، عشاء کے بعد حضرت والد صاحب کو خصوصی طور پر ایک اہم مسئلہ پر گفتگو کیلئے (دیوبند جانے کے متعلق) مجلس عاملہ کے اجلاس میں مدعو کیا اور رات کے قریباً ایک بجے تک گفتگو ہوتی رہی۔احقر عشاء کے بعد سے مجلس شوریٰ کے اجلاس میں حاضر رہا۔حضرت رات گئے قیام گاہ پر تشریف لائے تو مولانا اسعد میاں تھانوی تشریف لائے کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں پھر آپکے پاسپورٹ اور دیگر متعلقہ کاغذات کی تکمیل کے بعد تشریف لے گئے۔اس کے بعد حضرت نے آرام کیا۔

۲۹/ مارچ ۸۲ء ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ : نماز فجر کے بعد قریباً آدھ گھنٹہ آرام کیا، بعدازاں ناظم اعلیٰ وفاق مولانا سلیم اللہ خان اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی خصوصی بات چیت کیلئے قیام گاہ پر تشریف لائے۔اہم سیاسی اور دینی مسائل پر ایک گھنٹہ بات چیت ہوتی رہی آخر میں احقر جب پہنچا تو آگرہ سے آمدہ استفتاء پر بات ہو رہی تھی کہ جواب ارسال کیا جائے یا نہ، حضرت مفتی محمد رفیع صاحب نے فرمایا اس میں سکوت مناسب ہے، بعدازاں والد صاحب نے فرمایا میرا ارادہ آج واپسی کا ہے، مفتی صاحب نے فرمایا میں بھی آج روانہ ہو جاؤں گا، مفتی صاحب نے اپنے والد ماجد مرحوم کے طریقہ کے مطابق مصافحہ اور معانقہ کیا چنانچہ احقر نے دو مفتیوں کے مابین ایک عجیب طریقہ پر مصافحہ دیکھا کہ دونوں حضرات ایک دوسرے پر آیت الکرسی پڑھ کر دم کر رہے ہیں اس کے بعد حضرت مفتی صاحب عثمانی مدظلہ سے احقر نے مصافحہ اور معانقہ کیا مفتی صاحب نے احقر کو فرمایا کہ آپ کبھی کراچی آیا کریں، بعدازاں حضرت مفتی صاحب اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور حضرت والد صاحبؒ کے حکم پر احقر اسباب باندھنے لگا۔

احاطہ مہمان خانہ میں حضرت والد صاحب نے مولانا سمیع الحق صاحب کو بلوایا وہ اس وقت مجلس عاملہ کے اجلاس میں تھے وہ جب باہر آئے تو فرمایا کہ حضرت میری عرصہ سے خواہش تھی کہ آپ

یہاں تشریف لائیں اللہ تعالیٰ نے یہ موقع فراہم کیا، اس ہنگامہ اور مصروفیات میں ہم آپ سے استفادہ نہ کر سکے اور میری خواہش تھی کہ طلبہ حقانیہ کو آپ خطاب فرمائیں، آپ کو ان شاء اللہ پھر دعوت دی جائے گی مصافحہ اور معانقہ کے بعد حضرت والد صاحب مدظلہ مہمان خانہ سے آٹھ بجکر بیس منٹ پر روانہ ہوئے، اس وقت مولوی محمد رمضان سرگودھوی اور محمد افضل احقر کے علاوہ حضرت کے ہمراہ تھے دارالعلوم حقانیہ کی حدود سے باہر آنے پر یہ مشورہ طے پایا کہ عظیم بزرگ اور حضرت تھانویؒ کی یادگار نوشہرہ میں قیام فرما ہیں ان سے بھی ملاقات ہو جائے، چنانچہ نوشہرہ میں بذریعہ بس نوشہرہ کی جامع مسجد میں ٹھیک نو بجے داخل ہوئے اور نوافل ادا کئے، حضرت مولانا قاضی عبدالسلام خلیفہ حضرت تھانویؒ مسجد کے حجرہ میں آرام فرما تھے۔ یاد رہے حضرت کے مسجد میں داخل ہونے سے پیشتر ایک مدرس نے (جن کا نام غلام خیر البشر ہے) حضرت کو مدرسہ دکھایا اور حضرت قاضی صاحب کے معمولات سے مطلع کیا، چنانچہ حضرت والد صاحب سوا گھنٹہ تک مسجد میں حضرت قاضی عبدالسلام دامت برکاتہم کے حجرہ مسجد سے نکلنے کے منتظر رہے۔ حضرت قاضی صاحب نے دس بجکر پندرہ منٹ پر دروازہ کھولا اور عصا کے سہارے کھڑے رہے۔ حضرت والد صاحب اور ہم سب احتراماً کھڑے ہو گئے، حضرت قاضی صاحب چند قدم چلے اور السلام علیکم کہا۔ سب نے جواب دیا۔ حضرت والد صاحب کے حکم پر احقر نے حضرت کو بٹھانے میں مدد دی اس میں حضرت والد صاحب نے احقر کی امداد فرمائی، حضرت قاضی صاحب دامت برکاتہم کو حضرت والد صاحب نے اپنا مختصر تعارف کرایا۔ حضرت قاضی صاحب مخصوص انداز میں عالم کی بے ثباتی اور اللہ تعالیٰ کی دینی اور دنیوی نعمتوں کا ذکر فرماتے رہے اور اشک بار تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب دنیوی امتحان گاہ میں کاغذ اور پنسل دی جاتی ہے تو اس کو سر پر رکھ لیا جاتا ہے اور اس کی قدر کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی نعمتوں سے نوازا ہے اور ہم کس قدر ناشکری اور کفران نعمت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے، اس پر حضرت کافی دیر تک روتے رہے، ماحول روتا رہا، گویا کائنات کا ذرہ ذرہ اس وقت رو رہا تھا اور قلب پر ایسی کیفیت طاری تھی جس کو الفاظ کے رنگ میں ہرگز پیش نہیں کیا جا سکتا، حضرت نے فرمایا میں بیمار ہوں، صحت بڑی نعمت ہے، جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے تو نے صحت کی کیا قدر کی تو میں اس وقت کیا جواب دوں گا۔ حضرت اپنے ہاتھ کو بار بار ساق (پنڈلی) پر مارتے رہے اور روتے رہے۔ یہ منظر بڑا

پر کیف اور روح پرور تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت تھانوی کی اس زندہ نشانی کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔

حضرت والد صاحب نے احقر سے کہا کہ چلیں اور حضرت سے دعا کی درخواست کی جائے احقر نے ترساں ولرزاں عرض کیا تو احقر کی پشت پر ہاتھ رکھا اور حضرت نے یہ آیت پڑھی ادعــونـی استجـب لـکـم ،فرمایا ادعو جمع کا صیغہ ہے سب کیلئے دعا فرمائیں، امت مرحومہ کیلئے دعا ہو، امت مسلمہ کیلئے دعا ہو آپ بھی میرے لئے دعا کریں سب کیلئے دعا کریں، یہ دعا جلب رحمت ہے، حضرت چند لمحے خاموش رہے، گویا کشف کی حالت ہے پھر حضرت والد صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا آپ مجاہد ہیں آپ دین کی خدمت کررہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت کو قبول کرے، حضرت والد صاحب خاموش تھے اور آنسو بہا رہے تھے، پھر حضرت والد صاحب سے پوچھا آپ کے ہمراہ یہ کون ہیں ،حضرت والد صاحب نے عرض کیا یہ میرے دوست عزیز ہیں (محمد افضل) یہ مدرس ہیں (مولوی محمد رمضان) اور یہ میرا بڑا لڑکا ہے (عبدالصبور) بعدازاں حضرت نے دعا فرمائی اور چند منٹ لگے سب نے آمین آمین کہا۔ اس کے بعد حضرت سے مصافحہ کیا حضرت بیٹھے رہے فرمایا کوئی طالب علم بھی نہیں آپ کو اڈہ تک پہنچا آئے ، بعدازاں احقر نے مصافحہ کیا حضرت نے پوچھا آپ کا کیا نام ہے میں نے عرض کیا عبدالصبور، حضرت نے اپنی زبان مبارک سے دہرایا عبدالصبور، اوراس وقت میری عجیب حالت تھی ، مجھے وہ بزرگ ہستی حضرت تھانویؒ کی محبوب اور معتمد ہستی (مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً) یاد آئی جنہوں نے اس ناکارہ کا یہ نام رکھا تھا حضرت کو مسجد میں بیٹھے چھوڑ کر ہم رخصت تو ہورہے تھے مگر جیسے قدم ساتھ نہ دیتے ہوں ،ہم آدھا گھنٹہ حضرت کی خدمت میں رہے اور ٹھیک گیارہ بجے نوشہرہ سے راولپنڈی جانے والی بس میں سوار ہوئے جبکہ محمد افضل پشاور چلا گیا اکوڑہ خٹک دارالعلوم حقانیہ کے سامنے سے بس جب گذری تو احقر نے دیکھا مسجد کے صحن میں کافی حضرات علماء کرام جمع ہیں اور ایک بار پھر دارالعلوم حقانیہ چند لمحے احقر کی نظروں کے سامنے تھا۔ اللہ کے فضل سے ایک بجکر پچیس منٹ پر بس نے راولپنڈی اڈہ پر ہمیں پہنچایا، حضرت والد صاحب مدظلہ نے صرف چائے پر اکتفاء کیا احقر اور مولوی محمد رمضان نے کھانا کھایا، راولپنڈی سے سرگودھا جانے والی ٹرین کا وقت ۲ بجے کا معلوم تھا ہم نے کچھ عجلت سے کام لیا اور جلدی سے کرایہ کی کار میں بیٹھ گئے ،پونے دو بجے وہ پیرودھائی سے راولپنڈی کیلئے راوانہ ہوئی اور پندرہ منٹ میں راولپنڈی اسٹیشن پر

پہنچی، دفتر معلومات سے پتہ کیا تو جواب ملا گاڑی روانہ ہونے میں پانچ منٹ ہیں، ٹکٹ خریدے اور پلیٹ فارم نمبر ۵ پر سرگودھا جانے والی ٹرین کھڑی تھی ہم سوار ہوئے اور بحمد اللہ جگہ بھی مل گئی حضرت والد صاحب نے ٹرین میں ہی وضو کیا اور وہیں کھڑے ہونے کی جگہ تھی ظہر کی نماز ادا کی۔ ٹرین دو بجکر پچیس منٹ پر راولپنڈی سے روانہ ہوئی، احقر نے بعد گاڑی روانہ ہونے کے نماز ادا کی، فراغت کے بعد میں نے وفاق المدارس کا نصاب ہشت سالہ دکھایا، اتنے میں ایک صاحب جو شیروانی اور شلوار میں ملبوس اور سر پر کلہ رکھے میرے قریب بیٹھے تھے انہوں نے میرے ہاتھ سے نصاب پنج سالہ لے لیا اور مطالعہ کرنے لگے۔ حضرت والد صاحب مدظلہ نے درجہ موقوف علیہ سے متعلق کتب اور عزیز عبدالقدوس سلمہ متعلم جامعہ اشرفیہ لاہور کی کتب سے موازنہ کیا تو فرمایا کہ ماشاء اللہ عبدالقدوس نے نقشہ سے زائد کتابیں شروع کر رکھی ہیں، احقر نے عرض کیا بجا ہے۔ اتنے میں ان صاحب نے نصاب پنج سالہ میرے حوالے کیا حضرت والد صاحب نے نصاب ہشت سالہ ان کو دیا اور فرمایا اس کو پڑھو وہ پہلا تو ابتدائی بچوں کیلئے ہے۔ اب وہ نصاب ہشت سالہ کو دیکھنے لگے کچھ دیر کے بعد کہنے لگے درست ہے اگر اس نصاب کو عصری تقاضوں کے مطابق ترتیب دیا جاتا تو اور اچھا ہوتا اور کہنے لگے مجھے مطالعہ کا شوق ہے میری لائبریری میں قابل اعتماد کتب ہیں، انہوں نے چند تفاسیر کا ذکر کیا، حضرت نے تفسیر معارف القرآن کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے کہا وہ میرے پاس ہے اور میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے، ان کا یہ کہنا تھا حضرت والد صاحب ان کی طرف متوجہ ہو گئے، کم و بیش حضرت والد صاحب نے تین گھنٹے تک گفتگو کی۔ شروع میں حضرت والد صاحب نے پوچھا کیا کام کرتے ہو، انہوں نے کہا ملازمت ہے اور میں گوجرانوالہ میں مقیم ہوں روالپنڈی میں ملازمت ہے، ایڈیشنل جج، حضرت والد صاحب نے سیرۃ المصطفٰے کے متعلق کہا انہوں نے کہا وہ بھی میری لائبریری میں ہے اور میں نے مطالعہ کیا ہے، معارف الحدیث مولانا منظور نعمانی کا بھی وہ مطالعہ کر چکے تھے۔ بہر حال تین گھنٹوں کی اس طویل گفتگو میں ان کو بزرگوں خصوصاً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اور نصیحت آموز واقعات سنائے، جن کو وہ بہت غور سے سنتے رہے اور محظوظ ہوتے رہے، مثلاً مجذوب کے لنگوٹے کا واقعہ......
کو حالات حاضرہ پر منطبق فرمایا کہ آج کل معاشرہ اسی کشاکش اور دینی بے راہ روی کا شکار ہے جو دولت مند ہیں وہ اپنے نونہالوں کو سکولوں کالجوں کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ لوگ جن کی مالی

حالت کمزور ہے وہ اپاہج نابیناؤں کو مدارس عربیہ میں بھیج دیتے ہیں ،تو پھر کیا ان معذور طلباء سے یہ توقع کی جائے کہ ان میں شبلی اور ندوی جیسے لوگ پیدا ہوں، آپ ٹھنڈے دل سے یہ سوچیں کہ آپ نے ہمیں کس درجہ کے بچے دیئے ہیں، بالآخر ہم انہیں بچوں پر محنت کرتے اور انہیں کسی قابل بناتے ہیں، اگر ہمارے معاشرے کی یہی حالت رہی تو آئندہ دین کے کتنے اور کیسے سپاہی پیدا ہوں گے؟ یہ بیان کافی دیر تک جاری رہا بعد میں مدارس عربیہ کے سروے سے متعلق حکومت کی مقرر کردہ ٹیم کے بارے میں جج صاحب کو بتلایا اور پورا واقعہ سنایا، اس میں حکومت وقت کی اس کوتاہی کا ذکر بھی کیا جس نے انہیں مدارس عربیہ کے مزاج کے مطابق لباس اپنانے کی ہمت نہیں کی جج صاحب نے بھی اپنے خیالات کا اظہار بڑے اچھے انداز میں کیا کہ علماء دیوبند نے اچھے رجال پیدا کئے ہیں۔ اب قحط الرجال روز افزوں ہے، احقر نے ان سے پتہ بھی لیا چونکہ انہیں اچھی کتابیں دیکھنے کا شوق ہے عصر کا وقت ہو چکا تھا جج صاحب باوضو تھے انہوں نے حضرت والد صاحب کی اقتدا کی اور چلتی ٹرین میں نماز ادا کی کچھ دیر کے بعد جہلم کے اسٹیشن پر مصافحہ کرکے اتر گئے، بالآخر گاڑی پونے دس بجے رات ریلوے اسٹیشن سرگودھا پہنچی، ہم نے سفر پیدل کیا اور پھر رکشے پر سوار ہو کر مدینۃ العلوم دس بجکر پچیس منٹ پر پہنچے، حضرت والد صاحب نے نماز عشاء ادا کی اور چائے نوش فرما کر مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔

۳۰ / مارچ ۸۲ء ۴ / جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ: فجر کے وقت صبح پونے پانچ بجے حضرت والد صاحب نے احقر کو بیدار کیا، پانچ بجے نماز فجر ادا کی بعد میں قریباً دس منٹ تک حضرت مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحب سے بات چیت ہوتی رہی، پیدل سٹی سٹاپ پر پہنچے پونے چھ بجے سرگودھا سے ساہیوال کیلئے بس روانہ ہوئی اور چھ بجکر تیس منٹ پر حضرت والد صاحب ساہیوال اڈے پر اترے مدرسہ حقانیہ کے دفتر میں ٹھیک چھ بجکر پچاس منٹ پر داخل ہوئے۔

اس طرح یہ سفر ماشاءاللہ بہت خوب رہا۔

نوٹ: احقر نے اس سفر کی روئیداد ۴ / جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ ۳۰ / مارچ ۱۹۸۲ء کو ہی سفر سے واپسی پر قلم بند کی۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

نقوش وتأثرات

حضرت فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس اللہ سرہ العزیز
کے متعلق
علماء کرام ومشائخ عظام اور اہل قلم کے تأثرات ومضامین کا مجموعہ

مرتبہ

مولانا مفتی محمد شاکر صاحب زید مجدہ
فاضل دارالعلوم کراچی ومتخصص جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ کی عظیم شخصیت مشائخ عظام وعلماء کرام میں ایک خاص مقام کی حامل تھی آپ کو خواص سے لے کر عوام تک یکساں مقبولیت ومحبوبیت حاصل تھی حضرات اکابر اور علماء کرام نے اپنے جن تأثرات کا اظہار کیا اور آپ کی شخصت کے متعلق جو مضامین لکھے وہ پیش خدمت ہیں۔ تاہم مضامین کی کثرت اور کتاب کی غیر معمولی ضخامت کے پیش نظر ان میں اختصار ناگزیر تھا جس پر ہم معذرت خواہ ہیں اور تمام معاونین کے شکر گزار ہیں۔ فقط (مرتب)

روحانی نسبتوں کی حامل شخصیت

مرجع العلماٗ حضرت اقدس نواب محمد عشرت علی خان قیصر مدظلہم العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مرجع العلماٗ

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں   کہیں سے آبِ بقاءِ دوام لا ساقی

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون یا یوں کہیے کہ خمخانہ معرفت و رشد وہدایت کے پروردہ اور تربیت یافتہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ نے جس وقت داعی اجل کو لبیک کہا بندہ اس وقت بعد عشاء کھانا کھا رہا تھا دوران طعام ہی ٹیلیفون پر حضرت نور اللہ مرقدہ کی رحلت کی اطلاع ملی دوسرا لقمہ نہ توڑ سکا بھوک اڑ گئی اس وقت محسوس ہوا کہ اولیاء اللہ صادقین کی ایک محبت بھری نظر اس قدر قوی ہوتی ہے اور قلب پر وہ اثر کر جاتی ہے جو بعض اوقات نسبی تعلق سے سبقت لے جاتی ہے

؎ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

ہر سال مجلس صیانۃ المسلمین کے سالانہ اجتماع میں حضرت مفتی صاحبؒ کی زیارت وہمکلامی کی سعادت سے مشرف ہوتا تھا لیکن یہ تمنا ہی رہی کہ جامعہ حقانیہ جاؤں حضرتؒ کی مجلس میں زانوئے ادب طے کروں ایک عارف باللہ باقی باللہ کے مکتب عشق میں سبق مقام فنا بھی پڑھ لوں وائے ناکامی کہ یہ حسرت رہ گئی ؎

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر   اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفاضہ کی راہ اب بھی کھلی ہوئی ہے روایات اور اولیا اللہ کے مشاہدات ومکشوفات سے فیض روحانی کا ثبوت ملتا ہے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے مرشد حضرت میاں جی نور محمد صاحب نور اللہ مرقدہ جھنجھانہ جاتے ہوئے مرض وفات میں

جب تھانہ بھون پہنچے تو اپنی پالکی خانقاہ کے دروازہ پر رکوائی اور حاجی صاحبؒ کو بلوایا فرمایا امداد اللہ میں تم سے مزید کام لینا چاہتا تھا کیونکہ تم مجرد ہو لیکن فقیر کا اب وقت آ گیا یہ سن کر حضرت حاجی صاحبؒ آبدیدہ ہو گئے رقت طاری ہوگئی یہ دیکھ کر حضرت میاں جیؒ نے فرمایا غم نہ کرو فقیر مرتا نہیں ہے ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہو جاتا ہے تم میری قبر پر آ جایا کرنا۔ یہ واقعہ بیان فرما کر حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو اپنے مرشد کی عارضی مفارقت کا غم تھا لیکن اصل سبب ان کے اشکبار ہونے کا یہ تھا کہ میرا شیخ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے لہٰذا اب باطنی ترقی رک جائے گی انکا یہ خطرہ حضرت میاں جیؒ کو مکشوف ہوا لہٰذا اطمینان دلایا کہ تم قبر پر آتے رہنا۔

حضرت حکیم الامتؒ نے مرحوم شیخ سے اکتساب فیض کے دو طریقے ارشاد فرمائے ہیں۔ اول صاحب قبر کے مواجہہ میں بذریعہ مراقبہ اتصالِ ارواح بین المرشد والمسترشد۔ دوئم مرید کا اپنے شیخ کی تعلیمات و اصلاحی افادات پر عمل کرنا جو زیادہ نافع اور مؤثر ہے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ کی وصایا میں بھی اس کی تائید موجود ہے ''سوانح و تعلیمات عارفی'' کتاب کے ص ۳۲۳ پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:

''میرا اصلاحی تعلق حضرت مرشدی و مولائی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ سے اگست ۱۹۲۷ء سے جولائی ۱۹۴۳ء حضرت کی وفات تک رہا اور الحمد للہ اب بھی روحانی تعلق قوی سے قوی ہے''۔

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ مرجع خلائق تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے نہایت اعلیٰ و ارفع نسبتوں سے نوازا تھا۔ علم و عرفان، عشق و ایقان، اخلاص و احسان، تفقہ و تقویٰ، حکمت، و موعظت تصلب فی الدین، تخلق بخلق اللہ وغیر ذالک بالخصوص نسبت سادات کی نعمت موہوبہ بیش بہا عطا ہوئی تھی ذالك فضل الله يؤ تيه من يشاء۔

حضرتؒ اپنی تصنیفات و تالیفات کا ایک ذخیرہ کثیرہ از قبیل باقیات صالحات اور جامعہ حقانیہ بطور صدقہ جاریہ امت کیلئے ترکہ میں دے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق عطا فرمائیں کہ اس کی قدر کریں اور عمل پیرا ہوں۔ حضرتؒ کے محاسن ذاتی و صفاتی، مکارم اخلاق و عادات، کمالات علمی و عملی و فقہی کی تفصیل طویل ہے مجھ جیسا نا اہل و ناکارہ ناقص و نادان علم و عمل سے خالی کیا قدر جانے۔

قدر گوہر شاہ بداند یا بداند جوہری

حضرتؒ کی ہمہ گیر جامع الصفات شخصیت پر اہل علم وفضل حضرات ہی کما حقہ تحریر فرما سکتے ہیں ؂

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار　　گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد

البتہ احقر کی ناقص نظر میں حضرتؒ کی شان قلندری نے بندہ کو سب سے زیادہ مستفیض ومتأثر کیا ہے فنائیت ومسکنت، عجز وانکساری، سادگی، پستی وتواضع، خاکساری وشکستگی، بے نفسی کے خصائل وفضائل نہایت ممیّز تھے جب بھی حضرتؒ کے رخ زیبا پر نظر ڈالی تو ان کو دیکھ کر اللہ یاد آیا ؂

مرد حقانی کی پیشانی کا نور　　کب چھپا رہ سکتا ہے پیش ذی شعور

حضرت مفتی صاحبؒ سے بندہ کی آخری ملاقات راولپنڈی میں ہوئی تھی ''ادارہ غفران'' کے مہتمم مفتی محمد رضوان صاحب کے ہاں قیام تھا حضرتؒ سرگودھا سے طویل سفر کر کے بعد عصر پہنچے تھے سفر کے تکان وتعب کے باوجود بعد مغرب حضرت کا بیان ہوا تھا حالانکہ آرام کی ضرورت تھی صحت بھی اچھی نہیں تھی دل کا عارضہ تھا نقاہت اور اضمحلال نمایاں تھا لیکن چونکہ وعدہ کر لیا تھا اس کا ایفاً کیا اتباع سنت بے حد کمال حضرتؒ کے خمیر میں پنہاں تھا اس پر حضرت مجدد تھانویؒ کی صحبت اور اصلاح نے زہد وجذب کی آمیزش سے مجلیٰ ومزکیٰ کر دیا تھا بہرحال ایک مرد حقانی اپنی نشانی ''جامعہ حقانیہ'' علماء امت کے حوالہ کر کے راہی ملک عدم ہوا ؂

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد ز عشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی روح کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور اپنے قرب خاص کے درجات رافعہ سے نوازے آمین بحق سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بندہ محمد عشرت علیخان قیصر عفی عنہ

یکے از غلامان درگاہ اشرفیہ عالیہ کراچی

۲؍ جمادی الاولیٰ ۲۲ھ

صاحب فضل وکمال

حضرت اقدس مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم بانی جامعہ فاروقیہ کراچی

مخدومنا المکرّم استاذ العلماء والمحدثین حضرت اقدس مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان وبانی جامعہ فاروقیہ کراچی کی عظیم علمی روحانی وعبقری شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں تمام اہل علم آپ کی خدمات کی بناپر آپ سے بخوبی واقف ہیں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے زمانہ سے ہی احقر کے والد ماجد یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ سے آپ کے گہرے تعلقات تھے اسی لئے ہم سب پر بھی آپ کی شفقت وعنایت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔حضرت اقدس والدصاحب کی وفات کے بعد آپ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا میں پہلی بار تشریف لائے تو ہماری بھرپور حوصلہ افزائی کی اور افادہ عام کیلئے بڑا عمدہ بیان بھی فرمایا جس سے علم وعمل کی ضرورت واہمیت اور افادیت واضح ہونے کے ساتھ حضرتؒ سے آپ کے خاص تعلقات کا بھی پتہ چلتا ہے۔حضرت موصوف کا یہ بیان جناب محترم ماسٹر منظور حسین صاحب ساہیوال نے کیسٹ سے نقل کیا ہے (سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ)

الحمد لله و كفى وسلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ امابعد:فاعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم وذكر فإن الذكرىٰ تنفع المؤ منين صدق الله العظيم.

﴿ دینی مدرسہ کی طالب علمی ﴾

میرے تعارف کے حوالے سے مولانا جو باتیں کہی گئیں ہیں ان کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ محبت کے جذبے سے سرشار ہوکر ایک ذرۂ بے مقدار کو اہم اور قابلِ ذکر قرار دینے کی کوشش کی ہے۔میں ایک بہت ہی حقیر سا ادنیٰ درجے کا طالب علم ہوں تعارف میں جن صفات کا ذکر ہے وہ میرے اندر موجود نہیں،مگر میں اس پر اللہ بزرگ و برتر کا ہمیشہ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے طالب علموں کی لڑی کے اندر پرودیا۔طالب علموں کی جماعت کے اندر میرا شمار ہوتا ہے ورنہ

جہاں تک علم کا، اس کی وسعت یا گہرائی کا تعلق ہے مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی تکلف نہیں کہ میں اس سے عاری ہوں۔ نہ میرے پاس علم ہے اور نہ اس میں وسعت یا گہرائی ہے یہ ضرور ہے کہ میں طالب علم شمار ہوتا ہوں اور الحمدللہ جب سے ہوش سنبھالا ہے اسی طالب علمی کے سلسلے سے وابستہ ہوں، کبھی زندگی میں کسی موڑ پر یا کسی مرحلے میں یہ وسوسہ بھی نہیں آیا کہ میں دینی مدرسے کا طالب علم نہ ہوتا بلکہ کچھ اور ہوتا تو اچھا تھا۔

علم دین کی قدر

اس سلسلے میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔ میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے آخری سال میں تھا اور یہ دارالعلوم کا میرا پانچواں سال تھا۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ دارالعلوم کی شوریٰ کے ممبر تھے اور ان سے میرے بہت قریبی تعلقات تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے بھانجے مولوی محمد رابع صاحب جواب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے حضرت مولانا ندویؒ کے انتقال کے بعد ان کے جانشین ہیں اور ان کے قائم مقام ہیں۔ ان کو دیوبند بھیجا تھا اور وہ میرے ساتھ رہتے تھے دارالعلوم میں داخل نہیں تھے میں نے ان کو اپنے کمرے میں جگہ دی ہوئی تھی حضرت جب دارالعلوم کی شوریٰ کے اجلاس میں تشریف لاتے تھے تو ان کے بھانجے مولوی محمد رابع صاحب کی وجہ سے ہم مہمان خانے میں جا کر ملا کرتے تھے، بے تکلف باتیں بھی ہوتی تھیں۔ مولوی محمد رابع صاحب کی وجہ سے وہ شفقت بھی فرماتے تھے۔

ایک روز انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم مصر چلے جاو اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سونے کی چڑیا ہو اگر وہاں چلے جاؤ گے تو کچھ نہ کچھ بن جاؤ گے میں نے بغیر کسی توقف کے فوراً ان سے یہ کہا کہ میں تو نہیں جاؤں گا وہ بہت حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ وہاں جانے کے لیے تو لوگ کیسی کیسی سفارشیں تلاش کرتے ہیں کیسے کیسے اس کیلئے پاپڑ بیلتے ہیں اور اس کے بعد پھر کئی لوگ وہاں جانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کئی ناکام رہتے ہیں اور میں تم سے خود کہہ رہا ہوں میرے تعلقات اس طرح کے ہیں کہ میرے کہنے سے فوراً تمہارا داخلہ ہو جائے گا اور تم کہتے ہو کہ میں نہیں جاؤں گا اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کی وجہ بہت سیدھی سادھی ہے میرے لیے یہ کوئی معمہ نہیں ہے میں اس لیے نہیں جاؤں گا کہ ہمارے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی دامت برکاتہم

ہیں انہوں نے سبق میں شاگردوں کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ مصر نہ جانا اور اس پر زور بھی دیا تھا اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں میں نہیں جانتا وہاں کیا ہوتا ہے اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے مجھے تو اپنے استاد کی یہ نصیحت یاد ہے اس لیے میں وہاں نہیں جاؤں گا میں نے حضرتؒ کے حوالے سے جب یہ بات کی تو مولانا خاموش تو ہو گئے لیکن ان کو بہت رنج ہوا اور مجھے خوشی بہت ہوئی کہ جان چھوٹ گئی۔ تو میں یہ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ یہ جو مدرسے کے طالب علم کی حیثیت مجھے نصیب ہوئی ہے مجھے اس پر ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرنے کی توفیق ملتی ہے، اگر میں مصر چلا جاتا تو مدرسے کا طالب علم نہ رہتا بلکہ نہ جانے میرا کیا بنتا۔

علمی خاندان کی عظمت و رفعت

اس کے بعد ایک بات اور عرض کرتا ہوں اور وہ بات یہ ہے کہ ایک تو ہوتے ہیں علماء اور صلحاء اور ایک ہوتے ہیں عوام الناس اس میں کوئی شک نہیں کہ جو علماء صلحاء ہوتے ہیں ان کی اولاد میں ان کے علم اور صلاح کے اثرات منتقل ہوتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے ان اکابر کے نقشِ قدم پر چلتے رہیں تو یہ ہوتا ہے یہ بات میں عوام سے کہہ رہا ہوں کہ جو علماء اور صلحاء نہیں وہ بھی اگر اپنی اولاد کو علم اور صلاح سے وابستہ کرنا چاہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ان کی بھی دست گیری کرتی ہے۔

مولانا عبدالقدوس وہ مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی کے صاحبزادے ہیں مولانا عبدالشکور ترمذیؒ وہ مولانا عبدالکریم صاحبؒ کے صاحبزادے ہیں تو ان کی بات تو دوسری ہوئی اور میں بھی ایک آدمی آپ کے سامنے بیٹھا ہوں میرے والد بالکل امی ایک سات آٹھ ہزار کے قصبے میں معمولی سے دکاندار، علم سے کوئی واسطہ نہیں اللہ مجھے معاف کرے علماء کی صحبت اور علماء سے رابطہ بھی بالکل ناپید تھا ایک روز ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب آئے تھے انہوں نے تقریر کی تھی تقریر بڑی لچھے دار تھی ہمارے والد صاحب کو پسند آ گئی تو انہوں نے مولوی صاحب کی شام کی دعوت کر دی مولوی صاحب ہمارے گھر آئے اور کھانا کھایا اس کا تو مجھے پتہ نہیں کہ کون سے مولوی صاحب تھے مجھے یہ بات یاد ہے کہ ایک مولوی صاحب آئے تھے ان کی ہمارے ہاں دعوت تھی جب والد صاحب ان کو رخصت کرنے کیلئے دروازے سے باہر آئے تو جیسے ہوتا ہے چھوٹے بچے بھی باپ کے ساتھ آ جاتے ہیں تو میں بھی اپنے والد کے ساتھ باہر نکل آیا میں چھوٹا سا تھا والد صاحب نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مولانا

صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب میرے اس بیٹے کیلئے بھی دعا کردو اللہ میاں اسے مولوی بنادے۔ یہ بات مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے مولوی صاحب نے یقیناً کچھ نہ کچھ دعائیہ کلمات کہے ہوں گے وہ مجھے نہیں معلوم والد صاحب کا دعا کیلئے کہنا مجھے یاد ہے۔

حضرت تھانویؒ کی شفقت

اس کے بعد آپ حیران ہوں گے کہ میرے ساتھ کیا ہوا؟ میرے ساتھ یہ ہوا کہ جب میں چھوٹا سا تھا اور تین پہیوں کی سائیکل چلانے کے قابل تھا تو میرے والد نے مجھے تین پہیوں کی سائیکل خرید کردی۔ ہمارے گھر سے تھانہ بھون تین کوس تھا اور کچا راستہ تھا اور میں اس تین پہیوں کی سائیکل پر سوار ہوکر حضرت تھانویؒ کی مجلس میں جمعہ کے دن جایا کرتا تھا۔ کیوں جاتا تھا مجھے کچھ پتا نہیں۔ وہاں جاکر کبھی سیدھا بڑے مولوی صاحب کے پاس بھی پہنچ جاتا وہ مرفوع القلم سمجھ کر مجھے کچھ نہیں کہتے تھے میں اٹھ کر پھر وہاں سے چلا آتا حضرتؒ کا جو بڑا گھر تھا اس کے ساتھ بھائی نیاز کا کمرہ تھا اور بھائی نیاز کے کمرے کے درمیان اور حضرت کے دروازے کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا وہ ہماری سائیکل اسٹینڈ تھا ہم سائیکل وہاں کھڑی کردیتے تھے اور خانقاہ پہنچ جاتے تھے اس کے بعد جب اور کچھ بڑے ہوئے تو ہمارے باپ نے دو پہیوں کی چھوٹی سی سائیکل ہمیں خرید کردے دی پھر ہم اس پر سوار ہوکر جایا کرتے اور حضرت تھانویؒ سے کچھ ایسی محبت تو میں اس کو نہیں کہہ سکتا، بہت چھوٹا تھا محبت کے مفہوم سے ناواقف تھا لیکن کچھ ایسی خلش ہوتی تھی کہ چلو تھانہ بھون چلو اور میں تھانہ بھون چلا جاتا الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ نے میرے سر پر ہاتھ بھی رکھا اور میرے لیے دعا بھی فرمائی۔

مشغلۂ علم دین

میں پڑھتا رہا اور بڑھتا رہا پہلے اسکول میں پڑھتا تھا اس زمانے میں اسکول کے اندر چوتھی جماعت تک پرائمری ہوا کرتی تھی تو میں نے پرائمری کی اس کے بعد کچھ فارسی پڑھی اس کے بعد عربی پڑھنے کے لیے جلال آباد آگیا وہاں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کی خدمت میں تقریباً اڑھائی سال میں نے پڑھا شرح جامی اور نورالانوار تک رابعہ کی کتابیں اڑھائی سال میں مکمل کیں اس کے بعد میں پھر دیوبند چلا گیا پانچ سال میں وہاں رہا اور اس کے بعد پھر میں آکر اپنے مدرسۂ جلال آباد میں آٹھ سال تک خدمت کرتا رہا اس کے بعد پھر میں جون ۱۹۵۴ء میں پاکستان آگیا تین سال میں

ٹنڈ واللہ یار میں رہا دس سال میں دارالعلوم کراچی میں رہا اور ایک سال دارالعلوم کی تدریس کے ساتھ ساتھ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں بھی تدریسی خدمات انجام دیتا رہا اور اس کے بعد پھر ۱۹۶۸ء میں جامعہ فاروقیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اب تک میں وہیں خدمت انجام دے رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے اپنی اس پوری زندگی کے اندر کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں مدرسے کی لائن کے علاوہ کوئی دوسری لائن اختیار کرتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرے پاس علم بہت تھوڑا سا ہے زیادہ نہیں ہے لیکن یہ کہ یہ نسبت مجھے حاصل ہے اور اس نسبت پر میں نے آپ سے عرض کیا کہ میں اللہ کا شکر ہمیشہ ادا کرتا ہوں۔

﴿ میرے عظیم محسن ﴾

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ میرے بہت ہی بہت ہی بہت محسن استاد تھے میں ان کا مرید نہیں ہوں میری بیعت کا تعلق حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ سے ہے وہ بھی حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب خاص طور پر پاکستان آنے کے بعد جب میری ملاقات ہوتی تھی تو میں ان کا شکریہ ادا کرتا تھا اور میں کہا کرتا تھا کہ حضرت آپ کا مجھ پر بہت احسان ہے میں کسی طرح بھی اس احسان کا بدلہ نہیں چکا سکتا اور نہ کسی طرح آپ کے احسان کا شکریہ ادا کرسکتا ہوں کئی مرتبہ جب یہ بات ہوئی تو مولانا نے فرمایا میرے تو بہت سے شاگرد ہیں، بہت سے مرید ہیں کبھی میں نے کسی کو اس طرح شکریہ ادا کرتے نہیں دیکھا نہ کبھی کسی کو میں نے اتنا احسان مند پایا یہ کیا بات ہے؟ تو یہ باتیں کیوں کرتا ہے؟ تو میں آپ کو وہی بات بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طالب علمی پر بالدوام قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔ حضرت مولانا کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات راسخ کردی کہ مجھے ہمیشہ طالب علم رہنا ہے اور طالب علمی چھوڑ کر کوئی اور لائن اختیار نہیں کرنی یہ مولانا کی برکت ہے۔ ورنہ میرے خاندان کا پس منظر بالکل دوسرا ہے۔ اگر مولانا کی صحبت نصیب نہ ہوتی اور مولانا کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل نہ ہوتی تو فارغ التحصیل ہونے کے باوجود میں طالب علم نہیں رہ سکتا تھا تو اس لیے بزرگو! آپ اپنی اولاد کو طالب علم بنائیں۔

میں نے آپ سے کہا تھا کہ جو علماء صلحاء ہیں ان کی اولاد تو بنتی ہی ہے اگر وہ اپنے ماں باپ

کے نقش قدم پر قائم رہتی ہے لیکن عوام الناس بھی اپنی اولاد کو عالم بنائیں میرا باپ تو عوام الناس میں سے تھا پڑھا لکھا نہیں تھا سوائے قرآن شریف پڑھنے کے اور معمولی اردو کے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے بیٹے کو طالب علم بننے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر یہی نہیں بلکہ ان کی نسل کو طالب علم بننے کی توفیق عطا فرمائی الحمدللہ میرے پوتے بھی ہیں میرے نواسے بھی ہیں حافظ ہیں سب عالم بن رہے ہیں آپ بھی کوشش فرمائیں۔

﴿ میرے بعض رفقائے درس ﴾

اس کے بعد پھر میں ایک بات آپ سے عرض کر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ حضرت مولانا عبدالشکور ترمذیؒ میرے حجرے کے ساتھی تھے دارالعلوم دیوبند میں میں اور وہ ایک کمرے میں رہے میں ان کو پہلے سے نہیں جانتا تھا ہمارے ایک ساتھی تھے حافظ رفیق صاحب اللہ نے ان کو بڑی خوبیوں سے نوازا تھا آج لوگوں کو معمولی معمولی باتیں پیش آ جاتی ہیں اور اپنی پڑھائی چھوڑنے کی بات کرتے ہیں حافظ رفیق صاحب میرے ساتھ میزان میں پڑھتے تھے اور دورۂ حدیث تک ساتھ رہے میں (ہاتھوں سے اپنی صغرسنی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے) اتنا سا تھا وہ شادی شدہ ان کا باپ کہتا تھا کہ یہ بھینس گھر میں باندھ رکھی ہے تجھے پڑھنے کی لگی ہوئی ہے پڑھائی کو چھوڑ، جلال آباد کے اسٹیشن سے ہم دیوبند جانے کیلئے جب ریل میں سوار ہوتے تھے تو نو آنے سہارن پور کا کرایہ تھا اور چھ آنے دیوبند تک کا کرایہ تھا کل پندرہ آنے ایک روپے میں ایک آنہ کم حافظ رفیق صاحب کے پاس بعض اوقات وہ پیسے بھی نہیں ہوتے تھے لیکن انہوں نے اپنی تعلیم کو جاری رکھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی خاص مدد یہ فرمائی کہ وہ میزان کے وقت شادی شدہ تھے۔ میرا تو ساتھ اسی وقت ہوا تھا یہ نہیں معلوم کہ ایک سال پہلے سے ان کی شادی ہوئی تھی یا دو سال پہلے لیکن یہ کہ اڑھائی سال جلال آباد اور پانچ سال دیوبند کے یہ ساڑھے سات سال وہ اور ہم ایک ساتھ تھے ایک کمرہ تھا ایک ہی گویا دسترخوان تھا ایک ہی جگہ کھانا پینا تھا اللہ نے مدد یہ کی کہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے تک ان کے یہاں کوئی بچہ نہیں ہوا۔ جب ہم دیوبند سے فارغ ہو کر جا رہے تھے تو معلوم ہوا کہ حافظ رفیق صاحب کے یہاں الیاس پیدا ہوا ہے یہ اللہ کی مدد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نوازا ہم تو خیر کیا ہیں اچھے اچھے علم وفضل کے مالک ان کے سامنے پانی بھرتے نظر آتے تھے۔

میرے بزرگو اور دوستو! وہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قرآن کریم حفظ کر چکے تھے اور وہاں سے ان کی مولانا مفتی عبدالشکورؒ سے واقفیت تھی جب مولانا عبدالشکور صاحبؒ دیوبند آئے تو حافظ رفیق صاحب نے ان کا استقبال کیا وہ ان کو جانتے تھے میں نے ان کو اپنے ہاں کمرے کی پیشکش کی۔ وہ کمرہ وہ تھا جس میں مولوی عتیق الرحمٰن سنبھلی (مولانا منظور نعمانیؒ کے صاحبزادے) مولانا ارشاد احمد فیض آبادی دارالعلوم دیوبند کے رئیس التبلیغ یہ آدمی میرے ساتھ اس کمرے میں رہے ہیں ایک کمرہ ہمارا اور تھا جس میں ہمارے سارے ساتھی رہا کرتے تھے تو مولانا عبدالشکور صاحبؒ وہاں ہمارے ساتھ رہتے تھے۔

﴿ ایک عظیم سعادت ﴾

ایک مرتبہ مولانا عبدالشکور صاحب کے والد ماجد مولانا عبدالکریم صاحبؒ تشریف لائے انکو ہر وقت مسائل کی تحقیق کی فکر لگی رہتی تھی ہر وقت وہ کسی نہ کسی مسئلے کی تحقیق میں مشغول ہوتے تھے جب وہ تشریف لائے تو انہوں نے حکم دیا کہ شامی لاؤ! تو کوئی طالب علم شامی لے آیا جب شامی آ گئی تو کتاب کھول کر مجھ سے کہا کہ یہاں سے عبارت پڑھو میری تو جان نکل گئی اتنے بڑے مولانا کے سامنے بغیر مطالعے کے عبارت کا پڑھنا یہ طالب علم لوگ جانتے ہیں ہنسی کھیل نہیں ہے لیکن یہ کہ بہر حال انکا حکم تھا اور کتاب انہوں نے میرے حوالے کر دی میں نے عبارت پڑھی اور وہ جس مسئلے کی تحقیق کر رہے تھے اس بارے میں پھر انہوں نے کوئی رائے قائم کی۔ تو یہ ایک واقعہ مفتی عبدالشکور صاحبؒ کی وجہ سے حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ کے ساتھ ہمارا پیش آیا ہم صرف اس لیے بیان کر رہے ہیں کہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؒ کی خدمت میں بھی ہمیں شامی کی عبارت پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی وہ میرے لیے تو ایک یادگار بات ہے۔

﴿ حضرت مفتی صاحبؒ کا علمی مقام ﴾

اس کے بعد پھر جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مولانا یہاں پاکستان آ گئے ہم بھی آ گئے وہ پہلے آئے ہم بعد میں آئے یہاں آنے کے بعد پھر ان سے رابطے شروع ہوئے ان رابطوں کے اندر بُعد مقامی کی وجہ سے کوئی زیادہ آمد و رفت کا سلسلہ تو نہیں ہوا لیکن یہ کہ بہر حال انکی مشغولیت اور ان کے انہماک کا حال معلوم تھا جہاں تک ان کے علم کا تعلق ہے اس کی وسعت اور گہرائی کا ہم بدل و جان

اعتراف کرتے ہیں اور یہ بات کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہے نہ اس میں اشکال ہے کہ وہ موفقین اور مؤیدین میں سے تھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص توفیق ان کو حاصل تھی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان سے خوب کام لیا۔ اس جیسے مقام پر جہاں وسائل ناپید، ذرائع معدوم اور مفقود لیکن انکی جو طلب تھی اور ان کے اندر جو گویا کہئے کہ اس علم کے ساتھ شغف اور انہماک تھا اس طلب، شغف اور انہماک کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ان توفیقات سے نوازا۔ بڑے بڑے ادارے ہیں، میں جس ادارے میں کام کرتا ہوں وہ بھی ایک بہت بڑا ادارہ ہے آپ کو اس کے بڑے ہونے کی ایک نشانی بتا دیتا ہوں کہ اس سال وفاق المدارس کے امتحان میں پورے ملک میں جتنے مراکز قائم ہوئے ہیں جامعہ فاروقیہ سے بڑا کوئی مرکز نہیں تھا الحمد للہ وہاں ہمارے اساتذہ واحباب ہیں جامعہ کا ایک نمونہ یہاں ہم نے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا تھا اور اس نے یہاں ایک مہینہ سے زائد عرصہ گزارا ہے تو حضرت مفتی صاحب مرحوم نے بھی اس کی تعریف فرمائی اور مفتی عبدالقدوس صاحب نے بھی اس کی تعریف فرمائی اور میں علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ ایسے نمونے جامعہ فاروقیہ میں ایک نہیں بہت ہیں، الحمد للہ ثم الحمد للہ لیکن کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ ہمارا کام تصنیف وتالیف اور تحقیق کے حوالے سے حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ کے کام کے مقابلے میں بلا شبہ صفر ہے، کوئی کام ہم نے نہیں کیا جو کیا وہ قابل ذکر اور شمار کیے جانے کے لائق نہیں اور یہاں جو مفتی صاحبؒ نے کام کیا ہے تمام اصحاب علم وفضل اس کی افادیت، اہمیت اور عظمت کو تسلیم کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو یہ توفیق عطا فرمائی۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طریقہ سے مولانا عبدالکریم صاحبؒ کا انہماک اور شغف تھا وہ خالص علمی آدمی تھے انہوں نے تربیت کی تھی مفتی عبدالشکورؒ کی۔ جب مفتی عبدالشکورؒ ایسے بنے، یہ ایسے ہی از خود نہیں بن گئے تھے نہیں نہیں۔ ایک ماہر محقق اور علم سے شغف رکھنے والے باپ کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی تو الحمد للہ مولوی عبدالقدوس اگر چہ نوجوان ہیں لیکن مفتی عبدالشکورؒ نے ان کی تربیت بھی اسی طرح کی ہے جیسے خود ان کی تربیت ہوئی تھی اس تربیت کی بنا پر اللہ کے فضل سے امید ہے اللہ ان کی حفاظت فرمائیں اور ان کو اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ کہ انشاء اللہ! ان کی خدمات کا دائرہ بھی اسی طریقے سے وسیع اور متنوع ہوگا اور اس میں گہرائی اور گیرائی بھی ہوگی، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس کا احسان وانعام ہے، بس یہ ہے کہ انکو چاہیے کہ اپنے بزرگوں سے رابطہ رکھیں اور ان کے بزرگ ان

کے قریب موجود ہیں لاہور ایک بہت بڑا مرکز ہے وہاں ان کے اکابر موجود ہیں دارالعلوم کراچی میں ان کے اکابر اور بزرگ موجود ہیں وہ حضرات ان کی رہنمائی میں انشاء اللہ کارآمد ثابت ہوں گے ان سے ان کو رابطہ رکھنا چاہیے۔ اسی کے ساتھ ہمارے اکابر واسلاف اور خود عزیزم مولوی عبدالقدوس صاحب کے والد گرامی قدر اور دادا محترم ومکرم کا علم وفضل کے ساتھ تزکیہ واحسان کے ساتھ جو گہرا اور مضبوط تعلق رہا عزیز موصوف کو اس کی طرف بھی توجہ رکھنی چاہیے۔

جامعہ حقانیہ اور ہماری ذمہ داری

اس کے بعد پھر ایک خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ آپ کا مدرسہ حقانیہ جس مقام پر واقع ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں آبادی ہے، جگہ کی تنگی ہے اور جامعہ میں جتنے شعبے کام کر رہے ہیں ان شعبوں کے مطابق یہاں گنجائش موجود نہیں ہے آبادی کے باہر نئی جگہ حاصل کر لی گئی ہے وہ جگہ جو باہر لی گئی ہے وہ الحمدللہ کشادہ اور وسیع ہے آپ حضرات کا تعاون ان کے ساتھ رہنا چاہیئے اور وہ محبت ہمدردی جو حضرت مفتی صاحبؒ کے زمانے میں تھی وہ نہ صرف یہ کہ برقرار رہنی چاہیے بلکہ اس میں اضافہ ہونا چاہیے تمام شعبوں کے مطابق وہاں پر انشاءاللہ انتظامات کیے جائیں گے وہ بڑی جگہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں ہے۔

رفیق قدیم

مصلح الامت جناب حضرت حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم کراچی

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحبؒ میرے خاص دوستوں میں تھے۔ ان کا علم بہت وسیع اور عمیق تھا۔ ان کے والد صاحب حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ بھی حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ سے بیعت تھے اور احکام القرآن کا جو حصہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ اور حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کا باقی رہ گیا تھا اس کی تکمیل بھی حضرت مفتی صاحب نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی دینی خدمات کو قیامت تک صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین

صاحب کردار ہستی

جامع المحاسن حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

ہمہ جہتی نا اہلی کی وجہ سے تقریر تحریر گفتگو کا نہ سلیقہ ہے نہ استطاعت اور نہ ہمت مفتی عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں وہی احباب اور اصحاب کچھ کہہ سکیں گے یا لکھ سکیں گے جنہوں نے ان کو پہچانا ہے مجھے اس بارے میں بھی اپنی نا اہلی کا اعتراف ہے۔ میں صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں میرا ان سے تعلق آٹھ نو سال کی عمر سے شروع ہوا بچپن جوانی اور پچپن اور آخر تک رہا اس طویل عرصہ میں مجھے انکی ذات کا کوئی گوشہ علمی ہو یا عملی مجلسی ہو یا انفرادی ایسا نہیں ملتا جہاں انگلی یا انگشت رکھی جا سکے۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائے ہر لحاظ سے کامل مکمل انسان، کامل ترین عالم اور مخلص ترین مہربان تھے۔

یادگار مظاہر العلوم سہارنپور

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی البرنی مہاجر مدنیؒ

احقر مظاہر العلوم سہارنپور میں شوال ۱۳۶۰ھ سے شعبان ۱۳۶۳ھ تک قیام کیا ابتدائی داخلہ ہدایہ جلد ثالث توضیح وتلویح دیوان متنبی ملاحسن میں لیا تھا حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے پاس توضیح وتلویح کا سبق تھا ان کی درسگاہ کے سامنے ایک طالب علم مقامات حریری لئے بیٹھے رہتے تھے معلوم ہوا کہ یہ مفتی عبدالکریم صاحبؒ کے صاحبزادہ ہیں عبدالشکور نام ہے مظاہر العلوم میں اس سے زیادہ کوئی تعارف نہ ہو سکا برسہا برس کے بعد دارالعلوم کراچی میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے نہیں پہچانا اور نہ مظاہر العلوم کا ہلکا سا تعارف ان کو یاد آیا۔ اس کے بعد ان کی خدمات تاسیس جامعہ کی خبریں ملتی رہیں رجب المرجب ۱۴۲۱ھ میں جب وہ مدینہ منورہ میں آخری مرتبہ تشریف لائے تو زیادہ ملاقات رہی احقر کی قیام گاہ پر بھی تشریف لائے نئی پرانی باتیں ہوتی رہیں۔

حق گو شخصیت

محقق العصر حضرت مولانا شیخ محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم امابعد :

دنیا میں جتنے مذاہب اور ادیان موجود ہیں ان سب میں سچا، کامل اور نجات والا مذہب اور دین اسلام اور صرف اسلام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الدین عنداللّٰہ الاسلام یعنی کامل، مقبول پسندیدہ اور حق دین اب صرف اسلام ہی ہے جس نے اس کے علاوہ کوئی دین اختیار کیا تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ اس برحق اور سچے دین کی بنیاد قرآن کریم ،حدیث شریف اور ان کے خادم علوم اسلامیہ پر قائم ہے ان علوم کے بغیر قرآن کریم اور حدیث شریف کا سمجھنا بالکل ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے برحق دین کی حفاظت کیلئے عالم اسباب میں ہر دور میں علمی وعملی شخصیات پیدا کی ہیں جنہوں نے دنیا کی تمام تکالیف برداشت کر کے اور بد باطنوں کے طعن و تشنیع سن سن کر بھی حق کی نشر و اشاعت میں کوئی کمی اور کسر نہیں چھوڑی اللہ تعالیٰ ان اہل حق حضرات کی قربانیاں قبول فرمائے اور ان کے صدقات جاریات کو قائم اور دائم رکھے آمین ثم آمین۔

اسی سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا عبدالشکور ترمذیؒ فقیہ ابن فقیہ بھی ہیں جنہوں نے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے دامن سے وابستہ رہ کر تجدّد اور تشدد کے راستوں سے گریز کر کے تدریسی، تقریری اور تالیفی طور پر حق اور اہل حق کی پوری تائید اور باطل و مرجوح طریقوں کی سرکوبی کی ہے اور افراط و تفریط سے بچ کر اہل اسلام کی دینی خدمت کی ہے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اہل حق کیلئے ان کی کوششوں کو مشعل راہ بنائے اور ان کے تلامذہ اور فرزندوں کو اللہ

تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے اوران کی ہدایات اور تحقیق پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے خاص طور پر ان کے فرزندار جمند حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو جوان کے صحیح طریقہ پر عملی وارث ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہمت واستقامت نصیب فرمائے اوراس نازک اور پرفتن دور میں جس میں اعجاب کل ذی رأی برأیہ کا گھمنڈ ہورہا ہے اللہ تعالیٰ ان کو صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اکابر علماء دیوبند کے حق اور مبنی بر دلائل اور انصاف مسلک کو اجاگر کرنے کی ہمت عطاء فرمائے آمین ثم آمین۔ و صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ رسولہٖ خیر خلقہٖ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وذریاتہٖ واتباعہٖ الیٰ یوم الدین آمین یاارحم الرحمین. ۸/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ/۲۰/جون ۲۰۰۲ء

محقق عالم دین

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب فاضل دیوبند رحمۃ اللہ علیہ ایک سنی حنفی دیوبندی راسخ العقیدہ اور محقق عالم تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث پڑھا اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع بانی دارالعلوم کراچی کے مجاز طریقت تھے۔

حق تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم (ماہنامہ الخیر ملتان ص ۳۳)

معتدل شخصیت

حضرت مولانا علامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی مدظلہ سرپرست تنظیم اہل سنت والجماعت ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصر حاضر کے روحانی، علمی، مذہبی پیشوا و لی کامل حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ بھی ہم سے جدا ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جامع المحاسن حضرت مفتی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تلمیذ خاص، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے تربیت یافتہ اور حضرت اقدس مولانا مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ و حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔

جن کی ساری زندگی تفسیر، احادیث رسولؐ اور دینی علوم کی تدریس میں گزری افتاء، تصانیف وتالیفات میں موصوف کو امتیازی حیثیت حاصل تھی آپ کی مصنفہ کتب سے بے شمار لوگوں کو راہ حق کی راہنمائی ملی۔ آپؒ رسوخ فی العلم علو استعداد، مسائل کے جزئیات پر گہری نظر، فتاویٰ میں حد درجہ احتیاط اور تمام عبارات کو اکابرین کی تشریح وتوضیح کے مطابق پیش کرنا مولانا کے خصوصی کمالات ہیں۔

اس وقت سب سے اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل سنت والجماعت کو جمہور کے راستے پر گامزن رہنے کتاب وسنت کی تعلیمات پر اکابر کی تشریحات کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب دی جائے اس کیلئے ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو علم وعمل زہد وتقویٰ کے تاجدار ہوں اور خداداد بصیرت وصلاحیت کے حامل ہوں جن کے اندر غیر معمولی اعتدال کے ساتھ ساتھ سالہا سال کی دیدہ ریزی نے کتاب وسنت میں خصوصی درک وکمال حاصل کیا ہو، ماشاء اللہ اس فضل ربی سے ممتاز شخصیات میں حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

آپ اپنے اکابر کے مسلک پر نہ صرف خود کاربند رہے بلکہ اس کی ترجمانی کا خوب حق ادا کیا حضرت مفتی صاحبؒ کی تحقیق وتدقیق اہل علم میں مسلم ہے ان کی رحلت کے بعد یہ خلا کبھی پر نہ ہو سکے گا۔

مجھے کئی بار مفتی صاحبؒ کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا باوجود اس کے کہ مولانا مرحومؒ مجھ سے عمر میں چند سال بڑے تھے مجھ سے دو سال قبل دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث پاک پڑھا مگر ان کی میرے ساتھ محبت وشفقت ادب واحترام کا معاملہ اس قدر زیادہ تھا جو کہ نا قابل بیان ہے آج میرے دل سے ان کیلئے دعائیں نکلتی ہیں۔

حضرت مولانا مفتی صاحب مرحوم ایک متقی متواضع اور مخلص ترین انسان تھے عقائد علماء دیوبند کی ترویج بالخصوص عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی تصانیف موصوف کے محبّ رسول ہونے کے واضح ثبوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

متبحر عالم

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہم فاضل دارالعلوم دیوبند پلندری آزاد کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ مجھے ملنے کا موقع تو نہیں ملا جس کا مجھے افسوس ہے البتہ ان کی تحریرات سے ان کا علمی تبحر اور عقائد حقہ پر تمسک کے ساتھ ان کی حفاظت کا اہتمام اور اپنے اسلاف سے ان کی وابستگی اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے افسوس ہے کہ ان کے علمی استفادہ سے ہم لوگ محروم ہو گئے مگر قدرت کے فیصلہ کے سامنے کیا ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ پسماندگان کو ان کے جادہ پر چلنے کی اور اس پر استقامت کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

مسلک علمائے دیوبند کے داعی

محقق العصر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم نائب صدر دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس مہینے (شوال ۱۴۲۱ھ) کا جانکاہ حادثہ ہمارے مخدوم بزرگ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحبؒ کی وفات کی صورت میں پیش آیا وہ ان گنی چنی شخصیات میں سے تھے جن کے تصور سے دل کو یہ ڈھارس رہتی تھی کہ ؎

خطِ ساغر میں رازِ حق و باطل دیکھنے والے
ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

وہ خانقاہ تھانہ بھون کے جلیل القدر مفتی حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلوی صاحبؒ (متوفی ۱۳۶۸ھ) کے لائق وفائق صاحبزادے تھے حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ حضرت والد صاحب قدس سرہ کے خاص دوستوں اور رفقاء میں سے تھے حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے عورتوں کی مشکلات کو حل کرنے کیلئے ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے نام سے مشہور کتاب کی تالیف انہی دو حضرات کے سپرد فرمائی تھی اور میں نے اپنے والد ماجد قدس سرہ سے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ میری یہ کتاب دو ایسے حضرات نے تالیف فرمائی ہے جو میرے لئے ''بمنزلۃ العینین'' (یعنی آنکھوں کی طرح) ہیں ایک کے شروع میں عین ہے (یعنی عبدالکریمؒ) اور ایک کے آخر میں عین ہے (یعنی محمد شفیعؒ) اس سے حکیم الامت قدس سرہ کے ساتھ دونوں بزرگوں کے قرب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب قدس سرہ سالہا سال خانقاہ تھانہ بھونمیں فتویٰ کی خدمت انجام دیتے رہے اور ان کے اُس دور کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا مجموعہ ''امداد الاحکام'' کے نام سے موجود ہے مفتی عبدالشکور صاحبؒ کا بچپن خانقاہ تھانہ بھون میں گذرا آپ

کے والد ماجدؒ وہاں تدریس اورفتویٰ کی خدمت انجام دیتے تھے، اوران کا مکان حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے بڑے مکان سے متصل تھا، اس لئے مفتی صاحبؒ کوحکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی تربیت وشفقت بچپن ہی سے میسر آئی تھانہ بھون کے مدرسہ امدادالعلوم ہی میں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی پھرآپ کے والد ماجد سفرحج کیلئے تشریف لے گئے تو آٹھ ماہ مدینہ منورہ کے مدرسہ شرعیہ میں ان سے ابتدائی عربی کتب پڑھیں، وہاں سے واپسی پر کچھ عرصہ انبالہ میں حضرت مولانا محمد مبین صاحب قدس سرہ اوران کے صاحبزادے مولانا محمد متین الخطیب صاحبؒ سے (جو بعد میں ہمارے دارالعلوم کراچی کے نائب ناظم ہوئے) عربی کی متوسط کتابیں پڑھیں، اور پانی پت میں قراآت سبعہ کا علم حاصل کیا، پھرمظاہرعلوم سہارنپور میں اورفقیروالی کے مدرسہ قاسم العلوم میں مشکوٰۃ جلالین تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے بخاری شریف اورترمذی شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعدحضرت مفتی صاحبؒ نے کچھ عرصہ ریاست پٹیالہ اورکرنال میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ اسی دران پاکستان بنا تو وہ ضلع سرگودھا کے قصبے ساہیوال تشریف لائے اور مدرسہ قاسمیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا، لیکن ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوّت کے زمانے میں آپ گرفتار ہوکر چند ماہ جیل میں رہے، جس کی وجہ سے تعلیم میں تعطل پیدا ہوا اور یہ مدرسہ بند ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے دارالعلوم حقانیہ کے نام سے ایک اور ادارہ قائم فرمایا اورآخر وقت تک اسی کے ذریعے دینی خدمات میں مصروف رہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کا فیض تربیت تو آپ کو بچپن ہی سے حاصل تھا اللہ تعالیٰ نے ان سے بیعت ہونے کی سعادت بھی بخشی حضرتؒ کی وفات کے بعد آپ کا اصلاحی تعلق یکے بعد دیگرے حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اوراحقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے بھی رہا آخرالذکر دونوں بزرگوں نے بیعت وتلقین کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

میرے والد ماجد قدس سرہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ سے بالکل اولاد جیسا معاملہ فرماتے تھے انہیں بشرطِ سازگاریٔ حالات دارالعلوم کراچی آنے کی بھی دعوت دی، لیکن وہ اپنی کچھ

مجبوریوں کی بنا پر یہاں تشریف نہ لا سکے جس پر وہ بکثرت حسرت کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں نہایت قوی استعداد کے ساتھ فقہ پر بطور خاص وسیع نظر حضرت مفتی صاحبؒ کو عطا فرمائی تھی، اور تحریر و انشاء کا سلیقہ بھی بخشا تھا، چنانچہ ان کی چھوٹی بڑی تالیفات کی تعداد ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی، وہ علماء دیوبند کے ٹھیٹھ مسلک کے داعی تھے، اور اس معاملے میں کسی التباس واشتباہ کے روادار نہیں تھے، چنانچہ انہوں نے حیات انبیاء، سماعِ موتی، عذاب قبر وغیرہ کے مسائل پر متعدد محققانہ تالیفات سپرد قلم فرمائیں عہد حاضر کے مختلف فتنوں مثلاً اشتراکیت اور قادیانیت وغیرہ کے تعاقب میں بھی متعدد کتابیں لکھیں مغرب زدہ افکار کی علمی تردید میں متعدد مقالات تحریر فرمائے اور بالآخر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا علمی کارنامہ اس ''احکام القرآن'' کی تکمیل تھا جس کا آغاز حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اپنے بعض خلفاء سے کروایا تھا، لیکن اس کے کچھ حصے تشنہ تکمیل رہ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تکمیل کی سعادت حضرت مفتی صاحبؒ کو عطا فرمائی، احقر کو جستہ جستہ ان کی اس تالیف سے استفادے کا موقع ملا ہے، اور جس ضعف اور جن امراض کے ساتھ انہوں نے ایسی محققانہ کتاب لکھی ہے وہ ان کی کرامت سے کم نہیں۔

مفتی صاحبؒ اگرچہ ساہیوال ضلع سرگودھا کے ایک چھوٹے سے قصبے میں مقیم تھے، لیکن اس گوشہ عزلت میں بھی ملک وملت کے مسائل سے نہ صرف پوری طرح باخبر بلکہ اپنی استطاعت کی حد تک ان کے حل کیلئے بھی سرگرم عمل رہتے تھے، انکے والد ماجدؒ نے تحریک پاکستان میں سرگرمی سے حصہ لیا، اور مفتی صاحبؒ بھی انکے دست و بازو تھے، ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی وہ سرگرم رہے اور ۱۹۵۳ء اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں ملک میں سوشلزم کا فتنہ ابھرا تو اس کی مقاومت میں بھی انہوں نے زبان وقلم سے یادگار خدمات انجام دیں ملک میں اسلامی دستور اور قانون کے نفاذ کیلئے بھی ان کی کوششیں بقدر استطاعت جاری رہیں اسلامی نظریاتی کونسل کی حال ہی میں جو تشکیل نو ہوئی اس میں انہیں کونسل کا رکن مقرر کیا گیا، لیکن ابھی کونسل انکے علم وفضل سے استفادہ نہیں کر پائی تھی کہ وفات ہوگئی، انا اللہ وانا الیہ راجعون ؎

فصل گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

مجھ ناکارہ پر حضرت مفتی صاحبؒ کی شفقتیں ناقابل فراموش ہیں۔ ''البلاغ'' کیلئے وہ

مستقل اپنے مضامین و مقالات ارسال فرماتے رہے، میری تحریریں اکثر ان کی نظر سے گذرتیں اور خط و کتابت کے ذریعے ان کے بارے میں مشورے بھی عنایت فرماتے، اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے میں بھی متعدد مسائل میں ان سے زبانی یا تحریری مشورے لیتا، اور وہ ہمیشہ بڑی شفقت کے ساتھ رہنمائی فرماتے۔ آخر عمر میں انہیں مختلف عوارض وامراض نے گھیر لیا تھا، قویٰ کمزور ہو گئے تھے لیکن تعلقات نبھانے کی وضع داری کا عالم یہ تھا کہ میں ہر سال جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے ختم بخاری کی تقریب میں جاتا تو اپنی علالت اور ضعف کے باوجود ساہیوال سے پر مشقت سفر طے کر کے فیصل آباد ضرور پہنچتے، خیر المدارس ملتان کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں بھی اکثر تشریف لاتے احقر کو بارہا ساہیوال حاضر ہونے کی دعوت دی، مگر میں صرف دو مرتبہ یہ سعادت حاصل کر سکا لیکن اس موقع پر جو لمحات ان کی صحبت میں گذرے، آج بھی ان کا کیف و سرور تر و تازہ معلوم ہوتا ہے۔

دارالعلوم کراچی بھی کئی بار تشریف لائے اور کئی کئی دن مقیم رہ کر یہاں کے اساتذہ وطلبہ کو فیض یاب فرمایا انہیں بزرگوں کے واقعات و ملفوظات بہت یاد تھے، اور ان کی مجلس ان واقعات و ملفوظات سے معطر ہوتی تھی، ان کی خدمت میں حاضری کا شوق اس لئے بھی ہوتا تھا کہ ان کی زبانی ہر ملاقات میں اس قسم کی کچھ نئی باتیں حاصل ہو جاتی تھیں۔ پچھلے سال دارالعلوم کراچی میں عرصہ دراز کے بعد جو جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، اس میں حضرت مفتی صاحبؒ اپنی علالت کے باوجود تشریف لائے اور حسب معمول اپنے فیوض سے ہم سب کو سیراب فرمایا۔

ابھی شعبان میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی قدس سرہ کے صاحبزادے مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب نے جامع مسجد جیک لائنز میں مجلس صیانۃ المسلمین کا سالانہ اجتماع منعقد فرمایا تو اس میں بھی تشریف لائے، میں ملاقات کیلئے حاضر ہوا تو چہرے پر ضعف اور نقاہت کے آثار نمایاں تھے، گفتگو پر بھی اس کا اثر تھا حضرت مفتی صاحبؒ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی حیات طیبہ پر ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی تھی جو میرے پاس بھیجی تھی مگر کسی وجہ سے مجھ تک نہ پہنچ سکی تھی اس موقع پر مجھے وہ عطا فرمائی۔ میں نے انہی کے سامنے اس کی ورق گردانی شروع کر دی، کتاب اس قدر دلچسپ تھی کہ میں اس مجلس میں اسی کے مختلف حصے پڑھتا رہا حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مدنی قدسرہ کے علمی اور باطنی کمالات کے اس پہلو پر بطور خاص زور دیا تھا

جو حضرتؒ کی دوسری سوانح میں ان کے سیاسی کارناموں کے مقابلے میں ماند پڑ گیا ہے اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحبؒ کو اس پہلو کی تفصیل بیان کرنے کی خاص توفیق عطا فرمائی۔

ان کی کتاب نے مجھے ایسا محو کیا کہ اس مجلس میں ان سے زیادہ بات نہ ہو سکی، اتفاق سے مجھے اگلے ہی دن بیرون ملک کا ایک سفر درپیش تھا، اس لئے جب وہ صیانۃ المسلمین کے اجتماع سے فارغ ہو کر دار العلوم تشریف لائے تو میں ان کی صحبت سے مستفید نہ ہو سکا، اور جیکب لائنز کی یہ ملاقات ان سے آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

یہ واقعہ شعبان کا ہے، عید کے بعد میں عدالتی کام کے سلسلے میں اسلام آباد گیا تو وہاں اچانک میرے بھتیجے مولانا محمود اشرف صاحب کا کراچی سے فون آیا اور انہوں نے یہ جانگداز خبر سنائی کہ حضرت مفتی صاحبؒ ہم سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مفتی صاحبؒ کی پوری زندگی علم و دین کی خدمت سے عبارت تھی، اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت کام لیا، الحمد للہ، ان کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس صاحب سلمہ، نے اپنے والد ماجدؒ کی خدمت و صحبت سے بھرپور استفادہ کر کے ان کے علوم و معارف کو جذب کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ اور ان کا مدرسہ حقانیہ ان کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت اور ان کے شروع کئے ہوئے کاموں کو محفوظ رکھنے اور آگے بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائیں، انہیں مقعد صدق میں مقامات عالیہ سے نوازیں اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل، اجر جزیل اور انکے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

(بشکریہ ماہنامہ البلاغ کراچی)

ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ/فروری ۲۰۰۱ء

یادگار اسلاف

سفیر ختم نبوت حضرت مولانا علامہ منظور احمد صاحب چنیوٹی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بقیۃ السلف حجۃ الخلف عالم باعمل مفتی عبدالشکور صاحب ایک نمونہ اسلاف عالم تھے مسلک کی پختگی، حق گوئی اور سادگی ان کا طرہ امتیاز تھا، تکلفات سے کوسوں دور تھے۔ تکلف والے علماء وخطباء کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرنے والے صاحب عزم علماء میں سے ایک تھے غالبًا انکی زندگی کا آخری عمرہ تھا بندہ بھی عمرہ کر رہا تھا ان دنوں مفتی صاحب انتہائی کمزور اور لاغر تھے چند قدم چلنا بھی ان کیلئے مشکل تھا لیکن میں نے سعی کرتے دیکھا کہ دو ساتھیوں کے سہارے آہستہ آہستہ چل کر پیدل سعی کر رہے ہیں بندہ اپنا شوط پورا کر کے گذرا تو راستہ میں بیٹھے ستا رہے تھے مجھے انکی وہ حالت دیکھ کر بڑا تعجب بھی ہوا اور ترس بھی آیا میں نے ساتھیوں سے کہا کہ آپ حضرت کو کرسی پر کیوں سعی نہیں کراتے انہوں نے بتایا کہ ہم نے بہت زور لگایا ہے لیکن مفتی صاحب نہیں مانتے کہتے ہیں کہ پیدل چل کر ہی سعی کرنی ہے حالانکہ ان کیلئے رخصت تھی اور بلا کراہت وہ سواری پر سعی کر سکتے تھے لیکن انہوں نے رخصت کی بجائے عزیمت کو ترجیح دی بندہ ان کے اس عزم کو اور ان کی موجودہ حالت کو دیکھ کر بہت ہی متأثر ہوا میں نے کہا کہ یہ اپنے اسلاف کا پورے نمونہ ہیں مجھے مفتی صاحب مرحوم سے کچھ زیادہ صحبت اور مجلس کا موقع نہیں ملا مجھ پر شفقت فرماتے تھے اور سالانہ جلسہ پر مجھ ناچیز کو بلاتے تھے بس تقریر سے قبل تھوڑی دیر ان کی علمی مجلس میں صحبت نصیب ہوتی تھی اس لئے بندہ ان کی عالی صفات اور علمی کمالات پر کچھ زیادہ روشنی نہیں ڈال سکتا ان کے علمی شاہکار ان کی تصنیفات اور تحقیقات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ آنمخدوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائیں اور ان کی جملہ اولاد اور شاگردوں کو ان کیلئے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین

جامع المحاسن

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت گرامی قدر حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب زید فضلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گرامی نامہ موجب مسرت ہوا۔ آپ نے والد محترم حضرت اقدس جناب مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے بارے میں کچھ لکھنے کی فرمائش فرمائی ہے۔

بندہ ناچیز کو حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کا موقع تو ایک مرتبہ ہی ملا ہے جبکہ حضرت کی دعوت پر مدرسہ حقانیہ کے سالانہ جلسہ پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت حضرتؒ کی پرانوار مجلس میں بھی بیٹھنے کا موقع ملا۔

چونکہ حضرتؒ کو بزرگوں کی خدمت میں رہنے اور ان سے فیض حاصل کرنے کا خوب خوب موقع ملا تھا اس لئے آپ کی مجلس اپنے اکابر کے عموماً اور حضرت تھانوی قدس سرہ کے خصوصاً مبارک حالات وواقعات کے بیانات سے منور ومزین ہوتی تھی۔

جامعہ حقانیہ میں حاضری تو ایک دفعہ ہی ہوئی لیکن حضرتؒ جامعہ خیر المدارس کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے اس لئے جامعہ کی مجلس شوریٰ کے اجلاس اور سالانہ جلسہ کے موقعوں پر عموماً تشریف آوری ہوتی تھی۔ ایام جلسہ میں نماز فجر کے بعد حضرت اقدس کا طویل اور خوب مؤثر درس قرآن پاک ہوتا تھا جس سے اہل دل سامعین مستفید ہوتے تھے۔

آپ کی مبارک شخصیت علمی وعملی نیز کمالات ظاہری وباطنی کے اعتبار سے مرجع عوام وخواص تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں حضرت کے تلامذہ اور منتسبین ملک میں خدمات دینیہ سرانجام دے رہے ہیں۔

اتباع سنت، رد بدعات اور تحفظ مسلک اکابر اہل سنت والجماعت (سید الطائفہ حضرت گنگوہی حضرت تھانوی قدس سرہما) کے بارے میں حضرتؒ امتیازی شان رکھتے تھے۔

منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے علاقے کا (بھی) مسئلہ تھا اس میں بھی خوب محنت فرمائی، بعض کتابیں بھی تالیف فرمائیں ''رسالہ اکابر کا مسلک ومشرب'' شائع ہوا تو اس کا رد تحریر فرمایا اور اکابر کے صحیح مسلک کو واضح فرمایا۔

اموال زکوٰۃ کے ظاہرہ اور اموال باطنہ ہونے کا مسئلہ چلا تو حضرت اقدس نے صحیح مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے اس کے خلاف کی تردید فرمائی۔

حضرتؒ کی علمی وعملی ظاہری وباطنی خدمات کا احصاء دشوار ہے بہرحال حضرتؒ اپنے تبحر علمی تحقیق وتفقہ اور تقوی میں بہت اعلی مقام رکھتے تھے، افتاء تو آپ کا اوڑھنا اور بچھونا تھا ہی۔

علم وعمل کا یہ مہتاب ایک عرصہ تک ملک وملت کیلئے ضیاپاشیاں کرتے ہوئے بالآخر وعدۂ خداوندی کے مطابق پردہ عدم میں روپوش ہوگیا اور بندہ اپنے مالک وخالق کی بارگاہ میں حاضر ہوگیا۔ کل نفس ذائقة الموت، فانالله وانااليه راجعون۔

افسوس رہا کہ راقم الحروف اپنی بیماری اور ضعف کی وجہ سے جنازہ میں شرکت سے بھی محروم رہا، اللہ پاک حضرتؒ کی قبر مبارک کو باغیچہ جنت بنادیں۔ آمین

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے خلف الرشید حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس مدظلہ کو حضرتؒ کا سچا جانشین بنادیں۔ آمین فقط

بندہ عبدالستار عفی عنہ

۱۴۲۳/۱۰/۱۶ھ

علوم نبوت کے حقیقی وارث

حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ کی نماز جنازہ سے قبل مورخہ ۶ رشوال المکرّم ۱۴۲۱ھ/۲ جنوری ۲۰۰۱ء بروز منگل جامع المحاسن شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم خلف الرشید فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ مہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور نے جو خطاب فرمایا وہ افادۂ عام کیلئے ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ جسے مولوی وقار احمد سلمہ متعلم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا نے کیسٹ سے نقل کیا ہے (مرتب)

انبیاء علیہم السلام کی وراثت

بعد الحمد والصلوٰۃ: تاریخ میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروقؓ کی زبان سے یہ بات نکلی کہ میں یہ سننا بھی گوارا نہیں کرتا کہ کوئی آپؐ کے رحلت فرما جانے اور دنیا سے اٹھ جانے کا تذکرہ کرے تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑے حوصلہ اور بڑی ہمت کے ساتھ اور بڑے تحمل کے ساتھ حضرت عمر اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو صبر وتحمل کی تلقین فرمائی اور پھر فرمایا کہ جو نظام اور دین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وہ دین ہمارے پاس موجود ہے آج اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری ہمارے کندھوں پر آ رہی ہے اس لئے ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ایک دن ہمیں بھی اس دنیا سے جانا ہے اس دین کی ذمہ داری اگر ہم نے احسن طریقہ سے نبھائی تو ہم کل نبی کریمصلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سرخرو ہوں گے کہ آپ نے جو ذمہ داری ہمیں عطا فرمائی تھی اس امانت کا حق ادا کر آئے ہیں اس واقعہ کی روشنی میں سمجھ لیں کہ اسی طرح سے حضرات علماء کرام جب دنیا میں ہوتے ہیں ان کے ساتھ ایک نظام وابستہ ہوتا ہے مدارس قائم ہوتے

ہیں اور یہ سب کچھ اصل میں ان حضرات کی وراثت ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے العلماء ورثۃالانبیاء علماءانبیاءکرام کے وارث ہیں اورانبیاءکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا کے مال وزر کا کسی کو وارث نہیں بناتے وہ جو کچھ بھی دنیوی مال چھوڑتے ہیں اللہ کی راہ میں صدقہ ہوتا ہے تو علماء جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں یہ وراثت جائداداور پیسوں کی نہیں ہوتی بلکہ فرماتے ہیں کہ ولکن ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بخط وافر او کماقال علیہ الصلوٰۃ والسلام علم اور دین کی وراثت چھوڑ کر جاتے ہیں اس لئے ان کے دین کی وراثت جو قبول کرتا اور سنبھالتا ہے اوراس کا حق ادا کرتا ہے وہ اس کا وارث ہے اور یہ ذمہ داری حضرات علماء اٹھاتے ہیں اور ہمیشہ اٹھاتے رہیں گے۔

قرب قیامت میں علم اٹھالیا جائے گا

یاد رکھئے کہ جو آج علماء کرام دنیا چھوڑ کر جا رہے ہیں اور دنیا سے علماء اٹھ رہے ہیں میرے عزیزو دوستو مشکوٰۃ شریف کے اندر حدیث موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ لوگوں کے سینوں سے علم اٹھ جائے اور لوگ خالی رہ جائیں کتابوں میں سے علم اٹھ جائے اور اوراق خالی رہ جائیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ ہوگا یہ کہ حق تعالیٰ شانہ علماء کو اٹھالیں گے یقبض العلم بقبض العلماء اللہ تعالیٰ علم کو اٹھائیں گے اس طرح کہ علماء کو اٹھالیا جائے گا علماء دنیا سے چلے جائیں گے علم کے بتانے والے علم کی نشر واشاعت کرنیوالے دنیا سے چلے جائیں گے اوران کے بعد علم کی رہنمائی کرنے والا نظر نہیں آئے گا سب کو دین بتانے والا نظر نہیں آئے گا اتخذالناس رؤوساً جہالاً لوگ لمبی لمبی داڑھیاں دیکھ کر لمبے لمبے کرتے دیکھ کر سر پر عمامے دیکھ کر لوگوں کو اپنا مقتدا بنائیں گے اوران کو اپنا رہنما سمجھیں گے اوران سے مسائل پوچھے جائیں گے ان کے پاس علم اور دین نہیں ہوگا وہ لوگوں کی رہنمائی کریں گے اوران کے سامنے کھڑے ہوں گے اور تقریریں کریں گے لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ بہت بڑا عالم ہے اور وہ دین کی رہنمائی سے بالکل بے خبر ہوں گے قوم کی رہنمائی کریں گے جہالت کے ساتھ فضلوا واضلوا کہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ملت اسلامیہ کیلئے عظیم صدمہ

اس لئے عزیزان من یہ پوری ملت اسلامیہ کا ایک عظیم صدمہ ہے کسی ایک صحیح عالم کا اٹھ جانا کسی ایک علاقہ کا صدمہ نہیں ہوتا کسی ایک خاندان کا صدمہ نہیں ہوتا کسی ایک ادارے کا صدمہ نہیں

ہوتا بلکہ یہ پوری ملت اسلامیہ کا صدمہ ہوتا ہے اس لئے آج پوری ملت اسلامیہ یتیم ہورہی ہے آج پوری ملت اسلامیہ تعزیت کی مستحق ہے میں آپ کو تعزیت کروں اور آپ مجھے تعزیت کریں کیونکہ آج ہم سب ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہورہے ہیں۔

﴿ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ﴾

لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ اگر کسی عالم کے اٹھ جانے کے بعد اس کے ورثاء علماء ہوں اس کی اولاد کے اندر اس کے صحیح جانشین اور صحیح وارث ہوں تو یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس لئے میں اپنے احباب کو یہ بات بتلانا چاہتا ہوں کہ الحمد للہ حضرت مفتی صاحبؒ پچاس سال سے زائد اس علاقے کے اندر دین کی خدمت انجام دیتے رہے انہوں نے جہاں عام مسلمانوں کو دین پڑھایا وہاں اپنی اولاد کو بھی دین پڑھایا حافظ بنایا قاری بنایا عالم بنایا تربیت کی اور اپنے ساتھ لگا کر اٹھارہ سال مفتی عبدالقدوس سلمہ کو جو ان کے فرزند ارجمند ہیں ان کی تربیت کی اور اس طرح جیسے کہا جائے کہ ایک آدمی کو گھڑا جاتا ہے حضرت مفتی صاحبؒ نے مفتی عبدالقدوس سلمہ کو گھڑ کر تیار کیا ہے اس لئے اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے گھڑے ہوئے اس فرزند کو آج کندن بنا کر گئے ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں حضرت مفتی صاحبؒ کا الحمد للہ اس فرزند ارجمند پر اتنا اعتماد تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ان کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کیا اپنی مسند پر بیٹھایا اپنے فتاویٰ جو حضرت مفتی صاحب سے استفتاء کیا جاتا تھا کے جوابات حضرت مفتی صاحبؒ نے مفتی عبدالقدوس سلمہ سے لکھوائے اور ان کے لکھے ہوئے جواب پر کسی ترمیم تنسیخ اور اصلاح کی ضرورت محسوس نہیں کی اور جس طرح انہوں نے لکھا الحمد للہ اس کی تصدیق کی اس پر دستخط فرمائے یہ ان کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے اور ہمارے لئے انتہائی فرحت کا مقام ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاتھوں سے گھڑا ہوا ایک فرزند ارجمند ہمیں عطا فرمایا۔ والحمد للّٰہ علی ذالك۔

﴿ حضرت مفتی صاحبؒ سے ہمارا تعلق ﴾

یاد رہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ سے میرا تعلق آج کا نہیں بلکہ بالکل بچپن کا تعلق ہے میں پیدا بھی حضرت مفتی صاحب کے سامنے ہوا ہوں یاد رہے کہ حضرت مفتی صاحب کے والد ماجد حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نور اللہ مرقدہ جو حکیم الامت مجدد ملت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے

خلفاء بہت ہوتے ہیں بہت لوگ محبت کرنے والے ہوتے ہیں بہت لوگ جانثار ہوتے ہیں لیکن اس طرح کے لوگ کہ اپنا وطن چھوڑ کر گھر بار چھوڑ کر جائیداد چھوڑ کر سب کچھ چھوڑ کر شیخ کی محبت میں شیخ کی تربیت حاصل کرنے کیلئے شیخ کی جگہ پر جا کر بیٹھ جائیں اور تربیت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں یہ چند لوگ ہوتے ہیں ان میں سے ایک نام حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ کا ہے جنہوں نے اپنا سب کچھ چھوڑ کر تھانہ بھون کو وطن بنایا۔ اور ہمارے گھر تھانہ بھون میں ان کی رہائش رہی اس لئے ہمارا تعلق مفتی صاحب سے ایسا نہیں ہے جیسے ضابطہ کا تعلق ہوتا ہے اور صرف محبت کا تعلق ہوتا ہے بلکہ ہم نے کبھی یہ سمجھا ہی نہیں کہ وہ ہمارے خاندان کے فرد نہیں ہیں ہم نے ہمیشہ یہ سمجھا کہ جیسے وہ ہمارے خاندان کے ایک فرد ہیں اور حضرت مفتی صاحبؒ نے بھی میرے والد گرامی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ کو اپنے والد کی طرح سمجھا اور ہمیں اپنے چھوٹے بھائی کی طرح سمجھا اور آج میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرا بڑا بھائی دنیا سے چلا گیا، والد چلا گیا تھا تو اس بڑے بھائی نے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ ثابت کیا کہ باپ کا سایہ ابھی نہیں اٹھا لیکن آج جبکہ یہ سایہ سر سے اٹھا ہے تو ہمیں یہ احساس ہوا کہ ہمارا والد دنیا سے چلا گیا۔

جامعہ کا اہتمام

میں اپنے تمام رفقاء اور احباب کی طرف سے مدرسہ کی انتظامیہ کی طرف سے اور ان سب بھائیوں کی طرف سے اور اپنے بڑے بھائی عبدالعلیم صاحب جو حضرت مفتی صاحبؒ کے حقیقی بھائی ہیں کی طرف سے آپ سب حضرات کو یہ بات بتلانا چاہتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ جن اداروں کے ذمہ دار سرپرست مہتمم صدر اور نگران اعلیٰ تھے آج مولوی عبدالقدوس سلمہ کو ان کا جانشین سمجھ کر حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریر کردہ وصیت کے مطابق انکی جگہ ہم بھی انہیں ان مدارس کا صدر و مہتمم مانتے ہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے میری عاجزانہ گزارش ہے کہ جس طرح آپ نے جامعہ حقانیہ کے ساتھ پہلے تعلق رکھا اور جس طرح سے آپ نے مفتی صاحب کے ساتھ تعلق رکھا جس طرح آپ نے اپنی محبت کا برتاؤ کیا اسی طرح آپ کی محبت مولوی عبدالقدوس سلمہ کے ساتھ ہونی چاہئے مجھے امید ہے آپ حضرات اس معاملہ میں میری بات کو قبول کر کے اس کی تائید فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور حضرت مفتی صاحبؒ کے درجات بلند فرمائیں پسماندگان کو صبر و اجر عطا فرمائیں۔ آمین

کچھ باتیں کچھ یادیں

صاحبزادہ حضرت مولانا قمر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

﴿ عہد طفولیت ﴾

مولانا سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ میرے دیرینہ اور بچپن کے ساتھیوں میں ایک نہایت قابل قدر اور لائق احترام بزرگ تھے جنہوں نے اپنے علم وفضل اور تقویٰ وطہارت کے باوصف ہمیشہ قدیم روابط کا پاس ولحاظ رکھا اور جب بھی ملے تو اسی خلوص ومحبت اور یگانگت کیساتھ ملے جو آخر دم تک قائم رہی جبکہ وہ اپنے علم وفضل کے اعتبار سے اپنے تمام معاصر علماء سے بہت آگے تھے عمر میں مجھ سے چند سال بڑے تھے اس کے باوجود ہم نے اپنے بچپن کا بیشتر زمانہ ساتھ ساتھ گذارا چونکہ ان کے والد گرامی حضرت مفتی سید عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مجازین میں اپنے علم وفضل کے اعتبار سے حضرت تھانوی سے تقرب خاص رکھتے تھے اور والد بزرگوار حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے دوران قیام برما (رنگون) اور قیام ڈھاکہ (شعبہ اسلامیات ڈھاکہ یونیورسٹی سے وابستگی) کے زمانے میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی مسند افتاء پر وہی رونق افروز ہوتے تھے اور ان کا مستقل قیام بھی زیادہ تر تھانہ بھون ہی میں ہوا کرتا اس لئے مولانا سید عبدالشکور ترمذی صاحب اور میں اپنے ابتدائی زمانہ طالب علمی میں زیادہ تر ساتھ ساتھ رہے فرصت کے اوقات میں ایک ساتھ کھیلتے اور کھیل سے فارغ ہو کر اکثر وبیشتر حضرت بڑی پیرانی صاحبہ (اہلیہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کے گھر چلے جاتے جہاں حضرت پیرانی صاحبہؒ اکثر ٹھنڈے دودھ سے ہماری تواضع فرماتی تھیں چھوٹی پیرانی صاحبہؒ کے یہاں بھی جو میری حقیقی خالہ بھی تھیں ایسا ہی سلوک ہوتا تھا اسی طرح میرے اپنے گھر میں بھی مولانا بے تکلفی کے ساتھ آتے جاتے تھے، گویا ہمارے ان تین چار گھرانوں میں بہت ہی اپنائیت اور یگانگت کا تعلق قائم تھا۔ ہوش سنبھالنے

کے بعد ہمارے بچپن میں رمضان المبارک کے مہینے گرمیوں کے زمانے میں پڑتے تھے تو ہم چند ساتھی دوپہر کے وقت حضرت ضامن شاہ شہید (شہید تحریک جہاد آزادی 1857ء) کے مزار اور حضرت تھانوی کے باغیچہ قبرستان کے قریب ایک گھنے سایہ دار آموں کے باغ میں گلی ڈنڈا کھیلنے کیلئے چلے جاتے تھے اور سارے دوپہر روزہ بہلا کر شام ڈھلے گھروں کو لوٹتے تھے۔ بچپن کا ایک واقعہ جو مولانا مرحوم نے سات آٹھ سال پہلے مجھے یاد دلایا تھا وہ رمضان ہی کے دنوں سے تعلق رکھتا ہے کہ ہم دونوں جب میں تو بالکل ہی بچہ تھا سہ پہر کے وقت کھیل سے تھک ہار کر بڑی پیرانی صاحبہؒ کے گھر گئے تو انہوں نے حسب عادت پینے کیلئے ٹھنڈا دودھ دیا میں نے کہا ہمارا تو روزہ ہے پیرانی صاحبہؒ نے ہمارے ہونٹوں پر پڑی ہوئی پپڑیاں اور خستہ حالت کا اندازہ فرما کر کہا کہ چھوٹے بچوں کا روزہ دودھ پینے سے نہیں ٹوٹتا، ان کے یہ فرماتے ہی ہم دونوں نے فوراً دودھ پی لیا کیونکہ شدت کی گرمی اور پیاس کی وجہ سے پہلے ہی برا حال تھا۔

زمانہ تعلیم

یہ سب باتیں اور یادیں تو لڑکپن کی تھیں جو اب قصۂ پارینہ بن گئی ہیں خانقاہ امدادیہ کی ابتدائی تعلیم و تدریس کے بعد ہمارا بیشتر زمانہ تعلیم مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند میں گذرا، مولانا سید عبدالشکور ترمذیؒ عمر میں چند سال مجھ سے بڑے ہونے کی وجہ سے اگلی جماعتوں میں تھے اس لئے اس دوران یہ رفاقت قائم نہ رہ سکی میں نے دورہ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) میں مکمل کیا جہاں مولانا منتخب الحقؒ سابق صدر شعبۂ اسلامیات کراچی یونیورسٹی مدرس دوم اور حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدرس اول تھے جب کہ مولانا سید عبدالشکورؒ صاحب مجھ سے چند سال پیشتر دارالعلوم دیوبند میں درسیات کی تکمیل فرما چکے تھے۔

کل ہند مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کا قیام

1945 تا 1947ء کا زمانہ وہ تھا جب حضرت تھانوی وصال فرما چکے تھے سرگرمیوں کا دور دورہ تھا انہی دنوں قائداعظم کے ایماء پر والد گرامی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ نے حسین شہید سہروردی مرحوم کے ایک معتمد ساتھی مولانا راغب احسن مرحوم سے طویل مشاورت کے بعد خلافت میدان کلکتہ میں اکتوبر 1945ء کے آخری ایام میں مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کا تاسیسی اجلاس

طلب فرمایا جس میں برصغیر پاک و ہند کے ہر طبقہ فکر کے علماء ومشائخ نے جن کی تعداد پانچ سو سے متجاوز تھی شرکت کی علماء کرام کی یہ عظیم الشان کانفرنس تین روز تک جاری رہی جس میں لاکھوں فرزندان توحید کے اجتماع میں جمعیۃ علماء اسلام قائم ہوئی اور والدمحترم حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی تجویز پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو (جو بوجہ علالت اجلاس میں شریک نہ ہوسکے تھے) کل ہند جمعیت علماء اسلام کا صدر اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو سینئر نائب صدر (جو اس کے حقیقی بانی ومؤسس تھے) مقرر کیا گیا، پھر یہ جمعیۃ علماء اسلام ہی تھی جس نے 1946ء کی الیکشن مہم میں مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کی حمایت میں بھرپور حصہ لے کر برصغیر کے دور دراز گوشوں تک مسلم لیگ کی آواز کو پہنچایا اور اس طرح حصول پاکستان کی منزل کو قریب سے قریب تر کر دیا جس کا اعتراف قائداعظم نے علماء کے ساتھ اپنی ملاقاتوں میں اور نواب زادہ لیاقت علی خاں مرحوم نے (اپنے مکتوب بنام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ میں) تحریری طور پر کیا پھر قائداعظم نے انہی دو بزرگوں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں 14 اگست 1947ء کو کراچی اور ڈھاکہ میں پاکستان کی پہلی پرچم کشائی کرا کے ان کی خدمات کا عملی اعتراف بھی کر لیا۔

﴿ قیام پاکستان کے بعد ﴾

مولانا کے والد گرامی قیام پاکستان کے بعد قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں آ کر سکونت پذیر ہوئے تو انہوں نے یہاں جامعہ حقانیہ کی بنیاد رکھی جو ان کے فرزند ارجمند مولانا سید عبدالشکور ترمذیؒ کی سرپرستی اور مساعی جمیلہ کی بدولت واقعی ایک دارالعلوم اور مستند دینی درسگاہ بن گیا۔

﴿ تواضع وکسر نفسی ﴾

یہ ان دنوں کی بات ہے جب 1971ء میں مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کا احیا عمل میں آیا موچی دروازہ لاہور میں جمعیۃ علماء اسلام کا عظیم اجتماع ہوا جس میں مشرقی ومغربی پاکستان کے ممتاز علماء کرام نے شرکت کی شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی امیر مرکزی جمعیۃ علماء اسلام بنائے گئے اور مولانا احتشام الحق تھانوی سیکریٹری جنرل مقرر ہوئے اجلاس لاہور کے بعد جھنگ اور ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بھی جمعیۃ کے قابل ذکر اجتماعات ہوئے جن میں مونا احتشام الحق تھانوی، مولانا غلام اللہ صاحبؒ مولانا عنایت اللہ گجراتی، مولانا محمد احمد تھانوی، مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا عبدالشکور ترمذی اور

بہت سے اکابر علماء نے شرکت کی انہی دنوں مولانا غلام غوث ہزاروی نے مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے خلاف کوئی اخباری بیان جاری کیا تھا جس کا جواب لکھنے کے لئے مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے راقم الحروف کو منتخب کیا کہ ان کی طرف سے جو بیان شائع ہوگا اسے میں تحریر کروں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی اس قدر افزائی کا سب سے زیادہ اثر مولانا ترمذی نے لیا اور اپنی نجی محفلوں میں بار بار اس کا تذکرہ فرمایا کہ ''دیکھو! مولانا محمد مالک کاندھلوی اور مولانا محمد احمد تھانوی جیسے بزرگوں کی موجودگی میں مولانا نے اپنی طرف سے جواب لکھنے کی ذمہ داری بھائی قمر احمد کو سونپی ہے (مولانا مجھے ہمیشہ بھائی قمر کہہ کر ہی مخاطب فرماتے تھے) جو ان کی تحریری صلاحیت کا برملا اعتراف ہے پھر جب مولانا ترمذی اپنے شیخ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی سوانح حیات ''تذکرۃ الظفر'' مرتب فرما رہے تھے تو اس کی تکمیل کے بعد مسودہ میرے حوالہ کیا کہ زبان و بیان پر نظر ڈال کر اس کو ترتیب دے دیں اصل مسودہ کے ایک پورے باب میں جمعیۃ علماء اسلام پر کانگریس نواز علماء کے غاصبانہ قبضے کی تفصیل پیش کی گئی تھی کہ ان حضرات نے علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد مرکزی جمعیۃ علماء اسلام پر جو فی الحقیقت ان کی کانگریس نواز جمعیۃ علماء ہند کے مقابلے میں قائم کی گئی تھی جمعیۃ علماء ہند کو یہاں زندہ کرنے کی بجائے ہمارے بزرگوں کی قائم کردہ جمعیۃ علماء اسلام پر شبخون مار کر کس طرح زبردستی اس پر قابض ہوگئے میں نے یہ پورا باب جو کم وبیش چالیس پچاس صفحات پر مشتمل تھا کتاب سے خارج کرنے کو کہا اور وجہ اس کی یہ بیان کی کہ علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی وفات کے بعد جبکہ یہ حضرات بھی جو ان پر گند اچھالا کرتے تھے ان کے علمی تفوق و برتری کا برملا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے ہیں اور قیام پاکستان اور تحریک پاکستان کے ضمن میں ان کی گرانقدر خدمات کا ذکر بھی کر رہے ہیں پھر آپ حضرات میں قوت و طاقت بھی نہیں ہے کہ ان سے جمعیت کا قبضہ واپس لے لیں تو اندریں حالات اس باب کو والد صاحب کی سوانح حیات کا حصہ نہیں بنانا چاہیے مولانا نے میری بات نہایت غور و توجہ سے سنی اور اسی وقت قبول فرمالی جو ان کی عظمت و بڑائی کی بہت بڑی دلیل ہے جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

انہیں دنوں جب وہ ''تذکرۃ الظفر'' مکمل فرما چکے تھے ایک ملاقات میں مجھ سے فرمانے لگے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اجازت بیعت دی ہے میں نے عرض کیا کہ تو آپ

نے تذکرۃ الظفر'' میں کسی مناسب مقام پر اسکا ذکر فرمادیا ہوتا کہنے لگے مجھے اس کا اظہار کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا اگر آپ چاہیں تو حضرت (مولانا ظفر احمد عثمانی) کے مجازین کی فہرست کے حاشیہ میں اس کا ذکر کردیں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا یہ بات بھی ان کی کثرت تواضع کو ظاہر کرتی ہے جو ان کو اپنے والدگرامی کی تربیت اور اپنے شیخ طریقت سے ملی تھی کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی باطنی تربیت کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے علمی جانشین مولانا ظفر احمد عثمانیؒ میں کثرت تواضع کا بطور خاص اظہار فرمایا ہے۔ دیکھئے ''تذکرۃ الظفر'' اور ''انوارالنظر فی آثار الظفر''۔

میرے بڑے بھانجے میاں محمد احمد سلمہ جو میرے منجھلے داماد بھی ہیں انہوں نے والدگرامی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ کو خواب میں دیکھا کہ بہت خوش ہیں اور اپنی اولاد امجاد کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آرہے ہیں، جب میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے عرض کیا نانے ابا! آپ تو دنیا سے تشریف لے گئے مگر ہمیں کس پر چھوڑ گئے؟ ہمیں کوئی پریشانی لاحق ہو تو ہم کہاں جائیں؟ حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا تمہارے قریب ہی قصبہ ساہیوال (ضلع سرگودھا) تو ہے وہاں چلے جایا کرو میں نے یہ خواب سنا تو اپنے دونوں بھانجوں میاں محمد احمد سلمہ اور میاں مسعود احمد سلمہ کو ہمراہ لے کر ساہیوال جا پہنچا اور مولانا ترمذیؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ کے شیخ نے ان دونوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے انہیں بیعت فرمالیں مولانا نے مسکرا کر اس کی وضاحت چاہی تو میں نے خواب کی تفصیل عرض کردی مولانا نے اسی وقت دونوں کو بیعت فرمالیا اور ہمیشہ ان کے ساتھ خصوصی شفقت کے ساتھ پیش آئے، جب بھی ٹوبہ ٹیک سنگھ سے گذرتے یا شورکوٹ اور فیصل آباد کے قرب وجوار میں کہیں تشریف لے جاتے تو یہاں ایک شب ضرور قیام فرماتے اور جب کبھی ٹوبہ ٹیک سنگھ آئے ہوئے عرصہ گذر جاتا اور میرے بھانجوں میں سے کوئی ٹیلی فون پر عرض کرتا کہ حضرت بہت دن ہو گئے آپ ہماری طرف نہیں آئے جب فرمائیں گاڑی لے کر حاضر خدمت ہو جاؤں تو ان کے جواب میں پہلا سوال یہ ہوتا کہ بھائی قمر کہاں ہیں؟ جب یہ کہتے کہ وہ تو ان دنوں پنڈی یا کراچی گئے ہوئے ہیں تو آپ فرمادیتے کہ جب وہ آجائیں تب بلالینا ان کے بغیر ٹوبہ میں دل نہیں لگتا۔

مجھ ناچیز کے ساتھ مولاناؒ کی یہی وہ دائمی شفقت ومحبت تھی جو تادم آخر قائم رہی اور میری طمانیت قلب کیلئے ایک بہت بڑا سہارا بھی ہے کہ انشاء اللہ العزیز یہی قربت ومحبت دوسری دنیا میں بھی

ان حضرات کے ساتھ حاصل رہے گی۔ ؎ یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است۔

﴿ احکام القرآن کی تکمیل میں تفسیری خدمات ﴾

حکیم الامت حضرت تھانوی نے جس طرح اپنے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی تحریر کردہ ''اعلاء السنن'' کی تالیف کے ذریعہ اقوال احناف کا اثبات احادیث سے ثابت کرایا تھا اسی طرح آپ کی دلی خواہش تھی کہ جو احکام فقہ حنفی کے براہ راست قرآن سے ثابت ہیں انہیں بھی اسی انداز پر کتابی شکل میں مرتب کر دیا جائے۔

یہ حضرت کی زندگی کا آخری زمانہ تھا اس لئے آپ نے اس کو اپنے متوسلین خاص (علماء کرام) میں تقسیم فرما دیا اور اس کا نام ''احکام القرآن'' تجویز فرمایا۔قرآن حکیم کی ابتدائی چند منزلیں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے ذمے لگائی گئیں اور باقی منزلیں مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کے سپرد کی گئیں پھر آخری دو منزلیں بھی مولانا ظفر احمد عثمانی کے حصے میں آئیں کیونکہ ''اعلاء السنن'' کی تدوین کے حوالہ سے حضرت اقدس کو دوسروں کی نسبت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی علمی صلاحیتوں پر غیر معمولی اعتماد تھا مولانا ظفر احمد عثمانی نے ابتدائی دو جلدیں تو قیام پاکستان سے پہلے ہی مکمل کر دی تھیں جو شائع ہوگئی ہیں لیکن آخری کام قلبی تقاضے کے باوجود ضعف و پیرانہ سالی کے باعث تکمیل نہ کر سکے تھے جو انکے مجاز خاص اور علمی و روحانی جانشین مولانا عبدالشکور ترمذی نے عزیز محترم مولانا مشرف علی تھانوی سلمہ اللہ تعالیٰ کے بار بار توجہ دلوانے اور اصرار پیہم پر بالآخر مکمل فرما ہی دیا مگر ان کا یہ علمی کارنامہ اور گرانقدر سرمایہ تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکا کیونکہ مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی کا تفسیری کام بھی ہزار ہا ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے جو کئی ضخیم جلدوں میں طبع ہو سکے گا حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ علم دوست مخیر حضرات کی اگر اس علمی سرمائے کی اشاعت کی طرف توجہ مبذول ہو جائے تو اس طرح حکیم الامت تھانویؒ کی یہ قلبی خواہش پوری ہو جائے گی کہ جس طرح فقہ حنفی کا اثبات اعلاء السنن کے ذریعہ روایات احادیث سے لیا گیا ہے اسی طرح جو احکام براہ راست قرآن کریم سے مستنبط ہیں ان کا ثبوت بھی نصوص قرآن سے ثابت کر دیا جائے۔''احکام القرآن'' کی جو جلدیں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی تحریر کردہ شائع ہو چکی ہیں ان کی قدر و اہمیت کو برصغیر پاک و ہند کے علاوہ عالم اسلام کے

تمام علمی حلقے بجا طور پر تسلیم کر چکے ہیں مگر یہ کام چونکہ تا ہنوز تشنۂ تکمیل ہے اس لئے اس کی پوری علمی قدر و افادیت بھی سامنے نہیں آئی جب یہ تفسیری کارنامہ مکمل صورت میں سامنے آئیگا تو ''اعلاء السنن'' کی طرح علماء عالم اسلام ان کی علمی اہمیت کو بھی اسی طرح تسلیم کریں گے دیکھئے یہ سعادت کن حضرات (اہل خیر) کے حصے میں آتی ہے کہ وہ آگے بڑھ کر اس گرانقدر علمی سرمائے کی نشر و اشاعت میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ذالک فضل اللہ یؤ تیہ من یشاء

تربیت باطنی اور تبحر علمی

مولانا ترمذیؒ نے باطنی تربیت اپنے شیخ کامل حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہ سے حاصل کی اور ان کے خلفاء و مجازین میں ایک بلند و بالا مقام پر پہنچے ان کے علم و فضل اور تبحر علمی کا کچھ اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب والد محترم حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے مولانا غلام اللہ صاحبؒ کی بعض تفسیری تعبیرات کے بارے میں اظہار خیال کی ہدایت فرمائی بعد میں دیوبندی مکتبہ فکر سے وابستہ سب علماء کرام نے ان کی فقہی و علمی بصیرت کو مسلمہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ اپنے آخری ایام میں وہی ایک ہستی باقی رہ گئے تھے جو علم و عمل میں نمونۂ سلف اور یادگار زمانہ تھے۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

آخر میں دست بدعا ہوں کہ جس طرح مولانا ترمذیؒ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار دارالعلوم حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا کو اپنے علم و عمل اور تقویٰ و طہارت سے ایک مثالی دینی درسگاہ بنایا اسی طرح ان کے لائق فرزند عزیز گرامی مولانا سید عبدالقدوس سلمہ دارالعلوم کی مرکزی حیثیت کو قائم رکھنے اور اسے مزید ترقی دینے میں کامیاب ہوں تاکہ ان کی علمی و دینی خدمات کا سلسلہ برابر جاری رہے جن کی داغ بیل مولانا ترمذیؒ مرحوم و مغفور ڈال گئے ہیں۔

14-8-2001

تذکرۃ الحبیب

شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہم بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

مکتوب گرامی

بخدمت حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی زید مجدہم .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انتہائی نادم ہوں کہ جناب کو بار بار فرمانا پڑا، مشاغل اور بیماریوں کے علاوہ تاخیر میں یہ تصور بھی باعث بنتا رہا کہ اگرچہ حضرت سے حقیقی محبت وتعلق تھا، ہے اور رہے گا۔ اور بحمدہ تعالیٰ اس مینار ولایت کا مشاہدہ بھی خوب کیا ہے لیکن سوچتا تھا کہ ان کی کون کونسی ادا لکھوں کونسی چھوڑوں اور کن ہاتھوں سے لکھوں۔ جناب والا کے آخری حکم کے بعد علالت سے اٹھ کر فوری طور پر پہلا یہی کام کیا ہے انتہائی جلد بازی میں کیا ہے اگر قابل اشاعت سمجھیں تو کر دیں، کچھ اصلاح مناسب سمجھیں تو کر لیں۔ طالب دعا: احقر نذیر احمد غفرلہ

۱۲رذوالحجہ۱۴۲۳ھ پونے گیارہ بجے رات

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی نور اللہ مرقدہ ورحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ سے واقعی شدید ولذیذ تعلق تھا اور ہے۔ اس کا آغاز بھی دینی جہات سے ہوا اور اس میں اضافہ بھی انہیں حیثیات سے ہوتا رہا۔

حضرت اقدس قدس سرہ سے تعلق محبت کا آغاز اس طرح سے ہوا کہ احقر جامعہ خیر المدارس ملتان میں مدرس تھا، سرگودھا کے ایک طالب علم جو اب سن رسیدہ بزرگ عالم ہیں ان کا احقر سے میل جول تھا، بلکہ قیام بھی احقر کی درس گاہ میں ہی تھا وہ گاہے گاہے قصبہ ساہیوال جامعہ حقانیہ اور اس کے روح رواں حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ کا تذکرہ کرتے رہتے تھے موصوف کے علم عمیق، وسعت نظر، حسن قراءت، خالص درویشی، تقویٰ وصلاح، عوام پر ان کے خطبات کی اثر اندازی اور اوصاف حسنہ کے اثرات جیسی صفات عالیہ کی اپنی دانست کے مطابق

تصویر کشی کرتے رہتے تھے۔اس سے حضرت اقدس رحمہ اللہ کی زیارت ولقاء کا شرف حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

چنانچہ ان خالص ایمانی وجوہ سے ملتان سے قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا کا سفر متعدد مرتبہ کیا۔ طالب علم مذکور کے بیانات واطلاعات نہ صرف صادق نظر آئے بلکہ اظہار حقیقت سے بہت ہی قاصر نظر آئے ،ایسی جامع شخصیات کے اوصاف عالیہ کی صحیح ترجمانی کسی طالب علم کے بس میں ہو بھی کیسے سکتی ہے۔

ایک عالم دین ،ایک مفتی ،ایک فقیہ ،ایک مدرس ،ایک مربی ،ایک شیخ کامل ،ایک ولی ،اور ایک مصنف میں جن صفات حسنہ کا وجود ضروری ہے ایسی سب خوبیاں ان میں نظر آئیں اور جو رذائل ان مناصب عالیہ کو داغدار کرنے والے ہوتے ہیں ان سے خلو تام معلوم ہوا۔

ملتان سے دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار ،وہاں سے دو سال بعد دار العلوم فیصل آباد بحیثیت مدرس رہنا ہوا ،بالخصوص فیصل آباد قیام کے دوران کافی آنا جانا رہا ،ہر دفعہ تعلق محبت وگرویدگی میں اضافہ ہی ہوتا گیا کبھی کوئی ایسی صورت پیش نہیں آئی جس سے بے لطفی ،محبت میں کمی کا احساس پیدا ہوا ہو۔

فیصل آباد میں دار العلوم فیصل آباد چھ سال صحیح بخاری شریف اور دوسری کتب پڑھاتا رہا بعد میں وہاں سے الگ ہونے کے اسباب پیدا ہوئے ارباب علم وفضل سے کافی مشوروں کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ فیصل آباد میں جامعہ اسلامیہ امدادیہ کے نام سے ایک مدرسہ بنایا جائے ،سب سے پہلے سیدی ومرشدی جامع الکمالات حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی قدس سرہ سے اجازت بھی لی گئی اور حضرت اقدس کو مجلس شوریٰ کی صدارت کیلئے آمادہ کرنے کی سعادت حاصل کی جسے حضرت والا نے بطیب خاطر قبول فرمایا یہ امدادیہ کی کامیابی کیلئے نہایت نیک فال تھی ،البتہ اتنا فرما دیا تھا کہ اپنے ضعف کی بنا پر فیصل آباد آ نہیں سکوں گا دعاء سے سرپرستی رہے گی جب تک حضرت حیات رہے دعاء ،مشوروں اور ہدایات سے پوری توجہ سے سرپرستی فرماتے رہے بلکہ مالی معاونت بھی فرماتے رہے احقر کے خیال میں حضرت والا کی یہ خصوصی عنایت وتوجہ جامعہ اسلامیہ امدادیہ کی کامیابی کی سب سے بنیادی وجہ ہے ،حضرت نے جو ہدایات بھی دیں اسے جامعہ کا آئین تصور کیا گیا ،مثلاً ایک ہدایت یہ فرمائی تھی کہ گورنمنٹ کی مالی امداد کبھی جامعہ پر خرچ نہ کی جائے ،بحمدہ تعالیٰ اب تک اس دستور پر بلا

کسی نوعیت کے تذبذب کے عمل رہا ہے۔ دارالعلوم کراچی میں ایک مرتبہ حضرت والا نے اساتذہ وطلبہ سے نصائح فرمائیں جو طبع بھی کرادی گئیں وہ یہاں تقسیم کی گئیں اور سب مدرسین وطلبہ میں پڑھ کر سنائیں اور یہ اعلان کردیا کہ یہ محض وعظ نہیں بلکہ جامعہ کا دستور ہے۔

جن اہل علم وتقویٰ سے جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد جاری کرنے کیلئے ابتدائی مشورے اور ہدایات لی گئیں تھیں ان میں سے حضرت ڈاکٹر صاحب عارفی نوراللہ مرقدہ کے بعد سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابل اعتماد شخصیت حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ کی تھی، تب سے آخر تک مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

شوریٰ کے معاملات میں سب سے زیادہ غور سے دلچسپی حضرت ہی لیتے تھے ہر ابہام کی وضاحت کراتے قابل تنقید امور پر تنقید اور نظر اصلاح فرماتے یہ توجہ احقر کیلئے انتہائی موجب اطمینان وتشکر ہوتی تھی، مجلس شوریٰ کے تقریباً ہر اجلاس اور دیگر تبلیغی محافل میں روح رواں ہوتے تھے البتہ آخری سال سفر بیت اللہ شریف کی وجہ سے ختم بخاری کے جلسہ میں شریک نہ ہوسکے اس کے بعد محبوب حقیقی کی طرف سفر نے ہمیں اس سعادت سے محروم کردیا۔ جزاھم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء

﴿ خلف میں صفات سلف کا جامع نمونہ ﴾

جس دور میں حق تعالیٰ نے حضرت موصوف کو پیدا فرمایا وہ انتہائی پرفتن دور تھا ان کی آخر زیست تک ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا، بے تمیز آزادی کا رجحان عام تھا، نفس پرستی تن آرائی، تعیش ولذائذ کی جستجو، دنیا اور شہرت طلبی کا ذوق، چڑھاؤ اُتار میں مکروفریب، ہر جہت سے مال سمیٹنے کی ہوس وغیرہا صفات کا نہ صرف عموم وشیوع تھا بلکہ ان کو زندگی کے اوصاف محبوبہ شمار کئے جانے کی مرض سے خواص بھی کم ہی بچے ہوئے ہوں گے، ایسی طوفانی فضاؤں میں بھی حق تعالیٰ نے حضرت موصوف کو دُرِّ نفیس کی طرح محفوظ رکھا۔

اپنی بے مائیگی اور تہی دامنی کے تیقن کے باوجود اس بات پر حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اہل علم، اہل ذکر، اہل تقویٰ اور اہل دانش دیکھے بھی ہیں اور قرون ماضیہ کی اس نوع کی شخصیات کے صفات عالیہ سے بواسطہ تاریخ وسیر کچھ شناسائی بھی ہے، احقر اپنا عندیہ یہ بے تکلف عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ اپنی سادگی اور گمنامی کی مساعی کے باوجود ایسی

مقبول ومحبوب شخصیات میں سے ایک نہایت ہی حسین دُرمکتوم تھے ۔ ایسا خالص عطر تھے جو خود اپنے آپ کو چھپائے رکھنے کی سعی کرتا رہا لیکن عطر کی خوشبو بھلا کون چھپا سکتا ہے ۔علم وعمل اور خصائل حسنہ کی ایسی روشنی تھے جو بادلوں کی گھٹاؤں میں بھی اپنی تابانی دکھا کر رہتی ہے ۔ حضرت ان مقبولین درگاہ عالی سے تھے جن کی علمی، عملی ، حالی ، تدریسی ، تصنیفی اور فقہی کیفیات وخدمات وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مزید نکھرتی ہی چلی جائیں گی ۔ ایسے گمنامی کے طالبین وشائقین خدائے قدردان کے دربار سے جس صلہ کے مستحق ہوتے ہیں یہ صلہ مختلف اَشکال میں دنیا وعقبیٰ میں ان کو اضعافامضاعفة ملتا ہی رہے گا۔

جس علم عمیق ، طبع معتدل اور کردار وگفتار حسن جیسی صفات عالیہ متنوعہ کو ایک گوشہ میں لے کر عمر متعین گذاردی وہ ان شاء اللہ مہکتے ہی رہیں گے ، ایسے عِبادمقبولین کے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ ہی نرالا ہوتا ہے ان کی عام عادات حسنہ کو بھی خوب چمکاتے ہیں ان کے علوم ، اعمال وسیَر تو مرحمت ہی فرمائے جاتے ہیں چمکنے کیلئے ، ان کو چمکنے سے کون روک سکتا ہے ۔

﴿ تصنیفی خدمات ﴾

اہم شخصیات کی تالیفات ، تصنیفات اور مقالات ان کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ تصور کئے جاتے ہیں یقیناً سوانح نگاروں نے ان پر مفصل روشنی ڈال دی ہوگی ۔ احقر قطرۂ خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کیلئے صرف اتنا ہی عرض کرتا ہے کہ حضرت کمًّا کیفاً اس سلسلہ میں اتنا اور ایسا کام کر گئے ہیں جو شاید بڑی بڑی اکیڈمیوں سے نہ ہوسکتا۔

ان تالیفات ومقالات میں صحت کا اہتمام ، متانت وسنجیدگی کا اعلیٰ معیار ، اعتدال کامل دلنشینی ودلکشی ، اپنے معتدل رائے پیش کرنے میں پُر لطف بے باکی ، قلم ولسان دونوں کا رخ مقتضائے حال اور ضرورت وقت کے عین مطابق ہوتا تھا۔

علماء کرام کے انتہائی ادب کے باوجود ان کو بھی اپنی رائے پیش کرنے سے گریز نہ کرتے تھے ، نہ ہی حکام وقت کی ہیبت ان کو صحیح رائے دینے سے مانع ہوسکتی تھی۔

﴿ توازن واعتدال ﴾

اعتدال اسلامی صفات حسنہ میں سے ، نہایت اہمیت کی حامل صفت ہے ، سورہ فاتحہ میں جس

صراط مستقیم کی درخواست کی تلقین ہے وہ میدان افراط اور میدان تفریط کے درمیان خط مستطیل ہے خط طول میں منقسم ہوتا ہے عرض میں غیر منقسم اور غیر متجزی ہوتا ہے پل صراط اس کی صورت مثالیہ ہوگی جس کی صفت احَدُّ من السیف ادقُّ من الشعر معروف ہے اتنی دقیق چیز وہی ہوسکتی ہے جو غیر منقسم ہو، یہ شان اسلامی عقائد میں بالخصوص باقی امور دینیہ میں بالعموم ملحوظ ہے ،توفیق حق سے اہل السنّت والجماعت ساری عمر اسی مامور بہ خط اعتدال پر چلتے چلتے گذار جاتے ہیں جو ایسے خط پر برسوں گذرتا ہو اس کیلئے پل صراط عبور کرنے میں کیا دقت ہوگی۔

آج کل صحیح توازن و اعتدال کے وصف میں کافی کمی ہوتی جارہی ہے، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے تمام معاملات بالخصوص آراء میں یہ وصف نہایت نمایاں رہا، صحیح بات پر تصلب تو خوب تھا لیکن تعصب نام کی کوئی بات حضرت میں نہیں تھی ،اس کے شاہد عدل کے طور پر اس دور کے ہنگامہ آراء واختلاف میں ان کی روش ورائے کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

تقسیم ملک کے متعلق علمائے دیوبند واضح طور پر دو مختلف نظریات میں بٹ گئے تھے دونوں طرف سے افراط وتفریط کا طوفان تھا لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اس مسئلہ میں حد اعتدال پر رہے۔ یہ مسئلہ خالص اجتہادی مسئلہ تھا اس میں بحث راجح مرجوح کی ہی ہوسکتی ہے اسے حق و باطل کی جنگ قرار دینا خلاف اصول بات ہے، ان شاءاللہ طرفین کے مخلصین ماجور ہوں گے (باجرٍ او باجرین)

ایسے مسائل میں کسی جانب کو بھی ترجیح نہ دینا اسے ناواقفیت یا سکوت تو قرار دیا جاسکتا ہے اعتدال نہیں ،اعتدال یہ ہے کہ ایک جانب کو ترجیح دیتے ہوئے بھی معاملہ کو اس کی حد تک رکھے دوسری جانب کو ترجیح نہ دے لیکن ان کا احترام مخلصین کے اخلاص کا قائل رہنا ان کے وجوہ ترجیح کو نظر انصاف سے دیکھنا کم از کم ان کی رائے میں احتمال صواب رکھنا یہ اعتدال کی تحصیل کیلئے لازم ہے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس سلسلہ میں واضح طور پر ترجیح تقسیم ملک کے نظریہ کو دیتے تھے لیکن عدم تقسیم کے قائلین کے معاملہ میں عیاناً وغیاباً انتہائی ادب واکرام ملحوظ رکھتے تھے ایسی مجالس خاصہ جن میں یقین ہوتا کہ اس مجلس کے سب شرکائے مجلس میرے ہم نوا و ہم ذوق ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کا جب تذکرہ مبارک آجاتا تو والہانہ انداز سے ایسے کُھل جاتے اور کَھل جاتے جس سے حاضرین یہ کہنے پر مجبور ہوجاتے کہ ایسا فناء فی محبۃ شیخ الاسلام

قدس سرہ شاید ہی اور کوئی ہو یہ نقشہ احقر نے بارہا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا یہ رویت حال ہے فقط روایت مقال ہی نہیں، حضرت شیخ الاسلام موصوف قدس سرہ کے ذکر خیر میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب بھی بنام ''تذکرہ حضرت مدنیؒ'' طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے جس میں عارفانہ عاشقانہ انداز سے حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کی رفعت وعظمت شان حرف حرف سے ٹپکتی ہے۔

﴿ اکابر علماء دیوبند کے مسلک ومزاج کی ترجمانی ﴾

ویسے تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علوم معقولہ ومنقولہ تمام علوم درس نظامی تجوید وقراءت سب میں بلند پایہ تھے حق تعالیٰ نے جامعیت سے نواز رکھا تھا لیکن حضرت قدس سرہ کی سب سے اہم خصوصیت علمائے دیوبند جو اس دور میں اہل السنّت والجماعت کے مسلسل سلسلہ کی صورت بھی ہیں حقیقت بھی، ان کے مزاج ومسلک میں رسوخ اور تحریراً وتقریراً اس کی کھلے لفظوں میں کامیاب ترجمانی ہے۔ اس میں بلند درجہ کی استقامت کے حامل تھے۔ ما انا علیہ و اصحابی کے زاویہ قائمہ سے جو بھی ہٹا جتنا بھی منحرف ہوا اتنا ہی بڑا مبتدع اور زائغ ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اہل بدعت اور اہل رفض کے ہجوم میں رہ کر جس حکمت وموعظت سے مسلک کی ترجمانی کی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہے بغیر کسی جنگ وجدال کے اعلائے مسلک میں نہایت اعلیٰ کامیابی حاصل کی ہے فضاء بھی مکدر نہیں ہونے دی دھیمی دھیمی بارش کی طرح آب رحمت حق عوام وخواص کے ذہنوں میں رچا بسا دیا۔ کام کیا اور خوب کیا لیکن حکیمانہ مشفقانہ انداز سے کیا کہ نہ صرف فضاً میں باہمی عداوتیں کشاکشی پیدا نہیں ہونے دی بلکہ علاقے کی فضاء ایسی بنی رہی کہ بعض لوگوں نے قبول مسلک نہیں بھی کیا تب بھی حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے علم وتقویٰ اور حکیمانہ روش کی وجہ سے حضرت کی عظمت ومحبت اکثر اہل علاقہ کے قلوب میں پنہاں تھی جس کا اثر مختلف نوعیت کے واقعات میں نمایاں ہوتا رہا۔ بالخصوص جاتے جاتے جنازے میں اپنی شان محبوبیت جاذبیت کا سکہ سب کو دکھا گئے۔

منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے علاوہ اعتزال وخروج پسند طبقات کا محاسبہ ومعاقبہ نہایت محکم انداز سے اپنی تحریروں وتقریروں میں کیا ان کے مزعومہ دلائل کا ایسا تجزیہ اور رد فرمایا جو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جہاں اعتقادی ونظریاتی محاذ پر دعوت الی اللہ ادا فرمایا وہاں اصلاح

اعمال واخلاق کیلئے بھی خوب محنت کی۔

مجلس صیانۃ المسلمین کے سرپرست اور روح رواں تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجلس کا اصل وجود یہیں محسوس ہوتا تھا خطبات ودروس اور مجالس کے ملفوظات کے ذریعہ ایسی محنت کی جس کے آثار طیبہ ہر طبقہ زندگی کے متعلقین میں بکثرت اور نمایاں نظر آ رہے ہیں بالخصوص شرکائے جلسہ کی اکثریت دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر تھانہ بھون کی خانقاہ شریف کا پختہ رنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے جو صاحب اس سلسلہ سے نسبت قائم کرنا چاہتا اور اس سلسلہ میں احقر سے مشورہ کرتا تو اس کا رجوع حضرت ہی کی طرف کراتا تھا بحمدہ تعالیٰ رذائل باطنہ سے شفاء کیلئے حَبِّ شفا سادگی کی شیرینی میں لپٹی ہوئی ملتی تھی۔

صحیح وارث نبوت اور رسوخ اخلاق حمیدہ

اصل وراثت نبوت یہ ہے کہ ریا ونمود سے ہٹ کر اعمال مسنونہ اور اخلاق حمیدہ کا صحیح رنگ چڑھا ہوا ہو یہ بات حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ میں بغیر کسی تصنع اور دھوم دھام کے نہایت راسخ تھی۔ حضرت والا کی زندگی کے ہر پہلو کا مشاہدہ ہوتا رہا ہے الحمدللہ وراثت نبوت کی جھلکیوں کے اس پہلو کو نمایاں محسوس کیا، صبر شکر، تواضع، انکساری، قناعت، سادگی، توکل، تسلیم ورضا اخلاص جیسے اخلاق حمیدہ سے تحلیہ اور ریا ونمود، حب مال، حب جاہ، عجب، غرور ونخوت، وغیرہا اخلاق ذمیمہ سے تزکیہ یہ حضرت میں مثل طبعیات وفطریات کے تھا۔ ہم نے جب بھی دیکھا اور خوب دیکھا ہر حال میں محلّٰی ومزکّٰی ہی پایا۔ معاملات ومعاشرت کے عام کاموں میں بھی قدافلح من تزکی کی شان کو نمایاں ہی پایا گیا۔

ایک دفعہ احقر سفر میں تھا حضرت والا بھی بذریعہ کار شجاع آباد کے سفر میں تھے احقر بھی ایک مدرسہ میں ان کے ساتھ مل گیا، احقر نے شجاع آباد سے جھنگ تک سفر حضرت کی معیت میں حضرت کی گاڑی میں کیا ملتان جھنگ کے درمیان کبھی ٹریفک کی عجیب نوعیت کی رکاوٹ آ جاتی کہیں گاڑی میں خرابی ہو جاتی رات کا سفر تھا عجیب کشمکش میں سفر گذرا۔ ہم پورے سفر میں پیچ وتاب کھاتے رہے مختلف حال وقال سے پریشانی کا اظہار کرتے رہے زیادہ تشویش حضرت اقدس کی تکلیف کے تصور سے تھی لیکن حضرت ہیں کہ اپنی اگلی سیٹ پر نہایت ساکت وساکن تشریف فرما ہیں۔ ہم حضرت پر عجیب نوعیت کا سکینہ ووقار محسوس کر رہے تھے نہ چہرہ پر ملال ہے نہ زبان سے کسی تشویش کا اظہار فرماتے ہیں ایسے عام واقعات سے ان حضرات میں اور ہم میں فرق کا اندازہ ہوتا ہے ہم کدر میں ہیں وہ قدر کے

فیصلوں پر تسلیم ورضا کی لذت خاصہ پا رہے ہیں خالی شیشی اور عطر سے بھری شیشی میں فرق تو عام فضا بھی محسوس کرتی ہے، اہل اللہ وہ نہیں جن پر اہل اللہ ہونے کے بینر آویزاں ہوں اندر کی خوشبو خود فرق بتاتی ہے کہ کون خالی ہے کون عالی ہے۔

یہ واقعہ احقر نے بطور نمونہ پیش کیا ہے ورنہ ہم تو عام واقعات میں ایسے فرق محسوس کرتے ہیں ایک ہی حادثہ ہے ہم اپنے غم میں ہیں وہ جمال یار کے مشاہدہ میں ہیں ؎

زندہ کنی عطائے تو — وربکشی فدائے تو

دل شدہ مبتلائے تو — ہر چہ کنی رضائے تو

اسی تحلیہ وتزکیہ سے جنت تو ملتی ہی ہے زندگی کی لذت بھی اس میں مضمر ہے، ممات بھی ایسی کہ ابھی سے جنت کا مزہ آنا شروع ہوجاتا ہے۔

تشکر

ہماری گوناگوں تقصیرات کے باوجود حضرت اقدس کی ہم پر ہر طرح کی توجہات وعنایات رہیں بحمدہ تعالیٰ حضرت بھی جامعہ کی فضا وذوق سے مطمئن رہے خود کئی مرتبہ اور کئی جگہ فرمایا کہ میں اپنے دل کی بات جامعہ امدادیہ کے طلبہ میں کھل کے کہہ سکتا ہوں۔

طلبہ کا طبقہ آزاد طبقہ ہے یہ رنگین تقریروں میں تو دلچسپی رکھتے ہیں لیکن سنگین یعنی اصلاحی نوعیت کی خشک (مگر) متین تقریروں سے دلچسپی کم ہی رکھتے ہیں لیکن جامعہ کے طلبہ میں حضرت کے کثرت سے بیانات ہوئے بسااوقات دودوتین تین گھنٹے بھی بیان ہوجاتے، بسااوقات کھانے کا وقت بھی گذر جاتا لیکن طرفین کُھلے ہوئے ہیں کِھلے ہوئے بھی، اور باتیں بھی ایسی ہوجاتیں جو طلباء کے عام مذاق کے خلاف ہیں لیکن یہاں کے طلبہ نہ صرف یہ کہ تنگ نہیں بلکہ متأثر اور مستفید ہو رہے ہیں حق تعالیٰ ایسی فضاؤں کو نظر بد سے محفوظ رکھیں۔ حق تعالیٰ حضرت کو اپنے قرب خاص کے مدارج میں ترقی مرحمت فرماتے رہیں۔ آمین

بزم اشرف کا چراغ

حضرت مولانا عبدالمجید صاحب انور مدظلہم یو، کے

کل جنگ اخبار کے ذریعہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب مرحوم ومغفور کے سانحہ ارتحال کی خبر معلوم ہوکر از حد صدمہ ہوا۔ دو تین سطروں کی خبر کئی بار پڑھی دیر تک سکتہ کا سا عالم رہا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیء عندہ الی اجل مسمی عظم اللہ تعالی اجورنا وتولی امورنا.

ضرورت روشنی کی جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے

اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

یہ صدمہ تو پوری امت کا ہے ملک بھر کا ہے اور پھر خصوصاً مسلک ومشرب کا اور صیانۃ المسلمین کا ہے اور سبھی اپنی اپنی جگہ تعزیت کے محتاج ہیں۔

وما کان قیس هلکه هلک واحد

و لکنه بنیا ن قو م تهد ما

حضرت مفتی صاحبؒ سے آشنائی مجھے اس وقت نصیب ہوئی جب کہ خیر المدارس ملتان سے فراغت کے دو تین سال بعد جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے سالانہ جلسہ کیلئے ملتان حاضر ہوا حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ نے تقریر کرنے کو فرمایا اور پھر بعد میں بہت ہی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس ناکارہ کیلئے اہل جلسہ سے دعا بھی کروائی قیام گاہ کے سامنے کھڑا تھا تو حضرت مفتی صاحب مرحوم تشریف لائے ملنے کے بعد اپنے ساہیوال (ضلع سرگودھا) آنے کو فرمایا تب سے ہر سال سالانہ جلسہ پر ساہیوال سرگودھا جانا ہوتا اور حضرت موصوف کی عنایات ہر دفعہ مزید در مزید ہونے لگیں امراض واعذار کے باوجود سٹیج پر تشریف فرما ہوتے دعاؤں اور تحسین کے ذریعے بہت ہی حوصلہ

افزائی فرماتے جب تک حاضری رہتی خوب خوب شفقتیں فرماتے گھنٹوں گھنٹوں تھانہ بھون کی باتیں محولذت ہوکر سناتے اور سننے والے بھی محظوظ ومسرور ہوجاتے درمیان میں کبھی آہ کھینچ کر فرماتے ان حالات واقعات کو جاننے والے اب کہاں۔

کہتے ہیں کہ ساہیوال اوراس کا گردونواح دینداری کے لحاظ سے بالکل بنجراور ویران علاقہ تھا یوں زمیندار اور وڈیرے تو تھے اور ہیں بھی مگر سرگودھا کے باہر اس جانب کو کوئی دین کا وڈیرا سننے میں نہ آتا تھا اس مرد درویش نے یہاں آکر ڈیرہ جمایا تو تمام علاقہ سیراب ہوگیا خصوصاً قصبہ ساہیوال تو باغ وبہار بن گیا جہاں قدم رکھتے ہی خیر وبرکات کی پر بہار ہوائیں آنکھوں کو ٹھنڈک اور دلوں کو تازگی بخشنے لگیں سنا ہے بڑے بڑے پلنگ نشین زمیندار اور وڈیرے تک اس بوریہ نشین فقیر کے پاس آکر چٹائی پر بیٹھتے اور سکون دل کا تریاق حاصل کرتے تھے۔

سرگودھا میں راقم کی ہمشیرہ مرحومہ ان کے اہل وعیال ایک عرصہ سے قیام پذیر ہیں ان کے پاس جانے کیلئے بھی نیت حضرت مفتی صاحب مرحوم کی زیارت ہی کی کرتا تھا جس وجہ سے تمام سفر میں ایک عجیب سا کیف طاری رہتا اور وہاں کی حاضری کے بعد تو دنیا ہی بدل جاتی تھی۔ بزم اشرف کا یہ آخری چراغ یوں تو عرصہ سے ٹمٹمارہا تھا مگر اس کی اٹھتی ہوئی آخری لو بھی تادم آخر قلوب کو زندگی اور تابندگی بانٹتی رہی۔ **فجزاه الله تعالیٰ احسن الجزاء ورحمه الله رحمة واسعه.**

بیرون ملک ہونے کی وجہ سے میرے لئے یہ مزید صدمہ ہے کہ حضرتؒ کی آخری زیارت اور نماز جنازہ میں شمولیت بھی مقدر نہ ہوسکی جو میری نجات کا ذریعہ بنتی۔

ایک عرصہ سے ہر سال حضرتؒ کے ہاں حاضری کا معمول تھا اور جانے کو تو اب بھی جانا ہوگا انشاء اللہ مگر آنکھوں کو جنہیں دیکھنے کا اشتیاق لگا رہتا تھا اور پژمردہ دل جن کے انفاس قدسیہ سے حیات نو حاصل کرنے کیلئے کھنچا چلا جاتا تھا انہیں وہاں نہ پا کر اپنی محرومی کا عالم کیا ہوگا، آج ہی اس کے تصور سے دل بیٹھا جارہا ہے۔

؎ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

عبدالمجید انور غفرلہ

۱۴۲۱/۱۰/۹ھ، راچڈیل

فقیہ کامل

جامع المحاسن حضرت مولانا مفتی عبدالقادرؒ سابق رئیس الافتاء وشیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی وشیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے خاص تعلق رکھتے تھے حضرت سے متعلق آپ نے یہ مضمون لکھنا شروع فرمادیا تھا لیکن اس کی تکمیل سے قبل ہی آپ کی بیماری کا طویل سلسلہ شروع ہوگیا اور بالآخر رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ میں آپ انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ذیل میں حضرتؒ پر آپ کا وہی مضمون پیش خدمت ہے جو حضرتؒ کے حالات کے ساتھ کئی علمی فوائد پر مشتمل ہے۔ (مرتب)

جب سے مبدا فیاض جل مجدہ نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے اور حضرت انسان کو عالم رنگ وبو کی سیادت وقیادت بخشی ہے اس وقت سے موت وحیات کا محکم نظام بھی نافذ کر دیا ہے جس کے نفاذ کو نہ کوئی طاقت ٹال سکتی ہے نہ مؤخر کر سکتی ہے **اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون** ۔ موت صرف عدمی چیز نہیں بلکہ بفحوائے خلق الموت والحیٰوۃ ایک وجودی چیز ہے جس کو حق جل مجدہ نے حیٰوۃ کی طرح وجود عنایت فرمایا ہے ۔ موت بنی نوع انسانی پر کس طرح مسلط ہے اس کو کسی حکیم نے یوں بیان کیا ہے ؎

لہ ملک ینادی کل یوم　　لدوا للموت وابنوا للخراب

یعنی ہر روز ایک فرشتہ نداء دیتا ہے کہ تم بچے جنتے رہو ہم ان پر موت مسلط کریں گے گویا بچے جننے کا نتیجہ اور غایت موت ہی ہے اور تم عمارتوں کے فلک بوس پہاڑ کھڑے کرتے جاؤ ہم ان کو ویرانے میں تبدیل کرتے رہیں گے۔

موت کے پیدا کرنے میں کیا حکمتیں ہیں ان کا علم تو موت کے پیدا کرنے والے کو ہے تاہم کچھ حکمتیں بطور مشتے از خروارے مخلوق کے ادراک میں بھی آ گئی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ

اگر موت نہ ہوتی تو اصاغر اکابر نہ بنتے چھوٹوں کو کوئی بڑا نہ سمجھتا اور گمنام لوگ آسمان شہرت کے روشن ستارے نہ بنتے اس لئے کسی کی موت پر اس قدر غم نہ کرنا چاہئے جس سے صبر کے حدود کو پامال کر کے بے صبری کے دلدل میں جا پھنسے پھر موت سے کسی متنفس کو رستگاری نہیں ہے اگر کوئی شخص موت سے بچ جاتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اطہر میں ہونے کی بجائے مسجد نبوی کے منبر و محراب پر رونق افروز ہوتے کسی نے بہت ہی صحیح اور برحق شعر کہا ہے۔

لو كانت الدنيا تدوم لواحد

لكان رسول الله فيه مخلدا

یعنی دنیا میں اگر کسی شخص کو دوام ملتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور ملتا۔ اور موت وحیات انسان کا خاصہ لازمہ ہے اگر ایک کے ہاں بچے کی ولادت ہے تو دوسرے کے ہاں جنازہ پڑھا جارہا ہے کسی کے ہاں شادی ہے کسی کے ہاں غمی ہے۔

مجھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مرحوم ومغفور کی یہ بات بہت پسند آئی جو آپ نے اپنی آپ بیتی میں درج کی ہے کہ ایک دفعہ میرے ایک بچے کا انتقال ہو گیا تھا اور جنازہ پڑھنے کیلئے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے میں نے اپنے خادم مولوی نصیر الدین صاحب سے کہا بھائی یہ موت وحیات تو روز کا دھندا ہے حضرت کی چائے نہ بھولنا کیونکہ اس وقت حضرت کا چائے پینے کا معمول تھا۔ صحیح فرمایا کہ موت وحیات سے اکثر سامنا رہتا ہے اور ایسے واقعات پیش آنا کوئی تعجب ناک امر نہیں لیکن کچھ لوگوں کی موت عام موت نہیں ہوتی بلکہ وہ علم، تقویٰ، تفقہ، درس وتدریس، تصنیف تالیف، استغناء، تواضع، زہد، اور اعتدال پسندی کی موت ہوتی ہے حضرت مفتی قاری عبدالشکور ترمذی کی موت بھی ایسی ہی تھی۔

وليس على الله بمستنكر　　　ان يجمع العالم فی واحد

ایسی جامعیت کے حامل خال خال لوگ ہوتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ سے بندہ کا ابتدائی تعارف

بندہ دارالعلوم کبیر والا میں جلالین شریف اور اس درجہ کی دیگر کتب پڑھ رہا تھا۔ ہمارے استاد اور شیخ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم بڑی تحقیق سے جلالین شریف

پڑھاتے تھے ایک گھنٹے میں دونوں جلد مکمل پڑھاتے ان کے ہاں یہ ضروری تھا کہ تفسیری عبارات جو علامہ محلی اور علامہ سیوطی قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ کے درمیان ذکر کرتے ہیں ان میں ہر لفظ کی غرض بیان کریں اور یہ طرز بالکل صحیح ہے کیونکہ شارح متن سے زائد جو الفاظ ذکر کرتا ہے اس کا کچھ نہ کچھ مقصد ہوتا ہے کامل اور محقق مدرس کا یہ فرض بنتا ہے کہ تفسیری الفاظ کی غرض بیان کرے اور اس طرح کی اغراض جمل، صاوی اور جلالین کے حاشیہ میں لکھی ہوتی ہیں اور کئی اغراض حضرت استاد ایسی بھی بیان فرماتے کہ خاص عنوان سے اس کے حضرت ہی موجد تھے غرضیکہ ہم حضرت سے جلالین بڑے شوق وذوق سے پڑھ رہے تھے جب دوسرے پارے کے شروع میں تحویل قبلہ اور حیات شہداء کا مسئلہ آیا تو حضرت نے اہل حق کی خوب ترجمانی اور تائید کی اور بعض مماتی مفسرین کی تفسیر کی فاحش غلطیاں بیان کیں اور مدلل تردید کی اور یہ بھی بتادیا کہ تردید کا فلاں فلاں حصہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے لیا گیا ہے اور حضرت استاذ نے ہمیں وہ تحریر دکھائی بھی تھی اور اس میں سے کچھ پڑھ کر سنایا بھی تھا۔

ہمارے اکابر کا طرز یہ ہے کہ اگر کوئی علمی تحقیق کسی محقق کے کلام سے لی ہو تو یہ باور کرانے سے سخت احتراز کرتے ہیں کہ یہ تحقیق ہماری ہے بلکہ نہایت کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ تحقیق فلاں محقق کی تحریر سے لی گئی۔ بندہ نے کئی ایسی کتابیں دیکھی ہیں جن میں کسی معاصر بزرگ کی تحقیقات کو کتاب کے اندر سمودیا گیا مگر اس بات کا اشارہ تو کیا دیتے ادنیٰ سا شمہ بھی نہیں دیا کہ یہ تحقیقات فلاں کتاب سے ماخوذ ہیں فیاللعجب۔ ہمارے اکابر اس کو اچھا نہیں سمجھتے بلکہ اگر یہ تأثر دلایا جائے کہ یہ میری تحقیق ہے تو وہ اس کو انتحال سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو کذب کے مترادف سمجھتے ہیں بہرحال ہمارے حضرت کی عادت تھی کہ اگر کسی محقق کی تحقیق بیان فرماتے تو ان کا نام بتلا دیتے اسی اصول کے مطابق حضرت استاذ نے تحویل قبلہ، حیات شہداء اور حیات انبیاء، اور سماع عندالقبر جیسے مسائل میں حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ کی تحقیقات بیان فرمائیں۔ یہ نقش اول تھا جو حضرت مفتی صاحب کے بارے میں قلب کے اندر جاگزیں ہوا۔

آگے سنئے کچھ دن گزرتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب دارالعلوم کبیر والا میں تشریف لاتے ہیں تعارف تو پہلے ہو چکا تھا اور غائبانہ محبت وعقیدت کے جذبات بھرپور انداز میں دل میں موجزن

تھے اول ملاقات ہوئی تو باغ و بہار شخصیت ہمارے سامنے تھی تواضع کا یہ عالم تھا کہ اکیلے تشریف لائے تھے کوئی خادم نہیں تھا خوب ملنے اور مجلس میں بیٹھنے کا اور استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ اگلے دن حضرت نے ساہیوال ضلع سرگودھا واپس جانا تھا ہم کئی طلبہ حضرت کو پہنچانے اڈے پر گئے حسن اتفاق ہی کہئے کہ بس کی انتظار میں دیر لگ گئی اور ہماری صحبت اور مجالست اور مکالمت حضرت سے کافی طویل ہوگئی اڈے کی مسجد میں ہی کافی دیر بیٹھے رہے جس کی بڑی خوشی ہوئی۔

اوپر جس تحریر کا ذکر آیا ہے کچھ عرصہ کے بعد ہدایۃ الحیر ان کے نام سے زیور طبع سے آراستہ ہوگئی اور اہل علم کے ہاتھوں میں ماشاءاللہ ایک علمی ذخیرہ آ گیا۔

حضرت مفتی صاحب بڑی جامع شخصیت تھے وہ ایک وقت میں مفتی بھی تھے، فقیہ بھی تھے، مدرس بھی تھے، مصنف بھی تھے، خطیب بھی تھے، صوفی بھی تھے، متکلم بھی تھے، ادیب بھی تھے، مرشد بھی تھے، شیخ بھی تھے، محقق بھی تھے، وسیع النظر عالم بھی تھے، مناظر بھی تھے اور نقاد بھی تھے۔ آپ کی تنقید بھی برمحل ہوتی تھی۔

ایک دفعہ انڈیا کے ایک موقر دینی رسالہ میں غلطی سے یہ مضمون شائع ہوگیا کہ حالت احرام میں پردہ نہیں ہے مگر اس کے باوجود بعض پرانے ذہن کی عورتیں حالت احرام میں بھی پردہ کرتی ہیں یہ ایک طرح کی جہالت ہے حضرت مفتی صاحبؒ نے پڑھا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور تنقید لکھی کہ حالت احرام میں بھی عورت کو بے پردگی کی اجازت نہیں اس کو مدلل طریقے سے تحریر فرمایا اور دلیل میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث بھی پیش کی کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حالت احرام میں آپ پردہ کیا کرتی تھیں۔ فرمانے لگیں ہم حالت احرام میں اونٹوں پر سوار ہوتی تھیں دور سے قافلے بھی نظر آتے رہتے جب اتنے قریب ہوتے کہ خطرہ ہوتا کہ ان کی نگاہ ہمارے چہرے پر پڑسکتی ہے تو ہم اپنا دوپٹہ چہرے کے سامنے کرلیتیں جس سے پردہ بھی ہوجاتا اور دوپٹہ چہرے کو نہ لگتا تھا جس سے احرام میں بھی کچھ خلل نہ آتا تھا۔

بالآخر حضرت کی تحریر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ہی میں شائع ہوئی۔ خود ہنس کر فرماتے تھے کہ علماء نے ساری لڑائی میرے ذمہ کر رکھی ہے۔

حضرت ماشاءاللہ مفتی تھے اور ماہر مفتی تھے جب اہل افتاء میں کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو

لوگ محاکے کیلئے آپ کی طرف رجوع کرتے ہمارے مرشداوراستاد حضرت مولانا محمد سرور صاحب حضرت کے فتویٰ پر بہت اعتماد فرماتے تھے۔

ایک دفعہ غالباً ضیاء الحق کے دور میں حکومت نے شفعہ کے بارے شرعی احکام کے متلعق چند اہم سوالات بھیجے اور جلدی جوابات لکھنے کا تقاضا کیا ایک سوال جامعہ اشرفیہ لاہور میں بھی آیا وہاں کے اہل علم وفتویٰ نے چند مفتی حضرات کو ان سوالات کے جوابات میں غور وخوض اور مشورہ کیلئے بلایا۔ حضرت مفتی صاحب اپنے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس صاحب کے ساتھ تشریف لائے اس وقت صاحبزادہ صاحب بالکل نوعمر تھے۔ احقر کے ساتھ بھی حسن ظن کر کے بلایا گیا کئی دن رات حضرت کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا رات کو حضرت اور صاحبزادہ اور احقر ڈاکٹر مطیع الرحمٰن مرحوم کے گھر قیام پذیر رہتے دن کو جامعہ اشرفیہ چلے جاتے باہمی مشورے سے جواب تیار ہوئے اور حکومت کو ارسال کر دیئے گئے اس وقت حضرت کی اصابت رائے، مطالعہ میں انہماک، کام کی لگن دیکھنے میں آئی جس سے طبیعت بہت متأثر ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب کو فتویٰ کا خاص ذوق تھا جو انہوں نے اپنے اکابر سے سیکھا تھا آجکل دنیا میں مفتی تو بہت ہیں لیکن افتاء کا صحیح ذوق خال خال نظر آتا ہے حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرمایا کرتے تھے کہ فتویٰ کی ایک خاص زبان ہوتی ہے جس طرح ایک زبردست حاکم حاکمانہ لہجے میں گفتگو کرتا ہے اور اس کی گفتگو پُر شکوہ ہوتی ہے ضعف لجاجت کمزوری، احساس کہتری کے اثرات سے پاک ہوتی ہے مفتی کا لہجہ بھی اس طرح کا ہونا چاہئے مثلا جائز ہے، ناجائز ہے، حرام ہے، مکروہ ہے، باطل ہے وغیرہ وغیرہ، مفتی کا لہجہ اور اسلوب واعظانہ اور ادیبانہ نہیں ہوتا جس میں اشارے کنائے ہوں بلکہ دوٹوک اور واضح حکم بیان کرتا ہے جس میں کوئی ابہام واغلاق نہیں ہوتا۔

مفتی کی ایک صفت یہ بھی ہوتی ہے کہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے عامۃ المسلمین کیلئے سہولت اور آسانی تلاش کرتا ہے اور اپنے او پر سختی کرتا ہے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو کسی نے بتایا کہ برطانیہ سے جو کپڑا آتا ہے اس کو چمکدار بنانے کیلئے خنزیر کی چربی سے پالش کیا جاتا ہے لیکن چونکہ یہ خبر یقینی نہ تھی ایک افواہ کے درجے میں تھی اس لئے جب حضرت سے انگریزی کپڑے کی پاکی ناپاکی کے متعلق فتویٰ پوچھا جاتا حضرت یہی فرماتے کہ ناپاکی کا حکم صحیح نہیں کیونکہ نجاست کا حکم لگانے کیلئے

افواہ کافی نہیں یقینی خبر چاہئے جو مفقود ہے فقہی قاعدہ ہے الیقین لا یزول بالشك مگر اپنا عمل یہ رکھا کہ جب بھی غیر ملکی کپڑا آتا اس کو دھلوا کر پہنتے۔

حضرت مفتی صاحبؒ فتویٰ کی باریکیوں کو خوب جانتے تھے ایک دفعہ بندہ نے حضرت کے ہاتھ کا ایک فتویٰ لکھا ہوا دیکھا جس میں سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ ایک شخص نے دور بیٹھے بیوی کیلئے تین دفعہ طلاق کا لفظ استعمال کیا اور حلفیہ کہتا ہے کہ اس کا ارادہ پہلی طلاق کی تاکید تھی نئی طلاق دینے کا ارادہ نہ تھا شرعاً کیا حکم ہے؟ حضرت نے لکھا کہ اگر واقعی تاکید کا ارادہ تھا تو ایک طلاق واقع ہوئی ہے رجوع جائز ہے چنانچہ درمختار میں ہے کرر لفظ الطلاق واراد التاكيد دیّن یعنی کسی نے طلاق کا لفظ تین دفعہ استعمال کیا اور آخری دولفظوں میں پہلی طلاق کی تاکید کا ارادہ تھا تو دیانۃ اس کی بات معتبر ہوگی یعنی اگر معاملہ قاضی تک نہیں پہنچا اور نہ بیوی کو علم ہوا تو ایک طلاق واقع ہوگی بلا حلالہ رجوع درست ہوگا ہاں قضاءً یہ ارادہ معتبر نہ ہوگا یعنی اگر قاضی اسلام کے سامنے مقدمہ پیش ہو یا بیوی کو معلوم ہو جائے کہ طلاق کا لفظ تین دفعہ کہا ہے تو قاضی اور بیوی شوہر کی تصدیق نہ کریں گے والمرأة كالقاضی حضرت کا فتویٰ بالکل صحیح تھا اور کتب فتاویٰ میں اس کی تصریح تھی مگر ایک مولوی صاحب جو کافی عمر رسیدہ تھے اور مشہور بھی تھے وہ حضرت کے فتوے پر تنقید کرنے لگے اور کہنے لگے کہ جس فتنے کا دروازہ حضرت عمرؓ نے بند کیا تھا مفتی صاحب اس کو کھول رہے ہیں حالانکہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ قضاء کا فیصلہ تھا (نہ کہ دیانت کا اور فتویٰ دیانت پر ہوتا ہے نہ کہ قضاء پر) قضاء اور دیانت کا فرق ہر عالم نہیں سمجھ سکتا (چنانچہ) وہ مولوی صاحب بھی نہ سمجھ سکے۔

حضرت کے چند اوصاف

عالم تو ماشاء اللہ ہزاروں ہیں مگر وسیع النظر عالم کم ہیں وسعت نظر کثرت مطالعہ اور کتب بینی سے ہوتی ہے حضرت مفتی صاحب ماشاء اللہ وسیع النظر عالم تھے ان کی کتابوں پر بہت نظر تھی کیسا ہی مشکل مسئلہ ہوتا حضرت کتابوں سے اس کا حل نکال لیتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے یہ سوال اٹھایا کہ حضرت تھانویؒ نے سرسید احمد خان کی تعریف کی ہے جیسا کہ حضرت کے ملفوظات میں ہے پھر دیوبندی علماء سرسید احمد خان کو گمراہ کیوں کہتے ہیں بعض لوگ یہ اعتراض سن کر چکر میں پڑ گئے حضرت مفتی صاحب نے جواب دیا کہ سرسید کے بارے میں علماء جو

کچھ کہتے ہیں وہ صحیح کہتے ہیں چنانچہ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں ایک طرف اہل اسلام کے عقائد لکھے ہیں اوراس کے مقابل سرسید احمد خان کے باطل عقائد لکھے ہیں اعتراض کرنے والا اگر امداد الفتاویٰ کو دیکھ لیتا تو اعتراض نہ کرتا حالانکہ امداد الفتاویٰ اردو میں ہے سہل المأ خذ ہے مواعظ میں جو سرسید کی تعریف ہے وہ اس کے ظاہری خلق اور تواضع کی تعریف کی ہے نہ کہ اس کے صحیح العقیدہ ہونے کی تعریف۔

﴿ علمی افادات ﴾

اگرچہ بندہ کو حضرت سے باقاعدہ شرف تلمذ حاصل نہیں ہوا اور نہ باقاعدہ کوئی کتاب حضرت سے پڑھنے کی نوبت آئی لیکن حضرت کی حیوٰۃ کے آخری چند سالوں میں باقاعدگی سے حاضری کا معمول ہو گیا تھا۔حضرت بھی بندہ کی حاضری کے موقع پر طویل مجلس فرماتے تھے اور گفتگو بہت طویل ہوتی تھی جو علمی افادات سے بھرپور ہوتی تھی۔اب افسوس ہوتا ہے کہ اس وقت ان افادات کو لکھ لیا جاتا تو ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو جاتا۔تاہم بعض باتیں جو حافظے میں محفوظ ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔

(۱) فرمایا کہ: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کو ایک مرتبہ خط لکھا اس میں یہ بھی لکھا کہ مولانا عبدالکریم صاحب کی صحبت سے نفع ہوا اور یہ بھی آپ کے احسانات میں سے ایک ہے یہ واقعہ بیان فرما کر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ایک معاصر کے بارے میں اس طرح عقیدت کا اظہار کرنا قدر دانی کی نادر مثال ہے۔

(۲) اکثر لوگوں کو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ روایات میں ہے کہ کعبۃ اللہ کے اردگرد جو مطاف ہے اس میں بہت انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں حتیٰ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر بھی مطاف میں ہے تو ان قبور پر چلنا انبیاء علیہم السلام کی بے ادبی ہے حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے جواب دیا کہ انبیاء علیہم السلام امت کیلئے بمنزلہ والد کے ہیں والدین اپنی اولاد کو سینے پر لٹاتے ہیں اور اس سے والدین کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔اور یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو فرمایا کہ جب بھی مجھے جنت دکھائی گئی میں نے تمہاری جوتیوں کی آواز جنت میں سنی اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جنت میں کیسے پہنچ گئے اس کا جواب حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ میں ہے کہ نوکر اور خدام

انتظار کرنے کیلئے مخدوم اور آقا سے پہلے جاتے ہیں مگر (ظاہر ہے کہ) یہ جواب اوراوپر والا جواب اقناعی ہیں۔

(۵) قیاس مع الفارق کی بہت سی مثالیں پڑھیں اور سنیں حضرت مفتی صاحب ایک عجیب مثال حضرت تھانویؒ کے حوالے سے سناتے تھے کہ ایک جگہ دریائی اور سیلابی علاقے میں ایک شخص رات کو چارپائی پر سوتا تھا ایک دن سیلاب آ گیا اور سیلاب چارپائی کو بہا کر لے جانے لگا تو دیہاتی چارپائی بچانے کی تدبیر سوچنے لگا آخر بھاگ کر ایک پیڑھی (چھوٹی سی چارپائی) اٹھا کر لے آیا اور ہاتھوں کو اونچا کر کے چارپائی کو دکھانے لگا اس کا خیال تھا کہ جیسے بھینس بھاگ رہی ہو تو اس کا بچہ اس کو دکھایا جائے تو واپس آ جاتی ہے اسی طرح چارپائی کا بچہ (پیڑھی) جب چارپائی کو دکھایا جائے گا تو چارپائی واپس آ جائے گی مگر وہ کہاں آتی یہ قیاس مع الفارق تھا۔

(۶) حضرت مفتی صاحب نے سنایا کہ حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حرم کعبہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ مجھ سے آگے بیٹھے ہوئے تھے میں نے ان کو دیکھا انہوں نے مجھے نہیں دیکھا میں اٹھ کر آگے آیا اور مفتی صاحب سے مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ ہم سیاسی لوگ کبھی حدود پر نہیں رہتے زیادتی کر جاتے ہیں آپ اس کو محسوس نہ کیجئے گویا یہ حقوق کی معافی تھی۔

(۷) ایک دفعہ حضرت مفتی صاحبؒ مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ کو ملے اکابر کا ذکر ہوا تو حضرت ہزاروی فرمانے لگے کہ حضرت تھانویؒ کے بعد جن لوگوں پر اعتماد کیا جاتا تھا ان میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ بھی تھے مولوی عبدالقدوس صاحب (صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب) نے عرض کیا آپ یہ تحریراً لکھدیجئے چنانچہ آپ نے انکار نہیں کیا کاغذ پر لکھ دیا۔

اوپر والے دونوں واقعوں سے معلوم ہوا کہ یہ اکابر باوجود سیاسی اختلاف کے حدود کی رعایت کرتے تھے اور ایک دوسرے کی قدردانی کرتے تھے۔

اسی نوع کا واقعہ بندہ نے بھی مشاہدہ کیا۔ بندہ دارالعلوم کراچی میں مدرس تھا جب جمعیت دو دھڑوں میں تقسیم ہوگئی اور مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے اخبارات میں تفصیل آئی اس دن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب گھر سے

تشریف لائے اور جمعیت کی اس تقسیم پر افسوس اور قلق کا اظہار فرماتے رہے اور بہت درد بھرے لہجے میں فرمایا کاش یہ اختلاف نہ ہوتا اس سے علماء دین کے وقار کو دھچکا لگے گا۔ اس سے بھی ان حضرات کا اخلاص معلوم ہوتا ہے اگر اور کوئی سیاسی مخالف ہوتا تو خوشیاں مناتا۔

(۸) چند سالوں سے بندہ کا معمول ہوگیا ہے کہ تعلیمی سال کے اختتام پر بندہ اپنے علمی فائدے کیلئے ساہیوال حضرت مفتی صاحبؒ کے ہاں حاضر ہوتا حضرت بہت شفقت کا معاملہ فرماتے اور حضرت کی طبیعت کھل جاتی اور خوب بزرگوں کے واقعات سناتے۔ علمی اور فقہی مسئلہ آجاتا تو اس پر بھی سیر حاصل بحث فرماتے۔ اس صحبت سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے۔ ایک تو اپنے بزرگوں کے واقعات، حالات اور ان کا ذوق معلوم ہوتا کئی باتیں مشاہدے میں بھی آئیں مثلاً یہ کہ جامعہ حقانیہ میں کوئی اخبار اور رسالہ مدرسہ کی رقم سے نہیں منگوایا جاتا بلکہ جب دکاندار اخبار پڑھ لیتے تو کوئی طالب علم لے آتا تو حضرت اخبار دیکھ لیتے اور یہی حال دینی رسالوں کا تھا کوئی رسالہ مدرسہ کی رقم سے نہیں منگوایا جاتا تھا یہ سب کچھ بر بنائے احتیاط تھا۔

اکثر حضرت کے ساتھ طعام میں شرکت رہتی یہ بھی مشاہدہ ہوا کہ حضرت بے حد قلیل الاکل ہیں غذاء کی مقدار بہت کم ہوتی تھی اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ صبح گھر سے تشریف لاتے ہیں اور سارا دن اپنے کمرے میں رہتے ہیں اور نہایت انہماک سے تصنیف، تالیف، افتاء مطالعہ میں لگے رہتے ہیں اسی دوران کوئی دم کرانے کیلئے آجاتا کر دیتے کوئی تعویذ کیلئے کہتا تعویذ دیدیتے تعویذ کیلئے غالباً عصر کے بعد کا وقت مقرر کیا ہوا تھا کوئی مسئلہ پوچھنے آتا بتا دیتے کوئی فون آیا سن لیتے یہ مختلف امور آپ کی یکسوئی کو ختم نہیں کر سکتے تھے۔

بندہ کے سامنے ایک شخص آیا اور بتایا کہ اس کی بیوی یا بیٹا بیمار ہے اس کیلئے تعویذ چاہئے آپ نے فرمایا ایسا کرو بوتل میں پانی لے آؤ میں دم کر دوں گا اس کو مریض پیتا رہے اس سے زیادہ نفع ہوگا کیونکہ تعویذ تو باہر رہے گا اور پانی اندر جائے گا چنانچہ وہ بوتل میں پانی لے آیا آپ نے چند آیات پڑھ کر دم کر دیا۔ تعلق مع اللہ کی برکت سے ان بزرگوں کے تعویذ اور دم میں شفاء ہوتی ہے بعض لوگ ان باتوں کا انکار کر دیتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے رسالہ قشیریہ میں لکھا ہے کہ احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ محمد بن سماک بیمار ہوئے ہم نے آپ کا قارورہ لیا اور طبیب کو دکھانے چلے طبیب عیسائی تھا اور

طبیب کافی دور رہتا تھا ہم ابھی راستے میں تھے کہ ہمارے سامنے ایک نہایت حسین وجمیل شخص ظاہر ہوا اس کے کپڑے بہت اجلے تھے خوشبو اس کے بدن سے مہک رہی تھی ہم سے پوچھا کہاں جا رہے ہو، ہم نے بتلایا کہ محمد بن سماک کا قارورہ فلاں طبیب کو دکھانے جا رہے ہیں کہنے لگا عجیب بات ہے کہ اللہ کے ولی کیلئے اللہ کے دشمن سے مدد لینے جا رہے ہو واپس چلے جائیں اور ابن سماک کو کہیں کہ جہاں تکلیف ہے وہاں ہاتھ رکھیں اور یہ آیت پڑھیں و بالحق انزلناہ و بالحق نزل پھر وہ شخص غائب ہو گیا ہم واپس آئے اور ابن سماک کو بتایا انہوں نے اس پر عمل کیا اور شفایاب ہوئے (رسالہ قشیریہ ص۱۸۹)

(۹) ایک دفعہ سرگودھا حاضری ہوئی دوستوں نے ایک جلسہ رکھ لیا اور حضرت مفتی صاحب اور صاحبزادہ مولانا عبدالقدوس صاحب کو بھی دعوت دی حضرت سے پہلے بندہ نے بیان کیا بیان میں نیک صحبت کا ذکر آیا تو بندہ نے مشہور شاعر اقبال مرحوم کے متعلق بیان کیا کہ شروع میں قادیانیوں کے بارے میں نرم پہلو رکھتے تھے حضرت مولانا انور شاہؒ کی صحبت کی وجہ سے ان میں پختگی آئی اور ایمان مضبوط ہوا اقبال مرحوم نے مولانا انور شاہ صاحبؒ کے بارے میں یہ شعر کہا تھا ؎

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

بندہ یہی شعر پڑھنا چاہتا تھا مگر میری زبان پر اقبال مرحوم کا دوسرا مصرع آ گیا ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ بعد میں حضرت مفتی صاحبؒ نے بندہ کو بتایا کہ حضرت تھانوی کو یہ شعر پہنچا تھا حضرت نے فرمایا یہ شعر غلط ہے اور فرمایا کسی کی نگاہ سے تقدیریں نہیں بدلتی بلکہ تقدیر میں پہلے سے لکھا ہوتا ہے۔

اسی جلسہ میں حضرت نے اپنی تقریر میں بندہ کے بیان کی تعریف فرمائی اگرچہ بندہ کوئی مقرر اور خطیب نہیں تاہم اس دن حضرت کی برکت سے کچھ اچھی باتیں بیان میں آ گئیں حضرت بہت خوش ہوئے اور بندہ کی دلجوئی اس عنوان سے فرمائی کہ آج کل لوگوں نے سٹیج کے تقدس کو برباد کر دیا ہے قابل بیان مضامین جس طرح اب بیان ہوئے ہیں بیان نہیں کئے جاتے غیر ضروری مضامین لوگوں کو خوش کرنے کیلئے اور اپنی خطابت کا سکہ بٹھانے کیلئے بیان کئے جاتے ہیں اس طرح کی کچھ باتیں فرمائیں یہ حضرت کی طرف سے چھوٹوں کی دلجوئی تھی۔

دارالعلوم کبیر والا میں حضرت کی آمدورفت رہتی تھی عموماً جب خیرالمدارس کی شوریٰ کے اجلاس میں تشریف لاتے تو کبیر والا تشریف لاتے طلبہ میں بیان ہوتا مجلس میں اپنے افادات سے نوازتے۔ دو سال قبل بندہ نے مسجد امداد میں جمعہ کا افتتاح کرانے کیلئے حضرت کو تکلیف دی تشریف لائے صاحبزادہ بھی ساتھ تھے۔ مدرسہ میں بیان ہوا اور مسجد میں بھی بیان ہوا جس دن تشریف لائے رات کو طویل مجلس ہوئی ہمیں حضرت پر ترس آرہا تھا کہ پیرانہ سالی میں اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں آرام فرما لیتے مگر حضرت پر تکان اور سستی کا کچھ اثر نہ تھا ایک حال طاری تھا افادے میں لگے ہوئے تھے اور اس شعر کا مصداق ہو رہے تھے ؎

خود قوی تر می شود خمرے کہن
خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

حق بات کہنے میں کسی کی رورعایت نہ فرماتے تھے ہاں اچھے عنوان سے فرماتے ایک دفعہ دارالعلوم کبیر والا میں تشریف لائے ہوئے تھے اور کئی اہل علم بیٹھے ہوئے تھے مجلس میں یزید کا مسئلہ چھڑ گیا اور ایک صاحب جو ایک مشہور بزرگ کے خلیفہ مجاز تھے اور اس علاقے میں خاصی شہرت رکھتے تھے انہوں نے یزید کی مدح شروع کی اور اپنے کابر کے مسلک کے خلاف یزید کے تقدس کو شدومد سے ثابت کرنے لگے۔ حضرت سے نہ رہا گیا ان کے دلائل کو رد کر کے اکابر کے مسلک کی تائید فرمائی آخر وہ صاحب خاموش ہو گئے۔

بندہ نے ایک دفعہ مسجد ''امداد'' کی جلد تکمیل کی دعا کی درخواست کی تو فرمانے لگے حضرت تھانویؒ اس طرح دعا فرماتے تھے:

اللھم کمل اللھم عجل اللھم سھل یعنی اے اللہ تکمیل فرما اور جلدی ہی فرما اور آسانی پیدا فرما۔

جامع الصفات

جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدظلہم استاذ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ علیٰ نعمه التی لاتعد ولا تحصیٰ والصلوٰة والسلام علیٰ نبیه ورسوله. امابعد:

فعن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی لله علیه وسلم اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلٰثة الا من صدقةٍ جاریةٍ او علمٍ ینتفع به او ولد صالح یدعو له رواه مسلم. وایضا عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم ان مما یلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علماً علّمه ونشره وولداً صالحاً ترکه او مصحفاً ورثه او مسجدا بناه او بیتاً(مصداقه مدرسة دینیة) بناه لابن السبیل اه رواه بن ماجه، والبیهقی. وایضاً قال رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم ان الله وملائکته واهل السمٰوات والارض حتی النملة فی حجرها وحتی الحوت لیصلون علیٰ معلم الناس الخیر رواه الترمذی. وقال تعالیٰ انما یخشی الله من عباده العلماء وقال سحبانه وتعالیٰ والذین اوتوالعلم درجات وایضاً قال تعالیٰ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی یریدون وجهه.

یہ اوصاف اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب فرمائے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو یہ اوصاف نصیب کریں۔آمین

۲۲ر ربیع الاول ۱۴۲۲ھ شب جمعہ

فقہ وافتاء اور تجوید وقراءت کی ماہر وکامل یادگار سلف

جامع الکمالات شخصیت

ازقلم: استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد طاہر الرحیمی مدظلہ مقیم مدینہ منورہ

مکتوب گرامی

باسمہ تعالیٰ: محترم المقام مدظلہٗ.........................وعلیکم السلام، ثم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حسب فرمان ناقص سی تحریر ارسالِ خدمت ہے، سبعہ احرف کی بحث اصل مضمون سے نہ الگ فرمائی جائے اور نہ ہی مختصر فرمائی جائے، کیونکہ حضرات علماء کی آراء مطلوب ہیں۔ فقط

سیاہ کار ناچیز محمد طاہر الرحیمی عفی عنہ

المدینۃ المنورۃ زادھا اللہ نوراً وسکینۃً ۲۰/۶/۱۴۲۲ھ بیوم السبت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ اگر کوئی شخص عالم ہے تو تجوید وحفظ وقراءت میں پَٹ، تجوید وحفظ و قراءت کا ماہر ہے تو علم سے بالکل کورا، محدث ہے تو فقیہ نہیں، فقیہ ہے تو محدث نہیں، مدرس ہے تو مصنف نہیں، مصنف ہے تو مدرس نہیں، شریعت کے علم ظاہری کا فاضل ہے تو طریقت ورُوحانیت سُلوک وتصوُّف سے قطعاً نابلد، صوفیِ باطن ہے تو علمِ شریعت سے یکسر ناآشنا۔ ان سب کمالات وعلوم کی جامع شخصیتوں کی ازمنۂ ماضیہ میں تو کمی نہ تھی مگر ازمنۂ متاخرہ میں ایسی مثالیں عُنقا اور بہت نادرالوُجود ہیں۔ دورِ حاضر میں ہمارے مخدوم بزرگ حضرت مولانا الفقیہ المفتی المقری المحدّث جامع الشریعۃ والطریقۃ مفتی عبدالشکور ترمذی قُدِّس سِرُّہٗ کی ذات بابرکات ایسے ہی قافلے کی راہرواں جامع الکمالات شخصیات میں سے پیچھے رہی ہوئی ہرفن مولیٰ ایک باکمال وجامع شخصیت تھی آپ کی ذات میں بیک وقت ذاتِ باری تعالیٰ نے علم وفضل، تجوید وحفظ وقراءت، حدیث دانی فقاہت وفتویٰ نویسی

تصنیف و تدریس، تحریر و تقریر، شریعت کے ظاہری علوم، طریقت کے باطنی علوم یہ سب ہی کمالات ومَلَکات واَوصاف وعلوم وفنون ودیعت فرمائے تھے۔ آپ اُن محقق علماء کے زمرے میں شامل تھے جو اسلاف کرام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے فقہ وحدیث وتفسیر کو ضروری قرار دینے کے ساتھ علمِ تجوید و علمِ قراآت عشرہ پر بھی نظر رکھتے تھے۔ نیز اصلاحِ نفس اور تربیت باطن کے زیور سے خوب آراستہ پیراستہ تھے۔ فی الواقع ایسے ہی مقدس وجامع الکمالات حضرات حقیقی معنٰی میں ''حاملینِ قرآن علماء'' کہلانے کے حقدار ہیں۔

﴿ شانِ جامعیت کے حامل بعض اسلاف کا ذکرِ خیر ﴾

﴿۱﴾ ابو العلاء ہمدانی: آدھا دن قرآن اور قراآت اور مختلف علوم پڑھاتے اور باقی آدھا دن علم حدیث کی تعلیم دینے میں صرف فرماتے تھے۔ (طبقات القراء ۱/۲۰۵) ﴿۲﴾ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ نے حضرت اعمشؒ اور امام عاصمؒ وغیرہما سے علم تجوید اور علم قراءت حاصل فرمایا۔ ﴿۳﴾ امام مالکؒ نے ابن ابی اُویسؒ سے فرمایا کہ میں نے نافع مدنی سے قرآن پڑھا ہے۔ ﴿۴﴾ سات سال کی عمر میں امام شافعیؒ نے پورا قرآن شریف حفظ کرلیا تھا اور دس برس کی عمر میں پورا مؤطا مالک یاد کرلیا تھا اسماعیل قُسط سے قراءۃِ ابن کثیر مکی حاصل فرمائی۔ ﴿۵﴾ امام احمد بن حنبلؒ نے یحیٰی بن آدم وغیرہ سے قراءت اخذ فرمائی۔ آپ قراءۃِ ابی عمرو بصری اور قراءۃِ امام عاصم کوفی کو پسند فرماتے تھے۔ ﴿۶﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اسود بن یزید اور علقمہ بن قیس سے بِالتَّجوید قرآن پڑھا۔ ﴿۷﴾ علامہ ابنِ عابدین شامیؒ نے حضرت شیخ سعید حموی سے مقدمۂ جزریّہ اور قصیدۂ شاطبیّہ وغیرہ کتبِ تجوید وقراءت حفظ کیں اور فنِ قراآت میں اسکی جمیع وُجوہ اور تمام طُرق سمیت اتقان حاصل کیا (ظفر المحصلین ص: ۲۲۵) ﴿۸﴾ حضرت سفیان ثوریؒ نے امام حمزہ کوفی سے قراءت حاصل فرمائی (طبقات القراء ۱/۳۰۸) ﴿۹﴾ ابن حاجبؒ صاحبِ کافیہ نے امام شاطبی نیز ابوالفضل غزنوی اور ابوالجود سے قراءت اخذ فرمائی ﴿۱۰﴾ حضرت عبداللہ بن المبارک شیخ امام بخاریؒ نے ابوعمرو بن العلاء بصری مازنی سے مُجَوَّداً قرآن پڑھا ﴿۱۱﴾ علامہ قرطبی معروف مُفَسِّرِ قرآن نے بِالتَّجوید قرآن کریم حضرت امامِ شاطبی سے پڑھا (طبقات ۲/۲۱۹) ﴿۱۲﴾ ماضی قریب میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے حضرت قاری محمد عبداللہ الہ آبادی ثم المکّی سے تجوید وقراءت کا فن باقاعدہ حاصل فرمایا۔ ﴿۱۳﴾ امامِ عاصم کوفیؒ قراءِ عشرہ میں سے

پانچویں قاری وامامِ قراءت ہیں ان کے شیخ حضرت ابوعبدالرحمٰن سُلمی تابعی سے امام بخاریؒ اپنی صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب خیرکم من تعلّم القرآن وعلّمه' میں حضرت عثمان غنیؓ کی یہ مرفوع حدیث روایت فرمائی ہے خَیرُکُم مَّن تَعَلَّمَ القُراٰنَ وَ عَلَّمَه' تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جوقرآن سیکھے اور سکھائے۔اس کے بعد امام بخاریؒ ارشاد فرماتے ہیں وَاَقرَاَ اَبُو عبدِالرحمنِ فی اِمرأۃِ عثمانَ حتّیکَانَ الحَجَّاجُ قَالَ: وَذَاكَ الَّذِی اَقعَدَ نِی مَقعَدِی ھذا۔ابوعبدالرحمٰن سُلَمیؒ نے خلافتِ عثمانؓ کے آخری ایام سے لیکر حَجَّاج کے شروع دور تک۔اڑتیس سالہ عرصہ۔قرآن کریم پڑھایا ہے اور یوں فرماتے تھے کہ مجھے اسی حدیث نے اس مقام (جامع کوفہ) میں تعلیمِ قرآن کیلئے بٹھا رکھا ہے (فتح الباری ج۹ص:۷۶۵) حضرت عثمان غنیؓ کی وفات ۳۵ھ میں ہوئی اور حجاج بن یوسف ثقفی (المولود ۴۵ھ المتوفی ۹۵ھ) کو ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان نے والیِ حجاز بنایا ﴿۱۴﴾ حضرت امام نافع ؒ مدنی جو قاری وامام اول ہیں ان کی تاریخ دانی کا یہ عالم تھا کہ محمد بن محمود بن النجار المتوفی ۶۴۳ھ نے اپنی کتاب ''اخبار مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' میں قبورِ ثلاثہ کی ترتیب کے متعلق حضرت موصوف کا ارشاد بایں الفاظ نقل کیا ہے۔''نافعؒ بن ابی نعیم سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک آگے کی جانب سمتِ قبلہ میں ہے پھر اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک شانہ کے مقابلہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کی پھر اسکے بھی بعد حضرت صدیقؓ کے مبارک شانہ کے بالمقابل حضرت عمر فاروقؓ کی قبر مبارک ہے''۔﴿۱۵﴾ امامِ نافع مدنی ؒ نے نافع عن ابنِ عمرؓ سے نیز اَعرج عن ابی ہریرۃؓ اور ایک جماعت سے حدیث روایت کی ہے۔ نافع کے پاس اَعرج کی سو (۱۰۰) احادیث کا ایک نسخہ اور ابوالزناد عن الاعرجؒ کی سو (۱۰۰) سے زائد احادیث کا ایک نسخہ موجود تھا اس کے علاوہ پچاس (۵۰) متفرق احادیث کا ایک مجموعہ بھی تھا (طبقات القراء ۳۳۳/۲) ﴿۱۶﴾ امام عبداللہ بن کثیر مکیؒ جو قاری وامام دوم ہیں انہوں نے حضرت عبداللہ بن الزبیر، ابوایوب انصاری اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم نیز حضرت مجاہد بن جبر وغیرہم سے باقاعدہ علمِ حدیث کی تحصیل فرمائی، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موصوف کی حدیث کی تخریج موجود ہے۔(معرفۃ القراء الکبار للذہبی، طبقات القراء لابن الجزری صاحب الحصن الحصین) ﴿۱۷﴾ اسرار وکنوزِ عربیت سے امام ابوعمرو بصری مازنیؒ (قاری وامام سوم) کی واقفیت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ فرمایا ''گھوڑے کی

چال میں خُیَلاء اور تکبر پایا جاتا ہے اسی وجہ سے اس کو خیل کہا جاتا ہے'' (طبقات النحویین ص:۳۶)
﴿۱۸﴾ ایک مرتبہ امام موصوف نے حدیثِ نبویؐ فِی الجَنِینِ غُرَّۃٌ عَبدٌ اَو اَمَۃٌ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ غرۃٌ کا اضافہ یہ بتا رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ''ابیض'' ہے لہذا پیٹ کے مقتول بچے کی دیت میں گورا چِٹا غلام یا گوری چٹی باندی ہی قبول کی جائے گی کالا کلوٹا غلام یا کالی کلوٹی باندی نا قابلِ قبول ہوگی فیا سبحان اللّٰہ (وفیات الاعیان جلد۳ ص:۴۶۷) ﴿۱۹﴾ امام ابوعمرؒ وموصوف کے راوی ابوعُمر الدُّوری سے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حدیث نقل کی ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو دیکھا کہ ابوعُمر الدُّوری کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوئے حدیث لکھ رہے ہیں ﴿۲۰﴾ امام ابن عامر شامیؒ (قاری وامام چہارم) کی حدیث ''صحیح مسلم'' میں مُخَرَّج ہے (مقدمہ ابراز المعانی ص:۷) ﴿۲۱﴾ ہشام بن عمّار (راویِ قراءۃِ ابن عامر) سے امام بخاری نے صحیح البخاری میں اور ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے اپنی اپنی سنن میں روایتِ حدیث فرمائی ہے، نیز امام ترمذی، جعفر فریابی اور ابوزرعہ دمشقی نے حضرت ہشام موصوف سے تحصیل حدیث فرمائی ہے (مقدمہ اِبراز، طبقات ۲/۳۵۵) ﴿۲۲﴾ ہشام بن عمار موصوف فرماتے ہیں میں حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی زبان مبارک سے حدیث بیان فرمایئے۔ امام مالکؒ نے فرمایا نہیں بلکہ آپ اپنی زبان سے میرے سامنے حدیث پڑھیئے۔ میں نے عرض کیا نہیں بلکہ آپ بیان کیجئے۔ فرمایا تم پڑھو، جب میں نے زیادہ اصرار کیا تو اپنے غلام سے فرمایا انہیں لے جاؤ اور پندرہ درّے لگا کر لاؤ۔ چنانچہ وہ مجھے پندرہ درّے لگا کر حضرت امام کی خدمت میں لے آیا میں نے عرض کیا آپ نے بغیر کسی جرم کے بلا وجہ مجھے پندرہ درّے لگوائے ہیں میں معاف نہ کروں گا۔ امام مالک نے فرمایا اچھا! اب اس کا کفارہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا آپ مجھے پندرہ حدیثیں اپنی زبان مبارک سے بیان فرما دیجئے بس یہی کفارہ ہے چنانچہ حضرت امامؒ نے مجھے پندرہ حدیثیں بیان فرما دیں میں نے عرض کیا مزید درّے لگوا لیجئے اور مزید حدیثیں مجھے سنا دیجئے اس پر امام مالکؒ ہنس پڑے اور فرمایا بس اب جاؤ (سِیَر اَعلام النُّبلاء ۱۱/۴۲۹) اس واقعۂ عجیبہ سے علمِ حدیث کے ساتھ حضرت ہشام بن عمارؒ کے قلبی شغف وربط کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ﴿۲۳﴾ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۷۰ باب فضل لیلۃ القدر میں امام عاصم بن ابی النّجود (قاری وامام پنجم) سے

ستائیسویں رات کے شبِ قدر ہونے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث کی تخریج فرمائی ہے جس کو امام عاصمؒ نے حضرت زِرّ بن حُبَیش سے اور انہوں نے حضرت اُبیؓ بن کعبؓ سے روایت کیا ہے۔ ﴿۲۴﴾ مُسندِ احمد میں امام احمد بن حنبلؒ نے بطریق سفیان بن عُیَینہ حضرت امام عاصم موصوفؒ سے موزوں پر مسح والی مشہور حدیث روایت فرمائی ہے جس کو عاصم نے حضرت زرّ بن حُبَیشؒ کے ذریعہ حضرت صفوان بن عسّالؓ سے نقل فرمایا ہے اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ ''جہتِ مغرب میں توبہ کا ایک دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی چوڑائی کی مسافت چالیس برس کے بقدر ہے یہ دروازہ اُس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج اُسی جہتِ مغرب ہی سے طُلوع ہو۔'' اس کی سند حسن ہے (سِیَر اَعلام النُّبلاء مع حاشیہ جلد ۵ ص: ۲۶۱) ﴿۲۵﴾ مکہ معظّمہ میں حضرت سفیان بن عُیَینہ امام ابوبکر شعبہ بن عیّاش (راویِ قراءۃِ امام عاصمؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انکے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے ایک شخص آئے اور حضرت سفیانؒ سے کسی حدیث کی بابت سوال کرنے لگے فرمایا جب تک یہ شیخ ''شعبہ بن عیّاش'' تشریف فرما ہیں مجھ سے کسی حدیث کی بابت سوال نہ کرو پھر حضرت ابوبکر شعبہ حضرت سفیان بن عُیَینہ سے خیریت وعافیت دریافت کرنے لگے۔ فرمایا ''سفیانُ! کیف انت و کیف عائلة ابیك'' سفیان! آپ کیسے ہیں؟ اور آپ کے والد گرامی کے افراد کنبہ کیسے ہیں؟ (سِیَر جلد ۸ ص ۴۹۹) یہ بھی واضح رہے کہ حضرت ابوبکر شعبہ بن عیّاش حضرت سفیان بن عُیَینہ سے دس سال اور حضرت سفیان ثوری سے دو سال بڑے تھے (سِیَر ۸/۴۹۹، ۵۰۰) ﴿۲۶﴾ امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی جلد نمبر ۲ ص ۱۱۸ ابواب فضائل القرآن باب ماجاء فی فضل قاریٔ القرآن میں حضرت حفص بن سلیمان سے (جن کی روایت آج کل عام مروّج ومتداول ہے) حضرت علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ کی حسب ذیل مرفوع حدیث روایت کی ہے: مَن قَرَاَالقُرآنَ فَاستَظهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِي عَشَرَةٍ مِّن اَهلِ بَيتِهٖ كُلُّهُم قَد وَجَبَت لَهُ النَّارُ۔ جس شخص نے قرآن پڑھا اور پھر اسکو حفظ کیا اور عملاً اس کے حلال کو حلال قرار دیا اور حرام کو حرام سمجھا اللہ تعالیٰ اسکو اس وجہ سے جنت میں داخل فرمائیں گے اور اسکے گھرانے میں سے ایسے دس افراد کے بارے میں اسکی سفارش قبول فرمائیں گے جن میں سے ہر ایک کیلئے ''اُس کے گناہوں کے سبب'' دوزخ کی آگ واجب ہوچکی ہوگی۔ اس حدیث کی سند میں حضرت حفص امامِ ترمذیؒ کے شیخ الشیخ ہیں

کیونکہ وہ علیؒ بن حُجر استاذِ ترمذی کے استاد ہیں۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام ترمذی نے حضرت حفص کو ضعیف فی الحدیث فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ''و حفص بن سلیمان ابو عمر بزاز ُکو فیٌّ یُضعَّف فی الحدیث ''تو حدیث میں ان کا کیا اعتبار رہا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حفص کا ضعف فی الحدیث اس حیثیت سے ہرگز نہیں کہ فی الواقع وہ روایتِ حدیث میں ناقص الضبط یا قلیل العدا لتہ اور غیرِ ثقہ تھے بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ مشغولیتِ قراآت کی وجہ سے انہیں حدیث کے ضبط و اتقان کیلئے خاطر خواہ موقع میسر نہ آ سکتا تھا جیسا کہ بعض حفاظِ حدیث کو مصروفیتِ حدیث کے سبب ضبطِ قراءت کا بھر پور موقعہ میسر نہ آ سکا چنانچہ علامہ ذہبی ارشاد فرماتے ہیں:

و کذلك(ای کالدوری عن ابی عمرٍو)جماعة من القراء اثبات فی القراء ة دون الحدیث کنا فع و الکسائی و حفص فانهم نهضوا باعباء الحروف و حرروها ولم یصنعو اذلك فی الحدیث کما ان طائفة من الحفاظ اتقنوا الحدیث و لم یحکمو القراء ة و کذا شان کل من برز فی فن و لم یعتن بما عداه (سِیَر اَعلام النُّبلاء جلد ۱۱ص:۵۴۳)اس عبارت کا مفہوم ابھی اوپر مذکور ہو چکا ہے﴿ ۲۷ ﴾امام حمزہ کوفی (قاری و امامِ ششم) رجالِ صحیح مسلم میں سے ہیں (ابراز المعانی) امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ ''ہم قراءت اور علمِ میراث ان دو علوم میں امام حمزہ کا معارضہ و مقابلہ نہیں کر سکتے'' (ابن حجر،تہذیب التہذیب جلد نمبر ا ص:۴۸۹) ﴿ ۲۸ ﴾امام کسائی کوفی (قاری و امامِ ہفتم) کی بابت حضرت امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ ''جو شخص نحو پر عبور حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کسائی کا دستِ نگر ہے'' (مقدمۂ ابراز المعانی) ﴿ ۲۹ ﴾حضرت محقق ابن الجزریؒ نے حافظ ابن حجر عسقلانی اور ان کی اولاد کو مندرجۂ ذیل پانچ اشعار میں حدیث و قراءت کی اجازت مرحمت فرمائی: ؎

انی اجزتُ لهم روایةَ کلّ ما	اورویه من سُنَنِ الحدیث و مُسنَدٖ
و کذا الصّحاحِ الخمسِ ثم معاجم	و المشیخاتِ و کلّ جزءٍ مفردٖ
و جمیعِ نظمٍ لی و نثرٍ و الذی	اَلَّفتُ کالنَّشر الزَّکی و مُنجدٖ
فاللّٰه یحفظهم و یبسط فی حیا	ةِالحافظ الحبرِ المحقِّقِ احمدٖ
وانا المقصر فی الوری العبدالفَقِی	رُ محمدُ بنُ محمدِ بنِ محمَّدٖ

(الضوء اللامع لاہل القرن التاسع للسخاوی جلد نمبر ۹ ص:۲۵۸)

﴿۳۰﴾ امام بخاریؒ نے دس سال سے کم عمر میں اور ابن حجر عسقلانی نے صرف نو سال کی عمر میں مکمل قرآن مجید حفظ کر لیا تھا ﴿۳۱﴾ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دو سال میں بماہ رمضان قرآن حفظ فرمایا اور جب یاد کیا پاؤ پارے کی قدر یا کچھ اس سے زائد یاد کیا ﴿۳۲﴾ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے سنّ کہولت میں جزیرہ مالٹا میں قرآن کریم حفظ فرمایا ﴿۳۳﴾ ماضی قریب میں حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن محدّث پانی پتیؒ تجوید وقراءت کی شانِ امامت کے علاوہ دیگر علوم بالخصوص علمِ حدیث میں مہارتِ تامّہ رکھتے تھے، حدیث میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے تلمیذ ہیں، حضرت شیخ الہندؒ اور حکیم الامتؒ نے بھی تبرکاً حضرت محدث پانی پتیؒ سے حدیث کی اجازت وسند حاصل فرمائی۔ یہ بطورِ نمونہ صرف چند اقلِ قلیل جامع الکمالات ہستیوں کا تذکرہ ہے۔ احاطہ کیلئے تو دفاتر بھی ناکافی ہیں۔ حضرت اقدس مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ ایسے ہی اسلاف کی ایک قابلِ قدر یادگار ہستی تھے۔ جو بیک وقت مفسر ومحدّث بھی تھے، فقیہ ومفتی بھی، محقق وعلامہ بھی، نڈر حق گو مبلغ وداعی بھی، مصنف ومقرر بھی، قاری وحافظ ومجوِّد بھی، سالکِ طریقت صاحبِ نسبت صوفی باطن بزرگ بھی۔ فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ وَعَلَیہِ اَجرُہٗ وَرَحِمَہُ اللّٰہُ رَحمَۃً وَّاسِعَۃً۔

﴿ حضرت مفتی صاحبؒ کی ایک امتیازی صفت ادب واحترام اساتذہ ﴾

حضرت مفتی صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ کی ایک نمایاں خوبی یہ دیکھنے میں آئی کہ اپنے اساتذۂ کرام کا بے حد پاسِ ادب فرماتے تھے۔ آج یہ خوبی خال خال ہی نظر آتی ہے۔ بزمانۂ نوعمری وصغرسنّی ایک مرتبہ ناچیز راقم کو حضراتِ شیخین۔ امام القراء ومُحیِ الفن حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب (مدفون جنۃ البقیع ومتوفّٰی ۱۴۰۷ھ) ومُجدِّد القراآت حضرت مولانا ابُو نا القاری رحیم بخش صاحب (مدفونِ جامعہ خیرالمدارس ومتوفّٰی ۱۴۰۲ھ) رَحِمَہُمَا اللّٰہُ کی کفش برداری کی نسبت سے سلانوالی کے مدرسہ حسینیہ میں حاضری نصیب ہوئی، خوب یاد ہے کہ ساہیوال سے حضرت مفتی صاحبؒ صرف اپنے مشفق استاد حضرت امام القراء قُدس سرہ کی زیارت وملاقات ہی کی غرض سے تشریف لائے (واضح رہے کہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ نے حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ سے الدرۃ المضیۃ قرأآت ثلاثۃ میں پڑھی ہے) آپ کافی وقت اپنے مشفق شیخ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر رہے حتی کہ ایک شب بھی حضرت اقدس کے ساتھ گزاری۔ بزرگی وکمال کے باوصف ناچیز نے مشاہدہ کیا کہ اپنے شیخ کی مجلس میں حضرت مفتی

صاحبؒ بالکل طالبعلمانہ نشست سے بغایتِ ادب واحترام اور انتہائی عقیدت و نیاز مندی سے بیٹھتے تھے۔ حضرت امام الفن جب تک بذاتِ خود کوئی استفساریّہ کلام نہ فرماتے حضرت مفتی صاحبؒ اس وقت تک کامل سکوت و خاموشی سے تشریف فرما رہتے۔ سبحان اللہ! آج ۳۵ سال کے بعد زمین و آسمان کا فرق محسوس ہو رہا ہے کہ اِس وقت ہم جیسے نااہل شاگردوں نے غیر ضروری باتوں کے ذریعہ اساتذۂ کرام کی سمع خراشی کو زیارتِ اساتذہ کا ایک اہم رکن قرار دیا ہوا ہے۔ فاللّٰہ یھدینا اجمعین۔

﴿ اساتذہ کے ادب واحترام کے متعلق چند اقوال و واقعات ﴾

﴿۱﴾ بعض سلف کا ارشاد ہے: "بقدر اجلال الطالبِ العالمَ ینتفع الطالب بما یستفید من علمہ" تعظیم استاد کے اندازے کے مطابق ہی طالبعلم اپنے استاد کے فیض و علم سے نفع اٹھاتا ہے ﴿۲﴾ اہلِ سُلوک کا ارشاد ہے: "من لم یر خطأ شیخہ خیراً من صواب نفسہ لم ینتفع" "جس شخص نے اپنے شیخ کی غلطی کو اپنی درستی سے بہتر نہ سمجھا وہ شیخ کے فیض سے منتفع نہ ہوگا۔ کیونکہ معلوم نہیں کہ شیخ تو اپنی غلطی پر ندامت و گریہ کے آنسوؤں سے کتنے مقاماتِ رفیعہ طے کر لے مگر مُرید اپنی نیکی کے گھمنڈ میں قعرِ مذلّت کے کس گڑھے میں جا گرے ﴿۳﴾ حضرت امام ابوعبید قاسم بن سلاّم کا ارشاد ہے کہ میں نے کبھی اپنے کسی محدث استاد کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا بلکہ باہر منتظر رہتا حتّٰی کہ وہ ازخود ہی گھر سے باہر تشریف لے آتے۔ کذا فی طبقات المفسرین لِلدَّاوُودِی ﴿۴﴾ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حِبرُ الاُمّۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے استاد حضرت زید بن ثابتؓ جب سواری پر سوار ہونے لگتے تو ابن عباسؓ ادباً انکی سواری کی رکاب تھام لیا کرتے تھے ﴿۵﴾ ابن وہبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جو کچھ ملا امام مالکؒ کے ادب کی وجہ سے ملا ﴿۶﴾ امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے حضرت صالحؒ سے حضرت یحییٰ بن مَعینؒ نے فرمایا آپ کے والد "امام احمدؒ" اس بات سے شرماتے نہیں کہ انکے استاد "امام شافعیؒ" اپنی سواری پر سوار ہوتے ہیں اور یہ انکی رکاب پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہوتے ہیں؟ امام احمد بن حنبلؒ سے ان کے صاحبزادے نے یہ بات عرض کی تو فرمایا: یحی بن مَعینؒ سے ملاقات ہو تو کہہ دینا اگر فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو آ ؤ دوسری رکاب تم تھام لو ﴿۷﴾ علامہ ابن عابدین شامیؒ کے ادب واحترام استاد کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ شیخ محمد عبدالنبیؒ دمشق تشریف لائے اور آپ اپنے شیخ محمد شاکر کی معیّت میں ان کی

زیارت کیلئے حاضر ہوئے، شیخ محمد شاکرؒ نے ملاقات کی اور شیخ محمد عبدالنبیؒ کے پاس بیٹھ گئے، ابن عابدین شامیؒ اپنے استاد کی جوتیاں لیے ہوئے چوکھٹ پر ہی کھڑے رہے بالآخر شیخ محمد عبدالنبیؒ نے ان کے شیخ سے کہا ان سے کہہ دیجئے کہ بیٹھ جائیں چنانچہ شیخ محمد شاکرؒ کو کہنا پڑا اِجلِس یا وَلدِی (بیٹے! بیٹھ جاؤ)

؎ باادب باش تا بزرگ شوی — کہ بزرگی نتیجۂ ادب است (ظفر المحصلین ص:۲۲۵)

﴿۸﴾ حضرات متقدمین، استاد کی توقیر و تعظیم کا اتنا اہتمام وخیال رکھتے تھے کہ استاد کو قرآن سناتے وقت اگر کسی جگہ وقف کرنے سے بظاہر استاد کی بے حرمتی کے معنٰی نکلتے ہوتے تو وہاں وقف کرنے سے بھی منع فرماتے تھے، سو جس طرح وہ حضرات وَمَآ اَرسَلنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیرًا میں وَمَآ اَرسَلنٰکَ پر وقف کرنے کو بایں سبب نادرست قرار دیتے تھے کہ اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بے تعظیمی کے ظاہری معنٰی نکلتے ہیں (کیونکہ اس کے معنٰی یہ بن جاتے ہیں کہ ہم نے آپ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا، والعیاذ باللہ) اسی طرح اَو تُقَطَّعَ اَیدِیھِم اور اِلَّا اَن تَقَطَّعَ قُلُوبُھُم میں تُقطع اور تَقطع پر وقف کرنے کو بھی اس بنا پر مکروہ و معیوب سمجھتے تھے کہ اس وقف سے بظاہر استاد کی بے ادبی کے یہ معنٰی نکلتے ہیں کہ ''تو کاٹ دیا جائے'' اور ''تو کٹ جائے'' (النشر الکبیر فی القرآت العشر للمحقق العلامۃ محمد ابن الجزریؒ جلد نمبر۲ ص۲۰۳) اندازہ کیجئے! جب بے ادبی کا محض ظاہری شبہ بھی ناپسندیدہ ہے تو حقیقی بے ادبی کس درجے بُری ہوگی؟ ﴿۹﴾ حضرت ربیعؒ تلمیذ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب امام شافعیؒ میری طرف دیکھ رہے ہوتے تو مجھے ان کی ہیبت وعظمتِ شان کے سبب اتنی ہمت وجرأت بھی نہ ہوتی تھی کہ پانی ہی پی لوں ﴿۱۰﴾ حضرت یحیٰ اندلسیؒ راویِ مؤطا مالک فرماتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کے سامنے کتاب کا صفحہ بھی بہت آہستہ سے پلٹتا تھا کہ امام صاحب کو صفحہ پلٹنے کی آواز بھی سنائی نہ دے اور مجھ سے آپ کی بے ادبی سرزد نہ ہو جائے ﴿۱۱﴾ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کو کتاب اللہ کی ایک آیت بھی سکھا دی وہ اس کا آقا بن گیا، اب شاگرد کو لائق نہیں کہ استاد کو چھوڑ دے اگر اس نے ایسا کیا تو گویا اسلام کے حلقوں میں سے ایک حلقے کو اس نے توڑ ڈالا (یعنی بہت سخت گناہ کا کام کیا) (رواہ البیہقی والطبرانی) ﴿۱۲﴾ مغیرہ بن مقسم ضبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے استاد حضرت ابراہیم نخعیؒ سے ایسے ہی ڈرتے تھے جیسے حاکم اور امیر سے لوگ ڈرتے ہیں ﴿۱۳﴾ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ مرفوع حدیث مروی ہے: تواضعوا لمن تعلّمون منہ ۔

جس سے تم علم سیکھو اس کے سامنے متواضع و عاجز بن کر رہو (معجم اوسط للطبرانی) خلاصۃ المرام یہ کہ ادب واحترام وخدمتِ استاد کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے اس زینے سے عُروج وارتقاء کی منازل خوب ہی خوب طے فرمائیں۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

﴿ دوسری امتیازی صفت ﴾

حضرت مفتی صاحبؒ کی دوسری امتیازی صفت مسلکِ اکابر پر استقامت اور ثابت قدمی:
زوال وانحطاطِ زمانہ اور کثرتِ فِتَن کے باوصف حضرت مفتی صاحبؒ زندگی بھر ٹھیٹھ دیوبندی مکتبِ فکر اور اپنے اکابر واسلاف علمائے دیوبند کے مسلکِ عقائد حقہ کے جادۂ مستقیمہ پر ایسی سختی ومضبوطی سے کاربند وعمل پیرا رہے کہ شاید وباید۔ بالخصوص حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ کی علمی تحقیقات ونقطہائے نظر وفکر کو تو بطور خاص ہمیشہ اپنے لیے مشعل راہ اور حرزِ جان بنائے رکھا۔ مسئلۂ سماعِ موتیٰ ہو یا توسُّل بِالذّوات وبِالاعمال، مسئلۂ حیاۃ النبی ہو یا سفرِ مدینہ بغرضِ زیارتِ روضۂ مُطَہَّرہ، مدۃ العمر ہر مسئلہ پر آپ برابر اپنی تالیفات وتقریرات میں ایسی مُدَلَّل وشافی اور قاطع بحث فرماتے رہے کہ اپنے اکابر کی تحقیقات سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر ہٹنے نہ پائے۔ دیوبندی مکتبِ فکر کا جامع خلاصہ بقول حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) حسب ذیل ہے:

''ہم اور ہمارے اکابر عقائد اور اُصول میں طریقۂ اہل السنۃ والجماعۃ کے متبع ہیں اور پوری طرح مطمئن ہیں کہ وہی طریقہ ما انا علیہ واصحابی کا مصداق ہے۔ فُروع میں ہم پوری بصیرت کے ساتھ فقہِ حنفی کا اتباع کرتے ہیں، اور اتباعِ ہَوٰی اور اعجابِ کلّ ذی رأیٍ برأیہٖ کے اس دور میں عام امّت کے دین کی حفاظت کیلئے اور فتنوں سے ان کو بچانے کیلئے ائمّہ کی تقلیدِ شخصی کو ہم پورے شرحِ صدر کے ساتھ ضروری سمجھتے ہیں اور حضراتِ صوفیاءِ کرام کی نسبتِ احسانی اور تزکیۂ اخلاق کو ہم روحِ دین سمجھتے ہیں'' (تحدیثِ نعمت از حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ۔ ص:۱۳۷)

﴿ حق پر اَسلاف کی ثابت قدمی کی چند جھلکیاں ﴾

﴿۱﴾ ابوجعفر منصور کے دورِ حکومت میں امام اعظم ابوحنیفہؒ نے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول نہ فرمانے اور حق گوئی کے صلہ میں ستر سال کی عمر میں پشت پر منصور کے تیس (۳۰) کوڑوں کی سزا۔ کہ آپکی ایڑیوں پر خون بہہ رہا ہوتا تھا۔ اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت فرما کر جیل خانے ہی میں بحالتِ سجدہ وصال

فرمایا امام صاحب کے صاحبزادے حضرت حمادؒ خبرِ وفات سن کر کوفہ سے بغداد پہنچ گئے۔ شہر کے قاضی حسن بن عمارہ نے جب غسل دینے کیلئے امام صاحب کے کپڑے اتارے تو جسم پر کوڑوں اور مجاہدات کے جو نشانات تھے ان کو دیکھ کر سب رو پڑے۔ خود قاضی صاحب کا یہ حال تھا کہ نہلاتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ (دفاع امام ابوحنیفہ ص ۲۶۳) امام احمد بن حنبلؒ امام ابوحنیفہؒ کی آخری زندگی کے شواہد کا تذکرہ کرتے تو بے اختیار رو دیتے اور امام صاحب کیلئے دعائیں فرماتے۔

﴿۲﴾ امام دار الہجرۃ حضرت امام مالکؒ نے محمد نفس زکیہ کے خروج کے وقت فتویٰ دیا تھا کہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی دانقی نے حلف بالطلاق کے ذریعہ بیعت جبراً اور زبردستی لی ہے اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی، خلیفہ نے بعض سیاسی مصالح کی بنا پر امام مالکؒ کو حدیث لیس علی المستکرہ طلاق بیان کرنے سے روکا مگر آپ نے سیاسی مصالح اور سرکاری دھمکیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے حدیث شریف کے بیان کا سلسلہ جاری رکھا۔ اطلاع ملنے پر خلیفہ منصور کے حکم سے والیِ مدینہ جعفر بن سلیمان عباسی نے امام مالک کو کوڑے لگوائے بُری طرح پٹوایا اور مونڈھے اتروا دیے۔

(دفاع امام ابوحنیفہ ص ۲۵۵۔ عصر حاضر کیلئے مشعلِ ہدایت ص ۲۶۹)

﴿۳﴾ امامِ عزیمت و ہُدیٰ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے دو حکومتوں کی طرف سے قید و بند کی صعوبتیں اور پشت پر ہاتھی جیسے قوی ہیکل جانور تک کیلئے بھی ناقابلِ برداشت کوڑوں کی سخت سزا تو برداشت فرمالی مگر ''القرآنُ کلام اللہ غیر مخلوقٍ'' کے عقیدۂ حقہ سے قطعاً باز نہ آئے ﴿۴﴾ ظالم الاُمّت حجّاج بن یوسف ثقفی نے حضرت سعید بن جبیرؒ پر اتنا ظلم کیا کہ مکہ مکرمہ میں آپ طویل عرصے تک روپوش رہے (اہلیہ محترمہ کو حاملہ چھوڑ کر گئے تھے بعد میں بچہ پیدا ہو کر جوان بھی ہو گیا اور اسکی داڑھی مونچھ بھی نکل آئی) بالآخر خالد بن عبداللہ قسری والیِ مکہ نے گرفتار کر کے بیڑیاں پہنا دیں اور حجاج کے دربار میں حضرت موصوف کو پیش کر دیا، شہادت سے پہلے حضرت سعید بن جبیرؒ بچوں سے آخری ملاقات کیلئے گھر تشریف لے گئے تو بیٹا اور بیٹی دونوں گود میں بیٹھ کر رونے لگے انہیں پیار کر کے رخصت ہو گئے اور جان جانِ آفریں کے سپرد فرما دی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً ۵۔ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید کو دیکھ کر حضرت امام محمد بن حسن شیبانی کھڑے نہ ہوئے، خلیفہ نے بلا کر پوچھا کہ اور لوگوں کے ساتھ آپ کیوں کھڑے نہیں ہوئے؟ امام محمدؒ نے دربارِ شاہی میں کلمۂ حق بلند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا آپ

نے مجھے اہل علم کی جماعت میں داخل کیا ہے تو یہ بات مجھے اچھی نہ لگی کہ اہلِ علم کی جماعت سے باہر ہوکر ان لوگوں میں شامل ہوجاؤں جو آپ کی خدمت کیلئے ملازم ہیں نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی ہے کہ جو کوئی توقع رکھتا ہو کہ اس کی تعظیم کیلئے لوگ کھڑے ہوا کریں اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (دفاع امام ابوحنیفہ ص:۱۶۸) ﴿۶﴾ علامہ احمد بن ابی احمد مغراوی مالکی (متوفیٰ ۸۲۰ھ) ایک مرتبہ حضرت ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عرفہ بن حماد ورغمّی تُونسی مالکی (متوفّٰی ۸۰۳ھ) کی مجلسِ درس میں حاضر ہوئے، سبق پڑھا لینے کے بعد ابن عرفہ نے فرمایا اگر کسی کو کچھ اشکال ہوتو بے جھجک پیش کرے، ابوعبداللہ بن منصور نے اشکال پیش کیا۔ ابن عرفہ نے اسکا جواب عنایت فرمایا لیکن ابن منصور نے اس جواب پر ایک اور اعتراض کردیا ابن عرفہ نے اس اعتراض کا بھی جواب دیا۔ دونوں حضرات میں اسی طرح سوال و جواب کا تبادلۂ وتکرار ہوتا رہا حتّٰی کہ درس کا وقت ختم ہوگیا۔ اس کے بعد مزید تین دن تک بھی برابر یہ مکالمہ اور مباحثہ جاری رہا۔ آخر ابن عرفہ نے ابن منصور کو سخت سست کہنا شروع کردیا، انہوں نے عرض کیا حضرت! اس سے تو میری تشفی نہ ہوگی اگر کوئی تسلی بخش جواب ہوتو وہ ارشاد فرمائیں۔ ابن عرفہؒ نے فرمایا ''واقعی تمہاری ہی بات درست ہے اور جاؤ! میں نے تمہیں اِفتاء کی اجازت دے دی''۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا حضرت! آپ نے تین دن کے دُروس ضائع فرمادیئے یہی بات پہلے ہی دن کیوں نہ فرمادی تھی؟ ارشاد فرمایا: میرا مقصد یہ تھا کہ ان کو آزماؤں کہ حق بات کے بارے میں وہ مُتَیَقِّن ہیں یا مُتَزَلزِل؟ بالآخر جب مجھے اطمینان ہوگیا کہ یہ حق بات پر ثابت قدم ہیں تو میں نے انہیں اِفتاء کی اجازت دے دی۔ (الضوء اللامع جلد۲ص:۱۳۹)

﴿ تیسری امتیازی صفت ﴾

حضرت مفتی صاحبؒ کی تیسری امتیازی صفت: غِیبت وعُجب وریاکاری سے تزکیۂ نفس:

حضرت بشر بن حارث کا قول ہے کہ قراء ان دوخصلتوں کی وجہ سے ہلاک ہوگئے ہیں ایک غیبت دوسری خود پسندی۔ خطیب اور دیلمی نے حضرت انسؓ سے یہ مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ میری امت کے اغنیاء سیر و سیاحت کیلئے، متوسط طبقے کے لوگ تجارت کیلئے، قراء ریاء ونمود کیلئے اور فقراء مانگنے کیلئے حج کریں گے۔ لیکن یہ سب باتیں صرف ان لوگوں پر صادق آسکتی ہیں جو صرف قراء ہیں مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرۂ بفضل اللہ تعالیٰ تجوید وقراءت

اور فقہ وافتاء کے علاوہ اصلاحِ نفس وتربیتِ باطن سے بھی خوب ہی خوب آراستہ پیراستہ تھے۔ ایسے جامع وباکمال حضرات غیبت وعجب وریاء ونمود جیسے مُہلک روحانی امراض سے بتوفیق اللہ بخوبی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ امام غزالیؒ گیارہ سال تک مسلسل تزکیۂ باطن وتصفیۂ قلب اور تربیتِ نفس کی محنت میں مشغول رہے حتّٰی کہ باطن تمام آلائشوں سے پاک ہو گیا۔ حضرت حسن بصریؒ کا حضرت طاؤس کے پاس سے اس حالت میں گزر ہوا کہ وہ حَرم پاک میں ایک بڑے حلقے کے اندر بیٹھے ہوئے حدیث شریف کا املاء کرا رہے تھے آپ نے ان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ اگر اس سے آپ کے نفس کے اندر عجب وپندار پیدا ہو رہا ہو تو فوراً اٹھ جایئے یہ سنتے ہی طاؤس فوراً کھڑے ہو گئے۔ عام حیوانات کے مقابلے میں انسان ایک تعلیمی حقیقت ہے یعنی جن چیزوں کے علم سے وہ کورا اور عاری پیدا ہوتا ہے انہیں سیکھ کر حاصل کر لیتا ہے علم الانسان ما لم یعلم۔ جب علم آتا ہے اور علم کے منافع اس پر کھلتے ہیں تو علم کی خوبیوں کے ساتھ اس میں سرکشی اور طُغیان کی خو بھی پیدا ہوتی ہے اور علم کے محاسن کے ساتھ یہ معائب بھی آ جاتے ہیں چنانچہ جب سوجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے تو انسان باور کرنے لگتا ہے کہ اب میں خود سوچ سکتا ہوں حق وباطل میں امتیاز کر سکتا ہوں تو پھر کسی سے مشورہ لینے کی کیا ضرورت ہے کَلَّآ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَیَطۡغٰۤی اَنۡ رَّاٰہُ اسۡتَغۡنٰی۔ اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے کہ بلاشک انسان سرکش ہو جاتا ہے جب وہ اپنے آپ کو خود مکتفی دیکھتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے: اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجۡعٰی کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس ہو یعنی خدا تعالیٰ سے تعلق جوڑے اور اس کے علم کے تحت اپنا علم کر دے۔ یہ تعلق کیسے جوڑا جائے اور اس کے علم کے تحت اپنا علم کیسے ہو؟ اسی کیلئے ہمارا تعلیمی نظام قائم کیا گیا مدرسوں میں دماغوں کو بنایا جاتا ہے اور خانقاہوں میں قلب کی اصلاح کی طرف توجہ کی جاتی ہے اسی انابت الی اللہ میں رنگے جانے والوں اور ہر طرف سے کٹ کر خُدا ہی کے دَر پر جُھکنے والوں کا اصطلاحی نام ''صوفیاء'' اور ان کے علمی وعملی پروگرام کا نام ''تصوُّف'' ہے (تذکرہ قاریانِ ہند جلد نمبر ۱ ص: ۹۲)

﴿ غِیبت کی مذمّت ﴾

﴿۱﴾ کسی شخص نے حضرت حسن بن ذکوان کے سامنے ایک عالم کا برائی کے ساتھ تذکرہ کیا فرمایا رُک جا اور بُرائی کے ساتھ علماء کا تذکرہ مت کر کہ اللہ تعالیٰ تیرے دِل کو مُردہ فرما دیں گے (تبیین کذب المفتری لابنِ عساکر ص: ۴۲۵) ﴿۲﴾ حضرت قطب العالم امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی مجلس

میں ایک شخص نے حضرت شیخ الہندؒ کی بُرائی کی تو حضرت گنگوہیؒ نے اسپر غصّے کا اظہار فرمایا اور فرمایا اسی وقت ہماری مجلس سے اٹھ جا کہ مبادا تیری خباثت پر غضبِ الٰہی نازل ہو اور ہم لوگ بھی اس میں شامل ہو جائیں (آثارِ خیر:۴۷۵)۔ حضرت گنگوہیؒ کے اس ارشاد کی توجیہ یہ ہے کہ غیبت میں ذاکر اور سامع دونوں برابر ہوتے ہیں لہٰذا غیبت کی سماعت بھی بحکمِ غیبت ہی ہے ﴿۳﴾ بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے سیاسی رائے کے اختلاف کے باؤ جود ایک مرتبہ فرمایا: مَیں حضرت مدنیؒ کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ اپنی زبان پر لاکر جہنم کی آگ خریدنا نہیں چاہتا ہوں کیونکہ میں اللہ کے نزدیک ان کے مرتبے سے آگاہ ہوں (کشکولِ معرفت ص۱۴۳ از حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ)

﴿۴﴾ ایک مرتبہ حضرت قاری عبدالرحمٰن محدّث پانی پتیؒ (تلمیذ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کے سامنے ایک کمسن بچے نے کسی خلافِ شرع محفل کا تذکرہ کیا اور اس میں اپنے چچا کی شمولیت وحالت کا ذکر کرنے لگا اس پر آپ نے فرمایا کسی کے نام لینے کی ضرورت نہیں، بچے نے عرض کیا آپ تو اس محفل کو ناپسند فرماتے ہیں فرمایا ہاں خلافِ شرع کاموں سے نفرت کرتا ہوں مگر کسی کی غیبت کیوں سنوں اور تمہارے تو وہ چچا ہیں تمہیں ان کے رتبے کا پاس کرنا چاہیئے۔ (مقدمہ سوانح فتحیہ ص:۱۱۹)

﴿ اخلاص اور للّٰہیت کے چند سبق آموز واقعات وحالات ﴾

﴿۱﴾ حضرت امامِ شافعیؒ کا ارشاد ہے: مجھے یہ بات پسند ہے کہ لوگ میرا سارا علم اور میری تمام کتابیں حاصل کرلیں اور میری جانب اُس علم کا ایک حرف بھی منسوب نہ کریں ﴿۲﴾ حضرت ابوایوب سختیانیؒ کو جب بعض اوقات حدیث شریف بیان کرتے کرتے رِقّت طاری ہوجاتی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تو مونہہ دوسری طرف پھیر کر ناک سنک لیتے اور فرمانے لگ جاتے اوہو! آج مجھے کتنا سخت زکام لگا ہوا ہے یعنی اپنے رونے کی کیفیت کو زکام کا نام دے کر چُھپا لیا کرتے تھے۔ ﴿۳﴾ حضرت داؤد بن ابی ہندؒ چالیس برس تک مسلسل نفلی روزے رکھتے رہے مگر گھر والوں کو قطعاً اس کا علم نہ ہوسکا۔ صُبح کو جب کام پر جانے لگتے کھانا ساتھ لے لیتے اور راستے میں کسی پر صَدَقہ کردیتے شام کو جب گھر لَوٹتے تو گھر والوں کے ساتھ مِلکر کھانا تناول فرمالیتے اِس معمول سے چالیس برس تک ان کے نفلی روزوں کا معاملہ مخفی رہا۔ فیا سبحان اللّٰہ! ﴿۴﴾ روزانہ ہر مسلمان نمازی نمازوں کے شروع میں اپنے ہاتھ اُٹھا کر اور اَللّٰہُ اَکبَر کہکر کئی مرتبہ اِخلاص وتوحید اور لِلّٰہیَّت کے سبق کو دہراتا ہے کیونکہ جب

کوئی جرائم پیشہ آدمی، سلطنت کے سامنے اپنی شکست اور بے بسی وتابعداری ظاہر کر کے سرِ تسلیم خَم کرنا چاہتا ہے تو ظاہری علامت ونشانی کے طور پر اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھالیتا ہے اور ہتھیار ڈال دیتا ہے اسی کو اس کی سپردگی و نیازمندی سمجھ لیا جاتا ہے اسی طرح ہر مسلمان نمازی دِن میں کئی مرتبہ ہر نماز کے شروع میں اپنے ہاتھ اُٹھا کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ مَیں اللہ کے سوا دُنیا کی ہر چیز سے ہاتھ اُٹھا کر اُسے پسِ پُشت ڈالتا ہوں، اور بالکلّیہ نماز اور اللہ کی مُناجات ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کیونکہ وہ اَکبَر ہے اور سب سے بڑا ہے۔ مَیں اپنی نفسانی وشیطانی سرکشی کے اور اپنے گناہوں کے ہتھیار ڈال کر اپنے اللہ کے سامنے سرِ نیاز خَم کرتا ہوں۔ اور مَیں اپنے اللہ کے رُوبرُو عاجز و مُجرم بن کر کھڑا ہوتا ہوں اے اللہ! تو پاک ہے تیرا نام بڑا مبارک ہے تیری بزرگی بہت اُونچی ہے تیرے سوا کوئی معبودنہیں، میری سپُردگی ودَرماندگی و بے بسی پر نظرِ کرم فرماتے ہوئے میرے گناہوں پر قلمِ عفو ودرگذر پھیر دیجئے۔

چوتھی امتیازی صفت

حضرت مفتی صاحبؒ کی چوتھی امتیازی صفت حَرَمَین شَرِیفَین سے گہری عقیدت ووابستگی اور علمی تَوَسُّع وتبحر:

حرمین شریفین سے حضرت مفتی صاحب قدس سرُّ ہٗ کے قلبی عشق وربط اور غیر معمولی وَالہانہ وابستگی وعقیدت کا کُچھ اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ہُجومِ اَمراض وکثرتِ ضُعف وپیرانہ سالی حتّٰی کہ چلنے پھرنے اور جسمانی حرکت سے معذوری کے باوصف وفات سے صرف چند ہفتے قبل سفر کی صعوبت برداشت فرما کر ایسی ضعیفی میں انتہائی لگن وگرم جوشی اور پوری سرگرمی وعقیدت سے مسنون طریقے پر عُمرہ وزیارتِ مدینہ کی سعادت حاصل فرمائی۔ حاضریِٔ مدینہ منورہ کے موقع پر صاحبزادے کے ذریعہ ناچیز راقم سے قرا آتِ سبعہ کے مصحف کے بارے میں غائبانہ مشورہ طلب فرمایا کہ کیا اِس مصحف کو موجودہ شکل میں طبع کرانا نافع ومفید ثابت ہوسکتا ہے ناچیز نے طباعتی تصحیح کے بلیغ اہتمام کی شرط پر اثبات میں اس کا جواب عرض کیا۔ رحمتِ خُداوندی سے راقم کا یہ پُختہ اعتقاد ہے کہ انشاء اللہ آخری وقت میں عُمرہ وزیارت کی ادائیگی اور علمِ قرا آت سے وابستگی وشیفتگی کے یہ اعمالِ صالحہ بفضل اللہ حُسنِ خاتمہ کے مُبَشّرَات میں شامل ہیں۔ صرف مسجد میں آنے والا اور مریض دونوں اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ تو آخری وقت میں بحالتِ مرض و پیرانہ سالی بالخُصوص مسجد الحرام اور مسجد نبوی شریف اور روضۂ مُطَہَّرہ کی حاضری وزیارت سے مُشَرَّف ہوئے۔ یہ

آخری سفرِ عمرۂ و زیارت جناب قاری رفیق صاحب جدّہ والوں کی تحریک و تولیت پر اختیار فرمایا۔ اسی آخری سفر کے موقعہ پر قاری صاحب موصوف نے بتایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ''احکام القرآن'' کے مُفوَّضہ حصّہ کا کام الحمدللہ بخیر وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے اور سورۃ المائدہ کے صرف شروع والے دو رکوعات سے چھ صد (۶۰۰) احکام کا استنباط فرمایا ہے۔ سبحان اللہ! اس سے حضرت مفتی صاحبؒ کی فقاہت، آپ کے وسیع مطالعے اور آپ کی گہری علمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس واقعہ سے علمائے سلف کے علم کی یاد تازہ ہو جانے سے ناچیز بے حد محظوظ و مسرور رہوا فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ ۔

﴿ اَسلاف کی علمی وسعت کی معمولی جھلکیاں ﴾

﴿۱﴾ ابوالحسن علی بن حسین ابن زکنون المشرقی ثم الدمشقی الحنبلی (متوفیٰ ۸۳۷ھ) نے مسندِ امام احمد کو ابوابِ بخاری کی ترتیب پر مرتب فرما کر اس کا نام ''الکواکب الدراری فی ترتیب مسند الامام احمد علی ابواب البخاری'' تجویز فرمایا اور پھر ایک سو بیس (۱۲۰) جلدوں میں اس کتاب کی شرح فرمائی (الضوء اللاّمع جلد نمبر ۵ ص ۲۱۴) ﴿۲﴾ علامہ ابوحفص عمر بن رسلان کنانی بُلقینی شافعی (متوفّٰی ۸۰۵ھ) ''مختصر مسلم للقرطبی'' کا درس دیا کرتے تھے۔ بسا اوقات صبح سے لے کر ظہر کے قریب تک ایک ہی حدیث پر بحث فرماتے رہتے بلکہ بعض دفعہ ظہر کی اذان ہوجاتی اور آپ ابھی ایک حدیث کی بحث و تحقیق سے بھی فارغ نہ ہوا کرتے (حوالۂ بالا جلد نمبر ۶ ص ۸۷) ﴿۳﴾ علاّمہ بُلقینی موصوف کی علمی وسعت کا یہ حال تھا کہ ''صحیح بخاری'' کی شرح لکھنی شروع کی تو صرف بیس حدیثوں کی شرح پر دو جلدیں لکھ ڈالیں (الضوء اللاّمع لاہل القرن التاسع جلد نمبر ۶ ص: ۸۸ للعلاّمہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی م ۹۰۲ھ)

حق سبحانہ وتعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی جملہ خدمات دینیّہ وجُہود ومساعیٔ جمیلہ کو مشکور فرما کر ان کو جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ان کے منتسبین و مسترشدین تلامذہ و متعلقین بالخصوص انکی خَلَف صالح اولاد صالحۂ طیّبین کو حضرت موصوف و مغفور قدس سرہٗ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق و ہمت و اہلیّت خوب ہی خوب نصیب وارزاں فرمائیں آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سیّد المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم برحمتک یاارحم الراحمین ۔ محمد طاہر الرحیمی عفی عنہ

۱۴۲۲/۶/۱۸ھ بیوم الخمیس

ضیافت مدینہ

علماءِ کرام کی خدمت میں "سبعہ احرف" کی علمی بحث کا ایک خاص تحفہ

درحقیقت سبعہ احرف کے متعلق پانچ طرح کی احادیث وارد ہوئی ہیں:

﴿اول﴾ وہ احادیث جن میں سبعہ احرف بمعنیٰ "سبعہ معانی آیاتِ قرآنیہ" ہے، یہ وہ احادیث ہیں جن میں "أنزل القرآن علی سبعةاحرفٍ لکل آیةٍ منها ظهرٌ و بطنٌ و لکل حدٍّ مُّطَّلَعٌ" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں (جیسا کہ شرح السنہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ا ص ۳۵ کتاب العلم الفصل الثانی) مقصد یہ ہے کہ ہر آیت کے سبعہ معانی ہیں: ﴿۱﴾ ظاہری لغوی معنیٰ ﴿۲﴾ باطنی تفسیری مقصودی معنیٰ ﴿۳﴾ اَسرار و نکاتِ بلاغت ﴿۴﴾ خواص وکیفیات ﴿۵﴾ فوائد و معارف ﴿۶﴾ احکام مستنبطہ ﴿۷﴾ مسائل سلوک مستنبطہ، جن میں سے بعض ظاہری لغوی اور بعض، باطنی تفسیری، اَسرار، خواص، فوائد و معارف وغیرہ ہیں، پھر ظاہری و باطنی دونوں میں سے ہر ایک کیلئے اسکی حد تک ایک مقامِ ادراک اور آلۂ و ذریعۂ معرفت ہے کہ ظاہری معنی کا مقام ادراک "ادبِ عربی" ہے اور باطنی تفسیری کا مقامِ ادراک "حدیث و بیانِ نبوی" ہے اور اس تفسیری معنیٰ کے توابع (اَسرار بلاغت، خواص و کیفیاتِ آیات، فوائد و معارف، احکام فقہ، مسائلِ سلوک) کا مقام ادراک یہ ہے کہ اوّلاً کسی مردِ کامل کے سامنے پامال ہوکر "ریاضت" کے ذریعہ غرور و پندار اور خود بینی سے "نفس کا تزکیہ" کیا جائے پھر "تقویٰ وطہارت اور قربِ خداوندی" کے نتیجے میں خاص وہبی علوم و معارف اور الہامی ولدُنّیمواہب وعطایائے ربانیّہ دریچۂ غیب سے حاصل کی جائیں، بالخصوص کیفیاتِ آیات مثلاً یہ کہ عذاب کے موقع پر دل لرزاں و ترساں ہو جائے اس کا ذریعۂ حصول یہ ہے کہ اوّلاً تلاوت کے انوار و احوال و آثار سے اعضائے بدن پر کپکپی طاری ہو جائے پھر ثانیاً دل خشیت و خشوع کے غلبہ سے لرز اُٹھے اور اس پر رقت کی خاص وجدانی کیفیت طاری ہوکر گریہ غالب آ جائے جو

دراصل باطنی انقلاب کا عنوان ہے نیز یہ کہ تلاوتِ قرآن سے عُجب وخود پسندی اورخواہشِ نفسانی سلب ہوکراس پر یقین وعجز کا نتیجہ مرتب ہوجائے، کما قال تعالیٰ :تَقشَعِرُّ مِنهُ جُلُودُ الَّذِینَ یَخشَونَ رَبَّهُم ثُمَّ تَلِینُ جُلُودُ هُم وَقُلُوبُهُم اِلیٰ ذِکرِاللّٰهِ، کتاب اللہ کی عظمت سے ان لوگوں کی کھالیں لرز کران کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھرانکی کھالیں اوران کے دل یعنی قلب وقالب دونوں اللہ کی یاد کے سامنے نرم پڑ جاتے ہیں اور جھک جاتے ہیں۔

﴿دوم﴾ وہ احادیث جن میں سبعہ ابوابِ جنت سے ''سبعہ انواعِ مضامین'' پرنزول قرآن کا تذکرہ ہے، ان احادیث میں سبعہ احرف بمعنٰی سبعہ انواعِ مضامین قرآن ہے مثلاً حدیثِ ابن مسعودؓ مرفوعاً:

ان الکتاب الأول نزل من باب واحد علیٰ حرف واحد ونزل القرآن من سبعة ابواب علی سبعة احرف زاجرو آمر وحلال وحرام ومحکم ومتشابه وامثال (تفسیر الطّبری جلدنمبر ا ص:۵۳) یعنی پہلی کتبِ سماویہ صرف ایک ایک جنتی دروازے سے صرف ایک ایک مضمون پر ہی مشتمل ہوکر نازل ہوئی ہیں (مثلاً زبور میں صرف تذکیر وموعظت کا اور انجیل میں صرف مجد وثناءِ باری کا ذکر تھا) لیکن قرآن کریم سات جنّتی دروازوں سے سات قسم کے مضامین پر مشتمل ہوکرنازل ہوا ہے، وہ یہ ہیں:

﴿۱﴾ ترکِ مَنہِی ﴿۲﴾ عمل بالامر ﴿۳﴾ تحلیلِ حلال ﴿۴﴾ تحریمِ حرام

﴿۵﴾ عمل بالمحکم ﴿۶﴾ ایمان بالمتشابہ ﴿۷﴾ اتّعاظ بالأمثال۔

اسی قسم کا قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفاً بھی مسند احمد جلدا ص ۴۴۵ میں منقول ہے۔

﴿سوم﴾ وہ احادیث جن میں ابتداءً تسہیلِ اُمّت کیلئے ''سبعہ کلمات مترادفات'' کے مطابق قراءتِ قرآن کی اجازت کا تذکرہ ہے لیکن بعد میں یہ اجازت عرضۂ اخیرہ سے بھی قبل منسوخ وموقوف ہوگئی اب قراءۃ بالمترادفات کی قطعاً ممانعت ہے۔ یہ وہ احادیث ہیں جن میں هَلُمَّ تَعَال اَقبِل وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں ابن جریر طَبَری کے نزدیک جو سبعہ احرف بمعنٰی ''سبعہ کلمات ولغات مترادفات'' ہے اُن کے اس قول کا مصداق اسی قسم کی احادیث کو قرار دینا ضروری ہے۔ سبعہ احرف بمعنٰی سبعہ مترادفات والی چند احادیث حسب ذیل ہیں:

﴿۱﴾ حدیثِ ابی بکرہؓ مرفوعاً: ان جبریل علیه السلام قال: یا محمد اقرا القرآن علی حرف قال میکائیلؑ استزده فاستزاده قال : اقراه علی حرفین قال میکائیل استزده فاستزاده

حتی بلغ سبعة احرف قال: كلٌّ شافٍ كافٍ مالو تَختِم آيةَ عذابٍ برحمةٍ او آيةَ رحمةٍ بعذابٍ نحو قولك تعال و اقبل وهلم واذهب واَسرِع واعجل۔(رواه ابن ابی شيبة والطبری والطبرانی واللفظ لاحمد۔ **مسند احمد ۵/۵۱ المطبعة الميمنية**)

حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا اے محمدؐ! قرآن کوایک حرف پر پڑھیۓ حضرت میکائیلؑ نے عرض کیا زیادتی کا مطالبہ فرمائیے چنانچہ حضور علیہ السلام نے زیادتی کا مطالبہ فرمایا، جبریلؑ نے عرض کیا دو حروف پر پڑھیۓ ، میکائیلؑ نے دوبارہ عرض کیا مزید کا مطالبہ فرمائیے چنانچہ آپؐ نے مطالبہ فرمایا اسی طرح ہوتا رہا حتّٰی کہ سات احرف تک نوبت پہنچ گئی، جبریلؑ نے عرض کیا یہ سب شافی وکافی ہیں جب تک کہ آپ عذاب والی آیت کو آیتِ رحمت کے ساتھ یا رحمت والی آیت کو آیتِ عذاب کے ساتھ تبدیل نہ فرمائیں گے اوران سبعہ احرف کی مثالیں یہ ہیں تعَال، اَقبِل ،ھَلُمَّ ، اِذھَب ،اَسرِ ع، اِعْجَل (سب کامفہوم واحد ہے)﴿۲﴾قولِ ابنِ مسعودؓ: كقول احدكم هلم وتعال (**تفسیر الطبر ی جلد نمبر ۱ ص:۴۵**)﴿۳﴾**اثرِ ابن عباسؓ:** ان ابیّ بن كعب كان يقرا كلما اضاء لهم مشوا فيه مُرّوا فيه سعوا فيه (**تفسیر القرطبی ۱/۳۲**)﴿۴﴾ **اثرِ ابن عباسؓ ایضاً:**ان ابیّ بن كعب كان يقرا للذين امنوا اَنظِرونا للذين امنوا اَمهِلونا للذين امنوا اَخِّرونا للذين امنوا اُرقُبون ا(**حوالۂ بالا**)﴿۵﴾**اثرِ انس بن مالکؓ:** قرأ "ان ناشئة الليل هی اشد وطأً واصوب قيلاً" فقيل له: انما نقرأ "واقوم قيلاً" فقال انسؓ" واصوب قيلاً" "واقوم قيلاً" "واهيأ قيلاً" واحدٌ (**تفسیر القرطبی جلد ا ص:۳۶**)﴿۶﴾**جن احادیث میں** " انزل القرآن على سبعة احرفٍ عليماً حكيماً غفوراً رحيماً" (ابن ابی شيبة، طبری، احمد من حديث ابی سلمة عن ابی هريرةؓ) **وارد ہوا ہے ان کا بھی ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ابتداء اسلام کے زمانے میں اسماءِالٰہیّہ کی تبدیلی کی اجازت تھی جو بعد میں موقوف ہوگئی۔**

﴿چہارم﴾ وہ احادیث جن میں تسہیل اُمت ہی کیلئے سبعہ احرف بمعنٰی ''سبعہ لغاتِ عرب'' پر نزولِ قرآن کا تذکرہ ہے جنہیں قراء واہلِ فن اپنی اصطلاح میں ''اصول'' اور ''فُروشِ کُلیّہ'' سے تعبیر کرتے ہیں (مثلاً امالہ نجد تمیم قیس کا اور فتح حجاز کا لغت ہے۔ فُعلٌ میں عین کلمہ کا ضمہ حجازی اور سکون تمیمی اسدی قیسی لغت ہے۔ضَعف میں ضاد کا فتحہ تمیمی اور ضمہ حجازی و اسدی لغت ہے۔ حَتّٰی کی بجائے عَتّٰی ہذیل کا لغت ہے۔تِعلمون، اِعهد وغیرہ میں علامتِ مضارع کا کسرہ اسدی لغت ہے،ہمزۂ ساکنہ کا

ابدال قریشی اوراس کی تحقیق تمیمی لغت ہے،لمبی تا رَحمتُ، نعمتَ وغیرہ پر وقف بالہا قریشی اور وقف بالتّا بنی طے کا لغت ہے،بزَعمِهِم میں زا کا فتحہ حجازی اور ضمہ اسدی لغت ہے، یقنَط میں نون کا فتحہ عام اہل نجد کا اور کسرہ اہل حجاز واَسد کا لغت ہے،من یرتَد میں اسی طرح ادغام تمیمی اور من یر تَدِد بالاظہار حجازی لغت ہے،خُطُوٰت میں طا کا ضمہ حجاز واَسد کا اور سکون تمیم وبعضِ قیس کا لغت ہے قِیل وغیرہ میں اشمام عقیل اسد قیس کا اور خالص کسرہ قریش وبنی کنانہ کا لغت ہے،یا آت زوائد مثلاً یَومَ یا تِ ئیے لا تکلم اور وجھی لله ومن اتَّبَعَنِ ئیے وغیرہ میں یا کا اثبات حجازی اور حذف ہُذَلی لغت ہے،یٰاَیُّہُ السّحِر ُوغیرہ میں ھا کا ضمہ بنی اسد کا لغت ہے،بزِعمھم میں زا کا کسرہ بعضِ بنی تمیم وقیس کا لغت ہے،یقنُط میں نون کا ضمہ بھی بعضِ تمیم وقیس کا لغت ہے(جو بابِ نَصَرَ سے ہے)قیل کی بجائے قُول بَنی فقص کا لغت ہے،رِدّوا، رِدّت میں را کا کسرہ اور غیراسنٍ کی بجائے غیریاسنٍ بنی تمیم کا لغت ہے،علیٰ ہٰذا:ماھذا ابشرٌ بلغتِ ہُذیل،اَنَّ کی بجائے عَن بلغتِ تمیم،اعطٰی کی بجائے انطٰی بلغتِ سعد بن بکر وہذیل وغیرہ،اَنّک کی بجائے عَنّک بلغتِ قیس واَسد(وغیر ذٰلک)

یہ وہ احادیث ہیں جن میں یہ تذکرہ ہے کہ حضورِاقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تخفیف وتسہیلِ امت کی غرض سے بار بار حضرت جبرئیلؑ کو دربارِالٰہی میں واپس بھیجا اور مزید حصولِ تخفیف کی دعاء ودرخواست فرمائی اور اوّلاً جبریل امین ایک حرف کی پھر دوحرف ولغات کی اس کے بعد تیسری مرتبہ میں سبعہ احرف بمعنٰی سبعہ لُغات ولَہجاتِ عرب کی اجازت لے کرآئے مثلاً:یاأبیُّ أرسل الیّ ان اقراالقرآن علی حرف فرددتُّ الیه ان هوِّن علی امتی فردالیّ الثانیة اقراه علی حرفین فرددت الیه ان هوّن علی امتی فرد الیّ الثالثة اقراه علی سبعة احرف (صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین باب بیان ان القرآن انزل علی سبعۃ احرفٍ، نیز نسائی،طبری،مسند احمد،مسند ابی داوٗد الطیالسی،سنن البیہقی)
نیز یہ وہ احادیث ہیں جن میں مطلق ''انزل القرآن علی سبعة احرف '' کے الفاظ کے بعد کلھا شاف کاف آیا ہے(مثلاً مسند کبیر ابی یعلی میں حدیث سیّار بن سلامہ عن عثمان بن عفانؓ) یاایّھااقرأتَ اجزاَ ك کے الفاظ وارد ہوئے ہیں(مثلاً مسند احمد میں حدیثِ ام ایوب الانصاریہؓ)اہلِ عرب کو سہولت وآسانی کیلئے قرآن کریم کونقل وروایت اور تلقّی ومُشافہت کی روشنی میں سات لَہجات ولُغات میں قراءت کرنے کی اجازت دی گئی کہ ان سات لُغات والے قبائل میں سے ہر قبیلے کواپنے لُغت

کے مطابق تلاوت کرنے کی اجازت ورخصت دے دی گئی امام ابوعُبَید قاسم بن سلاّم کی رائے پر وہ سات لغات یہ ہیں: ﴿۱﴾قریش ﴿۲﴾ ہذیل ﴿۳﴾ثقیف ﴿۴﴾ ہوازن ﴿۵﴾ کنانہ ﴿۶﴾تمیم ﴿۷﴾ یمن ۔اور بقول ابن عباسؓ وہ سات لغات یہ ہیں: ﴿۱﴾قریش ﴿۲﴾خزاعہ ﴿۳﴾ سعد بن بکر ﴿۴﴾ جعشم بن بکر ﴿۵﴾ نصر بن معاویہ ﴿۶﴾ ثقیف ﴿۷﴾ بنی دارم (فضائل القرآن للامام ابی عبیدص:۲۰۴) ۔قرآنی چیلنج ہرلغت والے کو تھا، لُغاتِ عرب سب کی سب بالجُملہ ایک ہی ''لسان عربی'' کی مصداق تھیں ، سات لغات سے قرآن کریم پورے عرب کیلئے آسان ہوگیا، بلا اجازتِ سبعہ احرف دعوت اسلامیہ کامیاب نہ ہوسکتی، نیز مختلف لُغات وقراآت سے قرآنی معجزہ کا اظہار ہوتا ہے کہ باوجود لفظی اختلاف کے باہم تخالف نہیں پایا جاتا۔سبعہ لُغات پر نُزولِ قرآن وما جعل علیکم فی الدین من حرجٍ، یرید اللّٰہ بکم الیسر، لا یکلف اللّٰہنفساً الا وسعھا، ومن آیٰتِہٖ خلق السمٰوات والارض واختلاف السنتکم والوانکم اِن آیاتِ قرآنیّہ کے بمصداق ہوا۔اُمّیَّت (ناخواندگی ونانوشتگی) عرب کا مشہور وصف تھا، اُمّیّین کیلئے بالخصوص ایک حرف ولُغت کی پابندی میں زیادہ مشقت کا سامنا ہوتا لہٰذا سبعہ لُغات واَحرُف کی اجازت دی گئی۔اسی طرح سن رسیدہ مَردوں عورتوں اور صغیرالسن بچوں بچیوں کیلئے بھی ایک ہی لغت کی پابندی کی صورت میں دشواری دو چند ہو جاتی اس وجہ سے بھی صغیر وکبیر عرب اُمّیّین کی سہولت کیلئے انکی لغات کے اختلاف وتفاوت کی رعایت کوملحوظ رکھتے ہوئے سبعہ احرف ولغاتِ عربیہ متعددہ مختلفہ کی اجازت دیدی گئی جس سے یہ غرضِ مقصود بدرجۂ اتم پوری ہوگئی کہ کم سے کم عرصے میں روئے زمین پر قرآنی قانون نافذ وشائع ہوکر فساد کا قلع وقمع ہوجائے۔ابومحمد عبداللہ ابن قتیبہ اپنی ''کتاب المشکل''میں کہتے ہیں کہ:حق تعالیٰ نے آسانی عطا کرنے کیلئے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوحکم دیا کہ اپنی اُمّت کوانکی زبان اور عادت (ولُغت) کے موافق الفاظ میں قرآن پڑھائیں چنانچہ ﴿۱﴾ ہذیل حَتّٰی کی بجائے عَتّٰی بولتے تھے ﴿۲﴾اسدی تِعلَمُونَ، تِعلَمُ، وَ تِسوَدُّ وُجُوہٌ اور اَلَم اِعھَد اِلَیکُم میں علامتِ مضارع کوکسرہ سے ادا کرتے تھے ﴿۳﴾ بنی تمیم یُؤ مِنُونَ۔شِئتَ۔کَدَأب وغیرہ میں ہمزہ پڑھتے تھے ﴿۴﴾اورقریش ابدال کرتے تھے ﴿۵﴾ بعض عرب قِیلَ لَھُم اور غِیضَ المآءُ میں کسرہ کاضمہ سے ﴿۶﴾اور بِضَاعَتُنا رُدَّت میں را کے ضمہ کا کسرہ سے اشمام کرتے تھے ﴿۷﴾ اور مَالَكَ لَا تَأ مَنَّا میں ادغام اورضمہ کا اشمام

کرتے تھے ﴿۸﴾ بعض عرب عَلَیهُم، فِیهُم بضمہٴ ھا ﴿۹﴾ اور بعض عَلَیهِمُو ۔مِنهُمُو صلہٴ ضمہ سے پڑھتے تھے ﴿۱۰﴾ بعض قَد افلَح ۔قُلُ اوحِی ۔خَلَوا اِلیٰ میں نقل کرتے تھے ﴿۱۱﴾ بعض حضرات مُوسی ۔عِیسی اور الدُّنیا امالہٴ محضہ سے ﴿۱۲﴾ اور بعض تقلیل (چھوٹے امالے) سے پڑھتے تھے ﴿۱۳﴾ بعض عرب خبیـرًا اور بصیـرًا کو ترقیق راسے ﴿۱۴﴾ اور بعض اَلصّلوۃَ اور الطّلاقُ کو لام کی تفخیم سے پڑھتے تھے۔ابن قتیبہ کہتے ہیں اگر ان حضرات میں سے کوئی گروہ یہ چاہتا کہ وہ اپنے لُغت کو اور اپنی بچپن اور جوانی اور کبرسنّی کی پڑی ہوئی عادت کو چھوڑ دے اور کوئی دوسرا لغت اختیار کر لے تو اسمیں اسکو بڑی دشواری پیش آتی اور انتہائی محنت اُٹھانی پڑتی اور عرصے تک مشق کرنے اور زبان کو مُسَخّر کرنے اور عادت کو ترک کرنے کے بعد یہ ممکن ہوتا اسلئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے جس طرح اس اُمت کو ''دین کے احکام'' میں آسانی دی تھی اسی طرح اپنے لُطف و اِنعام سے قرآن کے لُغات اور اسکی حرکات وسکنات میں بھی وسعت اور متعدد طرق سے پڑھنے کی اجازت عطا فرمادی'' (النشر الکبیر جلد نمبرا ص:۲۲، ۲۳) علامہ بدرالدین زرکشی فرماتے ہیں: ''سبعہ احرف پر انزالِ قرآن کی اَجَلّ حکمت اور اَہم غرض یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن کی بابت عرب پر تیسیر وآسانی پیدا کردی جائے۔احرفِ سبعہ پر اِنزالِ قرآن منجانب اللہ اُمّتِ محمدیّہ پر توسّع ورحمت اور تخفیف وتیسیر کا معاملہ ہے کیونکہ اگر عرب کا ہر قبیلہ فتح وامالہ، تحقیق وتخفیف، مدوقصر وغیرہ کے متعلق اپنی عادی وطبعی لغت کو چھوڑ کر چاروناچار دوسرے قبیلہ کے لغت کے موافق پڑھنے کا مکلّف قرار دیدیا جاتا تو اِس میں بہت مشقت وتنگی لازم آتی۔'' (البرھان فی علوم القرآن للزرکشی جلد نمبرا ص:۲۲۷)

﴿پنجم﴾ وہ احادیث جن میں ''سبعہ احرف بمعنیٰ سبعہ انواعِ اختلافاتِ قراءت'' پر نزولِ قرآن کا تذکرہ ہے جن کو قراء واہلِ فن اپنی اصطلاح میں ''جزوی فرش الحروف'' سے تعبیر کرتے ہیں، یہ وہ احادیث ہیں جن میں جزوِ غالب کے طور پر مختلف قراآت اور مخصوص فرشی اختلافات کی بابت صحابہٴ کرامؓ کے باہم مخاصمہٴ ونزاع کا اور پھر سبعہ احرف پر نُزولِ قرآن کے حوالے سے ہر صحابی کی قراءت کے متعلق فرمانِ نبویؐ ''قداحسنتَ'' ''کذالك انزلَت'' ''قد اصبتَ'' وغیرہ کا بیان ہے، مثلاً سورہٴ فُرقان کی مختلف قراآت۔جَنَّۃٌ نَّأ کُلُ ۔تَشَّقَّقُ ۔سُرُجاً اور جَنَّۃٌیَّأ کُلُ ۔تَشَقَّقُ ۔سِراجاً ۔کی بابت حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ہشام بن حکیم بن حزامؓ کے مابین مُخاصمہٴ ونزاع والی حدیث میں دونوں

حضرات کا اختلاف وتنازع، فرشی اختلافات مخصوصہ کے بارے میں ہوا تھا (لُغات کا اختلاف اسلئے نہ تھا کہ دونوں ہی حضرات قریشی تھے) اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ہی قراآت واختلافات اور فرش الحروف کی تصدیق وتصویب فرمائی تھی (صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ عزوجل فاقرَءُوا ماتیسَّر من القرآن۔ کتاب فضائل القرآن باب انزل القرآن علیٰ سبعۃ احرف۔ صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین باب بیان انّ القرآن انزل علی سبعۃ احرف۔ جامع الترمذی ابواب القراآت باب ما جاء انزل القرآن علی سبعۃ احرف۔ سنن النسائی کتاب الافتتاح باب جامع ما جاء فی القراءۃ۔ سنن ابی داؤد کتاب الوتر باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف)۔ وغیرذٰلک۔ ان احادیث میں سبعہ احرف کا مصداق، ''جز وی ومخصوص فرش الحروف کی سبعہ انواعِ اختلافِ لفظی وقراءتی'' ہیں۔

''حرف'' کے اصل معنیٰ ''وجہ'' اور ''نوع'' کے ہیں اور یہاں قراءت وتلفظِ الفاظِ قرآنیہ کی سات اَوجُہ واَنواع مراد ہیں جو بقولِ علامہ محقق ابن الجزری صاحب الحصن الحصین حسبِ ذیل ہیں:

﴿۱﴾ تغیُّرِ حرکت مع اتحاد المعنیٰ اُفِّ اُفَّ، یَحسَبُ یَحسِبُ ﴿۲﴾ تغیُّرِ حرکت مع اختلاف المعنیٰ وَقَد اَخَذَ مِیثَاقَکُم، وَقَد اُخِذَ مِیثَاقُکُم، وَاتَّخِذُوا، وَاتَّخَذُوا ﴿۳﴾ تغیُّرِ حرف مع اتحاد المعنیٰ (بَصطَۃً، بَسطَۃً) ﴿۴﴾۔ تغیُّرِ حرف مع اختلاف المعنیٰ دون الکتابۃ (تبلُوا، تتلُوا) ﴿۵﴾ تغیُّرِ حرف مع اختلاف المعنیٰ والکتابۃ جمیعاً (اَشَدَّ مِنهُم، اَشَدَّ مِنکُم) ﴿۶﴾ تقدیم وتاخیر (وَقٰتَلُوا وَقُتِلُوا، اور وَقُتِلُوا وَقٰتَلُوا) ﴿۷﴾ زیادت ونقصِ حرف (وَمَا عَمِلَتہُ۔ وَمَا عَمِلَت) اس اختلافِ لفظی وقراءتی کی توجیہ یہ ہے کہ چند مخصوص حروف وکلماتِ قرآنیّہ کو کتاب اللہ کی اعجازی شان کے اظہار کی غرض سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بطورِ تنوُّع وتفنُّن یعنی ایک ہی مضمون کو مختلف پیراؤں سے تعبیر کرنے کے لحاظ سے مختلف کیفیاتِ بیان وصِیَغِ تعبیر کے مطابق نازل فرمایا ہے جن کی تعلیم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریلِ امین نے رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ان مختلف ومتعدد دوروں میں دی جو ہر رمضان المبارک میں وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ کیا کرتے تھے مثلاً وَوَصّٰی بِھَا، وَاَوصٰی بِھَا۔ لَئِن اَنجٰنَا، لَئِن اَنجَیتَنَا، وَلَا تُسئَلُ، وَلَا تَسئَل وغیرذٰلک۔ اور ظاہر ہے کہ ایک ہی مضمون ومقصد کو مختلف پیراؤں میں بیان کرنا علمِ فصاحت وبلاغت اور علمِ بیان کی خوبیوں میں سے ہے لہٰذا قرآن کریم کو ایسی خوبیوں سے بھی خالی نہیں رکھا گیا۔ پھر حدیثِ سبعہ احرف کے علاوہ ایسے فرش الحروف

کی بابت بعض دیگر جزوی روایات واحادیث بھی وارد وثابت ہوئی ہیں جو سنن ابی داؤد اور جامع الترمذی کے ابواب القراآت میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں مثلاً مَلِكِ یَومِ الدِّینِ، تُغفَرلَکُم خَطٰیٰکُم، وَالعَینُ بِالعَینِ،هَل تَّستَطِیعُ رَبَّكَ، فَلتَفرَحُوا، هُوَخَیرٌمِّمَّاتَجمَعُونَ، اِنَّهُ عَمِلَ غَیرَصَالِحٍ، فِی عَینٍ حَامِیَةٍ، فَرُوحٌ وَّرَیحَانٌ، لَایُعَذَّبُ عَذَابَه‘،وَلَایُوثَقُ وَثَاقَه‘۔ یہ تمام فرش الحروف اور قراآت مختلفہ، جُزوی احادیث وروایات سے بھی ثابت ہیں۔اور یہ اختلاف،لُغات واُصول اورفروش کُلّیہ کے علاوہ غَیبت وخطاب، توحید وجمع، تبدُّلِ حروف وحرکات، تفنُّنِ تعبیرات اور تنوُّعِ تراکیبِ نحویّہ وغیرہ کے لحاظ سے اُن فرش الحروف اور جزوی اختلافات کے اعتبار سے ہے جو اعجازِ قرآنی وتفنُّنِ عبارات کی خوبی کے موافق متعددوُجوہ اورمختلف طرق بیان کی شکل میں مستقلاً نازل ہوئے ہیں

﴿مختلف قراآت کی مُتنوِّع ومُعجزانہ توجیہات وتعبیرات کی چندمثالیں﴾

﴿مثال نمبر۱﴾ بقرہ رکوع نمبر۲ بِمَاکَانُوایَکذِبُونَ میں دوقراءتیں ہیں ایک اسی طرح بابِ ضَرَبَ سے۔جس کے معنٰی یہ ہیں کہ ''منافقین کیلئے دردناک عذاب ہے بسبب اِس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے'' دوسری بِمَاکَانُوایُکَذِّبُونَ بابِ تفعیل سے، جس کے معنٰی یہ ہیں کہ ''بسبب اِس کے کہ وہ جُھٹلاتے تھے''۔ظاہر ہے کہ منافقین میں دونوں ہی باتیں پائی جاتی تھیں کیونکہ وہ ایمان کے دعوے میں جھوٹے بھی تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کو جُھٹلاتے بھی تھے۔فیا سبحان اللّٰہ!۔

﴿مثال نمبر۲﴾ بقرہ رکوع نمبر۴ فَاَزَلَّهُمَا الشَّیطٰنُ عَنهَا میں دوقراءتیں ہیں ایک اسی طرح فَاَزَلَّهُمَا اِزلَال سے، جسکے معنٰی یہ ہیں کہ ''شیطان نے حضرت آدم اور حوّا علیہمـا السلام دونوں کو جنت سے پُھسلا دیا'' دوسری فَاَزَالَهُمَا ازالہ سے، جسکے معنٰی یہ ہیں کہ ''شیطان نے ان دونوں کوجنّت سے ہٹا دیا اور دُور کردیا پس ان کو اُس عیش سے نکال دیا جسمیں وہ تھے'' ظاہر ہے کہ پُھسلانے کے نتیجے ہی میں دونوں کو جنّت سے نکالا گیالہٰذا دونوں قراءتوں کی تعبیرات کا حاصلِ مفہوم ایک ہی ہوا فیاسبحان اللّٰہ

﴿مثال نمبر۳﴾ بقرہ رکوع نمبر۴ فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِن رَّبِّهٖ کَلِمٰتٍ میں دوقراءتیں ہیں ایک اسی طرح برفعِ آدَمُ ونصبِ کَلِمٰتٍ۔جس کے معنٰی یہ ہیں کہ ''آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی جانب سے کُچھ دُعائیہ کلمات حاصل کرلئے'' دوسری فَتَلَقّٰی اٰدَمَ مِن رَّبِّهٖ کَلِمٰتٌ بنصبِ آدَمَ ورفعِ کَلِمٰتٌ۔ جس کے معنٰی یہ ہیں کہ ''آدم علیہ السلام کو اپنے پروردگار کی جانب سے چند کلمات حاصل ہوگئے'' پہلی

قراءت حضرت آدمؑ کی گریۂ وزاری کے لحاظ سے ہے جبکہ دوسری قراءت بارگاہِ الٰہی میں اِس گریۂ وزاری کی قبولیت اور پھر اس کے نتیجے میں عطاءِ کلمات کے ذکر پر مشتمل ہے فیا سبحان اللّٰہ!

﴿مثال نمبر۴﴾ بقرہ رکوع نمبر۶ وَلَا یُقبَلُ مِنھَا شَفَاعَۃٌ میں دوقراءتیں ہیں ایک اسی طرح وَلَا یُقبَلُ بیاء التذکیر۔کیونکہ شَفَاعَۃٌ کی تانیث غیر حقیقی اور صرف لفظی ہے اور فعل وفاعل میں مِنھَا کا فاصلہ بھی ہے اسلئے اس کو تذکیر کی یاء سے پڑھا گیا جیسا کہ فَقَدجَآءَ کُم بَیِّنَۃٌ انعام رکوع نمبر۲۰ اور لَولَآاَن تَدٰرَکَہ، نِعمَۃٌ القلم رکوع نمبر۲ میں بھی فاعل کی لفظی تانیث کی وجہ سے تذکیر آئی ہے دوسری وَلَاتُقبَلُ بتاء التانیث کیونکہ اس کا فاعل شَفَاعۃٌ ہے جو لفظاً مؤنث ہے اسلئے فعل کا مؤنث لانا بھی بلاشبہ درست ہے فیا سبحان اللہ!۔

﴿مثال نمبر۵﴾ بقرہ رکوع نمبر۹ وَاَحَاطَت بِہٖ خَطِیئَتُہ، میں دوقراءتیں ہیں ایک اسی طرح بالتوحید ، کیونکہ خطیۂ سے مراد کفر اور جنسِ کبائر ہے دوسری خَطِیئٰتُہ، بالجمع ، کیونکہ خطیئات سے مراد کبیرہ گناہ ہیں جو متعدد ہیں نیز کفار بہت سے ہیں جن پر آیت کا آخر فَاُولٰٓئِکَ اَصحٰبُ النَّارِ ھُم فِیھَا خٰلِدُونَ دال ہے یا کفر پر قائم رہنے کو بار بار گناہ کے مرتبے میں قرار دیا گیا ہے فیا سبحان اللہ!۔

﴿مثال نمبر۶﴾ بقرہ رکوع نمبر۱۵ فَاُمَتِّعُہ، میں دوقراءتیں ہیں ایک اسی طرح بتشدید التاء، باب تفعیل سے، جو کثرت پر دال ہے یعنی'' میں کافروں کو تھوڑے زمانے اور صرف دنیوی زندگی کی حد تک خوب سامانِ عیش دونگا'' دوسری فَاُمتِعُہ، بتخفیف التاء، باب افعال سے اور یہ قلیلاً کے مناسب ہے جو بعد میں آرہا ہے یعنی ''بمقابلۂ نعمائے آخرت میں کافروں کو صرف دنیوی زندگی کا تھوڑا بہت سامانِ عیش دونگا'' حاصل یہ کہ تکثیر بلحاظ نعمائے دنیا اور تقلیل بمقابلۂ نعمائے آخرت ہے، ظاہر ہے کہ دونوں ہی قراءتیں اپنی اپنی جگہ برحق ہیں فیا سبحان اللہ!۔

﴿مثال نمبر۷﴾ بقرہ رکوع نمبر۱۶ اَم تَقُولُونَ میں دوقراءتیں ہیں ایک اسی طرح بتاء الخطاب، اس میں ماقبل کے چار خطابات قُل اَتُحَآجُّونَنَا، وَرَبُّکُم،وَلَکُم اَعمَالُکُم اور بعد کے دوخطابات ءَ اَنتُم، عَمَّا تَعمَلُونَ اِن چھ ضمائرِ خطاب کی رعایت ہے دوسری اَم یَقُولُونَ بیاء الغیب، اس میں ماقبل کی پانچ ضمائرِ غیب فَاِ ن اٰمَنُوا،فَقَدِاھتَدَوا،وَاِن تَوَلَّوا، فَاِنَّمَاھُم،فَسَیَکفِیکَھُمُ کی رعایت ہے نیز اس میں قُل اَتُحَآجُّونَنَا وغیرہ کے خطابات کے لحاظ سے خطاب سے غیب کی طرف التفات کی خوبی

بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ سورۂ یونس رکوع نمبر۳ میں حَتّٰی اِذَا کُنتُم فِی الفُلكِ کے بعد وَجَرَینَ بِهِم بِرِیحٍ طَیِّبَةٍ میں بھی خطاب سے غیب کی طرف التفات ہے فیا سبحان اللّٰه!۔

﴿مثال نمبر۸﴾ بقرہ رکوع نمبر۲۸ وَلَاتَقرَبُوهُنَّ حَتّٰی یَطهُرنَ میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح حَتّٰی یَطهُرنَ باب کَرُمَ سے، اِس کے معنٰی یہ ہیں کہ "حیض والی عورتوں سے صحبت اس وقت جائز ہے جبکہ خون کی بندش کے ذریعہ بس نفسِ طُہر انہیں حاصل ہوجائے" یہ اُن عورتوں کے بارے میں ہے جن کا خون پورے دس دن پر بند ہوا ہو، دوسری حَتّٰی یَطَّهَّرنَ باب اِفَّعُّل سے۔ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ "حیض والی عورتوں سے صحبت اس وقت جائز ہے جبکہ وہ خوب پاک صاف ہوجائیں" یعنی خون کی بندش کے بعد غسل بھی کرلیں کیونکہ تخفیف کے مقابلہ میں تشدید معنٰی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، یہ ان عورتوں کے متعلق ہے جن کا خون دس دن سے کم پر بند ہوا ہوان سے بغیر غسل کیے صحبت جائز نہیں اس طرح دو قراءتوں میں سے ہر قراءت ایک مستقل حکم اور معنٰی پر دلالت کر رہی ہے فیا سبحان اللہ!۔

﴿مثال نمبر۹﴾ نساء رکوع نمبر۱۳ یٰاَیُّهَاالَّذِینَ اٰمَنُوااِذَاضَرَبتُم فِی سَبِیلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوا میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح فَتَبَیَّنُوا، اس کے معنٰی یہ ہیں کہ "کسی نومسلم کو جلدی سے قتل نہ کردو بلکہ تحقیق کرلو" دوسری فَتَثَبَّتُوا اس کے معنٰی یہ ہیں کہ "اطمینان سے کام لو جلدی نہ کرو" ظاہر ہے کہ دونوں باتوں میں کوئی ضدیت نہیں کیونکہ اوّلاً طمانینت وسکون سے کام لیا جائیگا تو ثانیاً اسی کے نتیجے میں تحقیقِ صورتِ حال کا وُقوع ہوگا فیا سبحان اللہ!

﴿مثال نمبر۱۰﴾ مائدہ رکوع نمبر۲ وَاَرجُلَکُم اِلَی الکَعبَینِ میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح وَاَرجُلَکُم بنصب اللام اِس کے معنٰی یہ ہیں کہ "وضوء میں دونوں ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا مطلوب ہے" کیونکہ اس صورت میں یہ لفظِ وُجُوهَکُم پر معطوف ہوگا جو مغسول ہے۔ دوسری وَاَرجُلِکُم بجرّ اللام اس کا مفہوم یہ ہے کہ "وُضوء میں پاؤں کا مسح مطلوب ہے" کیونکہ اس صورت میں یہ بِرُءُ وسِکُم کے لفظِ رُءُ وسِکُم پر معطوف ہوگا جو ممسوح ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح یوں فرمادی کہ یہ دو مختلف حالتوں کے لحاظ سے دو مستقل احکامِ شرعیہ ہیں کہ مسح (علیٰ قراءۃ الجرّ) موزے پہننے والے کیلئے ہے اور غسل (علیٰ قراءۃ النصب) موزے نہ پہننے والے کیلئے ہے فیا سبحان اللّٰه!

(النشر ۱/ ۲۸، ۲۹۔ مناہل العرفان للزرقانی ۱/ ۱۴۰، ۱۴۱۔ مقدمۂ کتاب المبانی ۲۳۰، ۲۳۱)

﴿ دورِ عثمانی میں بعض غیر فصیح سبعہ احرف ولُغات کی موقوفیّت ﴾

دورِ عثمانی کے مصاحفِ عثمانیہؔ میں ''سبعہ کلماتِ مترادفات'' کے ان مواقع میں جن میں الفاظ تو کئی تھے مگر معنٰی سب کے ایک ہی تھے ہر ہر جگہ حرفِ قریش کے مطابق صرف ایک ایک اسی کلمۂ مترادفہ کو باقی رکھ کر، جس کے موافق اولاً قرآن کریم نازل ہوا تھا۔ عُثمانی مصاحف لکھے گئے اور بقیّہ چھ لُغاتِ مترادفہ کا ان مصاحف میں قطعاً لحاظ نہ رکھا گیا مثلاً قُل تَعَالَوا، قُل هَلُمَّ میں اَقبِلُوا اَسرِعُوا اِعجَلُوا اور تَعَال اَقبِل اَسرِع اِعجَل کا اور مَشَوا فِيهِ میں مَرُّوا فِيهِ سَعَوا فِيهِ کا اور لِلَّذِينَ اٰمَنُوا انظُرُونَا میں اَخِّرُونَا اُرقُبُونَا کا اور وَاَقوَمُ قِيلاً میں اَصوَبُ قِيلاً اَهيَاُ قِيلاً کا لحاظ نہ رکھا گیا۔

مگر مترادفات کے علاوہ ''سبعہ لُغاتِ عرب'' اور ''سبعہ انواعِ اختلافِ قراءت'' کا اِن مصاحفِ عثمانیہؔ میں عرضۂ اخیرہ اور لُغتِ قریش کی روشنی میں یقیناً لحاظ رکھا گیا تھا۔ اور ان کو ثابت و بدستور رکھا گیا تھا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ دورِ عثمانی میں قریشی حرف ولُغت ووجہِ اختلافی کو تو حسبِ سابق کُلّی طور پر باقی رکھا گیا تھا اور اس کا کوئی فرد بھی موقوف نہ کیا گیا تھا لیکن غیرِ قریشی باقی چھ احرف ولغات واَنواعِ اختلافِ قراءت میں سے جُز وِ غالب کے طور پر صرف ان اَحرف ولُغات واختلافاتِ قراءت کو باقی رکھا گیا تھا جو اُس عرضۂ اخیرہ اور آخری دورِ نبوی میں بھی مقروء ہوئے تھے جو حضورِ امین صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری سال وفات میں حضرتِ جبرئیل روح الامین علیہ السلام کے ساتھ ماہِ رمضان المبارک میں فرمایا تھا اور لُغتِ قریش کے تابع ہو کر وہ لُغات واختلافات عند قریش بھی معتبر و متداول و مقبول و مستعمل ہونے لگ گئے تھے اور اُنہیں کی لُغت میں شامل ہو گئے تھے۔

﴿ عرضۂ اخیرہ کے مطابق اختلافاتِ قراءت ﴾

﴿ نیز غیر قریشی لُغاتِ ستّہ فصیحہ معتبرہ عند قریش غیر منسوخہ کی امثلہ ﴾

﴿ نمبر ١ ﴾ امالہ نجد تمیم قیس کا لُغت ﴿ نمبر ٢ ﴾ فُعل کے وزن میں عین کلمہ کا سکون مثلاً عُــــذرً ااَو نُــذرًا، نُكرًا، يُسرًا تمیم اسد قیس کا لُغت ﴿ نمبر ٣ ﴾ ضَعف میں ضاد کا فتحہ تمیم کا لُغت ﴿ نمبر ٤ ﴾ ہمزۂ ساکنہ کی تحقیق مثلاً يُؤمِنُونَ كَدَأبِ بِئسَ وغیرہ تمیم کا لُغت ﴿ نمبر ٥ ﴾ بِزُعمِهِم میں زا کا ضمہّ اسدی لُغت ﴿ نمبر ٦ ﴾ يَقنَطُ میں نون کا فتحہ نجد کا لغت ﴿ نمبر ٧ ﴾ مَن يَّرتَدَّ میں اسی طرح ادغام تمیم کا لغت ﴿ نمبر ٨ ﴾ خُطوٰتِ میں طا کا سکون تمیم وبعضِ قیس کا لغت ﴿ نمبر ٩ ﴾ قِيلَ وغیرہ میں اشمام عقیل

اسد قیس کالُغت ﴿نمبر۱۰﴾ یا آت زوائد وَجھِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ یے، یَومَ یَاتِ یے لَا تَکَلَّمُ وغیرہما میں یا کا حذف ہذیل کالُغت ﴿نمبر۱۱﴾ یٰـاَیُّـہُ السّٰحِرُ وغیرہ میں ھا کا ضمہ بنی اسد کالغت۔ ﴿نمبر۱۲﴾ لمبی تا مثلاً ذِکرُ رَحمَتِ رَبّكَ، یَعرِفُونَ نِعمَتَ اللّٰہِ وغیرھما میں وقف بالتّا (رَحمَت نِعمَت) بنی طے کالغت (اور مُرَوَّجہَ غالب روایتِ حفص میں بھی ان میں سے اکثر و بیشتر لُغات مقروء وموجود ہیں) وغیرذالکَ۔ دورِ عثمانی میں ایسے اختلافاتِ قراءات اور ایسے لُغات قطعاً منسوخ نہ ہوئے تھے بلکہ بحال و بدستور ہی رہے تھے۔ البتہ ان کے علاوہ حضرتِ عثمان غنیؓ نے اپنے دورِ مبارک میں سدًّا لباب النزاع و اعتباراً لانتهاء الحكم بانتهاء العلّة باجماعِ صحابہٴ کرامؓ ان بعض اختلافاتِ قراءات کو جو عرضہٴ اخیرہ میں مقروء نہ ہوئے تھے نیز غیر قریشی اُن بعض چھ احرف ولُغات کو جو نہ تو عرضہٴ اخیرہ میں مقروء ہوئے تھے اور نہ ہی وہ عند قریش معتبر و مقبول و متداول و مستعمل تھے موقوف قرار دے دیا تھا۔ مثلاً وَجَاءَت سَکرَۃُ الحَقِّ بِالمَوتِ والا اختلافِ قراءت موقوف فرمادیا جو عرضہٴ اخیرہ میں نہ تھا۔ سورۃ اللیل میں وَالذَّکَرِ وَالاُنثٰی والی قراءت کی ممانعت فرمادی جو عرضہٴ اخیرہ میں نہ تھی۔ سورۃ الذاریات میں اِنّی اَنَا الرَّزَّاقُ ذُوالقُوَّۃِ المَتِینُ والی قراءت موقوف فرمادی جو عرضہٴ اخیرہ میں نہ تھی۔ اسی طرح حتّٰی کی جگہ عَتّٰی بلُغتِ ہذیل پڑھنے کی اجازت موقوف فرمادی۔ علامتِ مضارع کا کسرہ تِعلَمُونَ، اِعھَد وغیرہ بلُغتِ اسد پڑھنا ناجائز قرار دے دیا، رُدُّوا میں بلُغتِ بنی تمیم را کو کسرہ سے پڑھنے کی ممانعت فرمادی کیونکہ عرب میں لسانی تعصُّب کا جو اندیشہ شروع زمانہٴ اسلام میں تھا اب اس کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ لہٰذا صرف لغات معتبرہ عند قریش پر اکتفا کیا گیا۔ اور پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) صحابہٴ کرامؓ کے اجماع و اتفاق سے لغات غیر معتبرہ عند قریش کی اجازت موقوف کردی گئی.......

﴿ عرضہٴ اخیرہ میں غیر مقروء اختلافاتِ قراءت ﴾

﴿ نیز غیر قریشی لغات ستّہ منسوخہ شاذہ غیر فصیحہ غیر معتبرہ عند قریش کی بعض دیگر امثلہ ﴾

﴿نمبر۱﴾ اِذَا جَاءَ فَتحُ اللّٰہِ وَالنَّصرُ ﴿نمبر۲﴾ فَالیَومَ نُنَحّیكَ بِبَدَنِكَ ﴿نمبر۳﴾ تَبَّت یَدَا اَبِی لَھَبٍ وَّقَد تَبَّ ﴿نمبر۴﴾ جملہ قراآت تفسیریہ مثلاً سورۃ البقرہ رکوع ۲۵ میں اَن تَبتَغُوا فَضلاً مِّن رَّبِّکُم کے بعد فِی مَوَاسِمِ الحَجِّ۔ سورۃ الانفال رکوع ۱۰ میں وَفَسَادٌ عَرِیضٌ۔ سورۃ الجمعہ رکوع ۲ میں فَامضُوا اِلٰی ذِکرِ اللّٰہِ۔ سورۃ القارعہ میں کَالصُّوفِ المَنفُوشِ۔ سورۃ الکہف رکوع ۱۰ میں

يَـاخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصباً ۔سورۃ المائدہ رکوع ۶ میں فَـاقطَعُوا اَيمَا نَهُمَا ۔اسی سورت کے رکوع ۱۲ میں فَصِيَامُ ثَلاثَةِ اَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ ۔سورۂ یٰسٓ رکوع ۲و۴ میں اِن كَانَت اِلَّا زَقيَةً وَّا حِدَ ةً ۔سورۃ الاحزاب رکوع ۱ میں وَاَزوَاجُه' اُمَّهٰتُهُم وَهُوَ اَبُوهُم ۔سورۃ الاسراء رکوع ۳ میں وَوَصّٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعبُدُوا الخ ۔سورۃ الفاتحہ میں صِـرَاطَ مَن اَنعَمتَ عَلَيهِم...وَغَيرِ الضَّالِّينَ ۔سورۃ الواقعہ رکوع ۳ میں وَتَـجـعَـلُـونَ شُـكرَكُم اَنَّكُم تُكَذِّبُونَ ۔سورۃ النساء رکوع ۲ میں وَلَـهُ اَخٌ اَو اُختٌ مِّن اُمٍّ ۔ سورۃ البقرہ رکوع ۳۱ میں وَالصَّلوٰةِ الوُسطٰی صَلوٰةِالعَصرِ ۔سورۃ القلم رکوع ۲ میں وَاِن يَّكَادُ الَّذِينَ كَـفَـرُوا لَيُـزهِقُونَكَ ۔سورۃ البقرہ رکوع ۲۳ میں وَ عَـلَـی الَّـذِيـنَ يَـطَّـوَّقُـو نَـه'۔ وغیرذٰ لک۔

﴿نمبر۵﴾ بِـزِعـمِـهِـم میں زا کا کسرہ، بعضِ بنی تمیم وقیس کا لُغت ﴿نمبر۶﴾ يَـقـنُـطُ میں نون کا ضمہ بھی بعض تمیم وقیس کا لُغت جو بابِ نَصَرَ سے ہے ﴿نمبر۷﴾ قِيـــلَ کی بجائے قُـــولَ بنی فقص کا لُغت ﴿نمبر۸﴾ غَيـرِ يَاسِنٍ بنی تمیم کا لُغت ﴿نمبر۹﴾ مَـاهٰذَابَشَرٌ بلُغت ہذیل ﴿نمبر۱۰﴾ اَنَّ کی بجائے عَنَّ بلُغتِ تمیم ﴿نمبر۱۱﴾ اَعطٰی کی جگہ اَنـطٰی بلُغتِ سعد بن بکر وہذیل وغیرھما ﴿نمبر۱۲﴾ اَنَّكَ کی بجائے عَنَّكَ بلُغتِ قیس واسد وغیرذٰ لک۔

عہدِ عثمانی میں یہ تمام لُغات غیر معتبرہ عندقریش منسوخ کردی گئی تھیں۔اب اگر لُغتِ قریش کی تابعیت سے قطع نظر کر کے فی حدّ ذاتہٖ اُن باقی چھ احرف ولغاتِ معتبرہ عندقریش کی طرف نظر کی جائے جو اوّلاً مذکور ہوئیں مثلاً امالہ، سکونِ عینِ فُعلُ ،فتحۂ ضَعف ،تحقیقِ ہمزۂ ساکنہ وغیرہ تب تو یہ کہا جائے گا کہ دورِ عثمانی میں ساتوں ہی احرف ولُغات کو باقی رکھا گیا تھا اگرچہ ان میں کُلّیّت واَغلَبِیّت کا فرق ضرور تھا لیکن اگر لُغتِ قریش کی تابعیت کو ملحوظ رکھ کر متبوع اور اصل لُغتِ قریش کی طرف نظر کی جائے تو پھر مجازاً بایں معنٰی کہ تابع بحکم متبوع ہی ہوتا ہے یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ دورِ عثمانی میں صرف لُغتِ قریش ہی کو باقی رکھا گیا تھا اور اس کے علاوہ باقی چھ احرف ولُغات کو جزوِ مغلوب کے طور پر موقوف قرار دے دیا گیا تھا۔

باقی لُغتِ قریش کو متبوع اس لیے کہا گیا کہ وہ جامع اللغات ہونے کے سبب باقی چھ احرف ولُغات کے بعض اجزاء کو بھی شامل ومحیط وحاوی تھی اس بنا پر مجازاً اُن بعض احرف ولُغاتِ ستّہ باقیہ معتبرہ عندقریش کو بھی لُغتِ قریش ہی کا نام دے دیا گیا۔

﴿ لُغتِ قریش کے جامع اللغات ہونے ﴾

﴿ اورمصاحف عثمانیہ میں جملہ سبعۂ احرف کی بقائیت کے چند دلائل کا تذکرہ ﴾

﴿ دلیل نمبرا ﴾ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے ''کتاب فضائل القرآن'' میں ایک باب کا یہ عنوان قائم فرمایا ہے: بـاب نزل القرآن بلسان قريش والعرب قرآناً عربيّاً بلسانٍ عربيٍّ مبين اور پھر اس کے تحت جمعِ عُثمانی کی بابت حضرت انس بن مالکؓ کی یہ حدیث روایت فرمائی ہے: قال عثما ن لهـم اذااختـلـفتـم انتم و زيد بن ثابت فى عربية من عربية القرآن فاكتبو ها بلسان قريش فان القرآن انزل بلسانهم ففعلوا (صحیح البخاری)اس حدیث کے ترجمۃ الباب میں ''بلسان قریش'' کے ساتھ'' والعرب'' کے اضافہ سے امام بخاری کا یہی مقصد ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحفِ عُثمانیہ کی صرف رسم الخط میں تو خاص ''اصل قریشی لُغت'' ہی کے اتباع کا حکم صادر فرمایا تھا مگر قراءۃً ان مصاحفِ عثمانیہ میں جملہ سبعہ احرف ولُغاتِ عرب موجود تھے(لُغتِ قریش بالکلیّہ،لُغاتِ سِتّہ بالاغلبیّہ) نیز یہ کہ لُغتِ قریش میں نُزولِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ بالجُملہ قرآن سب ہی لُغاتِ عربیہ میں اُترا ہے کیونکہ لُغتِ قریش بقیّہ تمام لُغاتِ عرب کے جزوی حصّے پر بھی مشتمل وحاوی تھی جس کا پس منظر یہ تھا کہ قریش باقی قبائل سے اختلاط رکھتے تھے اور انکی لُغات میں سے جیّد و فصیح لُغات کی چھانٹ کر کے انہیں اپنی لُغت میں شامل کرلیا کرتے تھے لہٰذا لُغتِ قریش میں نُزولِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ بالجُملہ قرآن سب ہی لُغاتِ عربیّہ میں اُترا ہے اور حدیث ہٰذا کے ترجمۃ الباب سے یہی امام بخاری کا ہَدَفِ مطلوب ہے،

﴿ دلیل نمبر۲ ﴾ لُغتِ قریش اپنے ماحول کی بہت سی لُغات سے متاثر ہوئی اور دوسری لُغات کے بہت سے الفاظ اور صیغے چُن کر قریش نے اپنی لُغت میں شامل کر لئے تھے جس کے متعدد عوامل ومواقع اُنہیں مہیّا ہوتے تھے مثلاً وہ بیت اللہ کے مجاورین اور مرجع الخلائق تھے، سردی وگرمی میں قریش دو اسفار کرتے تھے، عرب میں متعدد بازار لگتے تھے، شعر ونقدِ ادبِ عربی کی مختلف مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں پس جب ہم لُغتِ قریش بولتے ہیں تو گویا ہم اس سے وہ پوری لُغت عربیہ مشترکہ مراد لیتے ہیں جو عرب کے اُن جملہ چیدہ چیدہ فصیح اُدباء، شُعراء، خُطباء کی مشترکہ زبان تھی جنہیں قرآن نے اپنے مثل صرف ایک سورت یا صرف ایک جملہ ہی بنا کر پیش کرنے کا چیلنج کیا تھا۔

﴿ دلیل نمبر۳ ﴾ و كـانـت قـريـش اجود انتقاءً لا فصح الالفاظ و اسهلها على اللسان عند

النطق واحسنها جرساً وايقاعاً فی السمع واقواهاابانة عما يختلج فی النفس من مشاعر واحاسس واوضحها تعبيراً عما يجول فی الذهن من فكر ومعان لذلك غَدَت قريش افصح العرب(الصاحبی فی فقه اللغة ص:۲۳)

''قریش'' دیگر قبائل کے لُغات ولَہجات میں سے انتخاب وچُناؤ کے بارے میں سب سے زیادہ باذوق واقع ہوئے تھے کہ وہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے جو انتہائی فصیح ہوتے، بولتے وقت زبان پر بہت آسان، سننے میں پُرشوکت، اندرونی جذبات واحساسات کے اِظہار میں سب سے قوی اور ذہنی افکار ومعانی کی تعبیر میں انتہائی واضح ہوتے تھے لہٰذا قریش افصح العرب قرار پائے....

﴿دلیل نمبر۴﴾ قال الفراء: كانت العرب تحضر الموسم فی كل عام و تحج البيت فی الجاهلية، وقريش يسمعون لغات العرب فما استحسنوه من لغاتهم تكلموابه فصاروا افصح العرب وخلت لغتهم من مستبشع اللغات و مستقبح الالفاظ وذهب ثعلب فی اماليه مذهب الفراء (المزهر جلد۱ ص۲۱۱،۲۲۱) فَرّاء کہتے ہیں کہ عرب ہر سال موسم میں آتے اور جاہلیت کے طریقے پر حج کرتے تھے، قریش اِس موقع پر سب عرب کی لُغات سنتے اور جو لُغت اُنہیں اچھی لگتی اُسے بولنا شروع کر دیتے تھے اس طرح وہ افصح العرب بن گئے اور ان کی لُغت کریہ وقبیح الفاظ سے خالی ومحفوظ رہ گئی۔ امالی میں ثعلب نے بھی یہی فَرّاء والی تقریر کی ہے۔

﴿دلیل نمبر۵﴾ كان القرشيون يستملحون ماشاء وا ويصطفون ماراق لهم من الفاظ الوفود العربية القادمة اليهم من كل صوب و حدب ثم يصقلونه ويهذبونه ويدخلونه فی دائرة لغتهم المرِنة التی اذعن جميع العرب لها بالزعامة وعقدوا لهارأية الامامة وعلىٰ هذه السياسة الرشيدة نزل القرآن على سبعة احرف يصطفٰی ماشاء من لغات القبائل العربية على نمط سيساسة القرشيين بل او فق، ومن هنا صحّ ان يقال انه نزل بلغة قريش لان لغات العرب جمعاء تمثّلت فی لسان القرشيين بهذاالمعنی(مناهل العرفان ج۱ ص:۱۳۹،۱۴۰)۔

قریش کے لوگ موسمِ حج اور عرب کے بازاروں میں نشیب وفراز سے آنے والے وُفودِ عرب کے الفاظ میں سے جن الفاظ کو مَلیح ولَطیف سمجھتے ان کا چُناؤ کر لیتے اور پھر مزید تنقیح وتہذیب کے بعد اُنہیں اپنی اُس مُسلَّمہ ومُتَّفَقَہ ٹکسالی لُغت کے دائرہ میں شامل کر لیتے جس کی مُقتدائیت سب

عرب کے یہاں مُسلَّم تھی، اِسی سیاستِ راشدہ کے موافق قرآن کریم سبعہ احرف پر نازل ہوا، قرآن نے قریشیوں کی سیاست کے اندازے سے کہیں اُونچے معیار پر قبائلِ عرب کی لُغات میں سے جو لُغات چاہیں منتخب کرلیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی بناء پر یہ کہنا یقیناً صواب وحق ہے کہ ''قرآن لُغت قریش پر نازل ہوا ہے'' کیونکہ اس نُکتے کی روشنی میں کُل عرب کی سب لُغتیں قریشیوں کی ایک ہی لُغت میں مُتشخّص و مُجتمع ہوگئی تھیں۔

﴿دلیل نمبر٦﴾ ولا یَغِیبَنَّ عن بالك ان هذه اللغات كلهاتمثلت فی لغة قریش باعتبار ان لغة قریش كانت المتزعّمةلها والمهیمنة علیها والآخذة منها ما تشاء مما یَحلولها و یَرِقّ فی ذوقها ثم یأ خذه الجمیع عنهاحتی صح ان یُّعتبر لسان قریش هو اللسان العربی العام وبه نزل القرآن(مناهل العرفان ج١ ص:١٧٤)۔

اس بات سے آپ کی توجہ ہرگز نہ ہٹنے پائے کہ لُغتِ قریش جُملہ لُغاتِ عرب کی قائد ومُحافظ تھی، دوسری لُغات کے جن الفاظ میں اہلِ قریش مٹھاس پاتے اور اُن کے ذوق میں وہ الفاظ لطیف وفصیح ہوتے اوّلاً قریش انہیں اخذ کرتے اور پھر ان کی اقتداء میں باقی سب لوگ بھی اُنہیں اپنے استعمال میں لانے لگتے تھے، اِس اعتبار سے لُغتِ قُریش میں ان سب لُغات کا تشخص موجود ہے اور اس بناء پر یہ کہنا درست ہے کہ ''لسانِ قریش ہی عُمومی لسانِ عربی ہے اور اسی میں قرآن نازل ہوا ہے''۔

﴿دلیل نمبر٧﴾ ان الوجوه السبعةَ التی نزل بها القرآن الكریم واقعةٌ كلها فی لغة قریش، ذالك ان قریشاً كانوا قبل مهبط الوحی والتنزیل قد دَاوَرُوا بینهم لغات العرب جمیعاً وتداولوها و اخذوا مااستَملَحُوه من هؤلاء وهؤلاء فی الاسواق العربیة و مواسمها و ایامهاووقائعها وحجها وعمرتها ثم استعملوه واذاعوه بعد ان هذَّبوه وصقَّلوه وبهذا كانت لغةُ قریشٍ مَجمَع لغات مختارة منتقاة من بین لغات القبائل كافَّةً(مناهل العرفان ج ١ ص:١٨٢،١٨٣)۔

وُجوہِ سبعہ جن کے موافق قرآن کریم نازل ہوا ہے یہ سب لُغتِ قریش ہی کے اندر واقع ہیں۔ جس کا پسِ منظر یہ ہے کہ قریش زمانہ قبل از نُزولِ وحی وقرآن میں سب لُغاتِ عرب کی چھان پھٹک کرتے تھے اور بازار ہائے عرب، مواسم عرب، تاریخی واقعاتِ عرب نیز حج وعمرۂ اہلِ عرب کے مواقع پر جائزہ لیا کرتے تھے اور ہر ہر قبیلے کی لُغات میں سے جو الفاظ انہیں چاشنی دار لگتے اُنہیں اخذ کرلیا کرتے اور

پھر مزید تہذیب و تنقیح کے بعد اُن کا اپنی زبان میں استعمال شروع کر دیا کرتے تھے پس اِس طرح لُغتِ قریش، قبائل عرب کی جُملہ لُغات میں سے پسندیدہ و منتخب الفاظ کا مرکزی و اجتماعی نقطہ قرار پا گئی،

﴿دلیل نمبر ۸﴾ علاّمہ ابن عبدالبرؒ کا ارشاد ہے: قولُ من قال ان القرآن نزل بلغة قريش معناه عندى "فى الاغلب" ۔واللّٰه اعلم۔ لان غيرلغة قريش موجودة فى صحيح القرآءت من تحقيق الهمزات ونحوها و قريش لاتهمز(تفسير القرطبى ج ١ ص:٣٣)

جس قائل نے یہ کہا ہے کہ "قرآن لُغتِ قریش میں نازل ہوا ہے" میرے نزدیک اس کا مقصد یہ ہے کہ "اکثر و بیشتر ایسا ہی ہے" واللہ اعلم۔ وجہ یہ ہے کہ قراآتِ صحیحہ میں غیر لُغتِ قریش بھی موجود ہے مثلاً ہَمزات وغیرہ کی تحقیق (بلغۃ تمیم) باوُجودیکہ قریش تحقیق نہیں کرتے (بلکہ ابدال کرتے ہیں)

﴿دلیل نمبر ۹﴾ اختلافاتِ قراءت کی بابت مصاحفِ عُثمانیہ میں باہم خلافات پائے جاتے ہیں مثلاً ﴿۱﴾ مصاحفِ اہلِ مدینہ وشام میں سورۂ بقرہ رکوع ۱۶ میں وَاَوصٰی بِهَا اور مُصحَفِ کُوفیین میں وَوَصّٰی بِهَا مرسوم تھا ﴿۲﴾ مُصحفِ اہلِ حَرَمین میں سورۃ الانعام رکوع ۸ میں لَئِن اَنجَیتَنَا اور مُصحفِ کوفیین میں لَئِن اَنجٰنَا مرسوم تھا۔ ﴿۳﴾ مصاحفِ مکیّہ وشامیّہ میں سورۃ الاسراء رکوع ۱۰ میں قُل کی بجائے قَالَ سُبحانَ رَبّی مرسوم تھا ﴿۴﴾ مصاحفِ مدنیّہ وشامیّہ میں سورۃ الحدید رکوع ۳ میں فَاِنّ اللّٰهَ هُوَالغَنِیُّ کی بجائے فَاِنَّ اللّٰهَ الغَنِیُّ بحذفِ ھُوَ مرسوم تھا، وغیر ذٰلک۔ اگر مصاحفِ عثمانیہ میں صرف ایک ہی اختلافی وجہ ہوتی تو قطعاً ان کے مابین اِس قسم کے خلافات نہ پائے جاتے۔ معلوم ہوا کہ جُزوی فرش الحروف اور مخصوص کلمات خلافیّہ کی بابت عرضۂ اخیرہ والے جملہ سبعہ اختلافاتِ قراءت مصاحفِ عثمانیہ میں موجود تھے۔

﴿دلیل نمبر ۱۰﴾ دورِ عثمانی کے مصاحف میں سبعہ لغات وسبعہ اختلافاتِ قراءت کی بقائیّت کی ایک قوی ترین دلیل یہ ہے کہ دورِ عثمانی کی رسم میں جو مصاحف لکھے گئے تھے وہ غیر منقوط اور غیر مُشَکَّل و بے اعراب تھے تاکہ حرف قریش کے علاوہ دیگر احرف ولغات کی نیز جملہ سبعہ اختلافاتِ قراءت کی بھی رعایت برقرار رہ سکے مثلاً مُوسٰی میں سین کی کھڑی زبر نہ تھی تاکہ امالے والے لغت کی رعایت بھی ملحوظ رہے۔ وزنِ فُعل میں عین کلمہ کو سکون سے خالی رکھا تاکہ یہ لفظ لُغتِ ضمّہ کا بھی حامل ہو سکے ضُعف میں ضاد کا ضمّہ نہ لکھا تاکہ یہ فتحہ والے لغتِ تمیم کو بھی شامل ہو جائے یُؤ مِنُونَ وغیرہ میں واو پر

جزم نہ بنائی تا کہ تحقیقِ ہمزہ والے لُغتِ تمیم کی بھی رعایت ملحوظ رہے۔ بِـزَعـمِهِـم میں زا کو فتحہ سے خالی رکھا تا کہ یہ لفظ ضمہَ زا والے اسدی لغت کا بھی حامل ہو سکے۔ وَلَا يُقبَلُ بقرہ رکوع ۶ میں یا کے نیچے دو (۲) نقطے نہ بنائے تا کہ تا والی قراءت بھی ظاہر ہو جائے۔ قَـدَرُه' بقرہ رکوع ۳۱ میں دال پر زبر نہ بنائی تا کہ جزم والی قراءت کی بھی گنجائش رہے۔ هَيتَ میں ہا کو زبر سے، یا کو دو نقطوں سے اور تا کو زبر سے خالی رکھا تا کہ یہی ایک رسم هَيتُ هِيتَ هِئتَ والی لغات وقراآت کو بھی شامل ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے ان مصاحفِ عثمانیہ کو نقاط و اِعراب سے خالی رکھا تھا تا کہ وہ مصاحف جملہ لُغات واختلافات واَحرف وقراآت کے حامل ہو سکیں، یہ قول علاّمہ ابن الجزری اور علاّمہ قرطبی و امام ابوعمرو الدانی وغیرہم سے منقول ہے۔

اِس پورے بیان سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عُثمان غنیؓ نے مصاحفِ عُثمانیّہ میں حَرف ولُغتِ قریش کے علاوہ دیگر لُغات واَحرف کو بالکلیّہ ہی منسوخ نہ فرمایا تھا بلکہ صرف بالجزئیّہ نادرًا وقلیلاً فقط اُنہی لُغات کو موقوف فرمایا تھا جو عندقریش معتبر ومتداول ومستعمل نہ تھے۔ باقی بالاغلبیّہ ان احرف و لُغاتِ سِتّہ کو یقیناً ثابت و باقی رکھا تھا جو قریش کے نزدیک معتبر ومتداول ومستعمل تھے۔ نیز اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ محض سطحی نظر میں جو بعض حضرات علمائے کرام یہ فرمادیا کرتے ہیں کہ عہدِ عُثمانی میں صرف ایک ہی لُغت باقی رہ گیا تھا اور باقی سب لُغات ختم ہو گئے تھے اسلئے آج اختلافِ قراءت کی گنجائش نہیں یہ بات سراسر خلاف واقعہ ہے کیونکہ حالیہ جملہ قراآت عشرہ لغت قریش اور اس کے توابع باقی لُغاتِ سِتّہ فصیحہ معتبرہ عندقریش کی روشنی میں اُس آخری عرضے والے سبعہ لُغات وسبعہ وُجوہِ اختلافِ قراءت کے مطابق مُدَوَّن ہوئی ہیں جو حضور اقدس ﷺ نے آخری سالِ وفات میں حضرت جبریل امینؑ کے ساتھ ماہِ رمضان المبارک میں فرمایا تھا۔ اِس مضمون کی مزید تفصیلات وتحقیقات ناچیز راقم کی تازہ ترین تالیف ''دفاعِ قراآت'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

﴿ ایک شبہ اور اُس کا جواب ﴾

شُبہ: یہ ہے کہ علاّمہ ابن جریر طَبَری کے بقول دَورِ عُثمانی میں سبعہ احرف میں سے صرف ایک قریشی حرف ہی کو باقی رکھا گیا تھا اور باقی غیرِ قریشی چھ احرف کو موقوف قرار دے دیا گیا تھا، پھر سبعہ احرف کی بقائیت کا قول کیونکر درست ہوا؟

الجواب: طَبَری نے جمعِ عثمانی میں سبعہ احرف میں سے جو صرف ایک ہی حرفِ قریش کے بقاء کا قول کیا ہے طبری کے یہاں راجح اور آخری تحقیق کے مطابق اس کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں بدوی قسم کے صحابۂ کرامؓ کی رعایت کی وجہ سے سات کلمات ولُغات کی حد تک ہم معنٰی متبادل کلمۂ ولُغت پڑھنے کی اجازت تھی لیکن پھر اوّلاً حضور علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ ہی میں یہ اجازت ختم کردی گئی اس کے بعد ثانیاً جمعِ عُثمانی کے وقت اِن سِتّہ مترادفات کی منسوخیت کی مزید اِشاعت وتشہیر کی گئی اب خاص اُس ایک ہی قریشی کلمۂ مترادفہ کے پڑھنے کی اجازت ہے جس کے مطابق اوّلاً قرآن کریم نازل ہوا تھا مثلاً هَـلُمَّ کی جگہ تَـعَـال پڑھنے کی اجازت قطعاً موقوف قرار دیدی گئی۔ علاّمہ طَبَری قطعاً اس کے قائل نہیں کہ ''سبعہ لُغاتِ غیرِ مترادفات'' اور ''سبعہ وُجوہ وانواعِ اختلافِ قراءت'' میں سے بھی صرف ایک ہی قریشی لُغت اور صرف ایک ہی اختلافی وجہِ قراءت پڑھنے کی اجازت ہے اور باقی چھ لُغات اور چھ اختلافی وُجوہِ قراءت ختم کردی گئی ہیں۔ اِس کی قوی ترین دلیل یہ ہے کہ علاّمہ طَبَری نسخِ مترادفاتِ ستّہ کے باوجود اختلافِ قراءت کے یقیناً مثبت وقائل ہیں جیسا کہ ﴿۱﴾ تفسیرِ طَبَری میں مختلف قراآت کا تذکرہ موجود ہے ﴿۲﴾ نیز طَبَری مقدمۂ کتاب المبانی ص:۲۳۰ میں فرماتے ہیں: ان القـرآآت التی تختلف بها المعانی صحیحة منزلة من عندالله ولکنها خارجة من هـذه السبـعة الاحـرف ۔ یہ سب قراآت جن میں معانی بھی مختلف ہوجاتے ہیں صحیح اور منجانب اللہ نازل شُدہ ہیں ولیکن بایں ہمہ یہ اِن سبعہ احرف (بمعنٰی کلمات مترادفہ مختلفۃ المادہ) سے خارج وجُدا گانہ ہیں ﴿۳﴾ نیز خود طَبَری قراءۃِ حمزہ اور روایتِ ورش بطورِ خاص پڑھا پڑھایا کرتے تھے (مقدمۂ تفسیرِ طبری ص:۱۴) ﴿۴﴾ بلکہ طَبَری نے ''الجامع'' نامی ایک بڑی کتاب قراآت پر تالیف کی جس میں بیس سے زائد قراآت کا تذکرہ کیا (النشر ج ا ص ۳۴) ظاہر ہے کہ یہ تمام قراءتیں ''سبعہ لغات غیر مترادفہ'' اور ''سبعہ انواعِ اختلافِ قراءت'' کی روشنی ہی میں مدوّن ہوکر معرضِ وُجود میں آئی ہیں لہٰذا یقیناً یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ طَبَری کے یہاں بھی ''سبعہ احرف بمعنٰی سبعہ مترادفات'' اور ''سبعہ احرف بمعنٰی سبعہ لُغات غیر مترادفہ'' اور ''سبعہ احرف بمعنٰی سبعہ انواعِ اختلافِ قراءت'' یہ تین مستقل انواع واقسام کی احادیث ہیں جن میں سے ''سبعہ احرف بمعنٰی سبعہ مترادفات'' والی احادیث تو صرف ابتدائے اِسلام کے زمانے میں معمول تھیں اور اس کے بعد موقوف ومنسوخ ہوچکی ہیں لیکن ''سبعہ

احرف بمعنٰی سبعہ لغات غیر مترادفہ'' نیز ''سبعہ احرف بمعنٰی سبعہ انواعِ اختلافِ قراءت'' والی احادیث اب بھی بتفاصیل مُحَرَّرۂ صَدر یقیناً معمول و باقی ہیں اور یہ لغات و اختلافاتِ قراءت عرضۂ اخیرہ اور قریشی لغت کی روشنی میں بدستور ہیں منسوخ قطعاً نہیں۔ چنانچہ خود علاّمہ طَبَری نے ''کتاب القراآت'' میں اپنی تحقیقی رائے کی ترجمانی یوں فرمائی ہے: کلُّ ما صح عندنا من القراآت انه علَّمه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لامته من الاحرف السبعة التی اذن اللّٰه له ولهم ان یقرؤوا بها القرآن فلیس لنا ان نُّخَطِّئَ من قرا اذا کان ذلك به موافقاً لخط المصحف (الابانة: ص:۲۰،۱۲)

ہر وہ قراءت جس کے متعلق بروئے صحّت یہ بات ہمارے نزدیک ثابت ہوچکی ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اسکی تعلیم دی ہے وہ اُن احرفِ سبعہ میں سے ہے جن کے موافق اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اور آپکی اُمت کو تلاوتِ قرآن کی اجازت عنایت فرمائی ہے لہٰذا جب کوئی شخص ایسی قراءت پڑھے بشرطیکہ وہ رسمِ عثمانی کی موافقت کرنے والا ہو ہمیں قطعاً اس کی تغلیط کا حق نہیں پہنچتا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل.

محمد طاہر الرحیمی عفی عنہ

۱۴۲۲/۶/۱۸ھ

عالم ربانی حضرت ترمذیؒ

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ: بچپن ہی سے جن حضرات کے علم وعمل، اخلاص وللّٰہیت ،تصلّب استقامت اوردرویشی وفنائیت کا گہرا عکس دل پر پڑاان میں فقیہ العصر، بالغ نظر عالم باعمل حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ (خلف الرشید حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ) کا اسم گرامی ممتاز ہے احقر کو حضرت مفتی صاحبؒ سے بلاواسطہ استفادہ اور آپؒ کے فیض صحبت اور دوراندیشانہ، دیانتدارانہ اورمخلصانہ مشوروں اورآراء سے مستفید ہونے کا موقع اس وقت ملا جب میرے والد ماجد مخدوم العلماء حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد جامعہ خیرالمدارس کے اہتمام کی ذمہ داری احقر کے ناتواں کندھوں پر ڈالی گئی، احقر اس وقت اپنی نوعمری اورناتجربہ کاری کے باعث قدم قدم پر حضرات اکابر کی سرپرستی ورہنمائی کا محتاج تھااوراب تک ہوں۔ اس وقت جامعہ کے اساتذہ کرام میں سے جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیریؒ ،شیخ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتیؒ ،استاذ العلماء حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ اورفقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ کی عنایات اورمحبت واخلاص پرمبنی رہنمائی اور جامعہ سے باہر کے مخلصین ومحبین اورسرپرستان میں شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی قدس سرہ ،حضرت الحاج محمد شریف صاحب ہوشیارپوریؒ (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتؒ)، حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ اورحضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب مدظلہ کے پرخلوص تعاون اورخوردنوازی کو احقر تاحیات فراموش نہیں کرسکتا۔ بالخصوص حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کا احقر کے ساتھ محبت واخلاص بھرارویہ اورتعلق باپ کے بیٹے کے ساتھ مخلصانہ تعلق کی مانند تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ جامعہ کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین اورمیرے جدامجد حضرت مولانا

خیر محمد صاحب قدس سرہ کے معتمد علیہ احباب میں سے تھے۔ جامعہ کے امور میں ان کی دلچسپی محض رسمی نہ تھی۔ وہ اپنے قلبی و روحانی تعلق اور جامعہ سے پر خلوص محبت کے باعث مجلس شوریٰ کے رسمی اجلاس کا انتظار نہیں فرماتے تھے۔ جس معاملہ میں مشورہ اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی تھی احقر کو متوجہ فرماتے تھے حضرت مفتی صاحبؒ کی مشاورت اور رہنمائی سے احقر کو یہ اندازہ ہوا کہ ان کی نظر صرف اصول وضوابط اور ظاہری امور تک محدود نہیں بلکہ وہ جزئیات تک کا مطالعہ ومشاہدہ فرماتے اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے ہیں۔ یہ جامعہ، اس کے بانی اور ان کے اخلاف کے ساتھ ان کی محبت وتعلق کا مظہر تھا۔

حضرت مفتی صاحب میں ہمارے اکابر کی طرح یہ وصف نمایاں تھا کہ احکام ومزاج شریعت اور جامعہ کی خیر خواہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی رائے کا دیانت دارانہ اظہار ضرور فرما دیتے تھے۔ اور اس بات کا کبھی لحاظ نہیں فرماتے تھے کہ میری اس رائے کو اکثریت کی تائید حاصل ہوگی یا نہیں مگر بحمد اللہ حضرتؒ کی اصابت رائے، دوراندیشی اور اخلاص سب حضرات کے نزدیک مسلم تھا۔ اس لئے کم وبیش آپؒ ہی کی رائے کے مطابق فیصلہ ہوتا۔

آخری ایام میں حضرت مفتی صاحبؒ نے پیرانہ سالی، مختلف امراض اور دیگر اعذار کے باعث اسفار کا سلسلہ قریب قریب ختم فرما دیا تھا۔ مگر جامعہ کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں ضعف ونقاہت کے باوجود صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب زید مجدہم کے ہمراہ ضرور تشریف لاتے اور رہنمائی وسرپرستی سے نوازتے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ سفر صرف مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے ہوتا تھا۔ اس لئے شرعاً، اخلاقاً، عرفاً آپؒ کو جامعہ سے کرایہ لینے کا حق پہنچتا تھا مگر حضرت مفتی صاحبؒ نے تاحیات اس ضمن میں خدام کے اصرار کے باوجود جامعہ سے ایک پیسہ بھی وصول نہیں کیا جو آپ کے اخلاص وللّٰہیت کی دلیل ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ ''دفاع عن الحق'' کے معاملہ میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز تھے۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ ومذہب اور اکابر علماءِ دیوبند کے مسلک ومشرب پر خود بھی انتہائی استقامت سے عمل پیرا تھے اور دوسروں کی رہنمائی اور اصلاح کا فریضہ انجام دینے میں بھی کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خود کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرنے والے بعض حضرات نے جب علماء دیوبند کے مسلک وروش سے انحراف کیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے بلاتوقف وبلاتامل ایسے حضرات کا علمی محاکمہ

فرمایا۔ان کے انحراف اور کجی کو دلائل سے ثابت کیا اور مسلک ومشرب علماء دیوبند کی حقانیت کو مبرھن کیا۔

آپؒ نے بعض ایسے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا جن پر لکھنے کی ہمت وجرأت عام علماء نہ کر سکے ''جواہر القرآن'' پر''ہدایۃ الحیر ان'' کے نام سے آپؒ نے جو علمی گرفت فرمائی ہے اور علماء دیوبند کے عقائد سے انحرافات کی جو نشاندھی کی ہے وہ عام علماء کے بس کی بات نہ تھی۔اسی طرح حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر آپ نے نہ صرف''حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام'' تحریر فرمائی بلکہ انکار حیات کی تاریخ وتفصیل اور اس قضیہ کے اسباب وعلل پر بھی خوب روشنی ڈالی۔اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کے عقائد ونظریات کی اشاعت سے حضرت مفتی صاحبؒ کو خصوصی دلچسپی تھی۔چنانچہ آپؒ نے''المھند علی المفند'' کی اپنی نگرانی میں عمدہ دیدہ زیب طباعت واشاعت کروائی۔

علماء دیوبند سے منسوب بعض اہل تصوف نے جب''اکابر کا مسلک ومشرب'' کے عنوان سے ایسا کتابچہ تحریر کیا جس میں خود اکابر کے مسلک ومشرب ہی کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا تھا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کا نہایت متین علمی محاکمہ فرمایا اور مکھن سے بال نکال دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ متأخرین علماء دیوبند میں ہوتے ہوئے بھی تمام اکابر واسلاف دیوبند کے علم وعمل،تقویٰ وطہارت اور اتباع سنت کی روشن مثال تھے۔سلوک وتصوف میں آپؒ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے سلسلہ سے وابسطہ تھے۔جبکہ درسِ نظامی کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی،جہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ،حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ جیسے اساطین علم وعمل سے استفادہ کا موقع ملا اس لئے حضرت مفتی صاحبؒ پر حضرت حکیم الامتؒ کے سلسلہ کے تمام اصاغر واکابر بھی اعتماد فرماتے تھے اور حضرت مدنی قدس سرہ کے تمام معتقدین بھی۔

فی الواقع حضرت مفتی صاحبؒ ہمارے دور کے جامع الکمالات وصفات اور متفق علیہ عالم ربانی تھے،جن کی رحلت کے بعد دین کے بہت سے شعبے اداس اور ویران ہو گئے ہیں۔حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت کاملہ سے ان برکات کا سلسلہ حضرت مفتی صاحبؒ کے اخلاف میں جاری رکھیں جو ان کے وجود باجود سے قائم تھیں۔اور حق تعالیٰ شانہ حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنا قرب خاص اور جنت میں درجات عالیہ سے نوازیں،آمین۔

خانقاہ اشرفیہ کا چشم و چراغ

صاحبزادہ حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب مدظلہ سیکرٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل

نحمده تبارک وتعالیٰ ونصلی و نسلم علیٰ رسوله الکریم وعلیٰ آله و اصحابه و اتباعه اجمعین.

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی پاکستان کے ان بزرگ علماء کرام میں سے تھے جن کے علم وفضل اور تقویٰ و دیانت سے اہل علم راہنمائی حاصل کرتے ہیں اور جو مشکلات اور الجھنوں میں ارباب فہم و دانش کیلئے مرجع ہوتے ہیں۔ مجھے تو یاد نہیں کہ حضرت سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی مگر یہ ضرور یاد ہے کہ جب بھی ان سے ملا انہوں نے محبت وشفقت کا اظہار فرمایا حوصلہ افزائی فرمائی کسی نہ کسی مسئلہ میں راہنمائی سے نوازا اور دعاؤں سے فیض یاب کیا۔ مجھے ان سے تلمذ یا نسبت کا شرف حاصل نہیں تھا مگر ہمیشہ ان کیلئے اپنے دل میں ایک بزرگ راہنما مشفق استاذ اور مہربان شیخ جیسے جذبات محسوس کیے اور سچی بات ہے کہ چند نیک لوگوں کے ساتھ عقیدت و محبت کے انہی جذبات و احساسات کی وجہ سے کچھ امید قائم ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز گناہوں اور نافرمانیوں پر پردہ ڈالتے ہوئے المرء مع من احب کے پرچم تلے جگہ عنایت فرما دیں گے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ میری محبت ایک وجہ تو یہ تھی کہ ان کا علمی تعلق حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کے علمی خانوادہ سے تھا انہوں نے خانقاہ تھانہ بھون جیسے پاکیزہ ماحول میں اپنے عظیم المرتبت والد محترم حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ قدس اللہ سرہ العزیز کے زیر سایہ تعلیم و تربیت کے مراحل طے کیے اور اس بھٹی سے کندن بن کر نکلے جس نے بڑے بڑے ارباب علم وفضل کو پگھلا کر نئے سانچوں میں ڈھال دیا اور امت کیلئے نفع بخش اور کارآمد بنا دیا میں عرفی

تقسیم کے حوالہ سے تھانوی نہیں ہوں بلکہ میرا شمار دوسرے کیمپ میں ہوتا ہے مگر تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے برصغیر پاک وہند، بنگلہ دیش میں ملت اسلامیہ کو دین کی اصل تعلیمات، روایات اور اقدار پر باقی رکھنے میں حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی خدمات، جدوجہد اور ان کے نتائج سے بحمد اللہ تعالیٰ شعوری آگاہی رکھتا ہوں اور اس یقین سے بہرہ ور ہوں کہ عامۃ المسلمین بلکہ علماء کرام کے ایک بڑے طبقہ کی اعتقادی اور اخلاقی اصلاح اور روحانی تربیت وتزکیہ کے حوالہ سے شخصیات کی خدمات اور جدوجہد کی وسعت تنوع اور گہرائی کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو معاصرین میں شاید ہی کوئی دوسری شخصیت حضرت تھانویؒ کے گراف بلکہ اس سے قریب تک بھی رسائی حاصل کر سکے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کا روحانی اور علمی تعلق اسی عظیم المرتبت شخصیت سے تھا اور ان کے قول وفعل، شب وروز اور تگ وتاز میں یہ رنگ نمایاں دکھائی دیتا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ میری عقیدت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کا شمار ملک کے ان چند گنے چنے مفتیان کرام میں ہوتا تھا جو فی الواقع مفتی تھے اور جن سے کسی مسئلہ میں فتویٰ حاصل کر کے اس قدر اطمینان ہوجاتا تھا کہ اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی تھی ان کے فتویٰ میں علم وتقویٰ اور بصیرت کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور بلاشبہ وہ صرف مفتی نہیں تھے بلکہ ملک بھر کے مفتیان کرام کیلئے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے یہ جنس اب ناپید ہوتی جارہی ہے اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس جنس گراں مایہ کی پہچان اور اس کی ضرورت کا احساس رکھنے والوں کی تعداد بھی دن بدن کم ہورہی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے ساتھ میری محبت اور عقیدت کی تیسری وجہ نفاذِ شریعت اسلامیہ کی جدوجہد کے ساتھ ان کا فکری تعلق اور عملی دلچسپی تھی میرا ان سے عملی تعلق بھی زیادہ تر اسی رشتہ کے ذوق کے حوالہ سے رہتا تھا اور وہ ان چند بزرگوں میں سے تھے جن سے میں ایک کارکن کی حیثیت سے نفاذِ شریعت کی جدوجہد کے علمی، فکری مسائل میں راہنمائی حاصل کیا کرتا تھا، بہت دفعہ ایسا ہوا کہ کسی مسئلہ میں الجھن ہوئی راہنمائی کیلئے حضرت مفتی صاحبؒ سے رابطہ کیا اور انہوں نے الجھن دور کردی ایسا بھی ہوا کہ کوئی مسئلہ پیدا ہوا اور میں نے حضرت مفتی صاحبؒ کو ملاقات یا خط کی صورت میں توجہ دلائی اور انہوں نے اسے اپنے ایجنڈے میں شامل فرمالیا بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ حضرت مفتی صاحبؒ

نے ذرہ نوازی کرتے ہوئے کسی مسئلہ پر مجھے متوجہ کیا اور میں نے ان کے حسبِ حکم اس مسئلہ کو اپنی تگ و دو میں شامل کر لیا، ہمارے درمیان یہ خاموش تعلق ایک عرصہ سے تھا جو ایک استاذ اور شاگرد اور راہنما اور راہ رو کا تعلق ہی بنتا ہے۔

مجھے یاد ہے جب میں نے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کا علمی اور شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کی تحریک شروع کی اور اہل علم سے درخواست کی کہ وہ انسانی حقوق کے اس بین الاقوامی منشور کا مطالعہ کر کے اس کے ان حصوں کی نشاندہی کریں جو قرآن وسنت کی تعلیمات اور شرعی احکام وقوانین کے منافی ہیں، میرے لیے یہ بات انتہائی افسوس اور صدمہ کا باعث بنی کہ اکثر حلقوں نے سرے سے اس مسئلہ کو سنجیدگی کے ساتھ توجہ دینے کا مستحق ہی نہ سمجھا مگر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ نے نہ صرف اس ضرورت کو محسوس کیا بلکہ حوصلہ افزائی فرمائی ہمت بندھائی اور ایک مستقل مضمون تحریر کیا جو ہم نے ماہانہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ کی انسانی حقوق کے حوالہ سے خصوصی اشاعت میں شامل کیا حضرت مفتی صاحبؒ کا یہی ذوق اور فکر تھا جس نے میرے دل میں ان کی عقیدت ومحبت کے دائرہ کو وسیع تر کر دیا۔

حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ کے ساتھ محبت وارادت کی ایک وجہ اور بھی ہے جس کا ذکر سب سے پہلے ہونا چاہیے تھا وہ یہ کہ ان کا تعلق خاندان نبوت سے ہے اور اس خانوادہ سے ہے جس کی محبت کو خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی علامت بتایا ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نسل انسانی کے اس سب سے بزرگ خاندان کے ساتھ تو صرف نسبی تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ اس خاندان کی علمی اور دینی روایات کے امین بھی تھے، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں ان کے فرزند وجانشین برادرم مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی کو اپنے عظیم باپ کی روایات کی پاسداری کی توفیق دیں اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی حسنات کی پیروی کی توفیق عطا فرمائیں آمین یارب العالمین۔

ابوعمار زاہد الراشدی خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ
سیکرٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل
۲۴/اکتوبر ۲۰۰۱ء (نزیل جامع مسجد فنس بری پارک لندن)

نمونہ سلف صالحینؒ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی مدظلہم استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

یہ ۱۹۷۵ء کی بات ہے جب احقر کے دادا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ احقر کے والد ماجد جناب مولانا محمد زکی کیفیؒ کے انتقال کے بعد پہلی بار لاہور ہمارے گھر تشریف لائے یہ حقیقی معنی میں تعزیت وتسلی کا سفر تھا کیونکہ حضرت مفتی صاحب اپنے جگر گوشہ بڑے بیٹے کے انتقال پر نہ انکے جنازہ میں پہنچ سکے تھے اور نہ تعزیت کیلئے ان کے گھر والوں کے پاس۔ وہ خود اس زمانہ میں شدید علیل تھے اور چلنے پھرنے سے تقریباً معذور، بعد میں جب صحت کچھ بحال ہوئی اور چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو ان کا پہلا سفر لاہور ہی کا ہوا اور وہ اپنے بیٹے کے اہل خانہ کے پاس آ کر مقیم ہوئے احقر کی والدہ اور ہم بہن بھائیوں کیلئے باپ سے بڑھ کر مشفق دادا کا بابرکت وجود ظاہری سہارا تو تھا ہی، ان کو اپنے درمیان دیکھ کر دل ودماغ اور جسم وروح کو جو سکینت نصیب ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ حضرت دادا رحمۃ اللہ علیہ کے دورانِ قیام ہمارا گھر ''کاشانۂ زکی'' علماء صلحاء اور اہل اللہ کی آمد ورفت کا گہوارہ بن گیا۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے اکابر علماء کے علاوہ لاہور اور لاہور سے باہر کے علماء اور صلحاء کی تشریف آوری کثرت سے ہوتی رہی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حضرت دادا رحمۃ اللہ علیہ کے وجود بامسعود کے سامنے آنے والے اکابر کی قدر ومنزلت کا وہ احساس اس وقت نہ تھا جس کا اندازہ بعد میں ہوا۔

ان آنے والے حضرات میں یہ درویش مسکین حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جن کے نام سے بھی اس وقت احقر آشنا نہ تھا اور زیارت بھی پہلی بار ہورہی تھی۔ سادہ لباس، دیسی جوتی، سادہ سی ٹوپی کے ساتھ تواضع ومسکنت کا یہ نمونہ جسے پہلی بار ۱۹۷۵ء میں دیکھا تھا بعد میں پچیس سال کی زیارت وملاقاتوں میں اس نمونہ میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ ربع صدی میں

زمانہ کتنا بدل گیا زمانے والوں کی عادات واطوار میں بڑا فرق آ گیا پُلوں کے نیچے سے نہ جانے کتنا پانی بہہ گیا مگر مفتی صاحب کی سادگی تواضع میں احقر کو کوئی فرق نظر نہ آیا۔ والد صاحب مرحوم کے بعد حضرت دادا رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اکتوبر ۱۹۷۶ء میں انتقال ہو گیا تو دل کی آنکھیں کچھ اور کھلیں اور جن صلحاء علماء کی پہلے قدر و منزلت کا احساس نہیں تھا اب انکی اہمیت کا احساس ہونے لگا اور ان سے دعا لینے کا تقاضا دل میں پیدا ہونے لگا۔ یہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ کی اپنے شیخ سے وفا اور ہم پر خاص شفقت تھی کہ والد اور دادا کے انتقال کے بعد ان کا تعلق کم ہونے کے بجائے بڑھ گیا اور ان کی طبیعت نے ہمیں کھینچنا شروع کر دیا۔ وہ خود تو معمولاً لاہور آمد پر ادارہ اسلامیات انارکلی تشریف لاتے ہی تھے کبھی کبھار ہمارے غریب خانہ کو رونق بخش دیا کرتے تھے اور احقر کا بھی یہ معمول بن گیا کہ جب حضرت تشریف لاتے تو احقر ان کے میزبان جناب ڈاکٹر مطیع الرحمٰن صاحب (شہید رحمۃ اللہ علیہ) کے گھر سمن آباد پہنچ جاتا اور حضرت کی زیارت وصحبت سے مستفید ہوتا تھا۔

حضرت کی لاہور آمد ہو اور جامعہ اشرفیہ جانا نہ ہو یہ ممکن ہی نہیں تھا، چنانچہ حضرت لاہور آ کر جامعہ ضرور آتے اور جب تشریف لاتے تو اکثر صبح سے شام تک وہیں تشریف فرما رہتے، کبھی مجلس صیانۃ المسلمین کے دفتر میں اور اکثر دار الافتاء میں حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ کے پاس۔ دارالافتاء میں جمنے والی یہ مجلس علم، فقہ اکابر علماء کے واقعات اور لطیف علمی مزاح پر مشتمل ہوتی اس دستر خوان علم سے ہم جیسے نوآموز بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق لطف اٹھاتے۔ حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ سے بہت بے تکلف تھے، اس لئے ان کے ساتھ ان کی گفتگو رسمی انداز کی نہ ہوتی تھی بلکہ علمی مباحثہ کے ساتھ شائستہ مزاح لئے ہوئے بے تکلفانہ گفتگو ہوتی جسے مفتی عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''علمی لڑائی'' کا نام دیتے تھے۔ مفتی صاحب کے کئی رسائل ومضامین اختلافی مسائل پر شائع ہو چکے تھے ان کا حوالہ دیتے ہوئے کبھی کبھار مفتی صاحب کہتے کہ بھائی ان لوگوں نے ہماری عادت لڑائی بھڑائی کی بنا دی ہے (یعنی حق کی حمایت کرتے ہوئے ان سے یہ سب بحثیں کرنی پڑتی ہیں) اسی لئے جب کبھی مفتی صاحب کسی ایسے اختلافی مسئلہ پر جس میں ان کا موقف حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ کے موقف سے مختلف ہوتا علمی گفتگو کرنا چاہتے تو از راہ تفنن پہلے موضوع کا ذکر کرتے پھر حضرت مفتی صاحب سے عرض کرتے کہ ''حضرت! آج آپ

سے اس موضوع پر لڑنا ہے'' اور پھر کافی کافی دیر اس موضوع پر گفتگو ہوتی کتابیں کھلتیں اور بند ہوتیں حوالے نقل کئے جاتے یا سنائے جاتے اور حدود شرعیہ کی کمال رعایت کے ساتھ یہ ''لڑائی'' فریقین کی اخلاقی ''فتح'' پر ختم ہو کر تمام حاضرین کیلئے علم وفقہ کی جلاء کا ذریعہ بنتی۔ایک خاص بات جو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دیکھی اور کم حضرات میں نظر آئی وہ مخالف فرقہ یا مخالف نقطۂ نظر رکھنے والے حضرات کے نقطۂ نظر کی توجیہ بلکہ ان کیلئے دلائل کی تلاش ہے احقر نے بار بار اس کا مشاہدہ کیا کہ اگر ان کی مجلس میں مخالف فرقہ کے کسی مسئلہ کا ذکر کیا جاتا تو وہ اول مرحلہ میں اسے فوری طور پر رد کرنے کے بجائے اسے توجہ سے سنتے، ان کے نقطہ نظر کی تفصیل پوچھتے ان کے دلائل معلوم کرتے، اگر کوئی شخص ان کے دلائل نہ بتائے تو خود ان کی طرف سے کوئی دلیل بیان کرتے پھر حاضرین سے اس کا جواب طلب کرتے۔اس بات کی آج کے دور میں غیر معمولی قدر محسوس ہوتی ہے جبکہ فریق مخالف کے دلائل پوچھنا تو بڑی بات ہے، دوسرے کے نقطۂ نظر تفصیل سے معلوم کرنا بھی لوگوں کیلئے گوارا نہیں رہا۔اول مرحلہ ہی میں دوسرے کی تفسیق تضلیل بلکہ تکفیر تک کر دی جاتی ہے اور یہ سوچا تک نہیں جاتا کہ دوسرے کا موقف اصل میں کیا ہے؟ اس نے کیا بات کہی ہے اور کیوں کہی ہے؟ احقر کے سامنے کئی بار ایسا ہوا کہ متجددین یا گمراہ لوگوں کی کوئی بات مجلس میں ذکر کی گئی اور مفتی صاحبؒ نے اولاً ان کی دلیل ذکر کی اور پھر حضرت مفتی صاحب (حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ) سے کہا کہ حضرت وہ لوگ تو یہ یہ دلائل دیتے ہیں ان کا کیا جواب ہوگا؟ کچھ جوابات حضرت مفتی صاحب اپنا کام کرتے کرتے دیتے تو باقی جوابات خود مفتی صاحب دے کر مسئلہ مکمل طور پر منقح کر دیتے اور جانبین کا نقطۂ نظر پوری طرح سامنے آ جاتا یہ عدل وانصاف پر مبنی وہ طریق کار ہے جو باعتماد متبحر اکابر علماء اور سلف صالحین کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

مفتی صاحبؒ کی ایک خصوصیت ان کے زہد وقناعت کی نمایاں صفت تھی وہ علم دین اور حق کی اشاعت کی خاطر ایک ایسے قصبہ میں ٹھہرے جہاں دنیوی سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں، لاہور تو ان کا بار بار آنا ہوتا اور کراچی بھی وقتاً فوقتاً تشریف لے جاتے رہتے وہ چاہتے تو بآسانی ان بڑے شہروں کی طرف منتقل ہو سکتے تھے، جامعہ اشرفیہ اور بعد میں دار العلوم الاسلامیہ کے حضرات انہیں اپنے پاس بلانے کے خواہش مند تھے، اور کراچی سے ان کے مربی ومرشد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

قدس سرہ نے انہیں دارالعلوم کراچی بلانے کیلئے زبانی دعوت دی اور پھر تحریری والا نامہ بھی اس سلسلہ میں تحریر کیا تھا جو برادرم مولانا عبدالقدوس ترمذی زید مجدہم کے پاس محفوظ ہے۔ قصبہ ساہیوال سے بڑے شہروں کی طرف منتقل ہونے کے وہ پرزور داعی تھے جس میں بظاہر دین کی مصلحت بھی نمایاں نظر آتی تھی مگر مفتی صاحبؒ صرف اس بناء پر قصبہ ساہیوال رکے رہے کہ اگر میں بڑے شہروں کی طرف منتقل ہوگیا تو جو کام یہاں ہو رہا ہے وہ کم ہو جائیگا یا بند ہو جائے گا جبکہ شہروں میں دین کا کام تو بہر حال چل ہی رہا ہے، اپنا مورچہ چھوڑ کر نہ جانے کی اس مجاہدانہ صفت پر وہ آخر دم تک باقی رہے ان کی اس استقامت، اخلاص اور نرمی وحکمت کے ساتھ مسلسل جدوجہد کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے علاقہ میں جہاں ابتداء اہل بدعت اور اہل تشیع کے علاوہ نہ کسی کی مسجد تھی نہ کسی کا مدرسہ، دین کے کئی مراکز مضبوط بنیادوں پر قائم ہوگئے جامع مسجد حقانیہ، عیدگاہ حقانیہ، جامعہ عربیہ حقانیہ کے علاوہ کئی ذیلی مدرسے اور مسجدیں تو صرف قصبہ ساہیوال ہی میں دین حق کی نشر واشاعت کی خدمت انجام دینے لگیں اور یہاں کے تربیت یافتہ حضرات نے ساہیوال سے باہر بھی دین کی خدمت کے اہم مراکز قائم کرکے سنت کا نور چہار جانب پھیلا دیا۔

حضرت مفتی صاحب کیونکہ سلف صالحین کا نمونہ تھے اس لئے دین کی جو خدمت انجام دی (حالانکہ ان میں اختلافی مسائل کی بھی بڑی تعداد تھی) اس میں اخلاص حکمت نرمی، اور موعظہ حسنہ کے ربانی اصولوں کو ضرور ملحوظ نظر رکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے تعلق رکھنے والے ہوں یا ان کے مخالف کسی کی طبیعت میں ان سے نفرت یا تنفر نہیں تھا۔ ان کے مخالفین بھی ان کے اخلاص اور تدین کا اقرار کرتے تھے، حتیٰ کہ قریبی علاقوں کے آستانوں اور گدی نشینوں کو بھی اگر نماز روزہ میراث اور دین کے دوسرے ضروری مسائل معلوم کرنے ہوتے تو وہ انہی کی طرف رجوع کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ مفتی صاحب کا مقصد دنیا نہیں بلکہ دین ہے اس زہد وقناعت کی زندگی ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی مسجد اور ان کے مدرسہ کی عمارت گھر کی عمارت سے بہتر تھی اور مسجد و مدرسہ کا سامان واسباب ان کے گھریلو سامان سے زیادہ بہتر اور قیمتی تھا انکے انتقال کے بعد جب لوگ علاقہ کے بڑے مفتی صاحب کے گھر پہنچے تو انکا گھر اس کا ساز وسامان اور ٹوٹی الماریوں کو دیکھ کر اکثر لوگوں کو اپنی آنکھیں آنسوؤں سے دھونی پڑیں، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً وجزاہ اللّٰہ تعالیٰ عنا خیرا الجزاء من عندہ۔

وہ تصنیف برائے تصنیف کے قائل نہ تھے، وہ کوئی مضمون یا کتاب لکھتے تو پہلے یہ دیکھتے کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟ مجھ سے بھی فرمایا کہ اختلافی مسائل پر بھی میں نے اسی وقت لکھا جب یہ دیکھا کہ کوئی اور اس موضوع پر نہیں لکھ رہا، ورنہ خواہ مخواہ اختلافی مسائل پر مجھے لکھنے کی کیا ضرورت تھی اس ضرورت اور عدم ضرورت کا لحاظ کرنے کی وجہ سے شروع میں ان کی تصانیف کی تعداد بہت کم رہی اور اپنی تواضع وفنائیت اور اخلاص کی وجہ سے انہوں نے کتابیں تحریر کرنے کی بجائے اپنے علاقہ میں وہ کام کیا جس کی وہاں ضرورت تھی، بعد میں جب ان کے اکابر دنیا سے رخصت ہو گئے اور انہیں کئی کام ادھورے نظر آئے تو انہوں نے وہ کام نمٹانے شروع کئے جن میں بطور خاص ''احکام القرآن'' کی تکمیل کا عظیم کام تھا جو آخر میں انہوں نے سرانجام دے کر ایک فرض کفایہ کی ادائیگی کی۔

اسی طرح اکابر دیوبند کا نام لینے والے بعض حضرات کے بارے میں جب انہیں یہ احساس ہوا کہ وہ ان اکابر کے مسلک ومشرب سے نہ صرف ہٹے ہوئے ہیں بلکہ اس کی کھلی مخالفت کر رہے ہیں تو انہوں نے دنیوی مصلحتوں کی پروا کئے بغیر احقاق حق کی خاطر کئی مضامین تحریر فرمائے۔ ان میں سے بعض مسائل پر ایک زمانہ میں ان پر غلبہ حال کی کیفیت بھی طاری ہوئی جو ان کے قریبی حالات کا ردعمل تھی مگر ان کی اخلاص اور تواضع کی اصل حقیقی صفات کسی حال ان سے جدا نہیں ہوئیں۔

اپنے قدیم تعلقات کی نسبت کے پیشِ نظر اس ناچیز پر حضرت مفتی صاحب بلا استحقاق بہت شفقت فرماتے تھے احقر جب مزید حصول علم کی خاطر لاہور سے کراچی منتقل ہوا تو مفتی صاحب نے اسے بھی محسوس کیا اور فرمایا کہ تمہارے جانے سے لاہور پھیکا ہو گیا ہے کراچی کا آخری سفر کیا تو حیدرآباد سے احقر کو فون کیا اور فرمایا کہ ہم آرہے ہیں، کھانا تمہارے یہاں کھائیں گے آپ کا گھر ہمارا گھر ہے۔ پھر تشریف لا کر حسب معمول بہت شفقت کا اظہار فرمایا۔ اس ناچیز کی حضرت کے ساتھ یہ آخری ملاقات تھی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد اچانک معلوم ہوا کہ حضرت اس دنیائے دوں کو چھوڑ کر اپنے اکابر ومشائخ کے قافلہ کے ساتھ جا ملے ہیں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال سے یقیناً سلف صالحین اور زہد وقناعت کا ایک نمونہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

اللهم لاتحرمنا اجره ولا تفتنا بعده.

حضرت اقدس مفتی صاحبؒ

استاذ العلماءؒ حضرت مولانا صالح محمد صاحب مدظلہم العالی

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم امابعد:

بندہ ۱۳۹۵ھ میں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے فارغ ہوا پھر ایک سال کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پڑھایا۔ایک ساتھی سے معلوم ہوا کہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا میں درجہ کتب کیلئے استاذ کی ضرورت ہے چنانچہ شوال المکرّم ۱۳۹۶ھ میں ساہیوال حاضر ہوا۔اس وقت پہلی مرتبہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے ملاقات ہوئی۔حضرت نے میرے حالات دریافت فرما کر فی الفور میرا تقرر فرمادیا۔ مجھے حضرت سے مل کر دلی سکون اور فرحت محسوس ہوئی گھر سے دور ہونے کے باوجود میں بڑے اطمینان سے درس وتدریس کا کام کرتا رہا۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تقریباً بارہ سال تک میں آپ کی خدمت میں رہا اور بحمداللہ تعالیٰ آپ سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا۔

حضرت کی عادت تھی کہ وہ اہم مسائل ومعاملات میں مشورہ فرماتے چنانچہ کئی دفعہ اس طرح ہوا کہ کوئی اہم مسئلہ آیا اور حضرت نے اس پر تحقیق فرما کر جواب لکھا تو ہمیں بھی طلب فرمالیا، پھر پوری تفصیل سے حضرت سمجھاتے اور کتاب کا حوالہ ضرور دکھاتے اس طرح بہت سے مسائل میں راہنمائی ملتی اور معلومات میں اضافہ ہوتا میں خود بھی کئی مرتبہ سوال کرتا تو خوب تشفی فرماتے درس وتدریس کے معاملہ میں بھی بارہا مراجعت کا موقع ملتا آپ نہایت خندہ پیشانی سے ہر سوال کا جواب دیتے اور عبارت کو حل فرماتے۔ ہر وقت آپ مطالعہ اور حل مسائل میں منہمک رہتے بڑے بڑے اہل علم اور ارباب فتاویٰ آپ سے راہنمائی لیتے آپ بڑی محنت سے بسط وتفصیل کے ساتھ ان کے سوالوں کا جواب تحریر فرماتے ہمیں ہر وقت آپ کی علمی فقہی بلند پایہ تحقیقات اور علمی ذوق سے مستفید ہونے کا

موقع ملتا رہتا تھا۔

ایک مرتبہ حفظ قرآن کریم کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو حضرتؒ نے فتاویٰ شامیہ سے عبارت دکھا کر یہ مسئلہ سمجھایا کہ حفظ فرض کفایہ ہے اس کے بعد میں نے اپنے گاؤں سے ایک عزیز کو آپ کے مدرسہ میں رکھ کر حفظ کرایا پھر اپنے گاؤں میں بھی اس شعبہ کا باقاعدہ اجراء ہوا۔ اسی طرح تراویح میں قرآن سننے کا موقع بھی آپ کے متوجہ فرمانے پر ہوا مدرسہ حقانیہ کے ایک استاذ نے ہی پہلی مرتبہ ہمیں تراویح میں مکمل قرآن کریم سنایا۔

تترخیل میں جمعہ کے مسئلہ پر بھی حضرت سے کئی مرتبہ بات ہوئی حتی کہ آپ کو تترخیل کی دعوت دی گئی آپ تشریف لائے اور سارے حالات کا جائزہ لے کر آپ نے فتویٰ لکھا جمعہ کے مسئلہ میں ہمارے پیرومرشد شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہم بھی ہمیشہ آپ کا ہی حوالہ دیتے ہیں اور آپ ہی کے فتویٰ پر اعتماد فرماتے ہیں۔

جامعہ کے معاملات میں حضرت کو مجھ پر حد درجہ اعتماد تھا چنانچہ آپ نے ناظم اعلیٰ کی ذمہ داری بھی میرے سپرد فرمادی تھی۔ میری حد درجہ مجبوری کی وجہ سے بادل ناخواستہ آپ نے مجھے گھر واپس آنے کی اجازت دی اور خود میں بھی مجبوری کی وجہ سے واپس آیا ورنہ حضرت کے پاس رہنے میں علمی لحاظ سے بہت ہی فائدہ تھا۔ حضرت ہمیشہ گھر کی طرح شفقت فرماتے تھے میری وجہ سے علاقہ اور گھر کے کئی عزیزوں نے حضرت کی زیارت کی اور ان سے پڑھا۔ عزیز احمد جان مرحوم، مولوی عبدالواحد، مولوی نور محمد، مولوی حسین محمد، مولوی حبیب الرحمٰن وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ حضرت جب تترخیل تشریف لائے تو ہمارے خاندان کے بہت سے افراد نے آپ سے ملاقات کی اور کئی حضرات ساہیوال بھی حاضر ہوتے رہے۔

حضرت علم وعمل کے جامع تواضع اور حسن اخلاق کے پیکر اکابر کا نمونہ اور سلف صالحین کی نشانی اور مسلک ومشرب کے ترجمان و پاسبان تھے صحیح معنیٰ میں بزرگوں کے جانشین تھے آپ کے انتقال سے امت عظیم نقصان سے دوچار ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرماویں اور گلشن حقانیہ کو ہمیشہ قائم رکھیں اور ترقیات لامتناہیہ عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

حضرت مولانا مفتی محمد صدیق صاحب مدظلہ مہتمم امداد العلوم محمود کوٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت اقدس القاری المفتی السید مولانا عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ علماً وعملاً جس معیار کے مالک تھے اس درجہ کے حضرات اپنے حلقہ میں پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔

حضرتؒ کے اسم گرامی سے تو متعارف تھا بلکہ آپ کے کچھ علمی مضامین بھی پڑھ چکا تھا اس تصور بوجہ ما کے بعد زیارت کا بے حد متمنّی تھا۔جن ایام میں عزیز مولوی اللہ بخش صاحب مظفر گڑھی (حال مدرس جامعہ خیر المدارس) جامعہ حقانیہ کے درجہ کتب میں مدرس تھے انہی کی وساطت سے زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

چونکہ یہ پہلی حاضری تھی اندازہ یہی تھا کہ محض علیک سلیک پر اکتفا ہوگا خصوصاً حاضری کے وقت جب حضرت کو دیکھا کہ کتب بینی میں مصروف ہیں (شاید کہ احکام القرآن کی تکمیل کا کام تھا) تو یہ خیال درجہ یقین کو پہنچ گیا کہ سرسری ملاقات ہوگی۔لیکن مصافحہ اور مختصر تعارف کے بعد جب حضرتؒ پوری طرح متوجہ ہوئے اور اکابر رحمہم اللہ کی پرلطف علمی اور عملی باتیں شروع فرمائیں خصوصاً جبکہ انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اس والہانہ بلکہ عاشقانہ انداز سے کیا تو میری حیرت کی انتہاء نہ رہی اور میں نے محسوس کیا کہ حضرت مرحوم مجھے مدت مدید سے جانتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت نے اپنے لخت جگر عزیز مولانا السید عبدالقدوس کی معیت میں مظفر گڑھ کیلئے مستقل سفر اختیار فرمایا وہ متعدد دینی مدارس میں تشریف لائے۔احیاء العلوم عید گاہ مظفر گڑھ جامع مسجد مظفر گڑھ کنز العلوم قصبہ گجرات جامعہ مظاہر العلوم کوٹ ادود میں آپ کے بیانات ہوئے اور

خصوصی مجالس بھی ہوئیں۔

امدادالعلوم کے احباب نے حضرت کی تشریف آوری کو رحمت ایزدی سمجھتے ہوئے مدرسہ کے تحفیظ القرآن کے طلباء کی دستار بندی اور حافظ سعید الرحمٰن ولد مولوی اللہ بخش کے ختم القرآن کی تقریب کا پروگرام بنالیا اس موقع پر حضرت مولانا عبدالقدوس کا مفصل بیان ہوا اور حضرت رحمہ اللہ نے بھی بیان فرمایا اور رات کو مدرسہ میں قیام رہا۔

متواتر سفر متواتر بیانات پھر پیرانہ سالی سے میں نے اندازہ کیا کہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ آرام فرمائیں گے اس لئے بستر وغیرہ کا انتظام کرلیا گیا لیکن نماز سے فارغ ہوتے ہی جب حضرت طلبہ کے مجمع میں بیٹھے اور گفتگو شروع ہوئی تو پھر کھلتے بلکہ اکھلتے گئے اور بلامبالغہ گھنٹے گذر گئے۔

بزرگان دین کی روحانی قوت کے متعلق سنا تو تھا لیکن ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' کا منظر میں نے اپنی زندگی میں اسی رات دیکھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پرلطف علمی شخصیت کو بھول جانا جرم اور تذکرہ نیکی اور عبادت ہے مرتے دم تک اللہ تعالیٰ ان بزرگان دین کے تذکرہ سے ایمان اور عمل کو تازہ رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔(آمین)

قابل اعتماد ہستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہم باب العلوم کہروڑ پکا

حضرت مفتی صاحبؒ سے ملاقات بہت قدیم زمانہ سے ہے۔مسائل میں استفادہ بھی کیا بلغۃ الحیر ان پر تنقید کے دور میں حضرت اقدس مولانا عبدالعزیز مرحوم کی مجلس میں سرگودھا کئی دفعہ مذاکرات بھی ہوئے۔آپ کی علمی تحقیقات پر ہمیشہ مطمئن رہا۔دست بدعا ہوں اللہ تعالیٰ مفتی صاحبؒ کے آثار صالحہ کو جاری وساری اور آپ کو ان کا صحیح اور صالح جانشین بنائے۔آمین ۲۴؍ربیع الاول ۲۲ھ

دانائے راز

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم ناظم عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضرت والا کی اکثر زیارت جامعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر ہوتی رہی عموماً حضرت والا کا خطاب ۱۰ تا ۱۲ قبل دو پہر کے دورانیہ میں ہوا کرتا تھا اسے ہم طلباء بہت شوق اور اہتمام سے سنا کرتے تھے۔بندہ نے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت والا کی توضیحات اور تشریحات پر مشتمل تمام مضامین ایک سے زائد بار پڑھ کر اس نازک ترین مسئلہ کے حقائق ،رموز واشارات خوب تر سمجھے۔آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں بہت عمدہ اور آسان پیرایہ میں مسلک اہل سنت والجماعت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔پاکستان کے وہ جید علماء کرام جن کی محبت کا جوش دل ودماغ میں رچا بسا ہے اورزبان جن کے تذکروں سے حلاوت محسوس کرتی ہے ان میں حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ بھی ہیں۔یہ تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے متعلق اس ناکارہ کے جذباتِ عقیدت ومحبت ہیں اوراسے اپنی سعادت اورخوش بختی سمجھتا ہوں۔

یادگار تھانہ بھون

جناب حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب صدر مجلس صیانۃ المسلمین ہارون آباد

والا نامہ حضرت مولانا مفتی وکیل احمد صاحب شیروانی مدظلہ سے یہ اطلاع دل وجان پر صاعقہ بن کر گری کہ یادگار مظاہر علوم سہارنپور اور خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے داغِ مفارقت دے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مرحوم مسلک حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ پر پوری طرح کار بند تھے ان کے دارالافتاء سے لکھے ہوئے فتاویٰ یوں محسوس ہوتا تھا کہ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کا مرقومہ ہیں وہ حضرات اکابر کی یادگار تھے ان کو دیکھ کر اکابر کی یاد تازہ ہوتی اور ان کی مجلس اکابر کی یاد کا مجسم تذکرہ ہوتی تھی انتہائی علمی شخصیت ہونے کے باوجود ان میں درد دل کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ آخر دم تک ملک میں اسلامی آئین کے نفاذ کیلئے کوشاں اور دعا گو رہے۔ حکمرانوں کو اپنے والا ناموں کے ذریعہ بار بار تنبیہ فرماتے رہے۔

مجلس صیانۃ المسلمین سے انہیں قلبی تعلق اور لگاؤ تھا وہ مجلس صیانۃ المسلمین کے ہر سالانہ اجلاس پر بالالتزام تشریف لاتے اور خدام مجلس کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے اس کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ رمضان المبارک سے قبل منعقدہ کراچی کے اجتماع مجلس میں تشریف لے گئے اور حاضرین کو اپنے مواعظ حسنہ سے مستفید فرمایا۔

حضرت ترمذی مرحوم ناکارہ پر بہت شفقت فرماتے تھے گذشتہ سال احقر علالت کی بناء پر مجلس صیانۃ المسلمین کے اجتماع منعقدہ ۱۰/۱۱ کتوبر ۱۹۹۹ء میں بالکل آخری روز حاضر ہوا تو عصر سے قبل دفتر مجلس جامعہ اشرفیہ میں حضرت ترمذی مرحوم سے ملاقات ہوئی تو اپنی شفقتوں سے نہال فرما دیا مجلس میں متعدد حضرات تشریف فرما تھے لیکن پورا وقت ناکارہ سے خطاب خاص اور گفتگو فرماتے رہے تمام تر

توجہ اور روئے سخن و چہرہ انور ناکارہ کی جانب تھا اس توجہ خاص اور بزرگانہ شفقت سے ناکارہ ندامت میں ڈوب گیا دوران گفتگو فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ آپ کے علاقہ میں سفر کروں اور جامعہ قاسم العلوم فقیروالی اور آپ کے ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد میں اس قدر طویل قیام کروں کہ آپ لوگ تنگ آجائیں کسے خبر تھی کہ اس دنیا میں حضرت مرحوم سے یہ آخری ملاقات ہے۔حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم اور نعمت غیر مترقبہ کے طور پر احقر کو حضرت اقدس ترمذی مرحوم سے متعدد نسبتوں سے نوازا اولاً وہ اور ناکارہ ایک ہی مرجع حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے خوشہ چیں اور فیض یافتہ تھے ثانیاً کاشانہ زکیؒ لاہور میں مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی ومرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے حضرت ترمذی مرحوم اور صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب اور ناکارہ کو اکٹھے دست بدست شرف بیعت سے نوازا اور کراچی واپسی سے ایک روز ہم دونوں کو ہدیہ خاص سے نوازا اور گھر جانے کی اجازت فرمائی ؎

ان کا کرم ہی ان کی کرامت ہے ورنہ یہاں — کرتا ہے کوئی پیر بھی خدمت مرید کی

ثالثاً ایک ہی روز ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ کو ہمیں اجازت بیعت وتلقین سے نوازا یہ بھی سب حق سبحانہ وتعالیٰ کا خاص لطف وکرم اور احسان عظیم ہے جس کا بندہ شکر ادا نہیں کرسکتا ؎

مجھ پہ یہ لطف فراواں میں تو اس قابل نہ تھا — تری رحمت کے قرباں میں تو اس قابل نہ تھا

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ کے تقدس وللّٰہیت اور علم وعمل پر نظر ڈالی جائے تو یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ :

ماو مجنوں ہم سبق بودیم درد یوان عشق — او بہ صحرا رفت و ما در کوچہار سوا شدیم

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حضرت ترمذی مرحوم ناکارہ کے بڑے محسن تھے خیر السوانح کی ترتیب کے وقت احقر نے حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری کے ایماء پر استاذ العلماء، عارف باللہ سیدی ومرشدی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ پر اپنی یادداشتوں پر مشتمل مضمون لکھنے کی درخواست کی تو اس وقت آشوبِ چشم کا عذر فرمایا اور فرمایا کہ اس بناء پر لکھنے پڑھنے سے معذور ہوں پھر کئی سال بعد فرمایا کہ اب آپ فرمائیں تو میں کچھ لکھ کر دے سکتا ہوں احقر نے عرض کیا کہ اب میں نے مسودہ مولانا آفتاب احمد صاحب مدظلہ (مدینہ منورہ) کے حوالہ کردیا ہے۔

اللہ رے ہمت مردانہ اس پیرانہ سالی میں ''احکام القرآن'' کے مکمل کرنے کا تقاضا پیدا ہوا اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ سے مل کر اپنے شیخ کے چھوڑے ہوئے مسودہ کو مکمل فرمایا۔ ملک میں جب بھی کوئی نیا فتنہ رونما ہوتا تو آپ شمشیر برہنہ بن کر تحریری طور پر اس کا دفاع فرماتے اور اپنے اکابر کے مسلک کو دلائل قویہ سے مبرہن فرماتے اور اس کا حق ادا فرماتے۔ حضرت مرحوم کے انتقال سے ملک میں عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پر ہونا مشکل ہے۔

برادر محترم حافظ عبدالرشید صاحب ارشد نے ماہنامہ الرشید بیس علمائے حق نمبر کیلئے شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کے احوال وسوانح پر مشتمل مفصل ومبسوط مقالہ نا کارہ کے ذمہ لگایا تو حضرت نے اپنے صاحبزادہ مولانا سید مفتی عبدالقدوس صاحب ترمذی کے توسط سے نا کارہ کو اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ چند سال قبل اپنی مادر علمی جامعہ قاسم العلوم فقیر والی تشریف لائے تو واپسی پر غریب خانہ کو اپنے قدم میمنت سے نوازا۔

﴿ چند علمی مکتوبات ﴾

الحمد للہ نا کارہ کو فقیہ العصر، استاذ العلماء، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ سے بذریعہ خط وکتابت بھی استفادہ کا موقع ملا، اولاً والا نامے خود تحریر فرماتے تھے پھر صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہ سے خطوط کے جوابات لکھواتے بعض دفعہ بر بنائے کرم از خود والا نامہ سے ابتداء فرماتے جن میں سے چند خطوط کی نقل علمی وعملی استفادہ کی نیت سے پیش کرتا ہوں تذکرۃ الظفر کی تالیف کے دوران احقر کی وہ خط وکتابت جو شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانیؒ قدس سرہ سے ہوئی تھی طلب فرمائی بوقت واپسی ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ کے والا نامہ میں تحریر فرمایا۔

مکرمی! .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے مرسلہ خطوط سے استفادہ کر لیا وہ واپس ہیں جزاکم اللہ، ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریات کا علمی جائزہ احقر نے بھی لکھا تھا کوئی نسخہ مل گیا تو بھیجوں گا میرا رسالہ ''عقائد علماء دیوبند'' مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان سے منگا کر تقسیم کرنے کے قابل ہے اس پر تمام موجودہ اکابر اور مشاہیر کے دستخط ہیں اور ''ہدایۃ الحیر ان فی جواہر القرآن'' سلانوالی ضلع سرگودھا حکیم شریف الدین صاحب کے پتہ سے مل سکتی ہے وہ اہل علم کے دیکھنے کی ہے اور مولانا غلام اللہ صاحب کے تفردات پر لکھی گئی ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے حکم سے اس کو لکھا گیا تھا، مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی زید مجد ہم کی تصدیقات بھی اس پر ثبت ہیں ۔سفر نامہ حجاز حصہ دوم لاہور میں تلاش کرارہاہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں آمین۔عزیزم عبدالقدوس سلمہ بھی سلام عرض کرتا ہے اور دعا کی درخواست ہے امید ہے کہ دعا خیر میں یاد رکھیں گے اور اپنے حالات سے مطلع کرتے رہیں گے۔والسلام سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ ۲۵ / ربیع الثانی ۹۵ ھ

ایک مرتبہ ادارہ اسلامیات لاہور تشریف لے گئے تو وہاں سے احقر کے مرتب کردہ ''اشرف الاحکام'' لے کر مطالعہ فرما کے ۲۳ / شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ کے والا نامہ میں تحریر فرمایا۔

''آپ کے مرتب کردہ اشرف الاحکام کے دونوں حصے آج پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ادارہ تالیفات اشرفیہ نے یہ بہت مفید سلسلہ تعلیم احکام کا شروع کیا ہے نام بھی بہت عمدہ تجویز کیا ہے اور ٹائٹل بھی دیدہ زیب اور جاذب نظر ہے میں نے ایک ہی مجلس میں دونوں حصے استیعاب کے ساتھ دیکھ لئے دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ اس محنت وسعی کو قبول ومفید فرمائیں آمین''

اسی طرح اپنے مقالہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمات حدیث میں تحریر فرماتے ہیں:
تیسرا مجموعہ اشرف الکلام فی احادیث خیر الانام کے نام سے صوفی محمد اقبال قریشی مجاز بیعت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (ہارون آباد ضلع بہاولنگر) نے تیار کیا ہے حکیم الامتؒ کے مواعظ وملفوظات سے تقریباً ۱۲۰ احادیث مبارکہ کی شرح جمع کر کے شائع کرایا ہے (اشرف المقالات ج ۲ / ۳ ص ۳۰۶)

الحمدللہ اس کا دوسرا ایڈیشن ادارہ اسلامیات لاہور سے اضافہ کے ساتھ ۲۴۶ / احادیث مبارکہ کی شرح کے ساتھ شائع ہو چکا ہے اور الحمدللہ تیسرا ایڈیشن زیر طبع ہے جس میں مزید اضافات کئے گئے ہیں مقصود حضرت ترمذی مرحوم کی شفقت وعنایت اور علمی قدردانی وحضرت حکیم الامتؒ سے محبت کے تعلق کا اظہار ہے کہ ایک غیر معروف ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد کے مطبوعہ مختصر رسالہ کو یاد رکھا،

اسی طرح ایک بار ناکارہ نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے علوم موھوبہ کو بنام ''واردات حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ'' شائع کیا اور اس کا ایک نسخہ حضرت ترمذی علیہ الرحمۃ کو بھی ارسال کیا اس کی وصولی کی رسید میں مولانا مفتی سید عبد القدوس صاحب ترمذی مدظلہ یوں رقم طراز ہیں:

''احوال آنکہ جناب کا ارسال کردہ ہدیہ سنیہ واردات حضرت اقدس حکیم الامت قدس سرہ پہنچا عجیب وغریب علوم ومعارف پر مشتمل ہے حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے نہایت محنت اور عرق ریزی سے ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کے بعد انہیں خوبصورت ترتیب وعنوانات سے مزین فرما کر شائع کر دیا ہے بہت ہی کام کی چیز ہے بطور خاص اہل علم کیلئے وجد آفریں ہے۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ حضرت والد صاحب بھی بہت خوشی اور مسرت کا اظہار فرما رہے ہیں اور دعا گو ہیں۔

اسی طرح ۲۳ شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ کے والا نامہ میں تحریر فرمایا'' حضرت حکیم الامتؒ کے افادات سے چندہ کے متعلق جو آپ نے رسالہ لکھا ہے خدا کرے جلد شائع ہو جائے''۔

ایک مجلس شوریٰ میں ہر رکن سے خطاب خاص کر کے پوچھا گیا کہ آپ کتنا چندہ لکھواتے ہیں اس مجلس میں فقیہ العصر حضرت ترمذی علیہ الرحمۃ بھی تشریف فرما تھے احقر نے بعدہ حضرت ترمذیؒ کو حضرت حکیم الامتؒ کا درج ذیل ملفوظ جو الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۱۹۹ پر موجود ہے لکھا:

''ایک صاحب نے مالی امداد کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامتؒ سے عرض کیا کہ حاضرین سے امداد کرادیجئے فرمایا کہ یہ میرے معمول کے خلاف ہے اول تو میرے پاس بیٹھنے والے اکثر مسافر ہیں کسی کو کیا خبر کہ ان میں مالی حالت کے اعتبار سے کون کس حالت میں ہے اور اگر خبر بھی ہو تب بھی یہ طریق نہایت ناپسند ہے نہ معلوم کوئی دل سے دینا چاہتا ہے یا نہیں اب اگر انہیں کہا گیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو دیگا یا نہیں اگر دیگا تو جبر کی صورت ہے نہ دیگا تو رسوائی ملتی معلوم ہوتی ہے''

احقر نے لکھا اس ملفوظ کی روشنی میں احقر تو جو سمجھا ہے وہ یہی ہے کہ یہ طریق مناسب نہیں اور اگر میری غلطی ہے تو اصلاح فرمائی جائے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

''عنایت نامہ مع ملفوظ گرامی حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ ملا آپ نے اسکا جو مفہوم سمجھا ہے وہ بالکل صحیح ہے'' چنانچہ اس کے بعد آپ نے مذکورہ مجلس شوریٰ کے ذمہ داران کو تنبیہ فرماتے ہوئے گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

احقر نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ وسیلہ سے متعلق حضرات اکابرین حضرت حکیم الامت تھانویؒ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی ومرشدی

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے رسائل یکجا طبع کرانے کا عزم ہے حضرت قدس سرہ کے متعلقین میں سے ایک صاحب نے بتلایا کہ حضرت کا بھی ایک رسالہ ''الادراک الفضیلہ فی الدعاً بالوسیلہ'' اسی موضوع پر ہے چنانچہ احقر کے عرض کرنے پر حضرت نے مجھے وہ ارسال فرمایا۔

آخری والا نامہ میں معارف مدنی ؒ کے مطالعہ کی تاکید فرمائی ایک مرتبہ احقر کے استفتاء پر حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہ سے فتویٰ لکھ کر خود اپنی تصدیق ثبت فرما کر ارسال فرمایا جو درج ذیل ہے۔

﴿ دوسرے کے مضمون یا رسالہ کو بغیر حوالہ شائع کرنے کا حکم ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: کسی شخص کی مرتب کتاب، مضمون یا رسالہ کو اپنی طرف یا کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کر کے شائع کرنا سراسر دھوکہ اور خیانت ہے اور یہ دونوں امر شرعاً منع اور مذموم ہیں ان کی خباثت اور شناعت اظہر من الشمس ہے اس لئے اس فعل شنیع سے احتراز واجب ہے اور جو شخص اس کا مرتکب ہو اس کو توبہ کرنی ضروری ہے اور توبہ بقدر الحوبہ ہے لہٰذا ان ناشر صاحب پر یہ اعلان کرنا ضروری ہے کہ فلاں مضمون یا رسالہ کے مرتب جناب ...... ہیں اس کو کسی اور کا مضمون نہ سمجھا جائے اس سے قبل ان کے نام کے اظہار کے بغیر اشاعت سے پڑھنے والوں کو اس کے مؤلف کے بارے میں جو تاثر ہوا وہ صحیح نہیں ہے ہم اس پر معذرت خواہ ہیں نیز اصل مرتب سے بھی معذرت کے ساتھ آئندہ اس کوتاہی کے نہ کرنے کا عزم بالجزم اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار بھی کریں۔

(۲) مصنف یا مرتب کو اپنا نام کتاب پر شائع کرنا ریا کاری نہیں باقی ترتیب وتحشیہ پر صحیح غرض سے اپنے نام کا اظہار یقیناً جائز ہے اس سے ایک تو اس انتساب کا قارئین کو علم ہوتا ہے جس میں غلط نسبت سے حفاظت بھی ہے دوسرے دعائے خیر بھی نکلے گی اور یہ نیت دعائے ابراھیمی، واجعل لی لسان صدق فی الاخرین کی وجہ سے بھی صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے اس کے مذموم ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم احقر سید عبدالقدوس ترمذی جامعہ حقانیہ

ساہیوال سرگودھا محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ ۲۱ محرم ۱۴۱۷ھ

ترمذی ثانی رحمہ اللہ

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب مدظلہ دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

جب میں نے ۱۳۸۶ھ میں جامعہ خیر المدارس ملتان سے درس نظامی کی تکمیل سے فراغت پائی تو استاد محترم حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے مجھے جامعہ حقانیہ ساہیوال (ضلع سرگودھا) میں تدریس کیلئے جانے کا حکم ارشاد فرمایا، سفر کرکے پہلی مرتبہ جب جامعہ حقانیہ ساہیوال میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک بزرگ برآمدے سے باہر صحن میں ایک چٹائی پر بیٹھے ہوئے علمی نکات بیان فرمارہے ہیں یہ تھے جامعہ حقانیہ کے روح رواں حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آپ ایک پختہ کار حافظ قاری ایک منجھے ہوئے مفتی اور محقق عالم دین تھے جامعہ حقانیہ میں افتاء اور درس نظامی کے درجہ علیا کی تدریس آپؒ ہی کے سپرد تھی اس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف وتالیف میں بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے۔

جس زمانہ میں میں نے جامعہ حقانیہ میں تدریس شروع کی تو اس وقت آپ ہدایۃ الحیران تصنیف فرمارہے تھے حضرت نے فرمایا کہ جب ان مسائل پر جگہ جگہ بحثیں اور مناظرے ہورہے تھے اور ہر طرف گرما گرمی تھی تو میں نے ان مسائل پر قلم نہیں اٹھایا تاکہ ماحول کی گرما گرمی سے اختلافی اور نزاعی مسائل کے تحریر کرنے میں جذبات کا عنصر شامل نہ ہوجائے، فرمایا کہ میں نے ہدایۃ الحیران کی تصنیف وتالیف ایسے وقت میں شروع کی ہے جبکہ ہر طرف ان مسائل پر کھلے عام بحثوں اور مناظروں کا سلسلہ مدہم پڑ گیا ہے اور ماحول کی گرما گرمی بھی ٹھنڈی پڑ گئی ہے یہ وقت میں نے اس لئے منتخب کیا ہے تاکہ جو لکھوں سدید ہو شدید نہ ہو۔

حضرت ترمذی صاحبؒ: نرم مزاج اور ہنس مکھ تھے علمی اور تحقیقی نکات سے بہت خوش ہوتے

تھے اوران باتوں سے اپنے سے چھوٹوں کی بھی خوب حوصلہ افزائی فرماتے، اس زمانہ میں میں نے بھی ایک رسالہ بنام ''شان امیر معاویہؓ '' تالیف کیا تھا جسے پڑھ کر حضرت نہایت خوش ہوئے اوراز راہ شفقت اس پر اپنی تقریظ اور تصدیق بھی تحریر فرمائی۔

آپ حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی کے فرزندار جمند ہیں آپ کے والد ماجد سید عبدالکریم گمتھلویؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ان خصوصی محقق اصحاب فتویٰ میں شامل تھے جنہیں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے خانقاہ تھانہ بھون میں فتاویٰ تحریر کرنے پر مامور فرمایا تھا خانقاہ تھانہ بھون میں کثرت سے استفتاء کی ڈاک آتی تھی اس میں سے جس ڈاک کا جواب حضرت تھانوی صاحبؒ خود تحریر فرماتے اس کے مجموعہ کا نام ''امدادالفتاویٰ'' ہے جو کہ چھ(۶) جلدوں میں دستیاب ہے۔

اور جو فتاویٰ خانقاہ میں رہتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا سید عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ تحریر فرماتے تھے ان فتاویٰ کیلئے حضرت تھانویؒ نے خود ہی ''امدادالاحکام'' کا نام تجویز فرمایا تھا، ان حضرات کے تحریر کردہ فتاویٰ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں نقل فتاویٰ کے رجسٹروں میں محفوظ کئے جاتے تھے یہ ڈبل سائز کے آٹھ بڑے بڑے رجسٹر ہیں جنہیں خانقاہ تھانہ بھون کے منتظم حضرت مولانا شبیر علی صاحب قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے ساتھ لائے اور یہ عظیم سرمایہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں منتقل فرمادیا۔اب یہ آٹھوں رجسٹر دارالعلوم کراچی میں محفوظ ہیں۔

پہلے پہل ان رجسٹروں سے فقہی ابواب کی ترتیب پر مسائل کا انتخاب کر کے اس کی ایک جلد شائع کرائی گئی پھر اس کے بعد جب ان رجسٹروں سے مسائل ترتیب دے کر دوسری جلد کی کتابت کرائی گئی تو میں نے اور مفتی محمد خالد میمن صاحب (نیو ہالہ) نے اس جلد کی کتابت کو اصل رجسٹروں سے تقابل کر کے نظر ثانی کی خدمت انجام دی کیونکہ یہ جامعہ حقانیہ کے سابقہ گہرے علمی تعلق کا نتیجہ تھا اس لئے جب حضرت ترمذی صاحب کو اس کا علم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں اب یہ کتاب چار جلدوں میں چھپ کر امدادالاحکام کے نام سے منظر عام پر آ چکی ہے جو کہ اہل فتویٰ حضرات کیلئے حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی کے مرشد علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی اور آپ کے والد ماجد حضرت مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ کے تحقیقی فتاویٰ پر مشتمل بیش بہا علمی تحفہ ہے۔

''گمتھلہ''، ضلع کرنال میں ایک قصبہ کا نام ہے، گمتھلہ کا معنیٰ ہے گمنام یعنی غیر مشہور جگہ حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحب اسی قصبہ کے رہنے والے تھے اور اسی قصبہ کی طرف نسبت کر کے اپنے نام کے ساتھ گمتھلوی لکھتے تھے حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحبؒ نے کئی بار یہ لطیفہ سنایا کہ حضرت رائپوری صاحبؒ از راہ تفنن فرمایا کرتے تھے کہ سید عبدالکریم کے بعد یہ ''گمتھلہ'' کہاں رہا۔؟ یہ تو ''مشہور تھلہ'' ہو گیا۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کے بعد جامعہ حقانیہ کے اہتمام کا منصب اور افتاء وتدریس کی ذمہ داریاں ان کے ہونہار فرزند مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی نے بحسن وخوبی سنبھال رکھی ہیں، سادات کے اس گھرانے کی نسلاً بعد نسل دینی اور علمی خدمات کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ کہنا پڑتا ہے ؎ ایں خانہ ہمہ آفتاب است

حدیث نبوی کی مشہور کتاب جامع ترمذی کے مؤلف اما ابوعیسیٰ ترمذی جس طرح ایک عظیم محدث اور جلیل القدر فقیہ تھے اور یہ بات جامع الترمذی کے تمام پڑھنے اور پڑھانے والوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہے اسی طرح ہمارے زمانہ میں حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی بھی حدیث وتفسیر اور فقہ وفتویٰ کی ایک قابل قدر اور عظیم المرتبت جامع شخصیت تھے اس تماثل علمی اور ترمذی کی طرف توحّد نسبت کی بنیاد پر آپ بجا طور پر اس عہد کے **''امام ترمذی ثانی''** تھے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس عطاء فرمائے۔ ؎

ایں دعا از من واز اہل جہاں آمین باد

فقیہ العصرؒ کے چند اوصاف جمیلہ

حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہم استاذ حدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

لباس کے معاملہ میں حضرت کا معمول ہمیشہ سے یہ ہے کہ سفید لباس کو بہت پسند فرماتے ہیں پاجامہ اور کلیوں کا کرتہ اور سر پر عمامہ کا سلسلہ بھی اکثر جاری رہا مگر بیماری کی وجہ سے یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ حضرت تھانویؒ کے نہج کلی ٹوپی نمونہ کی ٹوپی استعمال کرتے ہیں اور ٹوپی پر لنگی تہہ در تہہ کر کے استعمال کرتے ہیں سردی میں واسکٹ پہنتے ہیں جیبی گھڑی استعمال کرتے ہیں ایک عرصہ تک اس میں کالی ڈوری استعمال کی گئی مگر کچھ عرصہ سے اس میں زنجیر ڈال دی گئی ہے جو حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ کے فتاویٰ پر عمل ہے مدت دراز تک اچکن بھی استعمال کی ہے انبالہ کے بنے ہوئے سلیم شاہی جوتا کے استعمال کا طریقہ اب تک معمول ہے جو سرگودھا سے بنائے جاتے ہیں۔ عصر کی نماز کے بعد مدرسہ میں عام مجلس ہوتی ہے جس میں ہر مکتب فکر کے لوگ شامل ہوتے ہیں دینی مسائل اور دیگر عنوانات پر سیر حاصل بیان فرماتے ہیں بزرگوں کے واقعات بڑے شوق سے سناتے ہیں تعویذات کیلئے بھی وقت مقرر فرمایا ہوا ہے کبھی کسی سے تعویذ کا بدلہ نہیں لیا خواہ کوئی کتنا ہی مجبور کرے حتیٰ کہ اگر اس دوران کوئی مدرسہ کی خدمت بھی کرے تو کوئی اور مناسب وقت بتا دیتے ہیں یعنی ذرا سا عطیہ بھی ناپسند فرماتے ہیں۔ مہمان نوازی کا معمول یہی ہے کہ اخراجات کو خود برداشت کیا جائے اور مدرسہ پر اس کا بوجھ نہ ڈالا جائے اسی لئے مدرسہ کے اخراجات میں مہمان نوازی کی کوئی مد نہیں رکھی گئی خواہ وہ مہمان مدرسہ کے متعلق ہی کیوں نہ ہو اس کا اثر یہ ہے کہ دوسرے اساتذہ کرام بھی مہمان نوازی پر ذاتی خرچ کرتے ہیں۔ ٹیلیفون کی کالوں کا بل اور کاغذ قلم دوات جیسے اخراجات کا بوجھ بھی مدرسہ پر نہیں ڈالا جاتا کیونکہ مدرسہ کا کوئی علیحدہ منشی مقرر نہیں کیا گیا اس لئے اندراجات کا کام بھی خود سرانجام دیتے ہیں مدرسہ کا پیڈ بھی اپنے ہی خرچ سے طبع کراتے ہیں احتیاط ہی رہتی ہے کہ اپنی چیز مدرسہ اور طلباء پر استعمال ہو جائے لیکن مدرسہ کی چیز اپنے ذاتی استعمال میں نہ آئے۔

مسلک اہل حق کا پاسبان

حضرت مولانا نور محمد قادری مدظلہ جامع مسجد ترنڈہ محمد پناہ

بندہ عاجز نے ۱۹۹۷ء میں دارالافتاء والارشاد کراچی کے مفتی صاحبان کا عقیدہ متعلقہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کرنے کی غرض سے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کا راولپنڈی والا فیصلہ لکھ کر بھیجا اور استفتاء کیا کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کو ماننا یا نہ ماننا دونوں یکساں ہیں؟ اس کے اثبات اور انکار سے کوئی اثر مرتب ہوگا یا نہ؟ اور وہ اثر کیا ہوگا؟ حکیم الاسلامؒ کے فیصلے کا متن متین یہ ہے کہ ''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ دارالافتاء والارشاد کی طرف سے مجھے درج ذیل جواب موصول ہوا کہ: اس تفصیل پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ بعدہ بندہ عاجز نے اپنا مذکورہ بالا استفتاء مع جواب دارالافتاء والارشاد کے اپنے مسلک کے دیگر مفتیان کرام کی طرف تصدیق یا تردید کی غرض سے بھیجا۔

چنانچہ جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ قاسم العلوم ملتان، دارالعلوم کبیر والا، جامعہ نصرت العلوم گوجرانولہ، جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، جامعہ فاروقیہ کراچی، جامعہ انوریہ حبیب آباد طاہر والی، جامعہ احیاء العلوم ظاہر پیر، جامعہ قاسم العلوم فقیر والی، مدرسہ حنفیہ تعلیم القرآن جہلم کے تمام مفتیان کرام نے حکیم الاسلامؒ کے فیصلہ کو شرعی فیصلہ قرار دیا اور اس متفقہ عقیدہ کے منکرین کو بدعتی، گمراہ اور خارج از اہل سنت والجماعت قرار دیا اور کہا کہ ایسے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور یہی فتویٰ دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی سید محمد مہدی حسن صاحب اور ان کے علاوہ ملک کے دیگر مفتیان کبار اور علماء عظام بھی دے چکے ہیں۔ مذکورہ تمام فتاویٰ جات بندہ عاجز کے پاس محفوظ ہیں اللہ تعالیٰ بھلا کرے اور جزاء خیر

عطا فرمائے دارالعلوم کبیر والا کے حضرات کو جنہوں نے میرا یہ استفتاء مع جواب دارالافتاء والارشاد حضرت اقدس فقیہ العصر یادگار اسلاف حضرت مولانا سید مفتی عبدالشکور صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں جامعہ حقانیہ ساہیوال بھیج دیا کچھ عرصہ کے بعد مجھے مسلک اہل حق کے پاسبان کا مدلل مکمل اور جامع جواب موصول ہوا، اکابرین کے تمام فتوؤں سے مفصل فتویٰ انہی کا تھا پڑھ کر مسرت نصیب ہوئی اور ایمان تازہ ہوگیا کیونکہ اس فتویٰ میں علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم کے نظریات کی پوری پوری ترجمانی کی گئی ہے اوران کے مسلک ومشرب کی پاسبانی کی گئی ہے اورخدمت دین کی حق ادائیگی کی گئی ہے نیز حضرت اقدسؒ نے بقدر ضرورت دارالافتاء والارشاد کے فتویٰ پر تبصرہ بھی فرمایا اور دلائل سے ثابت کیا ہے مسلک علماء دیوبند سے وابستہ ہر فرد کیلئے ضروری ہے کہ وہ عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام پر ایمان ویقین رکھے کیونکہ اس عقیدہ پر ایمان ویقین کے بغیر کوئی شخص دیوبندی المسلک کہلانے کا حقدار نہیں ہے بلکہ وہ شخص سنیت و دیوبندیت سے خارج ہے بہرحال حضرت ترمذیؒ کا یہ فتویٰ نہایت ہی مکمل مدلل اور مفصل ہے۔ چونکہ صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب سلمہ الواھب نے بندہ عاجز کو حکم فرمایا کہ میں ان کے والد محترم کے شان ومقام کے متعلق کچھ باتیں سپرد قلم کروں حالانکہ بندہ ناچیز قطعاً اس کا اہل نہیں ہے تو میں نے یہ سوچا کہ حضرت اقدسؒ کا وہ فتویٰ روانہ کردوں جو کہ ان کے علمی مقام اور تحقیقی شان کا مظہر ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس محققانہ فتویٰ سے علمی دنیا میں حضرت اقدس کا جو تعارف ہوگا وہ میرے تحریر کردہ مضمون سے ہزار درجہ بہتر اور مبنی بر حقیقت ہوگا۔ کسی نے خوب کہا ہے ''مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' یا پھر یوں کہا جائے کہ ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' وہ فتویٰ یہ ہے۔

﴿ الاستفتاء ﴾

واجب الاحترام والاکرام فقیہ العصر حضرۃ مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ............مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں؟ یا مندرجہ ذیل تفصیل پر بھی اعتقاد وایمان ضروری ہے! وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بتعلق روح حیات حاصل

ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اس تفصیل کی شرعی حیثیت کیا ہے اس کو ماننا یا نہ ماننا دونوں یکساں ہیں اس کے اثبات اور انکار سے کوئی اثر مرتب ہوگا؟ اور وہ اثر کیا ہوگا۔ بینوا توجروا...... فقط والسلام...... ابواحمد نور محمد قادری تونسوی

خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ۔۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ ۲۵؍اگست ۱۹۹۶ء

﴿ الجواب باسم ملہم الصواب ﴾

اس تفصیل پر ایمان لانا ضروری نہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ افضال احمد

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی، ۱۶؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ۔

الجواب صحیح محمد احمد۔ الجواب صحیح محمد موسیٰ۔ مہر دارالافتاء والارشاد

﴿ عریضہ بخدمت حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم کبیر والا ﴾

محترم ومکرم جناب مفتی صاحب مدظلکم..............................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی کا فتویٰ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جارہا ہے اس کا خطا یا صواب ہونا واضح فرمائیں جزاکم اللہ۔ فقط والسلام۔ ابواحمد نور محمد قادری

خادم جامعہ عثمانیہ ترنڈہ محمد پناہ۔ یکم رجب المرجب ۱۴۱۷ھ

مکتوب گرامی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بنام

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ

مکرمی ومحترمی جناب حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی............السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امابعد:

امید ہے کہ مزاج باعافیت ہونگے! استفتاء اور دارالافتاء والارشاد کا جواب حاضر خدمت ہے جواب کی تکلیف فرماویں ذرا مفصل ہو تو بہتر، جناب کا جواب مستفتی کو بھیج دیا جائے گا اس کی نقل ہم رکھ لیں گے۔ والسلام عبدالقادر عفی عنہ دارالعلوم کبیر والا

۱۰؍شعبان ۱۴۱۷ھ

﴿جواب از دارالافتائ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وشہداء عظام کے متعلق صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی نہیں ہے کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں بلکہ اہل سنت اور اہل حق کے عقیدہ کے مطابق یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ قبر (برزخ) میں روح کے تعلق سے ان حضرات کو حیات حاصل ہے اس کی تصریح علماء عقائد نے کی ہے کہ صرف روح یا صرف بدن کی حیات بغیر تعلق روح کا عقیدہ جمہور اہل سنت کے خلاف معتزلہ وغیرہ کی شاخ صالحیہ وکرامیہ اور روافض کا عقیدہ ہے اسی قبر میں عذاب وثواب کے عقیدہ میں اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان اختلاف واقع ہوا اہل سنت اور اہل حق کا مذہب یہی ہے کہ میت کو قبر میں اعادہ روح کے ساتھ حیات حاصل ہوتی ہے اور بدن وروح کے مجموعہ پر عذاب وثواب ہوتا ہے بدن پر بغیر روح کے عذاب وثواب اہل سنت کے نزدیک غیر معقول ہے کیونکہ روح کے بغیر بدن جماد محض ہے اس میں حیات نہیں ہے اور حیات کے بغیر جماد میں الم اور لذت کا احساس غیر متصور ہے جیسا کہ علامہ خیالیؒ وعلامہ عبدالحکیمؒ نے اس کی تصریح کی ہے عقائد اہل سنت کی درسی کتاب ''الخیالی'' کے مشہور محشی علامہ ایوبی اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اعلم ان المذهب فی هذاالمقام ثلاثةالاول الميت حی فی قبرہٖ فيعذّب وهذا هو المذهب اهلالسنة والحق والثانی انه جمادلايعذّب ولا يدرك العذاب هذا هوالمذهب جمهورالمعتزلة والروافض والثالث انه جماديعذب وهذاهو مذهب الصالحية من المعتزلة ومذهب ابن جرير (الخیالی ۱۱۸) اور علامہ نووی شارح مسلم وغیرہ نے اعادہ روح کی تصریح کی ہے اور بغیر اعادہ روح کے تعذیب کو فاسد کہا ہے چنانچہ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں: ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينهٖ او بعضهٖ بعد اعادة الروح اليه اوالیٰ جزءٍ منه وخالف فيه محمد بن جرير وعبداللّٰه بن كرام وطائفة فقالوا لاتشترط اعادة الروح قال اصحابناهذافاسدلان الالم

والاحساس یکون فی الحی الخ (شرح مسلم ص۳۸۵ ج۲) علامہ ملا علی قاری حنفیؒ الفاظ حدیث فیعاد روحه فی جسده کی شرح میں فرماتے ہیں: ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء بدنه فلاالتفات الى قول البعض ولاالى قول ابن جرير الى نصفه فانه لا يصح ان يقال من قبل العقل بل يحتاج الى صحة النقل (مرقات ص۲۵ ج۴) امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی (المتوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: واذاجاز ان يكون المؤمنون قد احيوا فى قبورهم قبل يوم القيامة وهم منعمون فيها جاز ان يحى الكفار فى قبورهم فيعذبوا (احکام القرآن ج۱ ص۱۵۸) علامہ سید محمود الحنفی آلوسی مفتی بغداد فرماتے ہیں: وتحقيقه فى شرح الشمائل للعلامةابن حجر ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزء بل هى متصلة مشرقة على سائر اجزاء البدن وان تفرقت وكان جزأبالمشرق وجزأبالمغرب ولعل هذاالاشراق علے الاجزاء الاصلية لانهاالتى يقوم بها الانسان من قبره يوم القيامة علے ما اختاره جمع (تفسیر روح المعانی ج۱۵ ص۱۶۳) ان عبارات سے واضح ہے کہ مردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور یہ زندگی ان کی ارواح کو ان کے اجسام کی طرف لوٹا کر حاصل ہوتی ہے یہی مذہب اہل حق اہل سنت والجماعت کا ہے اس کا انکار معتزلہ وغیرہ اہل باطل نے کیا ہے جو شخص بھی عذاب قبر کا قائل ہو اس کو احیاء موتیٰ فی القبر بتعلق روح کا قائل ہونا ضروری ہے اس لئے کہ احیاء فی القبر کے قائل ہوئے بغیر عذاب قبر کا اقرار کرنا حقیقت میں اس کا انکار کرنا ہے اور بغیر تعلق روح کے حیات کا قول درحقیقت انکار حیات ہے کما مر مفصلاً تو اب جو شخص بغیر تعلق روح کے قبر کی حیات کا قائل ہے اور مجمل طریقہ پر قبر کی حیات کا قائل ہے وہ مذہب اہل حق اور مذہب اہل سنت کے مختار مذہب کے خلاف کا قائل ہے کیونکہ حیات کے بغیر عذاب وثواب کے کوئی معنیٰ نہیں اور بغیر تعلق روح کے حیات کے کوئی معنیٰ نہیں اسی لئے سلف امت میں احیائے موتیٰ کے اندر کوئی اختلاف نہیں تھا اور عذاب القبر حق اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ ہے شرح مواقف میں ہے: احياء الموتى فى قبورهم ومسئلة منكرو نكير وعذاب القبر للكافرو الفاسق كلها حق عندنا اتفق عليه سلف الامة قبل ظهورالخلاف واتفق عليه الاكثر بعده ۔ اور مواقف کے شارح علامہ سید شریف الجرجانی لکھتے ہیں: واذا ثبت التعذيب ثبت الاحياء والمسئلة لان كل من قال بعذاب القبر قال

بھما (شرح مواقف ص۱۶۷) جب ہر قائل عذاب قبر قائل حیات فی القبر ہے اور عکس نقیض موجبہ کلیہ کا موجبہ کلیہ لازم ہے یعنی کل من لم یقل بھمالم یقل بعذاب القبر تو منکر حیات منکر عذاب قبر ہوگا حالانکہ عذاب قبر تمام اہل سنت کے نزدیک دلائل متواترہ سے ثابت ہے آیات سے بھی احادیث سے بھی علامہ عینیؒ نے عذاب قبر سے متعلق آیت وحاق بآل فرعون سؤ العذاب کے تحت عذاب قبر کی احادیث کے بارے میں لکھا ہے: ولنا ایضاً احادیث صحیحة واخبار متواترة پھر احادیث درج کی ہیں حدیث صحیحہ کو متواترہ کہنے کے بعد کسی حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف کہہ بھی دیا ہو تو حسب اصول حدیث تواتر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا اور علامہ کے صحیح کہنے کے بعد وہ قابل اعتناء بھی نہیں ہوگا۔ صاف ظاہر ہے کہ عذاب قبر ایسی چیز کو ہی ہوسکتا ہے جو قبر میں ہے اور زندہ ہے اس لئے روح کا قبر میں ہونا یا اس کا تعلق ضروری ہے یہی حیات ہے ورنہ جسم خالی از روح جو جمادات میں سے ہے عناصر اربعہ جامدہ کا مجموعہ ہے اس کو عذاب کے کیا معنیٰ؟ اور بغیر تعلق روح کے حیات کے کیا معنیٰ؟ عذاب تفعیل کا اسم مصدر بخاصیت سلب ہے عذوبۃ یعنی شیرینی حیات کو سلب کرنا ہے عذوبت حیات حیات کو ہی لاحق ہوتی اسی کا سلب عذاب ہے یہ جماد میں کیسے ممکن ہے جب کہ اس میں حیات ہی نہیں ہوتی اور معتزلہ کی شاخ کرامیہ جو کہ میت کو جماد مانتے ہوئے بھی اس کے عذاب کے قائل ہیں جیسا کہ حاشیہ خیالی سے اوپر گذرا وہ مردود اور سفسطہ ہے علامہ خیالی فرماتے ہیں: جوز بعضهم تعذيب غير الحی ولاشك انه سفسطة لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه (ص۱۱۸) عقائد اہل سنت کی سب کتابوں میں عذاب قبر کے برحق ہونے کی تصریح کی گئی ہے اور اس عقیدہ کو ضروریات اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے اور "عذاب القبر حق" اس کے حق ہونے کی تصریح کر رہا ہے اور یہ بغیر حیات فی القبر کے متصور نہیں اور حیات بغیر تعلق روح کے ثابت اور تعذیب وتنعیم کیلئے کافی نہیں کیونکہ اس میں احساس ہی نہ ہوگا اب جو شخص بتعلق روح قبر میں جسم کی حیات کا قائل نہ ہو اور صرف حیات کا قول کرتا ہوں وہ درحقیقت منکر حیات ہے معتزلہ اور روافض کے موافق اور اہل سنت کے مخالف ہے کیونکہ اہل سنت بتعلق روح قبر میں حیات کے قائل ہیں جبکہ معتزلہ اور روافض اس کے قائل نہیں۔ اس تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ قبر میں جو حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وشہداء عظام کو حاصل ہے وہ بتعلق روح ہے اور یہی عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے اس کے

خلاف جوعقیدہ ہوگا وہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہوگا اور اسی تحقیق سے سوال میں درج شدہ مفصل عقیدہ کی شرعی حیثیت بھی واضح ہوگئی کہ وہ اہل سنت والجماعت کے موافق ہے اور یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے ورنہ اہل سنت کے خلاف لازم آئے گا۔ اب رہا سوال کا دوسرا جز کہ" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر صلوٰۃ وسلام عرض کیاجائے تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس بغیر واسطہ کے خود سنتے ہیں'' تو اس میں اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں ہے اگر چہ عام اموات کے سماع عندالقبر میں اختلاف ہے مگر سماع انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام عندالقبر میں کسی کو اختلاف نہیں'' چنانچہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ: تیسرے یہ کے قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے لئے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیوے اس میں میں علماء کا اختلاف ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اور اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔ (۹۹/۱۰۰ فتاویٰ رشیدیہ) اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع عندالقبر اجماعی مسئلہ ہے فقہاء کا اس پر اجماع ہو چکا ہے ان کے سماع میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں سماع انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا انکار اجماع فقہا کا انکار ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب حدیث مامن رجل یسلم علی الاردالله تعالیٰ علی روحی حتی ارد علیه السلام جس کو علامہ ابن تیمیہ نے حدیث جید فرمایا ہے (ص ۳۶۱/ ج ا فتاویٰ ابن تیمیہ) کی تشریح میں لکھتے ہیں اتنی بات سب کے نزدیک مسلمہ اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خاص کر سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلانے کیلئے اس میں روح ڈال دیتا ہے اس بناء پر اکثر شارحین نے رد روح کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدے میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ

تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں پس اس روحانی توجہ اور التفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا یہی جواب علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی اپنی شرح بخاری میں ارقام فرمایا ہے۔ اور عندالقبر سماع اس کے علاوہ دوسری احادیث سے بھی ثابت ہے جیسا کہ احادیث ذیل سے واضح ہے۔

(۱) عن ابی ھریرہ قال رسول الله صلی اللّٰه علیه و سلم من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیاً ابلغته رواه البیهقی فی شعب الایمان(مشکوٰۃ شریف ص۸۷و تحریرات حدیث ص ۲۱۱لمو لاناحسین علی رحمه الله تعالی۔

(۲) لیھبطن عیسیٰ ابن مریم حکماً اماماً مقسطاًو لیسلکن فجاحاجاو معتمرا و لیأ تین قبری حتی یسلم علی و لاردن علیه(الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴۰) اس حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے سلام کا جواب مرحمت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ سماع سلام کے بغیر جواب کی کوئی صورت ممکن نہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روضہ مبارک کے پاس سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی عنایت فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ عرض صلوٰۃ وسلام اور اس کا جواب آپ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے جو جسم مع روح کا نام ہے صرف جسم یا تنہا روح کا یہ کام نہیں ہے۔

اکابر علماء دیو بند کا متفقہ فیصلہ

اکابر دیو بند کا مسلک بھی یہی ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیاوی کے مماثل ہے صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے مکلّف نہیں ہیں لیکن وہ (تلذّ ذا) نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے اکابر دیو بند رحمہم اللہ کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مستقل تصنیف حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ''آب حیات'' کے نام سے موجود ہے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا

رسالہ ''المہند علی المفند'' بھی اہل انصاف واہل بصیرت کیلئے کافی ہے اور جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی، عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ، مفتی محمد صادق عفا اللہ عنہ سابق محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور، مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دارالعلوم کراچی، ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈ والہٰ یار، محمد رسول خان عفا اللہ عنہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (مقام حیات ص۲۷۲ مطبوعہ اول)

حضرت مولانا مفتی مہدی حسنؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی ''مقام حیات'' میں طبع ہو چکا ہے جس میں تصریح ہے کہ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدہ والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ آگے لکھا ہے کہ: تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل سنت والجماعت ہے غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں (ص ۲۶۷) اس فتویٰ پر استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ وغیرہ حضرات کے دستخط بھی موجود ہیں ان سب حضرات نے مزار مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسدی کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کو اہل سنت والجماعت سے خارج اور خراب عقیدہ والا بدعتی قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے نیز حیات جسدی بغیر تعلق روح کے ممکن نہیں چونکہ جو حیات بغیر تعلق روح کے ہوگی وہ حیات جمادی ہوگی جس کے ساتھ عذاب وثواب ناممکن اور غیر متصور ہے جیسا کہ علماء متکلمین کی عبارات میں صراحۃً گذر چکا ہے اس لئے روح کے تعلق کے ساتھ حیات فی القبر کا عقیدہ ضروری ہے اور مسلک اکابر دیوبند سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ قبر مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات بتعلق روح حاصل ہے جیسا کہ اوپر مفصلاً اس تحریر میں بھی گذر چکا ہے۔ مذکورہ تمام تفصیل سے معلوم ہوگیا ہے کہ قبر میں تعذیب وتنعیم کا تعلق روح وجسم دونوں کے ساتھ ہے اور بغیر روح کے حیات کے کوئی معنیٰ نہیں ہے اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ تعذیب وتنعیم کا

تعلق روح وجسم دونوں سے ہے، احسن الفتاویٰ ص۱۹۴ج۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں: بعض علماء کا خیال ہے کہ عذاب قبر فقط روح کو ہوتا ہے اور روح کا تعلق قبر سے رہتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ عذاب روح وجسد پر ہوتا ہے...................... باقی رہا یہ سوال کہ جسم پر وقوع عذاب ہمیں معلوم نہیں ہوتا یا جسم کے اجزاء متفرق ہوجاتے ہیں اور انہیں مٹی کھا جاتی ہے سو اس کے حل کیلئے صوفیاء نے یہ قول کیا ہے کہ اعادہ روح جسم مادی میں نہیں بلکہ جسم مثالی میں ہوتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ جسم مادی ہی میں روح کا اعادہ ہوتا ہے مگر اسے ہم معلوم نہیں کرسکتے الخ۔ جب تعذیب وتنعیم کا تعلق جسم اور روح دونوں سے ہوتا ہے اور بغیر تعلق روح حیات فی القبر کا تصور ممکن نہیں تو پھر روح کے تعلق کو بدن مادی کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہوا اور اس تعلق کو ضروری نہ سمجھنا تعذیب وتنعیم فی القبر کا حقیقۃً انکار کرنا ہے گو لفظوں میں انکار نہ بھی ہو کیونکہ یہ عقیدہ معتزلہ کی شاخ کرامیہ کا ہے کہ وہ بدوں حیات کے بھی قبر میں جسم کو جماد مانتے ہوئے اس کے معذب اور مثاب ہونے کے قائل ہیں ان کا یہ عقیدہ قطعاً اہل سنت والجماعت کے آئمہ اور متکلمین اسلام کے خلاف ہے لہٰذا حیات فی القبر کے عقیدہ کیلئے جسم خاکی کے ساتھ روح کے تعلق کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے اور بغیر تعلق روح کے حیات کا کوئی معنیٰ نہیں یہ اقرار بھی درپردہ انکار ہی ہے بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب صلوٰۃ وسلام کے سماع پر اجماع ہے اور اس کا احادیث صحیحہ سے ثبوت بھی ہورہا ہے جیسا کہ اوپر اس تحریر میں بھی مختصراً گذرا ہے اس لئے یہ عقیدہ بھی ضروری ہے۔ عبارت مسئولہ میں جس تفصیل کا ذکر کیا گیا ہے اس میں انہی مذکورہ دونوں عقیدوں کے بارے میں پوچھا گیا تھا اس لئے اس تفصیل پر اعتقاد کا ضروری ہونا مسلک اہل سنت والجماعت میں ثابت کردیا گیا ہے اور جب جسد مادی کے ساتھ تنعیم وتعذیب کا تعلق روایات صحیحہ اور اکابر اہل سنت والجماعت کی تصریحات سے ثابت ہوچکا ہے تو جسد مثالی کے ساتھ اس کا تعلق صحیح نہ رہا جیسا کہ حضرت مفتی صاحب کی عبارت میں بھی تصریح ہے کہ جسم مثالی سے اس کا تعلق صحیح نہیں۔ رہا یہ کہ من صلی علی عند قبری الخ میں محمد بن مروان سُدّی صغیر مجروح راوی ہے، اول تو اس پر مسئلے کا دارومدار نہیں بلکہ دوسری احادیث صحیحہ سے سماع عندالقبر کا ثبوت ہورہا ہے اور اس پر اجماع امت بھی ہوچکا ہے اور اجماع کے بعد ہر ہر راوی کی توثیق کی ضرورت نہیں رہتی دوسرے امام بیہقی کی اس روایت کی سند میں ابوعبدالرحمٰن کا ذکر ہے، امام بیہقی کی رائے یہ ہے کہ

وہ محمد بن مروان سُدی صغیر ہے اور وہ مجروح ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ھذا ھو ابو عبدالرحمن محمد بن مروان السدی فیما اریٰ وفیہ نظر" (حیات الانبیاء للبیہقی ص۱۷) اول تو اس ابوعبدالرحمٰن سے محمد بن مروان سُدی کا مراد ہونا متعین نہیں ہوتا صرف امام بیہقی کی رائے ہے اور اس کو مان لینے کے بعد بھی وہ اس حدیث کے مضمون کو دوسری احادیث سے تائید کی وجہ سے قبول کرتے ہیں وفیہ نظر کے متصل فرماتے ہیں وقد مضی مایؤکّدہ ،ثابت ہوا کہ امام بیہقی کے نزدیک اگرچہ یہ راوی منظور فیہ ہے مگر اس روایت کا مضمون مقبول ہے متروک نہیں اب امام بیہقی کی نظر و جرح کو بیان کرنا اور ان کی تاکید کے بیان کرنے اور اس روایت کے مضمون کو قبول کرنے سے صرف نظر کرنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا اس کی مزید تفصیل بندہ کی کتاب ''حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ص ۱۵۸'' پر ملاحظہ فرمائیں۔ پھر جمہور اہل سنت نے اس حدیث کی جس سند سے استدلال کیا ہے وہ اس کی دوسری سند ہے جو ابوالشیخ کی سند کہلاتی ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ اور معروف ہیں محدثین کی خاص جماعت اس حدیث کو صحیح مانتی ہے علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ابوالشیخ کی سند کے بارہ میں فرماتے ہیں سندہ جید (فتح الباری ص۳۵۲ ج۶) علامہ سخاوی فرماتے ہیں و سندہ جید (القول البدیع) حضرت ملا علی قاری بھی اسے سند جید فرماتے ہیں ان حضرات کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی اس سند کی توثیق کی ہے لہٰذا یہ روایت جید اور صحیح ہے اس کے حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے الغرض انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات فی القبر اور سماع عند القبر الشریف جمہور اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس میں وہی تفصیل حق ہے جس کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج اور بدعتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب فی کل باب۔

کتبہ الاحقر السید عبدالشکور الترمذی مدیر الجامعۃ الحقانیہ
بساہیوال من مضافات سرجودھا
۲۵ر شوال المکرّم ۱۴۱۷ھ

ایک عظیم علمی راہنما

حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب مدظلہ مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

بعد الحمد والصلوٰۃ : سب سے پہلے اس احقر نالائق کو سید العلماء والاولیاء، المفسر المحدث الفقیہ، البصیر الناقد عارف باللہ حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور صاحب ترمذی نور اللہ مرقدہ کی زیارت اس وقت ہوئی جب میں خیر المدارس ملتان میں پڑھتا تھا، حضرت مفتی صاحب مدرسہ میں تشریف لائے ہوئے تھے مفتی صاحب اپنی قیام گاہ سے باہر نکل رہے تھے دیکھتے ہی ان کی محبت دل میں اتر گئی بس وہ دن تھا کہ پھر یہ محبت ہمیشہ کیلئے قائم ہوگئی اور دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ کیا ہوا سوچنے سے اور بعد کے حالات سے یہ سمجھ آتا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے بندہ کو حضرت سے فیضیاب فرمانا تھا سو فرما دیا ے

حدیث حسن او ناگہ فرو خواندند درگوشم
درآمد عشق یک بارہ ببرد از عقل واز ہوشم

اتانی هواها حین لم اعرف الهوی
فصادف قلباً صافیاً فتمکنا

بندہ کو اس سے حضرت کا کمال خلوص وللّٰہیت، دلربائی اور شان محبوبیت اعلیٰ درجہ کی تواضع اور مقام فنائیت معلوم ہوتا ہے تقبل اللہ منہ واعلیٰ درجاتہ فی الجنۃ ۔ اس کے بعد حضرت سے خط وکتابت اور ملاقات کیلئے حاضری ہوتی رہی، حضرت بھی مجھے امتحانات کیلئے اور سالانہ جلسہ پر مدعو فرماتے رہے ان دونوں موقعوں پر بندہ ہمیشہ بالالتزام حاضر ہوتا رہا۔ حضرت میں عجیب شفقت و دلجوئی تھی میں جب بھی حاضر ہوتا تو بڑی شفقت اور خوشی کا اظہار فرماتے اور باوجود اس احقر کو نسبت خادمیت و نیاز

مندی کے ایسی حسن تلقی اور عزت افزائی فرماتے کہ سفر کی ساری تھکان فوراً دور ہوجاتی اور دل باغ باغ ہوجاتا، گھر بار کی خیریت، مدرسہ اور اساتذہ کی خیریت بھی دریافت فرماتے، میں عرض کرتا تو مسرور ہوتے، بندہ بھی حضرت کی خیریت وحال معلوم کرتا تو کیفیت سے سرفراز فرماتے اور کوئی کتاب زیر تصنیف ہوتی تو بڑی خوشی سے والہانہ انداز میں اس کا تذکرہ فرماتے وغیرہ وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب علاوہ دلجوئی کے سنت کے اتباع میں اکرام ضیف کی بھی حکیمانہ عملی صورت تھی۔ میں جب تک حضرت کے ہاں رہتا فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا رہتا تھا حضرت کی مجلس بڑی پر لطف اور بابرکت مجلس ہوتی تھی، حضرت میں خوش مزاجی بھی وقار کے ساتھ لطیف پیرایہ میں پائی جاتی تھی بے تکلفانہ انداز تھا اس لئے مجلس سے کبھی جی اکتاتا نہیں تھا بلکہ جی چاہتا تھا کہ محظوظ ہوتے ہی رہیں جب وہاں سے اٹھتے تو پریشانی اور کدورات وغیرہ سب کافور ہوتی تھیں اور قلب میں ایک طرح کا سکون اور تسلی حاصل ہوتی، یہ سب آپ کی صحبت کی تاثیر کی برکت تھی۔ وہاں قیام کے دوران اگر جمعہ کا دن آتا تو کبھی کبھی حضرت احقر کو بیان کیلئے بھی فرماتے، بندہ اپنی کم مائیگی اور خاص مشق نہ ہونے کی وجہ سے حضرت کے سامنے وعظ کہنے سے بہت گھبراتا تھا اور شرماتا بھی تھا، تاہم تعمیل حکم کی وجہ سے عذر نہیں کرسکتا تھا، اور یوں بھی بڑوں کا ہمیشہ سے طریق رہا ہے کہ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور عملی تربیت فرمانے کیلئے ایسے موقعوں میں آگے فرماتے رہتے ہیں۔ الغرض ایک دفعہ حضرت نے بیان کیلئے فرمایا رمضان کا مہینہ اور غالباً آخری عشرہ تھا، بندہ نے اس مناسبت سے اعتکاف، لیلۃ القدر اور نزول قرآن کے متعلق بیان کیا، اور عظمت قرآن کے ذیل میں کلام نفسی اور کلام لفظی کا بھی بیان کردیا بعد میں حضرت نے فرمایا کہ لوگ ان باتوں کو کہاں سمجھتے ہیں، تب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور سمجھ آیا کہ بیان کرتے ہوئے ہمیشہ لوگوں اور مخاطبین کے مزاج اور فہم کی رعایت بڑی ضروری چیز ہے۔ امید ہے کہ میں اس شفقت واحسان کو عمر بھر نہیں بھولوں گا اور حکم بھی یہی ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ آخری دور میں بندہ اپنے اہم معاملات دینی و دنیوی کے بارے میں حضرتؒ سے خصوصاً مشورہ اور رائے لیتا رہتا تھا، بعض دفعہ صرف استشارہ ہی کیلئے سفر کرکے حضرت کی خدمت عالی میں حاضر ہوتا تھا، حضرت بڑی دلسوزی اور شفقت سے نہایت عاقلانہ مدبرانہ حکیمانہ مشوروں سے نوازتے اور ہمت ودعاء سے خاص توجہ فرماتے، الحمد للہ کہ کھلی آنکھوں اس کی برکات کا مشاہدہ ہوتا اور راحت وسکون اور عافیت

نصیب ہوتی ان شفقتوں کو کیسے کوئی بھلا سکتا ہے کسی کا درد اور فکر، اللہ و رسولؐ کی سچی محبت یہی ہے ؎

مسلمانی غم دل درخریدن　　چو سیماب از تپ یاراں تپیدن

اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس کا اجر عظیم اور انتہائی جزاء خیر عطا فرمائے آگے بطور مثال اور نمونہ کے حصول تبرک کیلئے تین خطوط کے اقتباسات پیش کرتا ہوں:

﴿ عریضہ اول ﴾

ایک دفعہ بندہ نے کسی خاص ضرورت کے تحت دو مدرسوں میں کام کرنا شروع کیا حضرت کو اس کی اطلاع دی اور دعا کیلئے درخواست پیش کی تو اس پر تحریر فرمایا: دونوں مدرسوں میں آپ کے کام کرنے سے خوشی ہوئی، مگر ''برضعیفاں قدر ہمت کارنہ'' کے مطابق بقدر ہمت کام کی ذمہ داری مناسب ہے ہمت وتحمل سے زیادہ کام کرنے سے طبیعت بجھ جاتی ہے اور ضروری کام بھی پھر نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جگہ کے فرائض ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور آسان فرمادیں آمین۔

﴿ عریضہ دوم ﴾

ایک عریضہ کسی خاص معاملہ کے بارے میں حضرت کی خدمت عالی میں لکھا تو اس پر تحریر فرمایا:　　عزیزم سلمہم اللہ　　وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مفصل خط ملا، پڑھ کر بہت دل خوش ہوا، آپ کی محبت وتعلق کی بڑی قدر ہوئی، امید ہے کہ صلحاء کی محبت کا ذخیرہ آخرت میں کام آئے گا اور نجات کا سبب بن جائے گا، الحمدللہ اکابرؒ کی جوتیوں کے طفیل علماء صلحاء کے قلوب میں احقر کے ساتھ حسن ظن قائم کردیا گیا یہ احقر ہرگز ہرگز اس کا اہل نہیں ہے اس پر جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

احقر کے ساتھ قلبی تعلق کا ہی یہ اثر ہے کہ آپ کو برخوردار......سلمہ، کے بارے میں بھی فکر ہے، اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو بہت بہت اجر عطا فرمائیں فمن احبهم فبحبى احبهم کا مطلب بھی اس سے خوب سمجھ میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مسبب ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حب فی اللہ کو آخرت میں جانبین کیلئے مفید ومثمر بنائے۔ آمین ثم آمین

آپ کے محبت بھرے مفید مشورہ کو انشاء اللہ پیش نظر رکھا جائیگا، اور کسی وقت ملاقات پر نظام الاوقات مرتب کرلیا جائے گا۔ والسلام۔

﴾ عریضہ سوم ﴿

ایک عریضہ چند خاص مسائل کے استفسار کیلئے ارسال خدمت کیا، جس میں تین مسائل پوچھے گئے (۱) افطاری اذان مغرب ہونے پر کی جائے یا پہلے افطار ہو اور بعد میں مغرب کی اذان دی جائے۔ (۲) عصر کی فرض نماز کے بعد دعاء سے پہلے بعض جگہ رمضان المبارک میں فضائل رمضان وغیرہ پڑھتے ہیں تو تسبیحات فاطمی پوری نہیں پڑھی جاسکتیں اور کچھ لوگ دعاء مانگے بغیر ہی اٹھ کر چلے جاتے ہیں کیونکہ ان کو ضروری کام ہوتے ہیں (باقی دنوں میں بغیر دعا کئے نہیں جاتے) اور ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسبوق ہو تو اس کو باقی ماندہ نماز پوری کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے کیونکہ لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے آواز بلند ہوتی ہے تو مسبوق کی نماز میں خلل پڑتا ہے ان مشکلات کے ہوتے ہوئے اس دوران کتاب پڑھنا کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟ (۳) بعض حضرات رمضان میں نفلی اعتکاف کرتے ہیں اور تمام معمولات اجتماعی طور پر ادا کرتے ہیں مثلاً ایک معین وقت میں تمام تلاوت کرتے ہیں، معین وقت میں درود شریف پڑھتے ہیں، اور ایک معین وقت میں ہی بیان ہوتا ہے، اور ایک بزرگ یہ سارا نظام مقرر کرتے ہیں اور سب معتکفین کو ہدایت کرتے ہیں کہ ان اوقات میں یہ معمولات ادا کئے جائیں۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر نفلی اعتکاف کرنا چاہے اور اپنے معمولات علیحدہ ادا کرنا چاہے تو اسے مشکلات پیش آئیں گی، اور وہ سب سے اکیلا عجیب سا لگے گا لوگوں کا نشانہ سا بھی بنے گا، غرضیکہ اس طرح دوسروں کو آزادی نہیں رہتی، تو کیا اس طرح اجتماعی عبادات کرنا درست ہے یا نہیں جبکہ مذکورہ بالا مشکلات بھی پیش آتی ہوں ان تینوں سوالات کے جوابات حضرت نے عطاء فرمائے، و ھی ھذہٖ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) احقر کے نزدیک یہی صورت بہتر ہے کہ مغرب کی اذان اپنے وقت پر ہی یعنی وقت ہوتے ہی اول وقت پر ہو اور افطار کی وجہ سے اذان و اقامت میں کسی قدر فصل کر لیا جائے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خانقاہ تھانہ بھون میں احقر نے کئی رمضان المبارک حضرتؒ کی حیات مبارک

میں گزارے ہیں وہاں اسی پر عمل تھا حضرتؒ اذان کے بعد افطاری کیلئے توقف کرتے تھے جو تقریباً دس منٹ ہوتا تھا پھر اقامت و جماعت ہوتی تھی۔ بعض لوگ اذان پر روزہ کھولتے ہیں اس طرح ان کو بھی فائدہ ہوگا بہرحال بہتر صورت یہی ہے اسی پر اکابر کا عمل دیکھا ہے اس لئے اسی کو اختیار کرنا چاہئے اور یہی سنت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہوتے ہی اذان ہونے پر افطار فرماتے تھے اور بعد میں اقامت و جماعت ہوتی تھی مقصد یہ ہے کہ اذان اور اقامت میں فصل بالافطار ہوتا تھا، ولو علیٰ شربة من ماء، یہ صورت نہیں ہوتی تھی کہ افطار پہلے ہو اور بعد میں اذان واقامت میں اتصال ہو هذا ماعندی والعلم عندالله تعالیٰ۔

(۲) عصر وفجر کے بعد بلکہ ہر نماز کے بعد دعاء سے پہلے تین دفعہ استغفر اللہ، آیۃ الکرسی تینوں قل تسبیحات فاطمہ پڑھنے کو فقہا نے مستحب لکھا ہے (درمختار) اس کے بعد دعاء کرنی چاہیے، اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے، دعاء کے بعد فضائل رمضان وغیرہ کا پڑھنا مناسب ہے، بلکہ ان عوارض کی وجہ سے جن کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے ضروری ہے کہ دعاء کے بعد پڑھا جائے۔

(۳) نفلی اعتکاف عبادت ہے، اور نفلی عبادات میں شریعت کے مزاج کے مطابق ہر شخص کا اپنا انفرادی ذوق وشوق معتبر ہے اس پر کسی قسم کی پابندی اور قیود کا اضافہ اور ان کا التزام شریعت مقدسہ کے مزاج کے مناسب نہیں ہر شخص آزادی کے ساتھ جو جائز عبادت کرے اس کو اس کے کرنے کا حق واختیار بغیر کسی قسم کی رکاوٹ کے ہونا چاہئے اس کا لحاظ شریعت مقدسہ میں نفلی نماز میں بھی کیا ہے اس میں جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے اس لئے شریعت مقدسہ کے مزاج کے مناسب یہی صورت بہتر ہے کہ اعتکاف کرنے والوں کو ذکر اذکار بتلا دیا جائے مگر ان کا پابند نہ بنایا جائے جو شخص جس وقت جو ذکر کرنا چاہے کرے اور ہر شخص اپنے اوقات اذکار اور تلاوت وغیرہ کو خود منضبط کرے اور اپنے اوقات کو از خود عبادت میں مشغول رکھنے کا نظام اپنے حالات میں غور کے بعد بنائے، تاکہ اس کی انفرادی آزادی میں فرق نہ آئے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اپنی نفلی عبادات کی تعداد اور ان کی کیفیات کو مخفی رکھے تاکہ ریاء کے غائلہ سے محفوظ رہے اور زیادہ سے زیادہ اخلاص کے ساتھ عمل ہو۔ بعض مرتبہ اوقات کی تعیین سے جبکہ اس کو عام کردیا جائے، انفرادی نہ رہے، لزوم کا شبہ ہوکر التزام تک نوبت پہنچ جاتی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ ہر شخص کو سادہ طریقہ پر عبادت میں مشغول رہنے کی ترغیب تو دی جائے مگر کسی نظام

کا پابند نہ بنایا جائے کہ یہ مفضی التزام کو ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ جامعہ حقانیہ

ساہیوال ضلع سرگودھا ۱۲رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

دینی خدمات اور صدقہ جاریہ

اللہ تعالیٰ نے آپ میں شان استقلال اور صفت اعتدال اور جذبۂ خلوص وللٰہیت بطور خاص ودیعت فرمائے تھے، چنانچہ آپ کے فتاویٰ اور تحریرات وتصنیفات میں یہ صفات نمایاں طور پر نظر آتی ہیں کہیں جادۂ سلف سے پاؤں ہٹنے نہیں پایا، جو کچھ تحریر فرمایا وہ اپنے اندر مسلک سلف کی تائیدی شان رکھتا ہے۔ اشاعت وترویج علوم دین کیلئے آپ نے اپنی اولوالعزمی سے ایک دارالعلوم ''جامعہ حقانیہ'' قائم فرمایا۔ الحمدللہ آج یہ جامعہ پوری آب وتاب سے مختلف شعبوں میں تعلیم دین کا کام کررہا ہے شہر میں ایک وسیع خوشنما جامع مسجد بنائی، شہر سے باہر پرفضا وسیع جگہ میں عیدگاہ تعمیر کی، اور جامعہ حقانیہ کیلئے کئی ایکڑ رقبہ خریدا، یہ سب ان کی باقیات صالحات اور صدقۂ جاریہ ہیں جو بانی کے حسن نیت واخلاص عمل و ہمت سے روبترقی رہے اور ہیں۔ ان کے ذریعے ملک اور خصوصاً مضافات کی ظلمتوں میں دینی روشنی پھیلی اور کتنے ہی تاریک دلوں کو ایمانی شعاعوں سے منور کیا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اب یہ سب کام جانشین حضرت، خلف الصدق صاحب المعقول والمنقول حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی دامت فیوضہم کی سرپرستی اور ذمہ دری میں چل رہے ہیں اور ترقی کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی اس یادگار کو تا قیامت جاری وساری رکھے، سرسبز وشاداب رکھے سدا بہار رکھے اس کے ثمرات و برکات سے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ومتمتع فرمائے، اور حضرت کو اعلیٰ ترین جزائے خیر سے ہمیشہ نوازتا رہے اور درجات بلند فرماتا رہے۔ آمین

؎ باغباں خانہ ات آباد ثنا خوان توام

چوں صبا باد فروش گل ریحان توام

۱۲رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ

میرے شیخ ومرشد

محترم جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جامپور

مخدوم العلماء رأس الاتقیاء فقیہ العصر میرے شیخ معظم سیدی حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کی ذات والاصفات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے آپ اپنے دور کے عظیم محدث، مفسر مدبر، مفکر، فقیہ، عارف اور شیخ کامل تھے نہایت متواضع منکسر المزاج خندہ جبیں اور لطیف الروح تھے ادا، ادا سے علم جھلکتا تھا اتباعِ سنت کے پیکر اور حق وصداقت کے علمبردار تھے، ساری زندگی خدمتِ علم حدیث وتفسیر اور فقہ وافتاء میں گذاری مگر ساتھ ہی ملکی وسیاسی حالات پر بھی گہری نظر تھی، کسی طرف سے بھی کوئی لادینی فتنہ اور باطل نظریہ اُبھرا آپ سینہ سپر ہوگئے اور تقریر کے ذریعے تحریر کے ذریعے خوب ردفرماتے تھے، حق گوئی وبے باکی ہمیشہ آپ کا شیوہ رہا، عقائد علماء دیوبند کو جس طرح آپ نے اجاگر کیا ہے شاید اس دور میں کسی اور نے ایسا کیا ہو؟ آپ مسلک دارالعلوم دیوبند کے حقیقت میں عظیم ترجمان تھے آپ نے ایک سو سے زائد تصانیف لکھیں جو مختلف موضوعات پر آپ کے علمی، فقہی اور سیاسی مقام کی دلیل ہیں نظریہ پاکستان کے علمبردار، تحریک ختم نبوت کے مجاہد، تحریک نظام اسلام کے مرکزی قائد ورہنما اور سلسلہ اشرفیہ تھانویہ کے سالار قافلہ تھے میری نظر میں اس وقت جامع الکمالات شخصیت کوئی دوسری نہ تھی جو بیک وقت ایک جید ترین عالم بھی ہو، عظیم محدث ومفسر بھی ہو، رفیع الشان فقیہ ومتکلم بھی ہو، ایک ولی کامل، عارفِ وقت بھی ہو، زہد وتقویٰ اور علم وعمل میں سلف صالحین کا عین نمونہ ہو جو ہزاروں کے مصلح، شیخ اور استاذ بھی ہوں اور اخلاق واوصاف میں اپنے اکابر اور بزرگوں کی روایات کا امین ہو، ایسی محبوب اور کریم النفس شخصیت اس دور میں ناپید ہے۔

احقر راقم الحروف کا تعلق حضرتِ اقدسؒ سے کوئی تیس بتیس سال قبل قائم ہوا کل پاکستان مرکزی جمیعت علماء اسلام ونظام اسلام پارٹی کے ذریعے جب ہمارے اکابر علماء ومشائخ دیوبند سوشلزم وکمیونزم کے خلاف تحریک چلا رہے تھے بندہ ناچیز کا طالب علمی کا زمانہ تھا اور مرکزی جمیعت علماء اسلام پاکستان کی طلباء تنظیم مرکزی جمیعت طلبہ اسلام کا بندہ ناچیز صدر تھا الحمد للہ احقر راقم کو بچپن ہی سے اکابر علماء دیوبند سے گہری عقیدت ومحبت تھی، اسی دور میں کل پاکستان مرکزی جمیعت علماء اسلام ونظام اسلام پارٹی کی ڈویژنل سطح پر دوروزہ عظیم الشان شریعت کانفرنس ملتان میں منعقد ہوئی جس میں مرکزی قائدین شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مجاہد ملت حضرت مولانا محمد متین خطیبؒ کے علاوہ مشرقی ومغربی پاکستان کے اکابر علماء جو مرکزی جمیعت علماء اسلام پاکستان سے وابستہ تھے شریک کانفرنس تھے، میرے حضرت قبلہ مفتی عبدالشکور ترمذیؒ بھی اس کانفرنس میں ملتان تشریف لائے تھے اور قائدین قافلہ میں شریک تھے، بندہ ناچیز نے پہلی مرتبہ حضرت اقدسؒ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا۔ چونکہ حضرتؒ کے مقالات وبیانات اکثر وبیشتر مرکزی جمیعت علماء اسلام کے ترجمان ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور میں شائع ہوتے رہتے تھے تو حضرتؒ کی زیارت وملاقات کا پہلے سے اشتیاق تھا اس لئے اس نعتِ عظمٰی کو پاکر دل بے قرار کو قرار آ گیا، قلب کو راحت میسر ہوئی اور پہلی ہی زیارت وملاقات میں بس حضرت اقدسؒ کا دیوانہ ہو گیا، پھر کانفرنس کے بعد دوسری مرتبہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں مخدوم العلماء حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کی شفقت وعنایت کے ذریعے حضرتؒ سے دوسری ملاقات ہوئی اور کئی گھنٹے حضرتؒ کے ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی اس کے بعد تو حضرت اقدسؒ سے باقاعدہ خط وکتابت سے ملاقات شروع ہو گئی اور حضرتؒ کی شفقتوں اور عنایتوں اور دعاؤں کے صدقے میں زندگی گزرنے لگی بندہ کی ہر درخواست کو حضرت والاؒ نے شرف قبولیت بخشا حضرتؒ سے بہت سے اکابر پر مضامین لکھوائے مثلاً حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ،

حضرت مولانا محمد متین خطیبؒ اور حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ مہتمم جامعہ خیرالمدارس ملتان وغیرہ وغیرہ یہ سب مضامین حضرتؒ نے بندہ کی درخواستوں پر قلم بند فرمائے، بندہ ناچیز کی متعدد کتابوں پر حضرت اقدسؒ نے پیشِ لفظ اور تقاریظ تحریر فرمائیں اور ہمیشہ خوشی کا اظہار فرمایا، حوصلہ افزائی فرمائی اور دعاؤں سے نوازا۔ یہ سب ان کی مہربانی و شفقت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں ساہیوال سرگودھا بھی جانا ہوا وھاں بھی حضرت کی شفقت وعنایت کو بیان و تحریر میں لانا بہت مشکل ہے اسی طرح جامعہ خیر المدارس اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں متعدد ملاقاتیں اور زیارتیں حضرتؒ کی ہوئیں جن کی تفصیلات اور تذکرہ کی یہاں گنجائش کہاں ہے، بس یہ تو سب ان کی محبت تھی ورنہ میں کہاں اور حضرت والا کی ذات وصفات کہاں؟ کس کس بات کا ذکر کیا جائے۔ جب ہم نے یہاں جامپور میں غالباً ۱۹۷۸ء میں مجلس صیانۃ المسلمین کی تشکیل کی اس میں بھی حضرت والا کی شفقتیں اور عنایتیں اتنی بے شمار ہیں کہ تحریر میں لانا مشکل ہے ۱۹۷۹ء میں مجلس صیانۃ المسلمین کا ہم نے دوروزہ جلسہ رکھا تو احقر نے دیگر اکابر علماء حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ، حضرت مولانا الحاج ڈاکٹر عبدالمجید ریواڑویؒ، حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم اور حضرت مولانا مفتی وکیل احمد شیروانی مدظلہم کے علاوہ حضرت والا کو بھی جلسہ میں شرکت کی دعوت دی تو علالت وضعف کے باوجود بھی حضرت والا نے کمال شفقت سے بندہ کی درخواست قبول فرمائی اور مقررہ تاریخ پر یہ تھانوی قافلہ جامعہ خیرالمدارس سے بذریعہ ریل گاڑی جام پور کیلئے روانہ ہوا، جام پور اسٹیشن پر احقر اور دیگر احباب نے حضرات اکابر کا استقبال کیا قافلہ سالار چونکہ میرے حضرتؒ ہی تھے تو اسٹیشن پر جب حضرات گاڑی سے اترے تو حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ نے برجستہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ شعر فرمایا ؎

آ رہا ہے لے کے فیض تھانوی کو جامپور　　　ناز کر قسمت پہ اپنی آج اے عبدالشکور

اس پر سب حضرات علماء اور استقبالیہ احباب کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور یہ قافلہ تانگوں کے ذریعے قیام گاہ پر آیا اور دوروزہ اس عظیم الشان یادگار جلسہ میں ان حضرات اکابر کے بیانات ہوتے رہے، جامع مسجد عثمانیہ جو ہماری قدیم مجلس صیانۃ المسلمین کی مسجد ہے اسی میں یہ پروگرام تھا حضرت اقدسؒ کا اصلاحی اور جامع بیان ہوا پھر دوسرے روز صبح محمدی جامع مسجد میں حضرتؒ کا درس قرآن تھا

جو انتہائی معرکۃ الآ راء درس تھا سامعین اور مقامی علماء بہت متأثر ہوئے حضرت مولانا عبدالحی صاحب فاضل دیوبند جو محمدی مسجد کے خطیب بھی ہیں، حضرتؒ کی جامع علم وعمل شخصیت سے بے حد متأثر ہوئے۔ الغرض یہ مجلس کا پہلا اجتماع تھا جو نہایت کامیاب رہا اور عوام وخواص علماء ومشائخ کی زیارت و ملاقات اور بیانات سے بے حد محظوظ ہوئے۔

۱۹۸۰ء میں مجلس کے زیر اہتمام دوسرا جلسہ ہوا جس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم تشریف لائے۔ یہ اجتماع بھی نہایت کامیاب رہا اور ان حضرات اکابر کے بیانات سے بھی لوگوں نے بے حد استفادہ کیا۔ بعد ازاں تیسرے اجتماع میں حضرت مولانا سید نجم الحسن تھانویؒ بھی تشریف لائے جن کا بیان جامع مسجد محمدی میں جمعۃ المبارک کے موقع پر ہوا۔ بہرحال احقر راقم سے الحمدللہ یہ سب حضراتِ اکابر بے حد شفقت وعنایت فرماتے رہے مگر حضرت اقدس مفتی صاحبؒ کی محبت شفقت کا کیا ٹھکانہ ان کی یادیں اور باتیں تو ہمیشہ یاد رہیں گی اور ان سے تعلق جو بندۂ ناچیز کو رہا اس کیلئے تو ایک دفتر کی ضرورت ہے ان کے کمالات علمی وروحانی پر تو دوسرے بڑے حضرات ہی لکھیں گے میرے جیسے تہی دامن کا کام نہیں بس یہ چند سطریں حضرت سے تعلق کی بناء پر بغیر کسی ترتیب کے تحریر کردی ہیں ورنہ میری کیا حیثیت ہے جو ایسی عظیم المرتبت شخصیت پر قلم اٹھاؤں وہ میرے شیخ ومربی تھے تقریباً تیس بتیس سال حضرتؒ سے تعلق رہا مگر میں تو کورا کا کورا رہا۔ یہ صرف ان کی شفقت وعنایت تھی کہ میرے جیسے تہی دامن کو اپنی محبتوں اور عنایتوں سے نوازا اور یہاں تک شفقت فرمائی کہ بڑے حضرتؒ مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس الشیخ مفتی محمد شفیعؒ سے حضرت والاؒ نے سفارش فرما کر بندہ ناچیز کو بیعت کرایا اس پر جتنا شکر ادا کروں کم ہے، حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہ نے بھی بندۂ ناچیز کو حضرت اقدسؒ کے سپرد فرمادیا تھا اور حضرت سے تعلق رکھنے کی سختی سے تاکید فرمائی تھی اور بہت سی دعاؤں سے نوازا تھا۔ فللّٰہ الحمد

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح یہ تیری مہربانی

مسلک دیوبند کا مستند ترجمان

حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کا نام سب سے پہلے اپنے استاذ مولانا قاری محمود احمد رحیمی صاحب سے سنا تھا، پھر دوران طالب علمی ایک مرتبہ دارالعلوم کراچی میں ان کی زیارت بھی ہوئی غالباً عمرے سے ان کی واپسی کا سفر تھا لیکن ابھی تک ان کی علمی شخصیت کا صحیح تعارف نہیں تھا، پھر جوں جوں مطالعہ اور شعور بڑھتا گیا تو اندازہ ہوا کہ اس وقت علمائے دیوبند کے معتدل مسلک ومزاج کی صحیح اور ٹھیک ٹھیک ترجمانی کی سعادت جن چند مستند علمی شخصیات کو حاصل ہے ان میں مولانا عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کا نام سرفہرست ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ کے صاحبزادے ہیں ۔مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اکابر منتسبین میں سے تھے اور کئی سال تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کی رہنمائی میں تدریس وتالیف اور تبلیغ وفتویٰ کی خدمت انجام دیتے رہے۔مولانا عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ مارچ ۱۹۲۳ء، ۱۱رجب ۱۳۴۱ھ کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور اپنے والد ماجد کی زیرنگرانی حاصل کرنے کے بعد شوال ۱۳۶۳ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے صحیح بخاری شریف پڑھنے کا شرف حاصل کر کے وہیں سے دستارفضیلت حاصل کی اس طرح ان میں حضرت تھانوی اور حضرت مدنی رحمہما اللہ اپنے اپنے رنگ کے دونوں بزرگوں کی نسبتیں جمع ہوئیں، سلوک وطریقت میں انہوں نے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے کسب فیض کیا اور ان دونوں جلیل القدر بزرگوں کی طرف سے انہیں خلافت ملی۔اکتیس

(۳۱) سال تک دار العلوم دیو بند کی صدارت تدریس کے منصب پر فائز رہنے والے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی شخصیت پر لکھنے والے سوانح نگاروں نے عموماً ان کی سیاسی جدو جہد اور اس راہ کے خوارزاروں میں ان کی جفاکشی کی ولولہ انگیز داستانوں کو اس قدر اہمیت اور زور وشور سے بیان کیا کہ ان میں حضرت مدنیؒ کی شخصیت کے دوسرے پہلو ماند پڑ گئے بلاشبہ حضرت مدنیؒ ایک مدبر سیاسی رہنما اور ایک عظیم مجاہد تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک جلیل القدر عالم، ایک عظیم محدث اور طریقت وروحانیت کے شیخ وامام بھی تھے..... مولانا عبدالشکور ترمذیؒ نے عمر کے آخری حصے میں حضرت مدنیؒ کی شخصیت پر اسی حوالے سے قلم اٹھایا اور ''تذکرۂ حضرت مدنی'' کے نام سے اپنے عظیم استاذ حضرت مدنیؒ کی علمی شخصیت، آپ کے علمی اور روحانی کمالات کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا حق ادا کر دیا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تفسیر وحدیث، تجوید وقراآت اور تبلیغی واصلاحی خدمات کے تعارف پر آپ نے کئی رسائل اور مقالات تحریر فرمائے ان میں سے بعض مضامین کو ''اشرف المعارف'' کے نام سے کتابی شکل دے دی گئی ہے...... غرضیکہ انہوں نے حضرت تھانوی اور حضرت مدنی رحمہما اللہ دونوں بزرگوں کی نسبتوں کی قدر بھی کی اور حفاظت بھی!

حضرت ترمذی رحمہ اللہ کی وفات ۵ شوال ۱۴۲۱ھ (یکم جنوری ۲۰۰۱ء) تقریباً اسی سال کی عمر میں ہوئی، انہوں نے بھرپور مصروف زندگی گزاری، آپ کی تصانیف، مقالات ورسائل کی تعداد ۱۳۴ ہے جن میں احکام القرآن کا تین جلدوں میں تکملہ بھی شامل ہے۔ مولانا عبدالشکور ترمذیؒ کی ویسے تو بہت سی خصوصیات تھیں لیکن ان کا ممتاز ترین وصف علمائے دیو بند کے صحیح مسلک اور افراط وتفریط سے ہٹ کر انکے معتدل مسلک ومزاج کی ترجمانی تھا، وہ اس بات پر بہت زور دیا کرتے تھے کہ علماء دیو بند کسی نئے فرقے اور جتھے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اس صحیح اور راہ حق پر چلنے والے قافلے کا نام ہے جس کی تعبیر حدیث میں " ما انا علیہ و اصحابی" سے کی گئی ہے اور جسے اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں: ''احقر کے نزدیک علماء دیو بند کا مسلک اہل سنت والجماعت کے موافق ہے اور دیو بندیت اہل سنت والجماعت ہی کا تعارفی نام ہے...... البتہ جن حضرات کا مسلک علماء دیو بند کے موافق نہ ہو ان کی نسبت ''دیوبندیت'' کی طرف صحیح نہیں اگرچہ انہوں نے دار العلوم دیو بند میں پڑھا ہو یا ان حضرات کے خوشہ چین ہوں کیونکہ دیو بندیت کا مدار اس مسلک کو قبول کرنے پر ہے، نہ کہ

خوشہ چینی اور تلمذ پر۔'' کئی حضرات نے علمائے دیوبند سے استفادہ کیا، بعضوں کو اکابر علماء دیوبند سے شرف تلمذ بھی حاصل ہوا، لیکن ایک طویل عرصہ اکابر کی صحبت میں نہ رہنے کی وجہ سے وہ علماء دیوبند کے صحیح صحیح مسلک ومزاج سمجھ نہیں سکے، یا سمجھ سکے لیکن اس میں اپنے آپ کو ڈھال نہیں سکے اور انہوں نے علماء دیوبند کی راہ اعتدال سے ہٹ کر اپنا ایک حلقہ اثر پیدا کیا، دیوبند کے انتساب کی وجہ سے اس قسم کے مکاتب خیال کو مسلک دیوبند کا ایک حصہ سمجھا جانے لگا، برصغیر میں علمائے دیوبند کی وسیع تر خدمات اور شہرہ کی وجہ سے اس طرح کے حضرات نے اس انتساب کا فائدہ بھی اٹھایا، جب کہ ان کے افکار وخدمات میں دین کے ہمہ جہتی شعبوں کے حوالے سے اعتدال کا وہ عنصر نہیں تھا جو مسلک دیوبند کا طغرائے امتیاز ہے، مسلک دیوبند سے اپنے آپ کو نتھی کرنے والے ان مکاتب خیال کے غلو اور افراط وتفریط کی نشاندہی کے بارے میں علماء دیوبند سے کئی حضرات کو بھی فکر تھی، ان میں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا خیر صاحبؒ اور حضرت مولانا عبد الشکور ترمذیؒ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنی زندگی کی آخری تصنیف ''علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' اسی جذبے کے تحت لکھی اور اس میں دین کے مختلف شعبوں میں مسلک دیوبند کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی کا فریضہ انجام دیا مولانا عبد الشکور ترمذیؒ نے بھی عقائد علماء دیوبند، حیات انبیاء علیہم السلام اور ہدایۃ الحیر ان وغیرہ کتابیں اسی فکر کے تحت مرتب فرمائیں۔

ہندوپاک کے غیر مقلدین نے علماء دیوبند کے خلاف عالم عرب میں جو خطرناک پروپیگنڈہ شروع کیا ہے اس کے تحت انہوں نے کئی کتابیں تحریر کی ہیں ان میں سے ایک کتاب ''الدیوبندیة'' کے نام سے چھپی، یہ کتاب علماء دیوبند کے خلاف جھوٹ کا ایک پلندہ ہے مؤلف نے اپنی طرف سے کئی عقائد تخلیق کرکے انہیں علمائے دیوبند کی طرف منسوب کیا اور پھر اُن من گھڑت عقائد کے خلاف سلفی علماء کے فتاوی نقل کیے گئے، اس کتاب کا ایک الزامی جواب ہندوستان کے ایک مشہور عالم دین مولانا ابوبکر غازی پوری نے ''وقفة مع اللامذهبية'' کے نام سے دیا، جن عقائد کی بنیاد پر ''الدیوبندیہ'' کے مؤلف نے علمائے دیوبند کو مشرک قرار دیا تھا مولانا غازی پوری نے وہی عقائد غیر مقلدین کے اکابر کی کتابوں سے نقل کیے اور بتایا کہ ان عقائد کی بنیاد پر اگر علماء دیوبند پر کفر وشرک

کا فتویٰ جاری کیا جاسکتا ہے تو ہندوستان کے غیر مقلدین پر بھی یہ چھری چلائی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب مولانا غازی پوری صاحب نے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کے پاس بھیجی حضرت نے مجھے اس کا ترجمہ کرنے کیلئے کہا، میں نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ مولانا غازی پوری صاحب کی یہ کتاب اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود ایک الزامی جواب کی حیثیت رکھتی تھی، اس لئے کتاب ''الدیوبندیہ'' کے ایک تحقیقی جائزے کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کے تحت میں نے ترجمے کے ساتھ ساتھ ''الدیوبندیہ'' کا ایک تحقیقی جائزہ بھی لیا اور اسے کتاب کا حصہ اول بنا دیا، دونوں حصوں پر مشتمل یہ کتاب '' کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ'' کے نام سے اردو میں چھپ چکی ہے اور الحمدللہ اب تک اس کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ میں نے جو حصہ لکھا تھا وہ چھپنے سے پہلے بالاستیعاب شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب مدظلہم نے مطالعہ فرمالیا تھا لیکن کتاب چھپنے کے بعد خیال ہوا کہ مولانا عبدالشکور ترمذیؒ کی نظر سے گذر جائے تو اس کی ثقاہت میں مزید اضافہ ہو جائے گا، اس لیے حضرت کی خدمت میں کتاب بھیجی اور اس پر تقریظ لکھنے کی درخواست کی اس سے پہلے ان سے تعارف نہیں تھا، حضرت کی پیرانہ سالی، مشاغل اور ضعف کو دیکھ کر خیال تھا کہ ایک سرسری نظر کے بعد چند سطریں ہی تحریر فرمادیں تو کتاب کی ثقاہت کیلئے غنیمت ہے، لیکن حضرت نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے ایک نئے اور گمنام لکھنے والے کی تحریر کو جس طرح بالاستیعاب غور سے پڑھا، اگلے ایڈیشن کیلئے جو تجاویز تحریر فرمائیں، اور جو جاندار مقدمہ لکھا، اسے پہلی بار دیکھ کر آنکھیں خوشی کے اشکوں میں ڈبڈبا گئیں حضرت ترمذی صاحبؒ نے بارہ تیرہ صفحات پر مشتمل جاندار اور پرمغز مقدمے کے علاوہ فل اسکیپ کاغذ کے تقریباً نو صفحات میں کتاب میں واقع بعض غلطیوں کی نشاندہی اور مناسب تبدیلیوں کے لیے مشورے تحریر فرمائے تھے مثلاً میں نے ایک جگہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فارسی کے اس مقولے ''نسبت صوفیاء غنیمت کبری است'' کا ترجمہ کیا تھا ''صوفیاء کی طرف نسبت بڑی غنیمت ہے'' حضرت ترمذیؒ لکھتے ہیں:

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''صوفیاء کی نسبت غنیمت کبریٰ ہے'' نہ کہ ''صوفیا کی طرف'' اس لئے ''طرف'' کو عبارت مذکورہ سے برطرف کردیا جائے اور نسبت صوفیاء سے مراد نسبت احسانی ہے جس کا حدیث جبرئیل علیہ السلام میں ذکر ہے''۔

ان تجاویز اور مقدمے کے ساتھ حضرت نے جو خط تحریر فرمایا ذیل میں وہ نقل کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک طرف جہاں حضرت کی شفقت اور اصاغر نوازی کی جھلک نظر آئے گی وہاں حضرت کی تواضع اور عاجزی کا ایک پر تو بھی آپ دیکھ سکیں گے یہی اس جماعت کی متاع بے بہا ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز محترم مولانا ابن الحسن عباسی سلمہ اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کی مرسلہ کتاب ''کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ'' پہونچی تھی، مجھے تکلیف رہتی ہے عارضہ قلب میں بھی ابتلاء ہے اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی معذرت خواہ ہوں اور آپ کی عنایت اور یاد آوری کا صمیم قلب سے ممنون ہوں۔ کسی کتاب پر تقریظ وتصدیق کا مقصد اکثر یہی ہوتا ہے کہ اس کتاب پر لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اعتماد ہو اور اس کے مندرجات کو قبول عام حاصل ہو۔ یہ مقصد ایسے مشاہیر اہل علم کی تصدیق سے حاصل ہوسکتا ہے جو کسی بڑے دینی ادارہ میں علمی منصب پر فائز ہوں اور ان کا حلقہ اثر بھی وسیع ہو۔ احقر نے ایک چھوٹے سے قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں عمر کے پچاس سال گذار دیئے اور اس عاجز سے کوئی علمی قابل ذکر خدمت انجام نہیں پاسکی، اس لیے میرے جیسے گمنام کی تقریظ سے آپ کی کسی کتاب کو کسی طرح کا اعتماد حاصل ہونے کی کیا توقع ہوسکتی ہے مگر یہ آپ کا اعتماد اور حسن ظن ہے کہ احقر کو اس خدمت کیلئے مامور کیا گیا اگر چہ اس احقر عاجز کی یہ حیثیت نہیں کہ ایسی اہمیت کی حامل کتاب اور معرکۃ الآراء مباحث میں رائے زنی کرے، لیکن امتثال امر اور تطییب قلب مسلم کی نیت سے کچھ عرض کرتا ہوں اگر پسند ہو اور ریشم میں ٹاٹ کا پیوند منظور ہو تو احقر کی عرض کو اپنی کتاب کے حصہ اول کا جزو بنا دیا جائے کیونکہ احقر کی عرض آپ کے حصہ اول سے ہی متعلق ہے اور یہی حصہ کتاب ''الدیوبندیہ'' کا دراصل تحقیقی جائزہ ہے اور مقصودی حصہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور قبول عام فرمائیں۔ آمین، آپ کی فرمائش پر اپنی تقریظ الگ لکھ کر بھیج رہا ہوں مگر بعض باتیں اس عریضہ میں علیحدہ لکھنا مناسب معلوم ہوئیں ان پر بھی غور کر لیا جائے۔

حضرت والد ماجد قدس سرہ

صاحبزادہ حضرت مولانا سید عبدالصبور صاحب ترمذی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احقر غمزدہ کے مشفق و محسن والد ماجد و مربی اس جہان فانی سے دار بقاؑ کی طرف رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سعی ایمانی اور سعی عملی میں جو ہر کاملہ گویا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، انکی زندگی کے علمی و عملی اخلاقی وروحانی کس پہلو کو قلم بند کیا جائے؟ نہ قلم میں طاقت ہے نہ زبان میں قوت گویائی، ؎ عالم ہے تحیر کا زباں ہے نہ قلم ہے۔

چونکہ والد صاحبؒ کا مشفقانہ تعلق ہر ایک کے ساتھ عملاً ایسا تھا کہ گویا وہ اس کے ہیں تو کون کس سے تعزیت کرے؟ بلکہ ہر شخص خود تعزیت کا مستحق ہے، اولاد اور پس ماندگان کو جو صدمہ پہنچا وہ نا قابل بیان اور عمر بھر کا صدمہ ہے۔ نماز جنازہ میں شریک لوگوں کا ہجوم ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے محتاط اندازے کے مطابق پچاس ہزار سے زائد افراد جنازہ میں شریک ہوئے، یہ سب اللہ کا فضل اور حضرت والد صاحبؒ کی کرامت ہے کہ دور دراز کے سفر کی تکلیف برداشت کر کے علماء فقہاءً، مشائخ نیز ہر طبقہ ہائے زندگی کے لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور اس کو ذریعہ بخشش جانا۔ ملک و بیرون ملک سے تعزیت کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے ہم تمام شریک غم حضرات کیلئے دعا گو ہیں کہ انہوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی اور اپنے اظہار غم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے حضرت والد ماجدؒ کے روحانی فیض اور علمی و تصنیفی نیز مخصوص سیاسی خدمات کو اجاگر کرنے میں کسی مبالغہ سے کام نہیں لیا، اور صحافی حضرات نے اخبار و جرائد میں آپ کی وفات اور جنازہ کی تفصیلی خبر شہ سرخیوں اور جلی حروف سے شائع کی جسے انہوں نے اپنے لئے توشہ آخرت سمجھا۔

ایک مرتبہ مدرسہ حقانیہ ساہیوال سے حضرت والد صاحب وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کے اجلاس میں شرکت کیلئے جامعہ درالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے تھے اور احقر کو بھی اس سفر میں اپنے ہمراہ لے گئے تھے، احقر نے سفر سے واپس گھر آ کر سفر کے تمام واقعات اور سفر کی روئیداد قلم بند کر لی تھی جو کہ ''حقانیہ سے حقانیہ تک'' کے نام سے کتاب ہٰذا میں شامل اشاعت ہے یہ سب حضرت والا بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و محبت تھی کہ اپنے ساتھ سفر کا موقع عطا فرماتے اور سفر میں کسی بزرگ یا حضرت حکیم الامت تھانوی کے متوسلین میں سے کسی کی زیارت ہو جاتی۔

حضرت والد ماجد قدس سرہ کی برکت سے جن بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوا ان میں سب سے پہلے بزرگ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند ہیں کہ جب اول مرتبہ یہ سرگودھا تشریف لائے تو رات کو جامع مسجد بلاک نمبر 1 میں ان کا خطاب تھا، اگلے روز سرگودھا میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے مکان پر حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ اور قاری سراج احمد صاحبؒ لاہور کے علاوہ دیگر علماء کرام بھی موجود تھے، کسی شخص نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ سے ''مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے بارہ میں سوال کیا حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ '' حضرت صلی اللہ علیہ کے جسد اطہر کو بتعلق روح برزخ میں حیات حاصل ہے'' بعدہ حضرت قبلہ والد صاحبؒ کی طرف اشارہ فرمایا کہ تفصیل یہ بتلائیں گے۔

حضرت والد صاحبؒ نے بہت سے اسفار خالصتہً اسلامی جذبہ اور دین اسلام کے فروغ کیلئے احقر کو چھوٹی عمر میں گاہ بگاہ اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی زیارت کا ذکر اوپر آ چکا ہے ان کے علاوہ لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ کی زیارت نیلا گنبد جامعہ اشرفیہ میں ہوتی، اسی طرح حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کی زیارت مسجد شہدأ کے قریب حضرت کے خادم خاص جناب صوفی سرور ڈار صاحب کی قیام گاہ پر ہوئی، حضرت پھولپوری کی مجلس کے وقت حضرت والد صاحب اس عاجز کو روزانہ ہمراہ لے جاتے، حضرتؒ پھولپوریؒ نے اس ناکارہ کو ایک عمل ارشاد فرمایا تھا جو بحمد اللہ اس وقت سے آج تک میرے معمولات میں ہے، حضرت پھولپوریؒ نے بڑی ہی شفقت فرمائی تھی۔ مجلس صیانۃ المسلمین لاہور کے اجتماع میں حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفیؒ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی سے شرف ملاقات نصیب ہوا۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی کی اولاً زیارت دارالعلوم میں میرے محسن ومکرم مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم کی وساطت سے ہوئی، جب احقر حضرت صاحبزادہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ ''البلاغ'' کا اداریہ لکھ رہے تھے مجھے حضرت مفتی اعظمؒ کے پاس لے گئے اور حضرت والد صاحبؒ کی نسبت سے احقر کا تعارف کرایا۔

استاذ الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی مرتبہ زیارت ایبٹ آباد میں ہوئی حضرتؒ کا شعبان کی چھٹیوں میں جامعہ اشرفیہ لاہور سے اپنے آبائی گاؤں جانے کا معمول تھا دوران سفر مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے ہاں لوئر ملک پورہ ایبٹ آباد میں کچھ دیر قیام فرمایا احقر ان دنوں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے مدرسہ میں درجہ موقوف علیہ ''مشکوٰۃ شریف'' کا طالب علم تھا تو حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ نے اپنی خصوصی شفقت سے علماء اور طلباً کو نوازا، سب طلباء مصافحہ کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ ہر ایک سے پوچھتے کون ہو؟ جب اس ناکارہ نے مصافحہ کیا تو حضرت نے پوچھا کون ہو؟ احقر نے عرض کیا طالب علم ہوں، میرا ہاتھ حضرت کے ہاتھ میں تھا، فرمایا علم کی تعریف کرو، سنتے ہی زمین پاؤں تلے سے نکل گئی اور عجیب سے کیفیت ہوگئی کیونکہ وہ نہ صرف شیخ الحدیث تھے بلکہ جامع المعقول والمنقول اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ بانی جامعہ دارالعلوم کراچی جیسے اکابر کے استاذ تھے علاوہ ازیں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز اساتذہ میں حضرتؒ کا شمار ہوتا تھا نیز استاذ الکل کے لقب سے مشہور تھے، خیر قطبی، سلم العلوم وغیرہ کتب منطق میں علم کی تعریف میں جو عبارتیں لکھی ہیں احقر کو چونکہ وہ ازبر تھیں اس لئے حضرت کے سامنے دھرا دیں مثلاً العلم هو حصول صورة الشئ فی العقل وغیرہ، حضرتؒ نے سب عبارتوں کو سن کر ارشاد فرمایا کہ یہ جتنی عبارتیں تم نے پڑھی ہیں یہ تو معلوم کی تعریف میں ہیں نہ کہ علم کی تعریف میں، میں نے تم سے علم کی تعریف کیلئے کہا ہے، اب میری شکل وصورت دیدنی تھی ادھر بہت سے طلبہ اور مدرسہ کے اساتذہ حیرانی کے عالم میں کھڑے تھے کہ یہ طالب علم کہاں پھنس گیا، احقر نے پھر شرح عقائد نسفی کی عبارت ''العلم هی صفة يتجلى بها المذكور (ای من شانه ان يذكر) پڑھ کر حضرتؒ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تو اس پر حضرتؒ مسکرا پڑے اور فرمایا کہ اب تم نے علم کی تعریف کچھ درست کی ہے، اور فرمایا کہ آئندہ سال تم جامعہ اشرفیہ لاہور میں میرے پاس حدیث

پڑھنے کیلئے ضرور آنا، اساتذہ وطلبہ اس گفتگو سے کافی حد تک مسرور تھے چند گھنٹے حضرت کا قیام وہاں رہا اس کے بعد حضرتؒ اپنے آبائی وطن روانہ ہوگئے۔

احقر نے حضرتؒ کی تعمیل ارشاد میں آئندہ سال دورۂ حدیث کیلئے جامعہ اشرفیہ میں داخلہ لیا اور وہاں کے اساتذہ کرام سے چند ماہ استفادہ کیا، حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ سے ترمذی شریف اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے بخاری شریف اور صوفی کامل حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے ابوداؤد شریف پڑھی یاد رہے کہ حضرت صوفی صاحب مدظلہم کا جامعہ اشرفیہ میں یہ پہلا سال تھا، طحاوی شریف حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ اشرفیہ، مسلم شریف صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہم کے پاس تھی، ان اکابر اساتذہ کرام سے جو نسبت تحصیل علم کی حاصل ہوئی یہ سب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت وکرامت اور محض ان کا فیض ہے ورنہ احقر تو مانند سیماب ہی رہا، اور ''من آنم کہ من دانم''۔

اور یہ حضرت والد صاحبؒ کی خصوصی شفقت پدری تھی کہ میں جس مدرسہ میں بھی تحصیل علم کی خاطر گیا تو حضرت والد صاحبؒ باقاعدگی کے ساتھ میرے نام منی آرڈر ہر ماہ بطور جیب خرچ ارسال فرماتے اور مجھے حکم تھا کہ ہر ہفتہ اپنی خیریت کی اطلاع دیتے رہو میں اس حکم کی تعمیل میں کم وبیش ہی پورا اترتا، تاہم حضرت والد صاحبؒ کی طرف سے کسی قسم کی شفقت میں کمی واقع نہ ہوتی، مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں فراغت کے بعد جامعہ مخزن العلوم خانپور سے گھر آیا تو حضرت والد صاحبؒ نے شکرانہ کے نوافل ادا فرمائے اور دعا فرمائی، جزاہ اللہ تعالیٰ۔

شاید آخرت میں ان اللہ والوں کی دعاؤں تقرب ومصاحبت سے اس ناکارہ کی بخشش ہوجائے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک میرا تعلق شفیق استاذ کا بھی تھا کیونکہ درجہ حفظ قرآن کریم سے لے کر کافیہ تک باقاعدہ جامعہ حقانیہ ہی میں تعلیم حاصل کی علاوہ ازیں خصوصیت کے ساتھ کنز الدقائق، اصول الشاشی، ہدایہ اولین اور قطبی شرح تہذیب حضرت والد صاحب سے پڑھیں۔

گھر میں حضرت والد صاحب کا تعلق بچوں کے ساتھ عملاً نہایت شفقت کا تھا، کچھ وقت کیلئے بچوں سے باتیں کرنا ان کا روزانہ کا معمول تھا، مہمان نوازی میں حضرت والد صاحب اپنی مثال آپ تھے، گھر میں مہمان کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے سترہ سال مسجد شہانی میں خطبہ جمعہ کے علاوہ پانچ

وقت امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہر دوسرے تیسرے دن مغرب کے بعد کسی نہ کسی مہمان کو ضرور اپنے ہمراہ گھر لے آتے، اسی طرح محتاجوں کو دے کر بہت خوش ہوتے تھے، یہ سب اللہ تعالیٰ کا خاص کرم وفضل تھا، اور الیـد العلیا خیر من الیدالسفلیٰ کی عملی تصویر تھے، جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاً اور حضرت والد صاحبؒ اولاد اور متعلقین سے کبھی بے جا ناراض نہ ہوتے تھے اگر کوئی خلاف طبع امر پیش آ جاتا تو اکثر درگذر فرمادیتے گاہ بگاہ پیار ومحبت سے سمجھا دیتے، بڑی سے بڑی نافرمانی پر بھی کسی کو بددعا نہیں دی ہمیشہ کرم کا معاملہ فرمایا۔ حضرت والد ماجدؒ ایک بے مثال والد تھے اس حیثیت سے کوئی ان کا ہمسر نہ تھا کہ جب تک تمام بچے چھوٹے بڑے گھر نہ آ جاتے رات کو آرام نہ فرماتے۔

حضرت والد صاحبؒ کی رحلت کے بعد اب جامعہ حقانیہ اور اسی طرح دیگر مختلف دینی اداروں کا اہتمام وصدارت حضرت والد صاحب قدس سرہ کی وصیت کے مطابق عزیز القدر صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی زیدمجدہم کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر علم وعمل اور خلوص میں برکت عطا فرمائے اور ہر طرح کے شرور وفتن سے حفاظت میں رکھے آمین۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وفات سے تقریباً آٹھ، دس سال قبل احقر کو ارشاد فرمایا تھا کہ چند دعائیہ کلمات عبدالقدوس کیلئے میرا معمول ہے، اور بحمد اللہ تعالیٰ حضرت کی دعا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوئی، حضرت والد ماجدؒ کی رحلت کے بعد الحمدللہ وہی دعائیہ کلمات احقر کے معمولات میں شامل ہیں۔

ناسپاسی ہوگی اگر اس تمام فیض کی نسبت بزم اشرف کے ایک چراغ اور نامور سپوت جدامجد حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کی طرف نہ کی جائے کیونکہ وہی منبع ہیں ان تمام دینی سرچشموں اور فیض عام کا۔ بقول حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ ؎

چاہا خدا نے تو تیری محفل کا ہر چراغ — جلتا رہے گا یوں ہی بجھایا نہ جائے گا

اللہ تعالیٰ حضرت جدامجد رحمہ اللہ کو درجات عالیہ سے نوازیں۔ بـرداللّٰہ مـضـجـعہ وجعل الـجـنۃ مثـواہ آمیـن ۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ کو اپنا قرب خاص عطا فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائیں آمین۔ فقط

غمزدہ...... سید عبدالصبور ترمذی غفرلہ ۵/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۳ھ

پاسبان مسلک دیوبند

حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی صاحب مدظلہ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

راقم الحروف کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب احقر امام پاکستان حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب قدس سرہ کے ہاں مدرسہ عربیہ دارالھدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا میں زیر تعلیم تھا۔ سال کے اختتام پر حضرت شاہ صاحبؒ نے مدرسہ کے چندہ کے سلسلے میں احقر کو روانہ فرمایا تو رات کو حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے ہاں قیام کیا۔ رات کافی دیر تک حضرتؒ سے گفتگو رہی۔ احقر کی یہ پہلی ملاقات تھی اور احقر ابتدائی کتابوں کا طالب علم تھا مگر حضرت مفتی صاحب نے انتہائی شفقت اور محبت فرماتے ہوئے رات کا بہت سا وقت دیا علمی مباحث سمجھاتے رہے۔ صبح کو ناشتے کے بعد بڑے اکرام سے رخصت فرمایا۔ اس کے بعد مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا کا سالانہ جلسہ ہوا جس میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی قدس سرہ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ اور دیگر اکابر تشریف لائے۔ احقر بھی مدرسہ کے طلبہ کے ساتھ جلسہ میں حاضر ہوا رات کو ان اکابر کے بیانات سنے اور صبح کو مدرسہ کے دفتر میں ان حضرات سے ملاقات ہوئی۔ وہاں پر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ بھی تشریف فرما تھے حضرت مفتی صاحب کی باتوں پر ان اکابر کا متوجہ ہوکر سننا جب احقر نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ مفتی صاحب واقعی بہت بڑی شخصیت ہیں جس سے احقر بہت متأثر ہوا احقر کو یاد ہے کہ کسی صاحب نے مولانا احتشام الحق صاحب سے سوال کیا کہ صدر ایوب خان پیر صاحب دیول شریف کا مرید ہے؟ کیونکہ ان دنوں اس بات کا بہت چرچا ہو رہا تھا کہ پیر دیول صاحب صدر ایوب خان کے پیر ہیں۔ تو مولانا مرحوم نے فرمایا کہ صدر ایوب پیر دیول کا مرید نہیں ہے بلکہ پیر دیول صدر ایوب خان کا مرید ہے تو اس پر ساری محفل کشت زعفران بن گئی۔

جب استاذ محترم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ نے احقر کو افتاء کے کام پر لگایا

تو پھر اکثر حضرت مفتی صاحبؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تھا کیونکہ جب بھی حضرت لاہور تشریف لاتے تو جامعہ اشرفیہ میں حضرت اقدس مفتی صاحبؒ سے ملاقات کیلئے تشریف لایا کرتے اور بعض علمی مسائل پر گفتگو اور بحث ہوا کرتی تھی اور احقر کوان دوحضرات سے استفادے کا بڑا موقع ملتا تھا۔ دونوں حضرات میں یہ عظیم خوبی تھی کہ اکابر کے مسلک کے خلاف کوئی بات گوارہ نہ فرماتے تھے اور اگر کسی نے کوئی بات کہہ دی تو یہ حضرات سختی سے اس کی تردید فرمادیتے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی سیاسی رائے سے اختلاف کے باجود ان کی تعظیم وتکریم کو لازم سمجھتے تھے اور کبھی بھی احقر نے ان حضرات سے کوئی بات بے ادبی کی نہیں سنی۔ احقر نے تقریباً بیس سال کا عرصہ حضرت اقدس مفتی جمیل احمد تھانوی نوراللہ مرقدہ کے ساتھ گزارا ہمیشہ حضرت مدنی قدس سرہ کی تعظیم کے الفاظ آپ کی زبان پر جاری ہوتے تھے اور حضرت مدنیؒ کی وفات پر عربی میں ایک طویل قصیدہ قلم بند فرمایا جس میں ''رضی اللہ عنہ حسین احمد'' سے آپؒ کی تاریخ وفات نکالی۔ حضرت مدنی تو بہرحال بڑے اکابر میں سے تھے اور ان کی تعظیم وتکریم تو تھی ہی احقر کے شیخ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب خلیفہ ارشد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے بارے میں بھی حضرت مفتی صاحب ہمیشہ احقر کو فرمایا کرتے کہ بھائی جب حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں جانا ہو تو نہایت ادب سے میرا اسلام اور دعا کی درخواست کرنا اس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب مدظلہم بھی اسی قسم کے جملوں کا تبادلہ فرماتے۔

باقی حضرت مفتی عبدالشکور صاحب تو حضرت مدنیؒ کے شاگرد رشید بھی تھے اس لئے ان کا حضرت کی تعظیم وتکریم کرنا اظہر من الشمس ہے اور اسی تعلق کا نتیجہ ہے کہ آخر عمر میں حضرت کے علمی وعملی کمالات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب بنام ''تذکرہ حضرت مدنیؒ'' تصنیف فرمائی جو کہ طبع ہو چکی ہے اور اس کے علاوہ ''معارف حضرت مدنیؒ'' کے نام سے بھی کتاب کا دوجلدوں میں مسودہ تیار تھا لیکن حضرت کی زندگی میں وہ طبع نہ ہوسکا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طباعت کا بھی انتظام فرمادیں۔ آمین

اکابر کے مسلک کے تحفظ ہی کے سلسلہ میں آپ نے کتاب ''ہدایۃ الحیر ان'' تصنیف فرمائی اور پھر جب بعض حضرات نے اپنی بعض بدعات کا انتساب اکابر دیوبند کی طرف کیا اور ان کو ''اکابر کا مسلک ومشرب'' قرار دیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کے جواب میں مفصل مدلل مضمون

تحریر فرمایا جو کہ ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور اور بعض دیگر جرائد میں شائع ہوا جس میں حضرت مفتی صاحب مرحوم نے اکابر رحمہم اللہ کے مسلک ومشرب کی وضاحت فرمائی اور اس رسالہ مذکورہ میں درج ذیل بدعات کا ردفرمایا۔ اور پھر یہی مضمون بعد میں ''رسالہ اکابر کا مسلک ومشرب پر ایک تحقیقی نظر'' کے نام سے جامعہ خالد بن ولیدؓ وہاڑی سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اسی طرح ابوالاعلیٰ مودودی کے نظریات جو کہ اہل سنت والجماعت کے خلاف تھے ان کے رد میں کتاب شائع فرمائی جو کہ مولانا عبدالکریم صاحب شاہ پوری مرحوم نے شاہ پور ضلع سرگودھا نے شائع کی تھی اور اس پر حضرت اقدس استاذ المکرّم حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی مرحوم نے بہت زوردار تقریظ تحریر فرمائی نیز جب بعض غالی اور متشدد لوگوں نے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار کیا اور اس پر تحریر وتقریر کے حوالہ سے اکابر دیوبند کو بدنام کرایا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کے نام سے مفصل کتاب تحریر فرمائی جس میں اکابر اہل سنت دیوبند کے صحیح مسلک کی ترجمانی فرمائیجو کہ قابل دید ومطالعہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا اکابر کی نظر میں کیا مقام تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاتا سکتا ہے:

احقر کے مربی واستاذ حضرت اقدس مفتی جمیل احمد تھانویؒ نے بیان فرمایا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری مرحوم خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامتؒ نے مجھے لکھا کہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے لئے کسی ایسے مفتی کی ضرورت ہے جو کہ افتاء کے کام کے ساتھ حدیث شریف کا بھی ایک آدھ سبق پڑھا سکے تو حضرت مفتی جمیل احمد صاحب فرماتے ہیں میں نے مولانا کو لکھا کہ یہ کام مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی کر سکتے ہیں۔ جس پر مولانا خیر محمد صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور اس تجویز کو بہت پسند فرمایا مگر ساتھ یہ فرمایا کہ واقعی وہ اس قابل ہیں لیکن جس علاقہ میں وہ کام کر رہے ہیں اس میں بہت زیادہ ضروت ہے تو میں ان کو اس علاقہ سے اٹھانا پسند نہیں کرتا۔ واقعی اس پورے علاقہ (ساہیوال ضلع سرگودھا) میں جو مفتی صاحب مرحوم نے کام کیا ہے اس کے اثرات بہت گہرے اور پختہ ہیں بے شمار لوگ صحیح العقیدہ ہوگئے اور حافظ وقاری بلکہ عالم ہوگئے اور بدعات کا زور علاقہ سے ٹوٹ گیا اور مسلک دیوبند کی صحیح ترجمانی فرمائی اور اب حضرت کی وفات سے گویا وہ علاقہ یتیم ہوگیا اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادگان بالخصوص عزیزم مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب سلمہ اللہ کو حضرت کا صحیح جانشین اور ترجمان بنائے۔ آمین

قابل رشک بچپن

حضرت مولانا قاری خلیل احمد تھانوی مدظلہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی کے صاحبزادے تھے حضرت مفتی عبدالکریم صاحب نے اپنی اصلاح وتربیت کی غرض سے ترک وطن کیا اور اپنے شیخ کے وطن میں ان کے گھر کے ساتھ ہی اقامت اختیار کر لی اس لئے حضرت مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی کا بچپن حضرت تھانویؒ کی گود میں پرورش پاتے گذرا اور آپ پر بچپن ہی سے حضرت تھانوی کی نظر تھی حضرت تھانوی جہاں بڑوں کی تربیت فرماتے بچوں کی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے تھے مفتی صاحبؒ نے اپنے بچپن کے ایک واقعہ تربیت کو یوں بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرتؒ وضو فرما رہے تھے اور اس ناکارہ کا گذر حضرتؒ کے پاس سے حوض کی پٹڑی پر ہوا تو حضرتؒ نے آواز دے کر فرمایا کہ جاؤ دیکھو مولوی شبیر علی اپنے کمرے میں ہیں یہ احقر گیا مولانا شبیر علی صاحب اپنے کمرے میں نہیں تھے میں نے واپس آ کر حضرتؒ سے عرض کیا کہ وہ نہیں ہیں مگر یہ اس انداز سے کہا کہ حضرتؒ اس سے سمجھے کہ مولانا اپنے کمرے میں موجود ہیں فرمانے لگے کہ میرے ساتھ آؤ اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ میں نے صحیح طریقہ سے بات نہیں کی دوبارہ واضح طور پر عرض کیا کہ وہ نہیں ہیں تو حضرتؒ نے اس پر خوب تنبیہ فرمائی کہ کلام میں احتیاط بہت ضروری ہے جب دوسرا آدمی بات کو سمجھا نہیں تو کلام مفید کیسے ہوا اس لئے بات صاف کرنی چاہئے تاکہ دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے حضرت تھانویؒ کے ہاں ایذا مسلم سے بچانے کا جو اہتمام تھا وہ کسی سے مخفی نہیں حضرتؒ نے یہ تنبیہ سب کے سامنے فرمائی جس سے سب کو سبق مل گیا اس کیلئے اپنی سنتوں کو بھی قدرے تاخیر سے ادا فرمایا اگلے روز پھر اسی طرح ہوا کہ میں وہاں سے گذر رہا تھا حضرتؒ وضو فرما رہے تھے پھر وہی بات ارشاد فرمائی میں نے جا کر دیکھا تو مولانا شبیر علی صاحب اس روز کمرہ میں موجود تھے میں نے آ کر صاف طور پر واضح انداز میں عرض کیا کہ وہ موجود ہیں حضرتؒ

خوش ہوئے اور مسرت سے فرمایا کہ "ہاں یوں بولا کرتے ہیں" حضرتؒ کے ان الفاظ کی لذت آج تک مجھے محسوس ہوتی ہے پھر فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ ایک کوپن اور رقم دی فرمایا کہ مولوی شبیر علی سے کہو کہ اسے مدرسہ کے حساب میں لکھ لیں اور پھر مجھے آ کر اطلاع بھی کرو میں نے مولانا شبیر علی صاحب سے جا کر ساری بات حضرتؒ کی نقل کر دی انہوں نے وہ رقم رجسٹر میں درج کر لی لیکن ابھی رقم لکھ کر قلم نہیں اٹھایا تھا کہ ازخود فرمایا کہ جا کر بڑے ابا کو بتادو کہ رقم لکھ لی ہے چنانچہ میں نے آ کر عرض کر دیا حضرت مفتی صاحبؒ اس واقعہ کو سنا کر فرمایا کرتے تھے کہ دیکھنے میں تو یہ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اس سے حضرت اقدس تھانویؒ کی بچوں پر شفقت وعنایت ان کو کلام مفید وغیر مفید کا فرق سکھانا نیز کام کر کے اطلاع دینا اس قسم کے بہت سے سبق حاصل ہو رہے ہیں مزید یہ کہ شان تربیت کا اہتمام بلیغ کہ باوجود یکہ آپ کے ہاں دو مستقل ملازم وخادم باتنخواہ موجود تھے لیکن آپ نے ان سے یہ کام نہیں لیا بلکہ ایک بچہ کی تربیت کیلئے چوبیس گھنٹے تک اس کام کو مؤخر فرمایا تا کہ اس کی عملی اصلاح ہو سکے اور آئندہ وہ ایسی غلطی نہ کرے اس سے بڑھ کر حضرتؒ کی شفقت وعنایت کیا ہوگی آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ کی اس ڈانٹ سے ساری عمر کا سبق مل گیا اور یہ سب حضرتؒ کی تربیت ہی کا نتیجہ ہے۔ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ نے فرمایا کہ دیکھو یہ تھا حضرت تھانوی کا انداز تربیت کہ ایک بچے کی تربیت کیلئے پورا دن اور پوری رات اس بات کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھا اور اگلے روز جب تک اس کی اصلاح نہ کر لی تو آپ کو اطمینان نہ ہوا اور کتنی باتوں کا خیال رکھا کہ جا کر رقم دے کر آؤ اور مجھے بتاؤ ادھر مولانا شبیر علی صاحب بھی کس اہتمام سے جواب دے رہے ہیں کہ دس منٹ تک بیٹھا ہوں تا کہ اگر تھوڑا کام ہو تو حضرت ابھی کرالیں زائد ہو تو دوسرے وقت پر موقوف رکھیں پھر رقم درج کر کے بتایا جا رہا ہے کہ درج کر لی تا کہ اطمینان قلب حاصل ہو، یہ تھا خانقاہ اشرفیہ کا انداز تربیت کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے اور ہر کام طریقہ اور سلیقہ سے ہو۔ اس عظیم خانقاہ کے تربیت یافتہ لوگوں میں سے مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کی ذات پاکستان میں وہ آخری ہستی تھی کہ جس نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زیر سایہ تربیت پائی آج مملکت پاکستان اس عظیم مفتی مفسر محقق اور جید عالم سے محروم ہو گیا ہے جو صرف ان کے اہل خانہ ہی کا نقصان نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا نقصان ہے۔

کا سانحِ زمانہؒ

حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل مدظلہ استاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدی حضرت اقدس مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کے وصال کو آج (جبکہ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں) دوسال کا عرصہ ہو چکا ہے جب بھی آپ کا ذکر خیر زبان پر آ جاتا ہے تو اب بھی بے ساختہ دامت برکاتہم العالیہ کے دعائیہ الفاظ زبان پر آ جاتے ہیں اور رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ بولتے زبان لڑکھڑاتی ہے اور لکھتے ہوئے قلم لرزتا ہے۔ایک روحانی باپ اور مصلح امت سے جہاں پوری امت محروم ہو چکی ہے وہاں میں بھی محروم ہو چکا ہوں مگر جن شفقتوں اور محبتوں کا نظارہ میں نے اپنے حق میں کیا تھا شاید ہی زندگی میں ایسا علم وتقویٰ اور مجسم شفقت ومحبت تواضع وہمت کا پیکر دیکھنے میں آئے۔اس لئے اپنی شومئی قسمت کو روتا ہوں اور ساہیوال سرگودھا کا ذکر اگر کسی سے سننے میں آ جاتا ہے تو فوراً رنگ متغیر ہو جاتا ہے وقتی طور پر سامنے والے شخص کی بات کو سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، روح اور توجہ جامعہ حقانیہ کے صحن میں پہنچ کر حضرت اقدس کی قدم بوسی میں مصروف ہو جاتی ہے یہ ایک کمزور اور نحیف البدن فقیہ العصر مرجع العلماء والمفتین جن کے اردگرد جامعہ حقانیہ کے اساتذہ اور عوام کا ہجوم یہ مناظر اب بھی نگاہوں کے سامنے ہیں کئی دفعہ کوشش کی کہ اس پیکر علم وعمل کو بھلا دوں اور ان کی شفقتوں کو نظر انداز کر دوں کہ شاید طبیعت سنبھل جائے اور ہوش حواس اپنی جگہ پر آ جائیں مگر ناکامی کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ میرے جیسے ہزاروں غمگین اور افسردہ حال حضرات کی دستگیری فرمائیں۔اور ہمیں حضرتؒ کی برکات سے محروم نہ فرمائیں۔

﴿ نمونۂ اسلاف واکابرؒ ﴾

انسان طبعاً مشاہدہ اور تجربہ کا خوگر ہے جب تک کسی حقیقت کا خود مشاہدہ نہ کر چکا ہو تو اس کو کما حقہ تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا اسی ضابطہ کے پیش نظر اپنے اکابرین علماء دیوبندؒ کثر اللہ سوادہم کے علم وعمل تقویٰ وطہارت ہمت وتواضع اسی قسم کے اوصاف کا ذکر جب سامنے آجاتا ہے اپنے علمی عملی انحطاط کو دیکھتے ہوئے ان حضرات کے کمالات کا کما حقہ اعتراف ہو نہیں پاتا، حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کی زیارت اور آپ کی صحبت کی برکت اور آپ کے کمالات اور خداداد صلاحیتوں کو مشاہدہ کرنے کے بعد الحمدللہ ثم الحمد للہ سابقہ اکابرین کے کمالات علمیہ اور عملیہ کے اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں رہا خاص طور پر شیخ العرب والعجم عارف باللہ استاذ اساتذتنا مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ہمت اور تواضع کے قصے زبان زد عام وخاص ہیں میں نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ اس عظیم انسان (مولانا حسین احمد مدنیؒ) کی ہمت اور تواضع نے سب کو حیران کر دیا، اس زمانہ میں مولانا مدنیؒ کی ہمت وتواضع کا اگر نمونہ میں نے کسی کو دیکھا ہے تو وہ ہمارے شیخ حضرت اقدس مفتی عبدالشکور ترمذیؒ تھے۔ حضرت ترمذیؒ کے پاس احقر دو مہینہ رہا ہے اس دوران میں نے اس مرد خدا کی جس ہمت وچستی کا مشاہدہ کیا ہے اگر قسم بھی اٹھانا پڑے کہ نوجوانوں کی ہمتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں تو ان شاء اللہ میں اس میں حانث نہیں رہوں گا۔

﴿ رسوخ فی العلم ﴾

میں نے کئی کتابوں میں کئی ایسی مشکل جگہوں پر نشانات لگائے جن کو بہت سے علماء کرام سے بھی معلوم کیا مگر وہ حل نہ ہو سکیں، جب ساہیوال حاضری ہوئی تو میں نے ان مقامات کو آپ کے سامنے پیش کر دیا آپ نے فرمایا بیٹا ان میں سے بعض جگہیں تو بہت ہی آسان ہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو حل نہیں ہو سکی ہیں مزاحاً فرمایا بیٹا کراچی میں بیٹھ کر عیاشی کرنے کے بجائے یہاں آجاؤ جب ان مقامات کو میں ایک دیہاتی حل کر سکتا ہوں تو آپ کیوں حل نہیں کر سکتے میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ حضرات اکابرین کے سامنے ہماری دال نہیں گلتی جب آپ نہیں ہوں گے تو بعد والے لوگوں کیلئے ہم ہی اکابر شمار ہوں گے مسکرا کر فرمایا بھائی آپ عجیب آدمی ہیں ہمارے مرنے کے منتظر ہیں۔

وقت کی قدر و قیمت

ایک مرتبہ حضرت سے میں نے عرض کیا کہ صحیح معنوں میں کام نہیں ہو رہا، مطالعہ تصنیف وتالیف کسی بھی کام کا نہیں ، فرمایا کہ بیٹا ایک بات بتادوں جو میرے بڑوں نے بارہا اس کا تجربہ کیا......اور بہت ہی اس کو مفید پایا ہے میں نے عرض کیا جی ہاں ،فرمایا بیٹا اپنے وقت کی قدر و قیمت کرو وقت کو بے جا فضول کام اور لایعنی باتوں میں خرچ نہ کرو ان شاءاللہ تمہارے کام میں برکت ہوگی اپنے مطالعہ اور تصنیف وتالیف چاہے وہ تھوڑی ہی مقدار میں کیوں نہ ہو ان کے لئے وقت کی تعیین کرو۔

ایک عجیب واقعہ

ایک دفعہ فتاویٰ شامیہ میں کوئی جگہ مطالعہ کے دوران سمجھ میں نہیں آئی آپ کی خدمت مبارکہ میں لے جا کر حاضر ہوا دیکھ کر فرمایا بیٹا یہ عبارت مجھے اس طرح صحیح نہیں معلوم ہوتی میں نے عرض کیا حضرت دوسرے نسخہ میں اسی طرح ہے فرمایا کہ دیکھ کر کل بتاؤں گا چنانچہ رات کو میں نے خود بھی بہت ہی کوشش کی مگر وہ عبارت حل نہیں ہوئی دوسرے دن صبح سویرے میں اپنے کمرہ میں سو رہا تھا (میری یہ بری عادت کئی سال سے ہے کہ فجر کے بعد سوتا ہوں) اچانک میرے کمرے کے دروازے کو کوئی دستک دے رہا ہے میں فجر کی نماز پڑھ کر فوراً سو گیا تھا آنکھ کھلی تو ایک طالب علم دروازہ پر کھڑا ہے کہنے لگا کہ حضرت اقدس کراچی والے مولوی کو بلا رہے ہیں بہت گھبرا گیا خدا خیر کرے حضرت اقدس آج اپنے گھر سے معمول کے خلاف تشریف لائے ہیں دوڑتے ہوئے جب پہنچا تو فرمایا بیٹا آپ کی عبارت حل کر کے آیا ہوں، رات کو بہت دیر تک نہیں سویا آپ کی اسی عبارت کی وجہ سے، چنانچہ فرمایا کہ کتاب لے کر کے آجاؤ، کتاب لے کر حاضر ہوا تو فرمایا کہ بیٹا یہ عبارت صحیح نسخوں میں اس طرح نہیں طباعت کی غلطی ہے بیروت کے طبع شدہ نسخوں میں اصل عبارت اس طرح ہے، سبحان اللہ عبارت کھول کر دیکھا اصل عبارت اسی طرح تھی جیسے کہ گذشتہ کل آپ کے ذوق سلیم نے فیصلہ فرمایا تھا، اللهم ارحمه رحمة واسعةً ۔

مزاح وخوش طبعی

آپ کیلئے چائے بنا کر ایک خادم حاضر ہوا حضرت اقدس کی طبیعت اس دن کچھ ناساز تھی خادم نے آپ کیلئے چائے پیالی میں ڈال کر آپ کا بدن دبانا شروع کر دیا آپ نے ایک پیالی نوش

فرمائی دوسری پیالی خادم نے ڈال دی آپ نے ایک دوگھونٹ لے لیا پیالی نیچے رکھی میں نے آہستہ سے اٹھا کر وہ پیالی پی لی، فرمایا کہ بھائی چائے، خادم نے عرض کیا کہ حضرت چائے ختم ہوگئی فرمایا کہ پیالی میں چائے تھی میں نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو میں نے تبرک سمجھ کر پی لی مسکرا کر فرمایا کہ بھائی عجیب تبرک ہے کہ پیرومرشد کو بھوکا پیاسا رکھو سارا تبرک سمجھ کر نوش کرلو۔

﴿آپ کمال کے حاضر جواب تھے﴾

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہمیں نئی تحقیقات کی ضرورت نہیں ہمارے اکابرین نے جو کچھ علمی ورثہ ہمارے لئے چھوڑا ہے اگر اسی پر ہم عبور حاصل کریں تو ہمارے لئے کافی ہے، میں نے عرض کیا حضراتِ اکابرین دیوبند فرشتہ تو نہیں تھے کہ ان کی ہر بات صحیح ہو اور ان سے غلطی نہ ہو سکتی ہو آپ تو ان کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں، فرمایا کہ نہیں بھائی میں اپنے اکابرین کو معصوم تو نہیں سمجھتا لیکن اپنے آپ کو غیر معصوم سمجھتا ہوں اور جب ان کی کوئی بات میری سمجھ سے بالاتر ہو تو یہ سمجھتا ہوں کہ میری سمجھ کی کمی ہے کہ وہ بڑے حضرات تھے کہ ان کی بات کی تہہ تک میں نہیں پہنچ سکتا، پھر مجھ سے مسکرا کر فرمایا کہ بیٹا تم کیا انسان نہیں ہو، حیوان ناطق نہیں، میں نے عرض کیا کیوں نہیں بالکل ہوں، فرمایا کوئی بات آپ کے سامنے اکابرین کی قابل اعتراض آجائے تو بجائے ان پر اعتراض کرنے کے یہ کیوں نہیں کہتے ہو کہ میری غلطی ہے میں غلط سمجھا ہوں وہ بڑے لوگ تھے، فرمایا اس طرح کرنے سے گستاخی سے بھی بچو گے اور اللہ تعالیٰ آئندہ کیلئے کوئی سبیل پیدا فرمائیں گے اس بات کی اصل حقیقت بھی سامنے آئے گی، سبحان اللہ حضرت اقدس کے اس جواب نے میرا دماغ درست کردیا اپنے کئی شاگردوں اور دوستوں کو بھی بتا چکا ہوں سب ہی حضرت اقدس کیلئے دعا فرما رہے ہیں، غرور کا بھی علاج بتادیا اور عاجزی اور تواضع کا طریقہ بھی ارشاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے علوم کے دروازے کھولنے کا طریقہ بھی ارشاد فرمایا۔

﴿منطق ومعقولات میں مہارت کاملہ﴾

جمعہ کا دن تھا عصر کی نماز کے بعد جامعہ حقانیہ کے صحن میں آپ کا درس قرآن ہوتا تھا آپ نے آیت قرآنی او کالذی مر علی قریة حضرت عزیر علیہ السلام کے قصہ کو تفصیل سے بیان فرمایا، دوسرے دن آپ کے پاس شرح عقود رسم المفتی لے کر حاضر خدمت ہوا سبق سے پہلے میں نے عرض کیا کہ حضرت کل آپ نے فرمایا تھا کہ موت الانبیاء یغایر موت العوام حالانکہ موت عوراض میں

سے ایک عارض ہے اور سلم العلوم میں قاعدہ ہے لاتشکیک فی الماہیات ولا فی العوارض لہذا کلی متواطی کے طور پر عوام الناس اور انبیاء کی موت بالکل متساوی ہوگی میں نے سمجھا کہ میں نے منطق کا آسمان گرادیا، حضرت اقدس نے فرمایا کہ بیٹا آگے بھی سلم العلوم کی عبارت پڑھ لو لاتشکیک فی الماہیات ولا فی العوارض بل فی الاتصاف بہا الماہیات عوارض میں فی نفسہا تشکیک اشدیت اور اضعفیت کے طور پر نہیں لیکن اتصاف الموصوف واعجل کے اعتبار سے تو فرق ہوگا، پھر فرمایا کہ الیس النوم اخا الموت کیا نوم نظیر الموت نہیں، میں نے کہا کہ کیوں نہیں، فرمایا کہ ہماری اور آپ کی نوم ناقص وضوء ہے لیکن نوم الانبیاء ناقض وضوء نہیں، پھر فرمایا کہ بیٹا اشتراک لفظی کو دیکھ کر سب پر تواطی اور تساوی کا حکم لگانا یہ اصولیین اور منطقیین کا کام نہیں آپ جیسے مجتہد کا کام ہوگا، پھر فرمایا کہ بیٹا ایمان کی نسبت اسناد اور عام مومنین کی طرف بھی کی گئی ہے اور اسی جملہ میں نبیؐ کی طرف بھی کی گئی ہے جیسے آمن الرسول بماانزل الیہ من ربہ والمؤ منون تو کیا آپ کا ایمان نبی کے برابر ہوگا، ہرگز نہیں تو موت اور حیات میں عام مؤمنین کو نبی کے برابر کیوں سمجھا جاتا ہے؟ مجھے بعد میں میرے لائق فائق بھائی اور حضرت اقدس کے لائق وفاضل صاحبزادہ مولانا مفتی عبدالقدوس نے ایک دن بتایا تھا کہ ہم نے منطق کی کتابیں حضرت اقدس سے پڑھی ہیں، میں نے کہا کہ بھائی پہلے ہی سے آپ مجھے بتادیتے تو میری منطق کا بھانڈا نہ پھوٹتا۔ بہرحال اس واقعہ کے بعد میں نے بھی اپنی منطق کا اظہار دومہینہ کے دوران کبھی بھی آپ کے سامنے نہیں کیا۔

حضرت اقدس کی ایک عجیب خصوصیت

حضرت اقدس ہی کی برکت تھی کہ جامعہ حقانیہ کے اگر کسی استاذ سے کسی مغلق کتاب کی کوئی جگہ حل نہیں ہوتی تھی تو پہلے آپس میں بیٹھ کر اس پر گفتگو فرماتے اور اس کو حل کرتے اگر سب سے حل نہ ہوتی سب ہی جمع ہوکر اس کو حضرت اقدس کی خدمت میں لے جاتے اور اپنے اپنے خدشات کا اظہار کرتے حضرت اقدس وہ جگہ اور وہ عبارت ان کو سمجھا دیتے، یہ ماحول احقر نے اپنی زندگی میں کہیں اور نہیں دیکھا۔

مجتہد فی اللغۃ کا واقعہ

یہاں چل کر ایک بڑا دلچسپ واقعہ یاد آ گیا، ایک دن درمختار اور تنویر الابصار کی ایک عبارت احقر حضرت اقدس کے سامنے پڑھ رہا تھا صفحہ ۱۲ پر تـجـاہ پر بجائے ضمہ کے احقر نے تجاہ بالکسرہ پڑھا

مولانا ظفر اللہ صاحب مولوی محمد اعظم مولوی محمد صدیق مفتی عبدالقدوس صاحب مولانا عبدالعظیم صاحب سب موجود تھے، حضرت مفتی عبدالقدوس صاحب پہلے ہنس پڑے پھر دوسرے حضرات ہنسے ،حضرت اقدس نے فرمایا کہ کیا بات ہے کسی نے کہا کہ مولوی منظور احمد نے تنجاہ کو بجائے ضمہ کے بالکسرہ پڑھا ہے حضرت اقدس بھی ہنس پڑے اورفرمایا کہ ہوسکتا ہے بکسرالتاء بھی گنجائش ہو،مولانا عبدالقدوس دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا کہ اگر بکسرالتاء نہ بھی ہوتو کوئی پرواہ نہیں مولوی منظور مجتہد فی اللغتہ ہے، میں نے پکا ارادہ کرلیا کہ حضرت مفتی عبدالقدوس سے اس کا بدلہ کسی موقع پرلوں گا مگر آج تک بدلہ نہ لے سکا، اب کیا بدلہ لوں گا جبکہ آپ فقیہ العصر حضرت اقدس کے جانشین مقرر ہوگئے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطاء فرمائے اس وقت آپ بھی میرے لئے نہیں بلکہ حضرت اقدس کے تمام متوسلین کی نگاہوں میں نعم السلف ونعم الخلف کا مصداق ہیں، اب ایسے پیار ومحبت اور شفقتیں کہاں ڈھونڈوں اور تلاش کروں۔

﴿ باوجود اختلاف کے مخالف کے فضل وکمال کا اعتراف ﴾

حضرت مولانا غلام اللہ خان، مولانا عنایت اللہ گجراتی سے اختلاف کے باوجود آپ فرماتے تھے کہ غلام اللہ خان کو ایک معقولی عالم سمجھتا ہوں اور آپ معقولات ومنقولات کے ماہر گذرے ہیں، عنایت اللہ گجراتی کے بارے میں فرماتے تھے کہ آپ بہت اچھے مقرر گذرے ہیں آپ کی افہام وتفہیم بہت عمدہ ہے ،حضرت اقدس کا کوئی مخالف بھی آج تک یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ آپ نے کسی کے خلاف اپنی زبان غیر محتاط انداز میں استعمال کی ہو یا مسائل دینیہ سے ہٹ کر آپ کی کسی سے ذاتی دشمنی رہی ہو اور کوئی اختلاف رہا ہو، ہرگز نہیں۔

﴿ محققین کے تصوف کا حامل ﴾

آج جو شخص جتنا بھی زیادہ تصنع اور بناوٹ اختیار کرے گا اتنا بڑا بزرگ اور صوفی کہلائے گا، نیز اکثر پیروں کو دیکھا ہے کہ جھوٹے قصے اور من گھڑت روایات اور حکایات کا ایک انبار ان کے پاس ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت اقدس مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کے دامن کو ایسے تصنع اور تکلفات سے پاک رکھا تھا، احقر دو مہینہ آپ کے پاس رہا ہے لیکن مجھے یاد نہیں کہ آپ نے سنی سنائی کوئی بات یا کوئی واقعہ بغیر تحقیق کے کبھی بیان فرمایا ہو ورنہ آج کل تو جھوٹے واقعات بیان کرنا تصوف کا جزء

لا ینفک بن گیا ہے۔

﴿علم حدیث اور تفسیر میں غیر معمولی مہارت﴾

جیسا کہ مشہور ہے کہ متأخرین فقہاء اور محدثین کو حدیث کی تحقیق نہیں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تفسیر ابن کثیر کے علاوہ شاید بہت کم ایسی تفاسیر ہوں گی جن میں صحیح احادیث کا التزام کیا گیا ہو یا فقہ کی کتابوں میں اس کا التزام کیا گیا ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت کو یہ مقام عطاء فرمایا تھا کہ فقہیات اور تفسیر میں آپ کا استدلال احادیث صحیح سے ہوتا تھا، احقر نے شرح عقود رسم المفتی، مقدمہ شامیہ، اصول الافتاء، کے علاوہ اوائل الصحاح الستہ بھی آپ سے پڑھیں ہیں ایک عرصہ سے میں بھی حدیث پڑھاتا ہوں مگر بعض جگہ حضرت اقدس ایسی توجیہات بیان فرماتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔

﴿تحقیق کے بعد رجوع کرنے میں کبھی بھی تامل نہیں فرمایا﴾

میں عرصہ دراز سے کراچی میں رہ رہا ہوں یہاں بہت سے ایسے محققین بھی ہیں جو کہ اجتہاد کے مدعی ہیں اور بہت سے اجتماعی مسائل میں بھی ان کا اپنا تفرد ہے ان کے رد میں کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور ان کو ان کی خطاء پر تنبیہ بھی کی گئی ہے مگر ان کی انانیت اور اصرار علی الخطاء میں زور تو پیدا ہوا ہے لیکن رجوع کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیں یہ ناممکن ہے حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ احقر کو یہ واقعہ خوب یاد ہے کہ ایک فتویٰ بریلوی حضرات کی طرف سے آیا تھا حضرت اقدس نے اس پر دستخط فرمائے اور اس کی تائید فرمائی مجھ سے بھی پوچھا تھا مولوی محمد اعظم صاحب سے بھی، ہم نے بھی تائید کی تھی، وہ فتویٰ چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد برادرم مفتی عبدالقدوس تشریف لائے حضرت اقدس نے اس فتویٰ کی نقل آپ کو دکھائی، مولانا عبدالقدوس نے فرمایا کہ حضرت آپ حضرات نے اس کو طلاق صریحی رجعی قرار دیا حالانکہ یہ صریح بائنہ ہے اور اسی وقت فتاویٰ شامی نکال کر ہمیں دکھایا، حضرت اقدس نے فوراً فرمایا کہ بھائی اس بندہ کو تلاش کرو ہم سے غلطی ہوگئی ہے، چنانچہ اس بندہ کو تلاش کیا گیا اور ان کو اطلاع دی گئی سبحان اللہ آج ایسے مفتی کہاں ملیں گے۔

بہرحال اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت کرے اور آپ کے فیض کو اور آپ کے مشن کو قائم ودائم فرمائے میرے جیسے غمگین حضرات کی دستگیری فرمائے آپ کی اولاد کو آپ کے مشن کی تکمیل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

جامع الصفات شخصیت

حضرت مولانا قاری دین محمد صاحب مدظلہم ناظم مدرسہ فتح العلوم چنیوٹ

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اس کے باوجود اس کائنات میں بعض ایسی بابرکت ہستیاں ہوتی ہیں جن سے بعض انسانوں کی حد درجہ عقیدت ہوتی ہے ان ہستیوں کی موت کا صدمہ ان کے معتقدین کیلئے خصوصی طور پر اور باقی افراد کیلئے عمومی طور پر قیامت سے کم نہیں ہوتا گویا کہ ان سے ایک نعمت عظمیٰ چھن گئی ہو۔ان بابرکت ہستیوں میں سے ایک ہستی حضرت مولانا قاری مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کی ہے۔آپ کے سانحہ ارتحال نے اس سرزمین پر ایک ایسا بھونچال برپا کردیا ہے کہ جس کی وجہ سے پیدا شدہ دراڑیں شاید قیامت تک بھی پر نہ ہوسکیں۔کسی نے حضرت مولانا محمد فاروقؒ سے موت العـالِم موت العالَم کا مطلب پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ عالم ربانی رات کو تہجد وغیرہ میں امت کیلئے جو دعائیں کرتا ہے اس کی موت سے امت ان دعاؤں سے محروم ہوجاتی ہے ایسے ہی ہم بھی ایک عالم ربانی کی دعاؤں سے محروم ہوچکے ہیں آپ کی موت عام انسانوں کی طرح نہ تھی بلکہ آپ فقیہ العصر، عالم باعمل ولی کامل، مفتی اعظم، بلند پایہ خطیب اعظم مفسّر و محدث، عارف اسرار طریقت اور جامع المنقول والمعقول بھی تھے آپ کا تذکرۂ خیر نفع سے خالی نہیں ہے کیونکہ اہل اللہ کے تذکروں سے ایمان تازہ ہوتا ہے، کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

احب الصالحین ولست منهم

لعل الله يرزقنی صلاحاً

ترجمہ: یعنی میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں حالانکہ میں ان میں سے نہیں ہوں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے (بھی نیکی کی) صلاحیت عطا فرمائے گا۔

﴿ چند ملفوظات ﴾

آپ کے چند ملفوظات جو آپ نے حضرت مفتی محمد حسنؒ صاحب سے سنے ہیں فرمایا کہ:

حضرت کی مجلس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں بعد نماز ظہر ہوتی تھی جس میں فنائیت فی الشیخ کا ظہور ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے ملفوظات کی بجائے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات پڑھواتے تھے۔ ایک دن دوران مجلس ہی عصر کی اذان ہوگئی آپؒ نے فرمایا کہ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات کا جواب دے اور پھر بعد میں دعا وسیلہ پڑھے تو میں اس کی شفاعت کروں گا اس سے مفتی صاحبؒ نے یہ استنباط کیا کہ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص یہ عمل کرے گا اس کی موت ایمان پر آئے گی جب ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کا وعدہ فرما رہے ہیں بھلا کافر کی تھوڑی ہی آپ شفاعت فرمائیں گے، کیسا عجیب آپ نے یہ استنباط فرمایا۔

دوسرا ملفوظ جو آپ نے حضرت والا مفتی صاحبؒ سے سنا ہے ایک مرتبہ آپ نے احقر کے پوچھنے پر ''قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم اللّٰہ '' میں ربط بیان فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے اتنے محبوب ہیں جو ان کی اتباع کرتا ہے وہ بھی اللہ کا محبوب بن جاتا ہے ان کنتم تحبون اللّٰہ سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا طریقہ معلوم کرنا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فاتبعونی میں محبوب بننے کا طریقہ بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے محبّ ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔

ایک مرتبہ مفتی صاحبؒ نے احقر سے فرمایا کہ حضرت پیر مہر علی شاہ کی کتاب ''اعلاء کلمۃ اللہ'' میں لکھا ہے کہ جس طرح حلال جانور کا آخری سانس اللہ کے نام کے بغیر نکل جاتا ہے تو وہ جانور مردار اور حرام ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تاکلوا مما لم یذکرا سم الله علیه وانه لفسق اسی طرح انسان کا جو سانس اللہ کے ذکر کے بغیر نکلتا ہے وہ بھی مردار ہوتا ہے (پاس انفاس کی صوفیائے کرام اسی لئے مشق کراتے ہیں تاکہ کوئی سانس اللہ کے نام کے بغیر نہ نکلے نہ سوتے میں نہ جاگتے میں)

ایک مرتبہ مفتی صاحبؒ نے ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا حدیث ''من بنیٰ للّٰہ مسجداً بنی اللّٰہ له بیتاً فی الجنة '' آپ نے پڑھی پھر فرمایا کہ اس میں ولو کمفحصِ قطاة کی بھی زیادتی ہے قطاۃ وہ بہت چھوٹا سا پرندہ ہے جو کنوئیں میں گھونسلا بنا کر رہتا ہے مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قطاۃ کے گھونسلا کے برابر بھی مسجد میں حصہ لے گا اس کیلئے بھی جنت میں بہت بڑا محل تیار کیا جائے گا کیونکہ

بیتاً میں تنوین تعظیم کی ہے غرضیکہ آپ نے ایسی تقریر فرمائی کہ مجمع دم بخود رہ گیا۔

﴿ چند قابل رشک صفات ﴾

آپ کی بعض قابل رشک عادات اور صفات حسنہ جو آپ کے عقیدت مندوں کیلئے قابل تقلید اور حرز جان بنانے کے قابل ہیں:

(۱) آپ اللہ کے مقبول محبوب بندوں میں سے تھے جن کے چہرہ پر انوارات اور برکات کا ہر وقت نزول رہتا تھا ہر دیکھنے والا یہی کہتا تھا کہ آپ واقعی خدا کے ولی ہیں۔ (۲) آپ کے دل میں اللہ نے قرآن کی اشاعت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا آپ نے بہت سے قرآنی مدارس قائم کئے اور کئی مدرسوں کے آپ سر پرست اور رکن تھے اللہ تعالیٰ ان مدارس کو قائم و دائم رکھے (۳) آپ تقویٰ پرہیزگاری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے آپ مدرسہ کے معاملات میں بے حد احتیاط فرماتے تھے (۴) آپ کا دل اللہ کی طرف ہر وقت متوجہ رہتا تھا (۵) آپکو حضرت تھانویؒ اور آپ کے خلفاءؒ اور اکابر علماء دیوبند سے بے حد محبت تھی بعض اوقات ان کے تذکرہ پر آبدیدہ ہو جاتے (۶) آپ علماء دیوبند کے عقائد پر سختی سے کاربند تھے خصوصاً مسئلہ حیات النبیؐ وسماع موتی میں آپ کو خصوصی طور پر شرح صدر تھا (۷) اللہ پاک نے آپ کے اوقات میں بہت برکت عطا فرمائی تھی آپ نے خوب تصنیفات کا کام کیا (۸) آپ کا سارا وقت اشاعت علم واشاعت فتاویٰ میں گذرتا تھا نیز ملک کے کونے کونے سے اہم فتاویٰ جات آتے تھے جن کے متعلق علماء کو اس کا حل سمجھ میں نہیں آتا (۹) آپ بہت سے مدرسوں کے سر پرست اور مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے آپ مدرسوں کے بگڑے ہوئے حالات کو چند منٹوں میں سلجھا دیتے تھے آپ بہت سمجھداری کے ساتھ گہرائی میں پہنچتے تھے (۱۰) آپ میں حب دنیا اور لالچ نہ تھا مریدین سے بھی بعض اوقات ہدیہ قبول نہ کرتے تھے آپ متوکلاً علی اللہ تھے (۱۱) آپ لغو لایعنی باتوں سے احتراز فرماتے تھے اگر کوئی سوال کرتا اس کا مختصر مگر جامع جواب ارشاد فرماتے خطوط کا بھی جواب مختصر اور جامع ہوتا (۱۲) آپ سنت کے بہت پابند تھے ہر کام میں اتباع سنت فرماتے تھے اپنے متعلقین کو بھی اس طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے (۱۳) آپ بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے اور آپ کا لباس سادہ ہوتا تھا آپ کا مکان بھی بہت سادہ اور مدرسہ کی عمارت بھی بہت سادہ تھی (۱۴) آپ بہت با اخلاق انسان تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب قسم کا رعب

عطا فرمایا (۱۵) آپ حق گو عالم دین تھے کبھی حکومت سے نہیں ڈرے بلکہ حکام کے سامنے بے دھڑک دین کی بات کہتے تھے (۱۶) آپ مدرسہ کے چندہ میں بہت احتیاط فرماتے تھے بلکہ توکل سے کام لیتے تھے آپ کے مدرسہ کا کوئی سفیر نہیں تھا، مدرسہ اور مسجد میں بھی مدرسہ کیلئے کبھی سوال نہیں کیا نہ چندہ کیلئے کسی کو بازار میں بھیجتے نہ قربانی کی کھالوں کو اکٹھا کرنے کیلئے کسی کو بھیجتے تھے (۱۷) آپ مشائخ کا اور اکابر کا بہت ادب فرماتے تھے اور ان کی اولادوں کا بھی بہت لحاظ فرماتے خصوصاً مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اور مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ کا بھی بہت ادب فرماتے تھے (۱۸) آپ حکومت کی غلط پالیسیوں پر کھل کر تنقید فرماتے بالکل کسی سے نہیں ڈرتے تھے آپ اپنے اکابر کے بہت گرویدہ تھے (۱۹) آپ اللہ کے خوف سے بہت روتے تھے (۲۰) آپ میں حد درجہ کی تواضع اور عاجزی تھی (۲۱) آپ میں بالکل تکبر نہیں تھا (۲۲) آپ علماء اور صلحاء کا بہت ادب فرماتے تھے اور ان کی خوب خاطر تواضع فرماتے (۲۳) آپ اپنے جلسہ پر مستند علماء اور تھانوی بزرگوں کو بلاتے تھے (۲۴) آپ اپنے مدرسے میں شریف الطبع نیک اساتذہ کو رکھتے تھے (۲۵) آپ کی نظر فقہ کی چھوٹی جزیات پر تھی۔ (۲۶) آپ مدرسین اور ملازمین کے ساتھ معاملات معاشرت میں اپنے اصول پر کاربند رہتے کبھی کسی سے بدعہدی نہیں فرماتے تھے (۲۷) آپ کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے شیوخ سے بے حد محبت تھی اور اساتذہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بھی بہت محبت اور عقیدت تھی (۲۸) آپ کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبت مفتی عبدالقدوس مدظلہ سے تھی جو ماشاء اللہ آپ کیلئے بہترین صدقہ جاریہ ثابت ہونگے ماشاء اللہ حق تعالیٰ نے حضرت مفتی عبدالقدوس مدظلہ کو حضرت مفتی صاحبؒ جیسا تبحر علمی اور فقہ پر پورا عبور اور فقہ کی جزیات اور فتاویٰ جات پر گہری نظر عطا فرمائی، فراغت تعلیم کے بعد ۱۸ سال آپکی زیر نگرانی فتاویٰ جات پر کام کیا اللہ پاک آپکو سلامت رکھے نظر بد سے بچائے اور آپ کا فیض عام فرمائے حضرت مفتی صاحبؒ کے تمام دینی کام میں دلچسپی للّٰہیت خلوص سے آپ کے تمام کاموں کو جاری رکھنے والا بنائے جو جو توقعات حضرت مفتی صاحبؒ کو تھیں وہ توقعات پوری فرمائے بہترین مدرسہ کا محافظ بنائے سلوک میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ کا صحیح جانشین بنائے (۲۹) آپ میں سب سے زیادہ جو چیز دیکھنے میں آئی وہ فکر آخرت موت کی تیاری اللہ کا خوف اور محاسبہ آخرت تھا (۳۰) آپ جو وعظوں میں بیان کرتے تھے اس پر خود بھی عامل تھے آپ کے پاس

جتنا علم کا خزانہ تھا اس سے بھی زیادہ عمل کا خزانہ تھا۔ آپ کی غذا بہت کم تھی ماشاءاللہ روحانی غذا سے ہر وقت سرشار رہتے تھے اس وقت بندہ کی نظر میں آپ کی نظیر کا علاقہ بھر میں کوئی مفتی نہیں ملے گا جو علم وعمل کا جامع ہو آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا آئندہ اس کا پورا ہونا مشکلات میں سے ہے۔ (۳۱) آپ اکیلے بلا مبالغہ ایک جماعت کا کام کرتے تھے (۳۲) آپ کے علوم سے پورا پاکستان منور تھا آپ کو حق تعالیٰ نے تسخیر کا کمال عطا فرمایا آپ پورے علاقہ پر حاوی تھے اس کی وجہ صرف آپ کا تقویٰ پرہیزگاری، للّٰہیت خلوص تھا (۳۳) حق تعالیٰ نے آپ کو محبوبیت کا مقام عطا فرمایا ہوا تھا آپ لوگوں کے قلوب میں محبوب تھے (۳۴) آپ اپنے اکابر کے محبوب اور پسندیدہ تھے (۳۵) آپ کے دل میں دنیا کی محبت بالکل نہیں تھی (۳۶) آپ نماز کے خصوصاً باجماعت نماز کے پابند تھے بڑی محویت سے آپ نماز پڑھتے تھے (۳۷) آپ کو گناہوں سے نفرت تھی اعمال صالحہ کے عاشق تھے (۳۸) آپ تہجد اشراق چاشت اور اوابین ذکر اذکار پر عامل تھے (۳۹) آپ اللہ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان کے حد درجہ عاشق تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی مدینہ منورہ میں قیام کی حالت میں آپ سراپا محبت بن جاتے۔

اللہ پاک یہ سب عادات اور صفات آپ کی اولاد میں پیدا فرمائے حضرت کی طرح ان کو بھی اس علاقہ کیلئے مفید بنائے۔ آمین۔

﴿ بشارت عظمیٰ ﴾

آپ کی رحلت کی شب بندہ بین النوم والیقظہ تھا اسی حالت میں بندہ نے خواب دیکھا حضرت مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی آپ مسکرا رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا آپ نے سورۃ یٰسین کی یہ آیت پڑھی **بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین** اللہ نے میری بخشش فرمائی اور میری بہت عزت فرمائی۔

آپ کے جنازے میں علماء وصلحاء حفاظ اور اللہ کے نیک بندوں کی اکثریت تھی شاید ہی جنازے میں کوئی آدمی ایسا ہو گا جس کی آنکھیں اشکبار نہ ہوں۔ نماز جنازہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی نے پڑھائی۔

جلیل القدر فقیہ ومحدث

حضرت مولانا محمد زاہد صاحب مدظلہ استاذ الحدیث جامعہ امدادیہ فیصل آباد

سن ۱۴۲۱ھ اس اعتبار سے عام الحزن ثابت ہوا کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور بعض دوسری اہم علمی و دینی شخصیات کے اٹھ جانے کے بعد ۵ شوال کو یادگار اکابر جلیل القدر فقیہ و محدث، تواضع وانکساری اور استغنا و توکل کے پیکر، درویش خدامست، اہل دل، اہل علم و محققین کا مرجع حضرت مولانا قاری مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً بھی اچانک داغ مفارقت دے گئے انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للّٰہ مااخذ ولہ مااعطی وکل شیٔ عندہ باجل مسمی، عموماً کسی کے انتقال کا طبیعت پر اثر عارضی ہوتا ہے، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ حضرت کے انتقال سے پیدا ہونے والے خلا اور خسارے کا احساس بڑھ رہا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے ذاتی علمی وعملی اور معنوی کمالات کے علاوہ بڑی اونچی نسبتیں بھی عطا فرمائی تھیں، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ نہ صرف یہ کہ حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مجاز تھے بلکہ آپ نے خانقاہ امدادیہ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی تھی اور حضرت تھانویؒ کی نگرانی میں عرصے تک افتاء کی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے، بہت سے علمی وفقہی منصوبوں میں حضرت تھانویؒ نے ان پر اعتماد فرماتے ہوئے انہیں ذمہ داری سونپی، بہت سے فقہی وسیاسی مسائل میں حضرتؒ کی ترجمانی کا موقع ملا، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے کسی بھی درجے میں تعلق رکھنے والا شاید ہی کوئی شخص ہوگا جو مفتی عبدالکریمؒ کی شخصیت سے ناواقف ہو، مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کو طفولیت اور شباب کا معتد بہ زمانہ تھانہ بھون میں گزارنے کا موقع ملا، جس میں حضرت تھانویؒ کی شفقتوں اور مربیانہ تنبیہات سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا، حضرت مفتی صاحبؒ ان تنبیہات کے واقعات بڑے مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے،

دورۂ حدیث شریف دار العلوم دیوبند میں کیا اور وہاں کے اساتذہ بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ سے کسب فیض بھی کیا اور ان کی دعائیں اور شفقتیں بھی سمیٹیں، آپ اپنی نجی مجالس میں اپنے اساتذہ میں سے حضرت مدنیؒ کا نام خاص طور پر بڑے والہانہ انداز میں لیا کرتے تھے، اور آپ کو بکثرت یہ شکوہ رہتا کہ حضرت مدنیؒ جیسی عظیم شخصیت اور ان کے کمالات کو ان کے نام لیواؤں نے بھی پہچانا نہیں، اسی جذبے کے تحت آپ نے اپنی آخری تصنیف ''تذکرہ حضرت مدنیؒ'' کے نام سے لکھی جس کی ایک جلد بھی شائع ہو چکی ہے۔ یوں بعض لوگوں نے بلاوجہ جو ''تھانوی، مدنی'' کی تفریق قائم کر رکھی ہے حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کا عملی خاتمہ فرمادیا، یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس دفعہ کا اداریہ بھی احقر اسی کتاب پر لکھ رہا تھا کہ اچانک حضرت کے انتقال کی اطلاع آ گئی۔ تو عرض میں یہ کر رہا تھا کہ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے ذاتی طور پر بھی جو کمالات عطا فرمائے اور جو بلند نسبتیں عطا فرمائیں ان کی بنیاد پر شہرت اور نام ونمود کا کوئی بلند مقام حضرت کیلئے معمولی سی کوشش کے فاصلے پر تھا لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے نہ صرف یہ کہ اپنی ان صلاحیتوں اور نسبتوں کو اس مقصد کیلئے استعمال کرنے کا ارادہ تک نہیں کیا بلکہ ہمیشہ شہرت ونمود پر خمول وگمنامی کو ترجیح دی ''تذکرۂ حضرت مدنیؒ'' میں حضرت مفتی صاحبؒ نے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ کا ایک عربی شعر بڑی پسندیدگی سے ذکر فرمایا ہے۔

خمولی اطیب الحالات عندی

واعزازی لدیهم فیه عاری

ایسا لگتا ہے کہ شاید حضرتؒ یہ شعر نقل کر کے خود اپنی باطنی کیفیت ''درحدیث دیگراں'' بیان کر گئے ہیں۔

میاں محمد نواز شریف کے دوسرے دورِ حکومت میں آپ کو بیت المال کا بھی کوئی اہم منصب سونپا گیا تھا اور شاید باقاعدہ نوٹیفکیشن بھی جاری ہو گیا تھا لیکن حضرت نے اسے قبول نہیں فرمایا آخر میں حضرت کو اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بھی بنایا گیا تھا اور ہمارے بہنوئی جناب محمد راشد صاحب جن کا حضرتؒ سے اصلاحی تعلق تھا بتا رہے تھے کہ میں ان دنوں حضرت کے ہاں حاضر ہوا تھا، حضرت کو اس کے قبول کرنے میں بھی تردد تھا اور یہ فرما رہے تھے کہ میں دوسرے حضرات سے اس سلسلے میں مشورہ کروں گا، حالانکہ بظاہر یہ ایک خالص علمی اور تحقیقی ذمہ داری تھی پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے استغناء وتوکل اور عہدوں اور مناصب سے گریز کے ایسے واقعات کی

کبھی تشہیر بھی نہیں کرتے، ان حضرات کی زندگیوں میں نہ معلوم کتنے ایسے واقعات راز ہی رہ جاتے ہیں، یہ بھی درحقیقت خمول پسندی اور شہرت وجاہ کی عدم طلب کا ہی نتیجہ ہے جو اگر کسی عالم دین یا خادم دین کو مل جائے تو شاید اس کیلئے سب سے بڑی دولت ہے۔ حضرت نے ہجرت کے بعد تقریباً ۳۵ سالہ دور سرگودھا کے قریب ایک چھوٹے سے قصبے ساہیوال میں انتہائی تواضع وسادگی اور استغناء و توکل کے ساتھ گذار دیا اور اسی حالت میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے گئے، حالانکہ آپ کو اس عرصے میں بڑے شہروں میں بڑے بڑے جامعات کی طرف سے پیشکشیں ہوئیں ایک دفعہ احقر ایک دو اور دوستوں کے ساتھ حاضر ہوا اور تقریباً وہاں دو دن رہا، اس وقت حضرتؒ نے اپنے ابتدائی دور کی مشکلات ورکاوٹوں اور استغناء وثبات وصبر کے عجیب واقعات بیان فرمائے لیکن افسوس کہ ہم ان واقعات کو قلم بند نہیں کر سکے۔ حضرتؒ نے اپنے مختصر سے حجرے کے بارے میں بتایا کہ یہاں بڑے بڑے رؤسا اور اہل اختیار بھی آئے لیکن میں کسی کے استقبال کیلئے اٹھ کر باہر دروازے تک نہیں گیا، حضرتؒ کی بعض درویشانہ اداؤں سے واقعی پرانے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

حضرتؒ کی ایک اہم خصوصیت یہ محسوس کی گئی کہ اس خمول درویشی اور چھوٹے سے قصبے میں قیام کے باوجود آپ ملک وملت کو درپیش مسائل سے کبھی لاتعلق نہیں رہے، ہمیشہ آپ کو اس معاملے میں ضروری حالات سے آگاہ اور ان کے بارے میں فکرمند اور دردمند پایا، ایسے مسائل کے بارے میں ان کی ایک منقح اور تلی بندھی رائے ہوتی تھی جسے وہ دوسرے علماء کے سامنے بھی پیش فرماتے اور ان کی رائے جاننے اور اجتماعی لائحہ عمل بنانے کیلئے کوئی راہ نکالنے کے خواہش مند رہتے ایسا بھی ہوتا کہ حضرت کی بعض باتیں وقتی طور پر عجیب سی لگتیں لیکن تجربے سے اسی کا صحیح ہونا ثابت ہوتا۔ حضرتؒ کے ساتھ ہماری آخری تفصیلی مجلس اکتوبر ۱۹۹۹ء کے آخر میں جامعہ امدادیہ کے ختم بخاری کے موقع پر ہوئی احقر اور برادر مکرم جناب مفتی محمد طیب صاحب مدظلہ اور چند دوسرے حضرات موجود تھے ۱۲/ اکتوبر کے فوجی ایکشن کی صدائے بازگشت ابھی پوری قوت کے ساتھ فضاء میں موجود تھی اس لئے اس کا زیر گفتگو آنا ایک طرف فطری امر تھا، حضرتؒ نے اس پر تفصیل سے گفتگو فرمائی اور ہماری طرف سے سمع خراشی کو بھی گوارا فرمایا، رات ایک دو بجے تک یہ محفل جمی رہی حضرت کی اس وقت رائے کے اہم عناصر کو یہاں اپنے الفاظ میں اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، یہ میں اس لئے کر رہا ہوں تاکہ حضرتؒ کی ان

باتوں کو گذشتہ سوا سال کے تجربے کی روشنی میں دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ پختہ سیاسی شعور کسی منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے والے مسٹر یا سٹیج پر گرجنے والے لیڈر ہی کا حصہ نہیں ہے بلکہ اس معاملے میں بھی ایک بوریہ نشین ملا کی رائے بڑی وقیع ہو سکتی ہے حضرتؒ کی رائے کے بنیادی عناصر یہ تھے:

☆ فرمایا کہ یہ دیکھے اور سوچے بغیر کہ آئندہ کیا ہوگا محض نواز شریف حکومت کے خاتمے پر خوش ہونا ایک ناپختہ اور نامکمل سوچ ہے، نئی حکومت سے حالات پہلے سے بہتر نہیں ہوں گے بلکہ خراب ہی ہوں گے یہ بات حضرتؒ نے اس وقت کہی جبکہ اخبارات کی سرخیاں، اداریے، کالم اور علماء کی تقریریں (الا ماشاءاللہ) پرویز مشرف کے غیر آئینی بلکہ آئینی طور پر قابل سزا اقدام کی تعریف اور نئی ''ولایتی'' حکومت کے خیر مقدم سے بھرے پڑے تھے۔

☆ ہمارے ملک کے حالات کی خرابی کا آغاز خواجہ نظام الدین کی برطرفی، اس کے بعد قومی اسمبلی کی غلام محمد کی طرف سے آمرانہ تحلیل اور اس کے حق میں سپریم کورٹ کے مولوی تمیز الدین کیس میں ''نظریہ ضرورت'' کے سہارے پر کئے جانے والے فیصلے سے ہوا نیز ۱۹۵۶ء کا دستور اگر تسلسل کے ساتھ چلتا رہتا تو شاید بعض بڑے بڑے سانحات کے رونما ہونے سے ملک بچ جاتا۔

☆ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر آئین حالات کی عام نوعیت کی خرابی سے ہی معطل کیا جاسکتا ہے تو اتنا لمبا چوڑا آئین بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی، صرف اتنا ہی لکھ دیا جاتا فوجی سربراہ کو تمام اختیارات حاصل ہوں گے اگر نفاذ اسلام کی طرف معتد بہ پیش قدمی ہوا اور فوجی سربراہ اسلامی ذہن رکھتا ہو تو اس طرح کے اقدامات کا خیر مقدم کرنے کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے۔

☆ شریف خاندان میں ہزار خامیاں سہی، لیکن ملک کے معروف اور بڑے سیاسی خاندانوں اور لیڈروں میں سے یہ دینی مزاج اور مشرقی اور اسلامی روایات کے نسبتاً زیادہ قریب ہے۔

☆ مجھے اس سیاسی موضوع پر بذات خود گفتگو کرنا مقصود نہیں بلکہ حضرتؒ کے ساتھ اپنی آخری طویل نشست کے حوالے سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ حضرتؒ نے اس چھوٹے سے قصبے میں بیٹھ کر بھی خود کو ملک وملت کے اجتماعی مسائل سے لاتعلق نہیں رکھا، باقی سیاسی حالات کے تجزیے میں اہل نظر کا اختلاف رائے ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ متعلقہ معاملے پر احقر کی رائے اس کے قریب قریب ہی تھی لیکن شرح صدر حضرتؒ ہی کی گفتگو سے ہوا بلکہ حضرتؒ نے اس موقع پر ہونے

والے بعض جزوی واقعات کے بارے میں اخبارات میں چھپنے والی باتوں کے بالکل برعکس فرمایا کہ یہ واقعہ ایسا نہیں ایسا ہوا ہوگا اور بعد میں حضرتؒ ہی کی بات درست نکلی۔ (لیکن یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو وہ بظاہر کسی شر سے بھی خیر کا پہلو نکالنے پر قادر ہیں اس لئے ملک وملت کیلئے دعاء کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے)

حضرت مفتی صاحبؒ کا ایک اہم وصف مسلکی پختگی اور صاف گوئی تھا، حضرتؒ نے اپنے مسلک ومشرب کے خلاف جو بات دیکھی یا سنی اس پر کسی نہ کسی طرح انکار ضرور فرمایا، ہمیشہ صاف گوئی سے کام لیا اور کبھی مصلحت پسندی اس کے آڑے نہیں آنے دی حضرت یہ جملہ اپنے مخصوص انداز میں بکثرت فرمایا کرتے تھے ''سب کے ساتھ لڑائی کرنے کیلئے میں ہی رہ گیا ہوں؟'' البتہ ہر طرح کے اختلاف کو ہمیشہ اپنی اپنی حد پر رکھا اور اظہار اختلاف کو بھی کبھی شائستگی اور حدود واعتدال سے نکلنے نہیں دیا بزرگان دین بالخصوص تمام اکابر علماء دیوبند کا احترام اور ان کی محبت آپ کے رگ وریشے میں رچی ہوئی تھی، بزرگوں کے واقعات کے تو حافظ تھے اور ان میں سے بیشتر واقعات آپ کے چشم دید تھے، آخر عمر میں یہ باتیں سنانے اور یہ امانت آگے پہنچانے کا آپ پر حال طاری تھا، عام مجمعوں کی نسبت چند اہل علم یا ہم جیسے نام کے طالب علم موجود ہوتے تو ان کی طبیعت زیادہ کھلتی تمام اکابر کی قلبی تعظیم و محبت کے ساتھ ساتھ حکیم الامت حضرت تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ سے ورثہ میں ملے ہوئے مزاج و مذاق میں پختگی بھی تھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے تذکرے پر تو بعض اوقات آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔

جامعہ اسلامیہ امدادیہ اور ہم ناچیزوں کے ساتھ ہمیشہ بڑی محبت اور شفقت کا برتاؤ فرماتے جامعہ میں منعقد ہونے والی تقریبات میں ہمیشہ تشریف لاتے، بعض اوقات شدید بخار کی حالت میں بھی تشریف لائے، جب کبھی ساہیوال (سرگودھا) حاضری ہوتی تو بھی بڑی شفقت کا برتاؤ فرماتے جب جامعہ میں تشریف لاتے اور دارالعلوم کراچی سے بزرگ تشریف لائے ہوئے ہوتے تو رات کو بڑی بارونق اور دلچسپ مجلس جمتی بزرگوں کے ارشادات و واقعات ہوتے، مسائل پر گفتگو ہوتی، درمیان میں وقفے وقفے سے حضرتؒ کی بذلہ سنجی اور لطائف وظرائف سے مجلس کشتِ زعفران بن جاتی اور یہ چیز حضرتؒ کی ایک اہم خصوصیت تھی، حضرتؒ کو ہمیشہ متیقظ اور ہشاش بشاش ہی دیکھا، اور

ایسا لگتا تھا جیسے علمیت سے بھرپور کوئی برمحل ظریفانہ چٹکلہ حضرت کے زیرلب ہر وقت تیار رہتا ہے۔ کہیں کہیں ہمارے ''دخل درمعقولات'' کو بھی گوارا فرمایا جاتا ہم خدام کیلئے یہ محفل ہی پورے جلسے کا نچوڑ ہوتی اور پورا سال اس کا انتظار لگا رہتا اللہ تعالیٰ باقی بزرگوں کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر بعافیت تامہ قائم رکھیں۔

حضرتؒ کی آخری تشریف آوری گذشتہ سال کے ختم بخاری پر ہوئی تھی اس سال جامعہ امدادیہ کے ختم بخاری کے موقع پر عمرے کیلئے گئے ہوئے تھے، اس موقع پر حضرتؒ کی کمی سارے حضرات ہی بڑی شدت سے محسوس فرماتے رہے، اس کے بعد جامعہ احتشامیہ کراچی میں مجلس صیانۃ المسلمین کے اجتماع پر حاضری ہوئی تو سب سے پہلے حضرتؒ ہی سے ملاقات ہوئی حضرتؒ محفل جمائے ہوئے مخصوص انداز میں بزرگوں کی باتیں سنانے میں مصروف تھے، بڑی شفقت سے اپنے پاس بٹھایا اگلے دن ناشتہ حضرتؒ کے ساتھ کیا اور حضرتؒ سے واپسی کیلئے رخصت اور دعاء چاہی کیا خبر تھی کہ یہ حضرتؒ سے آخری ملاقات ہوگی، شعبان کے آخر میں میرا اور بڑے بھائی صاحب کا چند دن کیلئے حضرت کی خدمت میں حاضری کا ارادہ تھا، لیکن حضرت کے ان دنوں اسفار کی وجہ سے حاضری نہ ہوسکی، پھر شوال کے شروع میں خیال تھا کہ داخلے کے امور سے فارغ ہوکر کسی دن جمعہ کا دن وہاں گزار لیں گے، لیکن یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ ارادہ حسرت بن کر رہ جائے گا۔ ۶ شوال کی صبح فجر کے وقت احقر سفر سے واپس پہنچا، دو تین دن اس انداز سے گذرے تھے کہ روزانہ صرف دو گھنٹے آرام ہوسکا تھا، لیکن آتے ہی حضرتؒ کے انتقال کی خبر ملی، جنازے سے محرومی گوارا نہیں ہورہی تھی۔ یہ بھی حضرتؒ ہی کی برکت ہوسکتی ہے کہ بغیر کسی تعب ومشقت کے جنازے میں بھی شرکت ہوگئی۔

عوام وخواص کے دلوں میں والہانہ محبوبیت کا جو نظارہ جنازے میں دیکھنے میں آیا وہ بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، ایک چھوٹے سے قصبے کے باہر ایک میدان میں جب لوگ جنازے کیلئے جمع ہورہے تھے تو ایسے لگ رہا تھا جیسے تبلیغی جماعت کا اجتماع ہونے والا ہو، تدفین کے موقع پر بھی قبر میں مٹی لوگوں نے لائن لگا کر اپنی مٹھیوں سے ڈالی۔ **رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ.**

صاحب کردار علمی شخصیت

حضرت مولانا علامہ محمد عبدالغفار تونسوی مدظلہ صدر تنظیم اہل سنت والجماعت ملتان پاکستان

جامع المحاسن فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ اس دور کے بہت بڑے عالم متقی صاحب کردار علمی شخصیت تھے جن کی پوری زندگی سادگی طمع ولالچ سے پاک رہ کر علم نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی اور مسلک حق دیوبند کی ترویج واشاعت میں گذری حضرت مفتی صاحبؒ میرے والد بزرگوار امام اہل سنت مناظر اعظم حضرت مولانا علامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی کے مخلص ترین دوست تھے۔ احقر کو کئی مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا کبھی بھی ان کو خلاف سنت کام کرتے نہیں دیکھا مفتی صاحبؒ نے ہمیشہ عقائد علماء دیوبند کی اشاعت کی اور اسی پر گامزن رہے آپ کے علمی روحانی تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ملک کے طول وعرض میں دینی، مذہبی علمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت اقدس مفتی صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اوران کے صاحبزادگان بالخصوص حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی کو مرحومؒ کے نقش قدم پر رہ کر علمی ودینی مذہبی اورروحانی خدمات کی توفیق بخشے۔ ۱۰ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

عالم باعمل مرد مجاہد

حضرت مولانا محمد الیاس چنیوٹی مدظلہم ناظم ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ

حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال علمی دنیا کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے دنیاء عالم ایک مربی اور ولی کامل سے محروم ہوگئی بلا شبہ آپ اسلاف کا بہترین نمونہ اور مرجع خلائق تھے۔ افتاء کے شعبہ میں آپ ایک سند اور حجت مانے جاتے تھے اطراف واکناف سے

مفتیان کرام اپنے فتاویٰ کی تصدیق آپ کے ہاں سے کرایا کرتے تھے۔ جب سے میں نے حضرت کا نام سنا مدارس عربیہ اور مساجد کی سنگ بنیاد، افتتاح، ختم بخاری شریف، تقسیم اسناد کی تقاریب میں موجود پایا آپ ہر محفل کی رونق ہوتے تھے اور محفل کو آپ کی روحانی شخصیت سے چار چاند لگ جاتے تھے ہمہ صفت عالم ہونے کے باعث ہر شعبہ پر آپ کی گہری نظر ہوتی تھی۔ شعبان ۱۴۲۱ھ میں ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ میں تقریب تقسیم اسناد تھی جس میں آپ بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے غالباً یہ مدارس کی تقاریب میں ان کی آخری شمولیت تھی اس تقریب میں آپ نے اپنے ہاتھوں سے درجہ تخصص فی ردالقادیانیۃ کے فضلاء کو اسناد عطاء فرمائیں اور دستار فضیلت باندھی اس موقع پر آپ نے ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ: ''یہ ختم نبوت کے مشن کی مجلس ہے اور میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ مجھے اس میں شرکت کی سعادت مل گئی جو میری نجات کا ذریعہ ہوگی'' کیوں نہ ہو آپ کے اسلاف بھی ختم نبوت کے محاذ پر مرزا قادیانی کے خلاف اول ایام سے ہی علمی جہاد لڑ چکے ہیں۔ آخری زندگی میں حکومت وقت نے آپ کے نہ چاہتے ہوئے بلکہ شدید انکار کے باوجود اسلامی نظریاتی کونسل کا ممبر منتخب کر کے آپ کی علمی قابلیت فقہی بصیرت اور گہرائی کا ادنیٰ سا اعتراف کیا اگرچہ حضرت اس عہدہ کے قبول کرنے سے معذرت ہی فرماتے رہے لیکن کمال شفقت کہ حضرت مفتی صاحبؒ چنیوٹ مدرسہ فاطمۃ الزہراء کے پروگرام میں تشریف لائے واپسی پر ایک ملاقات میں میں نے اصرار کیا کہ حضرت حکومت نے عہدہ آپ کو تفویض کیا ہے اسے ضرور قبول کر لیں اس سے امت کو بہت فائدہ پہنچے گا کیونکہ اگر خدا کا خوف رکھنے والے محقق اور باعمل علماء اس کونسل میں شریک نہ ہوئے تو یہ ادارہ دوسرے نظریات کے لوگوں کے نرغے میں آجائے گا اور وہ اپنی من مانی کریں گے آپ کی موجودگی کی وجہ سے کم از کم حق بات تو حکومتی ادارے میں پہنچتی رہے گی یہ استدلال سن کر حضرتؒ خوش ہوئے اور فرمایا کہ: ''اگر ایسا ہو تو پھر میں یہ عہدہ قبول کر لوں گا اور ان شاء اللہ کام کریں گے'' ہماری رائے بھی یہی ہے کہ علماء حق کو زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ ساتھ رہنا چاہیے۔ حضرت ترمذیؒ کو بھی اس صفت سے متصف پایا، اپنی پیرانہ سالی کے باوجود جہاں جس محاذ پر آپ کی ضرورت پڑی آپ نے اس پر لبیک کی۔ حقیقۃً آپ عالم باعمل وقت کے ولی اور مجاہد تھے اور یہ مقولہ حقیقت پر مبنی ہے کہ ایک عالم کی موت پورے جہاں کی موت ہے لیکن ان شاء اللہ آپکے صدقات جاریہ سے آپ کا فیض جاری رہے گا۔

یادیں انکی تازہ رہیں گی

حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب تھانوی مدظلہ راولپنڈی

یادگار اسلاف فقیہ الامت، فقیہ العصر وبقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ ان گنی چنی ہستوں میں سے تھے جن کو اللہ جل شانہ وعم نوالہ امت کی صلاح وفلاح کیلئے ایک مدت بعد پیدا فرماتے ہیں، جن کے خلاء کے بعد ملاء کا صرف انتظار ہی رہتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت والا کے اندر جو صفات ودیعت فرمائی تھیں ان میں کسبیت سے زیادہ وہبیت کا رنگ غالب نظر آتا تھا، شفقت کو دیکھا جائے تو سرتاپا شفیق الامت کا لقب پانے کے صحیح مستحق نظر آتے ہیں تواضع اور عاجزی کو دیکھا جائے تو رفیع الامت کا اپنے زمانے میں لقب حاصل کرنے والوں کے زمرے میں شامل پائے جاتے ہیں، سادگی پر نظر ڈالی جائے تو زینت عالم کا تصور سامنے آتا ہے، علم پر نظر ڈالی جائے تو بحر العلوم محسوس ہوتے ہیں، مضبوطی کو سامنے رکھا جائے تو تصلب فی الدین کا نقشہ کھل کر سامنے آتا ہے، اتباع سلف کو دیکھا جائے تو اس آزادی کے دور میں تقلید صحیح کا مسئلہ واضح ہوجاتا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف کو مختصر تحریر میں لانا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے حضرت والاؒ کو ابتدائی ایام میں بندہ نے اپنے حالات تحریر کئے اور مختصر تعارف کے بعد فتویٰ کی خدمت کے لئے نصائح طلب کیں جس کے جواب میں حضرت والاؒ نے اپنے شفیق قلم سے جواباً یہ مضمون تحریر فرمایا:

عزیزم مفتی محمد رضوان تھانوی سلمہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مسرت نامہ آیا تھا مگر عوارضات کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی آپ کے دادا صاحب مرحوم کو خوب دیکھا ہے آپ کے خط سے مرحوم کی یاد تازہ ہو کر حضرت حکیم الامت تھانوی

قدس سرہ کی بابرکت صحبت ومجلس کی یاد بھی تازہ ہوئی ، احقر کا بچپن حضرت تھانویؒ کے زیر سایہ گذرا ہے۔آپ کے والد صاحب مرحوم اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کی وفات پر دلی صدمہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں آمین۔

جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی صدر میں آپ کے تقرر سے خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ مبارک کرے، اس جامعہ کے مہتمم مولانا (قاری) سعید الرحمٰن صاحب ہیں یہ ہمارے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کاملپوری جن کو حضرت تھانویؒ ''پورے کامل'' فرمایا کرتے تھے، کے فرزند ارجمند ہیں اس نسبت سے یہ جامعہ بھی حضرت تھانویؒ کا ہی فیض ہے۔

جس خدمت کے لائق یہ احقر ہے حاضر ہے بلکہ سعادت سمجھتا ہے مشورہ کرلیا کریں بطیب خاطر اجازت ہے امداد الفتاویٰ اور امداد الاحکام، کو خوب غور سے مطالعہ میں رکھیں اور جب کوئی سوال آئے پہلے اپنے اکابر کی تحقیق دیکھی جائے، پھر شامی وغیرہ متداول کتابوں کی طرف مراجعت کی جائے یہ اصول کلیہ کے طور پر رہنما اصول ہے، باقی فرصت کے ایام میں اگر ہو سکے تو کچھ دنوں کے لئے احقر کے پاس قیام کرلیں امید ہے کہ مفید ہوگا، پہلے اطلاع ہوجائے تاکہ ان ایام میں کہیں سفر نہ کروں باقی دعاء کرتا ہوں اور آپ کی محبت کا ممنون ہوں۔ والسلام

احقر عبدالشکور ترمذی جامعہ حقانیہ

ساہیوال ضلع سرگودھا ۶ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو بے انتہاء صفات عطا فرمائی تھیں ان میں سے ایک صفت جامعیت کی بھی تھی جو آج کل بہت کم ڈھونڈنے سے ملتی ہے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ اس دور میں تھانوی اور مدنی سلسلہ میں بہت بعد پیدا کر رکھا ہے جبکہ یہ ایک وقتی اختلاف تھا جو کہ نیک نیتی اور حق پرستی پر مبنی تھا لیکن کم علم حضرات نے کم فہمی کی وجہ سے اس کو ایک مستقل اور دائمی نظریاتی اختلاف بنا کر آپس میں ایک خلیج حائل کر رکھی ہے۔حضرت کے جو مضامین اس موضوع پر ملتے ہیں ان میں اس غلط فہمی کو بہت بہتر اور مؤثر طریقہ پر دور فرما دیا ہے۔

۱۴۲۲/۶/۱۰ھ

دید وشنید

بھائی جی رحمہ اللہ

حضرت مولانا سید عبدالعلیم ترمذی مدظلہ سابق ٹیچر گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ساہیوال

ھو المستعان

برادر بزرگوارم یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ خالص علمی و تحقیقی تحریک دیوبندیت کے ترجمان، مسلک تھانوی قدس سرہ کی اصابت کے پاسبان، تحقیق، تدقیق کے ماہر، علم و عمل کے پیکر، تحریر کے غنی تقریر کے دھنی، پختہ کار مدرس ماہر مقرر، محدث، وسیع النظر عالم عمیق الفکر فقیہ، بزرگاں کے خواص، بحر علوم وفنون کے شناور، خوش سخن، حافظ، قاری، مجود باریک بین، اصولی، علم کلام پر مکمل عبور، فلسفہ و منطق پر پوری دسترس، الغرض کس کس چیز کو احاطہ تحریر میں لایا جائے اور کس کس فن کا ذکر کیا جائے وہ پوری علمی و فنی دنیائے دین کے آشنائے راز اور تزکیہ واقفیہ باطن کے رمز شناس تھے دانائے اسرار رموز باطن واقف طریق تصوف وسلوک القصہ وہ ایک ایسے بحر زخار مواج تھے جس کی لہریں ہر سمت رواں دواں تھیں ایسے عبقری دوراں و نابغہ روزگار شخصیت کئی صدیوں میں پیدا ہوتی ہے بقول حضرت عارفی سنائی قدس سرہ:

سالہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود بوالحسن اندر خراسان واویسؓ اندر قرن

حضرات علماء کرام اس کرہ ارض پر وجود رحمت خداوندی ہیں علوم اسلامیہ میں ان کی خدمات سرمایہ ملت ذریعہ نجات وفلاح عوام الناس اور قابل قدر ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اخلاص و عمل میں دن دگنی رات چوگنی ترقی عطاء فرمائے آمین۔ لیکن اکثر ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ حافظ صاحب تو ہیں لیکن علم وفضل سے کوئی سروکار نہیں یا عالم تو ہیں لیکن فن تجوید وقرأت سے ناآشنا اور اگر حفظ وقرأت سے تعلق پیدا کر لیا تو علم فن سے بارہ پتھر باہر اور کوسوں دور۔ ایسے حضرات جو ہر علم میں ماہر اور ہر فن میں یکتا

ہوں ان کے وجود مسعود سے عالم خالی ہوتا جارہا ہے۔ایسی نادرۂ روزگار شخصیات ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہورہی ہیں۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں   کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

اپنے قابل صد تعظیم وتکریم اساتذہ کرام کے بعد ایسی باکمال وجامع صفات، فاضل اجل وعالم بے بدل شخصیت مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ تھے جو بلا مبالغہ اس دور میں یادگار اسلاف اور مرجع علماء محققین تھے۔ان کی رحلت سے مسند تعلیم وتدریس، مسند تحریر وتقریر، مسند زہد وورع اور تقویٰ وطہارت اور مسند افتائ وتدریس ایک ساتھ خالی ہوگئی اور یہ ایسا خلا ہے جس کا پر ہونا بحالات موجودہ انتہائی دشوار معلوم ہوتا ہے۔یہ بات تو درست ہے کہ اخلاف اسلاف کے پایہ علمی وعملی کو برقرار نہیں رکھ سکے اور اکثر علمی گھرانوں کے چشم وچراغ اپنے بزرگوں کے سرمایۂ افتخار سے محروم ہوتے رہے ماسوا چند گھرانوں کے کہ وہ اس متاع گراں بہا کو سینوں سے لگائے ہوئے ہیں اور دین اسلام کی حفاظت کررہے ہیں اس دور انحطاط میں جبکہ ہر ایک اعلیٰ معیار حیات کے بخار میں مبتلا ہے بزرگوں سے حاصل شدہ امانت کو آگے پہنچانے کی ذمہ داری قبول کرنا ہنسی کھیل نہیں ۔

یہ انہی کا کام ہے جن کے حوصلے ہیں زیاد

کیسے کیسے گھرانے روشن زمانے کی نذر ہوگئے، یہ ایک دکھ بھری داستان ہے اور الگ موضوع۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی   یہ صناعی مگر چھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

ساہیوال آمد

۲رفروری ۱۹۴۸ء کو ہمارا کنبہ والد صاحب کی زیر سرپرستی قصبہ ساہیوال ضلع سرگودھا پہنچا یہ جگہ سرگودھا جھنگ روڈ پر سرگودھا سے ۲۳رمیل کے فاصلے پر واقع ہے قصبہ پرانا اور پرانی طرز پر ہے اس وقت شہر کے گرد فصیل کے کچھ آثار بھی تھے مختلف سمتوں میں دروازے ابھی موجود ہیں جن کی تعداد چھ ہے یہ قصبہ پنجاب کے اچھے علاقوں سے دور افتادہ بھی ہے اور اپنی معاشرت اور معیشت کے اعتبار سے پس ماندہ بھی محترم والد صاحبؒ نے اس جگہ کا انتخاب ہمارے گاؤں کے سرکردہ اور رانا پھول اور رانا رحمت جیسے حضرات کی اس بات پر کیا تھا کہ ہمارا تمام گاؤں ایک ہی جگہ رہے گا اور پورا گاؤں ساہیوال اور آس پاس کے علاقے میں سما سکتا ہے چنانچہ ہم ساہیوال آگئے گاؤں کے کچھ گھرانے بھی

آئے بوجوہ رانا صاحب کی رائے ساہیوال سے بدل گئی اور بھائی پھیرو ضلع لاہور میں آباد ہو گئے۔

والد صاحب اور بھائی جان نے پہلی عید ونیوں والی عیدگاہ میں پڑھی اور بھائی صاحب نے عید پڑھائی اور تیلیوں والی مسجد میں جمعہ پڑھانا شروع کیا تقریباً ڈیڑھ سال تیلیوں والی مسجد میں خطابت کی۔ والد صاحب اور بھائی جان ایک دیدور عالم ہی نہ تھے بلکہ سیاست پر بھی ان کی نظر بہت گہری تھی تحریک پاکستان کے زمانے میں حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کی جانب سے جو وفود قائداعظم اور لیاقت علی خان سے ملتے والد صاحب مرحوم ان وفود میں اکثر شامل ہوتے تھے۔

۱۹۴۸ء میں ملک میں پرائمری مسلم لیگ کے الیکشن ہوئے ضلع سرگودھا میں سوائے نوابزادہ محمد حیات قریشی کے گھرانے اور جناب حضرت خواجہ قمرالدین سیال شریف کے کوئی مسلم لیگ میں نہیں تھا خضر حیات ٹوانہ کی وزارت تھی یہ انگریز کے حامی یونی نسٹ تھے اور سب ٹوانہ خاندان کے دست و بازو تھے انگریز کے زمانے میں ضلع سرگودھا میں مذکورہ دونوں خاندانوں کی خدمات ہیں باقی سب اقتدار کے ساتھ تھے جب الیکشن کا اعلان ہوا اور الیکشن کی تاریخ آئی تو والد صاحب نے مقامی آبادی اور مہاجرین حضرات کے مشورہ سے پیر محمد شاہ صاحب مرحوم جو ساہیوال میں سادات کا واحد سنی گھرانہ تھا عہدئے صدارت کیلئے تجویز فرمایا اور ان کی حمایت کا اعلان فرمایا کپتان......صاحب ضلع سرگودھا کے چند بڑے گھرانوں میں سے ایک بڑے گھرانے بلوچ خاندان کے چشم و چراغ تھے اور بلدیہ ساہیوال کے چیئرمین۔ کپتان صاحب بڑی آن بان سے اپنے حمایتیوں کے ہمراہ ریسٹ ہاؤس جو اس وقت ڈاک بنگلہ کہلاتا تھا پہنچے اور پیر محمد شاہ صاحب اور والد صاحب بھی اپنے ہمنواؤں کے ساتھ موقع پر تشریف لے گئے اس وقت الیکشن کیلئے پریذائڈنگ آفیسر بھی آ چکے تھے، میں نے کپتان صاحب کو فوجی وردی میں پسٹل لگائے ہوئے پہلی بار دیکھا۔ والد صاحب نے پریذائڈنگ آفیسر کے سامنے موقف اختیار کیا کہ یہ پرائمری مسلم لیگ کا الیکشن ہے اس میں کوئی یونی نسٹ حصہ نہیں لے سکتا لہذا پیر محمد شاہ صاحب بلا مقابلہ صدر مسلم لیگ ساہیوال ہیں آپ یہ اعلان فرمائیں، پریذائڈنگ آفیسر نے کہا یہ بات اصولی تو ہے کہ الیکشن جس جماعت کے ہیں اسی جماعت کا آدمی مقابلے میں ہو کسی اور جماعت کے کسی فرد کو مقابلے کا حق نہیں لیکن یہ معاملے قانونی ہوتے ہیں کوئی چھٹی اگر ایسی ہے تو پیش کریں والد صاحب نے چھٹی پیش کی اور کپتان صاحب الیکشن میں حصہ نہ لے سکے۔ کپتان صاحب

نے فرمایا کہ ہم مقابلے کیلئے مسلم لیگی دیتے ہیں مقابلہ ہونا چاہئے یہی طے ہوا کہ مسلم لیگی آدمی مقابلے میں آئے چنانچہ کپتان صاحب نے اپنی طرف سے جناب......صاحب کا نام پیش کر دیا اور وہ مقابلے میں آ گئے پھر کچھ انداز چل پڑا کہ الیکشن تو نہ ہو طے یہ ہوا کہ شروع ہی میں مسلم لیگی آپس میں نہ ٹکرائیں دونوں امیدوار ثالثی کرالیں چنانچہ صاحبزادہ خواجہ قمرالدین صاحب سیالوی ثالث مقرر ہوئے اس علاقے کے یہ دونوں مقتدر ذی وقار خاندان متفق و متحد ہو گئے سیال شریف کے صاحبزادگان انتہائی قابل تعظیم شخصیت حضرت خواجہ شمس الدین قدس سرہ کی اولاد ہونے اور اس گدی کے وارث ہونے کی بناء پر عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں سیال شریف کے سجادہ نشین تھے اور انہیں یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ پورے عالم تھے اور اپنے وقت کے جید علماء سے فیض پایا تھا جن میں شیخ الہند قدس سرہ کے شاگرد حضرت عبیداللہ سندھی بھی شامل ہیں انہیں دنوں اجمیر شریف کے سجادہ نشین دیوان صاحب تشریف لے آئے چنانچہ والد صاحب مرحوم بھی دیوان صاحب کو ملنے سرگودھا تشریف لے گئے اور وہاں حضرت خواجہ قمرالدین صاحب مرحوم بھی موجود تھے ثالثی کے تذکرہ پر خواجہ صاحب نے دیوان صاحب کی موجودگی میں والد صاحب سے فرمایا کہ مفتی صاحب میں ایک عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں نے والدہ صاحبہ کی ان کے حکم کی وجہ سے میں آپ کے خلاف پر مجبور ہوں والد صاحب نے فرمایا بہت اچھی بات ہے والدہ صاحبہ کی نافرمانی نہ کریں آپ فیصلہ کا اعلان فرمائیں لیکن مجھے حق دیں کہ میں اپیل کروں گا، لہٰذا خواجہ صاحب نے فیصلہ فرما دیا والد صاحب مرحوم نے صدر مسلم لیگ کے روبرو اپیل پیش کر دی پنجاب میں اس وقت مسلم لیگ کے صدر صوفی عبدالحمید صاحب مرحوم تھے جو موضع ٹھسکہ ضلع کرنال کے ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے ان کے چچا سر رحیم بخش صاحب نواب بہاولپور کے وزیر تھے انہی کے نام پر شہر رحیم یار خان آباد ہوا تھا جو آجکل پنجاب کا ایک ضلع ہے موضع ٹھسکہ میں میرے نانا جان امام شاہ صاحب جو والد صاحب کے پھوپھا جان تھے سجادہ نشین تھے موسوم بہ امام شاہ صاحب ان کے بعد شاہ عبدالغنی صاحب سواتی سجادہ نشین ہوئے والد صاحب مرحوم ٹھسکہ میں مدرس رہے صوفی صاحب کو والد صاحب سے شرف تلمذ حاصل تھا اپیل منظور ہو گئی اور پیر محمد شاہ صاحب مرحوم صدر مسلم لیگ ساہیوال ہو گئے، لیکن اس کے باوجود والد صاحب مرحوم نے انتہائی وسیع القلبی سے کام لیتے ہوئے مقامی حضرات میں رانا رشید صاحب اور مہاجرین سے چوہدری

قبول خان صاحب کو سیال شریف اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ کیس ہم نے جیت لیا ہے اس سے آپ ہمارے متعلق کسی غلط خیال میں مبتلا نہ ہوں پارٹی ہماری ایک ہی ہے ہم پارٹی امور میں ہر طرح سے آپ کے ساتھ رہیں گے وہ اصولی لڑائی تھی جو ختم ہوگئی، ہمارا یہ اختلاف پارٹی کا اندرونی اختلاف تھا جو بالائی سطح پر حل ہوگیا یہ فتح وشکست کا معاملہ نہیں اس سے آپ کوئی خفت وکبیدگی محسوس نہ فرمائیں۔
کپتان ......صاحب بھی اس علاقہ کے بہت بڑے اور مقتدر خاندان کے چشم وچراغ تھے اپنے اقتدار اور خاندانی وجاہت کے پیش نظر اگر چہ اس طرح کی صورت حال ان کی کبیدگی کا موجب ہوئی لیکن اپنے احباب میں دوران گفتگو جوالفاظ ان کے میں نے سنے وہ نقل کرتا ہوں خان صاحب سے کچھ احباب نے کہا کہ بڑاافسوس ہے کہ ایک باہر سے آئے ہوئے مہاجر نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ خان صاحب نے فرمایا کہ نہیں مجھے کوئی افسوس نہیں اس لئے کہ میرا مقابلہ کسی عام آدمی سے نہیں ہوا کسی عام آدمی سے ایسی صورت حال پیش آتی تو قابل افسوس تھی ایسی شخصیت اوراس گھرانے سے تو ہماری ہار بھی جیت ہے انہوں نے ایک قانونی اوراصولی مؤقف پر ہمیں ہرایا ہے۔
انہی دنوں ایک واقعہ یہ ہوا کہ بلدیہ ساہیوال میں تین سیٹیں ہندوؤں کی تھیں اور پانچ مسلمانوں کی ہندوؤں کی سیٹیں مہاجرین سے پر کرنی تھیں کپتان محمد حیات خان صاحب چیئر مین بلدیہ تھے مہاجرین میں باتفاق رائے ترمذی صاحب اورعلی احمد شاہ صاحب اور چوہدری قبول خان صاحب ممبر بلدیہ قرار پائے مقامی حضرات میں رانا رشید بھی رکن بلدیہ تھے اور یہ رانا فائق صاحب کے فرزند تھے رانا فائق ہمیشہ بلوچ خاندان کے مدمقابل ہی رہے ان کا ارشاد سننے میں آیا ہے کہ وہ بلوچ خاندان کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ خاندان باہر سے آکے ہمارے شہر پر قابض ہوگیا ہے شہر کا اصل مالک جھمٹ خاندان ہے انہی کے بزرگوں نے یہ شہر آباد کیا تھا یہ درست ہے کہ بلوچ خاندان ایران سے آیا ہے وہ ہمایوں کے ساتھ اس وقت آیا جب ہمایوں شاہ طہماسپ کے ایران سے دس ہزار فوج کی مدد لے کر شیر شاہ سوری سے ملک ہندواپس لینے کیلئے حملہ آور ہوا ان میں مشہور بلوچ سرداروں میں چاکر خان کا نام آتا ہے ہمایوں کے ہند پر قابض ہونے کے بعد یہ خاندان بھی ہند میں آباد ہوگیا اور ایران کی سرحد کے ساتھ بلوچستان کے نام سے ایک وسیع کوہستانی علاقے کے علاوہ پنجاب اور سندھ کے دریاؤں کے ساتھ آباد علاقوں پر قابض ہوگیا محترم والد صاحب کو یہاں رہنے کا زیادہ

وقت نہ ملا وہ مئی ۱۹۴۹ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن اس قلیل عرصے میں مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلے میں ایسے راستے متعین فرمادیئے کہ ان پر چلنے والے حضرات بہت جلد بہت تیزی سے اچھی حالت کی طرف بڑھے۔

میں صرف اس ماحول کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس میں ایک نوجوان عالم دین کو اللہ کے دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی فصل کاشت کرنی ہے دینی اعتبار سے یہ سرزمین بنجر قدیم تھی یہاں تو ہم پرستی کے جھاڑ جھنکار ہی نہیں بلکہ بدعات کے گھنے جنگل بھی تھے بقول علامہ اقبال پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہو گیا ہے صوفیا کی چند دکانیں ہیں جن میں سیرت اسلامی کی متاع نہیں بکتی یہ بات اقبال مرحوم نے اکبرالٰہ آبادی کو ایک خط میں لکھا تھا جو غالباً ۱۸۔۱۷ء میں لکھا گیا تھا مکتوبات اقبال میں موجود ہے اس علاقہ میں بھی صوفیا کی بہت بڑی دکان اپنے اسلاف کی قابل فخر سیرت اسلامی کی متاع سے دامن چھڑا چکی تھی اور بزرگوں کی دینی عظمت کو نمود و نمائش کی گرد میں چھپا چکی تھی اور ان کے ہاں بھی کچھ ظاہرداری کے ساتھ سب کچھ وہی تھا جو دیگر بڑے گھرانوں کے لوازمات ہیں ماسوائے خواجہ قمرالدین صاحب کے، کہ وہ عالم بھی تھے اور سجادہ نشین بھی یا ان کے برادر فخرالدین صاحب قدرے رکھ رکھاؤ کے حامی تھے جب مفتی صاحب نے بطور رکن بلدیہ عملی سیاست میں قدم رکھا تو دیکھا چئیرمین بلدیہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا ہے اور شہر میں اپنی تعداد کے اعتبار سے یہ ان کا حق نہیں کیونکہ جمہوری اصول کے مطابق کثرت قلت پر غالب ہونی چاہئے نیز یہ کہ ردمرزائیت اور ردشیعت بھائی جان کا بطور عالم دین خاص شعبہ تھا چنانچہ مقامی حضرات میں رانا رشید صاحب کو ساتھ ملا کر کپتان صاحب کو عدم اعتماد کا نوٹس دیا گیا لوگوں کو کافی حیرانی ہوئی کہ ایک مہاجر سردار صاحب کے مقابلے میں آ گیا اس زمانے میں واقعی اس گھرانے کی سرداری ضلع بھر میں مسلم تھی اور ڈی سی آفس میں جن چار گھرانوں کو کرسی ملتی تھی ان میں ایک گھر یہ بھی تھا ان حالات میں ایک غریب الدیار نوجوان کا جو ابھی تجرباتی زندگی میں قدم رکھ رہا ہے گرم وسرد روزگار چشیدہ گرگ باراں دیدہ مقتدر سردار کو دعوت مبارزت بچوں کا کھیل نہیں بڑے دل گردے کا کام ہے کپتان صاحب اپنی عمر عہدہ اور تجربات کی بنا پر جہاں دیدہ سردار تھے لوگ تو حیران تھے اور سردار صاحب کی قوت واثر رسوخ کے قائل و معترف تھے اور مفتی صاحب کے بارے میں کہتے کہ اس نے اپنے آپ کو خراب کر لیا اور اب یہ یہاں نہیں رہ

سکتا رانا فائق بڑی برادری والا ہوکر بھی کبھی کسی معاملے میں کامیاب نہیں ہوا ہمیشہ سردار صاحب غالب رہے یہ مہاجر کیا ہے لیکن خان صاحب اپنی قوت کا اندازہ کر چکے کہ پانچ تین کی نسبت چار چار کی برابری میں آ گئی اور عدم اعتماد کی صورت میں چیئر مین کا اپنا ووٹ نہیں ہوگا تو ووٹ تین چار بن گئے خان صاحب کو بلدیہ کی چیئر مینی فضا میں اڑتی نظر آئی اور انہوں نے کوشش کی کہ رانا رشید واپس آ جائے یا مہاجرین میں کوئی ایک ممبر ہمارے ساتھ مل جائے وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے خان صاحب نے سرداری حربہ استعمال فرمایا کہ بلدیہ میں مخالفین کو مرعوب کرنے کیلئے پولیس بھیج دی اور ساتھیوں کو سمجھا کر بھیجا کہ تم ایسا شور شرابا کرنا کہ جھگڑا ہو جائے اور پولیس مداخلت کرے کیونکہ خان صاحب کو یقین تھا کہ جب میرے ساتھی بلدیہ میں ہنگامہ کھڑا کریں گے تو مہاجرین بھی جوش میں آ کر شریک ہنگامہ ہو جائیں گے کیونکہ مقامی مہاجر جھگڑے پہلے جاری تھے اور مہاجر اپنی بے سروسامانی کے باوجود کبھی جھکتے دبتے نہیں تھے خان صاحب کو یقین تھا کہ جھگڑے کی صورت میں معاملہ پولیس کے پاس ہوگا اور پولیس وہی کچھ کرے گی جو میں کہوں گا اس طرح چیئر مینی پکی ہو جائے گی اور شرط مفاہمت ہوگی چنانچہ مقررہ تاریخ کو اجلاس شروع ہونے سے قبل ہی پولیس آ گئی اور پولیس کو دیکھ کر شہرت ہوئی کہ کمیٹی میں لڑائی ہوگئی اس شہرت کی بنا پر لوگوں کا ایک اچھا خاصا مجمع کمیٹی کے باہر جمع ہو گیا اور حسب پروگرام ہنگامہ شروع کر دیا گیا اور یہ تینوں صاحبان جو مہاجر تھے خاموش بیٹھے رہے طے یہی پایا کہ وہ جو کرتے رہیں خاموش رہنا ہے اور پولیس کو مداخلت کا موقع نہیں دینا جب سردار صاحب کی پارٹی نے دیکھا سابقہ تجربات کے برعکس ہم جھگڑے کی آگ نہیں بھڑکا سکتے تو دوسرا طریقہ اپنایا اور رانا رشید صاحب کو مقامی ہونے کی بنا پر اپنا ہونے اور دوسروں کے ساتھ مل جانے پر برا بھلا کہہ کر اپنے ساتھ ملنے کی دعوت دی اپنا ہونے کی بنا پر اپنائیت کا حق جتاتے ہوئے بازو پکڑ کر اپنی صف میں لے جانے کا طریقہ اختیار کیا دراصل یہ بھی پولیس کی مداخلت کا جواز بنانے کیلئے تھا یہ بہت کارگر نسخہ تھا کہ وہ بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچیں گے اور دوسرے روکیں گے تو جھگڑا ہوگا لیکن یہ حربہ بھی اس وقت ناکام ہو گیا جب رانا رشید صاحب نے کہا کہ آپ جہاں کہیں میں وہاں بیٹھ جاتا ہوں لیکن ووٹ جب ہوگا تو ووٹ تو میں خان صاحب کے خلاف دوں گا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑے ہوئے اس بات پر غالباً غلام عباس خان جو اس وقت ممبر تھے اور شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے جھنجھلا کر باہر

نکل گئے اورصورت حال سے کپتان صاحب کوآ گاہ کیاجب خان غلام عباس صاحب باہر نکلے تو نسبت ۴/۲ کی ہوگئی اورمفتی صاحب نے سٹیج پر جا کراجلاس کی کاروائی کا آغاز کرادیالہذا تحریک عدم اعتماد دو کے مقابلے میں چار ووٹوں سے پاس ہوگئی اور ساتھ ہی جناب علی احمد شاہ صاحب کو نیا چیئر مین منتخب کرلیا گیا اور رانا رشید صاحب کو نائب چیئر مین بنادیا گیااورقرارداد پاس کر کے لوکل گورنمنٹ کوبھیج دی گئی اور اجلاس ملتوی کر دیا گیا یہ مفتی صاحب کا انتہائی نامساعد حالات میں پہلا سیاسی معرکہ تھا جو بحمداللہ فتح وکامرانی مسرت وشادمانی کا موجب ہوااوررانارشید نے برملااقرار کیا کہ آج اگروالدصاحب ہوتے تو بہت خوش ہوتے کہ میری تمام عمر کی مخالفت رنگ لائی اور بلوچ شکست کھا گئے بلوچ خاندان کی یہ دوسری ہزیمت تھی ،پہلی مسلم لیگ کے الیکشن سے یک بنی ودوگوش باہر ہوئے وہ معرکہ والدصاحب سے تھا حالانکہ جب ان کا تعلق مسلم لیگ سے نہیں تھا تو مسلم لیگ کے الیکشن کیلئے امیدوار کیوں بنے یہ خفت انہوں نے خود اٹھائی اور جب قانونی طور پران کا حق نہ ہونا ثابت ہوگیااورالیکشن نہ لڑ سکے تو اصولاً واخلاقاانہیں فراخ دلی سے اسے قبول کرنا چاہیئے تھالیکن خان صاحب نے اسے قبول نہ کیا اور صاحبزادہ سعداللہ صاحب کومقابلے میں لے آئے اور یہ بھی بے اصولی تھی کیونکہ صاحبزادہ صاحب کاتعلق سیال شریف سے تھانہ کہ ساہیوال سے پرائمری الیکشن ساہیوال کے تھے سیال شریف کےنہیں اسی بناپر ثالثی فیصلہ کرایا گیاجس کاسطور بالامیں ذکر ہوا۔

شہر کے شمالی حصے میں کشمیری گیٹ (دبکری دروازہ) کے سامنے ایک چھوٹی سی آبادی تھی پہلے وہاں ایک کنواں تھاہیجڑوں والا کھوہ کے نام سےمشہور تھارفتہ رفتہ وہاں آبادی بڑھی اورآبادی کا نام حسین آباد رکھا وہاں پرشیعہ حضرات نے اپنی مسجداورامام باڑہ بنایااوروہاں جلسہ شروع کر دیااور چاہا کہ ماتمی جلوس بڑی سڑک پرایک اہل سنت کی بڑی مسجد کے آگے سے نکالیں یہ بات اپنے مذہبی معاملات سے زیادہ اہل سنت کے جذبات کو مجروح کرنے کیلئے تھی چنانچہ اہل سنت نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور طے پایا کہ نو (۹) دس (۱۰) محرم کومسجد میں جلسہ کیا جائے حضرت خواجہ قمرالدین صاحب نے بھی جلسے میں تشریف لانے کا وعدہ فرمایا کیونکہ ردشیعیت صرف دیوبندیوں کا مسئلہ نہیں اہل سنت ہونے کی بناپر بریلوی مسلک کے علماء کرام بھی اہل تشیع کا ردفرماتے ہیں اور سیال شریف میں تو باقاعدہ تحریر بورڈ لگا ہوا تھا کہ کوئی شیعہ اورمرزائی دربار پر نہ آئے اسی وجہ سے خواجہ صاحب نے

حسین آباد کی مسجد میں تقریر کرنے اور خود اس میں تشریف لانے کا وعدہ فرمایا نہ معلوم کیا وجہ ہوئی کہ جب حضرت صاحب کے متوسلین انہیں لینے کیلئے سیال شریف پہنچے تو حضرت صاحب نے تشریف لانے سے انکار فرمادیا اور جب لانے والوں میں سے عبداللہ موچی نے بہت اصرار کیا اور حضرت صاحب سے پوچھا کہ ہم کہاں جائیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم ہجرت کر جاؤ! وفد کو بہت صدمہ ہوا اور بے نیل ومرام واپس ہوا لوگ حضرت صاحب کا انتظار فرما رہے تھے تانگہ خالی دیکھا تو لوگوں نے پوچھا کیا ہوا تو عبداللہ موچی نے تمام ماجرا بتایا تمام حضرات شہانی مسجد میں مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مذہبی پیشواؤں کے اس طرز عمل پر افسوس کیا اور آئندہ لائحہ عمل دریافت کیا تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرات مایوس نہ ہوں حسب پروگرام ان شاء اللہ العزیز جلسہ ہوگا انتظامات کئے جائیں حضرت صاحب نہیں آسکے تو کوئی بات نہیں چنانچہ جلسہ ہوا اور مفتی صاحب کے سوا کوئی عالم نہ تھا شیعہ علماء حسب پروگرام بہت آگئے ان کا خیال تھا کہ ایک نوجوان ناتجربہ کار سنی عالم ہمارے جید علماء کی تقریروں کا مقابلہ کہاں کرسکتا ہے حضرت صاحب کے تشریف نہ لانے سے شیعہ حضرات کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے غلط پروپیگنڈہ کرکے اہل سنت کے حوصلے پست کرنے کی بھی کوشش کی لہٰذا جلسے کا آغاز ہوا چند نعت خوانوں نے حسب دستور نعت خوانی کی بعد ازاں مفتی صاحب نے خطبہ مسنونہ کے بعد تقریر کا آغاز فرمایا پہلے ترمذی صاحب کی تقریر دھیمے لہجے میں اصلاحی انداز سے ہوتی تھی سامعین چونکہ زیادہ پنجابی ہوتے جو اکثر اردو زبان کو واجبی سا جانتے تھے اس لئے مفتی صاحب کی تقریر آسان الفاظ چھوٹے جملے ناصحانہ انداز حسب موقع وضرورت برائے فہمائش تکرار بھی ہوتا تاکہ بات ذہن نشین ہوجائے لیکن اس دن تقریر کے آغاز ہی سے بڑے پر جوش اور عالمانہ انداز اختیار فرمایا جو مجمع کو محو حیرت کر گیا اور رفتہ رفتہ رنگ مناظرانہ ہوگیا اور اپنے موقف کے ثبوت کے طور پر شیعہ کتب کی عبارتیں مع حوالہ پڑھنا شروع فرمائیں اور جس جوش وخروش سے تقریر کا آغاز فرمایا تھا وہ جوش وخروش نہ صرف قائم رہا بلکہ جوں جوں گذرتا گیا جوش وجذبہ بڑھتا گیا چونکہ فضا کشیدہ تھی ضلعی انتظامیہ کے تمام سرکردہ آفیسرز ڈی سی اور ایس پی تک موجود تھے وہ پوچھتے یہ عالم کہاں سے آئے ہیں اور حیران ہوئے کہ اتنا وقت ہوگیا ان کی تقریر میں نہ کوئی ضعف کے آثار ہیں اور نہ اختتامی صورت ظاہر ہوئی ہے مفتی صاحب مرحوم نے متواتر چھ گھنٹے خطاب فرمایا خطاب کیا

تھا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا جس کی لہریں مختلف سمتوں میں دریا کی صورت بہہ رہی تھیں اور سیلاب کی مانند ہر رکاوٹ کو اپنے ساتھ بہائے لے جا رہی تھی مفتی صاحب کی زبان شستہ وشائستہ انداز بلیغ وفصیح بات میں متانت وسنجیدگی استدلال میں قوت وپختگی نے مجمع کو محو حیرت کر دیا اور اہل جلسہ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اتنی طویل تقریر میں جلسہ گاہ سے ایک متنفس اٹھ کر نہیں گیا یہ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ اور حضرت اقدس مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض تھا مفتی صاحب نے دیگر اکابر کے علاوہ ان دو بزرگوں سے خاص فیض پایا تھا وہ ان اکابر کے علم کے حامل وترجمان تھے ظہر کی نماز کیلئے جلسہ برخاست ہوا بعد نماز پھر جلسہ شروع ہوگیا اور شیعہ حضرات ماتمی جلوس لے کر اس راستے سے نکلنے کا اصرار کرتے رہے اور شام کے وقت تمام اطراف سے فارغ ہوکر شیعہ حضرات حسین آباد پہنچ گئے فضا بہ دو جانب کشیدہ تھی انتظامیہ مفاہمت کی کوشش کرتی رہی لیکن دن گذر گیا گیارہ محرم الحرام کو پھر یہی صورت پیش آئی اتفاقاً اسی روز قائد ملت لیاقت علی خان راولپنڈی میں شہید ہوگئے حالات کی نزاکت کے پیش نظر انتظامیہ ودیگر بزرگوں نے شیعہ حضرات کو اس بات پر آمادہ کر لیا وہ سڑک سیدھا مسجد کے سامنے سے گذرنے کی بجائے مشرقی گلی سے ہوکر گذر جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا گیارہ محرم الحرام کو ساہیوال محلّہ حسین آباد کے سوا شاید ہی کہیں اور شیعہ حضرات کا ماتمی جلوس نکلتا ہو ۱۹۵۱ء میں شیعہ حضرات کے مقابلہ میں حسین آباد میں جلسہ ترمذی صاحب نے قائم فرمایا جو بحمد للہ ہر سال ہوتا ہے اگرچہ بریلوی حضرات کی مسجد ہونے کی وجہ سے اب جلسہ انہی کے زیر انتظام ہوتا ہے اور ان کا زور شیعہ حضرات کی بجائے اس روز دیوبندی رد پر ہوتا ہے تاہم جلسہ مفتی صاحب کی یادگار ہے مفتی صاحب کا اصل موضوع شیعت ومرزائیت کا رد تھا لیکن مفتی صاحب کا انداز اصلاحی تھا اور کسی سے کسی قسم کی پرخاش نہ رکھتے تھے اگرچہ بریلوی حضرات کی طرف سے رد دیوبندیت پر کافی زور لگایا جا رہا تھا ان حالات میں کسی مدمقابل کا کوئی سقم ہاتھ آنا تو حریف کے خلاف بات کے میدان میں وسعت پیدا کرتا ہے اور میدان مناظرہ خوب جمتا ہے لیکن مفتی صاحب ان مواقع پر بھی اصلاحی انداز اختیا فرمایا اور سائل کو اختلافی فتویٰ دینے کی بجائے فتوے میں جو کمی رہ گئی اس کی نشاندہی کر کے مدلل وجہ اختلاف تحریر فرمائی اور درستی کر کے سائل کو کہا یہ فتویٰ اور...... لے کے سیال شریف جاؤ اس کے بعد جو وہ فرمائیں پھر مجھے بتانا مفتی براہ راست خواجہ قمر الدین صاحب کو لکھتے کہ سیال شریف سے جاری شدہ

فتویٰ دیکھا ہے اس میں کچھ بداحتیاطی ہوگئی میں نے درستی کی ہے غور فرمائیں اگر جناب کی رائے ہو کہ جاری شدہ فتویٰ ہی درست ہے تو دلیل لکھیں میں غور کروں گا خواجہ صاحب نے مفتی سیال شریف کے مشورہ کے بعد ترمذی صاحب کی رائے کو درست قرار دیا اور فتویٰ مفتی صاحب کی تحریر کے مطابق جاری کیا ایسا بارہا ہوا ترمذی صاحب کی گرفت ہمیشہ درست ثابت ہوئی اور قبول کی گئی اور فتویٰ میں مفتی صاحب کی نظر انتہائی عمیق تھی اور اہل علم حضرات مفتی صاحب کے تعمق فی الفقہ سے واقف ہیں حضرت خواجہ قمرالدین علمی تحقیقات سے اختلاف نہیں کرتے تھے اور نہ اسکی گنجائش تھی لیکن ان کے مریدین رد بدعات ورسومات پر بہت خفا ہوتے اور طرح طرح سے مخاصمانہ ومعاندانہ پروپیگنڈہ کرتے چنانچہ دو طبقے مرزائی وشیعہ کے ساتھ یہ تیسرا طبقہ حلیف کی بجائے حریف بن گیا۔

ساہیوال کے قریب ہی مغرب میں ایک موضع لکھی وال ہے وہاں عبدالعزیز شاہ نامی ایک عمر رسیدہ شخص تھے علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کے شاگرد تھے اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آ گئے مرتد ہوئے مرزائی بن گئے انہیں حیات عیسیٰ علیہ السلام کے موضوع پر گفتگو کا شوق چرایا اور خیال یہ تھا کہ ایک نوجوان ناتجربہ کار عالم ہے اور میں کشمیری صاحب کا شاگرد ہوں وہ کیا بات کر سکیں گے لہٰذا وہ پاولیوں والی مسجد میں آ گئے اس زمانہ میں حافظ عبدالحی صاحب بھائی صاحب سے پڑھتے تھے چونکہ وہ مسجد پاولیوں والی کے امام ومتولی تھے ترمذی صاحب وہیں پڑھاتے تھے عبدالعزیز شاہ نے حیات عیسیٰ علیہ السلام کو موضوع گفتگو بنایا اور ان کی وفات کے بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی کی وکالت شروع کردی بھائی صاحب نے ان کا مؤقف انتہائی تحمل اور بردباری سے سنا جب وہ اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوئے تو ترمذی صاحب نے پوچھا کہ آپ کی بات مکمل ہوگئی یا آپ کچھ اور بھی فرمانا چاہتے ہیں عزیز شاہ نے کہا کہ موضوعات گفتگو بہت ہیں لیکن ایک بات طے ہوجائے تو دیگر موضوع کے بارے میں گفتگو ہوگی میں نے آپ سے بات کرنا اس لئے پسند کیا ہے کہ آپ عالم ہیں علمی بات سمجھ سکتے ہیں اور اپنی بات بھی علمی انداز میں بیان کریں گے خوامخواہ عناد وضد سے کام نہیں لیں گے بھائی صاحب نے فرمایا کہ درست ہے ایک عالم کو معقول اور منقول کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے کیونکہ جب ہر دو کو خلط ملط کر دیا جائے تو بات الجھ جاتی ہے آپ نے بزرگوں سے فیض پایا ہے اور علامہ کشمیری قدس سرہ کے تلامذہ میں سے ہیں جن کی علمی بصیرت بے غبار ہی نہیں عندالاکابر مسلم بھی ہے بوجہ شرف

تلمذ آپ بھی ان سے مستفید ہوئے ہیں لہٰذا مناسب وموزوں معلوم ہوتا ہے کہ میں خود کچھ عرض کرنے کی بجائے حضرت علامہ کشمیری صاحب کے ان رسائل کی طرف آپ کی توجہ منعطف کروں جو حضرۃ العلام نے حیات عیسیٰؑ کے بارے میں تحریر فرمائے ہیں اور اس موضوع پر قابل فخر سرمایہ امت مسلمہ ہیں غالباً بعض مصروفیات وموانع کی بناپر آپ انہیں ملاحظہ نہیں فرما سکے علامہ کشمیری مرحوم میرے بھی بزرگ ہیں اور آپ کے بھی استاد اس موضوع پر حضرت اقدس علامہ مرحوم کے رسائل آپ کے مزعومہ خیالات ونظریات کا کافی اور شافی جواب رکھتے ہیں او ہم دونوں انہیں فیصل مان لیں عزیز شاہ نے کہا ہاں استاد صاحب نے حیات عیسیٰؑ کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے میں نے ان رسائل کو دیکھا جناب علامہ صاحب کو اس میں سہو ہو گیا ہے جن دلائل سے مفاتح عیسیٰؑ کا ثبوت ملتا ہے وہ علامہ کے زیر غور نہیں آئے مفتی صاحب تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اس بات سے اٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ سہو کی یہ نسبت علامہ مرحوم کی بجائے آپ کی طرف کرنے میں کیا امر مانع ہے اس پر عزیز شاہ نے کہا کہ علمی دنیا میں ایسا ہو سکتا ہے کوئی چیز استاد کی توجہ سے رہ جائے اور شاگرد کی توجہ کا مرکز بن جائے اور اس کے تمام خفیہ گوشے وکنہیات سے وقوف کے بعد رائے قائم کرے اور علم کے ایک نئے باب کا اضافہ ہو جائے آپ ابھی بوجہ نوجوانی علمی دنیا میں قدم رکھ رہے ہیں اس میدان کے نشیب وفراز آپ کے سامنے کچھ عرصہ کے بعد آئیں گے بشرطیکہ آپ اس سے وابستہ رہیں اور معاش وغیرہ کی غرض سے کوئی شغل اختیار نہ کریں میں آپ کی توجہ شافعی وحنفی مسالک کی طرف دلانا چاہوں گا جس سے استاد شاگرد کی اختلافی رائے ثابت ہوتی ہے لہٰذا ہمیں ہر طرح کی عصبیت وتعلق داری سے خالی الذہن ہو کر خالص علمی انداز میں موضوع زیر بحث کا جائزہ لینا ہوگا ہم تبھی درست نتائج حاصل کر سکیں گے ترمذی صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے آپ کیلئے آپ کے استاد محترم کا ارشاد بھی حجت نہیں جن کے آپ خوشہ چیں ہیں دستور زمانہ یہی ہے اور مقولہ بھی کہ جس کا کھایئے اسی کا گایئے مگر آپ نے جس کا کھایا اس سے انصاف نہیں کیا اور احسان نہیں جانا کھلانے اور سکھانے والے مربی اور تھے گن گانے اور خدمات کیلئے مخدوم اور لہٰذا اہم بات کیلئے کتاب اللہ کو موضوع بنا کر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں نیز عقائد کے ثبوت میں دلائل قطعیہ درکار ہوتے ہیں جو ہمیں قرآن کریم ہی سے دستیاب ہوتے ہیں اور تفسیر کی اولیٰ اور اہم صورت بھی یہی ہے کہ ہم قرآن کریم کا معنیٰ ومفہوم قرآن کریم ہی سے معلوم کریں بعد

ازاں کسی تفسیر کی طرف متوجہ ہوں گے ہم اپنے دعوے کو قرآن مجید سے ثابت کریں اور دوران گفتگو کوئی اور حوالہ نہیں دیں گے اس کیلئے قرآن مجید کی آیت انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ الخ تلاوت کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حی وقیوم ہے خود فرما رہے ہیں کہ نہ انہیں قتل کیا گیا اور نہ سولی کی سزا دی گئی بلکہ یہود کی سولی وقتل کی سازش ناکام بنادی اور اپنی طرف اٹھالیا اور یہ امر یقینی ہے قتل وسولی کی سزا نہ ہونا اپنی طرف زندہ سلامت اٹھالینا یہ نص صریح سے ثابت ہے اس بارے میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

عزیز شاہ صاحب نے کہا یہ ایک خاص واقعے کا ذکر ہے اس وقت جو صورت پیش آئی بیان ہوئی انبیاء علیہم اسلام کے واقعات قرآن مجید میں جا بجا بیان ہوئے ہیں اسی طرح یہ واقعہ بھی بیان ہوگیا کسی کا قتل ومصلوب ہونا اس بات کی دلیل کیسے بن سکتی ہے کہ وہ طبعی موت سے محفوظ رہے قتل وسولی سے موت کے ہم بھی قائل نہیں ہم نے کب یہ کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو قتل کردیا گیا یا سولی پر چڑھا دیا گیا؟ ہم ان کی طبعی موت کے قائل ہیں مقتول ومصلوب ہونے کے قائل نہیں اور کسی انسان کا اتنی مدت مدید تک زندہ رہنا امر محال ہے اور نہ امم سابقہ میں کوئی ایسی نظیر ہے مفتی صاحب نے فرمایا کہ انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم الخ کس کا قول ہے یہود نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہم السلام مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول کو قتل کردیا اللہ تبارک تعالیٰ نے یہود کے اس قول کا رد فرمایا اور ارشاد ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا گیا نہ سولی دی گئی بلکہ عیسیٰ کو ہم نے اپنی طرف اٹھالیا اور قتل وسولی کی ان کی سازش ومنصوبہ ناکام کردیا عزیز شاہ صاحب نے کہا کہ اس اٹھانے سے مراد ان کے مراتب کی بلندی یعنی ان کے درجات بلند فرمادیئے رفع کا معنیٰ رفع جسد نہیں بلکہ رفع درجات ومراتب ہے ترمذی صاحب نے فرمایا کیا یہود قتل کرنے درجات ومراتب کیلئے آئے تھے ان امور میں عمل قتل ہوتا ہے کوئی ذی شعور اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ کسی بزرگ ہستی کے مراتب عالیہ کو قتل کیا جائے ایسی مذموم کوشش وروش کو جس میں کسی ہستی کی عزت وتوقیر میں کمی ونقصان مطلوب ہو کردار کشی وغیرہ کے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے نہ کہ قتل کا لفظ قتل کا مورد ہی جسم ہے روح مرتبہ ومقام نہیں اگر آپ کے پاس کوئی ایسی دلیل ہے کہ لفظ قتل جسم پر نہیں بلکہ روح پر حملے کا نام ہے اور مورد قتل روح یا درجہ ورتبہ ہے جسد وجسم نہیں پیش کریں زندگی وموت کا معاملہ روح ورتبہ سے نہیں نہ روح فنا ہوتی ہے

اور مرتبہ ومقام جو اللہ کسی کو عطا فرمائے وہ بھی ضائع نہیں ہوتا موت وحیات کا معاملہ جسم سے ہے حیات جسم سے ظاہر ہوتی جسم اس کے ظہور کا آلہ ہے اس ظاہری آلے پر ہی عمل قتل وارد ہوتا ہے جسم روح سے خالی ہو جائے تو اسے مردہ کہتے ہیں اور روح اس میں موجود ہو تو زندہ کہلاتا ہے روح تو ہمیشہ ایک زندہ حقیقت ہے بلا امتیاز مومن و کافر بوجہ امر ربی اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں شہدائے کرام کی حیات کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے وہاں شہدا کے اجسام مبارکہ کو اموات (مردہ) کہنے سے روکا ہے نہ ارواح مقدسات کو کیونکہ لفظ من روح وجسد ہر دو کو شامل ہے بعد ورود قتل جس مردہ ہے اسے فرمایا کہ مردہ نہ کہو وہ زندہ ہے ان حواس سے تم ان کی زندگی کا ادراک نہیں کر سکتے روح کی حیات تو ایک مسلم امر ہے موت وحیات کی گفتگو کا موضوع جسم ہے روح نہیں نہ مرتبہ ومقام آپ کا عجیب معاملہ ہے یہود قتل کا دعویٰ کر رہے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے ناپاک عزائم سے حضرت کو محفوظ فرمانے کا اعلان فرماتے ہیں اور طریقہ حفاظت اپنی طرف اٹھانا بیان فرماتے ہیں رتبہ ومقام کو بلند کر دیا گویا کہ یہود اپنے ارادہ قتل میں کامیاب رہے اللہ نے جسم نہیں بچایا جسم کے ساتھ وہ جو چاہتے تھے کر گزرے البتہ اللہ نے ان کا رتبہ ومقام بڑھا دیا قربان جایئے اس منطق کے ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ یعنی ضرب گھٹنے پر آئی ناممکن العمل کام کیلئے محاورہ ہے ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

عزیز شاہ صاحب نے غالباً کسی تفسیر کے بارے میں کچھ عربی زبان میں چند جملے کہے جو اس وقت میں نہیں سمجھتا تھا مفتی صاحب نے بھی عربی زبان ہی میں کچھ ارشاد فرمایا اور معاملہ یہاں ختم ہوا کہ میں پھر آؤں گا۔ انہیں پھر آنے کی ہمت نہیں ہوئی اور بلانے کے باوجود نہیں آئے۔ اس سے مرزائیت کی وبا کافی حد تک ساہیوال میں نہ پھیل سکی ایک آدمی احمد بخش نجار جو مرزائی بن چکا تھا وہی رہا اور اس کی اولاد۔ باقی کوئی شخص ساہیوال میں مرتد نہیں ہوا۔

عبقری شخصیت

حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب مدظلہ ساکن بخشن خان چشتیاں

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد:

سروسیمینا ! بصحرا می روی

سخت بے مہری کہ بے مامی روی

اے تماشا گاہ عالم روئے تو

تو کجا بہر تماشا می روی

ایک ایسی شخصیت جس نے بچپن میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دارحکمت میں آنکھ کھولی اور زمانہ طفولیت میں ہی خداداد قابلیت سے باطن کی صلاحیت کو اخذ کیا اور شب و روز جس پر اشرف العلماء اشرف الصلحاء اشرف الاتقیاء کی نظر کیمیا اثر پڑی اور انہیں اس نظر نے کتنا کندن بنایا اس کا اندازہ کوئی کرسکتا ہے۔ بندہ جب سے آپ کے قدموں میں گیا آپ کو بہت شفیق و مہربان پایا بندہ خط و کتابت بھی کرتا رہا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ عریضہ لکھا ہو اور جواب نہ آیا ہو۔

حضرت اقدسؒ کی مجلس میں اکابر علماء دیوبند کا تذکرہ عجیب انداز سے سننے میں آیا جس سے علماء دیوبند کا قیام دارالعلوم کا مقصد واضح ہوا ورنہ بعض حضرات کی زبانی جو باتیں سننے میں آئی ہیں ان سے دارالعلوم کا مقصد صرف انگریزوں کو ملک سے نکالنا ہی تھا لیکن حضرت کی مجلس میں یہ بات سمجھ میں آئی کہ دارالعلوم کی بنیاد کا اصلی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا دین بچے اور اس کے ساتھ انگریز چونکہ دین کے بھی دشمن تھے اس لئے ان کے خلاف بھی جدوجہد جاری رہی تا آنکہ ان کو بھی ملک سے نکلنا پڑا ملک کو انگریزوں سے چھڑانا بھی اسی لئے تھا کہ یہاں سینکڑوں سال اسلامی حکومت قائم رہی جس کو

انگریزوں نے تباہ کیا تو اسلامی حکومت کی بحالی کیلئے کوشش ضروری تھی چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے جو تحریک خلافت چلائی اس کا مقصد یہی تھا کہ ترکی حکومت سے مل کر انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کر پھر اسلامی حکومت قائم ہو۔ نیز حضرت کی مجلس میں یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ پاکستان کا وجود بھی بسا غنیمت ہے کہ اس ملک میں جب بھی کوئی نیک سربراہ جبری قسم کا آیا تو اس ملک کی اصلاح ہوسکتی ہے اور اسلامی قانون کا نفاذ ہوسکتا ہے ابھی تک تو امریکہ برطانیہ سر پر سوار ہیں اور سربراہ کوئی نیک جبری نہیں آرہا ہے لہٰذا کوشش جاری رکھنی چاہئے اور دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نیک اور جبری آدمی برسر اقتدار لے آئیں آمین، یہ بات غلط ہے کہ پاکستان بنانے کا کیا فائدہ۔ نیز حضرت کا امتیازی عمل جو دیکھنے میں آیا کہ ترکِ بدعت کے بارے میں اتنی مضبوطی تھی کہ ساری زندگی کسی رسمی مجلس میں شمولیت نہیں فرمائی ورنہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ وقت پر مصلحت کا خیال کرتے ہوئے برتاؤ میں نرمی آجاتی ہے۔ نیز حضرت کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ مدرسہ کیلئے چندہ نہیں مانگتے تھے ساری عمر چندہ کی اپیل نہیں کی۔ نیز حضرت کی ایک خصوصیت تھی کہ کسی مدرسہ کی شوریٰ کے جلسہ کے موقع پر تشریف لے جاتے تو اکثر کرایہ نہیں لیتے تھے۔

یہ بات بھی آپ کی مجلس میں سمجھ آئی کہ قرآن وحدیث کے علوم کا جتنا ورثہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کا تھا وہ سارا کا سارا حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے ذریعہ سے دیوبند میں منتقل ہوا اور سارے علماء دیوبند اس کے وارث بنے۔

باوجودیکہ حضرت اقدس دو بزرگوں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے مجاز تھے مگر اس کے باوجود اپنے آپ کو چھپائے رکھا مگر اس کے باوجود حضرت کی مقبولیت کا بوقت جنازہ پتہ چلا کہ بندہ نے ضلع سرگودھا کے ایک بہت بڑے رئیس کی زبانی تعزیت کے موقع پر سنا کہ ہم نے اپنی زندگی میں ضلع سرگودھا میں اتنا بڑا جنازہ نہیں دیکھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون نوراللہ مرقدہ وبرداللہ مضجعہ وسقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ وما واہ۔ آمین

بندہ پر از معاصی امیدوار مغفرت ایزدی بوسیلہ حضرت اقدس ترمذیؒ

غلام جیلانی عفی عنہ

سالار قافلہ اہل حق

صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر صاحب مدظلہ گجرات

بعض شخصیات سے انسان کو ظاہری قرب بہت کم میسر آتا ہے لیکن ان کے ساتھ باطنی تعلق ظاہری دوریوں کی اذیتیں بہت حد تک ختم کر دیتا ہے کیونکہ حقیقی محبت وعقیدت قرب باطنی ہی کی متقاضی ہوتی ہے، بسا اوقات اجسام کے درمیانی ظاہری فاصلے بالکل سمٹ جاتے ہیں، لیکن باطنی دوریوں کی بناء پر ان کے درمیان بُعد المشرقین موجود رہتا ہے۔ اس کے برعکس روحانی، ذہنی اور قلبی قرب، ظاہری بُعد کے باوجود سرور وسکون کا باعث ہوتا ہے انہی علمی وروحانی شخصیات میں سے ایک شخصیت فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کی ہے کہ ان کے ساتھ قائم اپنے علمی وروحانی قرب کی وسعتوں کو سمیٹنا یقیناً میرے بس کا روگ نہیں۔

پہلی اور آخری ملاقات

ذہنی یادداشت کے حوالے سے مفتی صاحبؒ کے ساتھ میری پہلی ملاقات ۳۱ جنوری ۲۰۰۰ء کو جامع مسجد بلاک نمبر ۱ سرگودھا کے ایک اجتماع میں ہوئی، دوسری ملاقات ۲۸ جون کو ساہیوال حاضری پر ہوئی، جہاں حضرتؒ نے اپنی معروف تالیف ''ہدایۃ الحیران'' کا جدید ایڈیشن بھی احقر کو عنایت فرمایا جبکہ آخری ملاقات ۱۴ نومبر کو اللہ والی مسجد سرگودھا کے اجتماع میں ہوئی جہاں شدید علالت کے باوجود حضرت نے ڈیڑھ گھنٹے سے زائد بیان فرمایا اور بڑے عجیب انداز سے فرمایا کہ شاید سرگودھا میں میرا یہ آخری بیان ہو اس جملہ نے سامعین کے اندر رقت وبے قراری کی کیفیت پیدا کر دی اور بہت سی آنکھیں اشکبار ہو گئیں واقفانِ حال کے مطابق واقعی سرگودھا کے اندر حضرت کا یہ آخری بیان ثابت ہوا اور یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو وہ دارفانی سے کوچ فرما گئے۔ گویا شعوری ملاقاتوں کے حوالے سے حضرتؒ کیساتھ میرے ظاہری ربط کا دائرہ ایک سال سے بھی متجاوز نہیں۔ البتہ ان چند ملاقاتوں کے دوران حضرتؒ کی

شخصیت کے اندر جو اوصاف وکمالات میں نے محسوس کئے وہ میرے جیسے لاکھوں بے علم وفہم لوگوں کیلئے ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ ہیں۔

ایک دلبہار شخصیت

سنجیدگی و متانت ایک حد تک علماء کے وقار کا حصہ ہے لیکن حد سے متجاوز سنجیدگی اور غیر ضروری حجرہ نشینی خوف و دہشت کا نشان بن کر عوام کو علماء سے کاٹ دیتی ہے اور علماء کا عوامی حلقہ سمٹتا چلا جاتا ہے بد قسمتی سے آج کل علماء کے اندر اول تو سنجیدگی پیدا ہی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ان کا منصبی وقار مجروح ہو کر رہ جاتا ہے اور اگر سنجیدگی پیدا ہوتی ہے تو اتنی تلخ کہ عوام علماء سے خوف محسوس کرنے لگتے ہیں حالانکہ عوام کے ساتھ علماء کا ایسا ربط ناگزیر ہے جو ان کے وقار کو متاثر بھی نہ کرے اور عوام اپنے دینی و دنیوی مسائل میں بلا خوف وحجاب ان سے راہنمائی بھی حاصل کر سکیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ میں یہ وصف موجود تھا کہ ان کی شخصیت روایتی و رسمی تکلفات سے بہت دور تھی علمی وادبی لطائف ونکات سے محفل کو کشتِ زعفران بنائے رکھنا، مسائل کے ساتھ اپنائیت ومحبت کا بھر پور اظہار کرنا، خندہ پیشانی سے سوال سننا اور خوش خلقی سے اس کا جواب دینا، مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر مدلل بحث کر کے سائل کو مطمئن کرنا ان کا خصوصی کمال تھا اور ان کے چہرے پر کھلنے والی مسکراہٹ، اور انکا بے تکلفانہ طرز سخن سائل کا قلبی خوف وحجاب بہت حد تک کم کر دیتا۔ عجز وانکساری کے ساتھ یہی زندہ دلی، بے تکلفی، اور محبت و اپنائیت ان کی ہر دلعزیزی کا باعث تھا۔ جس کا اندازہ ہمیں ان کے سفر آخرت سے ہوا، جب ساہیوال کے چھوٹے سے قصبہ کے اندر انسانوں کا ٹھاٹھے مارتا سمندر ان کے ساتھ اپنے والہانہ تعلق کا اظہار کرتے ہوئے بے قرار اور اشکبار تھا۔

مراحلِ اصلاح وتربیت

یہ حقیقت ہے کہ انسان کو کچھ اوصاف وکمالات وہبی عطائی طور پر من جانب اللہ حاصل ہوتے ہیں لیکن بیشتر اوصاف وکمالات کے حصوں کی خاطر اس کیلئے سلوک وریاضت کی منازل ومراحل طے کرنا ضروری وناگزیر ہوتا ہے اور وہ اصحاب طریقت کی صحبتوں اور ارباب شریعت کی مجالس وہم نشینی کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی اعتبار سے مفتی صاحبؒ کا شمار ان خوش نصیب ہستیوں میں ہوتا ہے جنہیں مختلف اوقات میں متعدد علمی وروحانی شخصیات سے اصلاح وتربیت کی نسبت وسعادت حاصل رہی ہے علمی

اعتبار سے اگر انہیں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سمیت اس وقت کے دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا تو روحانی اعتبار سے وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خانقاہ اشرفیہ کے فیوض وبرکات سے بھی محروم نہ تھے اپنے تعلیمی دور کے اندر انہیں حضرت تھانویؒ سے بیعت کی سعادت حاصل رہی جسے وہ بیعت تبرک کے نام سے یاد فرماتے تھے۔

﴿ گہرائیٔ علم ﴾

ہماری یہ بدنصیبی ہے کہ قحط الرجال کے اس دور میں اولاً تو ہمیں حقیقی علم رکھنے والے علماء ہی بہت کم میسر ہیں ایسے پیشہ ور مولویوں، جاہل واعظوں، پیروارث شاہ کے گویوں اور دین فروش و پیٹ پرست خطیبوں کی بھرمار ہے جن کا مبلغ علم قرآن کی تفسیر بالرائے، موضوع روایات، من گھڑت واقعات، بے مقصد لطائف، خلاف حقیقت کہاوتوں اور سنسنی خیز قصوں تک محدود ہے۔ جن کی ترقی یافتہ نسل کا گذارا اسلافِ امت (خلفاءِ راشدینؓ، صحابہ کرامؓ، اہل بیتؓ عظام، فقہاء، محدثین اور صوفیاءِ کرام وغیرہ) کے خلاف بداعتمادی پیدا کرنے اور تبرّا بازی کرنے پر ہے۔ جنہوں نے اپنے معاشی مفادات کی خاطر محراب ومنبر کو خلاف سنت امور اور اسلاف دشمنی سے آلودہ کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے دین حق کے بنیادی مقاصد اور اسلام کی حقیقی روح نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی ہے اور حقیقی علم رکھنے والے علماء کی جو قلیل تعداد ہمیں میسر ہے، ان کی اکثریت بھی طول وعرض کے اعتبار سے علمی وسعتیں رکھنے کے باوجود علم کی گہرائی سے محروم ہے جس کی وجہ سے علماء کی نئی پود فتنوں کا سامنا ومقابلہ کرنے کی بجائے ان سے متأثر ومرعوب ہوتی چلی جارہی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں ایک طرف روشن خیالی کے نام سے جدت پسندی کا سیلاب اسلامی قدامت پسندی کو جڑ سے اکھاڑ کر جدید تہذیب وثقافت کو پروان چڑھا رہا ہے۔ جس نے علم کی گہرائی سے محروم علماء کو اس طرح متزلزل کر رکھا ہے کہ وہ مروّجہ سودی نظام، قمار بازی کی جدید اسکیموں، تصویرکشی، بے پردگی، ٹی وی، مووی اور مغربی جمہوریت کے اسلام دشمن سسٹم وغیرہ امور میں جدت پسندوں کے سامنے مرعوب ولاچار نظر آتے ہیں حتی کہ بعض علماء کے ہاں تو تقاریر، دینی وسیاسی تقریبات اور میت کے سفر قبرستان وتدفین تک کی وڈیو اس اہتمام سے تیار کی جاتی ہے، گویا کہ وہ بھی ضروریات دین کا ایک لازمی حصہ ہے۔ علماء کے اسی مرعوب زدہ طرز عمل نے عوام کے اندر جدت پسندی کا جذبہ دوچند کر دیا ہے جس کی وجہ سے لبرل وسیکولر طبقات، اسلام پسند

قوتوں کے خلاف متحد و متحرک ہو رہے ہیں اور اسلامی قدامت پسندی ہماری معاشی و معاشرتی زندگی میں دم توڑتی چلی جارہی ہے۔ دوسری طرف معاشرہ کے اندر نت نئے اٹھنے والے فتنوں کا طوفان ہے، جس نے ہمارے علماء کی فکری و اعتقادی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور میں نے بڑے بڑے مدرس قسم کے علماء کو فتنوں کے اس طوفان میں بے بس تنکوں کی طرح بکھرتے دیکھا ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نظریاتی اصلاح واستقامت کیلئے جہاں عوام الناس کی حق پرست علماء سے وابستگی ضروری ہے، وہاں علماء کرام کی علم کی گہرائی تک رسائی بھی ناگزیر ہے اور علم کی گہرائی تک یہ رسائی اسلافِ امت پر اعتماد اور انہی کے واسطہ سے قبولیت حق کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ تحقیقاتِ اسلاف پر عدم اعتماد سے ہی تحقیق مزید کا شوق پیدا ہوتا ہے جو جدید فتنوں کی پیداوار اور ان کی نشوونما کا باعث بنتا ہے کیونکہ اکابر پر عدم اعتماد سے انسان انانیت پرستی کا شکار ہو کر علم کی گہرائی تک فکری رسائی سے محروم ہو جاتا ہے۔

خطرناک صورت حال

یہی وجہ ہے کہ حدیث وفقہ کے خلاف نفرت پیدا کرنے والے طبقات نے جب تاریخ کی ناقابل اعتماد روایات، فرضی واقعات، اور ان کی بے ہودہ تاویلات وتشریحات کی بنیاد پر ''اسلام کی عجمی تعبیر'' کے نام وعنوان سے قوم کو گمراہ کن لٹریچر فراہم کیا تو ہمارے مدارس کے اندر سالہا سال سے حدیث وفقہ پڑھانے والے بڑے بڑے مدرسین بھی حدیث وفقہ کو قرآن وسنت کے خلاف عجمی سازش قرار دے کر بہکنے اور بھٹکنے لگے۔

ان مدرسین کا بخاری ومسلم جیسی کتب احادیث سے بھی یقین واعتماد اٹھنے لگا اور انہیں صدیوں بعد منکرین حدیث وتقلید کے پیدا کردہ شبہات کی بنا پر صحاح ستہ کی روایات اور فقہ کے مفتی بہ اقوال میں بھی یہود و مجوس کی عجمی سازش کی بو محسوس ہونے لگی۔ بخاری وابوداؤد جیسی مرکزی کتب احادیث پڑھانے والے ایک کہنہ مشق استاد کی زبان سے جب میں نے یہ سنا کہ ''اب تو ہمیں بخاری ومسلم کی روایات پر بھی اعتماد نہیں رہا'' تو میں روح کی گہرائیوں تک کانپ اٹھا اور میرا دل یہ سوچ کر ڈوبنے لگا کہ اسلاف پر عدم اعتماد جب یہاں تک ہمیں لے آیا ہے تو ہم اپنے پورے ذخیرۂ حدیث کے بارہ میں بداعتمادی کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں تو خدا معلوم قرآن پاک پر عدم اعتماد کا مرحلہ کب طے ہوگا، اور کب سے عجمی تحریف کے حوالہ سے متعارف کرایا جائے گا؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

﴿ حدیث کے خلاف متحرک قوتیں ﴾

حدیث رسولؐ کے خلاف دراصل اس وقت چار خطرناک قوّتیں متحرک ہیں اور چاروں کا بنیادی مقصود مسلمانوں کے قلب وفکر میں حدیثِ رسولؐ کے خلاف نفرت وعدم اعتماد کا بیج بونا ہے۔ان میں سے پہلی قوّت آئمہ محدثینؒ کے خلاف سرگرم عمل ہے ان کے نزدیک آئمہ محدثینؒ کی اکثریت کا ایران و وسط ایشیا وغیرہ کے علاقوں سے وابستہ اور عجمی ہونا انتاسنگین اور ناقابل معافی جرم ہے کہ اس جرم کی بنا پر نہ ان کی روایات قابل تسلیم ہیں اور نہ ان کی کتب حدیث قابل اعتماد۔غور فرمایئے کہ صحاح ستہ سمیت کتب حدیث کے بیشتر مصنفین کو ناقابل اعتماد ٹھہرانے کی صورت میں ہمیں احادیث کے کتنے بڑے ذخیرہ اور اس کی روشنی میں حاصل ہونے والے بے شمار نظریات و احکامات و مسائل سے دستبردار ہونا پڑے گا۔اور یہ حدیث رسولؐ کے خلاف ایک ایسی خطرناک سازش ہے جو عوام کو رفض کی فریب کاریوں میں مبتلا کرسکتی ہے۔ان میں سے دوسری قوت آئمہ مجتہدینؒ بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ کے خلاف متحرک ہے، اس کے نزدیک فقہاء کرام کا اجتہاد و استنباط،قرآن وسنت کی تعلیمات میں ایسی بے جا، غیرضروری اور خطرناک مداخلت ہے جسے برملا طور پر قیاسِ شیطانی بدعت فی الدین اور شرک فی الرسالت کا نام دیا جاسکتا ہے،العیاذ باللہ تعالیٰ۔ان میں سے بعض بدبخت تو (حکیم فیض عالم صدیقی وغیرہ) امام اعظم ابوحنیفہؒ کو مجوسی النسل قرار دے کر ان کے قیاسات واجتہادات سے انکار کرتے ہیں۔چنانچہ اس قوت کی طرف سے فقہاء کرامؒ اور ان کے مقلدین کے خلاف شرک و بدعات کے فتاویٰ پر مشتمل غلیظ و بدبودار لٹریچر برساتی مینڈکوں کی طرح بکھرا پڑا ہے۔یہاں یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ جس طرح پہلا طبقہ محدثین کے روایت کردہ الفاظ حدیث کے بارہ میں عدم اعتماد پیدا کرکے تفسیر بالرائے کے ذریعہ قرآن کو تختۂ مشق بنانا چاہتا ہے اسی طرح دوسرا طبقہ فقہاء کے بیان کردہ مفہوم حدیث سے اعتماد ختم کرکے قبول روایت کے من پسند معیار کا دروازہ کھول کر الفاظِ حدیث کو تختۂ مشق بنانے کے درپے ہے۔ان میں سے تیسری قوّت کتب احادیث کی اہمیت وافادیت ختم کرنے کیلئے متحرک ہے اس نے صحاح ستہ سمیت دیگر کتب احادیث کے سادہ اردو تراجم عوام الناس کے اس جاہل و بےعلم طبقہ کو فراہم کردیئے ہیں، جو اصول حدیث سے قطعی واقف نہیں نہ وہ حدیث کی صحت و ثقاہت کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ ناسخ ومنسوخ وراجح ومرجوح روایات کے درمیان تفریق و

امتیاز کی ان میں کوئی استعداد ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ احادیث کا ظاہری تضاد، جب ان جاہلوں کی پریشانی کا باعث بنتا ہے تو ان کا حدیث پر سے اعتماد اٹھتا چلا جاتا ہے اور وہ بالآخر حدیث کے خلاف پسِ پردہ سازشوں کا شکا ہو کر منکرین حدیث (پرویزی و چکڑالوی گروہ) کی افرادی نفری میں اضافہ کا باعث بن جاتے ہیں حالانکہ اصول حدیث سے ناواقف عوام کی اصلاح فکر وعمل کیلئے بڑی بڑی کتب احادیث سے اخذ کر کے حدیث کی علیحدہ کتب مرتب کی جاتی ہیں، جیسا کہ عصر حاضر میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی مرتبہ ''معارف الحدیث'' کا مطالعہ عوام کے لئے بہت مفید ہے۔ ان میں سے چوتھی قوت اہل سنت والجماعت کے ان متواتر واجماعی نظریات کے خلاف متحرک ہے جنہیں احادیث صحیحہ سے اخذ کر کے امت مسلمہ نے ہر دور کے اندر بالاتفاق قبول کیا ہے جمہور امت کے ان اجماعی ومتواتر نظریات سے انحراف، اور اسلافِ امت کی اجماعی تحقیقات سے روگردانی کرتے ہوئے توجیہ کے نام پر تحریف حدیث کی یہ خطرناک تحریک دراصل انکار حدیث کی گمراہ کن تحریک ہی کا ایک حصہ ہے۔ ختم نبوّت، حیات مسیحؑ، ولادت مسیحؑ بے پدر، عصمت انبیاؑء، خلافتِ راشدہ، اور حیات انبیاؑ علیہم السلام وغیرہ اجماعی نظریات سے بغاوت وانحراف درحقیقت اسی تحریک انکار حدیث کی ایک کڑی ہے جو ایک منظّم سازش کے تحت قرآن وحدیث کو باہم متصادم ثابت کرنے کیلئے نئے اور انوکھے انداز میں اٹھائی گئی ہے۔

ہمارا ناقص نظامِ تعلیم

عصر حاضر میں فتنوں کے بکثرت پیدا ہونے کا بنیادی سبب علماء کرام کی ذہنی مرعوبیت ہے۔ جس کی وجہ سے وہ یا تو فتنوں سے متاثر ہوجاتے ہیں یا مصلحت ومفاد کی خاطر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں اور علماء کرام کی اس ذہنی مرعوبیت کا باعث ہمارے مدارسِ دینیہ کا وہ ناقص نظام تعلیم ہے جس میں تعلیم کا رواجی سلسلہ تو جاری ہے، لیکن تربیت وتزکیہ کا فقدان ہے یعنی ہمارے مدارس کا نصابِ تعلیم تو ماضی کی روایات سے بہت حد تک وابستہ ہے، جس میں رسمی ورواجی علوم وفنون کتب نصاب کی صورت میں بدستور موجود ہیں لیکن انکا معیار اپنی اصلی وحقیقی بنیادوں سے ہٹنے کی وجہ سے ان کی حقیقی روح فنا ہو چکی ہے جس کی وجہ سے ہمارے فارغ التحصیل طلبہ روحانیت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ علوم دینیہ کے حصول کا اصل مقصد ہی قلب وفکر کے اندر روحانیت پیدا کرنا ہے روحانیت کے اسی فقدان کی وجہ سے ہمارے دینی مراکز کی علمی مسندیں اگرچہ کسی حد تک آباد ہیں لیکن ہمارے روحانی

مراکز کی خانقاہی مسندیں بالکل ویران پڑی ہیں الا ماشاء اللہ کیونکہ ہمارے فارغ التحصیل علماء کا ذہن علوم وفنون سے تو کسی حد تک آشنا ہوتا ہے لیکن ان کا قلب تزکیہ وروحانیت سے خالی ہوتا ہے جس پر روشن خیالی، عقل پرستی اور تحقیق جدید کے عنوان سے شیطان کا بھی کوئی حملہ کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ شیطان کے حملوں سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے مدارس دینیہ کے طلباء کے اندر روحانیت کا بارود بھی بھریں اور ان کی اسلافِ دیوبند کے ساتھ پختہ نظریاتی نسبت بھی قائم کریں۔

﴿ کتب نصاب کا اصطباغ ﴾

ایک جہاندیدہ اور واقفِ حال بزرگ کا فرمان ہے کہ ہمارے مدارس دینیہ کے اندر معیار تعلیم کے تین دور گزرے ہیں پہلے دور میں کتابی ونصابی علوم طالب علم کو مکمل روحانی تربیت اور پوری محنت وحکمت کے ساتھ اس طرح ازبر کرائے جاتے کہ وہ اس کے دل ودماغ کے اندر راسخ ہوجاتے اور وہ محنت وریاضت کے ذریعہ حاصل ہونے والے اپنے علم وفہم کی بنیاد پر اپنے اساتذہ وشیوخ کی مسند تعلیم وتدریس کا واقعی وارث وامین قرار پاتا ماضی قریب میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے اکثر وبیشتر تلامذہ کو اس کیلئے بطور شہادت پیش کیا جاسکتا ہے ....دوسرے دور میں جب علمی شوق وجذبے سرد پڑنے لگے تو طالب علم کو کتابی ونصابی علوم وفنون کے اندر صرف چند غوطے دے دینا کافی سمجھا گیا تاکہ تعلیم وتدریس کے ذریعہ علم وحکمت کی مسندیں آباد نہ بھی رکھ سکے، تو کم ازکم وعظ ونصیحت اور دعوت تبلیغ کے ذریعہ محراب ومنبر کی رونقیں تو بحال رکھ سکے۔ چنانچہ دوسرے دور کی تیار کردہ کھیپ ہمارے سامنے بکثرت موجود ہے......لیکن تیسرے دور میں جب علمی ذوق وشوق پر کیفیت مرگ طاری ہونے لگی تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مدارس دینیہ کے اندر طالب علم کو علوم وفنون کے اندر غوطہ دینے کی بجائے اسے کتب نصاب کا صرف بپتسمہ واصطباغ دینا ہی غنیمت سمجھا گیا اور اسی پر اسے سند اصطباغ عطا کردی گئی۔ اب علم وفن سے کورے اس فارغ التحصیل طالب علم کا اگر خدانخواستہ اکابر واسلاف سے فکری تعلق بھی کٹ جائے تو اسے گمراہی وبے دینی کا راستہ اختیار کرنے سے کون بچا سکتا ہے؟ خوش قسمتی سے اگر وہ کسی جدید فتنہ کا موجد وبانی نہیں بنے گا تو بدقسمتی سے کسی قدیم وجدید فتنہ کا شکار ہوکر اس کا داعی وسرغنہ ضرور بن جائے گا۔ الا ماشاء اللہ...... گویا پہلا دور طالب علم کو علوم وفنون کے اندر غرق کرنے کا تھا، دوسرا دور اسے علوم و

فنون کے اندر صرف غوطہ دینے کا تھا۔ جبکہ تیسرا دور اسے صرف علوم وفنون کے چند چھینٹے دینے کا ہے خدا تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین یارب العالمین

مفتی صاحبؒ کے علم کی گہرائی

مفتی صاحبؒ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسے اکابر کا نام شامل ہے جن سے مفتی صاحبؒ نے علمِ حدیث حاصل کیا انہی اساتذہ کی صحبت وتوجہ نے مفتی صاحبؒ کے اندر یہ وصف پیدا کر دیا کہ ان کے علم کے اندر گہرائی تھی۔ وہ کسی بھی مسئولہ و پیش آمدہ مسئلہ کی تہہ تک پہنچتے، اور اس کے ممکنہ پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اسکا جواب دیتے۔ اس اعتبار سے وہ بجا طور پر اپنے اسلاف وشیوخ کے حقیقی علمی جانشین تھے اسلاف پر کامل اعتماد کی بنا پر ہی وہ اپنے اندر علمی گہرائی رکھتے تھے اور اسی علمی گہرائی کی وجہ سے ان کیلئے کسی قدیم وجدید فتنہ سے متأثر ومرعوب ہونا ممکن نہ تھا بلکہ وہ تمام فتنوں کے خلاف تحقیقاتِ اکابر کی روشنی میں ہی برسرِ پیکار رہے یہی وجہ ہے کہ جدت پسندی اور روشن خیالی کے اس دور میں جبکہ علماء ومشائخ کے علم وطریقت کو جُبہ ودستار اور موبائیل وپجارو کے پیمانہ سے ناپا جاتا ہے وہ قدامت پسندی میں اپنے اکابر کے سادہ اور بناوٹوں سے پاک مسنون طرزِ زندگی کا ایک عملی نمونہ تھے وہ وی، آئی، پی اور پروٹوکول نسل کے علماء میں سے نہ تھے بلکہ ان کے طرز زندگی کا ایک ایک لمحہ، ان کی تقریر وگفتگو کا ایک ایک جملہ اور ان کی تحقیق وتحریر کا ایک ایک مسئلہ ان کے علم وبصیرت کی شہادت دیتا ہے اور یہی شہادت علمی وعملی دنیا میں معتبر وقبول ہوتی ہے وہ مختلف رسائل وجرائد میں مفتیان جدید کے غیر تحقیقی مسائل کو دیکھ کر کڑھتے رہتے۔ ایک دفعہ ایک معروف اخبار میں شب برأت سے متعلق ایک مفتی صاحب کی تحقیق جدید پر (جو اکابر کے مسلک کے خلاف تھی) تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مفتی صاحب اصول تحقیق سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اکابر کی تحقیق کو نظر انداز کر کے بہت بڑی علمی ٹھوکر کھا گئے ہیں۔

فتویٰ میں اعتدال

ہمارے ہاں فتویٰ آج کل ایک شغل اور معاشی پیداوار کیلئے ایک کم خرچ وبالانشیں وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے جس میں فتویٰ کی بنیادی احتیاط کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا بلکہ بعض مقامات پر تو مفتی اور

مستفتی کے درمیان باقاعدہ نرخ طے پا کر فتویٰ کی نیلامی ہوتی ہے اس عمل سے مفتیان کرام کا وقار ہی نہیں بلکہ خود فتویٰ کی شرعی واخلاقی حیثیت بے آبرو ہو کر رہ گئی ہے۔فتویٰ فروشی کے علاوہ فتویٰ میں بے اعتدالی بھی فتویٰ کی اہمیت کو ختم کرنے کا ایک بھاری سبب ہے جو جذباتیت یا ذہنی شدت پسندی سے پیدا ہوتی ہے آج کل فتویٰ کی انہی بے اعتدالیوں کی وجہ سے بے شمار فتنے جنم لے رہے ہیں فتویٰ کے اندر جہاں نفسِ مسئلہ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، وہاں اس سے متعلق معروضی وسماجی حالات کو ملحوظ رکھنا بھی ناگزیر ہے بلکہ ہمارے اکابر تو فتویٰ سے متعلق اپنی ذہنی کیفیت کو بھی ملحوظ رکھتے تھے چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ سے آخر عمر میں جب انگریز کے خلاف فتویٰ طلب کیا جاتا،تو فرماتے کہ میرے دل کے اندر انگریز کے خلاف شدید نفرت موجود ہے ہوسکتا ہے کہ نفرت کی شدت کی وجہ سے میں فتویٰ کے اندر راہ اعتدال پر قائم نہ رہ سکوں لہٰذا فتویٰ کسی اور سے لے لو۔مفتی صاحبؒ فتویٰ نویسی میں بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر تھے وہ محض جذبات سے مغلوب ہو کر فتویٰ نہ دیتے اور ان کے فتویٰ میں اعتدال ہوتا تھا سرگودھا میں ان سے آخری ملاقات کے دوران ایک شخص نے منکرین حیات الانبیاؑء کے بارہ میں سوال کیا کہ وہ کافر ہیں یا مسلمان؟ فرمایا میرا فتویٰ وہی ہے جو دارالعلوم دیوبند سے جاری ہوا ہے کہ یہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔سائل نے کہا کہ وہ تو سماع موتیٰ کا قائل ہونے کی وجہ سے آپ کو کافر سمجھتے ہیں فرمایا کہ میں انہیں محض اس بنیاد پر تو کافر قرار نہیں دے سکتا کہ وہ مجھے کافر سمجھتے ہیں۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ فتویٰ کے معاملہ میں کس قدر محتاط تھے حالانکہ سرگودھا کے منکرین حیات الانبیاؑء نے ان کے خلاف جو طوفان بدتمیزی اٹھایا وہ کسی سے مخفی و پوشیدہ نہیں۔

مفتی صاحبؒ کے فتویٰ پر مفتی اعظم کا اعتماد

مفتی صاحبؒ کے فتویٰ میں اعتدال واحتیاط ہی کا نتیجہ تھا کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ جیسے اکابر کو بھی انکے فتویٰ پر اعتماد تھا چنانچہ مفتی اعظمؒ نے مفتی صاحبؒ کے ایک فتویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:''فتویٰ کی تحریر میں ان کے والد(حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ) کی جھلک نظر آئی ماشاءاللہ جواب صحیح وصواب ہے اور طرز تحقیق بہت مناسب ہے''مفتی صاحبؒ کیلئے مفتی اعظمؒ کی یہ تحریر اعتماد کامل کی حیثیت رکھتی ہے دراصل مفتی صاحبؒ کے اندر یہ احتیاط واعتدال اس وجہ سے تھا کہ انکے فتویٰ کی بنیاد ہمیشہ حکیم الامت حضرت

تھانویؒ کی تحقیق پر ہوتی اور تحقیق کے میدان میں حضرت تھانویؒ کا احتیاط واعتدال محتاج بیان نہیں۔

تحریک ختم نبوت میں حصہ

مفتی صاحب نے تمام فتنوں کے خلاف اپنی منصبی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھائیں یہی وجہ ہے کہ ۱۹۵۳ء میں جب قادیانیت کے خلاف تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو مفتی صاحبؒ نے بھی اس میں بھرپور حصہ لیا اور کئی ماہ تک پابند سلاسل رہے پھر ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی قیادت میں پوری طرح شامل رہے جب پاکستانی پارلیمنٹ (قومی اسمبلی) نے آئینی طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تو مفتی صاحبؒ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے میں بنیادی کردار ادا کرنے پر ضیغم اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کو مبارک باد کا خط لکھا۔

فقیہ العصر اور قائد اہل سنت

فی زمانہ مسلک دیوبند کی روشنی میں ہر قسم کے فتنوں کی سرکوبی کیلئے من حیث الجماعت اگر کسی تنظیم کی خدمات قابل تحسین وتقلید قرار دی جاسکتی ہیں تو وہ تحریک خدام اہل سنت والجماعت ہے۔ مفتی صاحبؒ کا تحریک خدام اہل سنت سے اگرچہ تنظیمی تعلق نہ تھا، لیکن مختلف فتنوں کے خلاف تحریک کے نظریاتی لٹریچر وموقف کو مفتی صاحبؒ کی تائید وحمایت ہمیشہ حاصل رہی ہے اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ (امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان وخلیفۂ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کے ساتھ ان کا تعلق تادم آخر قائم رہا حتیٰ کہ جب محمود احمد عباسی کے یزیدی گروہ کے خلاف قائد اہل سنت نے تحریری محاذ سنبھالا تو مفتی صاحبؒ نے عباسی اور اس کے ہمنواؤں کے نظریات کو خارجی نظریات قرار دیتے ہوئے قائد اہل سنت کے موقف کی بھرپور تائید فرمائی جو شائع ہو چکی ہے مسلک دیوبند پر پوری استقامت اور ہر قسم کے فتنوں کے خلاف مکمل ذہنی ہم آہنگی کی وجہ سے جہاں مفتی صاحبؒ قائد اہلسنت کی تحریرات کے مؤید تھے وہاں قائد اہلسنت کو بھی مفتی صاحبؒ کی تحقیق وفتاویٰ پر پورا اعتماد تھا خدا تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کی تحریرات وتحقیقات کو امت کیلئے ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنائے اور دونوں کے متعلقین کو پورے خلوص واعتماد کے ساتھ باہمی معاونت کی توفیق بخشے نیز مفتی صاحبؒ کے فرزند وجانشین حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ کو ان کی جانشینی کا حق ادا کرنے اور ان کی مسند علم وتحقیق کی آبرو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حالات وواقعات

محترم جناب سید شمشاد حسین صاحب ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ احقر کے ماموں تھے اور حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ میرے ماموں کے بڑے صاحبزادے تھے جنہیں ہم بھائی جان کہا کرتے تھے۔ ہمارا خاندان قیام پاکستان سے قبل پنجاب کے ضلع کرنال کے ایک قصبہ ''گمتھلہ گڑھو'' میں مقیم تھا حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ سہارنپور میں رئیس المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد تھانہ بھون حضرت حکیم الامت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کافی عرصہ تک خانقاہ میں بطور مفتی کام کرتے رہے اس اثناء میں آپ کے گھر والے بھی آپ کے ہمراہ تھے یوں حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کو بچپن سے ہی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی صحبت اور تربیت حاصل رہی وہیں پر قرآن پاک حفظ کیا اور ابتدائی کتب بھی وہیں پر پڑھیں بہت ذہین اور جوہر قابل تھے اس زمانہ کی باتیں آپ کو یاد تھیں اکثر ان کا تذکرہ فرماتے اور خوش ہوتے حاضرین بھی بے حد محظوظ ہوتے دورۂ حدیث کیلئے دیوبند میں داخل ہوئے اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے حدیثیں پڑھیں اور سند فراغت حاصل کی یوں آپ میں تھانویؒ اور مدنیؒ کا محبت بھرا امتزاج تھا مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے بیعت ہونے کا قصہ خوب مزے لے لے کر سنایا کرتے اور فرمایا کرتے کہ لوگ مولانا تھانویؒ اور مولانا مدنیؒ کے اختلافات کی بات کرتے ہیں وہ محض ان کا سیاسی اجتہاد تھا ورنہ ایک دوسرے کو دل وجان سے چاہتے تھے چنانچہ جب حضرت مدنیؒ ایک بار گرفتار ہوئے تو حضرت تھانویؒ بہت افسردہ ہوئے اور فرمایا ''آج معلوم ہوا کہ مجھے مولانا مدنیؒ سے کتنی محبت ہے''

قیام پاکستان سے قبل ہی حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ کو اپنے والد ماجدؒ کے ساتھ عمرہ اور حج پر جانے کی سعادت نصیب ہوئی اور وہاں تقریباً ایک سال تک قیام رہا مسجد نبویؐ کے اندر رمضان المبارک کی راتوں میں آپ کو نوافل میں قرآن پاک سنانے کا شرف حاصل ہوا قیام پاکستان سے قبل شاہ آباد کے قصبہ میں اپنے والد ماجدؒ کے ''مدرسہ حقانیہ'' میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور قیام پاکستان کے بعد ضلع سرگودھا کے قصبہ ساہیوال میں ''مدرسہ حقانیہ'' کی بنیاد رکھی اور تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ فتاویٰ کی خدمت سے اہل شہر اور علاقہ بھر کو نوازا۔ حضرتؒ کو میں نے ہمیشہ اپنا پیر ومرشد تسلیم کیا ہے سب سے پہلے انہی کے شفقت بھرے ماحول میں پلا بڑھا ہوں قرآن پاک کے دو تین شروع کے پارے بھی حضرت سے پڑھے ہیں اس لحاظ سے حضرت میرے استاد بھی ہیں ویسے رشتہ کے اعتبار سے میرے ماموں زاد بھائی ہوتے ہیں اس لئے ہم سب آپ کو بھائی جی ہی کہا کرتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم رحمہ اللہ تعالیٰ

قیام ہندوستان کے دوران امی جان کے ساتھ کئی بار ماموں کے گھر گمتھلہ جانا ہوا مگر چھوٹے ماموں عبدالرحیم شاہ صاحب اور مولوی عبدالحئی شاہ صاحبؒ کی زیارت ہوتی تھی جبکہ بڑے ماموں جان سید مفتی عبدالکریم صاحبؒ کے متعلق یہی سنتے تھے کہ وہ پڑھنے پڑھانے کے سلسلہ میں تھانہ بھون شاہ آباد یا کسی دور جگہ پر ہیں اس وقت میری عمر ہی کیا تھی شاید صرف ۵ سال کی عمر ہو بہر حال پاکستان بننے سے پہلے بڑے ماموں جان اور حضرت والا کی زیارت نہ ہوسکی پاکستان بننے کے بعد ہم لوگ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پہنچے اور حضرتؒ کا پورا خاندان ساہیوال قصبہ ہذا میں مقیم ہوا تقریباً ایک سال تک ہم لوگ کوٹلی لوہاراں میں رہے اس اثناء میں میری دو پھوپھیوں ایک خالہ زاد بہن اور ایک ہمشیرہ کی شادی کے سلسلہ میں بڑے ماموں جان حضرت مفتی صاحبؒ اور دیگر حضرات کوٹلی لوہاراں تشریف لائے مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت والا نہیں آئے تھے وہ شاید انتظامات کیلئے ساہیوال میں ہی رہ گئے ہوں بہرحال حضرت ماموں جان کی یہ پہلی زیارت تھی جو میں نے کی چاند جیسا چمکتا چہرہ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ جیسا قد البتہ جسم حضرت کا قدرے سڈول تھا داڑھی بالکل سفید یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہمارے گھر میں کسی فرشتہ کا نزول ہوا ہے نکاح وغیرہ سے فارغ ہوکر حضرتؒ صحن میں ایک چار پائی پر لیٹ گئے قبلہ رخ کروٹ لی میں کھیلتا کھیلتا حضرتؒ کی طرف گیا تو

دیکھا کہ حضرتؒ لیٹے ہوئے رو رہے ہیں میں نے دوڑ تے ہوئے آ کر امی جان کو بتلایا کہ ماموں رو رہے ہیں خدا جانے غریب الوطنی کا احساس تھا یا حضرتؒ کو خیال آ رہا تھا بس مجھے اتنا ہی یاد ہے پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد ہم لوگ بھی ساہیوال آ گئے حضرتؒ نے ہمارے لئے یہ مکان جس میں اب ہم رہتے ہیں روک رکھا تھا اجمیر شریف والوں نے اس مکان پر اپنا تالا لگایا ہوا تھا حضرت مفتی صاحبؒ نے بڑی کوشش سے ہمیں اس عالیشان مکان میں رہائش پذیر کرایا ہمارے یہاں آنے کے چند ماہ بعد ہی حضرت مفتی صاحبؒ اللہ کو پیارے ہو گئے البتہ مسجد شہانی میں سردیوں کے موسم میں ایک جلسہ کا نقشہ مجھے یاد ہے حضرت مفتی صاحبؒ ہلکی سی رضائی اوڑھ کر تشریف لائے منبر پر رونق افروز ہوئے اور تقریر فرمائی یہ مجھے یاد نہیں وہ جلسہ محرم کے سلسلہ میں تھا یا کوئی اور موقع تھا تقریر کا موضوع یا مضمون مجھے کچھ یاد نہیں کیونکہ اس وقت عمر ۶ یا ۷ سال سے زائد نہ تھی بس حضرت کا چہرہ اور نقشہ یاد ہے مولانا غلام غوث ہزاروی کو جب کبھی دیکھتا تھا حضرت ماموں جان یاد آ جاتے تھے پھر حضرتؒ کی وفات کی رات مجھے کبھی نہیں بھولے گی پورا شہر رات بھر آستانہ پر جمع رہا قیامت کا ایک منظر تھا ہم لوگ اپنے مکان کی چھت پر لیٹے ہوئے تھے جبکہ امی جان اور دوسرے بزرگ حضرتؒ کے ہاں ہی موجود تھے لوگوں کے رونے کی آواز ہمارے مکان تک آ پہنچی آپا جان ہڑ بڑا کر اٹھیں اور کہنے لگیں شاید ماموں جان اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں افراتفری میں سبھی لوگ حضرتؒ کے مکان کی طرف لپکے ہمیں بچہ سمجھ کر کوئی ساتھ نہ لے گیا بلکہ یہیں اپنے مکان پر رہنے کو کہہ گئے کہ صبح کو چلے آنا مگر نیند کسے آتی تھی آدھی رات کا وقت تھا رات چاندنی تھی میں اکیلا ہی حضرتؒ کے مکان کی طرف دوڑ پڑا راستہ کافی طویل ہے اس وقت کھنڈرات بہت تھے ان میں سے گذرتے ہوئے مجھے ڈر بھی لگ رہا تھا مگر میں ہانپتے کانپتے ہوئے حضرتؒ کے مکان پر پہنچا پوری گلی لوگوں سے بھری ہوئی تھی مقامی ومہاجر سبھی لوگ موجود تھے حضرت ماموں جان کے بارے تو بس مجھے اتنا یاد ہے۔ باقی رہے اپنے حضرت تو ان کی پوری جوانی اور بڑھاپا میرے سامنے گذرا ہے میں اپنے مکان کے تھڑے پر کھڑا تھا حضرتؒ گلی میں سے گذرے مجھے وہاں کھڑا دیکھ کر میری طرف لپکے میرا کان مروڑا اور فرمایا قرآن شریف پڑھنے کیوں نہیں آتے؟ یہ تھی حضرت سے میری پہلی ملاقات، ان دنوں حضرت والا اور ماموں جان مولوی عبدالحیٔ شاہ صاحبؒ ڈاکٹر رانا حیات والے مکان میں رہائش پذیر تھے اکثر وہاں جانا ہوتا تھا اور کبھی

کبھی ماموں کے ہاں ہی رات کو سو جاتے تھے میں نے اوپر کی چھت سے جب بھی جھانک کر دیکھا حضرتؒ لالٹین کے سامنے کتاب کھولے ہوتے کبھی لیٹے ہوتے کبھی بیٹھے ہوتے اور کبھی سینہ پر کتاب ہوتی اور حضرتؒ سوئے ہوئے ہوتے رات کے بارہ بجے سے قبل تو شاید ہی کبھی سوئے ہوں حضرت کی پوری عمر مطالعہ میں گذری ہے۔

مولانا چراغ دین مرحوم

مولانا چراغ دین صاحب ریتڑی والے اکثر مسائل پر مذاکرہ کرنے کیلئے آ جایا کرتے تھے ان کے ساتھ خوب گرما گرم بحث کیا کرتے تھے وہ بڑے سادہ اور متحمل مزاج شخصیت کے بزرگ تھے عمر میں حضرتؒ سے بہت بڑے تھے پرانے مناظر عالم تھے شیعوں کے ساتھ ان کے مناظرے مشہور ہیں ان کی تقریریں احقر نے کافی سنی ہیں ایک بات اب تک یاد ہے کہ تقریباً ہر مسئلہ پر یوں فرمایا کرتے تھے اگر شیعوں کی کتابوں سے یہ حوالہ ثابت نہ ہو تو زبان کاٹنی کٹانی منظور۔ حضرتؒ ہی نے فرمایا مولانا چراغ دین صاحب کا یہ معمول تھا کہ نماز مغرب کے بعد تقریباً بیس نوافل روزانہ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ مجھے خوب یاد ہے مولانا چراغ دین صاحب نے کسی کو مسئلہ بتلا دیا وہ لوگ حضرت کے پاس تصدیق کیلئے آئے تو حضرت نے مولانا کی تحقیق سے اختلاف کیا کچھ دنوں کے بعد مولانا آئے تو حضرتؒ نے شامی کھول کر مولانا کے ساتھ خوب مباحثہ کیا حضرتؒ علماء کے نہایت قدر دان ہیں مگر اصول پر غصہ آنا قدرتی بات ہے مجھے خوب یاد ہے حضرتؒ اس روز غصہ میں تھے اور فرمایا بے شک میں بچہ ہوں مگر میں نے دیوبند کے بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں یہاں بات دلائل سے چلے گی کسی کی ذاتی رائے کو نہیں چلنے دیا جائے گا مولانا چراغ دین صاحب مرحوم نے بالآخر آپ کے مؤقف کو تسلیم کرلیا۔

پیر محمد شاہ صاحبؒ

پیر محمد شاہ صاحبؒ باغ و بہار اور دبنگ بزرگ تھے وہ حضرتؒ کی دل سے قدر کرتے تھے حضرتؒ بھی ان کا بہت خیال فرماتے تھے ان کی محبت کی وجہ سے ہی حضرتؒ شہانی مسجد تشریف لائے تھے ورنہ یہ حقانیہ مسجد شروع ہی میں بن چکی ہوتی ان دنوں شہانی مسجد دو میناروں کے درمیان ایک چھوٹی سی مسجد تھی بائیں مینار کے ایک طرف غسل خانے تھے دائیں مینار کے باہر جھمٹی گیٹ کا ایک کمرہ تھا مقامی و مہاجر سبھی جمعہ میں کثرت سے یہاں آتے تھے اس لئے رمضان شریف کے علاوہ بھی مسجد میں جمعہ پر

لوگ نہیں سما سکتے تھے اور گلی میں صفیں بچھائی جاتی تھیں رمضان شریف کی تراویح حضرت پڑھا رہے تھے تراویح کے بعد پیر محمد شاہ صاحبؒ نے جھمٹی گیٹ کے اس کمرہ کی پشت کو دھکا دیا جس کی پیٹھ مسجد کے صحن میں تھی اور کہنے لگے قاری صاحب یہ کمرہ کب گرے گا اور مسجد میں شامل ہو گا حضرتؒ نے ہنستے ہوئے فرمایا شاہ جی بس آپ نے کہہ دیا ہے تو اب عنقریب ہی یہ مسجد کا حصہ بن جاوے گا چنانچہ جمعہ والے روز ایک ریزولیوشن ڈی سی کے پاس بھیجی گئی ڈی سی موقع پر آیا لوگوں کا مجمع دیکھ کر اس نے حکم دیا کہ اس کمرہ کو گرا کر یہ جگہ مسجد میں شامل کر لی جاوے پھر غسل خانوں کو بھی ایک طرف نکالا گیا یوں شہانی مسجد کی موجودہ وسیع صورت بنی حضرتؒ کی موجودگی میں ہی اندر باہر کے برآمدے تعمیر ہوئے اور پنکھے سپیکر وغیرہ سب لگے۔ حضرتؒ نماز پڑھا کر گھر جاتے تو احقر اکثر حضرتؒ کو مکان کے دروازے تک چھوڑنے جاتا ایک شام مغرب کی نماز کے بعد جب حضرتؒ اپنے مکان پر پہنچے تو سامنے سے شاہ جی کھونڈا لئے آ رہے تھے بڑے تپاک سے ملے حضرتؒ نے فرمایا شاہ جی اس مرتبہ تو کافی لمبے دورہ کے بعد تشریف آوری ہوئی؟ فرمایا ہاں ساہیوال والے تو کچھ دیتے لیتے نہیں باہر والے ہی اچھے ہیں مرغ بھی کھلاتے ہیں اور دانے بھی دیتے ہیں سال بھر کے دانے بنا لایا ہوں۔

﴿ امراء کے ساتھ برتاؤ ﴾

حضرتؒ اپنی شان عالمانہ کو کبھی کم تر نہ ہونے دیتے تھے امراء سے حضرت کو نہ نفرت ہے نہ محبت جو آ گیا اس سے بات کر لی جو نہ آیا اس کا کبھی ذکر کرنا بھی گوارا نہ کیا جب یہ لوگ آتے تو آپ کبھی کھڑے ہو کر ان کا استقبال نہ فرماتے بیٹھے رہتے یہ لوگ دوزانوں ہو کر بیٹھتے اور ادب سے گفتگو کرتے جناب نواب ذاکر قریشی، جناب نواب سعید قریشی، جناب پیر مقبول شاہ صاحب، جناب چوہدری علی شیر صاحب وغیرہ ان کی کسی غلطی پر کبھی ان کو معاف نہیں کیا مگر برسرِ عام کسی کے خلاف توہین آمیز گفتگو کرنا حضرتؒ کا شیوہ نہیں، چوہدری اور رانا وغیرہ کو کئی بار دیکھا کہ یہ سب لوگ ایسے بیٹھے ہوتے تھے جیسے ان میں جان ہی نہیں ایک الیکشن کے موقع پر جہانیاں شاہ کے شاہ صاحب اور ان کے لڑکے حضرتؒ کی خدمت میں آئے حضرت اپنی چارپائی پر بیٹھے رہے اور بیٹھے بیٹھے ان سے مصافحہ کیا شاہ صاحب تو خاموش رہے مگر ان کے لڑکے سے نہ رہا گیا اور کہنے لگے کہ ہم سید لوگ ہیں آپ نے ہمارا اکرام نہیں کیا حضرتؒ نے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کیا خیال ہے یہاں کوئی میراثی بیٹھا ہے؟ شاہ

صاحب نے اپنے لڑکے کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور عرض کی حضرت آپ کا بچہ ہے اسے معاف کریں ہم تو صرف دعا کیلئے حاضر ہوئے ہیں حضرتؒ نے فرمایا دعا تو ہم ہر وقت ہی کرتے ہیں حضرت نے ان کو کوئی موقع نہ دیا بالآخر اپنا سامنہ لے کر چلے گئے۔

﴿ اکابرین اور اساتذہ سے عقیدت ﴾

اکابرین اور اساتذہ سے عقیدت کا یہ عالم ہے کہ حضرتؒ کو اپنے اساتذہ کے پورے خاندان کے نام از بر یاد ہیں جونہی کسی بزرگ کا تذکرہ شروع ہو جاوے حضرت ان کے بھائیوں اور بچوں سب کے نام اور ان کے حالات سناتے وقت آنکھوں میں اکثر آنسو آ جاتے قاری فتح محمد صاحبؒ کا پتہ چلتا کہ سلانوالی آئے ہوئے ہیں گرمی ہوتی یا سردی فوراً سلانوالی کا سفر اختیار فرماتے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فیصل آباد تشریف لائے تو حضرتؒ وہاں پہنچے ڈھڈیاں تشریف لائے تو وہاں حاضری دی اس موقع پر احقر حضرتؒ کے ساتھ تھا حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کو کسی نے بتلا دیا کہ مفتی عبدالشکور صاحب ساہیوال سے آئے ہوئے ہیں حضرت ڈھڈیاں کی مسجد کے صحن میں چارپائی پر آرام فرماتے تھے فرمایا کہ عبدالشکور کو بلاؤ حضرت کی یہ عادت نہیں کہ بزرگوں کے آرام میں خواہ مخواہ مخل ہوں صرف زیارت اور مصافحہ کیلئے حاضری کی غرض ہوتی ہے چنانچہ بلانے پر حضرتؒ حاضر ہوئے تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے اپنی چارپائی پر اپنے پاس بٹھلایا اور خیریت پوچھی فالج کی وجہ سے شیخ الحدیثؒ کی بات ہماری سمجھ میں تو کچھ نہ آتی تھی البتہ حضرت ان کی بات کو غور سے سنتے اور جواب دیتے بعد میں فرمانے لگے بس قیامت میں بھی اگر ان حضرات نے یونہی یاد فرمالیا تو بیڑہ پار ہو جاوے گا ورنہ ہمارے پاس کیا رکھا ہے تھانہ بھون سے یا انڈیا سے جونہی کوئی بزرگ لاہور تشریف لاتے آپ فوراً حاضری کیلئے سفر فرماتے۔

﴿ فرق مراتب ﴾

علماء میں بھی آپ فرق مراتب کا خیال فرماتے ہیں اپنے سے کم عمر اور کم مرتبہ طالب علموں کو اور علماء کو آپ صرف مصافحہ فرماتے اور کھل کر باتیں ہوتیں البتہ اپنے ہم عمر اور ہم مرتبہ علماء کو اپنے ساتھ تکیہ لگوا کر بٹھلاتے ہیں اپنے سے عمر میں اور درجہ میں بڑے حضرات کو آپ پورے اکرام کے ساتھ اپنی جگہ پر بٹھلاتے خود کھڑے ہو کر استقبال فرماتے اور دوزانوں ہو کر بیٹھتے ہم نے دیکھا ہے

چنانچہ میرے شیخ حضرت قاضی صاحب مدظلہ جب بھی تشریف لائے آپ نے ہمیشہ ان کا اسی طرح اکرام فرمایا جونہی آپ کو علم ہوتا کہ کوئی بزرگ کسی کے ہاں تشریف لائے ہیں تو آپ فوراً ان کے ہاں پہنچ جاتے چنانچہ ایک دو مرتبہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلویؒ چوہدری نظام الدین کے ہاں تشریف لائے تو آپ فوراً چوہدری صاحب کے مکان پر پہنچے اور حضرتؒ سے ملاقات کی بعد میں حضرتؒ خود ہی مدرسہ میں تشریف لائے اسی طرح دو مرتبہ میرے پیرومرشد حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے تو آپ پتہ چلتے ہی فوراً ہمارے مکان پر پہنچ گئے بعد میں حضرت قاضی صاحب بھی مدرسہ تشریف لے گئے حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی تشریف لائے ان کا انتظام ہم نے مدرسہ میں ہی کیا لیکن اگلے روز جب ناشتہ کیلئے حضرت جہلمیؒ بندہ کے غریب خانہ پر تشریف لائے تو حضرتؒ ان کے ساتھ تشریف لے آئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ علماء کی نظر میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھویؒ کے پاس جب کبھی آپ تشریف فرما ہوتے اور کوئی صاحب حضرت مفتی صاحبؒ سے مسئلہ پوچھتا تو آپ فرمایا کرتے تھے یہ علم کا سمندر تمہارے پاس بیٹھا ہے مسئلہ ان سے پوچھو، سلانوالی کے حکیم محمد شریف الدین صاحبؒ کرنالوی ایک مجاہد بزرگ تھے حضرت مدنیؒ کے خادم تھے وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ علم قاری عبدالشکور صاحب کا ہو جسم قاری جلیل الرحمٰن صاحب کا ہو اور ہمت میری ہو یہ تین چیزیں اگر ایک شخص میں اکٹھی ہو جائیں تو مزہ آ جاوے خود میرے پیرومرشد حضرت قاضی صاحب مدظلہم العالی حضرت قاری صاحب کے علم پر اعتماد فرماتے ہیں حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحبؒ نے تو نام لے کر بھری مجلس میں ایک مسئلہ کے متعلق فرمایا تھا کہ اس مسئلہ پر حضرت مفتی عبدالشکور صاحب کا فتویٰ یہ ہے یہ ارشاد غالباً اخبار میں بھی چھپا تھا۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور دیگر اکابرین سب حضرات آپ پر اعتماد فرماتے تھے حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ، علامہ دوست محمد قریشیؒ اور علامہ عبدالستار صاحب تونسوی مدظلہ یہ سب حضرات ساہیوال تشریف لاتے رہے اور حضرت سے بے حد محبت فرماتے رہے حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب چوکیرویؒ کو میں نے دیکھا مدرسہ کے دفتر میں بڑے محبت بھرے ماحول میں حضرتؒ سے باتیں کرتے رہے اور مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے زندگی میں بہت چاہا کہ حضرت ان کی موجودگی میں ان کے پاس ان کی جگہ کام کریں مگر ساہیوال کے حالات نے حضرتؒ کو وہاں جانے کی اجازت نہ دی ایک دو مرتبہ حضرتؒ تیار بھی ہوئے مگر ساہیوال کے احباب اور بزرگوں کا یہی مشورہ رہا کہ حضرتؒ کے چلے جانے کے بعد یہاں کا کام چلنا بہت مشکل ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات یاد آئی جب ایک مرتبہ یہ بات مشہور ہوئی کہ حضرتؒ کراچی جا رہے ہیں تو جھمٹ گیٹ پر پیر منظور شاہ گیلانی مجھے ملے اور کہنے لگے کہ گو میرا اور قاری صاحب کا مسلکی اختلاف ہے مگر خدا کیلئے آپ لوگ ان کو کراچی نہ جانے دینا جب سے میں نے یہ سنا ہے مجھے بہت افسوس ہوا ہے پورا شہر اور علاقہ علم کی دولت سے محروم ہو جاوے گا یہ بات کہتے ہوئے شاہ جی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

پاکستان کے علمی حلقوں میں آپ کسی تعارف کے محتاج نہ تھے اس کا تجربہ احقر کو بارہا ہوا جھنگ میں حضرت مولانا صادق حسین شہیدؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالحلیمؒ، حضرت مولانا حق نواز جھنگویؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ ہمارے اکابرین میں سے ہیں سرگودھا میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحبؒ، سلانوالی میں حضرت حکیم شریف الدین صاحب کرنالویؒ، شاہ پور صدر میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مظاہریؒ اور خوشاب میں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ کو ہمیشہ آپ کے حق میں رطب اللسان پایا۔

ایک بار ایک کام کے سلسلہ میں سرحد جانے کا اتفاق ہوا دریائے اٹک سے آگے ایک جگہ بس رکی تو ایک بڑی عمر کے عالم بس میں سوار ہوئے میری سیٹ پر ایک خالی جگہ تھی چنانچہ قدرتی طور پر وہ میرے ساتھ بیٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد تعارف شروع ہوا اور انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ احقر نے قصبہ ساہیوال کا نام لیا تو ان کے چہرہ پر ہلکا سا تبسم اور خوشی کی لہر دوڑ گئی، فرمانے لگے آپ کے قصبہ میں ایک بہت بڑے جید عالم حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ہیں احقر نے عرض کیا وہ میرے ماموں زاد بھائی ہیں یہ سنتے ہی وہ بڑی محبت اور عقیدت سے فرمانے لگے کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں ان کی زیارت کروں مگر ابھی تک یہ موقع میسر نہیں آیا آج آپ کی زیارت ہو گئی یہ بھی غنیمت ہے اس کے بعد حضرت مفتی صاحب کے علمی کمالات اور آپ کی کتابوں کا تذکرہ جاری

رہااور سفر کا پتہ ہی نہ چلا۔

ایک بار حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے تو کراچی کے علماء نے ایک مسئلہ پوچھا حضرت نے فرمایا کہ کتابیں دیکھنے کیلئے وقت چاہئے اور سفر کے دوران یہ مشکل ہے کراچی سے لاہور تشریف لانے پر حضرت مہتمم صاحبؒ نے حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ سے اس مسئلہ کا ذکر فرمایا جس پر حضرت مہتمم صاحبؒ نے فرمایا ہم تو بوڑھے ہوگئے ہیں یہ کام تو مولانا مفتی عبدالشکور کے کرنے کا ہے چنانچہ جب حضرت حکیم الاسلام فیصل آباد میں تشریف لائے تو ہمارے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحبؒ زیارت وملاقات کیلئے حاضر ہوئے حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا ہم تو آپ کو آسمانوں میں ڈھونڈتے تھے آپ تو زمین پر ہی مل گئے اس کے بعد حضرت نے وہ مسئلہ آپ کے حوالہ کیا اور فرمایا اس کا حل چاہئے جب مفتی صاحبؒ نے فیصل آباد میں ہی بیٹھ کر ایک ہفتہ تک شب وروز اس مسئلہ پر تحقیق فرمائی اور مختلف کتابوں کے حوالہ جات کی روشنی میں مدلل اور شافی جواب پیش کیا تو حضرت حکیم الاسلامؒ اور دیگر اکابرین بے حد مطمئن اور خوش ہوئے۔

فکرآخرت اور دنیا سے بے رغبتی

موضع دادن نزد ساہیوال میں حضرت کی کچھ زرعی زمین ہے یہ جگہ ساہیوال سے تین میل ہے سالہا سال تک وہاں جانے کی نوبت نہیں آتی اکثر میرے دادا جان پیر جی ولی محمد اور حضرت کے چھوٹے بھائی جناب ماسٹر عبدالعلیم صاحب زمینوں پر چکر لگایا کرتے ہیں ایک مرتبہ دادا جان نے حضرت کو فرمایا کبھی زمینوں پر چکر لگالیا کریں فرمانے لگے اچھا کبھی جائیں گے چنانچہ اگلے ہفتے حضرت نے مجھے فرمایا کہ آج چکر لگا ہی آتے ہیں پہلے ہماری زمینوں پر تشریف لے گئے کیونکہ یہ راستہ میں ہی ہیں گندم کی فصل پکنے کو تیار تھی رنگ زرد ہو رہا تھا کھیتوں میں سے گذرتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری اور فرمایا فصل تیار ہے مگر خدا جانے گھر تک پہنچے بھی یا نہ جب تک گھر نہ پہنچے اس وقت تک اطمینان نہیں آتا کہ شاید اولے نہ پڑجاویں یا کوئی اور آفت نہ ٹوٹ پڑے اسی طرح انسان خواہ کتنے ہی نیک عمل کرتے کرتے بوڑھا ہو جاوے مگر جب تک خاتمہ بالخیر نہ ہو تسلی نہیں ہوسکتی اصل چیز خاتمہ بالخیر ہے گورنمنٹ کی سروس شروع ہونے سے پہلے چند ماہ تک سلانوالی کے مدرسہ حسینیہ حنفیہ میں احقر

بطور اردو مدرس پڑھاتا رہا ہے اس اثناء میں حضرتؒ سلانوالی تشریف لائے یہ ۱۹۶۱ء کی بات ہے انہی دنوں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کا انتقال ہوا تھا حضرت نماز عصر کے بعد ٹہلنے کی غرض سے شہر سے باہر کھیتوں میں نکل گئے احقر بھی ساتھ تھا حضرت مفتی صاحبؒ کا ذکر فرماتے ہوئے رونے لگے کافی دیر تک رقت کی حالت طاری رہی اور پھر گنگنانے لگے میں قریب ہی تھا میں نے غور سے سننے کی کوشش کی تو سمجھ میں آیا ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی　　　اب تو آ جا اب تو خلوت ہوگئی

دوسرے مصرعہ ''اب تو آ جا اب تو خلوت ہوگئی'' کو حضرت بار بار دہرا رہے تھے عجیب کیفیت تھی نام و نمود اور شہرت سے حضرت کو دلی نفرت ہے چنانچہ ظاہر تصوف یعنی پھٹے پرانے اور موٹے جھوٹے کپڑے یہ حضرت نے کبھی نہیں پہنے البتہ زیادہ قیمتی لباس بھی ہم نے حضرت کو پہنے کبھی نہیں دیکھا ایک عام آدمی کا لباس حضرت نے ساری عمر پہنا ہمیشہ سفید لباس زیب تن کیا نیلے پیلے اور رنگ برنگے کپڑے کبھی نہیں پہنے شلوار کرتا حضرت کا محبوب لباس ہے البتہ گرمیوں میں گھر پر کبھی لنگی بھی پہن لیتے ہیں ویسے لنگی ہر وقت پاس ہوتی ہے ایک آدھ مرتبہ پیوند لگا ہوا کرتہ بھی دیکھا ہے مگر عام طور پر ایسا نہیں ہوتا ٹوپی تو حضرت تھانویؒ کے سلسلہ کے سبھی بزرگ ایک ہی طرز کی اوڑھتے ہیں۔

﴿ دیوبندی بریلوی ﴾

دیوبندی بریلوی تصادم بھی حضرت کو پسند نہیں آپ کو اس سے دلی طور پر نفرت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ہمارا اصل جھگڑا شیعہ، مرزائی، پرویزی اور مودودیوں سے ہے دراصل فیصل آباد کے مولوی سردار احمد اور پنڈی کے مولانا غلام اللہ خان صاحب نے دیوبندی بریلوی مسئلہ کو اتنی ہوا دی کہ پورے ملک کی فضا پراگندہ ہو کر رہ گئی چنانچہ متشدد بریلویوں اور غلام خانیوں دونوں سے حضرتؒ کو ہمیشہ گلہ رہا بڑی حسرت سے اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اگر صحیح دیوبندیت لوگوں کے سامنے پیش کی جاوے تو لوگوں میں وحشت نہ رہے کیونکہ دیوبندیت ہی اصل میں حنفیت کی صحیح تصویر ہے اور بریلویت جہالت کا دوسرا نام ہے اور غلام خانی لوگ زیادہ خشک ہیں چنانچہ آپ اکثر یہ مثال دے کر سمجھایا کرتے ہیں کہ بریلوی ایسی روٹی کی مثال ہیں جس میں حد سے زیادہ گھی لگ گیا ہے اور غلام خانی ایسی روٹی کی مثال ہیں جس پر خشکہ زیادہ لگ گیا ہے جس کی وجہ سے دونوں روٹیاں معدہ کیلئے نقصان دہ ہیں جبکہ صحیح

دیو بندیت ایسی روٹی کی مثال ہیں جس میں مناسب گھی اور مناسب خشکہ لگا ہوا ہے جو کھانے میں بھی لذیذ ہوتی ہے اور معدہ کیلئے بھی مفید ہوتی ہے یعنی معتدل راستہ صرف اور صرف دیو بندیت ہی پیش کرتی ہے چنانچہ آپ نے پوری زندگی اپنے مشن کیلئے وقف کر دی۔ بریلویوں کے ماحول میں رہتے ہوئے دیو بندیت کی ایسی صحیح تصویر پیش کی جس سے اپنے تو اپنے غیر بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے بریلویوں نے سخت سے سخت واعظین کو دعوت دے دے کر دیو بندیوں میں جوش پیدا کرنے کی بے حد کوشش کی ہمارے اکابر پر کفر کے فتوے لگائے گئے مگر آپ نے اپنے مشن کو اپنے انداز میں جاری رکھا فرمایا کرتے ہیں یہ وقتی بادل ہیں برس کر چلے جاویں گے ان شاء اللہ حق حق ہے حق کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا چنانچہ ان کے مقابلہ میں آپ نے کبھی کسی تیز مولوی کو دعوت نہ دی بلکہ بعض غلام خانی احباب نے کئی بار زور لگایا کہ ایک آدھ تقریر مولانا غلام اللہ خان یا مولانا سید عنایت اللہ شاہ کی ہو جاوے مگر آپ نے ایسا ہرگز نہ ہونے دیا بلکہ مولانا غلام اللہ خان نے قرآن پاک کی جو تفسیر لکھی آپ نے اس کا رد لکھا اس میں اغلاط کی تصحیح ''ہدایۃ الحیران'' کے نام سے کتاب چھپوا کر علماء کی خدمت میں پیش کی جس کو ہمارے سب اکابر نے پسند فرمایا اور تقریظیں لکھیں علماء کے حلقہ میں اس کتاب نے تہلکہ مچا دیا اور متشدد لوگ بھی ششدر رہ گئے جبکہ بریلوی حضرات کے ساتھ بھی آپ نے معتدل رویہ اختیار فرمایا یعنی ان کی کسی غلطی کو معاف نہ فرمایا جونہی کوئی غلط بات سامنے آئی آپ نے چھوٹے بڑے کا خیال کئے بغیر ہمیشہ تردید فرمائی تحریر سے بھی اور تقریر سے بھی مگر انداز اپنے اکابر کا مدنظر رکھا چنانچہ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ بریلوی حضرات کی شدت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی اور حضرتؒ کے قریب آتے گئے اب خدا کے فضل سے پورے علاقہ اور شہر میں بڑی پیاری فضا پیدا ہو چکی ہے بریلوی حضرات کے اکثر بچے حضرت کے مدرسہ حقانیہ سے قرآن پاک پڑھ چکے ہیں اور پڑھ رہے ہیں یہاں وہ وحشت نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے داخل ہونے پر مسجدوں کو دھویا جاوے۔

دیہات میں جمعہ کا حکم

مسجد میاں نکے والی کے امام جناب حافظ فتح دین صاحب نے سنایا کہ ایک بار حضرت صاحب سیال شریف اور حضرت مفتی صاحب کے درمیان سیال شریف میں جمعہ ہونے یا نہ ہونے پر گفتگو ہوئی حضرت قاری صاحب کے خیال میں سیال شریف ان شروط پر پورا نہیں اترتا تھا جو شروط

جمعہ کیلئے حضرت امام اعظمؒ نے مقرر کی ہیں حضرت قاری صاحب کے اعتراض کرنے پر خواجہ صاحب نے یہ فرمایا کہ آپ کی بات ٹھیک ہے مگر امام اعظمؒ کا یہ بھی قول ہے کہ جہاں ایک بار جمعہ شروع ہو جاوے پھر اسے بند کرنا جائز نہیں اور چونکہ جمعہ میرے بزرگوں نے شروع کیا تھا اس لئے اب اس کو بند کرنا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ حضرت امام اعظمؒ نے اگر یہ فرمایا ہے تو اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جمعہ جب شروع ہوا تھا شروط کے مطابق صحیح شروع ہوا تھا یعنی اس وقت وہ ایک شہر یا ایسی آبادی تھی جس میں جمعہ جائز تھا مگر بعد میں سیلاب یا زلزلہ وغیرہ کی وجہ سے وہ شہر غیر آباد ہو گیا یہاں پر اب بھی جمعہ پڑھا جاسکے گا کیونکہ جمعہ کی ابتداءً صحیح اصولوں کے مطابق ہوئی تھی مگر سیال شریف سرے سے جمعہ شروع ہی غلط ہوا یہاں پر امام اعظمؒ کا فتویٰ لاگو نہیں ہوتا اس دلیل پر حضرت خاموش ہو گئے اور فرمانے لگے قاری صاحب آپ جیت گئے مگر میں یہ ہمت نہیں کرسکتا کہ اپنے بزرگوں کی شروع کی ہوئی بات کو چھوڑ سکوں۔

﴿ عید کا چاند ﴾

عید کے چاند کے بارے کئی بار اختلاف ہو جاتا تھا ایک دو بار تو ایسا بھی ہوا کہ چار میل دور سیال شریف میں عید ہوئی جبکہ ساہیوال میں روزہ رکھا گیا یا ساہیوال میں عید ہوئی اور سیال شریف میں روزہ رکھا گیا اس صورت حال سے سارے علاقہ میں بڑی بدمزگی پھیلتی تھی چنانچہ حضرت قاری صاحب نے حضرت خواجہ صاحب کو لکھا کہ ایک ہی علاقہ میں یہ کچھ اچھا نہیں لگتا کہ ہم دونوں حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر کم از کم چاند کے بارے تو ہمارا متفقہ فیصلہ ہونا چاہئے چنانچہ حضرت خواجہ صاحب نے اس کو پسند فرمایا خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اگلی ہی عید پر ایسی صورت پیدا ہوئی کہ پورے علاقہ میں صرف سرگودھا کی بلاک نمبر 1 کی جامع مسجد کے نمازیوں نے چاند دیکھا اور اس بنا پر پورے ملک میں عید منائی گئی حضرت خواجہ صاحب نے تحقیق کیلئے اپنے مفتی اور اپنے صاحبزادگان کو مدرسہ حقانیہ میں حضرت قاری صاحب کے پاس بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ آپ سب حضرات سرگودھا جا کر خود تحقیق کریں چنانچہ حضرت قاری صاحب نے احقر کو بھی ساتھ چلنے کو فرمایا ہمارے حضرت تو صاحبزادگان کی کار میں بیٹھے جبکہ احقر خانقاہ کے مفتی والی کار میں بیٹھا یوں ہم رات کے تقریباً دس بجے کے قریب سرگودھا پہنچے حضرت قاری صاحب نے قاری عبدالسمیع صاحب اور دیگر حضرات کے بیانات لئے اور پوری تسلی کی

قاری عبدالسمیع صاحب نے فرمایا کہ ہمارے ایک رشتہ دار پروفیسر صاحب ہمارے ہاں آئے ہوئے تھے وہ دوربین لے کر چھت پر بیٹھے رہے اور چاند دیکھنے کی کوشش کرتے رہے جونہی ہم لوگوں نے نماز مغرب ادا کی انہوں نے آواز دی کی چاند نظر آ گیا چنانچہ مسجد کے پورے نمازیوں نے جو کہ سینکڑوں کی تعداد میں تھے چاند دیکھا حضرت نے پوچھا چاند کس جگہ تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ حامد علی شاہ کی مسجد کے پاس جو پانی کی بڑی ٹینکی ہے اس کے اوپر سے چاند نظر آ رہا تھا اس کے علاوہ بھی ہمارے حضرت نے بہت سے سوال کئے اور مطمئن ہو گئے مگر سیال شریف کے مفتی صاحب کہنے لگے کہ میری تسلی نہیں ہوئی کیونکہ جم غفیر کی شرط پوری نہیں ہوئی ہمارے حضرت نے فرمایا کہ سینکڑوں لوگوں نے چاند دیکھا اور جم غفیر کیا ہوگا؟ وہ کہنے لگے بہر حال میری تسلی نہیں ہوئی اس پر صاحبزادگان کو بہت غصہ آیا وہ اپنے مفتی صاحب سے مخاطب ہوئے کہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی آخر آپ کی تسلی کیسے ہوگی؟ وہ کہنے لگے کہ حضرت ہماری تسلی ہوگئی مفتی صاحب کی تسلی ہو یا نہ ہو چنانچہ ہم لوگ اکٹھے واپس چلدیئے راستہ میں احقر نے سیال شریف کے مفتی صاحب سے پوچھا کہ آخر آپ کی تسلی کیوں نہ ہوئی؟ کہنے لگے یہ دیوبندی لوگ ہیں اس لئے ان کا کیا اعتبار ہے ساہیوال کے قاری صاحب پر تو ہمیں پورا اعتماد ہے مگر سرگودھا والوں کو ہم نہیں مانتے مجھے بڑی ہنسی آئی کہ عجیب مفتی ہیں میں نے عرض کیا کہ دیوبندی تو ضرور ہیں مگر کیا اتنا بھی خوف خدا نہیں کہ وہ خواہ مخواہ لوگوں کے روزے خراب کریں جب ساہیوال اڈے پر ہم لوگ پہنچے تو ہمارے حضرت نے فرمایا بس اب ہمیں یہیں اتار دیجئے مگر صاحبزادگان نہ مانے اور منت کرنے لگے کہ حضرت سیال شریف تو آپ کو جانا ہی پڑے گا ورنہ ہمارا مفتی نہ جانے خواجہ صاحب کو کیا بتلا دے چنانچہ ہم لوگ سیال شریف پہنچے رات کا تقریباً ایک بجا تھا خواجہ صاحب سو چکے تھے مگر حضرت قاری صاحب کی اطلاع ملنے پر آپ جاگ گئے اور اپنے کمرہ میں ہم سب کو بلا لیا خواجہ صاحب چارپائی پر بیٹھے ہمارے حضرت کیلئے کرسی منگوائی گئی باقی سب لوگ نیچے فرش پر بیٹھے وہاں پر خواجہ صاحب نے ہمارے حضرت سے پوچھا کہ آپ کی تسلی ہوگئی؟ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہاں میری تسلی ہوگئی پھر خواجہ صاحب نے اپنے مفتی سے پوچھا آپ کا کیا خیال ہے؟ وہ کہنے لگے مجھے تو اختلاف ہے خواجہ صاحب نے وجہ پوچھی تو وہ کوئی خاص وجہ نہ بتلا سکے اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا حضرت قاری صاحب کو تسلی ہوگئی ہے تو بس کافی ہے عید کا اعلان کردو۔

سیال شریف اور میٹھ کا امام بارگاہ والا جھگڑا تو بہت مشہور ہے اس موقع پر ہمارے حضرت نے بھرے جلسہ میں فرمایا تھا کہ اس جھگڑے میں اگر ضرورت پڑی تو ان شاء اللہ خون کا پہلا قطرہ ہمارا گرے گا شیعو تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارا مقابلہ صرف بریلویوں سے ہے نہیں اس محاذ پر دیوبندی بریلوی ایک ہوکر لڑیں گے اگر ہمارا کوئی اختلاف ہے تو وہ ہمارا فروعی اختلاف ہے اسے ہم اپنے گھر میں بیٹھ کر حل کریں گے تمہارے ساتھ ہمارا اصولی اختلاف ہے چنانچہ ساہیوال سے دیوبندی بریلوی جملہ افراد سیال شریف پہنچے حضرت خواجہ صاحب اکثر قاری صاحب کی اس جرأت کا برملا اعتراف کیا کرتے تھے۔

ایثار و قربانی کا جذبہ

ایک دفعہ لوکل مہاجر کا جھگڑا ہوا جس میں جھمٹی گیٹ سے باہر لوہاروں کی دکان پر ایک مہاجر کو قتل کر دیا گیا اس واقعہ سے دونوں فریق میں نفرت کی لہر دوڑ گئی اور انتقامی جذبات بھڑکنے لگے اس جذباتی ماحول میں رات کے کسی حصہ میں حضرت خواجہ صاحب مسجد شہانی میں تشریف لائے اور حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی کو بلا بھیجا حضرت مفتی صاحب اور حضرت خواجہ صاحب کی گفتگو ہوئی اس پر حضرت مفتی صاحب نے مقتول کے خاندان سے فرمایا کہ علاقہ کے بزرگ تشریف لائے ہیں اور معاملہ کو ختم کرنے کی سفارش کر رہے ہیں اب آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ سب مہاجرین نے یک زبان ہوکر یہی جواب دیا کہ آپ دونوں عالم ہیں اور بزرگ ہیں آپ بیچ میں آ گئے ہیں تو اب ہم بلا شرط آپ کا حکم مانتے ہیں اور صلح کی پیش کش قبول کرتے ہیں۔ یوں حضرت مفتی صاحبؒ اور حضرت خواجہ صاحب مل کر بڑے سے بڑے مسئلہ کو حل کر لیا کرتے تھے حضرت خواجہ صاحب کے انتقال کے بعد بھی حضرت کی اولاد سے حضرت مفتی صاحب نے وہی محبت اور شفقت کا برتاؤ رکھا صاحبزادگان نے بھی حضرت مفتی صاحب کو وہی مقام دیا جس کے وہ مستحق تھے چنانچہ موجودہ گدی نشین خواجہ حمیدالدین اپنے چھوٹے بھائی خواجہ نصیرالدین کی حمایت میں حضرت مفتی صاحب سے مدرسہ حقانیہ دعاء کرانے آئے تو حضرت کے بیٹھنے کیلئے جب جائے نماز پیش کی گئی تو انہوں نے جائے نماز کو لپیٹ کر اپنے سر پر رکھا اور کہا کہ آپ کی جائے نماز کی اصل جگہ یہ ہے۔ چنانچہ ساہیوال میں جب انتخابی جلسہ ہوا تو بھرے مجمع میں ہمارے حضرت مفتی صاحب نے صاحبزادہ نصیرالدین کی کھل کر حمایت کی اور یوں اللہ کے فضل سے وہ واضح اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب کے مزاج میں

ایک توازن تھا اور ہمیشہ افراط وتفریط سے بچتے رہے۔

حق تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل

توکل کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہوگی کہ حضرت نے اپنے مدرسہ کی خاطر کبھی ایک بار بھی چندہ کی اپیل نہیں کی نہ مدرسہ کا کوئی سفیر اور نہ ہی کبھی اشتہارات کے ذریعہ اپیل کی گئی بلکہ حضرت ہمیشہ یہی فرماتے ہیں کہ بچوں کا چندہ مانگتا ہوں پیسوں کا نہیں پیسے تو قدرت خود بھیجے گی اپنے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم کیلئے آپ لوگ بھیجیں، مدرسہ سے معمولی تنخواہ حضرت اپنے گھر کے گذارہ کیلئے لیتے تھے حالانکہ اتنے بڑے جید عالم کو دوسرے شہروں میں ہزاروں روپے کی پیش کش ہوتی ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت ایک بار کافی دنوں بیمار رہے تو گھر میں فرمانے لگے کہ اس ماہ میں مینے کام تو کیا نہیں تنخواہ کس بات کی لوں؟

جرأت ایمانی اور حق بیانی

حق بیانی کا اس سے بڑھ کر بین ثبوت کیا ہوگا کہ حضرت کو ہم سے زیادہ عزیز کوئی نہیں مگر جب ہمارے اپنے خاندان میں طلاق کا ایک مسئلہ چلا تو اپنے مذہب کی رو سے صحیح فتویٰ دیا اور پوری مخالفت کی جب اپنے گھر کا لحاظ نہ کیا تو آپ کسی غیر کی رعایت کیوں کرنے لگے آپ کی حق بیانی کے غیر اور اپنے سب قائل ہیں یہی اصل حقانیت کی دلیل ہے احقر شخصیت پرستی کا قائل نہیں اس لئے میں نے حضرت کی کرامات کا باب نہیں باندھا حالانکہ میرے سامنے تائید غیبی کے ایسے واقعات بھی موجود ہیں جن کو کرامات ہی کہا جا سکتا ہے مگر مجھے حضرت کی پوری زندگی میں سب سے اہم اور پرکشش چیز آپ کی حق بیانی ہی نظر آتی ہے جس نے آپ کی شخصیت کو نکھار کر رکھ دیا ہے۔

تبلیغِ دین کی سچی تڑپ

جن دنوں حضرت محلّہ وزیر پور کی شہانی جامع مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے تو آپ کا معمول تھا کہ نماز کے بعد کچھ دیر مصلّے پر بیٹھے رہتے۔ کسی نے کوئی بات پوچھنی ہوتی تو وہ قریب آ کر پوچھ لیتا اور اگر آپ نے کوئی بات بتلانی ہوتی تو احباب کو قریب قریب ہونے کا اشارہ کرتے اور تفصیل سے وہ مسئلہ بیان فرماتے۔ جوانی کے دن تھے۔ تبلیغ کا جذبہ بھی جوان تھا یوں چاہتے تھے کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے لوگوں تک وہ بات پہنچا دوں۔

ایک مرتبہ ظہر کی نماز کے بعد فرمایا کہ ذرا قریب قریب ہو جاؤ ہم لوگ قریب قریب ہو گئے تو فرمایا کہ کل رات شامی کا مطالعہ کر رہا تھا ایک مسئلہ نظر سے گذرا جی چاہا کہ آپ لوگوں کو بھی بتلا دوں مسئلہ یہ ہے کہ اگر قمیض کی آستینیں پہنچوں تک کامل ہوں تو ان کو مکمل کھول کر نماز پڑھنا چاہئے۔ گرمی کے موسم میں عام طور پر لوگ آستینیں چڑھا لیتے ہیں۔ اگر کہنیوں سے نیچے تک آستین چڑھی ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر آستین کہنیوں سے اوپر تک چڑھی ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں البتہ اگر آستین کہنیوں سے اوپر تک ہی سلی ہوئی ہو تو پھر مکروہ تنزیہی ہو گی۔

یوں مطالعہ کرتے وقت حضرت جو مسئلہ ضروری خیال فرماتے نمازیوں کو اس سے آگاہ فرماتے نماز بھی اتنے شوق سے سنتے کہ بعض اوقات ایک نماز سے دوسری نماز تک بات جاری رہتی اور دوسری نماز پڑھ کر ہی لوگ گھروں کو جاتے۔

گوشہ نشینی

آپ کی پوری زندگی مدرسہ یا گھر میں گذری ہے کسی کی شادی ہو یا غمی آپ کو کسی کے ہاں جاتے نہیں دیکھا بڑے بڑے چوہدریوں کی شادی ہو یا غریب کی آپ نکاح وغیرہ کسی دعوت میں ہرگز شامل نہیں ہوتے آپ فرماتے ہیں اگر ایک گھر جاؤں تو پورے شہر والوں کے ہاں جانا پڑے گا اتنی فرصت میرے پاس کہاں۔ البتہ کسی مرنے والے نے وصیت کی کہ میرا جنازہ حضرت سے پڑھوانا ہے تو آپ حتی المقدور مرنے والے کی اس وصیت کو پورا کرنے کی کوشش ضرور فرماتے ہیں۔

پچاس سال سے جس مکان میں رہائش پذیر تھے اس کی مرمت یا پلستر وغیرہ کی نوبت نہ آئی اس کی گنجائش ہی نہ تھی اور چند چارپائیوں اور بستروں کے علاوہ گھر میں کچھ اثاثہ نہیں لیکن حقانیہ مدرسہ حقانیہ مسجد اور حقانیہ عید گاہ کی شاندار عمارت آپ کے خلوص اور انتظامی صلاحیتوں کا زندہ ثبوت ہیں مدرسہ کیلئے سرکاری گرانٹ اور زکوٰۃ فنڈ سے کبھی کچھ لینا گوارہ نہ کیا مقامی ایم این اے اور ایم پی اے حضرات کے بار بار اصرار پر ہمیشہ انکار فرمایا زندگی کے آخری ایام میں علماء کے اصرار پر اسلامی نظریاتی کونسل کا عہدہ بھی اس شرط پر قبول فرمایا کہ کوئی معاوضہ یا تنخواہ نہ لوں گا حقیقتاً آپ اسلاف کا سچا نمونہ تھے۔ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا شکر ادا کرتے اور اکثر اللہ کے کرم اور احسانات کا ذکر فرماتے غیر اللہ سے تعلق بھی صرف دین کی خاطر رکھتے حساس اور غیور تھے شاید اللہ کو بھی آپ کی یہ ادا پسند آ گئی اور

آپ کو آخروقت تک کسی اور کی طرف دیکھنے کا موقع ہی نہ دیا۔ یکم جنوری ۲۰۰۱ء/۵شوال ۱۴۲۱ھ کو اپنے مدرسہ حقانیہ میں حسب معمول مغرب کی نماز تک سب نمازیں پڑھائیں اور مغرب کے بعد گھر تشریف لے گئے اور نماز عشاء سے قبل ہی اللہ نے اپنے بندے کو اپنے پاس بلالیا ایک لمحہ کیلئے بھی کسی بچہ کو یا گھر والوں کو تکلیف دینا گوارہ نہ فرمائی۔

شہر میں شیعہ سنی اور دیوبندی بریلوی اختلاف کو علمی حد تک رکھتے کبھی جنگ وجدال کی نوبت نہ آنے دی اسی لئے ہر مکتبہ فکر کے لوگ آپ کو امن کا داعی سمجھتے تھے چنانچہ آپ کی وفات کے موقع پر پورا شہر بند ہوگیا اور سبھی لوگوں نے اس مرد مومن کو خراج عقیدت پیش کیا اس علاقہ کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ اللہ کے فضل سے آپ کے پانچوں صاحبزادے سید عبدالصبور، سید عبدالغفور، سید مفتی عبدالقدوس، سید عبدالودود اور سید محمد عبداللہ سبھی حافظ قرآن اور علم دین سے بہرہ ور ہیں ان میں سے مفتی سید عبدالقدوس کو آپ کا قرب زیادہ نصیب ہوا سفر وحضر میں ہمیشہ انہیں اپنے ساتھ رکھا اور اٹھارہ سال تک فتویٰ کی تربیت سے نوازا مدرسہ کا انتظام وانصرام بھی ان کے حوالے کر دیا یوں اللہ کا کرم ہوا کہ آپ کی یہ جگہ خالی نہ رہی۔ آپ کے انتقال کے بعد ملک بھر سے علماء ومشائخ تعزیت کیلئے قصبہ ساہیوال تشریف لائے کندیاں سے تحفظ ختم نبوت کے سرپرست اعلیٰ خواجہ خواجگان اپنے صاحبزادگان کے ہمراہ تشریف لائے خیر المدارس ملتان کے مہتمم جناب مولانا محمد حنیف صاحب اور ملتان ہی سے مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالستار تونسوی صاحب مدظلہ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور مبلغ ختم نبوت اور جماعت کے روح رواں حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم فیصل آباد سے حضرت شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہ کبیر والا سے حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہم جھنگ، سرگودھا، سلانوالی چوکیرہ اور علاقہ بھر سے علماء کے وفود آرہے ہیں جبکہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ اور پیر طریقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم ضعف وکمزوری کی وجہ سے خود تشریف نہ لاسکے مگر اپنے صاحبزادگان حضرت مولانا قاضی ظہور حسین اور حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب کو نماز جنازہ کیلئے بھیجا حضرت مولانا عبدالحق خان صاحب کو تو خاص طور پر حضرت مفتی صاحب کے لحد میں اتارنے کے شرف سے حصہ ملا جبکہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ

کے خانوادہ کے چشم و چراغ شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم نے نماز جنازہ پڑھائی اور لوگوں کو صبر وتحمل کی تلقین فرمائی۔ان سب حضرات کی آمد سے اہل شہر اور اہل خانہ کو یقیناً صبر اور حوصلہ ملا اور ساتھ ہی حضرت مفتی صاحبؒ کی عظمت کا احساس بھی اجاگر ہوا اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو منور فرمائے اور فیض کا یہ چشمہ ہمیشہ جاری رہے آمین۔

﴿ محبّ الوطن اور سچے پاکستانی ﴾

پاکستان سے آپ کو بے حد محبت تھی اسے نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے ہمیشہ امن وسلامتی کیلئے کوشاں رہتے اور دعائیں کرتے حکمرانوں کو بھی گاہے بگاہے پرزور پند ونصائح سے نوازتے آپ کا تعلق دیوبند کے ان حضرات سے تھا جنہوں نے پاکستان کے بنانے میں سرتوڑ کوششیں کی تھیں آزاد مسلم ریاست کے حق میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خیالات ڈھکے چھپے نہیں ہیں چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے میں نے یہ آواز تھانہ بھون کی خانقاہ میں سنی ہے الہ آباد کا خطبہ اور قرارداد پاکستان سب بعد کی چیزیں ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ یہ سب حضرات پاکستان کے زبردست حامی اور بانی حضرات میں سے تھے لیاقت علی خان کو کامیاب کرانے اور صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے سلسلہ میں دور دراز کے اسفار کئے اور قریہ قریہ میں پاکستان کی حمایت میں تقریریں فرمائیں قائداعظم محمد علی جناح ان حضرات کی خدمات کے معترف تھے چنانچہ جب کسی صاحب نے یہ کہا کہ علماء کی اکثریت آپ کے ساتھ نہیں جس پر قائداعظم نے فرمایا کہ ایک عالم مولانا اشرف علی تھانوی میرے ساتھ ہیں جو ان سب مخالف علماء پر بھاری ہیں۔اسی لئے قیام پاکستان کے موقع پر پرچم کشائی کی رسم مغربی پاکستان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے کرائی گئی جبکہ مشرقی پاکستان میں پرچم کشائی کیلئے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کو بھیجا گیا ہمارے مفتی صاحبؒ کے یہ سب اساتذہ تھے اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ جو قائداعظم کو تبلیغ کرنے والے وفود میں شامل ہوئے تھے حضرت کے والد گرامی تھے یوں پاکستان سے محبت آپکی گھٹی میں پڑی تھی آپ پاکستان کو نعمت عظمیٰ فرمایا کرتے اور اس کی تعمیر وترقی کیلئے دل سے دعائیں کرتے اور کوشاں رہتے جو بات بھی قابل اصلاح سمجھتے اسے

حکمرانوں کی نظر میں لاتے چنانچہ ایوب خان کے عائلی قوانین ہوں یا بھٹو کا سوشلزم ہو آپ نے سب کی اصلاح کیلئے تعمیری قدم اٹھائے مضامین لکھے اور علماء سے مشاورت کے ذریعہ عملی جدوجہد کرتے رہے نواز شریف جب وزیر اعظم تھے تو ان کو بھی اپنی ہدایات کے خطوط لکھتے رہے علاقہ کے ایم این اے حضرات کو حکومت کی غلط پالیسیوں پر ڈانٹتے اور سرزنش فرماتے وہ حضرات بھی آپ کی تعمیری تنقید کو دل کی گہرائیوں سے قبول کرتے۔

۱۹۹۲ء کو ساہیوال میں فروکہ روڈ پر ۱۲ کنال رقبہ مدرسہ کی تعمیر کیلئے خریدا گیا تھا مگر گوناگوں مصروفیات اور اخراجات کی وجہ سے اس پر تعمیر کی نوبت نہ آئی حضرتؒ کے وصال کے بعد احباب کے مشورہ سے حضرت کا مزار اسی جگہ سے متصل قبرستان حقانیہ میں بنایا گیا اور اب احباب کے دل میں یہ تقاضہ پیدا ہوا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے قرآن پاک کی روحانی فضا میں آنکھ کھولی اور زندگی بھر دفتر سے متصل کمرہ سے قرآن پاک کی تلاوت سے محظوظ ہوتے رہے چنانچہ جب بھی دفتر کے کمرہ میں توسیع کی بات ہوتی تو حضرت یہی فرماتے کہ کچھ بھی ہو میں اس کمرہ کو اپنے سے دور نہیں کرنا چاہتا جس میں سے قرآن پاک کی مسحور آوازیں آتی رہتی ہیں، اب اسی فضا کو قائم رکھنے کیلئے مزار سے ملحق ایک کمرہ بنانے کا پروگرام بنا حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ہلکی سی تقریب کا انعقاد کیا گیا جس میں مفتی صاحب کی پرسوز اور دل میں اتر جانے والی تقریر ہوئی اور تقریر کے بعد فروکہ روڈ پر جامعہ حقانیہ کے شعبہ دارالقرآن کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ حضرتؒ کی رحلت کے صرف پچیس یوم بعد مفتی عبدالقدوس سلمہ کے ذریعہ حضرت اقدس کی خواہش پوری ہوئی والحمدللہ علیٰ ذالک۔

سیرت نگاری کا مقصد

احقر نے جو یہ چند واقعات یا حالات لکھے ہیں اس سے غرض محض اتنی ہے کہ ان واقعات کو احقر اور دیگر پڑھنے والے اپنے لئے مشعل راہ بناویں اگر ہم اپنی زندگیوں میں تبدیلی پیدا نہ کر سکے تو پھر سیرت لکھنے یا پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ایک شخص کی تعریف کرتے رہیں اور خود عمل کی کوشش نہ کریں اسی کو شخصیت پرستی کہا جاتا ہے بزرگوں کے حالات زندگی لکھنے کا دراصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہم ان کی پاکیزہ زندگیوں سے سبق حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطاء فرماویں۔ آمین

گلشن دیوبند کا مہکتا پھول

حضرت مولانا ابو معاذ قاری محمد رفیق صاحب مدظلہ جدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذیؒ کا شمار بھی گلشن دیوبند کے چند باقی ماندہ مہکتے پھولوں میں سے ہوتا تھا جو کہ اپنی علمی خوشبو سے ماحول کو معطر کر دیتے تھے اور ان کی اس خوشبو سے عوام لطف اندوز ہوتے اور پھر وہی خوشبو لاکھوں کیلئے باعث ہدایت بنتی تھی۔ مفتی صاحبؒ ہمارے اکابر میں ایک ممتاز عالم دین ہونے کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنے وقت کے جید عالم تھے بلکہ علم و عمل کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ کے پیکر بھی تھے، مفتی صاحبؒ کی وفات نہ صرف ساہیوال بلکہ پورے پاکستان والوں کیلئے بہت بڑا سانحہ ہے۔ آج مفتی صاحبؒ کو رحلت فرمائے ہوئے عرصہ دو سال گزر چکے ہیں لیکن ان کی مفارقت کا دل پر لگا ہوا داغ ابھی تک ویسے کا ویسے ہی ہے جو نہ جانے کب مٹے گا۔

راقم ۱۹۶۵ء میں دورہ حدیث سے فارغ ہوا اور اس کے بعد تدریس کے شعبے میں لگ گیا اور دس سال پاکستان میں تدریسی فرائض سرانجام دینے کے بعد اکابر کے حکم کے مطابق جدہ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ) منتقل ہو گیا، اور وہاں تدریسی سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس ہوا تو اس میں شرکت کیلئے ہندوستان پہنچا اور اس سفر میں بھی بہت سے اکابرین کی زیارت ہوئی لیکن مفتی صاحبؒ کی زیارت نہ ہو سکی۔

۱۹۸۵ء میں مفتی صاحبؒ کی زیارت کیلئے چند ساتھیوں کے ساتھ ساہیوال آیا اور مفتی

صاحبؒ سے تفصیلی ملاقات ہوئی اور کافی طویل علمی گفتگو ہوئی، مفتی صاحبؒ یقیناً ایک ایسی شخصیت تھیں کہ عوام کے علاوہ علماء کو بھی ان کے وجود پر ناز تھا اور جب بھی کوئی لا ینحل مسئلہ درپیش ہوتا تو سب علماء آپ ہی کی طرف رجوع فرماتے آپ اس کا ایسا تسلی بخش جواب عطا فرماتے کہ سائل کو اس مسئلہ کی کسی اور شق میں دیگر کسی بھی استفسار کی ضرورت نہیں رہتی، اس کے علاوہ آپ جب بھی کسی موضوع پر قلم اٹھاتے تو خوب لکھتے۔ آپ سے اللہ تعالیٰ نے جو دین کے مختلف شعبوں میں کام لیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے خصوصاً حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلے پر جو کام آپ نے کیا ہے وہ امت کیلئے نا قابل فراموش ہے آپ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے۔ ویسے تو آپ مملکت فتاویٰ کے بے تاج بادشاہ تھے اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان گنت صفتوں سے نوازا تھا جس میں آپ کی سادگی قابل ذکر ہے، اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مفتی صاحبؒ ہمارے اکابرین واسلاف کا نمونہ تھے اور وہ وضع وقطع، رہن سہن میں بھی ہمارے اکابرین واسلاف کے قدم بقدم تھے اور بے شک یہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وحکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی محنت اور ان کی دعاؤں کا اثر تھا جبکہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ کی سادگی اور تواضع وانکساری انہیں حضرات کی صحبت کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔

راقم ۱۹۹۸ء میں جب پاکستان گیا تو اس وقت بھی مفتی صاحبؒ کی زیارت کیلئے ساہیوال گیا تھا اور ایک دن وہاں قیام بھی کیا اور اس دوران حضرت نے اپنی چند تصانیف بھی بندہ کو عنایت فرمائیں اور اپنے ہاتھوں سے لکھا ہوا قرآن کریم بھی دکھایا جو کہ رموز میں (سات) قرأتوں پر مشتمل تھا جسے تقسیم سے قبل زمانہ طالب علمی میں پانی پت (ہندوستان) میں لکھا تھا اور یہ قرآن پاک سبعہ قرأتوں پر مشتمل ہونے کی حیثیت سے بھی اپنی خصوصیت وانفرادیت کی مثال آپ تھا۔ اور یہ بھی مفتی صاحبؒ کی علمیت وقابلیت کی واضح دلیل ہے، نیز اسی سفر میں حضرت والا رحمۃ اللہ نے بندہ کو قرأت سبعہ کی اجازت وسند بھی عطا فرمائی۔

﴿ عمرہ کیلئے سعودیہ آمد ﴾

۲۰۰۰ء میں آپ عمرہ کیلئے تشریف لائے اس موقع پر بھی آپ سے علمی استفادے کا بہت موقع ملا جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ نے استراحت کیلئے مدرسہ مصعب ابن عمیرؓ (جس

کو۱۳۹۵ھ سے ہندوستان و پاکستان کے اکابرین علماء وصلحاء کی استراحت گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے) کومنتخب فرمایا۔عمرہ سے فراغت کے بعد اپنی آمد کے تقریباً ہفتے بعد بروز منگل اپنے ساتھیوں سمیت مدینۃ المنورۃ برخوردار معاذ سلمہ کے ہمراہ تشریف لے گئے جبکہ راقم بھی مفتی اقبال صاحب تونسوی (رئیس شعبہ دارالافتاء مدرسہ مصعب ابن عمیرؓ) و برخوردار اسامہ سلمہ کے ہمراہ مدینہ المنورہ پہنچا اور حضرت سے ملاقات ہوئی چونکہ نماز عشاء کے بعد مذکورہ تمام حضرات مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحبؒ کے گھر عشائیہ پر مدعو تھے اس لئے سب نے نماز عشاء مسجد نبویؐ شریف میں ادا کی قاری احمداللہ وقاری عبداللہ صاحبان (جو کہ مسجد نبویؐ شریف میں مدرس ہیں) بھی مدعو تھے لہٰذا یہ بھی یہاں سے ساتھ ہو گئے اور مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحبؒ کی رہائش گاہ (حی المستراح) کی طرف روانہ ہوئے مفتی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی ،تبادلہ احوال اور کھانے کے بعد مفتی عاشق الٰہی صاحبؒ و مفتی عبدالشکور صاحب رحمہما اللہ کے درمیان موضوع حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گفتگو ہوئی جس پر مفتی عاشق الٰہی صاحبؒ نے مفتی عبدالشکور صاحبؒ کی اس موضوع پر مرتبہ کتاب (عقائد علماء دیوبند) کی بھرپور تائید فرمائی۔ واپسی پر حضرت کے چہرے پر کچھ تعب وعلالت کے آثار محسوس کئے جس کے استفسار پر حضرت نے جواباً فرمایا کہ طبیعت میں ثقل محسوس ہو رہا ہے جس کی وجہ سے قیام گاہ پہنچنے سے قبل راستہ میں (مسجد الاجابہ) کے بالمقابل واقع مستشفیٰ (ہسپتال) الانصار پر رُکے اور یہاں قاری عبداللہ وقاری احمداللہ صاحبان نے اپنے واقف ایک ڈاکٹر سے رابطہ کیا اور ڈاکٹر صاحب حضرت کو چیک کرنے کیلئے گاڑی میں آئے ، ڈاکٹر صاحب ماشاء اللہ باشرع تھے سنت کے مطابق قمیص اور پگڑی میں ملبوس تھے استفسار پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب ایم بی بی ایس ہونے کیساتھ ساتھ تبلیغی جماعت سے بھی اچھا خاصا لگاؤ رکھتے ہیں ، ڈاکٹر صاحب نے مفتی صاحب کا چیک اپ کیا اور دوائی تجویز کی ۔اگلے دن جمعہ تھا اور الریاض شہر سے ڈاکٹر سید عبدالواحد صاحب بھی مع اپنے اہل خانہ کے مفتی صاحب سے ملاقات کیلئے آئے ہوئے تھے ان سے ملاقات کے بعد نماز جمعہ سب نے الحمدللہ مسجد نبوی شریف میں ادا کی ۔

یہاں جدہ میں بھی ساتھیوں کا اصرار تھا کہ مفتی صاحب کی موجودگی میں کوئی دینی پروگرام منعقد ہونا چاہئے جس میں تمام حضرات کو مفتی صاحب کے ملفوظات سے مستفید ہونے کا موقع ملے

اوراس کے علاوہ سوالات وجوابات کی بھی ایک کھلی نشست ہولہٰذا یہ شرف بھی مدرسہ مصعب ابن عمیرؓ کوہی حاصل ہواچنانچہ مدینہ منورہ سے واپسی پر مدرسہ مصعب ابن عمیرؓ میں ایک دینی پروگرام منعقد کیا گیا جس میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور پہلے حضرت کے صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب نے تقویٰ کے موضوع پر بیان کیااس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے قرآن کریم کی اس آیت ''وكذالك اوحينا اليك روحا من امرنا'' اوراس حدیث ''الاان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذافسدت فسد الجسد كله الاوهی القلب '' کے تحت بہت مدلل ومفصل اور جامع قسم کا بیان فرمایا۔

۲۱/اکتوبر کوصبح ناشتہ کے بعدمفتی صاحب کوروانہ کرنے کیلئے ائرپورٹ گیا،سب مراحل سے بآسانی فراغت کے بعد۹/بجے مفتی صاحب کوروانہ کیا،اور یہ میری مفتی صاحب سے آخری ملاقات تھی۔

﴿ وفات حسرت آیات ﴾

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے افق پر مہر مبیں نہیں ہے
تیری جدائی میں مرنے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تیری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

۲/جنوری بروز اتوارعلی الصبح جدہ میں مقیم ساہیوال کے ایک ساتھی نے ٹیلیفون پراطلاع دی کہ مفتی صاحب وصال فرما گئے ہیں،ابھی ان کے یہ الفاظ سنے ہی تھے کہ فوری طور پر ہوش وحواس کھوبیٹھا،ساہیوال ٹیلیفون کیامگر رابطہ نہ ہوسکا،دوپہر ایک بجے کے قریب خبر کی تصدیق ہوئی اور گلشن دیوبند کا مہکتا ہوا ایک پھول اورمرجھا گیااوراپنے پیچھے پورے گلشن کواداس وسوگواراورروتے ہوئے چھوڑ گیا، اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنهآمین۔

بقلم ابومعاذ قاری محمد رفیق عفااللہ عنہ جدہ
المملكة العربية السعودية ۵/ذوالقعدہ۱۴۲۳ھ

مینارۂ عظمت

حضرت مولانا مفتی محمد حنیف خالد صاحب مدظلہ استاذ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفٰی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی امابعد:

میرے شیخ حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ کی ولادت ۱۱/رجب المرجب ۱۳۴۱ھ اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۳۶۲ھ میں ہوئی اس طرح گویا حضرت ترمذی کی عمر اکیس سال تھی جب حضرت تھانویؒ کا وصال ہوا یہ عمر خاصی شعور اور سمجھ کی ہوتی ہے اور پھر علم و فضل کے حامل خاندانوں میں تو چھوٹے چھوٹے بچے بھی ایسی فہم و دانش کے مالک ہوتے ہیں کہ عام خاندانوں میں بڑی عمر کے افراد بھی اس درجے کی فہم و دانش سے خالی ہوتے ہیں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانویؒ جیسے حکیم الامت مجدد ملت سے کیا کچھ حاصل نہیں کیا ہوگا۔

راقم الحروف کو حضرت والا کی زیارت کی سعادت سب سے پہلے اس وقت حاصل ہوئی جب بندہ جامعہ عثمانیہ شورکوٹ میں درجہ سابعہ میں زیر تعلیم تھا اور حضرتؒ جامعہ عثمانیہ کے سالانہ جلسہ میں غالباً پہلی دفعہ تشریف لائے تھے اس وقت تو صرف دور سے زیارت یا شاید مصافحہ کی ہی توفیق ملی تھی پھر آئندہ سال جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں جب بندہ درجہ دورہ حدیث میں تھا تو ''اختتام بخاری شریف'' کی تقریب میں بھی حضرتؒ سے مصافحہ کی سعادت ملی تھی اس کے بعد جب بندہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں تخصص کر رہا تھا تو اس وقت بھی حضرتؒ نے عمرہ سے واپسی پر چند دنوں کیلئے جامعہ

دارالعلوم کراچی میں قیام فرمایا تھا ان دنوں دارالعلوم میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا اجلاس بھی ہوا تھا جس میں تقریباً ملک بھر سے علماء ومفتیان کرام تشریف لائے ہوئے تھے حضرتؒ نے بھی اس میں شرکت فرمائی تھی۔ اسی دوران جب حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم اجلاس میں تشریف لائے اور حضرت سے ملاقات ہوئی تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم بہت خوش ہوئے اور غالباً فرمایا کہ آج تو پرانی یادیں تازہ ہوگئیں پھر دونوں حضرات اجلاس سے اٹھ کر خلوت میں جا بیٹھے اور کافی دیر تنہائی میں باتیں کرتے رہے۔

درجہ تخصص سے فارغ ہونے کے بعد بندہ نے جامعہ عثمانیہ شورکوٹ میں تدریس شروع کی تو وہاں بھی وقتاً فوقتاً حضرتؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا بندہ تدریس کے ساتھ ساتھ تھوڑا بہت فتوے کا کام بھی کرتا تھا اہم فتاویٰ بغرض اصلاح وتصدیق حضرتؒ کی خدمت میں بھی پیش کیا کرتا تھا حضرت کمال شفقت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے بہت جلد فتوے کی اصلاح وتصدیق فرمادیا کرتے تھے بعض اوقات بندہ اس غرض کیلئے اور بعض اوقات زیارت کی غرض سے جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا حاضر ہوجایا کرتا تھا۔ جامعہ عثمانیہ شورکوٹ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی حضرت سے جب بھی درخواست کی جاتی تو حضرتؒ باوجود ضعف وعلالت اور عوارض وموانعات کے درخواست قبول فرمالیتے تھے اور لمبا سفر کر کے جلسہ میں شرکت فرماتے تھے اور پھر مدرسہ کے طلباء واساتذہ کو اپنی قیمتی نصائح سے بہرہ ور فرماتے تھے اکابر دیوبند کا تذکرہ تو بڑے ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے خاص طور پر جب حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا ذکر خیر فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ گویا حضرتؒ کو ان دونوں عظیم شخصیتوں سے جنون کی حد تک عشق ہے۔ ایک دفعہ جامعہ عثمانیہ شورکوٹ میں خاص طور پر اساتذہ وطلباء کو خطاب فرمایا۔ یا اللہ ایسا علمی و پرمغز نکات پر مشتمل وعظ فرمایا کہ وعظ کے اختتام پر بندہ کے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ بس سیر ہوگئے اب کسی اور کے بیان سننے کی تمنا نہیں ہے۔

ایک مرتبہ بندہ نے شورکوٹ سے جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاذ الحدیث ونائب مفتی حضرت مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب زیدت معالیہم کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا اور اس میں لکھا کہ الحمدللہ یہاں تدریس وافتاء کا کام کررہا ہوں اور اہم فتاویٰ کی تصحیح کیلئے حضرت اقدس مفتی

عبدالشکور صاحب ترمذی دامت برکاتہم کی طرف رجوع کرتا ہوں تو مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہم نے جواب میں تحریر فرمایا ''تدریس وافتاء کے کاموں میں رہنا مبارک ہو یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اوراس کی رحمت خاصہ ہے کہ اس کام میں لگنے کی توفیق عطا کی حضرت مفتی عبدالشکور صاحب مدظلہم سے رابطہ رہنا نہ صرف مناسب بلکہ ضروری ہے اس اہتمام کو ترک نہ فرمائیں اس میں اپنے دین کی حفاظت کا بڑا سامان ہے''۔

حضرتؒ کی گفتگو لطائف ومعارف، اکابر کے حالات وواقعات اوران کے قیمتی اقوال سے پرُ ہوتی تھی ایک دفعہ حضرت تھانویؒ کا ملفوظ نقل فرمایا کہ تعبیر کی وجہ سے مخاطب پر ضرور اثر پڑتا ہے اگر تعبیر اچھی ہو تو مخاطب ضرور اچھا اثر لیتا ہے اور خوشی محسوس کرتا ہے اور اگر تعبیر اچھی نہ ہو بلکہ نامناسب ہو تو مخاطب اس کا اچھا اثر نہیں لیتا بلکہ الٹا چڑ جاتا ہے، کسی بوڑھی عورت سے اگر کہا جائے کہ اماجی پانی دیدو تو وہ بڑی شفقت سے پیش آئے گی اور پانی دیدے گی اور اگر اسی کو یوں کہہ دیا کہ میرے باپ کی جورو (بیوی) پانی دیدو تو وہ بہت زیادہ غصہ ہوجائے گی، دیکھئے بات ایک ہی ہے تعبیر کا کتنا فرق ہے۔

بندہ جامعہ عثمانیہ شورکوٹ میں تین سال رہا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کراچی میں پہنچا دیا یہاں دوسال پہلے جلسہ دستار بندی کے موقع پر حضرتؒ تشریف لائے اور ایک دن عصر کے بعد والی نشست میں علمأ، فضلأ، طلبہ، اکابر کے سامنے بڑا ہی عمدہ بیان فرمایا جس میں خاص طور سے اہل علم کی کمزوریوں کی نشان دہی فرمائی۔

آخری مرتبہ حضرتؒ سے ملاقات وفات حسرت آیات سے ایک دن پہلے ہوئی ۴؍شوال ۱۴۲۱ھ اتوار کے روز بندہ جامعہ حقانیہ ساہیوال میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس دن ساہیوال میں بارش ہورہی تھی بلدیاتی انتخابات بھی ہورہے تھے ظہر کے بعد تقریباً تین بجے حضرتؒ حسب معمول ہنس مکھ چہرے کے ساتھ مدرسہ حقانیہ کے گیٹ سے اندر داخل ہوئے بندہ نے بڑھ کر سلام عرض کیا حضرتؒ نے بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ سر پر ہاتھ پھیرا، خوشی کا اظہار فرمایا، دفتر میں تشریف لائے اتنے میں چائے آگئی الحمدللہ حضرتؒ کو چائے پیش کرنے کی سعادت بھی بندہ کو ملی پھر تنہا میں ہی حضرتؒ کی خدمت میں موجود تھا باقی سب حضرات باہر چلے گئے تھے حضرتؒ ووٹ ڈال

کر آئے تھے اور ہاتھ کے انگوٹھے پر ووٹ ڈالنے کا نشان لگا ہوا تھا فرمایا میں کبھی بلدیاتی انتخاب میں ووٹ ڈالنے کیلئے نہیں جاتا مگر اس دفعہ چونکہ سنیوں کے مقابلے میں شیعہ امیدوار الیکشن میں حصہ لئے ہوئے ہے اور مقابلہ سخت ہے اس لئے ووٹ ڈال کے آیا ہوں، عصر کی نماز تک حضرتؒ کی خدمت میں حاضری رہی حضرتؒ مختلف علمی باتیں ارشاد فرماتے رہے خاص طور پر ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کے اجلاسوں میں زیر بحث موضوعات سے متعلق بتاتے رہے دارالعلوم کراچی کا ذکر بھی درمیان میں ہوتا رہا یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا برادر محترم صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہم اور دوسرے چند اساتذہ وطلبہ دفتر میں ہی جمع ہوگئے اور حضرتؒ نے ہی عصر کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اجازت چاہی حضرتؒ نے فرمایا بارش ہو رہی ہے کیا گاڑی مل جائے گی؟ میں نے عرض کیا ان شاء اللہ مل جائے گی حضرتؒ نے اجازت دی اور میں آخری ملاقات کر کے وہاں سے روانہ ہوگیا، بس یہ بندہ کی حضرتؒ سے آخری ملاقات ثابت ہوئی اتوار کو شام کے وقت ساہیوال سے چلا رات کو تقریباً دس بجے شورکوٹ پہنچا درمیان میں پیر کا دن گذرا پیر اور منگل کی درمیانی شب میں اطلاع ملی کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ دار فنا سے دار بقاءؔ کی طرف رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بندہ جامعہ عثمانیہ کے دیگر اساتذہ کے ہمراہ جنازہ میں شرکت کیلئے جامعہ حقانیہ ساہیوال پہنچا حضرتؒ کا آخری دیدار کیا تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے دن بھر کا تھکا مسافر منزل مقصود پر پہنچ کر راحت و آرام کی نیند سو رہا ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وہ یادیں تھیں جو متفرق طور پر ذہن میں بکھری ہوئی تھیں جیسے بن پڑا غیر مربوط انداز میں انہیں کاغذ پر منتقل کر دیا۔

حضرت علم و فضل کے بحر بیکراں اور زہد و تقویٰ کے اوج کمال پر فائز ہونے کے باوجود تواضع ومسکنت، حد درجہ سادگی و بے تکلفی کا پیکر مجسم تھے، آپ اکابر دیوبند کے علم و فضل کے امین اور اس ملک کی گرانقدر شخصیات میں سے تھے آپ ملک کے تمام دینی حلقوں میں اپنے اخلاص و تقویٰ کی بناء پر ممتاز مقام کے حامل تھے فرق باطلہ کی تردید میں حضرتؒ کسی مصلحت بینی کے روادار نہ تھے بلکہ بلا خوف لومۃ لائم ہر غلط بات کی تردید کرنا گویا حضرتؒ کی طبیعت ثانیہ تھی مگر ان سب باتوں میں حضرتؒ کبھی اپنی بڑائی نہیں جتاتے تھے بلکہ انتہائی زیادہ تواضع و عاجزی اور حکمت کے ساتھ تحریر یا تقریر کی صورت

میں اپنا مدعا پیش فرمایا کرتے تھے، تواضع ہی وہ صفت ہے جو وصول الی اللہ کی دلیل ہے کیونکہ ؎

فروتنی است دلیل رسیدگان خدا   سوار چوں بمنزل رسد پیادہ شود

حضرتؒ میں اصاغر نوازی کی صفت بھی بدرجہ اتم موجود تھی کسی نے دین کا کوئی معمولی سا کام بھی کیا ہو کوئی فتویٰ لکھا ہو یا کوئی اور تحریر ہو یا کسی جگہ مدرسہ کی بنیاد رکھی ہو تو اس پر حضرتؒ کو ایسی خوشی ہوتی تھی کہ گویا اس نے آپ کی دلی تمنا کو پورا کر دیا ہے اپنے قول وعمل سے اس کام کے کرنے والے کی ہمت افزائی اور اس کی ترقی وکامیابی کی دعا کئے بغیر نہ رہتے تھے۔ تہہ دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ حضرت اقدس کی مغفرت کاملہ فرمائے قبر وآخرت میں درجات بلند فرمائے اور ہمیں حضرتؒ کی برکتوں سے محروم نہ فرمائے ہمیں بھی حضرتؒ کے نقش قدم پر چل کر علمی وروحانی میدان میں کچھ کر گذرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین

راقم کا حضرتؒ سے اصلاحی تعلق

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اللہ تعالیٰ کی ان برگزیدہ شخصیات میں شامل تھی کہ جن کے روحانی مقام علمی وعملی رفعت تک رسائی ہمارے جیسے کم سوادوں کا کام نہیں نحیف الجسم، خفیف الروح، مگر ایسی خوبیوں کے مالک کہ کوئی بھی حضرتؒ سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا، جس کو بھی زیارت وملاقات کا موقع ملا عقیدت ومحبت کے جذبات سے لبریز ہو کر اٹھا، بندہ نے دارالعلوم کراچی میں تخصص کے دوران استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زیدت معالیہم سے بڑی منت وسماجت کے بعد اصلاحی تعلق قائم کیا تھا مگر تخصص سے فراغت کے بعد شورکوٹ کے زمانۂ قیام میں حضرت مدظلہم سے باقاعدہ رابطہ نہ رکھ سکا کافی عرصے کے بعد ہمت کر کے حضرت دامت برکاتہم کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنی کم ہمتی اور کاہلی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ ''الحمد للہ بندہ حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرتا رہتا ہے اور فتوے کے سلسلے میں بھی حضرتؒ سے رجوع کی توفیق ملتی رہتی ہے'' حضرت والا دام مجدہم نے جواب میں اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور ساتھ ہی تحریر فرمایا کہ ''تم بیعت کا تعلق بھی حضرتؒ سے ہی قائم کرلو تو مناسب ہے کیونکہ قرب مسافت کی وجہ سے تمہیں حضرت سے رابطہ رکھنے میں سہولت رہے گی'' بندہ نے حضرت

مدظلہم کی اس رائے پرعمل کرنے کوغنیمت جانااورحضرت ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اس بارے میں عریضہ روانہ کردیا حضرتؒ نے کمال شفقت وعنایت کا معاملہ فرماتے ہوئے بندہ کی اس درخواست کوشرف قبول سےنوازافجزاھم اللّٰہ تعالٰی عنی خیرالجزاء اس کے بعدمتعدد بارحضرتؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی اور چندخطوط بھی لکھےجن کے جواب حضرتؒ نے خوداپنے دست مبارک سےتحریرفرمائےصدافسوس ہےاس پرکہ اپنی نااہلی ونابکاری کی وجہ سےحضرتؒ کی ہدایات پرکماحقہٗعمل نہ کرسکااورظاہری وباطنی اصلاح کےسلسلے میں کوئی خاطرخواہ فائدہ نہ اٹھاسکا تاآنکہ حضرت والاہمیں چھوڑکراپنے خالق حقیقی سے جاملے، اناللہ واناالیہ راجعون۔

اس سلسلہ کےسب سے پہلے خط کے جواب میں حضرتؒ والا نےتحریرفرمایا''جس خدمت کیلئے مجھے کہاجارہاہےاگرچہ اس کیلئے مناسب دوسرےحضرات ہی ہیں لیکن جس قدرہوسکےگامشورہ سےدریغ نہ کروں گاان شاءاللہ تعالیٰ''نیزتحریرفرمایا''تبلیغ دین اوربہشتی زیورکاساتواں حصہ زیرمطالعہ رہے اوراپنے حالات کوان سے ملاتے رہیں قصدالسبیل یااس کی تسہیل میں سے عالم مشغول کامعمول دیکھ کراس پرعمل شروع کردیاجائے اللہ تعالیٰ اصلاح ظاہروباطن کی توفیق عطافرمائیں مزیدبرآں کچھ وقت نکال کرحضرت حکیم الامت تھانویؒ کےمواعظ ہی زیرمطالعہ رہیں توبہتر ہے۔ واللہ الموفق والمعین .

سیدعبدالشکورترمذی عفی عنہ ۱۴۱۶/۹/۲۸ھ

جب جامعہ دارالعلوم کراچی میں بندہ کاتقررہواتو میں نے ایک خط حضرتؒ والا کی خدمت میں ارسال کیا حضرتؒ نے اس کا جوجواب تحریرفرمایااس کے چنداقتباسات یہ ہیں:

مکتوب: جامعہ عثمانیہ شورکوٹ کے اساتذہ کرام کی ناراضگی کاشدید ذہنی بوجھ ہے۔ جواب: طبعًا ایساہوناچاہئے کہ وہ بھی محسن ہیں۔مکتوب: میں نے یہاں تین سال کےعرصۂ قیام میں الحمدللہ ان حضرات کی کبھی دانستہ کوئی بےادبی نہیں کی۔جواب: ماشاءاللہ قابل شکربات ہے۔ مکتوب: اب صرف میرے یہاں سے چلے جانے پربےحدنالاں ہیں۔جواب: یہ بھی ان کی محبت کی دلیل ہے ناخوش ہونا بھی اس کاایک پہلو ہے کہ اس کا سبب ان حضرات کی محبت ہے یہی مراقبہ اس کاعلاج ہےاحقر بھی دل سے دعا کرتا ہے کہ آپ کواوران حضرات کوایک دوسرے سے

مطمئن ہونے کی سبیل پیدا ہو جائے اب وہاں معاملہ طے ہو چکا ہے عمل تو اسی پر مناسب ہے باقی دعائے خیر ہر حال میں کرتے رہیں کہ میرے لئے جو بہتر ہو اس کے اسباب مہیا کر دیئے جائیں، والسلام

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

۸ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

﴿ تقریظ حضرت والاؒ ﴾

بندہ نے ''تقبیل مزارات کے عدم جواز'' پر ایک رسالہ لکھا تھا جو ہنوز طبع نہیں ہوا اس پر حضرت والا نے یہ تقریظ تحریر فرمائی تھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احقر عزیزم مولانا محمد حنیف صاحب خالد سلمہ مفتی جامعہ عثمانیہ شورکوٹ ضلع جھنگ کی یہ تحریر ''تقبیل مزارات'' کے بارہ میں اول سے آخر تک بغور سنی ماشاء اللہ تحریر جامع اور کافی بسط سے لکھی گئی اور اشکالات کی رافع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول و نافع فرمائے اور شافی فرمائیں وماذالك علی اللّٰہ بعزیز

اصل یہ ہے کہ تقبیل مزارات کا مسئلہ فقہاء کرام نے بہت پہلے طے کر دیا ہوا ہے اور وہ اس کو ممنوع اور ناجائز قرار دے رہے ہیں اب فقہاء کرام کے فیصلے کے خلاف براہ راست کسی حدیث یا اثر سے استدلال کرنا مقلد کا منصب نہیں ہے یہ غیر مقلدی اور عدم تقلید ہے جو ایک تقلید کا دعویٰ کرنے والے طبقہ کیلئے کسی طرح مناسب نہیں ہے اس طبقہ کو فقہاء کرام کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے ان کے فیصلے کے خلاف اجتہاد کر کے امت میں بدعت کا راستہ کھولنا اور عدم تقلید کو فروغ نہیں دینا چاہئے بندہ کے نزدیک یہ تحریر حق وصواب ہے۔ والحق احق ان یتبع ،واللہ الموفق والمعین ۔

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا
۲؍ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

حضرتؒ سے یادگار ملاقات

حضرت مولانا حافظ عبدالقدوس قارن مدظلہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیک بندوں کے ساتھ ایک مجلس بھی زندگی کی ایک یادگار بن جاتی ہے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کا اکوڑہ خٹک میں اجلاس تھا بندہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانولہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اجلاس میں شرکت کیلئے گیا۔

میری خوش قسمتی کہ ایک ساتھی نے مجھے آ کر بتلایا کہ ساتھ والے کمرہ میں ایک مولانا صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں میں نے اس سے دریافت کیا کہ کون ہیں مگر اس نے لاعلمی کا اظہار کیا میں جلدی سے اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک بزرگ شخصیت اٹھ کر میری جانب بڑھ رہی ہے مجھے شرمندگی ہوئی کہ حضرت نے ایسا کیوں کیا پھر اچانک خیال آیا کہ یہ میرا اعزاز نہیں بلکہ جس شخصیت کے ساتھ میری نسبت ہے اس کا احترام ہے مجھے بلانے والی شخصیت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب ترمذیؒ تھے حضرت فرمانے لگے کہ میں نے آپ کے آرام میں خلل ڈالا مگر میں ضروری بات آپ سے کرنا چاہتا تھا اور وقت بھی مناسب تھا اس لئے آپ کو بلا لیا پھر فرمانے لگے صبح اجلاس شروع ہوگا بڑے بڑے حضرات اکٹھے ہوں گے ان کے سامنے مسئلہ پیش کرنا چاہیے کہ آپ حضرات مسئلہ حیات النبیؐ کے بارہ میں گومگو کی پالیسی ترک کر کے ٹھوس انداز میں اپنی پالیسی واضح کرنی چاہئے اور اس کیلئے ہم نے آپس میں کچھ طریق کار طے کیا مگر اجلاس میں حضرت مولانا محمد رمضان صاحب میانوالی علیہ الرحمۃ نے اس مسئلہ کو ایسے انداز سے بیان کر دیا کہ ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ حضرت ترمذیؒ کے درجات بلند فرمائے اور ان کے صاحبزادگان کو ان

ہی کی طرح دین کی بے لوث خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حیات طیبہ کے چند پہلو

حضرت مولانا مفتی محمد شاکر صاحب مدظلہم فاضل دارالعلوم کراچی

پہلی حاضری اور اس کا اثر

احقر کو حضرت اقدسؒ کی خدمت میں پہلی مرتبہ حاضری کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب میں جامعہ دارالعلوم کراچی سے ۱۴۱۵ھ میں فارغ ہوکر گھر آیا اور تخصص فی الفقہ کے ارادہ سے جامعہ حقانیہ پہنچا اس سے قبل حضرت کی زیارت نہیں ہوئی تھی اور تعارف بھی زیادہ نہیں تھا پہلی مجلس اتنی مؤثر اور دلنشیں تھی کہ بندہ حضرت کا دلدادہ ہوگیا آپ نے جس انداز سے اس محفل میں اکابرین دیوبند کے مسلک ومشرب کی وضاحت فرمائی اور جس کیفیت اور سرور سے ان کے واقعات سنائے اس کا لطف آج تک قلب وجان میں محسوس ہوتا ہے اس مجلس کا فوری اثر یہ ہوا کہ احقر نے آپ کی خدمت میں رہنے کا عزم مصمم کرلیا دل نے یہی شہادت دی کہ حضرت کی صحبت کیمیا اثر ہے، یہاں رہ کر جہاں علمی فائدہ ہوگا وہیں باطن کی اصلاح بھی ہوگی اور ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کی دولت بھی نصیب ہوجائے گی چنانچہ تخصص میں داخلہ کی درخواست پیش کی جسے از راہ عنایت و شفقت قبول فرمالیا اس پر جو مسرت ہوئی وہ ناقابل بیان ہے جب مجلس ختم ہوئی اجازت لیکر چنیوٹ واپس آ گیا اور ضروری سامان لے کر ایک دو روز کے بعد پھر حاضر خدمت ہوگیا۔ الحمدللہ حضرت اقدس سے علمی استفادہ کے ساتھ سال بھر مجلس میں حاضر ہوکر آپ کی تعلیمات اور اکابر کے مزاج و مذاق سے متعلق آپ کے ارشادات عالیہ سننے کا موقع ملتا رہا جو میرے لئے یقیناً باعث شرف ہے۔ مجلس مبارک کا حال یہ تھا کہ جو ایک دفعہ اس میں بیٹھ جاتا اس کا دل اٹھنے کا نام ہی نہ لیتا حضرت اقدس ایسا

مسحور فرما دیتے کہ سامعین بے خود ہو جاتے تھے ملفوظات کی حلاوت انداز بیان کی لذت ایک عرصہ تک محسوس ہوتی رہتی تھی آپ کا ارشاد ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق تھا۔

تواضع اور سادگی

حضرت اقدس کی تواضع وانکساری کا عجیب عالم تھا جو ہم جیسوں کیلئے قابل تقلید اور بہترین نمونہ ہے کہ آپ علمی و عملی تبحر اور بے مثال تفقہ اور تعمق و بصیرت اور فراست و جامعیت کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے حالانکہ آپ کو حسبی نسبی شرافت و سیادت کے ساتھ بچپن سے ہی مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانویؒ قدس سرہ کے دربار عالی میں رہنے اور پھر سہارنپور و دیوبند جیسی عظیم علمی درسگاہوں میں وقت کے شیوخ سے استفادہ کا شرف حاصل تھا اس کے ساتھ تصوف و سلوک میں حضرت مفتی حسن صاحب اور حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے اصلاحی تعلق کے علاوہ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہما سے باقاعدہ اجازت و خلافت حاصل کیے ہوئے تھے مگر بایں ہمہ آپ نے اپنے آپ کو ایسا مٹایا اور گم کیا ہوا تھا کہ کبھی بھی اپنے خلیفہ مجاز ہونے کا ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہی پیری مریدی کا سلسلہ جاری کیا بلکہ جو شخص اس کی درخواست کرتا اسے مشہور حضرات اکابرین میں سے کسی کا نام بتا دیتے۔ آپ کی ذات گرامی اس شعر کا مصداق تھی ؎

تو در و گم شو وصال ایں است و بس　　　گم شدن گم کن کمال ایں است و بس

اسی طرح سادگی کی حالت بھی قابل دید تھی کہ نہ کوئی تصنع نہ کوئی تکلف نہ جبہ نہ قبہ اور نہ ہی کوئی اعلیٰ لباس بلکہ نہایت سادہ لباس زیب تن فرماتے عرصہ دراز تک استری کے بغیر ہی کپڑے استعمال فرماتے رہے جمعہ کے روز کپڑے ضرور تبدیل فرماتے مگر غسل میں صابن تیل وغیرہ کبھی استعمال نہیں کیا۔ نشست و برخاست اور استراحت میں بھی سادگی کی انتہا تھی آج بھی وہ کمرہ جس میں آپ کی نشست گاہ تھی اسی طرح سادہ نظر آتا ہے جس طرح آپ کی زندگی میں تھا کہ نہ اس میں کوئی آرائش کا سامان ہے نہ زیبائش کا بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اتنی بڑی جامع شریعت وطریقت شخصیت نے کبھی اپنی ذاتی آرائش کا سامان جمع نہیں کیا بلکہ آپ کو اس کی طرف توجہ بھی نہ تھی اس کے باوجود اشاعت دین کے تمام امور آپ انجام دیتے رہے برخلاف ہم لوگوں کے کہ تمام زندگی زینت و زیبائش میں گزار دی بقول

شخصے کہ حضرت جیسے خود یادگار اسلاف تھے ایسے ہی ان کا طرز معاشرت بھی سلف کی یادگار تھا۔

﴿ استغناء اور توکل ﴾

جو اہل مدارس چندہ کے سلسلہ میں پریشان رہتے ہیں کہ ہمارے پاس رقم نہیں ہے جبکہ ہم نے اتنے کمرے تعمیر کرنے ہیں ان چندہ کنندگان کے متعلق حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے کہ یہ بیچارے بلاوجہ پریشان ہیں کیونکہ یہ کسی کتاب میں نہیں ہے کہ اتنا بڑا مدرسہ بنانا فرض ہے زیادہ پیسہ ہو تو زیادہ کام کرلو کم ہو تو تھوڑا کام کرلیا جائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے کام یعنی تعلیم میں مشغول ہو جانا چاہئے لوگ اصل کام کرتے نہیں اس لئے پریشانی ہوتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب انسان اللہ پر توکل کرکے بیٹھ جاتا ہے تو حق تعالیٰ خود اس کی مدد فرماتے ہیں آپ نے وصایا میں بھی یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ ''جب اللہ کی رضا کیلئے اس کے دین کے کام میں بندہ لگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے خزانہ غیب سے وہ کچھ دیتا ہے کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا'' پھر سمجھانے کیلئے یہ مثال بیان فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے ہر انسان کا رزق مقدر فرمادیا ہے جو اسے ہر حال میں مل کر رہے گا اسی طرح ہر مدرسہ کا رزق بھی مقدر فرمادیا ہے جو اسے ضرور ملے گا پھر بے طریقہ چندہ کیلئے پریشان نہیں ہونا چاہئے اس میں دین کی بھی بدنامی ہوتی ہے۔

﴿ نصرت غیبی کا ایک واقعہ ﴾

ایک مرتبہ کراچی جارہے تھے ادھر مدرسۃ البنات کیلئے جامعہ سے متصل جگہ خریدی ہوئی تھی مگر ابھی تک اس پر عمارت نہیں بنی تھی اسی دوران ایک روز بندہ ناچیز گھر تک چھوڑنے کیلئے آپ کے ہمراہ جامعہ سے باہر نکلا سامنے ہی مدرسۃ البنات کی جگہ تھی حضرت جب وہاں پہنچے تو مسکرادیئے اور پھر دعا فرمائی کہ اللہ یہ تیرے دین کا کام ہو رہا ہے اس کو مکمل فرمادے یہ آپ کے حوالے ہے اس کے بعد کراچی تشریف لے گئے مگر حضرت کی اس دعا کی برکت اس قدر جلد ظاہر ہوئی کہ آپ کراچی سے تشریف لائے تو یہ عمارت تقریباً مکمل ہو چکی تھی حضرت نے اسے دیکھ کر حق تعالیٰ کا بے حد شکر ادا فرمایا۔

﴿ ذوق تصنیف وتالیف ﴾

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی مطبوعہ غیر مطبوعہ تالیفات مضامین ومقالات کی تعداد ڈیڑھ صد کے قریب ہے تصنیف کا کام کس قدر مشکل اور دل جمی ویکسوئی کا متقاضی ہے اس سے اہل علم وقلم

خوب واقف ہیں مگر آپ نے یہ تمام ذخیرہ ایک ایسے چھوٹے سے کمرہ میں تحریر فرمایا جو کتب خانہ بھی تھا اور دارالاہتمام و دارالافتاء بھی اس کام کیلئے کوئی جگہ مخصوص نہیں فرمائی اور نہ ہی کسی ٹیبل وغیرہ مخصوص سامان کا اہتمام فرمایا۔

حضرات اکابرؒ سے عقیدت ومحبت

حضرت اقدسؒ کو حضرات اکابرؒ سے بے حد محبت تھی آپ کی مجلس میں ہر وقت اکابر کا تذکرہ جاری رہتا۔ حضرت اقدسؒ کی مجلس حضرات اکابر کے ملفوظات اور واقعات سے معطر رہتی اور اس مبارک تذکرہ کے دوران اکثر آپ آبدیدہ رہتے، بلاشبہ حضرت اقدسؒ اپنے اکابرؒ کے سچے عاشق تھے یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ کو بزرگوں کے واقعات، حالات، ملفوظات بہت یاد تھے ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ان کے حافظ ہیں۔ آپ علمی اور عملی کمالات میں بھی اکابرؒ کا نمونہ تھے اسی وجہ سے آپ نمونۂ اسلاف اور یادگار اسلاف کے لقب سے یاد کئے جاتے حقیقت یہی ہے کہ آخری وقت تک خواہ حالت صحت ہو یا مرض اکابرؒ کا تذکرہ آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا، اکابرؒ کا تذکرہ آپ کا مزاج اور طبیعت ثانیہ بن چکی تھی کہ کوئی مجلس اکابرؒ کے تذکرہ سے خالی نہ ہوتی تھی بندہ کو حضرت اقدسؒ کے اسی وصف نے بہت متأثر کیا دوران طالب علمی حضرت اقدسؒ کی مجلس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا ہم پہلے تخصص فی الفقہ کے ارادہ سے آئے تھے لیکن مجلس سے متأثر ہو کر ارادہ یہ کر لیا تھا کہ نصاب مکمل ہو یا نہ ہو اس میں مہارت حاصل ہو یا نہ ہو حضرت کی مجلس ہمارے لیے سب کچھ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تخصص ہمارے لئے بہانہ بنا مقصود حضرت اقدسؒ کی مجلس ہی تھی۔ الحمدللہ ہر چیز میں اعتدال کا سبق تو دارالعلوم کراچی کے اکابر اور اساتذہ کرام سے حاصل کر لیا تھا حضرت کی خدمت میں آ کر اکابرؒ کا مزاج و ذوق اور مسلک و مشرب اکابرؒ کے حالات و واقعات سے آگاہی ہوئی اسی سے اکابرؒ کا تعارف ہوا اور ان سے عقیدت ومحبت اور اتباع کا شوق پیدا ہوا۔ حضرت اقدسؒ کی صحبت اور دارالعلوم کراچی کی برکت سے اب یہ طبیعت بن چکی ہے کہ اکابرؒ کے مزاج و ذوق اور مسلک و مشرب کے خلاف کام کرنے کو تو دل ہی نہیں چاہتا والحمد للہ علی ذالك اگر ان حضرات کی مجلس وصحبت میسر نہ ہوتی تو نہ جانے ہم گمراہی کے کس گڑھے میں جا گرتے۔ اس موقع پر حضرت اقدس کا ایک ملفوظ یاد آیا فرمایا کہ ’’اگر مجھے ان اکابر کی صحبت میسر نہ ہوتی اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے اور تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کی صحبت نہ ملتی تو

نہ جانے گمراہی کے کس گڑھے میں ہوتا'' وہ منظر اس وقت میرے سامنے ہے کہ یہ ارشاد فرماتے وقت حضرت اقدسؒ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اکثر ایسا ہوتا کہ جہاں اکابر حضرات کا تذکرہ آتا آپ آبدیدہ ہوجاتے۔ آپ عام مسائل وتحقیقات اور سیاسی اموراورتحریکات میں اکابر کے ذوق ومزاج اور مسلک ومشرب کو ہی اختیار فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین ونصیحت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی میں کامیابی ہے، آپ ساری زندگی عوام خواص کو اسی بات کی تعلیم اور درس دیتے رہے کہ اکابر علماء دیوبندؒ کے مسلک اور طریق کو اختیار کرو، اس سے خروج مت کرو، وگرنہ بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا یہ طرز عمل نہایت ہی عمدہ اور حرز جان بنانے کے قابل ہے۔

تفقہ اور دقت نظری

مثال: ایک مرتبہ ایک عورت بعد نماز عصر تعویذ کیلئے آئی (بندہ راقم) دروازہ پر گیا اور اس عورت سے کہا کہ آج حضرت اقدسؒ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کل آکر تعویذ لے جانا چنانچہ وہ عورت چلی گئی اور آکر حضرت کو اطلاع کردی تو حضرت اقدس نے اصلاح فرمائی کہ دیکھو یہ عورت آج اپنے اختیار سے آئی تھی اور جب آپ نے کہا کل آنا تو آپ کے کہنے کی وجہ سے آئے گی جو کہ صحیح نہیں اس لیے تمہیں یہ نہیں کہنا چاہئے تھا کہ کل آنا ہاں اس طرح کہہ دیتے کہ آج تعویذ نہیں ملے گا، یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ کل آجانا۔ یہ ہے حضرت اقدس کی دقت نظری کہ اتنی باریک اصلاح فرمائی یہ بات احقر کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھی۔

مثال: ایک مرتبہ چمچ سے کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ اگر ایسی چیز ہے کہ ہاتھ سے کھانا دشوار ہے جیسے کھیر وغیرہ تو فرمایا کہ چمچ کا استعمال جائز ہے مگر بعد میں ہاتھ سے برتن کو صاف کردو۔ یہ حضرت کی شان تفقہ ہے کہ دونوں چیزوں کو جمع کیا کہ اس طرح چمچ بھی استعمال ہوگیا اور برتن بھی صاف ہوگیا جن چیزوں میں چمچ کی ضرورت ہوتی ان میں آپ کا یہی معمول تھا۔

مثال: ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰہ الآیۃ کے متعلق فرمایا کہ !اس آیت سے معلوم ہوا اگرچہ معبودان باطلہ کو سب وشتم کرنا فی نفسہٖ جائز ہے مگر چونکہ یہ سبب بن جاتا ہے معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کو سب وشتم کا اس لئے یہ ممنوع قرار دیا گیا۔ فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ جائز کام جو سبب بن جائے حرام کام کا اس کا کرنا جائز نہیں پھر فرمایا اگر ہم فریق مخالف کے بڑوں کو گالی دیں گے برا بھلا

کہیں گے تو وہ ہمارے اکابر کو برا بھلا کہیں گے اس لیے ہمیں یہ طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے چنانچہ اس کے ثبوت میں قرآن پاک کی مذکورہ آیت کا مضمون واضح ہے۔

مثال: ایک آیت کا ترجمہ ہے! اے ایمان والو تم اللہ سے ڈرو اور صادقین کی صحبت اختیار کرو۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اللہ والوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے میں مواظبت کرو اور لفظ ''مع'' سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس میں معیت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس حکم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ والے تا قیامت موجود ہونگے اگرچہ تعداد میں کم ہوں۔

مثال: الید العلیا خیر من الیدالسفلیٰ کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

فرمایا اس حدیث میں ممانعت مانگنے سے ہے اور ''الید السفلیٰ'' سے یہی مانگنے والا ہاتھ ہے اگرچہ ممانعت ہدیہ لینے والے کیلئے نہیں مگر ہدیہ لینے والے کو چاہئے کہ ہدیہ کو اوپر سے پکڑے تا کہ صورتاً بھی ''الید السفلیٰ'' کا مصداق نہ بنے۔

مثال: سورۂ محمدؐ میں آیت ہے: فاما مناً بعد الآیة حضرت اقدسؒ نے اس آیت کے تحت فرمایا کہ یہ قضیہ مانعۃ الجمع ہے پھر فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ منطق کی ضرورت نہیں حالانکہ بہت ضرورت ہے اور اس سے زیادہ ضرورت یہ ہے کہ منطق کا قرآن وحدیث میں اجراء کرایا جائے۔

مثال: من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ اس حدیث میں منکر (برائی) کو روکنے کے تین درجے بیان کئے گئے ہیں (۱) تغییر بالید (۲) تغییر باللسان (۳) دل میں براجاننا یہ ادنیٰ درجہ ہے لیکن حضرت نے فرمایا تیسرے درجے فان لم یستطع فبقلبہ میں بھی تغییر بالقلب مراد ہے صرف دل میں برا سمجھنا کافی نہیں ہے پھر فرمایا کہ دل میں برائی روکنے کی تدبیر اختیار کرے اور کرتا رہے اس فکر میں لگ جائے کہ یہ برائی ختم ہو جائے اور سوچے کہ کس طرح یہ برائی ختم ہو گی یعنی دل میں برائی کو براجاننا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ختم اور دور کرنے کی تدبیر بھی کرنی چاہئے بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اس کی یہی تشریح کرتے ہیں۔

وعظ ونصیحت کا طرز

حضرت اقدس کا وعظ بہت ہی شگفتہ اور دل فریب ہوتا تھا دل یہ چاہتا تھا کہ سنتے ہی رہیں

گویا کہ علم وعرفان کی بارش ہورہی ہے آپ کے بیان سے قلوب کی خوب اصلاح ہوتی ہے تقریر میں بڑی متانت ہوتی آیات کریمہ اور احادیث نبوی کی دل کش تشریح اور نکات علمیہ اور معارف سے تقریر معطر ہوتی اور جس موضوع کو اختیار کرتے اس کو مختلف پیراؤں میں دلائل کے ساتھ مکمل فرماتے۔ اس حالت ضعف اور نقاہت میں بھی طویل طویل وعظ ارشاد فرماتے عموماً فرمایا کرتے تھے کہ میں بیمار ہوں اور ڈاکٹروں نے تقریر کرنے سے منع کیا ہوا ہے اور مجھے آتا جاتا بھی کچھ نہیں ہے لیکن جب بیان فرماتے تو معلوم ہوتا کوئی بیماری نہیں کوئی ضعف نہیں یہ اصل میں روحانی قوت تھی حالانکہ کافی عرصہ سے آپ دل کے مریض بھی تھے اس موقع کی مناسبت سے یاد آیا کہ حضرت اقدسؒ سالہا سال سے جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے جلسہ میں شرکت فرماتے تھے اور تقریر بھی فرماتے تھے ایک مرتبہ آپ نے وہاں اس عنوان پر بیان فرمایا کہ ''مجھے کچھ نہیں آتا'' حضرت کے متعلق طلباء میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ مجھے کچھ نہیں آتا حالانکہ اس وقت حضرت نے تقریباً دو گھنٹے طویل بیان فرمایا تھا احقر (راقم) نے حضرت اقدس کو ایک مرتبہ خوش طبعی میں عرض کیا کہ حضرت طلباء آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں ''کہ مجھے کچھ نہیں آتا'' تو حضرت اقدسؒ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے واقعی مجھے کچھ نہیں آتا اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ کاش یہ دولت ہمیں بھی نصیب ہوجائے کہ ہم بھی سمجھنے لگیں کہ ہمیں کچھ نہیں آتا۔

سیاسی بصیرت

حضرت اقدس ضرورۃً سیاست میں بھی حصہ لیتے اور قومی صوبائی الیکشن میں ''دوقومی نظریہ'' کی بنیاد پر دیگر کئی شرائط کے ساتھ صحیح العقیدہ مسلمان کی تائید کرتے آزاد ممبر اور پیپلز پارٹی کے نمائندوں کی قطعاً تائید نہ کرتے اور اھون البلیتین کے قاعدہ کی رو سے ممبر کا انتخاب اور تائید فرماتے۔ الحمدللہ اکثر و بیشتر حضرت کا تائید فرمودہ ممبر کامیاب ہوجاتا اہل علاقہ بھی امیدوار کو کہہ دیتے ہم تو اسی کو ووٹ دیں گے جہاں حضرت فرمائیں گے یہ حضرت کی عام مقبولیت کی دلیل ہے کہ آپ سیاسی حوالہ سے بھی عوام وخواص میں یکساں مقبول تھے۔ حضرت اقدسؒ کبھی بھی چل کر ممبروں کے پاس نہ جاتے بلکہ ممبر حضرات خود ہی رابطہ کرتے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے سیاستدان بھی حضرت کی بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

حضرت اقدسؒ کی سوچ الیکشن میں صرف علاقہ کی سیاست تک محدود نہیں تھی بلکہ ملکی حالات

اور اقتدار تک وسیع تھی اور یہ سوچ تھی کہ ملکی مفادات میں کونسی جماعت بہتر ہے اگر چہ فرمایا کرتے تھے کہ ملک کی یہ دونوں جماعتیں اسلام کے نفاذ میں مخلص نہیں لیکن اھون البلیتین کے تحت ایک جماعت کی تائید فرماتے کہ برسر اقتدار تو ان دونوں میں کوئی ایک جماعت آئے گی اس لئے انہیں دونوں میں سے ایک کا اھون البلیتین کے قاعدہ کے تحت انتخاب کرنا ہوگا۔ حضرت اقدسؒ کا سیاسی مسلک بھی وہی تھا جو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے متوسلین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ کا تھا آپ نے اس بارہ میں بھی اپنے اکابر کے مسلک کی توضیح اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا چنانچہ ملکی سیاست میں آپ ''دوقومی نظریہ'' اور مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کے زبردست حامی اور داعی تھے۔ اس پہلو نے بندہ کو بیحد متأثر کیا کہ حضرت نے اپنے اور غیروں کی پرواہ کئے بغیر حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کو مضبوطی کے ساتھ تھاما اور آپ کے پایۂ استقلال میں ذرہ برابر بھی کمی نہ آئی اور کسی موقع اور مقام پر بھی اس سیاسی مسلک میں لچک نہ آنے دی اور ذاتی نفع ونقصان کی پرواہ کئے بغیر آپ حق بات کو حق طریقہ سے ہمیشہ کہتے رہے۔

شانِ جامعیت

حضرت اقدسؒ کی ذات بابرکت ایک جامع الکمالات شخصیت تھی اور آپ یقیناً مجموعہ کمالات تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منقول ومعقول کا جامع اور فقیہ، ولی کامل، مصنف، واعظ، مدبر اور اعلیٰ درجہ کا متقی بنایا تھا حضرت اقدسؒ میں بہت سی دوسری نمایاں خصوصیات اور کمالات کے ساتھ ایک اور صفت بھی تھی جس کو اکثر حضرات نہیں جانتے وہ یہ ہے کہ حضرت بہت بڑے قاری بھی تھے قرآت سبعہ شیخ القرآن حضرت مولانا قاری ابومحمد محی الاسلام نوراللہ مرقدہ سے پڑھیں اور ان کو سبعہ میں قرآن کریم سنانے کا اعزاز بھی حاصل کیا اور رموز میں پوری قرآت سبعہ نقل بھی فرمائی اس کے بعد ثلاثہ یعنی مزید تین قرائتیں امام القرأ حضرت مولانا قاری فتح محمدؒ پانی پتی سے پڑھیں یہ اعزاز بہت کم علماء کو حاصل ہوتا ہے اس لحاظ سے حضرت اقدسؒ ایک منفرد اور خاص ممتاز مقام رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے علاقہ میں آپ کو اسی لقب سے شہرت عطا فرمائی اکثر اہل علاقہ آپ کو قاری صاحب کے لقب سے یاد کرتے تھے جبکہ اہل علم کے طبقہ میں آپ بحیثیت ایک فقیہ اور مفتی کے متعارف تھے۔

ذوقِ مطالعہ

دینی کتب کا مطالعہ حضرت اقدسؒ کا محبوب ترین مشغلہ تھا حالت صحت ہو یا مرض ہمہ وقت مطالعہ میں مصروف و مشغول رہتے حضرت اقدسؒ کو تین حال میں سے کسی ایک حال میں پایا، یا تو مطالعہ میں یا تصنیف و تالیف میں یا عام وخواص کی آمد ورفت کا سلسلہ ہے تو ان سے گفتگو میں وعظ و نصیحت فرمارہے ہیں اور اکابر کے ملفوظات و واقعات سنا رہے ہیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ دوپہر کو آرام اور قیلولہ کے وقت چپکے سے خاموشی کے ساتھ لیٹے لیٹے کتاب کی ورق گردانی کررہے ہیں اکثر ہمیں مخاطب ہوکر فرمایا کرتے تھے کہ مولوی حضرات مطالعہ نہیں کرتے اور اکابر کے حالات اور سوانح نہیں پڑھتے آپ اس پر بہت ہی افسوس فرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ ڈاکٹر صاحب نے کتابوں کے مطالعہ سے منع فرمادیا کہ آپ دل کے مریض ہیں فرمایا ان کو نہیں معلوم اصل مرض کیا ہے جو دل میں لگا ہوا ہے واقعتہً ڈاکٹر اس سے بے خبر تھے غرضیکہ آپ نے اس سلسلہ میں بھی اکابر کی یاد تازہ کردی طلباء کو ہمیشہ یہی نصیحت فرماتے کہ اکابر کے حالات پڑھواور سوانح کا مطالعہ کرواور ''آپ بیتی'' اور ''اشرف السوانح'' کا بالخصوص مطالعہ کرنے کیلئے تاکید فرماتے اور حضرت تھانویؒ کے ملفوظات ومواعظ اور دیگر علمی کتب کے ساتھ ''بہشتی زیور'' کے مطالعہ کی بھی بہت تاکید فرماتے تھے۔

﴿ تبلیغ وتربیت ﴾

حضرت اقدسؒ نے ساہیوال سرگودھا میں تقریباً پچاس سال قیام فرمایا اور اس عرصہ میں آپ نے جو تبلیغی، تصنیفی، تدریسی، فقہی، تقریری، اصلاحی، دینی، علمی، عملی خدمات انجام دیں وہ اپنی مثال آپ ہیں اس کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس نے جو اہل علاقہ کی اصلاح وتربیت فرمائی وہ خدمات دوسرے علاقوں کیلئے نمونہ بن سکتی ہیں اب اس بارہ میں بطور نمونہ کے چند مثالیں ذکر کرتا ہوں۔

(۱) حضرت اقدس تقسیم ہند کے بعد ساہیوال ضلع سرگودھا تشریف لائے تو یہاں پر بدعت، شرک کا دور دورہ تھا اور اکابر علماء دیوبند کو مسجد ومحراب سے کھلم کھلا کافر کہا جاتا اور بازار میں برسر عام کافر دیوبندی کافر کے نعرے گونجتے تھے اور پیر پرستی اور قبر پرستی کا دور دورہ تھا ان حالات میں حضرت اقدسؒ نے حکمت وبصیرت کے ساتھ توحید کا پرچار اور احیاء سنت کا کام کیا اور علماء حق کے عقائد کا تعارف کرایا بدعات ورسومات کی حکمت عملی اور اعتدال کے ساتھ تردید فرماتے رفتہ رفتہ شرک وبدعت کے ظلمات کے پردے چاک ہوئے لوگ بھٹکے ہوئے راستہ سے سیدھے راستہ پر چلنے لگے اور علماء

دیوبند کا نام فخر کے ساتھ لینے لگے جبکہ پہلے اکابر کا نام لینا جرم تھا اور اب عوام اکابر کا دفاع کرنے لگے جوزبانیں پہلے اکابر کی مذمت میں استعمال ہوتی تھیں اب وہی زبانیں اکابر کی تعریف اور مدح سرائی کرنے لگ گئیں پہلے پیر پرستی اور قبر پرستی میں لوگ مبتلا تھے اب صحیح موحد بن گئے اور جہلاء نے جو تصوف کا غلط مفہوم سمجھ رکھا تھا آپ نے ان کو تصوف کے صحیح مفہوم سے متعارف کرایا۔ حضرت اقدسؒ کی اس پچاس سالہ محنت سے الحمدللہ صحیح نظریہ اور عقائد کی عوام میں کثیر تعداد پر مشتمل ایک جماعت تیار ہوگئی یا یوں کہیئے کہ بدعت وشرک کا گڑھ سنت کا گلزار بن گیا کفر وشرک اور بدعات ورسومات کے گھٹاٹوپ اندھیرے کے بادل چھٹ گئے۔

(۲) حضرت اقدسؒ کی محنت اور خلاص کی برکت سے علماء کی معتد بہ تعداد تیار ہوئی جن کو حضرت اقدسؒ نے تن تنہا اسباق پڑھائے اب یہی حضرات ساہیوال اور اسکے مضافات ودیگر اضلاع اور بعض بیرون ممالک میں امامت وخطابت اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور حضرت کا فیض عوام تک پہنچا رہے ہیں۔ حضرت اقدسؒ کی ہی محنت کی برکت سے جامعہ حقانیہ سے سینکڑوں بچے حافظ بن کر فارغ ہوئے جو اب اپنے علاقوں میں قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے میں مصروف عمل ہیں دلچسپ اور حیران کن بات یہ ہے کہ اس میں اکثر حفاظ کا تعلق اہل بدعات کے گھرانوں سے تھا حضرت اقدسؒ نے ایک موقع پر فرمایا اگر ہم ان کو مدرسہ میں داخلہ نہیں دیں گے تو لوگوں کی اصلاح کیسے ہوگی یہ بچے یہاں رہ کر گئے تو انکو کچھ علم ہوگا کل یہی بچے اپنے اپنے علاقے اور خاندان کی اصلاح کا ذریعہ بنیں گے اور فرمایا ساہیوال کو میں نے قصداً اپنا مسکن بنایا یہاں اس کام کی ضرورت تھی وگرنہ بڑے بڑے حضرات نے بڑے بڑے مدرسوں میں بڑے بڑے منصب پر کام کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن اس کے باوجود ساری زندگی اس قصبہ ساہیوال میں لوگوں کی اصلاح کی خاطر گذار دی۔ یہ حضرت اقدسؒ کی للّٰہیت اور اخلاص کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے اس عظیم مقصد کیلئے بڑی بڑی پیشکشوں اور راحت وآرام کو قربان کردیا فجزاھم اللّٰہ تعالٰی خیر الجزاء۔

(۳) اس کے ساتھ ساتھ مفتیان کرام کی ایک جماعت تیار کی ان کی اصلاح اور تربیت فرمائی، اور انکو عقائد علماء دیوبند سے روشناس کرایا اور اکابرؒ کے ملفوظات وواقعات سنا سنا کر حضرات اکابرؒ کے مسلک اور مزاج و مذاق سے متعارف کرایا اور ان حضرات کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کی آپ فرماتے تھے کہ

حضرات اکابر کے نقش قدم پر چلنے سے اتباع سنت کی دولت نصیب ہو جائے گی۔

(۴) ساہیوال اور اس کے مضافات میں پچاس کے قریب مساجد ہیں جہاں پر رمضان میں تراویح پڑھانے کیلئے جامعہ حقانیہ کی طرف سے ہر سال حفاظ کا تقرر و انتخاب حضرت اقدسؒ کے مشورہ سے کیا جاتا ہے الحمدللہ اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یہ حضرت اقدسؒ کی اصلاح اور تبلیغ کا نتیجہ ہے کہ عوام اسی پر اعتماد کرتے ہیں جس کو جامعہ حقانیہ سے بھیجا جائے۔

(۵) فوتگی پر رسم قل کا اعلان عمومی طور پر تمام مساجد میں ہوتا ہے لیکن الحمدللہ حضرت اقدسؒ کی اصلاح و تربیت کے نتیجہ میں ساہیوال شہر کی اکثر مساجد میں اعلان نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایصال ثواب کا جو غلط طریقہ رائج تھا (تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ) الحمدللہ حضرت اقدسؒ کی برکت سے یہ سلسلہ بھی تقریباً اپنے حلقے میں ختم ہو چکا ہے۔ اسی طرح قل خوانی وغیرہ کیلئے شہر کی وہ مساجد جو حضرت کے زیر سایہ ہیں وہاں اکثر مساجد میں یہ رسم نہیں ہوتی۔

(۶) ختم القرآن کیلئے مدرسہ کے طلباء کو مدرسہ سے باہر نہیں بھیجتے تھے۔

(۷) مدرسہ کی طرف سے قربانی کی کھالوں کی کوئی تشہیر نہیں ہوتی تھی اور مدرسہ کے علاوہ کوئی مرکز بھی نہیں ہوتا تھا اس کے باوجود حضرت اقدسؒ کی محنت اور تربیت کی وجہ سے امراء، غربا، شہری، دیہاتی اپنی اپنی قربانی کی کھالیں سروں پر گاڑیوں، موٹر سائیکلوں پر اٹھائے ہوئے مدرسہ میں پہنچاتے ہیں، حضرت اقدسؒ ان لوگوں کو دیکھ کر فرماتے کہ جو لوگ اس طرح اپنی قربانی کی کھالیں مدارس میں پہنچاتے ہیں اس میں کتنا خلوص ہوگا اور کتنی برکت ہوگی کہ گرمی ہے، پسینہ آ رہا ہے، کپڑے خون آلود ہیں پھر بھی لوگ دور دور سے کشاں کشاں آ رہے ہیں۔

﴿ وعظ کی خصوصیات ﴾

(۱) حضرت اقدسؒ کے اکثر و بیشتر بیانات اصلاحی ہوتے تھے لیکن اس اصلاحی بیان میں علوم و معارف بھی بیان فرماتے اکثر و بیشتر بیان حضرت اقدسؒ کا تواضع وانکساری پر ہوتا اور اس حدیث مبارک من تواضع لله رفعه الله کی دلکش تشریح فرماتے اور اکابرؒ کے اقوال سے تواضع کی حقیقت سمجھاتے۔

(۳) اپنے بیان میں تزکیہ نفس پر بہت زور دیتے تزکیہ نفس کے متعلق یہ آیت قد افلح من تزکیٰ تلاوت فرما کر علمی نکات بیان فرماتے۔

(۴) علم کی فضیلت پر حدیث من یرد اللّٰہ بہ خیراً یفقہ فی الدین کی ایسی تشریح فرماتے کہ ایمان تازہ ہو جاتا اور علم کا ایک اہم باب فقہ کی اہمیت وحقیقت سمجھ آ جاتا۔

(۵) حضرت اقدسؒ جو احادیث بیان کیلئے منتخب فرماتے ان میں جو الفاظ ہوتے ان کا لغوی و اصطلاحی معنی ابواب اور خاصیات بتا کر علماء کو احادیث کے مطلب بتلاتے اکثر یوں فرماتے اب میں پڑھتا پڑھاتا نہیں ہوں تم لوگ پڑھتے پڑھاتے ہو تمہارا علم تازہ ہے اسلئے اگر صحیح ہو تو قبول کر لیں ورنہ اصلاح کر دیں اپنے بیان میں اکابر کے مسلک ومشرب کو خوب بیان فرماتے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہ فرماتے جب مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ کو بیان فرماتے تو قرآن وحدیث اور اکابر علماء دیوبند کی تحقیقات اور فرمودات کی روشنی میں خوب وضاحت فرماتے اور حضرت اقدسؒ جب زیادہ جوش میں آتے تو صرف زبان مبارک سے اتنا فرماتے اور یہ آپ کا تکیہ کلام تھا کہ ! سنو میری بات پھر اس سے تقریر میں تسلسل اور روانی ہوتی اور تقریر میں ایک ایسا نکھار آ جاتا کہ سامعین بھی ایک علمی روحانی حظ محسوس کرتے اور سننے والے بھی جو حضرت اقدسؒ کے مزاج مبارک سے واقف ہوتے بہت محظوظ ہوتے حضرت اقدسؒ مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کو بیان فرماتے وقت ارشاد فرماتے کہ ہماری کسی سے کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہے لیکن اکابرین کی طرف وہ مسلک منسوب کیا جاتا ہے جو ان کا مسلک نہیں تھا پھر حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار کر کے اپنے آپ کو دیوبندی کیوں کہلاتے ہیں۔ ہمارا نزاع صرف اس پر ہے کہ اگر یہ لوگ اپنے آپ کو دیوبندی کہلانا چھوڑ دیں تو ہمارا کوئی نزاع نہیں لیکن اگر ایسا نہیں کرتے تو اکابرین کے مسلک کا تحفظ کرنے والے الحمدللہ موجود ہیں۔

(۶) حضرت اقدسؒ قرآن مجید کی تعلیم اور اسکی فضیلت واہمیت پر بیان فرماتے اور یہ حدیث پڑھ کر خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ قرآن مجید پڑھنے اور پڑھانے والوں کی فضیلت بیان فرماتے، قراء اور حفاظ کو تعلیم قرآن کی اہمیت پر زور دیتے ارشاد فرماتے کہ حفاظ کو احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے دھندوں سے نکال کر اپنے دین کی خدمت میں لگا لیا اس سے بڑی کیا سعادت ہو سکتی ہے عام لوگوں کو فرماتے کہ ان حضرات کی قدر کرو اس لئے کہ یہ جماعت تمام جماعتوں میں بزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہترین جماعت ہے۔

(۷) حضرت اقدس کا اثبات عذاب قبر پر بیان بہت ہی مدلّل ہوتا اور قرآن وحدیث کے حوالہ کے

علاوہ عقلی لحاظ سے عذاب قبر کو ثابت کر کے فرماتے کہ بتلاؤ کہ تم مردے کو کہاں دفن کرتے ہو زمین میں یا آسمان میں اگر زمین میں دفن کرتے ہو پھر تو عذاب بھی زمینی قبر (عالم برزخ) میں ہوگا اور گناہ اس دنیا میں روح نے کیا تھا یا جسم نے اگر جسم نے کیا تھا تو عذاب جسم کو ہی ہونا چاہئے نہ کہ صرف روح کو۔

(۸) حضرت اقدس کی بڑی خصوصیت یہ تھی اس کبر سنی اور ضعف و کمزوری کے عالم میں بھی حالانکہ دل کے مریض بھی تھے دو دو گھنٹے طویل تقریر کے بعد فرماتے کہ میں تھک گیا لیکن الحمدللہ دو چار کام کی باتیں ہوگئی ہیں، یہ صرف اور صرف روحانی قوت تھی۔

(۹) ایک خصوصیت حضرت کے بیان کی یہ تھی کہ عوامی حلقہ کے ساتھ علمی حلقہ بھی حضرت کے بیان کا بہت مشتاق تھا پھر جب حضرت بیان فرماتے تو یہ حضرات بھی بڑی دلجمعی اور توجہ کے ساتھ سماعت فرماتے اور خوب محظوظ ہوتے۔

اصول افتاء سے متعلق ہدایات

اصول افتاء کے سلسلہ میں حضرت اقدسؒ کی بعض ہدایات یاد آ گئی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) فرمایا کہ! فتویٰ نویسی میں شامی سپریم کورٹ کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے محض دوسری کتب کو دیکھ کر فتویٰ مت لکھیں، دوسری کتب کے ساتھ ساتھ شامی کو بھی ضرور دیکھیں۔ بندہ نے ایک مرتبہ پوچھا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے مثلاً عالمگیری میں کچھ اور مسئلہ ہے لیکن شامی سے کچھ اور مسئلہ معلوم ہوتا ہے تو فرمایا شامی کی عبارت کو ترجیح حاصل ہوگی اس لئے کہ ان کے سامنے تمام کتب فقہ اور فتاویٰ تھے اور انکی نظر تمام کتب پر تھی پس چونکہ علامہ شامی متأخر ہیں انہی کے قول کو ترجیح ہوگی۔

(۲) فرمایا کہ اگر کوئی حج کا مسئلہ آجائے تو ملا علی قاری صاحبؒ کی کتاب ''مناسک حج'' ضرور دیکھو یہ کتاب حج کے مسائل میں ہائی کورٹ ہے پھر اس پر حضرت اقدسؒ نے ملا علی قاری صاحبؒ کا واقعہ بھی سنایا کہ ملا علی قاری صاحبؒ جب حج کرنے کیلئے گئے تو طواف الٹی طرف سے شروع کر دیا اس موقع پر ایک بچہ نے متنبہ کیا اے شیخ حج کرنے سے پہلے کم از کم ملا علی قاریؒ کی کتاب ہی پڑھ لیتے تو انہوں نے کہا وہ میں ہی ہوں جس نے کتاب لکھی ہے۔ اس موقع پر حضرت اقدسؒ کا ایک بیان فرمودہ علمی نکتہ بھی یاد آیا فرمایا کہ یہ جو حج اور عمرہ کی دعا ہے اللّٰھم یسرہ لی (اے اللہ اسکو میرے لئے آسان فرمادے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام مشکل ہے تب ہی تو آسانی کی درخواست ہے اگر آسان

ہوتا تو پھر آسانی کی درخواست نہ ہوتی۔ سہولتوں کے باوجود کچھ نہ کچھ مشقت اس میں ضرور ہوتی ہے۔
(۳) مسائل میں ''بہشتی زیور'' بھی ضرور دیکھو اس لئے کہ حضرت تھانویؒ نے اس میں مفتی بہ مسائل جمع فرما دیئے ہیں اور کئی محقق علماء نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔
(۴) اصل کتب فتاویٰ سے مراجعت کے بعد اکابر کے فتاویٰ خصوصاً امداد الفتاویٰ اور امداد الاحکام فتاویٰ دارالعلوم دیوبند وغیرہ ضرور دیکھو۔
(۵) کسی جماعت کے بارے میں تکفیر وعدم تکفیر کا مسئلہ ہو تو دیکھو اس بارے میں اکابر کی کیا رائے تھی اور انکی کیا تحقیق ہے مسئلہ تکفیر چونکہ انتہائی مشکل ہے اس لئے اس میں بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔
(۶) مجتہد فیہ اور مختلف فیہ مسئلہ میں بھی اکابر کی رائے اور انکی ترجیح کو ملحوظ خاطر رکھو انہوں نے جس پہلو کو ترجیح دی ہے اس کو لیا جاوے۔
(۷) فتویٰ تحقیق اور اطمینان کے ساتھ لکھو عجلت سے مت لکھو ممکن ہے کہ کوئی ایسی ضروری قید لکھنے سے رہ جائے جس پر پورے مسئلہ کا مدار ہو۔
(۸) جب تک کوئی صریح جزئیہ نہ مل جائے محض قواعد سے فتویٰ مت لکھو اگر جزئیہ نہ ملے تو پھر اس میں اکابر کی تحقیق کو ضرور دیکھو۔
(۹) اکابر علماء دیوبند کی تحقیق کے خلاف کوئی بات نہ لکھی جائے کیونکہ انہوں نے قرآن وسنت اور کتب فقہ وفتاویٰ سے جو کچھ سمجھا وہی صحیح ہے۔
(۱۰) مبتدی کیلئے بہت اہم ہے کہ فتویٰ بغیر حوالہ کے مت لکھے بلکہ کئی حوالے لکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے تا کہ شروع ہی سے محنت کرنے کی عادت پڑے جواب میں صرف ضروری حوالہ لکھ دے باقی بیاض میں لکھ لے۔
(۱۱) مبتدی کیلئے لازم اور ضروری ہے کہ عرصہ دراز تک کسی ماہر مفتی کے زیر نگرانی فتویٰ کا کام کرے اور ہمیشہ اہم امور میں اپنے بڑوں سے مشورہ کرتا رہے۔
(۱۲) حضرت اقدسؒ فرمایا کرتے تھے کہ ماہر مفتی کے زیر نگرانی رہ کر محنت کے ساتھ عرصہ داز تک کام کرنے سے فقہ میں ایک ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے صورت مسئولہ کا جواب فوراً ذہن میں آجاتا ہے اور صحیح غلط کا بھی ادراک ہو جاتا ہے اور طبیعت سلیمہ صحیح بات کو قبول کرتی ہے اور غلط بات کو قبول نہیں کرتی عام طور پر یہ ملکہ کسی ماہر بزرگ مفتی کی صحبت اور اکابر کے فتاویٰ کے مطالعہ اور

تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے۔ بار ہا ایسا ہوا کہ ہم فتویٰ لکھ کر حضرت اقدسؒ کے پاس گئے اور سنایا تو فرماتے کہ نہیں اصل مسئلہ اس طرح ہے لہذا اس کو دوبارہ دیکھو بعد میں ہم مسئلہ کو ویسے ہی پاتے جیسا کہ حضرت اقدسؒ فرماتے۔

(۱۴) امداد الفتاویٰ اور امداد الاحکام کو ضرور دیکھو کیونکہ ان میں مسائل اور فتاویٰ تحقیقی اور مدلل ہوتے ہیں اصول و قواعد بھی ہوتے ہیں اور جزئیات بھی اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی دیگر کتب کے مطالعہ کی تاکید بھی فرماتے کیونکہ ان میں حوادث الفتاویٰ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

(۱۵) فتاویٰ رحیمیہ کی بھی تعریف فرماتے کیونکہ اس میں مسائل بڑے مدلل و مفصل اور باحوالہ ہوتے ہیں حضرت اقدسؒ کی طبیعت یہی تھی کہ مسئلہ کو مدلل لکھا جائے اس لئے آپ ایسی کتاب کو بہت پسند فرماتے جس میں فقہاء کے مدلل اور مفصل فتاویٰ ہوں۔

(۱۶) فرماتے کہ مبتدی کو فقہا کی کتب فتاویٰ اور اکابر کے تحریر کردہ فتاویٰ کا پورے طور پر تعارف کرانا چاہئے اور کتاب کا طرز بھی بتانا چاہئے اور انکی راہنمائی بھی کرنی چاہئے کہ اس مسئلہ کیلئے یہ کتاب دیکھو اور اس کیلئے یہ، اس طرح اس کی مکمل راہنمائی کی جائے اور مبتدی کو فتویٰ لکھنے اور کتاب سے مسئلہ اور جزئیہ نکالنے کا طریقہ کار بھی بتلانا چاہئے تاکہ اسے پریشانی نہ ہو نیز اس کو یہ بھی بتلاؤ کہ کتنی عبارت نقل کرنی ہے تاکہ مقصودی اور غیر مقصودی عبارت میں تمیز ہو سکے اور عبارت کی قیود بھی بتلائی جائیں کہ اس قید سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کیونکہ کسی چیز کا پڑھ لینا اور بات ہے اس کی تہہ تک پہنچنا اور بات ہے فقیہ اس کو کہتے ہیں جو بات کی تہہ تک پہنچے کثیر تعداد میں جزئیات کے یاد کرنے والے کا نام فقیہ نہیں۔

(۱۷) استفتاء کی مکمل تنقیح کرواور ایک منقح صورت سوال کی بناؤ کہ اس میں یہ مسئلہ پوچھا گیا ہے جب صورت مسئلہ خوب سمجھ آئے تب جواب لکھا جائے۔

(۱۸) بعض مسائل کا عرف پر مدار ہے جیسا کہ طلاق اور ایمان وغیرہ کے مسائل ہیں ان میں عرف کا لحاظ ضروری ہے فقہاء نے اس لئے ایک مفتی پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ عرف سے بھی واقف ہو۔

(۱۸) اگر کسی مسئلہ میں تشفی نہیں ہو رہی تو بڑی جگہوں پر رجوع کریں حضرت تھانویؒ کا بھی یہی طریقہ رہا ہے لہٰذا اگر کسی مسئلہ میں تشفی نہ ہو تو دوسرے علماء سے بھی پوچھ لیا جائے اور تحقیق کر لی جائے۔

(۱۹) اگر مسئلہ میں غلطی خود یا کسی کے بتلانے سے معلوم ہو جائے تو فوراً اس سے رجوع کریں حضرت

تھانویؒ جیسی بڑی شخصیت کے ہاں اسکا باقاعدہ اہتمام تھا اس کیلئے ''ترجیح الراجح'' کے نام سے مستقل رسالہ جمع فرمایا اب یہ ''امداد الفتاویٰ'' کا ایک حصہ ہوکر اس کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

(۲۰) فتویٰ نویسی میں اہم راہنما اور اصول میں سے سب سے بڑا اہم اصول یہ ہے کہ فتویٰ لکھتے ہوئے دل میں خوف خدا ہو کہ کل اس کا حساب دینا ہے پھر ان شاءاللہ جواب درست ہوگا۔

(۲۱) فتویٰ نویسی کی عظمت واہمیت کے متعلق اپنے شیخ ومرشد مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے حوالہ سے فرمایا کرتے تھے کہ ہر کام اگر خوف خدا کے ساتھ کیا جائے تو اس کا بہت نفع ہے اس لئے کہ اس کا افادہ عام ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے کیونکہ بے شمار لوگ پڑھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے لیکن اگر خوف خدا سے بے نیاز ہوکر لکھا تو نقصان بھی بہت ہوگا اس کا گناہ لکھنے والے پر رہے گا۔

﴿ مدارس دینیہ کا نصاب تعلیم ﴾

حضرت اقدسؒ جہاں دوسرے معاملات میں خاص مزاج رکھتے تھے وہیں درس نظامی کے متعلق بھی آپ کے خاص خیالات اور نظریات تھے اس سلسلہ میں آپ سے جو باتیں سنیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) درس نظامی سے جو علمی قابلیت اور صلاحیت اور استعداد پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور کورس سے پیدا نہیں ہوتی اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں بہت سی برکات ہیں اس لئے کہ ایک تو سلف سے چلا آرہا ہے دوسرا یہ کہ ہمارے اکابر کا منتخب کردہ ہے اس لئے اس کو پڑھنا ضروری ہے۔

(۲) آپ درس نظامی کی بنیادی کتابوں میں تبدیلی کے قائل نہیں تھے فرمایا کرتے تھے کہ کتابیں بدلنے کی ضرورت نہیں اصل کمزوری ہمارے پڑھنے اور پڑھانے میں ہے اس کو دور کرنے اور اسکی تلافی کی ضرورت ہے نہ یہ کہ کتاب ہی کو نصاب سے نکال دیا جائے کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج ایک کتاب نکالیں گے کل دوسری کتاب نکالیں گے تو یہ سارا نصاب ہی بدل جائے گا پھر اس کو ''درس نظامی'' نہیں کہا جاسکے گا۔

(۳) اس نصاب میں اسکول کے نصاب کو شامل کرنے کے سخت خلاف تھے اور وفاق المدارس والوں کو بھی اس سے مطلع اور اپنی رائے ومشورہ سے آگاہ فرمایا کرتے تھے، حضرت فرماتے کہ اگر کسی نے اسکول پڑھنا ہے تو اس کیلئے اسکول بنے ہوئے ہیں وہ وہاں پڑھ سکتا ہے مدارس اس لئے نہیں بنائے گئے۔ باقی رہا مسئلہ طلباء کے لکھنے پڑھنے کا تو انکو املاء اور خوشخطی لکھا دی جائے چھوٹا موٹا حساب وکتاب

لکھنا پڑھنا مدارس میں سکھایا جاسکتا ہے اور یہ سلسلہ تو پہلے سے چل رہا ہے، اکابر نے کونسی اسکول کی تعلیم حاصل کی بلکہ اس درس نظامی کی برکت سے ہی وہ تمام علوم کے جامع اور ماہر بنے اس سے خطرہ ہے کہ آہستہ آہستہ اسکول کی تعلیم ہی مقصود بن جائیگی وہ اخلاص وللّٰہیت باقی نہ رہے گی جو کہ مقصود ہے۔

(۴) بعض حضرات فرمایا کرتے ہیں کہ علماء مدارس سے فارغ ہوتے ہیں لیکن ان کو عربی نہیں آتی اس لئے نصاب تبدیل کر کے اس میں جدید عربی کے نصاب کو شامل کرلیا جائے اس کے متعلق حضرت اقدسؒ کی رائے تھی اس نصاب سے عربی دان بنانا مقصود ہی نہیں بلکہ ایک متقی پرہیزگار بنانا مقصود ہے اور یہ کہ طلبہ کو قرآن وحدیث اور فقہ سے مناسبت پیدا ہوجائے اور معاشرے کی اصلاح کیلئے ایک دیندار عالم تیار ہو الحمد للہ ہمارا یہ مقصد اس نصاب سے حاصل ہے اس لئے اس میں دوسری تعلیم کو شامل کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۵) حضرت اقدسؒ کی تعلیم کے متعلق یہ رائے گرامی تھی کہ خوب محنت سے پڑھایا جائے اور طلباء سے خوب محنت کرائی جائے اور منطق وغیرہ کو اس سے خارج نہ کیا جائے اس لئے کہ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں بہت مفید اور معین ہے استاد کو چاہئے کہ وہ منطق کی اصطلاحات کا انطباق اور اجراء قرآن وحدیث میں کرائے منطق وغیرہ علوم آلیہ کا پڑھنا اسی مقصد کیلئے ہے کہ ہم اسکے ذریعہ قرآن وحدیث سمجھیں۔

پابندی وقت

حضرت اقدسؒ اپنے ضبط اوقات کے بڑے پابند تھے اور اس میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ آپ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کے تربیت اور صحبت یافتہ تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدسؒ نے اپنے وقت کو ضائع نہیں فرمایا بلکہ قیمتی بنایا اور اس حدیث کے حقیقی مصداق تھے من حسن اسلام المرءِ ترکہ مالا یعنیہ اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے قیمتی لمحات اور اوقات کو لایعنی کاموں اور گفتگو میں ضائع نہ کرے اور اس کو حسن اسلام میں سے شمار کیا گیا ہے اب چند مثالیں بطور نمونہ کے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت اقدسؒ کا گھر چونکہ مدرسہ سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے تو حضرت اقدسؒ ہر روز گرمیوں میں جلدی اور سردیوں میں تھوڑا تاخیر سے مدرسہ میں تشریف لاتے پھر تمام دن مدرسہ میں رہتے نماز مغرب کے بعد گھر تشریف لے جاتے آخری عمر میں حضرت اقدسؒ کا تقریباً یہی معمول رہا۔ گھر سے

آتے ہی اپنے مطالعہ اور تصنیفی کام میں مشغول ہوجاتے اوراسی دوران لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہتا آپ ان سے بھی گفتگوفرماتے رہتے۔

(۲) کچھ دیر اخبار کا بھی مطالعہ فرماتے خصوصاً اخبار کا اداریہ ضرور دیکھتے اور ملکی حالات سے باخبر رہتے پھر حاضرین کے سامنے ملکی حالات پر تبصرہ بھی فرماتے اور ضرورت پڑتی تو احقاق حق وابطال باطل اور اتمام حجت کیلئے مضمون تحریر فرما کر اخبار والوں کو اور اہل حکومت کو بھی بھیجتے اگر ہم حضرت اقدسؒ سے عرض کرتے کہ معلوم نہیں اخبار والے شائع کرینگے یا نہیں تو فرماتے ہم نے اپنا کام کردیا اور فریضہ انجام دے دیاباقی ان کی مرضی ہے۔

(۴) دوپہر کو سنت ادا کرنے کیلئے کچھ دیر قیلولہ فرماتے پھر بعد نماز ظہر اپنے مطالعہ اور تصنیف وتحریر میں مشغول ہوجاتے اور یہ سلسلہ تا عصر جاری رہتا پھر بعد نماز عصر بغیر عوض کے تعویذ لکھتے بلکہ اس وقت کوئی مدرسہ کی بھی خدمت کرنا چاہتا تو قبول نہیں کرتے تھے فرماتے تھے کہ خدمت خلق کی نیت سے تعویذ دیتا ہوں اس وقت کوئی دعا کے لئے کہتا تو مخصوص الفاظ ارشاد فرماتے کہ ! اللہ خیر کرے اور یہ سلسلہ تا مغرب جاری رہتا پھر مغرب کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لیجاتے گھر کی ضروریات سے فارغ ہوکر پھر مطالعہ میں مصروف ہوجاتے حضرت استاذ محترم مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہم فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا حضرت اقدسؒ کو دیکھا کہ رات کو دیر تک کتاب کا مطالعہ فرمارہے ہیں اور بعض دفعہ مطالعہ کرتے کرتے آپ سوجاتے تھے کتاب آپ کے سینہ پر ہوتی تھی۔

قرآن پاک سے عشق ومحبت

تھانہ بھون کے مدرسہ میں آپ نے چودہ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا بعد نماز مغرب رمضان المبارک میں اپنے ساتھی حافظ نور احمد صاحب تھانویؒ سے اسی سال نفلوں میں قرآن پاک کا دور کیا تراویح میں حضرت الاستاذ خلیفہ اعجاز احمد صاحب تھانویؒ کا قرآن پاک سنا اور آئندہ سال تراویح میں پہلی محراب راجپورہ ریاست پٹیالہ اسٹیشن والی مسجد میں سنائی حافظ اللہ بخش صاحب مرحوم امام مسجد نے قرآن پاک سنا اسی طرح مدینہ منورہ میں ایک قرآن مجید مدرسہ علوم شرعیہ میں اس صورت سے تراویح میں سنایا کہ اڑھائی پارے خود پڑھتے پھر وہی اڑھائی پارے دوسرا ساتھی سناتا بیس رکعت میں اس طرح پانچ پارے روزانہ پڑھے جاتے بارہ دن میں دو قرآن مکمل ہوگئے پھر تین

پارے ہر روز تراویح میں حرم نبویؐ میں پڑھنے شروع کئے دس دن میں دو قرآن کریم اس طرح مسجد نبوی میں پڑھے پھر آخر کی سات راتوں میں ایک ایک منزل پڑھ کر قرآن کریم ختم کر لیا اسی طرح ایک قرآن کریم تہجد کے وقت نفلوں میں محراب النبی ﷺ میں پڑھنے کی توفیق حاصل ہوئی مکہ معظّمہ کے زمانہ قیام میں کعبہ شریف حطیم میں حجر اسماعیل پر بعد مغرب نفلوں میں قرآن پاک ختم کرنے کی سعادت حاصل کی ، یہ واقعہ غالبًا ۱۹۳۸ء/۱۳۵۷ھ کا ہے اور آپ کو اپنے والد گرامی کے ساتھ حج کرنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی اس سفر حج کا تذکرہ آپ بڑے شوق سے فرماتے تھے حرمین سے واپسی پر اپنے وطن گمتھلہ گڈھو کی جامع مسجد میں سات راتوں میں قرآن کریم ختم کیا اور راجپورہ ریاست پٹیالہ میں ایک قرآن مجید اس طرح سنایا کہ ایک رات میں بارہ پارے اور دوسری میں دس پارے اور تیسری رات میں آٹھ پارے پڑھ کر تین راتوں میں قرآن مجید ختم کیا۔ہجرت کے بعد پاکستان میں ساہیوال سرگودھا آ کر تیلیاں والی مسجد ، شہانی مسجد ، جامع مسجد حقانیہ میں ۱۹۷۴ء تک قرآن مجید تراویح میں سنانے کا سلسلہ جاری رہا پھر بعد میں عوارض اور کثرت بیماری کی وجہ سے سنانے کا سلسلہ نہ رہ سکا مگر بحمد اللہ تا حیات ہر سال تراویح میں قرآن مجید سننے اور تلاوت کرنے کا اور نوافل میں پڑھنے کا معمول رہا۔

قرآن مجید سے عشق اور تعلق کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ حضرت کے کمرہ کے ساتھ ایک حفظ کا درجہ ہے ہم ساتھیوں کی خواہش تھی کہ اس درجہ کو دوسرے کمرہ میں منتقل کر کے کتب خانہ بنالیا جائے اسکی ضرورت بھی تھی حضرت اقدسؒ سے اجازت لی گئی تو حضرت اقدسؒ نے اجازت عنایت نہ فرمائی بلکہ فرمایا کہ بچے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور قرآن کی آواز سے میرا دل مانوس رہتا ہے اگر درجہ دوسری جگہ چلا گیا تو قرآن مجید کی آواز میرے کانوں میں کہاں سے آئے گی اس جواب سے ہم بہت متأثر ہوئے کسی کے بھی ذہن میں یہ بات نہ تھی یہ قرآن کریم سے حضرت کے ذوق وشوق کی بات ہے اللہ تعالیٰ یہ ذوق وشوق ہمیں بھی عطا فرمائے (آمین)

قرآن مجید سے خصوصی تعلق اور محبت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اتنی بڑی شخصیت ہو کر قرآن مجید کے پڑھانے میں عار نہیں سمجھی بلکہ اسکو عزت کا مقام سمجھا آج اگر کسی مدرس کو تدریس کتب سے فارغ کر کے درجہ حفظ میں قرآن مجید کی خدمت پر مامور کر دیا جائے تو اس میں اپنی توہین سمجھتا

ہے اوراس طرح کوئی پڑھانے کیلئے تیار نہیں ہوتا لیکن ایک حضرت کی شخصیت اس معاملہ میں بھی منفرد تھی ۔جب مدرسہ عربیہ حقانیہ (ساہیوال ضلع سرگودھا) کا قیام یکم ربیع الاول ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۸؍۱۱کتوبر ۱۹۵۵ء کو ایک تنگ اور شکستہ کمرہ میں لایا گیا تو ابتداء میں حضرت مفتی صاحبؒ نے چند بچوں کو خود قرآنی تعلیم دینے کا آغاز فرمایا اور کئی ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔نورانی قاعدہ اور ابتدائی پارہ پڑھانے والے استاذ کی حضرت کے ہاں بہت قدر تھی اکثر فرمایا کرتے تھے اصل محنت ان کی ہے کہ اس نے پڑھنا پڑھانا سکھایا اور خوب محنت کی ہمیں تو بنا بنایا مل گیا اس کی مثال اس فرد کی ہے جو کہ مکان بنانے سے پہلے اس مکان کی بنیادوں میں پتھر کوٹتا ہے پھر اس کو برابر کرتا ہے اس میں اس کا پسینہ گرتا ہے پھر مستری اس پر گھر تعمیر کرتا ہے اسی طرح استاد کی محنت شاگرد کی تربیت میں شامل ہوتی ہے پھر اس کے بعد دوسرے اساتذہ اس پر تعلیم و تعلم کی تعمیر کرتے ہیں۔فرمایا کرتے تھے کہ آج کل طلباء بھی قرآن مجید پڑھنے پڑھانے والوں کی اس طرح قدر نہیں کرتے جیسا کہ درجہ کتب کے اساتذہ کی قدر کرتے ہیں بلکہ انکی تو زیادہ قدر کرنی چاہئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کو پڑھنا سکھایا اس کے بعد حدیث اور فقہ کا نمبر آتا ہے۔درجہ حفظ کے استاد کے متعلق ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ کم از کم پانچ سال ایک مدرس کو ایک جگہ مدرسہ میں رہ کر پڑھانا چاہئے تاکہ کچھ حافظ تیار ہو جائیں کیونکہ مکمل حافظ تیار ہونے میں پانچ سال کا عرصہ لگ جاتا ہے جو حافظ تیار ہوگا اس کے لئے صدقہ جاریہ بنے گا۔

تربیت اولاد کا اہتمام

حضرت اقدسؒ کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے ماشاء اللہ سب کے سب دیندار ہیں اور تین بیٹے جناب مولانا عبدالصبور، مولانا مفتی عبدالقدوس مولانا عبداللہ صاحب عالم فاضل ہیں جناب عبدالغفور اور عبدالودود صاحب حافظ اور قاری ہیں اور بیٹی بھی ماشاء اللہ حافظہ ہے یہ حضرت اقدسؒ کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے اولاد کی دینی تعلیم کا اہتمام فرمایا اور انکی تربیت فرمائی آپ نے اپنی کسی اولاد کو انگریزی اسکول میں داخل نہیں کروایا آپ کا مطمح نظر یہی رہا کہ اولاد کو دین کی کما حقہ تعلیم دی جائے اور ماشاء اللہ اولاد نے بھی اپنے والد ماجد کے اس نظریہ کا مکمل ساتھ دیا خود بھی انگریزی اسکول میں جانے اور پڑھنے کیلئے کوئی ارادہ نہیں کیا اس موقع پر حضرت اقدسؒ کا اولاد کے بارہ میں ملفوظ یاد آیا جو ہمارے لئے ایک سبق اور نصیحت ہے بندہ کو ایک دن ارشاد فرمایا میں نے عبدالقدوس وغیرہ کسی کو

بھی اسکول میں داخل نہیں کروایا تاکہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو جواب دے سکوں کہ میں نے تو اپنی طرف سے ان کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا ہے، باقی رہا اعمال کا مسئلہ تو وہ انکے اختیار میں ہے اگر میں ان کو اسکول میں داخل کرواتا دینی تعلیم کا اہتمام نہ کرتا تو پھر اس پر پوچھ ہوتی کہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم کیوں نہیں پڑھائی اور تربیت کیوں نہیں کی تھی۔ الحمدللہ اب میں خدا کے حضور یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے تو اپنی بساط کے مطابق انکو دینی تعلیم دلوائی اور تربیت بھی کی تھی اس طرح اپنے فریضہ سے سبکدوشی ہوجائے گی حضرت ہی کی محنت تربیت توجہ کا نتیجہ کہ الحمداللہ حضرت کے صاحبزادہ حضرت مفتی عبدالقدوس ترمذی دامت برکاتہم بیک وقت حافظ، عالم مفتی، مقرر ہیں اور اپنے والد ماجد کے صحیح معنی میں جانشین ہیں اور بزرگان دین کی توجہ کا مرکز ہیں اکابر کی دعائیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انکے شامل حال ہیں حق تعالیٰ حفاظت فرمائیں اور مزید توفیق سے نوازیں آمین حضرت اقدسؒ نے تو اپنی حیات میں ہی حضرت استاذ محترم کو عملی طور پر اپنا معتمد بنالیا تھا اسی لئے تمام امور دینیہ میں یہ حضرت اقدسؒ کی معاونت و نیابت کرتے رہے اور سفر وحضر میں ہر وقت حضرت کے ساتھ ہی رہے حضرت اقدسؒ کا آپ پر اعتماد اس تحریر سے واضح ہے جو وصیت نامہ میں درج ہے کہ ! اگر میری کسی تحریر میں کسی غلطی پر میری حیات کے بعد اطلاع ہو تو برخوردار مولوی عبدالقدوس سلمہ کو مطلع کردیا جائے امید ہے کہ اس پر مطلع ہوکر رجوع کا اعلان کردیں گے اور متعلقہ تحریر میں اصلاح کردیں گے میں انکو اسکی وصیت کرتا ہوں برخوردار سلمہ کئی سال سے فتاویٰ کے کام میں احقر کے ساتھ ہیں کافی حد تک ان کو اس کام اور احقر کے طرز اسلوب سے مناسبت ہوگئی ہے اگر اسی طرح کام میں لگے رہے تو امید ہے ان شاء اللہ کافی مہارت ومناسبت پیدا ہوجائے گی اور وہ میری غلطیوں پر مطلع ہوکر انکی اصلاح کرسکیں گے۔ حضرت اقدسؒ اپنی مجلس میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اب مجھے کوئی فکر نہیں عبدالقدوس کام سنبھال لے گا آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عبدالقدوس کو اس طرح پڑھایا ہے کہ فقہ میں جو اہم مسئلہ دوران سبق آجاتا تو اس مسئلہ کے متعلق فتاویٰ کی اہم کتابیں عالمگیری سے لے کر شامی تک تمام کتب پڑھواتا تاکہ فتاویٰ کی تربیت بھی ہوجائے اس سے حضرت اقدس کی شفقت اور تربیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت اقدسؒ کا تقویٰ

حضرت اقدسؒ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ منہیات سے تو درکنار مشتبھات سے بھی مکمل اجتناب

فرماتے تھے۔ مدرسہ میں اکثر لوگ ہدیہ کپڑے وغیرہ پیش کرتے تو جس کپڑے کے بارے میں شبہ ہوجاتا کہ میرے لئے ذاتی ہدیہ ہے یا مدرسہ کے طلباء کیلئے ہے اس کو مدرسہ ہی میں طلباء کو عنایت فرمادیتے گھر نہیں بھیجتے تھے۔

آخری عمر میں آ کر مدرسہ میں تدریس وغیرہ کا سلسلہ ضعف کی وجہ سے نہیں رہا تھا تاہم اس کے باوجود مدرسہ کا اہتمام اور تصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی کا کام سرانجام دیتے کہ نوجوان بھی اتنا کام نہیں کرسکتے تھے اس کے باوجود فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میں پڑھتا پڑھاتا کچھ نہیں اس لئے میں تنخواہ لینے کا مستحق نہیں ہوں یہ کمال تقویٰ ہے۔

حضرت اقدسؒ نے بھی حضرت تھانویؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی تصانیف کے حقوق طبع محفوظ نہیں فرمائے اور ان کو ذریعہ معاش نہیں بنایا اگرچہ یہ بعض علماء کے نزدیک جائز بھی ہے مگر حضرت اقدسؒ کا مقصود یہ تھا کہ کتاب کی طباعت زیادہ سے زیادہ ہوتا کہ لوگوں کو زیادہ نفع پہنچے۔

﴿ تواضع اور دیانتداری ﴾

حضرت اقدسؒ اپنے رسالہ ''مسائل وفضائل رمضان'' کے مقدمہ کے آخر میں کتاب لکھنے کی وجہ تحریر فرماتے ہیں:

چنانچہ یہ مضمون علماء کرام کی معتبر کتابوں کی تحقیقات کی روشنی میں خاص طرز سے جمع کیا گیا ہے اور اس مضمون کی ترتیب وجمع میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور کے رسائل، فضائل قرآن، فضائل رمضان نیز ماہنامہ اشرف العلوم سہارنپور بابت ماہ شعبان ۱۳۵۵ھ سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے اور احادیث کی شرح اور اس کے مطالب کے بیان کیلئے "اشعۃ اللمعات" اور ''مظاہر حق'' اور ''بذل المجہود'' وغیرہ کتب سے امداد لی گئی ہے۔

یہ حضرت اقدسؒ کی دیانت کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ رسالہ کے مأخذ کا پورے طور پر تذکرہ فرمادیا وگرنہ آج کل عام طور پر اس کو عیب شمار کیا جاتا ہے، حضرت اقدسؒ کا ملفوظ یاد آیا فرمایا کہ کتاب کا مأخذ اور حوالہ لکھنا کمال کی بات ہے عیب کی بات نہیں بلکہ اس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور کتاب مستند بن جاتی ہے مگر آج کل اس کو عیب سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کو اپنی

طرف منسوب کیا جاتا ہے حالانکہ یہ کوئی فخر کی بات نہیں بلکہ عیب کی بات ہے۔

پاکستان کا تھانہ بھون

حضرت مولانا عبدالدیان سلیمی صاحب ناظم عمومی مجلس صیانۃ المسلمین لاہور

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی استاذ مکرم حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی نے اطلاع دی کہ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحلت فرما گئے ایک دم اندھیرا چھا گیا حضرت مفتی صاحب کی زندگی کے وہ تمام حالات سامنے آ گئے جن کو احقر نے دیکھا تھا۔ احقر جب خیر المدارس ملتان میں پڑھتا تھا تو حضرت مفتی صاحبؒ ملتان تشریف لاتے تو قبلہ والد صاحب مفتی صاحب کی اکثر ناشتہ کی دعوت کرتے بعض دفعہ حضرت مفتی صاحب کو جلدی جانا ہوتا تو والد صاحب خود فجر سے پہلے ناشتہ تیار کرتے اور اپنے کمرے میں لے جا کر ناشتہ کراتے۔ حضرت مفتی صاحب کی سادگی اور تواضع جیسی احقر نے پہلے دن دیکھی اخیر عمر تک اس میں ذرا بھی فرق نہیں آیا طریقت میں وہ مقام جو سب سے اونچا ہے یعنی فنائیت وہ مفتی صاحب کو شروع سے حاصل تھا حضرت نے اپنے آپ کو اسقدر مٹا رکھا تھا جس کی موجودہ دور میں مثال ملنی مشکل ہے حالانکہ علم اور تقویٰ میں شائد ہی کوئی دوسرا حضرت مفتی صاحبؒ کے برابر ہو چھوٹے قصبہ میں بقول مولانا وکیل احمد شیروانی صاحب ''پاکستان کا تھانہ بھون'' اپنی ساری زندگی گزار دی حالانکہ بڑی بڑی جگہ اور مدارس والوں کی خواہش تھی کہ حضرت ان کے ہاں تشریف لائیں مگر حضرت مفتیؒ نے اپنے اکابر کے حکم پر وہیں رہنا پسند کیا۔

مجلس صیانۃ المسلمین کے کام کو خوب پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے، اس کیلئے جو کچھ حضرت کے بس میں تھا کرتے تھے مجلس کے اجتماع اور کام کیلئے اکابر اور دیگر حضرات کو خطوط تحریر کرتے تھے

لوگوں کواس میں شرکت کی ترغیب دیتے بعض حضرات کی عدم شرکت کودیکھ کرحضرت کودکھ ہوتا جس کا برملا اظہار فرماتے مجلس کے ہر پروگرام اوراجتماع پر بیماری کی حالت میں بھی اپنے خرچ سے تشریف لاتے۔حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی صاحب اکثر سفرخرچ اصرار کے ساتھ پیش کرتے لیکن مفتی صاحب نے کبھی مجلس سے سفرخرچ نہیں لیا جب تک صحت نے اجازت دی ریل اور عام بس سے سفر فرماتے رہے۔

کراچی میں ایک عرصہ دراز سے مجلس کے اجتماع کی کوشش ہورہی تھی حضرت مولانا تنویرالحق صاحب تھانوی کی کوشش اور توجہ اور برادرعزیزفہیم الحسن صاحب تھانوی کی محنت سے اس سال نومبر میں یہ اجتماع منعقد ہوا حضرت مفتی صاحب باجودعلالت کمزوراورمصروفیات کے کراچی تشریف لے گئے اور تین دن قیام فرمایا۔احقر مفتی عبدالقدوس صاحب کے ساتھ حضرت کے کمرے میں حاضر ہوا احقر نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت بعض دفعہ یہ خیال آتا ہے کہ مجلس کا حسب توقع کام کیوں نہیں چلتا اس میں کہیں ہماری کوتاہیوں کوتو دخل نہیں کہ اس کام کوصحیح طور پرنہیں کررہے کیا وجہ ہے؟ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مرحوم کے کمرے میں ان ہی کی چار پائی پر نیم دراز تھے اور کسی کتاب کا مطالعہ فرمارہے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور میری طرف دیکھ کرمسکرائے اور بہت ہی زوردار انداز میں فرمایا کون کہتا ہے کہ مجلس کا کام نہیں ہورہا کیا آج سے بیس سال پہلے مجلس کا یہی حال تھا اس میں کتنی ترقی ہوئی ہے ایک رسالہ ۹ سال سے الحمدللہ جاری ہے اپنی جگہ مل گئی وہاں کام ہورہا ہے کراچی میں کتنا بڑا اجتماع ہورہا ہے پہلے لوگ مجلس کے نام تک سے واقف نہیں تھے اب الحمدللہ پورے ملک میں لوگوں کومجلس سے واقفیت ہوگئی کیا یہ کام نہیں ہورہا صرف دوچار آدمی کام کررہے ہیں فرمایا دوسری وجہ کارکنوں کی کمی ہے پھر مجھے مخاطب ہوکر فرمایا آپ کام کرتے رہیں انشاء اللہ ایک دن سب کو نظرآجائے گا ہاں البتہ کوئی آنکھیں ہی بند رکھے تو دوسری بات ہے احقر نے کہا کہ حضرت میرے خیال میں ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ بڑے احباب مجلس کے کاموں کواہمیت نہیں دیتے فرمایا کہ ہاں ایک وجہ یہ بھی ہے۔کسی کوکیا خبرتھی کہ بزم اشرف کا یہ چراغ بھی ہم سے جلد جدا ہونے والا ہے۔حضرت سے یہ آخری گفتگو ہوئی اس کے بعد موقع نہ ملا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائیں اورہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں۔آمین

اسلاف کا ایک کامل نمونہ

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب تھانوی مدظلہ سویڈن

عزیز مکرم مولانا عبدالقدوس ترمذی صاحب سلمہ............ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط موصول ہوا، یہ تو یقیناً یقین تھا کہ حضرتؒ اس ناکارہ اور پورے خاندان سے بہت خوش تھے کہ قیام ساہیوال میں جتنے خلوص ومحبت سے وہ میرے دادا، اور اپنے استاد خلیفہ اعجاز احمدؒ مدرس خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون سے محبت والفت کا اور پھر میرے دادا (خلیفہ اعجاز احمدؒ) اور آپ کے دادا (حضرت مفتی عبدالکریمؒ) کا تذکرہ اور رات رات بھر خانقاہ کے دروازے پر بیٹھ کر صبح فجر کردینا ، یہ واقعات وحالات جب سناتے تھے تو یقین کریں کہ میں نے تو کبھی غیریت محسوس ہی نہیں کی اور ہمیشہ اپنا عم محترم ہی سمجھتا تھا اور آپ کے یہ الفاظ کہ ''وہ آپ سے اور آپ کے خاندان سے بہت خوش تھے اور نہایت ہی محبت وشفقت سے بار بار تذکرہ فرماتے تھے'' یقین کریں کہ یہ الفاظ پڑھ کر اتنی فرحت وراحت قلبی طور پر محسوس کی کہ بتلا نہیں سکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ مجھ جیسے ناکارہ کیلئے مغفرت کا باعث ہوگا حضرت عم محترمؒ کی دعائیں میرے لئے یقیناً سرمایہ افتخار ہیں، آج کل کے دور میں اپنے اسلاف کا ایک کامل نمونہ تھے آپ نے کس دُرویشانہ انداز سے اپنی زندگی گذاری اور کس توکل اور کامل اخلاص کے ساتھ دینی خدمات سرانجام دیں اور ساہیوال جیسے پسماندہ علاقہ میں دین کا نور پھیلایا اور کثیر خلق خدا کو وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم کی۔ رب کائنات حضرتؒ کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں مقام رفیع عطا فرمائے آمین۔ اور آپ پر جامعہ کے اہتمام کی ذمہ داری آپڑی ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھیں اور اس پودے کو آپ کے جدامجد عم محترم حضرت مولانا عبدالکریمؒ نے لگایا تھا اور پھر عم محترم حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے اپنے خون جگر سے سینچ کر پروان

چڑھایا اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی کما حقہ خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

فرشتہ خصلت انسان

صاحبزادہ حضرت مولانا محمد عتیق الرحمٰن مدظلہ مہتمم جامعہ عبداللہ بن عمرؓ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً جیسی بابرکت شخصیت کے متعلق احقر الخلائق کا کچھ لکھنا ایک تو نااہلی کی وجہ سے نامناسب ہے اور پھر اکابر کی تحریرات کے ہوتے ہوئے احقر کی تحریر سورج کی روشنی کو جگنوں کی روشنی دکھانے کے برابر ہے مگر حضرت مفتی صاحبؒ کے خدام کے خادموں میں شمولیت باعث سعادت بن سکتی ہے موقعۂ سعادت کو غنیمت جان کر چند سطور پیش خدمت ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی شفقت

حضرت کی شفقت کا صحیح علم بہت کم لوگوں کو ہے یوں تو ہر شخص کہتا ہے کہ مجھ سے بہت شفقت فرماتے تھے کوئی صاحب شاید یوں بھی کہتے ہوں کہ مجھ سے تو سب سے زیادہ شفقت فرماتے تھے ذرا گہرائی میں جا کر دیکھیں تو مزید انکشافات ہونگے مثلاً (۱) آپ کی شفقت دل سے ہوتی تھی (۲) آنکھوں سے ماتھے سے مکمل چہرہ سے آپ کی محبت وشفقت نمایاں سچی معلوم ہوتی تھی (۳) آپ کی شفقت میں بجائے تصنع کے تواضع تھی (4) ہر ایک سے ہنس مکھ خندہ پیشانی سے ملتے تھے (5) دوسروں کو دعا کیلئے کہا کرتے تھے اور خود بھی دوسروں کیلئے دعائیں فرمایا کرتے تھے (6) حق تعالیٰ جل شانہ کی صفت شکور کے ماخذ کے حامل تھے۔ علاوہ ازیں دیگر بہت سے خصائل حسنہ کے مالک تھے۔

جامعہ عبداللہ بن عمرؓ میں تشریف آوری

احقر کے والد محترم حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم جامعہ عبداللہ بن عمرؓ میں ہر

انگریزی ماہ کی پہلی اتوار اصلاحی وتبلیغی بیان کے لئے پہلے خود تشریف لاتے تھے پھر فرمایا کہ پابندی سے آنا میرا مشکل ہے پھر احقر نے حضرت والد صاحب کے مشورے کے مطابق حضرت مفتی صاحبؒ کو فون پر گستاخی کر کے بذریعہ جناب مفتی عبدالقدوس صاحب کو دعوت دی حیران کن شفقت کا اندازہ فرمائیں کہ اس سے پہلے احقر کی کوئی بے تکلفی بھی نہیں تھی اور احقر کو بوقت فون ننانویں فیصد یقین تھا کہ اتنے کمزور اور بیمار بڑھاپے میں کیسے اسپیشل تشریف لا سکتے ہیں مگر ایک فون پر ہی ایسی حوصلہ افزائی فرمائی کہ وقت مقررہ پر تشریف لائے اور تقریباً ایک گھنٹہ تقویٰ کے موضوع پر عجیب وغریب حیرت انگیز وعظ فرمایا اور سامعین کی کثیر تعداد بہت ہی محظوظ ہوئی۔ فراغتِ بیان کے بعد مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ میں خود حیران ہوں کہ میں یہاں آ کیسے گیا (عتیق الرحمٰن نے دم یا وظیفہ کیا لگتا ہے اور کوئی خاص توجہ ڈالی لگتی ہے) باوجود کمزوری وعلالت کے حضرت کی تشریف آوری باعث تعجب ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ احقر جیسے ناکارہ کی دعوت پر اور پھر کوئی خاص بے تکلفی بھی نہیں تھی پھر اپنی سواری کرا کے تشریف لانا اور احقر کی بے انتہا حوصلہ افزائی فرمانا۔ ۲۹ روزوں کے بعد عید الفطر کے مانند خوشیاں اور نعمت غیر مترقبہ اور سعادت کی بارش تھی۔

﴿ وصال سے چند ماہ قبل ﴾

احقر نے ایک رسالہ اسلامی عقائد کی تصحیح وتقریظ کیلئے حضرت مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہ کی وساطت سے حضرت کو پیش کیا حضرت نے اول سے آخر تک جناب مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہ سے سنا اور تصحیح فرما کر (بہت سے جملے تصحیح کے احقر نے رسالہ میں شائع بھی کر دیئے ہیں) تقریظ تحریر فرمائی (جو رسالہ کے شروع میں مطبوع ہے) احقر کو بے پناہ حوصلہ افزائی اور سعادت سے مالا مال فرمایا یہ احقر کے ساتھ بے انتہا شفقت کا معاملہ تھا۔

حق تعالیٰ جل شانہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں اور آپ کی قبر میں آپ کی باعزت مہمانی نصیب فرمائیں اور درجات عالیہ سے نوازیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ آپ کے طفیل ہم سب کی بلا استحقاق و بلا عذاب بخشش نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین یارب العلمین بحرمۃ رسولہ الکریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم برحمتک یا ارحم الرحمین۔

عزیز الوجود ہستی

حضرت مولانا حافظ مہر محمد صاحب مدظلہ میانوالی

۱۵ شعبان جامعہ قرآن وسنت بن حافظ جی (میانوالی) کے شعبہ حفظ وفاق المدارس کی تعلیم اسناد کا جلسہ تھا شعلہ بیان شرین الحان مقررین کی خدمات حاصل کر لی گئی تھیں مگر ایسی تقریبات میں میری کوشش یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی عمر رسیدہ اللہ والے کی تشریف آوری اور پند ونصائح سے بھی ہم مشرف ہوں کہ مدارس میں خیر وبرکت کی روح رواں دراصل انہی کی مبارک جان ہوتی ہے پہلے تو میں نے کوشش کی کہ عارف باللہ استاذ العلماء فکر ولی اللہ کے ترجمان حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ کے افکار تصوف کے خاص قدردان استاذی وسیدی حضرت صوفی عبدالحمید صاحب سواتی بانی ومہتمم جامعہ نصرۃ العلوم گجرانوالہ کو قدم رنجہ فرمانے کی زحمت دوں مگر آپ کا مخصوص مزاج پیرانہ سالی اور عوارض بدنی کی بدولت یہ سعادت حاصل نہ ہوسکی اور دعوات صالحہ کے حصول قبول کو ہی ذخیرہ آخرت جانا پھر خیال آیا کہ مسلک علماء دیوبند کے پاسبان یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کے قدوم میمنت نزوم کی سعادت حاصل کروں اس کیلئے طویل سفر کیا اور عشاء کے وقت پہلی مرتبہ جامعہ حقانیہ ساہیوال جھنگ روڈ ضلع سرگودھا میں آپ کے صاحبزادہ ومہتمم سید عبدالقدوس ترمذی سے ملاقات کا شرف پایا برادر محترم پہلے سے جانتے پہچانتے تھے بہت خوش ہوئے قدیم قصبہ کے تنگ ترین علاقے میں وسیع وعریض رقبہ پر اپنے جامعہ (اسم بامسمی) حقانیہ کی سیر کرائی اور درجہ تخصص فی الفقہ کے فارغ التحصیل علماء کرام سے خطاب کا موقع دیا اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اس قحط الرجال دور میں اتنے بڑے اکثر فضلاء کا کراچی اور ملتان جیسے شہروں سے معمولی قصبہ میں آ کر افتاء کی تعلیم و تربیت پانا حضرت مفتی عبدالشکور اعلی اللہ مقامہ کی کرامت اور علمی کمال کی بین دلیل ہے اللہم زد فزد۔

میں نے مدعا عرض کیا مفتی عبدالقدوس صاحب زید مجدہ نے ابا جی سے فون پر وقت لے لیا اور ایک ساتھی کے ہمراہ دوسرے محلّہ کے اپنے قدیم مکان میں بھیج دیا جہاں حضرت قیام پذیر تھے اس دومنزلہ قدیم شکستہ مگر پر ہیبت وشکوہ مکان کی سیڑہیوں پر چڑھنے سے مجھے حیرت ہوئی کہ اتنے بڑے بزرگ اس ترقی یافتہ دور میں اس مکان میں کیسے گزارہ کر رہے ہیں جو آپ ہی کی طرح یادگار اسلاف ہے حضرت نہایت نحیف وکمزور تھے وجود ہلکا پھلکا چہرہ سفید اور قد میانہ تھا اور اسی طرح فرزانہ تھا جیسے بیس پچیس سال پہلے آپ کو جامعہ اشرفیہ لاہور کی تقریبات میں بارہا دیکھا تھا میں نے دس اکابر علماء کی مصدقہ (۱۹۷۲ء میں) اپنی کتاب عدالت حضرات صحابہ کرام ہدیہ پیش کی اور اپنے مدرسہ قرآن وسنت بن حافظ جی ضلع میانوالی میں لے جانے کی درخواست عرض کی پہلے سے احقر کو جانتے تھے لہٰذا دعاؤں سے نواز کر اپنے ضعف ونقاہت اور بیماری کے علاوہ یہ عذر معقول پیش کیا کہ میں نے اسی تاریخ کو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی جسٹس وفاقی شرعی عدالت کی دعوت پر اسلامی نظریاتی کونسل میں شرکت کیلئے اسلام آباد جانا ہے میں غمزدہ ضرور ہوا اور ناکام واپس آیا مگر اس لحاظ سے مایوس اور فوائد سے محروم نہیں لوٹا کہ حضرت کا مرتبہ چارٹ اور رسالہ ''عقائد علماء دیوبند'' احباب میں پھیلانے کیلئے کافی لے لیا اور جلسہ بھی خیر وعافیت سے گذر گیا اور جیسے دنیا میں نامنظور دعائیں حدیث شریف کے مطابق آخرت میں ذخیرہ اعمال ثابت ہونگی کیونکہ مومن کی دعا رد نہیں جاتی اسی طرح احقر کو اس سفر سے علمی عملی روحانی کافی تقویت حاصل ہوئی الحمدللہ۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میری یہ آخری زیارت ہوگی اور آپ ڈیڑھ ماہ بعد انتقال فرما کر ہماری عیدالفطر کی خوشیوں کو غموں میں بدل دیں گے اور اپنے ہزاروں مریدوں شاگردوں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ جائیں گے علماء دیوبند کے خوشہ چین عقائد سلف صالحین کے طالبین آپ کے وجود کی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو جائیں گے اور کلمہ استرجاع کے ساتھ لبید کا یہ شعر پڑھیں گے:

الا کل شئ ماخلااللہ باطل ۔۔۔ و کل نعیم لا محالة زائل

جس کا ترجمہ ایک ہندو شاعر نے یوں کیا ہے:

دھن دولت آنی جانی ہے ۔۔۔ یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالم فانی ہے ۔۔۔ باقی ہے ذاتِ خدا بابا

آخر میں یہ دعا ہمارے لیے بھی باعث برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام دینی خدمات

قبول فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے۔

صاحب نسبت محقق عارف

حضرت مولانا محمد اعظم طارق صاحب مدظلہ فاضل جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت مولانا محمد اعظم طارق صاحب مدظلہم نے حضرت اقدسؒ کی تعزیت کے موقع پر جو خطاب فرمایا تھا ذیل میں اس کے اہم اقتباس پیش خدمت ہیں۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ''قیامت کے قریب اہل علم دنیا سے اُٹھ جائیں گے'' اہل علم کا دنیا سے اٹھ جانا قیامت کی علامت ہے حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ کا سانحہ وصال علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے ایسے صاحب علم وعرفان ڈھونڈ ھے سے بھی کہیں خال خال نظر آتے ہیں جن حضرات کو اہل علم اور صاحب نسبت کہا جاتا ہے اور جو حضرات صحیح معنیٰ میں ان الفاظ کا مصداق ہیں حضرتؒ بھی انہی میں شامل ہیں۔

مجھے حضرت اقدسؒ کی زیارت پہلی مرتبہ ۱۹۸۰ء میں اس وقت ہوئی جب ہم جامعہ عربیہ چنیوٹ میں پڑھتے تھے اور حضرت نے اس وقت ہم طلبہ سے وہاں خطاب اور نصیحتیں فرمائی تھیں۔ آپ حیران ہونگے کہ حضرت کا وہ خطاب آج بھی لفظ بلفظ یاد ہے اور میں کئی جگہ حضرت کے حوالہ سے اسے بیان بھی کرتا ہوں:

’’حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ علم کہلانے کا حق صرف اس علم کو ہے جو آپ پڑھ رہے ہیں یعنی قرآن وحدیث کا علم باقی جتنے بھی علوم ہیں چاہے وہ ریاضی ہو یا سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ درحقیقت ان پر علم کی تعریف صادق نہیں آتی یہ سب فن ہیں علم نہیں ہیں دین کا علم ہی اصل علم ہے جو آپ کو دنیا وقبر اور آخرت کے متعلق ہدایات دیتا ہے موت کیسے آئی گی؟ قبر اور حشر میں کیا ہوگا؟ جہنم میں کیا ہوگا؟ جنت کی نعمتیں کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی زیارت کیسے ہوگی؟ یہ سب تفصیلات علم دین سے ہی معلوم ہوسکتی ہیں۔ غرضیکہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ایک ایک حقیقت سے جو علم پردہ اٹھائے علم کہلانے کا مستحق وہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ علم علم دین ہی ہے یعنی قرآن وسنت کا علم چونکہ علم یہ پاک ہے اس لئے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس علم کو حاصل کرے اور اس کیلئے یہ علم نافع بن جائے اور وہ کبھی بھی اس علم کو نہ بھولے تو اسے چاہئے کہ جن ذرائع سے یہ علم حاصل ہوتا ہے ان ذرائع کو پاک کرے ان کو گناہوں سے بچائے مثلاً آنکھ، کان، دل وغیرہ، یہ سب حصول علم کا ذریعہ ہیں ان سب کو پاک وصاف رکھے بدنظری، بدزبانی، جھوٹ، غیبت وغیرہ تمام ظاہری وباطنی گناہوں سے بچے تو پھر اس کو یہ علم حاصل ہوگا اور محفوظ بھی رہے گا خلاصہ یہ ہے کہ حصول علم کے ان ذرائع کو پاک وصاف رکھے اور جو علم حاصل ہوا اس پر عمل شروع کر دے اس طرح وہ علم اس کو کبھی نہیں بھولے گا‘‘

یہ ہے حضرت اقدسؒ کی تقریر کا خلاصہ جو اس وقت حضرتؒ نے ہم سے فرمائی تھی۔

سبحان اللہ حضرتؒ نے کس قدر جامع انداز میں علم کی حقیت اور اس کے حصول اور ہمیشہ باقی رکھنے کا آسان نسخہ ہمیں بتا دیا ہے بلا مبالغہ یہ بڑی کیمیا ہے حضرت اقدسؒ کے اس بیان کی جو مغز ہی مغز ہے گھنٹوں تشریح ہوسکتی ہے لیکن حضرتؒ نے سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ ہم انہی حضرات کے ارشادات کی بنیاد پر جو اصل الاصول ہیں تقریریں کرتے ہیں افسوس کہ اب یہ حضرات دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم اور محقق کہلانے کا حق الشیخ حضرت ترمذیؒ جیسے اکابر ہی کو تھا ہمیں ان سے جو نسبت ہے یہ ہمارے لئے بڑی سعادت ہے ان حضرات کی محنت اور قربانیوں خلوص وتقویٰ کی بدولت آج ہم زندہ ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان نسبتوں کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں حضرت اقدسؒ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس کے مزوں اور اس کی نعمتوں سے مالا مال فرمائیں اور ہم سب کو ان کے

نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

عہد ساز شخصیت

مولانا حافظ محمود قاسم قاسمی جامعہ قاسم العلوم فقیر والی

ابتدائے آفرینش سے یہ دستور چلا آرہا ہے جو بھی دنیا میں آیا اس نے دار الفناء کی طرف ہجرت کی لیکن بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جب وہ دنیا سے کوچ کریں تو درودیوار اس کو روتے ہیں ایسی ہی ایک نابغہ روزگار ہستی حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذیؒ تھے۔آپ ایک عہد ساز شخصیت، عظیم مفکر مفسر قرآن، اور بلند پایہ فقیہ تھے آپ تحریر و تدریس کے شہنشاہ، اخلاص و قربانی کے پیکر تھے ایک مخلص خادم دین، عظیم داعی، شمع رسالت کے پروانے اور اپنے وقت کے عظیم محدث تھے۔ان کا بیان درس اور مواعظ علوم و معارف کے انمول خزینے تھے۔وہ اپنے تمام ہم عصروں سے زیادہ قابل اور محنتی تھے آپ فقط مدرس ہی نہ تھے بلکہ ایک محقق عالم دین کہنہ مشق مصنف، صاحب ادیب اور حقانیت واسلام کے سفیر تھے آپ ایک وسیع المطالعہ عالم دین تھے حالات کی نزاکت اور عصری تقاضوں سے باخبر ہونے کی وجہ سے جدید مسائل کو بیان کرنے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے۔

۱۶رجب المرجب ۱۳۶۲ھ میں جب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا انتقال ہوگیا تو مولانا عبدالشکور ترمذیؒ کے والد محترم مولانا سید مفتی عبدالکریم گمتھلوی ترمذیؒ شوال ۱۳۶۳ھ میں جامعہ قاسم العلوم میں بطور شیخ الحدیث متعین ہوئے تو اس وقت مولانا سید عبدالشکور ترمذیؒ بھی اپنے والد گرامی کے ہمراہ جامعہ قاسم العلوم فقیر والی تشریف لائے جہاں آپ نے مشکوٰۃ شریف جلالین اور ہدایہ وغیرہ کتب پڑھیں حضرت مولانا سید مفتی عبدالشکور ترمذیؒ زمانہ طالب علمی سے ہی بلا کے ذہین تھے ہر وقت کتابوں کے مطالعہ میں مستغرق رہتے تھے۔

افتخار ملت مولانا سید مفتی عبدالشکور ترمذیؒ ہزاروں علماء کے استاد تھے، فراغت کے بعد اپنے

اساتذہ سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے چند سال قبل آپ اپنی مادر علمی جامعہ قاسم العلوم میں تشریف لائے تو جامعہ کی ترقی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنے تأثرات قلم بند کئے جو ذیل میں درج ہیں:

﴿ تأثرات حضرت مفتی صاحبؒ ﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوۃ: عرض آنکہ اپنی طالب علمی کے دور کے بعد دل میں خواہش رہی کہ جامعہ قاسم العلوم فقیروالی کی ترقی یافتہ صورت کی بھی زیارت کروں اب تقریباً ۵۵ سال کے بعد جامعہ ہذا کی ترقی یافتہ صورت کی زیارت کا موقع ملا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

۱۳۶۳ھ میں احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید عبدالکریم گمتھلویؒ کے ہمراہ تقریباً ایک سال کا طالب علمی کا زمانہ گذارا ہے اور اس جامعہ کی ابتدائی حالات سے واسطہ رہا اب حاضری کے بعد دیکھا کہ جامعہ اس قدرتی ترقی کے منازل سے گذر رہا ہے کہ اب اس کو ابتدائی زمانہ کے جامعہ سے کچھ نسبت معلوم نہیں ہوتی تعلیمی اور تعمیری کام میں اس قدر ترقی حاصل کی ہے کہ اس صحرائمیں اسکا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور بانی جامعہ ''حضرت مولانا فضل محمدؒ '' کے اخلاص کا ثمرہ ہے اللہ تعالیٰ حضرت بانیؒ کی اس باقیات صالحات کو مزید ترقی عطا فرمائیں اور اس کے فیض کو عام وتام فرمائیں آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

قرب وجوار کے عام مسلمانوں کی خدمت میں خصوصیت سے عرض ہے کہ اس جامعہ کو نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ سمجھیں اور اس سے استفادہ میں دریغ نہ فرمائیں اور اس کی ضرورت مالیہ میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ یہ جامعہ اپنے مقاصد حسنہ کی تکمیل کر سکے۔ یہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا کہ جامعہ ہذا کے موجودہ مہتمم مولانا محمد قاسم سلمہ ماشاء اللہ اپنے اسلاف واکابر کے طریقہ پر مضبوطی سے جمے ہوئے استقامت سے کام کررہے ہیں حضرت مولانا فضل محمد صاحبؒ بانی جامعہ ہذا نے تھانہ بھون حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا استاذی سید حسین احمد مدنیؒ اور سہارنپور ورائے پور کے بزرگوں سے فیض علمی اور روحانی حاصل کیا ہے بحمد اللہ عزیز مکرم مولانا محمد قاسم سلمہ بھی انہی اکابر اسلاف کے نقش قدم پر جامعہ کو گامزن کررہے ہیں۔ واللّٰہ الموفق والمعین وھو المیسر لکل عسیر۔

دوراول کے تعمیری نقشہ کے تصور سے احقر کے ذہن میں: ”حفت الدیار محلها و محاآیا تھا“

آیا تھا مگر مولانا مہتمم سلمہ نے سنتے ہی کہا کہ: ”قفانبك من ذكریٰ حبيب و منزل“ جو کہ حسب حال تھا مکرر دعاء ترقی اور قبولیت کرتا ہوں۔ فقط

الاحقر الافقر الی اللہ الغنی المدعو بسید عبدالشکور الترمذی عفا اللہ عنہ ذنبہ الجلی والخفی

(ابن مولانا المفتی السید عبدالکریم گمتھلویؒ)

نزیل بکورۃ فقیر والی المقیم بساہیوال سرجودھا الجامعۃ الحقانیہ

۱۹/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۷ھ/۲۷-۴-۱۹۹۷ء

ایک مستند عالم دین

حضرت مولانا مفتی ولی اللہ صاحب دارالعلوم جھنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ جامع کمالات تھے آپ قاری بھی تھے اور مفتی بھی اور محقق عالم بھی تھے فارسی، اردو، اور عربی پر بہت عبور تھا بعض تحریریں آپ کی عربی زبان میں ہیں ہزاروں فتاویٰ جات آپ کے قلم سے لکھے گئے اور چھوٹی بڑی تصانیف آپ نے تحریر فرمائیں آپ اکثر وقت تحریر میں صرف کرتے تھے آپ کا فتویٰ ایک سند کی حیثیت رکھتا تھا۔

آپ نے ایک قصبہ میں بیٹھ کر تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جبکہ علماء حضرات شہروں کی رہائش کو ترجیح دیتے ہیں آپ کا منشا یہ تھا کہ سرگودھا سے جھنگ تک سارا علاقہ علم سے خالی ہے اس لئے آپ نے دیہات کو پسند فرمایا اور وہاں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جسے دارالعلوم حقانیہ ساہیوال کہتے ہیں۔ آپ پاکستان کی اسلامی مشاورتی کونسل کے ایک رکن بھی تھے آپ کے اندر روایتی رعب کا نام بھی نہ تھا بلکہ آپ چھوٹوں میں گھل مل جایا کرتے تھے اور سب کی عزت فرمایا کرتے تھے اسی کا نام اخلاق کریمانہ ہے میری جب بھی حضرت والا سے ملاقات ہوتی تو بڑی شفقت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

میرے شیخ ومربی

حضرت مولانا مفتی شکیل احمد صاحب مدظلہ استاذ جامعہ عربیہ چنیوٹ

حضرت سے تعلق کی ابتداء

جامعہ دارالعلوم کراچی سے فراغت کے بعد جب بندہ گھر آیا تو ایک مجلس میں حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب مدظلہم کے صاحبزادے مولانا محمد ثناءاللہ صاحب زید مجدہ نے حضرت اقدسؒ کا تذکرہ کیا اور احقر نے اس سے پہلے حضرت کا تذکرہ نہ سنا تھا چنانچہ دل میں حضرت سے ملنے کا شوق پیدا ہوا پروگرام کے مطابق احقر حضرت مولانا ثناءاللہ صاحب زید مجدہ کی معیت میں حضرت اقدسؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جونہی ہم آپ کی خدمت میں بیٹھے دل کی کیفیت بدل گئی جو نورانیت جامعہ دارالعلوم کراچی میں حضرات اساتذہ کرام کی مجالس میں حاصل ہوتی تھی وہی نورانیت یہاں پر محسوس ہوئی اسی وقت دل میں فیصلہ کرلیا کم از کم ایک سال حضرتؒ کی خدمت میں ضرور رہنا چاہیے حضرتؒ کی خدمت میں اپنی دیرینہ آرزو کا اظہار کیا حضرتؒ نے شفقت فرماتے ہوئے اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ احقر دوسال کا طویل عرصہ حضرت کی خدمت میں رہا اور بہت کچھ دیکھنا نصیب ہوا۔

حضرتؒ کی احتیاط اور توکل

احقر نے حضرت کو دوسال کے عرصہ میں کبھی بھی کسی بڑے سے بڑے دنیا دار کی خوشامد کرتے ہوئے نہیں دیکھا جب بھی کسی سے بات کی ہمیشہ بے پرواہ ہو کر بات کی ایک مرتبہ حضرت کے پاس ایک بڑی عمر کے بزرگ آئے اور آکر کانوں کی بالیاں مدرسہ کیلئے حضرتؒ کو دے دیں حضرت نے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں اور یہ بالیاں کس کی ہیں اس بزرگ نے اپنا سب کچھ بتادیا اور کہا یہ بالیاں میری ہیں اور اس کا کوئی اور مالک نہیں ہے اسی بزرگ نے کہا کہ حضرت میں چار ایکڑ زمین مدرسہ کو دینا چاہتا ہوں اس کو قبول فرمالیں۔حضرت نے زمین کے بارے میں یہ جواب

ارشاد فرمایا کہ بھائی یہ زمین اپنے ورثاء کو دیدے ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ وہ بزرگ حضرتؒ کا یہ جواب سن کر واپس چلا گیا اب حضرتؒ نے احقر کو فرمایا کہ یہ بزرگ بالیاں دے گیا ہے اس کی میں نے رسید نہیں دی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے گاؤں میں کسی آدمی کو بھیجوں گا اور وہ تحقیق کر کے آئے گا کہ یہ بالیاں اس کی بہو بیٹی وغیرہ کی تو نہیں اگر یہ بالیاں کسی اور کی ہوئیں تو انکو واپس دی جائیں گی اور اگر اسی بزرگ کی ہوئیں تو پھر رسید کاٹ کر بھیج دینگے اور زمین کے بارے میں حضرتؒ نے جواب ارشاد فرمایا کہ زمین لینے سے انکار میں نے اس لیے کیا کہ آج ہم مدرسہ کیلئے زمین لے لیں اور کل کو اسکے ورثا آجائیں اور کہیں کہ اس زمین کے مالک ہم ہیں خواہ مخواہ جھگڑا ہوگا جھگڑے سے بچنے کیلئے زمین نہیں لی۔ ایک مرتبہ حضرت نے فرمایا جب مدرسہ کا سالانہ خرچ ہزاروں میں تھا اس وقت بھی کسی صاحب خیر سے نہ مانگا اس وقت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ عام ضروریات کو بڑی عزت سے پورا فرماتے تھے اور آج مہنگائی کا زمانہ ہے اور مدرسہ کا سالانہ خرچ لاکھوں میں ہے آج بھی تمام ضروریات بحسن خوبی بڑی عزت سے پوری ہو رہی ہیں یہ محض اللہ کا فضل وکرم ہے حضرتؒ نے کسی دور میں نہ کبھی کسی حکومت سے مالی امداد حاصل کی اور نہ کبھی رقم وصول کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے مدرسہ کا دامن ایسے مالی تعاون سے قطعاً پاک ہے والحمدللہ علیٰ ذالك حمداً کثیراً حضرتؒ کی یہ عادت مبارکہ تھی مدرسہ کیلئے ایسی امداد کے لینے سے پرہیز کیا کرتے تھے جس سے انکی ذات اور انکے ادارے کو ضعف پہنچنے کا احتمال ہو اس لئے حضرتؒ کو جب بھی ایسی مالی پیشکش ہوئی تو اسے قبول نہیں کیا۔

حضرتؒ کی مجلس کی کشش

حضرتؒ کی مجلس میں اتنی کشش تھی کہ بیٹھا ہوا ہر شخص پرسکون نظر آتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہر شخص اپنا دامن بھر رہا ہے اور کوئی شخص حضرتؒ کی مجلس سے بضرورت شدیدہ کے اٹھتا نہ تھا۔ ۱۴۱۶ھ میں جامعہ حقانیہ کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا تقریباً ۵۰ کے قریب آدمی ہمارے چنیوٹ سے بھی تشریف لے گئے تھے رات کو جلسہ ختم ہوا ماسوائے تین چار افراد کے تمام شرکاءِ سفر گاڑی میں بیٹھ گئے تین چار افراد حضرت کی مجلس میں کافی دیر سے بیٹھے ہوئے تھے اور بڑے محظوظ ہو رہے تھے جو حضرات گاڑی میں دوسرے ساتھیوں کے انتظار میں تھے انہوں نے ایک ساتھی کو بھیجا کہ جاؤ دوسرے ساتھیوں کو بلا کر لاؤ جب یہ ساتھی حضرت کی خدمت میں پہنچا بجائے ساتھیوں کے بلانے کے خود بھی جا کر بیٹھ گیا اور اٹھنے کا نام ہی نہ لیا پھر باقی

ساتھیوں کو پریشانی ہوئی انہوں نے ایک اور ساتھی کو بھیجا یہ بھی وہاں جا کر اسی طرح بیٹھ گیا پھر ایک اور ساتھی کو جوش آیا کہ میں بلا کر لاتا ہوں جب وہ حضرتؒ کی مجلس میں آیا وہ بھی آ کر بیٹھ گیا حتی کہ جتنے ساتھی بلانے والے آئے تمام کے تمام حضرت کی مجلس میں بیٹھ گئے جب مجلس ختم ہوئی اس وقت تمام شرکاء مجلس اٹھے۔ حضرتؒ کی مجلس میں بڑے بڑے انوار و برکات محسوس ہوتے تھے حضرت کے پاس سے فارغ ہو کر چنیوٹ ہی میں کام شروع کر دیا ایک ماہ یا دو ماہ کے بعد حضرتؒ کے پاس حاضری ہونے کا معمول رہا ہے بعض اوقات طبیعت پر اس قدر بوجھ ہو جاتا اور طبیعت پریشان ہو جاتی اور دل چاہتا کہ فوراً حضرتؒ کے پاس جانا چاہئے جیسے ہی حضرتؒ کی مجلس میں پہنچتے زیارت و ملاقات کی چند لمحوں میں دل سے تمام کدورتیں کافور ہو جاتیں اور دل میں بہار سی محسوس ہونے لگتی اور یوں لگتا جیسے ہم اس جہان میں نہیں ہیں۔

لوگوں کی اصلاح کی فکر

حضرتؒ تقسیم کے بعد پاکستان تشریف لائے ساہیوال سرگودھا میں رہائش اختیار کی ساہیوال وہ علاقہ ہے جہاں پر رسم و رواج عروج پر تھیں اکابر علماء دیوبند کا نام لینا شرک سمجھا جاتا تھا لیکن حضرتؒ نے اتنی لگن اور محنت سے کام کیا کہ حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ ایک مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ حالات بڑی محنت کرنے کے بعد بنے ہیں فرمایا بار ہا میرے ساتھ یوں ہوا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر جانے لگا کوئی مقتدی مل گیا اور اکابر علماء دیوبند پر اعتراضات شروع کر دیئے اب میں اس کے اعتراضات کا جواب دیتا ہوں اور اس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہوں چنانچہ اس طرح مطمئن کرتے ہوئے گھر کے باہر پہنچ جاتے پھر گھر کے قریب کھڑے ہو کر بات شروع ہو جاتی بعض اوقات سمجھاتے ہوئے فجر کی اذان گھر کے باہر ہی ہو جاتی اب بجائے گھر جانے کے دوبارہ مسجد میں چلے جاتے جبکہ رات کا کھانا کھانے کا معمول عشاء کے بعد تھا بغیر کچھ کھائے پیئے پوری رات لوگوں کو سمجھانے میں گزار دیتے یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ بہت زیادہ مستحکم ہو۔ حضرتؒ کی کاوشوں اور دن رات کی دوڑ دھوپ کے نتیجہ میں اللہ نے یہ ماحول بنا دیا کہ آج ساہیوال میں اکابر علماء دیوبند کا نام لینا بالکل عام ہے اور اکابر علماء دیوبند کے نام لیواؤں کا سر فخر سے بلند ہے یہ شرف اہل ساہیوال کو ان کی بدولت ملا ہے جو سیرت و کردار میں اسلاف کا نمونہ تھے آج بھی اپنے متعلقین کے دلوں میں زندہ ہیں۔

حضرت فقیہ العصرؒ کی علمی یادگار

از: بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا گار اسلاف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ سے حق تعالیٰ نے دین کے مختلف شعبوں میں جو کام لیا وہ حق تعالیٰ کا خصوصی فضل و احسان ہے۔ حضرتؒ کے کام کی نوعیت و کثرت دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جو کام اکیڈمیاں بھی بمشکل کرتی ہیں وہ آپ نے تن تنہا کر دیا **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.** ؎

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت والاؒ اپنے تمام علمی فقہی کام کے بارہ میں فرماتے تھے کہ بھائی یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم، اکابرؒ کی دعائیں اور حضرت والد ماجدؒ کی برکت ہے میرا اس میں کوئی کمال نہیں ہے۔ پھر فرماتے کہ یہ سب مدرسہ کا فیض ہے کیونکہ ان تمام خدمات کا ظاہری سبب مدرسہ ہی ہے۔ غرضیکہ آپ اپنی تمام خدمات کو عظیم دینی ادارہ ''جامعہ حقانیہ'' ہی کی طرف منسوب فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ''حیات ترمذیؒ'' میں حضرتؒ کی اس علمی یادگار کا مختصر تذکرہ اور اس کے مختلف شعبوں کا تعارف بھی پیش کر دیا جائے۔ تفصیل کیلئے قارئین رسالہ ''الجامعۃ الحقانیۃ'' ملاحظہ فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیہ العصر حضرت اقدس ترمذیؒ کی اس علمی تبلیغی اصلاحی یادگار کو مزید ترقی عطا فرمائیں اس چشمہ فیض کو ہمیشہ جاری رکھیں اور حضرتؒ کی تمام خدمات کو قبول فرما کر ان کے درجات کو بلند فرمائیں۔ آمین یارب العالمین۔

﴿ جامعہ حقانیہ کا تاریخی پس منظر ﴾

جامعہ حقانیہ کی بنیاد حضرت مولانا مفتی سید عبد الکریم گمتھلوی ؒ المتوفی ۱۳۶۸ھ مسترشد خاص حضرت حکیم الامت تھانوی نے حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مشورہ اور ایماء سے ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۹۳۷ء میں قصبہ شاہ آباد مارکنڈا ضلع کرنال (ہند) میں رکھی۔

﴿ مدرسہ قدوسیہ شاہ آباد ضلع کرنال (ہند) ﴾

ابتداء میں اس کا نام مدرسہ قدوسیہ رکھا گیا، محلّہ مخدوم زادگان قصبہ شاہ آباد جامع مسجد مخدوم صاحب میں اس کا قیام عمل میں آیا۔ کسی زمانہ میں قطب عالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ نے اس مسجد کے حجرہ میں قیام فرمایا تھا۔ اور آپ کی وفات شاہ آباد ہی میں ہوئی اور جامع مسجد مخدوم صاحب کی جانب شمال میں آپ کا مزار مبارک ہے آپ کے اسم گرامی پر ہی شہر کی بڑی جامع مسجد معروف ومشہور تھی اسی مسجد کے جنوبی حجروں میں اس مدرسہ کا آغاز ہوا تھا۔ اور قطب العالم جناب حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ؒ کے مبارک اسم گرامی اور نام نامی کی نسبت سے ہی اس کا نام ''مدرسہ قدوسیہ'' رکھا گیا ۱۳۵۶ھ سے ۱۳۶۰ھ تک یہ مدرسہ اسی نام سے دینی، علمی خدمات سرانجام دیتا رہا اور قرآن کریم حفظ وناظرہ کے علاوہ درس نظامی کی ابتدائی تعلیم بھی اس میں ہوتی رہی

﴿ مدرسہ حقانیہ شاہ آباد (کرنال) ﴾

۱۳۶۱ھ میں طلبہ کی کثرت اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے مدرسہ قدوسیہ مخدوم صاحب کی مسجد سے جناب شیخ عنایت الٰہی کی وسیع کوٹھی میں منتقل ہوا اور جامع مسجد (مدرسہ قدوسیہ) میں صرف قرآنی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ کوٹھی کرایہ پر لے کر اس میں تعلیم شروع کرادی حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اس مدرسہ کا نام اب ''مدرسہ حقانیہ'' تجویز فرمایا یہ نام حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے صاحبزادہ جناب عبد الحق صاحب یا حضرت قطب عالم کے شیخ الشیوخ حضرت عبد الحق ردولوی قدس سرہ کے نام مبارک کی نسبت سے رکھا گیا اور پھر تقسیم ملک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء تک یہ مدرسہ اسی نام سے دینی وعلمی، تدریسی خدمات بجالاتا رہا۔

﴿ مدرسہ عربیہ راجپورہ (ریاست پٹیالہ) ﴾

حضرت مفتی سید عبد الکریم صاحب گمتھلوی ؒ نے جہاں قصبہ شاہ آباد ضلع کرنال میں مدرسہ

قدوسیہ اور مدرسہ حقانیہ کی بنیاد رکھی وہیں راجپورہ ریاست پٹیالہ میں بھی ایک دینی درسگاہ اسی سال یعنی ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۹۳۷ء میں ''مدرسہ عربیہ'' کے نام سے قائم فرمائی جس میں ابتدائی تعلیم کے ساتھ درجہ کتب عربی و فارسی کی تعلیم بھی طلبہ حاصل کرتے رہے۔ یہ تینوں مدارس حضرت مفتی صاحبؒ نے قائم فرمائے تھے جو پاکستان کے قیام تک جاری رہے۔

﴿ مدرسہ قاسمیہ ساہیوال ﴾

تقسیم ملک کے بعد حضرت اقدسؒ نے پاکستان ہجرت فرمائی ۲ فروری ۱۹۴۸ء سے ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے۔ اگست ۱۹۴۹ء سے شہر کی مرکزی جامع مسجد میں امامت و خطابت شروع فرمائی اور اسی مسجد میں بجانب شمال بالائی کمرہ میں آپ نے مدرسہ ''قاسمیہ'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا۔ جو ۱۹۵۳ء تک قائم رہا اور اس میں حفظ و ناظرہ کے علاوہ درجہ کتب کی تعلیم بھی جاری رہی، شہر کے علاوہ مضافات کے طلبہ بھی کتابیں پڑھتے رہے۔

﴿ جامعہ حقانیہ ساہیوال ﴾

۱۹۵۳ء میں جب ختم نبوت کی تحریک چلی تو آپ گرفتار ہو گئے اور تین ماہ سے زائد سرگودھا اور ملتان جیل میں پس دیوار زنداں نظر بند رہے آپ کے بعد یہ مدرسہ بند ہو گیا جیل سے واپسی پر آپ نے مستقل عمارت میں مدرسہ کے قیام کا عزم فرمایا اسی جدوجہد اور کوشش میں دو سال مزید گزر گئے تا آنکہ چند مخلص احباب کے تعاون سے کامیابی ہوئی اور اس کی ابتداء یکم ربیع الاول ۱۳۷۵ھ بمطابق ۱۸/اکتوبر ۱۹۵۵ء محلّہ قلعہ والا میں ایک تنگ و تاریک اور بوسیدہ کمرہ میں ہوئی۔ حضرت اقدس مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ نے خود ہی چند بچوں کو نورانی قاعدہ اور قرآن کریم کی تعلیم شروع کرا کر اس کا افتتاح فرمایا اور حضرت مخدوم العلماء والصلحاء مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشورہ سے شاہ آباد کے ''مدرسہ حقانیہ'' کے نام پر ہی اس کا نام ''مدرسہ حقانیہ'' رکھا گیا۔

﴿ ابتدائی حالات ﴾

پانچ ماہ کی مسلسل محنت سے جب طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوا اور بعض قرب و جوار کے طلبہ فارسی، عربی کی کتابیں بھی پڑھنے لگے تو ایک مدرس کا تقرر کیا گیا اور مدرسہ کا تعمیری کام بھی شروع ہو گیا آہستہ آہستہ عوامی چندے سے بجانب جنوب ایک بڑا کمرہ اور برآمدہ اور دوسرا چھوٹا کمرہ بجانب مغرب تیار ہوا

ان میں سے چھوٹا کمرہ بطور دفتر اور کتابوں کی تعلیم کیلئے اور بڑا کمرہ اور برآمدہ قرآن کریم کی تعلیم کے لیے مختص کر دیئے گئے پھر جب طلبہ کی تعداد مزید بڑھتی گئی تو تعمیر کا سلسلہ بھی چلتا رہا عرصہ دراز کے بعد ۱۹۷۵ء میں تعمیر کا کام دوبارہ شروع ہوا اور پھر چند سالوں میں بہت سا تعمیری کام معرض وجود میں آیا مغربی جانب میں مزید دو کمرے اور مشرقی جانب جگہ حاصل کر کے جنوباً شمالاً کمرے تعمیر ہوئے اور مشرقی جانب میں ہی دارالاقامہ، مہمان خانہ، درجہ کتب کی درسگاہوں کے علاوہ پانی کے لیے ایک بڑی ٹینکی اور وضو و غسل خانے وغیرہ بڑے سلیقہ سے بنائے گئے ہیں۔

اس وقت بحمد اللہ تعالیٰ طلبہ کی ضرورت و سہولت کی تمام چیزیں موجود ہیں دارالاقامہ میں ایک سو سے زائد بیرونی طلبہ مقیم ہیں جن کے قیام و طعام اور علاج و معالجہ وغیرہ کا جامعہ ہذا کفیل ہے اور ۲۲ افراد پر مشتمل عملہ مصروف خدمت ہے۔ سات سو سے زائد شہری طلباء قاعدہ قرآن کریم باتجوید حفظ و ناظرہ اور درجہ کتب میں فارسی عربی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں طالبات کیلئے بھی قرآن کریم حفظ و ناظرہ کے علاوہ علوم اسلامیہ و عربیہ (درس نظامی) کی تعلیم کا مکمل انتظام ہے۔

﴿ جامعہ کا مسلک و مشرب ﴾

جامعہ کا مسلک عقائد اہل سنت والجماعت فقہ حنفی کے مطابق ہے اور اس کا مشرب یعنی طریقہ فکر و عمل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مشرب کے مطابق ہے اور اسی مسلک و مشرب کے مطابق یہ ادارہ رجسٹرڈ ہے۔

﴿ جامعہ کے اغراض و مقاصد ﴾

(الف) عامۃ المسلمین میں علوم دینیہ قرآن، حدیث، عقائد اہل سنت والجماعت فقہ حنفی اور ان کے متعلق علوم کی ترویج و اشاعت۔ (ب) قرآن، حدیث، فقہ اور عقائد کی ایسی مکمل تعلیم کا انتظام کرنا جس سے دین کی ضروریات پوری ہو سکیں اور محققانہ نظر رکھنے والے ماہرین علوم دینیہ تیار ہو سکیں۔ (ج) دارالتبلیغ کا قیام: جس کے ذریعہ عام مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کیا جا سکے اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو دین کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ (د) دارالافتاء کا قیام: جس کے ذریعہ عام مسلمانوں کو اسلام کے صحیح احکام سے واقفیت کی سہولت فراہم کی جا سکے۔ (ہ) دارالاشاعت: عامۃ المسلمین میں صحیح عقائد و اعمال اور شرعی اصولوں کی نشر و اشاعت کے لیے تصنیف و تالیف اور اپنے

وسائل کے مطابق دینی رسائل کے اجراء کا اانتظام کرنا۔ (و) اجرائے مدارس دینیہ: علوم شرعیہ کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے شہر و دیگر مقامات میں جدید مدارس دینیہ اور مساجد کا اجراء و انتظام کرنا۔ (ز) تربیت: ان تمام طلبہ کی اخلاقی اور دینی تربیت کا خصوصی انتظام کرنا جو جامعہ سے کسی طور پر وابستہ ہوں

﴿ جامعہ کا نصاب تعلیم اور وفاق سے الحاق ﴾

درجہ عالمیہ تک جامعہ کا الحاق وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ہے اس لئے مدرسہ کا نصاب تعلیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق ہے تمام تعلیمی شعبوں میں اسی کے مطابق درجہ بندی سے تعلیم جاری ہے وفاق کا نصاب سولہ سالہ تعلیمی نظام پر محیط ہے اسمیں قرآن کریم، فارسی، عربی، حدیث فقہ، تفسیر معانی، بلاغت، صرف، نحو، منطق، فلسفہ کی جملہ کتب پڑھائی جاتی ہیں۔

﴿ جامعہ کے مختلف شعبہ جات ﴾

﴿ شعبہ قرآن کریم ﴾

اس شعبہ میں ابتدائی تعلیم یعنی نورانی قاعدہ کے بعد قرآن کریم حفظ و ناظرہ تجوید کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے اور تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ املاء اردو، نوشت و خواند، حساب، بہشتی زیور تعلیم الاسلام، نماز حنفی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اس طرح جب طالب علم قرآن کریم حفظ مکمل کر لیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ اردو تعلیم سے بھی کافی آشنا ہو جاتا ہے اور اس سے تقریباً پرائمری تک کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور بعض بچے یہاں سے پڑھ کر سرکاری اسکولوں کی چھٹی کلاس میں داخل ہو کر اچھے نمبر حاصل کرتے ہیں

﴿ شعبہ درس نظامی ﴾

جامعہ کے اس شعبہ میں پہلے تین سال میں درجہ متوسطہ کی تعلیم دی جاتی ہے جس میں دینیات سیرت، فارسی، اور اس کے ساتھ آٹھویں جماعت تک اردو، ریاضی، جغرافیہ، انگریزی، اور سائنس پڑھائی جاتی ہے۔ اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق با قاعدہ طور پر ثانویہ عامہ، خاصہ، عالیہ اور موقوف علیہ تک تعلیم دی جاتی ہے اس طرح اس شعبہ سے فارغ ہونے والے طلباء فارسی، عربی، فقہ، حدیث، تفسیر، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، فلسفہ پڑھ چکے ہوتے ہیں اور صرف ایک سال دورہ حدیث شریف ملک کے کسی بھی دینی جامعہ سے پڑھنے کے بعد وہ مستند عالم بن کر سند فراغ حاصل کر لیتے ہیں۔

﴿ دارالافتاء ﴾

اس شعبہ میں مسلمانوں کو زبانی اور تحریری طور پر مسائل کا جواب دیا جاتا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق دینی راہنمائی کی جاتی ہے اور پھر یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ تحریری سوال و جواب کو محفوظ کرلیا جائے تاکہ اشاعت کے بعد دوسرے عام مسلمان بھی اس سے مستفید ہوسکیں اس سلسلہ میں اب تک پانچ ہزار سے زائد فتاویٰ محفوظ کئے جاچکے ہیں فقہی ترتیب پر ان کی تبویب کا کام شروع ہے۔

﴿ درجہ تخصص فی الفقہ ﴾

دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد فقہ سے مناسبت اور افتاء کی تمرین اور مشق کے لیے دو سال کے نصاب پر مشتمل یہ شعبہ بھی جامعہ میں جاری ہے جس سے مستند اور سند یافتہ علماء کرام استفادہ کررہے ہیں اس شعبہ سے فارغ ہوکر فتویٰ نویسی سے مناسبت پیدا ہوجاتی ہے اگر اس کے بعد کسی ماہر فقیہ کی زیر نگرانی چند سال تک عملاً فتویٰ کا کام بھی کرلیا جائے تو ایک عالم ماہر مفتی بن کر مسلمانوں کو دینی امور میں صحیح طور پر راہنمائی کرسکتا ہے۔

﴿ تصنیف وتالیف ﴾

الحمدللہ جامعہ کے شعبہ تصنیف میں ۱۰۰ سے زائد دینی کتب اور مضامین لکھے جاچکے ہیں اس شعبہ میں حضرت اقدس قدس سرہ نے جو تصنیفی خدمات انجام دی ہیں وہ یقیناً ایک تاریخی حیثیت کی حامل ہیں اس کی تفصیل ''حیات ترمذی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿ جامعہ کا کتب خانہ ﴾

جامعہ کا کتب خانہ جو جامعہ کے طلبہ کے لئے وقف ہے سینکڑوں کتابوں پر مشتمل ہے قرآن وحدیث، تفسیر، فقہ، تاریخ، سیر، اسماء الرجال، منطق وفلسفہ، معانی وبلاغت سوانح نیز رد مذاہب باطلہ سے متعلق بیسیوں کتابیں کتب خانہ میں موجود ہیں حضرت اقدس مفتی صاحبؒ کا علمی فقہی ذوق اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے وسائل کی کمی اور فقدان کے باوجود کتب کا اس قدر وسیع علمی ذخیرہ اس کتب خانہ میں جمع فرمادیا ہے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: کتاب تو عالم کا ہتھیار ہے اس کے بغیر عالم بے کار ہے

ضرورت کی اکثر کتب جامعہ میں موجود ہیں اور اضافہ کا سلسلہ بھی جاری ہے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ جامعہ میں کتب خانہ کے لیے مستقل عمارت تعمیر کی جائے اور کتابوں میں مزید در

مزید اضافہ کیا جائے وسائل مہیا ہونے پر انشاء اللہ تعالیٰ یہ ضروری کام بھی ہو جائے گا بحمد اللہ تعالیٰ اس کی طرف بھی اب تیزی سے پیش رفت ہو رہی ہے۔

شعبہ درس نظامی برائے طالبات

قرآن کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم کے علاوہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب کے مطابق طالبات کو بھی مکمل درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

عمومی دعوت و تبلیغ

عمومی دعوت و تبلیغ کے لیے شہر کی مختلف مساجد میں کتاب اصلاحی نصاب روزانہ پڑھ کر سنائی جاتی ہے نیز ہفت روزہ درس قرآن کریم بھی ہوتے ہیں اور ہر جمعہ کو جامع مسجد حقانیہ اور جامع مسجد زینب اور جامع مسجد روضہ والی اور جامع مسجد قلعہ والی میں تقریر ہوتی ہے بیرون شہر بھی تقریر و واعظ کے لئے بہت سے اسفار کیے جاتے ہیں جمعہ سے قبل کی تقریریں بھی عام مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کا بہت بڑا عمومی ذریعہ ہے اسی تھوڑے سے وقت میں اگر پابندی کی جائے تو بہت سے مسائل معلوم ہو سکتے ہیں گویا مسلمانوں کو یہ بھی دینی معلومات پہنچانے کے لیے ایک عام سبق ہے تجربے سے اس کا نفع ثابت ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں جامعہ میں بھی ہفت روزہ درس پابندی سے ہوتا ہے۔

جامعہ کا عمومی فیض

جامعہ سے حفظ و ناظرہ قرآن کریم پڑھ کر فارغ ہونے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اسی طرح جن طلبہ نے درس نظامی کی کتب پڑھ کر دوسرے جامعات سے علوم کی تکمیل کے بعد سند فراغت حاصل کی ان کی تعداد بھی کافی ہے جس میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے بحمد اللہ تعالیٰ بہت سے حفاظ اور قراء کرام اسی طرح فضلاء حضرات مختلف شہر اور قصبات و دیہات اور اضلاع میں قرآن و حدیث پڑھانے میں مشغول ہیں اس طرح جامعہ کا فیض نہ صرف شہر اور قرب و جوار پر محیط ہے بلکہ فضلاء کے ذریعہ ملک کے دیگر اضلاع میں بھی پہنچا ہوا ہے بلکہ بعض فاضلین جامعہ بیرون ممالک بھی تعلیم و تبلیغ کے فریضہ میں مشغول ہیں۔

مساجد کا نظام

چونکہ شہر کی مختلف مساجد سے جامعہ کے اساتذہ کرام کا تعلق ہے اور ان کو جامعہ کی سرپرستی

حاصل ہے اس لئے ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ بھی پیش خدمت ہے۔

جامع مسجد حقانیہ

جامع مسجد حقانیہ شہر بلکہ علاقے کی سب سے بڑی اور مرکزی مسجد ہے اس کی بنیاد حضرت مفتی صاحبؒ نے ۱۳۸۰ھ ۱۹۶۰ء میں رکھی مدرسہ کے نام کی طرح اس کا نام بھی حقانیہ رکھا گیا ۱۹۶۶ء سے ۱۹۹۴ء تک حضرت مفتی صاحبؒ اس میں خطابت فرماتے رہے اور اس سے پہلے بھی اس جامع مسجد میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاذ مولانا مفتی ممتاز احمد تھانوی مرحوم اور استاذ مولانا محمد یار خان صاحب جمعہ پڑھاتے رہے ہیں اور جامعہ کے استاذ ہی اس میں امام رہے ہیں۔ دسمبر ۱۹۹۴ء سے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہم خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ جمعۃ المبارک اور رمضان المبارک میں حاضرین کی تعداد بہت زیادہ دیکھنے میں آتی ہے کہ مسجد اپنی پوری وسعت کے باوجود تنگ معلوم ہوتی ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ یہ جامع مسجد وسیع بھی ہے اور خوبصورت بھی ظاہری اور معنوی ہر دو خوبیوں سے خدا تعالیٰ نے اس کو مالا مال فرما رکھا ہے، اقامها اللّٰه و ادامها۔

جامع مسجد زینب

کچھ عرصہ قبل مرحومہ مسماۃ زینب دائی نے جامعہ کے نام پر ایک پلاٹ مسجد بنانے کی غرض سے وقف کیا حضرت مفتی صاحبؒ نے اس پلاٹ سے متصل کافی رقبہ خرید کر اس میں شامل فرمایا اور زینب مسجد کے نام سے اس کی بنیاد رکھی اور اب اس مسجد کی دومنزلہ تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔

مسجد زینب کے جنوب میں متصل ایک پلاٹ پر قرآن کریم کی تعلیم کیلئے ایک دینی مکتب کا اجراء بھی کیا گیا ہے جس میں قرآن کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں مسجد شریانوالی، جامع مسجد قلعہ والی، مسجد مدنی، جامع مسجد روضہ والی، مسجد بلال، مسجد رحمانیہ وغیرہ میں بھی جامعہ کے اساتذہ کرام اور فیض یافتہ امامت کر رہے ہیں۔

رمضان المبارک میں تقریباً ۱۰۰ سے زائد حفاظ شہر اور بیرون شہر دیہاتوں کی مختلف مساجد میں قرآن کریم سناتے اور سنتے ہیں اور آخری عشرہ میں ان کے تمام مساجد میں اصلاحی بیانات اور مواعظ بھی ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ اب بحمد اللہ تعالیٰ دن بدن ترقی پر ہے۔

﴾ عیدگاہ حقانیہ ﴿

۱۹۶۶ء میں شہر سے باہر ایک وسیع رقبہ پر حضرت مفتی صاحبؒ نے عید پڑھانی شروع فرمائی پھر بعد میں اس کی تعمیر ہوتی رہی اس وقت محراب اور فرش چار دیواری تیار ہو چکی ہے حضرت مفتی صاحبؒ کے بعد صاحبزادہ مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم عید پڑھاتے ہیں اور عید سے قبل بیان بھی ہوتا ہے جس میں ہزاروں مسلمان شریک ہوتے ہیں۔ یہ رقبہ عیدگاہ حقانیہ کیلئے چوہدری علی شیر مرحوم نے وقف کیا تھا نمازیوں کی کثرت سے اب یہ عیدگاہ بھی تنگی داماں کی شاکی ہے اللہ تعالیٰ اس کے وسیع اور فراخ ہونے کا سامان مہیا فرمائے (آمین

﴾ جامعہ حقانیہ فاروقہ روڈ ساہیوال ﴿

جامعہ حقانیہ کی موجودہ عمارت جس میں ۱۲۲ افراد پر مشتمل عملہ مصروف خدمت ہے اور سو سے زائد بیرونی طلبہ مقیم ہیں اور تقریباً سات صد طلبہ زیر تعلیم ہیں یہ جگہ دو کنال رقبہ پر محیط ہونے کے باوجود تنگ ہے چونکہ اس میں جامعہ کے تمام شعبے قائم ہیں طلبہ کی کثرت اور شعبہ جات کی تعداد میں ترقی کے پیش نظر ساہیوال فاروقہ روڈ پر ۱۲ کنال کا وسیع رقبہ ایک خطیر رقم میں خرید لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام پر ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو اس وسیع رقبہ پر سنگ بنیاد رکھ دیا گیا ہے یہاں ایک وسیع کمرہ مع برآمدہ تعمیر ہو چکا ہے اور دو استاد قرآن کریم پڑھا رہے ہیں۔

دل سے دعاء ہے اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو ترقیات لامتناہیہ عطا فرمائیں اور ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ رکھیں اور غیب سے اس کی مدد فرمادیں (آمین)

اے خدا این جامعہ قائم بدار
فیض او جاری بود لیل نہار

فقط

راقم الحروف دعا جو بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ
جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
۲۷ ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ یکم مارچ ۲۰۰۳ء

آہ عظیم مشفق و مربی

حضرت مولانا اللہ بخش صاحب مدظلہ مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

کائنات ارض وسمانے اپنی آفرینش کے بعد ایسے عظیم جبال العلوم کا نظارہ کیا ہے جن کی شہرت دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلی ہوئی ہے انہیں شخصیات میں سے ایک شخصیت فقیہ العصر جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا قاری سید عبدالشکور ترمذیؒ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کو لوگوں کیلئے وقف کررکھا تھا بظاہر دیکھنے میں تو ایک سادہ انسان نظر آتے تھے لیکن ان کے نزدیک رہنے والے خوب جانتے ہیں کہ وہ کس قدر عظیم شخصیت کے مالک تھے ان کی زندگی کا ہر پہلو انوکھا اور دینی خدمت کے جذبہ سے سرشار تھا احقر کا ان سے ضعفِ عمری میں عرصہ چار سال تک انتہائی قریب کا تعلق رہا، باوجود کمزوری اور بیماری کے بڑی جانفشانی سے کٹھن مراحل میں منہمک پایا مدرسہ اور مسجد سے والہانہ محبت تھی زیادہ وقت مدرسہ میں گذارتے تھے۔ایک مرتبہ مرض کی وجہ سے بہت ہی کمزور ہوگئے چنددن مدرسہ میں حاضری نہ ہوسکی کچھ افاقہ کے بعد مدرسہ میں تشریف لائے اور ایک مجلس میں فرمانے لگے ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ مدرسہ میں نہ جاؤ گھر میں آرام کرو تو فرمایا یہ تو ہوسکتا ہے کہ مدرسہ میں رہوں گھر نہ جاؤں یہ نہیں ہوسکتا کہ گھر میں آرام کروں اور مدرسہ نہ جاؤں اہل علم سے خوب محبت فرماتے تھے جب کوئی عالم مدرسہ میں تشریف لاتے تو حضرت بہت خوش ہوتے اور اپنی تمام مصروفیات چھوڑ دیتے اور مدرسہ کے اساتذہ کو بھی بعض دفعہ بلواتے لیکن عرصہ چار سال مجھے ان کے جامعہ میں تدریس کا شرف حاصل ہوا اس دوران حضرت کا انداز مدرس کو اپنے پاس بلوانے کا بہت ہی نرالا دیکھا پیغام بھجواتے کہ فلاں صاحب آئے ہیں فرصت ہو تو آجاؤ اسی طرح اگر کسی استاذ سے کوئی کام ہوتا اور استاذ صاحب اپنی درسگاہ میں مصروفِ تدریس ہوتے تو بجائے طالب علم کو بھیجنے کے خود تشریف لے جاتے۔تمام اساتذہ سے خوب شفقت فرماتے تھے اور انہیں ہر استاذ کی ہمہ قسمی راحت کا خوب خیال رہتا تھا اگر کسی استاذ کو

دوران ماہ رقم کی ضرورت پڑ جاتی تو فراخدلی سے تعاون کا ہاتھ بڑھاتے۔ اساتذہ کے تقرر کے بارہ میں ایک دفعہ فرمانے لگے مولوی صاحب اگر کوئی استاذ کسی کتاب میں کمزور ہو لیکن دینی ذہن رکھتا ہو میرے ہاں بہت پسندیدہ ہے اگر کوئی تھوڑی بہت کمی ہے تو پڑھنے پڑھانے سے دور ہو جائے گی احقر جب چھٹی لے کر مظفر گڑھ آتا اور واپس جب حاضری ہوتی تو مظفر گڑھ کے علماء اور مدرسین اور مدارس کے متعلق کافی دیر تک حال احوال پوچھا کرتے تھے اور اس تمنا کا اکثر اظہار فرماتے تھے کہ مظفر گڑھ کے مدارس کو دیکھنا چاہئے احقر بھی اسی موقعہ کی تلاش میں رہا کہ حضرتؒ کی تمنا کسی نہ کسی طرح پوری ہو چنانچہ جب حضرتؒ سے رخصت لے کر مدرسہ امداد العلوم میں بطور تدریس کے تعینات ہوا تو بڑے لڑکے محمد سعید الرحمٰن سلمہ کے ختم قرآن کی تقریب میں حضرتؒ کو شرکت کی دعوت دی تو حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور پروگرام بنا لیا۔ چنانچہ حضرتؒ نے ایک رات مظفر گڑھ میں مولانا سعید احمد شاہ صاحب ناظم جامعہ مدنیہ مظفر گڑھ کے ہاں قیام فرمایا اور مدرسہ میں صبح کو درس دیا اور کچھ وقت قصبہ گجرات میں مولانا محمد اقبال صاحب مدظلہ کے ہاں ٹھہرے اور پھر آئندہ رات محمود کوٹ شہر مدرسہ امداد العلوم میں قیام کیا۔ دوران قیام مدرسہ کے طلباء میں خوب بیان ہوا فرمانے لگے مولوی صاحب یہاں آ کر خوب دل لگ گیا ہے رات کو کافی دیر تک طلباء میں محفل رہی اور علمی گفتگو ہوتی رہی سارا دن سفر اور پھر مختلف بیانات کے باوجود تھکن بھی محسوس نہ فرمائی دوران گفتگو طلباء سے فرمانے لگے خوب محنت کرو اور متبحر عالم بنو، فرمایا متبحر عالم دو طرح کا ہوتا ہے ایک مثل دبّاء (یعنی کدو کی مانند) جو دریاء کے اوپر تیرتا ہے اور ایک مثل سمک (یعنی مچھلی کی مانند) جو دریا میں غوطہ لگاتی ہے اور سمندر کی تہہ میں چلی جاتی ہے تم متبحر مثل سمک بنو۔ دوسرے دن کوٹ ادو کے مدارس سے ہوتے ہوئے شام کو چوک منڈا حضرت مولانا عبدالمجید صاحب کے ہاں پہنچے اور رات کو وہاں قیام ہوا اور طلباء میں بیان بھی ہوا اور صبح کو ناشتہ کے بعد ساہیوال سرگودھا کو روانہ ہو گئے بیماری کمزوری اور بڑھاپے کے عالم میں حضرت کا یہ طوفانی دورہ آپ کی کرامت تھی۔ حضرتؒ کا رسالہ و کتب کے اسماء تجویز کرنے میں بہت بڑا ملکہ تھا احقر نے ابواب الصرف کا ایک جامع نقشہ مرتب کیا اور حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور بہت سی دعائیں دیں اور فرمانے لگے تم نے صرف کو ایک نقشہ میں بند کر دیا ہے عرض کیا حضرت اس کا نام تجویز فرما دیں تو حضرتؒ نے تھوڑا سا توقف کرنے کے بعد فرمایا ''ارشاد الطلاب لحفظ الابواب''، جس پر حضرتؒ کی تقریظ بھی درج ہے۔

یادگاراسلاف قدس سرہ

حضرت مولانااشرف علی صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا

حضرت اقدس نوراللہ مرقدہ سے احقر پہلی مرتبہ اس وقت متعارف ہواجب جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث شریف پڑھ رہا تھا بھائی عبدالقدوس احقر کے ہم درس تھے حضرت اقدس کی زیارت پہلی مرتبہ وہیں نصیب ہوئی ۔فراغت کے بعد ساہیوال حاضری دی اور پھر حضرت اقدس سے برابر رابطہ رہا۔احقر نے جب مدرسہ اسلامہ محمودیہ سرگودھا کے قیام کا ارادہ کیا آپ بہت خوش ہوئے دعائیں دی اور سرپرستی بھی فرمائی بلکہ افتتاحی تقریب میں آپ ہی روح رواں تھے،گلشن رحمان میں مدرسہ کیلئے نئی جگہ کے حصول میں حضرت اقدس کی خاص دعائیں اور توجہات شامل حال رہیں غرضیکہ حضرت آخرِ حیات تک برابر سرپرستی وشفقت فرماتے رہے۔

اس ناچیز کے ساتھ آپ کی بے پایاں شفقتیں ناقابل بیان ہیں ۔مدرسہ کیلئے آپ نے جوتحریراپنے دست مبارک سے عنایت فرمائی احقراس کواپنے اور مدرسہ کیلئے نیک فال سمجھ کر ذیل میں نقل کررہاہے ۔میں آپ کے بارے میں کچھ لکھنے کا اہل نہیں تاہم یہ واضح ہے کہ حضرت اقدس صحیح معنی میں اسلاف کانمونہ اورعصرحاضر کےعظیم فقیہ اورحکیم الامت حضرت تھانوی اورشیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرھما کی نسبتوں کے جامع اورمسلک دیوبند کےشارح اورترجمان تھے۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کوبلندفرمائیں گلشن حقانیہ کومزیدترقی عطافرمائیں اورہمیں آپ کےنقش قدم پر چلنے کی سعادت عطافرمائیں آمین۔

بزم فقیہ العصر میں شرکت کی غرض سے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے ان چندسطور پراکتفا کرتا ہوں اب حضرتؒ کی تحریرسامی ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد:

گذارش آنکہ دینی ادارہ جامعہ اسلامیہ نزد نیوسٹلائٹ ٹاؤن گلشن رحمان سرگودھا میں کئی مرتبہ حاضری کا شرف حاصل ہوااور ہر مرتبہ جامعہ کی کارکردگی کو دیکھ کر بڑی مسرت حاصل ہوئی اور دل سے مزید ترقی کیلئے دعائیں نکلیں۔

اس نئے علاقہ میں حالات کی نامساعدت اور اسباب کے فقدان کے باوجود مختصر عرصہ میں اس جامعہ نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اور تعلیم کے ساتھ تعمیر میں بھی انتہائی سرعت کے ساتھ اضافہ اور ترقی کی منازل طے کررہاہے سرگودھا کے دینی مدارس میں اتنی قلیل مدت میں اس قدر ترقی کا حصول قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔امید ہے کہ یہ جامعہ اہل سنت والجماعت کے طریقۂ مرضیہ اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے جادۂ مستقیمہ پر گامزن رہتے ہوئے اسی طرح تعلیمی تبلیغی ترقی کرتا رہے گااوران شاءاللہ تعالیٰ حسب ضرورت تعمیرات میں بھی اضافہ ہوتا رہے گاو ماذالک علی اللہ بعزیز۔

اس جامعہ کے بانی اور مہتمم عزیز محترم مولانا محمد اشرف علی صاحب سلمہم وشرفہم ہیں ماشاءاللہ بڑے کارکن اور فعال ہونے کے ساتھ اپنے اکابر کے ساتھ حسن عقیدت اور ان کی اتباع کو اپنا سرمایۂ سعادت سمجھتے ہیں اور یہی کلیدِ کامیابی ہے مزید براں بانی جامعہ کے اسم میں مادہ اسمی اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کے اسم مبارک کے ساتھ مشارکت اسمی بھی بانی موصوف کو سراپا مجسمِ شرافت بنائے ہوئے ہے اور اسی مشارکت کی برکات بھی ظاہر ہورہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان میں مزید دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں اور اس جامعہ کو اپنے اسلاف کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے علوم کا امین ومحافظ بنائے ،اس احقر کی طرف سے سوائے دعاءِ خیر اور کیا پیش کیا جائے ۔

اور کیا دے سکے عقیدت کیش   برگ سبزاست تحفہ درویش

فقط احقر سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

خادم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

۲۰ ؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

باکمال ہستی

مولانا محمد تصور اقبال صاحب فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور

علمی مرتبہ ومقام

حضرت مفتی صاحبؒ ایک جامع شخصیت تھے مگر آپ پر علمی ذوق غالب تھا زیادہ تر آپ کی توجہ دینی علوم وفنون کی ترویج پر مرکوز رہی بیشمار آپ کے شاگرد حافظ وقاری اور دینی علوم وفنون کے امین ہیں جو اپنی اپنی جگہ گم گشتگان حق کو حق کی راہ پر گامزن کئے ہوئے ہیں۔ ہزاروں شاگرد، درجنوں دینی مدارس جامعات ومساجد جن کی آپ آخری وقت تک سرپرستی فرماتے رہے یہ تمام امور آپ کیلئے صدقہ جاریہ ہیں علاوہ ازیں سو سے زائد آپکی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب اور مضامین ہیں جو آپ نے موقع محل کے مطابق لکھے اور وہ قومی جرائد اور اخبارات میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ماشاء اللہ آپ میں تحقیق کا عنصر بہت نمایاں تھا یہی وجہ تھی کہ ملک کے بڑے بڑے اداروں اور جامعات سے بھی فتاویٰ تصدیق کے لئے آپ کے پاس آتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا۔ آپ قرآن مجید کے حافظ وقاری ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ التفسیر، فقیہ، عظیم مفکر اور بلند پایہ محدث تھے آپ میں اور بھی بہت زیادہ خصوصیات تھیں جنہیں لفظوں کی گرفت میں نہیں لایا جاسکتا آپ کے عقائد میں پختگی اور معاملات میں نکھار تھا آپ اپنے اسلاف کے سچے عاشق تھے جن سے آپ نے اطاعت رب اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سبق سیکھا تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ طلباء کی اصلاحی تربیت بھی فرماتے تھے، آپ طلباء پر انتہائی شفیق اور مہربان تھے، طالبان دین ہی کو اپنا سرمایہ اور دولت سمجھتے تھے اہل ساہیوال کو آپ کی وساطت سے بڑے بڑے بزرگوں، کبار علماء کرام اور شیخ طریقت اور ایسے اصحاب جو اپنے فن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے ایسے حضرات سے ملنے اور ان کی دعائیں لینے کا شرف حاصل ہوا۔

﴾ علمی مشغلہ ﴿

آپ نے فراغت کے فوراً بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمادیا تھا۔اور آخری وقت تک اسی شعبے سے منسلک رہے آپ کو دینی کتب سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا جب آپ کو پہلی مرتبہ عارضہ قلب لاحق ہوا تو اس کے بعد ڈاکٹروں نے آپ کو تحریر وتقریر سے روک دیا تھا، یہ بات آپ کو بہت شاق گذری، بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ جس کی پوری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گذری ہو قال اللہ اور قال الرسول کے نغمے سننا اور سنانا جس کی فطرت ثانیہ بن چکی ہو وہ اس کام سے رک جائے ناممکن تھا آپ نے اپنی صحت کی پرواہ کئے بغیر قرآن وحدیث سے ناطہ آخری وقت تک ٹوٹنے نہ دیا، آپ کے نزدیک سب رشتوں سے زیادہ محبوب اور مضبوط رشتہ دین کا رشتہ تھا آپ نے زمانے کو خوش رکھنے کی بجائے اپنے رب کو خوش کرنے کی کوشش کی اکثر لوگ زمانے کو خوش کرتے کرتے اپنے رب کو ناراض کر بیٹھتے ہیں حضرت کے ہاں ہر چیز سے مقدم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری تھی۔

﴾ استاد کی اتباع کامیابی کی ضامن ہے ﴿

ایک مرتبہ میں نے زمانہ طالب علمی میں اپنے استاد محترم حضرت مفتی صاحب مرحوم کے سامنے دوزانوں بیٹھے ہوئے عرض خدمت کی تھی کہ ! حضرت میرا ذہن فی الحال پڑھائی میں یک سو نہیں ہورہا دعا کی درخواست ہے،تو جواب میں حضرت نے بڑی مختصر مگر جامع بات فرمائی،فرمایا کہ ”بھائی لگے رہو کبھی نہ کبھی کامیاب ہو ہی جاؤ گے“ حضرت کی بات کا اس وقت تو مجھے اتنا احساس نہیں تھا، آج سوچتا ہوں تو یقین آتا ہے کہ واقعی میں تو کچھ بھی نہیں تھا حضرت کے فرمان پر عمل ہی کا نتیجہ ہے کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں حضرت استاد محترم کے فرمان پر عمل ہی کی بدولت ہوں آپ کے فرمان کا مفہوم یہ تھا بقول شخصے ”پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ“ حضرت کی کونسی باتیں لکھوں اور کونسی نہ لکھوں ایک بات تو ہے نہیں سینکڑوں ہزاروں باتیں ایسی ہیں جنہیں آب زر سے لکھنے سے بھی حق ادا نہیں ہوتا۔

ہزاروں کی تعداد میں آپ کے شاگرد ہیں جو اپنے استاد شیخ ومربی کا ذکر خیر کرتے ہی رہیں گے۔
ایسے متوکل اور اہل اللہ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، دل تو چاہتا ہے کہ ایسے ملکوتی صفات کے اوصاف حمیدہ لکھتے لکھتے جام عمر لبریز ہو جائے مگر پھر اپنی کم علمی کا احساس دامن گیر ہو جاتا ہے۔ ؎

جی تو چاہتا ہے ستاروں سے سجادوں تجھ کو   پھر خیال آتا ہے دامن میں میرے کچھ نہیں

عظیم شخصیت

مولانا محمد افتخار بیگ استاذ ورفیق دارالافتائ دارالعلوم کراچی

حضرت اقدس فقیہ ملت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ عالم اسلام کی وہ عظیم المرتبت شخصیت تھے جن کا وجود ملتِ اسلامیہ کی دینی، مذہبی اور ثقافتی اقدار کی بقاء کیلئے موقوف علیہ کا درجہ رکھتا ہے، اور جن کی حیاتِ مستعار کے لحات دین متین کے گلشنِ بہار آفرین کی کلیوں کو اپنے خون جگر سے سینچنے میں صرف ہوتے ہیں، اوران کا وجود مسعود زمین پر متعدد فتنوں کے برپا ہونے کیلئے ایک بڑی رکاوٹ ہوتا ہے، اوران شخصیات کا اٹھ جانا اسلام اور اہل اسلام کیلئے جانکاہ المیہ ہوا کرتا ہے۔

ملتِ اسلامیہ کے ان عظیم سپوتوں کو خراجِ تحسین پیش کرنا بھی ہر کس وناکس کا کام نہیں، اور ڈر رہے کہ مجھ جیسے طفلِ مکتب کا حضرت اقدس ترمذی رحمہ اللہ کے بارے میں کچھ لکھنا اس عالی مرتبہ ہستی کی تنقیص کا باعث نہ بنے، کیونکہ شفاف آئینہ میلے ہاتھ لگنے سے داغدار ہو جاتا ہے۔

لیکن حضرت اقدس کے ساتھ کچھ لحات گزارنے کا موقع میسر آیا تھا تو اس عظیم ہستی کی زندگی کے جو گوشے میری کوتاہ نگاہی کے باوجود مجھ پر آشکارا ہوئے فقط ان کے اظہار کی تمنا بھی شدت سے ہورہی ہے، یہ سوانح نگاروں کا مبالغہ ہے اور نہ محض مدح سرائی، بلکہ اس نابغہ روزگار شخصیت کے شب وروز کا آنکھوں دیکھا حال ہے، جو مختصر سی مدت میں محسوس ہوا، حضرت اقدس کی باغ وبہار زندگی کے مختلف الجہات پہلوؤں پر تو وہی لوگ علی وجہ البصیرت روشنی ڈالنے کے اصل حقدار ہیں جو براہِ راست حضرت سے فیض یاب ہوئے، اور حضرت کی صحبت میں طویل وقت گزار چکے ہوں۔

میں تو سطور ذیل میں فقط ان چند ایام کی مختصر سرگزشت قلمبند کر پاؤں گا جو مجھے حضرت اقدس کی صحبت میں گزارنے کا موقع غنیمت میسر آیا۔

یہ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ کے ابتدائی ایام تھے کہ ان دنوں صاحبزادہ حضرت شیخ الاسلام

مدظلہم مولانا عمران عثمانی صاحب کی شادی ہونے والی تھی اس سلسلے میں مہمانوں کی آمد جاری تھی ہمیں جس مہمان کی خدمت پر مأمور کیا گیا تھا 'سبحان اللہ ! کیا خوش بختی تھی کہ وہ عظیم ہستی حضرت اقدس مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ کی تھی ، حضرت اقدس جب دارالعلوم تشریف لائے تو گاڑی سے اترتے ہی دیدار نصیب ہوا تو پہلی ہی نظر میں انتہائی سادگی اور عاجزی لئے ہوئے منحنی سا جسم ، بدن پر انتہائی سادہ لباس کندھے پر ایک معمولی رومال ، اس شخصیت کی محبت دل میں سما گئی ، بالخصوص سادگی اور عاجزی جو قرونِ اولی کے اسلاف کی حقیقی ترجمان تھی وہ دل پر ایک گہرا اثر مرتب کرگئی۔

حضرت اقدس کو دارالعلوم کے مہمان خانہ نمبرا میں ٹھہرایا گیا، یوں تو بظاہر حضرت کی آمد شادی میں شرکت کی غرض سے تھی لیکن درحقیقت اکابرین دارالعلوم کے ساتھ آپ کی بے پناہ محبت اور دیرینہ تعلق خاطر ہی اس آمد کا سبب تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ آٹھ یوم تک دارالعلوم میں قیام پذیر رہے، چونکہ حضرت کے کھانے وغیرہ کے انتظام کی خدمت میرے سپرد تھی اس لئے مجھے ان دنوں میں حضرت کی خدمت میں حاضری کا شرف الحمدللہ خوب میسر آیا ، میری خدمت تو برائے نام ہی تھی ، کیونکہ علم وروحانیت سے معمور اتنی سادگی ، اور مسکنت کی حامل شخصیت جس کی غذا انتہائی قلیل اور سادہ ،بس ایک آدھ چپاتی اور ناشتے میں ایک کپ پھیکی چائے کے ساتھ چند بسکٹ ،البتہ کھانے کے بعد ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ہاضمے کیلئے ایک کولڈ ڈرنک لیتے تھے،اس وقت آپ کے ہمراہ آپ کے عظیم فرزند مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی بھی تھے،اکثر اوقات حضرت اقدس اکابر اساتذہ دارالعلوم کے ساتھ علمی مسائل میں محو گفتگو رہتے ، اور اپنے علم وفضل سے بہرہ ور فرماتے رہتے ، بندہ کیلئے ان محافل میں شرکت ہی دراصل نعمتِ غیر مترقبہ تھی ، اس کے علاوہ آدابِ زندگی ،معاشرت کے جو زریں اصول حضرت اقدس کی خدمت میں اس حاضری سے مجھے میسر آئے وہ بلاشبہ میرے لئے سرمایہ حیات ہیں ، حضرت ہمہ وقت علمی گفتگو،مطالعہ یا ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ، اتنا بڑا علمی مقام ہونے کے باوجود سادگی اور مسکنت آپ کی ہر ادا میں رچی بسی تھی جو اہل علم کیلئے قابل تقلید ہے۔

اسی دوران ہم نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت والا سے اجازت حدیث کیلئے درخواست کی جو حضرت نے قبول فرمائی ،اس کا واقعہ میری ڈائری میں اس طرح محفوظ ہے:

آج بتاریخ ۱۰ جمادی الاولی ۱۴۱۷ھ صبح تقریباً دس بجے (بمقام مہمان خانہ نمبرا جامعہ

دارالعلوم کراچی) بندہ نے اور رفیق درس مولانا سید حسین احمد صاحب نے بقیۃ السلف فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مدظلہم سے اجازتِ حدیث کی درخواست کی ، حضرت نے بے پناہ شفقت اور محبت کی بناء پر ہماری درخواست قبول فرمائی ، تو مولانا سید حسین احمد صاحب نے حضرت اقدس کے سامنے بخاری شریف ، ترمذی ، اور ابوداؤد شریف کی پہلی اور آخری احادیث کی عبارت پڑھی اور بندہ نے سماعت کی ، اس کے بعد حضرت نے اپنی مرویات کی اجازت مرحمت فرمائی ، اور بخاری شریف کی آخری حدیث پر تقریباً ۱۸ منٹ تک بصیرت افروز محققانہ نکات بیان فرمائے ، اس موقع پر استاذ مکرم مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی اور مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہما بھی تشریف فرما تھے ۔ انہی دنوں میں نے اپنی ڈائری پر حضرت سے کچھ نصیحت اموز کلمات تحریر کرنے کی فرمائش کی حضرت نے حسب فرمائش درج کلمات تحریر کئے ، اس سے حضرت کی بے پناہ شفقت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے :

" عقائد اعمال کی اصلاح کے ساتھ دل کی اصلاح اور تزکیہ باطن کی ضروت ہے قال اللّٰہ تعالیٰ یـاایھاالذین اٰمنوااتقواللّٰہ و کونوامع الصادقین ، صادقین کی محبت کولازم سمجھو ، اس سے ان شاءاللہ تعالیٰ اصلاحِ ظاہر و باطن میں کامیابی ہوگی واللّٰہ الموفق والمعین "

شعبان ۱۴۲۱ھ میں حضرت اقدس صیانۃ المسلمین کے جلسہ میں شرکت کیلئے کراچی تشریف لائے تو جامعہ احتشامیہ جیکب لائن میں حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی ، پھر حضرت اگلے دن دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور شام تک حضرت کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا ، شام کو ائیر پورٹ تک بھی ساتھ جانا نصیب ہوا ، کسے خبر تھی یہ حضرت سے آخری ملاقات ہے ، اس دن جب حضرت معانقہ کر کے ہم سے جدا ہوئے تو ائیر پورٹ کے باہر کھڑے ہو کر ہم اس وقت تک علم وعرفان کے پیکر کا آخری دیدار کرتے رہے جب تک وہ ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا ، اس کے بعد شوال المکرّم ہی میں اس آفتابِ علم درویش منش انسان نے اس فانی دنیا کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے پیچھے لاتعداد تشنگانِ علوم نبوی کو سوگوار چھوڑ کر خاموشی سے اپنی اصل منزل کو سدھار گئے ، البتہ اپنی بے مثال زندگی کا باب مشعلِ راہ کے طور پر کھلا چھوڑ گئے ، جو چاہے ان آثار ونقوش پر چلتے ہوئے اپنی زندگانی کے لحاتِ مستعار کو قیمتی بنا سکتا ہے ، حضرت اقدس کے ساتھ ادنیٰ تعلق مجھ خالی داماں کیلئے آخرت کی مشکل ساعتوں میں کچھ کام آجائے تو زہے نصیب ۔

احب الصالحین ولست منهم لعل اللّٰہ یرزقنی صلاحا

میرے شفیق والدؒ

حضرت مولانا سید محمد عبداللہ ترمذی زید مجدہ مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال

﴿ شفقت پدری ﴾

یوں تو حضرت اقدس والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اپنی تمام اولاد پر جان چھڑکتے تھے اور سب کیلئے رحم وکرم اور شفقت ومحبت کا سائبان تھے لیکن سب بہن بھائیوں میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے مجھ پر ان کی شفقتیں اور محبتیں بے انتہا اور بے حد و بے حساب تھیں ۔ان کی شفقت کی ادنیٰ سی جھلک اور محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے مجھے کبھی مارنا پیٹنا تو دور کی بات ہے مارنے کیلئے ہاتھ تک نہیں ابھارا۔ بچپن تو سبھی کا شاہانہ گذرتا ہے لیکن میری جوانی کا اکثر حصہ بھی والد گرامی کے زیر سایہ من چاہا گذرا۔ ابا جان کی سب سے چھوٹی اولاد ہونے کے علاوہ احقر بچپن میں طرح طرح کے امراض اور بیماریوں کا شکار ہو گیا جن کی وجہ سے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ اور بے پناہ عنایات والطاف کا مرکز بن گیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ابا جان جب مدرسہ سے سردیوں کی لمبی اور طویل راتوں میں کافی دیر سے گھر تشریف لاتے تو ہم سب بہن بھائی اسوقت بھی ان کے انتظار میں جاگ رہے ہوتے تھے ۔ ہمارا یہ انتظار رات کے آٹھ نو بجے تک تو باورچی خانے میں بیٹھ کر کھانے کے بعد یا پھر اپنے بستروں میں لیٹ کر ہوتا۔ میں اور ہمشیرہ صاحبہ زیادہ چھوٹے ہونے کی وجہ سے نیند سے بوجھل پلکوں کے باوجود باورچی خانے میں بیٹھے رہتے اور نیند جیسے ظالم پہلوان کو شکست دینے کی اپنی سی کوشش کرتے رہتے مگر کبھی ہم جیت جاتے اور کبھی نیند ہمیں ہرادیتی ۔ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کو جب بھی ہم بیداری کی حالت میں نظر آجاتے تو بہت خوشی اور تعجب کا اظہار فرماتے اور ہنستے ہوئے فرمایا کرتے تم ابھی تک سوئے نہیں؟ اس کے بعد مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیتے اور پھر مختلف موضوعات پر گفتگو شروع ہو جاتی (یہ گفتگو راقم الحروف کے دوسرے بھائیوں سے ہوا کرتی تھی کیونکہ میں تو اس وقت کافی

چھوٹا تھا اور میرے حافظے میں اس قدر ذخیرہ معلومات بھی نہیں تھا) ہم بھی حسب استطاعت (سننے کی حد تک) اس محفل میں بھر پور حصہ لیتے۔

﴿ آغاز تعلیم اور فراغت ﴾

احقر ابھی حیات کے پانچ چھ برس ہی گذار پایا تھا کہ قبلہ والد ماجدؒ نے مجھے مدرسہ میں داخل کرادیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضرت والد ماجدؒ کی دعاؤں کی برکت سے ایک سال کے مختصر عرصہ میں احقر نے قرآن مقدس ناظرہ مکمل کرلیا اور یوں ترمذی خاندان میں ایک سات سالہ ناظرہ خوان بچے کا اضافہ ہوگیا حضرت اقدس والد ماجدؒ نے نہایت خوشی کا اظہار فرمایا اور حفظ قرآن کا حکم دیا۔احقر نے والد ماجد کے حکم کی تعمیل میں قرآن پاک حفظ کرنا شروع کردیا مگر افسوس صد افسوس کہ احقر نے چند ہی پارے حفظ کئے تھے کہ بیمار ہوگیا اور یہ بیماری کافی دراز ہوگئی اور تعلیم کا سلسلہ درمیان میں رہ گیا۔ایک طویل عرصے کے بعد جب احقر روبصحت ہوا تو تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ کیا مگر شدید کمزوری کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکا اور احقر ایک مرتبہ پھر بستر علالت پر براجمان ہوگیا۔اور پھر یوں ہوا کہ احقر جب بھی پڑھنے کی کوشش کرتا بیمار ہوجاتا۔آخر حضرت اقدس والد ماجدؒ نے فیصلہ فرمایا کہ اسے درجہ کتب میں داخلہ دے دیا جائے۔چنانچہ میں نے فارسی کی کتابیں پڑھنا شروع کردیں اور پھر پڑھتا چلا گیا اور ہوش اس وقت آیا جب میں نے دورہ کے آخری سال کی بھی بخیر وخوبی تکمیل کرلی اور سند فراغت بھی مجھے حاصل ہوگئی۔

﴿ جامعہ کی برکت اور فیض ﴾

ناظرہ قرآن پاک مکمل کرنے کے بعد کا واقعہ ہے کہ میں ایک روز حضرت والد ماجدؒ کو اخبار پڑھ کر سنا رہا تھا کہ مقامی اسکول کا ایک ماسٹر مدرسے میں آگیا اور والد صاحبؒ کے پاس بیٹھ گیا اور بڑی توجہ اور انہماک کے ساتھ خبریں سننے لگا۔کچھ دیر تو وہ خاموشی سے بیٹھا رہا مگر جب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو قبلہ والد ماجدؒ سے پوچھنے لگا کہ قاری صاحب اس بچے نے کتنی جماعتیں پڑھی ہیں؟ تو حضرت والد ماجد نے مسکراتے ہوئے فرمایا ایک بھی نہیں پڑھی،وہ حیران ہوکر کہنے لگا اتنی روانی اور تسلسل کے ساتھ اردو پڑھنی اس نے کہاں سے سیکھی ہے؟ حضرت والد ماجدؒ نے فرمایا یہ سب مدرسے کا فیض ہے۔وہ آدمی حضرتؒ کے اور نزدیک آگیا اور سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا کہ قاری

صاحب اگر آپ حکم دیں تو میں اس بچے کو پانچویں کلاس میں داخل کرا سکتا ہوں۔حضرت والد ماجد جو چارپائی پر نیم دراز تھے جوش کے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا اگر تم مجھے یہ کہو کہ میں اس کو ایم۔اے میں داخل کرادوں گا تو میں پھر بھی اسے اسکول نہیں بھیجوں گا۔حضرت قبلہ والد ماجد کو ہم سب بہن بھائیوں کی دینی تعلیم و تربیت کا نہایت خیال تھا۔یہی وجہ تھی کہ آپ نے ہم میں سے کسی کو بھی اسکول نہیں جانے دیا۔وہ سمجھتے تھے کہ انگریزی تہذیب کا پودا اسکول کے ماحول سے ہی پروان چڑھتا ہے اور یہیں سے اسے نشوونما حاصل ہوتی ہے۔میں نے اور میرے بھائیوں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ آپ کے اسی چمنستان علم ''جامعہ حقانیہ'' سے حاصل کیا ہے جس کی آپ نے اپنے خون پسینے سے مدتوں آبیاری کی اور جواب ایک سدابہار باغ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔اس گلشن میں حصول علم کی غرض سے ہزاروں غزالوں نے آ کر بسیرا کیا اور اپنا دامن مراد بھر کر اپنی منزلوں پر پہنچ گئے۔خدا کرے یہ جنت ارضی ہمیشہ اپنے فیض سے طالبین کو بہرہ ور کرتی رہے اور تشنگان علم کی علمی پیاس بجھاتی رہے۔آمین۔

بچوں پر شفقت

حضرت والد ماجدؒ کو بچوں سے خاص انس اور محبت تھی اور ان پر خصوصی شفقت فرماتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ جیسے ہی گھر میں داخل ہوتے تو بچے ''بڑے ابا جی آ گئے'' کا نعرہ لگاتے ہوئے آپ کے گرد جمع ہو جاتے آپ بھی ان کے اس انداز پر خوشی کا اظہار فرماتے اور پیار سے ان کے سروں پر دست شفقت رکھ دیتے۔حتی کہ اگر گلی میں یا مدرسہ تشریف لے جاتے ہوئے راستہ میں کوئی بچہ سلام کر دیتا تو نہایت خوشی کا اظہار فرماتے' اس کیلئے کھڑے ہو جاتے' اس کے سلام کا جواب دیتے اور مسکرا کر اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ ضرور رکھتے۔

حضرت تھانویؒ سے عقیدت و محبت

کتابوں کے ساتھ حضرت والد ماجدؒ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔مدرسہ ہو یا گھر کتاب آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔یوں تو آپ کو ہر دینی کتاب کے مطالعہ کا شوق تھا فقہ ہو یا ادب تفسیر ہو یا حدیث مگر تصوف میں آپ کو حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ پڑھنے کا انتہائی شوق تھا، احقر نے حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھ کر آپ کو اکثر روتے ہوئے دیکھا ہے ان مواعظ میں درج عارفانہ اشعار کو آپؒ والہانہ اور عاشقانہ انداز میں پڑھتے اور آپؒ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔جب کسی مجلس

میں کسی ملفوظ وغیرہ کے حوالے سے آپ حضرت تھانویؒ کا نام لیتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور آپ گلو گیر ہو جاتے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی محبوب ترین شخصیت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت والد ماجدؒ نے اپنی وصیت میں تاکید فرمائی ہے کہ "حضرت تھانویؒ کی تصنیفات وتالیفات کو حرز جاں بنایا جائے"۔ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کے مواعظ پر مشتمل ماہنامہ الابقاء (جو کراچی سے شائع ہوتا تھا) والد گرامی مجھ سے اکثر سنا کرتے تھے۔

﴿ زندگی کی آخری تالیف ﴾

وفات سے ایک سال قبل حضرت والد ماجدؒ کو (ان کی کسی خواہش اور طمع کے بغیر) اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن بنایا گیا۔ کونسل کی جانب سے آپ کو جس موضوع پر مقالہ لکھنے کو کہا گیا اس کا عنوان تھا "حدود وقصاص کی شرعی حیثیت" اگر یہ کہا جائے کہ حضرت والد ماجدؒ نے اس موضوع پر لکھنے کا حق ادا کر دیا تو نامناسب نہ ہوگا۔ حضرت والد ماجدؒ نے تبییض کیلئے مسودہ احقر کو دیا تو دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ موضوع کا اتنی گہرائی اور گیرائی سے احاطہ کیا گیا تھا کہ ایک عالم کیلئے والد ماجدؒ کی وسعت علمی اور خاص طور پر فقہ پر ان کی دسترس کو دیکھ کر ششدر رہوئے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اس سے قبل کہ یہ مقالہ اسلامی نظریاتی کونسل کو پیش کیا جاتا، یہ مقالہ نگار اور فقیہ اعظم اس عالمانہ اور فقیہانہ اور بصیرت افروز تحریر کا اجر پانے کیلئے دربار خداوندی میں حاضر ہو گیا۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

حضرت اقدس والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ اپنے زمانے کے فقیہ اعظم، اعلیٰ پائے کے خطیب، عظیم مفسر، بے نظیر متکلم اور عدیم المثال محقق اور مدبر تھے۔ ضلع سرگودھا کے ایک چھوٹے سے قصبے ساہیوال کے اس گوشہ نشین کی نظریں انتہائی دوررس تھیں۔ یہ مرد دانا پوری دنیا کو اپنی نگاہوں کا مرکز اور محور بنائے ہوئے تھا۔ اور سب کی رہنمائی اور راہبری اس مرد قلندر کے پیش نظر تھی۔ کوئی بھی علمی مسئلہ ہوتا آپ پلک جھپکتے میں حل کر لیتے اور حاضرین محفل آپ کی فہم رسا کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکتے۔

﴿ زندگی کے آخری لمحات ﴾

یکم جنوری کی انتہائی سرد رات تھی حضرت والد ماجدؒ مغرب کی نماز کے بعد مدرسہ سے تشریف لائے۔ آتے ہی والدہ ماجدہ سے پوچھا کہ انگیٹھی میں آگ ہے یا نہیں؟ انہوں نے بتایا کہ آگ

ساتھ والے کمرے میں موجود ہے ۔احقر اسی کمرے میں موجود تھا۔حضرت والد ماجد نے سردی کی شدت کے تحت محترمہ ہمشیرہ صاحبہ سے کہا کہ چائے بنادی جائے سردی محسوس ہورہی ہے ۔چائے بنانے میں کچھ تاخیر ہوئی تو حضرت والد ماجد نے احقر کوفرمایا کہ چائے ابھی تک نہیں آئی معلوم کرو ۔میں باورچی خانے میں گیا تو چائے تیار ہو چکی تھی ۔میں نے وہاں سے چائے لی اور قبلہ والد ماجد کی خدمت میں پیش کردی ۔چائے شدید گرم تھی چنانچہ اباجیؒ نے مجھے فرمایا کہ جاؤ ایک اور کپ لے آؤ تاکہ اس میں تھوڑی سی چائے ڈال کراور ٹھنڈی کر کے پی جائے احقر دوسرا کپ لے آیا۔آپ نے حسب خواہش چائے نوش فرمائی ۔اس کے بعد آپ نے دوالی مگر آپ کی طبیعت خراب ہونا شروع ہوگئی ۔آپ نے احقر سے فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال صاحب کوفون کر کے بلالو۔میں نے فون کیا مگر رابطہ نہ ہوسکا،آپ نے فرمایا کہ خود جا کر بلالاؤ۔ احقر خود وہاں گیا مگر وہ گھر پر موجود نہیں تھے۔ میں نے گھر آ کر اباجی کو دیکھا تو آپ کی طبیعت بہت خراب ہو چکی تھی اسی حالت میں آپ نے برادر محترم مفتی سیدعبدالقدوس صاحب سے بات کی (جو اس وقت مدرسہ میں تھے)اور کہا کہ تم گھر آ جاؤ میری طبیعت خراب ہے۔اباجی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوتی جارہی تھی برادر محترم بھی آ گئے مگر آپ کی بےچینی بڑھتی جارہی تھی ۔گھر کی مستورات آپ کے قریب آ کر کھڑی ہوئیں تو آپ نے اس شدید تکلیف کے عالم میں بھی ان سے فرمایا کہ تم دوسرے کمرے میں چلی جاؤ کیونکہ ڈاکٹر صاحب آنے والے ہیں(آخری لمحات میں شریعت کے پاس کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے)ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی کہا کہ انہیں شدید ہارٹ اٹیک ہوگیا ہے فوراً ایمبولینس کا انتظام کیا جائے ۔ایمبولینس کیلئے فون کردیا گیا اور ایک چوسنے والی گولی اباجی کی زبان کے نیچے رکھ دی گئی جس سے ہمیں محسوس ہوا کہ آپ کوسکون آ گیا ہے ۔مگر آپ تو ابدی سکون حاصل کر چکے تھے ۔ڈاکٹر صاحب نے نبض پر ہاتھ رکھا اور کلمہ شہادت پڑھا۔اور پھر میرے دل کی دنیا اندھیر ہوگئی ۔اباجی کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی ۔عورتیں اور مرد جوق در جوق ہمارے گھر میں آنے لگے ۔آپ کا جسدخاکی نیچے لے جایا گیا۔ جو بھی آتا وہ بے اختیار رودیتا ہمارا گھر آنسوؤں کا سیلاب بن گیا،کیوں نہ روتا آخر آپ بہت سے لوگوں کا مرجع اور ملجاوماوی تھے ۔آپ سے ہزاروں لوگوں کی روحانی نسبت تھی۔ فرحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً آمین۔ ۹؍ذوالحجۃ الحرام۱۴۲۳ھ

مرجع العلمأ والفقہأ

صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی محمد ابوبکر علوی زیدمجدہ لاہور

احقر جامعہ دارالعلوم کراچی سے فراغت کے بعد نئے تعلیمی سال میں درجہ تخصص فی الفقہ میں داخلہ کیلئے جب دوبارہ دارالعلوم حاضر ہوا تو دارالعلوم کے ضابطہ کے موافق تخصص کیلئے ایک تحریری امتحان کے ساتھ ساتھ تقریری جائزہ کا امتحان دیا۔صدر جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دام ظلہم سے زمانہ طالب علمی میں ہی بہت قریب کا تعلق رہا تھا اسلئے ان سے عرض کیا کہ میں نے تحریری اور تقریری امتحان دیدیا ہے بس اب نتیجہ کا انتظار ہے آپ دعا فرمادیں تو حضرت نے فرمایا مولوی صاحب آپ نے صرف تخصص کرنا ہے یا اس کے بعد عملاً افتاء کا کام بھی کرنا ہے،احقر نے عرض کیا کہ حضرت بعد میں افتاء کا کام بھی کرنا ہے صرف تخصص کرنا مقصود نہیں ہے ،حضرت نے ارشادفرمایا بھائی تین سال کا عرصہ تو تمہارے لئے بہت زیادہ ہے اس لئے اگر تم کسی اور جگہ تخصص کرلو تو تمہاری کیا رائے ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ اچھا تم سوچ لو اور مجھے بتادینا۔اگلے روز جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو پوچھا ''ہاں بھائی کیا سوچا ہے'' احقر نے عرض کیا کہ حضرت میرا خیال تو یہیں تخصص کرنے کا ہے دارالعلوم چھوڑ کر میں نہیں جاسکتا۔اس پر حضرت نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اب دارالعلوم کے در و دیوار کے ساتھ بھی انس ہو چکا ہے اس لئے کہیں جانے کو دل نہیں چاہتا۔حضرت نے ارشادفرمایا کہ تمہیں معلوم ہے میں تمہیں کہاں بھیجنا چاہتا ہوں ،احقر نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ معلوم ہو جائے تو شاید مجھے کچھ مزید سوچنے کا اور پھر کوئی دوسری رائے قائم کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔

فرمایا ساہیوال ضلع سرگودھا میں حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کے پاس بھیجنے کا خیال

ہے، اس پر میری زبان سے بے ساختہ نکلا کہ ''حضرت میں زیادہ استاد بنانے کے حق میں نہیں ہوں جو میرے پرانے اساتذہ ہیں میں ان سے ہی پڑھوں گا'' میرا یہ جملہ کہنا تھا کہ حضرت نے شدید غصہ اور جذبات میں یہ جملہ ارشاد فرمایا ''ارے تم مفتی صاحب کو معمولی آدمی سمجھتے ہو میں ان کو اپنے استاد کی جگہ سمجھتا ہوں اور مجھے اور مولانا محمد تقی صاحب کو اگر مسائل میں ضرورت پڑتی ہے تو ہم بھی ان سے رجوع کرتے ہیں بس اب تم وہیں جاؤ'' پھر نہایت شفقت اور محبت سے فرمایا بھئی تم دارالعلوم چھوڑنے پر اتنے دلگیر نہ ہو جو فائدہ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں رہ کر ہوگا یہاں نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ہر وقت مدرسہ میں موجود ہوتے ہیں جتنا چاہو ان سے استفادہ کرسکتے ہو۔ بس حضرت کا تسلی بھرا یہ مضمون ارشاد فرمانا تھا کہ جیسے میرے اوپر حضرت نے سحر کردیا ان سے وہیں کھڑے کھڑے ساہیوال جانے کا وعدہ کرلیا اور اسی روز سرگودھا کیلئے تیاری کرلی۔ اپنے استاد کے حکم پر یہ سفر کرنے کا عجب سماں تھا ایک عجیب شوق ولولہ، اور محبت اس سارے سفر میں شامل حال رہا اور پھر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم کے فرمائے ہوئے کلمات بار بار ذہن میں گردش کرتے تو رقت سی طاری ہوجاتی۔

الغرض دوسرے روز ظہر کے بعد جامعہ حقانیہ ساہیوال پہنچا تو میں نے اپنا تعارف کرایا اور ساتھ ہی اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی شیر محمد صاحب علوی کی نسبت بھی بتلائی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت اپنی مسند شریف پر سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور حال احوال معلوم کرنے کے بعد مجھ سے ہی باتوں میں مشغول ہوگئے، یوں لگتا تھا کہ جیسے حضرت کو مجھ سے بہت پرانا اور قریب کا تعلق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس تھوڑی سی دیر میں ہی میرے سارے سفر کی تکان حضرت نے دور فرمادی اور حضرت کی وہ فرحت و محبت آج بھی میری نظروں کے سامنے ہے۔

جب تعلیم شروع ہوئی تو حضرت رحمہ اللہ کے پاس اگرچہ مستقلاً سبق تو کوئی نہ تھا جملہ اسباق مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہم کے ذمہ تھے ہمارے لئے بس حضرت کی مجلس ہی تھی کہ فرصت میں حضرت کے پاس جا بیٹھیں پہلے کچھ روز تو نہایت احتیاط سے گذارنا پڑے، کہ مزاج سے پوری طرح واقفیت اور شناسائی بھی نہ تھی پاس بیٹھنے کا حوصلہ اور ہمت بھی نہ ہوتی تھی کہ کہیں کوئی بے ادبی نہ ہوجائے، رفتہ رفتہ جب ادھر سے شفقت بڑھتی گئی حوصلہ بھی بڑھتا گیا بس اب دوسرے طلبہ تو رخصت ہوجاتے لیکن احقر برابر پاس بیٹھا رہتا اور پھر احساس ہوتا تھا کہ'' قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید'' جو بات

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم نے ارشاد فرمائی تھی بالکل صحیح تھی کہ وہ فائدہ شاید دارالعلوم میں نہ ہوتا جو حضرت رحمہ اللہ کے پاس آ کے ہوا۔ اور حقیقت ہے کہ اس صحبت نے سارے غم اور حسرتیں بھلا دی تھیں اور استاذیم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم کا یہ ارشاد سچ ہوتا انہیں آنکھوں سے دیکھا کہ ''میں یہاں گذرے لمحات کو برسوں پر بھاری سمجھتا ہوں'' واقعتاً حضرت کے ہاں گذرے چند لمحات برسوں پر بھاری ہیں۔ کبھی کبھار ضرورت پڑنے پر کسی کتاب کی عبارت سنانے کا موقعہ ہوتا تو مسئلہ یوں سمجھاتے کہ جیسے سامنے بہت بڑا عالم ہو یعنی طالب علم سے بھی گفتگو اس طرح سے فرمایا کرتے کہ اس کو مسئلہ بھی سمجھا دیا جائے اور اس کی کم عقلی اور کم علمی کا بھی اس کو احساس نہ ہو، اسی طرح غلطیوں پر چشم پوشی بھی خوب فرماتے، کہیں عبارت غلط پڑھ دی مسئلہ کا مفہوم صحیح بیان نہ کیا تو اس کی غلطی سے صرف نظر کرتے ہوئے صحیح صورت ارشاد فرما دیتے تاکہ اس کو ناگواری بھی نہ ہو اور اصلاح بھی ہو جائے، ضعف اور بڑھاپے میں بھی حضرت رحمہ اللہ کا حافظہ بلا کا تھا کبھی فرماتے یہ مسئلہ فلاں کتاب میں تلاش کرو، باوجود تلاش کے طالب علم کو نہ ملتا فرماتے فلاں جگہ دیکھو مل گیا تو فبہا وگرنہ فرماتے کہ یہ مسئلہ فلاں مقام پر فلاں طرف کے صفحہ پر دیکھو چنانچہ مسئلہ بھی ملتا اور جہت بھی جو ارشاد فرماتے وہیں ملتا احقر نے اس کا بار بار خود مشاہدہ کیا ہے۔

تمرین فتاویٰ کا جب مرحلہ شروع ہوا تو ہر طالب علم کی کوشش ہوتی تھی کہ حضرت کو اپنا لکھا ہوا جواب دکھلائے، باوجود شدید ضعف اور کثرت امراض کے صرف طالب علم کی دل داری کیلئے ضرور ملاحظہ فرماتے اور خوب اصلاح فرماتے وقتاً فوقتاً حوالوں کی تلاش میں بھی رہنمائی فرمایا کرتے۔ اور اکثر طلباء اپنا لکھا ہوا جواب خود ہی پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے۔

چونکہ کچھ عرصہ جامعہ حقانیہ میں گزارنے کے بعد حضرت کے کمرے کی چابی احقر کے پاس ہوا کرتی تھی تو صبح حضرت کے آنے سے قبل کمرہ کھولنا بھی احقر کی ذمہ داری تھی ایک روز حضرت کا کمرہ کھولا اور آمد کا انتظار کرنے لگا حضرت تشریف لائے تو ساتھ ہی ایک نوجوان حاضر ہوا اور ایک پرچہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا اور ساتھ کہنے لگا کہ میں سیال شریف (ساہیوال سے قریب ایک مشہور قدیم گاؤں ہے) سے آیا ہوں آپ اس فتویٰ پر تصدیق کر دیں، اس کا عنوان تھا ''توضیح قول الفقهاء لايلحق البائن البائن'' حضرت نے احقر سے ارشاد فرمایا مولوی صاحب اس کو دیکھو لو،

احقر نے لے کر سرسری سا پڑھا اور عرض کیا کہ حضرت اس جواب پر تصدیق اس طرح تو نہیں ہو سکتی اس کے متعلق کچھ مزید دیکھنا پڑے گا اور لکھنا بھی پڑے گا چنانچہ آپ نے از خود ہی اس سے ارشاد فرمایا کہ اس کو چھوڑ جاؤ بعد میں لے جانا، چنانچہ اس نوجوان کے جانے کے بعد احقر نے وہ پرچہ پڑھ کر حضرت کو سنایا، سن کر مجھ ہی سے فرمایا مولوی صاحب اس میں درج تمام عبارتوں کو پھر سے دیکھو اور اس کے متعلق جو ضرورت لکھنے کی ہو لکھو، یہ سن کر اگر چہ فوراً ندامت کا احساس ہوا کہ یہ بے علم کیا لکھ سکتا ہے لیکن الامر فوق الأدب کے پیش نظر احقر نے عرض کیا کہ حضرت ٹھیک ہے، چنانچہ حضرت کی نگرانی میں ہی اس کو لکھنا شروع کیا جب مکمل ہوا تو حضرت نے میرا لکھا ہوا جواب سن کر خوب دعائیں دیں اور فرحت ومسرت کا اظہار فرمایا، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا عنوان کیا ہو، فرمایا انہوں نے کیا عنوان رکھا تھا، میں نے عرض کر دیا، فرمایا تم اس کا عنوان "تشریح قول الفقهاء علی توضیح قول الفقهاء لایلحق البائن البائن "رکھو، بہر حال اس وقت جو حضرت کی مسرت تھی اس کا اندازہ حضرت کے ان کلمات سے ہوگا جو حضرت نے احقر کے اس جواب پر تحریر فرمائے۔حضرت نے تحریر فرمایا نعم الجواب وهو عين الصواب ولايتجاوز عنه الحق فماذابعد الحق الاالضلال لأن المجيب اللبيب اصاب فيمااجاب واجاد فيماافاد" الخ ،اگر چہ اس فتویٰ پر اور حضرات نے بھی تصدیق لکھی مثلاً استاذیم مفتی عبدالقدوس صاحب ترمذی زید مجدہ، میرے والد ماجد حضرت اقدس مفتی شیر محمد صاحب علوی مدظلہم، مفتی عبدالخالق صاحب مدظلہ لیکن اس موقع پر حضرت نور اللہ مرقدہ کی مسرت کا جو حال میں نے دیکھا تو شاید بزبان حال اس سے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی مدظلہم کے ارشادات کی تصدیق ہو رہی تھی۔اور شاید یہ جامعہ حقانیہ ہی تھا کہ جس نے دارالعلوم چھوڑ کر آنے کا احساس نہ ہونے دیا کہ ایک مربی مرشد فقیہ اور مفتی کی صورت میں چلتا پھرتا دارالعلوم مل گیا تھا۔اس کے بعد ایک مرتبہ جامعہ حقانیہ کے ہی ایک ضروری کام سے حضرت نے احقر کو لاہور بھیجا جس کی وجہ سے کئی روز لاہور میں رہنا پڑا اسی دوران جامعہ اسلامیہ امدادیہ میں استحکام پاکستان کانفرنس طے ہوئی مجھے ساہیوال سے فون آیا کہ حضرت رحمہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم کل فیصل آباد جا رہے ہیں تم بھی لاہور سے فیصل آباد آ جانا چنانچہ اگلے روز علی الصبح سفر کر کے فیصل آباد پہنچا وہاں حضرت نے مفتی محمد رفیع صاحب مدظلہم سے فرمایا یہ ابوبکر ہے، بس وہاں حضرت مولانا محمد رفیع صاحب مدظلہم کی

فرحت بھی دیدنی تھی کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ دیکھ کر انہوں نے بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور خوب دعائیں دیں بلکہ حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا مفتی رفیع صاحب مدظلہم کی خدمت کی سعادت بھی احقر کو ہی حاصل رہی۔فللّٰہ الحمد والمنۃ

یوں تو حضرت رحمہ اللہ کے ہاں رہ کر کئی مسائل پر احقر نے لکھا اور حضرت رحمہ اللہ نے اس کو ملاحظہ بھی فرمایا اور اس کی تصدیق بھی فرمائی لیکن ان میں تشریح قول الفقہاء علی توضیح قول الفقہاء اور جامعہ اشرفیہ لاہور سے حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں مرسلہ کلوننگ کی شرعی حیثیت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔اسی طرح ایک مرتبہ حضرتؒ لاہور تشریف لائے ہوئے تھے کہ جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء میں ایک سوال آیا کہ بلا اذن ولی غیر کفو میں لڑکی کا نکاح کرنا کیسا ہے احقر نے ہی اس کا جواب لکھا تھا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور پھر وہ جواب اپنے والد ماجد مدظلہم اور مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب ترمذی اور حضرت رحمہ اللہ کو دکھلا دیا اور سنا بھی دیا۔ان حضرات نے احقر کے جواب کی توثیق کی۔الغرض تادم آخر حضرتؒ کی شفقتیں اور عنایتیں اس بے علم اور سیاہ کار پر بے شمار رہیں۔

شوال المکرّم کو احقر اپنے آبائی گاؤں میں گھر کے صحن میں کھڑا تھا ہمارے ایک عزیز نے آکر حضرت رحمہ اللہ کی بابت یہ خبر سنائی کہ چکوال سے آپ کا فون تھا کہ حضرت رحمہ اللہ وصال فرما گئے اور ظہر کے بعد جنازہ ہے۔سن کر یقین نہیں آتا تھا اور پاؤں تلے سے زمین جیسے نکلی جارہی تھی بس یہ سنتے ہی انہی قدموں عازم سفر ہوا اور سارے راستے اس خبر کے غلط ہونے کی دعائیں کرتا رہا، لیکن ساہیوال پہنچ کر معلوم ہوا کہ آج واقعتاً ہم سارے یتیم ہو گئے کیونکہ ساہیوال کے در و دیوار تک میں کوئی رونق نہ تھی۔صحیح کہا ہے: موت العالِم موت العالَم۔

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس رحمہ اللہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں آمین۔

آفتاب رشد وہدایت

مولوی محمد فیروزالدین شاہ متخصص جامعہ حقانیہ ساہیوال

لکھیں گے صفحۂ اول پہ لوگ نام تیرا　　　　لکھی ہوئی جو مرتب خلوص کی تاریخ

گذارش آنکہ اس مختصر مضمون میں میرا مقصود یادگار اسلاف فقیہ العصر محققِ دوراں، ولی کامل استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ بانی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کے کمالاتِ علمیہ وعملیہ اور آپ کی زندگی کے کارناموں کا تذکرہ نہیں اور نہ ہی میرے جیسا کم فہم بے بضاعت طالب علم اس کی جسارت کرسکتا ہے بقول مولانا رومؒ ؎

شرح آں یارے کہ اورا یار نیست　　　　من چہ گویم یک رگم ہشیار نیست

یقیناً آپ کی فقہی، تفسیری، علمی اور تحقیقی خدمات کا تعارف ایک انتہائی محنت طلب اور عرق ریزی کا کام ہے جس کیلئے عمرِ نوح بھی کم ہے تاہم میرے محترم ومشفق استاذ صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی دام ظلہم حضرتؒ کی عبقری شخصیت اور آپ کی خدماتِ عالیہ قیمہ کا تعارف کراسکتے ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ناظرین اس مبارک سعی کو حضرت موصوف کے قلم سے پوری ہوتا دیکھیں گے جس سے کسی قدر حضرت کی ذاتِ سامی کا تعارف ممکن ہوگا۔ نیز آپؒ کی وہ روشن صفات وخصوصیات مثلاً علم دوستی، بصیرت ودانائی، فقہی مسائل میں احتیاط، اُسلوبِ کلام، تواضع وخاکساری، اخلاق وآداب، شفقت ومحبت، عفوودرگذر عقائد ونظریات کی پختگی، درستگی معاملات، حوصلہ افزائی وغیرہ کو کس طرح معرضِ تحریر میں لایا جاسکتا ہے ان کی کاملیت کا وہ تصور جو ہمارا ذہن نارسا کرتا ہے وہ بھی نامکمل ہے بھلا کیسے ان کے اوصاف کا بیان ممکن ہے بقول شاعر ؎

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید　　　　لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

آپ کی ذات گرامی جس طرح علم وعمل ریاضت وعبادت اور خدمت خلق سے عبارت تھی اسی طرح معاملہ فہمی، پارسائی، پاکبازی، حق گوئی بے باکی، ذکاوت وذہانت اور تدبر وتفکر میں بھی اپنی مثال آپ تھی غیر معمولی ذہانت کے سبب حاضر دماغی اور حاضر جوابی اور نکات وبدائع سے بھر پور کلمات آپ کی مبارک زبان حق ترجمان سے یواقیت وجواہر کی مانند جھڑتے تھے جبکہ عالمِ سکوت میں زینت ومتانت اوراعلیٰ وقار جھلکتا تھا، فروتنی اور سادگی خلقی تھی اتنے بڑے رتبے اور مقام پر فائز ہونے کے باوجود چھوٹے بڑے ہرایک سے خلوص کے ساتھ ملتے اور یکساں اہمیت دیتے اور کبھی اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھا، بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت تو کرتے ہی تھے لیکن بعض اوقات وہ اپنے چھوٹوں کا بھی ادب کرتے تھے۔ایک مرتبہ لاہور تشریف لے گئے آپ کی زیرِصدارت محفلِ قرأت کا انعقاد کیا گیا تھا اس موقع پر ایک قاری صاحب جو عمر میں کافی کم تھے جب آپؒ سے ملنے آئے تو آپ تعظیم کیلئے کھڑے ہوگئے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ قاری صاحب کسی بڑے صاحبِ نسبت کے فرزند تھے غرضیکہ جو کوئی بھی آپؒ سے ملنے آتا تو خوش ہوکر جاتا اور زندگی بھر آپؒ کے حسنِ اخلاق کا مداح رہتا تھا۔اور آپؒ کا کمال صرف یہی نہ تھا کہ آپ بزرگوں کے حالات وواقعات سے واقف اور مزاج شناس تھے بلکہ پورے طور پر اکابرؒ کا علم وعمل اور مزاج میں نمونہ تھے حقیقت یہ ہے کہ آپؒ پر اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے حد درجہ عقیدت ومحبت کے سبب ایسا رنگ غالب آچکا تھا کہ آپ کے اندرانہیں کی خوبیاں جلوہ گر ہوگئیں تھیں چنانچہ آپؒ ظاہری اور باطنی علوم کے جواہر سے آراستہ وپیراستہ ہونے کے ساتھ اسلاف واکابرین کے اخلاق اور صفات کا مظہر تھے۔

آپؒ کی طبیعت میں حد درجہ کا اعتدال تھا ہر شعبہ میں خواہ وہ عبادت وریاضت سے متعلق ہو یا سماج وسیاست کے قبیل سے ہو اعتدال اور تحمل کے اوصاف سے بدرجہ اتم متصف تھے، انتہائی امن پسند لیکن اصول ونظریات کے پکے تھے، فنائیت کا یہ عالم تھا کہ عموماً یہ شعر وردزباں رہتا اور اپنے مخصوص انداز میں اس کو پڑھتے جس سے شانِ عبدیت کا کمال جھلکتا تھا فرماتے ؎

ما ہیچ ندا ریم غمِ ہیچ ندا ریم　　　　دستار ندا ریم غمِ پیچ ندا ریم

ہمیشہ اپنے اوصاف وکمالات کو اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی جانب منسوب کرتے اور شفقت وترحم اتنا تھا کہ کوئی طالب علم ملنے جاتا تو اپنا دستِ شفقت اس کے سر پر پھیرتے جس سے وہ اپنے آپ کو انتہائی

مطمئن اور خوش بخت محسوس کرتا۔

آپ نے مسلمانوں کو سیاسی اور نظریاتی لحاظ سے بھی خوب مستحکم کیا اور جس ''دو قومی نظریہ'' پر پاکستان کی اساس ہے اسی پر اپنے بزرگوں کو پایا خود بھی اسی پر ڈٹے رہے اور سیاسی معاملات میں ہر خاص و عام کے سامنے اسی نظریہ اسلامی کا پرچار اور مذہبی حیثیت سے راہنمائی کرتے رہے اس ضمن میں آپ نے کبھی کسی قسم کی کوئی لچک پیدا کی اور نہ ہی کوئی مفاد یا عہدہ قبول کیا اور نہ ہی کبھی دنیوی جاہ و مال کی ہوس کی۔ آپؒ کی صحبت عجیب خاصیات و اثرات کی حامل تھی آپؒ کے پاس بیٹھنے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے خاص انوار و برکات کا نزول ہو رہا ہے کتنے ہی ایسے افراد ہیں کہ جن کے باطن محض ایک مختصر توجہ سے شفاف آئینے بن گئے ؎

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمیِ محفل کی یاد جا چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

آپؒ کی ذات متنوع صفات و خصوصیات کی جامع تھی اور آپ کی رحلت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے اور آپ کی مساعی جمیلہ اور خدمات عالیہ ناقابل فراموش ہیں اور اسی طرح آپ کی ذات گرامی بھی ناقابلِ فراموش ہے اور اللہ والے تو حیاتِ ابدی کے حامل ہوتے ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

رجالِ حق ہمہ آیات لم یزل اند حیاتِ لم یزلی کے شود اسیرِ زوال

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت اقدس مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ ایک اونچے درجے کے ولی اللہ تھے جن کا فیض پوری ملت اسلامیہ تک پھیلا ہوا ہے آپ کے ارشادات و ملفوظات اور مواعظ رہتی دنیا تک درستگی ایمان و عقیدہ میں معین و مددگار ثابت ہوتے رہیں گے اور اکابر کے ارشادات و مواعظ وہ اکسیر نسخہ ہے جس کی بابت لوگوں نے امام یوسف ہمدانیؒ سے دریافت کیا کہ جب ہمارے سامنے اولیاء اللہ کے اوجھل ہو جانے کا زمانہ آ جائے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے کہ جس سے ہمارے ایمان سلامت رہیں تو آپؒ نے فرمایا کہ روزانہ آٹھ اوراق اولیاء اللہ کے ارشادات و ملفوظات پڑھ لیا کرنا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حضرتؒ کے فیوضات سے استفادہ کی توفیق عطا مائیں اور آخرت میں نیک لوگوں کی معیت سے نوازیں۔ آمین ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ/اگست 2001ء

پیکر تواضع

مولانا مولوی عمر فاروق علوی کرم آباد لاہور

مادر علمی جامعہ دار العلوم کراچی سے فراغت کے بعد حضرت والد ماجد مفتی شیر محمد علوی صاحب زید مجدہ اور استاذ یم مولانا مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی مدظلہم کے مشورہ سے تخصص فی الافتاء کی غرض سے حضرت مولانا مفتی سید عبد القدوس صاحب ترمذی مدظلہم کے ہمراہ جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا پہلی مرتبہ حاضر ہوا تو حضرتؒ کی زیارت ہوئی اور مصافحہ کیا اور اپنا آنے کا مقصد بھی بتلایا حضرت استاذ یم نے میرا تعارف کروایا کہ یہ مفتی صاحب کے بیٹے اور مفتی ابوبکر صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں تو حضرت بڑے خوش ہوئے اور شفقت سے میرے سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور دعا دی پھر حضرت کے ساتھ کافی مجلس ہوئی اس مجلس میں حضرت نے اپنے بزرگوں کے بالخصوص حضرت تھانویؒ کے حالات وواقعات سنائے اور بڑا دل خوش ہوا پھر جی چاہتا تھا کہ حضرت واقعات سناتے چلیں اور ہم سنتے جائیں پھر روزانہ تخصص کے طلباء کیلئے حضرت کی مجلس ہوا کرتی جس میں اکابر کے حالات وواقعات کے علاوہ طلبہ بعض علمی سوالات بھی کرتے پھر حضرت دلائل کے ساتھ جوابات عنایت فرماتے۔

آپ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ تنقید کا یہ انداز غلط ہے کہ صاحب کتاب پر تنقید کی جائے بلکہ جرح وتنقید کتاب پر ہونی چاہئے۔ جہاں بھی اور جب بھی اکابر کے مسلک کے خلاف کوئی بات سنتے تو فوراً اس کے دفاع کیلئے مستعد ہو جاتے اور بسا اوقات یہ فرماتے کہ سب کے ساتھ لڑنے کیلئے کیا میں ہی رہ گیا ہوں اور آخر وقت تک آپ کی یہی حالت رہی آپ نے کبھی اپنے مسلک میں لچک روا نہیں رکھی مسلک میں پختگی اور تصلب آپ کا خصوصی اور نمایاں وصف تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

پیکرتواضع

مولانامولوی عمر فاروق علوی کرم آباد لاہور

مادرعلمی جامعہ دار العلوم کراچی سے فراغت کے بعد حضرت والد ماجد مفتی شیر محمد علوی صاحب زید مجدہ اور استاذ یم مولانا مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی مدظلہم کے مشورہ سے تخصص فی الافتاء کی غرض سے حضرت مولانا مفتی سید عبد القدوس صاحب ترمذی مدظلہم کے ہمراہ جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا پہلی مرتبہ حاضر ہوا تو حضرتؒ کی زیارت ہوئی اور مصافحہ کیا اور اپنا آنے کا مقصد بھی بتلایا حضرت استاذیم نے میرا تعارف کروایا کہ یہ مفتی صاحب کے بیٹے اور مفتی ابوبکر صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں تو حضرت بڑے خوش ہوئے اور شفقت سے میرے سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور دعا دی پھر حضرت کے ساتھ کافی مجلس ہوئی اس مجلس میں حضرت نے اپنے بزرگوں کے بالخصوص حضرت تھانویؒ کے حالات وواقعات سنائے اور بڑا دل خوش ہوا پھر جی چاہتا تھا کہ حضرت واقعات سناتے چلیں اور ہم سنتے جائیں پھر روزانہ تخصص کے طلباء کیلئے حضرت کی مجلس ہوا کرتی جس میں اکابر کے حالات وواقعات کے علاوہ طلبہ بعض علمی سوالات بھی کرتے پھر حضرت دلائل کے ساتھ جوابات عنایت فرماتے۔

آپ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ تنقید کا یہ انداز غلط ہے کہ صاحب کتاب پر تنقید کی جائے بلکہ جرح وتنقید کتاب پر ہونی چاہئے۔ جہاں بھی اور جب بھی اکابر کے مسلک کے خلاف کوئی بات سنتے تو فوراً اس کے دفاع کیلئے مستعد ہو جاتے اور بسا اوقات یہ فرماتے کہ سب کے ساتھ لڑنے کیلئے کیا میں ہی رہ گیا ہوں اور آخر وقت تک آپ کی یہی حالت رہی آپ نے کبھی اپنے مسلک میں لچک روا نہیں رکھی مسلک میں پختگی اور تصلب آپ کا خصوصی اور نمایاں وصف تھا۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

فخر علماء دیوبندؒ

حضرت مولانا پیر جی عبید الرحمٰن صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ علوم شرعیہ جھنگ صدر

احقر کی زندگی کا تعلق وواسطہ زیادہ جن سے رہاوہ دو ہی شخصیات ہیں ایک مربی واستاذی حضرت علامہ مولانا سید صادق حسین شاہ صاحب شہید نور اللہ مرقدہ، دوسرے آپ کی ذات عالی صفات بابرکت۔ مزید برآں ان دونوں بزرگوں کا باہم ایسا گہرا تعلق تھا کہ شاید ''یک قلب دو قالب'' کا فقرہ انہیں کیلئے بولا گیا تھا ہر خوشی ہر غمی ہر دکھ ہر سکھ ہر رنج والم ان کا برابر مقسم تھا حتی کہ مدرسہ کے بعض امور بھی باہمی مشورہ سے طے پاتے اپنے اپنے مدرسہ کے امتحانات ان میں تقسیم تھے اور یہ تقسیم الحمدللہ آج بھی برقرار ہے درحقیقت حضرت ترمذی صاحبؒ سے میرا تعلق وواسطہ بھی حضرت شاہ صاحب شہیدؒ کی مرہون منت ہے۔ آپ کے لطف واحسان اور کرم کا یہ عالم تھا کہ جو ایک دفعہ قدموں میں بیٹھ جاتا پھر اٹھنے کا نام تک نہ لیتا آپ کی کلام مہذب لب ولہجہ صادق زباں شستہ وصاف طلاقتِ لسانی، زباں کی روانی، دل آویز تصانیف، تقاریر میں راہِ اعتدال پر قائم رہتے، کسی غیض وغضب اور جذباتی رنگ میں اشتعال انگیزی سے کوسوں دور رہتے، عصر حاضر کی بدعات رسومات کا محققانہ رد مبتدعین ومشرکین کے اعتراضات وشبہات کے جوابات نہایت خندہ پیشانی عالمِ ربانی کی حیثیت سے بڑے دلکش انداز میں مرحمت فرماتے۔

علماء صلحاء میں آپ کی بڑی تکریم وتعظیم ہوتی بالخصوص حضرت تھانویؒ کی شفقتوں نوازشوں عنایات ہدایات عطایات کا محور ومرکز آپؒ ہی کی ذاتِ گرامی تھی آپ کی تحریر وتقریر میں بڑے بڑے محدث مفسر فقیہ محوِ خود اور چشم پرنم ہوتے بعض علماء نے تو ان اکابرین کیلئے یہاں تک کہہ ڈالا ہے کہ صحابہؓ کا قافلہ جارہا تھا اور یہ لوگ تھوڑا سا پیچھے رہ گئے۔ آپؒ کئی صفات کے حامل کمالات میں کامل تھے آج مجھے اس عالم میں ان سا عالم نظر نہیں آتا دل سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمارے لئے ان کو وسیلہ شفاعت بنائے اور ان کو بہشت بریں اور اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے آمین۔ ۲۵/۷/۲۰۰۱ء

مرد باصفا

حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ اکاڑوی صاحب مدظلہم

راقم الحروف جامعہ حقانیہ کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو ایک بزرگ بوریہ نشین نظر آئے جن کے اردگرد کتابیں رکھی ہوئیں تھیں اور وہ مسائل لکھنے میں مصروف تھے جا کر سلام عرض کیا تو جواب پرشفقت لہجے میں ملا پھر پتہ چلا کہ اس بزرگ شخصیت ہی کا نام نامی اسم گرامی پیر طریقت فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ ہے۔

پھر حضرتؒ نے راقم الحروف کو مجلس صیانۃ المسلمین کے دفتر میں کھانا کھانے کیلئے بھیج دیا جب کھانا کھا کر دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور مقصد آمد بتلایا تو حضرتؒ نے انتہائی شفقت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے کیلئے آجاؤ تمہارا داخلہ ہوگیا ہے۔ راقم الحروف پھر اوکاڑہ واپس آگیا۔

حضرتؒ کے ہاں جب دوسری مرتبہ حاضری ہوئی تو حضرتؒ انار کے درخت کے نیچے وضو فرمارہے تھے تو دل ان کی طرف کھنچا چلا جارہا تھا حضرت نے دیکھا تو فوراً پہچان لیا اور خوشی کے لہجے میں ارشاد فرمایا آگئے۔ تو عرض کیا جی فرمایا آج کل فتنوں کا دور ہے اور فتنے بہت اٹھ رہے ہیں ان سے بچنے کا حل اعتماد علی السلف ہے۔ اس سال درجہ تخصص فی الفقہ میں پانچ طلباء داخل ہوئے تھے حضرت مفتی عبدالقدوس صاحب زید مجدہ ہماری تعلیم وتربیت پر مامور تھے کیونکہ حضرتؒ کو اپنے جانشین پر پورا اعتماد تھا اور حقیقۃً حضرت استاد صاحب اس کے مستحق تھے جب ہم سبق سے فارغ ہوتے تو کچھ وقت حضرتؒ کی صحبت میں گذارتے تھے۔ ایک دن راقم سے حضرت نے فرمایا کہ تمہیں تزکیہ سے کچھ تعلق ہے عرض کی جی فرمایا کسی سے بیعت ہو عرض کیا حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی

دامت برکاتہم العالیہ سے تو حضرت نے اکابر کا مسلک و مشرب پر تحقیقی نظر پڑھنے کیلئے دی راقم الحروف نے اس کتاب کو پڑھا پھر بعد میں حضرت سے تجدید بیعت کا مسئلہ پوچھا تو حضرتؒ نے فرمایا تجدید بیعت تب کرنا چاہئے جب پہلے شیخ سے کسی صورت میں مناسبت پیدا نہ ہوئی ہو تو راقم الحروف نے عرض کیا حضرت طبیعت مناظرانہ ہے استاد جی مولانا محمد امین صفدر صاحبؒ نے بھی اس کتاب پر ماہنامہ ''الخیر'' ملتان میں تبصرہ لکھا ہے اس لئے تجدید بیعت کرنا چاہتا ہوں حضرتؒ نے فرمایا ٹھیک ہے تجدید بیعت کرلو راقم الحروف نے حضرتؒ سے تجدید بیعت کر لی تو حضرت نے دوزادہ تسبیح مناجات مقبول اور حزب البحر کی اجازت عنایت فرمائی اور فرمایا تقریباً دس ہزار مرتبہ لفظ اللہ کا ذکر کرلیا کرو عرض کی حضرت اتنا پڑھنا بہت مشکل ہے فرمایا اللہ توفیق دے دے گا تو الحمدللہ اس وقت سے کبھی ناغہ نہیں ہوا۔

حضرتؒ پر اٹھنے والے فتنوں کا فکر غالب تھا اس لئے ان کے روکنے کے طریقے بیان فرمایا کرتے تھے نیز فرمایا کرتے تھے کہ مفتی کو وسیع النظر ہونا چاہئے کتاب، حاشیہ کتاب، شرح کتاب، تکملہ کتاب کو ضرور دیکھنا چاہئے تا کہ غلطی سے بچ سکے اور امت کی صحیح راہنمائی کر سکے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مفتی کو فقیہ النفس بننا ہو تو امداد الفتاویٰ، شامیہ، بدائع الصنائع کے مطالعہ کا اہتمام کرنا چاہئے ایک مرتبہ فرمایا حضرت تھانویؒ کی کتب اور مواعظ کے پڑھنے سے آدمی میں نکھار پیدا ہوتا ہے بات سمجھنے سمجھانے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔

اکثر حضرتؒ کام کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے راقم الحروف دعاؤں کی درخواست کرتا تو حضرت دعاؤں سے خوب نوازتے۔ یہ حضرتؒ ہی کا فیض ہے جو راقم الحروف دارالافتاء اور خانقاہ وتدریس جیسی عظیم نعمتوں سے مالا مال ہے اور حضرتؒ ہی کی کرامت ہے کہ راقم الحروف اعتماد علی السلف کی راہ پر گامزن ہے اور یہ شعر یاد رکھتا ہے ؎

الٰہی کیسی کیسی صورتیں تو نے بنائی ہیں
ہر اک ہی دست بوس کیا قدم بوسی کے قابل ہے

چند بکھرے موتی

حضرت مولانا مفتی محمد حبیب اللہ صاحب زید مجدہ مدرس مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا

حضرتؒ کی شفقت

ابتداً جب بندہ قرآن مجید اپنے گاؤں سے پڑھ کر فارغ ہوا اور حضرت مولانا قاری المقری تاج محمد صاحبؒ عبدالحکیم (خانیوال) سے تجوید پڑھنے کیلئے عبدالحکیم گیا یہ زمانہ تقریباً ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۹۸۲ء یا ۱۹۸۳ء کا ہے اور جب بندہ گھر آتا تو والدہ صاحبہ حضرتؒ سے ملاقات کا حکم فرماتیں لیکن بندہ اس بات سے خوفزدہ تھا کہ حضرتؒ اتنے بڑے آدمی اور مجھ جیسے نکمے کا وہاں کیسے پہنچنا ہوسکتا ہے تو میں نے والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ میں کیسے وہاں جاؤں تو حضرت والدہ صاحبہ دامت برکاتہا نے فرمایا کہ فقط جا کر سلام کرلیا کرو اور حضرتؒ کو بتلا دو کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں تو ابتداً میں نے ایسے ہی جانا شروع کر دیا تو فقط سلام ہوتا اور حضرتؒ اپنے مطالعہ میں مستغرق ہوجاتے بندہ بڑا سوچتا کہ حضرتؒ سے کاش دل بھر کر باتیں سنتا اور خوب باتیں ہوتیں ایسے ہوتے ہوتے یہ باب علم وعمل بھی الحمدللہ کھل گیا حضرتؒ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ بغیر ضرورت کے باتیں نہ فرماتے لیکن اگر کوئی علمی تحقیق حضرتؒ سے پوچھی جاتی تو پھر حضرتؒ خوب سیر حاصل بحث فرماتے تھے جس سے خوب کانوں اور دل ودماغ کو غذاء حاصل ہوجاتی تو آئندہ کیلئے بندہ نے بھی حضرتؒ کی باتیں سننے کیلئے یہ طریقہ اختیار کرلیا کہ کوئی مسئلہ پوچھ لیا اور کوئی علمی تحقیق کا دروازہ کھٹکھٹا دیا تو فوراً علمی وعملی دروازہ کھل گیا اور خوب سیر ہوکر علمی جواہر ونکات سے مستفید ہونا شروع ہوگیا الحمدللہ اس طریقہ سے بہت فائدہ ہوا اور اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بغیر ضرورت کے وقت ضائع نہ کیا جائے اور بوقت ضرورت بقدر وسعت کمی نہ چھوڑی جائے چاہے سننے والا فی الحال اس کی اہمیت نہ بھی رکھتا ہو لیکن آئندہ زمانہ میں اس سے اس کی توقع ہو۔

﴿ حضرتؒ کے حافظہ کا عجیب واقعہ ﴾

جب حضرتؒ تفسیر ''احکام القرآن'' کے حصہ سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا اللہ بخش صاحب (حال مدرس خیر المدارس ملتان) کے عرض کرنے پر ضلع مظفر گڑھ کا ہنگامی طور پر ایک اصلاحی دورہ فرمایا جس میں مختلف جگہ پر اصلاحی و تحقیقی بیان فرمایا اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ پورے شہر اور ضلع میں شیخ طریقت کی وجہ سے فضاءِ تصوف گونج اٹھی ہے اور بندہ چونکہ ان دنوں مدرسہ احیاء العلوم مظفر گڑھ شہر میں بطور مدرس کے درجہ کتب میں کام کر رہا تھا تو بندہ بھی حضرتؒ کے ساتھ ساتھ رہا اور بیانات سے مستفید ہوتا رہا اور مظفر گڑھ شہر میں بھی مختلف مقامات پر بیان ہوئے اور کوٹ ادو کے بعض مدارس کا بھی دورہ فرمایا اور قصبہ گجرات (مظفر گڑھ) مدرسہ میں بھی جانا ہوا اور پھر مدرسہ شرف الاسلام قاسمیہ چوک سرور شہید تشریف آوری ہوئی رات کو صاحبزادہ سید مفتی عبدالقدوس صاحب زید مجدہ کا بیان ہوا اور پھر حضرت کی مجلس قائم ہوئی اور بیان فرمایا اور چوک سرور شہید میں حضرتؒ کے حافظہ کا عجیب منظر دیکھنے میں آیا کہ ایک حافظ نیاز احمد صاحب (جو اس وقت تقریباً ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر کے ہیں) حضرتؒ سے ملے اور عرض کیا حضرت ہا بڑی گاؤں (ہندوستان) کا ہوں اور مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں آپ سے پڑھتا رہا ہوں اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد حضرتؒ نے فرمایا کہ تم سائیکل پر سوار ہو کر پڑھنے آتے تھے انہوں نے عرض کیا جی ہاں حضرت۔ یہ تقریباً پچاس پچپن سال پہلے کی بات تھی بندہ بڑا حیران ہوا اور کئی دن اس بات کو سوچتا رہا کہ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے کیسا حافظہ عطا فرمایا کہ اس وقت یہ حافظ صاحب بوڑھے بابا نظر آتے ہیں تعلیم کا وقت بالکل نوعمری بچپن کا تھا اور حضرتؒ کو پوری بات یاد ہے اور سائیکل بھی یاد ہے۔

﴿ حضرتؒ کا استغناء اور امن پسندی ﴾

آپ جیسے سید ہونے والی صفت سے متصف تھے ایسے ہی بہت ہی عمدہ عمدہ صفات سے متصف تھے آپ کا استغناء بھی عجیب تھا مدرسہ و مسجد و عید گاہ حقانیہ کیلئے نہ کبھی چندہ کی کوئی تحریک نہ کبھی کوئی سفیر نہ کبھی چندہ کیلئے اعلان نہ ہی کبھی کسی مسجد میں چندہ جمع کیا نیز آپ فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں آپ مانگتے نہیں میں کہتا ہوں مانگتا ہوں لیکن دونوں ہاتھوں سے مانگتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہوں آپ کے استغناء میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے استغناء کی جھلک نظر آتی تھی اور یہی

وجہ ہے کہ ایک دن حضرتؒ نے بندہ کو فرمایا کہ (پاکستان کی تاریخ میں) یعنی تقریباً پچاس پچپن سال کے عرصہ میں میں نے کسی تھانیدا اور اے سی وغیرہ کو از خود پہلے کبھی ٹیلیفون نہیں کیا اور اگر ادھر سے ٹیلیفون آ گیا تو جواب دیدیا ورنہ خاموش رہے حالات چاہے کچھ بھی ہوتے رہے حضرتؒ بڑے امن پسند تھے خود حالات پر الحمدللہ کنٹرول فرما لیتے تھے اور مذہبی منافرت سے ہمیشہ اپنے ساتھیوں کو بچاتے رہے اگر فریق مخالف کی طرف سے حالات خراب ہوتے تو امن کے خواہاں رہتے اور اپنے ساتھیوں کو سمجھانے کی کوشش فرماتے۔

ایک دفعہ سرگودھا شہر سے جماعت اسلامی کے چند عہدیدار حضرتؒ کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے اور بندہ بھی حضرتؒ کے ہاں حاضر خدمت تھا تو واپسی پر انہوں نے حضرت کے صاحبزادہ سید عبدالغفور شاہ صاحب زید مجدہ کو مدرسہ کیلئے کچھ رقم دی تو صاحبزادہ صاحب نے وہ رقم یہ عذر کر کے واپس کر دی کہ حضرت والد صاحبؒ کا کسی سیاسی جماعت والے سے چندہ لینے کا معمول نہیں ہے سبحان اللہ یہ ہے توکل اور استغناء اور حضرتؒ نے ساری زندگی حکومت کا کوئی عہدہ قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی الیکشن وغیرہ میں کبھی خود کھڑے ہوئے جس کو شرعی طور پر مناسب سمجھا اس کی تائید فرما دی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی آخری زیارت

حضرتؒ آخری مرتبہ سرگودھا تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعاء فرمایئے گا تو حضرت والاؒ نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جو ابھی تک بندہ کے دل ودماغ میں خوشبوئیں چھڑک رہا ہے فرمایا کہ ''آپ کیلئے تو دل سے دعائیں نکلتی ہیں'' یہ پوری زندگی کا ایسا جملہ تھا جو پہلا بھی تھا اور آخری بھی تھا یعنی بندہ نے ایسا شفقت بھرا جملہ اس سے پہلے حضرتؒ سے کبھی نہیں سنا تھا اور نہ ہی پھر دوبارہ زندگی میں نصیب ہوا اور نہ ہی ہوگا۔ پھر حضرتؒ کمرہ سے باہر تشریف لائے اور گاڑی میں بیٹھ گئے اور کار کا شیشہ کھول کر مصافحہ فرمانے لگے اور جب بندہ آگے کو ملنے کیلئے بڑھا تو دونوں ہاتھوں سے حضرتؒ نے مصافحہ فرمایا اور پھر دونوں ہاتھ بندہ کے سر پر رکھ دیئے میں بڑا حیران تھا کہ آج کیا معاملہ ہے آج تو حضرتؒ نے شفقت کی انتہاء کر دی ہے پھر میں نے دیکھا دوسرے حضرات سے بھی یہی برتاؤ ہو رہا ہے تو پھر اور حیرانگی بڑھ رہی تھی۔ بہر حال حضرتؒ ہم کو آخری الوداع فرما کر جدا ہو گئے گویا کہ آپ کا دل بتلا رہا تھا کہ شاید یہی زندگی کی آخری ملاقات ہو اور پھر ایسا ہی ہوا۔

﴿ حضرتؒ سے بیعت ہونے کیلئے ایک جن کی راہنمائی ﴾

بندہ کو دارالعلوم کبیر والا میں غالباً عبدالحکیم کا ایک بڑی عمر کے آدمی ملے جو ہمارے حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحبؒ سے بیعت تھے تو انہوں نے بندہ سے پوچھا کہ آپ کہاں کے ہیں بندہ نے اپنا علاقہ بتلایا تو انہوں نے حضرتؒ کے بارہ میں پوچھا کہ حضرتؒ کا کیا حال ہے تو بندہ نے حضرتؒ کے حالات بتلائے تو انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص میں جن آیا کرتا تھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ میں نے کسی پیر سے بیعت کرنی ہے کوئی پیر اور بزرگ بتلائیں تو انہوں نے کسی بزرگ کا نام لیا جو کسی دوسرے ملک کے تھے تو میں نے کہا یہ دور ہیں پھر اس جن نے کسی اور بزرگ کا نام لیا وہ بھی باہر ملک تھے پھر میں نے کہا کہ کوئی قریب بتلائیں تو اس جن نے حضرت اقدس فقیہ العصر مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحبؒ کا نام لیا کہ ان سے بیعت ہو جائیں تو حضرتؒ سے ملنے کی خواہش رہی بہرحال ابھی تک ملاقات نہ ہو سکی لیکن خواہش ہے۔ یہ ہوتی ہے اللہ والوں کی شان کہ انسان تو انسان جنات و فرشتے وغیرہ بھی ان سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔

﴿ حضرتؒ کی شفقت ﴾

حضرتؒ بڑے ہی شفیق تھے ابتداءً ملنے والا شخص یوں محسوس کرتا کہ حضرتؒ پر جلال کا غلبہ ہے اور بہت غصہ والے ہیں لیکن جوں جوں تعلق بڑھتا جاتا تو ہر ملنے والا شخص یوں محسوس کرتا کہ حضرتؒ مجھ سے بڑی ہی محبت فرماتے ہیں اور حضرتؒ کا گرویدہ ہو جاتا۔ یہی ہے عین طریق سنت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی یہی حالت ہوتی تھی۔

﴿ زریں ملفوظ ﴾

کسی کتاب کو شروع فرماتے تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ اس نیت سے کتاب کو شروع نہ کرنا چاہئے کہ کتاب ختم ہو جائے گی یا نہیں بلکہ یہ نیت ہونی چاہئے کہ میری زندگی اس میں ختم ہو جائے تب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کچھ کام ہوتا ہے اور کچھ نہ کچھ کام روزانہ ہو جانا چاہئے ناغہ کرنا ٹھیک نہیں۔

یادگار اکابرؒ

صاحبزادہ مولانا محمد سعد صاحب متعلم دارالعلوم کبیر والا

بندہ نے جب ذرا سا ہوش سنبھالا تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دارالعلوم کبیر والا میں اکثر تشریف لانے کا اور اس موقع پر طلباء کے مجمع میں دل افروز بیان فرمانے کا معمول پایا اور ساتھ ہی اپنے والد گرامی حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت کے ہاں اکثر جانے کا دستور دیکھا رفتہ رفتہ بندہ کو بھی حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ حضرت کے ہاں جانے کی سعادت نصیب ہونے لگی آپ کی تابناک علمی مجالس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا اللہ تعالیٰ نے آپ کو شگفتگی اور خوش طبعی کی صفت خوب عطا فرمائی تھی۔

آپ کے ارشادات وملفوظات کا سلسلہ کافی کافی دیر تک جاری رہتا ایسی ایسی دل نشین باتیں ہوتی تھیں کہ طبیعت سیر ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی آپ کی ہر بات دلوں پر کندہ کرانے کے قابل ہوتی تھی یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ کی ہر بات کے پس منظر میں ایک وسیع تجربہ کارفرما ہے اور بات کرنے کا انداز اس شخص کا سا ہوتا تھا جس نے ہر طرح کی تلخی اور کرب سے گزر کر مختلف تجربات سے آشنائی حاصل کر لی ہو اور وہ ہر قسم کے نشیب وفراز سے بخوبی آگاہ ہو۔

آپ کی مجلس میں اکابر کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں ہوتا تھا خصوصاً حضرت تھانویؒ سے آپ کو فطری اور موروثی طور پر عشق تھا آپ کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ حضرت حکیم الامت کے خاص احباب میں سے تھے۔آپ کا بچپن تھانہ بھون میں گزرا آپ نے حداثت سن میں ہی تھانہ بھون کی پر بہار درو دیوار کا نظارہ لطف لے لے کر کیا جس کا مزہ آپ کو تادم آخریں محسوس ہوتا رہا۔حضرت حکیم الامتؒ کی ایک ایک جھلک کو اس طرح یاد فرماتے کہ خود بھی تڑپ اٹھتے

دوسروں کو بھی تڑپا دیتے حضرت تھانویؒ سے آپ کے عشق کا ہلکا سا تصور بھی پیش کرنے کیلئے چند سطور یا چند صفحات کافی نہیں۔

آپ کی مجلس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا ذکر خیر بھی بڑی خصوصیت سے ہوتا تھا آپ اکابرین کی یاد کو اپنے لئے روشنی اور نور کا سامان سمجھتے تھے گھنٹوں تک اکابرین کا تذکرہ ہوتا رہتا پھر کسی وقت اضطراب تمام سے فرماتے آہ خدا جانے یہ کیسے لوگ تھے حاضرین کی آنکھوں سے موتیوں کی لڑی بہ نکلنے کو بے قرار ہو جاتی تھی آہ اب اس طرح کی محفل اور اس طرح کی شخصیت کہاں ملے گی جو تھانہ بھون کا آنکھوں دیکھا حال ہمیں سنائے۔

بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت وخواند

۱۵؍اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز جمعۃ المبارک جامع مسجد امداد کبیر والا میں نماز جمعہ کے افتتاح کیلئے حضرت والد ماجدؒ کی درخواست پر آپ کبیر والا تشریف لائے اور اپنے عالمانہ وعارفانہ اصلاحی بیان سے سب کو مستفید فرمایا اس موقع پر آپ کے بہت سے ارشادات عالیہ سننے کا شرف حاصل ہوا۔

۱۹۹۹ء میں جب ارباب حکومت میں تبدیلیاں ہوئیں تو بعض دینی حلقوں میں خوشیاں منائی گئیں بعض جگہ تو شرینی بھی تقسیم کی گئی حضرت کو اس پر بڑی ناگواری ہوئی حضرتؒ نے ان خوشی منانے والوں سے فرمایا کہ یہ ہمارے لئے خوشی کی کوئی بات نہیں خوشی تو اس وقت کرنی چاہئے جب حکومت کی باگ ڈور اب کسی دیندار کے ہاتھ میں چلی گئی ہو یہ تبدیلی تو دینی مدارس کیلئے نقصان دہ ہے تو کئی لوگ اپنی بات پر اڑے رہے آپ نے پھر جوش میں ایک بار فرمایا کہ میری بات یاد رکھنا تمہیں یہ کہنا پڑے گا رحمہ اللّٰہ النباش الاول (اللہ تعالیٰ پہلے کفن چور پر رحمت کرے) چنانچہ آپ کی وفات ہوگئی اور آپ کا یہ فرمان بالکل صحیح ثابت ہوا اور دینی مدارس کو پریشانیوں کے دن دیکھنے پڑے۔ سچ ہے۔

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ ہم سب کو ان اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب ہو اور حضرتؒ کو جنت الفردوس میں مقام عالیہ نصیب ہو۔

کیوں کر نہ کروں مدح کو میں ختم دعا پر
قاصر ہے ستائش میں تری میری عبارت

آہ فقیہ زماں

مولانا محمد اعظم ہاشمی مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقاء دوام لے ساقی

یادگار اسلاف، مفتی دوراں، محدث زماں، مفسر قرآں، جامع شریعت وطریقت میرے مربی ومحسن جہاں بھر کے مفتیوں کی تحقیق مسائل میں رہبری کرنے والے حضرۃ مفتی قاری سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ واعلی اللہ مقامہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ مااخذولہ' مااعطٰی وکل شئ عندہ باجل مسمیٰ. حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق دنیا کو راہگذر ہی سمجھنا چاہئے کہ یہاں کتنے آئیں گے اور کتنے جائیں گے ۔

کسی کا کندہ نگینہ پہ نام ہوتا ہے تو کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں شام وسحر کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

مگر کچھ لوگ ایسے آتے ہیں جن کے احسانات اور ان کی خوبیاں اور اوصاف جمیلہ اپنوں تو کو کیا غیروں کو بھی درد بھرے آنسو بہانے پر مجبور کر دیتے ہیں جو اگر چہ غم کو ہلکا کرنے کا باعث ہیں مگر جانے والے کو واپس نہیں لا سکتے۔

بہرکیف رنج والم کے پہاڑوں کو بے پایاں رحمت خداوندی کے سہارا پر برداشت کر کے یہی کہنا عین شریعت ہے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سب کیلئے ایک صبح امید کی مانند تھے جو دیکھتے ہی دیکھتے گزر گئی ۔

ہمچو عیدے کہ در ایام بہار آمد و رفت

چنانچہ حضرۃ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں میں سے انتہائی نمایاں پہلو مسلک اہلسنت والجماعت علماء دیوبند کے عقائد ونظریات کی نہایت ہی اعتدال سے ترجمانی اورحفاظت کا تھا جس کی وجہ سے تن تنہا بدعتیوں، رافضیوں، خارجیوں، مودودیوں، منکرین حیاۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عظیم فتنوں کا تحریری وتقریری مقابلہ کیا اور کتنی ناہموار زمینوں میں صحیح عقائد کا بیج بویا اور کتنے ناہموار ٹیلوں کو ہموار کرنے کیلئے اعصاب شکن محنت کرنی پڑی۔اسی طرح بعض نادان دوستوں کے بارے حضرۃ اقدس رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آج مجھے دیوبندیت سمجھاتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون تینوں مراکز میں رہنے کی توفیق ہوئی ہے اس لئے میں اکابر کے مزاج اور مسلک کو اچھی طرح سمجھتا ہوں یہ مجھے کیا سمجھائیں گے ۔آپ بجاطور پراس کا مصداق تھے۔ ؎

مسلک اکابر کی حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد

نیز ہر آنے والے عالم کو یہی نصیحت فرماتے کہ ''ہماری تحقیق کی انتہا یہ ہے کہ ہم اکابر کی تحقیقات کو سمجھ لیں'' ۱۴۱۷ھ کو راقم جامعہ حقانیہ ساہیوال سے تخصص فی الفقہ کی فراغت کے بعد جھنگ مدرسۃ العلوم الشرعیہ میں تدریس کیلئے جارہا تھا اسی دوران حاضری ہوئی اور حضرۃ اقدس نوراللہ مرقدہ سے نصیحت چاہی تو ارشاد فرمایا کہ ''اکابر کے فتاویٰ کے خلاف کوئی تحریر نہ لکھنا بلکہ فتویٰ لکھنے کے بعد اکابر کے فتاویٰ کے ساتھ ملالیا جائے تاکہ موافقت رہے'' اسی کامل اعتماد کی بناء پر حضرۃ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دنیائے اسلام کے عظیم علمی راہنما سیدی مرشدی حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ ''ماشاء اللہ حضرت مفتی موصوف ایک راسخ العقیدہ سنی ، حنفی ، دیوبندی، عالم ہیں اور حکیم الامت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے سلسلہ طریقت میں حضرۃ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان کے خلیفہ مجاز بھی ہیں دیوبندی مسلک پر مضبوطی سے قائم ہیں اور پوری ہمت واستقامت سے مسلک حق کا دفاع کررہے ہیں (تحقیقی نظر ص ۷)

اسی طرح حضرۃ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے تقریباً ۲۲/ دن پہلے رمضان ۱۴۲۱ھ کو ''حق چار یار'' رسالہ میں مولانا نظام الدین شامزئی صاحب کے افکار متعلقہ عقیدہ حیاۃ النبی (صلی اللہ

علیہ وسلم) پر حضرۃ اقدس قاضی صاحب دامت برکاتہم کا تبصرہ حضرۃ رحمۃ اللہ علیہ کو بندہ نے پڑھ کر سنایا جوں ہی مکمل ہوا تو حضرۃ اقدس رحمۃ اللہ علیہ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اورخوش ہوکرفرمانے لگے لکھدو''الجواب صحیح بندہ عبدالشکور ترمذی حرف بحرف اس سے متفق ہے''۔اسی طرح سینکڑوں واقعات اس بات کے شاھد ہیں کہ حضرۃ رحمۃ اللہ علیہ اکابر کے مسلک کے بارے میں کسی عالم کی معمولی لچک بھی گوارہ نہ فرماتے بلکہ جس موضوع پر بھی اہلسنت والجماعت کی تحقیقات سے ہٹکر کوئی تحقیق پیش کی گئی چاہے وہ تفسیر کے رنگ میں جواہرالقرآن کے نام سے ہو یا کسی اورنام سے تو اس کا جواب حضرۃ اقدسؒ نے ہدایۃ الحیر ان سے مفصل لکھا جو چھپا ہوا ہے،اسی طرح ''حیات انبیاء کرامؑ''لکھی اور رسالہ عقائد علماء دیوبند مرتب فرمایا اسطرح ہر فتنے کا ردفرمایا۔

حضرت اقدسؒ اور مطالعہ

علم کی حلاوت نے حضرۃ اقدس کو کتب بینی کا عاشق بنادیا تھا اسی وجہ سے شدید علالت میں بھی مطالعہ اور تحقیق مسائل جاری رہے ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ حضرت بیماری کی وجہ سے آرام فرمالیں تو حضرت والا کا جواب علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ کا سا ہوتا کہ بھائی کتاب کا مطالعہ بھی تو ایک بیماری ہے (نفحۃ العنبر للعلامۃ البنوری)اس لئے علامہ ابن الانباری کے بارہ میں کہا جانے والا جملہ حضرۃ اقدس رحمۃ اللہ علیہ پر بعینہ صادق آتا ہے کہ'' لاینبغی ان یکون العلم فی قلب واحداحلٰی منہافی صدرھذاالرجل ''،یعنی علم کی مٹھاس جتنی اس آدمی کے دل میں ہے شاید کسی کے دل میں ہو (تاریخ بغداد ص۱۸۲ج ۳) حضرۃ نے اپنی زندگی کیلئے سرمایہ گرانمایہ علم ہی کو سمجھا اور صحیح میراث نبویؐ سمجھ کراسی میں زندگی گزاردی اور بعد میں یہی علم ہزاروں فتاویٰ اورکئی کتب کی صورت میں میراث چھوڑ گئے اس لئے یہی کہا جائے گا'انہا کانت بضاعتہ' مُدَّۃَ حیاتہ و میراثہ' بعدو فاتہ العلم"یعنی جب تک وہ زندہ رہے اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی میراث علم ہی تھا اسی نسبت علمی وفقہی کی وجہ سے آپ مرجع العلماء تھے جن میں شیخ الحدیث اورعظیم مفتیان تک اپنی حاضری کو غنیمت اور باعث سعادت سمجھتے اس کے علاوہ خطوط کا تانتا بندھا رہتا جن میں عجم کیا عرب اور دیگر ممالک سے بھی تحقیق مسائل کیلئے ہر ایک اپنی علمی کم مائیگی اوراحتیاج کا اظہار کرتا اس لئے بجا طور پر محدث میمون بن مہران کا وہ جملہ کہا جائے گا جو انہوں نے حضرۃ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر کہا تھا'لقد مات

سعیدبن جبیر وماعلی وجہ الارض احدالاوھو محتاج الی علمہٖ ‘‘یعنی سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال اس وقت ہوا جبکہ روئے زمین پر کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو (البدایہ لابن کثیر) اسی طرح حضرۃ اقدس رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت راہی ملک عدم ہوئے جب علماء فقہاء ان کے علم کے محتاج تھے، اہل دانش ان کے فہم وتدبر کے محتاج تھے اہل سیاست ان کی بلیغ رائے کے محتاج تھے اس لئے ان کی وفات بیک وقت علم وتقویٰ، فقہ وحدیث، سیاست وقیادت حلم وتدبر کا ماتم ہے کہ ان کی تنہا شخصیت کی برکت سے دین کے بہت سے شعبے چل رہے تھے جنہیں ایک عظیم انجمن بھی چلانے سے قاصر ہے، اگر ظاہری صورت میں تمام کام اسی طریقہ پر چلائے بھی جائیں تو وہ علمی بصیرت، وہ روحانی جسمانی برکتیں وہ محفل کا سوز وگداز، وہ مسلک کا درد، وہ اکابر سے عشق ومحبت کا ولولہ اور خلوص وللّٰہیت کی روح کون ڈالے گا ۔

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید

لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ آپ کی باقیات صالحات وفیوض وبرکات کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں۔

آتی ہی رہے گی ان کے انفاس کی خوشبو

گلشن ان کی یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

کیونکہ اس گلشن جامعہ حقانیہ کے ذریعہ آپ کا پیغام حق چار دانگ عالم میں گونجا اور نہ جانے کتنے ہی گم گشتہ قافلوں کیلئے نوائے ترمذی صدائے جرس بنی اور وہ رواں دواں منزل پہ جا پہنچے۔ فللّٰہِ درہ

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے آمین۔

آہ فقیہ ملت

مولانا عبدالواحد صاحب متعلم دارالعلوم کراچی

خالق کائنات نے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ میں ایسے کمالات جمع فرمائے تھے جس کی وجہ سے ہر طبقہ خواص وعوام میں یکساں محبوب ومقبول تھے ان کی مجلس میں ہر تشنۂ علم کیلئے سیرابی کا سامان تھا ایک طرف علماء کے مرجع تھے دوسری طرف عوام الناس کی تسکین کا بھی باعث تھے۔

حضرت اقدسؒ نہ صرف علوم دینیہ حدیث وتفسیر، علم تصوف، فقہ واصول فقہ، عقائد، صرف ونحو، معانی، ادب میں عظیم استعداد کے مالک تھے بلکہ فلسفہ اور منطق، علم الاقتصاد، تاریخ میں بھی نابغۂ روزگار تھے حضرتؒ وسیع وعمیق مطالعہ اور کثرت معلومات کی وجہ سے مستقل رائے اور مجتہدانہ شان کے مالک تھے اور وسعتِ نظری کے اعتبار سے ایک علمی خزانہ کی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت مرحوم کی یہ مختصر بابرکت زندگی جو دنیاوی چیزوں اور مال ومتاع کی طلب اور حصولِ عزت میں نہیں گزری بلکہ اعمالِ صالحہ، علمی کاوشوں اصلاح امت کے کاموں میں صرف ہوئی یہی مختصر زندگی صدہا سال کی زندگی کے برابر ہے۔ ارباب تقدس تو دنیا سے کوچ کرتے ہیں لیکن ان کے مآثر دنیا میں باقی رہتے ہیں صفحۂ ہستی پر ان ہی باقیات سے رفتگان کی یاد باقی اور زندہ رہتی ہے۔

حضرت اتباع سنت کا نمونہ اور حسنِ عمل کے پھول تھے پھر جس طرح قسما قسم اور رنگا رنگ پھولوں سے سجے ہوئے گلدستے میں بعض پھول رنگینی اور نکھار، جاذبیت میں دوسرے پھولوں سے بڑھے ہوتے ہیں اسی طرح حضرت ترمذی قدس سرہ اللہ العزیز کی شخصیت میں جو اوصاف ومحاسن اور جو فضائل وکمالات جمع تھے وہ سب ایک دوسرے پر سبقت لئے ہوئے تھے۔

عظیم راہنما

مولانا حافظ غلام مصطفٰے صاحب زید مجدہ نائب خطیب آرمی ساکن لکھیوال

حضرت اقدس فقیہ العصر یادگار اسلاف حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے بلکہ آپؒ کی شخصیت اظہر من الشمس ہے، فقہ، قرأت کے امام ہونے کے باوجود سادگی اور انکساری آپؒ کا شعار تھا، اس کا یہ بین ثبوت ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود قصبہ ساہیوال کو نہ چھوڑا اور لوگوں کی باطنی کیفیات کی اصلاح اور دینی ماحول مہیا کرتے رہے اور علماء دیوبند کی عظمت لوگوں کے دلوں میں اجاگر کرتے رہے۔

احقر کو چند سال حضرت اقدسؒ کے زیر سایہ جامعہ حقانیہ میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، جو میرے لئے ایک عظیم سعادت ہے جب احقر کو پہلی بار جامعہ حقانیہ میں حاضری اور حضرت اقدسؒ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا حاضری کا مقصد جامعہ حقانیہ میں داخلہ تھا، استاذ محترم جناب حافظ فتح دین مرحوم اپنے ساتھ لائے تھے، استاذ صاحب نے داخلہ کی درخواست کی تو حضرت نے قبول فرمائی۔ حافظ فتح دین صاحب مرحوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ تعلیم کتابوں سے نہیں بلکہ اللہ والوں کی صحبت اور ان کے جوتے اٹھانے سے ملتی ہے، لیکن آج کل طالب علم صرف رسمی تعلیم تو حاصل کرتے ہیں لیکن روحانیت سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

۱۹۹۳ء کا واقعہ ہے کہ محترم و مکرم شیخ الحدیث قاری محمد الیاس صاحب دامت برکاتہم العالیہ مہتمم جامعہ مدینۃ العلم فیصل آباد نے حضرت اقدسؒ سے وقت لینے کیلئے ایک آدمی بھیجا، حضرتؒ سے درخواست کی گئی تو حضرت صاحبؒ نے بخوشی قبول کی اور اگلے دن عشاء کی نماز کے بعد کا پروگرام طے ہو گیا، لیکن اتفاق سے اگلے دن صبح سے بارش شروع ہوئی اور عصر تک موسم کی خرابی میں کوئی کمی واقع نہ

ہوئی ،تقریباً عصر کے وقت احقر نے حضرت اقدسؒ سے فون پر پروگرام کے بارے میں دریافت کیااورعرض کی کہ موسم بھی بہت خراب ہےاور پروگرام بھی آج رات کا ہے،لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشادفرمایا کہ اوفوابالعھد پران شاءاللہ تعالیٰ عمل ہوگاتم فوری طور پرگاڑی کا انتظام کرو۔احقر تقریباً آدھ گھنٹے میں گاڑی لے کر جامعہ حقانیہ حاضر ہوا،حضرت پہلے ہی تیار بیٹھے تھے چنانچہ ہم گاڑی میں بیٹھ کرفیصل آباد روانہ ہوگئے ،مغرب کی نماز ہم نے چنیوٹ میں ادا کی لیکن بارش پھرشروع ہوگئی ،احقر نے موقع کی مناسبت سے واپسی کی بات کی تو حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے دوسرے حضرات بھی نہ پہنچ سکیں اور ہم بھی واپس چلے جائیں تو لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے اوراہل جلسہ کو پریشانی لاحق ہوگی ،بس ہم چل پڑے اورایسا ہی ہوا کہ جب ہم مدرسہ کے قریب پہنچے تو مدرسہ میں اعلان ہورہا تھا کہ ہم معذرت خواہ ہیں بارش کی وجہ سے علماء حضرات تشریف نہیں لا سکے، جب ہم نے یہ سنا تو حضرت اقدسؒ نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ وہی بات ہوئی جس کا ہم نے خیال کیا تھااوراحقر کوحکم دیا کہ تم جلدی جلدی جاؤ اورانتظامیہ کو بتاؤ کہ تقریر ہوگی، لوگ گھروں کی طرف جارہے تھے جوں ہی جلسہ گاہ میں حضرت کی آمد کا اعلان ہوا تو لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اورلوگ جلدی جلدی مسجد میں پہنچ گئے ،حضرت اقدسؒ نے بلاتاخیر بیان شروع فرمادیااورتقریباً دوگھنٹے بیان کیا سارا مجمع عش عش کراٹھا،حضرتؒ نے علماء وطلبا اورعوام الناس کی ذمہ داریوں کوایسے طریقے پر بیان کیا کہ احقر نے زندگی بھر پھرایسا بیان کبھی کسی کا نہیں سنا۔

حق تعالیٰ حضرت اقدس کے درجات بلندفرماویں اورہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں اور جامعہ حقانیہ کومزید درمزید ترقی عطافرما کر قیامت تک اس کا فیض جاری رکھیں۔آمین

آسمان علم کا تابندہ ستارہ

پہلے دیدار سے آخری دیدار تک

مولوی معاذ ریحان سلمہ ابن قاری محمد رفیق (جدہ)

وہ لوگ جنھوں نے خوں دیکر پھولوں کو رنگت بخشی ہے

دو چار سے دنیا واقف ہے گمنام نہ جانے کتنے ہیں

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ ایک عالم باعمل شخصیت تھے جن کا شمار وقت کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا اور آپ نہ صرف ایک عالم باعمل تھے بلکہ عالم باعمل ہونیکے ساتھ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ اور حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ سے فیض یافتہ بھی تھے اس کے علاوہ آپ بیک وقت مفکر، مفسر مصنف ، محدث، مفتی، فقیہ اور دانشوران تمام صفات کے جامع بھی تھے اور یوں تو آپ ہر میدان کے شاہسوار تھے مگر تصنیف وتالیف کے میدان میں جو آپ کی اظہر من الشمس خدمات ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں اور نہ کسی تعارف کی محتاج ہیں چنانچہ احکام القرآن کہ جس کا آغاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے اپنے بعض خلفاء سے کروایا تھا اس کے کچھ حصے باقی رہ گئے تھے جو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کی تکمیل کی سعادت بھی حضرت مفتی صاحب ہی کو عطا فرمائی۔

حضرتؒ کا پہلا دیدار

۲۵ ر شوال ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۳ ر فروری ۱۹۹۸ء بروز اتوار کو والد (مولانا قاری محمد رفیق) صاحب اور عم محترم حاجی عبداللطیف صاحب وقاری عبداللطیف صاحب کے ہمراہ ساہیوال پہنچا اور اسی دن احقر حضرت مفتی صاحب کی زیارت سے مشرف ہوا جبکہ مذکورہ سب حضرات کو مفتی صاحب

کی زیارت کا شرف اس سے قبل ہی سے حاصل تھا اور یہ میری پہلی ملاقات تھی۔

﴿ حرمین شریفین کا یادگار سفر ﴾

۳؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲؍اکتوبر ۲۰۰۰ء بروز پیر کو حضرت مفتی صاحبؒ مع استاذ محترم صاحبزادہ مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہم اور محترم راؤ لئیق صاحب زیارت حرمین شریفین اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کیلئے لاہور سے جدہ تشریف لائے سعودیہ ٹائم کے مطابق فلائٹ ڈیڑھ بجے جدہ ائرپورٹ (مطار الملک عبدالعزیز الدولی) پر پہنچی حضرت کے استقبال کیلئے ائرپورٹ پر والد محترم مولانا قاری محمد رفیق صاحب مدظلہم و برادر عزیز محترم قاری محمد اسامہ صاحب سلمہ تشریف لے گئے اور احقر کسی وجہ سے نہیں جا سکا مفتی صاحب کے گھر پر تشریف لانے کے بعد ان سے ملاقات ہوئی دست شفقت سر پر پھیرا کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کیلئے رات کے وقت مکۃ المکرّمۃ جانا طے ہوا اور پھر آرام کی طلب محسوس فرماتے ہوئے آرام کے لئے تشریف لے گئے بیدار ہونیکے بعد طبیعت میں کچھ خرابی کی شکایت فرمائی اور کچھ ہی دیر بعد قے کا سلسلہ شروع ہو گیا جو وقفہ وقفہ سے آرہی تھی فوری طور پر دوا وغیرہ کا انتظام کیا لیکن طبیعت میں کچھ افاقہ نہیں ہوا اگلے دن بھی مرض کی یہی کیفیت رہی تو ڈاکٹر سید اشرف الدین صاحب (خلیفہ مجاز صوفی اقبال صاحبؒ مدینہ منورہ) سے رابطہ کیا اور ڈاکٹر صاحب کے حکم کے مطابق مفتی صاحب کو ڈاکٹر صاحب کے پاس کلینک میں لے کر پہنچ گئے احقر کے علاوہ استاذ محترم مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہم بھی حضرت کے ہمراہ تھے ڈاکٹر صاحب نے معاینہ کر کے بتایا کہ پانی کی تبدیلی کی وجہ سے نظام ہضم متأثر ہو گیا ہے جو انشاء اللہ درست ہو جائیگا چنانچہ حضرت مفتی صاحب کیلئے علیحدہ کمرہ میں چارپائی بستر کا انتظام پہلے ہی سے تھا وہاں مفتی صاحبؒ کو ڈرپ لگائی گئی ڈرپ مکمل ہونے کے بعد مفتی صاحبؒ گھر تشریف لے آئے اور پہلے کی نسبت طبیعت میں کافی افاقہ محسوس کیا اور رات الحمدللہ تسلی واطمینان سے گذری لیکن چونکہ ابھی طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہوئی تھی اس لئے اگلے دن دوبارہ ڈاکٹر صاحب کے کلینک گئے اور پھر ایک مرتبہ ڈرپ لگوائی اور ڈرپ مکمل ہونے پر ڈاکٹر صاحب سے اجازت لی اور واپس آگئے چونکہ مفتی صاحب جب سے سعودیہ تشریف لائے تھے اس وقت سے لے کر اب تک حالت احرام ہی میں تھے اور طبیعت خراب ہونے کے باعث سعادت عمرہ حاصل کرنے کیلئے حرمین شریفین یا اور کسی جگہ تشریف نہیں لے

جا سکے اور ۳/رجب ۲/ اکتوبر سے ۷/رجب ۶/ اکتوبر تک جدہ مدرسہ مصعب ابن عمیرؓ ہی میں مقیم رہے

﴿ روانگی مکۃ المکرّمہ اور ادائیگی عمرہ ﴾

۷/رجب المرجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۶/ اکتوبر ۲۰۰۰ء بروز جمعہ اللہ کے فضل وکرم سے حضرت کی طبیعت میں کافی افاقہ ہوا اور جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ ابھی تک مفتی صاحبؒ جب سے سعودیہ تشریف لائے تھے حالت احرام ہی میں تھے اور ضعف طبیعت میں اتنا غالب آ چکا تھا کہ آپ کیلئے سفر کرنا دشوار ہو گیا تھا لیکن آج اللہ تعالیٰ نے شفاء یابی کے ساتھ سفر کرنے کی ہمت بھی بخشی چنانچہ رفقاء سفر سے مشورہ کے بعد یہ طے ہوا کہ نماز جمعہ حرم شریف میں ادا کی جائے اور پھر اس کے بعد عمرہ شروع کیا جائے لیکن قلت وقت کے باعث قبل از نماز جمعہ مکۃ المکرمۃ نہیں پہنچ سکتے تھے لہٰذا یہ طے ہوا کہ نماز جمعہ جدہ میں ادا کر کے کچھ دیر آرام کر کے عصر کے بعد روانہ ہونگے چنانچہ بعد از نماز عصر فوراً مکۃ المکرمۃ کیلئے روانہ ہو گئے حضرت کے ہمراہ سفر میں احقر کے علاوہ استاذ محترم مفتی عبدالقدوس صاحب اور والد محترم قاری محمد رفیق صاحب و برادر محترم قاری اسامہ صاحب و محترم جناب راؤ لئیق صاحب تھے چونکہ مغرب کی نماز ہو چکی تھی اس لئے حرم شریف میں پہنچ کر اپنی الگ جماعت کروائی اور اس بات کا بے حد افسوس ہے کہ کسی عذر کیوجہ سے حضرت کی معیت میں عمرہ ادا کرنے کی سعادت حاصل نہیں کر سکا جو کہ برادرم قاری اسامہ صاحب و جناب راؤ لئیق صاحب نے حاصل کی اور اس سفر میں سب رفقاء کے اصرار کرنے کے باوجود حضرت نے عربیہ (ریڑھی) کو قبول نہیں فرمایا اور انتہائی علالت وضعف کے باوجود عمرہ از خود پیدل فرمایا۔ ۲۰/رجب المرجب ۱۹/ اکتوبر بروز جمعرات کو بھی دو پہر ۲ بجے مکۃ المکرّمہ لے جانے کی سعادت حاصل ہوئی اور کافی دیر تک استاذ محترم مفتی عبدالقدوس صاحب سے علمی گفتگو ہوتی رہی برادر عزیز حافظ خباب سلمہ اور حافظ صدیق صاحب بھی سفر میں ہمراہ تھے منیٰ، مزدلفہ، عرفات، غار حراء، جمرات (شیطانوں کو کنکریاں مارنے کی جگہ وغیرہ) ان تمام مقامات مقدسہ پر بھی حاضری ہوئی اور تقریباً رات کے ۱۱ بجے واپسی ہوئی۔

﴿ مدینہ منورہ کا تاریخی سفر ﴾

اور اسی طرح وہ دن (۱۰ رجب المرجب ۱۴۲۱/ ۹/ اکتوبر ۲۰۰۰ء) بھی آ گیا جو کہ ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گا جب احقر کو بطور ڈرائیور حضرت مفتی صاحبؒ کی معیت میں مدینۃ المنورہ جیسے

مبارک سفر پر جانیکی سعادت حاصل ہوئی رات کو۲ دو بجے جدہ سے والد محترم مولانا قاری محمد رفیق صاحب مدظلہم اور برادر محترم قاری اسامہ صاحب سلمہ نے ہمیں رخصت کیا احقر کے ہمراہ مفتی صاحب کے علاوہ استاذ محترم مفتی عبدالقدوس صاحب ترمذی اور محترم جناب راؤ لئیق صاحب تھے جدہ شہر سے نکلنے کے بعد ایک تو ویسے ہی حد نظر تک پہاڑوں اور لق ودق صحراء کا سلسلہ جاری ہوجاتا ہے نہ سبزہ نہ پانی نہ درخت نہ جھاڑی اوپر سے اس پر مستزاد قیامت خیز گرمی جس میں آسمان آگ برسا رہا تھا اور زمین شعلے اگل رہی تھی اس شدت کی گرمی میں گاڑی میں ائر کنڈیشن (مکیف) کا ہونا بھی ہمارے لئے کسی بڑی نعمت سے کم نہیں تھا جس کی ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سفر کے دوران گرمی کی شدت محسوس نہیں ہوئی قافلۂ خیر درود وذکر میں مست ومگن اپنی منزل کی طرف گامزن تھا ،سفر خیر لطف وسرور اور پر کیفی کے عالم میں فجر تک جاری رہا نماز فجر ادا کرنے کیلئے مدينة المنورہ سے تقریباً ۱۰۰ کلو میٹر قبل الاکحل نامی وادی کی طرف گاڑی کا رخ کیا اور اتفاقاً اسی وقت گاڑی میں بھی کوئی خرابی پیدا ہوگئی جس کے باعث مذکورہ وادی میں تقریباً پانچ گھنٹے رکنا پڑا ایک تو گرمیوں کے دن اوپر سے گاڑی کی خرابی پھر گاڑی کے ٹھیک ہونے تک حضرت کے بیٹھنے کیلئے کوئی متبادل انتظام بھی نہیں تھا سوائے ایک چھوٹی سی قدیم مسجد کے جس کا گرمیوں کے لحاظ سے ہونا اور نہ ہونا برابر ہی تھا دریں اثنا یہ بات بھی دل کو بار بار کچو کے مار رہی تھی کہ ابھی حضرت ناراض ہوکر کچھ فرمائیں گے یا پھر استراحت کیلئے کسی متبادل جگہ کا مطالبہ فرمائینگے اور ساتھ اس بات کا بھی احساس ہورہا تھا کہ حضرت کو گاڑی کے خراب ہونے کی وجہ سے کتنی مشقت اٹھانا پڑ رہی ہے لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ گرمی کی شدت اور سفر کی تھکاوٹ کے باوجود حضرت مفتی صاحبؒ کے معمولات میں بالکل بھی کوئی فرق نہیں آیا اور الحمدللہ کسی قسم کا کوئی مطالبہ بھی نہیں فرمایا یہاں تک کہ اتنا پوچھنا بھی پسند نہیں فرمایا کہ گاڑی کب تک ٹھیک ہوگی بلکہ سخت گرمی میں بھی وہ اپنے ذکر واذکار میں مگن رہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور غیبی مدد سے دن کے گیارہ بجے گاڑی ٹھیک ہوئی اور پھر بقیہ سفر طے کرنے کیلئے اپنے آپ کو سب نے گاڑی کے سپرد کیا اور منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوگئے سفر کا کچھ حصہ طے کرنے کے بعد پھر ایک مرتبہ ظہر کی نماز ادا کرنے کیلئے مختصر سا وقفہ کیا اس مختصر وقفے کے مکمل ہونے کے بعد جب بقیہ سفر طے کرنے کیلئے روانہ ہوئے تو احقر فریضہ ڈرائیونگ سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ حضرت کی زیارت

سے بھی مشرف ہورہا تھا تو جونہی ہم رفتہ رفتہ شہر مدینة المنورہ کے قریب ہوتے گئے ساتھ ساتھ مفتی صاحب کے چہرے پر عجیب سی خوشی نمایاں ہوتی دیکھتا رہا جبکہ جلسہ میں بھی عاجزی وانکساری پیدا ہوتی جارہی تھی سفر طے ہونے کے ساتھ ساتھ یہ نظارہ بھی جاری ہی تھا کہ تقریباً دوپہر اڑھائی بجے کے قریب مقام ابیار علی (ذوالحلیفہ ،میقات اھل مدینہ سے گذر ہوا مسجد المیقات دیکھ کر مفتی صاحب کافی خوش ہوئے اور آخر کار اس طویل سلسلہ سفر کے بعد زمین کے اس مبارک خطے کا آغاز ہوگیا جسے ہادی سبل سید الرسل سرکار دو عالم ﷺ کا دار الہجرت مسکن واستراحت گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے جو کہ منبع فیوض وبرکات مرکز کمالات سرچشمہ انوار وتجلیات اور فقید المثال فتوحات کا مبدأ بھی ہے اس مبارک شہر کی منقبت وفضیلت کا احاطہ ان چند صفحات پر ہونا نہایت مشکل ہے ۔بہر کیف ابھی اپنے آپ کو اس مبارک سرزمین کے سپرد کئے ہوئے تھوڑا ہی ٹائم گزرا تھا اور ابھی اسی کی مبارک پشت پر سفر خیر رفتہ رفتہ جاری تھا کہ شمال کی جانب سے مسجد قباؑ (جس کو نہ صرف اولیت کا شرف حاصل ہے بلکہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اطہر سے تعمیر ہونیکا اعزاز بھی حاصل ہے) کے چمکتے دمکتے ہوئے منارے اپنا دلکش منظر پیش کررہے تھے اور ساتھ ہی مغربی جانب سے مسجد نبوی کے جگمگاتے ہوئے منارے اپنی جگمگاہٹ اور حسن وجمال کے ساتھ آہستہ آہستہ اپنا کشش سے بھرپور منظر پیش کررہے تھے ۔اللہ اکبر۔کس قدر خوبصورت تھا وہ منظر! میرے الفاظ وقلم اس منظر کی تصویر کشی کرنے کیلئے ناکافی ہیں گویا اس پیش نظر منظر سے یوں محسوس ہورہا تھا کہ مسجد قباؑ اور مسجد نبوی کے منارے اپنی عظمت وتقدس اور اپنے وجود مسعود کو اس مبارک سرزمین پر رکھنے پر ناز وفخر کرتے ہوئے اپنے سچے زائرین وعاشقین کو ان کی آمد پر مسکراتے ہوئے مرحبا مرحبا کی داد دے رہے تھے سبحان اللہ اتنا خوبصورت یہ منظر جو کہ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے لاثانی ہے اس دل کش منظر کے اثناء دیدار ہی میں چند لمحوں بعد مسجد نبوی اپنا پرکیف منظر پیش کرتی ہوئی رونما ہوئی اور مفتی صاحب کی زبان پر اس وقت بے تحاشا درود شریف کا ورد بھی جاری ہورہا تھا چند ہی لمحات بعد مدرسة العلوم الشرعية سے گذر ہوا یہ وہ مدرسہ ہے جہاں مفتی صاحب بچپن میں اپنے والد صاحب حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ (سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون) کے ساتھ جب ۔سفر حج پر تشریف لے گئے تھے تو آپ کے والد ماجد اسی مدرسة العلوم الشرعية میں آٹھ ماہ تک حدیث وفقہ کے مدرس

رہے اور آپ بھی مذکورہ عرصہ میں وہاں پر زیر تعلیم رہے آپ نے ابتدائی عربی کتب مشق قرآن کریم اور تجوید کی کتابیں بھی پڑھیں اور کیونکہ ایک طرح کا یہ آپ کا مادر علمی بھی شمار ہوتا تھا اس لئے چند لمحات کیلئے وہاں گاڑی بھی روکی اور حضرت نے کچھ دیر ارشادات وملفوظات سے بھی نوازا۔ یاد رہے کہ اس مدرسہ (العلوم الشرعیة) کی تاسیس شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ نے کی تھی اور اس مدرسہ سے بڑے بڑے علماء نے شرف حاصل کیا جو کہ اپنے اپنے وقتوں کے منارہ نور بنے جس کی ایک زندہ مثال حضرت سید مفتی عبدالشکور ترمذی صاحبؒ بھی ہیں اور تا حال یہ مدرسہ بحمد اللہ شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔

﴿ مسکراتے چہرے کا آخری دیدار ﴾

بالآخر ۲۲؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ ۲۱؍اکتوبر ۲۰۰۰ء کا وہ المناک دن بھی پلک جھپکنے میں آ گیا کہ جس المناک دن کی ان المناک گھڑیوں میں مفتی صاحبؒ نے اہل جدہ کو اپنے سے ہمیشہ کیلئے جدا کر دیا اور اہل جدہ کو اپنے مسکراتے ہوئے چہرے کے دیکھنے سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا۔ آپ ۳؍رجب بمطابق ۲؍اکتوبر بروز پیر کو عمرہ ادا کرنے کیلئے تشریف لائے تھے اور الحمد للہ عمرہ کے سب مراحل کو صحیح طریقے سے اپنے اپنے وقتوں میں بآسانی ادا کر چکے تھے اور آج ۲۲؍رجب ۲۱؍اکتوبر دس بجے کی فلائٹ سے آپ کی لاہور واپسی تھی صبح ساڑھے آٹھ بجے کے قریب احقر اور والد محترم قاری محمد رفیق صاحب اور محترم جناب خالد عزیز قدوائی صاحب حضرت مفتی صاحبؒ اور استاذ محترم مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہم اور محترم جناب راؤ لئیق صاحب کو روانہ کرنے کیلئے گھر سے نکلے اور آٹھ بجکر چالیس منٹ پر جدہ کے انٹرنیشنل ائرپورٹ (مطار الملک عبدالعزیز الدولی) پر پہنچے اور ائرپورٹ کے تمام مراحل سے فارغ ہو کر ۹ بجے حضرت مفتی صاحبؒ کو مع مفتی عبدالقدوس صاحب اور راؤ لئیق صاحب کے روانہ کیا اور اس گھڑی کے اس مبارک لمحے میں اس مسکراتے ہوئے چہرے کا آخری دیدار کیا۔ کیا پتہ تھا کہ اس مسکراتے ہوئے چہرے کی زیارت سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جائینگے اور یہ دیدار آخری دیدار ثابت ہوگا۔

﴿ عالم فانی سے عالم باقی کا سفر ﴾

۲ جنوری ۲۰۰۱ء کا دن اپنے دامن میں میرے لئے ایک ایسا المناک پیغام لا رہا تھا کہ جس سے میں بالکل بے خبر تھا فجر کی نماز ادا کی اور تقریباً ۸ بجے کے قریب جب والد صاحب کے پاس گیا تو

والدصاحب کوغیر طبعی طور پر بحر غم میں مستغرق پایا دومرتبہ ان سے پریشانی کی وجہ دریافت کی لیکن انہوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا ان کی شدت پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے میں نے راہ سکوت کو اختیا کیا اور ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آخر کونسا ایسالاینحل مسئلہ درپیش ہے کہ جس نے والدصاحب کو اتنا حزیں کردیا ،والدصاحب نے بتایا کہ مفتی عبدالشکور صاحب وصال فرماگئے ہیں تفصیل تو درکنار ابھی اتنا سنا ہی تھا کہ جو مجھ پر گزری وہ بیان سے باہر ہے یہ خبر میرے لئے کسی صاعقہ آسمانی سے کم نہیں تھی اس خبر نے میری دنیا کو ظلمت وتاریکیت میں تبدیل کردیا اور پھر میں بھی غم وحزن کے اس عمیق سمندر میں غرق ہوگیا اسی افسوس اور کشمکش کے عالم میں پانچ گھنٹے گذر گئے اور انہی پانچ گھنٹوں کے دوران بار ہا جامعہ حقانیہ ساھیوال سرگودھا اور اس کے علاوہ اور بھی دیگر چند مقامات پر خبر کی تصدیق وتفصیل معلوم کرنے کیلئے ٹیلیفون کیا مگر کہیں بھی رابطہ نہ ہوسکا بالآخر جدہ وقت کے مطابق دو پہر ایک بجے اپنے سید ومرشد استاذ ومحسن امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہم العالی سے بذریعہ ٹیلیفون رابطہ قائم ہوا خبر کی تصدیق ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون ان للہ مااخذ ولہ مااعطی وکل شئی عندہ بأجل مسمی اللہ تعالیٰ حضرت پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے اور ان کیلئے اگلی منزلوں کو آسان فرمائے اور جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب وجوار عطاء فرمائے اور استاذ محترم مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہم جو ان کے حقیقی جانشین ہیں ان کے علم وعمل وعمر میں برکت نصیب فرمائے۔ **آمین والحمدللہ رب العالمین.**

بقلم الفقیر الی عفوربہ القدیر معاذ ریحان

(ابن قاری محمد رفیق مدظلہم)

مقیم جدہ المکۃالعربیہ السعودیہ

نزیل فی قریۃاصحاب الکھف ، کھف الرجیب ، الرقیم قرب مدینہ عمان، الأردن .
وفی ھذا المکان المبارک اکتمل ھذالموضوع بفضلہ تعالیٰ وکرمہٖ.

بے مثال شخصیت

مولانا مفتی محمد زبیر متخصص جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

لحب ولی الله خیر فانه　　به یبدأ الذکر الجمیل ویختم

ہمارے حضرت انہیں آج رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہوئے سارا جہاں سوگوار اور گلستان ویران معلوم ہو رہا ہے کیونکر نہ ہو حضرتؒ تو ان برگزیدہ و عالی ہستیوں میں سے ایک تھے جو صدیوں بعد دنیا کو اپنے وجود باسعادت سے رونق بخشتے اور اس کے لالہ زار کو شاداب فرماتے ہیں اور کفر و بدعت شرک والحاد کے ایوانوں پر برق سماوی بن کر نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ خطہ ساہیوال سے تو سبھی بخوبی واقف ہیں کہ ایک بیابانی دیہات اور گاؤں کے علاوہ کیا شناخت و پہچان رکھتا تھا؟ آج اگر یہ شہرہ آفاق ہے تو صرف اور صرف حضرت الاستاذ علامہ، فہامہ فقیہ العصر غزالی وقت رحمہ اللہ تعالیٰ کی سخت کاوشوں اور انتھک محنتوں کا مبارک ثمرہ و بار ہے، جنہوں نے کسی کی پرواہ کئے بغیر ہر قسم کی ٹنٹا اور جھنجٹ کی گمبھیر سیاہیوں سے گلوخلاصی حاصل کر کے اس کو نور سماوی سے معطر اس کی جبیں کو شرک والحاد سے پاک دامن کو گوناگوں کفریہ غلاظتوں سے دھونے کی ٹھان رکھی تھی لیل ونہار، راحت و آرام، تعب وتھکان کا فرق غلط حرف کی طرح محو کر چکے تھے۔

جب راقم الحروف نے ساہیوال میں جامعہ حقانیہ کی دہلیز پر قدم ثبت کئے تو سامنے کھلے صحن میں برہنہ چٹائی پر ایک بزرگ بوجہ ضعف لیٹے ہوئے کچھ تحریر فرما رہے تھے۔ احقر کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہی اس کڑھتے دل وجان کا چین اور سالہا سال سے قلب میں انگڑائیاں لیتے ہوئے اشتیاق و　　اضطراب کا سکون ومداویٰ اور مقصود و غایت ہیں کیونکہ جتنا حضرتؒ کا نام وشہرہ اور علمی مقام وبالائی ورسوخ سُنا اور آئینہ نقوش میں ملاحظہ کیا تھا اس سے تو معلوم ہوتا تھا کہ بڑی ٹھاٹھ باٹھ اور

شان وشوکت سے بڑے نمایاں ہوں گے مگر یہاں تو کوئی عمدہ وممتاز نشست اور چوکی وسریر کجا سخت چٹائی پر سادہ گدہ بھی نہ تھا اس لئے قریب ہی سے لپیٹے ہوئے چھوڑ کر گزر گیا چند طلباء سے گفت وشنید کے بعد بمشکل یقین آیا۔ حضرتؒ سے مختصر سی ملاقات کے بعد ابتدائی فارم کے ذریعہ سے درجہ تخصص فی الفقہ میں باضابطہ سعادت تلمذ سے سرفراز ہوا، پھر جہاں حضرت الاستاذ مفتی عبدالقدوس صاحب دامت برکاتہم سے مستفید ہوئے، حضرتؒ کے باران علم سے تو خوب سیرابی ہوتی، ظلمت و جہالت یوں ڈھل کر بہہ جاتے جیسے رحمت کی بارش میں کنکڑی سے میل وکچیل اور یہاں جاء الحق و زھق الباطل کا منظر دیدنی ہوتا، ساتھ ساتھ حضرتؒ کی گرج تو بھاگتے چور پر بدحواسی وخبط کا سماں پیدا کر دینے کے لئے کافی ہوتی اس لئے ایسے لوگ حضرت سے گریزاں رہ کر پس پشت کام کرنے کے اصول پر عمل پیرا اور کاربند رہتے، ناچیز کو تو حضرتؒ سے خصوصیت سے استفادہ کی سعادت خوب میسر رہی تب احساس ہوا کہ حضرتؒ کا دامن تھامے بغیر ہرگز تخصص مکمل نہ ہوسکتا تھا یہ حق سبحانہ و تعالیٰ کی نعمت غیر مترقبہ تھی کہ حضرتؒ کے دامن سے جوڑ کر جہاں چمنستان علم کی خوب سیر کروائی، اکابرؒ کی مزاج شناسی بھی نصیب فرمائی اور فتویٰ کا صحیح فہم یہیں آ کر عنایت ہوا فللّٰہ الحمد خلاصہ یہ کہ حضرتؒ کا شمار بھی انہی چند نابغہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جن کے بارہ میں بالکل بجا ہے ؎

قد مضت الدھور و ماتین بمثلہ ولقد اتیٰ فعجزن عن نظرائہ

دعا ہے کہ اللہ عزوجل حضرتؒ کی خدمات جلیلہ کا حضرتؒ کو بہترین صلہ عنایت فرمائیں اور حضرت کے چمنستان علم کا فیض دائم ومخلد اور مزید عام فرمائیں اسے دن دگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازیں اور ہم پس ماندگان کیلئے جہاں اشک شوئی کا ساماں میسر فرمائیں ہمیں انکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بھی عنایت فرمائیں۔ ہمیں انہوں نے جو اپنے اسلاف پر کامل اعتماد اور وثوق کا سبق سکھلایا اور انہی پاکیزہ ومنظف اذہان اور مقدس ومحفوظ نفوس کے واسطے سے جسے ''اولئك الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصد یقین و الشھداء و الصالحین '' سے بیان فرمایا گیا دین حنیف کو سمجھنے اور اس پر عمل کا جو درس دیا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھنے کی توفیق عنایت فرمائیں آمین۔ و کثر اللّٰہ تعالیٰ فینا امثالہ آمین۔ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سید نا محمد وعلیٰ آلہ وبارك وسلم۔ ۱۴۲۲/۶/۷ھ

حیات ترمذیؒ ایک نظر میں

مولوی قاضی عتیق الرحمٰن صاحب زید مجدہ ساہیوال

۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء.................ریاست پٹیالہ کے موضع اڑدن میں ولادت باسعادت ہوئی۔

۱۳۴۶ھ/۱۹۲۶ء.................مدرسہ معین الاسلام قصبہ نوح ضلع گڑگاواں میں تعلیم کا آغاز فرمایا۔

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ء.................مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں حفظ قرآن کریم شروع فرمایا۔

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۳ء.................حضرت تھانویؒ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی۔

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء.................تھانہ بھون میں حضرت مدنیؒ کی سب سے پہلی زیارت کی۔

۱۳۵۵ھ/۱۹۳۵ء.................قرآن کریم حفظ مکمل کیا۔

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۶ء.................پہلی مرتبہ سفر حرمین شریفین فرمایا۔

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۶ء.................مسجد نبویؐ کے اندر مکمل قرآن کریم تراویح میں پڑھا۔

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۶ء.................حطیم میں حجر اسماعیل پر نوافل میں مکمل قرآن کریم پڑھا۔

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۶ء.................تین دن کے اندر تراویح میں قرآن مکمل فرمایا۔

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۶ء.................حضرت محب اللہؒ اور حضرت محمد شفیع نگینویؒ خلیفہ حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت مکہ معظمہ میں فرمائی۔

۱۳۵۵ھ/۱۹۳۷ء.................بچپن کی سب سے پہلی تحریری کاوش قرآن کریم سے تمام انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی تحریر فرمائے۔

۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء................. آغاز قراآت سبعہ از شیخ القرأ قاری محی الاسلام پانی پتی ۔

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۰ء.................قراآت سبعہ وعشرہ کی تکمیل فرمائی۔

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۲ء.................مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء..................حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تھانہ بھون میں نکاح پڑھا۔

۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء.................. مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی میں داخلہ لیا۔

۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء..................از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء..................دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۵ء..................مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں تدریس کا آغاز فرمایا۔

۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء..................تقسیم ملک کے بعد ساہیوال تشریف آوری۔

۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء..................عبدالعزیز شاہ قادیانی سے مناظرہ کیا۔

۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء..................ساہیوال میں خطابت کا آغاز فرمایا۔

۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء..................حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی نے رحلت فرمائی۔

۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء..................تحریک ختم نبوت میں تین ماہ قید و بند میں رہے۔

۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء..................جامعہ حقانیہ کی نشأۃ ثانیہ فرمائی۔

۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء..................دارالافتاء حقانیہ سے پہلا تحریری فتویٰ جاری کیا۔

۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء..................حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔

۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء..................حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء..................محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانیؒ سے خلافت عطا ہوئی۔

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء..................اولین تصنیف فضائل جہاد تحریر فرمائی۔

۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء..................عیدگاہ حقانیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء..................کتاب ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن تالیف فرمائی۔

۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء..................آخری مرتبہ تراویح میں قرآن پاک سنایا۔

۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء..................مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ سے خلافت عطا ہوئی۔

۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء..................جامعہ خیرالمدارس ملتان کی شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔

۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء..................کتاب تذکرۃ الظفر تالیف فرمائی۔

۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء..................کتاب دعوت تبلیغ کی شرعی حیثیت تالیف فرمائی۔

۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء..................ایک آنکھ کا اپریشن ڈاکٹر منیر احمد صاحب لاہور نے کیا۔

۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء..................صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند میں شرکت فرمائی۔

۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء..................مدرسہ حسینیہ سلانوالی کی شوریٰ کے صدر منتخب ہوئے۔

۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء..................کتاب اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام تالیف فرمائی۔

۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء..................جامعہ حقانیہ میں ماہانہ اصلاحی درس بعد عصر کا اہتمام فرمایا۔

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء.......... مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کی شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔

۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء..................رسالہ تذکرۃ الشیخ تالیف فرمایا۔

۱۳۰۴ھ/۱۹۸۴ء..................جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کی شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔

۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء..................مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا کے صدر و مہتمم منتخب ہوئے۔

۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء..................حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ سے سند حدیث حاصل کی۔

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء..................دوسری مرتبہ سفر حرمین شریفین فرمایا۔

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء..................ساہیوال میں فاروکہ روڈ پر جامعہ کیلئے (۱۲) کنال رقبہ خریدا گیا۔

۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء..................تکملہ احکام القرآن (عربی) کی تکمیل فرمائی۔

۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء..................عارضہ قلب پیش آیا۔

۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء..................تک مرکزی جامع مسجد حقانیہ میں خطابت فرمائی۔

۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء..................ساہیوال میں فاروکہ روڈ پر جامعہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء..................جامعہ حقانیہ میں سیار نمائندہ ضرب مومن سے یادگار مکالمہ ہوا۔

۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء..................پچاس سالہ اجلاس دارالعلوم کراچی میں شرکت فرمائی۔

۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء..................اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے رکن منتخب ہوئے۔

۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء..................صاحبزادہ مفتی سید عبدالقدوس صاحب کے فتویٰ پر آخری تصدیق فرمائی

۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء..................عیدگاہ حقانیہ میں زندگی کا آخری خطاب فرمایا۔

۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء..................تیسری مرتبہ عمرہ کیلئے سفر حرمین شریفین فرمایا۔

۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱ء..................داعی اجل کو لبیک کہا۔

ایک جامع شخصیت

مولانا مفتی زبیر احمد خالد زید مجدہ فاضل جامعہ مخزن العلوم عیدگاہ خان پور

فقیہ العصر یادگار اسلاف حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ علمی حلقہ میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ایسی نابغہ روزگار شخصیات فقیہ النفس علم وعمل کے پہاڑ جن پر صحیح اور کامل واکمل طور پر اپنے اکابر کا رنگ ہو جو اپنے اکابر کے کما حقہ جانشین ہوں ایسی شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں صدیوں بعد ایسی نابغہ روزگار شخصیت پیدا ہوتی ہے ایسے ہی علماء کے بارہ میں کہا گیا ہے ''موت العالم موت العالم''۔ حضرتؒ کو حق تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا کہ آپ نے دین کے ہر شعبہ میں کام کیا پھر اس کمال درجہ میں کام کیا کہ اگر حضرتؒ کی دین کے کسی ایک شعبہ کی خدمات کی طرف دیکھا جائے وہ اتنی عظیم خدمات ہیں جنہیں دیکھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اتنا عظیم کام اتنے مختصر وقت میں کیسے ہو گیا آپ کو ہر میدان میں یہی چیز نظر آئے گی۔ اگر تصنیف وتالیف کے میدان میں نظر کی جائے تو حضرتؒ کی ایک سو سے زائد مقالات ومضامین اور کتابیں آپ کو نظر آئیں گی اگر تدریس کے میدان میں نظر کی جائے تو بڑے بڑے اکابر علماء آپ کو حضرتؒ کے فیض یافتہ نظر آئیں گے اگر باطل قوتوں کے خلاف دین کی اشاعت اور اس کی حفاظت کے میدان کی طرف نظر کی جائے تو آپ کو کوئی باطل قوت ایسی نظر نہیں آئے گی جس کے خلاف حضرتؒ نے کام نہ کیا ہو۔ حضرتؒ نے قادیانیت کے خلاف بھی خوب کام کیا 1953ء کی تحریک میں بھی خوب حصہ لیا اور جیل میں بھی رہے۔ 1974ء میں جب دوبارہ تحریک ختم نبوت چلی اس میں بھی دوسرے اکابر کی طرح آپؒ نے بھی نمایاں کردار ادا کیا حضرت بنوریؒ سرگودھا میں تشریف لائے تو آپ نے بھی اس جلسہ میں شرکت کی۔ رافضیت کے خلاف بھی حضرتؒ کی خدمات کو سنہرے حروف میں لکھا جائے گا حضرتؒ نے بدعات کے رد میں بھی نمایاں کردار ادا کیا اور ہر لحاظ سے انکی یلغار کا مقابلہ فرمایا اکابرین اہل سنت والجماعت (علماء دیوبند) پر اعتراضات

کے بھی کافی شافی جوابات دیئے علمی میدان میں کبھی کوئی بدعتی آپ کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہیں کر سکا کیونکہ مخالفین نے بھی حضرت فقیہ العصرؒ کے علمی مقام کا اعتراف کیا حضرت فقیہ العصرؒ نے تمام عمر اہل سنت والجماعت (علماء دیوبندؒ) کے مسلک کی ترجمانی فرمائی۔ غیر مقلدین کے دجل وفریب اوران کی یلغار کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا اور فقہ حنفی پر اعتراضات کے کافی شافی جوابات دیئے اس طرح فقہ حنفی کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ مودودی فتنہ کا بھی آپ نے خوب رد فرمایا ان کی بے اعتدالیوں اور مولانا مودودی کے غلط عقائد سے اچھی طرح پردہ اٹھایا مولانا مودودی نے ''تفہیم القرآن'' میں ترجمہ وتفسیر کے اندر جو تحریف کی آپ نے اس سے بھی امت مسلمہ کو آگاہ کیا اور مودودی فتنہ کا خوب تعاقب فرمایا۔ منکرین حیات النبی ﷺ (دور حاضر کے معتزلہ) کے خلاف دین اسلام کی حفاظت کیلیے اس قدر عظیم کارنامہ سرانجام دیا جو اپنی مثال آپ ہے اور آپ کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ المختصر حضرت فقیہ العصرؒ نے تمام باطل قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا کبھی کسی باطل قوت کی یلغار سے مرعوب نہیں ہوئے نہ کبھی کسی کی مخالفت کی پرواہ کی۔ مرزائیت، رافضیت، عیسائیت، پرویزیت، بریلویت ومماتیت وغیر مقلدیت الغرض کسی بھی باطل گروہ کو میدان خالی نہیں دیا وہ میدان خطابت کا ہو تصنیف وتالیف کا ہو مناظرہ کا ہو سب میدانوں میں تمام باطل قوتوں کی یلغار کے سامنے سد سکندری بنے رہے الغرض ہمیں دین کا کوئی ایسا شعبہ ایسا میدان نظر نہیں آتا جس میں آپ کی خدمات نظر نہ آتی ہوں۔ اللہ رب العزت حضرت کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازیں۔ آمین

حضرت فقیہ العصر یادگار اسلافؒ نے کبھی اہل حق کے کسی بھی طبقہ کو اپنے دست شفقت سے محروم نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ ہر میدان میں انکی راہنمائی فرمائی اور مسلک حقہ سے منسلک تمام تر طبقات اور تمام دینی جماعتوں کی راہنمائی فرماتے رہے۔ بلاشبہ حضرتؒ کا شمار ان حضرات میں سے تھا جن کو بالاتفاق مسلک حقہ مسلک اہل سنت والجماعت کے تمام تر شعبوں میں کام کرنے والے حضرات نے اپنا راہنما وسرپرست اور مربی ومحسن تسلیم کیا۔ آپؒ کو حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا اور شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا یہ سعادت بہت کم حضرات کو نصیب ہوئی ہوگی۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائیں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

علوم اسلاف کا امین

محترم حاجی ظفر علی صاحب پنڈی از متوسلین علامہ ظفر احمد عثمانیؒ

حضرت اقدس مفتی صاحبؒ سے پہلی ملاقات لاہور میں حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے مکان پر ہوئی حضرت عالیؒ بھی اس وقت موجود تھے دوسرے حضرات اہل علم بھی حاضر تھے سوشلزم کا نعرہ تھا اس پر گفتگو ہو رہی تھی حضرت مفتی صاحبؒ کا بیان بڑا پر اثر تھا بندہ کافی متأثر ہوا۔ چونکہ حضرت عالی کی زندگی میں دوسری طرف توجہ نہ ہوئی ان کی زندگی کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ سے ملاقات کا سلسلہ جاری ہوا دینی مسائل کے علاوہ دوسرے معاملات میں بھی تذکرہ رہتا۔ آپؒ ہر معاملہ میں بہت احتیاط رکھتے ہیں کہ اسلاف کے عمل کے خلاف نہ ہوا کثر بجائے فتویٰ کے تقویٰ اختیار کرتے جب بھی کوئی روحانی مشکل پیش آئی حضرت مفتی صاحب سے رابطہ کے ذریعے یا ملاقات کرکے بڑی تسلی اور راحت محسوس ہوئی۔ بندہ کا جب اپنے بھائی کے ساتھ تنازعہ رشتے کا تھا مجھے بہت دق کرتا تھا اس کا ذکر حضرتؒ کے ساتھ کیا آپ نے فرمایا تھا کہ ''حزب البحر'' کا عمل کریں گو عمل نہ ہو سکا لیکن الحمدللہ پریشانی دور ہوگئی۔

راولپنڈی (ڈھری حسن آباد) میں جب حضرت مفتی صاحبؒ بندہ کے غریب خانہ میں اچانک تشریف لائے اور رات کا قیام کیا الحمدللہ آپ کی برکت سے سارا انتظام اچھا ہو گیا تھا اس بات کی مسرت ہوئی کہ حضرت مفتی صاحبؒ غریب خانہ پر تشریف لائے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا مزاج اپنے اکابرین کے علاوہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں پر تھا تحقیق ان حضرات کی طرح تھی ہر معاملہ میں بہت ہی احتیاط رکھتے کہ کہیں ان حضرات کے خلاف نہ عمل ہو جائے۔ بندہ کی زندگی حضرت عالیؒ (حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ) کے ساتھ وابستہ رہنے کے بعد کچھ حضرت مفتی صاحبؒ سے رہی لیکن حسرت و یاس تا قیامت رہے گی بندہ کا باوجودیکہ اتنا قریبی تعلق ہونے کے آخری دیدار نصیب نہ ہوا دونوں اکابر دنیا سے رخصت ہو گئے بندہ تاسف و افسوس ہی کرتا رہے گا۔ یہ تمنا اور دعا رہتی ہے یا اللہ جنت میں ان حضرات کے ساتھ ملا دے آمین۔

جانشین حضرت عثمانی رح

محترم جناب حاجی نذیر احمد صاحب واہ کینٹ

ہم جب بھی حضرت مفتی صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھتے تو آپ از راہ یاد رفتگان بزرگان دیوبند خصوصاً حضرت تھانویؒ کے فرمودات سنایا کرتے تھے سب تو یاد نہیں کچھ کچھ یاد میں باقی ہیں آپؒ کی مجلس میں جب اکابرین اولیاء کا تذکرہ مبارکہ چھڑتا تھا تو ہمیں ایسے محسوس ہونے لگتا تھا کہ ہم انہیں کی مجلس میں بیٹھے ہیں یہ آپ کی شخصیت اور بڑوں سے قلبی تعلق کا کمال تھا کیوں نہ ہوتا آپ کی ذات با صفات میں انہیں بزرگوں کا رنگ تھا مسلک بھی وہی طرز بھی وہی کچھ بھی تو فرق نہ تھا۔ایک مرتبہ آپ نے خود بتایا کہ میرا بچپن اور لڑکپن حضرت تھانویؒ کے گھر میں گذرا ہے میرے ساتھ بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ سنایا کہ حضرت تھانویؒ نے ایک دفعہ مجھے بھیجا کہ دیکھو فلاں صاحب اپنے کمرے میں تشریف رکھتے ہیں یا نہیں وہ وہاں نہ تھے میں نے آکر ادباً دھیمی آواز میں بتایا کہ نہیں ہیں حضرت تھانویؒ سمجھے کہ موصوف موجود ہیں آپ ان کے کمرے کی طرف چل دیئے (ناظرین دیکھیں کہ ان کو اپنے پاس نہیں بلایا بلکہ خود گئے) مجھے تشویش ہوئی۔اس کے بعد ایک دفعہ حضرت تھانویؒ نے ایک اور بچے کو کسی ایسے ہی کام کے لیے بھیجا واپسی پر اس نے خوب کھل کر بتایا تو مجھے مخاطب ہوکر فرمایا کہ یوں بتایا کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو مطالعہ کتب فقہ وحدیث سے بڑا لگاؤ تھا ایک دفعہ فرمایا کہ دن رات مطالعہ کرتے کرتے میری تو نظر بھی کمزور ہوگئی ہے۔آپ کی مجلس علمی تحقیقات سے پر رہتی تھی تفقہ اور تحقیق کو بڑا پسند فرمایا کرتے تھے۔رب زدنی علما اور فوق کل ذی علم علیم ایک حقیقت ہے، بڑے بڑے عالم مشکل مقامات کو سمجھنے کیلئے کتابوں میں نشان رکھ کر آپ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے تحقیق علمی کے ساتھ ساتھ بزرگان دین سے عقیدت اللہ پاک اور

اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عظمت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وضع قطع بات چیت لباس رہن سہن بالکل سادہ انکساری اور عاجزی کا رنگ غالب تھا فخر اور بڑائی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ دنیاوی لالچ سے بڑی نفرت تھی آپ کی مجلس دنیاوی باتوں سے بالکل پاک ہوتی اور دین کی فکر رہتی تھی۔

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب نے پوچھا کہ بعض کتابوں میں آیا ہے کہ سبِّ صحابہ سے کافر نہیں ہوتا اور بعض میں ہے کہ ہو جاتا ہے، تو آپ نے فرمایا استحلال معصیت قطعیہ مخرج عن الایمان ہے۔ کیسی فیصلہ کن بات فرمائی اسی طرح بدعت کے بارے میں فرمایا جس پر کوئی شرعی دلیل قائم نہ ہو سکے وہ بدعت ہے۔ آپ انتہائی منصف مزاج تھے تعصب کا نام ونشان بھی نہ تھا اپنے ہم مسلک کا بھی اگر کوئی مسئلہ غلط نظر آیا تو اسے غلط ہی قرار دیا۔

دینی مسائل سے بڑا شغف رکھتے تھے میں آپ سے زبانی اور تحریری مسائل پوچھتا رہتا تھا، اس لیے آپ مجھے مولوی صاحب کہا کرتے تھے کئی دفع ایسے ہوا کہ مسئلہ کا تجزیہ کرتے کرتے اس کی تہہ تک چلے جاتے اور بحث اتنی مزیدار انداز اختیار کر لیتی کہ مجھ سے مخاطب ہو کر فرماتے کیوں مولوی صاحب کیسی بات رہی۔ اور آپ میں خواہ مخواہ کی بناوٹی سنجیدگی نہ تھی بلکہ ہمارے ساتھ گھل مل جایا کرتے تھے اور خوب کھل کر باتیں ارشاد فرمایا کرتے تھے بیچ میں کوئی فاصلہ نہ رکھتے تھے اور یہ اتباعِ سنت کا ایک نمونہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے اسی طرح گھل مل کر رہتے تھے کوئی امتیاز نہ چھوڑتے تھے۔

عام لوگوں کے بارے میں آپ یہ پسند فرماتے تھے کہ وہ مسئلہ پوچھیں اور عمل کریں ایک دفعہ دو آدمی ایک مسئلہ پوچھنے کیلئے آئے آپ نے بتا دیا وہ مطمئن ہو کر چلے گئے آگے سے کوئی بات نہیں دہرائی ان کے جانے کے بعد ان کے اس رویے کی تعریف فرمائی۔ ایک دفعہ دو آدمی ایک طلاق کا مسئلہ لے کر آئے آپ نے پڑھا اس پر کئی ایک عالموں کے دستخط تھے کہ طلاق نہیں ہوئی آپ نے پڑھنے کے بعد فرمایا کہ طلاق ہو چکی ہے۔ تفقہ فی الدین کی اہمیت کو بیان فرماتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا کہ قرآن پاک میں اللہ پاک نے حکم دیا ہے کہ حالت جنگ میں تم میں سے ایک جماعت تفقہ فی الدین میں لگی رہے اور یہ باب تفعل ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ خوب غور کرو۔ فقہی مسائل کی باریکیوں

اور عصر حاضر کے نئے نئے مسائل میں آپ کو اللہ پاک نے بڑی دسترس بخشی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی دیوبند کے تمام اکابرین سے بڑی عقیدت تھی اور ان کے مسلک پر بڑی مضبوطی سے قائم تھے یہی وجہ ہے کہ آپ تقلید کو بڑی اہمیت دیتے تھے کسی بزرگ کا قول نقل فرمایا کہ امام اعظمؒ کا تو بڑا مقام تھا ہم تو علامہ شامیؒ کے بھی مقلد ہیں۔ اپنے والد ماجد سید مفتی عبدالکریمؒ کا قصہ سنایا کہ ایک دفعہ ایک غیر مقلد عالم سے مناظرہ تھا پہلے اور علماءِ کرام ان سے مناظرہ کرتے رہے بالآخر حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے مناظرہ کیا حضرت اقدس مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ جب والد صاحب مرحوم سے اس کا واسطہ پڑا تو ابھی چند منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ آپ نے اُسے ایسا گھیرا کہ اسے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اب ان بریلویوں نے اصولوں میں بھی اختلاف کرنا شروع کر دیا ہے اور آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی بحث کرو اصولی بحث کرو جب ایک اصول طے ہو جاتا ہے تو فروعات خود بخود حل ہوتی چلی جاتی ہیں اگر پہلے فروعات کو لے کر بیٹھ جاؤ گے تو کبھی بھی معاملہ طے نہ ہوگا نہ ہی اس بحث کا کوئی نتیجہ نکلے گا آپ کی یہی عادت مبارکہ تھی کہ دوٹوک اور فیصلہ کن بات کیا کرتے تھے جس کے بعد مخالف کے پاس کوئی جواب نہ ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ فرمایا کہ علماء کرام نے بلاسود بینکاری کے تمام پہلوؤں پر مفصل قابل عمل دستاویز ایک بڑی ضخیم جلد میں تیار کر کے وزارت مذہبی امور کو بھیجی تھی وہ ان کے ریکارڈ میں موجود ہے حکومت خواہ مخواہ یہ تأثر دے رہی ہے کہ علماء کرام ہمیں بلاسود بینکاری کا اسلامی حل بتائیں، الحمدللہ کہ علماء نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

آپ کی مجلس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف سے معطر رہتی تھی آپ کی شان پاک کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ صراطِ مستقیم وہ ہے جس کا عرض نہ ہو اور ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چل کر دکھا گئے ہیں۔ یہ سب فیض بزرگان چشتیہ کا تھا کہ ان کے طریق میں فنا ہی فنا ہے حضرت سیدنا و مولانا ظفر احمد عثمانی لاثانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ پاک کی محبت سب سے بڑی عبادت ہے۔

عشق رسول کے بارے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ کے پاس ایک مرید آیا اور عرض کی کہ آپ میرے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی دعا فرمائیں حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا بھائی تمہارا تو بڑا حوصلہ ہے ہم تو اپنے آپ کو اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کا ایک کونہ ہی دیکھ سکیں اور اس کی تاب لا سکیں۔

ایک عظیم محسن و مربی

محترم جناب محمد صدیق شاہ صاحب ساہیوال سرگودھا

نحمده وتبارك وتعالیٰ ونصلی علیٰ رسوله الکریم امابعد:

یکم جنوری ۲۰۰۱ء ۵؍شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ کو احقر عشاء کی نماز مسجد رحمانیہ محلّہ منڈی قصاب میں ادا کر رہا تھا جماعت سے فارغ ہو کر دو سنت ادا کرتے ہوئے ایک رکعت ادا کی اسی دوران میں نے آواز سنی کہ میرے مربی و میرے محسن حضرت مفتی صاحب انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بڑی مشکل سے وتر ادا کر کے مسجد سے باہر نکلا تو ایسا معلوم ہوا کہ بھونچال آیا ہوا ہے زمین شدت سے کانپ رہی ہے اور قدم لڑکھڑائے جا رہے ہیں مسجد کے قرب وجوار میں دوکانیں ہوٹل فوراً بند ہونا شروع ہو گئے ہوٹلوں پر جو لوگ چائے پی رہے تھے انہوں نے فوراً چائے ادھوری چھوڑ دی یہاں تک جو آدمی جس کام میں بھی مشغول تھا اس کو وہیں چھوڑا اور اس خبر کی تصدیق کیلئے حضرت کے مکان کی طرف نہایت تیزی کے ساتھ جانے لگے راستے میں بازار ہے سب دوکانیں بند کر رہے تھے اور گلیوں میں لوگ ایسے دوڑے جا رہے تھے کہ جیسے کہیں آگ بھڑک اٹھی ہو اور بجھانے کیلئے دوڑ رہے ہوں، حضرت کے مکان پر جب احقر پہنچا تو سینکڑوں لوگ وہاں پہنچ چکے تھے بڑی مشکل سے اندر داخل ہوا تو اس وقت حضرت کا جسد مطہر دوسری منزل سے نیچے اتارا جا رہا تھا اچانک میری نگاہ بھائی عبدالقدوس پر پڑی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ صبر واستقامت کا پہاڑ بنے کھڑے تھے جبکہ تمام حاضرین مجھ سمیت دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے میں دوڑ کر بھائی عبدالقدوس کے سینے سے لگ کر دھاڑیں مار کر رونے لگا لیکن آپ مجھے صبر اور حوصلہ کی تلقین کرتے ہیں مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ان پر شان صدیقیت غالب تھی، حضرت کا جسد مبارک ایک چارپائی پر عوام الناس کی زیارت کیلئے رکھ دیا گیا لوگ حضرت کے دیدار کیلئے دیوانہ وار ٹوٹ پڑے اور کنٹرول کرنا ناممکن ہو گیا بڑی مشکل سے

مولانا عبدالقدوس مدظلہ کچھ لوگوں کو جمع کر کے حضرت کی چار پائی کے گرد حلقہ بنانے میں کامیاب ہوئے اور ایک راستے سے زیارت کیلئے آنے اور دوسری طرف سے واپسی کا راستہ بنانے میں کامیاب ہو گئے لیکن تھوڑی ہی دیر میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ امڈ آئے مگر پھر بھی حلقہ برقرار رہا تقریباً ایک گھنٹہ بعد بھائی عبدالقدوس نے مجھے اپنی جگہ کھڑا ہونے کا حکم دیا اور خود جامعہ حقانیہ تشریف لے گئے زیارت کرنے والوں کا یہ سلسلہ ساری رات جاری رہا اور ایک لمحہ کیلئے بھی زیارت کرنے والوں میں کمی نہ آئی رات کو تقریباً دو بجے بندہ کچھ دیر کیلئے باہر نکلا تو اس وقت بھی گلی میں لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا اور بہت بڑی تعداد رات دو بجے بھی گلیوں میں آنے جانے میں مصروف تھی قرب وجوار کے دیہاتوں کے لوگ بھی راتوں رات حضرتؒ کے گھر زیارت کیلئے پہنچ چکے تھے یہاں تک صبح ہوگئی اور لوگوں کا ہجوم بدستور بڑھتا رہا تقریباً دس بجے کے بعد بڑی مشکل سے لوگوں کو کمرے سے نکال کر غسل کی تیاری شروع کی۔

غسل وکفن

غسل دینے کیلئے حضرتؒ کے نہایت قریبی تعلق والے جن کو حضرتؒ کے ساتھ بے پناہ عقیدت ہے راؤ لئیق احمد صاحب سرگودھا سے مع تمام ضروری سامان کے تشریف لائے ہوئے تھے انہوں نے حضرتؒ کو غسل دیا راؤ صاحب کے ساتھ غسل میں تعاون کرنے والے حضرتؒ کے برادر صغیر مولانا سید عبدالعلیم ترمذی کے علاوہ احقر کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی اور احقر نے اپنے ہاتھ سے حضرتؒ کے جسم مبارک پر مشک کافور اور عطر لگایا حضرتؒ کا چہرہ وفات کے وقت سے ہی قبلہ رخ ہو گیا اور غسل کے دوران بھی جب چہرہ کو قبلہ کی طرف سے ہٹانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو چہرہ کو ہٹایا گیا لیکن فارغ ہونے پر چہرہ مبارک خود بخود قبلہ رخ ہو جاتا تھا غسل کے بعد حضرتؒ کو کفن پہنایا گیا اور پھر زیارت کیلئے حضرتؒ کی چار پائی کو باہر صحن میں رکھ دیا لیکن کچھ دیر بعد چار پائی کو گھر سے اٹھا لیا گیا اور جامعہ حقانیہ لے گئے۔

گھر سے جامعہ حقانیہ تک

حضرتؒ کی چار پائی کو جامعہ حقانیہ لے جاتے ہوئے ہزاروں لوگ چار پائی کو کندھا دینے کیلئے بے چین تھے اور تمام راستے میں سڑک کے دونوں طرف لوگوں کا اژدھام تھا لیکن جن کی قسمت میں کندھا کی سعادت لکھی تھی وہ فیض یاب ہو سکے اور ہزاروں محروم رہے۔ حضرت کا یہ سفر معمول کا تھا پچاس سال میں یہ سفر حضرتؒ نے نہ جانے کتنی مرتبہ طے کیا تھا اور اس راستے کے چپے چپے پر حضرتؒ

کے قدموں کے نشانات ثبت تھے اس راستے کے درودیوار بلکہ ذرات تک حضرتؒ سے مانوس تھے کیونکہ حضرتؒ کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ گھر سے جامعہ آتے جاتے تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہتے دن میں اگر چار پانچ مرتبہ بھی آنا جانا ہوا تو کبھی بھی ذکر یا تلاوت سے غافل نہ ہوتے اور ہمیشہ پیدل تشریف لے جاتے یہاں تک سخت بیماری کی حالت میں بھی پیدل ہی تشریف لے جاتے لیکن آج حضرتؒ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہیں آج وہ ذکر و تلاوت کرنے والی زبان بند ہے شاید اسی لئے اس راستوں کے درودیوار اور ذرات بھی اس نعمت عظمیٰ کے چھن جانے کی وجہ سے رو رہے ہیں کیونکہ اکثر بزرگوں سے سنا ہے کہ اللہ کے نیک بندے جب دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو زمین کے جس جس حصہ پر وہ اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ اس کی جدائی اور فراق میں روتے ہیں بہر حال گھر سے جامعہ تک حضرتؒ کا یہ آخری سفر تھا اب یہ راستے حضرتؒ کی زیارت سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو گئے جامعہ کے بڑے ہال میں حضرتؒ کی چارپائی رکھدی گئی جس کے ایک دروازے سے عقیدت مند زیارت کیلئے داخل ہوتے اور دوسرے راستے سے باہر نکلتے ظہر کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا اور نماز ظہر برادر مکرم مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب مدظلہ نے پڑھائی لیکن جامعہ کی تمام عمارت چھتوں سمیت نمازیوں سے بھر گئیں یہاں تک کہ گلی میں جگہ نہ رہی قریبی مسجد قلعہ والی بھی چھت سمیت نمازیوں سے بھر گئی نماز کے بعد حضرتؒ کو نماز جنازہ کیلئے شہر کے سب سے وسیع پلے گراؤنڈ میں لے جایا گیا۔

نماز جنازہ اور تدفین

حضرت کی چارپائی کے دونوں طرف لمبے لمبے بانس لگا دیئے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کندھا دینے کی سعادت حاصل کر سکیں لیکن بے پناہ رش کی وجہ سے ہزاروں لوگ کندھا دینے کی سعادت سے محروم رہے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کے پاؤں سے چپل نکل گئی یا سر سے ٹوپی رومال وغیرہ گر گیا تو کچلے جانے کے خوف سے کوئی شخص اپنی گری ہوئی چیز کو اٹھا نہ سکا پلے گراؤنڈ پہنچ کر حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مہتمم خیر المدارس ملتان نے تقریر فرمائی اور لوگوں کو صبر کا دامن تھامے رکھنے کی تلقین کی ان کے بعد حضرت مولانا مشرف علی تھانوی نے خطاب فرمایا اور نماز جنازہ پڑھائی نماز جنازہ میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی روزنامہ نوائے وقت کی رپورٹ کے مطابق تقریباً ساٹھ ہزار لوگ جنازہ میں شریک تھے اور ساہیوال فرو کہ روڈ پر جامعہ حقانیہ سے متصل قبرستان ''حقانیہ''

میں آپ کی تدفین عمل میں آئی ۔ خدا رحمت کند بریں پاک طینت را۔

﴿ایک عجیب خواب﴾

احقر اکثر و بیشتر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا میں اس وقت ڈاڑھی منڈواتا تھا ایک رات میں اپنے مکان میں سویا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنی ڈاڑھی صاف کرا کر سیدھا حضرتؒ کے پاس پہنچا حضرتؒ اپنے کمرے میں نشست گاہ پر اکیلے تشریف فرما تھے جونہی میں کمرے میں داخل ہوا تو حضرتؒ کی نظر مجھ پر پڑی آپ فوراً نہایت غصہ سے اٹھے اور فرمایا کہ دفع ہو جاؤ تمہیں شرم نہیں آتی ڈاڑھی بھی منڈاتا ہے اور میرے پاس بھی آتا ہے اور ایک زوردار طمانچہ میرے رخسار پر رسید فرمایا چپیڑ لگتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے رخسار پر حضرتؒ کے تھپڑ کا اثر محسوس کیا فوراً توبہ کی کہ ان شاء اللہ آئندہ ڈاڑھی نہیں منڈاؤں گا بس اس کے بعد میں نے اس سنت کو الحمد للہ قائم کر لیا۔

﴿ایک دلچسپ مناظرہ﴾

ایک دفعہ بریلویوں کی مرکزی مسجد شہانی (جہاں حضرتؒ نے تقریباً ۱۶ سال جمعہ کی خطابت اور پانچ وقت نمازیں اور جامعہ قاسمیہ کے نام سے مدرسہ قائم فرمایا اور صبح کے وقت درس قرآن کی خدمت سرانجام دیتے رہے) میں ایک جلسہ تھا جس میں سیال شریف کے مشہور شیخ الحدیث کی تقریر تھی احقر بھی جلسہ میں چلا گیا اور مولوی صاحب کی تقریر سنی جس میں انہوں نے ایک مسئلہ بیان کیا کہ نماز جنازہ کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنا سنت ہے مجھے بہت تعجب ہوا کہ اگر یہ سنت ہے تو حضرت مفتی صاحب نے کبھی دعا نہیں فرمائی بندہ نے مولوی صاحب کی تقریر کی کیسٹ حاصل کر کے حضرتؒ کو سنائی حضرتؒ نے اپنے جمعہ کے خطبہ میں اس کا رد فرمایا اور ملا علی قاریؒ کی مرقاۃ شرح المشکوٰۃ کے حوالہ سے ثابت فرمایا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کریں حضرتؒ کی اس تقریر کی کیسٹ بھی مولوی صاحب کے پاس پہنچ گئی اور پھر اسی شہانی مسجد میں حضرتؒ کی تقریر کا جواب دینے کی غرض سے جلسہ کیا اور ثابت کرنے کی کوشش کی جنازہ کے بعد دعا کرنا چاہئے اور اسی مرقاۃ شرح المشکوٰۃ کا حوالہ دیتے ہوئے پنجابی زبان میں کہا کہ ''حضرت مفتی صاحب کی عمر زیادہ ہوگئی اے انہاں دی نظر وی کمزور ہے لیکن عقل وی کم نہیں کردی ملاں علی قاری نے اے نہیں لکھیا کہ دعا نہ کرو بلکہ اولکھدے نے کہ لا یقوم بعد صلوٰۃ الجنازہ یعنی جنازہ پڑھن توں بعد کھلونا ٹھیک نہیں او تاں کھلون دی نفی پئے کر دینے دعا دی نفی

نہیں کردے اگر دعا کرنا ناجائز ہووے ہاتے اولکھدے کہ ''لایدعو بعد صلوٰۃالجنازہ'' پرانہاں لایدعونہیں لکھیا اوتاں لکھدے نیں لایقوم، اس بات کوخوب زوردے کر مولوی صاحب نے تقریباً ۹ مرتبہ دھرایا کہ علامہ ملاعلی قاری نے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے سے منع نہیں فرمایا احقر نے اس تقریر کی کیسٹ حاصل کر کے پھر حضرتؒ کو سنائی حضرتؒ نے آئندہ جمعہ کو اس تقریر کا خوب رد فرمایا اور مذکورہ کتاب ''مرقاۃ'' ہمراہ لے گئے نماز جمعہ کے بعد ایک آدمی کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ مسجد کے صحن میں سب لوگوں کو دکھائے کہ حضرت علامہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا لکھا ہے تمام لوگوں نے دیکھا کہ وہاں صاف لکھا ہوا تھا کہ لایدعو بعد صلوٰۃ الجنازہ یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرو اگلے دن بروز ہفتہ احقر کو مولوی صاحب کا ایک شاگرد جو اس وقت سیال شریف میں مدرس بھی تھا اور ساہیوال میں دارالعلوم انوارالقمریہ کا مہتمم بھی تھا مجھے ملا اور کہنے لگا کہ حضرت قاری صاحب نے جو کتاب (مرقاۃ) لوگوں کو دکھائی ہے وہ دیوبندیوں نے تحریف شدہ شائع کی ہوئی ہے اصل کتاب میں دعا کرنے کی نفی نہیں ہے میں نے پوچھا کہ اصل کتاب آپ مجھے دکھا سکتے ہیں؟ کہنے لگا کہ ہاں بالکل دکھا سکتا ہوں تو میں نے کہا کہ اگر آپ مجھے اصل کتاب سے دکھادیں کہ ملاعلی قاری نے لایدعو ابعد صلوٰۃ الجنازہ نہیں لکھا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں جنازہ کے بعد دعا کیا کروں گا اس نے بھی وعدہ کیا وہ کتاب ضرور دکھائے گا چنانچہ دوسرے دن حسب وعدہ مولوی صاحب کتاب لے کر احقر کے مکان پر پہنچا میں جب دروازے سے باہر نکلا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مولوی صاحب کتاب بغل میں لئے کھڑے ہیں میں کچھ پریشان تو ہوا لیکن مجھے حضرتؒ کے فرمان پر اپنی آنکھوں سے دیکھنے سے بھی زیادہ یقین تھا اس لئے مجھے حوصلہ ہوا اور ہمت کر کے اس کو ملا سلام وغیرہ کے بعد مولوی صاحب نے کہا میں حسب وعدہ کتاب تو لے آیا ہوں لیکن بات آپ کی سچی ہے کیونکہ اس میں بھی واقعی لایدعو بعد صلوٰۃ الجنازہ لکھا ہوا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور کتاب سے حوالہ دیکھا اس کے بعد میں نے اس کو کہا کہ آپ اجازت دیں تو میں یہ کتاب حضرت مفتی صاحب کو دکھادوں تو کہنے لگا کہ آپ بے شک لے جائیں لیکن جلد بحافظت واپس کر دیں کیونکہ میں یہ کتاب اپنے استاد شیخ الحدیث کا ذاتی نسخہ لایا ہوں میں نے وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ آپ کو بحفاظت کتاب واپس مل جائے گی چنانچہ احقر کتاب لے کر حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا (نیز یہ واضح ہو کہ اس سے پہلے اس شرط کا احقر نے حضرت سے کوئی ذکر

نہیں کیا تھا) اس لئے جب میں کتاب لے کر حضرت کے پاس پہنچا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کتاب مرقاۃ مولوی صاحب کا ذاتی نسخہ ہے تو آپ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ تم یہ کہاں سے اٹھالائے کیسے آ گئی تمہارے پاس؟ تو پھر میں نے ساری تفصیل حضرت کو بیان کردی اور حضرتؒ نہایت محظوظ ہوئے فرمایا کہ آپ نے کیا چکر چلایا کہ مولوی......صاحب نے یہ دیکھ کر بھی کہ یہ دلیل سراسر ان کے خلاف ہے پھر بھی کتاب میرے تک پہنچانے کی اجازت دیدی میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو آپ کی کرامت ہے فوراً ہنس کر فرمایا نہیں میری کیا کرامت تھی یہ تو انہیں بزرگان دین کی کرامت ہے جنہوں نے صحیح صحیح دین ہم تک پہنچایا اس کے بعد آپ نے اس کتاب کے مذکورہ حوالہ کو مدرسہ کے اساتذہ وطلبا کو دکھایا۔اس کتاب کے جس صفحہ پر مذکورہ حوالہ تھا اسی کے حاشیہ پر شیخ الحدیث نے اپنا قلمی نوٹ بھی تحریر کیا ہوا تھا کہ یہاں دعا کرنے کی نفی کی گئی لیکن دعا کرنا چاہئے اور نیچے دستخط بھی ثبت تھے کسی نے مشورہ دیا کہ حضرت اس صفحہ کی فوٹوسٹیٹ کاپی کرالی جائے تا کہ ثبوت رہے تو فوراً غصہ کے ساتھ فرمایا ''بے وقوف'' یہ کتاب صرف حوالہ دیکھنے کیلئے امانت کے طور پر لائی گئی ہے مالک کی اجازت کے بغیر فوٹوسٹیٹ کاپی کرانا ناجائز ہے اس لئے ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا اس وقت ایک مولوی صاحب جو حضرت کے پرانے شاگردوں میں ہیں عرض کرنے لگے کہ حضرت مجھے اجازت دیں کہ میں یہ حوالہ یہاں کے مقامی بریلوی علماء خطباء کو دکھادوں تو آپ نے فرمایا ہاں یہ تم کر سکتے ہو جلدی سے سب کو حوالہ دکھاؤ تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ سیال شریف سے جو نسخہ مرقاۃ خود مولوی صاحب کا ذاتی ہے اس میں بھی وہی بات ہے جو ہم نے بیان کی یعنی علامہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے صاف لکھا ہے کہ ''لایدعو بعد صلوٰۃ الجنازہ'' مت دعا کرو نماز جنازہ کے بعد چنانچہ یہ کتاب مقامی علماء خطباء سب بریلوی سرکردہ حضرات کو ملاحظہ کرائی گئی اور سب نے تسلیم کیا کہ واقعی حضرت مفتی صاحب کا حوالہ درست ہے چنانچہ اگلے دن حسب وعدہ میں نے وہ کتاب واپس کردی بعد میں معلوم ہوا کہ مولوی صاحب مذکورہ کتاب اپنے استاد کی بغیر اجازت کے لائے تھے جب یہاں کے مقامی حضرات نے سیال شریف جا کر ان سے شکایت کی کہ حضرت آپ کو معلوم تھا کہ مرقاۃ کا حوالہ آپ کے بیان کے خلاف ہے تو آپ نے وہ کتاب قاری صاحب کے پاس کیوں بھیجی اور ہمیں کیوں ذلیل اور رسوا کرایا تو شیخ الحدیث صاحب اپنے شاگرد کے کارنامے پر ششدر رہ گئے اسی وقت

بلا کرخوب ملامت کی بعد میں مولوی صاحب نے مجھ سے شکوہ کیا آپ نے مجھے بہت رسوا کرایا ہے میں نے کہا بھائی میں نے کب یہ کہا تھا کہ تم کتاب بغیر اجازت لے آنا اس کے بعد حضرتؒ نے آئندہ جمعۃ المبارک کے خطبہ میں تمام دنیائے بریلویت کو چیلنج کیا کہ اس مرقاۃ کے حوالہ کے علاوہ اگر پورے ذخیرہ احادیث سے ایک حدیث مبارکہ سے وہ الفاظ دکھادیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کے بعد دعا میں ادا فرمایا کرتے تھے تو میں منہ مانگا انعام دینے کیلئے تیار ہوں چنانچہ اس کے بعد حضرتؒ کے آخری وقت تک کسی کو دوبارہ اس موضوع پر بات کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی اور حضرت کا چیلنج ہمیشہ برقرار رہے گا اور دعا کرنے کے قائلین کبھی بھی اس چیلنج کو قبول نہیں کرسکیں گے۔فاعتبروا یااولی الا بصار

﴿ اعتراف حقیقت ﴾

ایک دفعہ قربانی کے موقع پر مجلس صیانۃ المسلمین کی طرف سے ایک پمفلٹ بعنوان ''فضائل ومسائل قربانی'' حضرت مفتی صاحبؒ کا تحریر کردہ شائع کیا احقر وہ رسالہ لے کر تمام بریلوی مکتبہ فکر کے علماء وخطباء جو شہر کے تھے کے پاس گیا اور سب کو تقسیم کیا لیکن یہاں کے مشہور خطیب مولوی صاحب مرحوم جو مولوی سردار احمد فیصل آباد کے شاگرد تھے جب ان کو رسالہ پہنچا تو وہ بہت متأثر ہوئے اور مسجد میں بیٹھے ہوئے یہ اعتراف کیا کہ ماشاء اللہ آپ کامیاب ہیں آپ کی جماعت کامیاب ہے آپ کا مدرسہ حقانیہ کامیاب ہے آپ مبارک باد کے مستحق ہیں ہم یہاں ناکام ہوگئے ہماری جماعت فیل ہے اس کے بعد وہ رسالہ تمام کا تمام بذریعہ لاؤڈ سپیکر تمام اہل محلّہ کو پڑھوا کر سنایا اور تصدیق کی کہ تمام مسائل بالکل درست ہیں تمام مسلمانوں کو ان پر عمل کرنا چاہئے۔(جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے)

﴿ اخلاص کی برکت ﴾

ایک دفعہ حضرتؒ اپریشن کے سلسہ میں لاہور میو ہسپتال داخل تھے احقر نماز جمعہ مسجد حقانیہ میں ادا کر کے واپس آ رہا تھا تو مدرسہ کے قریب گلی میں ایک شخص مجھے ملا جو مسلک کا بریلوی تھا اور اپنی زندگی میں کبھی بھی مسجد حقانیہ میں نہیں گیا تھا مجھے کہنے لگا کہ قاری صاحب یہاں نہیں ہیں تو میں نے بتایا کہ وہ تو لاہور میو ہسپتال زیر علاج ہیں اور اپریشن کرایا ہوا ہے تو آپ کی صحت کیلئے دعا کی اور کہنے لگا کہ آج میں دو دفعہ مدرسہ میں گیا لیکن حضرت کا دفتر بند پا کر واپس آ گیا اب تیسری دفعہ آیا ہوں میں نے پوچھا کہ کیا کوئی مسئلہ پوچھنا تھا کہنے لگا کہ نہیں کچھ پیسے مدرسہ میں دینے ہیں آپ مہربانی فرمائیں

میری راہنمائی کریں کہ حضرت کی عدم موجودگی میں یہ رقم کس کے سپرد کردوں تو میں اس کو لے کر مدرسہ میں گیا اور قاری غلام رسول صاحب کو اس نے وہ رقم ادا کر کے اطمینان حاصل کیا یہ حضرتؒ کے اخلاص کی برکت تھی حالانکہ جس روز کا یہ واقعہ ہے اسی دن مسجد میاں نکے والی میں بریلویوں کے مدرسہ کی بنیاد رکھی جارہی تھی اور تمام بریلویوں نے خوب کوشش کر کے چندہ جمع کرنے کا اہتمام کیا ہوا تھا اور اس شخص کے دولڑکے اس وقت اس مدرسہ کی تعمیر میں رضا کارانہ طور پر کام میں لگے ہوئے تھے۔

﴿ وسعت علمی ﴾

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب جو سیال شریف کے مدرسہ میں مدرس تھے حضرتؒ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں نے ایک کتاب آپ سے باقاعدہ پڑھنی ہے یعنی سراجی جو کہ میراث سے متعلقہ ہے آپ نے فرمایا کہ آپ وہاں شیخ الحدیث سے کیوں نہیں پڑھتے تو اس نے بتایا کہ وہ یہ مضمون نہیں پڑھا سکتے بلکہ قرب وجوار میں آپ کے سوا کوئی اور نہیں پڑھا سکتا آپ مہربانی فرما کر مجھے پڑھائیں تو آپ نے وعدہ فرمالیا اور وہ شخص پوری کتاب سبقاً پڑھ کر گیا۔

﴿ ایصال ثواب ﴾

ایک دفعہ احقر کی موجودگی میں انہیں مولوی صاحب نے ایصال ثواب کی بحث چھیڑ دی کہ آپ ایصال ثواب نہیں کرتے کیا آپ اس کے قائل نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم ایصال ثواب کے قائل ہیں لیکن مروجہ طریقہ کو سنت کے خلاف سمجھتے ہیں اور پھر فرمایا کہ آپ کو یاد ہوگا کہ پرسوں آپ نے یہاں بیٹھ کر چاول کھائے تھے اس نے کہا ہاں کھائے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اب میں آپ کو بتا تا ہوں کہ وہ میں نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کے ایصال ثواب کیلئے پکوائے تھے لیکن اس سے پہلے کسی دوسرے شخص حتیٰ کہ میرے گھر کے کسی فرد کو بھی یہ بات معلوم نہیں ہے کہ میں نے یہ دیگ اپنے والد صاحبؒ کے ایصال ثواب کیلئے پکوائی تھی میں نے ایک مدرس صاحب کو رقم دی کہ اس سے طلباء کیلئے کھانا پکایا جائے یہ کسی شخص کی طرف سے ہے تو یہ ہے ایصال ثواب کا طریقہ جو خالص اللہ کیلئے ہو کیا آپ بھی ایسے ہی ایصال ثواب پر عمل پیرا ہیں تو اس نے اعتراف کیا حضرت واقعی ہم لوگ تو صریح غلطی پر ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے عفو وکرم اور فضل واحسان کا معاملہ فرمائے اور حضرت کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات سے نوازیں آمین ثم آمین۔

مصلح امت رحمہ اللہ

محترم جناب ماسٹر عبدالرحمٰن خان صاحب ابر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹۴۷ء میں ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوا (۱) پاکستان (۲) بھارت۔

غربی پنجاب سے ہندوؤں نے شرقی پنجاب کی جانب اور مسلمانوں نے مغربی پنجاب کی طرف رجوع کیا۔ یہ لوگ ہمارے ہاں مہاجر کہلائے۔ یہ اگست کا مہینہ تھا میں اپنے کوٹھے پہ بیٹھا ان کو بیل گاڑیوں میں سوار آتے ہوئے دیکھ رہا تھا

ان میں ایک خاندان ترمذ کے سادات سے تعلق رکھتا تھا جنہیں ترمذی کے نام سے منسوب کیا گیا ان میں سے حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ اوران کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالشکور بھی تھے۔

مولانا مفتی سید قاری عبدالشکور صاحب ترمذی نے دینی خدمات انجام دیں، وہ عوام میں بڑے مقبول تھے۔ اس کے بعد وہ شہانی مسجد میں کافی عرصہ جمعہ پڑھاتے رہے پھر کچھ عرصہ بعد حضرت قاری عبدالشکور صاحبؒ نے مدرسہ حقانیہ اور پھر مسجد حقانیہ کی بنیاد رکھی۔

قاری صاحب سے بندہ اکثر نماز کے متعلق مسائل دریافت کیا کرتا تھا، قاری صاحب کے متعلق ایک عجیب بات ہے کہ وہ باتوں باتوں میں کچھ ایسے اشارے کر جاتے جو دوسروں کی درستی اور اصلاح کا موجب بنتے تھے۔ مولانا سید عبدالقدوس ترمذی آپ کے فرزند ارجمند ہیں آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح ایک اچھے عالم اور مقرر ثابت ہوئے ہیں۔

اجالوں کے مسافر

بھائی ظفر صاحب ساہیوال

مدرسہ سے نکل کر مفتی صاحب پیرانہ سالی میں بھی گھر تک تیز چلے جیسا کہ جوانی میں چلتے ہوں گے بذریعہ لفٹ انہیں کمرہ تک پہنچایا گیا درویش کا وہی کمرہ جس کی ڈیزائن کردہ ترتیب کو بدلنے کا حکم کسی کو نہ تھا جوتے یہاں رکھنے چاہئیں، لوٹا وہاں ہوگا، مسہری کو مخصوص جگہ سے کوئی نہیں ہلا سکتا لیکن جب داعی اجل آیا تو ہاتھ ڈاکٹر کے ہاتھ میں دیا اور نبض ڈوب گئی ڈاکٹر نے دل کا دورہ بتایا عالم کا سانس رک گیا انا للہ وانا الیہ راجعون یہ یکم جنوری ۲۰۰۱ء کی یخ بستہ رات کے اوائل کا تذکرہ ہے ساری رات ٹھٹھ کے ٹھٹھ آتے رہے خلق خدا کی آنکھیں امنڈتی رہیں جنازہ کو بہت سے کندھوں پر اٹھایا گیا ہر آنکھ اشک بار تھی دماغ سو گئے تھے اور زبانیں گنگ تھیں اگر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی نہ ہوتے تو اہل ساہیوال کے دامن میں تھا کیا جس پر اہل شہر امت مسلمہ کے سامنے اتراتے کیا کورچشم اس عظیم المرتبت شخص کا موازنہ دروغ گو سیاست دانوں سے کرتے یا ماضی وحال کے مؤذن جتنی علمیت رکھنے والے مولویوں سے امت مسلمہ کے علماء و مفتی ساہیوال کے اہل نظران پر بے سبب فریفتہ نہ تھے کراچی سے خیبر تک ان کے پائے کا عالم وفقیہ عصر حاضر میں کہیں تھا کیا؟ اسی لئے تو کہا گیا کہ اہل ساہیوال تم کو پرسا ہو آج اس شہر کا ہر شخص تعزیت کے لائق ہے کیونکہ یہ نقصان صرف ایک خاندان کا نہیں بلکہ مفتی عبدالشکور کی موت امت مسلمہ کیلئے بالعموم اور اہل ساہیوال کیلئے بالخصوص ایک سانحہ ہے آج مسجدیں بے رونق اور مدرسے بے چراغ ہوئے سفر زندگی تمام ہوا، خاک کی امانت سپرد خاک ہوئی لیکن اس سفر کا آغاز ۲ رفروری ۱۹۴۸ء سے ہوا تھا جب اک بے سروساماں قافلہ ساہیوال میں اترا تھا یہ مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے آنے والے اولین قافلوں میں سے تھا بے شک آدمی سامان کی زیادتی سے دنیا دار نہیں ہو جاتا اور اس کی کمی سے درویش نہیں بن جاتا ان کی دولت ان کا علم

تھا وہ تقویٰ سے مالا مال تھے حضرت مفتی عبدالکریم وہی تھے جن کا خمیر حضرت مولانا سہارنپوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ جیسے بلند مرتبت علماء کی محبت سے اٹھا تھا یوں صدی ہونے کو آئی روشنی کے ان میناروں کے ذکر ہی سے اندھیرے چھٹنے محسوس ہوتے ہیں اور دل خود بخود منور ہوتا چلا جاتا ہے مفتی عبدالکریم نے اپنا دل انہی اجالوں سے بنایا تھا۔ مفتی عبدالکریمؒ تقریباً آٹھ ماہ مدینہ منورہ کے مدرسہ ''العلوم الشرعیہ'' میں حدیث وفقہ کا درس دیتے رہے آپکے درس میں مسجد نبویؐ کے اساتذہ بھی شریک ہوا کرتے تھے مکہ مکرمہ میں دوران حج ہندوستان کے چند علماء مفتی صاحب کے مہمان ہوئے حرم پاک میں طواف کیلئے داخلہ کے بعد مفتی صاحب مہمانوں سے پیچھے رہ گئے اس دوران ان علماء کرام کے درمیان یہ بحث چل پڑی کہ بعض روایات کے مطابق حرم پاک میں چند انبیاء کرام مدفون ہیں انبیاء کرام کے مدفن کے اوپر طواف کرنا کیا سوءادب تو نہیں بحث جاری تھی کہ حضرت مفتی صاحب بھی آ پہنچے تو علماء کرام کے وفد نے انہیں زیر بحث صورتحال بتائی تو حضرت مفتی صاحب نے علماء کرام کے وفد کو طواف کیلئے اپنے ساتھ چلاتے ہوئے بے پرواہی سے جواب دیا کہ چھوڑیں جی باپ دادا کے سینوں پر بچے کھیلا ہی کرتے ہیں مفتی صاحب نے ہجرت کے سوا سال بعد ۸رمئی ۱۹۴۹ء کو وفات پائی اور ساہیوال میں ہی دفن ہوئے۔

حضرت مولانا قاری عبدالشکور ترمذی نے مسجد شہانی محلّہ وزیر پور سے درس کی ابتدا کی علم اگرچہ بے عمل ہی ہو باعث عزت وافتخار ہوتا ہے وہ تو حکیم الامت کے گودوں کھیلے تھے اور علم بھی انہی سے حاصل کیا تھا اور پھر دیوبند کے عالم جو کبھی استعمار کے آلہ کار نہیں بنے جنھوں نے حضورؐ کی سنت سے علم کو ہمیشہ تھام کے رکھا ان کیلئے علم باعث عزت وافتخار کیوں نہ ہوتا عملی طور پر کیسے پیچھے رہتے بوجہ تحریک ختم نبوت قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مفتی صاحب نے ساہیوال کے اردگرد ہندوانہ رسومات کے ماحول میں بند معاشرے کی آزادی کیلئے ایک علمی اسلامی اور اخلاقی تحریک کی بنیاد رکھی جسے ''مدرسہ حقانیہ'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ساہیوال اور اس کے آس پاس میں بے علمی، فکر سے محرومی، اسلامی روایات سے انحراف اور بدعت جیسے برے خصائل درآئے تھے یہ برائیاں معاشرہ میں پھل پھول چکی تھیں قدرت کی دریا دلی کے طفیل اور علم کی وسعت کے باعث قاری صاحب کو

زبان و بیان کی طاقت کثیر عطا ہوئی تھی آپ نے تحریر وتقریر سے خوب کام لیا ان عفریتوں کے خلاف ننگی تلوار بن گئے قاری جی نے وہ انقلاب آفریں درس دیئے کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے بلاغت کے پہاڑوں کا پیغام خاص و عام تک بطریق احسن پہنچنے لگا ان جید علماء کے قدموں میں بیٹھنے والے اوران کی صحبت سے فیض پانے والے مفتی عبدالشکور ترمذی میں دینی اہمیت کا جوش آخری سانس تک ٹھنڈا نہ ہوا تھا کہاں مدرسہ دیوبند، کہاں اکیسویں صدی، لیکن تھلوی سید زادہ میں وہی علمی شان وشوکت وہی بے نیازی وہی قدرت کلام اور وہی علمائے دیوبند جیسی دینی حمیت قاری صاحب علمائے دیوبند جیسے عمدہ اور برتر لوگوں کی طرح اجلے یقین اور ایمان کی دولت سے مالا مال۔

مدرسہ حقانیہ ۱۹۵۵ء میں قائم ہوا چودہ طالب علم اور ایک کمرہ۔قاری صاحب نے لوگوں سے کہا کہ میں تم سے مال کی قربانی نہیں مانگتا صرف جانی ایثار چاہتا ہوں کچھ سالوں کیلئے اپنے بچے مجھے دے دو ایک چراغ سے کتنے چراغ جلے طالب علم پڑھتے چلے گئے مدرسہ کا احاطہ وسیع ہوتا چلا گیا بہت سے کمرے بن گئے۔قاری صاحب سے کسی نے کہا کہ حضرت سارے مدرسوں سکولوں مسجدوں والے چندہ مانگا کرتے ہیں آپ بھی مانگ لیا کریں تو قاری صاحب گویا ہوئے کہ کون کہتا ہے ہم چندہ نہیں مانگتے لوگ ایک ہاتھ سے مانگتے ہیں ہم دونوں ہاتھوں سے مانگا کرتے ہیں یعنی میں اللہ سے مانگتا ہوں اور دونوں ہاتھوں سے مانگتا ہوں، سبحان اللہ کیا عالمانہ فصاحت تھی بے شک درویش اپنے تمام معانی میں غیر اللہ سے بے تعلق اور تمام اسباب سے بیگانہ ہوتا ہے۔مدرسہ حقانیہ کی موجودہ عمارت کو ناکافی سمجھتے ہوئے قاری صاحب نے فاروقہ روڈ پر ۱۲ ر کنال رقبہ خرید ارقبہ کی خریداری کی ادائیگی کے وقت حضرت کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ پوری قیمت یکمشت ادا کر دیتے قرض حاصل کر کے مالک زمین کو قیمت ادا کی گئی۔

ایک مرتبہ مہینہ کے آخر میں پریشانی لاحق ہوئی کہ اساتذہ اور مدرسین کو تنخواہیں کہاں سے دی جائیں کیونکہ اس ماہ مدرسہ میں تنخواہوں کیلئے رقم نہ تھی آخری دن حضرت تشریف لائے اور تمام مدرسین کو تنخواہیں دینے کیلئے دفتر بلوایا (تنخواہیں ہمیشہ اپنے ہاتھ سے دیا کرتے تھے) اور فرمایا کہ رات کو میں نے اللہ سے دعا مانگی تھی صبح جب میں گھر سے مدرسہ آ رہا تھا تو مدرسہ کے دروازے کے باہر مجھے ایک

شخص ملا جس نے مجھ سے کہا کہ مجھے مدرسہ کے مہتمم سے ملنا ہے، میں نے اپنے ساتھ آنے کیلئے کہا وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا تھوڑی دیر بیٹھ کے وہ بے چین ہوا تو میں نے پوچھا کہ کیا کام ہے تو اس نے پھر کہا کہ مجھے ان سے ہی ملنا ہے میں نے اسے بتایا کہ میرا نام عبدالشکور ہے اور میں ہی اس مدرسہ کا مہتمم ہوں تو اس نے بہت سے پیسے نکال کر مجھے دیئے میں نے اسے چائے کا پوچھا اس نے انکار کیا اور رسید لئے بغیر عجلت میں چلا گیا میں نہیں جانتا کہ وہ انسان تھا کہ فرشتہ بہر حال وہ اتنے پیسے دے گیا کہ تمام اخراجات با آسانی پورے ہو گئے۔

حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی کے والد گرامی جناب مولانا مفتی عبدالکریم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ساتھ مسلم لیگ کے ابتدائی اجلاسوں میں شریک رہے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور کی محبت بھی مسلم لیگ سے قابل دید تھی انہوں نے ساری زندگی مسلم لیگ سے اپنی کمٹ منٹ نبھائی وہ صرف نکاح اور جنازہ پڑھانے والے مولوی نہیں تھے وہ سیاست کو علماء کی راہنمائی کا محتاج سمجھتے تھے صالح اور نیک قیادت کے خواہاں تھے رادھن کے قریشی صاحبان آزادی سے پہلے اور بعد مسلم لیگ کے رکن اور نامزدگان میں سے تھے ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں وہ منحرف ہوئے، پیپلز پارٹی سے جا ملے حضرت قاری صاحب نے انتخابی سیاست میں ہمیشہ ان کو سپورٹ کیا تھا دوران الیکشن محمد سعید قریشی صاحب چوہدری نظام الدین کی معیت میں مدرسہ حقانیہ میں حضرت مفتی عبدالشکور صاحب سے ملنے تشریف لائے تو چوہدری نظام الدین نے جو کہ قاری صاحب کے عقیدتمند اور بے تکلف احباب میں سے تھے کہنے لگے کہ قاری صاحب نواب صاحب تشریف لائے ہیں ان کیلئے دعا کی جئے حضرت نے فرمایا کہ ان کیلئے ہم نے پینتیس سال دعائیں کیں اب ہم دعا نہیں کر سکتے نواب صاحب سیانے آدمی تھے چوہدری سے غصہ کرنے لگے کہ ہم تو قاری صاحب سے ملنے آئے ہیں ووٹ لینے تو نہیں آئے۔

وہ حق گو تھے حق کیلئے مسلسل نعرہ زن رہے مسجد حقانیہ میں روز جمعہ ان کی تقریر سننے کیلئے دور دور سے عقیدتمند آتے تازہ ترین ملکی معاملات سے لے کر اسلامی مسائل تک ہر موضوع کا احاطہ کرتے کبھی کسی حکمران کسی جاگیر دار وڈیرے سے دب کر حق گوئی سے انحراف نہ کیا۔ آپ چھوٹے قد اور چھریرے بدن کے مالک تھے بہت تیز چلتے تھے لیکن جب منبر پر کھڑے ہو کر تقریر فرماتے تو زمانہ رک

جاتا تھا وہ نحیف لگتے تھے لیکن ان کی آواز میں ایک گرج تھی جو پیرانہ سالی میں بھی قائم رہی وہ قاری خوش الحان تھے اسی نسبت سے آپ کے عقیدتمند آپ کو ''قاری جی'' کہتے تھے۔

وہ شہر کے اہل احسان میں سے تھے جن کے متعلق مختار مسعود آواز دوست میں لکھتے ہیں:

جس آبادی میں اہل احسان نہ ہوں اسے خانہ جنگی اور خانہ بربادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت نے فرقہ واریت کے منہ زور گھوڑے کو تھام کے رکھا ہوا تھا ورنہ کون نہیں جانتا کہ مفتی صاحب بھی اگر اپنی دانش بیچ ڈالتے تو اس شہر میں چار سو پھیل جانے والی موت رقصاں ہوتی اور پھر لاشوں پر سیاست کونسی مشکل ہوتی ہے لیکن وہ اللہ سے ڈرنے والے درویش باصفا تھے چاندنی کی طرح اجلے ان کا ہر بن مو اسلامی تہذیب سے بندھا ہوا تھا۔ اللہ ہی قادر مطلق ہے لیکن مفتی صاحب اپنا طریق زندگی بہر طور سیرت رسولؐ کے مطابق ڈھالنے میں کوشاں رہے ان کے تقویٰ کی بھی دھاک تھی ظاہری اسباب دیکھ کر بھی کیا ان کا شمار خاصان خدا میں نہیں کیا جا سکتا؟ کوئی ہے جن کی انگلی ان کی طرف اٹھتی ہو؟ صدیوں سے اس خطہ میں قریہ قریہ پھیلتا ہوا اندھیرا اور پچاس سال سے وسعتوں میں پھیلتا ہوا ان کا فیض۔ چینی مفکر کنفیوشس نے کہا تھا کہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ بعض پودا نہیں بنتے اور ضائع ہو جاتے ہیں اور کیا یہ بھی سچ نہیں ہے کہ بعض پودوں کو پھول نہیں لگتے لیکن اہل نظر میں کوئی ایسا ہے جو یہ کہے کہ ان کا بیج پودا نہیں بنا ہزاروں حافظ سینکڑوں عالم اور بہت سے مفتی تربیت کر کے پروان چڑھانے والے کو یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کے پودوں کو پھول نہیں لگے تھے۔

مفتی صاحب کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب کی تعداد ۱۳۴ ہے لکھنے کی تو خیر آپ بات چھوڑیں اتنے بڑے سرمائے کو پڑھنے کیلئے بھی ایک عمر اور ایک فرصت درکار ہے۔

ان کی زندگی سن وسال کے حساب سے تقریباً اسی سال بنتی ہے لیکن فکر و عمل کے لحاظ سے ہزاروں سال پر محیط ہے۔ مختار مسعود نے کہا تھا کہ بڑے آدمی زندگی میں کم اور کتابوں میں زیادہ ملیں گے۔ ہمارے لئے کیا یہ کم افتخار کی بات ہے کہ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور جیسا جید عالم ہمارے درمیان رہا۔ کیا اس بے بصیر میٹریلسٹ اور علم دشمن سوسائٹی کو احساس ہے کہ وہ کتنے بڑے نقصان سے دوچار ہوئی ہے؟

میرے رہبر و راہنما

جناب محترم ماسٹر مزمل حسنین صاحب گروٹ

یوں نقش ہوا آنکھوں کی پتلی میں وہ چہرہ　　　　پھر ہم نے کسی اور کی صورت نہیں دیکھی

حضرت العلامہ مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے وہ بیک وقت فقیہ، محدث، مفسر، مقرر، مفکر تھے آپ سادگی اور تواضع کا پیکر تھے ان کی صحبت میں انسان اپنے آپ کو ایک غیر معمولی کیفیت میں محسوس کرتا تھا۔ احقر جتنی دفعہ ان سے ملا ہر بار یہی احساس ہوا کہ ایسے شخص کی صحبت میں بیٹھا ہے جو فنا فی اللہ ہے جس کے پرنور چہرے اور جس کے پرتاثیر کلمات سے للّٰہیت کی روشنی اور خوشبو ضوء فشاں ہے۔ آپ سے ملنے والا ہر شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا آپ کی محبت و شفقت، معاملہ فہمی، تدبر بردباری، حکمت و دانائی اور اسلام اور مسلمانوں سے والہانہ تعلق کے گہرے نقوش دل پر مرتسم ہوئے۔ احقر پہلی ہی ملاقات میں ان کا ایسا گرویدہ ہوا کہ پھر ان کی زندگی بھر ان سے ناتہ جوڑے رکھا۔ ان کی گفتگو سے حکمت و دانائی، معاملہ فہمی اور حقیقت پسندی کے گوہر آبدار نکلتے تھے آپ حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھتے تھے ملکی اور بین الاقوامی حالات و واقعات پر گفتگو فرماتے تو آدمی دنگ رہ جاتا کہ جدید دور کے تعلیم یافتہ آزاد قسم کے حضرات علماء کو دنیاوی حالات سے نابلد گردانتے ہیں لیکن آپ ہیں کہ سیاست دانوں کے تمام داؤ پیچ کو خوب پہچانتے ہیں آپ کی تصنیفات بنیادی اسلامی دعوت سے لے کر فقہ اور اسلامی معاشیات تک کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ علماء دیوبند کے بنیادی عقائد و نظریات پر سختی سے کاربند تھے اور ان سے سرِمُو انحراف ان کیلئے قابلِ برداشت نہ تھا، چنانچہ جب ''اصلاحِ مفاہیم'' اور ''اکابر کا مسلک و مشرب'' کتب تحریر کی گئیں تو حضرت نے ان کے خلاف مضامین تحریر کئے اور ایک نئے فرقے کی بنیاد پر کاری ضرب لگائی اور اس فتنے کو چور چور کر دیا جو بریلوی اور دیوبندی کے ادغام کا داعی تھا۔ آپ بلاشبہ فنا فی الشیخ و فنا فی العلم تھے، جتنی دفعہ احقر حضرت کی قدم بوسی کیلئے حاضر ہوا تو حضرت حکیم الامت

مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا تذکرہ ضرور سنا آپ کی کوئی مجلس حضرت تھانویؒ کے ذکر سے خالی نہ تھی۔ ایک دفعہ جب حضرتؒ کو عارضہ قلب ہوا اور ڈاکٹر حضرات نے آپ کو تصنیف و تالیف اور مطالعہ کتب سے منع کر دیا تھا احقر عیادت کیلئے حاضر ہوا تو حضرت کے پاس ''بہشتی زیور'' دیکھ کر حیران ہوا کہ آپ اپنے شیخ کو کسی طور اپنے سے جدا کرنے کے متحمل نہ تھے، اور جتنی دیر حضرت کی خدمت میں حاضر رہے حضرت تھانویؒ اور ''بہشتی زیور'' پر ہی گفتگو رہی۔

﴿ چند اوصاف جمیلہ ﴾

آپ اگلے وقتوں کے رکھ رکھاؤ، وضع داری اور روایات کی حسین یادگار تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا علم اور قلم دیا تھا، عمر بھر علم و عمل کی تصنیف و تالیف اور زہد و تقویٰ میں مصروف رہے حضرت مرحومؒ ایک ہمہ جہت اور فضائل و کمالات سے پُر شخصیت کے مالک تھے، آپ حاملِ شریعت و ہادئ طریقت، ایک جید عالم دین، مفتی، شیخ الحدیث، معلم مصنف، سالک و عابد تھے۔ آپ کی پوری زندگی زہد و تقویٰ، دین و شریعت کی اتباع و بالادستی، اور سنت نبویؐ کی مکمل پیروی میں گذری اور اس کے علاوہ ایک عالم کی آپ نے شرعی، فکری، دعوتی اور اصلاحی راہنمائی فرمائی۔ آپ کے دن مخلوق کی راہنمائی اور تبلیغ دین میں گذرتے تو راتیں ذکر اللہ میں بسر ہوتیں۔ علم و تقویٰ نے آپ کے چہرۂ مبارک پر ایک نور کا ہالہ بنالیا تھا، عاجزی وانکساری آپ کی شخصیت کے اور بھی نمایاں اوصاف تھے، غرضیکہ علماء سلف کی تمام صفات سے آپ کی شخصیت متصف تھی حقیقت میں اس دور میں آپ بقیۃ السلف تھے۔ ساری زندگی اطاعت و عبادت، تقویٰ و طہارت میں گذاری مگر کبھی اپنی مذہبیت، پاکبازی و تقدس کی تجارت نہ کی، قومی و اجتماعی زندگی میں پوری طرح پڑنے کے باوجود کبھی آگے بڑھنے کی اور ابھرنے کی کوشش نہ کی یہ آزمائش بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپ کو علمی مصروفیات سے ایک لمحہ فرصت نہ تھی علوم میں سب سے زیادہ ذوق و دلچسپی کی چیز اللہ کی کتاب حکیم تھی، چنانچہ اپنی زندگی کے آخری سال ''احکام القرآن'' کی تصنیف میں گذار دیئے۔ حالات حاضرہ سے پوری طرح باخبر رہنے کیلئے اخبارات و رسائل کا مطالعہ بھی کرتے تھے، ملکی و علاقائی سیاست پر گہری نظر رکھتے تھے اور آپ کا علاقائی سیاست میں گہرا اثر و نفوذ تھا اس وجہ سے علاقے کے سیاست دان اور وڈیرے آپ سے تعلقات بنانے پر مجبور تھے، آپ کے ذہن میں سلجھاؤ تھا، حسن تربیت، حسن بیاں، سلاست زبان، ذوق انشاء کی

شہادت آپ کے قلم سے نکلتی ہوئی ہر سطر دے رہی ہے۔حضرتؒ کے مزاج میں انتہائی سادگی اور بے تکلفی تھی، اپنے سے چھوٹوں کی بات کو اس التفات سے سنتے کہ گویا وہ ان کے ہمسر ہیں بلکہ بعض اوقات تو اپنے چھوٹوں کو اتنا بڑھاتے کہ وہ بیچارے خود اپنے متعلق بڑی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے، ایک دفعہ احقر اپنے دوست طارق محمود شاہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تو آپ کے پاس مظاہر العلوم سہارنپور (انڈیا) کے مفتی حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی تشریف فرما تھے، ہمارے پہنچنے پر حضرت مفتی صاحبؒ نے ہمارا تعارف اس انداز سے کرایا کہ ہم دم بخود رہ گئے۔''تکفیر شیعہ'' کے مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی، حضرت نے احقر کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ ماسٹر صاحب تکفیر شیعہ کے متعلق آپ کا مؤقف کیا ہے کیونکہ آپ نے اس فرقہ کے متعلق کافی مطالعہ کیا ہے احقر یہ سن کر ششدر رہ گیا کہ دو جبالِ علم کی بحث میں احقر جیسے بے علم کی رائے بھی معلوم کی جارہی ہے اور کہاں وہ لوگ بھی ہیں جو چند کتب پڑھ کر اپنے آپ کو درجہ اجتہاد پر فائز سمجھ بیٹھتے ہیں اور دوسروں کی آرا کو کوئی وقعت نہیں دیتے اور کہاں ہمارے حضراتؒ کہ ایک عامی سے بھی رائے لی جارہی ہے یہ حضرت کی بڑائی اور کمال تھا۔حضرتؒ کی گفتگو پر لطف ہوتی اور پر مغز بھی۔علمی، ادبی، مذہبی، سیاسی جو موضوع بھی چاہے چھیڑ دیجئے گھنٹوں اس مجلس سے سیری نہ ہوگی۔آپ نے عمر بھر باطل مذاہب کا بھرپور شائستہ انداز میں مقابلہ کیا اس طرح فرقِ ضالہ باطلہ کا بھی علمی انداز میں خوب تعاقب کیا، جس میں ردِّ قادیانیت اور مماتیت کی مخالفت پیش پیش ہے، غیرت دینی اور حب نبویؐ میں آپ نے وقت کے کسی بڑے سے بڑے جابر حکمران کی پرواہ نہ کی اور تحریری و تقریری طور پر حکمرانوں کی چالاکیوں اور عیاریوں کو طشت از بام کرتے رہے۔مداہنت، خوشامد چاپلوسی سے کوسوں دور تھے، بلکہ دنیا دار وڈیروں سے استغنا اور تغافل کا معاملہ فرماتے تھے جب کبھی کسی وڈیرے نے سیاسی فائدے کی آڑ میں مدرسے کو خطیر رقم چندہ دینے کی خواہش کی تو آپ طرح دے جاتے فرمایا کرتے تھے کہ یہ دولت مند لوگ اپنی بڑی بڑی رقوم سے طبقۂ علماء کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم ان کے دام میں آنے والے نہیں۔حضرتؒ کی ملنساری کا یہ عالم تھا کہ آپ سے ملاقات کرنے والا ہر شخص یہی خیال کرتا کہ حضرت مفتی صاحبؒ میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے ہیں بندہ پر تو حضرت کی خصوصی نظر کرم تھی، جب بھی احقر قدم بوسی کیلئے حاضر ہوا تو نہایت پیار سے اپنے پاس بٹھاتے میرے آبائی گاؤں موضع گروٹ کے مذہبی حالات دریافت فرماتے۔پھر بندہ علمی

اشکالات پیش کرتا تو حضرت نہایت تفصیل سے ہر سوال کا مدلل جواب مرحمت فرماتے اور اپنے تمام علمی و تصنیفی کام چھوڑ کر احقر پر نوازشات کی بارش فرماتے، رخصت ہوتے وقت حاضر ہوتا تو حضرت شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور دعاؤں سے رخصت فرماتے اس محبت اور شفقت کی چاشنی بندہ کئی دنوں تک قلب وروح میں محسوس کرتا۔حضرت مفتی صاحبؒ مختلف الجہات شخصیت کے مالک تھے وہ بیک وقت مہتمم منتظم، مفتی، مدرس مقرر، مصنف اور مدرسہ کے مالی امور کے نگران تھے۔توکل کی صفت حضرت میں کمال درجے کی موجود تھی تمام عمر مدرسہ کے چندہ کیلئے سفیر مقرر نہیں کیا اور نہ ہی حکومت سے کوئی مالی امداد وصول کی، بلکہ اگر بعض حضرات نے حکومتی چندے سے معاونت کی تو حضرت نے بعد شکریہ واپس فرمادی اور جواباً تحریر فرمایا کہ حکومتی امداد وصول کرنا مدرسہ کی روایات کے خلاف ہے بعض اوقات جب سخت مالی دشواریاں پیش آئیں تو اس وقت بھی توکل علی اللہ اور استغناء کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، یہ باتیں کہنے کی حد تک تو آسان ہیں مگر عملاً ہمیں مشکل ہی سے ایسے مثالیں ملتی ہیں۔

مدارس دینیہ کا نصاب تعلیم

ایک ملاقات میں حضرتؒ سے دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی پر تفصیلی گفتگو ہوئی احقر نے استفسار کیا کہ اگر دینی مدارس کے نصاب میں جدید علوم مثلاً سائنس، اقتصادیات، کمپیوٹر انگریزی زبانوں وغیرہ کا اضافہ کر دیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے تو حضرت نے فرمایا کہ مدارس کا نصاب پہلے ہی کافی طویل ہے اس میں کانٹ چھانٹ کی بھی گنجائش نہیں ہے اور یہ ہماری دینی ضروریات کو پورا کرتا ہے لہٰذا اس میں مزید اضافہ کرنا طلبہ پر بوجھ ہوگا جس سے دیگر مضامین بھی بحسن وخوبی نہیں پڑھائے جاسکیں گے، علاوہ ازیں دینی مدارس کا مقصد دینی علوم سے بہرہ مند افراد تیار کرنا ہے نہ کہ انہیں سائنسدان، وکیل یا بینکار بنانا، ہاں اگر کسی نے ان شعبہ جات کی تعلیم حاصل کرنا ہے تو وہ یہاں سے فارغ ہو کر یہ علوم بھی سیکھ سکتا ہے اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے اور انشاء اللہ وہ دوسرے طلبہ سے بہتر نتائج دے گا، علاوہ ازیں دنیادار طبقہ دینی مدارس کے نصاب میں تو پیوند کاری کرنا چاہتا ہے مگر جب انہیں کالج اور یونیورسٹی کے نصاب میں دینی علوم شامل کرنے کیلئے کہا جاتا ہے تو اس وقت وہ خفا ہو جاتے ہیں۔

نوحہ خواں ہیں مدرسے اور خانقاہیں سوگوار — آفتاب علم وتقویٰ چھپ گیا زیر مزار
شمع محفل بجھ گئی باقی ہے پروانوں کی خاک — اب نہ تڑپے گی کبھی محفل میں دیوانوں کی خاک

ایک روحانی بزرگ

یکے از متوسلین حضرت اقدس ترمذیؒ

حضرت اقدس الشیخ یادگار اسلاف فقیہ العصر مولانا مفتی قاری سید عبدالشکور صاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ کی وفات سے تاریخ کا ایک باب بند ہوگیا، چمنستان اشرفی ایک گل سے محروم ہوگیا، دنیائے علم کا بے تاج بادشاہ چل بسا، فقہ کا وہ چراغ جو سینکڑوں چراغوں کی روشنی کا باعث تھا بجھ گیا، فتاویٰ کی دنیا تاریک ہوگئی، عالم باعمل، ولی کامل، عارف باللہ، مفتی اعظم، بلند پایہ خطیب، مفسر و محدث و عارف اسرار طریقت، جامع المعقول والمنقول، شیخ طریقت، مرشد کامل، پیکر سیرت نبوی، نمونۂ اسلاف سے ہم محروم ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

﴿ ایک خواب ﴾

حضرت اقدسؒ اس وقت باحیات تھے بندہ حضرت کی توجہ سے آیات قطب پڑھ رہا تھا کسی آفت سے بچنے کیلئے، میں نے خواب دیکھا کہ میں کسی مدرسے میں ہوں اور حوض کے ڈھکنے اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا ہوں خواب میں مولانا یعقوب صاحب نانوتوی اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کو دیکھا اس رات خواب میں میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک چبوترے پر چٹائی بچھا کر بیٹھے ہیں بندہ نے کھڑے ہوکر خواب میں اپنا تعارف کرایا کہ میرا تعلق حضرت مفتی قاری سید عبدالشکور ترمذیؒ سے ہے جو مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ کے صاحبزادے ہیں اور مولانا سید عبدالکریم گمتھلویؒ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے مفتی تھے میرا ان سے تعلق ہے اسی خواب میں حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ نے مجھے ایک گلاس دیا تو میں ہینڈ پمپ سے گلاس میں پانی لایا تو پانی کا گلاس حضرت حکیم الامت کو دیا تو حکیم الامت تھانویؒ نے خیال پڑتا ہے کہ اس پانی پر دم کیا پتہ نہیں کیا کیا مجھے دے دیا تو گلاس میں پانی کا رنگ زعفران کی طرح تھا تو حضرت نے اشارہ کیا کہ انگلی پانی میں ڈبو کر اندر منہ میں دائیں طرف لگاؤ پھر اشارہ کیا کہ انگلی پانی میں ڈبو کر منہ میں بائیں

طرف لگاؤ پھر اشارہ کیا کہ انگلی پانی میں ڈبو کر دائیں رخسار پر لگاؤ پھر بائیں طرف رخسار پر لگانے کا اشارہ کیا پھر اشارہ کیا کہ تم پانی اپنے اوپر گرادو آخر میں نے سوچا کہ میرے کپڑے تو نہ رنگین ہو جائیں گے آخر وہ پانی میں نے اپنے اوپر گرادیا تو حضرت نے پھر مجھے پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا اور زور دے کر بھینچا پھر چھوڑ دیا تو پھر میں نے اپنے حضرت شیخ کی تعریف کی حضرت حکیم الامتؒ کے سامنے کہ حضرت اتنے بڑے مفتی ہیں کہ حضرت مفتی تقی عثمانی بھی ان سے بعض مسائل میں مراجعت کرتے ہیں اور جامعہ اشرفیہ والے بھی رجوع کرتے ہیں تو حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ میں ان کو جانتا ہوں بندہ جب بیدار ہوا تو وہ آیاتِ قطب جو آفت کیلئے پڑھ رہا تھا اب اس کی مقدار پڑھنے کی ۱۰۱ کر دی تو حضرت شیخ سے میں نے عرض کیا کہ اب آیات ۱۰۱ پڑھ رہا ہوں تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ دفعہ ۱۰۱ لگ گیا ہے جس کی برکت سے وہ آفت دور ہوگئی۔ مگر حالت یہ تھی کہ ہر وقت رونا آتا تھا اور رونا بند نہیں ہوتا تھا آخر حضرت شیخ عارف باللہ ولی کامل مفتی سید عبدالشکور ترمذی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت رونا بند نہیں ہوتا پورا خواب سنایا تو حضرت الشیخ نے مجھ ناچیز کو چاروں سلسلوں نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ میں بیعت فرمایا تو رونا بند ہو گیا بعد میں بندہ نے عرض کیا کہ مجھ پر پہلے رونے کی کیفیت کیوں زیادہ طاری تھی تو حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ آپ پر حال طاری تھا۔

علماء دیوبند سے نسبت

بندہ جب ڈاکٹر کے مشورے سے بیٹھ کر فرض نماز پڑھتا تھا تو خواب میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ ملے اور میرا ہاتھ پکڑ کر چلتے رہے اور میرا ہاتھ میرے دل پر بھی پھیرتے رہے آخر میں حضرت قاری حکیم الاسلام رونے کے قریب ہو گئے ان کی یہ برکت ظاہر ہوئی کہ اس دن سے اللہ تعالیٰ نے نماز کھڑے ہو کر ادا کرنے کی طاقت عطا فرمائی۔ اسی طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ خواب میں ملے مدرسہ حقانیہ سے قلعہ والی مسجد کی طرف جا رہے ہیں اور چہرے پر انوارات و تجلیات ہیں اور فرمایا کہ فلاں مال کو آپ نے ہاتھ نہیں لگانا اسی طرح مدرسہ حقانیہ میں میں نے خواب میں حضرتؒ کو دیکھا اور آپ نے سبز عینک لگائی ہوئی ہے میں نے حضرت شیخ سے معانقہ کیا اور عرض کیا کہ میں بیمار ہو گیا تھا اس لئے نہیں آسکا اور میں رونے لگا تو حضرت بھی رو پڑے اور مجھے سینے سے لگایا تو میں نے اپنا رونا بند کر دیا افسوس ہوا کہ میری وجہ سے حضرتؒ رو رہے ہیں تو حضرتؒ نے بھی رونا بند کر دیا۔ فقط ۹/ ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ

ہمارے مشفق ومہربان

☆ مولوی عامر محمود صاحب متعلم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

الحمد للہ بندہ ناچیز کوبھی کچھ عرصہ حضرت اقدسؒ کے زیر سایہ تعلیم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تین باتوں نے مجھے سب سے زیادہ متأثر کیا۔ایک ان کی مہمان نوازی اور وسعت ظرفی کہ مدرسہ میں مہمانوں کی آمد جاری رہتی تھی اور ان کے اخراجات آپ اپنے ذاتی خرچ سے پورے کرتے تھے بعض مرتبہ یہ نوبت بھی آجاتی تھی کہ مہمانوں کے اخراجات حضرت اقدسؒ کی تنخواہ سے بھی زیادہ ہوجاتے تھے لیکن حضرت اقدس کبھی بھی پریشان نہ ہوتے بلکہ خوشی کا اظہار فرماتے اور ہروقت صابر شاکر رہتے۔دوسری بات ان کی نیکی اور تقویٰ تھا،تقاریر اور درس کے ذریعے لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی دعوت دیتے رہے آپؒ کے بیان میں نصائح کے ساتھ ساتھ بزرگوں کے واقعات اور علمی نکات بھی ہوتے تھے۔آپؒ تکمیل قرآن کریم کی تقریب میں فرمایا کرتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ میرا بیٹا قرآن کریم کا حافظ ہوگیا یہ غلط ہے میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اس کا حافظ ونگہبان ہوگیا۔حفاظ کرام کو قرآن کریم یاد رکھنے اور تراویح میں سنانے کی تلقین کرتے تھے۔تیسری بات ان کی اکابرین سے محبت ہے وہ دینی شعائر اور اپنے اکابر کے بارے میں بہت زیادہ غیور تھے اپنے اکابر کی ادنیٰ سی بے حرمتی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت اور تمام اکابرین کی خدمت کو قبول فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

☆ حافظ محمد ابوبکر سلمہ متعلم جامعہ حقانیہ ساہیوال

حضرتؒ کی زندگی علم وعمل اور اخلاق کا عملی نمونہ تھی آپؒ ولایت کے بلند مقام پر فائز تھے آپ رسمی پیری مریدی کے انتہائی خلاف تھے آپؒ چاہتے تھے کہ آستانے اور خانقاہیں مساجد اور

مدارس اصلاح انسانیت اورغم امت کے مراکز بن جائیں اورامت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کوعمل اورعزم کی جانب گامزن کردیں اورآپؒ کی تعلیمات کی بنیادعصرحاضرکی ملت اسلامیہ سے نفاق وشرفرقہ پرستی اوررسم پرستی کا خاتمہ ہے آپؒ رسم پرستی بدعات اورنسل پرستی کے رجحان کے شدید خلاف تھے۔حضرتؒ اپنی ذات کی وجہ سے کسی پرغصہ نہ فرماتے تھےلیکن جب اپنے اسلاف کی حیات طیبہ پرکوئی آنچ آتے دیکھتے تو بڑی دلیری اور جواں مردی کے ساتھ دلائل کی روشنی میں دفاع فرماتے آپؒ رحم وکرم اورمحبت کے پیکر تھے آپؒ بچوں پر بہت شفقت فرماتے تھے خاص طور سے مدرسہ کے طلباء کے ساتھ نہایت شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے۔آپؒ ایک سادہ طبیعت اوراپنے اسلاف کا صحیح معنوں میں نمونہ تھے آپؒ ایک محدث مفکرمفسر،ہونے کے ساتھ بہت بڑے فلسفی اور منطقی بھی تھے آپؒ علماء میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے بڑے بڑے علماء نے آپؒ سے شرف تلمذحاصل کیااوراس بات پر وہ بڑافخرمحسوس کرتے تھے آپ علم وعمل کے پیکر ہونے کے ساتھ ایک عظیم سیاسی شعور رکھنے والے مرد کامل تھے تدبروبصیرت ذہانت وفطانت میں بے مثال تھے آپ کی زندگی کئی صفات وکمالات کا مجموعہ تھی۔اللہ تعالیٰ انہی جیسے اکابرین کے اتباع میں زندگی گزارنے کی توفیق بخشے۔آمین

☆ صاحبزادہ حافظ سید عبدالبر ترمذی سلمہ

احقر کے جدامجد حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکورصاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ وبرداللہ مضجعہ کی سراپا شفیق اورلطیف ہستی کوکبھی نہیں بھلایا جاسکتا۔حضرت انسؓ کے بارے میں سنااور پڑھاتھاکہ دس سال حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے اورحضوراقدس ﷺ نے کبھی کسی غلطی پران کوکچھ نہ کہاتعجب ہوتاتھاکہ یہ کیسے ہوسکتاہے لیکن حضرت جدامجد کے زیرسایہ رہ کراس بات پر پختہ یقین ہوگیا،سارابچپن حضرت کے سامنے گذارااورخطائیں بھی بے شمارہوئیں لیکن حضرت جدامجد نے کبھی کسی بات پر مارناتودورکی بات،کبھی ڈانٹاتک بھی نہیں بلکہ جب بھی غلطی ہوئی نہایت محبت بھرے اورمشفقانہ انداز میں سمجھایاحضرت جدامجد بچوں پر بہت ہی زیادہ شفقت فرماتے تھے۔جب حضرت جدامجد آخری مرتبہ عید پڑھانے کیلئے گھر سے تشریف لے جانے لگے تو میں نے ہی حضرت کو بذریعہ لفٹ نیچے اتارااورحضرت میرے ساتھ ہی عیدگاہ تشریف لے گئے،جب حضرت تیارہوگئے تو میں نے

دیکھا کہ حضرت نے کپڑے تو نئے پہنے ہوئے ہیں لیکن کاندھے پر لنگی پرانی ہے تو میں نے عرض کیا کہ ابا جی لنگی نئی موجود ہے آپ وہ لے لیں اور یہ اتار دیں، تو حضرت نے فرمایا کہ یہی ٹھیک ہے تو میں نے اصرار کیا کہ آپ نئی لنگی ہی لیں تو حضرت جدامجد نے شفقت فرماتے ہوئے میری بات مان لی یہ آپ کی انتہائی شفقت تھی ۔جس دن حضرت کی وفات ہوئی حضرت اس دن خلاف معمول دومرتبہ گھر تشریف لائے دوسری مرتبہ جب حضرت جدامجد گھر تشریف لائے اور دوبارہ مدرسہ جانے لگے تو مجھے فرمایا کہ بیٹا مجھے بذریعہ لفٹ نیچے اتاردو میں نے پوچھا کہ آج آپ دوبارہ مدرسہ کیوں جارہے ہیں ؟ تو فرمایا کہ بیٹا مدرسہ میں ایک مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں ان سے ملنا ہے یہ حضرت کے ساتھ میری آخری گفتگو تھی اس کے بعد حضرت مدرسہ تشریف لے گئے کسے خبر تھی کہ حضرت آج آخری مرتبہ مدرسہ جارہے ہیں اب ہم حضرت جدامجد کی شفقت محبت ترحم کو ترس رہے ہیں لیکن اب وہ شفیق اور کریم جدامجد اس فانی دنیا میں نہیں رہے ۔اناللہ وانا الیہ راجعون

☆ صاحبزادہ سید عبدالملک ترمذی سلمہ متعلم جامعہ حقانیہ ساہیوال

یہ ایک اٹل حقیقت اور نا قابل تردید صداقت ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا وہ جانے کے لئے آیا ہے ہر متنفس نے اپنی حیات مستعار کے سانس پورے کر کے اس سرائے فانی سے دار آخرت کی طرف ضرور جانا ہے ۔حق تعالیٰ حی قیوم کی ذات کے سوا کسی کیلئے بھی بقاء دوام نہیں ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض ہستیاں دنیا میں آنے والی ایسی جامع الکمالات اور عبقری شخصیت کی حامل ہوتی ہیں کہ ان کے اٹھنے سے پورا جہاں تاریک اور یتیم ہو جاتا ہے ۔ایسی ہی نابغہ روزگار اور باکمال ہستیوں میں میرے جدامجد قدس سرہ کی عظیم شخصیت بھی تھی جنکی شفقتوں اور بے پایاں احسانات کے کوہ گراں کے تصور سے سر جھک جاتا ہے ۔ یہ میری خوش قسمتی اور عظیم سعادت ہے کہ جب میں پیدا ہوا تو میرا نام ''عبدالملک'' آپ نے ہی تجویز فرمایا ۔احقر کے نانا بزرگوار حضرت مولانا سید رشید احمد قاسمیؒ جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور ایک علمی روحانی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے ان کا خیال تھا کہ اگر مناسب ہو تو یہ نام بدل دیا جائے مگر آپ نے فرمایا یہ نام صحیح ہے اس کے بدلنے کی ضرورت نہیں پھر آپ نے کتب فتاویٰ کی مشہور کتاب شامی کے حوالہ سے فرمایا کہ ''ملک'' ان اسماء میں سے ہے جو احب الاسماء الی اللہ ہیں اس

پر انہوں نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ بڑے ابا جی کا معمول تھا کہ وہ روزانہ بچوں کو جمع کر کے پیسے عنایت فرماتے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مجھے بھی یہ سعادت ملتی رہی آپ کا یہ معمول اس قدر دائمی تھا کہ اس میں کبھی ناغہ نہ فرماتے سفر میں تشریف لے جاتے تب بھی سب بچوں کا حساب پورا ادا فرماتے حد تو یہ ہے کہ زندگی کے آخری روز یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو بھی آپ نے اپنے معمول کے مطابق سب بچوں کو ان کا روزینہ حساب کر کے خود عطاء کیا۔ میرا بچپن بڑے ابا جی کی شفقتوں اور محبتوں کے سائے میں گذرتا رہا تا آنکہ جب نورانی قاعدہ شروع ہوا تو آپ نے ہی بسم اللہ کرائی احقر نے تین پارے حفظ کئے تو آپ نے میرے حالات کے پیش نظر حکم دیا کہ پہلے کتابیں پڑھ لی جائیں پھر اللہ کو منظور ہوا تو حفظ ہو جائے گا چنانچہ اس طرح میں نے اعدادیہ میں داخلہ لے لیا اور فارسی قاعدہ کا افتتاح آپ نے خود کرایا تین سال کے بعد متوسطہ کا امتحان میں نے وفاق المدراس العربیہ پاکستان میں دیا تو بڑے ابا جی سے کامیابی کی دعا کرائی اللہ کے فضل و کرم سے اس میں کامیابی ہوئی آپ بہت ہی خوش ہوئے اور مجھے بلا کر پچاس روپے عنایت فرمائے۔ یہ بہت عرصہ کی بات ہے کہ مجھے کئی روز سے مسلسل بخار آ رہا تھا بڑے ابا جی نے جامعہ حقانیہ کے اپنے دفتر میں اپنے پاس مجھے لٹایا ہوا تھا اور آپ پڑھا رہے تھے اور اسی دوران بار بار مجھے بھی دیکھتے رہے ایک طالب علم نے سبق کے بعد مجھ سے پوچھا کہ تم یہ کتاب پڑھو گے تو میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا کہ کس سے تو میں نے فوراً کہا کہ بڑے ابا جی سے اس جواب سے سب بہت ہی خوش ہوئے۔ بڑے ابا جی کو بچوں پر بڑی شفقت تھی وہ ہر طرح سے ان کے آرام کا خیال فرماتے اور تربیت کا خاص خیال رکھتے ابتداء ہی سے ان کو اللہ تعالیٰ کا نام مبارک اور کلمہ سکھاتے حتیٰ کہ بولنے بیٹھنے اور کھانے پینے کے آداب بھی ان کو بچپن میں ہی سکھائے جاتے تھے۔

☆ صاحبزادہ حافظ سید عبدالناصر ترمذی سلمہ متعلم جامعہ حقانیہ ساہیوال

موت التقی حیاة لاانقطاع لها　　　کم مات قوم وهم فی الناس احیاء

اس دنیا میں جو بھی آیا اسے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے واپس ضرور جانا ہے۔ لیکن ان جانے والوں میں بعض لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جن کی جدائی کا زخم مندمل ہونے میں کچھ عرصہ لگتا ہے۔ لیکن بعض اللہ کے ایسے برگزیدہ اور نیک بندے ہوتے ہیں کہ جن کی جدائی کا زخم کبھی نہیں بھولتا۔

انہیں چند پاکیزہ اور برگزیدہ ہستیوں میں احقر کے جدامجد بھی ہیں بلاشبہ آپ کی جدائی کا زخم کبھی نہیں بھول سکتا ہر دردمند دل ان کی جدائی میں تڑپ رہا ہے اور ہر آنکھ اشک بار ہے۔

میرے جدامجد فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع کمالات وصفات شخصیت کا احاطہ کرنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے جو مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم تو کیا اچھے خاصے صاحب علم کے بھی بس سے باہر ہے۔ آپ جہاں عالم وقاری تھے وہاں ایک مفسر ومحدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ فقیہ اور علم وعمل کے کوہ گراں تھے۔ فقہ میں آپ کو ایک بلند مقام حاصل تھا، جب حضرت اکابرین کا تذکرہ فرماتے تو حضرت پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی اور بعض اوقات حضرت کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے حضرت تھانویؒ کا ذکر حضرت خصوصیت سے فرماتے تھے اور حضرت تھانویؒ کے قصے ہر وقت آپ کی زبان پر رہتے تھے۔ آپ ہر وقت مصروف رہتے تھے کبھی تصنیف وتالیف میں مصروف ہوتے، تو کبھی مسائل بتاتے اور لکھتے نظر آتے اور کبھی درس تدریس اور وعظ و بیان میں محو ہوتے تھے آپ کا فیض ایک چشمہ تھا جس سے بے شمار پیاسوں کو آب حیات ملا۔ حضرت طالب علموں کے ساتھ بھی نہایت رحم دلی کا معاملہ فرماتے تھے نماز عصر کے بعد صحن میں کھیلتے ہوئے بچوں کی گیند کبھی کبھی آپ کے کمرہ میں آگرتی آپ اس پر ذرہ برابر بھی غصہ کا اظہار نہ فرماتے اسی طرح کا ایک واقعہ میرے ساتھ بھی پیش آیا جس سے بچوں کے ساتھ حضرت کی شفقت محبت اور تراحم کا ایک نرالا انداز نظر آتا ہے وہ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ حضرت گھر میں موجود تھے اور اپنے کمرے میں مطالعہ فرما رہے تھے حضرت کی طبیعت کچھ ناساز تھی، حضرت نے چائے طلب فرمائی جب میں چائے لے کر حضرت کے کمرے میں داخل ہوا اور حضرت کو چائے پیش کرنے لگا تو چائے حضرت کے اوپر گر گئی باوجود اس کے کہ چائے گرم تھی حضرت نے ذرا بھی خفگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ نہایت شفیقانہ انداز میں سمجھایا جس سے ہمیشہ کیلئے ایک سبق حاصل ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں اور ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور اتباع کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین

☆ صاحبزادہ حافظ احمد علی علوی سلمہ متعلم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

احقر کو بچپن سے ہی بہت شوق تھا کہ علماء حضرات کی زیارت نصیب ہو اللہ تعالیٰ نے اس کی

توفیق بھی بخشی اور علماء حضرات سے حد درجہ محبت بھی عطا فرمائی۔ایک دفعہ احقر اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی شیر محمد صاحب علوی مدظلہم کے ساتھ چکوال گیا تو وہاں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم نے والد ماجد صاحب سے کسی فتویٰ کے بارے میں پوچھا کہ فلاں فتویٰ حل ہوگیا کہ نہیں تو والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت حل تو ہوگیا ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ اس فتویٰ کو حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کے پاس (ساہیوال) بھیج دیا جائے تا کہ حضرت ترمذی کی تصدیق کے بعد کوئی اعتراض نہ کر سکے تو حضرت قاضی صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے۔تو وہیں مجلس میں بیٹھے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت ترمذی کون ہیں؟ تو حضرت قاضی صاحب نے جواب دیا کہ بھئی حضرت ترمذی ایک بہت بڑے عالم اور قاری،مفسر،محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے فقیہ ہیں اور فقہ میں حضرت ترمذی کو ایک بہت بلند مقام حاصل ہے۔بس حضرت قاضی صاحب کے یہ الفاظ کہنے تھے کہ حضرت ترمذی کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی اب ہر وقت یہی حسرت ہوتی کہ وہ کونسا دن ہوگا جب حضرت ترمذی کی زیارت نصیب ہوگی۔ایک دفعہ حضرت ترمذیؒ برادرم مفتی محمد ابوبکر زید مجدہ کے ہاں تشریف لائے تو گھر پر فون آیا تو مجھے والد ماجد نے کہا کہ تمہارے بھائی ابوبکر کا فون تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ ساہیوال سے حضرت شاہ صاحب تشریف لائے ہیں تم گھر سے کھانا لے کر آؤ تو واللہ وہ دن میری زندگی کا سب سے خوشی کا دن تھا تو جب میں کھانا لے کر پہنچا کمرے میں داخل ہوا تو واہ کیا سماں تھا کہ حضرت ترمذیؒ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں تو بھائی ابوبکر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت احمد علی میرا چھوٹا بھائی ہے۔تو حضرت نے مجھے اپنے پاس بٹھا لیا اور میرے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا میری آنکھوں سے خوشی کے آنسو آ گئے۔آج حضرتؒ کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا والدین سے زیادہ پیار کرنے والی ایک بہت بڑی ہستی ہمیں یتیم کر کے اکیلا چھوڑ گئی۔باطل فرقوں کے آگے دیوار بننے والے عظیم علمی بزرگ اور شیخ اس دنیا فانی سے چل دیئے۔اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر مبارک کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے۔آمین ثم آمین

☆ محترم ساجد مقصود فاروقی صاحب مجلس صیانۃ المسلمین پنڈ سلطانی

رہبر کامل فقیہ بے بدل،مفسر قرآن،جامع العلوم،محقق،وسیع النظر،بے مثل ادیب اور

بے نظیر خطیب ترجمان مسلک دیوبند، امام المتکلمین حضرت اقدس مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحبؒ کی شخصیت بڑی عظیم تھی۔

حضرت مفتی صاحبؒ علمائے دیوبند اور فقہ حنفی کے عظیم مبلغ تھے ختم نبوتؐ کے عظیم جرنیل تھے عیسائیت، قادیانیت، مماتیت، غیر مقلدیت، فتنہ انکار حدیث اور دوسرے باطل فرقوں کے خلاف حضرت کی شخصیت اپنی مثال آپ تھی آپ کی زبان مبارک کا ہر لفظ اور آپ کی مضبوط تحریروں کا ہر ہر جملہ باطل کیلئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ قرآن کے شیدائی اور حدیث کے فدائی تھے۔ آپ کی شخصیت فرزندان اسلام کے لیے شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی قصہ مختصر آپ کی شخصیت ایک جامع اور اکمل شخصیت تھی آپ علم کا عظیم خزینہ ہونے کے ساتھ ساتھ معرفت کا ایک بے بہا بہتا نگینہ بھی تھے۔

☆ **حافظ محمد وسیم صدف صاحب سلمہ متعلم جامعہ حنفیہ جہلم**

اس فانی دنیا میں جو ذی روح بھی آیا ہے اسے **کل من علیھا فان** اور **کل نفس ذائقة الموت** کے بموجب یہاں سے جانا ہے لیکن بعض جانے والے ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے پر حدیث مبارکہ کے مفہوم کے مطابق زمین کے وہ حصے روتے ہیں جن میں وہ اپنے رب کی عبادت کیا کرتے تھے اور آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں جن سے ان کے نیک اعمال اوپر جاتے تھے (اوکما فی الحدیث) حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی بھی انہی خوش نصیب شخصیات میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مسلکی حمیت بہت وافر مقدار میں عطا ہوئی تھی۔ آپ نے مسلک علماء دیوبند کے خلاف منظر عام پر آنے والی ہر نئی تحقیق کا عموماً اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متفقہ اور اجماعی عقیدہ کے خلاف اٹھنے والی ہر مذموم تحریک کا کامیاب علمی تعاقب کیا۔ آپ کا باطل نظریات پر گرفت فرمانے کا انداز خالص علمی ہوتا تھا۔ سخت اور تکلیف دہ انداز سے پرہیز فرماتے تھے دیگر چیزوں کی طرح مدارس کے نظام ونصاب کے بارے میں آپ کے سوچنے کا انداز اکابرؒ کی طرز پر تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور امت مرحومہ کو آپ کا بدل عطا فرمائے آمین۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

وہ تماشا گاہ عالم تھا جو ساہیوال میں چل دیا ہے کس تماشا کیلئے اس حال میں

(عارف تھانوی)

حضرتؒ کا سفرآخرت

مولانا سید عبدالعظیم ترمذی ادارہ اشرف التحقیق لاہور

رفتم وازرفتن من عالمے تاریک شد من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

میرے عم مکرم ومحترم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات کا حادثہ فاجعہ ہمارا ذاتی یا علاقائی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا عظیم حادثہ ہے۔

آپ کی وفات سے تاریخ کا ایک باب بند ہوگیا۔ چمنستان اشرفی ایک گل سے محروم ہوگیا دنیائے علم کا بے تاج بادشاہ چل بسا اور فقہ کا وہ چراغ جو دیگر سینکڑوں چراغوں کی روشنی تھا خود بجھ گیا فتاویٰ کی دنیا تاریک اور اس کی مسند خالی ہوگی۔ ایسی ہستی کا دنیا سے منہ موڑ لینا یقیناً پوری امت اسلامیہ کیلئے ایک عظیم حادثہ ہے جو عالم باعمل، ولی کامل، مفتی اعظم، بلند پایہ خطیب، عظیم مفسر ومحدث، عارف اسرار طریقت اور جامع المعقول والمنقول بھی ہو اور ساتھ ساتھ رزمگاہ سیاست کا شہسوار بھی۔ گویا آج مفتی حضرات یتیم ہوگئے۔ علماء لاوارث ہوگئے۔ شیوخ طریقت ایک مرشد کامل سے اور عوام پیکر سیرت نبوی ونمونہ اسلاف سے محروم ہوگئے۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

﴿ آخری لمحات ﴾

۵رشوال المکرّم ۱۴۲۱ھ بمطابق یکم جنوری ۲۰۰۱ء بعد از نماز مغرب حضرت کے سینہ میں درد ہوا۔ آج آپ خلاف معمول دوبار جامعہ حقانیہ میں تشریف لائے تھے۔ علماء حضرات سے گفتگو بھی فرماتے رہے۔ ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں باجماعت آپ نے خود پڑھائیں۔ مغرب کے بعد برادر مکرم مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ سے جامعہ میں کچھ مسائل پر گفتگو بھی فرماتے رہے۔ لیکن

افسوس کہ یہ آپ کی زندگی کی آخری مجلس تھی ۔ کچھ دیر بعد گھر تشریف لے گئے ۔ گھر جا کر سینے میں درد ہوا، دوا لی مگر افاقہ نہ ہوا۔فون پر خود ہی برادر مکرم مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ کو بلایا وہ فوراً ہی گھر پہنچے ہم بھی حاضر خدمت ہوئے ۔ڈاکٹر صاحب بھی آ گئے ۔انہوں نے بتلایا کہ ہارٹ اٹیک ہے اس سے قبل بھی حضرت کو ایک مرتبہ اٹیک ہو چکا تھا۔ڈاکٹر صاحب نے فوراً ٹیکسی کیلئے کہا تا کہ آپ کو سرگودھا لے جایا جا سکے لیکن کون جانتا تھا کہ آپ کو سفر کی اتنی جلدی ہے کہ ٹیکسی کا بھی انتظار نہیں فرمائیں گے اور اس لمبے سفر پر روانہ ہو جائیں گے جہاں کا مسافر آج تک واپس نہیں آیا۔

ڈاکٹر صاحب نے بیماری پر قابو پانے کیلئے گولی آپ کی زبان کے نیچے رکھی اس سے حضرت کی تکلیف میں نمایاں کمی محسوس ہوئی ۔ہم نے سمجھا کہ شاید کچھ آرام محسوس فرما رہے ہیں مگر وہ تو اس آرام گاہ کی طرف گامزن ہو چکے تھے جس کے بارہ میں ارشاد خداوندی ہے''لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ''ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ چونکہ نبض پر تھا، وہ بھانپ گئے فوراً ان کی زبان سے نکلا He is going''اشھدان لاالہ الااللّٰہ واشھدان محمداعبدہ ورسولہ ''اگر چہ آپ اپنی پشت مبارک احقر کے سینے سے لگا کر بیٹھے تھے اور آپ کا سر مبارک احقر کے ہاتھوں میں تھا لیکن احقر کو کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کیا ہو رہا ہے۔حضرت کے چہرہ پر نظر پڑی اور اس پر چھایا ابدی سکون کہہ رہا تھا ؎

اب کیا ستائیں گی ہمیں دوراں کی گردشیں ہم اب حدود سود و زیاں سے گذر گئے

وہ آنکھیں جو جس طرف اٹھتیں مسیحائی کا کام سرانجام دیتیں ، بند ہو چکی تھیں ،وہ چہرہ جو نوید حیات اور باعث زندگانی تھا خود موت کی آغوش میں جا چکا تھا،وہ زبان جس نے ساٹھ سال پند ومواعظ سے لاکھوں لوگوں کو شاہراہ ہدایت پر گامزن کیا خاموش ہو چکی تھی اور وہ ہونٹ جن پر ہمیشہ زندگی کی مسکراہٹ کھیلتی تھی بند ہو چکے تھے۔''**اناللّٰہ واناالیہ راجعون ،اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ ، ووسع مدخلہ واکرم نزلہ ،ونقھہ من الخطایاوالذنوب کماینقی الثوب الابیض من الدنس وابدلہ داراً خیرامن دارہ واھلاخیرامن اھلہ ان للّٰہ مااخذولہ مااعطی وکل شئی عندہ باجل مسمی**''

جنازہ کا آنکھوں دیکھا حال

حضرت کی وفات کے چند لمحوں بعد ہی دروازہ پر لوگوں کا انبوہ کثیر جمع ہو گیا ہر آنکھ اشک بار

تھی، ہر ایک زبان پر نالہ وشیون تھا اور ہونٹوں سے آہیں اور سسکیاں نکل رہی تھیں، اپنے پرائے سب آنسو بہا رہے تھے، میں نے خود بہت سے غیروں کو بھی بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر روتے دیکھا۔ ہر طرف ماتم بپا تھا۔ ہر ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے کرتے خود رو دیتا تھا۔

ساری رات زیارت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہا صبح دس بجے کے قریب تجہیز و تکفین کی گئی احقر بھی اس سعادت میں شریک تھا، ساڑھے گیارہ کے قریب جنازہ جامعہ حقانیہ میں لے جایا گیا۔ ظہر کے بعد نماز جنازہ پلے گراونڈ میں پڑھی جانی تھی۔ ظہر کے بعد جب آپ کا جنازہ جامعہ حقانیہ سے اٹھا تو خدا کی پناہ! جس جامعہ کی ایک ایک اینٹ پر حضرت کی محنت کے نقش ثبت تھے اگر وہ دیواریں اور اینٹیں بھی دھاڑیں مار کر رو دیتیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں اور یقیناً حقانیہ کا ایک ایک گوشہ ایک ایک اینٹ اور یقیناً ایک ایک چپہ رویا ہوگا اور آپ کی جدائی میں صدیوں روئے گا۔ زمین تو زمین اس دن تو آسمان بھی خوب دل کھول کر رویا، تمام لوگ دھاڑیں مار مار کر ایسے رو رہے تھے جیسے جنازہ ان کے سب سے قریبی عزیز کا ہے یا جیسے ان کی سب سے عزیز متاع چھین لی گئی ہے اور یہ تھی بھی حقیقت ۔

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے　　　　مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

لوگ ایسے والہانہ چارپائی کو چھونے کی کوشش کر رہے تھے کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ چارپائی کو ہاتھ لگائے لیکن چارپائی ایک تھی اور شرکاء ہزاروں، نتیجہ یہ ہوا کہ چند قدم کا فاصلہ طے کرنا ہی ایک مسئلہ بن گیا، پھر آپ کے جسد خاکی کو بانسوں والی چارپائی پر منتقل کیا گیا اور لوگوں کو مختلف واسطے دے کر صبر کی تلقین کی گئی بمشکل لوگوں کے قدم کچھ اٹھے، لوگ پاؤں سے پاؤں ملا کر اس طرح چل رہے تھے کہ باوجود بوٹ نما جوتہ پہننے کے پیچھے سے ٹھوکریں لگ لگ کر احقر کے پاؤں میں زخم ہو گیا، ہجوم کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کی ٹوپی گر گئی تو دوبارہ ملنی ناممکن اور اگر جوتا پاؤں سے نکل گیا تو دوبارہ ہاتھ نہ آسکا ''عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے'' والا سماں تھا جنازہ میں شرکاء کی تعداد روزنامہ نوائے وقت کے مطابق ساٹھ ہزار، روزنامہ جنگ کے مطابق پچاس ہزار سے زائد تھی۔ اگرچہ مدارس دینیہ میں چھٹیوں کے سبب بہت سے طلباء وعلماء جنازہ میں شریک نہ ہو سکے مگر پھر بھی علماء کی ایک کثیر جماعت جنازہ میں حاضر تھی۔

نماز جنازہ سے پہلے وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد حنیف جالندھری اور مولانا

مشرف علی تھانوی مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ نے تقریر فرمائی، صبر کی تلقین کی اور فرمایا سبھی اس قابل ہیں کہ دوسرے حضرات ان سے تعزیت کریں کیونکہ یہ تو پوری امت مسلمہ کیلئے حادثہ فاجعہ ہے نہ صرف علاقہ بھر کے لوگوں کیلئے۔

اس کے بعد نماز جنازہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی نے پڑھائی پھر آپ کو جامعہ حقانیہ فاروقہ روڈ ساہیوال کے قریب ''قبرستان حقانیہ'' میں لے جایا گیا اور علم وعمل کے اس قیمتی خزانے کو تہِ خاک یہ کہہ کر چھپا دیا گیا ؎

اے خاک تیرہ دل بِر ما عزیز دار — ایں چشم نور ما است کہ در بر گرفتۂ

حسرت ویاس اور غم والم کا یک کوہ گراں سر پر اٹھائے زبان حال سے یہ کہتے ہوئے لوٹ آئے ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ساہیوال میں تاریخی ہڑتال

آپ کی وفات کی خبر سنتے ہی شہر کی تمام دکانیں بند ہوگئیں۔حتی کہ سبزی، پان، سگریٹ اور میڈیکل اسٹورز وغیرہ کی وہ دکانیں بھی بند تھیں جو بڑی بڑی ہڑتالوں میں بھی کبھی بند نہیں ہوئیں تھیں۔تمام اڈا بھی غالبًا ساہیوال کی تاریخ میں پہلی بار مکمل طور پر بند تھا بعض دکانیں تین تین دن تک بھی بند رہیں اور یہ شٹر ڈاؤن کسی کے کہنے سے نہیں ہوا بلکہ اپنے پرائے حتی کہ غیر مذہب تک کے لوگ حضرت سے بڑھ چڑھ کر عقیدت کا اظہار کر رہے تھے۔حضرت کی وفات اور جنازے کی خبر اخبارات میں شہہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی جن میں روز نامہ نوائے وقت، روز نامہ جنگ، روز نامہ الجلال، روز نامہ بقاٗ، روز نامہ فرنٹ ہفت روزہ ضرب مومن، قابل ذکر ہیں۔

آخر میں قارئین سے درخواست ہے کہ وہ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کی باقیات صالحات جامعہ حقانیہ، مسجد حقانیہ وغیرہ کو ہمیشہ قائم ودائم رکھیں اور ترقیات لامتناہیہ سے سرفراز فرمائیں اوران کے اخلاف کوان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں تاکہ آپ کا لگایا ہوا یہ گلشن سدا بہار رہے۔نیز آپ کی تالیفات اور فتاویٰ کی اشاعت اور آپ کے مقالات مضامین کو منظر عام پر لانے کی بھی حق تعالیٰ جلد سبیل پیدا فرمائیں۔آمین ثم آمین۔وصلی اللّٰه تعالیٰ علی خیر خلقه محمدو علی آله وصحبه اجمعین برحمتك یاارحم الرحمین۔

ع کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

تعزیتی پیغامات

حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات پر ایک عرصہ تک ملک بھر سے تعزیتی خطوط اور فون کا سلسلہ جاری رہا ان میں سے بعض خطوط کے اقتباسات ذیل میں نقل کئے جارہے ہیں۔(مرتب)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ دارالافتاء والارشاد کراچی

دینی لحاظ سے کسی مشہور شخصیت کے انتقال کے موقع پر رنج وغم اور مناقب شائع کرنے کا دستور ہے میں اس کی بجائے یہ وصیت کرتا ہوں۔ (۱) نسخہ صبر وسکون: **ان للہ ما اخذ ولہ مااعطی و کل شیٔ عنداللہ باجل مسمٰی** (نسائی) (۲) درس عبرت: دردانگیزی کی بجائے ایسے سوانح سے عبرت حاصل کر کے اپنی حیات کے بقیہ لمحات کو غنیمت سمجھتے ہوئے اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے اپنی مساعی اور جدوجہد کو تیز کردیں، باہمی اختلافات کو بھلا کر متحد ہو کر دنیا سے فسق وفجور ،منکرات وبدعات کو مٹانے اور اللہ کی زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنے کیلئے جہاد میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں.. (ازضرب مومن ۱۴ تا ۲۲ شوال ۱۴۲۲ھ)

مخدوم العلماء حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم جامعہ فاروقیہ کراچی

جامعہ کے اساتذہ کی شہادت پر آپ کی تعزیت کا شکریہ جزاکم اللہ کل خیر۔ **ان للہ ما اعطی و لہ ما اخذ و کل شیٔ عندہ باجل مسمی و لانقول الامایرضی بہ ربنا انا للہ وانا الیہ راجعون**

احقر نے حضرت مفتی صاحب مرحوم کی وفات پر ٹیلیفون پر تعزیت کے بعد ایک عریضہ برائے تعزیت مزید لکھا تھا لیکن ابتلاءات کی اسی موسلا دھار بارش میں ادھر ادھر ہو گیا مل جائے گا تو ارسال خدمت کرونگا۔

شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہم خانقاہ سراجیہ کندیاں

فقیر کو حضرت مولانا مفتی عبدالشکور قدس سرہ العزیز کی تعزیت کے سلسلہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کی مغفرت فرماوے اور اپنی قبر میں راحت کرامت عطا فرماوے آمین۔

محقق العصر جناب حضرت مولانا علامہ شیخ محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہم

حضرت مولانا مرحوم کی وفات کا بڑا صدمہ ہے مگر بس میں نہیں یہاں ہر موقع پر ان کیلئے دعاءِ مغفرت کی گئی اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے آمین۔

مرجع العلماء حضرت اقدس نواب محمد عشرت علی خان قیصر مدظلہم

حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات کا بندہ کو بہت صدمہ ہے آپ حضرات کے غم واندوہ اور قلق وملال کا ہم خدام کیا اندازہ کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ تمام ورثاء اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت رحمہ اللہ کو درجات رافعہ سے نوازے کروٹ کروٹ جنت اور بال بال مغفرت فرمائے آمین۔

مناظر اسلام حضرت مولانا علامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی مدظلہم ملتان

حضرت اقدس کی وفات حسرت آیات کا ازحد افسوس ہوا آپ موت العالم موت العالم کے مصداق تھے آپ حلم وتدبر، فہم وفراست، فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں اپنی نظیر آپ تھے یکتائے روزگار تھے امام اہل سنت علماء دیوبند تھے حضرت اقدس کی ہر ادا نرالی تھی رب العزت آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے جامعہ حقانیہ کو ہر قسم کی ترقی سے نوازے۔ آمین

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ عربیہ نجم المدارس کلاچی

حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کی وفات حسرت آیات سے سخت دھچکا لگا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔ حضرت والا کے تعلیمی تدریسی خدمات دینیہ کے علاوہ تحریری صدقات جاریہ بھی مسلم الثبوت ہیں۔ تفسیر قرآن کریم کے ایک حصہ کیلئے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کرام یا ان کے جانشینوں کا آپ کا انتخاب آپ کی علمی عظمت کا ثبوت ہے مگر ان سب کے ساتھ اکابرین دیوبند کے ایک خاصۂ لازمہ تواضع کا جو حظ وافر آپ کو ملا تھا وہ دراصل بزرگان دیوبند کے نام لیواؤں

میں خدانا کردہ روبہ زوال نظر آتا ہے لا قدرھااللّٰہ تعالیٰ۔کلاچی جیسے دور افتادہ غیر معروف قصبہ تک آپ کا صرف اس تعلق سے کہ یہاں حضرت مدنی قدس سرہ کے نام لیوا چند طالب علم رہتے ہیں سفر کرنا ۔پھر احقر کی آپ کے ہاں حاضری پر اپنے مدرسہ کے ایک ایک کمرے کی خود چل کر زیارت کرانا، اپنے تحریر کردہ تفسیر کے چند صفحے یا سطریں خود دکھلانا، مشایعت کیلئے درخانہ تک خود قدم رنجہ فرمانا احقر کے اس دعویٰ کے شواہد بینہ ہیں واجرہم علی اللہ تعالیٰ۔ بہر حال آپ کے وصال پر بے اختیار یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ ؎ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہم فاضل دارالعلوم دیوبند محمدی شریف جھنگ

حضرت مولانا صاحب ترمذیؒ کے انتقال کی اطلاع ہوئی (ترجیع) یغفراللّٰہ لہ و یدخلہ فی جنات النعیم حضرت موصوف ومرحوم سلف صالحین کی یادگار تھے کبار علما میں ان کا شمار ہوتا تھا صاحب تصانیف تھے۔ان کے ارتحال سے علم کا ایک تحقیقی دور ختم ہو گیا۔

فقیہ العصر صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی صدر دارالعلوم کراچی

میں ایک ماہ کے غیر ملکی سفر سے کچھ ہی روز پہلے واپس ہوا پرسوں رات اچانک جبکہ میں دارالعلوم سے بہت دور تقریباً گیارہ بجے شب ایک تقریب میں تھا وہاں واسطہ در واسطہ بذریعہ ٹیلی فون برادر بزرگوار یادگار سلف فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک وفات کی خبر نے جو صدمہ پہنچایا ہے نا قابل بیان ہے۔نماز جنازہ میں شرکت کی بھی حسرت رہی۔دل بے چین ہے اسی بے کسی کے عالم میں دعاء کر رہا ہوں ان کیلئے بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی کامل مغفرت فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے اور آپ سب کیلئے بھی کہ اللہ تعالیٰ صبر جمیل اور فلاح دارین عطاء فرمائے۔اور اپنے لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے محروم نہ فرمائے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں ناچیز سے جو کوتاہی ہوئی ہوا سے اللہ تعالیٰ معاف فرماوے اور ان کو اس کا اجر عظیم اپنے پاس سے عطاء فرماوے۔اسلامی نظریاتی کونسل میں ان کی رکنیت ہو جانے سے دل کو خوشی بھی تھی اور تقویت بھی کہ ملاقات جلدی جلدی ہو جایا کریگی اور کونسل کے کاموں میں ان کی رہنمائی سے مدد بھی ملے گی لیکن افسوس کہ وہ کونسل کے اجلاس میں شرکت نہ فرما سکے جو اب سے صرف چار روز بعد

اسلام آباد میں ہونے والا ہے ان سے ملاقات کی خوشی لگی ہوئی تھی مگر مقدر نہ تھی۔ آپ حضرات سے ملنے کو دل بے چین ہے جیسے ہی موقع ملا ان شاء اللہ حاضر ہوں گا۔ میری طرف سے محترمہ والدہ صاحبہ اور اہل خانہ کو سلام۔ ۸رشوال ۱۴۲۱ھ بمطابق ۶رجنوری ۲۰۰۱ء

محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نائب صدر دار العلوم کراچی

ٹیلی فون سے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حادثہ وفات کی خبر سن کر دل پر ایک بجلی سے گری۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں عدالتی کام کے سلسلے میں اسلام آباد آیا ہوا تھا وہیں سے آپ کے ساتھ فون پر بات ہوئی۔ اگلے دن کچھ ایسے مقدمات لگے ہوئے تھے جن میں وکلاء دوسرے شہروں سے آئے ہوئے تھے، اور مقدمات ملتوی کرنے سے ان کے موکلین پر سخت مالی بوجھ پڑتا، اس لئے احقر کی ساہیوال حاضری ممکن نہ ہوئی، اور نماز جنازہ میں مقدمات سے فراغت پا کر پہنچنا ممکن نہ تھا، چنانچہ اس کی حسرت رہی۔

اس دور انحطاط میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی ذات ہم سب کیلئے بڑے سکون اور تسلی کا باعث تھی۔ اگر چہ حاضری، بلکہ خط وکتابت، کی نوبت تو کم آتی، لیکن ہر وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بزرگ کا سایہ سر پر ہے۔ ان کی عنایات اور دعائیں بہت بڑا سرمایہ تھیں اور ان سے محرومی ایک عظیم نقصان ہے۔ آپ پر جو ذمہ داریاں اس حادثے کے نتیجے میں آ گئی ہیں، یقیناً آپ ان کے بوجھ سے بھی متأثر ہوں گے۔ لیکن الحمدللہ اصحابِ ایمان کیلئے اللہ تعالیٰ نے بڑی تسلی کے سامان رکھے ہیں انشاء اللہ یہ جدائی عارضی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے فیوض سے جس طرح بہرہ ور فرمایا، اور انکی خدمت کی جو توفیق بخشی، وہ آپ کیلئے دنیا وآخرت کا عظیم سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی ظاہری سہارا واپس لیتے ہیں تو براہ راست دستگیری فرماتے ہیں، انکی رحمت سے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ تمام مسائل ومشکلات میں وہ فتح یاب فرمائیں گے اور غیب سے امداد ونصرت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے جانے والوں سے رابطہ برقرار رکھنے کا بھی ایک راستہ اہل ایمان کیلئے رکھا ہے اور وہ یہ کہ انہیں ایصال ثواب کیا جاتا رہے۔ اس طرح ہمارے تحفے ان تک پہنچتے رہتے ہیں، صدمہ بے شک ہے، اور بہت بڑا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حاکم اور حکیم ہونے کا مراقبہ اس صدمے کو کم کرنے

میں معاون ہوتا ہے، استرجاع کی کثرت موجب اجر بھی ہے اور باعث تسلی بھی۔ میری طرف سے تمام اہل خانہ کو تعزیت کا پیغام پہنچا دیں اور اس شعر کا مضمون بھی کہ ؎

خیر من العباس اجرک بعدہ　　و اللہ خیر منک للعباس

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا وعظ سلوۃ الحزین اور الصبر گھر والوں کو سنانا ان شاءاللہ مفید ہوگا۔ آخر میں ان ماثور الفاظ پر ختم کرتا ہوں کہ ان فی اللّٰہ خلفا من کل فائۃ وعزاءً من کل مصیبۃ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شی ءعندہ باجل مسمی اللھم لاتحرمنااجرہ ولا تفتنا بعدہ۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو مقعد صدق میں مقاماتِ عالیہ سے نوازیں، پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائیں، اور ہم سب کو ان کی حسنات میں ان کی پیروی کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا

بندہ حضرت مفتی صاحب قدس اللہ سرہ کی تعزیت کیلئے حاضر ہوا۔ بندہ طالبعلمی کے زمانہ سے حضرت کے علمی و تحقیقی کمالات سے صرف واقف نہیں بلکہ نہایت درجہ کا معتقد اور مداح تھا۔ اس قحط الرجال کے دور میں حضرت کا وجود با مسعود بساغنیمت تھا۔ آپ علماء وطلبہ کا سرمایہ تھے حق بات کو واشگاف الفاظ میں کہنا ان کی عادت تھی اور پھر اعتدال پر رہنا ان کی طبیعت تھی آج کے دور میں جبکہ اکثر طبقات افراط وتفریط کا شکار ہیں حضرت اس دور میں اعتدال شریعت کا واضح نمونہ تھے۔ اپنے اکابر کے صحبت یافتہ اور ان کے علم وتقویٰ کے امین تھے خصوصاً حضرت تھانویؒ کے طرز وطریق کے صرف حامل نہیں تھے بلکہ شارح بھی تھے۔ تدریس، تالیف، وعظ اور خطابت تبلیغ وتذکیر بحث ومناظرہ تحقیق وتدقیق میں آپ کی خدمات بہت ہی وقیع ہیں حق تعالیٰ قبول فرمائیں اور اپنے اکابر کے ساتھ جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائیں آمین۔

صاحبزادہ حضرت مولانا محمود اشرف صاحب مدظلہم استاذ دارالعلوم کراچی

آج جامعہ حقانیہ ساہیوال میں تعزیت کی غرض سے حاضری کا موقع ملا۔ حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس اللہ سرہ العزیز کے حادثۂ وفات کے بعد یہ پہلی حاضری تھی مگر اس ناچیز کو یہاں روحانی سکینت کی اسی دولت کا احساس ہوا جو حضرت کی زندگی میں یہاں سے تقسیم ہوا کرتی تھی۔

مخدوم الامت محترم حضرت حاجی محمد افضل صاحب مدظلہم لاہور

کل رات تقریباً ۸ بجے میرے گھر کے لوگوں نے اس سانحۂ عظیم کی خبر دی جس کا مجھے بہت صدمہ ہوا کہ میں ایک ایسی بزرگ ہستی کے فیوض و برکات سے یک دم محروم کر دیا گیا ہوں میں ہر مشکل پر ان کا دامن پکڑتا تھا۔ میری ان سے مراسلت سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے۔ امت کو تو محرومی ہے ہی مجھے ذاتی صدمہ اس سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات قرب و رضاء محبت ومعیت، معرفت کے لامتناہیہ بلند فرماتے جائیں۔ یہ ناچیز بھمراہیت عزیزم طیب میاں اوران کی اہلیہ ،شعبان کے دوسرے تیسرے ہفتہ کے ایام میں حق تعالیٰ نے عمرہ و زیارت کی حاضری نصیب فرمادی اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس قدس سرہ العزیز ہی کی برکت عالیہ سے یہ نصیبہ مرحمت فرمایا گیا۔

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ کا سانحہ ارتحال علمی و دینی روحانی دنیا کیلئے ایک عظیم صدمہ ہے اس عظیم صدمہ میں ناچیز کی پوری جماعت اور دارالعلوم حقانیہ بھی شریک ہے حضرت والا کی وفات سے علم وعمل، تصنیف وتالیف اور دعوت وارشاد کے میدانوں میں بڑا خلا پیدا ہوا حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے پر فرماویں اور بہترین مقامات قرب ورضا پر انہیں فائز فرماوے۔

سفیر ختم نبوت حضرت مولانا علامہ منظور احمد صاحب چنیوٹی مدظلہم

حضرتؒ کی وفات کی المناک خبر لندن میں پڑھی اور سنی اسی وقت حضرت کی مغفرت اور بلند درجات کی خود بھی دعا کی اور حاضرین سے بھی کرائی آپ کی وفات بے شک ''موت العالم موت العَالم'' کا صحیح مصداق ہے فتویٰ کی صلاحیت آپ کی موروثی تھی جو آپ کا ذوق بن گیا تھا اس دور میں ہمارے محقق علماء کی ایک آخری نشانی تھی، اہل علم میں حضرت مفتی صاحب کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس انکا مستقل مقام بنائیں، آمین

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی مدظلہم راولپنڈی

حضرت اقدس مخدومنا المکرّم حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کی خبر سے صدمہ

پہنچا، اناللہ وانا الیہ راجعون ایصال ثواب کی توفیق نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہم مہتمم فتاح العلوم نوشہرہ گوجرانوالہ

حضرت مفتی صاحبؒ بیک وقت مدرس، محدث، فقیہ، اور مفسر اور علوم وفنون کے ماہر تھے پھر مربی، مرشد، مصلح اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خیر خواہ، ایسا جامع صفات شخص جسے اللہ تعالیٰ کا انعام کہا جاسکتا ہے اہلیان ساہیوال بڑے خوش بخت ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا موصوف کی دینی، علمی، روحانی خدمات کیلئے چن لیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب مدظلہ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

حضرت موصوف جیسی ہستی کا وصال اس قحط الرجال کے دور میں اہل علم کیلئے صرف صدمہ نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کیلئے ایک عظیم نقصان ہے۔

حضرت مولانا محمد حسین صاحب مدظلہم چنیوٹی مہتمم مدرسہ احیاء العلوم چنیوٹ

حضرت والا کے انتقال کی خبر سن کر از حد صدمہ ہوا، اناللّٰہ وانا الیہ راجعون حضرت کے علمی روحانی فیوضات سے ملک محروم ہوا ہے اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم خطیب مسجد بیت المکرّم میرپور خاص

تعلیمات اشرفیہ کے امین حضرت مفتی صاحبؒ کے سانحہ ارتحال کی اطلاع ملی انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو کروٹ کروٹ چین وسکون جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے آمین حقیقۃً حضرت اقدس ہم سب کیلئے بڑی ڈھارس اور امیدوں کا مرکز تھے آج ایک ایسی ہستی ہم میں نہ رہی جس کی رائے ملت اور سب کیلئے اطمینان کا باعث ہوا کرتی تھی اور انجمن تھانہ بھون کی ایسی ہستی ہم سے جدا ہوگئی جو اس گلشن کی بہاروں کی چشم دید تھی۔

مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد مسعود اظہر صاحب مدظلہم

آج ساہیوال میں حاضری ہوئی تو دل احساس محرومی اور احساس غم سے لبریز ہوگیا کیوں نہ ہو

؎ بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی　　اک شخص پورے شہر کو ویران کر گیا

آج فقہ وتحقیق کی مسند جس قدر آنسو بہائے کم ہے آج زہد اور تقویٰ کی محفل جس قدر روئے کم ہے علم فقہ اور میدان تحقیق کا ایک شہسوار پوری امت مسلمہ کو سوگوار چھوڑ کر اپنے رب سے اجر پانے چلا گیا حضرت اقدس مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ جامع الکمالات شخصیت تھے وہ علم دین اور حضرات اکابر کے مزاج شناس تھے سب سے اہم یہ کہ ان کی علم پر اور علم کی ان پر چھاپ بالکل واضح تھی حضرت اقدسؒ اہل حق کی روایات کے مطابق جہاد وقتال فی سبیل اللہ کے زبردست حامی اور داعی تھے اور مجاہدین ان کی سرپرستی میں راحت اور سکون محسوس کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی ہر مشقت اور ہر محنت زندگی کی ہر نیکی کا اجر اپنی شایان شان عطاء فرمائے آمین۔۱۴/۱۰/۲۱ھ

حضرت مولانا محمد حسین نیلوی شاہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا

احقر الثقلین محمد حسین صین عن الشین تعزیت حضرت علامہ مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وافرۃ سابغۃ وافیۃ کے سلسلہ میں حاضر ہوا آپ کے برادر اور صاحبزادگان سلمہم اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دینی خدمت میں مشغول رکھے حتی یاتی الموت۔ اور حضرت علامہ کے صاحبزادہ (سلمہ اللہ ووفقہ لاشاعۃ علوم الدین) صاحب نے مرحوم ومغفور کی دو یادگاریں بھی عطا فرمائیں امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ان کے قیمتی لآلی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرت مولانا ظفر احمد قاسم مدظلہم مدیر جامعہ خالد بن ولیدؓ وہاڑی

محبوب عنداللہ وعندالصلحاء نجیب الطرفین یعنی بارگاہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور دربار شیخ الاسلام حضرۃ مدنیؒ سے بے پناہ برکات وثمرات کے حامل حضرۃ اقدس مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب قدس اللہ سرہ کے سانحہ ارتحال اور عظیم سانحہ کا علم ہوا فان للہ مااخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شئ عندہ لا جل مسمیٰ۔ ان شاءاللہ حضرۃ اقدس اپنے اسلاف اہل حق کی جنتی محفلوں سے شادکام ہو رہے ہوں گے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقوش حسنہ اپنا کر ہر طرح کی نفع مندیاں نصیب فرماویں۔

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب وحضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہما

حضرت مفتی صاحبؒ امت محمدیہ کا گرانقدر سرمایہ تھے آپ زندگی بھر دین اسلام کی ترویج واشاعت میں کوشاں رہے۔ ایک مستقل ادارہ وجماعت اتنا کام نہ کرسکے جتنا آپ کی اکیلی ذات

گرامی نے کر دکھایا۔ حضرت حکیم الامتؒ سے لے کر مفتی اعظمؒ تک آپ کے مثالی تعلقات تھے، اور انہی کی روایات کے امین تھے، خانوادہ تھانہ بھون کے حدی خواں اور دار العلوم دیوبند کے قافلہ کے سرخیل و جرنیل تھے۔ ان کی وفات علم وعمل کی وفات ہے۔ حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ ۱۴ شوال ۱۴۲۱ھ

حضرت مولانا محمد ازہر صاحب مدظلہم ادارہ خیر المعارف ملتان

حضرت اقدس مخدوم العلماء والصلحاء حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے سانحۂ ارتحال سے ابھی تک دل و دماغ متأثر ہیں حضرت والاؒ کی رحلت جماعت دیوبند کا عظیم نقصان ہے۔ ملک وملت کو جب بھی کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تھا نگاہیں بے اختیار حضرت مفتی صاحبؒ کی طرف اٹھتی تھیں۔ افسوس کہ اب ہر طرف ایک تاریکی اور خلا نظر آتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ تو ان شاء اللہ خلد آشیاں ہوکر محبوب حقیقی کے لامحدود انعامات وعنایات میں پہنچ چکے ہیں مگر پسماندگان کیلئے آپ کی جدائی ایک دردناک سانحہ ہوکر رہ گئی ہے حق تعالیٰ شانہ حضرتؒ کو اعلیٰ علیین میں اپنا قرب خاص عطا فرمائیں آمین۔

حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب مدظلہم رئیس الجامعۃ الاسلامیہ راولپنڈی

حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات سے از حد صدمہ ہوا۔ حضرتؒ کی وفات سے پورا طبقہ علماء اپنے ایک مخلص، مربی، محسن ذی رائے اور اکابر کے نقش قدم کی طرف رہنمائی کرنے والی شخصیت سے محروم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام سے سرفراز فرمائے۔ ۱۴ شوال ۱۴۲۱ھ

حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہم مہتمم دار العلوم کبیر والہ

موت العالم موت العالم سچ ہے مگر اس سے بڑھ کر فقاہت کا سورج غروب ہوگیا، ایک ہمہ گیر شخصیت ہم سے چلی گئی ترجمان مسلک دیوبند اللہ تعالیٰ نے لے لیا، اللھم اغفرہ وعافہ واعف عنہ اللھم نقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس. اللهم اكرم نزله ووسع مدخله. آمين

حضرت مولانا محمد الیاس بالاکوٹی صاحب جھنگ

بعض شخصیات ایک تاریخ ساز کردار کی مالک ہوتی ہیں اپنے پیچھے اس قدر برکات

وفیوضات چھوڑ جاتے ہیں کہ بڑی دیر تک قوم ملک اور عوام ان کے فیضان سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔حضرت شیخ مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی ان ذوات قدسیہ سے تھیں جنہوں نے افراد تیار کئے، مدارس ودینی ادارے تیار کئے۔اولاد صالحہ چھوڑی، تقاریر وتحریرات چھوڑیں اور برکات وفیوضات کا ایک انمول ذخیرہ چھوڑ گئے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے حسنات سے بہرہ ورفرماویں اور امت مسلمہ کی حرماں نصیبی کا ازالہ فرماویں ان کے خلف الرشید بلکہ رشد وہدایت کے منابع کو قائم رکھیں۔محمد الیاس بالاکوٹی ظہور احمد سالک ڈویژنل خطیب اوقاف فیصل آباد، سید مصدوق حسین مہتمم مدرسۃ العلوم الشرعیہ جھنگ

جناب محترم ڈاکٹر محمد عبدالواحد السید صاحب مدظلہم (الریاض)

آپ کا والا نامہ ملا۔کھولا، جونہی پڑھا دل پر ایک بجلی سے کوندی کہ حضرۃ شیخی ومرشدی مولانا المفتی سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ وجعل الجنۃ مثواہ کا دل کے دورہ سے انتقال ہوگیا۔اللہ تعالیٰ حضرۃ والا قدس سرہ کی مغفرۃ کاملہ فرما کر جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور جنۃ الفردوس میں ہم سب کو اکٹھا فرمادیں آمین۔حضرۃ والا قدس سرہ اتنی بڑی علمی شخصیت تھے کہ ان جیسا دوبارہ مشکل سے پیدا ہوگا اس بات سے قلب کو طمانیت ہے کہ حضرۃ والا نے جو وقت اس فانی دنیا میں صرف کیا وہ اللہ کے راستے میں صرف کیا اور اپنے لئے بہت بڑا ذخیرہ آخرۃ اور توشہ دارالبقاء ساتھ لے گئے۔

حضرت مولانا محمد زبیر صاحب البازی مدظلہم لاہور

حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات حسرت آیات ہمہ اہل علم کیلئے خصوصاً اور عام مسلمانوں کیلئے عموماً عظیم سانحہ ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ عزوجل حضرت مفتی صاحب مرحوم کو درجات عالیہ اور جنت الفردوس نصیب فرمائے آمین۔حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ متنوع الخدمات عظیم البرکات انسان تھے۔زاہد، متقی، عالمِ کبیر، عارف باللہ، محبّ اہل اللہ واہل علم، خادم دین واسلام، خاشع اور متواضع بزرگ تھے۔اسی وجہ سے وہ حبیب علماء ومسلمین تھے۔اور صاحب مکارم اخلاق تھے۔ان کا انتقال دین اسلام اور دینداروں کیلئے علم واہل علم کیلئے عظیم حادثہ وروح فرسا واقعہ ہے۔

مخدوم ومحترم جناب ایاز خان صاحب مدظلہم ابن خادم خاص حضرت تھانویؒ

میرے والد نیاز خان مرحوم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم تھے اور

حضرت کے آخری دنوں تک خادم رہے یہ خط حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کی تعزیت کیلئے پیش کر رہا ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کا اور میرا بچپن ایک ساتھ تھانہ بھون میں گذرا ہے ہم دونوں نے قرآن پاک کی تعلیم ایک ساتھ حضرت کی خانقاہ میں حاصل کی ہے عرصہ کئی سال پہلے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب مرحوم کراچی تشریف لائے تو میں خدمت میں حاضر ہوا حضرت مولانا عبدالشکور صاحب نے جوش وخروش سے مجھے گلے لگایا اور مجھے بے تحاشا خوشی ہوئی۔ ابھی چند عرصہ پہلے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں ساہیوال جاؤں گا مگر میری بڑی بدقسمتی ہے کہ جیسے ہی میں کراچی سے ساہیوال کیلئے رخصت ہونے والا تھا اتفاق سے مفتی رضوان صاحب نے اطلاع دی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب انتقال فرما گئے جب مجھے معلوم ہوا تو بے تحاشا صدمہ اور افسوس ہوا اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

صاحبزادہ حضرت مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی صاحب مدظلہم خانقاہ مدنی اٹک شہر

آج حضرت مفتی صاحب قدس سرہ العزیز کی تعزیت کے سلسلہ میں حاضری ہوئی، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کے درجات کو بلند تر فرماویں اور قبر روضۃ من ریاض الجنۃ بنادیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا صاحبزادہ پیر عبدالرحیم صاحب نقشبندی مجددی مدظلہم

حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات پر جس قدر آنسو بہائے جائیں کم ہیں انالله وانا اليه راجعون۔ بندہ کو اپنا شریک غم سمجھیں۔ ۲۰/۱/۲۰۰۱ء

محترم جناب سعید محمد قریشی صاحب مدظلہم مقیم المدینۃ المنورہ

حضرت قبلہ کی سفر آخرت کا علم پا کر گہرا دکھ ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ مرحوم کو نہایت ہی ارفع واعلیٰ درجات عطا فرماویں آمین۔ سب بھائی اور جمیع اہل خانہ وپسماندگان کی خدمت میں احقر کی دلی تعزیت قبول ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل اور بہترین جزا سے نوازیں۔ آمین

صاحبزادہ حضرت مولانا پیر عبید اللہ ازہر صاحب مدظلہم بہلوی شجاع آباد

اخبارات کے ذریعہ حضرت مفتی صاحب کی رحلت کا علم ہوا، دلی صدمہ اور افسوس ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون موت العالم موت العالم کے تحت ہم سارے علم و عمل اخلاص کے آفتاب سے محروم ہو گئے ہیں۔ خداوند تعالیٰ حضرت کی مرقد مبارک پر کروڑوں رحمتیں نازل فرماوے اور درجات بلند فرماوے آمین۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی خطیب جامع مسجد غلہ منڈی ٹوبہ

اخبارات میں حضرت ترمذیؒ کی وفات کی خبر پڑھی، انا للہ وانا الیہ راجعون زندگی میں صرف چند بار ان کی زیارت کا موقع ملا حال ہی میں رمضان المبارک سے قبل جامعہ عربیہ چنیوٹ میں دستار بندی کیلئے تشریف لائے میں جامعہ کا پرانا طالب علم رہا ہوں چنانچہ میں ان خوش نصیبوں میں ہوں جن کی اس عمر میں حضرت مفتی صاحبؒ نے دستار بندی فرمائی میں نے عرض کیا حضرت آپ ہی مکمل دستار بندی فرمائیں تا کہ تبرک رہے فرمایا آپ تو خود تبرک ہو۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کو اعلیٰ علیین میں مقام و مراتب عطا فرمائے آمین

حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری مدظلہم سرگودھا

حضرت اقدس مفتی صاحبؒ کی خبر وفات سنی شدید دکھ ہوا موت العالم موت العالم۔ آپ کا مقام بہت بلند تھا پورا ملک ایک بہت بڑے فقیہ اور بہت بڑے صوفی پیر طریقت اور بہت بڑے محدث اور بہت بڑے مفسر اور بہت بڑے محقق اور بہت بڑے نکتہ رس عالم سے محروم ہوا، آپ سلف صالحین کی یادگار تھے ان کی تحریرات ہمارے لئے حجت ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو درجات عالیہ عطا فرمائے آمین۔

جناب محترم امیر عبداللہ صاحب مدظلہم ساکن موچھ میانوالی

کل پتہ چلا کہ حضرت مرشدی مفتی صاحب وفات پا گئے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے آمین حضرت کی کتابیں میرے پاس یادگار ہیں حضرتؒ دیوبند کا تعارف رہے بہت افسوس ہوا حضرتؒ بڑے علماء میں سے تھے۔

مولانا محمد اشرف منصوری صاحب ناظم قاسم العلوم جھنگ

حضرت اقدس استاذیم مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ کی اچانک وفات کی خبر نے جو صدمہ

پہنچایا وہ نا قابل بیان ہے حضرت کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا وہ کبھی پر نہیں ہوسکتا حضرت اقدس مفتی صاحبؒ بجا طور پر دیوبند کے درخشندہ ستارے، بے باک ناقد علوم دینیہ کے احیاء کے علمبردار، حامی سنت ماحی بدعت زاد قلیل پر قناعت کرنے والے، بے نفس صوفی کامل اور عظیم فقیہ تھے۔ ملت اسلامیہ ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگئی۔ حضرت اقدس سے تعلق تو دیرینہ تھا لیکن یہ تعلق اور عقیدت ومحبت مزید اس وقت بڑھ گئی جب بندہ ایک مدرسہ میں تخصص کے داخلہ کی غرض سے گیا تو رات کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خواب میں زیارت ہوئی خواب ہی میں حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے احقر سے فرمایا کہ پریشان کیوں ہو سا ہیوال مفتی عبدالشکور کے پاس چلے جاؤ، صبح بیدار ہوتے ہی سفر شروع کیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں تخصص فی الفقہ کی غرض سے حاضر ہوگیا۔ حضرت کے ہاں آ کر وہ چیز دیکھنے میں آئی جو اساتذہ کرام سے سنتے اور کتابوں میں پڑھنے میں آتی تھی حضرت علم وعمل کے سمندر، سخاوت وایثار کے پتلے، قوم وملت کے ہمدرد، اکابر علماء دیوبند کی نشانی علم وعمل وتقویٰ کے پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور حضرت کے درجات کو بلند فرمائیں۔ آمین

ملکی جرائد کے تعزیتی نوٹ

﴿ ماہنامہ الحسن لاہور ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ فروری ۲۰۰۱ء ﴾

حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ کی ذات گرامی اس وقت پورے پاکستان کیلئے نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ خاص طور پر افتاء کی دنیا میں ان کا ایک خاص مقام تھا۔ صرف ان ہی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ کے ساتھ بعض مسائل پر گھنٹوں بحث کرتے تھے۔ حضرت مفتی اعظم خود بھی ان کی انتہائی قدر کیا کرتے تھے۔ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب قدس سرہ اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اکابرین دیوبند کے رسماً نہیں حقیقتاً جانشین تھے۔ انتہائی شفیق، انتہائی رحم دل، جب لاہور تشریف لاتے تو جامعہ اشرفیہ میں ضرور تشریف

لایا کرتے تھے جامعہ کے ساتھ ان کو کئی ایک نسبتیں بھی حاصل تھیں۔ جامعہ کے دارالافتاء میں گھنٹوں بیٹھتے حضرات مفتیان کرام سے مختلف مسائل پر بڑی مدلل اور مفصل گفتگو فرماتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿ ماہنامہ البلاغ کراچی ﴾

حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ کی یاد میں خطاب

۱۴۲۱/۱۰/۸ھ آج بعد نماز عصر، صدر دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم نے جامع مسجد دارالعلوم میں خصوصی خطاب فرمایا جس میں استاذہ طلبہ اور دیگر حضرات شریک سماعت تھے، اس خطاب میں آپ نے عصر حاضر کے ایک دینی رہنما اور درویش صفت عالم ربانی جناب حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ کے سانحہ وفات پر اپنے دلی جذبات کا اظہار فرمایا اور خصوصیت کے ساتھ مرحوم کے خاندانی پس منظر، علمی خدمات اور دینی مزاج و مذاق کے بارے میں روشنی ڈالی۔ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی نوراللہ مرقدہ، اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کی بے مثال تواضع، اخلاص اور علمی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ ایک جلیل القدر مفتی تھی اور میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ کے ساتھ ان کا گہرا قلبی رشتہ تھا اور بعض علمی و تحقیقی کام، دونوں حضرات کی مشترکہ کاوشوں سے انجام پائے۔ آخر میں حضرت صدر دارالعلوم مدظلہم نے مفتی صاحب مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کی اور حاضرین کو انفرادی طور پر ایصال ثواب کرنے کیلئے توجہ دلائی۔

﴿ ماہنامہ لولاک ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ ﴾

یادگار اسلاف متبحر عالم دین، مفتی وفقیہ، بزرگ راہنما حضرت مولانا قاری سید عبدالشکور ترمذیؒ یکم جنوری ۲۰۰۱ء کی شام اچانک دل کی تکلیف سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون آپ کا ملک بھر کے علماء و مشائخ میں ایک خاص مقام تھا۔ پانچ ہزار فتویٰ جات آپ کے ہاتھ سے جاری ہوئے۔ الحمدللہ جن کی نقول محفوظ ہیں۔ جو آنے والی نسلوں کیلئے مشعل راہ کا سامان ہوں گے۔ حضرت مولانا عبدالشکور ترمذیؒ شیخ الاسلام حضرت مدنی کے شاگرد اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مرید تھے حضرت ترمذیؒ کی ذات گرامی مدنی، تھانوی، علم و فضل کے دو سمندروں میں سنگم کی حیثیت

رکھتی تھی۔مولانا مرحوم کی یہ خوبی رہی کہ مولانا نے ان دونوں ''اعزازات'' کو نبھایا اور خوب نبھایا اپنے دونوں اکابر کے صحیح مقام و منصب کو سمجھ کر ہر دو حضرات کے مشن میں ساعی رہے۔اس وقت حضرت مولانا عبدالشکور ترمذیؒ کا شمار اکابر علماء میں ہوتا تھا تمام دینی حلقوں میں ان کا بے پناہ احترام پایا جاتا تھا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دعا گو تھے ہر چھوٹے بڑے مجلس کے متعلقین سے محبت و اخلاص کا تعلق تھا۔امیر مرکزیہ حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے احترام کرتے تھے۔خانقاہ سراجیہ زیارت وحصول دعا کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔ مجلس کے مبلغین سے آپ کا پیار دیکھ کر حوصلہ پیدا ہوتا تھا۔مجلس کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر کئی بار تشریف لائے۔تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں کئی ماہ جیل کی ''سنت یوسفی'' پر عمل پیرا ہوئے۔ ہر فتنہ کے خلاف تحریری وتقریری جہاد کرتے تھے۔ آپ کی چھوٹی بڑی کتاب ومقالہ جات ڈیڑھ صد کے قریب ہوں گے۔ردقادیانیت پر آپ کے دو چار مقالہ جات ہیں انشاء اللہ العزیز میسر آنے پر ہفت روزہ ختم نبوت کراچی و ماہنامہ ''لولاک'' میں شائع کریں گے۔

﴿ماہنامہ الخیر ملتان ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ فروری ۲۰۰۱ء﴾

پاکستان میں حضرت مفتی صاحبؒ کا شمار ان گنے چنے چند علماء میں ہوتا تھا جو ملت کی رہنمائی کے ساتھ اہل علم کیلئے بھی مرجع اور سند تھے کہ ان کے درس وتدریس میں اکابر اہل علم جیسا تبحر وتعمق اور عمل میں اسلاف امت جیسی استقامت وصلابت تھی۔میانہ روی اور اعتدال آپؒ کا خصوصی امتیاز تھا (آپ مدنیؒ وتھانویؒ خصوصیات وروایات کے امین تھے۔آپؒ کو بیعت کا شرف حکیم الامۃ حضرت تھانوی قدس سرہ سے حاصل تھا جبکہ نسبت تلمذ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ سے تھی۔اور خلافت و اجازت محدث العصر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے تھی) حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحبؒ جامعہ خیر المدارس کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، جب آپ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کیلئے ملتان تشریف لاتے تو آپؒ کی خدمت میں چند لمحات گزارنے کی سعادت میسر آتی۔حضرتؒ کی چند لمحوں کی اس مجلس میں کتنے ہی علمی اشکالات حل ہوجاتے ، تصوف کی کئی الجھی گتھیاں سلجھ جاتیں ، اکابر امت اور اسلاف کی مقدس زندگیوں کے ایمان افروز واقعات وحالات سن کر ایمان میں تازگی آجاتی اور حکیم الامت حضرت

تھانویؒ کی حکایات اورقواعد وضوابط کی پابندی کے واقعات سن کر حیرت ہوتی ، بلاشبہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے اسلاف کی صحیح یادگار تھے ۔ جامعہ حقانیہ ساہیوال (ضلع سرگودھا) آپؒ کی باقیات صالحات میں سے ہے جہاں آپؒ نے پوری زندگی حدیث وفقہ پڑھانے میں گزاردی ،حق تعالیٰ شانہ حضرت مفتی صاحبؒ کو اعلیٰ علیین میں اپنے قرب خاص سے نوازیں آمین ۔

﴿**ماہنامہ بینات** ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ مارچ ۲۰۰۱ء﴾

حضرت اقدس مولانا سید مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کی شخصیت سے یوں تو ایک عرصہ سے غائبانہ عقیدت ومحبت کا تعلق تھا مگر گزشتہ سال ان سے براہ راست ملاقات ومصافحہ کچھ دیر ان کی خدمت میں بیٹھنے اور عرض ومعروض کا شرف حاصل ہوا جس سے دل میں ان کی محبت کا نقش مزید گہرا ہو گیا ۔ بے حد اونچے درجے کے عالم ، فاضل اور حددرجہ کی متواضع علمی شخصیت کے مالک تھے ، اللہ تعالیٰ نے آپ سے اپنے دین کی خدمت کا خوب خوب کام لیا ، ایک گم نام چھوٹے سے قصبہ ساہیوال سرگودھا میں رہ کر اس درویش نے فقہ وافتاءٗ اور تصنیف وتالیف میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ، آپ متصلب دیوبندی اور سچے حنفی تھے ، آپ کو اپنے اللہ پر ایسا بھرپور اعتماد تھا کہ کبھی کسی غیر کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا ۔ ابھی چند دن ہوئے کہ راقم الحروف نے بینات کی اشاعت خاص حضرت شہید نمبر کیلئے بذریعہ خط مضمون کی درخواست کی تو حضرت مفتی صاحبؒ نے از راہ شفقت حضرت شہید کے علمی مآثر اور ان سے اپنے محبت کے تعلق پر مضمون ارسال فرمایا جو اشاعت خاص کا حصہ بن چکا ہے ۔ کسے معلوم تھا کہ حضرت مفتی صاحب اس قدر جلدی ہم سے رخصت ہو جائیں گے ؟ چنانچہ حضرت مفتی صاحب یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو ہمیں داغ مفارقت دے گئے اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی رحلت کا سانحہ صرف ان کے متعلقین ہی کا نہیں بلکہ حلقہ دیوبند کا مشترک سانحہ ہے ، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی ، بال ، بال ، مغفرت فرما کر ان کے ساتھ رضا ورضوان کا معاملہ فرمائے اور ان کے اعزہ اقرباٗ اور متعلقین کو ان کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ۔

تواریخ وفات

نتیجہ فکر: حضرت مولانا قاری خلیل احمد تھانوی مدظلہ

احقر نے حضرت اقدس مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کے عظیم سانحہ کے موقع پر آپ کی کچھ تواریخ وفات جملوں میں اور کچھ قرآنی آیات سے نکالی ہیں قارئین ان کو اس تناظر میں پڑھیں کہ پہلے جملے میں مفتی صاحبؒ کی وفات کی اطلاع اور اس کے اعداد سے سن وفات نکلتا ہے دوسرے اور تیسرے جملے میں انتقال کا وقت چوتھے جملے میں نماز جنازہ کی ادائیگی کا وقت عدد میں سن عیسوی اور پانچویں جملے میں سن ہجری چھٹا جملہ تدفین کے وقت کو ظاہر کرتا ہے دفن کے بعد چونکہ آدمی دوسرے عالم میں منتقل ہوجاتا ہے اور وہاں اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اس بارے میں ہر شخص خوف زدہ ہوتا ہے اس لئے قرآنی آیت سے تاریخ نکالی کہ معنی پر غور کرو تو ایک بشارت ہے، کہ نہ خوف کرو نہ غمگین ہو، اطمینان رکھو کہ تم کو تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور بشارت دی جارہی ہے کہ وہ ایسا اجر ہوگا کہ جو منقطع نہ ہوگا اور آخری تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے اور متوسلین کیلئے بشارت ہے کہ مفتی صاحب ایک عیش کی زندگی میں چلے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

﴿ تواریخ وفات ﴾

(۱)	آہ علامہ امام	مفتی سید عبدالشکور	وفات پاگئے
	۲۳۴	۱۲۳۷	۵۳۰ .... ۲۰۰۱ء
(۲)	سوموار بعد مغرب	جان پاک نے	داعی اجل کو لبیک کہا
	۱۶۳۱	۱۳۷	۲۳۳ .... ۲۰۰۱ء

(۳) سوموار بعد مغرب عابد نے داعی اجل کو لبیک کہا

۱۶۳۱ ۱۳۷ ۲۳۳ .... ۲۰۰۱ء

(۴) امام عجم کی نماز جنازہ بروز منگل بعد ظہر ادا کی گئی

۱۹۵ ۱۹۴ ۳۵۵ ۱۱۸۱ ۷۶............ ۲۰۰۱ء

(۵) بعد ظہر نماز جنازہ ادا کی گئی

۱۱۸۱ ۱۶۴ ۷۶ .... ۲۰۰۱ء

(۶) اماالائمہ ولی زمانہ بروز منگل بعد نماز عصر دفن کئے گئے

۳۱۸ ۳۵۵ ۵۳۴ ۲۱۴............ ۱۴۲۱ھ

(۷) ولقد قال جل جلاله لاتخافوا ولا تحزنوا

۳۷۳ ۱۶۲۸ .... ۲۰۰۱ء

(۸) فقال جل مجده انما تجزون ما كنتم تعملون

۲۹۶ ۱۷۰۵ .... ۲۰۰۱ء

(۹) لقال جل مجده فلهم اجر غير ممنون

۲۴۶ ۱۷۵۵ .... ۲۰۰۱ء

(۱۰) فانما قال عز وجل فهو فى عيشة راضية

۴۱۹ ۱۵۸۲........................ ۲۰۰۱ء

قطعات تاریخ

مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحبؒ

(سال رحلت ۱۴۲۱ھ)

نتیجۂ فکر: سید مہر حسین بخاری (اٹک)

ہو گئے دنیا سے رخصت ترمذی عبدالشکور — ''ہدایۃ الحیران'' ہے جن کی کتاب دل نشین

ہے حیات انبیاء پر قابل تحسین کام — ان کے شافع ہوں حبیب حق رسول عالمینؐ

ہیں مُقِر جن کی حیات جاوداں کے اہل حق — زندگی کے معترف ہیں جن کی، ارباب یقین

سال رحلت ترمذی صاحب کا مہر یوں کہا — کوکب دائم ''حیات رحمۃ اللعالمینؐ''

۱۴۲۱ھ

جو ادب دانِ محمد مصطفیٰ ہیں خوش نصیب — دو جہاں میں کوئی اندیشہ انہیں لاحق نہیں

محترم مرحوم سید ترمذی عبدالشکور — تھا حیات سرور کونینؐ کا ان کو یقین

ان کی رحلت کا کہا مہر بہ تائید سروش — سال ''عرفان حیات سرور دنیا و دیں''

۱۴۲۱ھ

(ماہنامہ البلاغ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مئی ۲۰۰۱ء)

منظوم خراج تحسین

نتیجہ فکر: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم

مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

وہ فقیہ العصر یعنی مفتی عبدالشکورؒ ۔۔۔ نسبت علم و ہدایت میں وہ مثل کوہ طور
وہ کریم الخلق ابن مفتی عبدالکریمؒ ۔۔۔ خانقاہ اشرفی کا وہ گل بوئے شمیم
پیکر اخلاق نبویﷺ حامل دین مبیں ۔۔۔ علم تفسیر و حدیث و فقہ کا در ثمیں
وہ مجاز نسبت شیخ ظفراحمدؒ بھی تھا ۔۔۔ خانقاہ مفتی اعظم کا اک اسعد بھی تھا
حافظ و قاری و عالم پیکر علم و عمل ۔۔۔ وہ نحیف و ناتواں علم و ہدایت کا جبل
جو دلائل کی زباں تھا حجتوں کا سینہ تھا ۔۔۔ سیرت و کردار میں اسلاف کا آئینہ تھا
ڈھونڈتے پھرتے ہیں جس کو آج قرطاس وقلم ۔۔۔ کرگیا وہ اپنی یادیں لوح ہستی پر رقم
روز وشب ہر مسئلہ تھا جس کا موضوع سخن ۔۔۔ دست بستہ جس کے آگے تھیں بحوث علم وفن
ہرگھڑی اس کے بڑوں کا اس کے سر پرسایہ تھا ۔۔۔ مسلک حق میں تصلب اس کا اک سرمایہ تھا
نکتہ سنجی میں یقیناً ترجمان شیخؒ تھا ۔۔۔ اور بیان علم و حکمت میں زبان شیخ تھا
اہل عقل ودانش اس کے درپہ تھے دریوزہ گر ۔۔۔ طالبان علم اس کے سامنے دست نگر
جس کی ہرمجلس تھی علم و آگہی کی درس گاہ ۔۔۔ طالبان حق کا تھا جو چلتی پھرتی خانقاہ
پیکر خلق و ادب تھا جو اکابر کیلئے ۔۔۔ اور سراپا حلم و شفقت تھا اصاغر کیلئے
مرجع فتویٰ تھا جو سب اہل فتویٰ کیلئے ۔۔۔ زہدو ورع میں سند تھا اہل تقویٰ کیلئے
جس کو حق گوئی میں خوف لومۃ لائم نہ تھا ۔۔۔ جو کہ اپنے دشمنوں کے حق میں بھی شاتم نہ تھا
خوش مزاجی خندہ پیشانی، تبسم تھا شعار ۔۔۔ تھی لبوں کی مسکراہٹ جس کے چہرے کی بہار
مدرسہ حقانیہ ہے جس کی تابندہ حیات ۔۔۔ ہونہار اولاد جس کی باقیات صالحات

زندگی گذری تھی جس کی دیں کی دوڑ ودھوپ میں	آج بھی زندہ ہے اپنی کاوشوں کے روپ میں
وہ تماشا گاہ عالم تھا جو ساہیوال میں	چلدیا ہے کس تماشے کیلئے اس حال میں
اب کہاں سے لائیں ایسااہل علم اہل کمال	ہائے دنیا میں ہے اہل علم کا قحط الرجال
الجھنوں کوقوم کی شفقت سے سلجھائے گاکون	دین سے بھٹکے ہوؤں کوراہ دکھلائے گاکون
ہم بتائیں گے کسے بیتے ہوئے حالات کو	کس کےدرپرجائیں گےاب لے کےاشکالات کو
قوم کی کشتی تو ہے گرداب میں اے چارہ گر	ناخداسب جارہے ہیں ہر یکے بعد دگر
کھینچ کرگرداب سے ساحل پہ پہنچائے گاکون	ناخدا بن کر بچانے قوم کو آئے گا کون
عارفؔ اب دنیا میں غم کا آسرا کوئی نہیں	غم غلط کرنے جہاں جائیں رہا کوئی نہیں

القصيدةالمدحيه

للشيخ الدكتورمولانامحمدمنظورسلمه اللهالغفورالشكور

استاذالحديث بجامعة الفاروقية كراتشي

اسبِحُکَ اللّٰهُمَّ رَبِّ وَاَشْكُر	عَلٰى اِحْسَانِكَ الْوَافِیْ وَلَا اَكْفُرُ
صلٰوةً سلاماً علیٰ سَیِّدِنا اَحْمَدٍ	مُنِیْبٌ اَوَّابٌ اِلَى اللهِ یَجْأَرُ
فَبُشْرٰی لكم آلَ سَهْوالٍ وَسَرْجُدا	عَلَیْكُمْ سحابُ الْعُلُوْمِ یُمْطِرُ
تِذْكارٌ لعبدالكريم الجمتلى	آثارُ حُسیْنٍ عَلَیْهِ تَظْهَرُ
رجاترمذِى وَدُعاَء اشرفٍ	یَفُوْحُ بفمه العطْرُ والعنبرُ
دُجى الشرك وباطلٍ تَقَشَّعَتْ	فكلّ زائغٍ منه یَسْتَنْفِرُ
مسروراً تدومُ ایّهاالاَبْجَلُ	دوامَ خَضِرٍ والليلُ يَتَقَمَّرُ
تفخّرى ايهاالحقّانيةُ حقّاً	عليكِ بدُرُبازغٌ يتنوّرُ
بحرٌ ذخّارٌ ليس له شاطِئُ	بحارُالعلم والعرفان تتفجّرُ
اَدِمْهُ اللّٰهُمَّ وآلَهٗ	لِاَهْلِ حَقٍّ علٰى باطلٍ یَفْجُرُ
فَكُفَّ مَنْظُوْرُ قَلَمَكَ عن سعاد	ومدحهاوالّا فهُوَ يَتَكَسَّرُ

مرثیہ

نتیجہ فکر: مولانا سید رشید احمد گیلانی قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند

وائے وائے مفتی عبدالشکور راہی عقبیٰ ہوئے ہیں ہم سے دور
تھے وہ ساہیوال میں مثل چراغ تھانوی انوار سے وہ شمع نور
کشتِ والد مدرسہ حقانیہ محنتوں سے کر گیا راہیں عبور
یاالٰہی ان سے قربی واسطہ ظلمتوں کو کردے میری مثل نور
کہ لحد میں ان کی وسعت اے خدا بارشیں رحمت کی برسیں از غفور
ان کی ارض لحد کو کہدے خدا کر حفاظت ان کی تا حشر و نشور
پل صراطی مرحلہ پر رحم کر اس کو آسانی سے کر لیں وہ عبور
قاسمی کی بھی یہی ہے التجا ہرجگہ رحمت سے رکھے وہ غفور

نظم

معتکف کسر نفسی را مجبور قدوس و عبداللہ و دود وہم غفور
کردہ اند مجبور محض ہم امروز کہ نویسم بابت عبدالشکور
پس ببابت مفتی عبدالشکور مقتدائے تھانوی دینی امور
چہ نویسم چہ بگویم ذات شان گویا سلک درر دینی امور
ملاقی ہرکس وناکس بہ بود گویا بود از عوام الناس طور
درس دینی عالیہ حقانیہ را ترقی دادہ از محن و فور
موت عالم موت عالم در حق است در درس جائے او خالی زنور
مرقدش بادجنت آسیاں و قصراو فردوس در شام و سحور

بیاد: حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی قدس سرہ

(تاریخ وفات یکم جنوری ۲۰۰۱)

نتیجہ فکر: محترم جناب سید عابد حسین عابد جلال آبادی بھکر

دین کی شمع فروزاں ہم سے رخصت ہوگئی — کر کے روشن دین کو گویا وہ خود بھی سوگئی
کر کے ہجرت گمتھلہ سے آئے ساہیوال میں — تحفہ حقانیت بھی لائے ساہیوال میں
والد ماجدؒ کہ جن کا اسم تھا عبدالکریم — تھے خلیفہ تھانوی کے شخصیت کتنی عظیم
ان کا ہے مرہون منت مدرسہ حقانیہ — ان کی ہی برکت سے قائم مدرسہ حقانیہ
ہے دعا قائم رہے یہ گلشن عبدالکریم — تا ابد پھیلائے خوشبو اس کی یہ باد نسیم
درس قرآں اور سنت عمر بھر دیتے رہے — بات سچی اور حق کی عمر بھر کہتے رہے
پائے استقلال میں کوئی لچک آنے نہ دی — اپنے مسلک پر کبھی بھی آنچ تک آنے نہ دی
جب کبھی تردید حق پر ہے اٹھا کوئی قلم — آ گیا میدان میں بہر دفاع ان کا قلم
تربیت میں اپنی بھی اولاد کے کوشاں رہے — اور حصول علم میں ان کے وہ سرگرداں رہے
آخرش اک پسر کو ان کے یہ درجہ مل گیا — جانشینی کیلئے ان کی یہ گوہر مل گیا
حافظ وقاری ومفتی اور مقرر بھی یہ ہیں — ایک مدت سے یہ ان کے تربیت کردہ بھی ہیں
اس شہر کا بچہ بچہ شامل تدفین تھا — مرد و زن پیر و جواں ہر شامل تدفین تھا
ملک کے طول وعرض سے آئے تھے علماء یہاں — ہر قدم پر متبع سنت تھے سب علماء یہاں
آج تک یاں آنکھ نے دیکھا نہ تھا اتنا ہجوم — قصبہ ساہیوال میں تھا گویا تاریخی ہجوم
جب دعا مانگی خدا سے کتنے تھے ان میں ولی — مغفرت مانگی خدا سے سب نے ہی بہر ولی
تھا جنازہ جب رواں جس کوچہ و بازار سے — چشم گریاں تھا خلائق ہر درو دیوار سے
کیا لکھوں کیسے لکھوں یہ داستان زندگی — کاوشوں میں ہی رہا ہے کاروان زندگی
بارگاہ حق تعالیٰ میں ہے عابدؔ کی دعا — بارش انوار قادر برسے مرقد پر سدا

عقیدت کے چند پھول

نتیجہ فکر: جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

شیخ دوراں فقیہ ملت مفتی عبد الشکورؒ
وارثِ علمِ نبوتؐ، مفتی عبد الشکور

کاروانِ تھانویؒ کے اے امیر کارواں
عالمانِ دین میں تو ذی عز و شاں

شیخ تھانویؒ کے فیضانِ نظر کا شاہکار
گلشنِ مفتی وعثمانی کی رنگینی فصل بہار

آفتابِ علم وحکمت ماہِ تابِ آگہی
مشعلِ راہِ ہدیٰ جن کی ساری زندگی

مکتبِ فکر شاہِ اشرف تھانویؒ کا خوشہ چیں
جانِ اربابِ بصیرت روایاتِ سلف کا تو امیں

عظمتِ اسلاف کا وہ نشان آخری
زہد وتقویٰ میں کٹی جن کی مثالی زندگی

اہل حق میں جن کی تھی بلاشک برتری
حلقہ عشاق کی زیبا اُسے تھی سروری

تھی دلیلِ زندگی عصرِ نو تیری حیات
روح کا پیمانہ تھا یا بحر تقدیس صفات

یاالٰہی میرے ہادی پر ہوں تیری رحمتیں
ہوں عبد القدوس کو بھی وہ حاصل رفعتیں

گردش دوراں

نتیجہ فکر: جناب سید محمد نعیم ترمذی

رخ عم مکرم نے مرے پھیرا ہے جب سے
رنج وغم و آلام نے گھیرا مجھے تب سے

ہر آن کھڑی رہتی مسرت مرے در پر
روٹھی مگر اب ایسی نہ مانے کسی ڈھب سے

گردوں نے جو تاکا کہ سپر سر سے ہٹی ہے
چاہا ہمیں دو چار کرے قہر و غضب سے

حالات دگرگوں ہی نہیں اس سے سوا تھے
زندہ ہیں جو یارب، تری رحمت کے سبب سے

تحریر سے ان کی وہ حفاظت ہوئی دیں کی
ممکن جو کہاں آج کے سامان حرب سے

اسلام کی خدمت میں تھے ہر وقت وہ مشغول
مطلب تھا انہیں شام سے صبح و سے نہ شب سے

وہ طالب دنیا تھے نہ وہ طالب زر تھے
لبریز تھا دل ان کا فقط دیں کی طلب سے

جن کو تھا مرض روح کا بیماریٔ دل کا
ہوتے تھے شفایاب وہ ان ہی کے مطب سے

فردوس میں ان کو ہو عطاء قرب نبیؐ کا
رو رو کے یہ مانگیں ہیں دعا دل مرا رب سے

اے دیدۂ تر تیری روانی پہ ہے موقوف
یاد ان کی کا دھل جانا اس شوریدہ قلب سے

خواہش ہے نعیمؔ دل پر درد کی یارب
کچھ فیض ہو مجھ کو بھی عطا علم و ادب سے

خدنگہائے سخن

نتیجہ فکر: حافظ سید محمد فہیم ترمذی فہیم

کس کی رحلت سے ہے باغ علم میں چھائی خزاں
کس لیے ہے بلبل شیریں بیاں، محو فغاں

کس کی خاطر رو رہے ہیں یہ زمین و آسماں
کس کے غم میں غم زدہ ہے آج یہ سارا جہاں

کس نے بے رنگ کر دیا یوں گلشن اسلام کو
رو رہے ہیں لالۂ وگل لے کے کس کے نام کو

کس کے غم میں ہے بہار بوستاں بھی پردہ پوش
کس کے غم میں چہچہاتی فاختائیں ہیں خموش

کیوں ہوائیں رک گئیں کیوں تھم چکا دریا کا جوش
کس کو لے کے جارہی ہیں رحمتیں حامل بدوش

بوستان علم دیں کا باغباں جاتا رہا
مشعل راہ ہدیٰ کا پاسباں جاتا رہا

خار و گل ہم مثل ہیں میری نظر میں آج کیوں
سوگواری چار سو ہے بحر و بر میں آج کیوں

مخزن علم وعمل رکھا قبر میں آج کیوں
تیرگئ شب دکھائی دے سحر میں آج کیوں

آسمان علم کا روشن ستارہ گر گیا
فقہ کی منزل کا عالی شاں منارہ گر گیا

جس پہ دیو بند کی زمین پاک کو بھی ناز تھا
جو خدا کی معرفت کا آشنائے راز تھا

تھا نویؒ ، مدنیؒ کا جو تلمیذ مایہ ناز تھا
جس کے سوز قلب میں عشق نبیؐ کا ساز تھا

داغ فرقت دے کے ہم کو ہو گیا ہم سے جدا
اس کے مرقد پر کروڑوں رحمتیں ہوں اے خدا

جس کے بحر علم کی موجیں ہیں عالم میں رواں
جس کے کوہ علم کے ذرے ہیں رشک کہکشاں

جس کے باغ علم کے پھولوں سے مہکے یہ جہاں
جس کے چرخ علم کے تاروں سے روشن ہے زماں

وہ محقق وہ مدقق وہ مفکر کھو گیا
ایک عالم کو کیا بیدار اور خود سو گیا

جو دل مائل بحق تھا اور لسان علم دیں
نکتہ داں تھا آشنائے رمز تھا باریک بیں

پیکر فہم و فراست صاحب علم و یقیں
جو خلیفہ تھا خدا کا وارث نور مبیں

رد باطل میں قلم تھا جس کا خنجر سے سوا
جس کا سینہ تھا دلائل میں سمندر سے سوا

جس میں رازیؒ وغزالیؒ اور مجددؒ کی مہک
جس کے اندر قاسمؒ ومحمودؒ واشرفؒ کی چمک

جس میں گنگوہیؒ وانورؒ اور مدنیؒ کی دمک
جس میں شبیرؒ وشفیعؒ و شیخ احمدؒ کی جھلک

وہ گل گلہائے عرفاں وہ دُر یکتا گیا
وہ دل روشن گیا وہ دیدۂ بینا گیا

گمرہوں کا رہنما اور رہبروں کا پیشوا
متقی و عالم وقاری ولی باخدا

دور حاضر کا فقیہ بے بدل پیر ہدیٰ
صاحب تصنیف و تالیف و محبّ مصطفیؐ

ہادی گمگشتگان راہ منزل چل بسا
جس نے عشق مصطفیؐ سے بھر دیئے دل چل بسا

سنت نبویؐ کا پیرو سیرت و کردار میں
مثل اسلاف واکابر قول میں افکار میں

مرضی حق کا محافظ منفی و اقرار میں
مسلک دیوبند پہ قائم قید میں گلزار میں

ماہر امراض نفسانی و روحانی گیا
وہ حبیب احمدؐ و محبوب یزدانی گیا

مالک قلب رقیق و صاحب نظر عمیق
خوگر خُلق عظیم و مُظہر قول دقیق

پیکر زہد و توکل منبع حسن طریق
اقربا پر دوستوں پر دشمنوں پر بھی شفیق

واقف سر نہانی بندۂ رحمٰن تھا
دانش وحلم و تدبر سے بھرا انسان تھا

صاحب نور بصیرت صاحب ادراک تھا
غیر کی نظروں میں گردوں چشم خود میں خاک تھا

قول حق کہنے میں وہ بے خوف تھا بے باک تھا
رفعت علم و عمل میں معجزِ افلاک تھا

یاد ربِّ ذو المنن آتی تھی جس کو دیکھ کر
دل کی دنیا ہی بدل جاتی تھی جس کو دیکھ کر

رہنمائے سالکیں کی رہنما تفسیر سے
شارح اقوال احمدؐ کی ہر اک تقریر سے

آب حکمت سے لکھے الفاظ سے تحریر سے
اک جہاں مانند کوہ طور ہے تنویر سے

قریہ قریہ بستی بستی جس کا فیض عام ہے
مفتی عبدالشکورؒ اس باخدا کا نام ہے

جس کا مدفن آنکھ کی ٹھنڈک دل وجاں کا قرار
جس کے ذروں سے ہیں خورشید وقمر بھی شرمسار

رحمت مولا برستی ہے جہاں لیل ونہار
آج بھی یاں علم دیں کی بہ رہی ہے آبشار

وہ سلف کا اک نمونہ ہے یہاں زیرزمیں
جس کا مسکن آج علیین پر ہے بالیقیں

ہے دعا از جان ودل پیش خدائے لم یزل
حضرت اقدسؒ کا کر ہم کو عطاً نعم البدل

جامعات ترمذیؒ پر رکھ مدام اپنا فضل
مجھ کو بھی یارب بنادے صاحب علم وعمل

میرے بھی لب پر دم آخر ہو ورد لا الٰہ
جلوۂ احمدؐ سے ہو سرشار میری بھی نگاہ

قوت گویائی تیری یہ تیرا زور بیاں
یہ تخیل کی بلندی یہ حقیقت کی زباں

یہ دل حق آشناؤ یہ نگاہ ضوٗ فشاں
یہ معانی کا سمندر لفظ کا سیل رواں

مہرباں ہے تیرے اوپر رحمت ربِّ کریم
یہ فقیہ العصرؒ کی چشم عنایت ہے فہیمؔ

یادگار اسلافؒ

حضرت اقدس مولانا شمس الحق صاحب دامت برکاتہم ناظم تعلیمات دارالعلوم کراچی

حضرت اقدس مولانا شمس الحق صاحب مدظلہم ناظم تعلیمات جامعہ دارالعلوم کراچی کا گرا ں قدر مضمون چونکہ ''حیات ترمذیؒ'' پریس میں بھیجنے کے بعد موصول ہوا اس لئے کتاب کے آخر میں بطور ''ختامہ مسک'' ہدیہ قارئین ہے (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ کے ان نیک اور صالح بندوں میں سے تھے جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے، تقویٰ شعار، متواضع مزاج، سراپا سادگی، پیکر اخلاص ومحبت، یادگار سلف اور مظہر علم وفضل، اپنے اکابر ومشائخ کے علمی وعملی مذاق ومزاج کے امین اور مسلکِ اہل حق کے دلیر وبے باک ترجمان، فطری سعادت وسلامتی کے ساتھ ساتھ بچپن ہی سے تھانہ بھون کا صافی ومصفّٰی خانقاہی ماحول نصیب ہوا جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، عمر کا زمانہ خواہ غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو مگر صالح ماحول اور صلحاء کی صحبت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی، بلکہ اس زمانہ کے نقوش کبھی اتنے گہرے اور انمٹ ہوتے ہیں کہ پوری زندگی پر ان کی چھاپ نمایاں نظر آتی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے تو بچپن کے علاوہ اپنی زندگی کا خاصا شعوری زمانہ بھی خانقاہ تھانہ بھون کی فضاؤں میں گذارا اور وہاں کے اصلاحی وتربیتی ماحول کو اپنی نگاہوں سے دیکھا اور وہاں کے سرد وگرم کو براہ راست چکھا، پھر ان کی زندگی میں وہ رنگ نمایاں کیوں نہ ہوتا جو تھانہ بھون کا طرہ امتیاز تھا۔

حضرت تھانویؒ سے گہری عقیدت ومحبت، حضرت کے مشفقانہ انداز تربیت، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے اصول وضوابط اور وہاں کے علمی وتحقیقی کارناموں کا جس والہانہ انداز میں مفتی صاحبؒ

تذکرہ فرمایا کرتے تھے، اس سے بخوبی اندازہ ہوتا تھا کہ تھانہ بھون کے اس پاکیزہ ماحول کی یادیں ان کی زندگی کا قیمتی سرمایہ اور وہاں کا تذکرہ ان کا محبوب ترین مشغلہ ہے، جس کی لذت وحلاوت سے ان کا دل ودماغ معمور ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ تھانہ بھون میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کے ساتھ جو کہ خانقاہ میں مفتی اور فقہی مسائل میں حضرت تھانویؒ کے معتمد خاص تھے، حضرت تھانویؒ کے مکان کے برابر والے مکان میں رہا کرتے تھے اور بچپن میں حضرت والا کے گھر ان کی آمدورفت بھی کثرت سے رہتی تھی، اس وجہ سے حضرت والا کی خصوصی توجہات اور عنایات سے بہرہ ور ہونے کا خوب موقع ملتا تھا، اسی زمانہ کا ایک قصہ احقر نے مفتی صاحبؒ سے کئی بار سنا جو وہ مزے لےلیکر سنایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت تھانویؒ عشاء کی نماز کیلئے وضو فرما رہے تھے، ہم کئی بچے جمع تھے، ہمارے اندر اس بات پر ضد بحث ہوئی کہ دیکھیں حضرت کا وضو کا خالی لوٹا کون اٹھا کر لے جا کر رکھتا ہے، میں نے یہ سمجھ کر کہ حضرت دونوں پاؤں دھو چکے ہیں، جلدی سے جا کر لوٹا اٹھا لیا، جبکہ ابھی حضرت نے ایک پاؤں دھویا تھا، دوسرا باقی تھا، میری اس عجلت بازی پر حضرت والا نے خوب ڈانٹا اور تنبیہ فرمائی، جس سے عمر بھر کا سبق مل گیا۔

اب ان باتوں کو وہی یاد رکھے گا اور ان کے تذکرہ سے وہی محظوظ ہوگا جس کے رگ وپے میں کہنے والے کی محبت وعظمت سرایت کئے ہوئے ہو۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ مفتی صاحبؒ نے سنایا کہ ایک بار حضرت تھانویؒ نے مجھ سے فرمایا جاؤ دیکھ کر آؤ کہ مولوی شبیر علی صاحبؒ اپنے کمرہ میں ہیں یا نہیں؟ میں نے آ کر جواب کچھ اس طرح دیا کہ اس سے حضرت والا یہ سمجھے کہ وہ کمرہ میں موجود ہیں، حالانکہ وہ موجود نہیں تھے، اس پر حضرتؒ والا نے مجھے خوب تنبیہ فرمائی کہ کلام میں احتیاط ضروری ہے، جب دوسرا آدمی بات نہیں سمجھا تو وہ کلام مفید کہاں ہوا، جس سے مخاطب کو اذیت ہوتی ہے، اگلے دن پھر اس بات کی مشق کرائی، اور آج جب میں نے آ کر جواب واضح اور صاف طور پر دیا تو خوش ہو کر فرمایا کہ ''ہاں اس طرح بولا کرتے ہیں''

مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت کے ان الفاظ کی لذت آج تک محسوس ہوتی ہے۔

یہ تھی اپنے بڑوں اور محسنوں سے دلی لگاؤ کی بات جس کا وجود آج خال خال ہی نظر آتا ہے۔ مفتی صاحبؒ کے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ کا چونکہ حضرت تھانویؒ سے خصوصی تعلق تھا، اس مناسبت سے حضرت تھانویؒ ان کی اولاد سے بھی شفقت کا خصوصی معاملہ فرماتے تھے، یہی وجہ تھی کہ بچپن ہی میں تبرکاً اپنے حلقۂ بیعت میں داخل فرمالیا تھا، جو مفتی صاحبؒ کیلئے بڑی سعادت کی بات تھی اور وہ اس کا ذکر بطور تحدیث نعمت کیا کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ جب اپنے والد صاحب کے ساتھ حج کیلئے تشریف لے گئے تو واپسی پر دونوں کی حضرت تھانویؒ سے ملاقات کیلئے خانقاہ میں حاضری ہوئی، والد صاحب نے حضرت تھانویؒ سے معانقہ کیا، مگر مفتی صاحب نے ادباً صرف مصافحہ کیا، حضرت تھانویؒ نے ان کا ہاتھ کھینچ کر سینہ سے لگایا اور فرمایا کہ تم نے کیا خطاء کی ہے؟ انہی شفقتوں نے مفتی صاحبؒ کو حضرت تھانویؒ کا گرویدہ بنایا ہوا تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا عقد نکاح بھی تھانہ بھون ہی میں ہوا اور حضرت تھانویؒ نے خود نکاح پڑھایا اور دعائیں دیں بہرحال اس قسم کی سعادتوں سے مفتی صاحبؒ کا دامن مالا مال تھا، اور ان کے انوار و برکات سے جہاں خود ان کی زندگی مزین و منور تھی وہیں ان کی صالح اور سعادتمند اولاد میں بھی اس کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے والد بزرگوار کا حقیقی جانشین بنائے اور ان کے علمی وروحانی ورثہ سے ان کو حظ وافر عطا فرمائے، حضرت مفتی صاحبؒ میدان علم وتحقیق کے شہ سوار تھے، ذہن ثاقب، قوی حافظہ اور مستحضر علم کی نعمت سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا، فقہی ذوق غالب تھا جو ان کو اپنے والد ماجدؒ سے ورثہ میں ملا تھا، علوم شرعیہ کے ساتھ فنون عقلیہ اور بحث و جدل میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا جس پر ان کی محققانہ تصانیف شاہد ہیں۔

حضرت مفتی صاحب جہاں بھی تشریف لے جاتے ان کی قیام گاہ اہل علم اور ارباب فتویٰ کا مورد و مصدر بن جاتی، یوں لگتا کہ یہ کوئی درسگاہ یا دارالافتاء ہے، اپنے اکابر ومشائخ کے حالات و واقعات، ان کی علمی فقہی تحقیقات اور علمی مذاکرات، بس شب و روز یہی موضوع مجلس رہتا، کسی مسئلہ میں اپنی تحقیق ذکر کرنے کے بعد اپنے معاصرین بلکہ اپنے چھوٹوں سے بھی استصواب فرماتے اور ان کی رائے اور تحقیق کی قدر کرتے جو ان کی بے نفسی کی نشانی تھی۔

علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ کو زہد وتقویٰ، قناعت وتوکل صفاء قلب اور استغناء باطن کی بیش بہا دولت بھی خوب عطا فرمائی تھی، جو کہ اس زمانہ میں نایاب نہ سہی مگر کمیاب ضرور ہے۔

دارالعلوم نانک واڑہ کراچی کے سابق ناظم مولانا محمد متین خطیب صاحبؒ نے ایک بار ایک مجلس میں بطور افتخار فرمایا کہ ''مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی میرے شاگرد ہیں'' انہوں نے انبالہ میں مجھ سے پڑھا ہے، اور پھر مفتی صاحب کے کچھ اوصاف حمیدہ ذکر کئے، احقر کو مفتی صاحبؒ سے غائبانہ تعارف اسی وقت ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا محمد متین صاحب خطیب مفتی صاحب کے استاذ ہیں۔

خطیب صاحبؒ کی یہ بات سن کر اس وقت احقر کو یہ خیال آیا کہ جس طرح کسی مشہور اور ماہر استاذ کی طرف نسبت تلمذ شاگرد کے وقار واعتبار میں اضافہ کا سبب ہوا کرتی ہے اسی طرح کبھی کسی نونہار اور لائق وسعادتمند شاگرد کی نسبت سے استاذ کا تعارف استاذ کی وجاہت وثقاہت کو بھی چار چاند لگادیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو علم وفضل اور ورع وتقویٰ کا وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ ان کے اساتذہ بھی اپنے سے ان کی نسبتِ تلمذ کو باعث فخر سمجھتے تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ سے غائبانہ تعارف کے بعد بالمشافہ ملاقات کا احقر کو اشتیاق تھا کہ ایک روز اچانک پتہ چلا کہ مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی دارالعلوم میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور مہمان خانہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں احقر نماز عصر کے بعد ملاقات کیلئے مہمان خانہ میں حاضر ہوا کسی نے مفتی صاحب کو میرا نام لے کر بتادیا کہ وہ ملنے آیا ہے، میرے اندر داخل ہوتے ہی مفتی صاحبؒ کھڑے ہوکر ایسی محبت اور پرتپاک طریقہ سے ملے اور معانقہ فرمایا کہ لگتا تھا کہ برسوں کا پرانا تعارف وتعلق ہے، فرمایا کہ آپ کے بارے میں معلوم کرتا رہتا ہوں، آپ سے ملاقات کا انتظار تھا اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا، احقر کو بھی پہلی ہی ملاقات میں بڑی یگانگت اور موانست محسوس ہوئی اور اس میں الحمدللہ بعد میں ہر ملاقات میں اضافہ ہی ہوتا رہا، اور حضرت مفتی صاحبؒ کی محبت وعظمت کا نقش قلب پر گہرا ہوتا گیا۔

کراچی آمد پر مفتی صاحبؒ کا قیام عموماً دارالعلوم ہی میں ہوا کرتا تھا اور کئی کئی روز قیام ہوتا، ملاقات کیلئے طلباء اور اساتذہ کا تانتا بندھا رہتا تھا، ہر مجلس اپنے اکابر اور اساتذہ ومشائخ کے واقعات

وحالات، فقہی مسائل اور علمی مذاکرات سے باغ و بہار بنی رہتی تھی، طلباء بھی خوب استفادہ کرتے اور اساتذہ بھی محظوظ ہوتے، سب کی خواہش ہوتی کہ حضرت مفتی صاحب کا دارالعلوم میں قیام طویل ہو مگر اس کی نوبت کم آتی، پانچ چار روز کے بعد مفتی صاحب واپس تشریف لے جاتے اور تشنگی باقی رہ جاتی، ایک بار مفتی صاحبؒ دارالعلوم کورنگی میں تشریف لائے ہوئے تھے، مہمان خانہ میں قیام تھا احقر وقتاً فوقتاً ملاقات کیلئے حاضر ہوتا رہتا تھا، ایک روز عصر کے بعد احقر حاضر ہوا تو اس وقت دارالعلوم کی طرف سے چائے آئی ہوئی تھی اور مفتی صاحبؒ چائے پی رہے تھے، چائے کافی مقدار میں تھی اور پیالیاں بھی کئی تھیں، چائے کے ساتھ لوازم بھی خاصے تھے، مفتی صاحبؒ چائے پیتے رہے اور باتیں کرتے رہے مگر انہوں نے ایک بار بھی مجھ سے چائے پینے کیلئے نہیں فرمایا، ابتداءً تو مجھے یہ بات غیر مانوس سی محسوس ہوئی کہ مفتی صاحب نے چائے کیلئے پوچھا تک بھی نہیں، مگر پھر فوراً ذہن منتقل ہوا اور الحمدللہ بات سمجھ میں آ گئی کہ دارالعلوم کی طرف سے مفتی صاحب کیلئے چائے کی اباحت ہے، تملیک نہیں، اس لئے اس پر دوسروں کو دعوت دینا کیسے جائز ہے؟ یہ خیال آتے ہی حضرت مفتی صاحبؒ کے دینی فہم اور ورع وتقویٰ کا دل پر گہرا اثر ہوا، ورنہ اس زمانہ میں یہ احتیاط کہاں؟ دوسروں کے مال پر فیاضی دکھانا اور بہتی گنگا میں غوطے لگانا آج معمول سا بن چکا ہے جس میں عوام کے ساتھ بہت سے خواص اور اہل علم بھی مبتلا ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے پاکستان آنے کے بعد سرگودھا کے مضافات میں ایک غیر معروف چھوٹے سے قصبہ ساہیوال کو اپنا مستقر بنایا اور وہاں ایک مختصر سی جگہ میں مدرسہ حقانیہ کے نام سے ایک چھوٹی سی دینی درسگاہ قائم کر کے قرآن کریم کی تعلیم سے آغاز کیا، اور اللہ کے بھروسے وہیں جم کر بیٹھ گئے، رفتہ رفتہ تعلیم قرآن کریم کے ساتھ دوسری دینی تعلیم اور تبلیغی، اصلاحی، فقہی اور تصنیفی خدمات کا بھی وہاں سلسلہ شروع ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے اخلاص اور محنت واستقامت کی برکت سے اس درسگاہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمایا اور ظاہری و باطنی ترقیات عطا فرما کر علوم نبوت کی تعلیم وترویج کا اس کو ایک اہم مرکز بنا دیا، دینی تعلیم کے علاوہ یہاں سے جاری ہونے والے بے شمار تحقیقی فتاویٰ اور حضرت مفتی صاحبؒ کی مختلف موضوعات پر شائع ہونے والی اہم علمی، تبلیغی اور اصلاحی تصانیف اور مقالات و

مضامین، عنداللہ اس مدرسہ کی قبولیت کی علامات ہیں، مفتی صاحبؒ جب کبھی اپنے اس مدرسہ کا ذکر کرتے تو تواضعاً فرماتے کہ ہمارا مدرسہ کیا ہے وہ تو چھوٹی سی مدرسی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدرسہ کے بڑے یا چھوٹے ہونے کا مدار ظاہری عمارت اور اس کی حدود رقبہ پر نہیں بلکہ مدار اس پر ہے کہ اس کی مقبولیت اللہ کے یہاں کتنی ہے اور اس کا دینی فیض کتنا عام اور تام ہے؟ اور امت کو وہاں سے دینی نفع کتنا حاصل ہو رہا ہے۔

مفتی صاحبؒ کو ملک کے بعض بڑے مدارس سے بھی پیشکش ہوئی مگر انہوں نے ساری زندگی شہرت سے دور، نام نمود سے نفور اسی گوشہ عزلت میں گذار دی جوان کے اخلاص کامل اور زہد وتوکل کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی دین کی بھرپور خدمت کا خوب کام لیا۔

علوم ظاہرہ میں اشتغال کے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ کو تزکیہ باطن اور معارف طریقت وسلوک کی تحصیل کی بچپن ہی سے بڑی فکر اور لگن تھی، چنانچہ پہلے حضرت تھانویؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد حضرت تھانویؒ کے کئی مشاہیر خلفاء سے اصلاحی اور باقاعدہ بیعت کا تعلق رہا، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ، شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے خصوصی اکتساب فیض کیا، اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے مجاز بیعت وارشاد بھی ہوئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ اپنے اساتذہ ومشائخ کا جب تذکرہ کرتے تو بے خودی کی کیفیت ہو جاتی اور یوں لگتا کہ ان کی محبت سے یہ اس قدر سرشار ہیں کہ ان کے تذکرہ کے وقت کوئی دوسری چیز ان کی نظر میں قابل ذکر اور قابل التفات نہیں رہتی۔

مفتی صاحبؒ نے اپنی تصنیف ''تذکرہ حضرت مدنی ؒ'' میں اپنے استاذِ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے حالات وواقعات اور اپنے تأثرات جس محبت وعقیدت اور والہانہ انداز میں ذکر کئے ہیں وہ ان نافہم اور بے خبر لوگوں کی نصیحت وعبرت کیلئے کافی ہیں جو حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنی ؒ میں سے کسی ایک سے اپنے تعلقِ خاطر کی بنیاد دوسرے سے بغض ونفرت پر رکھنے کے عادی ہیں اور وہ اس کے بغیر کسی ایک سے اپنی محبت وعقیدت کے اظہار کو نامکمل اور ناتمام سمجھتے ہیں دراصل ایسے لوگ نہ حضرت تھانویؒ کے مقام ومنصب سے واقف ہیں اور ان کے خیر خواہ ہیں اور نہ

حضرت مدنیؒ کے درجہ اور رتبہ سے باخبر اور ان کے بہی خواہ ہیں، بلکہ یہ لوگ اپنے کید نفس کا شکار ہیں جن کو اللہ والوں کے بغض میں مبتلا کر کے شیطان نے ان کی آخرت کی راہ ماردی ہے، العیاذ باللہ۔

حضرت مفتی صاحبؒ جس طرح حضرت تھانویؒ کے عقیدتمند اور گرویدہ تھے اسی طرح وہ حضرت مدنیؒ کی محبت سے سرشار اور ان کی عظمتِ مقام کے بھی معترف اور مداح تھے، اور یہی تمام اہل حق وانصاف کا شیوہ رہا ہے، اللہ جل شانہ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے دین کا بڑا کام لیا، وہ ساری زندگی دینی خدمات، فقہی تحقیقات، اور عقائد حقہ کی ترویج اور نشر واشاعت میں مشغول رہے، اور اپنے بعد اپنے عظیم الشان علمی ورثہ کے علاوہ انہوں نے وہ صاحب علم اور سعادتمند اولاد چھوڑی جو بجا طور پر ان کی علمی میراث کی حقدار اور ان کی حقیقی معنی میں جانشین ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے والد ماجدؒ کی اس گرانقدر میراث کی قدر دانی اور حق شناسی کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی علمی وروحانی برکات سے مستفید فرمائے اور اپنے اکابر کے مزاج ومذاق کے مطابق راہ اعتدال پر چلتے ہوئے دین کی بھرپور خدمت کیلئے قبول فرمائے اور مفتی صاحبؒ کیلئے ان کو ذخیرۂ آخرت اور صدقۂ جاریہ بنائے آمین۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے مآثر وکمالات اور دینی خدمات ومجاہدات کا بالاستیعاب تذکرہ تو ان کا کوئی سوانح نگار ہی کرے گا، احقر نے تو یہ چند کلمات مفتی صاحبؒ سے عقیدت ومحبت کی بناء پر تبرکاً سپرد قلم کئے ہیں، اللہ تعالیٰ اس مخلصانہ تعلقِ خاطر کو میرے لئے وسیلۂ آخرت اور ذریعہ نجات بنائے اور حضرت مفتی صاحبؒ کے مقام علیین میں درجات بلند فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں ان کو قرب خاص نصیب فرمائے، اللھم نوّر مرقدہ واکرم نزلہ وابدلہ داراً خیراًمن دارہ واھلاً خیراًمن اھلہ۔ اللّٰھم لاتحرمنا أجرہ ولاتفتنا بعدہ۔ آمین

راقم الحروف احقر شمس الحق غفرلہ

دارالعلوم کراچی

۲۵/ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ

حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

کی چند اہم تصانیف

☆تکملہ احکام القرآن (عربی) ۵ جلدیں (زیرطبع)
☆حیات انبیاء کرام علیہم السلام
☆تذکرہ حضرت مدنیؒ
☆تذکرۃ الظفر
☆دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت
☆ادراک الفضیلہ فی الدعاً بالوسیلہ
☆اکابر کا مسلک ومشرب
☆مقام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
☆حضرت افغانی کی تفسیری خدمات
☆مفتی اعظم پاکستان کی تفسیری خدمات
☆اتباع سنت اور صوفیاء کرام
☆تحقیق الجمعہ فی القریٰ (زیرطبع)
☆تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت اور علماء دیوبند

☆ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن
☆بارہ مہینوں کے فضائل واحکام
☆معارف حضرت مدنیؒ ۲ جلد
☆اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام
☆اشرف المعارف
☆عقائد علماء دیوبند
☆تذکرہ حضرت مفتی عبدالکریمؒ
☆فضائل جہاد
☆اصلاح مفاہیم پر ایک تحقیقی نظر
☆فیض روحانی از اولیاء ربانی
☆تقریر ترمذی شریف (زیرطبع)
☆المہند عقائدی دستاویز
☆تحریک پاکستان میں مسٹر اور ملا کا کردار

ملنے کا پتہ: جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا۔ فون: 0451/786002